جدید اڈیشن

تالیف: شیخ الاسلام امام ابن قیم

إعلام الموقعين عن رب العالمين

دوم

ترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد صاحب جوناگڑھی



مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

منہاج السنت ڈاٹ کام پر تمام ''پی ڈی یف ''کتب قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

إعلام الموقعين

عن رب العالمين

جلد دوم

تالیف

الامام المحدث شمس الدین ابوعبداللہ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد صاحب جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ الفہیم مؤناتھ بھنجن یو۔پی

نام کتاب : اعلام الموقعین اردو (جلد دوم)

نام مؤلف : الامام المحدث ابوعبداللہ ابن قیم الجوزیہؒ

نام مترجم : خطیب الہند مولانا محمد صاحب محدث جونا گڈھیؒ

طابع وناشر : مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

اشاعت اول : ۱۹۳۸ء

اشاعت دوم : مارچ ۲۰۰۱ء

اشاعت سوم : ستمبر ۲۰۰۳ء

اشاعت چہارم : ستمبر ۲۰۰۹ء

صفحات : 640

قیمت : Rs. 700 (مکمل دو جلدیں)





باهتمام

شفيق الرحمن ، عزيز الرحمن

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

Maktaba Al-Faheem

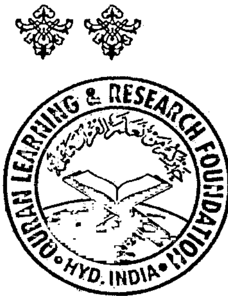
Raihan Market 1st Floor Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Phone: 0547-2222013(S) 2520197(R) Mob. No. 9889123129/9236761926

فہرست

(جلد دوم)

حصہ ششم

حصہ ہفتم


QURAN LEARNING & RESEARCH FOUNDATION
HYD. INDIA

حصّہ پنجم

حدیث کے کچھ اور اطلاقات

کسی خاص چیز یا کسی خاص جگہ کا بیان : جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی مخصوص چیز کو بیان فرمائیں یا کسی خاص جگہ کی تعیین بیان فرمائیں تو یہ بھی مثل حدیث معتبر مانی جائے گی۔ مثلاً صاع اور مد (جو ایک ناپ ہے اُس) کا بیان' منبر کی جگہ کی تعیین' نبی ﷺ کس جگہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے؟ آپؐ کا روضہ کونسا ہے؟ آپؐ کا حجرہ کہاں سے کہاں تک ہے؟ مسجد قبا' روضہ جنت بقیع' عید گاہ وغیرہ کا بیان' یہ سب مثل حدیث کے ہے۔ یہ نقل ایسی ہی ہے جیسے حج کی جگہوں کی نقل' جیسے صفا مروۃ' منیٰ' شیطانوں کی جگہ' مزدلفہ' عرفات اور احرام کی جگہ' ذوالحلیفہ' جحفہ وغیرہ۔

کسی جاری عمل کی نقل : جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایسے عمل کی نقل کریں جو نبی ﷺ کے زمانے میں برابر ہوتا رہا ہو تو یہ بھی مثل حدیث معتبر مانا جائے گا۔ مثلاً وقف اور شراکت کی کھیتی اور بلند جگہ پر اذان اور سحری کی اذان اور کلماتِ اذان کا دُہرانا اور کلماتِ اقامت کو اکہرا کہنا' جمعہ کے خطبے میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا اور احادیث بیان فرمانا نہ کہ وہ خطبے پڑھنا جن میں سارا زور عبارت آرائی اور قافیہ بندی اور عربی زبان کی بندشوں کی نزاکت پر دیا گیا ہے جن سے فائدہ اتنا بھی نہیں ہوتا جتنی اڑد پر سفیدی' پس ان چیزوں کی نقل یقیناً حجت ہے۔ اس کی اتباع واجب ہے یہ بھی حکماً حدیث ہے جو سر آنکھوں پر رکھنے کے لائق ہے۔ جنھیں علمِ حدیث کا چسکا ہے انھیں اس قسم کی روایت جب مل جاتی ہے تو ان کے دِل کی کلی کھل جاتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں نور اور دِلوں میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔

اہل مدینہ کے اجتہادی عمل کی بحث : عمل صحابہ رضی اللہ عنہم جو اجتہادی اور استدلالی طریق پر ہو اس میں بہت کچھ لمبی بحثیں ہیں کہ آیا وہ حجت ہے یا نہیں؟ قاضی عبدالوہاب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہمارے اصحاب کی یہاں تین توجیہیں ہیں : (ا) اصلاً حجت ہی نہیں۔ حجت صرف اجماعِ اہل مدینہ ہے جو بطریق نقل ہو لیکن اس سے بھی دو اجتہادوں میں سے ایک اجتہاد کو ترجیح نہیں دی جا سکتی یہی قول ہے ابوبکر کا' یعقوب رازی کا' قاضی ابوبکر بن منتاب کا' طیالسی کا' قاضی ابو الفرج کا اور شیخ ابوبکر ابہری کا رحمۃ اللہ علیہم۔ یہ حضرات اس کے انکاری ہیں کہ یہ مذہب مالک کا ہو یا ان کے اصحاب میں سے کسی بزرگ کا قول ہو۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ گو یہ حجت تو نہیں لیکن اس سے ان کا اجتہاد ان کے سوا اوروں کے اجتہاد پر ترجیح دیا جائے گا۔ بعض اصحابِ شافعی کا قول یہی ہے۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا اجماع جو بطریق اجتہاد ہو حجت ہے۔ ہاں اس کا خلاف حرام نہیں جیسے ان کا اجماع جو بطریق نقل ہو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ اسی پر کلام احمد بن معدل اور ابوبکر وغیرہ کا ہے۔ شیخ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے جو رسالہ لیث بن سعد کو لکھا تھا اس میں بھی اسی کی دلالت ہے۔ ابو مصعب نے بھی اپنے مختصر میں اس کا ذکر کیا ہے جن سے اس کی تصریح مروی

ہے۔ وہ قاضی ابو الحسن بن ابو عمر ہیں۔ انھوں نے اپنے اس رسالہ میں جسے انھوں نے ابوبکر صیرفی پر لکھا تھا ان کے اس کلام کو باطل کرنے کے لیے جو انھوں نے ہمارے اصحاب پر کیا تھا جو اجماعِ اہل مدینہ کے متعلق تھا۔ ہمارے اکثر مغربی اصحاب بلکہ وہ تو تقریباً سب کے سب اسی طرف گئے ہیں۔ رہیں وہ حدیثیں جو آحاد ہیں وہ بھی تین طریقوں سے خالی نہیں : (۱) یا تو عمل اہل مدینہ ان کے مطابق ہوگا۔ (۲) یا نہ ہوگا۔ (۳) یا مطابق یا نامطابق کچھ بھی نہ ہوگا۔ پہلی صورت میں حدیث کی پوری تاکید ہو جائے گی اس کی صحت اور وجوبِ عمل قوت پکڑ جائے گا لیکن یہ اس صورت میں کہ وہ عمل بطریق نقل ہو۔ اگر یہ طریق اجتہاد ہے تو ترجیح ہو جائے گی۔ اسی اختلاف پر جو ہم نے اوپر بیان کر دیا۔ دوسری صورت میں یعنی جب کہ اہل مدینہ کا عمل اس کے خلاف ہو یہ دیکھنا چاہیے کہ عمل کی وجہ کیا ہے؟ اگر نقل کے طور پر ہے تو وہ روایت چھوڑ دی جائے گی۔ ہمارے ہاں تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ اس مسئلہ میں کلام کی بڑی غرض بھی یہی ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسا ہم صاع میں اور مد میں اور سبز ترکاریوں کی زکوۃ میں لکھتے ہیں۔ ہاں اگر عمل اہل مدینہ ازروئے اجتہاد ہے تو اس صورت میں ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک خبر اولیٰ ہے۔ ہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجماع بطریق اجتہاد بھی حجت ہے۔ اب تیسری صورت کی نسبت سنیے کہ اس حالت میں حدیث کی طرف لوٹنا واجب ہے اہل مدینہ کا کوئی عمل ایسا نہیں جو مصداقِ حدیث کی موافقت یا ناموافقت کرے تو اس صورت میں یہی واجب ہے اس حدیث کو ساقط کرنے والی یا اس کا معارضہ کرنے والی اور کوئی دلیل نہیں۔ یہ ہے ہمارے اصحاب کے بیان کا خلاصہ جو اس مسئلے میں ہے۔ اس سے ضمناً یہ ثابت ہوگیا کہ ان کا عمل جو نقل کے قائم مقام ہے حجت ہے۔ پھر جب ان کا اجماع ہو جائے تو وہ قطعاً اخبارِ آحاد پر مقدم ہے۔ اسی پر اس مسئلہ کی بنا اور قرار ہے۔ اس پر مزید دلالت اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ کسی چیز پر نقلاً یا عملاً متصلاً اجماع کر لیں تو یہ امرِ معلوم نقل تواتر ہو جاتا ہے جس سے علم حاصل ہوتا ہے اور عذر کٹ جاتا ہے اس کے بالمقابل اس حدیث کو جو آحاد میں داخل ہے چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے کہ مدینہ وہ شہر ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بڑا مجمع ہے یہ کوئی خبر دیں اسے علمِ یقینی حاصل ہو جاتا ہے جس کی نقل پر ان کا اجماع ہو وہ بھی موجب علم ہوتا ہے۔ پس لامحالہ اتنی اعلیٰ چیز خبر واحد پر اور اس کے ترک پر حجت ہوگی۔ مثلاً خبر واحد مروی ہو اس میں جس میں تواتر کے ساتھ تمام اُمت کی نقل اس کے برخلاف ہو تو ترکِ خبر واحد اس نقل کی وجہ سے جو تمام اُمت سے بہ تواتر ہے واجب ہو جائے گی کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ بالکل محال ہے کہ امت اپنے اس وقت سے لے کر نبی ﷺ کے وقت تک اجماعی طور پر ایک صحیح سُنّت کے خلاف پر جم جائے۔ یہ بالکل اَن ہونی بات ہے۔ ہاں اگر یہ چیز اس میں واقع ہو جس کا طریق اجتہادی ہے تو بے شک اجتہاد کی عصمت کی ضمانت کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔ اس تفصیل کے بعد اصل مطلب سنیے۔ بہ طریق نقل یا بہ طریق عمل دائمی نہ تو صحابہ اور اہل مدینہ کا اس پر اجماع ہوا کہ خیارِ مجلس باطل ہے نہ ایک طرف سلام پھیرنے پر اجماع ہوا نہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے پر ہوا نہ رکوع کرنے اور رکوع سے اُٹھنے کے وقت رفع الیدین نہ کرنے پر انکار تعامل رہا' نہ سورۂ مفصل میں سجدہ نہ کرنے پر ان کا اتفاق ہوا' نہ سورۂ فاتحہ سے پہلے دُعاء افتتاح اور اعوذ کے نہ پڑھنے پر انھوں نے کبھی اجماع کیا اور نہ ان مسائل پر جن پر تم بے تکان کہہ دیتے ہو کہ اہل مدینہ کا عمل اس پر نہیں۔ حالانکہ خود ان کے بڑے نبی ﷺ سے اور آپؐ کے اصحاب سے ان کے قول کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ پھر کیسے مان لیا جائے کہ ان متاخرین کا یہ قول حق ہے کہ اس فعل کو اب تک برابر صحابہ ترک کیے رہے یہ تو ایک محال اور اَن ہونی بات کا تسلیم کر لینا ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حق اس کے خلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے صاع کو' مد کو' وقف کو' کھیتی کو شرکت میں کرنے کو' سبز ترکاریوں کی

زکوۃ نہ لینے کو نقل کیا ہے اور یہ سب چیزیں حق و صدق ہیں۔ کسی حدیث میں ان میں سے کسی ایک کا بھی خلاف ثابت نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام محمد شاگردِ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان مسائل میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون رشید کی موجودگی میں مناظرہ کیا اور ان پر حق واضح ہو گیا تو صاف رجوع کر لیا۔ ہاں یہ مرتبہ اہل مدینہ کے اجتہادی مسائل کو ہرگز نہیں دیا جا سکتا کہ ان کے مقابل سُنّتِ ثانیہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ان دونوں چیزوں کا فرق اس قدر ظاہر ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ان دونوں کو ملا دینا ہی باعث ہوا ہے شبہ کا اور ان دونوں میں علیحدگی کر دینے سے حق و صواب نظر آتا ہے۔ جہاں آپ نے یہ کار آمد بحث سنی وہاں ایک اور کام کی بات بھی دِل میں بٹھا لیجیے' اُس کے بغیر گویا یہ باب اُدھورا رہ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جب خلفاء اربعہ کی خلافت کا زمانہ گزر چکا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مدینہ خالی ہو چکا پھر مدینہ شریف کا وہ حال بھی نہ رہا' اب تو یہ ہو گیا کہ جو امیر ہوتا' جو مفتی ہوتا' جو محتسب ہوتا ان کے احکام جاری ہو جاتے' رعیت ان کا خلاف نہیں کر سکتی تھی۔ مفتیوں کے فتوے' امارت و بادشاہت کی طرف سے قانونِ ملک بن کر نافذ ہو جاتے۔ پولیس اور کوتوال ان پر عمل کراتے اور ان کی پابندی ضروری ہو جاتی۔ پس! ان زمانوں میں کسی کام پر یا کسی مسئلے پر اہل مدینہ کا جمع ہو جانا ایک جَو کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتا۔ بالخصوص جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث مل جائے یا خلفاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی قول و فعل مل جائے تو وہی سُنّت رہے گا اور عمل اہل مدینہ اس کے بالمقابل پیش کرنا حقارتِ حدیث کرنے کے برابر ہو گا۔ پس پہلی قسم کے اجماعِ اہل مدینہ کو ہم حجت سمجھتے ہیں اور اس دوسرے اجماع کو محض ردی اور واہی چیز جانتے ہیں۔ واقعات پر نظر دوڑائیے۔ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن مفتی ہیں' سلیمان بن بلال محتسب ہیں۔ ادھر سے فتویٰ جاری ہوتا ہے' ادھر سے ڈنڈے کے زور سے اُسے منوایا جاتا ہے۔ رعیت مجبور ہے کہ اس پر عامل بنے۔ یہی حالت دوسرے شہروں کی بھی سمجھ لیجیے۔ جہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ہے وہاں ان کے فتوے کا یہی حال ہے۔ جہاں حنفی مذہب زور پکڑ گیا ہے وہاں ان کے بتلائے ہوئے مسائل یہی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسے وقت ایک شہر کے عمل کو دوسرے شہر کے عمل سے زیادہ قوی سمجھیں بلکہ اسے حق سمجھ بیٹھیں بلکہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اسے پیش کرنے لگیں۔ سخت تر ناانصافی اور بد مذاقی یہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس کی مزید وضاحت سنا دوں۔

مدینہ شریف میں زمانے کے اختلاف سے مسائل کا اختلاف۔ دُعاءِ افتتاح : امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خود آپ مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر فرض نماز کی امامت میں دُعاءِ افتتاح کو بآوازِ بلند پڑھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس پر عامل تھے' لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یہ چیز اس قدر بدل گئی کہ اللہ اکبر کے ساتھ ہی قرأت شروع ہو گئی' نہ استفتاح رہا' نہ اعوذ۔ نہ جہر سے نہ پوشیدہ۔

خیارِ مجلس : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھیے خیارِ مجلس کا مسئلہ عام ہے' عمل میں ہے یعنی لینے والا بیچنے والے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس مکان کو چھوڑ دیتا ہے جہاں خرید و فروخت ہوئی ہے تاکہ بیع پختہ ہو جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے عامل ہیں کوئی اس کے خلاف نیں۔ تابعین کے زمانے میں بھی اسی پر عمل رہتا ہے۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا فتویٰ دیتے ہیں کسی کو اس کے خلاف کی ہمت نہیں پڑتی۔ لیکن ربیعہ اور سلیمان بن ہلال کا زمانہ آتے ہی ہوائیں بدل جاتی ہیں اور یہ مسئلہ ایسا بھلا دیا جاتا ہے کہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ کھلم کھلا اس

کے خلاف عمل ہونے لگتا ہے۔

رفع الیدین : خود نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کے سامنے، آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کے بعد نمازوں میں رفع الیدین کرتے رہے۔ رکوع میں جاتے، رکوع سے اُٹھنے کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ کے بعد بھی اسی پر عامل رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نظر جب کسی پر پڑتی اور وہ رفع الیدین نہ کرتا تو آپ اُسے کنکر مارتے۔ رفع الیدین کا ثبوت اتنا پختہ اور اعلیٰ ہے کہ اُسے پڑھنے والا گویا اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو رفع الیدین کرتے دیکھ لیتا ہے۔ جمہور تابعین کا بھی یہی عمل رہا۔ مدینہ اور دوسرے شہر اس سے بھرپور تھے، ہر طرف رفع الیدین کرنے والے ہی نظر آتے تھے۔ دیکھئے یہ سب باتیں امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں۔ لیکن پھر زمانے کا رُخ بدلتا ہے اور عمل اس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ مسجد میں نمازِ جنازہ سہیل اور ان کے بھائی جو بیضا کے لڑکے تھے۔ ان کی جنازے کی نماز رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں پڑھائی۔ یہ واقعہ اس قدر ثابت ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز مسجد میں پڑھتی ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا جاتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اسے حضرت نافع رحمہ اللہ سے وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ ایک صحابی بھی اس جنازے کی نماز میں جو مسجد میں ہوئی حاضر نہ ہوا ہو پس یہ عمل بھی گویا اجماعی ہے۔ ہشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز بھی مسجد میں ادا کی گئی۔ پس یہ عمل حق اور سراسر حق ہے لیکن پھر زمانہ کروٹ لیتا ہے اور اسے ناجائز کہنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس اگر اس طرح بعد کے عمل لے کر سنتوں کو چھوڑنا شروع کیا تو شاید کوئی سُنّت بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہ سکے۔ ساری سنتیں اس طرح تو مٹ جائیں گی، ان کے نشان بھی ناپید ہو جائیں گے۔ آہ! کس سے کہیں، کس کے پاس اپنا دُکھ لے جائیں۔ بیسیوں سنتیں ہیں جو اسی آڑ میں ترک کر دی گئی ہیں۔ پہلے بھی یہ ہوا ہے اور اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ دھبا دھب حدیث چھوٹتی ہے اور اس کے خلاف پر عمل ہوتا ہے۔ پھر وہی عمل جم جاتا ہے اور سُنّت انجان بن جاتی ہے بہت کم سنتیں اپنی جگہ پر رہ گئیں ہیں ورنہ یا تو خلاف ہوا یا کمی بیشی ہوئی تم بے حساب سنتیں اسی حالت میں پاؤ گے کہ وہ مہمل اور معطل ہو گئی ہیں، ان پر سے عمل چھوٹ گیا ہے، بدعتوں نے کچھ اس بری طرح اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں کہ آج اگر کوئی نیک دل خدا ترس سُنّت پر عمل کرنے کو کھڑا ہو تو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے سُنّت چھوڑ دی اس لیے کہ جو چیز ان کے سامنے برسوں سے بلکہ پوری زندگی میں رہی ہے وہ اس کے خلاف ہے اور اسی کو یہ اپنے ذہن میں سُنّت سمجھنے لگے ہیں۔ آپ یقین مانیے کہ سُنّتِ صحیحہ کے خلاف جو عمل ہے اس کا ثبوت بہ طریق نقل صحابہ سے نہیں وہ یا تو بطریق اجتہاد ہو گا یا بعد والوں کا عمل ہو گا جو محض بے دلیل ہو گا، نہ وہ خود دلیل ہو گا یا کہ خلافِ سُنّت و حدیث ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہو گا۔ بہ طریق نقل سُنّت جو عمل اہل مدینہ وغیرہ صحابہ کا ہو گا وہ ضرور سُنّت کے مطابق ہو گا۔

یہ بحث بہت طویل ہو گئی، اس لیے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں اور پھر سے اُن مسائل کو شروع کرتے ہیں جن میں محکم اور صاف دلیلیں چھوڑ کر متشابہ اور دور کی دلیلیں لے کر حدیث کو صاف جواب دیا گیا ہے۔ اس کی تینتالیس مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ آگے سنیے واللہ الهادی۔

انسٹھویں مثال : آمین کا مسئلہ : چوالیسویں حدیث جسے حنفی وغیرہ مقلد نہیں مانتے، صحیحین کی حدیث میں ہے جب امام آمین کہے تم بھی کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اگر جہری آواز سے آمین نہ ہوتی تو امام کے ساتھ مقتدی آمین کیسے کہہ سکتے؟ اُس کی آواز سے آواز کیسے ملا سکتے؟ اس سے زیادہ صراحت والی حدیث بھی سن لیجیے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کہتے' آمین کہتے اور اپنی آواز کو بلند کرتے۔ ایک روایت میں ہے طول دیتے۔ ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ۔ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ شعبہ نے اس حدیث میں سفیان کا خلاف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آمین کے ساتھ آپ اپنی آواز کو پست کرتے' لیکن ائمہ حدیث اور حفاظِ حدیث کا فیصلہ حضرت سفیان کے حق میں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں میں نے امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ سفیان والی حدیث شعبہ والی روایت سے بہت زیادہ صحیح ہے۔ شعبہ سے اس روایت میں کئی ایک خطائیں ہوگئی ہیں وہ حجر کی کنیت ابو العنبس کہتے ہیں حالانکہ ان کی کنیت ابو السکن ہے۔ پھر وہ اس میں علقمہ بن وائل کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ حجر بن عنبس خود وائل بن حجر سے راوی ہیں۔ علقمہ کا ذکر ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں آواز پست کی۔ حالانکہ اصل میں ہے' آواز بلند کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو زرعہ سے بھی اس کی بابت سوال کیا تو انھوں نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ سفیان والی روایت شعبہ والی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ پھر علاء بن صالح' سلمہ بن کہیل سے جو روایت کرتے ہیں وہ بھی سفیان کی روایت کی طرح ہے۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں شعبہ کو شک ہو گیا ہے اس لیے کہ سفیان ثوری اور محمد بن سلمہ وغیرہ اسے سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے آواز بلند کی۔ یہی ٹھیک اور درست بھی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے کل عالم اس پر متفق ہیں کہ جب سفیان اور شعبہ میں اختلاف ہو تو قول وہی صحیح ہے جو سفیان کہیں۔ حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ حضرت شعبہ رحمہ اللہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کے برابر کسی کو نہیں گنتا۔ لیکن یہ سفیان کا خلاف کرتے ہیں تو میں قولِ سفیان رحمہ اللہ لے لیتا ہوں۔ خود حضرت شعبہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سفیان رحمہ اللہ حافظے میں مجھ سے بہت زیادہ ہیں۔ پس حضرت سفیان کی اس روایت کی ترجیح کی ایک وجہ تو یہ ہوتی' دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ بن کہیل بھی انہی کی متابعت کرتے ہیں۔ تیسری بہترین وجہ یہ بھی ہے کہ ابو الولید طیالسی جیسے زبردست محدث رحمہ اللہ اسی روایت کو انہی شعبہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ ہے کہ آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز بلند کی جیسے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ امام شعبہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو اور انھوں نے اصلاح کر لی ہو۔ سند و متن دونوں درست کر لیے ہوں۔ سند میں علقمہ کا ذکر نکال دیا ہو اور متن میں بآوازِ بلند آمین کہنے کا ذکر کیا ہو۔ چوتھی ترجیح یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں اگر برابری بھی مان لی جائے تو ظاہر ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنے کی روایت میں زیادتی ہے اور اس فن میں ایسے مقام پر زیادتی کا لینا اولیٰ ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے جو حدیث بیان ہوئی ہے کہ جب امام آمین کہے تم بھی کہو۔ امام آمین کہتا ہے اور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں' جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے موافقت اسی صورت میں ہے کہ بآوازِ بلند آمین ہو اور وہ سفیان والی روایت میں ہے۔ پس اس روایت کے راجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ چھٹی ترجیح سنیے۔ حاکم میں صحیح سند سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سورۂ الحمد سے

فارغ ہو کر باآوازِ بلند آمین کہتے تھے۔ ابو داؤد میں بھی یہی معنی مروی ہیں اور اتنا بیان بھی ہے کہ آپ کی اونچی آواز کی آمین پہلی صف کے وہ لوگ جو آپ کے آس پاس ہیں سن لیا کرتے تھے۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ آپ باآوازِ بلند آمین کہتے اور اسی کا حکم مقتدیوں کو دیتے۔ بیہقی میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو آمین کہتے سنا ہے جب کہ آپ ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ پڑھتے۔ بیہقی میں یہ بھی ہے کہ آپ ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ پڑھ کر اونچی آواز سے آمین کہتے۔ ابو داؤد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ سے عرض کیا کرتے تھے کہ مجھ سے پہلے آمین میں سبقت نہ کر جایا کیجیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ : آپ کے شاگرد حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا امام اونچی آواز سے آمین کہے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! امام بھی اور مقتدی بھی۔ میں نے کہا اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی صحیح حدیث پڑھ سنائی۔ پھر فرمایا کہ اس میں نبی ﷺ کا جو فرمان ہے کہ جب امام آمین کہے تم بھی کہو' اس میں دلالت ہے کہ امام اونچی آواز سے آمین کہے' اگر اُس نے اونچی آواز سے آمین نہیں کہی تو مقتدیوں کو اس کی آمین کی خبر کیسے ہوگی؟ خبر تو اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ اونچی آواز سے آمین کہے۔ پھر ابن شہاب نے اسے اور صاف کر دیا اور فرما دیا کہ نبی ﷺ آمین کہا کرتے تھے۔ میں نے کہا حضرت امام صاحب ہم تو امام کی اونچی آواز کی آمین کو پسند نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا یہ تو صریح خلافِ حدیث ہے۔ اگر بالفرض اس حدیث کے سوا اور حدیث نہ بھی ہوتی تاہم صرف یہی اونچی آواز سے آمین کہنے کی بہترین اور کھلی دلیل تھی حالانکہ یہاں تو اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آپ نے امام کو اونچی آواز سے آمین کہنے کا حکم دیا۔ پھر تم دیکھو کہ اہل علم بھی اسی پر رہے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ اسے طول دیتے' لمبا کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ مؤذن تھے تو امام سے شرط کر لی تھی کہ آمین میں مجھ پر سبقت نہ کر جانا۔ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ اماموں کی آمین کی اونچی آواز ہم سنا کرتے تھے۔ ان کے پیچھے ان کے مقتدی بھی باآوازِ بلند آمین کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔ روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امام سے شرط کرنا جو ہے اس کی تفصیل بیہقی میں اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کے مؤذن تھے' ان سے شرط کر لی تھی کہ جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صف میں مل گئے ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ نہ کہیں پس مروان سے ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ سن کر آپ اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین سے موافقت کر جائے تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں پایا۔ جب امام ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ پڑھتا تو میں سنتا کہ وہ اتنی بلند آوازوں سے آمین کہتے کہ مسجد گونج اٹھتی۔ آہ! اتنی ساری صاف صاف حدیثیں رد کر دی جاتی ہیں اور اس آیت کو پیش کر دی جاتی ہیں جسے اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی آیت ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور خاموش رہو' ہم کہتے ہیں اگر اس آیت کا یہی مطلب ہے تو جس پر یہ آیت اُتری خود اس نے اس کا خلاف کیوں کیا؟ اور بلند آواز سے آمین کیسے کہی؟ پھر کیا وجہ کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم قرآن میں ہوا تھا وہ اس کا خلاف ہی کرتے رہے اور اونچی آوازوں سے آمین کہتے رہے۔ یہی ایک بات اس بات کو سمجھانے کے لیے کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہے کہ اس آیت کا وہ مطلب نہیں جو تم لے رہے ہو۔ پس بحمد اللہ

نہ آیت حدیث کے خلاف ہے نہ رسول اللہ ﷺ کلام اللہ کے خلاف تھے۔

ساٹھویں مثال : صلوٰۃ وسطی کا ذکر : پینتالیسویں حدیث جو تقلید کی وجہ سے چھوٹ چکی ہے۔ صاف صاف لفظوں میں صحیح سند سے حدیث شریف میں موجود ہے کہ بیچ کی نماز نمازِ عصر ہے، لیکن اس تقلید کا ستیا ناس ہو کہ ایک متشابہ آیت ﴿ قوموا اللہ قانتین ﴾ کو پڑھ کر اس سُنّت کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ مصحف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں یہ الفاظ ہیں : وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس وقت ہوتا ہے کہ انھیں چاہیئے تھا کہ قرآن کی اس قرأت سے اور اس صریح حدیث سے مُنہ پھیر کر ظہر کی نماز کو صلوٰۃِ وسطی کہتے۔ کیونکہ وہ آدھے دن میں ہے۔ پھر کہتے کہ عموماً یہ وقت دھوپ کا اور گرمی کا ہوتا ہے اس لیے اس کی مزید تاکید کی۔ پھر اگر یہی انھیں کرنا تھا تو یہ مغرب کی نماز کو صلوٰۃِ وسطی کہتے کیونکہ چار رکعت اور دو رکعت کی نماز کے درمیان میں یہی تین رکعت کی نماز مغرب کی نماز ہے یا عشاء کی نماز کا نام صلوٰۃ وسطی رکھتے کیونکہ اس سے پہلے دن کی آخری نماز ہے اور اس کے بعد دن کی اوّلین نماز ہے۔ تو یہ بیچ کی نماز ہو گئی لیکن یہ تو ان سب سے گئے اور صریح سُنّت کا خلاف کیا اور حدیث کے لفظوں سے جو ثابت شدہ چیز تھی اُس سے ہٹ گئے، اللہ انھیں ہدایت دے۔

اکسٹھویں مثال : امام کے ربنا ولک الحمد پڑھنے کی بحث : چھیالیسویں حدیث جسے نعمانی گروہ نہیں مانتا، صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ((سمع اللہ لمن حمدہ)) کہتے تو ((اللھم ربنا ولك الحمد)) کہتے اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ جب کھڑے ہوتے، تکبیر کہتے، جب رکوع کرتے تکبیر کہتے، جب رکوع سے سر اُٹھاتے ((سمع اللہ لمن حمدہ)) کہتے، پھر کھڑے ہو کر ((ربنا ولك الحمد)) پڑھتے۔ (صحیحین) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنا سر رکوع سے اُٹھاتے تو فرماتے : ((سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لك الحمد ملا السموات وملا الارض وملاء ما شئت من شی بعد اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد و کلنا لك عبد لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منك الجد)) آہ! ان تمام کھلی حدیثوں کو ان مقلدین نے جواب دے دیا اور اپنی تقلید کے ثبوت میں عمل بالحدیث کی آڑ کے لیے یہ حدیث پڑھ دی کہ جب امام ((سمع اللہ لمن حمدہ)) کہے تو ((ربنا ولك الحمد)) کہو۔

باسٹھویں مثال : تشہد میں اُنگلی اُٹھانے کی : سینتالیسویں حدیث جس کی گردن پر تقلید کا پاؤں ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تشہد میں بیٹھتے تھے تو اپنا داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھتے اور ہاتھ کی سب انگلیاں بند کر لیتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ (مسلم) اور روایت میں ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور کلمے کی اُنگلی سے دُعا کرتے۔ (مسلم) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ تشہد میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی اُنگلی سے اشارہ کرتے۔ (مسلم) اسی طرح اور بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ اخلاص ہے۔ ان تمام ثابت اور صحیح اور بہت سی حدیثوں کو ان مقلدین نے رَد کر دیا اور اس حدیث کو پیش کر دیا جو صحیح نہیں، جس میں ہے کہ تسبیح مردوں کے لیے ہے اور دستک عورتوں کے لیے ہے اور جو شخص اپنی نماز میں ایسا اشارہ کرے جو سمجھا جائے اُسے چاہیے کہ اپنی نماز دُہرا لے۔ اس حدیث کا ایک راوی ابو غطفان مجہول ہے اور اشارے کا جو جملہ ہے وہ حدیث میں زیادتی

ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ابنِ اسحٰق کا اپنا قول ہو۔ آنحضرت ﷺ سے تو صحت و صراحت کے ساتھ اشارہ کرنا ثابت ہے۔

ترسٹھویں مثال : میّت عورت کے بالوں کی تین لٹیں بنانے کی :

اڑتالیسویں حدیث جسے مقلدوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کے غسل میت میں فرمایا ان کے سر کے بالوں کی تین لٹیں بنا دو۔ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے ماتھے کے بالوں کی ایک لٹ بنالی اور دونوں طرف کے بالوں کی دو لٹیں بنالیں اور پیچھے کی طرف ڈال دیں۔ یہاں تو مقلدین نے پوری بے شرمی کا مظاہرہ کیا ہے صاف کہتے ہیں کہ یہ تو زینت دنیا کی مشابہت ہے۔ یوں نہیں بلکہ دو لٹیں بنانی چاہئیں اور دونوں سینے پر ڈالنی چاہئیں۔ خیال فرمایئے پیچھے پشت پر جو بال ڈال دیئے گئے اس میں زینت ہے یا اس میں جو سینے پر پھیلا دیے گئے۔ پھر سُنّت کا صریح خلاف بھی اسی میں ہے۔ مقلدو! ہماری سنو' ہماری مانو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ سُنّت سے زیادہ تابعداری کی مستحق کس کی بات ہے؟

چونسٹھویں مثال : نماز میں ہاتھ باندھنا :

مقلدین کی چھوڑی ہوئی انچاسویں حدیث۔ ایمان کی بات ہے ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ اللہ کے ہاں کیا جواب دیں گے؟ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صاف موجود ہے کہ نبی ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔ سینے کا لفظ مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے نماز کے شروع میں رفع الیدین کیا۔ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ اپنی چادر میں لپیٹ لیے اور داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ رکوع کے وقت انھیں کپڑے سے نکال کر رفع الیدین کر کے اللہ اکبر کہا۔ رکوع سے اٹھتے وقت بھی ((سمع اللہ لمن حمدہ)) کہہ کر رفع الیدین کیا۔ سجدے کے وقت سر کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔ مسند احمد اور ابوداؤد نے اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ آپؐ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی اور پنچے اور کلائی پر رکھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی اور بازو پر نماز میں رکھا کریں۔ ابو حازم کہتے ہیں میرا علم تو یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع کی جاتی تھی سنن میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نماز میں اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھا تو رسولِ کریم ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کا داہنا ہاتھ بائیں پر کر دیا۔ اور کہا سُنّت نماز میں ہتھیلیوں کا زیر ناف رکھنا ہے۔ (احمد) مؤطا مالک میں امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں دونوں ہاتھوں کو ایک کو ایک پر نماز میں رکھنا چاہئے عبدالکریم بن ابوالمخارق بصری فرماتے ہیں کہ کلامِ نبوۃ میں یہ ہے کہ جب شرم کو چھوڑ دیا تو اب جو چاہے کرتا پھر۔ اور نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھنا اور روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں دیر کرنا۔ ابو عمر کی کتاب میں ہے کہ خواہ میں کسی چیز کو بھول بھی جاؤں لیکن اسے تو بالکل نہیں بھولا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ کے نبی کو نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر نماز میں باندھنا سُنّت طریقہ ہے آپ ہی سے مروی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے داہنا ہاتھ پہنچے پر رکھے رہتے۔ یہاں تک کہ رکوع میں جائیں یہ اور بات ہے کہ کپڑا درست کریں یا کہیں کھجانا پڑے۔ قرآنِ کریم کے فرمان : ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ﴾ (کوثر ۲:) کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو سینے

تلے نماز میں باندھنا ہے۔ ابنِ ابی شیبہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تو بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھتے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبیوں کا یہ بھی ایک خلق ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر نماز میں رکھیں۔ حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صف ملانا اور ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا سُنّت ہے۔ یہ کل آثار ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے مع سند ذکر کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ سب ثابت ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں تین باتیں نبوۃ کی ہیں روزہ کھولنے میں وقت ہوتے ہی جلدی کرنا' سحری کے وقت کے خاتمے سے کچھ ہی پہلے سحری کھانا اور بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ نماز میں رکھنا۔ حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ تین چیزیں نبوت کی ہیں تعجیل افطار' تاخیر سحری اور نماز میں ہاتھ باندھنا دایاں بائیں پر۔ افسوس صد افسوس ان کل احادیث کو یہ مقلدین صرف اس بناپر چھوڑے بیٹھے ہیں کہ قاسم مالک سے روایت کرتا ہے کہ اسے چھوڑ دینا ہی مجھے زیادہ پسند ہے۔ صرف ایک امام کے قول سے یہ کل مالکی ہاتھ کھلے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں ایسا اندھیر تو سوائے یہاں کے اور کہیں دیکھا ہی نہیں گیا۔

۶۵ ویں مثال' غلس میں اوّل وقت نماز کی حدیثوں کو حنفیہ کا نہ ماننا' حدیث (۵۰) : سُنّتِ محکمہ صریحہ صحیحہ

سے روزِ روشن کی طرح صاف واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ صُبح کی نماز صُبح صادق ہوتے ہی بہت جلدی ادا کرنے کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے آپ ﷺ کی عموماً عادت یہی تھی کہ ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک اس نماز میں قرأت کرتے پھر بھی جب سلام پھیرتے تو بوجہ رات کا کچھ اندھیرا باقی رہنے کے عورتیں پہچانی نہیں جاتیں آپ اسی طرح رات کے اندھیرے اور صُبح کے اجالے میں ہی نمازِ فجر ادا کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے فوت کیا پوری عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ آپؐ نے ذرا سویرا کر کے نماز پڑھی ہے۔ سحری کی فراغت اور نمازِ فجر کی ابتدا میں صرف اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں تلاوت کر لی جائیں آہ! ان تمام حقائق کو مقلدین حنفیہ نے صرف ایک مجمل حدیث کو سامنے کر کے ٹال دیا کہ فجر میں اسفار کرو یہ اجر کی زیادتی ہے۔ یاد رکھو یہ ثابت ہو جانے کے بعد بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے اسفار ہو جائے نہ یہ کہ شروع اسفار کے بعد ہو۔ حدیثیں آپ کے سامنے ہیں جن میں صاف موجود ہے کہ ابتدا غلس میں ہی ہوتی تھی ہاں فراغت اسفار کے وقت ہوتی تھی پس جو آپ نے فرمایا وہی کیا بھی صلوٰات اللہ وسلامہ علیہ یہ ناممکن ہے کہ عمر بھر ایک کام کرتے رہیں اور پھر اس کے خلاف فرمان فرمائیں۔ امتیو! کیا تم نے محض مذہب کے بچاؤ کیلئے اتنا بڑا پہاڑ اپنے سر پر اٹھالیا کہ حضور ﷺ عمر بھر وہ کام کرتے رہے جس میں بہت بڑا ثواب فوت ہو جائے۔

مثال (۶۶) مغرب کے انتہائی وقت کی حدیث کو مقلدوں کا نہ ماننا (حدیث ۵۱) : سُنّتِ ثابتہ محکمہ صریحہ صحیحہ یہ ہے

کہ مغرب کا وقت شفق کے چھپ جانے تک ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ظہر کی نماز کا وقت عصر کی نماز تک ہے۔ عصر کی نماز کا وقت سورج کے زرد پڑ جانے تک ہے۔ مغرب کی نماز کا وقت نور شفق کے ساقط ہونے تک ہے۔ عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔ صُبح کی نماز کا وقت سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔ اسی صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سائل نے حضور ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کیے اس میں ہے کہ پھر آپ نے مغرب کی اقامت کا حکم دیا جبکہ سورج چھپ گیا۔ دوسرے دن نمازِ مغرب میں تاخیر کی یہاں تک کہ شفق کے چھپ

جانے کا وقت قریب ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی نماز پڑھی شفق کے غائب ہونے سے پہلے۔ پھر فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان کا حصہ نمازوں کا وقت ہے۔ یاد رہے کہ یہ حدیث حدیث جبرائیل علیہ السلام سے بعد کی ہے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام کا واقعہ مکہ شریف کا ہے نیز یہ قول ہے وہ فعل ہے اس کی دلالت جواز پر ہے اس کی استحباب پر۔ یہ حدیث صحیح میں ہے وہ سنن میں ہے یہ حدیث اس حدیث کے موافق ہے جس میں ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت آنے تک ہے۔ ہاں اس میں سے صبح کی نماز اجماع سے مخصوص ہے لیکن اور سب نمازیں اسی عموم میں داخل ہیں اور یہ کہ فعل کی دلالت استحباب پر ہوتی ہے پس وہ نہ عام کا معارض ہوتا ہے نہ خاص کا۔

مثال (۶۷) عصر کی نماز کے وقت کی حدیثوں کو حنفی نہیں مانتے :

(حدیث ۵۲) صاف لفظوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے کہ یہ فرمانِ رسول علیہ السلام عصر کا وقت اس وقت ہو جاتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے حدیثوں میں صاف موجود ہے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عصر پڑھ کر عوالی کی طرف جاتے جو چار چار میل پر تھیں وہاں ان کے پہنچ جانے پر بھی سورج اونچا ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی پھر بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور کہنے لگا ہم ایک اونٹ کو ذبح کرنا چاہتے ہیں اور ہماری خوشی ہے کہ آپ بھی شرکت فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا اور اس کے ساتھ ہو لیے ہم سب آپ کے ساتھ ہو لیے وہاں پہنچے تو اب تک اونٹ کو ذبح نہیں کیا تھا ہمارے جانے کے بعد اسے نحر کیا گیا پھر کھال اتاری گئی پھر گوشت بنایا گیا پھر پکایا گیا پھر ہم نے کھایا اور سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی فارغ ہو گئے۔ کہو حنفیو! کیا دو مثل کے بعد نمازِ عصر پڑھنے کے بعد بھی اتنا وقت رہ سکتا ہے؟ صحیح مسلم میں ہے ظہر کا وقت عصر تک ہے ان حدیثوں کے خلاف کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں لیکن ان سب کو تقلید کا گھن کھوکھلا کر دیتا ہے اور مقلدین حنفیہ کی طرف سے ان کے خلاف آواز اٹھتی ہے وہ کہتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دگنا ہو جائے اور محض اس لیے کہ دنیا انھیں حدیث کا نہ ماننے والا نہ کہے ایک مجمل حدیث بھی لا کر کھڑی کر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمہاری اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کچھ مزدور اُجرت پر رکھے کہ آدھے دن تک کام کریں اور وہ انھیں ایک قیراط دے گا یہودیوں نے یہ کیا۔ پھر کہا کہ اب عصر تک جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا چنانچہ نصرانیوں نے کیا۔ پھر کہا اب میں کام کرنے والے کو دو قیراط دوں گا اب تم نے کام کیا۔ اس پر یہود و نصرانی غصے ہو کر کہنے لگے کہ محنت ہماری زیادہ اور مزدوری کم اس کی کیا وجہ؟ اس نے جواب دیا میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا؟ انھوں نے کہا نہیں جو ٹھہرا تھا وہ تو دے دیا فرمایا پس یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دوں۔ ناظرین خود غور فرمائیں ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا آپ ہی ذرا تکلیف کر کے بتلایئے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ عصر کا وقت اس وقت ہو گا جب ہر چیز کا سایہ دگنا ہو جائے گا؟ آخر دلالت کی قسموں میں سے کس قسم سے یہ ثابت ہو گیا زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدھے دن سے لے کر عصر تک جتنا وقت ہے اس سے کم عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت ہے یہ بالکل ٹھیک ہے۔

مثال (۶۸) حدیث میں شراب کا سرکہ بنانا حرام ہے لیکن حنفی اسے نہیں مانتے :

(حدیث ۵۳) صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شراب کا سرکہ بنا لیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ مسند وغیرہ میں

ہے کہ ایک صاحب حاضر حضور رسولِ اکرم ﷺ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ میری پرورش میں چند یتیم بچے ہیں جن کے ورثے میں شراب آئی ہے اور اب شراب حرام ہو گئی تو اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں اس شراب کا سرکہ بنالوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا چنانچہ انھوں نے اس شراب کو بہا دیا اس قدر کثرت سے شراب تھی کہ وادی میں بہہ نکلی۔

مسند احمد کی اور روایت میں یہ بھی ہے کہ خود حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اسے پھینک دو گرا دو بہا دو۔ حاکم اور بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں یتیم بچے تھے ان کے مال سے شراب خرید لی گئی تھی جب حرمت شراب کی آیتیں اتریں تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ میں اس کا سرکہ بنالوں آپ نے منع فرما دیا چنانچہ وہ شراب سب لڑھکا دی گئی۔ اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔ یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اس کے خلاف نہ تو کوئی حدیث ہے نہ کسی صحابی کا فتویٰ۔ لیکن واہ رے تقلید اور واہ واہ فقہ شریف کہ ان سب حدیثوں کو پس پشت ڈال کر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ شراب کا سرکہ بنالو۔ پھر اپنا عمل بالحدیث کا دعویٰ رکھنے کیلئے ساتھ ہی ایک حدیث بھی پیش کر دی گئی ہے جو مجمل ہونے کے علاوہ ثابت بھی نہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک دودھ کی بکری تھی اسے نہ دیکھ کر حضور ﷺ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ مر گئی آپؐ نے فرمایا تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہ اُٹھایا؟ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ وہ تو مردہ ہو گئی تھی آپ نے فرمایا اسے دباغت دے لینا اسے حلال کر لینا تھا جیسے کہ شراب سرکہ بن جانے سے حلال ہو جاتی ہے۔ سنیے اس حدیث کی نسبت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرج بن فضالہ ہی اس حدیث کے راوی ہیں حضرت یحییٰ سے ان کی حدیث دلیل کے لائق نہیں ہوتی۔ شراب کا سرکہ بنانا کسی وجہ سے حلال نہیں۔

علاوہ ازیں اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خود شراب متغیر ہو کر قالب بدل کر سرکہ بن جائے تو حلال ہو جائے گی۔ یہ تفسیر خود اس حدیث کے راوی فرج سے منقول ہے اور اس کے بعد خلاف بالکل اٹھ جاتا ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس فرج سے عبدالرحمٰن بن مہدی حدیث روایت نہیں کرتے تھے آپ کا فرمان ہے کہ اس نے یحییٰ بن سعید انصاری سے بہت سی حدیثیں مقلوب اور منکر روایت کی ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر الحدیث کہتے ہیں۔ یہ شیدائیان تردید احادیث ایک اور روایت بھی کھینچ لاتے ہیں کہ مرفوع حدیث میں ہے کہ تمہارا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے۔ اس کا ایک راوی ابوہاشم مکفوف محدثین کے نزدیک صاحب مناکیر ہے۔ اس نے عطاء بن رباح اور ابوالزبیر سے بہت سی منکر روایتیں بیان کر دی ہیں بلکہ عبادہ بن نسی سے تو ایک حدیث غریب موضوع بیان کی ہے۔ اب انصاف کیجئے کہ کہاں یہ غیر ثابت واہی مختلف معنی والی حدیثیں؟ اور کہاں صحیح محفوظ اور صریح حدیثیں؟ جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے لفظوں میں شراب کا سرکہ بنانے کو حرام فرمایا۔ اور اس کی اتنی تاکید کی کہ حرمت شراب سے پہلے کی شرابیں جن کے ہاں تھیں انھیں بھی اس سے روک دیا اور اس کو تلف کرنے کا حکم دیا۔ اہل مدینہ برابر اس کا انکار اور منع ہی کرتے رہے۔ حاکم کی روایت میں ہے حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مدینہ شریف کے قاضی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے شراب کا سرکہ طلب کیا تو انھیں برا معلوم ہوا اور فرمانے لگے۔ سبحان اللہ حرم رسول ﷺ میں اس کی طلبی؟ لیکن جب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوت ہو جانے کے بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ لوگوں میں اس کی نفرت باقی نہیں رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شراب کے سرکے سے اصطباغ جو مروی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں بے خوفی جو مروی

ہے اس سے مراد وہ ہے جو منقلب ہو کر خود سرکہ بن جائے نہ وہ جو کہ سرکہ بنالی جائے۔

مثال (۶۹) نماز میں کسی ضرورت کے پیش آنے پر نمازی کا سبحان اللہ کہنا :

(حدیث ۵۴) اس بارے کی صریح صحیح مرفوع حدیثوں کو بھی حنفی جواب دے دیتے ہیں مان کر نہیں دیتے اس لیے کہ ان کے بڑوں کے قیاس نے انھیں ان حدیثوں کو تسلیم سے روک دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تسبیح نماز میں مردوں کے لیے ہے اور دستک دینا عورتوں کے لیے ہے۔ اسی بخاری مسلم میں عمرو بن عوف کی صلح کی مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے نمازیوں سے کہا کیا بات ہے کہ تم نے نماز میں دستک شروع کر دی؟ جس کو نماز کی حالت میں کوئی امر پیش آجائے اسے سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ جب وہ یہ کہے گا تو اس کی طرف التفات کیا جائے گا۔ دستک عورتوں کیلئے ہے۔ بیہقی میں ہے رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں جب کسی شخص سے اس کی نماز کی حالت میں اجازت طلب کی جائے تو اس کا سبحان اللہ کہہ دینا اجازت دینا ہے۔ اور عورت کی اجازت دستک دے دینا ہے۔ (یعنی اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے جس سے آواز نکلے) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ لیکن حنفیہ کے ہاں یہ حدیث متروک ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے معارض وہ حدیث ہے جس میں نماز کی حالت میں کلام کرنے کی حرمت ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب جواز اور منع کی روایتیں مختلف ہوں تو مقدم منع ہوتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں ہمارے رسول ﷺ کی باتیں تعارض سے پاک ہیں ہر ایک کا محل اور ہے پھر تعارض کیسا؟ کلام حرام تسبیح جائز۔ تعارض کہاں رہا؟ جس نے کلام حرام کیا وہی تسبیح کا حکم دیتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حرمت کلام کی روایتیں مکہ شریف کی ہیں ہجرت سے پہلے کی ہیں اور سبحان اللہ کہنے کی اجازت کی حدیثیں ہجرت کے بعد کی ہیں اس لیے نسخ کا احتمال بھی نہیں۔ نیز تعارض اس طرح بھی اٹھ جاتا ہے کہ جس کلام کی ممانعت و حرمت ہے وہ وہ کلام ہے جو ضرورت کے وقت کے سبحان اللہ کہنے کے سوا ہو کیونکہ کلام کو حرام کرنے والے ہی اس کا حکم دیتے ہیں حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے ورنہ کم از کم اس کا درجہ استحباب سے تو گرتا ہی نہیں پس امور اور ممنوع کو ایک کر دینا اس سے بدتر قیاس اور کیا اور کون سا ہو گا؟

مثال (۷۰) تلاوت کے چار سجدوں کی حدیثوں کو حنفیوں کا نہ ماننا :

(حدیث ۵۵) سنن ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے قرآن کریم میں پندرہ سجدے بتلائے ہیں ان میں سے تین مفصل میں اور دو سورۂ حج میں اور روایت میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں سورۂ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے جو یہ سجدے نہ کرے وہ اسے نہ پڑھے۔

ابن لھیعہ کی روایت :

اس روایت میں ابنِ لھیعہ ہیں لیکن جب ان سے عبادلہ روایت کریں تو ان کی روایت قابل احتجاج ہوتی ہے جیسے عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید، حضری، امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ابن المبارک اور ابنِ وہب ان کے اصول کے متبع ہیں عمرو بن علی کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے ابنِ لھیعہ سے ان کی کتابیں جلنے سے پہلے روایت کی ہے ان کی روایت بنسبت ان کے زیادہ صحیح ہے جنھوں نے ان کی کتابوں کے جل جانے کے بعد ان سے روایت کی ہے جیسے ابن المبارک ابن المقری۔ ابنِ وہب کا فرمان ہے کہ ابنِ لھیعہ صادق

شخص ہیں ان کی حدیثوں میں سے چھانٹ کر حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو لائے ہیں اور اسے بھروسے کے قابل مانی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ابنِ لھیعہ سے صرف اسی ایک حدیث کو وارد کیا ہے۔ ابنِ وہب کہتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی اس نے جو بہت سچے اور نہایت نیک ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن لھیعہ رحمۃ اللہ علیہ۔ امام احمد آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں مصر میں ان جیسا کوئی محدث نہ تھا جو کثرت حدیث اور ضبط حدیث اور اتقان حدیث میں ان کے مثل ہو۔ امام ابنِ عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنِ لھیعہ کے پاس اصول تھے ہمارے پاس تو فروع ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مصر میں محدث ابنِ لھیعہ ہی تھے۔ احمد بن صالح حافظ کا بیان ہے کہ ابنِ لھیعہ صحیح الکتاب اور علم کی پوری جستجو کرنے والے تھے۔ امام ابنِ حبان فرماتے ہیں کہ ابنِ لھیعہ صالح شخص تھے لیکن وہ ضعیف راویوں سے روایت لے لیتے تھے اور تدلیس کر جاتے تھے پھر ان کی کتابیں جل گئی تھیں کتابوں کے جلنے سے پہلے جن اصحاب نے ان سے روایتیں کیں ان کی روایتیں صحیح ہیں جیسے ابنِ وہب، ابن المبارک، ابن المقری اور قعنبی یہ تو تھا فیصلہ حضرت ابنِ لھیعہ کے متعلق جنھیں ضعیف کہہ کر حنفی اس حدیث کو ٹال دیتے ہیں۔

اب ہم نفس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انھوں نے نبی اللہ حبیب خدا آنحضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورۂ ﴿ اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ﴾ میں سجدہ کیا ہے اور سورۂ والنجم میں بھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے ذکر کرتے ہیں۔ آہ! ان صحیح صریح حدیثوں کو یہ جماعت جنھیں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پرواہ نہیں ٹال دیتی ہے مانتی نہیں اس کے بالمقابل کبھی تو قیاس کو پیش کر دیتے ہیں کبھی دنیا کی آنکھ میں خاک جھونکنے کیلئے ایک ضعیف حدیث پڑھ دیتے ہیں۔ رائے تو یہ ہے کہ سورۂ حج کے آخری سجدے کی آیت میں رکوع کا ذکر بھی ہے بخلاف پہلے سجدے کی آیت کے اس لیے یہاں مراد نماز کا سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کا یہی بات آیت : ﴿ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي ﴾ الخ، (آل عمران : ۴۳) میں ہے کہ وہاں بالاتفاق سجدہ نہیں۔ وہ حدیث جو حنفیہ کی طرف سے پیش ہوتی ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال جائیے۔ ابوداؤد میں ہے کہ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے مفصل کی کسی سورت میں سجدہ تلاوت نہیں کیا۔ ان دونوں باتوں کے جواب ملاحظہ فرمایئے۔ ان کی بیمار رائے کا جواب اور اس کا فساد ایک نہیں کئی ایک وجہ سے ظاہر ہے۔ اوّلاً تو یہ کہ یہ رائے نص اور لفظ حدیث کے خلاف ہے اس لیے قطعاً اور یقیناً مردود ہے۔ ثانیاً رکوع بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کے ساتھ ہی اس کا ذکر ہے اس سے آیت سجدے کی آیت میں سے خارج نہیں ہو سکتی۔ سورۂ نجم میں عبادت کے ذکر کے ساتھ سجدے کا ذکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں سجدۂ تلاوت ثابت ہے پس رکوع کا ذکر جو تاکیداً ہے اس آیت کو سجدۂ تلاوت کی آیت سے خارج کیوں کر دے گا؟ ثالثاً عموماً سجدۂ تلاوت کی آیتیں سجدۂ نماز کے ذکر پر شمولیت رکھتی ہیں مثلاً : ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمٰوَاتِ ﴾ الخ، (رعد : ۱۰) والی آیت اس میں سجدۂ نماز قطعاً داخل ہے کیونکہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ فرضیت والا سجدۂ نماز کا سجدہ ہی ہے اسی طرح آیت : ﴿ فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ﴾ (نجم : ۶۲) اور اسی طرح آیت ﴿ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴾ (العلق : ۱۹) اس سے پہلے تو صاف لفظوں میں ﴿ اَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴾ (العلق : ۹) کی آیتیں موجود ہیں اس کے بعد یہ حکم فرمایا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عدو اللہ جس سے منع کرتا ہے وہ تم کرتے رہو۔ آیت سجدہ سے سجدۂ نماز کا قصد اس آیت کو سجدۂ تلاوت ہونے کی آیت ہونے سے مانع نہیں۔ بلکہ اس کی پوری تاکید اور تقویت ہو جاتی ہے۔

اس کی مزید وضاحت لیجئے۔ قرآنِ کریم کی سجدے کی آیتیں دو قسم کی ہیں قسم اوّل جن میں بطور خبر کے ذکر ہے کہ مخلوقِ الٰہی کے لیے سجدے کرتی ہے پس سننے اور پڑھنے والے کو بھی چاہیے کہ اس مخلوق سے مشابہت کرے اور ان کے نزدیک کام میں ان کی متابعت کرے یہ اور بات ہے کہ یہ بطور وجوب کے ہے یا بطور مستحب ہونے کے دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جن میں سجدے کا حکم ہے پس حکم میں تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں جب آیت : ﴿ فَاسْجُدُوْ لِلّٰہِ وَاعْبُدُوا ﴾ (نجم: ۶۲) کا حکم سجدۂ تلاوت کا مقتضی ہے تو ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾ (حج : ۷۷) میں یہ حکم کیوں نہ ہو گا؟ سجدہ کرنے والا یا تو ان سجدہ کرنے والوں کی مشابہت کرتا ہے جن کے سجدے کا ذکر آیت میں ہوتا ہے یا خود اس امر پر عامل بنتا ہے جو حکم الٰہی کا ہے پس سورۂ حج کا پہلا سجدہ جیسا مسنون ہے ویسا ہی یہ دوسرا سجدہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نے دونوں کو ایک ہی حکم میں رکھا قیاس صحیح اور اعتبار حق کا تقاضا بھی یہی ہے یہ سجدے بطور عبودیت کے اور بطور قربت الٰہی کے ان آیتوں کے پڑھنے اور سننے کے وقت مشروع ہوئے ہیں اس میں عظمت الٰہی اور بندے کی عاجزی کا کامل اظہار ہے ہاں ذکر رکوع جب اس میں ہو تو مزید تاکید اور زیادتی قوت کا باعث بن جاتا ہے نہ یہ کہ وہ حکم ضعیف اور باطل ہو جائے اللہ ہمیں نیک سمجھ دے۔ تم نے جو حضرت مریم کو حکم ہونے والی آیت پیش کی ہے اس میں تم خود غور کرو کہ یہ تو جناب باری ایک خاص خبر دیتا ہے کہ حضرت مریم سے فرشتوں نے یہ کہا یعنی تم عبادت الٰہی پر دوام اور ہمیشگی کرو اس لیے وہ سجدے کی آیت قرار نہیں دی گئی۔ اس آیت کی روانی اور سجدے کی آیتوں کے الفاظ کی بندش میں ظاہر فرق موجود ہے۔ جو حدیث بروایت ابی داؤد پیش کی گئی ہے وہ ضعیف ہے اس کے راوی ابوقدامہ ہیں جن کا نام حارث بن عبید ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ انھیں مضطرب الحدیث کہتے ہیں۔ امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں۔ امام ازدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ ضعیف ہیں۔ امام ابنِ حبان کا فرمان ہے کہ صرف ان کی جو روایتیں ہیں وہ حجت پکڑنے کے قابل نہیں۔ میں کہتا ہوں فی الواقع ان پر اس حدیث کا انکار کیا گیا ہے اور یہی درست بھی ہے اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مفصل کی سورتوں میں سے ﴿ اِذَاالسَّمَآءُ انشَقَّتْ ﴾ (انشقاق : ۱) میں اور ﴿ اقرا باسم ﴾ میں رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا اور آپ کے ساتھ سجدہ بھی کیا۔ پھر یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مسلم شریف میں موجود ہے پس اگر بالفرض ابوقدامہ والی یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت اصولی طور پر اس سے مقدم رہے گی اس لیے کہ اس میں اثبات ہے اور اثبات نفی پر اصولاً مقدم ہوتا ہے اس میں زیادتی علم ہے اور وہ قابل قبول ہے' واللہ اعلم۔

مثال (۷۱) سجدۂ شکر بجالانے کی صحیح صریح حدیث کو مقلدین نہیں مانتے : (حدیث ۵۶) وہ حدیث جسے مقلدین نے ترک

کر رکھا ہے حدیث میں ہے کہ احد کی طرف جاتے ہوئے رسولِ کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم نے سجدہ کیا اور بہت لمبا سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ جو آپ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس پر اپنی رحمت نازل کروں گا اور جو تجھ پر سلام پڑھے گا میں اس پر سلامتی اتاروں گا تو میں نے اللہ تعالیٰ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو آپ کی تہائی اُمت اللہ نے دے دی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اللہ نے تہائی اور دی آپؐ نے پھر شکریہ کا سجدہ کیا پروردگار نے تیسری تہائی بھی آپؐ کو دے دی آپؐ نے تیسرا سجدۂ شکر ادا فرمایا۔ اور حدیث میں ہے کہ ... جب کوئی خوشخبری پاتے تو سجدۂ شکر بجالاتے ایک مرتبہ خبردار نے خبر دی

کہ آپؐ کا لشکر دشمنوں پر غالب آگیا آپؐ معاً کھڑے ہو گئے اور سجدے میں گر پڑے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو جب ان کی توبہ کی قبولیت کی بشارت ملی فوراً سجدۂ شکر ادا کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کی بشارت پہنچی سجدۂ شکر ادا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب خارجیوں میں ذوالثدیہ کو پایا فوراً رب کے سامنے سجدے میں پڑ گئے الغرض اس کی دلیلیں سُنّت و آثار صحیحہ سے بہت ہیں ان سب کو صرف رائے کے رگڑے میں پیس دیا گیا ہے اور سب کا انکار کر دیا گیا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ کند چھری بھی دکھلا دوں جس سے ان حدیثوں کا گلا ریتا گیا ہے کہتے ہیں کہ اللہ کی نعمتیں تو بندوں کو ملتی ہی رہتی ہیں پھر بعض کی اس خصوصیت کی کیا وجہ؟ خیال فرمایئے کہ کتنا بدترین قیاس ہے جسے سُنّت رسول ﷺ کے معارضے میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کے معاوضے میں لیا جاتا ہے۔ آؤ ہم آپ کے اس قیاس کے بھی پرخچے اڑائیں تاکہ تم خود دیکھ لو کہ تمہارا قیاس مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا ہے نعمت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ نعمتیں جو برابر ہمارے ہاتھوں میں ہیں اور رہتی ہیں ان کا شکر عبادتوں اور اطاعتوں سے ہے۔ دوسری وہ نعمتیں جو نئی ہوں وہ جس وقت ملیں شریعت نے اس کے شکر کا طریقہ بتلایا کہ انسان اپنی پستی اور اللہ کی بلندی کے اظہار کے لیے اس کے سامنے جھک جائے یہ موقعہ ہوتا ہے انسان کے پھول جانے اور اللہ کو بھول جانے کا بجائے اس کے یہ اللہ کا بندہ اپنی اور عاجزی ظاہر کرتا ہے اپنی کمر خم کر دیتا ہے اپنی پیشانی مٹی پر رکھ کر عظمت الٰہی کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے شریر نفس کو کچل دیتا ہے۔ اینٹھنے والے' اکڑنے والے' تکبر کرنے والے' اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور اکڑ اینٹھ اور تکبر کو طبیعت سے دور کرنے کیلئے یہ بہترین علاج ہے کہ جوں جوں انسان بڑھے اللہ کی طرف زیادہ جھکے۔ اس مقصود کو سامنے رکھ کر شارع علیہ السلام نے سجدۂ شکر مقرر کیا لیکن شیطان کا برا ہو۔ اس نے شارع علیہ السلام کے مقصد کو شارع علیہ السلام کے فعل کو شارع کی سُنّت کو ان سب سے الگ کر دیا اور انھیں الٹی پٹی پڑھا کر ادائیگی سُنّت سے روک دیا۔ جیسے یہ سجدے فرح و انبساط خوشی و راحت کے موقعہ پر ہیں ایسے ہی شریعت نے خوف اور ڈر کے وقت بھی سجدے مقرر کیے ہیں حدیث میں ہے جب تم کوئی نشان اللہ دیکھو سجدے میں گر پڑو۔ سورج کو گہن لگا اور اللہ کے نبی ﷺ گھبرا اٹھے فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور ذکر اللہ کی لوگوں کو تلقین کی۔

جس طرح اللہ کی نعمتیں انسانوں کو برابر ملتی رہتی ہیں اسی طرح اللہ کی نشانیاں بھی عموماً ظاہر ہوتی رہتی ہیں حسًا اور عقلاً لیکن یہ ظاہر ہے کہ دیرپا نشانیاں اور ہمیشگی والی آیتیں اس قدر دل میں اثر پیدا نہیں کرتی جس قدر کم آنے والی اور اچانک ہونے والی نشانیاں اثر کرتی ہیں۔ پس جس طرح ان آیات کا ظاہر ہونا انسان کو اللہ کے سامنے جھکنے پر آمادہ کرتا ہے ان وقتی نعمتوں کا ملنا بھی انسان کو شکر اللہ پر مائل کر دیتا ہے اور نیک لوگ طبعاً اسی وقت رب کے سامنے سر ((بسجدہ)) ہو جاتے ہیں۔ فقیہ اُمت ترجمان القرآن بردار رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر پہنچتی ہے تو آپ فوراً سجدے میں گر پڑتے ہیں کہا جاتا ہے کیا آپ اس بات پر سجدہ کرتے ہیں؟ جواب دیتے ہیں کہ حدیث میں حکم ہے کہ نشان کے ظاہر ہونے پر سجدہ کرو ہم میں سے ہماری مائیں اور حضور ﷺ کی بیویاں اٹھ جائیں اس سے بڑا نشان اور کیا ہو گا؟ میں تو کہتا ہوں اگر یہ حدیثیں ہوتیں اور سجدۂ شکر کی کوئی خاص حدیث نہ بھی ہوتی تاہم ان حدیثوں پر قیاس کر کے اس سجدے کا ثبوت یقیناً تھا چہ جائیکہ اس کی مخصوص حدیثیں بھی ہیں لیکن اللہ تقلید کو غارت کرے اس کی موجودگی میں تحقیق کا کیا کام؟ ورنہ ظاہر ہے کہ ڈر کے وقت جس طرح تقاضائے غلامی یہ ہے کہ مالک کے سامنے سرنگوں ہو کر عاجزی ظاہر کرے اسی طرح خوشی کے وقت کا اقتضاء بھی یہی ہے رب العالمین اپنے ان غلاموں کی تعریف کرتا

ہے جو نیکیوں میں سبقت کریں اور اللہ کو ڈر اور لالچ کے ساتھ پکاریں اسی وجہ سے فقہاء نے صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقاء کو ملا دیا ہے پہلی خوف کی حالت ہے دوسری طمع کی۔ اللہ اس پر بہترین درود و سلام دائماً نازل فرمائے جن کی پاک شریعت کی اعلیٰ تعلیم پورے عدل و انصاف اور صحیح عقل و رائے کے مطابق ہے' فالحمد للہ۔

۲۷ ویں مثال' ستاونویں حدیث:

جس کے پاس کوئی جانور رہن ہو اور اس کا چارہ اسی کے ذمے ہو اسے جائز ہے کہ اس پر سواری لے اور اس کے تھن کا دودھ پئے۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں رہن کے خرچ کی بنا پر سواری لی جائے گی جبکہ وہ رہن میں ہے اور تھن کا دودھ بھی اسی خرچ کی بنا پر پیا جائے گا جبکہ وہ رہن میں ہے سواری کرنے والے اور پینے والے پر خرچ ہے یہ حدیث بخاری شریف کی ہے صحیح ہے صاف ہے صریح ہے. سراسر عدل و انصاف والا یہ حکم ہے اگر اسے ٹال دیا جائے تو علاوہ اس کے کہ ایک حکم شرع ٹلے گا۔ ایک قانون الٰہی بدلے گا ایک سُنّت رسول ﷺ ترک ہو گی عدل و انصاف کا بھی خون ہو گا اور رہن رکھنے والا رہن رکھوانے والا دونوں مصیبت میں آجائیں گے۔ مثلاً کسی نے اپنا جانور دس بیس روپے بدل کسی کے پاس گرو رکھا اب یہ روپیہ لے کر کہیں چل دیا جس کے پاس جانور رہن رکھا ہے اسے تم وہ حکم اور حق نہیں دیتے جو حدیث نے دلوایا ہے تو اب بتلاؤ اس کیلئے کس قدر مشکلات ہیں؟ ایک طرف رقم رکی دوسری طرف جانور کھونٹے سے بندھا ہوا بھوکا پیاسا کھڑا ہے اس کی سنبھال اس کی خوراک اس پر نہ صرف مشکل ہے بلکہ سوہان روح بنی ہوئی ہے دوسری مصیبت میں آپڑا ہے نہ کھلائے تو بے زبان جانور کی آہ لے۔ کھلائے تو کس سے لینے جائے؟ وہاں تو اصل رقم کے ابھی تک لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اب یہ کس حاکم کے پاس جائے کہاں سے اس کا ثبوت لائے کہ یہ جانور فلاں کا ہے اتنی رقم وہ مجھ سے لے گیا یہ میرے پاس رہن رکھ گیا اب وہ ملتا نہیں اللہ جانے کہاں چلا گیا ہے پھر یہ حساب کسی منشی سے جڑوائے کہ آج اس نے اتنا کھایا اور دودھ اتنا دیا۔ جناب حاکم صاحب توجہ فرمائیں اور مجھے حکم دیں۔

آہ! کن مشکلات میں اُمت کو ان قیاسی حضرات نے ڈال دیا ہے اللہ کے آسان اور سہل دین کو ان لوگوں نے کتنا مشکل اور سخت کر دیا ہے؟ کس قدر حرج اور مشقت انسانوں پر ڈال دی ہے۔ شارع علیہ السلام کے قربان جائیں اس کا فیصلہ کتنا پیارا کس قدر سادہ کتنا صاف اور عقل کے مطابق ہے جس میں نہ اس کو حرج نہ اس پر مشقت۔ صاف لفظوں میں فرمایا کہ دودھ پیو اور سواری لو اور جانور کے اخراجات برداشت کرو۔ اگر ان قیاسی حضرات کے ذہن بگڑے ہوئے نہ ہوتے اگر ان کی عقل میں گھن لگا ہوا نہ ہوتا تو صحیح قیاس بھی یہی تھا۔ جو حدیث میں ہے اگر بالفرض یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو بھی ہر عاقل یہی حکم لگاتا جس میں سہولت اور عدل ہے دیکھئے اس میں دو اصل ہیں جن پر حکم نکلا ہے۔ **اصل اوّل** جانور جس کے پاس رہن ہے وہ جو خرچ کرتا ہے جو اسے چارہ دیتا ہے وہ دراصل جانور والے کے ذمے ادھار ہے اس کی ادائیگی اسی پر ہے یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت دانے چارے پر گواہ مقرر کرنا حاکم کی اجازت لینا دشوار ہی نہیں بلکہ تقریباً محال ہے پس شارع علیہ السلام نے اسے جائز کر دیا کہ یہ اپنا قرض اس جانور کی سواری سے اور اس کے دودھ سے وصول کر لے اسی میں دونوں کی مصلحت اور آسانی ہے۔ اگر یہ سواری چھوڑ دے دودھ نہ نکالے تو جانور بگڑ جائے گا۔ دودھ نکال کر پھینک دے تو "توکونہ موکو چولے میں جھونکو" ہو گا۔ نہ اس کے مکھ پڑے گا نہ اس کے ہاتھ لگے گا۔ دونوں کا نقصان ہو گا۔ اور بے زبان جانور الگ تباہ ہو گا۔ کہاں ہر وقت حاکم کی اجازت لیتا رہے گا۔ کون سا حاکم ان بے جان باتوں کے لیے اجلاس میں بیٹھا رہے گا پھر آپ اسے بھی تو دیکھئے

کہ عموماً بکریاں دیہاتوں اور گاؤں میں گروی رکھی جاتی ہیں وہاں کون سے حاکم اور عدالتیں ہیں اس لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان معاملات کو خود طے کر دیا اور حکام اور عدالتوں کی ضرورت ہی نہ رہنے دی خواہ وہ ہوں یا نہ ہوں؟

اصل دوم معاوض ہیں جن میں سے ایک حاضر نہیں پس اس کی عدم موجودگی میں معاوضہ لے لینا اس لیے جائز قرار دیا گیا کہ ضرورت ہے اور مصلحت ہے بیچنے والے کی رضامندی بغیر حق شفعہ سے لے لینے سے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے۔ اس معاوضہ کے نہ لینے میں جو حرج اور نقصان ہے وہ اس سے بہت بڑا اور بہت سوا ہے جو حق شفعہ کے بدل لینے کے چھوڑنے میں ہے جس کے پاس جانور رہن ہے وہ اس کی حفاظت کر رہا ہے تاکہ سند اور چیز بدلے کی محفوظ رہے جس سے اس کی رقم واپس ہو یہ اسی وقت ممکن ہے جب جانور باقی رہے اور جانور کی بقا اس پر موقوف ہے کہ اس کا دانہ چارہ جاری رہے اور یہ اس کی گرہ کے روپے پیسے سے ہی آئے گا اس لیے جس طرح شرعاً یہ جائز ہے معلوم ہوا کہ عرفاً اور عادۃً بھی اسے جائز ہی ہونا چاہیے ورنہ دنیا کے دھندے خراب ہو جائیں گے۔

عرف و عادت بھی قائم مقام الفاظ کے ہے : سو سے زائد وہ مقامات ہیں جہاں یہ بات برابر پائی جاتی ہے مثلاً (۱) جس جگہ جو سکّہ رائج ہے بول چال میں جب مطلق کہا جائے گا وہاں کا جاری سکّہ ہی مراد لیا جائے گا۔ گو الفاظ نہ کہے گئے ہوں۔ (۲) مہمان کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے اس کے کھا لینے کی اجازت ہو گی گو لفظ نہ بولے جائیں۔ (۳) گری پڑی چھوٹی ادنیٰ چیز کھانے پینے کی مل جائے تو اس کا استعمال جائز ہی ہو گا۔ گو لفظ میں اجازت نہ ہو۔ (۴) پانی اگر کسی نالی یا نالے سے گزر رہا ہو تو اسے پی لیا جائے گا گو پانی والے سے لفظوں میں اجازت نہ بھی ملی ہو۔ (۵) حمام میں بلا اُجرت ٹھہرائے چلے جانا۔ (۶) کرائے کے جانور کی سست رفتاری پر اسے چابک مار دینا اور اپنے کام کاج کیلئے قدرے ٹھہرا لینا۔ (۷) بچے یا خادم یا بیوی کو وہ چیز واپس کر دینا جو گھر کے مالک سے لی تھی۔ (۸) جو کام خود سے نہ ہو سکتا ہو اس کیلئے کسی کو وکیل مقرر کرنا۔ (۹) جس نے اپنے گھر میں بلایا ہے اس کے ہاں پاخانہ پیشاب بوقت حاجت کر لینا۔ (۱۰) اس کے مٹکے میں سے پانی پی لینا۔ (۱۱) اس کے رکھے ہوئے تکیے پر ٹیک لگا لینا۔ (۱۲) کسی درخت سے کوئی کھجور جھڑ گئی ہے اسے اٹھا کر کھا لینا۔ (۱۳) کسی سے مکان کرائے پر لیا ہے اس میں اپنے دوستوں اور مہمانوں کو بلانا انھیں بٹھانا انھیں آرام پہنچانا یہ سب کام عرفاً جائز ہیں گو لفظوں میں طے نہ ہوئے ہوں۔ ان تمام باتوں میں عرف کے مطابق شرع کا بھی حکم ہے۔ (۱۴) کوئی کپڑا کسی سے اُجرت پر پہننے کیلئے زیادہ مدت تک لیا تو میلا ہونے پر اسے دھو لینا عرف عام میں جائز ہے تو شرعاً بھی جائز ہے اگرچہ کپڑا دینے والے سے لفظاً یہ بات طے نہ ہوئی ہو۔ (۱۵) کسی غائب یا حاضر کو کسی چیز کی بیع میں وکیل بنایا تو اگر دستور اس کی قیمت لے لینے کا ہے تو وہ وکیل شرعاً بھی اس کی قیمت لے سکتا ہے۔ (۱۶) اسی طرح کسی کھیت میں سے گزر رہا ہے اور پاخانہ کی حاجت ہوئی تو بیشک وہیں کر لے کیونکہ عرف عام میں یہ ہے کھیتی والے سے اجازت اگرچہ لفظاً نہ بھی ہو۔ جبکہ اور جگہ نہیں ملتی یا ملتی ہے لیکن وہ راستہ آباد ہے۔ (۱۷) ٹھیک اسی طرح کسی کے کھیت میں بوقت نماز نماز پڑھ لینا۔ (۱۸) یا وہاں کی مٹی سے تیمم کر لینا کہ یہ سب چیزیں بلا اجازت مالک دستور عام کے مطابق ہوا کرتی ہیں پس شرع نے اس میں کوئی تنگی نہیں کی۔ (۱۹) اسی طرح دیکھتا ہے کہ کسی کی بکری مر رہی ہے اس نے اٹھ کر چھری پھیر دی کہ اس کا گوشت ہی اس کے مالک کے کام آئے گو اس کی اجازت نہیں لیکن چونکہ عرف عام یہ بھلائی ہے اس لیے شرعاً بھی جائز ہے گو بعض خشک فقہاء نے اسے ناجائز کہا ہے کہ یہ غیر کی ملک میں تصرف ہے لیکن اس کند ذہن کی سمجھ میں ملک غیر کے تصرف کی ممانعت کی وجہ

نہیں آئی کہ وجہ اس میں یہ ہے کہ اس دوسرے کو ضرر نہ پہنچے یہاں تو اس کے ذبیحہ کے ترک میں اسے ضرر ہے۔ پھر ناجائز کیوں ہو گا؟ (۲۰) کسی غلام کو اُجرت پر رکھا اس کے کسی عضو میں کیڑے پڑ گئے اور خیال ہوا کہ اگر اس عضو کو کاٹا نہ جائے گا تو یہ بیماری اس کے سارے جسم میں سرایت کر جائے گی اور یہ مرجائے گا اس لیے اس کا وہ عضو اس نے کاٹ دیا۔ تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں بلکہ یہ کاٹنا جائز ہے کیونکہ عرفاً یہ درست ہے پس شرعاً بھی درست ہی رہے گا۔ (۲۱) دیکھتا ہے کہ پانی کی رو آگئی پڑوسی کا گھر خطرہ میں ہے گھر بند ہے مالک مکان موجود نہیں تو یہ اس کی دیوار توڑ کر اس کے گھر کے سامان کو نکال لائے کہ بہہ نہ جائے تو عرف عام اور دستور دنیا کے لحاظ سے یہ اس کی خیر خواہی ہے پس شرعاً بھی یہ جائز ہو گی نہ کہ اسے اس دیوار کے توڑنے کا مجرم قرار دے کر اس سے دام وصول کیے جائیں۔ (۲۲) دیکھتا ہے کہ پڑوسی کے مال پر اس کا دشمن قابض ہو گیا اور سارا مال لے کر چل دے گا یہ بیچ میں پڑا اور کچھ دے دلا کر اسے راضی کر لیا تو یہ نہیں کہ وہ مال اس کے ذمے پڑے بلکہ جیسے کہ عادۃً یہ اس کے لیے جائز تھا شرعاً بھی جائز ہی رہے گا۔ (۲۳) پڑوسی کے گھر میں آگ لگتی ہے یہ جلدی سے اس کے مکان کا ایک حصہ گرا دیتا ہے تاکہ آگ نہ پھیلے بلاشک و شبہ یہ اس کیلئے جائز رہے گا حکم شرعی بھی فائدہ عامہ کے مطابق ہو گا۔ (۲۴) اناج وغیرہ کا بہت بڑا ڈھیر یا لکڑیاں یا پتھر کسی سے خریدے تو اس کے لانے کیلئے مزدوروں کو اور گاڑیوں کو اس کی ملکیت میں لے جانا جیسے عرفاً درست ہے شرعاً بھی درست ہے۔ (۲۵) کھیتی کاٹ لی پھل اتار لئے کچھ رہ گیا جس کی عموماً پرواہ نہیں کی جاتی تو گو لفظوں میں اجازت نہ ہو لیکن عرف عام اور دستور دنیا کی رو سے اس بقیہ کو دوسرا لے سکتا ہے اسی طرح شرعاً بھی (۲۶) قربانی کے کسی جانور کو ذبح شدہ پایا اور وہاں پر کوئی نہیں تو عرف عام کے دستور کے مطابق بیشک اس کا گوشت لے سکتا ہے اسے شریعت نے بھی جائز کیا ہے۔ (۲۷) کسی کو بلانا ہے تو اس کی ڈیوڑھی پر آکر کنڈی کھٹکھٹانا گو اس کی اجازت لفظوں میں نہ لی ہو جائز ہے کیونکہ عرف عام میں یہ چیز داخل دستور ہو کر غیر اہم ہے۔ اسی میں داخل ہے۔ (۲۸) کسی کی دیوار سے ٹیکا لگانا۔ (۲۹) اس کی دیوار سے سایہ حاصل کرنا گو لفظوں میں اجازت مالک مکان کی نہ بھی ہو۔ لیکن عرف یہاں بھی شرع ہے۔ (۳۰) اسی میں ہے کسی کی دوات میں قلم ڈبو کر کچھ لکھ لینا۔ کسی نے اجازت چاہی تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اسے پسند نہ کیا کہ اجازت کی ان معمولی باتوں میں ضرورت نہیں۔ الغرض اس قسم کی مثالیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ انسان کو سب کو شمار کر سکے یہی مطلب ہے حضرت عروہ بن جعد بارقی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک بار دینار دیا کہ ایک بکری خرید لائیں انھوں نے ایک دینار کی دو بکریاں خرید کیں پھر ایک بکری کو ایک دینار پر بیچ دیا اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر حاضر حضور ﷺ ہوئے۔ پس خیال فرمائیے کہ بلا اجازت لفظی خرید و فروخت قبضہ سب کچھ کر لیا کیونکہ جیسے اجازت لفظی ہے اجازت عرفی بھی ہے بلکہ یہ اجازت پہلی قسم کی اجازت سے بھی عموماً بڑھی ہوئی ہے۔ پس اس حدیث میں بحمد اللہ کوئی اشکال نہیں بلکہ مشکل یہ ہے کہ اسے مشکل سمجھ لیا جائے یہ تو عین قواعد شرع اور عرف عام اور مطابق دستور اور دنیا گزاری ہے۔

فصل شرط عرفی مثل شرط لفظی کے:

اسی میں یہ بھی ہے کہ جس شہر میں جو سکّہ چل رہا ہو گا وہی بھاؤ تاؤ میں معتبر مانا جائے گا گو لفظوں میں یہ تصریح نہ بھی آئی ہو۔ وہی یہ دے گا اور وہی یہ لے گا اسی طرح جس طرح لفظوں میں طے ہو گیا ہو۔ پس عقد کا اطلاق اسی طرف لوٹے گا گو الفاظ نہ بھی ہوں چیز کا عیب سے سالم ہونا بھی مثل شرط لفظی کے ہے ورنہ عیب دار چیز کیسے واپس ہو سکے گی؟ جہاں لیا ہے وہیں قیمت ادا کرنی ہو گی

گو لفظوں میں ذکر نہ آیا ہو کیونکہ لین دین کا دستور یہی ہے۔ اگر کسی نے دھوبی کو دھونے کیلئے کوئی کپڑا دیا یا درزی کو سینے کیلئے دیا یا باورچی کو آٹا پکانے کیلئے دیا یا گوشت تیار کرنے کیلئے دیا یا چکی پر اناج پیسنے کیلئے دے آیا یا مزدور کو سامان اٹھانے کیلئے دیا تو گو لفظوں میں نہ کہا گیا ہو لیکن ان کی حسب معمول اُجرت دینی پڑے گی۔ اسی طرح جس طرح لفظوں میں ٹھہرالی ہوتی اس وقت دینی پڑتی۔ ان باتوں کا گو کوئی لفظاً انکار بھی کرے لیکن وقت پر کرنا ہی پڑتا ہے بلکہ اس میں اجازت کی اور ٹھہرانے کی چنداں ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے کہ ایماندار سب ایک ہیں ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ' ناصح' محافظ اور بہی خواہ ہے۔ اچھائی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا ہے سب آپس میں ایک ہیں۔ اسی لیے شرع نے جائز قرار دیا کہ گری پڑی چیز ایک کی دوسرا اٹھالے اور اس کیلئے سنبھال کر رکھ لے۔ گم شدہ جانور پکڑ لے اور حفاظت سے رکھ لے بھاگے ہوئے غلام کو روک لے اور واپس کر دے۔ اب ظاہر ہے کہ غلام پر جانور پر اسے جتنے دن اس کے پاس رہے خرچ کرنا پڑے گا حالانکہ مالک کی اجازت نہیں اگر شرع کو عرف کے مطابق نہ قرار دیا جائے تو اس کا یہ خرچ ضائع جائے گا اور جب یہ خرچ اسے نہ ملے اور شریعت نہ دلوائے تو کون ہے جو ان مصیبتوں کو مول لے اور اپنی جان تنگی میں ڈالے۔ احسان بھی جائے اور مال پر بھی آفت آئے۔ پھر کوئی انھیں نہ لے گا اور یہ چیزیں ضائع ہوں گی ان کے مالک کے چند پیسے گو بظاہر بچ جائیں لیکن بڑی رقموں سے انھیں دست بردار ہونا پڑے گا۔ لوگوں کی مصلحت برباد ہو گی فساد بڑھ جائیں گے کوئی کسی کے کام میں ہاتھ نہ ڈالے گا۔ ناممکن ہے کہ وہ شریعت یہ حکم دے جو بالکل ہی مطابق عقل ہے بلکہ جس کے قانون نے دنیا کو حیرت زدہ کر رکھا ہے جو تمام اور شریعتوں سے ہر طرح مکمل ہے۔ جس نے تمام مصلحتوں کو اپنے دامن میں لے لیا ہے اور جو تمام فسادوں اور بیکاریوں سے پاک صاف ہے پس شریعت نے عرف عام کو لوگوں کی عادتوں کو معمول اور دستور کو بالکل جاری رکھا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی دستور خلافِ شرع لوگ گھڑلیں۔ پس کہاں تو شریعت محمدیہ کی یہ بے لاگ اور بہترین تعلیم اور پاک احکام؟ کہاں مذہب حنفیہ کا مسئلہ تصرف فضولی کی اجازت کا اور وقف عقود کا اور کہنا کہ یہ مالک کی مصلحت کیلئے ہے پھر کہاں ان کا جانور کی سواری اور اس کے دودھ سے اسے روکنا جس کے پاس وہ گرو ہیں اور جو ان پر خرچ کر رہا ہے تعجب سا تعجب ہے اور سخت افسوس ہے اس میں حیوان پر احسان ہے' رہن رکھنے والے پر احسان ہے' جس کے پاس رہن ہے اس کیلئے بھی اس میں سہولت ہے پھر شارع علیہ السلام نے اپنے لفظوں میں اس کی اجازت دی ہے مالک کی طرف سے دستور عام کے مطابق یہ اجازت حاصل کی۔ اس میں اسے یا اسے کوئی تکلیف اور مشقت نہیں برخلاف اس کے حرمت میں مبتلا ہو جانے کا قریبی امکان ہے اسے تو رد کر دیا اور تصرف فضولی کو معتبر مانا۔ اس پر حکم مرتب کیا۔ ظاہر ہے کہ لین دین کے معاملہ سے زیادہ خطرناک معاملہ انسانوں کی بیٹیوں' بیٹوں' لونڈیوں' غلاموں' گھروں اور مالوں کا ہے جس نے جانور گروی رکھا ہے وہ مسکین تو اس کے اصلی مالک کو اس کے خرچ سے آزاد کرتا ہے اللہ کا حق ادا کرتا ہے اس کے مالک کا حق ادا کرتا ہے' حیوان کا حق ادا کرتا ہے' اپنے نفس کا حق ادا کرتا ہے اور شارع علیہ السلام نے جو دودھ اور سواری اس کے لیے حلال کی ہے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اللہ ہی کو علم ہے کہ اتنے صاف مسئلے میں انھیں مخالفت کرنے کی کون سی ضرورت پیش آگئی؟

رہن شدہ جانور جیسے اور مسائل : خیال فرمایئے قرآنِ کریم نے اولاد کے باپ کو دودھ پلائی کا ماں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گو اُجرت طے نہ ہوئی ہو صاف فرمایا : ﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (طلاق : ٦) اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی پوری مزدوری دے دو۔ اگر ہم یہ

اعتراض کیا جائے کہ اس کا خلاف خود تم کرتے ہو مثلاً کسی کے پاس دوسرے کا مکان رہن ہے اس کا کوئی حصہ خراب ہو گیا تو یہ مکان کی مرمت کر دیتا ہے تاکہ چیز محفوظ رہے باوجود اس کے وہ اس مکان میں بقول تمہارے رہ نہیں سکتا اور نہ وہ اپنا خرچ لے سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ مسئلہ اس طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا خرچ حساب کر کے اسے دلوایا جائے گا اس لیے کہ رہن کی اصلاح کی صورت یہی ہے- قاضی اور ان کے لڑکے اور ان کے سوا اوروں نے بھی اسے بیان کیا ہے- حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے باغ میں محنت کر کے کنواں کھودا اور اس سے پانی نکالا جس سے مالک باغ کو نفع پہنچا تو اسے اس کی اُجرت دے دی جائے پھر ہم کہتے ہیں کہ جانور میں اور گھر میں جو فرق ہے وہ ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جانور کو کھلانا پلانا ضروری ہے لیکن مکان کی آبادی مالک مکان پر واجب نہیں اب اگر تم اس فرق کو معتبر مانو تو سرے سے تمہارا سوال ہی اٹھ گیا اور اگر اس فرق کو باطل کرو تو ہم کہتے ہیں کہ پھر مکان اور جانور حکم میں بالکل برابر کے ہو گئے اگر اس پر تم اعتراض کرو کہ اس میں دو وجہ سے اصول کی مخالفت لازم آتی ہے اوّلاً تو اس لیے کہ جب کوئی دوسرے کی طرف سے بغیر اس کے کہے اس کے ذمے کا کوئی حق ادا کرے تو وہ بطورِ سلوک و احسان کے ہو گا نہ یہ کہ اس کی ادائیگی اس کے ذمے لازم ہو- دوسرے یہ کہ اگر اس کا عوض اس کے ذمے لازم مانا جائے تو اس کی نظیر لازم ہو گی اس کے بغیر دوسری جنس اس کے معاوضے میں ادا کرے اپنے اختیار کے بغیر اس سے تو اصولِ شرع بالکل انکاری ہیں- اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو وہی چیز ہے جس سے تم اس سُنّت کو رد کرتے ہو اور اس حدیث کی تاویل اس طرح کرتے ہو کہ مراد اس سے مالک ہے وہی اس کی سواری لیتا ہے وہی اس کا دودھ پیتا ہے اسی کے ذمے اس کا خرچ ہے پھر اس سے دلیل لیتے ہو کہ رہن رکھنے والا اپنے رہن میں تصرف کر سکتا ہے چاہے سواری لے چاہے دودھ لے چاہے اور کچھ آپ کے پیش کردہ دونوں اصول میں جو کچھ حق و باطل ہے لیجئے ہم اسے بہ تفصیل بیان کیے دیتے ہیں-

غور سے سنیے تمہارے پہلے اصول کے غلط ہونے پر تو قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور قیاس صحیح شاہد ہے- قرآن کی آیت : ﴿ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ ﴾ (طلاق : ۶) تو اوپر بیان ہو چکی ہے وہیں وجہ استدلال بھی مذکور ہے- ہاں بعض لوگوں نے اسے بھی تاویل سے اڑایا ہے وہ اور اس کا جواب بھی سن لیجئے وہ کہتے ہیں کہ مراد وہ اُجرت ہے جو طے ہو چکی ہو- نہ یہ کہ جو طے نہ ہوئی ہو- دیکھئے اس کے بعد قرآن نے فرمایا ہے : ﴿ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى ﴾ اگر تم پر گراں گزرے سخت معلوم ہو تو اسے کوئی اور دودھ پلائے- یہ سختی بوقت عقد ہوتی ہے جب معاملہ طے ہو رہا ہو کہ وہ بہت زیادہ اُجرت مانگتی ہے یا یہ اس کی اُجرت میں انتہائی کمی کر رہے ہیں اس کا جواب ملاحظہ ہو- دلالتیں تین قسم کی ہیں ان میں سے کسی قسم کی دلالت آیت میں طے کرنے اور مقرر کرنے اور ٹھہرانے پر نہیں ہے دلالتِ لفظیہ کا نہ ہونا تو ظاہر ہے دلالتِ التزامی کا نہ ہونا بھی محقق ہے کیونکہ اجر کے دینے میں اور ٹھہرانے میں پہلے سے مقرر کرنے میں کوئی تلازم نہیں- دیکھئے خود قرآن میں اسے اجر کہا گیا ہے جو کسی کام کرنے والے کو اس کے کام پر دیا ہے حالانکہ پہلے سے اس کا تقرر نہیں ہوا فرماتا ہے : ﴿ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ ﴾ (عنکبوت : ۲۷) ہم نے ابراہیم کو ان کا اجر دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں میں ہوں گے' ازواجِ نبی ﷺ کو فرماتا ہے : ﴿ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ﴾ (احزاب : ۳۱) تم میں سے جو اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے اور نیکیاں کرتی رہے ہم اسے اس کا دوہرا اجر دیں گے- یہ ہر ایک جانتا ہے کہ عربی میں اجر کہتے ہیں اسے جو کسی کام کرنے والے کو اس کے کام

کے بدلے دیا جائے یہ مثل اس ثواب کے ہے جو اس کی طرف لوٹتا ہے پس اس میں تقرر پہلے سے ہونا نہ ہونا برابر ہے۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل آپ سے بلااختلاف مروی ہے کہ جب کسی نے کسی قیدی کا فدیہ ادا کیا تو وہ اس پر جو فرض ہے اس میں لوٹے گا اس بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے سوا اور کوئی قول مروی نہیں ہے۔ ہاں جو شخص دوسرے کا قرض اپنی خواہش سے اس کے کہے بغیر ادا کر دے اس کے بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مختلف ہیں پس ایک جگہ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کھلے الفاظ منقول ہیں کہ یہ اپنی رقم اس سے لے لے بلکہ آپ سے کہا بھی گیا کہ وہ تو اس کی ضمانت میں احسان کرنے والا ہے آپ نے جواب میں فرمایا مانا کہ یہ ایسا ہی ہے پھر بھی۔ دوسرے قول میں مروی ہے کہ یہ رقم اصل قرض دار کے ذمے نہیں کیونکہ اس نے اسے نہیں کہا پھر جو یہ کرتا ہے یہ بطور سلوک و احسان کے ہے۔ ہاں یہ بھی آپ کے الفاظ ہیں کہ جب کسی کے بھاگے ہوئے غلام کو دوسرا پکڑ لے اور اسے سونپ دے تو اس مدت میں اس نے اس غلام پر خرچ کیا ہے وہ اس کے مالک سے لے لے۔ امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو لکھا کہ جس عرب قیدی کو تاجروں نے خرید لیا ہے۔ ان کی رقم انھیں دے دو اور واپس لے لو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام فرقے اس مسئلہ میں یہی کہتے ہیں گو اس اصول کے پابند کسی جگہ بھی نہ رہے ہوں۔ اس لیے **امام ابو حنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وارثوں میں سے اگر کسی وارث نے میت کا قرضہ ادا کیا تاکہ ترکہ کی تقسیم ہو اور اسے اس کا حق ملے تو میت کے مال میں سے اس کی رقم دلوا دی جائے۔ فرمایئے یہاں بھی تو یہی صورت تھی کہ ایک شخص کی طرف سے اس کی اجازت بغیر جو اس کے ذمے تھے دوسرے نے دیا تھا پھر اسے دلوانا کیوں واجب کیا گیا؟ اور کہتے ہیں کہ جب بلندی والا یا نیچے والا مالک کی اجازت بغیر کچھ بنا لے تو دوسرے پر جو اسے مخصوص غرامت ہے وہ لازم ہو جائے گی کہتے ہیں جب مرتہن راہن کی عدم موجودگی میں رہن پر کچھ خرچ کرے تو اسے وہ خرچ ملے گا کہتے ہیں دو شخصوں نے ایک غلام مثلاً ایک ہزار میں خریدا لیکن ادائیگی قیمت سے پہلے ایک شخص کہیں چلا گیا اور دوسرے نے غلام کو قبضے میں لانے کیلئے پوری رقم اپنے پاس سے ادا کر دی تو وہ پانچ سو کا لین دار اس دوسرے خریدار سے رہا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ : فرماتے ہیں کہ جب کسی نے کسی سے اس کا غلام ادھار لیا کہ اسے رہن رکھے پھر رہن رکھا پھر قرض ادا کر کے رہن چھڑا لیا حالانکہ ادھار دینے والے کی اجازت نہ تھی تو وہ اپنے پورے حق کا حقدار ہے۔ جب کسی نے کوئی اونٹ کرائے پر لیا وہ اونٹ بھاگ چھوٹا اس نے اونٹ پر خرچ کیا تو بیشک وہ اپنا خرچ پانے کا مستحق ہے۔ دو شخص ہیں جو باغ کو شرکت میں کر رہے ہیں ایک کا باغ ہے دوسرے کی محنت ہے یہ محنتی کہیں چل دیا یا مالک باغ نے کسی اور سے اُجرت پر کام کرایا تو بلاشک اس کی اُجرت کا دیندار وہ شریک ہے۔ لاوارث بچہ مل گیا اہل محلّہ نے اس پر خرچ کیا اب ثابت ہوا کہ فلاں کا ہے اور اس کے قبضے میں مال بھی ہے تو اہل محلّہ کو ان کا خرچ اس مال میں سے دلوایا جائے گا۔ ایک نے دوسرے کی ضمانت دی ہے پھر رقم اپنے پاس سے بغیر اس کے کہے دے دی ہے تو یہ اپنی رقم اس سے برابر لے سکتا ہے۔ حنفی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس اصل کے ماننے والوں میں آگئے اب رہے مالکی اور حنبلی سو یہ دونوں فرقے تو اسے بخوبی مانتے ہیں اور کھلے طور پر اس کے پوری طرح قائل ہیں اس میں بھی حنبلیوں سے سوا مالکیہ ہیں۔
الغرض چاروں مذہب والے کہیں نہ کہیں اس اصل کے قائل ضرور ہوئے ہیں گو اسے نبھا نہ سکے ہوں۔ حنفیہ یہاں پر ایک یہ بات بھی پیش کرتے ہیں کہ جن صورتوں میں ہم نے یہ فتویٰ دیا ہے وہ صورتیں وہ ہیں کہ جن کا تعلق اس شخص سے

ہے مثلاً نیچے کی عمارت کی درستگی اگر نہ ہوئی تو پورے مکان کے گر جانے کا خوف تھا۔ اگر وارث قرض نہ ادا کرتا تو چیز قبضے میں ہی نہ آتی پھر حصّے کہاں سے ہوتے؟ اگر رہن والے جانور کو خوراک نہ ملتی تو زندہ نہ بچتا اور اس صورت میں اس کی رقم خطرے میں پڑ جاتی۔ درختوں کی پانی پلائی کیلئے اور کا تقرر اگر نہ ہوتا تو درخت پھل نہ لاتے پس ان تمام صورتوں میں ہم اس سے اس لیے دلواتے ہیں کہ ان کی عدم موجودگی سے اس کی رقم ماری جاتی ہے پس یہ دراصل اس کی اپنی حفاظت ہے اس کے مال کی دیکھ بھال ہے بخلاف دوسرے کا قرض اپنے پاس سے اس کی بے اجازت ادا کرنے والے کے کہ اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس کا کوئی مال یا حق مارا نہیں جاتا تھا پس اس میں اور ان میں بہت کچھ فرق ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ ہمیں مضر نہیں۔ اس سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص دوسرے کا واجب قرض چکائے یا کسی اس کے قریبی رشتے دار پر خرچ کرے یا اس کی بیوی کو بوقت ضرورت دے تو وہ یا تو فضولی ہو گا اور وہ اس لائق ہے کہ اس پر وہ فوت ہو جائے جو اس نے خود اپنے اوپر فوت کیا ہے یا وہ متفضل ہو گا پس اس کا حوالہ اللہ پر ہے سوائے اس کے جس نے اس پر احسان کیا ہے بیشک وہ مطالبہ نہیں کر سکتا۔ شافعیہ کچھ اس سے آگے بڑھے اور کہا کہ جب اونٹ کو اُجرت پر دینے والا اونٹ سے نفع لینا اُجرت پر لینے والے کے سپرد کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب تک اسے چارہ نہ دیا جائے اس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا تو گویا ضمناً اور طبعاً چارے وغیرہ کا خود وہ ذمہ دار ہے اور جب کرائے پر لینے والے نے یہ سامان مہیا کیا ہے تو اس کے دام وہ اونٹ والے سے لے سکتا ہے اس لئے کہ وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ اور کسی کی ذمہ داری اس پر پڑتی ہے اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اونٹ اُجرت پر دینے والا اور باغ کو پانی پلانے کا ذمہ لینے والا بخوبی جانتا ہے کہ زندہ جانور چارے کا محتاج ہے اور باغ کو پانی پلانا بھی ضروری ہے تو گویا عرفاً اور عادۃً اس کی طرف سے مالک باغ اور اونٹ کو اُجرت پر لینے والے کو یہ اختیار دے دیا جاتا ہے کہ ان کی ضرورتیں وہ پوری کرے اور یہ اس کے ذمے ہوں گی ظاہر ہے کہ اذن عرفی' اذن لفظی سے کسی طرح کم درجے کا نہیں ہے۔ اس کی شہادت میں خود تمہارے ذکر کیے ہوئے مسائل پیش ہو سکتے ہیں۔ ہماری طرف سے ان کا جواب بھی بہت آسان ہے اور وہ یہ کہ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ جس کے پاس جانور رہن ہے وہ اسے کھلائے پلائے اور یہ مالک جانور کے ذمے ہو گا یہ باغ میں پانی دینے کا آدھا حصّہ ہوا۔ باقی آدھا اس کا معاوضہ ہے۔ رہن کی صورت میں یہ بطور سواری کے اور بطور دودھ پینے کے ہے پس بحمد اللہ ہر طرح برابری ثابت ہو گئی بلکہ رہن والا مسئلہ بنسبت باغ کے مسئلہ کے زیادہ قریب اور زیادہ ثابت ہو گیا اس لئے کہ اس کی غایت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اسے مسلط کر دیا بدلے پر اس خرچ کے عوض جو اس نے ادا کیا ہے۔ راہن اور مرتہن اور حیوان کے مسئلے میں یہ اولیٰ ہے بنسبت اس تسلط کے جو شفیع کو ہے اپنے شفعہ کے حصّے کے معاوضہ پر بنسبت اس کی ملکیت کی تکمیل کے اور اس کے تنہا حقدار ہونے کے اور یہ اولیٰ ہے بنسبت اس عوض کے جو مسئلہ ظفر میں ہے بغیر اختیار کے اس پر جس کے ذمے حق ہے اس میں تو سبب حق ثابت نہیں لینے والا بظاہر ظالم ہے اسی لیے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس کا نام خائن رکھا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو تیری امانت ادا کرے تو اس کی امانت کی ادائیگی کر اور جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر۔ لیکن ہمارے مسئلے کی صورت میں تو سبب حق بالکل کھلا ہوا موجود ہے عوض کی اجازت لفظوں میں موجود ہے کیونکہ اسی میں ہر ایک کیلئے مصلحت اور آسانی ہے تعجب ہے کہ اس بدلے کو جس میں سبب حق ظاہر ہے جس میں حضور ﷺ کی اجازت لفظوں میں موجود ہے اسے تو تم منع کرتے ہو اور جس میں سبب حق ظاہر نہیں جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے جس میں نہ تو نص ہے نہ قیاس ہے اسے تم

جائز مانتے ہو اور فتویٰ دیتے ہو۔

مزید دلائل : ہمارے اس مسئلہ کی کہ جو واجب کسی پر ہو اور دوسرا ادا کرے تو وہ اس کی واپسی کا حقدار ہے۔ دلیل قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے : ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۞ ﴾ (رحمٰن : ۶۰) یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے۔ لیکن تم سے اللہ سمجھے تم نے اس محسن کا یہ بدلہ دیا کہ جو رقم اس نے اس کے بدلے اپنے پاس سے ادا کی ہے تم نے کہا کہ یہ اس کے واپس لینے کا بھی حقدار نہیں احسان بھی گیا اور رقم بھی ضائع ہوئی۔ واہ خوب احسان کا بدلہ دیا اس نے اس کی گردن چھڑائی اس کی قید و بند سے اسے آزاد کیا تم نے احسان کا بدلہ تو ایک طرف رہا اس کی دی ہوئی رقم بھی غارت کر دی گویا تمہارے نزدیک اس حکم کا مطلب یہ ہوا کہ احسان کے بدلے برائی اور نیکی کے بدلے بدی۔ رسولِ مقبول ﷺ تو فرماتے ہیں جو تمہارے ساتھ سلوک و احسان کرے تم اس کا بدلہ دو اور اس کے سلوک کا معاوضہ کرو۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ کیا یہ بہت بڑا احسان نہیں کہ ایک آدمی جو قرض میں جکڑا ہوا ہے دوسرا بھائی اسے اس مصیبت سے نجات دلوانے کیلئے اس کا قرض اپنے پاس سے ادا کرتا ہے۔ پھر تم ہی بتلاؤ کہ کیا اس احسان کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی رقم کے بارے میں فتویٰ دو کہ اس کی ادائیگی اس شخص کے ذمے نہیں جس کا قرض اس نے ادا کیا ہے اور وجہ محض یہ پیش کرو کہ اس نے کب کہا تھا کہ تو میرا قرض میری طرف سے ادا کر دے۔ یہ کہہ کر بآسانی اس کی دی ہوئی رقم ضائع کرا دو۔ آؤ میں تمہیں ایک اور وجہ سے بھی سمجھاؤں اللہ کرے تم کسی طرح سمجھ جاؤ اور احکام شرع کی پابندی کو محض اپنے گھریلو گھڑتل رائے پر قربان نہ کر دو۔ سنو حدیث میں تو ہے کہ کوئی تمہیں ہدیہ دے تو بھی تم اس کا بدلہ کر دیا کرو۔ کون نہیں جانتا کہ ہدیہ محض سلوک ہے وہ قرض نہیں لیکن تاہم اخلاقی طور پر کامل الایمان مومن مُکلف ہے کہ اس کا بدلہ دے پھر تعجب ہے کہ تم نے وہاں سے بدلہ ہٹا دیا جہاں سب سے بہتر سلوک ہے۔

اور سنیئے اللہ تعالیٰ ربّ العزت نے مومنوں کے درمیان موالات مقرر کر دی ہے یہ آپس میں ایک دوسرے کے والی اور خیر خواہ ہیں پس جو دوست اپنے دوست سے سلوک کرے اور اسے بطور خیر خواہی اور احسان کے کسی بلا سے بچائے وہ تو اس کا کام اس کی طرف سے بحیثیت وکیل انجام دے رہا ہے اور یہ وکالت اللہ کی سونپی ہوئی ہے اس پر ایک حق واجب تھا یہ بوجہ اپنے ضعف کے اسے ادا کر نہیں سکتا تھا اس کے دوسرے مسلمان بھائی نے اس کی عاجزی میں اس کی مدد کی اس کا قرض آپ ادا کر دیا تو اس کی صورت اس کے نائب کی ہے یہ اس کا والی ہے اس نے حق ولایت و دوستی ادا کیا اور اس کی مصلحت جس چیز میں تھی وہ اس نے کر دی۔ لیکن تمہاری سرکار سے فیصلہ ہوا کہ اس کی رقم مع اس کے احسان کے برباد۔ آہ! کیسا برا بدلہ دیا۔ اچھا لو اس کی اور بھی وضاحت سنتے جاؤ۔ ایک شخص پر سو روپے کسی کے چاہئیں دوسرے شخص نے بیچ میں آکر قرض خواہ کو سو روپے بطور قرض کے دیئے اور اس کا حوالہ اس پہلے مقروض کی طرف کر لیا تو کیا تمہارے نزدیک یہ حوالہ صحیح نہیں؟ اور کیا پہلا قرضدار اب اس دوسرے کو وہ رقم نہ دے؟ جب یہ صحیح ہے اور یہ رقم پہلے کے ذمہ عائد ہو گئی تو ہماری پہلی صورت میں یہی قاعدہ تم کیوں جاری نہیں کرتے؟ تمہارے پاس ان دونوں صورتوں میں فرق کرنے کی کون سی شرعی یا معنوی صورت ہے؟ جن دو امر میں ایک ہی مصلحت و حکمت ہے اس میں فرق کر دینا یہ تو صریح ناانصافی ہے اور سنیئے کسی پر قربانی واجب ہوئی۔ دوسرے نے اس کے کہے بغیر وہ قربانی کر دی ظاہر ہے کہ اس پر سے قربانی کا وجوب اتر گیا۔ یہ ذبیحہ غاصبانہ نہ رہا اس میں بھی وجہ یہی ہے کہ اس کا واجب دوسرے نے پورا کر دیا۔ جو اسے کرنا تھا دوسرے نے اس کی

طرف سے کر دیا پس یہ شرعی نیابت ہوئی۔ اس میں یہ وجہ قائم نہیں ہو سکتی کہ یہ مسئلہ واضح ہے اقتضاء اصول و فروع شرع بھی ہے بلکہ اس میں وجہ یہی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے مال میں ایک عمل اس لیے کرتا ہے کہ اس کا حق ادا ہو جائے یا اس کے اس فعل سے اس دوسرے کا مال محفوظ ہو جائے۔ وہ بربادی سے بچ جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں اس کا عوض و بدلہ مارا نہ جائے گا۔ یہ اپنی اُجرت کے لینے کا مستحق سمجھا جائے گا۔

اور سنیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو کئی جگہ اس کی وضاحت اپنے کھلے لفظوں میں کی ہے مثلاً آپ فرماتے ہیں (۱) کہ کسی نے کھیتی کی ابھی اس میں پانی پلانے کی اور کام کاج کرنے کی ضرورت باقی ہے جو وہ بیمار پڑ گیا اچانک کہیں جانا ہو گیا یا کسی اور آفت میں پھنس گیا تو مسلمانوں میں سے کسی نے اس کی غیر حاضری میں اس کی اجازت بغیر اس کے کھیت کی خبر گیری کی پانی پلایا اور کھیتی کی حفاظت کی اور جو خرچ ہوا اپنے پاس سے کیا تو بیشک وہ مستحق ہے کہ اپنا خرچ کھیتی والے سے وصول کر لے۔ شریعت کا یہ فرمان بالکل اصول عقلی کے مطابق ہے اور کامل و مکمل شریعت میں جو بندوں کی مصلحت اور ان کی بہی خواہی اور ان کی دنیوی ترقی کی ضامن ہے یہی حکم ہونا بھی چاہیے۔ یعنی اگر کسی نے ہاتھ ہی نہیں لگایا تو کھیتی برباد ہوئی اور کھیتی والے مسلمان کا نقصان ہوا اگر اس کے بعد اس کے سنبھالنے والے کی رقم اس کھیتی والے سے نہ دلوائی تو یہ مسکین ٹاپتا ہی رہ گیا خیر خواہی اس کے حق میں زہر بن گئی۔ پھر کون ہو گا جو دوسرے کی ان مصیبتوں میں ہاتھ ڈالے۔ اور اس لیے دوسرے کی پس پشت اس سے احسان کرے کہ احسان بھی جائے اور رقم بھی ڈوبے۔ پس اس فتوے کو اور اس شرعی حکم کو نہ ماننے میں ہر طرح نقصان ہی نقصان ہے اور اس کی تسلیم میں دونوں کا نفع ہی نفع ہے۔ اس کی کھیتی بچ گئی اور نفع ہوا اسے رقم مل گئی اور احسان قائم رہا نفع ہی نفع ہوا۔ قربان جائیں اس کامل شریعت کے۔ (۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی شخص دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت بغیر کنواں کھود کر پانی نکالے جس سے مالک زمین کو فائدہ حاصل ہو تو اس کی اُجرت اسے دینی پڑے گی۔ (۳) فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کشتی دریا میں اُلٹ گئی اور اس کا اسباب اُلٹ کر ڈوب گیا کسی نے غوطہ خوری کر کے وہ اسباب نکالا تو اسباب مالک کو دے دیا جائے اور اسے اس کی پوری اُجرت دلا دی جائے۔ بے شک شریعت اسلامیہ کا یہی فتوئ ہونا چاہیے وہ شریعت جو ساری دنیا کیلئے آئی ہو' وہ شریعت جس میں دنیا کے قیام کا اور حسن انتظام کا پورا مواد موجود ہو' اس میں یہی حکم ہونا چاہیے۔ اسی میں دونوں کیلئے مصلحت ہے اور اس کے خلاف میں دونوں میں سے ایک کو خسارہ رہے گا۔ یعنی یا تو مال والا اپنے مال سے ہاتھ دھو بیٹھے گا یا غوطہ خور اپنی اُجرت نہ پا کر اپنا سا منہ لے کر رہ جائے گا۔ کوئی مؤمن ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرے مؤمن کے نقصان میں راضی ہو۔ اسے اُجرت اور مزدوری نہ دلوانا صریح ظلم ہے اور دنیا کے امن کو خطرے میں ڈالنا ہے اگر ایسا نہ ہوا تو کون اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہ سامان نکال لائے گا تمہاری فقہ یونہی رکھی رہ جائے گی اور اس مسکین کا یا تو مال ضائع ہو جائے گا یا اس غریب غوطہ خور کا واجبی حق مارا جائے گا۔ پس شریعت نے وہ قانون مقرر کیا ہے جس میں دونوں کا نفع ہے کوئی ضرورت نہیں کہ اُجرت ٹھہرائی جائے۔ بلکہ عرف کے مطابق شرع ہے نہ اس کا مال ضائع جائے نہ اس کی محنت ضائع جائے۔ یہ ہے کمالِ شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیہ۔

مثال (۴۷) میت کے قرض کی ضمانت کی حدیث کو مقلدین نہیں مانتے حدیث (۵۸) جسے رائے سے رَد کردی گئی ہے :

صحیحین میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنازہ حضور مقبول ﷺ کے پاس نماز کے لیے لایا گیا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کے ذمے کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں دو دینار رہ گئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کچھ اس کا ترکہ بھی ہے؟ جس سے یہ قرض ادا ہو سکے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم ہی اس کے جنازے کی نماز پڑھ لو۔ یہ سُن کر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس کا قرض میرے ذمے اب آپ ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس صاف صریح اور صحیح حدیث کو قیاسی لوگ محض اپنے واہی اور نکمّے اور فضول قیاس سے ٹال دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب آدمی مرگیا اس کا ذمہ باطل ہو گیا پھر باطل شدہ چیز کی ضمانت خراب محل میں کس طرح معتبر ہو گی۔ ہاں البتہ زندہ شخص کی طرف سے یہ ضمانت معتبر ہے کیونکہ وہ خراب نہیں ہوئی گو اس وقت اس کے پاس اتنا نہیں کہ ادا کر سکے ہاں اگر میت اپنے پیچھے اپنا مال چھوڑ کر مرا ہوتا تو اس کے ذمے سے وہ حق ہٹ کر مال کے ذمے لگ جاتا۔ اور مال قائم مقام زندہ اور طاقت ور کے ہو جاتا۔ یہ تو تھا ان کا قیاس جس سے اُنھوں نے فرمانِ رسول ﷺ کو چھوڑ دیا۔ اب حدیث میں جو تاویل باطل یہ قیاسی لوگ کرتے ہیں اسے بھی سن لیجئے۔ کہتے ہیں یہ تو پہلے ہی سے اس کے ضامن تھے نہ یہ کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اب ضامن ہوئے ہوں۔ میں کہتا ہوں ان کا قیاس بھی جھوٹا اور ان کی تاویل بھی غلط۔ اس کی وجوہات سنیے (۱) حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ((انا الکفیل به یارسول اللّٰه)) یعنی اے حضرت میں اس قرض کا ذمہ دار بنتا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائیں (نسائی) اس کی سند بھی بالکل صحیح ہے۔ (۲) خود بخاری کی ایک سند میں یہ الفاظ آئے ہیں ((صل علیه یارسول الله وعلی دینه)) یعنی حضور ﷺ آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھایئے ان کا قرض میں اپنے اوپر لیتا ہوں پس اب ان الفاظ میں دو ہی چیزیں ہیں یا تو انھیں صریح مان لیا جائے یا کم از کم مثل صراحت مان لیا جائے۔ کیونکہ یہاں واوٴ نئے کلام کے لیے ہے اس سے پہلے کوئی ایسا جملہ نہیں جس پر اسے عطف ڈالا جا سکے۔ پس یہ کلام ایسا ہی ہے جیسے یہ کلام کہ میں اس کا ذمہ اُٹھاتا ہوں اس پر جو قرض ہے میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔

(۳) فقیہو! تمہیں اللہ سچّی فقہ عطا فرمائے۔ ذرا تو غور کرو کہ جب پہلے کے ذمے میں اور اب کے ذمے میں فرق ہوتا تو کیا حضور ﷺ دریافت نہ فرماتے کہ تم پہلے سے اس کی زندگی میں ہی اس کے ذمے دار تھے؟ یا اب اپنے ذمے لے رہے ہو؟ پس ظاہر ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ پہلے سے اس صحابی کی زندگی میں ہی اس رقم کے ضامن نہ تھے بلکہ اب اپنے اوپر اس رقم کو اوڑھ رہے ہیں ورنہ حضور ﷺ کے پہلے سوال کے وقت ہی کہہ دیتے کہ اس کے ذمے کوئی قرض نہیں اس کا قرض تو میں نے اپنے اوپر لے رکھا ہے مگر وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ جس وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قرض کی وجہ سے یہ شخص حضور ﷺ کی دعا سے محروم رہ جاتا ہے۔ آپ جھٹ اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ فرض کرو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ان دونوں معنی کو شامل ہے اور ایک بقول تمہارے لائق اعتبار نہیں دوسرا ہے تو ضروری تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے تفصیل دریافت فرماتے لیکن آپ نے ان سے پھر کوئی سوال نہیں کیا جس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ دونوں صورتیں حکم

ہیں ایک ہی ہیں یا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ضمانت اب یہ اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ ہر دو صورت میں مسئلہ حدیث اپنی جگہ ہے اور تمہاری باطل تاویل خاک برباد ہے۔ فالحمدللہ۔ (۴) سنو جس طرح زندہ آدمی جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کی ضمانت جو دے وہ معتبر ہے اسی طرح میت کی طرف سے بھی گو اس کا مال نہ ہو۔ اگر یہ مال چھوڑ کر مرا ہوتا تو جس طرح اس کے قرض کی ضمانت صحیح تھی اسی طرح قیاس کا اقتضاء یہی ہے کہ مال نہ چھوڑنے کی حالت میں بھی ضمانت صحیح ہو۔ جس کے قرض کی ضمانت اس کی زندگی میں ہو سکتی ہے اس کے قرض کی ضمانت اس کی موت کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کس نے کہہ دیا کہ ضمانت سے مال کی طرف رجوع واجب ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ ضمانت کے معنی یہ ہیں کہ لین دار اپنا حق بجائے اس کے اس سے لے گا۔ پھر کیا وجہ کہ تم نے میت کی ان دونوں صورتوں میں علیحدگی کی حالانکہ دونوں صورتیں حکم کے اعتبار سے ایک ہیں خواہ میت کا ترکہ ہو یا نہ ہو۔ (۴) تعجب ہے قیاسیو! تعجب ہے کہ زندہ مفلس کی ضمانت معتبر اور مردہ مفلس کی غیر معتبر حالانکہ زندہ سے زیادہ محتاجگی اور ضرورت اس مردہ کو ہے۔ لیکن واہ رے تم بے ضرورت لقمے دیتے رہے اور ضرورت پر نوالہ بند کر لیا۔ (۵) مانا کہ میت کا ذمہ کسی وجہ سے خراب ہو گیا لیکن وہ وجہ کیا تھی؟ یہی کہ اب حقدار کو مطالبہ کا حق نہیں رہا۔ نہ اس طرح کہ اس کا حق ہی سرے سے جاتا رہا۔ سنیے حدیث شریف میں ہے کہ ہر میت اپنے قرض میں رہن ہے۔ پس اگر ہر وجہ سے ذمہ برباد ہو گیا ہے تو پھر رہن ہونے کے کیا معنی؟ (۶) اگر ہر طرح سے اس کا ذمہ برباد ہو چکا ہے تو پھر زندگی میں جو اس کا ضامن تھا وہ بھی بری ہو جانا چاہیے اس لیے کہ یہ تو فرع تھا جب اصل ہی نہیں تو فرع کیسی؟ جب جڑ ہی نہیں تو ڈالیاں کیسی؟ پس جبکہ تم ضمانت کو اس کی موت کے بعد بھی اپنی جگہ ثابت مانتے ہو تو ماننا پڑے گا کہ موت خود میت کی ذمہ داری کو ہر طرح بری نہیں کر دیتی۔ اگر وہ ابتدائی طور سے بری کرنے والی ہوتی تو دوامی طور سے بھی بری کرنے والی ہوتی حالانکہ اس کے باقی رہنے کے تم قائل ہو تو نئے سرے سے ہونے کے قائل بھی تم کو ہونا پڑے گا۔ یہ حکم ان احکام میں سے ہے جن میں دوام اور ابتداء برابر ہے۔ کیونکہ سبب دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ پس تم قیاس قیاس کہتے پھرتے ہو وہ بھی بحمد اللہ ہمارے ساتھ ہے نہ کہ تمہارے ہاں کسی کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس دماغ کا قیاس بھی خراب ہو گا ورنہ حدیث و قیاس ساتھ ہی ہے۔

مثال (۴۷) مقلدین کا حدیث شریف کا نہ مانا ہوا اُنسٹھواں مسئلہ

حدیث شریف کے اِس مسئلہ کو بھی قیاسی نہیں مانتے کہ عذر کی وجہ سے دو نمازوں کا جمع کر لینا درست ہے خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر اُتر کر دونوں نمازوں کو جمع کر لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا چاہتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو جائے پھر دونوں کو جمع کر لیتے یہ حدیث صحیحین کی ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے عصر کے ساتھ ملا کر جمع کر لیتے اور دونوں نمازیں ادا کر لیتے۔ اور جب سورج ڈھل جانے کے بعد کوچ فرماتے تو ظہر کے ساتھ ہی عصر کی نماز ملا کر ادا کر لیتے پھر چلتے۔ قبل از مغرب جب کوچ کرتے تو

مغرب کو دیر کر کے عشاء کے وقت میں مغرب عشاء ادا کرتے اور جب بعد از مغرب کوچ کرنا ہوتا تو مغرب کے ساتھ ہی مغرب کے وقت میں عشاء کو جمع کر کے پڑھ لیتے۔ یہ حدیث سنن میں اور مسند میں ہے اس کی سند بالکل صحیح ہے اس کی علت خود علیل ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم منزل میں ہی ہوتے تو ظہر کی نماز اور عصر کی نماز دونوں ایک ساتھ پڑھ لیتے پھر کوچ فرماتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو پھر چلتے رہتے یہاں تک کہ وقت عصر آجائے تو اُتر کر ظہر کو عصر کے ساتھ ملا کر دونوں نمازیں جمع کر لیتے۔ جب وقت مغرب منزل میں ہوتے ہوئے آجاتا تو مغرب کے ساتھ ہی عشاء کی نماز کو ملا کر دونوں کو جمع کر لیتے اور اگر مغرب کا وقت نہیں ہوتا تو سوار ہو جاتے عشاء کے وقت اُتر کر مغرب عشاء جمع کر لیتے۔ یہ حدیث حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کی متابع ہے۔اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال سورج سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ ظہر کو اور عصر کو عصر کے وقت جمع کر لیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے سفر میں مغرب کو مؤخر کیا یہاں تک کہ شفق غائب ہو گئی پھر اُتر کر مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر دونوں نمازیں پڑھیں اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو بھی جب چلنے کی جلدی ہوتی یونہی کر لیا کرتے تھے۔ یہ تمام حدیثیں اعلیٰ درجے کی صحیح ہیں پھر صریح ہیں ان سے ظہر کو عصر کے ساتھ اور عصر کو ظہر کے ساتھ جمع کر کے ظہر کے وقت میں یا عصر کے وقت میں اسی طرح مغرب عشاء کو جمع کر لینا ثابت ہے۔ ان کے خلاف کوئی حدیث نہیں۔ لیکن قیاس کا بُرا ہو۔ قیاس والوں نے ان حدیثوں پر نہ خود عمل کیا نہ کسی مسلمان کو کرنے دیتے ہیں۔ بہانہ یہ بناتے ہیں کہ یہ اخبار آحاد ہیں اور نمازوں کے وقت متواتر حدیثوں سے ثابت شدہ ہیں جیسے کہ وہ حدیث جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے امام نماز بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت نماز پڑھانے کا ذکر ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھی گئی پھر فرمایا کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان کا ہے۔ یہ مکہ شریف کا شروع اسلام کا واقعہ ہے۔ پھر مدینہ شریف میں جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اوّل اور آخر وقت میں نمازیں پڑھا کر انھیں دکھا کر پھر فرماتے ہیں کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آپ کا یہ فرمان موجود ہے کہ صلوٰۃ ظہر کا وقت عصر کے نہ آنے تک ہے اور عصر کا وقت جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے تب تک ہے اور مغرب کا وقت نور شفق کے ساقط ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے اور حدیث میں ہے ہر نماز کا وقت اس کے بعد کی نماز کے وقت کے آنے تک ہے۔ سائل وقت نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازیں پڑھ کر وقت دکھا کر پھر یہ فرمانا اس مسئلے میں کافی ہے کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان کا وقت وقت نماز ہے۔ پس قول و فعل دونوں سے بیان ہو گیا۔ یہ حدیثیں محکم بھی ہیں صحیح بھی ہیں اور صریح بھی ہیں- نمازوں کے اوقات یہ ہیں امت کا اس پر اجماع ہے اور سب نے اسی حدیث سے دلیل بھی لی ہے- ان حدیثوں کو پیش فرما کر یہ حنفی جماعت ہمیں ڈانٹتی ہے اور کہتی ہے دیکھو تم نے ایسی صاف حدیثوں کو جواب دے دیا ہے اور مجمل اور محتمل اور غیر صریح حدیثیں لے کر جواز جمع کے قائل بن گئے ہو ممکن ہے کہ ان حدیثوں میں جمع سے مُراد جمع فی الفعل ہو۔ اور ممکن ہے کہ جمع فی الوقت ہو۔

پس صراحت اور بیان والی حدیثیں چھوڑ کر مجمل اور محتمل حدیثیں کیسے لی جا سکتی ہیں؟ تم تو اوپر سے ہمیں یہ الزام دیتے چلے آئے ہو لیکن یہاں تو تم خود پھنس گئے اب ہم تم سے وہی کیوں نہ کہیں جو بار بار تم سے ہم سنتے آئے ہیں۔ دیکھا آپ نے کیا روغن قاز پھیرا ہے؟ اور سیاہ چہرے پر کتنا سفید پاوڈر جمایا ہے اور کس زور سے اپنے شیدائیت حدیث کا ڈنکا بجایا

ہے۔ لیکن اب سنیے ان کے ان دعووں میں جان کہاں تک ہے؟ ہم کہتے ہیں یہ بھی حق وہ بھی حق یہ حدیثیں بھی ماننے کے قابل وہ حدیثیں بھی ماننے کے قابل۔ سب ہمارے رب کے رسول ﷺ کی باتیں ہیں اور سب حق ہیں یہ پھیر تمہاری عقل کا ہے کہ ایک کو ایک کے خلاف سمجھ بیٹھے اور پھر ایک کو مان کر ایک کا انکار کر گئے۔ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں اس سے بہت ارفع اور اعلیٰ ہیں کہ ایک کے خلاف ایک ہو۔ جس نے نمازوں کے اوقات اپنے قول و فعل سے ہمیں بتلائے اسی نے جمع کرنے کی اجازت بھی اپنے قول و فعل سے ہمیں مرحمت فرمائی۔ اللہ جانے یہ بد خصلت مسلمان ہو کر تم میں کہاں سے آگئی؟ کہ ایک کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط تھام لو اور دوسری سے ہاتھ جھاڑ کر کنارے ہو جاؤ۔ ایک سُنّت کو لینا اور ایک کو نہ لینا کیا اس سے بھی بڑھ کر ستم و ظلم کی کوئی مثال قائم ہو سکتی ہے؟ تم نے تو شرع کی حکمتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ سنو جو وقت حضور ﷺ نے اپنے قول و فعل سے بیان فرمائے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ کشادگی اور آرام کا وقت اور عذر و ضرورت کا وقت جیسا حال جس وقت نمازی کا ہو اس کا لحاظ رکھا گیا ہے دونوں کیلئے الگ الگ احکام مخصوص کئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح واجبات و شرائط نماز بہ اختلاف قدرت و عجز جداگانہ ہیں۔ اوقات نماز بھی الگ الگ ہیں۔ نماز کو بھول گیا یا سو گیا اس کا وقت وہی ہے جب یاد آجائے اور جب بیدار ہو جائے۔ خواہ کوئی وقت ہو لیکن اس کے لیے یہی وقت عین وقت نماز ہے۔ ظاہر ہے کہ عام وقتوں میں اور اس کیلئے اس خاص وقت میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسی طرح معذور لوگوں کیلئے تین وقت مقرر فرمائے اور جنھیں عذر نہ ہو ان کیلئے پانچ وقت بیان فرمائے معذور اپنے دو وقتوں میں تو انکے ساتھ ہیں اور ایک وقت ان کیلئے مخصوص ہے۔ ان کے جو دو وقت مشترک ہیں وہ بے عذر والوں کے چار وقت ہیں اگر آپ حضرات باریک بینی سے کام لیتے تو خود قرآن میں بھی اس کا ذکر پا لیتے۔ دیکھو قرآن میں دو قسم کے وقت بیان ہوئے ہیں ایک تین اور دوسرے پانچ تقریباً دس آیتیں اس کے بیان کی ہیں پس پانچ تو ہیں ان کے لئے جو بے عذر ہوں اور تین ہیں عذر والوں کیلئے۔ حدیث نے اسی کا بیان فرما دیا اس کی تفصیل کر دی اس کا سبب واضح کر دیا۔ پس بحمد اللہ دلالت قرآن' دلالت حدیث اور دلالت قیاس صحیح ایک ہی ہے' حکمت شریعت کا اقتضاء بھی یہی ہے' بندوں کی مصلحتوں کا نباہ بھی اسی میں ہے۔ پس تم احادیث جمع کو احادیث افراد کے ساتھ ایسا ہی سمجھو جیسے شرائط و واجبات کے ساتھ عذر اور ضرورتیں ہمیشہ یہ اصول یاد رکھو بلکہ نگاہوں کے سامنے رکھو کہ حدیثیں ایک دوسری کے صاف کرنے' بیان کرنے اور واضح کرنے کیلئے ہوتی ہیں نہ کہ ایک سے ایک مخالف ہو۔ رہی تمہاری تاویل یہ تو بالکل ہی زائل ہے ذرا سا تامل کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حدیث میں جمع سے مُراد وقت کا جمع کرنا ہے بلکہ صراحتاً موجود ہے نہ کہ فعل کا جمع کرنا بلکہ جمع فعلی میں تو مشقت و محنت اور بڑھ جاتی ہے۔ خیال فرمایئے آپ کی اس جمع فعلی کا تو یہ مطلب ہوا کہ ایک شخص بیٹھ کر انتظار کرے اور وقت کو دیکھتا رہے یہاں تک کہ اتنا سا وقت رہ جائے کہ ادھر یہ اپنی نماز سے فارغ ہو ادھر دوسری نماز کا وقت آجائے۔ ظہر کی نماز ایسے وقت ادا کرے کہ ادھر اس نے سلام پھیرا ادھر عصر کا وقت آگیا تو یہ بھی اپنے وقت میں رہی اور وہ بھی۔ خیال فرمایئے اس میں نمازی کیلئے آسانی ہوئی یا اور مصیبت ہوئی؟ اولاً تو یہ جانچ پڑتال کس قدر بلا کی چیز ہے۔ دوسرے اس میں سختی کتنی ہے تیسرے اس میں حرج کس قدر ہے؟ سبحان اللہ مقصود جمع یہ تھا کہ راحت و آرام ہو لیکن تم نے اسے اس قدر مروڑا کہ ساری راحت اور کل آرام تکلیف اور مشقت سے بدل گیا۔ واہ رے تم اور بل بے تمہارے قیاس۔ پھر سُنّت صریحہ صحیحہ کے خلاف یہ تمہارا فتویٰ اور یہ تمہارے دل کی اُپج ہے۔ فلا حول ولا قوۃ اِلاَّ باللّٰہ۔

مثال (۷۵) رائے قیاس سے رد کی ہوئی ساٹھویں حدیث' ایک ساتھ پانچ اور سات وتر پڑھنے کا مسئلہ :

مائی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات اور پانچ وتر ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے ان کے درمیان نہ تو سلام سے جدائی کرتے نہ کلام سے۔ ملاحظہ ہو' مسند احمد۔ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت پڑھتے ان میں وتر پانچ پڑھتے درمیان میں کہیں نہ بیٹھتے صرف آخری پانچویں رکعت میں ہی بیٹھے۔ (متفق علیہ) مائی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نو رکعتیں پڑھتے ان میں صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے اس کی تعریفیں بیان کرتے پھر دعائیں کرتے اور بغیر سلام پھیرے اُٹھ کھڑے ہوتے پھر نویں رکعت پڑھ کر بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا کرتے پھر سلام پھیرتے جسے ہم بھی سن لیتے۔ پھر سلام کے بعد دو رکعت بیٹھے بیٹھے ادا کرتے۔ یہ سب ملا کر گیارہ رکعتیں ہو جاتیں۔ جب بڑی عمر کو پہنچے اور بدن بھاری ہو گیا تو سات وتر پڑھنے لگے اور دو پچھلی رکعتیں ویسی ہی پڑھتے جیسی نو رکعات میں پڑھا کرتے تھے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عمر کو پہنچے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ سات وتر پڑھنے لگے صرف چھٹی اور ساتویں میں بیٹھتے اور سلام ساتویں میں ہی پھیرا کرتے۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات رکعتیں پڑھتے اور نہ بیٹھتے مگر آخری رکعت میں۔ یہ سب حدیثیں صحیح ہیں' صریح ہیں' ان کے خلاف کوئی ایسی حدیث نہیں۔ لیکن قیاسی حضرات انھیں نہیں مانتے اور ان کے بالمقابل ایک حدیث لاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے لیکن برادران ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ جس کی یہ بات ہے اسی نے ایک سلام سے سات، اور نو اور پانچ وتر پڑھے ہیں پھر کیا مصیبت ہے کہ اسے لو اور اسے چھوڑ دو؟ کیوں نہیں کہتے کہ یہ بھی حق اور وہ بھی حق کبھی یوں کبھی ووں۔ ایک ایک کو سچاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کا سوال ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں کہ دو دو رکعت پڑھا کرو۔ وتر کا سوال ہی نہ تھا۔ سات اور پانچ اور نو اور ایک یہ وتر ہیں۔ وتر ایک رکعت ہے جو الگ ہی ہو۔ پانچ سات نو جو متصل ہوں جیسے مغرب نام ہے تین متصل رکعتوں کا۔ پس اگر پانچ سات نو میں سلام سے فرق کر دیا جائے جیسے گیارہ میں تو وتر نام ہو گا اس ایک رکعت کا جو الگ ادا کی گئی۔ جیسے کہ فرمان حضور میں ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک وتر پڑھ لے وہ پڑھی ہوئی نماز کو وتر کر دے گا۔ پس بحمداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آپ کا فعل متفق ہو گیا اور ایک دوسرے کا سچانے والا بن گیا۔ اور یہی حقیقت ہے اور ایسا ہی واقعہ بھی ہے۔ اور سنیے اگر تناقض مانا جائے تو دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یا تو ایک ناسخ اور ایک منسوخ ہو گا یا یہ کہ دو باتوں میں سے ایک بات اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہو گی اور جب دونوں باتیں صحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہونی ثابت ہو گئیں۔ ناسخ منسوخ بھی نہیں پھر ناممکن ہے کہ ان میں تعارض و تناقض ہو یہ تو پاگلوں کی باتوں میں ہوتا ہے کہ ابھی کچھ کہا اور ابھی اس کے خلاف اور کچھ کہہ دیا۔ یاد رکھنا صحیح حدیثوں میں تعارض وہی مانتے ہیں جن کی عقلیں ماری گئی ہیں جو رائے قیاس کے بندے بن گئے ہیں' جن کے دل عظمت سُنّت سے خالی ہو چکے ہیں' جنھوں نے حدیثوں سے بہت بڑا درجہ اپنے مذہب کے قواعد کو دے رکھا ہے۔ جہاں ان قواعد کو ٹوٹتا دیکھتے ہیں تو حدیث کو رد کرنے کے سینکڑوں حیلے ٹٹول لیتے ہیں جن میں سے ایک تعارض کا حیلہ ہے ورنہ حقیقی تعارض سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کوسوں دور ہے فالحمد للہ۔

فصل : احکام شرع کی حکمتیں شریعت کا سراسر عدل و انصاف اور حکمت و مصلحت سے پُر ہونا اور

فتووں کے بدل جانے کا وقت :

زمانے کے تغیر' جگہ کے تغیر' حال کے تغیر' نیت کے تغیر اور ضرورتوں کے تغیر سے فتوے بھی مختلف ہوتے ہیں اس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس میں بڑے بڑے فوائد ہیں- اس کی جہالت کی وجہ سے لوگوں نے بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں اکثر فتووں میں غلطی کی وجہ یہی ہوتی ہے شریعت میں جو حرج اور تکلیف اور مشقت واقع ہو گئی ہے وہ اس اصول کے چھوڑنے سے ہوئی ہے- ظاہری بات ہے کہ ہماری شریعت انسانی مصلحتوں کے اعلیٰ رتبہ پر پہنچی ہوئی ہے اس کی بنیادیں' حکمتوں اور عقلمندوں پر ہیں اس میں مخلوق کی بھلائیاں ان کی آسانیاں ہر جگہ ملحوظ رکھی گئی ہیں- دنیا اور دین کی خوبیاں اس میں ہیں یہ شرع شریف سراسر عدل و انصاف' رحمت و مصلحت' خیر خواہی اور بلندی پر مبنی ہے اس کا ہر ہر مسئلہ قابل عمل ہے اس کے اسرار اور حکمتیں بے حد بے شمار ہیں- آپ یقین مانئے کہ شریعت کے بے شمار مسائل میں سے ایک بھی ظلم و جور والا مسئلہ نہیں بلکہ جہاں جس فتوے میں' جس کے قول میں آپ دیکھیں کہ یہ بندوں کی مصلحت کے اور عدل کے خلاف ہے وہاں یقین کر لیجئے کہ یہ مسئلہ اور یہ فتویٰ شریعت محمدیہ کا نہیں- ناممکن ہے کہ دین اللہ میں کوئی حکم خلاف عدل و انصاف' خلاف آسانی' خلاف مصلحت اور خلاف حکمت ہو- ہاں لوگوں نے اپنی فکر سے اپنے خیال سے' اپنی تاویلوں سے' اپنی رائے سے' اپنے قیاس سے' اپنی فقہ سے جو چیزیں دین میں ٹھونس دی ہیں بیشک وہ خلاف عدل و انصاف اور خلاف مصلحت و حکمت ہیں- اللہ کا عدل' اللہ کی رحمت' اللہ کی حکمت' رسول اللہ کی صداقت کا کامل نمونہ یہی شریعت ہے- یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے زمین والی مخلوق پر نازل فرمایا ہے- یہ اللہ کا انعام ہے جس سے اس نے اپنی بہترین مخلوق کو نوازا ہے یہی وہ نور ہے جسے دیکھ کر لوگوں نے اپنے اللہ کو پہچانا ہے' یہی وہ ہدایت ہے جس سے گم گشتگان بادیہ ضلالت راہ پاتے ہیں- یہی وہ نسخہ شفا ہے جس کے استعمال کے بعد کوئی بیماری کھڑی نہیں رہ سکتی' یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو جنت کو پہنچاتا ہے جو ترقیاں دلواتا ہے اس پر چلنے والا ہی صراطِ مستقیم پر ہے' اسی میں آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے- حیات ابدی کا باعث لذت روح کا سبب یہی ہے یہ روحانی غذا ہے یہ ابدی راحت ہے' یہ دوا ہے' یہ شفا ہے' یہ نور ہے' یہ سرور ہے' یہ عصمت ہے' یہ حفاظت ہے' یہ خیروبرکت ہے' یہ رشدوہدایت ہے- ہر بھلائی اس میں ہے' ہر خوبی اسی سے حاصل ہوتی ہے جس نے اسے جس قدر چھوڑا اسی قدر تباہی سے قریب اور خوش نفسی سے بعید ہوا- اگر آج اس پر سے عمل اُٹھ جائے دنیا دوزخ بن جائے' امن و امان اُٹھ جائے' انصاف و راحت کا چہرہ نظر نہ آئے- اسی سے آسمان و زمین قائم ہیں- اسی سے دنیا باقی ہے- جب اس پر سے عمل اٹھ جائے گا آسمان و زمین سمیٹ لیا جائے گا' دنیا ویران ہو جائے گی' انسان تباہ ہو جائیں گے' پانی جل اٹھیں گے' پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' سورج چاند بے نور ہو جائیں گے' قیامت قائم ہو جائے گی- انتظامات دنیا درہم برہم ہو جائیں گے- پس یقین مانئے کہ دنیا کے وجود کی بقا اسی عدل و انصاف والی شریعت پر ہے جو شریعت اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بتلائی ہے وہی زمین کا ستون ہے اسی پر نجات و فلاح کی چکی چل رہی ہے وہی دنیا و آخرت کی سعادت کی کنجی ہے- آؤ اب میں آپ کو اس اجمال کی تفصیل بتلاؤں اور شریعت کی حکمتیں مصلحتیں باریکیاں' باریک بینیاں اس کا عدل و انصاف اور اس کی آسانیاں آپ کے گوش گزار کروں-

پہلی مثال : بُرے کام کو دیکھ کر نصیحت کرنے کا حکم شرع شریف نے بطور وجوب کے دیا ہے- اس میں مصلحت و حکمت یہ ہے کہ برائی کا کرنے والا اسے سن کر برائی کو چھوڑ دے اور نیکی پر آجائے- لیکن جب اس سے برائی کے

اور بڑھ جانے کا یقین ہو اس چھوٹی سی برائی کے بدلے اس سے بھی زیادہ خطرناک بدی کے اٹھنے کا یقین ہو تو پھر اس سے ممانعت خود منع ہے۔ گو وہ کام بُرا ہی ہے لیکن اسے روکنا اس سے بھی بڑی برائی کا پیدا کرنا ہے تو مصلحت و حکمت والی شرع نے ہمیں کہہ دیا کہ اس چھوٹی مصیبت کو رہنے دو تاکہ اس بڑی اور اہم اور سخت مصیبت کا سامنا نہ ہو۔ مثلاً فرما دیا کہ مسلمان بادشاہ وقت اور ان کے والی جب کسی معصیت میں مبتلا ہوں تو ان پر چڑھائی نہ کرو کیونکہ ان لڑائیوں کے فتنے اس سے بہت زیادہ بُرے ہیں جو معصیت وہ کر رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ خلافِ شرع کام ان سے چھوٹ جائے اگر نہ بھی چھوٹے تو وہ برائی انہی پر ہے لیکن اگر فتنہ پھیلا اگر آپس کی جنگ شروع ہو گئی تو وہ فتنہ ہو گا جس کے شعلے دنیا کے امن و امان کو پھونک دیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان بادشاہوں سے لڑائی کرنے کی اجازت مانگی جو نماز کو وقت نکال کر پڑھیں تو آپ ﷺ نے انھیں فرمایا ہرگز ان کے مقابلے میں کھڑے نہ ہونا جب تک وہ نماز کو قائم رکھیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے امیر بادشاہ سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے بری معلوم ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے اور اپنا ہاتھ اس کی اطاعت سے نہ کھینچنا چاہئے۔ اس حکم اور اس کی حکمت پر غور فرمایئے۔ اگر آپ تاریخ کو بنظر غور دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کے تمام جنگ و جدال بلکہ مسلمانوں کی بربادی کا اولین سبب اسی اصول کو ترک کرنا ہوا۔ اُنھوں نے اپنے بادشاہوں کے بعض اطوار خلافِ شرع دیکھے صبر نہ کیا ان کے مقابلے میں تلواریں کھینچ لیں پھر جو آگ بھڑکی اس کے شعلوں نے انھیں جلا دیا۔ پھر یہ نہ پنپ سکے نہ صرف سلطنت سے بلکہ عزت و آبرو سے بھی انھیں دست بردار ہونا پڑا۔ وہ گھن ان میں لگ گیا جو انھیں کھوکھلا کر گیا وہ جونک انھیں لگی جو آج تک صالح خون چوس رہی ہے ترقیاں نہ صرف بند ہو گئیں بلکہ وہ سب تنزل سے بدل گئیں۔ آپ خیال فرمایئے کہ مکی زندگی میں بڑے بڑے منکرات کا ازالہ آپ نہیں کر سکتے تھے بلکہ جب مکہ فتح ہو گیا وہ دارالاسلام بن گیا اس وقت آپ نے بیت اللہ کی تبدیلی کا اور اسے اصل بناء ابراہیمی پر لانے کا پورا عزم کیا۔ لیکن اس خوف سے کہ کہیں نو مسلم قریشی بدک نہ جائیں اور اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھیں آپ نے باوجود قدرت کے اس ارادے کو پورا نہ کیا کیونکہ اس میں جتنا نفع تھا اس سے بڑے نقصان کا احتمال تھا۔ (یہ بھی یاد رہے کہ ایک حدیث میں اس کی ایک اور وجہ بھی آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کے پاس اتنی رقم نہ تھی۔ (نسائی) اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ کا فرمان ہوا ہی نہ تھا صرف آپ ﷺ نے اپنی ایک چاہت کا اظہار کیا تھا جیسے مسواک پانچوں وقت کرنے کے وجوب کی آپ کی چاہت تھی وغیرہ وغیرہ۔ الغرض مصالح شرعی اور مصالح مخلوق کا اقتضاء شرع شریف نے ہر وقت مد نظر رکھا ہے) اسی لیے آپ نے مسلمان بادشاہوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی ممانعت فرما دی کیونکہ اس سے جتنا نفع تصور کیا جاتا ہے اس سے بہت بڑے نقصان کا بھی احتمال ہے۔ اور جب اس حکم شریعت کا خلاف کیا تو تاریخ بتلاتی ہے کہ مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

اب سمجھ لیجئے کہ بری باتوں سے روکنے کے چار درجے شریعت میں ہیں۔ (۱) اول تو یہ کہ بری بات ٹل جائے اور اس کے قائم مقام نیکی کی بات قائم ہو جائے۔ (۲) دوسرا فرض کرو کہ سرے سے وہ برائی زائل نہ ہو لیکن اس میں کافی کمی آجائے۔ (۳) تیسرا جس قدر وہ برائی دفع ہو اسی قدر کوئی اور برائی اس کے بدلے آجائے۔ (۴) چوتھا وہ برائی دفع ہو یا نہ ہو مگر اس سے بہت بڑی برائی اُٹھ کھڑی ہو جائے پس پہلے کے دو درجے تو شریعت نے قائم رکھے ہیں اور ان کا حکم دیا ہے۔ تیسرا درجہ اجتہادی درجہ ہے لیکن چوتھا درجہ مطلقاً حرام ہے اور منع ہے۔ اب سنئے تم نے دیکھا کہ چند لوگ شطرنج کھیل رہے ہیں تو بیشک اُنھیں روکو لیکن ان کے سامنے اس سے بہتر شغل بھی رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے ہٹ کر کسی اور اس سے بُرے

شغل میں مشغول ہو جائیں انھیں اس سے ہٹا کر مثلاً تیر اندازی پر لگا دو' گھڑ دوڑ پر لگا دو اور کسی دینی اَمر میں ان کی دلچسپی کرا دو۔ تم دیکھتے ہو کہ کچھ لوگ لہوولعب پر' سیٹی اور تالیوں پر ' کھیل تماشے پر ریجھے ہوئے ہیں تو صرف انکار کر کے نہ رہ جاؤ بلکہ کوشش کرو کہ وہ اللہ کی اطاعت کے کسی کام میں مصروف ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے الگ ہو کر اس سے بھی زیادہ بُرے کام میں لگ جائیں اس سے تو یہی حالت لامحالہ اچھی ماننی پڑے گی۔ کسی کو تم دیکھتے ہو کہ وہ قصے کہانیوں کی کتابوں میں الجھا ہوا ہے پھر تمہیں یہ بھی ڈر ہے کہ اگر اس سے اسے ہٹایا تو بدعتیوں اور لامذہبوں کی کتابوں کے پڑھنے میں مشغول ہو جائے گا تو پھونکو نہ روکو۔ اسی طرح ہر بھلے کام کے حکم کے وقت اس کا دوسرا پہلو بھی مدنظر رکھو۔ غرض ایسی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اصلی فقہ : میں نے اپنے اور مسلمانوں کے استاد شیخ الاسلام حضرت امام ابنِ تیمیہ اللہ ان پر اپنی رحمت برسائے' ان کی قبر کو منور کرے ان کی روح کو مسرور رکھے' ان سے سنا ہے فرماتے تھے کہ ایک روز میں اور میرے ساتھی جا رہے تھے اس زمانہ میں تاتاریوں کا زور تھا ایک جگہ دیکھا کہ چند تاتاری جمع ہیں اور دورِ شراب چل رہا ہے بوتلیں لنڈاتے ہیں اور مدہوش ہو رہے ہیں میرے ساتھی نے انھیں روکا اور امربالمعروف کے جذبے میں انھیں پوری نصیحت کی لیکن میں نے خاموشی برتی اس کے بعد میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آپ نے حکم شرعی کی بجا آوری تو کی لیکن حکمت شرعی کے بالکل خلاف کیا اس لیے کہ شراب سے ہماری شریعت نے اس لیے روکا ہے کہ وہ ذکر اللہ سے اور نماز سے روکنے والی چیز ہے۔ وہ بات یہاں تو نہیں یہاں تو شراب کا نشہ اور اس کی سرشاری انھیں لوگوں کے قتل سے ان کی اولادوں کو قیدی بنانے سے اور لوگوں کے مال چھیننے سے روکتی ہے ان کا مدہوش رہنا اور شرابیں پینا ان بدکاموں سے تو بہرصورت اچھا ہے اس لیے کوئی ضرورت نہ تھی کہ آپ انھیں اس ہلکی برائی سے روکیں کہ یہ اس سے زیادہ خوفناک برائی کے مرتکب ہوں۔

دوسری مثال : رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں اگر کوئی مسلمان چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے (ابوداؤد) خیال فرمایئے کہ احکام شرع کن کن خفیہ مصلحتوں اور کس باریک بینی پر مبنی ہیں۔ حدوں کا جاری کرنا شریعت نے فرض کیا ہے اس سے امن و امان دنیا کی بقا ہے مگر اسی کو اس وقت منع فرما دیا۔ جبکہ مسلمان کفار کے مقابلے میں ہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ حد کے مؤخر کرنے میں یا اس کے جاری نہ کرنے میں جس نقصان کا احتمال ہے اس سے بڑی برائی کہیں پیدا نہ ہو جائے مثلاً ایسا نہ ہو کہ وہ مسلمان کافروں میں جا ملے۔ یا ہاتھ کٹنے کے بعد نکما ہو جائے اور کفار اسے اپنا شکار بنالیں۔ حضرت عمر' حضرت ابودرداء' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے یہی مروی ہے علماء اسلام میں سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ' امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ دشمن کے ملک میں حدیں جاری نہ کی جائیں۔ اسے ابوالقاسم فرقی نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ کسی مسلمان پر دشمن کے ملک میں بوقت جہاد حد جاری نہ کی جائے۔ حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مجاہد لایا جاتا ہے جس نے ایک ڈھال چرائی ہے تو آپ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ غزوے میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں تیرا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (ابوداؤد) ابو محمد مقدسی فرماتے ہیں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم یہی ہے۔ سنن سعید بن منصور میں ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا تحریری فرمان جاری کیا تھا کہ سپہ سالار جنگ پر اور غازی پر بحالت غزوہ حد جاری نہ کی جائے یہاں تک کہ واپسی ہو جائے ایسا نہ ہو کہ شیطانی حمیت میں آکر وہ دشمنوں سے جا ملے اور مسلمانوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے بھی اسی

کے مثل مروی ہے۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ارمیوں سے جہاد میں مشغول تھے ہمارے ساتھ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی تھے ہمارے امیر اس وقت ولید بن عتبہ تھے ایک دن دیکھا کہ وہ شراب پئے ہوئے ہیں ہم نے ارادہ کیا کہ ان پر حد جاری کریں لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنے امام پر حد کیسے جاری کرو گے؟ حالانکہ تم اپنے دشمن سے قریب ہو گئے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

نورِ اسلامی کی درخشندہ کرنوں کا ایک عجیب واقعہ : قادسیہ کے جہاد میں امیر لشکر امام مجاہد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ابو محجن لائے گئے یہ اس وقت شراب پئے ہوئے تھے امیر صاحب نے حکم دیا کہ انھیں قید کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ہم نے انھیں قید کر دیا۔ ادھر لڑائی شروع ہوئی جب دونوں لشکر ایک ہو گئے اور ہتھیار چپ چپاتے اپنا کام کرنے لگے ہر ایک جہاد میں مشغول ہو گیا اور لڑائی نے زور پکڑ لیا تو حضرت ابو محجن جوش اسلام سے بیتاب ہو گئے پھڑپھڑانے لگے اور بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگے ؎

كَفٰى حُزْنًا اَنْ تَطْرُدَ الْخَيْلِ بِالْقَنَا ☆ وَاُتْرِكِ مُشْدُوْدًا عَلٰى وَثَاقِيَا

یعنی یہ غم سہارا نہیں جاتا کہ لشکر اسلامی تو راہِ الٰہی کے جہاد کیلئے میدان میں اُترے اور میں بوجھل بیڑیوں میں قید میں پڑا رہوں۔

سردارِ لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے کان میں ان کی یہ درد بھری آوازیں برابر جا رہی تھیں۔ حضرت ابو محجن رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے درخواست کی کہ للہ آپ میری بیڑیاں کھول دیجئے۔ اور مجھے میدان جہاد میں جانے دیجئے میں اللہ کو بیچ میں رکھ کر حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو جہاد میں حصہ لے کر میں مجاہدین کے لوٹنے سے پہلے ہی واپس آجاؤں گا اور اپنے پاؤں میں آپ ہی بیڑیاں ڈال لوں گا اور یہیں اسی طرح قید ہو جاؤں گا ان کی آہ و زاری اور بے قراری پر شہزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو رحم اور ترس آگیا بیڑیاں کھول دیں اور قید سے آزاد کر دیا۔ امیر لشکر اس دن علیل تھے انھیں اگلے دن کاری زخم لگ چکا تھا وہ سواری کے قابل نہ رہے تھے اس لیے آج وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے لشکر کو دیکھ رہے تھے اور حکم احکام جاری فرما کر لڑوا رہے تھے۔ لشکر کی کمان اس وقت حضرت خالد بن عرفطہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت ابو محجن رحمۃ اللہ علیہ قید میں سے چھوٹتے ہی امام صاحب کے گھوڑے کو کھول کر کود کر اس کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گئے نیزہ ہاتھ میں لے لیا اور لشکر کفار کی طرف تیر کی طرح لپکے۔ ان کے بے پناہ حملوں نے کافروں کی صفیں چیر دیں ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ یہ جس طرف بے جگری اور بے خوفی سے جرات و شجاعت کے ساتھ حملہ کر دیتے تھے ادھر صفیں کی صفیں صاف نظر آتی تھیں۔ خون کا ایک دریا بہنے لگتا تھا جس میں بن دھڑ کے سر اور بے سر کے دھڑ تیرنے لگتے تھے کافروں میں ایک تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہی آواز بلند ہونے لگیں کہ کسی فرشتے کو اللہ نے مدد اسلام کیلئے آسمان سے بھیج دیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا گھوڑے کا صبر تو میرے گھوڑے بلقا جیسا ہے اور حملے کا طرز ابو محجن کے حملے جیسا ہے لیکن وہ تو قید میں ہے سبحان اللہ سبحان اللہ۔ آخر یہ ہے کہ دشمنوں کو ہزیمت ہوئی وہ شکست فاش کھا کر ہار گئے۔ یہ بہت جلدی لشکر سے الگ ہو گئے اور واپس اپنے قید خانے میں آگئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ سے عرض کی کہ لو

بھن میں اپنے اقرار کے مطابق حاضر ہوں۔ میرے پاؤں میں بدستور بیڑیاں ڈال دیجئے اور مجھے پہلے کی طرح قید کر دیجئے۔ مائی صاحبہ نے مرحبا کہا۔ اور انھیں قید کر دیا۔

لشکر اسلام جب لوٹ کر مظفر و منصور واپس آیا تو یہی چرچے ہر ایک زبان پر تھے اور لوگ حیران تھے کہ آخر یہ کون بزرگ تھے؟ اس وقت حضرت حفصہ بنت سعد رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ اباجی یہ حضرت ابو محجن تھے جنھیں آپ نے قید کر دیا تھا۔ یہ بہت بیتاب ہو رہے تھے میں نے ان سے وعدہ لے کر آزاد کر دیا یہ اپنے وعدے کے مطابق آگئے اور پھر بدستور قید میں ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو مرحبا کہا اور حکم دیا کہ ابھی آزاد کر دیئے جائیں اور میرے سامنے پیش کئے جائیں۔ بلوا کر فرمایا کہ اے شیر اسلام اور اے غازی مرد ناممکن ہے کہ میں تمہیں اب سزا دوں تم نے آج وہ بہادری اور سپہ گری اور شجاعت دکھائی ہے کہ سب مسلمان عش عش کر رہے ہیں مرحبا مرحبا۔ جاؤ میں نے تمہیں قید سے اور حد سے دونوں سے آزاد کیا۔ حضرت ابو محجن رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے اے امیر جب تک حد لگتی رہی میں گناہ سے پاک ہوتا رہا۔ اب حد نہیں لگی میں آپ سب کے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ اب سے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے پھر کبھی شراب نہ پیوں گا۔ اللہ تعالیٰ میری خطا معاف فرمائے۔ (مسلمانو! بحث جو ہے وہ تو پھر شروع ہو جائے گی لیکن آپ نے اس واقعہ پر غور فرمایا؟ اسلامی اسپرٹ کی اس زندہ مثال کو بھی دیکھا؟ اللہ ہمیں سچا مسلمان بناوے آمین) اس واقعہ کو یہاں وارد کرنے کی سردست یہ غرض تھی کہ میدانِ جنگ میں حد جاری نہیں ہو گی۔ نہ یہ نص کے خلاف ہے نہ یہ قیاس کے خلاف ہے نہ کسی شرعی قاعدے کے خلاف ہے' نہ اجماع کے مخالف ہے بلکہ اگر اس پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کہا جائے تو زیادہ درست ہے۔ شیخ نے مغنی میں لکھا ہے کہ یہ اتفاق ہے جس کا خلاف ظاہر نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ اس صورت میں حد کی صرف تاخیر ہے یا تو اس کی مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کی حاجت ہے یا یہ ہے کہ اس شخص کے مرتد ہو جانے اور کفار سے مل جانے کا خطرہ ہے بہرصورت ایک بہترین مصلحت ہے اور کسی عارضے کی بنا پر حد کی تاخیر شرعاً ثابت ہے مثلاً حاملہ عورت دودھ پلانے والی عورت سے حد کا مؤخر ہو جانا سخت حرارت' سخت برودت اور سخت بیماری کے وقت حد کو پیچھے ہٹا دینا پس جبکہ اس شخص کی جسمانی مصلحت شرع نے نظرانداز نہیں کی جس پر حد واجب ہو چکی ہے تو ایسی شرع کیسے ممکن ہے کہ وہ اسلامی مصلحت کا لحاظ نہ کرے؟ اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے الفاظ مندرجہ بالا واقعہ میں یہ ہیں کہ آج میں ایسے اسلامی پہلوان کو کوئی حد نہ لگاؤں گا پھر ان سے حد ساقط کر دی اس کا جواب تمہارے پاس کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ہاں بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ دارالحرب میں مسلمان پر کوئی حد نہیں۔ امام ابو حنیفہ یہی کہتے ہیں لیکن دلیل کی رو سے یہ مذہب ثابت نہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان پر حد نہیں لگائی یہ محض اس وجہ سے کہ اُنھوں نے عادت الٰہی کی پیروی اس میں کی جب حضرت ابو محجن کی محنت دین دیکھ لی جب ان کا جذبہ جہاد سامنے آگیا جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چند کوڑے تو کہاں وہ تو راہِ اللہ میں اپنا گلا کٹوانے کیلئے آپ ہی دوڑے ہوئے آگئے تو جان لیا کہ اس پہاڑ برابر نیکی کے بعد وہ ذرے برابر کی بدی کیا باقی رہی؟ کہیں سمندر بھی قطرہ نجاست سے نجس ہوتا ہے؟ بغیر صدق دل کی توبہ سے کوئی میدان کارزار میں کود کر راہ اللہ کے جہاد میں اتنی جاں بازی کر سکتا ہے؟ کہیں کوئی گناہ پر مصر رہتا ہوا اپنا گلا کٹوانے کیلئے آتا ہے؟ کیا اپنی موت اپنی آنکھوں ہر چہار دیکھتے ہوئے بھی توبہ سے کوئی رک سکتا ہے؟ پھر ان کی سچائی ان کی صدق دلی کی شہادت اس بات نے بھی دی کہ وہ خود

بخود آتے ہیں اور خود ہی قید ہو جاتے ہیں پس بیشک وہ ہر طرح اس کے اولین مستحق تھے کہ ان سے حد ہٹا دی جائے۔

اسی جیسا ایک واقعہ آنحضور ﷺ کے سامنے ہوا ایک صاحب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ایک حد کو پہنچا ہوں آپ اسے مجھ پر جاری کیجیے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی؟ اس نے کہا ہاں فرمایا جا اللہ تعالیٰ نے تیری حد معاف فرما دی۔ آپ خیال فرمایئے کہ حضرت ابو محجن نے بھی جب یہ سنا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں حد معاف فرما دی تو جھٹ سے کہا کہ واللہ میں اب ہرگز نہ پیوں گا ایک روایت میں ہے کہ فرمایا واللہ! میں اب پوری زندگی تک کبھی شراب نہ پیوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میرا مغرور اور سرکش نفس ہر وقت مجھے یہی کہہ کر غیرت دلاتا تھا کہ صرف چند کوڑوں سے ڈر کر شراب نوشی ترک کیوں کروں؟ لیکن اب جبکہ تم نے مجھے کوڑے لگائے نہیں تو کوڑوں سے بچنے کیلئے نہیں بلکہ محض اللہ کے فرمان کی عزت کیلئے اب میں شراب سے توبہ کرتا ہوں اور حلفیہ کہتا ہوں کہ اب کبھی بھی نہ پیوں گا۔

اس کی ایک اور نظیر بھی سن لیجئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بنو خزیمہ میں تلوار چلا دی جس سے حضور ﷺ سخت ہی مغموم ہوئے صاف کہا کہ خالد کی اس بات سے میں بری الذمہ ہوں۔ لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی پکڑ نہ کی ان پر حد جاری نہ کی کیونکہ ان کی خدمت اسلام اور نصرت توحید اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تھی رضی اللہ عنہ۔ جو بھی شرعی امر و نہی ثواب و عذاب کے آپس کے تعلقات کو بہ نظر غور دیکھے گا وہ اس باب کی خوبی بخوبی جان لے گا۔ توبہ کرنے والے کو اللہ اپنے عذاب سے نجات دے دیتا ہے اسی طرح وہ حد سے بھی بچ جاتے ہیں۔

مسلمانوں سے لڑائی کرنے والے جب توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ مسلمان انھیں پکڑ لیں تو ان کی توبہ مقبول ہوگی اور وہ حد سے بری کر دیئے جائیں گے باوجودیکہ ان کا گناہ سب سے بڑا ہے پس اس میں بھی ایک قسم کی تنبیہ اس امر پر ہے کہ اس سے چھوٹے گناہوں کی حد بھی صحیح توبہ سے ساقط ہو سکتی ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ صبح کے اندھیرے میں ایک عورت مسجد کو جا رہی تھی جس کے ساتھ کسی نے برا کام کیا ایک راہ رو کے سامنے اس نے فریاد کی وہ شخص دوڑ کر بھاگ گیا یہ اس کے پکڑنے کیلئے اس کے پیچھے دوڑے پیچھے سے کچھ لوگ اور آگئے جن سے عورت نے فریاد کی اس پر وہ دوڑے اور اس دوسرے شخص کو جو اصلی مجرم کے پیچھے اس کے پکڑنے کو دوڑا تھا مجرم سمجھ کر پکڑ لائے۔ اس نے ہرچند عورت سے کہا کہ میں تو اصلی مجرم کو پکڑنے کیلئے تیری فریاد سن کر اس کے پیچھے دوڑا تھا لیکن اس نے کہا نہیں تو ہی اصلی مجرم ہے چنانچہ لوگ اسے پکڑ کر سرکارِ محمدی میں عدالتِ نبوی میں لے آئے عورت نے اس کے خلاف استغاثہ کیا کہ میری عصمت دری اس نے کی ہے لوگوں نے شہادت دی کہ اسے بھاگتے ہوئے ہم نے پکڑا ہے اس نے کہا کہ حضور ﷺ میں مجرم نہیں ہوں وہ تو کوئی اور تھا میں اس کے گرفتار کرنے کو دوڑا تھا لیکن وہ میرے ہاتھ نہ آیا اور خود مجھے اصلی مجرم سمجھ کر ان لوگوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ عورت نے کہا یہ محض غلط ہے اسی نے مجھ سے برائی کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دے دیا کہ اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ اتنے میں ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا حضور ﷺ اسے رجم نہ کیجئے بلکہ مجھے رجم کیجئے یہ سچا ہے اصلی مجرم میں ہوں چنانچہ اس نے اقرار کر لیا۔ پس اس وقت حضور ﷺ کے پاس تین آدمی تھے ایک وہ جس نے بدکاری کی تھی دوسرا وہ جس نے عورت کی فریاد پر اسے پکڑنا چاہا تھا اور وہ عورت۔ حضور ﷺ نے اس عورت سے تو فرمایا کہ اللہ نے تجھے معاف فرما دیا (یہ یاد رہے کہ اس عورت پر جبر و اکراہ اور زبردستی کی گئی تھی جیسے اور حدیثوں میں صاف موجود ہے) وہ جو اصلی مجرم کو پکڑنے کیلئے دوڑا تھا آپ نے اس سے بھی بھلی بات کہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس اصلی زانی کو تو رجم کرنے کی

مجھے اجازت دیجئے؟ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس نے اللہ سے توبہ کرلی۔

اس حدیث پر **اعتراض** (ا) جو دوسرا شخص فریاد رسی کیلئے چلا تھا بغیر ثبوت اور بغیر اس کے اپنے اقرار کے حضور ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم کیوں کر دیا؟ **جواب** قرائن اور احوال کی بنا پر اور اس طرح تہمت دار کو شرعاً گرفتار کر سکتے ہیں اسی کے مشابہ قے کرنے والے پر اور اس پر جس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو حد ہے جیسے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے ثابت ہے۔ اسی طرح زنا کی حد حمل سے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور فقہاء اہل مدینہ کا مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے اسی طرح جس پر چوری کی تہمت ہو اور تلاش میں مال مسروقہ اس کے پاس سے برآمد ہو۔ اسی طرح یہ شخص بھاگتا ہوا پکڑا گیا عورت کہتی ہے کہ یہی ہے جس نے میرے ساتھ یہ کیا وہ خود بھی اتنا اقراری ہے کہ وہ اس عورت کے پاس گیا لیکن پھر کہتا ہے کہ بحیثیت اس کی فریاد کو پہنچنے کے اور اس کے مجرم کو پکڑنے کے گیا تھا۔ جو جماعت لوگوں کی اس واقعہ میں ہے وہ اس کے سوا وہاں کسی اور کو دیکھتی نہیں۔ تو ان تمام قرائن سے پایا جاتا ہے کہ اصلی مجرم وہی ہے۔ یہ قرائن شہادت سے کم درجہ ہرگز نہیں رکھتے شہادت میں بھی تو بہت سے احتمال ہیں مثلاً شاہد سے غلطی کا ہونا' شاہد کی دشمنی۔ زیادہ سے زیادہ یہی دو احتمال یہاں بھی ہو سکتے ہیں گو ویسے مضبوط پھر بھی نہیں اس لیے کہ عورت کو اس سے عداوت ہونا یہ بہت ہی بعید ہے۔ پس یہاں تہمت کا گمان اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد حد لگنا کچھ دور نہیں رہ جاتا۔ قسامہ میں یہی بات تو ہوتی ہے وہاں کون سی عینی شہادت ہوتی ہے پس یہ بھی شرع شریف کے بہترین انتظامات میں سے اور اس کے محاسن میں سے ہے۔ احکام ظاہری دلائل ظاہری کے تابع ہیں' گواہ ہوں تو اندازہ ہو تو' اور شاہد حال ہو تو اور کوئی اور دلیل ہو تو۔ اب ان کا فی الواقع وقوعہ کے مطابق نہ ہونا یہ ظاہری احکام کے سوا اور چیز ہے اور یہ اللہ کی طرف ہے۔ لیکن اسباب احکام تو یہ ضروری ہیں گواہی بھی موجب حد نہیں وہ دلیل کو مدلول سے ربط دینے والی چیز ہے۔ پس جو دلیل اس کے برابر کی یا اس سے قوی ہے اسے شریعت نے لغو و بیکار قرار نہیں دیا واقعہ کا اس کے مطابق نہ ہونا یہ اس کے دلیل نہ ہونے کی دلیل نہیں

اس حدیث پر **دوسرا اعتراض** یہ ہے کہ اقرار کرنے والے کو حضور ﷺ نے حد سے بری کیسے کر دیا؟ **جواب** جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تسمہ اسے نہ تھام سکا تو اے فقیہو! تمہارا تسمہ گرفتار کیسے کر لیتا ہے؟ وہ تو رؤف و رحیم اللہ کی پناہ میں آگیا اور اس نے اس سے چشم پوشی فرمائی۔ تم خیال تو کرو کہ اس صحابی نے اللہ اس پر اپنی رحمت کی نہ تھمنے والی بارش برسائے کتنی بڑی نیکی کی؟ بغیر ثبوت اور گواہوں کے اس ٹلی ہوئی حد کو اپنے اوپر جاری کرانے کیلئے از خود پیش ہو گیا۔ صرف اللہ سے ڈر کر اپنے تئیں سنگسار کرانے کو تیار ہو گیا۔ اپنے ایک مسلمان بھائی کو بلاوجہ ہلاک ہوتا دیکھ کر اس کی جان بچانے کیلئے بے کہے کھڑا ہو گیا اور اس کی بلا اپنے سر لے لی اپنی زندگی کو خیرباد کہہ کر ایک مسلمان کی جان بچانے کیلئے آگے بڑھا۔ اپنے تئیں قتل گاہ میں کھڑا کر دیا تم بتلاؤ اور سچ سچ بتلاؤ کہ آیا یہ نیکیاں وزن دار ہیں یا وہ گناہ وزنی ہے؟ پس اس دوا نے اس بیماری کو کھو دیا دل کی اس مضبوطی نے اس کمزوری کو فنا کر دیا جو اس سے پہلے ظاہر ہوئی تھی پس گویا کہ اس سے کہہ دیا کہ اب تجھے ظاہری حد لگانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی اس سے مقصود تیری طہارت' تیری برات تھی' سو دوسرے طریق پر اس سے بہت بہتر ہو گئی۔ اب سوچ لو کہ رحمت و حکمت و مصلحت کے مطابق کون سا حکم ہے؟ آیا اب بھی اسے حد مارنا یا اس سے درگزر کر لینا اگر ہوش و حواس بجا ہیں تو یہی جواب ہو گا کہ درگزر کرنا ہی شرعی طور پر مناسب ہے۔ ایک اور حدیث کا یہ واقعہ بھی سامنے رکھئے۔ نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا حضور ﷺ میں حد کو پہنچا ہوں اسے

مجھ پر جاری کیجئے آپ نے اس سے مُنہ پھیر لیا۔ اس نے پھر کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے حد لگنے کا کام کیا ہے مجھ پر حد لگوائیں لیکن آپ نے پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ اس نے پھر بھی کہا آپ ﷺ نے پھر بھی اس سے اعراض کرلیا۔ اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ سلام پھیرتے ہی اس نے پھر بھی کہا تب حضور ﷺ نے فرمایا تو نے آتے ہوئے وضو کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں پوچھا ہمارے ساتھ تو نے بھی نماز ادا کی؟ اس نے کہا ہاں فرمایا جاؤ اللہ نے تمہیں معاف فرما دیا۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارا گناہ یا تمہاری حد معاف فرما دی۔ امام نسائی نے اس پر باب باندھا ہے کہ جو کسی حد کا اقرار کرے لیکن تفصیل نہ کرے لوگوں کے مسلک اس میں تین ہیں جن میں سے ایک تو یہی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ بات اسی شخص کیلئے مخصوص تھی تیسرا یہ کہ قبل از قدرت جو توبہ کرے اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے یہی مسلک سب سے بہتر ہے۔

تیسری مثال : قحط سالی کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ کاٹنا ساقط کر دیا تھا۔ آپ کا فرمان ہے کہ کھجور کے گابھے میں اور قحط سالی میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سعد یہی سوال کرتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ اس میں جو غدق کا لفظ ہے اس سے مُراد کھجور کے درخت کا گابھا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور جو لفظ عام ((سنة)) ہیں اس سے مُراد قحط سالی ہے۔ سعد ہی نے پھر پوچھا کہ کیا جناب کا فتویٰ بھی یہی ہے فرمایا ہاں ہاں واللہ! جب حاجت ہو پیٹ میں بھوک ہو کھانے کو کچھ نہ ہو لوگ فقر و فاقہ میں بھوک اور شدت میں ہوں تو ایسے وقت ہاتھ نہ کاٹنے چاہئیں۔ سعد ہی فرماتے ہیں اسی طرح پر حضرت حاطب کے غلاموں کا واقعہ ہے کہ اُنھوں نے قبیلہ مزینہ کی اونٹنی چرا لی انھیں دربار فاروق میں لایا گیا اُنھوں نے اپنی چوری کا اقرار کیا آپ نے حضرت حاطب کو بلوایا ان کے سامنے واقعہ پیش کیا پھر جلاد سے کہا جاؤ ان کے ہاتھ کاٹ دو جب وہ انھیں لے کر چلا تو آپ نے پھر آواز دے کر واپس بلوایا اور فرمایا مجھے معلوم ہے تم ان غلاموں سے کام تو لیتے ہو لیکن انھیں بھوکا رکھتے ہو وہ اس اضطرار کی حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ اس وقت انھیں حرام چیز کا کھا لینا بھی جائز ہو جاتا ہے اس وجہ سے میں ان کے ہاتھ کاٹنے کا اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔ اور جب میں نے یہ کیا تو اب میں تجھ پر وہ جرمانہ ڈالوں گا جو گراں قدر ہو پھر اس مزنی شخص سے پوچھا کہ تمہاری اونٹنی کی زیادہ سے زیادہ قیمت کیا تھی؟ اس نے کہا چار سو کی فرمایا جاؤ انھیں آٹھ سو ادا کر دو ان دونوں باتوں میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ جو گچھوں میں سے پھل لے جائے؟ آپ نے فرمایا اس پر دوہری قیمت اور ڈانٹ ڈپٹ اور کچھ مار پیٹ۔ آپ فرماتے ہیں جس سے بھی ہم نے حد دور کر دی ہے قصاص ہٹا دیا ہے اس پر جرمانہ بڑھا دیا ہے۔ بھوک کے وقت قطع ید نہ ہونے کے مسئلے میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہیں یہی خالص قیاس ہے اور یہی مقتضاء قواعد شرع ہے۔ خود آپ عقلاً خیال فرمایئے کہ قحط سالی کی بلا عام ہے ہر گھر فقروفاقے کا شکار بنا ہوا ہے ایسے وقت مرتا کیا نہ کرتا؟ کوئی نکلا اور کہیں سے کوئی چیز چرا لی۔ حاجت ہے' بھوک ہے' ضرورت ہے' اضطراب ہے' ایسی صورت میں اس کے ہاتھ کیا کاٹے جائیں گے؟ بلکہ مالک مال پر واجب تھا کہ یا تو قیمتاً اسے کھانے کو دے دے یا احساناً کھلا پلا دے۔ زیادہ ٹھیک یہی ہے کہ اس کے ساتھ احسان و سلوک کرے کیونکہ ایسے وقت میں خیر خواہی واجب ہوتی ہے کسی مرتے کو بچانا ضروری ہے اپنی حاجت سے فاضل چیز ہے دوسرا حاجت مند تڑپ رہا ہے تو کیا وجہ کہ اس کی حاجت پوری نہ کی جائے؟ حدیث میں ہے کہ شبہ سے حد کو ہٹا دو۔ شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے یہ تو بہت بڑا شبہ موجود ہے کہ ایسے وقت وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے جس وقت اسے حرام حلال ہو گیا تھا۔ آپ کے اکثر فقہاء تو بے جان سے شبہ پر بڑی بڑی حدیں ہٹا دیتے ہیں

پھر اس پر اعتراض کون سا؟ یہ شبہ تو ان شبہات کے مقابلہ میں بہت وزنی ہے سنیے آپ کے وہ غلط شبہات جن سے آپ نے اللہ کی حدیں ساقط کر دی ہیں کہتے ہیں کہ (۱) اگر چیز جلد بگڑ جانے والی ہے تو چوری کی حد ساقط۔ (۲) اگر اصل میں اباحت ہے تو چور چین کرے۔ (۳) اگر چور کہہ دے کہ یہ چیز میری ہی ہے نہ اس پر کوئی گواہ پیش کرے نہ کوئی دلیل پھر بھی حنفیہ کے نزدیک اللہ کی حد گئی گزری کیونکہ شبہ آگیا۔ (۴) کھلیان میں اور پناہ کی جگہ میں کھا گیا یا خراب کر دی یا دودھ دوہ لیا تو حد اللہ مفقود۔ (۵) وہیں مالیت کی کمی کر دی مثلاً ذبح کر دیا یا جلا دیا پھر نکالا۔ پس کہاں تو یہ ضعیف اور بودے شبہے کہاں یہ قوی اور اقویٰ شبہ! کہ یہاں اس صورت میں شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق یہ بھوکا شخص اختیار رکھتا ہے کہ اس مالدار سے جبراً اپنی خوراک وصول کرے۔ اس قحط سالی کے زمانے میں جس میں فقیر فقراء مساکین' محتاجوں کی کوئی گنتی شمار ناممکن ہے چور کی نسبت قطعی فیصلہ کرنا کہ یہ محتاج ہے یا آسودہ حال ہے قطعاً غیر ممکن سا ہو گیا ہے پس وہ جس کے ہاتھ کاٹنے چاہئیں اور وہ جس کے نہ کاٹنے چاہئیں ان میں تمیز نہ ہونے کے باعث شبہ پیدا ہو گیا اور اس وجہ سے حد ساقط ہو گئی ہاں اگر کسی کی نسبت صحیح طور سے معلوم ہو جائے کہ اسے ایسی حاجت نہ تھی اس کے پاس پیٹ بھرنے کو موجود تھا پھر بھی اس نے چوری کی ہے تو بیشک اس کا پہنچا پکڑ لو اور تیز چھری سے کاٹ دو۔

چوتھی مثال : آنحضرت ﷺ نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر مقرر فرمایا ہے۔ یہی مدینہ شریف والوں کی غذائیں تھیں اب اگر کسی شہر یا کسی محلے کے لوگوں کی خوراک اس کے سوا اور کچھ ہے تو بیشک جو وہ کھاتے ہیں اسی میں سے ایک صاع دے سکتے ہیں مثلاً جوار ہے چاول ہیں انجیر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو اناج کی قسم سے۔ ہاں اگر کہیں کے لوگ خوراک ہی اور چیز کی کھاتے ہوں مثلاً دودھ یا گوشت، یا مچھلی تو بیشک وہ اپنی اسی خوراک میں سے صدقۃ الفطر ادا کریں۔ جو بھی ان کی خوراک ہے یہی قول جمہور علماء کا ہے اور یہی درست بھی ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ مقصود اس عید والے دن مسکینوں کی محتاجی کا انسداد کرنا ہے اور وہاں کے لوگ جو کھاتے ہیں وہی انھیں پہنچا کر ان کی خیر خواہی اور مواساۃ کرنی ہے۔ اس بنا پر آٹے سے بھی فطرہ ادا کرنے سے ادائیگی ہو جائے گی گو اس کی حدیث صحیح نہیں۔ لیکن روٹی وغیرہ' پکا ہوا کھانا گو مسکینوں کو زیادہ نفع دے ان پر تکلیف اور بوجھ کم رہ جائے مگر دانے میں اور اناج میں جو نفع ہے وہ دیرپا ہے اور اس سے جو کام نکلتا ہے وہ پکے ہوئے سے نہیں نکلتا پھر یہ بھی ہے کہ اگر پکا پکایا کھانا زیادہ مقدار میں جمع ہو گیا تو ان کے پاس بگڑ جائے گا خراب ہو جائے گا محفوظ نہیں رہ سکے گا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بے اعتباری چیز ہے مقصود اصلی تو یہ ہے کہ اس بڑے دن انھیں مانگنے تانگنے سے بے نیازی حاصل ہو جائے چنانچہ الفاظِ رسولِ معصوم ﷺ یہ ہیں کہ انھیں اس دن سوال سے بے پرواہ کر دو۔ اب ان چیزوں کے نام جو آئے وہ اس لیے کہ لوگوں میں اس وقت عید کے دن کثرت طعام کی عادت نہ تھی۔ بلکہ عید کا دن بھی مثل اور دنوں کے سادگی سے گزار دیتے تھے دیکھئے بقرہ عید کے دن گوشت کھانے کی چونکہ ان کی عادت تھی اس لیے حکم ہوا کہ مانگنے والوں کو اور نہ مانگنے والوں کو دو پس جب کسی شہر کے لوگوں کی یا کسی محلے والوں کی عادت ہی عید کے روز کھانے پکانے اور کھلانے پلانے کی ہو تو وہ اسے فطرے میں بھی دے سکتے ہیں بلکہ یہ مشروع ہو گا کہ اپنے کھانوں میں مساکین کو بھی ملا لیں اور ان کی خیر خواہی اور دلجوئی فطرے سے کر دیں۔ پس یہ احتمال ہے تو قریب کا اور یہ قول بھی ہے تو مناسب' واللہ اعلم۔

پانچویں مثال : آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی نے دودھ والے جانور کا دودھ تھن میں روکا اور زیادہ دکھا کر گاہک کو دھوکہ دے کر اس جانور کو بیچ دیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جانور اتنا دودھ نہیں دیتا تو گاہک کو اختیار ہے کہ اسے واپس پھیر دے اور اس کے ساتھ کھجوریں ایک صاع دے دے یہ بدلہ ہے اس دودھ کا جو اس نے اتنی مدت میں جانور سے نکالا ہے۔ اب کہا گیا ہے کہ کھجور ہی کا ایک صاع دینا پڑے گا گو کہیں یہ نہ ہوں وہاں والے اس کے نام سے بھی ناآشنا ہوں اُنھوں نے کبھی دیکھی بھی نہ ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس ایک صاع کھجور کی قیمت ادا کر دیں لیکن جو چیز وہ اپنے ہاں کھاتے ہیں اس میں سے ایک صاع نہیں دے سکتے اکثر شافعیہ اور حنابلہ کا قول یہی ہے ان لوگوں نے اس صورت میں کھجور کا صاع دینا ایسا مقرر کر لیا ہے جیسے کھجوروں کی زکوٰۃ میں کھجوروں ہی کا نکالنا کہ اس کے سوا دوسری چیز جائز ہی نہیں۔ اُنھوں نے تو اسے حکم تقییدی سمجھ کر لفظ حدیث کی اتباع کر لی اور اسی پر جم گئے۔ لیکن ان کے بالمقابل دوسری جماعت ہے جو اس میں وسعت دیتی ہے اور کہتی ہے کہ جس جگہ جو چیز عموماً کھائی جاتی ہو اسی میں سے ایک صاع دے دینا کافی ہے مثلاً کہیں گیہوں کھائی جاتی ہے تو اسی کا صاع دے دیں۔ کہیں اکثر خوراک چاول ہے تو اسی کا ایک صاع دے دینا کافی ہے۔ کہیں کشمش یا انجیر کی خوراک ہے تو وہی۔ انہی کا قول صحیح ہے یہی ابوالمحاسن رویانی کا پسندیدہ قول ہے بعض اصحابِ احمد رحمہ اللہ بھی اسی کو کہتے ہیں اسی کو اصحابِ مالک بھی ذکر کرتے ہیں ابن القاسم ناقل ہیں کہ جس شہر کی جو خوراک ہو وہی درست ہے۔ صاحب جواہر نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بعض روایتوں میں بجائے کھجور کے لفظ کے طعام کا لفظ آیا ہے پس دونوں حدیثیں درست ہو گئیں کہ جہاں کھجور کی خوراک ہو وہاں یہ ورنہ کسی قسم کا اناج بھی کافی ہو جائے گا۔ بلاشک و شبہ مقصود شارع علیہ السلام سے زیادہ قریب یہی ہے اور اسی میں خریدار اور بیچنے والے کی مصلحت بھی ہے کہ کھجور کے ایک صاع کے برابر کوئی اناج دے دیا جائے جو وہاں عموماً کھایا جاتا ہو' واللہ اعلم۔ یہی قاعدہ ہر اس حکم میں جاری ہے جہاں کسی خاص چیز کا نام ہے لیکن دوسری چیز اس جیسی یا اس سے بھی کارآمد موجود ہو۔ جیسے کہ ڈھیلے میں نام پتھر کا آیا ہے لیکن جو مقصود اس سے ہے اس سے زیادہ وہ مقصود کپڑے اور روئی سے اور صوف سے حاصل ہو سکتا ہے پس اس سے استنجا کرنا بطور اولیٰ جائز ہو گا۔ اسی طرح لفظ حدیث میں کتے کے جھوٹے برتن کو مٹی سے مانجھنے کا حکم ہے لیکن ظاہر ہے کہ صفائی اس سے بھی زیادہ صابن وغیرہ سے ہو سکتی ہے پس وہ اس سے بھی اولیٰ ہے لیکن یہ احتیاط رہے کہ یہ اصول وہاں جاری ہو گا جہاں مقصود شارع علیہ السلام صاف ظاہر ہو اور اس مقصود کا حصول اس دوسری چیز سے اسی کے برابر یا اس سے زیادہ ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ ہم خود اپنے ذہن سے مقصود تجویز کر لیں اور پھر ردوبدل کرنے بیٹھ جائیں۔

چھٹی مثال : آنحضرت ﷺ نے حائضہ عورت کو جب تک وہ پاک نہ ہو لے طواف بیت اللہ سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جو حاجی کرتا ہے تو بھی کرتی رہ ہاں طواف بیت اللہ نہ کر۔ اس حدیث سے ایک جماعت نے تو یہ سمجھا کہ یہ حکم عام ہے ہر زمانہ میں ہر حال میں طاقت کی صورت میں' عاجزی کی صورت میں خواہ اتنا ٹھہرنا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو۔ ہر صورت میں یہ حکم عام ہے۔ اُنھوں نے تو ظاہری الفاظ پر عمل رکھا اور حائضہ کے طواف کو مثل حائضہ کی نماز کے ممنوع قرار دیا۔ اور کہا کہ جیسے نماز میں اور حیض میں منافاۃ ہے طواف میں اور حیض میں بھی وہی ہے کیونکہ جیسے یہ منع ہے ویسے ہی یہ بھی منع ہے یہ عبادت بھی حیض میں نہیں ہو سکتی جیسے وہ۔ لیکن دو اور جماعتوں نے ان کا خلاف کیا ایک نے تو کہا کہ حیض والی کا طواف بھی صحیح ہے حیض صحت طواف کے منافی نہیں۔ ہاں طہارت واجب ہے اس لیے اسے ایک قربانی

سے پورا کر لینا چاہئے طواف اس بغیر بھی صحیح ہو جائے گا۔ جیسے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور دو روایتوں میں سے ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور یہی روایت زیادہ منصوص ہے ان کے نزدیک طہارت کا ربط طواف سے ویسا نہیں جیسا نماز سے ہے کہ شرط مشروط کا تعلق ہے بلکہ اُنھوں نے واجبات میں سے ایک واجب اسے بھی کہا اور جیسے حج کے واجبات اور بہت سے ہیں منجملہ ان کے ایک اسے بھی قرار دیا اور کہا کہ طواف اس حال میں بھی صحیح ہے اور قربانی اس کی کمی کو پورا کر دے گی۔ دوسری جماعت نے طہارت کے وجوب و شرط کو بمنزلہ وجوب ستره اور اس کی شرط کے رکھا بلکہ اور بھی جو شرائط صلوٰۃ اور واجبات نماز ہیں ان کا اور اس کا ایک درجہ رکھا کہ قدرت ہو تو شرط اور نہ ہو تو ساقط۔ یہ کہتے ہیں کہ نماز کیلئے بھی پاکیزگی شرط ہے لیکن جب قدرت سے باہر ہو تو پھر شرط نہیں جب نماز میں نہیں تو پھر طواف میں کیسے رہ جائے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ایسی حائضہ عورتوں کیلئے قافلوں کے ٹھہر جانے کا دستور تھا اسی لیے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی یہ حالت سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ ہمیں روکنے والی ہیں؟ لوگوں نے کہا وہ طوافِ افاضہ تو کر چکی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس تو پھر چل دیں۔ الغرض اس وقت بآسانی یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایسی عورت ٹھہر جائے اور پاکیزگی کے بعد طواف کر لے لیکن ہمارے زمانے میں تو اب یہ ناممکن سا ہو گیا کہاں قافلہ اس کیلئے ٹھہرے گا کہ اس کے پاک ہو جانے پر اسے طواف کرا کر اپنے ہمراہ لے جائیں؟ پس یہاں آٹھ وجوہات میں سے کسی ایک سے یہ صورت خالی نہیں۔ یعنی حصر عقلی سے اب اس عورت کیلئے آٹھ صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا وہ آٹھوں سنیے اور ان میں جو نقصانات ہیں ان کی فہرست بھی ملاحظہ فرمایئے۔ (ا) اول تو یہ کہ اس عورت پر فتویٰ چڑھا دیا جائے کہ تجھے مکہ میں پڑا رہنا پڑے گا گو قافلہ چلا جائے تو اسی وقت جا سکتی ہے جب کہ پاک صاف ہو کر طواف کر لے۔ اس میں جو نقصان ہے ظاہر ہے اکیلی ہو جائے گی انجان شہر میں بے کس و بے بس ہو کر رہنا پڑے گا اور ان تمام خطرات کا سامنا ہو گا جو ایک تنہا عورت کو پیش آسکتے ہیں۔ دوسرا فتویٰ یہ ہو سکتا ہے کہ طوافِ افاضہ بہ سبب اس کی قدرت نہ ہونے کے ساقط ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ یہ کہا جائے کہ جب عورت ڈرے کہ ایسے وقت میں حیض سے ہو جاؤں گی تو وہ اپنے اس وقت سے پہلے ہی طواف سے فارغ ہو جائے۔ گو تقدیم تاخیر ہو جائے۔ چوتھے یہ کہ عورت اپنی عادت حیض سے یہ معلوم کر لے کہ حج کے دنوں میں وہ حیض سے ہو جائے گی تو اس سے فرضیت حج ساقط ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ حیض کا آنا بند ہو جائے اور اسے کامل یقین ہو جائے کہ اب اسے حیض نہیں آنے کا۔ پانچویں یہ کہ اس کیلئے یہ کہا جائے کہ وہ حج تو کرے لیکن جب حائضہ ہو جائے اور طواف ممکن نہ رہے اور نہ وہاں اس کا ٹھہرنا ممکن ہو تو وہ اپنے احرام کو قائم رکھتے ہوئے لوٹ آئے۔ اگر وہ بے نکاحی ہے تو نکاح نہیں کر سکتی اور اگر نکاحتا ہے تو خاوند کے پاس نہیں جا سکتی جب تک کہ وہ دوبارہ بیت اللہ شریف کو نہ جائے اور پاکیزگی کی حالت میں یہ طواف نہ کر لے گو اس کے وطن اور خانہ کعبہ میں کئی سال کی مسافت ہو۔ پھر اگر اس دوسرے پھیرے میں بھی یہی حالت حیض اسی وقت ہو جائے تو پھر بدستور لوٹ آئے اور پھر اسی طرح رہے اور پھر اسی طرح جائے الغرض جب تک ایسا موقعہ نہ آئے کہ وہ اس طواف کے وقت پاک صاف ہو یہی آمد و رفت لگی رہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ ہم اسے فتویٰ دیں کہ اگر ایسا ہو اور وہ وہاں نہ ٹھہر سکتی ہو تو یہ اپنے احرام سے حلال ہو جائے جیسے وہ شخص جسے روک دیا جائے لیکن یہ حج اس کے ذمے باقی رہے گا۔ جب اسے قدرت ہو پھر ادا کرے اور اگر اس دوسرے سفر میں بھی یہی حالت ہو جائے تو پھر ایسا ہی کرے یہاں تک کہ پاکیزگی میں یہ طواف ہو جائے۔ ساتویں صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ عورت

اپنی طرف سے کسی کو اپنے حج کا نائب بنا لے جیسے مغصوب پھر اس کا حج اسے کافی ہے گو اس کے بعد اس کا حیض منقطع ہو جائے۔ آٹھویں صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اسے کہیں کہ جو چیزیں تیرے بس میں ہیں انھیں ادا کر اور جو تیرے بس میں نہیں انھیں چھوڑ دے خواہ وہ شرطیں ہوں یا واجب ہوں جیسے کہ ایسی عورت سے طواف وداع ساقط ہو گیا ہے الفاظ حدیث موجود ہیں اور جیسے سترے کا فرض اس شخص سے ساقط ہو جاتا ہے جسے غلاموں نے یا کسی اور نے بے دست کر دیا ہو اور جیسے فرضی غسل اس جنبی سے ساقط ہو جاتا ہے جسے پانی نہ ملے۔ یا کوئی مرض ایسا ہو جس میں پانی کا استعمال جان کا خطرہ ہو اور جیسے طواف وسعی کی جگہ کی پاکیزگی کی فرضی شرط اس وقت ساقط ہو جاتی ہے جبکہ اس کا ازالہ امکان و قدرت سے خارج ہو اور جیسے فرضیت توجہ قبلہ اس وقت ساقط ہو جاتی ہے جب اس کا پہچاننا ممکن نہ ہو۔ اور جیسے کہ قیام کی قرأت کی رکوع کی سجدے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ جبکہ یہ ارکان نمازی کسی صورت سے بجالا نہ سکتا ہو۔ اسی طرح روزے کی فرضیت ایسی بے اختیاری صورتوں میں ہٹ جاتی ہے اور کھانا کھلا دینا اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور بھی اسی طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں واجبات اور شرائط مجبور شخصوں سے ہٹ جاتے ہیں اور اُنھیں شرع شریف ان سے آزاد کر دیتی ہے اور کوئی بدلہ نہیں بتلاتی یا بعض صورتوں میں بدل بھی بتا دیتی ہے۔ اب آپ خود انصاف کی نظر ڈال جایئے اور ان آٹھوں وجوہات کو پھر سے دیکھ جایئے تو خود آپ پکار اُٹھیں گے کہ آسانی اور نرمی والی انسانی مصلحتوں کی ضامن صورت پہلی سات صورتوں میں سے کسی صورت کا حکم نہیں کر سکتی۔ یہ سب صورتیں انسانیت سوز اور ظالمانہ ہیں۔ پس آٹھویں صورت رہ گئی اور وہی سچی صحیح اور مناسب و درست ہے۔ گو بعض فقہاء نے پہلی صورت کا فتویٰ دیا ہے' لیکن یہ تو وہاں ہے جہاں یہ صورت ممکن بھی ہو لیکن جس صورت میں ہمارا اس وقت کلام ہو رہا ہے وہاں تو یہ ممکن ہی نہیں۔ فقہاء اور ائمہ کا کلام مطلق ہے جیسے کہ اس جیسے مسائل میں ہوا کرتا ہے۔ وہ اس صورت میں کچھ کام نہیں آسکتا جو آج درپیش ہے اور عام ہے یہ صورت ان بزرگوں کے زمانے میں پیش ہی نہیں آئی۔ ہاں اُنھوں نے یہ ذکر ضرور کیا ہے کہ جس کا اونٹ اس کے پاس کرائے پر ہے اسے لازم ہے کہ اس کے پاک ہونے اور طواف کر لینے تک ٹھہرا رہے۔ یہ صورتیں ان کے زمانے میں واقع تھیں۔ اس لیے اُنھوں نے یہ فرمایا کہ وہ جب تک پاک نہ ہو جائے طواف نہ کرے۔ ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہو سکتا ہے پھر تو یہی فتویٰ ہے لیکن یہ تو ہمارے زمانے میں غیر ممکن ہو گیا ہے۔ یہ صورت کہ حج کرنے والے نے کوئی قصور نہیں کیا' تاہم اس پر دوسرا سفر حج بھی لازم کر دیا جائے۔ یہ تو بجائے ایک کے دو حج فرض کرنا ہوا۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی فرض تھا۔ بخلاف رائج کو فاسد کر دینے والے کے کہ اس نے ایک حرام فعل کر کے خود ہی قصور کیا ہے اور بخلاف اس کے جس نے طواف زیارت از خود چھوڑ دیا اور بخلاف اس کے جو باوجود اپنے بس کے عرفات میں نہیں ٹھہرا۔ بیشک ایسے لوگوں نے اپنا حج پورا نہیں کیا۔ لیکن اس حائضہ عورت نے نہ تو اپنی طرف سے کوئی کمی کی نہ کسی ایسے حکم کو چھوڑا جس کا اسے حکم ہو۔ اس لیے کہ جس چیز پر اسے قدرت ہی نہیں اس کا اسے حکم بھی نہیں۔ ہاں جو اس کے بس میں تھا اس نے ادا کیا تو بظاہر اس کا حکم وہی ہو گا جو اس جنبی شخص کا جو نہ پانی سے نہا سکتا ہو نہ اس کے بدلے کے تیمم پر قادر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی اسی حالت میں نماز ادا کرے گا اور اس کیلئے صحیح فتویٰ یہی ہے کہ اس پر اس نماز کا لوٹانا بھی نہیں ہے۔ پھر اگر اس عورت کو فتویٰ دیا جائے کہ یہ اپنے احرام پر باقی رہے اور ممکن ہے کہ آئندہ سال اسے قدرت حج نہ ہو نہ پھر میسر آئے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ عمر بھر یہ بقید احرام رہے۔ فرمایئے کیا ہماری آسانی والی شریعت اتنا ظالمانہ حکم دے سکتی ہے؟

دوسری صورت کی نسبت سنیئے۔ طوافِ افاضہ ساقط ہونے کا اولاً تو کوئی قائل نہیں پھر یہ کہ ایسا قول ممکن بھی نہیں۔ یہ طواف تو حج کا اعلیٰ رکن ہے۔ یہ مقصود بالذات ہے۔ عرفات کا ٹھہرنا وغیرہ تو اس کے توابع ہیں اور اس کے مقدمات ہیں۔ تیسرا قول طوافِ افاضہ کو وقت سے پہلے ادا کر لینے کا۔ اس کا قائل بھی کوئی نہیں۔ پھر یہ قول ایسا ہی ہے جیسے یہ کہہ دیا جائے کہ عرفے کے دن سے پہلے عرفات میں ٹھہرلے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کی کوئی راہ نہیں۔ چوتھی صورت کہ جب اس بات کا خوف ہو تو اس سے حج کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ تو یہ صورت گو پہلے کی تین صورتوں سے فقاہت میں قدرے مقدم ہے۔ حج اس سے کم درجے کے ضرر پر بھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے کہ راستے پرامن نہ ہوں یا خود مکہ میں شورش بپا ہو یا کوئی محرم عورت کا ساتھی نہ ہو لیکن دو وجہ سے یہ قول بھی واہیات ہو جاتا ہے۔ اولاً تو یہ کہ اس طرح بہت سی عورتوں سے حج ساقط ہو جائے گا کیونکہ حیض کا خوف رہے گا اور اس بات کا بھی کہ قافلہ ان کے پاک ہونے تک نہ ٹھہرے اور یہ صاف باطل ہے۔ عبادتوں کی بعض شرائط یا بعض ارکان سے عاجزی کے وقت وہ عبادت ساقط نہیں ہوا کرتی۔ یہاں بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ یہ عورت ایک بات سے عاجز ہے۔ اب اس کو خواہ شرط مانی جائے خواہ رکن مانا جائے۔ اس سے وہ حصہ ہٹ نہیں سکتا۔ جو بس میں اور قدرت میں ہے دیکھئے فرمانِ قرآن ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (تغابن: ۱۶) اللہ سے اپنی طاقت بھر ڈرو۔ فرمان حدیث ہے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت بھر بجالاؤ۔ نماز کا وجوب بھی بقدر طاقت کے ہے جس فرض یا شرط سے عاجزی ہو وہ خود ساقط ہے۔ طواف و سعی بھی اگر پیدل نہیں کر سکتا تو سواری کی اجازت بالاتفاق ہے۔ بچہ جس رکن حج کو ادا نہیں کر سکتا اس کی طرف سے اس کا ولی ادا کر سکتا ہے۔ اس قول کے باطل ہونے کی دوسری ایک ظاہر وجہ یہ بھی ہے کہ اس قول کے قائل اس عورت کو کیا فتویٰ دیں گے جس نے تکلیف اٹھائی حج کو نکلی پھر یہ عذر ہو گیا اب یا تو اسے کہیں کہ وہ اپنے احرام پر باقی رہے۔ یہاں تک کہ پاک ہو کر طواف کرے۔ یا کہیں کہ یہ حلال ہو جائے جیسے وہ جسے روک لیا جائے۔ الغرض یہ قول بھی وہ ہے جس کا قائل کوئی نہیں نہ اس کا اقتضاء شریعت میں ہے۔ مصلحت حج جو تمام مصلحتوں سے اعلیٰ اور اعظم ہے۔ وہ صرف اس بنا پر ترک نہیں کی جاسکتی کہ ایک امر سے عاجزی ہے جو امر زیادہ سے زیادہ واجب ہے یا شرط ہے۔ پس اس قول کا بھی اصول شرع کے خلاف ہونا ظاہر ہے۔ لہٰذا یہ قول بھی بالکل باطل ٹھہرے گا۔

پانچویں وجہ تو اس قدر شدت سختی تلخی اور تکلیف والی ہے کہ اس جیسا کوئی حکم شریعت میں ہو نہیں سکتا نہ ہے بلکہ اس سے کم تکلیف بھی ہماری شریعت کے کسی مسئلے میں نہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ اس سے کیسے کہا جائے گا کہ تو اپنے احرام میں ہی رہ۔ نہ نکاح کر سکے نہ خاوند کے پاس جاسکے۔ یہاں تک کہ آئندہ سال لوٹ کر تو آئے پھر اگر ایسا ہو جائے تو پھر یہی حکم غرض ہر سال کا پھیرا اور ہر پھیرا نامرادی کے ساتھ یہاں تک کہ کوئی ایسا سال آجائے کہ اس میں پاکیزگی باقی رہے۔ یا یہ کہ ساری عمر اسی ہیرا پھیری میں گزار دے۔ فرمایئے کیا یہ حکم اس شریعت کا ہو سکتا ہے جو رحمت و حکمت والی احسان و مصلحت والی ہو۔ یاد رکھیے ساری شریعت میں اس جیسا بلکہ اس کے قریب بھی کوئی ظالمانہ حکم آپ بصد تلاش بھی نہ پائیں گے۔ چھٹی تقدیر یعنی یہ کہ اس کا حکم اس شخص جیسا ہو جسے دشمن گھیر کر روک لیتا ہے کہ وہ احرام سے حلال ہو جائے یہ گو اس سے پہلے کی تقریر سے زیادہ اچھا قول ہے کیونکہ اقامت میں خوف ہے جو اسے حج کے ارکان پورے کرنے سے روک ہے تو یہ ایسی ہے جیسے وہ جسے دشمن عرفات کے وقفہ کے بعد بیت اللہ شریف سے روک لے لیکن یہ صورت بھی بڑی بودی ہے

دشمن کی روک تو وہ بری بلا ہے جو اسے وقت حج میں بیت اللہ شریف تک پہنچنے ہی نہیں دیتی اور یہ تو بیت اللہ تک پہنچ سکتی ہے حج پر قادر ہے نہ کوئی دشمن راستے میں روکنے والا ہے۔ نہ کوئی بیماری ایسی ہے کہ سفر نہ کر سکے' نہ روپے پیسے کے خرچ کی بربادی ہے جب اسے ہم اس شخص کی طرح جسے دشمن روک لے کر دیں گے اور اس پر دوبارہ حج کرنا فرض مان لیں گے تو پھر بھی اس کے حیض کا کھٹکا تو جوں کا توں ہی رہے گا اور ظاہر ہے کہ جسے روک ہے جب تک روک باقی ہے تب تک اس پر حج کی ابتداء فرض ہی نہیں مثلاً دشمن بیت اللہ شریف کو گھیرے ہوئے ہے یا خرچ پاس نہیں ہے تو اس شخص پر حج فرض ہی نہیں۔ لیکن اس عورت پر باوجود حیض کا خوف ہونے کے بھی حج فرض ہے پس ان دونوں وجوہات کا فرق ظاہر ہو گیا پھر حکم ایک ہی کیسے رہ جائے گا؟ اس کے ایک عذر کا پیش آجانا احرام سے حلال ہو جانے کا موجب اس شخص کی طرح جسے روک دیا جائے کیسے ہو گا؟ بلکہ اگر اسے اور اسے ایک ہی حکم میں رکھا جائے تو یوں کہنا چاہیے کہ جب یہ جانتی ہو کہ مجھے اس وقت حیض آجائے گا یا اس عورت کا غالب گمان یہ ہو تو اس سے حج کی فرضیت ساقط ہے جیسے اس سے جس کے دشمن راستہ روکے کھڑے ہوں تو یہ تو چوتھی تقدیر کی طرح ہو گیا اور اس کی خرابیاں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ الغرض یہ فتویٰ بھی شرعی نہیں۔ ساتویں تقدیر جس میں اسے مثل اس شخص کے قرار دیا گیا ہے جو غصب کر لیا جائے اور حج کرنے سے عاجز ہو جائے کہ وہ جس طرح اپنا نائب مقرر کر لیتا ہے اسی طرح یہ حائضہ عورت بھی کر لے یہ ترکیب گو بظاہر بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ یہ اپنے حج کے ادا کرنے اور پورا کرنے سے عاجز ہے' لیکن یہ بھی دراصل باطل تقدیر ہے کیونکہ غصب کیا ہوا انسان جس پر نائب مقرر کرنا واجب ہے۔ یہ وہ ہے جسے اپنے عذر کے زوال سے ناامیدی ہو چکی ہے اگر اُمید ہے جیسے کوئی مرض آن پڑا یا قید ہو گئی ہے تو یہ اپنا نائب نہیں کر سکتا۔ پس یہ عورت اپنے عذر کے زوال سے مایوس تو نہیں جو اس کا یہ حکم ہو اس پر تو ایک زمانہ اس کی زندگی میں ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ حیض کا آنا مطلقاً بند ہو جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عمر سے پہلے ہی اس کے اپنے کسی کام سے یا اس کے بغیر ہی خون حیض رک جائے۔ الغرض اس میں اور مغصوب میں بہت بڑا فرق ہے۔ پس یہ حقیقتاً یا حکماً کسی طرح بھی غصب کردہ کے مثل ہے ہی نہیں۔

فیصلہ: پس جبکہ یہ ساتوں وجہیں باطل ہو گئیں اور وجہیں کل آٹھ قائم ہوئی تھیں تو ظاہر ہے کہ اب آٹھویں وجہ ہی حق اور سچ ہے اور وہ یہی ہے کہ کہہ دیا جائے کہ یہ اسی حالت میں طواف کرے۔ اس کی یہ ضرورت اقتضاء کرتی ہے کہ یہ مسجد میں چلی جائے اور طواف بھی کر لے۔ اس میں شریعت کے کسی قاعدے کا خلاف نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں یہی قواعد شرع کے مطابق ہے۔ جیسے کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا۔ اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ کہیں کہ واجب و شرط جب امکان سے باہر ہو تو وہ ساقط ہو جاتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں باوجود عاجزی اور عدم امکان کے شریعت میں کوئی وجوب ہے ہی نہیں اور باوجود ضرورت کے کوئی حرام ہے ہی نہیں۔ اس پر دو **اعتراض** ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ حدیث میں ہے میں حیض والی عورت اور جنبی کیلئے مسجد کو حلال نہیں کرتا اور بیت اللہ شریف تو سب مسجدوں سے افضل مسجد ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کہ حیض والی عورت کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اور حاجی کرتے ہیں تو بھی کر سوائے اس کے کہ تجھ سے بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں پہلے اعتراض کے تو ہمارے پاس چار **جواب** ہیں۔ اوّل ضرورۃً حائضہ اور جنبی کا مسجد میں آنا کوئی حرج نہیں رکھتا۔ مثلاً کوئی اس کی عزت و عصمت کے درپے ہوا یا کسی نے اس کا مال چھین لینا چاہا پاس ہی اسے ایک مسجد نظر آئی جس کے سوا کوئی پناہ نہیں مل سکتی تو بلاشک اسے جائز ہے کہ باوجود جنبی یا حائضہ ہونے کے

مسجد میں چلی جائے اور اپنی آبرو اور اپنا مال بچا لے۔ ایسا ہی بلکہ یہی خوف اس صورت میں بھی ہے اسے بھی ڈر ہے کہ اگر قافلہ سے الگ ہو کر میں مکہ میں تنہا رہ گئی تو بہت ممکن ہے کہ میرا مال اڑا لیا جائے اور اگر سرے سے اس کے پاس مال ہی نہیں تو اور بھی مشکل ہے۔ اقامت کرے گی کیسے؟ پھر اسے اس تنہائی میں اپنی عزت کا بھی خطرہ ہے کہ اکیلی دیکھ کر کوئی بد آدمی لالچ کرے اور اس کی عفت و عصمت پر ہاتھ ڈال دے تو اس کا کوئی نہیں جو اسے دفع کرے۔ دوم حائضہ کو مسجد سے گزر جانے کی اجازت شرعاً ہے جبکہ مسجد کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ پس اس کا طواف بھی قائم مقام اسی گزرنے کے ہے جیسے ایک دروازے سے گئی دوسرے سے نکلی۔ جبکہ ضرورۃً گزرنا جائز ہوا تو ضرورۃً طواف ناجائز کیسے رہے گا۔ گزرنے کی ضرورت سے تو یہ ضرورت بہت ہی بھاری ہے۔ سوم مسجد کو خراب کرنے میں جیسے خون حیض ویسے ہی خون استحاضہ اور دنیا جانتی ہے کہ مستحاضہ عورت کو جب کہ وہ لنگوٹ باندھ لے بیت اللہ شریف کا طواف جائز ہے۔ پس جیسے یہ حاجتاً جائز وہ بھی جائز کیونکہ وہاں حاجت اس سے بھی زیادہ ہے۔ چہارم اس کو ممانعت ویسی ہے جیسے جنبی کو' ان دونوں کا حکم ایک ساتھ زبانِ رسالت مآب ﷺ سے نکلا ہے۔ دونوں پر مسجد میں آنے کی حرمت بالکل برابر ہے۔ پھر بوقت ضرورت و حاجت اگر ایک کیلئے جائز ہے تو دوسرے کیلئے جائز کیوں نہ ہو؟

اصلی مسئلہ کا راز کیا ہے؟: اسے بھی سمجھئے۔ اس کی وجہیں عقلاً چار ہو سکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ حضور ﷺ نے حائضہ کو طواف سے جو روکا اس کی وجہ اس کا مسجد میں نہ آسکنا ہے اور ظاہر ہے کہ مسجد میں آئے بغیر طواف ممکن نہیں۔ یا یہ کہ عبادت طواف کو مثل عبادت نماز کے قرار دیا ہے جس طرح حیض کے وقت نماز صحیح نہیں۔ اسی طرح طواف بھی درست نہیں یا یہ کہ دونوں امر کے مجموعے پر نہی وارد ہوئی یا یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر ان چار تقدیروں کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ اگر کہا جائے کہ پہلی وجہ سے تو صحت طواف باوجود حیض کے بھی ہو جائے گی جیسے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ان کے ساتھ موافقت کرنے والوں کا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ پس اس بنا پر تو حائضہ کو مسجد میں آنے کی بھی رخصت بوجہ اس حاجت کے مل سکتی ہے اور اس کی ضرورت کی وجہ سے اس مطلق نہی کو مقید کر سکتے ہیں۔ اور مطلق کو مقید کرنا صرف اسی ایک جگہ کے لیے ہی نہیں اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے نہ اصول و قواعد شرع کے خلاف ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری وجہ ہے تو اس کی غایت یہ ہے کہ طہارت کو طواف کی شرطوں میں سے ایک شرط قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ شرط بوقت عذر و عاجزی ٹل جاتی ہے۔ مثلاً اگر حائضہ عورت کا حیض تو جاتا رہا لیکن پانی میسر نہیں' جس سے وہ غسل کر سکے۔ اسی طرح کسی موقعہ پر مثلاً غسل کے بدلے کے تیمم پر بھی اسے قدرت حاصل نہیں تو کون ہے جو کہہ سکے کہ یہ اپنی اسی حالت میں طواف نہیں کر سکتی بلکہ سب کے نزدیک اسے نماز پڑھنا طواف کرنا برابر جائز ہے۔

فصل: دوسری برائی جو اس میں تھی یعنی یہ کہ حیض کی حالت میں طواف حالانکہ طواف بھی مثل نماز ہے۔ اس کا جواب بھی کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بیشک طواف کی حالت میں پاکیزگی واجب ہے جیسے طواف کے وقت شرمگاہ کو چھپانا واجب ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے۔ قرآن شریف میں ہے اپنی زینت ہر مسجد میں لے لیا کرو۔ سنن میں مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے کہ طواف بیت اللہ نماز ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے بات چیت کرنا جائز رکھا ہے پس جو شخص طواف کرتے ہوئے باتیں کرے اسے چاہیے کہ سوائے بھلی بات کے منہ سے کچھ

اور نہ نکالے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح طواف میں یہ دونوں باتیں واجب ہیں نماز میں ان کا وجوب اور بھی زیادہ ہے۔ باوجود قدرت کے جو ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھے اس کی نماز باطل ہے۔ اسی طرح کپڑوں کے ہوتے ہوئے جو شخص ننگا ہو کر نماز پڑھے اس کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ لیکن جنبی اور حائضہ اور بے وضو اور ننگے شخص کے طواف کے بارے میں جو بغیر عذر کے ہوں دو قول مشہور ہیں گو اتفاق کا حاصل یہی ہے کہ یہ منع بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تمام ارکان و واجبات نماز ارکان و واجب حج سے زیادہ تاکیدی ہیں۔ واجبات حج کے عمداً چھوڑ دینے سے بھی حج باطل نہیں ہوتا۔ اور واجبات نماز کو عمداً ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔ ایک رکعت نماز اگر قصداً کم کر دی تو نماز باطل ہے لیکن طواف کا ایک چکر کم کر دیا جائے سات کے چھ کیے تو طواف تو صحیح ہو گیا اور اس کے ذمے قربانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک ہے۔ نماز الٹی پلٹی کر دی تو نادرست ہے لیکن طواف میں ایسا کیا تو اس کے صحیح غیر صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ اگر بے وضو نماز پڑھی تو نماز صحیح نہیں لیکن بے وضو بلکہ بے غسل طواف کیا تو دو قولوں میں سے ایک میں صحیح ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ طواف نماز کے مشابہ ہو جائے لیکن اس کے مان لینے کے بعد بھی ضرورۃً حائضہ کا طواف کرنا ایسا ہی ہو گا جیسے کہ ضرورۃً بے لباس کے طواف کرنا۔ شارع علیہ السلام نے دونوں کاموں سے ایک ساتھ ممانعت فرمائی ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ جسم کو ڈھانپنا کئی وجہ سے اس سے زیادہ تاکید والا ہے۔

(ا) ننگے ہو کر طواف کرنے کی ممانعت قرآن سے اور حدیث سے دونوں سے ثابت ہے۔ حالتِ حیض میں طواف کرنے کی ممانعت فقط حدیث سے ہی ثابت ہے۔ ننگے ہونا ہر حالت میں منع ہے خواہ طواف کی حالت ہو یا نہ ہو۔ ننگا ہو کر طواف کرنا شرعاً اور فطرۃً حیض کی حالت میں طواف کرنے سے بہت ہی زیادہ قباحت والا ہے پس جبکہ حاجت و ضرورت کے وقت ننگے آدمی کو طواف جائز ٹھہرا تو حاجت و ضرورت کے وقت حائضہ عورت کو بطور اولیٰ جائز ہوا۔ اس پر یہ **اعتراض** ہو سکتا ہے کہ پھر تو تم یہ بھی کہہ دو کہ حائضہ عورت بحالتِ حیض نماز بھی پڑھ سکتی ہے اور روزہ بھی رکھ سکتی ہے۔ جبکہ ضرورت و حاجت ہو۔ اس کے **جواب** میں ہم کہیں گے کہ سرے سے یہ سوال ہی بیجا ہے۔ کوئی ایسی حاجت و ضرورت ہے ہی نہیں۔ اس کے پاکیزگی کے وقت کی نمازیں اس کے حیض کے وقتوں کی نمازوں سے اسے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ اسی طرح روزے بھی۔ اور اگر یہاں کا یہ طواف اس سے چھوٹ جائے تو اس کے طہر کی حالت میں بھی اس کا عوض بغیر بیت اللہ شریف کے ہو نہیں سکتا۔ بلکہ اس سے اس مسئلے کی فقہ اور اس کی **اصلی مصلحت** بھی کھل جاتی ہے۔ وہ یہ کہ شارع علیہ السلام نے حائضہ کی نسبت اپنی عبادت کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ ایک وہ جو جن کا بدل حالت طہر میں ہو جاتا ہے اسے تو اس پر سے حالتِ حیض میں ہٹا لیا۔ یا تو بالکل ہی ساقط کر دیا جیسے نماز یا اس کے بدلے کچھ مقرر کیا جیسے روزے کہ حالتِ حیض میں چھٹے ہوئے حالت طہر میں پورے کر لے۔ دوسری وہ عبادتیں جن کا نہ عوض ممکن ہے اور نہ زمانہ پاکیزگی تک اس کی تاخیر ہو سکتی ہے تو حیض کی حالت میں بھی اُنھیں مشروع رکھا جیسے احرام اور عرفات کا ٹھہرنا اور اس کے توابع۔

قرآن کی تلاوت حائضہ عورت کو جائز ہے :

اسی میں داخل ہے کہ بحالتِ حیض تلاوت قرآن پاک کرنا بھی اس لیے کہ پاکیزگی کے وقت پھر اس کا عوض ممکن نہیں۔ اس لیے کہ کبھی کبھی حیض کی مدت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی اکثر بڑھی ہوئی رہا کرتی ہے۔ پس اگر اسے تلاوت قرآن سے روک دیا گیا تو خلاف مصلحت ہو گا۔ حفظ کیا ہوا قرآن بھول جائے گی۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی

دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک یہی ہے۔ کسی حدیث میں حائضہ عورت کو قرأتِ قرآن کی ممانعت نہیں آئی۔ جو حدیث اس بارے میں پیش کی جاتی ہے کہ حائضہ اور ناپاک شخص قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ بہ اتفاق اہل علم یہ حدیث معلول ہے۔ اس کے راوی اسماعیل بن عیاش ہیں۔ بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ان کے سوا اسے کوئی روایت نہیں کرتا اور ان کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر روایتیں بیان کرتے ہیں گویا کہ امام صاحب کے نزدیک ان کی وہ حدیثیں ضعیف ہیں جن میں یہ منفرد ہوں۔ یہ حدیث صرف ان کی ہی ہے جسے یہ اہل شام سے لیتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی فرمان منقول ہے کہ جب یہ اپنے شہریوں سے روایت کریں تب تو صحیح ہوتی ہے اور ان کے سوا اور سے جب روایت کریں تو اس میں نظر ہوتی ہے۔ امام ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شامیوں کی حدیث کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں لیکن جب کہ یہ ان کی حدیثوں میں ثابت رہیں لیکن اہل عراق کی حدیثوں میں تو یہ خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ان سے عبدالرحمٰن نے ہمارے سامنے حدیث بیان کی پھر اس پر مار دیا پس اسماعیل میرے نزدیک ضعیف ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد ماجد کے سامنے پیش کی تو آپ نے فرمایا یہ باطل ہے۔ اسماعیل نے اس میں وہم کیا ہے جب یہ حدیث صحیح نہیں تو اب مانعین کے ہاتھ میں صرف قیاس رہ گیا کہ جنبی پر اسے بھی قیاس کریں لیکن جنبی کا اور اس کا فرق بہت ہی واضح ہے۔ اوّل تو یہ کہ جنبی تو جب چاہے پاک صاف ہو سکتا ہے برخلاف حیض والی کے کہ جب تک اس کا حیض بند نہ ہو یہ پاک نہیں ہو سکتی۔ پس جنبی کو قرأتِ قرآن میں کوئی عذر نہ رہا اور اسے رہا۔ دوسرے یہ کہ حائضہ بہ حالتِ حیض احرام باندھ سکتی ہے عرفات میں جا سکتی ہے جنبی کو اس کی اجازت نہیں۔ تیسرے یہ کہ حائضہ کو جائز ہے کہ وہ عید کی نماز میں جائے عید گاہ سے الگ رہے اور مسلمانوں کی دعاؤں میں اور ان کے مجمع میں شرکت کرے' لیکن جنبی کو یہ ہرگز جائز نہیں۔ پھر جو لوگ حائضہ کو قرأتِ قرآن سے روکتے ہیں ان میں سخت اختلاف ہے کہ جب ایسی عورت کو خون آنا موقوف ہو گیا تو کیا نہانے سے پہلے اسے قرأتِ قرآن جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ان کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ مطلقاً منع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے ان کے نزدیک اس حالت میں وہ مثل جنبی کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ کا مختار مذہب یہی ہے۔ کہتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔ تیسرے یہ کہ نفاس کی ایسی حالت میں تو جائز اور حیض کی ایسی حالت میں ناجائز خلال کا مختار مذہب یہی ہے پس یہ تینوں قول مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں۔ خیر یہ تو ایک چیز تھی جو ضمناً آ گئی تھی ہمارا مقصود یہ ہے کہ جب حائضہ عورت کو بسبب اس کی حاجت و ضرورت کے تلاوت قرآن سے منع نہیں تو پھر طواف کیوں منع ہو گا جس کی حاجت ضرورت اس سے بہت زیادہ ہے۔ بیچ کی جو بحث ناتمام رہ گئی تھی۔ اسے بھی میں پورا کر دوں۔ دو وجہ پر تو کلام ہو چکا اب تیسری وجہ پر جو کلام ہے اسے سنیے! تیسری تقدیر یہ تھی کہ دونوں امر کے مجموعے پر حکم ہے تو ظاہر ہے کہ ہر ایک مستقل وجہ حرمت کی نہیں۔ اگر چوتھی وجہ معتبر مانی جائے دونوں باتوں کو مستقل علت قرار دیا جائے تو دونوں پہلی تقدیروں میں جو کلام ہم نے کیا وہی یہاں بھی سمجھ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تخصیص علت فوات شرط یا قیام مانع سے روک نہیں ہے۔ برابر ہے کہ کہا جائے کہ وجود شرط اور عدم مانع خود اجزاء علت ہیں۔ یہ امر اس سے بالکل خارج ہے یہ نزاع صرف لفظی ہے اگر مراد علت تامہ ہو تو یہ دونوں اس کے جزو ہیں اور اگر مراد اس سے مقتضی

ہو تو یہ دونوں اس سے خارج رہیں گی۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ طواف مثل نماز کے ہے۔ اسی لئے شرط ہے کہ طواف کے وقت بے وضو نہ ہو اسی کی طرف طواف والی حدیث میں ارشاد ہے کہ طوافِ بیت اللہ نماز ہے اور نماز حیض کی حالت میں نہ تو مشروع ہے نہ صحیح۔ اسی طرح اس کا ساتھی اور اس کی مشابہت والی چیز یعنی طواف بھی اور اس لیے بھی کہ یہ وہ عبادت ہے جس کا تعلق بیت اللہ شریف سے ہے۔ پس بحالتِ حیض صحیح نہیں جیسے کہ نماز صحیح نہیں۔ عرفات میں ٹھہرنا وغیرہ جو اسی کے ماتحت امور میں ان کا حکم اس کے برعکس ہے۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ وضو کو شرط طواف قرار دینا ایک ایسی چیز ہے جس پر نہ کوئی صاف دلیل قرآن و حدیث کے الفاظ سے ہے نہ اجماع سے ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے اب تک اس مسئلے میں خلاف برابر چلا آرہا ہے۔ حنفی مذہب میں تو یہ شرط ہی نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔ ابو بکر نے شافی میں اس کا باب باندھا ہے۔ روایت ابو طالب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کوئی شخص طوافِ بیت اللہ نہ کرے مگر اس حال میں کہ وہ پاک ہو اور نفل میں بہت آسانی ہے اور مشاہد حج میں بھی وقوف پاکیزگی کی حالت کے سوا نہ کرے اور محمد بن حاکم کی روایت میں یہ قول ہے کہ جب طواف زیارت طہارت کو بھول کر کسی نے کرلیا اور لوٹ آیا تو اس پر کوئی چیز نہیں۔ لیکن مختار یہی ہے کہ طہارت کی حالت میں طواف کرے۔ دو روایتوں میں سے ایک روایت میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو جنبی بھول کر طواف کرلے اس کا طواف صحیح ہو گیا اس پر کوئی قربانی وغیرہ نہیں۔ دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ اس پر قربانی کرنا آئے گا۔

تیسری روایت میں ہے کہ یہ طواف جائز نہیں۔ ان کے بعض اصحاب کا گمان ہے کہ یہ اختلاف بے وضو اور جنبی شخص کے بارے میں ہے۔ حائض کے طواف کے صحیح نہ ہونے میں تو امام صاحب سے صرف ایک ہی قول ہے کہ صحیح نہیں۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واقعہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ہمارے بہت سے اصحاب نے صراحتاً بیان فرمایا ہے کہ یہ اختلاف حیض و جنابت دونوں میں ہے۔ امام صاحب کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو طواف حائض اور طواف جنبی کے بارے میں توقف تھا۔ عبدالملک میمونی اپنے مسائل میں لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ جو شخص اس طواف کو جو اس پر واجب تھا ادا کرے باوضو نہ ہو اور بے وضو ہونا بھول گیا ہو پھر اپنی بیوی سے مجامعت کرے؟ تو آپ نے فرمایا میں کیسے بتلا دوں جبکہ اوپر والوں کا اس میں اختلاف ہے۔ پھر آپ نے حضرت عطا کا اور حضرت حسن کا قول نقل کیا۔ میں نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ مجھے معاف کرو یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ ارشاد فرمایا۔ میں نے کہا اگر کسی نے سعی کی اور طواف کیا بغیر طہارت کے پھر اپنی بیوی سے ملا؟ تو فرمایا اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ پھر آپ نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا قول بیان فرمایا اور حضرت عطا کا نرمی اور آسانی والا قول نقل کیا۔ حضرت حسن کا فتویٰ بیان فرمایا اور فرمایا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض سے ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جو کچھ حاجی سب کرتے ہیں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرو۔ پھر فرمایا یہ وہ امر ہے جس میں وہ مبتلا ہو گئیں جو ان پر آگیا۔ ان کی اپنی طرف سے نہ تھا' میں نے کہا بعض لوگ تو فتویٰ دیتے ہیں کہ اس پر اگلے سال پھر حج کرنا ہے فرمایا ہاں اسی طرح میرا بھی بڑا علم ہے میں نے کہا بعض لوگ اس پر صرف قربانی واجب بتلاتے ہیں فرمایا حضرت عطا کی خاص رخصت اس میں مذکور ہے۔ الغرض مجھ سے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً اور آخراً یہی فرمایا کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے۔ یہ جگہ دقت طلب ہے مجھے چھوڑ دو کہ میں اسے اچھی طرح دیکھ بھال لوں۔ کئی

مرتبہ کے سوال پر بھی یہی جواب ملا۔

بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ اپنے شہر کو لوٹ گئی ہو تو بھی بے طواف لوٹ نہیں سکتی۔ میں نے کہا اچھا بھول کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ یہ حکم میں آسانی والی چیز ہے یعنی یہ اس سے بہت کمتر درجے کی چیز ہے کہ قصداً بلا طہارت طواف کیا جائے۔ میں کہتا ہوں حضرت عطا والی رخصت جس کا اس میں بیان ہے یہ ہے کہ عورت جب طواف کرتے ہوئے حائضہ ہو جائے تو وہ اپنا طواف پورا کر لے پس صاف معلوم ہوا کہ طہارت شرط طواف نہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک عورت طواف کر رہی تھی جو اسے حیض شروع ہو گیا آپ نے اسے طواف پورا کرنے کو فرمایا اور طواف پورا کرایا۔ اسی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے لوگ حائضہ کے طواف کی ممانعت لے رہے ہیں۔ پس احکامِ شرع کی دلالت اس پر ہے کہ حائضہ کا عذر بڑا قوی اور اولیٰ ہے۔ مصلحت عبادت اس کی اس رخصت کو بہ نسبت جنبی کی رخصت کے روزے اس پر پے درپے شرعاً آئے ہوں۔ ان میں اس کے حیض کے دنوں کی وجہ سے انقطاع شرع نہیں مانتی۔ اس لیے کہ یہ بوجہ عذر کے ہے اور سوائے طواف کے جملہ احکامِ حج وہ ادا کر سکتی ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے حالانکہ وہ حیض سے ہے۔ اسی طرح حدیث کے الفاظ سے اس کا مسلمانوں کے مجمع عید میں آنا ثابت ہے۔ اسی طرح قرآن پڑھنے کی اسے بحالتِ حیض اجازت ہے۔ بعض کے نزدیک مطلقاً اور بعض کے نزدیک اس وقت جبکہ اسے یاد کئے ہوئے قرآن کے بھول جانے کا خوف ہو۔ اسی طرح مسئلہ ہے کہ جب یہ اعتکاف کرے اور حیض سے ہو جائے تو یہ مسجد کی کوٹھڑی میں چلی جائے اور اپنا اعتکاف پورا کرے۔

اس مسئلہ کا نکتہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی لڑکیوں پر لکھ دیا ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں مبتلا کی گئیں یہ ان پر وارد ہوا ان کی اپنی طرف سے نہ تھا۔ اس میں اور جنبی میں شریعت نے فرق رکھا ہے۔ جیسے کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس یہ نسبت جنبی کے اپنے عذر میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ جنبی کا عذر اس کی اپنی طرف سے پیدا شدہ ہے۔ حائضہ کا عذر منجانب اللہ ہے پس جو جنبی بھول کر یا عمداً طواف کر لے اس کے بارے میں بھی جواز و عدم جواز کے اقوال ہیں پھر اس پر اتنی سختی کیوں کی جائے؟ اس کیلئے جواز تو بطورِ اولیٰ ہونا چاہیے۔ جنبی تو اسی وقت طہارت حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کے بس میں تو نہیں کہ اسی وقت طہارت حاصل کر لے۔ اس کا عذر تو عاجزی اور ضرورت کا ہے جو جنبی کے بھول کے عذر سے بہت اولیٰ ہے بھولنے والا یاد آنے پر حکم کی بجاآوری کا مکلف ہے لیکن جو کسی شرط یا رکن کے کرنے سے عاجز ہے وہ اپنی اس حالت کے بعد عبادت کے لوٹانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ پس جبکہ اسے بحالتِ حیض طواف کرنے کی طاقت ہی نہیں تو جتنا اس کے بس میں ہے وہ اس پر واجب ہے اور جس سے یہ لاچار اور عاجز ہے وہ اس سے ساقط ہے۔ فرمان الٰہی ہے اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہو۔ فرمانِ رسول اللہ ہے میرے احکام بجالاؤ جتنی تم میں طاقت ہو۔ پس اس عورت پر فرض وہی ہے جو اس کی طاقت میں ہو۔ یہ خوفِ الٰہی اتنا ہی رکھے گی جتنا اس کے بس میں ہے۔ پس شرعاً اس کے ذمے یہی ہے۔ قواعد شریعت نے اسے یہی بتلایا ہے۔ مطلق کو مقید اس سے بہت ہلکے دلائل اور وجوہ پر جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ پھر یہاں اس وسعت شرعی کو تنگی سے کیوں بدلا جا رہا ہے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ سے صراحتاً مروی ہے کہ طواف میں شرط طہارت مثل نماز کی شرط طہارت کے نہیں۔ ہم امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ بیان کر چکے ہیں کہ جو شخص بھولے سے طواف زیارت کر لے اور وہ اس وقت طہارت سے نہ ہو اور

یاد نہ آیا یہاں تک کہ لوٹ آیا آپ فرماتے ہیں اس پر کچھ نہیں۔

ہاں مختار یہ ہے کہ طواف بحالتِ طہارت کرے اور اگر اس نے مجامعت کرلی ہے تو اس کے حج میں کوئی فتور نہیں نہ اس پر کوئی جرمانہ ہے۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی پہلے گزرا کہ طواف بغیر طہارت کے صحیح ہے۔ طواف اور نماز میں فرق کی وجہیں اتصال کی وجوہات کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ دیکھئے طواف میں بولنا کھانا پینا زیادہ کام کرنا جائز ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی تحریم ہے نہ تحلیل۔ جیسے نماز کے لیے اللہ اکبر اور السلام علیکم الخ ہے نہ اس میں رکوع ہے' نہ سجدہ' نہ قرأت' نہ تشہد' نہ اس کے لیے جماعت واجب۔ ہاں ان کا اجتماع صرف اطاعت ہونے میں قربت اللہ ہونے میں بیت اللہ شریف کے ساتھ مخصوص ہونے میں ہے۔ لیکن یہ چیزیں اسے نماز کی شرطیں نہیں دلوا سکتیں۔ جیسے کہ نماز کے واجبات اور ارکان نہیں دلوا سکتیں۔ پھر یہ بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اسے کس دلیل سے مان لیا؟ کہ اصلی وجہ اس کا وہ عبادت ہونا ہے جو بیت اللہ سے متعلق ہے ہمارے نزدیک تو اس کی کوئی دلیل نہیں اور صحیح قیاس وہ ہے جس میں یہ بالکل ظاہر ہو کہ جو وصف مشترک ہے اصل و فرع میں وہی علت حکم اصل میں ہے یا دلیل علت ہے۔ پہلی قسم قیاس علت دوسری کا نام قیاس دلالت طہارت صرف اس لیے واجب ہوئی ہے کہ وہ نماز ہے اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ بیت اللہ سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ دیکھئے نفل نماز سفر میں غیر قبلے کی طرف بھی ہو جاتی ہے۔ ایک زمانے تک تمام نمازیں بیت المقدس کی طرف ہوا کیں۔ صلوٰۃ خوف میں استقبال قبلہ واجب نہیں رکھا گیا جبکہ استقبال قبلہ ممکن نہ ہو۔ پھر اس قیاس کی تبعیض ہو جاتی ہے جبکہ خود بیت اللہ کی حیثیت اس میں دیکھی جائے یہ تو ایک عبادت ہے جو بیت اللہ سے متعلق ہے پھر اس قیاس کے بالکل معارض دوسرا قیاس ہے یعنی یوں کہا جائے کہ یہ عبادت ہے جس کی ایک شرط مسجد ہے تو طہارت شرط ہی نہ رہے گی جیسے کہ اعتکاف فرمان اللہ ہے میرے گھر کو پاک رکھ طواف کرنے والوں کیلئے اور اعتکاف کرنے والوں کیلئے اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ پس طواف کرنے والوں کا الحاق رکوع سجدہ کرنے والوں سے کرنا یہ کچھ اس سے زیادہ اولیٰ نہیں کہ ہم ان کا الحاق اعتکاف کرنے والوں سے کریں بلکہ اعتکاف کرنے والوں سے طواف کرنے والوں کا الحاق زیادہ مشابہت والا ہے اس لیے کہ ان دونوں کے لیے مسجد شرط ہے بخلاف نماز کے **اعتراض** طواف کرنے والے کے لیے دو رکعت ادا کرنا لازمی ہے اور دو رکعت کیلئے طہارت لازمی ہے **جواب** یہ مسئلہ خود اختلاف والا ہے کہ آیا یہ دو رکعت واجب بھی ہیں یا نہیں؟ وجوب کی تسلیم کے بعد بھی موالاۃ یعنی طواف کے بعد ہی بے وقفہ کیے ان رکعتوں کا پڑھنا کم از کم یہ تو واجب نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کا اتصال ایسا ہی ہے جیسے جمعہ کے خطبے سے جمعہ کی نماز کا اتصال۔ وہاں تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر بے وضو خطبہ پڑھایا پھر باوضو نماز پڑھائی تو جائز ہے۔ اسی طرح بے وضو طواف جائز پھر باوضو دو رکعت طواف بھی جائز۔ بلکہ یہ بطورِ اولیٰ جائز۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ موجود ہیں کہ خطبہ جنابت کی حالت میں بھی جائز ہے۔

فصل : جب یہ واضح ہو گیا کہ طہارت شرط طواف نہیں تو اب یا تو واجب ہے یا سنت ہے دونوں قول سلف و خلف کے ہیں۔ ہاں اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے جو اسے سُنت کہتے ہیں وہ اس پر قربانی بتلاتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ تو اس پر قربانی ہے نہ اور کچھ جیسے کہ بھول کر جنبی کے طواف کر لینے کے بارے میں آپ سے صراحت ہے۔

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حائضہ عورت نے بے عذر کے طواف کیا تو اس پر قربانی واجب ہونے کی وجہ ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن عذر سے اگر ہو تو زیادہ سے زیادہ جو کہا جائے وہ یہ ہے کہ اس پر قربانی ہے لیکن زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ قربانی

اس پر واجب نہیں اس لئے کہ طہارت واجب ہے۔ اس کا حکم قدرت کے ساتھ ہے نہ کہ عاجزی کے ساتھ بھی۔ قربانی کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کو چھوڑ دے یا کسی حرام کام کو کرلے اور اس نے نہ تو کسی حکم کو چھوڑا نہ کسی ممانعت کی مرتکب ہوئی۔ اس نے جب شیطانوں پر کنکریاں پھینک لیں تو احرام کے ممنوع کاموں سے یہ نکل گئی۔ بجز مجامعت کے پھر اس حلال ہونے کے بعد اس کے ذمے کوئی ایسی ممانعت باقی نہیں رہی جس کے ارتکاب سے اس پر قربانی واجب ہو جائے۔ رہی طہارت وہ اس کے بس کی نہیں اس لیے اس کا شرعی حکم بھی اسے نہیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر قربانی آئے۔ اس پر یہ **اعتراض** ہو سکتا ہے اگر باوجود حیض کے طواف ممکن ہوتا تو اسے طواف قدوم اور طواف وداع کا حکم بھی دیا جاتا جب یہ دونوں طواف اس پر سے ساقط کر دیئے گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ طواف حیض کی حالت میں نہیں ہو سکتا۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ بیشک طواف قدوم حائضہ کو آنحضرت ﷺ نے معاف فرما دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمتع کی حالت میں آئیں اور حیض سے ہو گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرے کے احکام چھوڑ دیں اور حج کا احرام کرلیں۔ پس معلوم ہوا کہ طواف حیض کی حالت میں ٹھیک نہیں یا تو حرمت مسجد کی وجہ سے یا طواف کی وجہ سے یا ان دونوں کی وجہ سے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ممنوع کام حالت ضرورت و مجبوری میں مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسے طواف قدوم کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ وہ سنت ہے جیسے کہ مسجد میں آنے کی دو رکعت نماز سُنّت ہے۔ اسی طرح اسے طواف وداع کی بھی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بھی حج میں داخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے رہنے والے طواف وداع کے محکوم نہیں۔ ہاں بیرونی حاجی اس کے محکوم ہیں تاکہ ان کا آخری عہد بیت اللہ شریف ہو۔ پس ان دونوں طوافوں کا حکم اُنھیں ہے جن کے بس میں یہ طواف ہوں۔

یہ الگ بحث ہے کہ دونوں واجب ہیں یا دونوں میں سے ایک واجب ہے یا مستحب ہے اس بارے میں اقوال مشہور و معروف ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی رکن حج نہیں کہ صحت حج اس پر موقوف ہو بخلاف طواف فرض کے کہ وہ ضروری ہے۔ پس حائضہ اس کی طرف مضطر ہے جیسے کہ اسے اسی ضرورت کے وقت مسجد میں آنا مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے۔ ہاں مسجد میں نماز پڑھنا' مسجد میں اعتکاف کرنا' بحالتِ حیض روا نہیں گو نذر کا ہو بلکہ بحالت اعتکاف اگر حیض آجائے تو وہ مسجد سے نکل آئے اور کسی کوٹھڑی میں صحن میں اپنا اعتکاف پورا کرلے۔ اعتکاف حیض آنے سے باطل نہیں ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ کیلئے طواف سے روک ایسی ہی ہے جیسی روک اعتکاف سے اس کی وجہ صرف مسجد کی حرمت اور مسجد کے ادب کا لحاظ و پاس ہے۔ یہ وجہ نہیں کہ طواف اور اعتکاف کو حیض سے منافاۃ ہی دیکھئے چونکہ اعتکاف کا پورا کرنا کسی طرح ممکن تھا اس لیے مسجد کے حجرے وغیرہ میں اسے پورا کرلیا گیا لیکن طواف تو بغیر بیت اللہ کے اور جگہ ہو نہیں سکتا تو اس کی حاجت اعتکاف والی حائضہ کی حاجت سے بہت بڑھ گئی۔ بلکہ اس کی حاجت تو اس سے بھی زیادہ ہے جسے مسجد میں آنے کی اجازت بوجہ سردی کے یا بارش سے بچنے کے دی جاتی ہے بلکہ مسجد میں ٹھہرنے کی بھی۔ الغرض اس مسئلہ میں کلام کی دو فصلیں ہیں اول تو یہ کہ قواعد شرع اس کیلئے کس بات کے مقتضی ہیں؟ آیا منافاۃ کے یا اجازت کے؟ تو ہم نے بخوبی بیان کر دیا کہ اجازت کی اقتضا ہے' دوسرے یہ کہ ائمہ کے کلام اور ان کے فتوے شرط کے وجوب کے جو ہیں وہ آیا اس وقت کیلئے ہیں جبکہ اسے اختیار ہو اسے قدرت و طاقت ہو یا اس وقت کیلئے ہیں جبکہ یہ بے بس ہو مجبور ہو' اس کے قبضے کا کام نہ ہو۔ پس ہم نے ثابت کر دیا کہ یہ قدرت و طاقت کے وقت کے ہیں نہ کہ ضرورت و عاجزی کے وقت کے۔

پس یہ فتوے بھی نص شارع علیہ السلام اور اقوال ائمہ کے خلاف نہ ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے مطلق کلام کو مقید کر دیا گیا۔ سو یہ قواعد و اصول شرع کے ماتحت اسی ایک جگہ نہیں۔ ایسی جزئیات اصول و قواعد کے ماتحت عموماً مقید ہو جایا کرتی ہیں۔ اس مسئلے کو ختم کر کے اب ہم پھر انہی مثالوں پر آتے ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق خیر دے۔

ساتویں مثال، تین طلاقوں کا مسئلہ :

طلاق دینے والا جب تینوں طلاقیں ایک ساتھ ہی دے دے تو وہ تینوں طلاقیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ جیسے کہ صحیح حدیثوں میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم شریف میں مروی ہے کہ تین طلاقیں زمانہ نبوی میں اور خلافتِ صدیقی میں اور ابتدائی دو سال خلافت فاروقی میں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے اس کام میں جس میں ان کے لیے آسانی تھی عجلت شروع کر دی ہے اس لیے اچھا ہے کہ اُنھیں سب کو ان پر جاری کر دیا جائے، چنانچہ جاری کر دیں۔ اسی صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوالصہباء نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین طلاقیں حضور ﷺ کے زمانے میں اور زمانہ صدیقی میں اور تین سال تک زمانہ فاروقی میں ایک کر دی جاتی تھیں؟ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں۔ اسی صحیح مسلم میں ہے کہ ابن الصہباء نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا لاؤ جو تمہارے پاس ہو کیا تین طلاقیں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بادشاہت میں ایک ہی نہ تھیں؟ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیشک تھیں پھر زمانہ عمر میں جبکہ لوگوں نے پے درپے شروع کر دیا تو آپ نے ان پر جاری کر دیں۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوالصہباء رحمہ اللہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بہت ہی سوالات کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا تھا تو اسے وہ ایک کر دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اور شروع خلافتِ فاروقی میں بھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بیشک دخول سے پہلے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور خلافتِ صدیقی میں اور شروع خلافتِ عمر میں ان کو ایک کر ڈالتے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ چل پڑے ہیں تو فرمایا اُنھیں ان پر جاری کر دو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوالجوزا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ تین طلاقیں آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک کی طرف لوٹا دی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں پس یہ ابوالصہباء کی روایت کے سوا اور روایت ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دیں پھر بہت ہی غمگین ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس طرح تم نے طلاق دی؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ میں تو تین طلاقیں دے چکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں صرف ایک اختیار تھا اگر چاہو تو رجوع کر لو، چنانچہ اُنھوں نے رجوع کر لیا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہی خیال تھا کہ ہر طلاق ہر طہر میں ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کی سند کو صحیح اور حسن بتلاتے ہیں۔ چنانچہ جس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر نئے نکاح اور نئے مہر سے لوٹایا اسے آپ ضعیف حدیث قرار دیتے ہیں یا فرماتے ہیں کہ واہی ہے حجاج نے عمرو بن شعیب سے نہیں سنا اس نے محمد بن عبداللہ عزرمی سے سنا ہے اور عزرمی کی حدیث کسی چیز کے مساوی نہیں ہاں صحیح حدیث وہ ہے جس میں ہے کہ

اُنھیں پہلے نکاح پر ہی برقرار رکھا اس کی سند اور رکانہ بن عبد یزید کی جو حدیث اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس کی سند ایک ہی ہے پس بقول امام احمد رحمہ اللہ یہ حدیث بالکل صحیح ہو گئی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس کی سند کی بابت فرماتے ہیں اس میں کوئی ڈر خوف حرج نہیں۔ پس یہ حجت و دلیل ہے جس کے خلاف اس سے زیادہ قوی روایت کوئی نہیں پھر اس کی تائید ان بہت سی روایتوں سے ہوتی ہے جو سند کے لحاظ سے اسی جیسی ہیں بلکہ اس سے زیادہ قوی بھی ہیں۔

چنانچہ ابوداوٗد میں ہے کہ رکانہ اور اس کی بہنوں کے باپ عبد یزید نے اُمِ رکانہ کو طلاق دی اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یہ مجھے اتنا ہی فائدہ دیتا ہے جتنا میرے سر کا یہ بال۔ آپ مجھ میں اور اس میں علیحدگی کرا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حمیت آگئی رکانہ اور اس کے بھائی بہنوں کو بلوایا اور مجلس کے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ دیکھو یہ عبدیزید سے مشابہت رکھتا ہے اور اس میں فلاں فلاں بات مشابہ ہے؟ سب نے کہا بیشک یہ لڑکے اپنے باپ کے مشابہ ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیزید سے فرمایا تم اسے طلاق دے دو۔ اُنھوں نے تعمیل ارشاد کی، پھر فرمایا اپنی پہلی بیوی اُم رکانہ سے رجوع کر لو، تو اُنھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کر لو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ يَآ يُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (طلاق: ۱) یعنی اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں دو (یعنی تین طلاقوں کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے) ابوداوٗد میں ہے عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ان کی طرف لوٹا دی۔ یہ بہت زیادہ صحیح ہے کہ انسان کو اپنے خاندان کا پورا علم ہوتا ہے اور یہ روایت ان کی اولاد کی ہے یہ بھی ثابت ہے کہ رُکانہ نے طلاق بتہ دی تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک کر دی۔ ہمارے استاذؒ کا فرمان ہے کہ ابوداوٗد رحمہ اللہ نے چونکہ وہ روایت وارد نہیں کی جو مسند کے حوالے سے ابھی گزری۔ اس لیے اُنھوں نے کہا کہ حدیث بتہ زیادہ صحیح ہے بنسبت حدیث ابنِ جریج کے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اس لیے کہ اس کے راوی خود ان کے گھرانے کے لوگ ہیں۔ لیکن بڑے بڑے امام جو حدیث و فقہ کی علتوں کے ماہر ہیں، جیسے امام احمد رحمہ اللہ امام ابو عقیل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ اُنھوں نے بتہ والی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں جن کی عدالت و ضبط معلوم نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے تین طلاق والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کا درست ہونا بیان فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جس روایت میں ہے کہ طلاق بتہ دی وہ ثابت نہیں بلکہ آپ سے منقول ہے کہ بتہ کی یہ روایت کوئی چیز نہیں اس لیے کہ ابنِ اسحاق اسے داوٗد بن حصین سے وہ عکرمہ سے وہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اہل مدینہ تین طلاقوں کو طلاق بتہ کہتے ہیں، اثرم نے جب امام احمد رحمہ اللہ سے رکانہ کی طلاق بتہ والی حدیث کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ ضعیف ہے۔

تین طلاقوں کے ایک ہونے کی مثالیں :

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مخفی نہ تھا کہ سُنّت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کشادگی دے رکھی ہے کہ طلاق ایک کے بعد ایک واقع ہو اور جو چیز اس طرح مقرر کی جائے اس کی بابت مُکلف کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ وہ بار بار کے بدلے ایک ہی دفعہ سب کر گزرے۔ مثلاً لعان کے موقعہ پر چار مرتبہ کی چار شہادتوں کے بجائے اگر کوئی کہہ دے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ شہادت دیتا ہوں کہ میں سچا ہوں تو یہ کہنا ایک ہی مرتبہ کی شہادت گنی جائے گی نہ کہ چار۔ اگر کوئی شخص قسامہ کے موقعہ پر

کہہ دے کہ میں پچاس مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہو کہ فلاں شخص اس کا قاتل ہے تو ظاہر ہے کہ شرعاً یہ پچاس قسمیں نہ ہوں گی بلکہ ایک ہی قسم ہو گی۔ اگر کسی زانی نے کہا میں چار مرتبہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے زنا کیا تو جن کے نزدیک چار مرتبہ کا اقرار ضروری ہے وہ اسے چار نہیں شمار کرتے بلکہ ایک ہی گنتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ ((سبحان اللّٰہ وبحمدہ)) پڑھے تو اس کی خطائیں معاف ہو جائیں گی اگرچہ وہ مثل سمندر کے جھاگ کے ہوں پس اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایک سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اسے یہ ثواب نہ ملے گا یہاں تک کہ ایک ایک مرتبہ کر کے سو بار ان کلمات کو کہے۔ ایک حدیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے کہ سبحان اللہ ۳۳ بار' الحمدللہ ۳۳ بار' اللہ اکبر ۳۳ بار کہے مگر کوئی شخص ایک ہی کلمے میں ۳۳ بار کی کہہ دے تو ظاہر ہے کہ یہ فضیلت اسے نہ ملے گی۔ جب تک کہ ہر ہر کلمے کے الگ الگ پوری گنتی نہ کرے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر روز سو مرتبہ اسے پڑھے وہ دن بھر اللہ کی پناہ میں شیطان سے بچا رہتا ہے۔ یہ فضیلت اسی کو حاصل ہو گی جو سو بار برابر ایک ایک کر کے اسے پڑھے نہ کہ کہہ دے کہ میں اسے سو بار پڑھتا ہوں۔ اسی طرح قرآن میں ہے ایماندارو تمہارے غلام اور نابالغ بچے بھی تین مرتبہ تم سے اجازت چاہیں۔ حدیث میں بھی تین مرتبہ اجازت لینے کا حکم ہے کہ اگر اس میں اجازت ہو تو جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ تو اگر کوئی کہے میں تین مرتبہ اجازت مانگتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ شرعی اجازت تین بار کی نہیں ہوئی جب تک کہ ایک کے بعد ایک کر کے تین مرتبہ نہ کہے بلکہ یہ قاعدہ جس طرح اقوال اور الفاظ میں ہے اسی طرح افعال میں بھی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ﴾ (توبہ: ۱۰۱) ہم اُنھیں دو دو مرتبہ عذاب کریں گے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ ایک بار عذاب کیا پھر دوبارہ کیا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایک بار دیکھا پھر دوبارہ دیکھا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک سوراخ سے مومن دو مرتبہ ڈنک نہیں کھاتا۔ لغت عرف عقل سب مانتے ہیں کہ مراد اس سے بھی ایک بار کے بعد دوسری بار ڈنک کھانا ہے۔ پس یہ حدیثیں ہماری مراد کو کھلے طور پر واضح کر دیتی ہیں۔ جیسی یہ سب ہیں ایسی ہی یہ آیت ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ (بقرہ: ۲۲۹) پس مندرجہ بالا آیتوں حدیثوں کا جو مطلب تھا وہی اس کا بھی ہے کہ ایک بار کے بعد دوسری بار میں دوسری طلاق' جو حدیثیں ہم نے تین طلاقوں کی جو ایک ہی بار دی جائیں ایک شمار کیے جانے کی اوپر بیان کی ہیں وہ گویا آیت: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ (بقرہ: ۲۲۹) کی تفسیر ہیں۔ جیسے آیت لعان: ﴿ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ ﴾ (نور: ٦) کی تفسیر احادیث لعان ہیں۔

ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا تین طلاقوں کے ایک ہونے پر اجماع:

مسلمانو! یہ ہیں آیتیں' یہ ہیں حدیثیں' یہ ہے طریقہ زمانہ نبوی ﷺ کا' یہ ہے سُنّت رسول اکرم ﷺ کی' یہ ہے زمانہ خلافتِ اوّل کا' اور یہ ہے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان دونوں زمانوں میں اجماعی مسئلہ پھر یہی وطیرہ یہی فیصلہ یہی طریقہ خلافتِ فاروقی میں بھی تین سال تک رہتا ہے۔ پس ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو خلافت اولیٰ میں اور خلافتِ ثانیہ کے تین پہلے برسوں میں گزرے اگر شمار کیا جائے تو کم از کم ایک ہزار سے تو بڑھ ہی جائیں گے۔ یہ سب بزرگ اس قسم کی تین طلاقوں کو ایک ہی گنتے تھے یا تو ان بزرگوں میں اس کے مفتی تھے یا ان فتوں کو اقراری طور پر باقی رکھنے والے اور ان پر سکوت کرنے والے تھے۔ غرض منکر کوئی بھی نہ تھا۔ روایتوں میں موجود ہے کہ جنگ یمامہ میں ایک ہزار دو سو مسلمان شہید ہوئے جن میں وہ ستر قراء تھے جنھیں قرآن یاد تھا۔ خلافتِ اولیٰ میں ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ اللہ کا انتقال

ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا۔ امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب جنگ یمامہ میں مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا اور فقہاء اور قراء کام میں آگئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی تشویش لاحق ہوئی کہ ایسا نہ ہو قرآن ان کے سینوں میں ہی رہ جائے اور دنیا سے کچھ فوت ہو جائے۔ الخ۔ یہ واقعہ بتلا رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد خلافتِ صدیقی میں بہت وافر تھی۔ تاہم یہ دیکھ لیجئے کہ بغیر کسی ایک کے انکار کے یہ مسئلہ برابر جاری رہا کہ ایسی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہیں۔ پس صحابہ یا تو خاموش تھے یا اقراری تھے یا اس کا فتویٰ دیتے تھے خلاف ایک بھی نہ تھا۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے اس پر اجماع قدیم کا دعویٰ کیا ہے اور بحمد اللہ اس کے بعد آج تک اس کے خلاف پر اجماع نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ نے ہر ہر زمانے میں اپنے ایسے بندے رکھے جنھوں نے علی الاعلان اس مسئلے کی طرفداری کی اور یہ صحیح راہ مسلم دنیا کے سامنے رکھ دی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ: ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی فتویٰ دیا۔ فرمایا کہ جب کوئی اپنی بیوی کو کہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی ہے ہاں آپ سے تین کا فتویٰ بھی مروی ہے۔ پس آپ نے یوں بھی کہا اور یوں بھی۔ ایسی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بھی ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی فتویٰ مروی ہے گو آپ سے بھی ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرح دوسرا فتویٰ بھی مروی ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کا یہ فتویٰ: تابعین میں سے حضرت عکرمہ نے اور حضرت طاؤس نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

تبع تابعین رحمہم اللہ کا یہ فتویٰ: تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتویٰ ہے۔ خلاس بن عمرو اور حارث عکلی کا یہی قول ہے۔

ان کے بعد والوں کا یہی فتویٰ: اتباعِ تبع تابعین سے داؤد بن علی اور ان کے اکثر ساتھیوں کا یہی فتویٰ ہے۔ اسی کا فتویٰ بعض مالکیہ نے دیا ہے۔ بعض حنفیہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ ابوبکر رازی اسے محمد بن مقاتل سے روایت کرتے ہیں۔ بعض حنبلیوں کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اسے حکایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے دادا بھی کبھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ہاں خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی تینوں زمانوں کے دستور کی حدیث کی بابت سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے لیکن ہم کہتے ہیں امام صاحب کے اپنے اصول کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہونا کوئی مضر نہیں۔

راوی کا فتویٰ اگر خلاف روایت ہو؟: کیونکہ حدیث کے خلاف اس حدیث کے راوی کا مذہب حدیث میں امام صاحب کے نزدیک کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا بلکہ حدیث لینے کے قابل ہوتی ہے۔ دیکھئے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لونڈی کی بیع اس کی طلاق نہیں ہو گی لیکن خود ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ طلاق ہو جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کو لیتے ہیں درایت کو نہیں لیتے اور فرماتے ہیں۔ یہ طلاق نہیں۔ پس اسی طرح یہاں بھی کیا جائے گا کہ روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے لے لی جائے اور درایت چھوڑ دی جائے اور مسئلہ یہی رہے کہ

ایسی تین طلاقیں ایک ہی کے حساب میں ہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے تو صراحتاً کھلے لفظوں میں کئی کئی جگہ فرمایا ہے کہ راوی اگر اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو عمل اس کی روایت پر رہے گا نہ کہ اس کے فتوے پر۔ اس کی مخالفت سے حدیث نہیں چھوڑی جائے گی۔ پس آپ کے اس اصول اور اس تصریح پر آپ کے دونوں قول نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح کئی جگہ ان کے ماننے والوں نے ان کے کئی کئی قول نکالے بھی ہیں۔ الغرض تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں وہ شرعاً ایک ہی شمار کی جائیں گی اور ایک ہی کے احکام اس پر مرتب ہوں گے۔ اس پر کتاب و سُنّت کی دلالت کے ساتھ ہی قیاس اور اجماع قدیم کی دلالت بھی ہے۔ اس کے بعد اس کے باطل ہونے پر بحمد اللہ آج تک کوئی اجماع نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم سیاسی تھا نہ کہ شرعی :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں پر پیش کرنا محض بے سود ہے۔ اصل مسئلہ یہی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ ایک مصلحت وقت کی اقتضاء کا کام تھا نہ کہ شرعی مسئلہ' ایک کام جو منع تھا جو خلاف سُنّت تھا لیکن اگر کسی سے ہو جائے تو شریعت اسے پکڑتی نہ تھی۔ جب لوگوں نے بکثرت بے خوف ہو کر اسے شروع کر دیا تو آپ نے بحیثیت قانون یہ حکم فرمایا کہ میں آئندہ سے تین کو تین ہی گن لوں گا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ لوگ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے باز رہ جائیں۔ ورنہ پھر تین سال تک یہ حکم شرعی کیوں جاری نہ کیا؟ پس یہ حکم شرعی نہیں بلکہ قانونی حیثیت رکھتا ہے کہ لوگ ڈر جائیں کہ اگر اب ہم نے ایسا کیا تو بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے اور نکاح بھی باقاعدہ رغبت کے ساتھ دوام کیلئے ہو نہ یہ کہ حلالہ کر کے چھوڑ دے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کے سخت ترین مخالف تھے۔ پس جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ ہوا کہ پہلے کے لوگوں کے لائق جو تھا اس سے اس وقت کے لوگ محروم کر دیئے جانے کے قابل ہو گئے ہیں وہ اس طرح پے درپے برابر طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ طلاق کے معاملہ میں طریقہ طلاق کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اللہ سے ڈرتے تھے اس لیے اللہ نے بھی ان کے ساتھ آسانی کر رکھی تھی اب جبکہ یہی چیز برابر ہونے لگی تو کیا وجہ جو ہم اُنھیں اس انعام خداوندی سے محروم نہ کر دیں تاکہ ان کے دماغ اور ان کے فعل پھر درست ہو جائیں۔ پس یہ فتویٰ گویا ایک درۂ فاروقی تھا جو ان کی سزا کیلئے تھا۔ نہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم شرعی بدل دیا۔ ((نعوذ باللّٰہ من ذالك)) مشروع طلاق ایک کے بعد ایک ہے نہ کہ سب ایک ساتھ۔ جو ایسا کرتا ہے وہ حد سے گزر جاتا ہے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ کھیل کرتا ہے پس وہ اس قابل ہو گیا کہ حاکم وقت بطور سزا دہی کے اس پر کوئی سختی کر دے۔ یہ اللہ کی آیتوں سے کھیلتا ہے تو کیوں نہ رخصت خدائی سے محروم کر دیا جائے تاکہ اس کی آنکھیں کھل جائیں پس یہ تو اسی قبیل سے ہے کہ زمانے کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اسی حکمت کو مدنظر رکھ کر سیاست فاروقی کا ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی دیا اور ایسے ہی فتوے دینے شروع کئے۔ آپ کو میں اپنی اس بات کی صداقت کیلئے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ سنا دوں آپ فرماتے ہیں کہ جو طلاق کو طلاق کے طریقہ پر دے گا اس کا حکم تو ظاہر ہے لیکن جو گڑبڑ کر کے بیٹھ جائے گا ہم اس کا بوجھ اپنے اوپر نہیں لینے کے۔ پس اگر تینوں طلاقوں کا جو ایک ساتھ دی جائیں تین ہونے کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ یہ کیوں فرماتے کہ جو کام کو کام کے طریقہ پر کرے اللہ نے اس کی برات کر دی ہے لیکن یہ وہ ہے جس نے خود اپنی جان کو آفت میں آپ ہی ڈالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کیا میری موجودگی اور زندگی میں ہی کتاب اللہ سے کھیل ہونے لگا؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان طلاقوں کے تین ہونے کے

فتوے میں توقف کیا چونکہ انتظامی طور پر سلطنت کا قانون یہ ہو گیا تھا اس لیے فرمایا کہ ہمارا کوئی قول اس میں نہیں تم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ یہاں جب سائل پہنچا تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھو' بالآخر اسے واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم عموماً اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگوں نے اس میں مسل انگاری شروع کر دی ہے اور رخصت کا برا استعمال کرنے لگے ہیں اللہ کا ڈر اور طلاق کا شرعی طریق چھوڑتے جاتے ہیں مصلحت شرع کو پس پشت ڈال رہے ہیں تو جو اُنھوں نے کہا تھا وہی ان پر لاد دیا اور جس آسانی کی اُنھوں نے بے قدری کی تھی وہ آسانی ان سے دور کر دی اور جس سختی کے یہ مستحق تھے وہ ان پر جاری کر دی۔ فی الواقع جو اللہ کی آسانی شریعت کی نرمی اور رخصت کو بے جا استعمال کرے وہ اسی قابل ہے۔ دیکھیے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اس شخص سے جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں فرماتے ہیں تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔ تجھ سے تیری جورو الگ ہو گئی تو اللہ سے ڈرا نہیں کہ وہ تیرے لیے کوئی آسانی کا راستہ کرتا بچاؤ اور نجات پارسا لوگوں کا حصہ ہے۔ آپ کے پاس ایک اور شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے چچا نے میری چچی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے فرمایا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ نے اسے نادم کر دیا۔ اس نے شیطان کی فرمانبرداری کی۔ اللہ نے اس کیلئے کوئی چھٹکارا نہیں رکھا۔ اس نے کہا پھر کیا صورت ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ دھوکا کرنے والوں کے ساتھ اللہ بھی دھوکا کرتا ہے۔

علماء سے درخواست : اے جماعت علمائے کرام! آپ کا قصد اتباعِ حق ہونا چاہیے آپ کا مقصود معرفت صداقت ہونا چاہیے آپ کی تمام تر کوشش اتباعِ سُنّت کی ہونی چاہیے۔ میں آپ کو اس خاص بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس چیز کو ہرگز نظرانداز نہ کریں کہ جب تک دنیائے اسلام نے اللہ کی رخصت کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اللہ کی حدوں کی حرمت کی اور اس کے فرمان کو سر آنکھوں پر رکھا اللہ نے بھی اپنی دی ہوئی اور کی ہوئی آسانی کو ان پر بحال رکھا' لیکن جب یہ اللہ کی رخصت میں مست ہو کر حدود خداوندی کا خیال بھی بھلا بیٹھے پروردگار نے اپنی دی ہوئی نعمت ان سے اس طرح واپس لے لی کہ خلیفہ کی زبان سے قانون ہی اور بنا دیا۔ لوگوں کی حماقت' ان کا ترک تقویٰ' ان کی بے احتیاطی اور ان کے خلافِ شرع فعل پر اصرار نے ان کے ہاتھوں سے رخصت الٰہی چھین لی۔ خلیفہ راشد صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں مجرم قرار دیا اور ان پر یہ جرمانہ کیا کہ یہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ جیسا کیا ویسا پایا جو بوجھ لادا وہ چمٹ گیا۔ پس شریعت کے باریک بھیدوں میں سے ایک بھید یہ بھی ہے جسے افسوس کہ عام عقلیں نہ پا سکیں اور وہ مسئلہ کے پہلو پر جھگڑنے لگیں۔ ائمہ اسلام نے اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال پر اقوال کہے اور بائیں دائیں نکل گئے۔ مقصود سب کا اچھا اور نیت پاک تھی۔ بعض نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو منسوخ سمجھ کر اسے ناقابل عمل قرار دیا۔ شافعی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تین کو ایک شمار کرتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ منسوخ ہو گیا کیونکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جیسے شخص سے یہ ناممکن ہے کہ حدیث صاف ہوتے ہوئے اس کا خلاف کریں' بہت ممکن ہے کہ اُنھیں اس کا منسوخ ہونا معلوم ہو گیا ہو۔ اگر کہا جائے کہ ممکن ہے قول عمر رضی اللہ عنہ اور فیصلہ فاروقی کا یہ اثر ہو تو جواب یہ ہے کہ پھر نکاح متعہ میں اور ایک دینار کی دو دینار سے بیع میں اور ان لونڈیوں کے بیچنے میں جن سے اولاد ہو چکی ہو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیوں نہیں مانتے؟ لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کو ان کے مخالفین کا جواب یہ ہے کہ صرف احتمال سے تو منسوخ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

راوی کا فتویٰ جو اس کی روایت کے خلاف ہونا معتبر ہے اس کی مثالیں :

راوی کے خلاف کی وجہ سے حدیثِ رسولِ معصوم ﷺ جو اللہ کی طرف سے اُسوۂ اور مطاعِ برحق ہیں چھوڑی نہیں جا سکتی۔ وہ قول اس کا ہے جس کا قول قولِ الٰہی ہے یہ قول اس کا ہے جس پر خطا اور غلطی سوا رہے خود امام شافعی رحمہ اللہ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ان کے فتوے پر راجح قرار دیا ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کی روایت کے خلاف ان کا فتویٰ ہے کہ لونڈی کی بیع اس کی طلاق ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ ان کے فتوے کو نہیں مانتے اور باوجود ان کی روایت کے خلاف ان کا فتویٰ ہونے کے ان کی روایت کو مانتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ اللہ دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے فرماتے ہیں کہ جو عمداً قے کرے اس پر روزے کی قضا ہے حالانکہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس کے صریح خلاف ہے کہ اس پر قضا نہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو لیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو طواف کے پہلے تین چکروں میں تن کر آہستہ آہستہ دوڑنے کا حکم فرمایا اور دونوں رکنوں کے درمیان آہستہ چلنے کا۔ لیکن ان کے فتوے کو نہیں لیا جو اس کے خلاف ہے فرماتے ہیں یہ دوڑنا مسنون نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو تو لیا ہے کہ حائضہ کو طواف منع ہے لیکن ان کے اپنے فتوے کو جو اس روایت کے خلاف ہے چھوڑ رکھا ہے۔ ان کے ساتھ طواف کرتے کرتے ایک عورت حائضہ ہوتی ہیں آپ اُنھیں فتویٰ دیتی ہیں کہ تم اپنا طواف جاری رکھو اور پورا کرو۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حج میں شیطانوں کو کنکر مارنا سرمنڈوانا اور قربانی کرنا ان میں اگر آگا پیچھا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن خود آپ کا فتویٰ اپنی اس روایت کے خلاف یہ ہے کہ اس میں قربانی کرنی پڑے گی۔ لیکن ان کے اس فتوے کی طرف التفات تک نہیں کیا اور ان کی روایت لے لی ہے۔

حنفیہ کا عمل بھی اِسی پر ہے :

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہر طلاق جائز ہے مگر بے عقلی کی۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صریح ہے کہ زبردستی جس سے طلاق لی جائے وہ بھی ہو جائے گی۔ حالانکہ خود راوی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس سے زبردستی مجبور کر کے طلاق لی جائے وہ طلاق کوئی چیز نہیں۔ حنفیہ اور ان کے ساتھ اور لوگ اس روایت کو لیتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے بھاگے ہوئے اونٹ کو خریدا۔ حنفیہ اور حنبلیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو لیتے ہیں کہ صلوٰۃِ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے حالانکہ ان دونوں بزرگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ اس سے مراد نمازِ صبح ہے۔

چاروں اماموں کا اِس پر عمل :

چاروں امام وغیرہ اس حدیث کو لیتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دودھ پلانے والی کے مردوں سے بھی رضاعت کا تعلق ثابت ہو جاتا ہے حالانکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا خلاف ثابت ہو جاتا ہے۔ بھتیجیوں کے دودھ پیے لوگوں سے وہ پردہ نہیں کرتی تھیں لیکن بھابھیوں کے دودھ پیے ہوئے لوگوں سے وہ چھپتی تھیں۔ حنفیہ حضرت عائشہ کی روایت کردہ اس حدیث کو لیتے ہیں کہ نماز دو دو رکعت فرض کی گئی۔ حالانکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل اس کے خلاف تھا وہ سفر میں چار رکعت پوری بھی کیا کرتی تھیں پس باوجودیکہ راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے لیکن حنفیہ اس حدیث کو منسوخ نہیں کہتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نماز میں جو کھلکھلا کر ہنس دے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس

روایت کو بھی مانتے ہیں حالانکہ اس روایت کے ان دونوں راویوں کا فتویٰ اس کے یکسر خلاف ہے کہ اس صورت میں وضو نہیں۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو لے لی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں وضو واجب ہے لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ' حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ان حدیثوں کو لیتے ہیں جو مسح خفین کے بارے میں مروی ہیں لیکن ان تینوں راویوں کا فتویٰ اس کے برخلاف ہے وہ تو یکسر منع کرتے ہیں تاہم ان کے فتوے کا خیال نہ کر کے اس کے خلاف جو روایت ان سے ہے اس پر سب کا عمل ہے۔ اسی طرح باپ پر بیٹے کا قصاص نہیں۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لیتے ہیں کہ بیٹے کا قصاص باپ سے نہ لیا جائے حالانکہ خود حضرت عمر کا فیصلہ اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں میں بیٹے کا قصاص باپ سے ضرور لوں گا۔ پس جس طرح یہاں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے فتوے کو چھوڑا اور ان کی روایت کو لیا ہم کہتے ہیں یہی یہاں بھی کرو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے کو کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہوئی تین ہی ہیں چھوڑ دو اور روایت کو کہ ایسی تین طلاقیں ایک ہو جائیں گی لے لو۔ حنفیہ اور مالکیہ اس مسئلے میں کہ خلع طلاق ہے دو حدیثیں لیتے ہیں جو یقیناً غیر صحیح ہیں اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں حالانکہ خود حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اس کے خلاف ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے کہ خلع فسخ ہے طلاق نہیں۔

حنفیوں کا اپنے اصول کے خلاف ایک زبردست جرم :

اپنے مذہب کے خلاف حدیث پا کر تو جھٹ سے یہ اصولی مسئلہ پیش کر دیا کہ جب راوی حدیث اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے تو وہ حدیث منسوخ ہو جائے گی لیکن پھر جہاں اسی اصول سے اپنے ہاں کے کسی مسئلے کو گرتے ہوئے دیکھا تو اس اصل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ دیکھئے ان کا مسئلہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر ہرگز نہ ہو اس کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ صحیح نہیں بلکہ میں کہتا ہوں محض موضوع ہے اس کا گھڑنے والا حرام بن عمار اور مبشر بن عبید حلبی ہے۔ پھر اس کے برخلاف خود راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ کم زیادہ جو مہر مقرر ہو جائے اس پر نکاح صحیح ہے۔ مرفوع حدیث میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جن لونڈیوں سے ان کے مالکوں کے ہاں اولاد ہو جائے اُنھیں بیچنا منع ہے اس سے استدلال کر کے اپنے ہاں کے اس مسئلے کو مضبوط کرتے ہیں لیکن اس اصول کو یہاں بھی نہیں دیکھتے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما راوی حدیث کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ ان لونڈیوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔ کیا اندھیر ہے کہ ان کی غیر صحیح سند والی روایت تو لے لی گئی اور ان کے صحیح سند والے فتوے کو ترک کر دیا گیا۔ اور سنیے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے بچے کو اس کے باپ سے ملا دیا حالانکہ خود راوی حضرت سعید اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں لیکن ان کے فتوے کو شمار میں بھی نہیں لایا جاتا۔ اور سنیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں تمتع کرایا لیکن یہ تینوں شاہان اسلام اس سے منع کرتے رہے۔ باوجود اس کے ان کی روایت مسلمان لیتے ہیں اور ان کے فتوے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر لو سب کے سب مانتے ہیں کہ سمندر کا پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال۔ لیکن خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہیں۔ ان کا فتویٰ سنن سعید بن منصور میں مروی ہے کہ سمندر کا پانی اور حمام کا پانی غسل

جنابت دور نہیں کرتا۔

حنبلی اور شافعی : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو لیتے ہیں کہ کتا جس برتن میں منہ ڈال جائے اسے دھویا جائے۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ سنن سعید بن منصور میں منقول ہے کہ آپ سے اس حوض کی نسبت مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں کتا منہ ڈالے اور جس میں سے گدھا پانی پی جائے تو آپ نے فرمایا پانی کو کوئی چیز حرام نہیں کرتی۔ حنفی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو لیتے ہیں کہ دو سو درہم سے اوپر جو ہوں جب تک وہ چالیس نہ ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے جس میں عمارہ ضعیف ہیں۔ پھر خود راوی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس میں بھی اسی حساب سے زکوٰۃ ہے' ملاحظہ ہو عبدالرزاق۔ غالباً میں نے اتنی مثالیں اس کی ذکر کر دی ہیں کہ کسی منصف مزاج کو اس میں اب زیادہ مسالہ کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لیے میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں گو اور بھی ایسی مثالیں بہت ہیں۔

مقلد ہمیشہ لرزہ بر اندام ہی رہتا ہے : آپ کی تو آپ جانیں میرا علمی تجربہ اور مشاہدہ تو یہ بتلاتا ہے کہ ناممکن ہے کہ مقلد کسی بات پر جم سکے کسی اصول پر قائم رہ سکے۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ جب اپنے مذہب کی کتابوں کے خلاف کوئی حدیث دیکھی اور اس کے راوی کا فتویٰ اپنے مذہب کے موافق پایا تو جھٹ سے سینہ تان کر بول اٹھے کہ دیکھیے! صاحب یہ حدیث منسوخ ہے ورنہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنا بڑا جلیل القدر صحابی ایک حدیث رسول ﷺ بیان کرے اور پھر خود ہی اس کے خلاف فتویٰ دے۔ ہمارا تو اصول یہ ہے کہ ایسے وقت راوی کی صداقت اور اس کے ایمان اور اس کی دیانت داری پر نظر رکھ کر ہم اس حدیث کو چھوڑ دیا کرتے ہیں' لیکن جہاں اس نے دیکھا کہ ایک روایت اور ایک حدیث اس کے مذہب کی موافقت میں ہے اور اس کا راوی اس کے خلاف فتویٰ دیتا ہے تو پورا ایک چکر لگا لیا اور تیوری پر بل ڈال کر کہا کہ واہ صاحب حدیث شریف کے مقابلے میں کسی کا فتویٰ کیا چیز ہے؟ ہم تو حدیث کو لیتے ہیں اس کے خلاف جو ہو نظر بھر کر اسے دیکھنا بھی ناجائز جانتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ اس سے زیادہ برا مظاہرہ اور مذہبی حمیت اور تعصب کا نمونہ کوئی اور بھی قائم ہو سکتا ہے؟ کس قدر بدترین تناقض ہے؟ بلکہ آپ تعجب سے سنیں گے کہ مقلدین اپنی اس بے باکی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ایک ہی باب میں وہ یہ دونوں باتیں کر ڈالتے اور کہہ ڈالتے ہیں۔ ((وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا))۔

ہمارا مذہب و مسلک : اس باب میں یہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہی دیانت کا اقتضا ہے' یہی دلیلوں کا خلاصہ ہے۔ یہی فرمان الٰہی اور رسول اللہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث صحت کے ساتھ آجائے اور کوئی ایسی ہی صحیح اور صریح حدیث اسے منسوخ کرنے والی نہ ہو تو ہر ایک امتی پر' ہر ایک ایماندار پر' ہر ایک کلمہ گو پر فرض ہے کہ اسے لے لے۔ خواہ اس کے خلاف اس کے راوی نے کہا ہو۔ کسی صحابی نے کہا ہو' کسی تابعی نے کہا ہو' کسی امام نے کہا ہو۔ سب کے قول' سب کے فتوے ترک کر دیئے جائیں گے اور حدیث رسول ﷺ کو سر آنکھوں پر چڑھا کر قبول کر لی جائے گی۔ یہی اللہ کا دین ہے' یہی شریعت ہے' اسی پر ایمان کی چکی چل رہی ہے' یہی اہل حق اور اہلسنت اور اہل حدیث کا وطیرہ ہے۔ راوی کا' صحابی کا' امام کا قول خلافِ حدیث لے کر حدیث کو ترک کرنا' یہ شانِ مسلم سے دور ہے۔ ایسا کرنے والا ایمان سے مہجور ہے۔ سنیے ممکن ہے راوی حدیث بیان کر کے پھر اسے بھول گیا ہو' ممکن ہے اس وقت بھی سامنے

ہو لیکن اس مسئلہ پر اس کی دلالت سمجھ میں نہ آئی ہو' ممکن ہے کوئی ایسی تاویل ذہن میں بیٹھ گئی ہو جو ہو تو مرجوح لیکن یہ اسے راجح مانتا ہو۔ ممکن ہے کوئی اور دلیل اس کے ذہن میں آگئی ہو اور وہ اپنی عقل سے اسے اس کے خلاف سمجھ بیٹھا ہو اور اسے ترجیح دے دی ہو۔ گو نفس الامر میں واقعہ ایسا نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور کا فتویٰ اس کے سامنے ہو۔ اور یہ اسے اپنے سے بڑا عالم سمجھ کر اس کی تقلید میں فتویٰ دیتا ہو اور فرض کر لیا ہو کہ یہ اتنا بڑا عالم اس کے خلاف فتویٰ اسی وقت دیتا ہے جبکہ اس کے پاس اس سے بھی بڑی اور واضح دلیل کوئی اور ہے۔ اچھا بالفرض ان وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی نہیں تب بھی ہم کہتے ہیں آخر ہے تو وہ غیر معصوم' ہے تو وہ امتی۔ پھر غیر معصوم کے سامنے معصوم محض کو چھوڑنا' غیر نبی کے سامنے سچے نبی ﷺ کو چھوڑنا یہ کون سی بھل منساہت ہے؟ یہ عذر کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ حدیث ثابت اور غیر منسوخ ہے پھر بھی یہ راوی اس کا خلاف کرتا ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ راوی عادل نہیں یہ بالکل غلط عذر ہے۔ ایسی ایک آدھ خطا عدالت راوی کو ساقط نہیں کرتی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ برائی بھلائی پر غالب آجائے۔ کسی ایک روایت کے ساتھ کسی سے ایسا ہو جانا یہ اس کی دیانت و عدالت کے خلاف کی دلیل نہیں۔

مقصودِ اصلی : الغرض یہ ثابت ہو گیا کہ زمانہ کے تغیر کے ساتھ فتوے کا تغیر بھی ہوتا ہے۔ صحابہ نے جب مصلحت اس کے خلاف دیکھی جس پر وہ اس وقت تک تھے تو انھوں نے اور ہی فتویٰ دے دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کی برائی اس سے کم ہے کہ یہ تین بجائے ایک کے تین ہی شمار کر لی جائیں تو انھوں نے اس چھوٹی برائی کو اس بڑی برائی کے مقابلہ میں اختیار کر لیا۔ پس ایک بڑی برائی کو دفع کرنے کیلئے کوئی چھوٹی برائی کو قبول کر لینا کوئی عیب کی بات نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی کیا۔

حلالہ کرانے کی حرمت اور اِس لعنتی فعل کی مذمت : لیکن ہمیں افسوس ہے کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہ سوجھی وہ اب دنیا کو سوجھ گئی۔ انھوں نے حلالہ کی لعنت کو بخوشی پسند کر لیا۔ حلالہ کہتے ہیں جس عورت کو تین طلاقیں ہو چکی ہوں اس کا نکاح کسی سے صرف اس لیے کر دینا کہ وہ اگلے خاوند پر حلال ہو جائے۔ یہ نیا خاوند اس سے سیاہ کاری کر کے اسے طلاق دے دے تو پہلا دیوث خاوند اس سے پھر نکاح کر لے یہ حنفی مذہب کا مسئلہ ہے اس کی برائیاں حد سے سوا ہیں جو ان مسلمانوں کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ حلالہ دراصل خفیہ زنا ہے جو شرعاً حرام محض ہے۔ اس گندے مسئلے کو شرعی مسئلہ کہنا دین الٰہی میں عیب پیدا کرنا ہے۔ یہی وہ ناپاک مسئلہ ہے جسے مخالفین اسلام اچھالتے ہیں اور اسلام کی برائی دوسروں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں لوگوں کو اس دین سے روکنے کیلئے انھوں نے اسے ایک بہترین دلیل بنا رکھی ہے۔ وہ اپنے حلقے میں بیٹھ کر مٹھار مٹھار کر کہتے ہیں کہ دیکھو! اسلام میں ایسے گندے' خلاف تہذیب' اخلاق سوز واہی مسئلے ہیں' غیرت و خودداری کے خلاف ایسی چیزیں اسلام نے جائز رکھی ہیں۔ پس اے مسلمان کہلوانے والو! سوچو کہ تمہاری فقہ کی اس باریکی نے اسلام کی عمارت میں زلزلہ ڈال دیا اور اسلام کے چاند جیسے چہرے پر سیاہ کلنک کا ٹیکا لگا دیا۔ آہ! جن کتابوں کو تم اسلامی کتابیں کہو اس میں یہ انسانیت سوز بے غیرتی کا مسئلہ ہو؟ تم نے دین الٰہی کو بدنام کیا تمہارے اس مردود مسئلے نے اللہ کے دین میں قباحت پیدا کر دی لوگ اس سے رکنے بلکہ بدکنے لگے۔ تم نے اللہ کے دین کی صورت مسخ کر دی۔ تمہارے اس مسئلہ نے اسلام کی پاکیزگی میں دھبہ لگا دیا۔ واللہ! خون کھولتا ہے کہ تم نے اس حرام کام کا نام حلالہ رکھا۔ تم بتلاؤ تو سہی کہ تمہارے اس ادھار لیے ہوئے ملعون سانڈ نے اس عورت کو

پہلے خاوند کے لیے کیا حلال کر دیا؟ کیا کوئی بدی بدی سے زائل ہو سکتی ہے۔ حرمت کے بعد لعنت کا کام کرنے سے حرمت ہٹ جاتی ہے؟ جب حدیث میں آچکا کہ حلالہ کرانا لعنت اللہ مول لینا ہے۔ جو حلالہ کرائے اس پر لعنت۔ جو کرے اس پر لعنت۔ جب اس سانڈ کو اللہ کے رسول ﷺ نے ملعون بتلایا جب اسے ادھار لیا ہوا سانڈ فرمایا تو اب اے حنفیو! بتلاؤ کہ اس ملعون لعنتی کے حرام فعل نے اس کی خفیہ بدکاری' شرعی زنا نے کیسے حرمت کو زائل کر دیا؟ دوستو! خدارا غور کرو کس قدر آبرو ریز' کس قدر ستم خیز سین ہے کہ ایک ملعون سانڈ اس مطلقہ عورت کو لیے ہوئے گھر میں پڑا ہے' باہر عورت کے ولی اولیا اور اگلا خاوند اور اس کے اقربا کھڑے ہیں وہ وہاں اپنی سیاہ کاری میں مشغول ہے اور لطف اندوز ہو رہا ہے' یہ یہاں تڑپ رہے ہیں خون کے گھونٹ پی رہے ہیں' منتظر ہیں کہ کب کام پورا ہو اور کب یہ حرام عورت حلال ہو۔ توبہ! توبہ! یہ بے شرمی استغفر اللہ! یہ بے غیرتی؟ اسلام تو کیا واللہ! دنیا کی تہذیب بھی اس سیاہ کاری سے چکر کھا جاتی ہے۔ واللہ اگر اسلام کا یہ مسئلہ ہوتا تو ہم کہہ دیتے کہ اسلام اللہ کا دین نہیں۔ اے غیرت مند حنفیو! اپنی غیرت پر اپنی خداداد حمیت پر نظر ڈالو کیا تم اپنی بیویوں کو' اپنی بیٹیوں کو' اپنی بہوؤں کو' دوسروں کی ران تلے ڈالنا ایسے وقت پسند کر لو گے؟ کیا تمہاری غیرت تمہیں اس کی اجازت دے گی؟ اگر نہیں تو تم سے بہت زیادہ غیرت والا غیور اللہ کیا تمہیں اس کی اجازت بلکہ حکم دے سکتا ہے؟ واللہ اس سے زیادہ حیوانیت کوئی نہیں کہ اپنی خوشی ایک بدکار ملعون کو اپنی بیوی یا بیٹی یا بہو سونپ دی ہے کہ وہ اس کے کپڑے اتار کر اسے بے عزت کرے اس کی عصمت دری کرے اور اس کے رشتے دار دروازے پر بیٹھے رہیں کہ کب یہ پاک صاف ہو کر نکلے کہ پھر اس کا خاوند اسے چومے چاٹے اس کا باپ اس پوتر شدہ کی زیارت کرے اور اس کی ماں نئے سرے سے خوشیاں منائے۔ بھائیو! ہمارے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خون کھولنے لگا۔ مسلمانو! کیا دین کے ساتھ غیرت بھی جاتی رہی؟ کیا فقہاء کی رائے کے قیاس کی شیفتگی نے ہوش حواس بھی زائل کر دیئے؟

حلالہ ہرگز نکاح نہیں :

کیا تم یا تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعی نکاح ہے؟ نہیں نہیں بلکہ خود وہ سانڈ خود وہ عورت اس کے ولی ان کے گواہ اس مجلس کے بیٹھنے والے سب جانتے ہیں کہ یہ نکاح نہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دھوبی کو کوئی کپڑا دیں کہ وہ اسے دھو کر پاک کر کے دے دے۔ اسی طرح تم نے اسے اس عورت کو سونپا ہے کہ وہ حرام پر حرام کر کے تمہیں واپس کر دے تم اسے حلال اور طیب سمجھ کر سینے سے لگا لو۔ دھوبی کو نجس کپڑا دیا جاتا ہے کہ وہ اسے پیشاب میں بھگو کر لے آئے۔ تم اسے پاک سمجھ کر پہن لو۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ سانڈ ادھار لیا ہوا ہے۔ یہ خود جانتا ہے کہ یہ عورت میری بیوی نہیں عورت جانتی ہے کہ یہ ملعون سانڈ میرا میاں نہیں۔ عورت والے جانتے ہیں کہ یہ خبیث شخص ان کا داماد نہیں اگر ان کو یہ ضرورت نہ پڑتی تو نہ عورت اسے اپنا ایک بال ہی دکھاتی نہ عورت والے اسے اپنی دہلیز پر چڑھنے دیتے نہ اس کا پہلا خاوند اس کی صورت دیکھنے کا روادار ہوتا' لیکن افسوس کہ ایک غلط فتوے کی بنا پر آج یہ زناکاریاں شریف گھرانوں میں گھس گئیں اور اس حرام کا نام حلال رکھ لیا گیا۔ شریعت کے مقصود کو کھو دیا۔ دین کو غیروں کی نظروں میں مطعون کر دیا۔ ہاں عورت کے اور مرد کے رشتے دار اس حلالہ کے وقت جمع ہوئے تھے۔ وہ بظاہر نکاح کی اور شادی کی تقریب رچائے ہوئے تھے لیکن ان کے دل آنسو بہا رہے تھے' ان کے کلیجے چھلنی ہو رہے تھے' وہ لخت جگر چباتے تھے اور خون دل پیتے تھے کھسر پھسر ہو رہی تھی اور اس بری گھڑی کو بظاہر خوشی میں گزار رہے تھے۔ اپنوں سے دبتے تھے کسی سے آنکھ نہ ملا سکتے تھے ایک ٹیس تھی جو کلیجے سے اٹھ رہی تھی' ایک درد تھا جو جسم کو توڑ مروڑ رہا تھا لیکن تقلید کی

خوبصورت بلانے اس بھیانک بھوت نے ڈرا رکھا تھا اس ہوا سے خوف زدہ تھے نکاح نکاح کر کے اپنی غیرت کو برباد اور اپنی حریت کو ہلاک کر رہے تھے۔ سنیئے حدیث شریف میں ہے کہ عورت کے نکاح کی طرف آمادہ کرنے والی چار چیزیں ہیں۔ دینداری' حسب نسب کی بہتری' مال کی زیادتی' خوبصورتی کی چمک دمک' لیکن آپ حلالہ کرنے والے اس بھاڑے کے ٹٹو سے پوچھئے کہ تو نے ان چاروں میں سے کسی کی طرف بھی بھول کر بھی نظر ڈالی ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ نہیں اس لیے کہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ نکاح ہی نہیں' یہ عورت میری ہے ہی نہیں میں نے لطف اندوزی کی اور الگ ہوا۔ دیکھو قرآن نے نکاح کو موجب سکون و تسکین بتلایا ہے۔ (الروم : ۲۱)

قرآن نے عورتوں اور ان کے شوہروں کے درمیان مودۃ و رحمت کا رشتہ بتلایا ہے لیکن ان سب سے اس جوڑے کو کوئی مطلب نہیں۔ پس مقصد نکاح یہاں فوت ہے۔ مصلحت نکاح یہاں تلاش کیے سے بھی نظر نہیں آتی۔ اللہ جانے پھر اسے نکاح کیوں سمجھ لیا جاتا ہے؟ یہاں تو اس ملعون سانڈ کو صرف مزہ اٹھانا اور مزدوری پانا ہے۔ پھر اس عورت سے پوچھو کہ کیا تجھے اس سے کوئی رغبت ہے؟ کیا تو نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ کس قوم کا ہے کس برادری کا ہے؟ کس درجے کا ہے؟ ہرگز نہیں وہ تو فقہاء کے چکر میں آکر اپنی مصیبت ٹلنے کا ایک ذریعہ اسے قرار دیتی ہے۔ جب دونوں طرف سے یہ حال ہے ہر ایک دوسرے سے اپنا اپنا مطلب نکالنے کی فکر میں ہے تو کیا عقلاً' فطرۃً' شرعاً اس تماشے کو اور اس سانگ کو کوئی نکاح قرار دے سکتا ہے؟ اگر اس میں کوئی بھی اچھائی ہوتی تو رحمت کا مجسمہ رحمۃ للعالمین! اس پر ہرگز لعنت نہ کرتے۔ نکاح شرعی جو کرے وہ تو قابل رحمت ہوتا ہے نہ کہ مستحق لعنت۔ کہاں نکاح کرنے والا محسن' نیک شخص کہاں یہ ادھار لیا ہوا بے غیرت سانڈ؟ آہ! دوستو! کبھی سوچا بھی کہ اس کے بعد اس عورت کی سہیلیاں کس طرح اس کی بوٹیاں نوچیں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ کس شرمساری سے اس کی نگاہیں ہمیشہ کیلئے نیچی رہیں گی۔ اسے بے عزت کرنے کیلئے کسی کا صرف اس سانڈ کا نام لے دینا کافی ہو گا جسے آج تم سونپ رہے ہو کہ وہ اسے پوتر کر کے تمہیں دے دے۔ تم میں سے کوئی ہے جو اس ملعون بکرے سے پوچھے کہ کیا شادی کے وقت تیرے ذہن کے کسی گوشے میں اس کے کھلانے پلانے رکھنے بسانے کا بھی کوئی دھندلا سا نقشہ بھی تھا؟ اس دکھیا عورت سے کوئی ہے جو پوچھے؟ کہ کبھی تو نے بھی اس پر غور کیا تھا کہ یہ مالدار ہے یا کام کاج پر لگا ہوا ہے یا کیسا ہے جو تجھے کھلا پلا سکے گا؟ اور اچھے اخلاق والا ہے کہ تجھے بے چین نہ رکھے گا؟ اس کا جواب اس کے پاس یہی ہو گا کہ ہرگز نہیں یہ چیزیں تو وہاں مدنظر ہوتی ہیں جہاں نکاح مقصود ہو۔ ان دونوں سے دریافت کرو کہ کیا اس نکاح سے نسل انسانی کے بڑھانے کا ذوق تمہیں کبھی ہوا تھا جو نکاح کی غرض و غایت ہے؟ ہرگز نہیں' یہاں تو اس کا مقصود یہ تھا کہ میں نئی چیز میں منہ ماروں اور کچھ لے مروں' اس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس کے ذریعہ اپنے پہلے خاوند کی بغل گرماؤں؟ اگر دنیا سے عقل نہیں اٹھ گئی' اگر قرآن و حدیث کے الفاظ ہی باقی ہیں' اگر فطرت ماری نہیں گئی اگر حکمت زندہ ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے وہ بڑے جنھوں نے نکاح کا یہ نادر طریقہ ایجاد کیا دانا شفیق عقلمند اور بھلے تھے؟ یا اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار رحمۃ للعالمین! جنھوں نے اسے حرام قرار دیا' جنھوں نے اسے لعنتی امر قرار دیا' جنھوں نے اسے تیس مستعار یعنی ادھار لیا مست بکرا قرار دیا۔ وہ بھلے تھے؟ دنیا کے لوگو بتلاؤ تو کیا تمہارے ایجاد کردہ اس نکاح کی کوئی خوشی کی مسرت اس سانڈ کو یا اس عصمت باختہ عورت کو ہوتی ہے؟ کیا یہ اپنے تئیں دلہن سمجھتی ہے؟ کیا مثل دولہا دلہن کے ان دونوں کو ایک دوسرے کی لگن لگی ہوئی ہوتی ہے؟ کیا اس عورت نے مثل اور عورتوں کے جھوٹے بہانوں بھی دریافت کیا کہ میرے اس ہونے والے

خاوند کی کوئی اور بیوی تو نہیں اس کی کچھ لونڈیاں باندیاں تو نہیں؟ اس کے اخلاق کیا ہیں' اس کی مالی حالت کیا ہے؟ یہ کیا کام کرتا ہے کیا جانتا ہے؟ توبہ' توبہ اس کی بلا سے یہ چیزیں تو وہاں دریافت ہوتی ہیں جہاں میاں بیوی بن کر عمر گزارنی ہو۔ یہاں تو اس کی گود سے اچھل کر دوسرے کی گود میں پڑنا مقصود ہے۔ یہی حال اس بھاڑے کے ٹٹو کا ہے۔ اسے بھی نہ اس کی عمر سے غرض نہ اس کی صورت شکل سے غرض۔ نہ اس کی عادات و اطوار کی دیکھ بھال۔ اس لیے کہ جانتا ہے کہ میں تو اسے چھوڑ کر دوسرے کے حوالے کر دوں گا۔ میری بلا سے کیسی ہی ہو؟ پھر اے وہ لوگو! جن کی آنکھوں پر قیاس کی پٹی اور جن کے گلے میں تقلید کا طوق اور جن کے پاؤں میں رائے کی بھاری زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ تم نے اگلوں کی اس بات کو کیسے باور کر لیا کہ یہ نکاح ہے اور اس کے بعد یہ عورت اپنے اگلے خاوند پر حلال ہو جائے گی؟ تم نے اللہ کے دین سے کھیلنا شروع کر دیا۔ تم نے دین اللہ کی عظمت کو روند ڈالا۔ تم نے احکامِ الٰہی کو اپنے بزرگوں کے قدموں میں قربان کر دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نکاح کرنے والے اپنے ہونے والے نئے رشتے داروں کے ہاں تحفے تحائف بھیجتے ہیں۔ ان کی خاطر مدارات کرتے ہیں' پیغام ہوتے ہیں' دیکھ بھال ہوتی ہے۔ سفارشی بیچ میں پڑتے ہیں' وثیقے اور مضبوطیاں ہوتی ہیں' لیکن ان میں سے کوئی ایک بات بھی اس نکاح میں ہے؟ کچھ نہیں۔ واللہ! یہ تو بھاڑے کا ٹٹو کرائے کا خچر ہے جسے تم گھسیٹ لاتے ہو وہ اپنا کام کرتا ہے اور مزدوری لے کر یہ جا وہ جا۔ پھر تم اسے نکاح کہتے ہوئے شرماتے نہیں ہو؟ ہاں ذرا فرمایئے تو کوئی ولیمہ بھی اس نکاح کا ہوا؟ کسی کی دعوت بھی اس تقریب پر کی گئی؟ کیوں جی کبھی اس بھاڑے کے ٹٹو کے پاس اس کے اس ناپاک برائے نام نکاح کی کوئی مبارک باد بھی آئی؟ اس کے اس زنا پر مسلمانوں نے نکاح کی دُعا: ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا وَعَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ وَ عَافِيَة)) بھی پڑھی' نہیں نہیں ہرگز نہیں واللہ نہیں بلکہ وہ جس کی دُعا مقبول ہے وہ جو اللہ کا رسول ہے اس نے اس کیلئے لعنت کی بد دُعا کی۔ غارت ہوا یہ بھی اور وہ عورت بھی اور اس کے رشتے کنبے والے بھی اور اس بدعت کے کل شرکاء بھی اور اسے نکاح کہنے والے بھی۔

حنفی مذہب کے حلالہ کے اِس مسئلے نے زناکاری کا دروازہ کھول دیا ہے: فتوے لگا کر الگ ہو جانے والوں سے تو نہیں

ہاں جو لوگوں کے اندرونی حالات سے مطلع ہیں ان سے پوچھو تو تمہیں معلوم ہو کہ وہ عورتیں جو اس حلالہ کے چکر میں غیر مرد کا منہ دیکھ لیتی ہیں وہ پھر کیا گھریلو بن کر رہتی ہیں؟ مستثنیات کو چھوڑ کر ہم تو کہہ سکتے ہیں کہ جن کے منہ یہ لہو لگ جاتا ہے وہ پھر ادھر ادھر منہ مارتی پھرتی ہیں۔ ان سے پھر ایک شوہر پر قناعت نہیں ہوتی وہ پھر بے شرمی بے حیائی اور بے حجابی کا مجسمہ بن جاتی ہیں۔ اگر فرضاً بظاہر ایسی نہ بھی معلوم ہوں تاہم ان کے بڑھے ہوئے خطرناک حوصلے ان کے اٹھے ہوئے حجاب اُنھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتے وہ چھپ چھپاتے ہی کچھ کالا دھولا کر گزرتی ہیں اور کچھ نہیں تو اپنے اسی کرائے کے ٹٹو پر شیفتہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک خاوند ان کا ظاہری ہوتا ہے اور ایک باطنی کیوں عقل مندو! بھلا جب یہ اس کے سامنے کپڑا کھول چکی ہے جب یہ اس کی بغل میں لیٹ چکی ہے جب یہ اس کا شہد چوس چکی ہے کیا اب وہ آسانی سے اسے چھوڑ دے گی؟ کیا وہ لطف وہ نئی رات رنگینیوں والی اسے بہت جلد بھول جائے گی۔ کیا اس مست شباب کی یاد اس کے دل پر سے بآسانی محو ہو جائے گی؟ عقلمندو! پھر تم ان خطرناک نتائج سے بے خوف ہو کر کیوں اس گندے مسئلے کو اسلام کا مسئلہ مانے ہوئے ہو؟ درندے کے نوچے ہوئے گوشت پھر کیا پاک ہوں گے؟ غیر مرد کی آنکھیں دیکھی ہوئی عصمت باختہ عورت پھر کیا یار بازی سے

باز آئے گی؟ تمہارے اس حلالہ کے مسئلے نے بیسیوں خاندان اجاڑ دیئے۔ سینکڑوں پاک دامنوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیا۔ وہ جن کے دامن پر فرشتے ماتھا ٹکائیں آج تمہارے اس مسئلہ کی بدولت عصمت فروش بن گئیں۔ عورتوں کا زیور یہ تھا کہ خاوند کی بغل کے بعد وہ قبر کی بغل دیکھیں' لیکن تمہارے اس حلالہ کے مسئلے نے اُنھیں ڈال ڈال چڑھایا اور پتے پتے پر نچایا۔ واللہ! یہ بہتر تھا کہ اس سانڈ کے بدلے تم اسے کسی درندے کو سونپ دیتے کہ وہ اسے پھاڑ کھائے۔ اس کی ران اس بدکار کے ہاتھ لگی اس سے بہتر تھا کہ کوئی شیر اسے پھاڑ کھاتا۔ آہ! تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے اس بدترین مسئلے نے دنیا میں کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ کیا نہیں جانتے کہ جس بھاڑے کے ٹٹو نے آج اس عورت سے بدفعلی کی کل اگر ضرورت ہوئی تو وہ اس کی لڑکی کو بھی پاک کرنے سے نہیں رکتا کیا یہ ماں بیٹی کو جمع کرنا نہ ہوا؟ یہ مزدور یہ نہیں سوچتا کہ چار تو اس کے پاس ہیں ہوا کریں یہ پھر بھی اس تین طلاقوں والی کو کھنگال کر پاک کرنے کے لیے تیار ہے۔ ایک کو غسل دلوا چکا پھر اگر اس کی بہن اسی کھڈ میں جا گرے تو یہ پھر بھی تیار ہے کہ اس کی دستگیری کرے کہئے! کیا یہ دو بہنوں کو جمع کرنا نہیں؟ برادران یہ ہے ان خرابیوں کا نمونہ جو تمہارے اس حلالہ کے مسئلے میں ہیں اور اسے سمندر کی ایک موج اور پہاڑ میں سے ایک کنکر اور کھیت میں سے ایک دانہ سمجھئے۔ ورنہ جو جو خرابیاں ہیں کون ہے جو اُنھیں پوری طرح بیان کر سکے؟ بہت سی وہ شریف زادیاں عصمت مآب خواتین جن کا پرچھاؤں بھی کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا جب وہ حلالہ کے چکر میں آئیں کھل کھلیں اور آج وہ زینت بازار بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانو! بتلاؤ! للہ! بتلاؤ کہ کیا ایسا مسئلہ ہماری شریعت کا ہو سکتا ہے؟ جس میں یہ خرابیاں اور یہ فسادات ہوں؟ ہماری شریعت تو تمام شریعتوں سے مکمل ہے۔ حسن انتظام' امن عامہ' رعایت' شرافت' حفاظت' نجابت کی پوری ضامن یہ شریعت ہے۔ پھر تم نے اس کے پاک صاف اجلے دھلے ہوئے بلکہ نئے دامن پر یہ گندگی کی چھینٹیں یہ ناپاکی کے قطرے کیسے ڈال دیئے؟ دیکھو ہماری پاک شریعت کی ہمہ دانی اور ہمہ گیری کہ اس نے اس حلالہ کو لعنتی فعل قرار دیا اس کے کرنے والے کو اس کے کرانے والے کو بدترین ملعون فرمایا۔ اسے بھاڑے کا ٹٹو کہہ کر اس سے اپنی جماعت کو نفرت دلائی اور اسے فاسقوں سے ملایا۔

حلالہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کے فیصلے :

حلالہ کے حرام ہونے اس کے لعنتی کام ہونے اور اس کے کرنے کرانے والے کے ملعون ہونے کی شہادت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دی' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دی' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے دی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اسے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں کھلا زنا اور حرام کاری گنتے تھے۔ مسند امام احمد رحمہ اللہ' سنن نسائی' اور جامع ترمذی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے لعنت کی جو حلالہ کرے اور اسے بھی جس کیلئے حلالہ کرایا جائے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول محترم ﷺ نے لعنت کی اس عورت پر جو گودنا گدوائے اور اس عورت پر جو گودے اور اس عورت پر جو بالوں میں بال ملائے اور جو ملوائے اور اس شخص پر جو حلالہ کرائے اور اس پر جس کیلئے حلالہ کیا جائے اور اس پر جو سود کھائے اور اس پر جو کھلائے۔ اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے اور امام احمد رحمہ اللہ نے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے صحیح بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں اہل علم اصحاب نبی ﷺ کا عمل اسی پر ہے۔ حلالہ کرنے والے پر

لعنت ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا- اور یہی قول ہے فقہاء تابعین کا' امام احمد رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی۔ مسند احمد رحمہ اللہ اور نسائی میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سود کھانے والا اور کھلانے والا اور اس پر گواہ رہنے والا اور اس کا لکھنے والا جب کہ اس سے واقف ہو اور بال ملانے والی اور ملوانے والی اور زکوٰۃ کا نہ دینے والا اور لینے میں ظلم کرنے والا اور ہجرت کے بعد کفرستان کو لوٹ جانے والا' یہ سب کے سب بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ملعون و مطرود ہیں۔ مسند اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابنِ ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے کرانے والے کو ملعون فرمایا۔ مسند احمد' مسند ابنِ ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی۔ اس کی سند کی بابت امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عثمان بن اخنس ثقہ ہے۔ اس سے روایت کرنے والے عبداللہ بن جعفر قریشی ثقہ ہیں۔ مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ یحییٰ علی وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ پس یہ سند بہت ہی عمدہ ہے۔ کتاب العلل ترمذی میں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی حلالہ کرنے اور کرانے والے پر۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اور عبداللہ بن جعفر مخزومی اس کا راوی سچّا ہے اور عثمان بن محمد بن اخنس ثقہ شخص ہے۔ میرا گمان یہ تھا کہ عثمان نے سعید مقبری سے سنا نہیں۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اسناد بہت عمدہ ہیں جامع ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے کرانے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کے راوی مجالد سے گو اور لوگ زیادہ قوی ہیں' لیکن اس کی حدیث بطور شاہد کے ہے وہ اور روایتوں کو قوی کر دیتی ہے۔ سنن ابنِ ماجہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں بتلاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ (بھاڑے کا ٹٹو) کون ہے؟ لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتلایئے! فرمایا یہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر اور جو حلالہ کرائے اس پر بھی۔ اسے حاکم بھی اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

اِس حدیث میں تین علتیں بتلائی جاتی ہیں : ایک یہ کہ اس کے راوی مشرح کو امام ابوحاتم بستی نے ضعیف کہا ہے۔ دوسری علت یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے جب امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ عبداللہ بن صالح نے ہمارے زمانے میں تو اسے بیان کیا نہ تھا میرے خیال سے تو لیث نے اسے مشرح سے نہیں سنا اس لیے کہ حیوہ بکر بن عمرو سے اور وہ مشرح سے روایت کرتا ہے۔ اسے ترمذی نے علل میں ذکر کیا ہے۔ تیسری علت وہ ہے جسے جوزجانی نے ان کے ترجمہ میں بیان کیا ہے کہ عثمان پر اس حدیث میں سخت انکار کرتے تھے۔

اب ان کا جواب سنیے۔ پہلی علت کا جواب تو یہ ہے کہ مشرح راوی کو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے عثمان بن سعید کی روایت میں ثقہ کہا ہے اور ابنِ معین کو رجال اسناد میں بہ نسبت ابنِ حبان کے زیادہ دسترس ہے۔ میں کہتا ہوں فی الواقع یہ حافظوں کے نزدیک سچے راوی ہیں ان پر کسی نے تہمت نہیں لگائی اور نہ اُنھیں اہلحدیث میں سے کسی نے کبھی ضعیف کہا ہے۔ صرف امام ابنِ حبان نے ہی اُنھیں ضعیف قرار دیا۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ عقبہ بن عامر سے منکر روایتیں بیان کر دیا کرتے ہیں جن کی کوئی متابعت نہیں ہوتی تو مناسب یہی ہے کہ جہاں یہ منفرد ہوں وہاں اُنھیں چھوڑ دیا جائے۔ پھر تمام

اہلحدیث میں سے صرف ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ ہی کا یہ قول ہے۔ دوسری علت کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن صالح نے صراحت کی ہے کہ اس نے لیث سے سنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس وقت ان سے ملتے ہیں اس وقت تک انھوں نے یہ حدیث بیان نہیں فرمائی تھی۔ اس سے اِس حدیث میں کوئی جرح ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہاں دوسرا قول جو ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حیوہ بن شریح مصری لیث کے ساتھیوں میں سے ہے یا اس سے بھی بڑی عمر کا ہے وہ بکر بن عمرو سے روایت کرتا ہے وہ مشرح سے بیشک یہ تعلیل قوی ہے اس کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ لیث نے ((قال مشرح)) کہا ہے ((حدثنا)) نہیں کہا' لیکن یہ یاد رہے کہ قطعی طور سے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ لیث مشرح کے ہم زبان تھے اور ایک ہی شہر میں تھے۔ لیث علم کے طالب اور جامع تھے بہت ممکن ہے بلکہ کوئی مانع نہیں کہ وہ مشرح سے ان کی حدیث عقبہ بن عمر کی سن لیں۔ حالانکہ وہ ایک ہی شہر میں ایک ساتھ ہیں۔ تیسری تعلیل کا جواب یہ ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں کا انکار درست نہیں۔ اُنھیں دھوکا یہ لگا ہے کہ لیث کا انفراد ہے ممکن ہے اس نے خطا کی ہو کیونکہ یہ حدیث اس کے سوا اور سے اُنھیں نہیں ملی۔ مانا کہ بعض محدثین نے ایسے شبہ نکالے ہیں لیکن اس بے جان چیز سے مضبوط مسائل ٹل نہیں سکتے کہ ہم عام طور پر یہ کہہ دیا کریں کہ چونکہ اس استاد کے یہ مشہور شاگرد نہیں اس لیے اس احتمال پر کہ ممکن ہے اسے وہم ہو گیا ہو ہم یہ روایت نہیں لیتے۔ یہ شاذ ہو گئی اور اس میں علت قادحہ آ گئی۔ یہ بات ہی سرے سے یہاں بے سود ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ اس کی متابعت کاتب ابواللیث نے کی ہے چنانچہ سنن دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی عثمان بن صالح مصری سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں روایت لائے ہیں۔ ابنِ معین اور ابوحاتم رازی بھی ان سے روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ شیخ صالح ہیں خوب اچھی طرح حدیث پہنچاتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ تلقین قبول کر لیتے تھے تو فرمایا واہ! اس درجے کے ہونے کے بعد تو ان کی منفرد حدیثیں بھی حجت ہیں۔ شاذ اسے کہتے ہیں جو ثقہ راویوں کے خلاف ہو نہ کہ وہ جس کے بیان میں انفراد ہو۔ پھر خصوصاً اس وقت جبکہ ابوصالح جیسا شخص متابع موجود ہے جو لیث کا کاتب ہے اور ان سے بکثرت حدیثیں روایت کرنے والا ہے اور خود وہ بھی ثقہ ہے گو اس کی بعض حدیثوں میں غلطی ہو گئی ہے۔

مشرح بن ہاعان کی نسبت امام ابنِ معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ معروف ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث نہایت عمدہ اور اس کی سند حسن' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو شاذ نہیں کہتے جس کے بیان میں کوئی ثقہ منفرد ہو۔ بلکہ شاذ اس حدیث کا نام ہے کہ یہ وہ روایت کرے جو اور ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو۔ اب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سنو۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی۔ اس کی سند میں زمعہ بن صالح ہے جسے بعض لوگ ضعیف کہتے ہیں اور بعض قوی بتلاتے ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے صحیح مسلم میں دوسرے سے ملی ہوئی روایت وارد کی ہے۔ امام ابنِ معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں سنیے۔ صحیح حاکم میں ہے کہ ایک شخص ابنِ عمر کے پاس آیا اور مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ اس کے بھائی نے اس عورت سے نکاح کر لیا دونوں بھائیوں میں کوئی مشورہ نہیں ہوا۔ نہ کوئی بات طے ہوئی لیکن نکاح کرنے والے بھائی کا اصلی ارادہ یہی ہے کہ یہ عورت میرے بھائی کیلئے حلال ہو جائے تو کیا حلال ہو جائے گی؟ آپ نے فتویٰ دیا کہ ہرگز نہیں جب تک کہ رغبت کا نکاح نہ ہو۔ ہم تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زناکاری سمجھتے تھے۔ یہ شرط شیخین پر ہے۔ ہاں بخاری مسلم میں نہیں ہے۔ سنن سعید میں ہے بکر بن عبداللہ

مزنی فرماتے ہیں کہ حلالہ کرنے والے پر اور کرانے والے پر لعنت ہے جاہلیت میں اسے تیس مستعار کہا جاتا تھا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسلمان بھی اسے یہی برا لقب دیتے رہے۔

حلالہ میں مقاصد نکاح میں سے کوئی مقصد مد نظر نہیں ہوتا : قرآن میں ہے کہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری جنس میں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے کہ تم ان سے سکون و دلجمعی حاصل کرو اس نے تمہارے درمیان دوستی اور رحم و کرم پیدا کر دیا۔ قرآن میں ہے اپنی رانڈ عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور نیک لونڈیوں کا اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو اللہ اُنھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حدیث میں ہے تم میں سے جسے بیوی کی قوت ہو وہ نکاح کر لے یہی نگاہ کو نیچی کرنے والا اور عصمت کا بچاؤ کرنے والا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں محبت والیوں سے اور جن کی کوکھ میں اولاد ہو۔ ان سے نکاح کیا کرو۔ قیامت کے دن میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ فرماتے ہیں چار چیزیں تمام نبیوں کی معمولات رہیں۔ نکاح' خوشبو' ختنہ اور ایک چوتھی چیز کا بیان فرمایا۔ حدیث میں ہے نکاح میری سنت ہے۔ میری سنت سے منہ موڑنے والا میرا نہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس امت کا سب سے بہتر وہ ہے جس کی سب سے زیادہ بیویاں ہوں۔ ایک حدیث میں ہے تین شخصوں کی مدد اللہ پر ضروری ہے' نکاح کرنے والا جس کا مقصود پاک دامنی ہو' رقم لکھ دینے والا غلام' جس کی نیت ادائیگی کی ہو' ایک اور تیسرے کا بیان کیا۔ اب خیال فرمایئے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ کرائے کا بچھڑا داخل ہے؟ اسے نہ اس عورت سے کوئی تعلق ہے نہ اسے اس سے کوئی راحت حاصل ہے' نہ نکاح کے فوائد میں سے اور کوئی فائدہ اسے ہے۔ آخری حدیث میں تو ہے کہ نیک نیت نکاح کرنے والے کی مدد کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے' مگر اس حلالہ کرنے والے پر لعنت کرنے کا ذمہ دار اللہ ہے کیونکہ اس کے رسول ﷺ نے یہ خبر سنائی ہے اللہ آپ کو سچا کر دکھائے گا اور اس پر اپنی لعنت اتارے گا حالانکہ اگر یہ نکاح ہوتا تو یہ مستحق رحمت اور قابل مدد ہوتا۔ تم بتلاؤ کہ کیا کسی مستحب یا جائز بلکہ مکروہ بلکہ صغیرہ چھوٹے گناہ پر بھی لعنت آئی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ لعنت کبیرہ گناہ پر اس سے بھی بڑے کام پر پڑتی ہے۔ پس حلالہ وہ کبیرہ اور بدترین جرم ہے جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس گناہ پر لعنت کی' غضب کی' عذاب کی' دوزخ کی سزا کا بیان ہے وہ کبیرہ گناہ ہے۔ مسلمانو بتلاؤ' ان ڈیڑھ لاکھ صحابہ میں جن میں طلاقیں بھی ہوتی تھیں۔ فرمایئے کسی ایک نے بھی حلالہ کیا یا کرایا یا اسے کہا۔ تم سوچو تو سہی کہ آخر کیا بات ہے جو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ فلاں نے حلالہ کیا اور فلاں نے کرایا تو میں اسے سنگسار کیے بغیر ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حنفیو! تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں کہ متعہ حرام ہے حالانکہ نکاح میں جو مقاصد ہیں متعہ میں سب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ صرف یہ ہے کہ وہ ہمیشگی کیلئے ہوتا ہے اور یہ وقت مقرر تک کے لئے۔ لیکن تاہم متعہ حرام ہے۔ پھر یہ حلالہ جو منٹوں کے لیے ہوتا ہے ایک ایک چونچ ہوئی اور ختم۔ یہ حلال کیسے ہو جائے گا؟ ان کی عقلوں پر اللہ جانے کون سے پردے پڑے ہوئے ہیں جو اس حرام کاری کو نکاح کہہ دیتے ہیں حالانکہ اس کا مقصود اور نکاح کا مقصود بالکل الگ الگ ہے۔ نکاح ملاپ کا نام ہے اور یہ علیحدگی کی شرط سے ہوتا ہے نکاح میں یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی ملے' اب مل کر ہی رہیں گے یہاں تک کہ موت ان میں جدائی کر دے یہاں تو پہلے سے طے ہوتا ہے کہ ملیں گے اور ملتے ہی ناپاک کر کے الگ الگ ہو جائیں گے۔

پس کیسے ممکن ہے؟ کہ جس پاک شریعت نے متعہ کو حرام کیا وہ اس کو حلال کہے؟ عقلاً محال ہے کہ ان دونوں باتوں کو ایک شرع میں مانا جائے۔ باوجودیکہ متعہ ابتداء شرع میں حلال بھی رہ چکا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کیا بھی ہے بلکہ کسی نے حضور ﷺ کے بعد بھی اس کا فتویٰ دے دیا ہے' مگر یہ حلالہ جیسی حرام صورت تو اسلام میں کبھی حلال نہیں ہوئی۔ کسی صحابی نے اسے نہیں کیا نہ کسی نے اس کا فتویٰ دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اب سے ان دلائل کو دیکھنے کے بعد سے کوئی اس پاجی پن کو حلالہ نہیں کہے گا بلکہ حرامہ کہے گا جس سے زیادہ کھلی بدکاری کوئی نہیں ہو گی۔ دراصل ضمناً یہ بحث یہاں آگئی تھی ہم نے قدرے بیان کر دیا ورنہ اس کی حرمت اور اس کی برائی اس کی قباحت اور اس کی لعنت کو کھول کر بیان کرنے کیلئے تو بڑے سے بڑا دفتر بھی ناکافی ہے۔ ہمارا مقصود یہ تھا کہ اللہ اور رسول اللہ اور اصحاب پیغمبر رب کے نزدیک حلالہ اتنا بدترین جرم اور اس قدر انسانیت سوز حرکت ہے' اسی برائی کو سامنے رکھ کر لوگوں کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیتے ہوئے دیکھ کر پھر حلالہ کے مروج ہو جانے کے ڈر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ راہ اختیار کی کہ ان تین کو تین شمار کر لی جائیں تاکہ اس طرح کی طلاق بند ہو جائے اور حلالہ کی آنے والی مصیبت کے قدم ٹوٹ جائیں۔ پس جس طرح زمانے کے پلٹنے کے ساتھ یہ حکم پلٹا تھا اسی طرح جبکہ زمانے نے پھر کروٹ لی کیا وجہ کہ حکم نہ پلٹ دیا جائے؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان تین طلاقوں کو تین کہنے سے لوگ حلالہ کی لعنت میں بکثرت گرفتار ہونے لگے۔ اب درۂ فاروقی تو ہے نہیں قانون فاروقی نہیں ہے لے دے کر ایک یہی چیز باقی رہ گئی ہے جس سے آپ اس خلاف شرع فعل سے اور اس حرامہ سے روک سکتے ہیں وہ یہ کہ لوگوں پر پھر سے اس آسانی کو لے آئیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے کی تھی۔ اور جو صدر اول میں جاری تھی یعنی کہہ دیجئے کہ تو نے جو حماقت کی اور تین طلاقیں ایک ساتھ دیں یہ شرعاً ایک ہیں جا اگر عدت میں ہے تو رجوع کر لے تاکہ اسے حلالہ کی ضرورت نہ پڑے اور وہ اس حیا سوز پاجیانہ گدھا پن میں مبتلا نہ ہو۔ ورنہ ایک تو تین ایک ساتھ دینے کی حرمت کا مرتکب ہوا دوسرے حلالہ کی لعنت کا مرتکب ہو گا۔ اور اس کے بعد جن برائیوں کا دروازہ کھلے گا وہ الگ ہوں گی جن کا کچھ نمونہ میں آپ کو دکھلا چکا ہوں اگر کسی کو اللہ نے دین کی سمجھ دی ہو' اس کی ہدایت کی آنکھ تقلید کے کنکر نے نہ پھوڑ دی ہو' اس کا دماغ اور دماغ میں سمجھ صحیح سالم ہو اور کوئی اس کے سامنے یہ دونوں چیزیں پیش کر دے یعنی تین طلاقوں کا ایک ہونا اور حلالہ تو وہ صحیح وزن کر کے اس تفاوت کو بتلا دے گا جو ان دونوں میں ہے اسے معلوم ہو جائے گا کہ دین کا مسئلہ کہلوانے کے لائق کیا ہے؟ اور مسلمانوں کی مصلحت کے قابل کیا ہے؟ الغرض مندرجہ بالا بحث و دلائل سے ہم نے یہ دونوں مسئلے واضح کر دیئے ہم جانتے ہیں کہ تقلید جامد جن کی گھٹی میں پڑ چکی ہے وہ تو آنکھیں قدرتی طور پر بند نہ ہو جائیں اس سے پہلے کبھی اپنی آنکھیں نہ کھولیں گے۔ ہاں جنھیں توفیق الٰہی سے تحقیق نصیب ہوئی ہے وہ ہر وقت حق کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔ یہ تھا نمونہ ان مسائل کا اور یہ تھا اس پہاڑ کا ایک پتھر اور اس کان کا ایک کنکر۔

فتوؤں میں احتیاط کی ضرورت : وہ فتویٰ جس سے حلالہ رکے شریعت میں ہے مفتیوں نے یہ فتویٰ دیا ہے اور بعض اہل علم کا مسئلہ بھی یہ ہے پس یہ حلالہ سے بہت ہی بہتر ہے بلکہ اگر کوئی فتویٰ دے کہ حلالہ کا سانڈ اس سے ملنے سے پہلے ہی اسے الگ کر دے پھر وہ اس پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی تو ہمارے نزدیک تو یہ فتویٰ بھی حلالہ جیسے حرام کام سے تو بہتر ہے کم سے کم اس میں تہذیب و لحاظ تو ہے۔ بے شرمی بے حیائی اور بے غیرتی تو نہیں۔ باقی شریعت کا خلاف سو جیسا یہ ویسا وہ لیکن جن دلائل میں حلالہ کی ممانعت ہے جن میں اسے کھلے لفظوں میں لعنتی

فعل بتلایا ہے وہ بکثرت ہیں۔ صحابہ اور سلف کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے برخلاف دخول کی شرط کی روایتیں اس قدر نہیں اور اس میں تابعین کا اختلاف بھی ہے پس اس کی مخالفت بہ نسبت حلالہ کی حرمت کی حدیث کی مخالفت کے بہت کم درجے کی ہے۔ گو حق یہ ہے کہ تمام نصوص مقبول ہیں' کوئی فرمان الٰہی و رسول قابل ترک نہیں۔ تم آپ دیکھو حضور ﷺ کے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں ایک شمار ہوتی تھیں اور حلالہ فعل حرام خفیہ زنا مانا جاتا تھا پھر خلافت ثانیہ کے تین پہلے برسوں میں بھی یہ نقشہ بدستور رہا۔ بلکہ حلالہ کے مسئلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شدت مشہور تھی اور سب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور ہم نوا تھے۔ لیکن اس زمانے میں حلالہ بڑھ گیا وہ بکثرت اور مشہور ہو گیا۔ کیونکہ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں تین ہی شمار ہونے لگیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو سزا اُنھیں ملتی تھی وہ اس زمانے میں ان پر جاری نہیں کی جا سکتی کیونکہ اکثر لوگ تو جانتے ہی نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دینا حرام ہے اور اس کی وجہ بھی تقلید ناسدید ہے' فقہاء نے کہہ دیا کہ حرام نہیں تو اب ان مقلدین کو کہاں توفیق کہ قرآن و حدیث دیکھیں؟ پس جو اسے حرام جانتا ہی نہیں اس پر سزا کیسی؟ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے فتوے دیئے کہ یہ تین تین ہی ہیں تو یہ حلالہ کے دروازے کھول لیں گے یہ تو پھر ان مست سانڈوں کے طویلے بنالیں گے جہاں سے یہ کرائے کے ٹٹو سستے کرائے پر مل جائیں اور مسلمان عورتوں کی متاع عفت و عصمت لوٹیں۔ زمانہ فاروقی میں اگر ایک طرف یہ جرمانہ تھا تو دوسری جانب حلالہ بند تھا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر بالفرض حلالہ شریعت میں کسی جگہ ہوتا بھی (معاذ اللہ) تاہم اب ممنوع ہو جاتا کیونکہ بطور علاج اور بات ہے اور بطور غذا اور بات ہے اب تو حلالہ نے باقاعدہ فحش کاری کی صورت اختیار کرلی ہے۔ پس بطور سد ذریعہ اور بندش سبب کے مفتیوں اور قاضیوں پر ضروری تھا کہ وہ اسے بند کر دیتے۔ میں کہتا ہوں یہ تو بہت صاف اور بالکل ہی بلاشک چیز ہے کہ وہ مسئلہ جو زمانہ نبوی میں زمانہ صدیقی میں زمانہ فاروقی میں تھا بہت بہتر ہے بہ نسبت اس ناپاک بدکاری کے جس کا نام حلالہ رکھ لیا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ کو چھوڑ کر اپنی مسلسل تحریر پر آتے ہیں۔ سات مثالیں ہم بیان کر چکے ہیں اب آگے سنیے۔

آٹھویں مثال :

فتوے کو بدلنے والی چیز میں عرف و عادت کے بدل جانے کو بھی بڑا دخل ہے۔ خصوصاً قسموں' نذروں اور اقرار وغیرہ میں مثلاً ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ میں جانور پر نہ بیٹھوں گا' ان کے ہاں ایسے وقت جانور سے مراد صرف گدھا ہوتا ہے تو اس کی قسم اسی وقت ٹوٹے گی جب یہ گدھے پر سوار ہو لیکن گھوڑے اونٹ وغیرہ پر سواری کرنے سے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ ان کے ہاں کا عرف اور ان کے ہاں کی عادت یہی ہے۔ اگر ان کے عرف میں دابہ اور جانور کہہ کر گھوڑا مراد لیا جاتا ہو تو اس کی قسم صرف گھوڑے پر ہی واقع ہو گی۔ اسی طرح اگر قسم کھانے والا کوئی اور آدمی ہے اور اس کی کوئی مخصوص سواری ہے تو اس کی قسم میں بھی وہی معتبر سمجھی جائے گی اور ہر ایک کو اس کی عادت و عرف کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں سری نہیں کھاؤں گا وہاں دستور یہ ہے کہ سری بکری کی کھائی جاتی ہے تو اگر اس نے پرند کا سر کھالیا تو اس کی قسم نہیں گئی۔ مچھلی کا بھیجا کھالیا تو یہی حکم ہے ہاں اگر ان کی عادت میں مچھلی کا سر پرند کا بھیجا کھانا بھی ہے تو ان کے کھانے سے بھی ان کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور مثال لیجئے کوئی قسم کھاتا ہے کہ میں اسے خریدوں گا نہ بیچوں گا نہ بوؤں گا نہ کاٹوں گا لیکن وہ مالدار زمیندار آدمی ہے عادت اس کی یہی ہے کہ ملازمین سے یہ سب کام لیتا ہے تو اس کا اپنے آدمیوں سے یہ کام لینا بھی اپنی قسم کو توڑنا ہے ہاں اگر عادت اس کی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے سب کرے

تو بیشک اس کا آدمیوں سے کام کرانا وکیل اور نائب مقرر کرنا یہ اس کی قسم کے خلاف نہ ہو گا ہاں اگر اس کا قصد علی الاطلاق ہے تو یہ بھی علی الاطلاق ہی رہے گا۔ دیکھ لیا جائے گا کہ وجہ قسم کھانے کی کیا ہوئی؟ مقصد کیا تھا؟ اس بنا پر کسی بادشاہ نے بہت بڑے رئیس سے کہا کہ میں اسے اتنا اتنا دوں گا بڑی گنتی کا نام لیا پھر کہنے لگا میں تو درہم دوں گا یا روٹیاں دوں گا تو یہ معتبر نہیں۔ ہاں اس کا اقرار اگر کسی فقیر یا تنگ دست شخص نے کیا ہے کہ اس کی حیثیت کے مطابق یہ بہت بڑی چیز ہے تو بیشک یہی معتبر ہے۔

لفظ گو ہوں مگر نیت نہ ہو تو پکڑ نہیں :

سنیے! کسی سے کہا گیا کہ تیری لونڈی یا تیرا غلام بدکار ہے' اس نے جواب میں کہا نہیں بلکہ وہ دونوں آزاد ہیں' میں نہیں جانتا کہ وہ بدکار ہوں تو صاف فیصلہ اور شک بغیر کا فتویٰ یہی ہے کہ یہ آزاد نہیں نہ تو دنیاداری فیصلے کے طور پر نہ اللہ کے ہاں۔ اس لیے کہ نہ یہ اس کے ارادے میں تھا نہ کوئی قرینہ یہاں آزادگی کا ہے نہ ظاہر میں نہ احتمال میں پھر اتنی سی بات سے اس سے اس کے غلام یا لونڈی کو الگ کرا دینا بالکل ناواجبی حرکت ہے۔ (۲) ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر میں تجھے حمام میں جانے کی اجازت دوں تو تجھ پر طلاق ہے۔ اب وہ عورت حمام میں جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اس نے کہا جا اور دیکھ بھال لے۔ پھر اس نے بعض مفتیوں سے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فتویٰ دیا کہ وہ عورت مطلقہ ہو گئی۔ اس نے کہا مفتی صاحب آخر کس بنا پر آپ اس طلاق کو مجھ پر چمٹا رہے ہیں۔ اس نے کہا تو نے جو کہا کہ جا اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ لفظ اسے بطور اجازت دینے کے تو نہیں کہا بلکہ ڈانٹنے اور دھمکانے کیلئے کہا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تو نہیں جا سکتی دیکھو قرآن میں بھی اس طرح کا جملہ ہے :

﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (فصلت : ۴۰) یعنی جو چاہو کرو میں تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہوں۔ تو کیا اس آیت سے لوگوں کو اجازت ہو گئی کہ جو ان کے دل میں آئے کرتے رہیں مفتی صاحب سٹ پٹائے تو ضرور لیکن پھر کہنے لگے ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ آپ کی زبان سے عورت کو جانے کی اجازت ملی۔ اس لیے حسب شرط طلاق واقع ہو گئی۔ اس نے کہا حضور میں نے تو اسے اجازت کے لیے کہا ہی نہ تھا میرا مطلب تو اسے روکنے کا تھا لیکن آخر تک مفتی صاحب کی موٹی سمجھ میں نہ آیا اور اس نے اس میاں بیوی میں تفریق کرا دی جو اللہ اور رسول ﷺ کی منشا کے خلاف تھی اور کسی امام کے ماتحت نہ تھی۔ ان مفتیوں ان فقیہوں اور ان ملا مولویوں سے اللہ سمجھے کہ یہ فقہ میں غوطے لگانے والے جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں سے بے خبر ہوتے ہیں وہاں لوگوں کی حالتوں ان کے قصدوں اور ان کی مصلحتوں سے بھی یکسر نابلد ہوتے ہیں۔ مخلوق پر اُنھیں شفقت نہیں ہوتی۔ آیت میں تو اجازت نہیں مانتے لیکن اس شخص کی بات میں اجازت کے سوا اور کچھ نہیں مانتے۔ (۳) ایک غلام اپنے مالک کے پاس آتا ہے۔ مالک نے اسے کسی سخت مشکل کام میں جوت رکھا تھا آکر کہتا ہے بس آپ اب تو مجھے آزاد کیجئے وہ کہتا ہے ہاں میں نے تجھے آزاد کیا تو یہ آزاد نہیں ہو گا یعنی ملکیت سے نہیں نکل جائے گا کیونکہ یہاں آزاد کرنے سے مراد ام سے فرصت دینا ہے۔ نیت آزادگی کی نہیں گو لفظ ہیں۔ (۴) اسی طرح اگر اپنی بیوی کی نسبت کہا کہ یہ میری بہن ہے اور نیت رکھی کہ دینی بہن ہے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ نہ اس پر ظہار کا کفارہ آئے گا یاد رکھو! صریح لفظ بذاتہٖ کسی حکم کے موجب نہیں۔ بلکہ یہ موجب اس حیثیت سے ہیں کہ ہم ان سے متکلم کے قصد کو سمجھتے ہیں کہ جب اس نے اپنے بس اپنے اختیار یہ الفاظ کہے تو اس کا مقصود کیا تھا؟ پس اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے ان الفاظ سے یہ معنی مراد ہی نہیں لیے تھے پھر تو صاحب بڑی زبردستی ہے کہ جو اس کے ذہن میں بھی نہ ہو ہم اس کے

سر پر چپک دیں؟ بلکہ اس میں ایک طرف تو شریعت کے ذمے بہتان باندھنا ہے دوسری جانب اس شخص کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

بحالتِ اکراہ و زبردستی کفر و طلاق وغیرہ کوئی چیز نہیں :

جس شخص پر جبر و اکراہ زبردستی اور سختی کی جائے اور وہ کلمہ کفر کہہ دے تو چونکہ اس کلمہ کا معنی اس کا مقصود نہیں نہ اس کی نیت میں ہیں۔ اس لیے خدائی مواخذہ اس پر نہیں۔ اسی طرح ایسی زبردستی کی حالت میں طلاق آزادگی وقف قسم نذر سب ہی کچھ ناقابل گرفت ہیں کیونکہ بلانیت و قصد ہیں۔ پس ثابت ہے کہ لفظ سے اس کا بولنے والا جب قصد رکھے گا تو اس کا معنی واجب ہو گا۔ اسی طرح رب العالمین نے اس شخص پر سے بھی مواخذہ اٹھالیا ہے جو اپنے دل میں کوئی بات کرے لیکن اپنی زبان سے نہ نکالے نہ عمل کرے جیسے کہ اسے بھی معاف فرمایا ہے جو زبان سے نکالے لیکن مقصود معانی نہ ہوں نہ مراد ہوں۔ اسی لئے اس شخص کے کفر کا حکم نہیں لگا دیا گیا جس کی زبان پر اس کے قصد ارادے کے بغیر کفر کا کوئی کلمہ آجائے بوجہ کسی خاص دہشت و وحشت کے یا بوجہ کسی خاص خوشی اور سرور کے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو جائے اسی پر اس کا توشہ بھتا اور پانی کی مشک ہو۔ وہ ہرچند اسے تلاش کرتا ہے نہیں پاتا' مایوس ہو جاتا ہے کہ دیکھتا ہے کہ وہ موجود کھڑی ہے تو خوشی کے مارے بے ساختہ اس کی زبان سے نکل جاتا ہے کہ بیشک خدایا تو ہی میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں' انتہائی خوشی اور سرور میں بہک جاتا ہے اس لیے اس پر کوئی پکڑ نہیں۔ اسی طرح اگر سخت غُصّے کی حالت میں ہے تو بھی یہی حکم ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے جس طرح لوگ بھلائی کی دُعا کی قبولیت میں جلدی کرتے ہیں میں ان کی بری دعاؤں کی قبولیت میں ایسی ہی جلدی کرتا تو یہ بہت ہی جلد برباد ہو جاتے۔ آیت : ﴿ وَلو یعجل اللہ ﴾ الخ' میں شروخیر کے لفظوں سے بھی بد دُعا اور نیک دُعا سلف سے منقول ہے۔ انسان اپنے نفس پر' اپنی اولاد پر' اپنے اہل و عیال پر' غضب و غُصّہ کے موقع پر ہلاکت کی اور تباہی کی اور دیگر بددعائیں کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اگر میں بھی ان کی ان بددعاؤں کو بھی ان کی نیک دعاؤں کی طرح قبول کرلوں تو یہ غارت ہو جائیں۔ ان کے بال بچے تباہ ہو جائیں ان کے مال فنا ہو جائیں بلکہ اللہ اُنھیں قبول نہیں فرماتا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ دراصل دُعا کرنے والے کا مقصود یہی نہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا طلاق کا حکم اس شخص پر سے اٹھالینا ہے جو اغلاق کی حالت میں طلاق دے۔ اغلاق کے معنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے غضب و غُصّہ کے مروی ہیں۔ ابوداؤد نے بھی اس کی تشریح یہی کی ہے یہی قول قاضی اسماعیل بن اسحاق کا ہے جو مالکیہ کے ایک امام ہیں اور عراقی مالکیوں کے پیشوا ہیں۔ ان کے نزدیک جو حال اس طلاق کا ہے۔ وہی حال غضب کے وقت کی قسم کا ہے کہ وہ بھی لغو قسموں میں داخل ہے جن پر پکڑ نہیں۔ لغو قسم' غضب کی قسم اور اغلاق کی قسم سب لغو ہیں۔ احکام عبدالحق کے شارح نے اسے ان سے نقل کیا ہے جن کا نام ابنِ بزیزہ اندلسی ہے۔ یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کا ہے کہ غضب و غصہ کے وقت جو قسمیں زبان سے نکل جائیں وہ لازمی نہیں ہیں۔ سنن دارقطنی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ غضب کے وقت کی قسم کچھ نہیں جس غلام لونڈی کا انسان مالک نہ ہو اس کی آزادگی کوئی چیز نہیں۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا تو ثابت نہیں تو بھی کم سے کم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اغلاق کی تفسیر غضب سے کی ہے۔ مسروق نے بھی پس یہ مندرجہ ذیل اشخاص ہوئے۔ مسروق' شافعی رحمۃ اللہ علیہ' احمد رحمۃ اللہ علیہ' ابوداؤد

رحمۃ اللہ علیہ' قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ۔ یہ بہترین تفسیر ہے اس لیے کہ سخت غُصّے اور غضب کی حالت میں شدتِ غضب کی وجہ سے انسان پر عقل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے کوئی مقصود نہیں رہتا۔ اس کا کلام بلاقصد ہوتا ہے۔ پس یہ شخص بھی جبکہ اس قسم کے غُصّے کی حالت میں ہے کہ زبان بے قصد چل رہی ہے مثل اس شخص کے ہے جس پر اکراہ اور جبروزبردستی کی گئی ہے بلکہ اس قدر عقل کو زائل کر دینے والا غُصّہ جس کو چڑھا ہے وہ دراصل اس شخص سے بھی زیادہ معذور سمجھا جانے کے قابل ہے۔ جس پر جبرواکراہ اور زبردستی کی جا رہی ہے' کیونکہ اکراہ کی حالت میں انسان کا ایک قصد ضرور ہوتا ہے وہ اپنے آپ نہیں ہوتا ہے اس کے سامنے تو دو برائیاں ہوتی ہیں۔ ایک ہلکی ایک بھاری ایک چھوٹی ایک بڑی۔ یہ قصد کر کے سوچ سمجھ کر کم برائی کو اختیار کرتا ہے تاکہ بڑی اور بہت سی برائی سے بچ جائے۔ پس اس کا کوئی نہ کوئی قصد اس کے سامنے ضرور ہوتا ہے اور اسی چیز کو مدنظر رکھ کر بعض لوگوں نے اکراہ کے وقت کی طلاق کو جاری کر دیا ہے لیکن یہ غضب ناک شخص تو زبان سے کہہ رہا ہے مگر نہیں جانتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اس کے دل میں جس چیز کا خیال ہی نہیں وہ بلا قصد اس کی زبان سے نکل رہا ہے۔ پس اس سے بڑھ کر مغلق کون ہو گا؟ جس طرح شرابی انتہائی نشے کی حالت میں بلا قصد و علم بکتا رہتا ہے۔

اسی طرح یہ ہے جس طرح مجنون' پاگل اور خبطی انسان جو زبان پر چڑھا نکال دیتا ہے اسے نہیں معلوم کہ میرے ان الفاظ کا نتیجہ کیا ہو گا یہ گالی ہے یا دعا۔ یہ بد ہے یا بھلا اسی طرح کی حالت جس شخص کی غُصّے کی حالت میں ہو گئی بلا شک اس کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ جس طرح مجنون اور نشے باز اکراہ کیے گئے شخص کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ غُصّے کی یہ انتہائی ڈگری اس کی عقل کو چو طرف سے بے کار کر دیتی ہے۔ شراب کا نشہ لوگوں کو جس طرح بے عقل کر دیتا ہے اس سے کہیں زیادہ غُصّے کی تیزی انسان کی عقل کو کھو دیتی ہے۔ یہ تو دیوانہ پن کی ایک شاخ ہے جسے اللہ نے سچی سمجھ دے رکھی ہے جس کے دل میں عقلمندی رچی ہوئی ہے۔ وہ تو بغیر کسی شک شبہ کے یہ باور کر سکتا ہے کہ بے شک ایسے غُصّے کے وقت کی طلاق دراصل کوئی چیز نہیں۔ یہ طلاق دے تو تواضع نہ ہو گی۔ (یاد رہے کہ جس غُصّے کے وقت کی طلاق نامعتبر ہے وہ اس درجے کا غُصّہ ہے' نہ کہ مطلق غصہ' تمام طلاقیں عموماً غُصّے میں ہی دی جاتی ہیں جو شرعاً بالکل صحیح طور پر معتبر ہیں) یہی وجہ ہے کہ اس امت کے فاضل تر شخص نے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچی سمجھ کی دُعا دی تھی فرمایا ہے کہ طلاق تو کسی خاص غرض کیلئے ہی ہوتی ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف۔ پس طلاق دینے والے کے ذہن میں وہ غرض ہوتی ہے اس کے حاصل کرنے کیلئے وہ طلاق دیتا ہے۔ یہ ہے کمال فقہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور یہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی قبولیت اس لیے کہ الفاظ پر ان ۔کہ موجبات اسی وقت مرتب ہوتے ہیں۔ جب الفاظ کا کہنے والا اسی قصد سے وہ الفاظ کہے۔ یہی وجہ ہے کہ لغو قسموں پر ہماری پکڑ نہیں جس کی تفسیر بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جمہور سلف صالحین انسان کا یہ کہنا ہے نہیں قسم ہے اللہ کی اور ہاں قسم ہے اللہ کی جو بات چیت میں یونہی عادۃً نکل جاتا ہے۔ وہاں قسم کھانا مقصود و مراد نہیں ہوتا بلکہ اسے سبقت لسانی سمجھ لیجئے۔ پس اسی طرح طلاق کی لغو قسموں میں بھی کوئی مواخذہ نہیں مثلاً کسی نے اثنائے گفتگو میں کہہ دیا کہ میں نہیں کروں گا۔ اگر کر لوں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ یا کہہ دے کہ میں نہیں کروں گا اگر کروں تو مجھ پر طلاق لازم ہے۔ یہاں نہ تو اسے طلاق دینا مقصود ہے نہ طلاق پر قسم کھانا اس کی نیت میں ہے بلکہ اسم رب جل جلالہ کے ساتھ جب کہ لغو طور پر قسم منعقد نہیں ہوتی تو طلاق کا نہ ہونا بطور اولیٰ ہے۔ کیونکہ طلاق کی حرمت و عزت کچھ نام الٰہی سے تو زیادہ نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے دو قولوں

میں سے ایک یہی ہے اور یہی درست و مناسب ہے۔ نص امام احمد رحمہ اللہ پر اسی کی تخریج ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے کھلے لفظوں میں طلاق کی قسم میں استثنا کا معتبر ہونا مروی ہے۔ کیونکہ یہ ان کے نزدیک قسم ہے اور یہ بھی امام صاحب سے لفظاً مروی ہے کہ لغو قسم نہیں قسم ہے اللہ کی اور ہاں قسم ہے اللہ کی یہ انسان کا کہنا ہے بوقتیکہ اس کا قصد قسم کا نہ ہو۔ اس کی ایک بہت بڑی دلیل اور بھی سنیے کہ زبان کے ساتھ جب تک دل بھی نہ ہو الفاظ کا جو بلا نیت و قصد ہوں کوئی اعتبار نہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے باپوں کی قسم سے روک دیا ہے۔ پس غیر اللہ کی قسم ممنوع ہے (بلکہ ایک حدیث میں اسے شرک قرار دیا ہے) باوجود اس کے صحیح سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی باتوں میں فرمایا اس کے باپ کی قسم اگر یہ سچا ہے تو نجات پا گیا۔ پس صحیح بات اور دونوں حدیثوں سے تعارض اٹھانے کی تطبیق یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہرگز قصداً غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی بلکہ عرب کی عادت کے مطابق زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ بلا قصد و نیت زبان سے نکل گئے۔ دیکھئے اسی کی دلیل میں اور واقعہ سنیے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تم میرے باپ کے غلام ہی تو ہو۔ (یہ واقعہ حرمت شراب سے پہلے کا ہے) اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ اسی وقت نشہ شراب میں قرآن اُلٹ سلٹ پڑھ جاتا ہے یعنی : ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② ﴾ ونحن نعبد ماتعبدون معنی اور مطلب کے لحاظ سے یہ صریح کفر ہے لیکن چونکہ الفاظ کے ساتھ قصد متعلق نہ تھا اس کے کہنے سے کفر عائد نہ ہوا بلکہ نشے کی حالت میں بلا قصد یہ الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ ان کے معنی مراد نہ تھے۔ الغرض یاد رکھو خبردار کبھی بولنے والے کے الفاظ کی طرف جا کر اس کے قصد و نیت و عرف و عزم کو مہمل نہ چھوڑ دینا ورنہ اس مسکین پر کوئی فتویٰ جڑ دے گا اور شریعت الٰہی میں کوئی بہتان باندھ دے گا اور اللہ کی باتوں میں اپنی بات ملا دے گا اور قسم کھانے والے' اقرار کرنے والے' نذر ماننے والے اور کوئی گرہ لگانے والے پر وہ لازم کر دے گا جو فرمانِ الٰہی و فرمانِ رسول ﷺ میں اس پر لازم نہ ہو۔ یاد رکھو! اور ہمیشہ یاد رکھو جو واقعی فقیہ ہیں وہ تو یہی دریافت کرتے ہیں کہ تیرا مقصود مدعا مطلب مراد اور نیت و قصد کیا تھا؟ ہاں جو برائے نام فقیہ ہیں وہ الفاظ پر ہی تان توڑ دیتے ہیں۔ سنو! لغو کا درجہ اقوالِ انسانی میں وہی ہے جو خطا اور نسیان کا درجہ افعال انسانی میں ہے ظاہر ہے قرآن میں ہے کہ اللہ نے اس پر سے اپنا مواخذہ ہٹا لیا ہے۔ مسلمانوں نے رب سے دُعا مانگی کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے اگر بھول چوک خطا اور غلطی ہو گئی ہے تو تو ہمیں نہ پکڑ اس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا میں نے ایسا ہی کیا۔

فصل : طلاق کی اور آزادگی کی قسم کے مسائل :

اسی قسم میں یہ دونوں چیزیں بھی داخل ہیں جب اس قسم کھانے والے سے خلاف ورزی ہو جائے تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ نئے نئے فتوے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کے ہیں۔ کسی صحابی سے یہ محفوظ نہیں کہ اس نے اس سے طلاق کو لازم کر دیا ہو۔ ہاں شرط و جزا کے موقعہ پر وجود شرط کے وقت تو البتہ اسے طلاق ہو جانے کا فتویٰ ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر اس کی عورت گھر سے باہر نکلے تو اس پر طلاق بتہ ہے۔ اب فرمائیے کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ گھر سے نکلی تو طلاق ہو جائے گی اور یہ عورت اس سے الگ ہو جائے گی۔ اگر نہ نکلے تو کوئی بات نہیں۔ اس میں بیشک کوئی نزاع نہیں نہ اس میں کسی کو خلاف ہے۔ بجز ان کے جو مطلقاً کسی تعلیق کے ساتھ کی طلاق کے قائل ہی نہیں۔ لیکن جو صرف قسم اور اس تعلیق میں جس میں مقصود وقوع کا ہوتا ہے فرق کرتے ہیں وہ اس باب میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو مروی ہے

وہی کہتے ہیں کئی ایک صورتوں میں وقوع ہے اور کئی ایک میں نہیں ہر ایک صورت کا الگ الگ حکم ہی ٹھیک ہے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ ان کے کسی فتوے کو لے لیں اور کسی کو چھوڑ دیں۔ وقوع کا ایک تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہما والا قصہ جو بخاری شریف کے حوالے سے گزرا۔ دوسرا فتویٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے کہتا ہے اگر تو فلاں کام کرے تو تجھ پر طلاق ہے پس اگر وہ اس کام کو کرلے تو اس پر ایک طلاق پڑ جائے گی اور وہی اس کا پورا حقدار ہے۔ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے کہے کہ آئندہ سال تجھے طلاق ہے تو وہ پورے سال تک اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی بیوی صاحبہ نے جب لیلۃ القدر کے دریافت کرنے پر بہت زور دیا اور سر ہو گئیں تو آپ نے غُصّے ہو کر فرمایا اگر اب تو نے سوال کیا تو تجھے طلاق ہے۔ یہاں کتنا عجب لطیفہ پیدا ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کی نسبت دریافت کیا اور بے طرح پیچھا کیا۔ بار بار سوالات شروع کر دیئے۔ آخری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو خبردار جو اب مجھ سے کچھ پوچھا ہو گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خاموش ہو گیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور باتوں میں لگ گئے۔ جب میں نے باور کرلیا کہ اب وہ بات آپ کے ذہن میں نہ رہی ہو گی تو میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ کی قسم! آخر میرا بھی تو آپ پر حق ہے فرما ہی دیجئے کہ آخر عشرے کی کون سی رات لیلۃ القدر ہے؟ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے غضبناک ہوئے کہ کبھی اس سے پہلے یا پیچھے ایسے غضبناک نہیں ہوئے۔ اور فرمایا آخری ہفتے میں تلاش کرلو بس اب کچھ نہ پوچھنا (نسائی اور بیہقی) بس یہی یہاں بھی ہوا کہ اپنی بیوی کی الحاح سے اور اسی سوال کی کثرت سے گھبرا گئے غُصّہ آگیا اور فرمایا کہ اب اگر پوچھا تو تجھ پر طلاق ہے یہ تو تھے طلاق معلق کے واقع ہونے کے فتاوے اور آثار صحابہ۔ اس کے خلاف آثار سنیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ' حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ اس کے کل غلام آزاد ہیں اگر اس کا خاوند اس کے غلام اور اس کی بیوی میں تفریق نہ کر دے تو اس عورت پر کفارہ لازم ہے مرد تفریق نہ کرے اثرم نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ ابورافع نے انھیں خبر دی ہے کہ ان کی مالکہ جن کا نام لیلیٰ بنت عجما تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ اگر تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی تو میرے کل غلام آزاد ہیں اور میرا کل مال صدقہ ہے اور میں یہودیہ ہوں اور نصرانیہ ہوں۔ میں حضرت زینب بنت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے گیا اس لیے کہ میری یہ مالکہ اکثر ان کا ذکر کرتی تھیں اور ان کی فقہ کی تعریف کیا کرتی تھیں۔ میری بات سن کر وہ میرے ساتھ میرے مکان میں آئیں اور فرمانے لگیں کیا اس گھر میں ہاروت ماروت قید ہے؟ میری اس مالکہ نے اب اپنا واقعہ اور اپنی قسم ان سے بیان کی تو انھوں نے کہا واہ واہ یہودیہ اور نصرانیہ؟ چھوڑ اس شخص کو اور اس کی بیوی کو ملا جلا رہنے دے۔ پھر میں اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اسے بلوایا اس نے جا کر ان سے بھی کل واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے بھی یہی فتویٰ دیا کہ یہ قسم کوئی چیز نہیں یہ دونوں میاں بیوی بن کر رہیں۔ اِس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ میرے ساتھ میرے گھر آئے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا میری مالکہ نے ان سے بھی معاملہ بیان کر کے فتویٰ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تم پتھر کی ہو؟ یا لوہے کی؟ آخر ہو کس چیز کی؟ تمہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فتویٰ دیا پھر اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فتویٰ دیا پھر بھی تمہاری سیری نہیں ہوئی؟ اس نے پھر سے اپنے الفاظ دوہرائے کہ میں تو اتنے سخت الفاظ اپنی زبان سے نکال چکی ہوں فرمایا ہاں ہاں یہودیہ! اور نصرانیہ؟ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اسے اور اس کی بیوی کو ملا جلا رہنے دے۔

ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے اپنی مترجم میں ذکر کیا ہے۔ رفیع کہتے ہیں کہ ایک انصاریہ عورت کا میں غلام تھا اور میری بیوی بھی ان کی لونڈی تھی۔ ایک دن وہ قسم کھا بیٹھیں کہ اگر میں اپنی بیوی کو الگ نہ کروں تو ان کے کل غلام آزاد ہیں اور ان کا کل مال صدقہ ہے۔ میں نے اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے لیکن یہ نہ مانیں۔ میں پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ان سے واقعہ کہا انھوں نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ اس نے اسے بھی نہ مانا۔ میں پھر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا لیکن اس نے پھر بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اب حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما خود اس کے پاس آئے اور فرمانے لگے تمھیں زینب رضی اللہ عنہا نے فتویٰ دیا اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فتویٰ دیا لیکن تم ابھی تک مانتی نہیں ہو؟ اس نے کہا حضرت میں نے ان سخت لفظوں میں حلف لیا ہے آپ نے فرمایا اگرچہ ان الفاظ میں قسم کھائی ہے۔ اس کا فتویٰ یہی ہے۔ دار قطنی میں ہے کہ حضرت ابو رافع کی مالکہ نے ان میں اور ان کی بیوی میں جدائی کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک دن صاف کہہ دیا کہ اگر تو نے میرا کہا نہ مانا تو میں ایک دن یہودیہ ہوں اور ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے کل لونڈی غلام آزاد ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فتویٰ پوچھا تو سب نے اس سے کہا کہ کیا تو ہاروت ماروت کی طرح کفر کرنا چاہتی ہے؟ اپنی قسم توڑ دے اس کا کفارہ ادا کر دے اور انھیں میاں بیوی بن کر رہنے دے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت تقریباً انہی الفاظ سے مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میرے ذمہ بیت اللہ شریف کا پیدل حج بھی ہے اور اس میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا نام بھی ہے اور سند میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام ہیں کہ انھوں نے اسے حکم دیا کہ یہ کفارہ ادا کر دے۔ اور سند میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا انھیں ڈانٹنا بھی مروی ہے۔ ان سندوں سے وہ علت رفع ہو گئی جو اس روایت میں بیان کی جاتی تھی کہ لیلیٰ والی حدیث میں ذکر عتق میں تیمی راوی کا تفرد ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے لیکن ان سندوں سے یہ تفرد کا داغ ہٹ گیا۔ پھر امام صاحب کا اصول یہ ہے کہ جس مسئلہ میں حدیث سے صراحتاً کوئی ثبوت نہ ہو اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلے سے ہٹ نہیں سکتے۔ پس اس اصل کی بنا پر بھی یہی قول واجب ہو جاتا ہے کیونکہ صحت ثابت ہو گئی؟ اور علت کا ارتفاع ہو گیا۔

ہاں ایک اور اعتراض باقی رہ گیا ہے اسے بھی سنیے کہ اس میں ایک علت اور ہے اور اسی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔ اثرم کی روایت میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ حدیث سن کر امام صاحب نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے دلیل پکڑی کہ دونوں نے لونڈی کے آزاد ہونے کا فتویٰ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ آلِ ذی اصبح کی ایک عورت نے قسم کھائی کہ اگر اس کا خاوند یہ نہ کرے تو اس کا مال راہِ اللہ ہے اور اس کی لونڈی آزاد ہے اس کے مقابلے میں اس کے خاوند نے بھی قسم کھا لی کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا تو دونوں نے جواب دیا کہ لونڈی تو آزاد ہے ہاں مال کی زکوٰۃ نکال دے اس کا جواب یہ ہے کہ اس اثر میں علت ہے۔ عثمان کا تفرد ہے اور لیلیٰ والی اوپر بیان شدہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہے اور عثمان کی اس حدیث سے زیادہ صحیح بھی ہے۔ اس کے راوی حفاظ ہیں اور ائمہ ہیں اور سب عثمان کے مخالف ہیں۔ پھر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے کہ جو شخص اپنے مال پر قسم کھائے وہ کفارہ ادا کرے۔

اچھا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ یہ مان لیا جائے کہ اس مسئلے میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے دو قول ہوئے۔ لیکن پھر بھی حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا تو ایک ہی قول رہا۔ امام ابو محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے صحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ لیلیٰ کی ان قسموں پر انھوں نے ایک قسم کے کفارہ دینے کا فتویٰ دیا۔ جب یہ ان صحابہ سے ثابت ہے اور اس کا خلاف معلوم نہیں بجز اس اثر کے جو عثمان کی رَوایت سے مروی ہے اور جو معلول ہے۔ پس ان سب کا یہ قول ہے کہ قسم کھانے والا کہتا ہے کہ اس کا غلام آزاد ہے اگر وہ ایسا کرے تو اسے کفارہ قسم کافی ہے اس پر اس غلام کی آزادگی لازم نہیں۔ ظاہر ہے کہ آزادگی غلام اللہ کے نزدیک بہت محبوب چیز ہے۔ جب یہ لازم نہیں کی گئی تو طلاق جو اللہ کے نزدیک نہایت ہی ناپسند چیز ہے وہ کیسے لازم ہو جائے گی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طلاق کی قسم کھانے والے پر کچھ بھی نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کے اس فتوے کا مخالف کوئی بھی معلوم نہیں۔ شرح احکام عبدالحق مصنفہ عبدالعزیز بن ابراہیم بن احمد بن علی تمیمی المعروف بہ ابنِ بزیزہ میں ہے۔

تیسرا باب طلاق کی قسم کے حکم میں یا اس میں شک کے بیان میں ہم نے کتاب الایمان میں علماء کا اختلاف بیان کر دیا ہے۔ طلاق کی اور آزادگی کی اور پیدل حج کرنے وغیرہ کی قسم کے بارے میں کہ آیا یہ لازم ہے یا نہیں؟ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور شریح اور طاؤس کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ اور جس نے طلاق کی قسم کھائی ہے اگر وہ اپنی قسم کے خلاف کرے تو طلاق نہیں ہو گی۔ صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کا مخالف کوئی بھی نہیں۔ انتھی بلفظہٖ۔ پس یہ ہیں فتوے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادگی اور طلاق کی قسم کے بارے میں اس سے پہلے ہم ان کے فتوے طلاق معلق کے بارے میں بھی نقل کر چکے ہیں۔ دراصل ان میں کوئی تعارض نہیں اس لیے کہ قسم کھانے والے کا اصلی مقصود طلاق دینا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اولین مقصد دراصل اپنے نہ چاہے ہوئے کام سے اپنے تئیں پوری طرح روکنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اوپر ایسی ایسی سختیاں عائد کر لیتا ہے جن سے وہ اس کام میں نہ پھنس سکے۔ مثلاً طلاق آزادگی، حج، روزہ، صدقہ وغیرہ جیسے کہ بارہا اپنے نفس پر کفر کی قسم کھا بیٹھتا ہے۔ پس جیسے کفر اس کے نزدیک مکروہ ہے ایسے ہی یہ چیزیں بھی۔ بطور قسم کے ان باتوں کو کہنا دلیل ہے کہ وہ ان چیزوں کے وقوع کا مقصد نہیں رکھتا۔ خیال فرمایئے یہ کتنی واضح چیز ہے تو جیسے کہ کفر کا وقوع اس کے نزدیک مکروہ ہے کیا وجہ کہ طلاق اور آزادگی کو بھی ہم اسی شمار میں نہ شمار کریں؟ دراصل ان میں کوئی فرق نہیں، یہ بھی ظاہر ہے کہ جب علت بغیر کسی شرط کے فوت ہونے کے باوجود مانع کے مخصوص ہو گی۔ تو یہی اس کے فاسد ہونے کی دلیل ہو گی۔ کیسے نہ ہو گی؟ جبکہ وہ معنی جس نے لزوم حج و صدقہ و صوم بلکہ لزوم عتق و طلاق بلکہ لزوم نصرانیت و یہودیت کو الگ کر دیا ہے وہ طلاق کی قسم میں بھی موجود ہیں بلکہ بطورِ اولیٰ موجود ہیں بلکہ عباداتِ مالیہ اور بدنیہ کا لزوم قصد قسم اور عدمِ قصد وقوع کا مانع ہے تو طلاق تو بہت ہی اولیٰ ہے۔ طلاق میں جو کہا جائے بعینہٖ وہی الزام کی تمام صورتوں میں برابر موجود ہے۔ اب رہا الزام اس بات کا کہ طلاق دے دے یا آزاد کر دے تو خیال فرمایئے کہ جب قصد قسم نے تین چیزوں کو روک دیا یعنی وجوب تطلیق کو، فعل کو اور حصول اثر کو یعنی طلاق کو، پس اس کا ان تین میں سے ایک سے روکنا یعنی صرف طلاق کے واقع ہونے سے اولیٰ اور ضروری ہے۔

رہی قسم التزام کفر کی جو کبھی نیت کی وجہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی فعل کی وجہ سے اور کبھی قول کی وجہ سے، باوجود اس نزدیکی حصول کے قصد قسم نے اسے واقع ہونے سے روک دیا تو پھر کیا وجہ کہ طلاق نہ رک جائے۔ آزادگی جو اللہ

کی پسندیدہ چیز ہے جو بہت جلدی حاصل ہو جاتی ہے' جتنی جلدی اور چیزوں میں نہیں صرف ملکیت سے صرف فعل سے حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بھی قصد قسم سے رک گئی جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوے ہیں تو طلاق کے پڑنے کی کیا وجہ وہ کیوں نہیں رکتی؟ حالانکہ اس کا پڑ جانا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ جب طلاق کی قسم مُکلف کے اس قول میں داخل ہے کہ وہ مسلمانوں کی قسموں میں سے ہے تو کیا وجہ کہ وہ اللہ کے اس قول میں داخل نہ ہو : ﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ﴾ (تحریم : ۲) ہاں اور تمہارے نزدیک قسم کھانے والے کی قسم جبکہ وہ آزادگی غلام کی قسم کھائے قسم میں داخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس حدیث میں نہ داخل ہو؟ جس میں فرمانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھائے پھر اس سے بہتر چیز اسے نظر آئے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس کام کو کر لے جو بہتر ہے۔ جب کہ تم اس قسم طلاق کو انشاء اللہ کہہ لینے والے کے حکم کی حدیث میں داخل کرتے ہو کہ اسے اختیار ہے خواہ اس کام کو کرے خواہ نہ کرے تو پھر کیا وجہ کہ مندرجہ بالا حدیث میں اسے داخل نہ کرو کہ وہ اس قسم کا کفارہ دے دے اور بہتر کام کو کر لے۔ یہ حدیث تو صراحت اور صحت میں بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے۔ جب یہ قسم بقول تمہارے اس حدیث کی وعید میں داخل ہے کہ جو جھوٹی قسم کھا لے' کسی کا مال ناحق لے لے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غُصّے ہو گا۔ پھر کیا وجہ کہ وہ اس فرمان الٰہی میں نہ سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا بلکہ مؤکد قسموں پر پکڑتا ہے۔

ان کا کفارہ مسکینوں کو کھلانا ہے الخ' اور سنیے جبکہ یہ ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾ الخ' (بقرہ : ۲۲۶) میں داخل ہے کہ طلاق کی قسم کھانے والا' ایلاء کرنے والا ہے تو قسم کی ظاہری آیتوں میں یہ داخل کیوں نہ ہو گی؟ اس لیے کہ ایلاء تو ایک قسم کی قسم ہے۔ جب یہ اس قسم میں داخل ہے تو اس جنس میں داخل کیوں نہ ہو گا؟ نوع تو مستلزم جنس ہے ہاں اس کا عکس ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح جب یہ اس حدیث میں داخل ہے کہ تیری قسم اس پر ہے جس پر تیرا ساتھی تجھے سچائے۔ تو پھر اسے آپ حضرات قسموں کے متعلق اور احکام میں داخل کیوں نہیں کرتے؟ آخر اس تخصیص کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے؟ جب یہ اس میں داخل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیع میں کثرت قسم سے بچو گو وہ چیز بکوا دے لیکن برکت گھٹا دیتی ہے۔ پھر قسم کی اور صاف حدیثوں میں اسے کیوں داخل نہیں کرتے؟ شرعاً یا عقلاً یا لغتاً کون سا فرق اس میں موثر ہے؟ کیوں صاحب! ﴿ وَاحْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ﴾ (مائدہ : ۸۹) میں جب یہ داخل ہے تو ﴿ ذالک کفارہ ایمانکم ﴾ (مائدہ : ۸۹) کی آیت میں یہ داخل کیوں نہیں ہے؟ جبکہ یہ حجاج کے قول بعیت کی قسمیں مجھ پر لازم ہیں۔ میں داخل ہے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان قسم کے احکام میں اسے داخل کیوں نہیں کرتے؟ اگر طلاق کی قسم شرعی قسم ہے یعنی شرعاً معتبر ہے تو اسے قسموں کے حکم میں داخل کرنا ضروری ہو گیا اور اگر نہیں ہے تو سرے سے باطل ہے پھر اس پر احکام کا ترتب کیوں ہے؟ چنانچہ حضرت طاؤس کا فرمان ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں یہ شیطان کی اطاعت ہے دراصل اس سے کچھ بھی لازم نہیں ہوتا۔ شریح قاضی سے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور فقیہ اُمت حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے طلاق لازم نہیں ہو جاتی۔ یہی مذہب داؤد بن علیؒ کا ہے۔ یہی قول ان کے سب ساتھیوں کا ہے۔ یہی قول بعض اصحابِ مالک کا ہے۔ یہی بعض صورتوں میں ہے مثلاً جب اپنی بیوی پر طلاق کی قسم کھائی کسی کام کے نہ کرنے پر یعنی کہا کہ اگر تو فلاں سے کلام کرے تو تجھ پر طلاق ہے۔ تو ان کا فتویٰ ہے کہ اگر اس نے اس سے کلام کر لیا تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اس لیے کہ طلاق عورت کے ہاتھ میں ہونے کے کیا معنی؟ کہ جب وہ چاہے اپنے تئیں چھڑا لے۔ اور اگر چاہے بیوی بنی رہے۔

بعض صورتوں میں بعض شافعیہ کا بھی یہی قول ہے مثلاً کسی نے کہا اگر میں یہ نہ کروں تو مجھ پر طلاق لازم ہے۔ جس میں ان کے نزدیک تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر اس نے طلاق واقع ہو جانے کی نیت کی ہے تو ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ گویا ان کے نزدیک یہ طلاق کا کنایہ ہے اور کنایہ کی طلاق کا مدار نیت پر ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ صریح طلاق ہے۔ نیت کا کوئی دخل نہیں۔

رویانی کا مختار مذہب یہی ہے کیونکہ یہ لفظ غالب طلاق میں ہی ہے تو نیت کی طرف محتاجگی نہ رہی۔ تیسرے یہ کہ نہ یہ صریح ہے نہ کنایہ ہے نہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے اگرچہ نیت بھی کر لے۔ قفال کا پسندیدہ قول یہی ہے کیونکہ طلاق میں اضافت عورت کی طرف ہونا ضروری ہے مثلاً یوں کہے تجھے طلاق ہے یا کہے میں نے تجھے طلاق دی یا میں نے تجھے یقیناً طلاق دی یا کہے میری بیوی پر طلاق ہے یا کہے فلاں پر طلاق ہے وغیرہ۔ پس یہ کہنے میں کہ مجھ پر طلاق لازم ہے اضافت نہیں اس لیے طلاق ہی نہیں۔ اسی لیے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے کہے تو اپنے اوپر طلاق لے لے اور وہ کہے تجھے طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی اور ائمہ نے بھی آپ کی متابعت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ پس جب کسی نے کہا مجھ پر طلاق لازم ہے۔ اس سے طلاق لازم نہیں ہو جائے گی کیونکہ اضافت محل طلاق کی طرف نہیں نہ اسے یہ اضافت لازم ہے۔ یہ واقع نہیں ہونے کی۔ واقع کرنے والے کہتے ہیں کہ التزام سے لازم ہو جائے گی اور لزوم کی ضرورت محل کی طرف اضافت ہے۔

پس اضافت ضرورت لزوم کی وجہ سے آگئی لیکن قفال کی طرف سے انھیں یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یا تو اس نے طلاق دینے کا التزام کیا ہے یا وقوع طلاق کا جو اس کا اثر ہے۔ اگر اوّل ہے تو اسے لازم نہیں اس لیے کہ یہ طلاق کی نذر ہے اور اس سے عورت مطلقہ نہیں ہوئی اور اگر وقوع کا التزام ہے تو بغیر سبب وقوع کے اس کا التزام ممتنع ہے اور اس کا قول کہ طلاق مجھ پر لازم ہے التزام ہے۔ اس کے حکم کا ان کے سبب کے وقوع کے وقت اور یہ سچ ہے لیکن مہربانی فرما کر ذرا یہ تو فرمایئے کہ اس کے الفاظ میں سے وجود طلاق کا سبب کون سا لفظ ہے؟ صرف اس کا یہ قول سبب نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ اس میں طلاق کی اضافت محل کی طرف نہیں جیسے یہ قول کہ مجھ پر آزادگی لازم ہے جس میں آزادگی کے محل کی طرف اضافت نہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہہ دے کہ بیع مجھ پر لازم ہے یا اجارہ لازم ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ تو بیع لازم ہو گی نہ اجارہ۔ کیونکہ محل کی طرف اضافت نہیں۔ اگر کوئی اسی طرح ظہار کا کہہ دے تو بھی بے جگہ ہونے کی وجہ سے لغو ہے۔ بخلاف اس کے کہ روزہ یا حج یا صدقہ لازم کرے اس لیے کہ ان کا محل ذمہ ہے اور اس کی ظرف اضافت ہو گئی۔ اگر کوئی کہے کہ اسی طرح طلاق و عتاق کا محل بھی ذمہ ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ محض غلط ہے۔ ان کا محل بیوی اور غلام ہے ذمہ تو اس کے وجوب کا محل ہے یعنی طلاق دینے اور آزاد کرنے کا۔ پس ایسے وقت التزام اسی کی طرف لوٹ آئے گا اور اس سے وجوب وقوع ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس کی وضاحت سنیے اگر اس نے کہا میں تجھ سے طلاق والا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس قول سے طلاق نہیں پڑے گی، کیونکہ طلاق غیر محل کی طرف ہے گو ایک قول طلاق کے پڑ جانے کا بھی ہے۔ ان کے نزدیک یہ لفظ کنایہ میں داخل ہے۔ یہ تھی اس مسئلے کی گوشے گوشے کی تحقیق ان تینوں وجوہات کو ابوالقاسم بن یونس نے شرح متنبّہ میں ذکر کیا ہے۔ قسموں کی طلاقیں عموماً اسی صیغہ سے ہوتی ہیں، پھر کسی ایسے شخص کو جس کا ایمان اللہ پر ہو جو اس کے سامنے پیش ہونے کو حق مانتا ہو کیسے جائز ہو جائے گا کہ وہ اسے کافر کہے یا جاہل بتلائے جو اس کا فتویٰ دیتا ہے پھر یہی نہیں بلکہ اس

کے قتل و قید کرنے کی تدبیریں کرے اور بادشاہوں اور امیروں اور عام مسلمانوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا کرنے کیلئے یہ مشہور کرتا پھرے کہ یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے اور اس میں مسلمانوں میں سے کسی کا خلاف نہیں حالانکہ ائمہ مسلمین صحابہ تابعین اور ان کے بعد والوں کے اقوال آپ کے سامنے ہیں اللہ خوب جانتا ہے اس کے رسول ﷺ کو علم ہے اس کے فرشتے اور اس کے مومن بندے بھی واقف ہیں کہ اس مسئلے کے خلاف جب تک حکام سے امداد نہ حاصل کی اور جھوٹے دعوے اجماع کے نہ گھڑے تب تک رد نہ ہو سکا۔ ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں وہ ہر بولنے والے کی زبان پر ہے وہ فرماتا ہے۔ کہہ دے! کہ عمل کرتے رہو اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور مومن عنقریب تمہارے اعمال دیکھ لیں گے اور تم سب کے سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و باطن چھپے کھلے کا عالم ہے پھر وہ تمہیں تمہارے ایک ایک عمل سے خبردار کرے گا۔

فصل: یہ جو کچھ ہم نے کہا اس سے ثابت ہو گیا کہ الفاظ میں نیتوں کا اور مقاصد کا پورا پورا اعتبار ہے۔ الفاظ کے احکام اسی وقت مترتب ہوں گے جب ان کے بولنے والے ان کے معنی مراد لیں اور ان مقاصد کیلئے ان کا تلفظ کریں۔ جیسے کہ یہ ضروری ہے کہ خود بولنے والے کا مقصود بھی یہی ہو۔ پس دو ارادوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ الفاظ کا بولنا اپنے اختیار سے ہو۔ دوسرے یہ کہ لفظ سے اس کا معنی اور اس کا موجب و مقتضاء مراد ہو بلکہ معنی کا ارادہ لفظ کے ارادے سے بھی زیادہ مؤکد ہے۔ اس لیے کہ اصل مقصود مراد و معنی ہی ہے۔ الفاظ تو بطور وسیلہ کے ہیں۔ تمام علماء اسلام کا اور ائمہ فتاوی کا یہی فرمان ہے۔ یہاں تک کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا تجھے یقیناً طلاق ہے اور اس سے اس کا ارادہ صرف کسی چیز پر قسم کھانے کا ہے پھر اسے بھی بھلا معلوم ہوا کہ اسے چھوڑ دے اور اس نے ایسا ہی کر لیا تو بھی اس پر کوئی چیز لازم نہیں آنے کی۔ اس لیے کہ اس کا مقصود ان الفاظ سے طلاق دینے کا تھا ہی نہیں۔ اسی طرح اصحاب احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر کسی نے کچھ کہنا چاہا اور بے ارادہ اس کی زبان سے نکل گیا کہ تو آزاد ہے تو اس سے غلام آزاد نہیں ہو جائے گا۔ اصحاب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اگر کسی عجمی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق اور وہ ان الفاظ کے معنی نہیں سمجھتا تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑنے کی اس لیے کہ اس نے اختیار طلاق نہیں کیا۔ پھر طلاق پڑنے کی کیا وجہ؟ یہ تو یہاں ایسا ہی ہے جیسے وہ جس پر اکراہ کیا جائے۔ بلکہ اگر اس نے نیت ان الفاظ کے معنی کی بھی کی ہو جو اہل عرب کے نزدیک ہوتے ہیں تو بھی طلاق نہ پڑے گی۔ اس لئے کہ اس سے اس کا اختیار کرنا جسے جانتا نہ ہو صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے کلمہ کفر کا تکلم کیا اور وہ اس کے معنی نہیں جانتا تو وہ کافر نہ ہو گا۔

مصنف وکیع میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی بابت جس نے اپنے میاں سے کہا میرا کوئی اچھا سا نام رکھ دو۔ اس نے کہا تمہارا نام طیبہ ہے کہا نہیں اس سے بھی بہتر کوئی نام رکھو اس نے کہا جو تو کہہ کہا یہ رکھو خلیہ طالق۔ خاوند نے کہا اچھا تو خلیہ طالق ہے۔ وہ اتنا سنتے ہی عدالت فاروقی میں آگئی اور کہا میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی اس نے صاف کہہ دیا کہ تو چھوڑی ہوئی مطلقہ ہے۔ لیکن جب آپ نے اس کے خاوند سے اصلی قصہ سنا تو اس نے سر ہی سر میں خوب مارا اور اس کے خاوند سے کہا اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ اور اس کا دماغ خوب درست کر دو۔ یہ ہے وہ زندہ فقہ جو اجازت بغیر سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ حالانکہ یہاں صاف لفظ طلاق کے ہیں۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس نے اپنی گم شدہ اونٹنی کو بعد از مایوسی پالیا اس کے منہ سے وفورِ خوشی میں بے ساختہ نکل گیا کہ پروردگار! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کفر کا ہے صراحتاً کفر ہے لیکن وہ شخص کافر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اس کا مقصود ان الفاظ سے

ان کے صحیح معنی کا نہ تھا۔ حالانکہ لفظ میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں لیکن عدم ارادہ کے باعث وہ کافر نہیں ہوا۔ بخلاف استہزاء کرنے والے اور مذاق کرنے والے کے بیشک اس پر طلاق و کفرلازم ہے اگرچہ ھزلاً کہے اس لیے کہ اس نے الفاظ سے ان کے معنی مراد لیے ہیں۔ گو تمسخر کے طور پر کہے ہیں تمسخراس کا عذر نہ ہو گا ہاں اکراہ و زبردستی کیا گیا اور خطا کرنے والا اور بھول جانے والا معذور ہے اسے اس قول پر کوئی پکڑ نہیں۔ ہازل اور مسخرے کیلئے اس کی رخصت نہیں اس کا کفراور اس کا لین دین صحیح ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے ارادے سے لفظ نکالتا ہے اس کے معنی سے واقف ہے اور معنی سے پھیرنے والی کوئی چیز یہاں موجود نہیں۔ نہ اکراہ' نہ خطا نہ نسیان' نہ جہالت' ھزل و مذاق کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پھیرنے والا نہیں بنایا۔ بلکہ مذاقئے اور مسخرے سزا وارِ سزا ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جنابِ باری سبحانہ وتعالیٰ نے اس شخص کو معذور رکھا ہے جو اکراہ و زبردستی کی وجہ سے اپنے مُنہ سے کفر کا کلمہ کہتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن اور برقرار ہے لیکن ھزل و مذاق کرنے والے کی عذر پزیرائی نہیں کی بلکہ صاف فرما دیا : ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ﴾ الخ' (توبہ : ۶۵) اگر تو ان سے پوچھے گا تو یہ کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی دل لگی کر رہے تھے تو انھیں کہہ دے کیا اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تم استہزاء کرتے ہو؟ بس اپنے ان نکمے عذر کو چھوڑو۔ تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے جس طرح مکرہ سے رب العالمین نے اپنا مواخذہ اٹھا لیا ہے اسی طرح خطا کرنے والے اور بھول جانے والے سے بھی۔

فصل : اسی میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے کہا تجھے طلاق ہے اور وہ کہتا ہے کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اگر تو فلاں سے کلام کرے یا میرے گھر سے باہر جائے تو اس صورت میں بھی طلاق نہیں پڑے گی۔ اصحاب احمد رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ کی دو وجہ میں سے ایک یہی ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا میں نے انشاء اللہ کہنے کا ارادہ کیا تھا تو بھی ان کے نزدیک یہی دو وجوہات ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے الفاظ میں موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں اگر کسی نے کہا کہ اگر تو نے زید سے بات کی تو تجھ پر طلاق ہے پھر کہا کہ میں نے ایک ماہ کی مدت کا ارادہ کیا تھا ایک ماہ کے بعد اس نے زید سے بات کی تو باطناً یہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ اس صورت میں اور اس سے پہلے کی دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں غایت کے ساتھ قید جو نیت میں تھی اگر وہ معتبر ہے تو مشیت کے ساتھ کی قید جو نیت میں تھی وہ بھی معتبر ہے بلکہ یہ جواز میں اولیٰ ہے بہ نسبت عام تقیید کے نیت کے ساتھ جیسے کہ کسی نے کہا میری بیویاں طلاقن ہیں اور اپنے دل میں ان سے ایک کو الگ کر لیا پس جبکہ نیت کی وجہ سے اس کی تخصیص ہو گئی جو لفظ میں قطعاً داخل تھی' تو ان صورتوں میں تخصیص بطورِ اولیٰ درست ہو گی۔ اس لیے کہ لفظ کی وضعی ولالت عموم احوال پر نہیں ہے۔ نہ عموم زمان پر ہے اور اگر ان دونوں پر ہے تو پھر ان میں سے بعض کا خارج کرنا تخصیص عام ہو جائے گی۔ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ استعمال عام خاص میں یا استعمال مطلق مقید میں ہو گا اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں نہ لغتاً نہ عرفاً نہ شرعاً۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ معاویہ تو فقیر شخص ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں لیکن ابوالجھم اس کی تو لکڑی اس کے کندھے سے اترتی ہی نہیں۔ پس ٹھیک بات یہی ہے کہ اس جیسی باتوں میں اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان حکم میں بھی اسے قبول کر لینا چاہیے۔

فصل : طلاق کی قسم عموماً دو طرح کھائی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر تو نے ایسا ایسا کیا تو تجھ پر طلاق ہے۔ دوسرے یہ کہ میں فلاں کام نہ کروں گا کروں تو مجھ پر طلاق لازم ہے۔ ان دونوں طرح میں خلاف ہے۔ پہلے بھی تھا اور اب بھی

ہے۔ اسی طرح حرام کے بھی دو صیغے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو مجھ پر حرام ہے یا یہ کہ جو مجھ پر حلال ہے وہ سب حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ حرام مجھ پر لازم ہے۔ میں ایسا نہ کروں گا پس جس نے طلاق کے بارے میں کہا ہے کہ طلاق مجھ پر لازم ہے یہاں نہ تو صراحت ہے نہ کنایہ ہے نہ اس پر کوئی چیز واقع ہو گی۔ جب یہ ہے تو اس قول پر کہ حرام مجھے لازم ہے بطور اولیٰ یہی حکم ہے۔ جس نے کہا ہے کہ یہ طلاق کنایہ ہے اگر نیت طلاق سے کہا ہے تو طلاق ہو جائے گی' ورنہ نہیں ان کے نزدیک یہی حکم حرمت کا بھی ہے کہ اگر نیت حرام سے کہا ہے تو حرام ہو جائے گی۔ گویا اس نے حرمت کا التزام کیا ہے جیسے اس نے طلاق کا التزام کیا تھا۔ یہ تحریمی التزام ہے اور وہ تطلیقی التزام ہے اور اگر اس نے یہ نیت کی ہے کہ مجھ پر خدائے تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے حرام' اس کی حرمت لازم ہے تو یہ قسم ہی نہ ہو گی۔ نہ تحریم ہو گی نہ طلاق ہو گی نہ ظہار ہو گا۔ کسی کو جائز نہیں کہ ایک مسلمان کو اس کی بیوی سے جدا کرائے بغیر اس لفظ کے جو طلاق کیلئے موضوع ہو' نہ اس کی نیت میں ہو' ہاں اسے قسم کا کفارہ لازم ہے کیونکہ بہت بڑی سخت اور مؤکد قسم ہے یہ قسم مخلوق کی قسم کی طرح نہیں جو منعقد نہ ہو نہ یہ لغو قسم میں سے ہے۔ بلکہ یہ پختہ اور یقینی قسم ہے تو اس میں قسم کا کفارہ دینا ہو گا اسی کا فتویٰ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے دیا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع پہنچایا بھی ہے کہ حرام کرنا قسم ہے جس کا کفارہ دیا جائے گا۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اچھائی ہے۔ یہی حکم اس قول کا ہے کہ کہے اگر تو نے ایسا کیا تو تو مجھ پر حرام ہے یہ اولیٰ ہے بہ نسبت اس قسم کے کفارے کے کہ تو مجھ پر حرام ہے اور اس قول میں کہ تو مجھ پر حرام ہے یا اللہ کی ہر حلال کردہ چیز مجھ پر حرام ہے اور تو مجھ پر حرام ہے مثل مردار کے اور خون کے اور سور کے گوشت کے اس میں کئی مذاہب ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ بالکل لغو ہے محض باطل ہے اس پر کوئی چیز مترتب نہیں ہوتی۔ دو روایتوں میں سے ایک روایت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ یہی قول مسروق' ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن' عطا' شعبی داؤد اور کل اہل ظاہر اور اکثر اہلحدیث کا ہے۔ مالکیہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے۔ یہی اصبغ بن فرج کا مختار مذہب ہے۔ صحیح سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ کوئی چیز نہیں تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیک نمونہ موجود ہیں۔ صحیح سند سے مسروق کا قول مروی ہے کہ چوری ہوئی روٹی کا پیالہ میں نے حرام کیا ہو تو اور بیوی کو حرام کر لیا ہو تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اسی طرح بہ سند صحیح شعبی سے مروی ہے کہ بیوی کو حرام کر لینا میرے نزدیک جوتی کے برابر ہے۔ ابو سلمہ کا فرمان ہے کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حرام کیا یا نہر کے پانی کو حرام کیا۔ حجاج بن منہال کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حرام کر لیا جب حمید بن عبدالرحمٰن سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا فرمانِ الٰہی تو یہ تھا کہ فراغت کے وقت رب کی عبادت میں کوشش کرو اور اپنے پروردگار کی طرف ہی رغبت رکھو لیکن تو ایک کھلنڈرا شخص ہے تو جا اور کھیلتا رہ۔

فصل : دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کہنے سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما' حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما' حضرت حسن بصری' حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا یہی مذہب ہے۔ عدی بن قیس کلابی نے جب اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا اور فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تو نے اس عورت کو چھوا اس سے پہلے کہ وہ تیرے سوا اور کے نکاح میں جائے تو میں تجھے رجم کر دوں گا۔ اس مذہب کی توجیہ یہ ہے کہ حرمت تین طلاقوں سے ثابت ہوتی ہے تو یہاں تین طلاقیں مان لی گئیں تاکہ حرمت ثابت ہو جائے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس قول سے یہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ' حسن خلاس بن عمرو' جابر بن

زید اور قتادہ سے یہی مروی ہے ان بزرگوں نے طلاق کا ذکر تو نہیں کیا لیکن اس عورت سے الگ رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہی بات بہ سند صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ سے دو روایتیں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ مراد حرمت سے وہی تین طلاقوں کے بعد کی حرمت ہو۔ اس قول کی حجت یہ ہے کہ اس کے الفاظ صرف حرمت کے مقتضی ہیں۔ عدد طلاق سے اسے کوئی لگاؤ نہیں۔ پس اس کے حرام کرنے سے حرام ہو گئی۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ اس میں توقف ہے یہی منقول ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی شعبی رحمہ اللہ کا قول بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں لوگوں نے حلال کو حرام کہا ہے جب تک کہ وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے پھر اس قول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بتلاتے ہیں۔ واللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا آپ نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ نہ میں حرام کہوں نہ حلال کہوں تم کو اختیار ہے۔ خواہ آگے بڑھو خواہ پیچھے ہٹو۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حرام کرلینا طلاق نہیں اور اللہ کا حلال کسی کے حرام کہہ لینے سے حرام نہیں ہو جاتا۔ ہاں انسان زیادہ سے زیادہ وہ اسباب مہیا کر سکتا ہے جس سے حلال حرام ہو جائے۔ عورت کو حرام کرنے کی شرعی صورت طلاق ہے حرام کہہ لینا صراحتاً طلاق دینا نہیں نہ عرف شرع سے یہ صورت ثابت ہے پس زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہاں اس امر میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

پانچواں مذہب : یہ ہے کہ اگر مراد اس سے طلاق دینا تھی تو طلاق ہو جائے گی ورنہ یہ قسم ہے طاؤس رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے حسن رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس قول کی حجت یہ ہے کہ یہ طلاق کا کنایہ ہے اگر نیت طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی ورنہ قسم ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے : ﴿ يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ﴾ الخ، **چھٹا مذہب :** یہ ہے کہ اگر نیت تین طلاقوں کی ہے تو تین ہو جائیں گی۔ اگر ایک کی ہے تو ایک بائنہ ہو جائے گی اگر قسم کی نیت ہے تو قسم ہو گی اگر کچھ بھی نیت نہیں تو یہ ایک جھوٹ ہے جس میں کوئی چیز ثابت نہیں ہو گی۔ سفیان یہی فرماتے ہیں ان کے اصحاب سے بھی بقول نخعی یہی مروی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان الفاظ میں ان سب چیزوں کا احتمال ہے لہٰذا فیصلہ نیت پر ہے۔ **ساتواں مذہب :** بھی چھٹے مذہب کی طرح ہے لیکن اس میں ہے کہ اگر نیت کچھ نہیں تو یہ قسم ہے جس کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ اوزاعی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے اس کی دلیل ظاہری فرمانِ قرآن : ﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ﴾ (تحریم : ۲) ہے طلاق کی نیت کے وقت تو یہ قسم نہ ہو گی لیکن اس نیت کے نہ ہونے کے وقت یہ قسم ہے۔ **آٹھواں مذہب** بھی یہی ہے لیکن اس میں ہے کہ اگر کچھ بھی نیت نہیں کی تو ایک طلاق بائنہ ہو گی تاکہ لفظ تحریم کا عمل جاری ہو۔ **نواں مذہب** یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے مثل کفارہ ظہار کے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہی صحیح ہے۔ ابوقلابہ، سعید بن جبیر، وہب بن منبہ، عثمان تیمی سے یہی مروی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت یہ بھی ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو ماں سے تشبیہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے ظہار کیا اور اسے منکر اور جھوٹ بات فرمائی۔ پس صرف تشبیہ دینے سے بھی ظہار ہو جاتا ہے تو حرمت کی صراحت سے کیوں نہ ہو گا۔ یہ قول سب سے زیادہ قیاس و فقہ کے قریب ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حلال حرام مکلف کے بس کا نہیں۔ یہ تو صرف فرمانِ الٰہی پر موقوف ہے۔ ہاں بندے کے پاس ایسے اقوال و افعال ضرور ہیں جن سے وہ حلت و حرمت کے اسباب جمع کرلے۔ یوں کہہ لیجئے کہ سبب بندے کی طرف ہیں اور حکم اللہ کی طرف پس جب کسی نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اس نے یقیناً برا قول کہا جھوٹی اور غیرواجبی بات کہی نہ تو اللہ نے اسے اس پر اس کی ماں کی پیٹھ کی طرح کیا ہے نہ حرام کیا

ہے۔ پس اس پر اس کے اس ناشائستہ قول کی وجہ سے دونوں کفاروں میں جو سخت کفارہ تھا ڈال دیا گیا۔ یعنی ظہار کا کفارہ۔ **دسواں مذہب** یہ ہے کہ ایسا کہنے سے ایک طلاق پڑ جائے گی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حماد بن ابو سلیمان کا قول یہی ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ تعلیق تحریم تین طلاقوں کی حرمت کی مقتضی نہیں بلکہ کم سے کم پر بھی صادق آتی ہے۔ جو ایک تو یقینی ہے پس اسی پر لفظ کا محل کیا گیا جو عدت کے ختم ہونے پر حرام ہونے کی نظیر ہے۔ **گیارہواں مذہب** یہ ہے کہ جو اس کا ارادہ اصل طلاق کا تعداد طلاق کا ہو وہی حکم ہو گا اور اگر اس نے حرمت بغیر از طلاق کا ارادہ کیا ہے تو قسم کفارے والی ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ لفظ ان سب باتوں کی صلاحیت رکھتا ہے پھر ان میں سے کسی ایک کے اعتبار کیلئے وجود نیت ضروری ہے اگر صرف حرام کرلینا ہی اس کی نیت میں تھا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جیسے حرام کرلینا قسم سے ہوتا ہے پس جیسے یہاں واقعہ میں حرمت ثابت نہیں ایسے ہی وہاں بھی۔

بارہواں مذہب : بھی یہی ہے کہ اصل طلاق اور عدد طلاق نیت پر ہے لیکن ایک طلاق بھی ہوئی تو ہو گی وہ بائنہ۔ اگر طلاق ہی نہیں تو یہ ایلاء ہے اور اگر ارادہ محض جھوٹ کا تھا تو یہ کوئی چیز نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور انکے ساتھیوں کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی دلیل ان اشیاء کا اس لفظ میں احتمال ہوتا ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ایک طلاق جو ہو گی وہ ہو گی بائنہ کیونکہ تحریم کا اقتضاء یہی ہے یہ طلاق صغریٰ ہے اور کبریٰ ہے تو صغریٰ ضرور ثابت ہے اور اسی کو معتبر مانا ہے۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ اگر اس نے کذب کی نیت کی ہے تو دیانتاً تو مقبول ہے لیکن حکماً مقبول نہیں۔ بلکہ یہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا ہاں مظاہر نہ ہو گا نیت ہو یا نہ ہو بلکہ گو تصریح ہو۔ یعنی وہ کہے کہ میں اس سے مراد ظہار لیتا ہوں تو بھی ظہار کرنے والا نہ ہو گا۔ **تیرہواں مذہب** یہ ہے کہ یہ قسم ہے اس میں اور قسموں کا کفارہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عکرمہ بن عطاء، حضرت مکحول، حضرت قتادہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہما، حضرت شعبی، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت جابر بن زید، حضرت سعید بن جبیر، حضرت نافع، حضرت اوزاعی، حضرت ابو ثور اور ان کے سوا بھی بہت ساری مخلوق الٰہی کا یہی قول ہے۔ اس کی دلیل بھی قرآنِ کریم کی بہت ہی واضح آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسموں کے کھولنے کا ذکر حلال و حرام کے بعد کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس آیت میں یہ بھی داخل ہے پس اس سے پہلے جو بیان ہے اس کے سوا اور میں اس حکم کا ماننا یہ تو کسی طرح بھی جائز نہ ہو گا کہ ہم غیر میں مانیں اور جس کا ذکر ہے جس کے لیے قسموں کے چھوڑنے کا بیان ہوا ہے اسے چھوڑ دیں اور خارج کر دیں۔ **چودھواں مذہب** یہ ہے کہ یہ سخت تر قسم ہے اس میں کفارہ صرف آزادگی غلام ہی ہے۔ ابنِ عباس ابوبکر، عمرو بن مسعود اور تابعین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ سخت تر قسم ہے اس لیے سخت تر کفارہ بھی ہونا چاہئے۔ یعنی آزادگی گردن غلام۔ اس کی سخت تر قسم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اللہ کے حلال کو حرام کیا گیا ہے جس کا منصب بندے کو ہرگز نہ تھا پھر یہ منکر اور جھوٹ بات ہے اگر بطور خبر دینے کے کہا ہے تو وہ خبر میں جھوٹا ہے اور قسم میں وہ حد سے گزر چکا ہے پس اس کا کفارہ بھی سخت تر ہے جیسے کہ کفارہ ظہار بہ نسبت اور قسم کے کفارے کے سخت ہے۔ آزادگی سے یا دو ماہ کے روزوں سے یا ساٹھ مسکینوں کو کھلانے سے۔ **پندرہواں مذہب** یہ ہے کہ یہ طلاق ہے اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کی جو نیت ایک

کی یا اس سے اوپر کی اور اگر مدخولہ ہے تو تین طلاقیں گو اس کا ارادہ اس سے کم کا ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جو دو روایتیں ہیں ان میں ایک یہی ہے۔ اس مذہب کی دلیل یہ ہے کہ لفظ نے جب تحریم کا اقتضا کیا تو واجب ہو گیا کہ اس پر حکم مرتب کریں غیر مدخولہ تو ایک طلاق سے حرام ہو جاتی ہے اور مدخولہ بجز تین طلاقوں کے حرام نہیں ہوتی۔ مذہب مالک رحمہ اللہ میں پانچ قول ہیں۔ ایک تو یہی جو مشہور ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ بہرحال تین طلاقیں ہیں تین کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ عبدالملک نے اپنی مسبوق میں اسی کو مختار کہا ہے تیسرا یہ کہ یہ طلاق ایک بائنہ ہے مطلقاً خوار منداز اس کے راوی ہیں۔ چوتھا یہ کہ یہ ایک طلاق ہے۔ رجعیہ ہے۔ عبدالعزیز بن ابو سلمہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جو اس نے نیت کی وہی ہے۔ مطلقاً خواہ قبل از دخول ہو خواہ بعد از دخول ہو۔ ان کل اقوال کی توجیہ سے تو آپ واقف ہو چکے ہیں۔

فصل : مذہب شافعی کی تحریر ملاحظہ ہو اگر مراد اس کی ظہار ہے تو ظہار ہو جائے گا۔ اگر مراد تحریم ہے تو تحریم معتبر ہے۔ اس کا ترتب صرف اس لیے ہے کہ کفارہ نہ آئے اور اگر نیت طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی اور جو نیت ہو وہی ہو گی اگر اطلاق ہے تو ان کے اصحاب کی اس میں تین وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ یہ صریح ہے کفارہ کے واجب ہونے میں۔ دوسرے یہ کہ اس پر کوئی چیز نہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر لونڈی کے بارے میں کہا ہے تو یہ صریح طلاق ہے اور آزاد کیلئے طلاق کا کنایہ ہے اس لیے کہ اصل آیت لونڈی کے بارے میں ہے پس اگر اس نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور اس سے ارادہ ظہار کا کیا ہے اور طلاق کا بھی تو ابن الحداد کہتے ہیں اسے کہا جائے گا کہ ایک بات پر جم جا اس لیے کہ ایک ہی لفظ ظہار و طلاق کی ایک ساتھ صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور کہا گیا ہے کہ جو وہ ظاہر کرے وہی اس پر لازم آئے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے پر اپنے کسی حق کا دعویٰ کیا اور وہ اس سے منکر ہے پھر کہتا ہے کہ حلال تجھ پر حرام ہے اور نیت میری معتبر ہے نہ کہ تیری میری کوئی چیز تجھ پر نہیں؟ یہ اسی طرح قسم کھاتا ہے کہ حلال مجھ پر حرام ہے اور اس میں نیت وہی ہے جو تیری نیت ہو' تیری کوئی چیز میرے اوپر نہیں۔ پس نیت قسم کھانے والے کی ہو گی نہ کہ قسم کھلوانے والے کی۔ اس لیے کہ نیت اس کی معتبر ہوتی ہے جس کی طرف سے قسم دی جاتی ہو۔

فصل : مذہب امام احمد رحمہ اللہ کی تحریر ملاحظہ ہو۔ وہ کہتے ہیں یہ علی الاطلاق ظہار ہے گو نیت نہ بھی ہو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کی نیت ہی طلاق یا قسم کی ہو تو جو نیت میں ہے وہی لازم آجائے گا۔ آپ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ یہ علی الاطلاق تو قسم ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ بہ نیت ظہار یا بہ نیت طلاق کہا گیا ہو تو مطابق نیت لازم آجائے گا۔ آپ سے ایک تیسری روایت بھی ہے کہ بہرحال یہ ظہار ہے۔ گو اس نے نیت طلاق کی کی ہو یا قسم کی نہ وہ طلاق ہو گی نہ قسم ہو گی۔ ایسے ہی جیسے قسم سے مراد طلاق لے مثلاً یوں کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اس لیے کہ یہ دونوں لفظ ظہار میں صریح ہیں۔ پس اس قول کی بنا پر اگر اس نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملا دیا کہ میں اس سے مراد طلاق لیتا ہوں تو آیا یہ طلاق ہو گی یا ظہار؟ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ظہار ہے جیسے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے میں اس سے مراد طلاق لیتا ہوں۔ اس لئے کہ تحریم ظہار میں صریح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق ہے اس نے اپنے ارادے کی اپنے ہی لفظوں میں صراحت کر دی ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ طلاق کنائی ہے۔ پس اس روایت کی بنا پر اگر اس نے کہا ہے کہ میں اس سے مراد طلاق لیتا ہوں تو اس پر ایک طلاق پڑ جائے گی۔ اگر اس نے کہا ہے میں اس سے مراد طلاق لیتا ہوں تو کیا ایک طلاق ہو گی یا تین؟ اس میں بھی دو روایتیں ہیں جن کا ماخذ الف لام کو جنس پر اور عموم پر محمول کرتا ہے یہ ہے

آپ کے مذہب کی تحریر و تقریر۔

اِس مسئلہ میں : ایک اور قول بھی ہے اور وہ ان تمام مذاہب کے سوا ہے وہ یہ کہ اگر اس نے تحریم واقع کی ہے تو ظہار ہو گا اگرچہ اس نے نیت طلاق کی ہو اور اگر اس کے ساتھ قسم کھائی ہے تو قسم کفارہ کی ہو گی یہی مختار ہے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اسی پر دلالت نص و قیاس کی ہے۔ کیونکہ جب اس نے اسے واقع کیا ہے تو اس نے ایک بری بات کا جو جھوٹ ہے ارتکاب کیا ہے۔ اس صورت میں جس شخص نے مثل ماں کے حرام بتلائی ہے اس سے زیادہ لائق کفارہ یہ ہے اور جب یہ بطور قسم کے کہا ہے تو منجملہ قسموں کے ایک قسم یہ بھی ہے جیسے کہ التزام عتق و حج و صدقہ کی قسم کھائے یہ قیاس بالکل ہی کھلا ہوا ہے اور یہ سمجھ نہایت ہی درست ہے۔ دیکھئے جب یہ کہتا ہے کہ میرے ذمے یہ ہے کہ میں آزاد کروں یا حج کروں یا روزہ رکھوں تو اس پر یہ کام لازم ہو جاتے ہیں اور اگر کہے کہ میں فلاں سے بولوں تو میرے ذمے اللہ کے لیے یہ اور یہ ہے بطور قسم کے یہ کہے تو یہ قسم ہوتی ہے اور اگر کہے کہ وہ یہودی یا نصرانی ہے تو اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور اگر کہے کہ اگر میں یہ کروں تو وہ یہودی یا نصرانی ہے تو یہ قسم ہو جاتی ہے۔ پس ٹھیک یہی قاعدہ ہر طرح اس میں بھی ہے کہ اس نے کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو ظہار ہو جائے گا اور اگر کہا میں اگر فلاں کام کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو قسم ہو جائے گی۔ اسی قیاس پر جب اس نے کہا کہ تجھے طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر کہا کہ میں اگر فلاں کام کروں تو تجھ پر طلاق ہے۔ یہ قسم ہو جائے گی۔ پس یہ دراصل وہ اصول ہیں جو یقیناً صحیح ہیں اور برابر جاری ہیں اور کتاب و سنت سے اخذ کیے ہوئے ہیں اور عقل سے بھی ثابت ہیں' وباللہ التوفیق۔

فصل : انہی التزامات میں سے جو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے نہیں بیعت کی قسم بھی ہے جسے فاجر ظالم حجاج بن یوسف نے ایجاد کی تھی۔ بیعت کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کا مصافحہ کر لینا تھا۔ عورتوں سے بیعت صرف زبانی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ نے کبھی اس عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا جو آپ کی ملکیت میں نہ ہو ﷺ۔ بیعت کرنے والے کہتے تھے کہ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں کہ آپ کی سنوں گا اور مانوں گا' سختی میں بھی' آسانی میں بھی' خوشی میں بھی' ناخوشی میں بھی چنانچہ صحیحین میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے سننے اور ماننے پر بیعت کرتے تھے آپ اس وقت یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ اپنی طاقت کے مطابق۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حدیبیہ والے دن ہم چودہ سو آدمی تھے۔ ہم نے آپ سے بیعت کی۔ درخت تلے حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ اس بات پر کہ ہم بھاگیں گے نہیں ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی تھی۔ صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی سننے پر' اور ماننے پر' سختی میں اور آسانی میں' خوشی میں اور ناخوشی میں اور اس بات کے باوجود بھی کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح ہو تو بھی اور اس بات پر کہ اہلیت والوں سے ہم کسی امر میں جھگڑیں گے نہیں۔ اور جہاں ہوں گے حق کہیں گے اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ بخاری مسلم میں حضرت جنادہ بن ابوامیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں حضور ﷺ نے بلایا ہم نے آپ سے بیعت کی اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ ہم اپنی خوشی ناخوشی سختی نرمی میں اور ہم پر ترجیح میں سنتے رہیں گے اور تسلیم کرتے رہیں گے۔ اہلیت والے لوگوں سے کسی امر میں جھگڑیں گے نہیں بجز اس صورت کے کہ تم کھلا کفر دیکھو۔ جس میں تمہارے ہاتھ روشن کھلی دلیل ہو۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ سے روایت ہے کہ ایماندار عورتیں جب ہجرت کر کے آتی تھیں تو رسول کریم علیہ السلام ان کا

امتحان اللہ کے اس فرمان سے کرتے۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ ﴾ الخ' (ممتحنہ : ۱۲) یعنی اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں تجھ سے بیعت کریں اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا کاری نہ کریں گی اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی' الخ۔ پس مومنہ عورتوں میں سے جو ان باتوں کا اقرار کرتی تھیں وہ امتحان کی اقراری ہو جاتی تھیں اور ان سے آپ فرما دیا کرتے تھے کہ جاؤ میں نے تم سے بیعت کر لی۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں کیا آپ ان سے صرف زبانی بیعت کرتے تھے یہ اقرار لے کر فرما دیتے کہ میں نے تمہاری بیعت لے لی۔ یہ صرف زبانی ہوتا تھا۔ پس یہ ہے بیعت نبویہ جس کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے : ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ ﴾ الخ' (فتح : ۱۰) جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے جو اسے توڑ دے اس کا وبال اسی پر ہے اور جو اس عہد خداوندی کی وفاداری کرے اسے اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا ثواب عنایت فرمائے گا۔ اسی بیعت کے بارے میں فرمانِ قرآن ہے : ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ ﴾ الخ' (فتح : ۱۸) اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ انھوں نے درخت تلے بیعت کی۔ حجاج نے اس اسلامی بیعت میں ایک جدید بدعت ایجاد کی جس میں اللہ کی قسم تھی۔

طلاق کی آزادگی کی صدقہ مال کی حج کی قسم تھی۔ پس اس میں علماء اسلام کا اختلاف ہوا اور کئی قول ہو گئے۔ اب سنیے ہم اس کی تحریر اور اس کا کشف کرتے ہیں۔ اگر مراد قسم کھانے والے کی کہ بیعت کی قسمیں مجھ پر لازم ہیں۔ بیعت نبویہ ہے جو حضور ﷺ اپنے اصحاب سے لیتے تھے تو نہ اس پر طلاق لازم ہے نہ آزادگی نہ اور کوئی چیز جو حجاج کی ترتیب میں داخل ہے اور اگر اس نے یہ بیعت مراد نہیں لی اور بیعت حجاجیہ مراد لی ہے تو وہ یا تو اپنے لفظوں میں طلاق عتاق' حج' صدقہ' قسم کا ذکر کرتا ہے یا ان میں سے کچھ بھی نہیں بولتا اگر ذکر نہیں تو یا تو وہ بیعت حجاجیہ سے واقف ہے یا اسے اس کا علم ہی نہیں۔ بہردو صورت یا تو وہ اس کے کل مضمون کی نیت کرتا ہے یا بعض کی یا سرے سے نیت ہی نہیں کرتا۔ یہ ہے تقسیم اس مسئلہ کی۔ اب احکام سنئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب تو کہتے ہیں اگر اس نے اپنی زبان سے طلاق آزادگی حج و صدقہ کا لفظ نہیں نکالا تو ان میں سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں نیت ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر طلاق اور آزادگی کی نیت بھی کر لی ہے تو اصحاب شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ عراقی تو طلاق و عتاق کو لازم بتلاتے ہیں کیونکہ ان کی قسم کنایۃً نیت سے ہو جاتی ہے۔ صاحب تتمہ کہتے ہیں اس پر کچھ لازم نہیں اگرچہ نیت کی ہو تاوقتیکہ لفظوں میں ادا نہ کیا ہو اس لیے کہ صراحت پائی نہیں گئی اور کنایہ پر حکم اسی چیز میں مرتب ہوتا ہے جو واقع کرنے کی متضمن ہو' لیکن التزام کی کوئی صورت نہیں۔

اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے کنایہ کے اقرار کو گو نیت بھی ہو اقرار شمار نہیں کیا اس لیے کہ یہ التزام ہے اسی وجہ سے قفال وغیرہ فقہاء نے کہا ہے کہ جب کوئی کہے طلاق مجھ پر لازم ہے میں نہ کروں گا تو طلاق واقع نہ ہو گی اگرچہ نیت بھی کی ہو۔ اس لیے کہ یہ کنایہ ہے اور کنایہ پر حکم غیر التزامات میں ہی مرتب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کی قسم کنایہ سے باوجود نیت کے بھی منعقد نہیں ہوتی۔ اصحاب امام احمد رحمہ اللہ میں سے ابو عبداللہ بن بطہ کہتے ہیں کہ میں ابوالقاسم خرقی کے پاس تھا۔ ان سے کسی نے بیعت کی قسموں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا میں اس بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیتا۔ نہ میں نے اپنے استادوں میں سے کسی کو اس کا فتویٰ دیتے دیکھا' میں نے اپنے باپ ابو علی رحمہ اللہ کو بھی دیکھا کہ وہ اس بارے کا فتویٰ دیتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ قسم کھانے والا اس میں جتنی قسمیں ہیں ان سب کا التزام کر لے سائل نے کہا گو

انھیں جانتا ہو یا نہ جانتا ہو فرمایا ہاں۔ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کے موجب کے التزام سے اسے اپنے لفظوں میں سمیٹ لیا یہ مقتضی ہے لزوم کا اور جب سبب لزوم اور وجوب پایا گیا تو موجب ثابت ہو گیا گو اسے نہ جانتا ہو۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مریض کو شفا دے دے تو میرے مال کی تہائی صدقہ ہے یا اس کی وصیت کرے گو اسے نہ جانتا ہو یا کہے کہ جو اس پرچہ پر تحریر ہے مجھے اس کا اقرار ہے۔ اگرچہ اسے جانتا نہ ہو۔ یا کہے کہ تو جو کچھ فلاں کو دے گا اس کا میں ضامن ہوں یا کہے کہ تیرا جو کچھ اس کے ذمے ہے اس کا میں ضامن ہوں تو صحیح ہو جائے گا اور اس کے ذمے لازم ہو جائے گا اگرچہ اسے نہ جانتا ہو۔ یا کہہ دے کہ اس تجارت کی ذمہ داری کا ضامن میں ہوں تو بھی یہ ضمانت ہو جائے گی اور اس کے ذمے وہ چیز آجائے گی۔ گو جانتا نہ ہو۔ ہمارے اکثر اصحاب جن میں صاحب مغنی وغیرہ ہیں فرماتے ہیں اگر نہ جانتا ہو تو اس کی قسم ان چیزوں میں سے کسی پر منعقد نہ ہو گی۔ اس لیے کہ یہاں نہ تو قسم کی صراحت ہے نہ کنایت نیت کے ساتھ ہے کیونکہ جسے جانتا ہی نہیں اس کی نیت کہاں سے ہو گی۔ اگر جانتا ہو پھر نیت نہ کرے تو بھی صحت نہ ہو گی اس لیے کہ یہ کنایہ ہے اور کنایہ میں نیت شرط ہے اس لیے اس کا حکم ہی اس پر عائد نہ ہو گا۔ جانتا بھی ہو نیت میں بھی رکھتا ہو تو بیشک طلاق اور عتاق ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان دونوں میں کنایہ کے ساتھ ہی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ ہاں اوروں میں نہیں اس لیے کہ وہ کنایہ سے منعقد نہیں ہوتی۔ ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کا قول ہے کہ طلاق و عتاق اور صدقہ مال میں انعقاد ہو گا سوائے اللہ کی قسم کے کیونکہ اس میں کفارے کا وجوب نامِ اللہ کی عظمت کے باعث ہے جس کی تعظیم لوازمات ایمان میں سے ہے۔ اور یہ چیز اور قسموں میں نہیں پائی جاتی۔

فصل: رہے اصحاب امام مالک رحمہ اللہ ۔ سو امام صاحب سے یا ان کے قدیم رفیقوں سے تو اس بارے میں کچھ بھی مروی نہیں۔ ہاں متاخرین کے الجھے ہوئے بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ ابوبکر بن عربی کہتے ہیں متاخرین کا اجماع ہے کہ طلاق میں یہ قسم ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی تمام عورتوں کو طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح آزادگی میں بھی ان کے تمام لونڈی غلام آزاد ہو جائیں گے اگر نہ ہوں تو بھی اس کے ذمے ایک غلام خرید کر آزاد کرنا آئے گا اور اسی طرح مکہ شریف کا پیدل حج اگرچہ وہ بہت ہی دور رہتا ہو اور اس کے کل مال کا ثلث خیرات کرنا اور دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے۔ پھر کہتے ہیں اکثر اندلس والے کہتے ہیں کہ اس کی سب بیویوں پر تین تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ عرویون کہتے ہیں ایک ایک طلاق ہو جائے گی۔ بعض اس پر سال بھر کے روزے بتلاتے ہیں۔ جبکہ قسم سے عادۃً بھی ہوتا ہو۔ اب آپ خود ان اقوال میں اور اصحاب شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں جو خلاف ہے اسے ملاحظہ فرمالیجئے۔

فصل: ایسا ہی اختلاف ان کا اس وقت بھی ہے جبکہ کوئی مسلمانوں کی قسموں سے قسم کھائے یا کل لازم ہو جانے والی قسموں سے قسم کھائے یا کہے کہ تمام قسمیں مجھ پر لازم ہیں یا سخت سے سخت قسم کھائے۔ مالکیہ کہتے ہیں ہم نے جو ان مذکورہ چیزوں کو لازم کر دی ہیں اور چیزیں لازم نہیں لیکن مثلاً اندھوں کا لباس' بھوکوں کا کھانا اور اعتکاف' مکانات بنوانا وغیرہ اس لیے کہ مشہور چیزیں یہی ہیں اور عرفاً غالب بھی یہی ہیں۔ اس لیے ہم نے انھیں ضروری کر دیا۔ اس لیے کہ مسمی عرفی یہی ہے اور یہ مسمی لغوی پر مقدم رہے گا۔ اس لئے قسم انہی مذکورہ چیزوں کے ساتھ مخصوص کر دی۔ مشہور چیزیں یہی ہیں حلف اور یمین اور قسم کے الفاظ انہی چیزوں میں استعمال کیے جاتے ہیں نہ کہ اور کسی میں یہ بات ادراک سے باہر ہے کہ وہ لوگ ان کے نام ہی لیا کرتے تھے یا وہ دو ماہ کے متصل روزے رکھتے تھے یا حج کرتے تھے بلکہ ان الفاظ کے استعمال کا غلبہ

انہی معانی میں ہے نہ کہ اور میں۔ ہاں بعض اصحاب نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جس کی عادت قسم میں سال بھر کے روزوں کی ہو اس پر سال بھر کے روزے ہی ہیں۔ ان حضرات نے نفلی عرف کو چھوڑ کر لفظی قسم کا اعتبار کیا ہے۔ اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ اگر کسی زمانے میں یہ قسمیں اعتکاف اور مکانات اور کھلانے پلانے' پہنانے اڑھانے' مسجدیں بنانے وغیرہ میں ہو جائیں اور مذکورہ چیزیں مٹ جائیں تو ان قسموں کا خلاف کرنے والوں پر یہی چیزیں لازم آئیں گی۔ اس لیے کہ جو احکام قرائن پر ہوں وہ قرائن کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں جیسے کہ معاملات لین دین وغیرہ کے احکام پس اگر ایک سکے کے بدلے دوسرا سکہ جاری ہو گیا تو اطلاق کے وقت وہی سکہ مراد لیا جائے گا نہ کہ اس سے پہلے کا۔ اسی طرح کسی چیز میں آج کوئی عیب سمجھی جاتی ہے کچھ زمانے کے بعد دوسری چیز عیب سمجھی جانے لگی تو اسی چالو زمانے کا اعتبار ہو گا اور اس عیب پر چیز لوٹائی جائے گی' جو بات اب عیب میں داخل نہیں اس پر چیز کو لوٹانا نہیں ہو گا۔ پس عوائد پر اسی طرح احکام گھومتے رہیں گے۔ یہ بات علماء کے اجماع سے ثابت ہے۔ جس میں کسی کو بھی خلاف نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے عادت نہیں بدلی کوئی کہے بدل گئی۔ پس آج کل قوم دو ماہ کے روزوں پر عادۃً نہیں تم دیکھو گے کہ ایک بھی آس طرح کی قسم نہیں کھاتا پھر اس کے لازم کرنے کا کیا مطلب؟

علما کو تنبیہ : الغرض عرف کے بدلنے پر احکام کا تبدل یقینی چیز ہے۔ جب عرف و دستور پلٹ گیا تو تم کتاب کے کیڑے اور اگلوں کے مقلد بن کر ہی نہ رہو تم فتوے کو بھی بدل دو۔ خیال رہے کہ کوئی بیرون ملک کا سائل تیرے ہاں آئے تو تو اپنے ہاں کے دستور کے مطابق اسے فتویٰ نہ دے دیا کر بلکہ ان کا عرف اور محاورہ معتبر مان کر اس سے دریافت کر لے اور اسی پر فتویٰ دے نہ کہ اپنے ہاں کے عرف پر اور نہ اپنے اگلے فقہا کی تقلید پر یہی حق بات ہے۔ اگلوں کی کتابوں پر اوندھے پڑے رہنا اور مکھی پر مکھی مارتے چلے جانا۔ اس سے بدتر گمراہی تو کوئی نہیں یہی ہے علماء سلف صالحین اور ائمہ مسلمین کے مقاصد کو نہ سمجھنا۔ پس اس قاعدے پر ہو سکتا ہے کہ صراحت کنایت ہو جائے اور کنایت کسی وقت صراحت میں آجائے پس جبکہ کسی نے کہا کہ بیعت کی قسمیں مجھ پر لازم ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ ان اگلے بادشاہوں کی اصطلاح ہی معتبر مانی جائے جبکہ اس مسکین کی نیت و قصد میں وہ چیز ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کے وقت کے بیوپار تجارت کے قانون کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ ہر جگہ کا مروج سکہ اور مروج ناپ تول وغیرہ کو کیوں لے لیا گیا ہے۔ پس عرف کے مطابق حکم کرو کوئی قرینہ ہے تو اس پر حمل کر دو' نیت اور بساط کا ضرور اعتبار کرو۔ اگر یہ چیز نہیں تو خواہ مخواہ اسے فتوے کے بوجھ تلے نہ دبا لو۔ جو شخص قرائن' عادات' عرف' دستور کو دیکھے بغیر صرف کتب فقہ کے فتووں پر فتوے دیتا ہے اس سے بڑھ کر گمراہ اور گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دینِ الٰہی کو جو نقصان پہنچے گا وہ یقیناً اس نقصان سے سینکڑوں حصہ زیادہ ہے جو ایک جاہل طبیب کے ہاتھوں مختلف مزاج اور مختلف ملک کے رہنے والوں کو اس صورت میں پہنچ سکتا ہے کہ وہ ایک ہی کتابی نسخہ سب کو دیتا ہے یہ جاہل طبیب لوگوں کی جانوں کا دشمن ہے اور یہ جاہل فقیہ مسلمانوں کے ایمان کا دشمن ہے۔

سلف صالحین رحمہم اللہ کے زمانے میں یہ غلیظ قسمیں نہ تھیں۔ یہ بدعتی قسمیں تو ان جاہلوں نے نکال رکھی ہیں اسی لیے اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ ان واہی قسموں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ علماء کرام کی ایک جماعت کا یہی فتویٰ ہے اور متاخرین میں سے تاج الدین ابو عبداللہ ارموی مصنف کتاب الحاصل کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ابن بزیرہ شرح احکام میں لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس استفتاء کے نیچے جواب لکھا کہ یہ

قسمیں لغو ہیں ان سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی پھر اپنے دستخط کر دیئے۔ میں نے آپ دیکھا ہے بلکہ وہ فتویٰ امام محمد ارموی کا میرے پاس موجود و محفوظ ہے ان کے سوا بھی ایک جماعت علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ ان میں کوئی چیز لازم نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کے کفارے کے اس لیے کہ لفظ قسم دراصل اللہ کی قسم کے سوا نہیں بولا جاتا باقی سب التزامات ہیں نہ کہ قسمیں۔ اس پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جو قسم کھانے والا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے جو لوگ اس میں قسم کا کفارہ مانتے ہیں ان میں اس بات میں پھر اختلاف ہے کہ آیا بہت سے کفارے اسے ادا کرنے پڑیں گے یا صرف ایک۔ بہت اس لیے کہ قسمیں جمع ہیں اور ایک اس لیے کہ دراصل قسم ایک ہی چیز پر ہے۔ یہی فتویٰ ابو عمر بن عبدالبر کا ہے اور ابو محمد بن حزم کا ہے ابو عمر کا اصل فتویٰ تو اس پر کچھ نہ ہونے کا ہے۔ قاضی ابوالولید باجی ان سے یہی نقل کرتے ہیں اور پھر ان پر عیب دھرتے ہیں۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اختلاف احوال و مقاصد و شہر سے فتویٰ مختلف ہو گا۔ جس نے طلاق اور آزادگی کے قصد سے یہ قسم کھائی ہے اس پر یہ لازم ہو جائے گا اور جو اس کے مقتضی سے غافل ہے اس کا قصد نہیں کرتا اور عرف غالب جاری بھی اسے پابند نہیں کرتا تو اس پر تین کفارے آئیں گے۔ یہ کفارے قسم کے ہوں گے اس لیے کہ جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر آتا ہے۔ ابوبکر طرطوسی کا یہی فتویٰ تھا۔

ان کے بعد ہمارے شیوخ میں سے اور ہمارے زمانے کے استادوں میں سے وہ بھی ہیں جو تین طلاقوں کا فتویٰ دیتے تھے اس لیے کہ مستمر جاری اور مشہور عرف عام یہی ہے۔ ہر قسم کھانے کے قصد میں یہی چیز ہوتی ہے مغربی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ تین طلاقیں پڑیں گی یا ایک؟ دراصل اس میں اعتماد عرف و دستور کا ہے جب وہ متعین ہو اسے وہ جانتے ہوں اور اسی کے قصد سے قسم کھاتے ہوں تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔ احتمال کے وقت نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ اصل قسم اس کے سوا نہیں پس اس پر تین قسموں کے کفارے آئیں گے۔ اہل تحقیق و انصاف شیوخ کا یہی مذہب رہا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں ایک ہی کفارے کا کافی ہونا یہ اور ایک بہترین فقہ سے بھی پایا جاتا ہے اور اسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے دلالت کرتے ہیں جیسے کہ لیلیٰ بنت العجما کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے اور یہ جو التزامات اس کے سوا ہیں اور بطور قسم کے نکلے ہیں ان میں قسم کا کفارہ نصاً اور قیاساً ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اس میں اتفاق ہے جیسے کہ پہلے گذرا۔ پس ان سب کا مصداق ایک ہی چیز ہے اگرچہ جس پر قسم کھائی گئی ہے۔ وہ متعدد ہوں یہ نظیر ہے اس کی کہ کسی ایک چیز پر قرآن کریم کی تمام سورتوں کی قسم کھائے تو اس پر ایک ہی قسم کا کفارہ ہے کیونکہ موجب ایک ہی ہے گو سبب کئی ایک ہیں۔

اسی کی نظیر اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں کی قسم کھاتا ہے اس کا کفارہ ایک ہی ہے۔ پس جب مسلمانوں کی قسمیں کھائیں یا تمام قسمیں کھائیں یا لازم ہونے والی قسمیں کھائیں یا بیعت کی قسمیں کھائیں جو قسمیں مسلمان کھاتے ہیں وہ کھائیں تو یہ کچھ اس سے بڑی قسمیں نہیں کہ کوئی ان کل کتابوں کی قسمیں کھائے جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں یا اللہ کے کل ناموں کی قسمیں کھائے یا اللہ کی کل صفتوں کی قسمیں کھائے۔ پس جبکہ ان قسموں میں ایک ہی قسم کا کفارہ آتا ہے باوجودیکہ یہ قسمیں حرمت والی ہیں اور تاکیدی ہیں تو پھر ان قسموں میں ایک ہی کفارہ بطور اولیٰ ہوا۔ اس ہماری کامل مکمل شریعت میں جس جیسی کوئی اور شرع کسی آنکھ نے نہیں دیکھی جو سراسر حکمت و عدل والی ہے۔ یہی ہونا بھی چاہئے اور یہی فتویٰ اُمت کے سب سے بڑے فقیہ اور مقاصد رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے اور دینِ الٰہی کے بہت بڑے عارف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیا پھر ان کے بعد فقہاء نے آپس میں اختلاف کیا۔ بعض نے ہر وہ چیز اس کے سر چپک دی جس کا اس نے التزام کیا تھا خواہ وہ

کوئی بھی ہو اور بعض نے اسے بالکل بری الذمہ کر کے رہا کر دیا کہ یہ غیر شرعی قسمیں ہیں۔ بعضوں نے طلاق و عتاق کو لازم کر کے باقی میں اختیار دیا کہ خواہ کفارہ دے دے خواہ ان کا التزام کر لے اور بعضوں نے کفارہ ضروری قرار دیا۔ بعضوں نے صرف طلاق کو ضروری قرار دیا اور کسی چیز کو نہیں بعضوں نے صرف اسی صورت میں لازم قرار دیا کہ صیغہ شرط کے ساتھ ہو۔ اگر صیغہ التزام کے ساتھ ہو تو قسم قرار دی جیسے یہ قول کہ طلاق مجھے لازم ہے تو لازم نہیں کی بعضوں نے توقف کیا اور کوئی فتویٰ ہی نہ دیا۔ پہلا قول تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو دو روایتیں ہیں ان میں سے بھی ایک یہی ہے۔ دوسرا قول اہل ظاہر اور سلف کی ایک جماعت کا ہے۔ تیسرا قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کے ظاہر مذہب میں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے دو روایتوں میں سے ایک میں اور محمد بن حسن کا ہے۔ چوتھا قول بعض شافعیہ کا ہے اور خود امام صاحب سے بھی یہی قول مذکور ہے اور ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی۔ پانچواں قول ابو ثور اور ابراہیم بن خالد کا ہے۔ چھٹا قول شافعیہ میں سے قفال کا ہے اور بعض اصحاب ابی حنیفہ کا اور خود ان سے بھی یہی قول حکایت کیا گیا ہے۔ ساتواں قول اہلحدیث کی ایک جماعت کا ہے۔ قول اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ صحت والا زیادہ فقاہت والا اور ان تمام اقوال کی نسبت کتاب و سنت سے بہت زیادہ قریب ہے' وباللہ التوفیق۔

فصل نویں مثال : اس مہر کا لازم ہو جانا جس پر میاں بیوی متفق ہو جائیں کہ مطالبہ میں تاخیر ہو گی۔ گو کسی مدت کا تقرر بھی کر لیں بلکہ خاوند نے کہا ہے کہ سو مقدم سو مؤخر تو جو رقم مؤخر ہے اس کا مطالبہ موت یا جدائی سے ہو سکتا ہے۔ یہی صحیح مسئلہ ہے اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ جب مہر نقد اور ادھار پر نکاح کرے تو ادھار کا استحقاق موت یا جدائی سے ہو سکتا ہے اسی کو مذہب کے متقدمین شیوخ نے اختیار کیا ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ کا مختار مسئلہ بھی یہی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ نخعی' شعبی' لیث بن سعد کا قول بھی یہی ہے بلکہ اُنھوں نے تو ایک رسالہ لکھ کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھیجا جس میں اس قول کے خلاف کا سختی سے انکار کیا ہم اسے مع سند ذکر کریں گے۔ حسن' حماد بن ابی سلیمان' ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ مدت باطل ہے کیونکہ اس میں محل کی جہالت ہے۔ اس لیے یہ حال میں ہی ہو گی۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں مدت تو درست ہے اور مہر نہ دینی ہو گی بجز اس صورت کے کہ اس کا خاوند اسے الگ کر دے یا اس پر سوکن لائے یا اسے اپنے شہر سے نکال دے اس وقت وہ اپنے اس مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ مکحول اور اوزاعی کہتے ہیں دخول کے وقت سے ایک سال بعد مہر کی ادائیگی کرنی پڑے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الخطاب کہتے ہیں جو مہر کا تقرر ہے وہ فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہو جائے گی۔ بہ سبب جہالت عوض کے کیونکہ وقت مجہول ہے پس مہر مثل کی طرف رجوع ہو گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی مہر میں سے کچھ مؤخر ہونے کو مکروہ کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ سلف میں مہر کل کا کل نقد ہوتا تھا پس اگر کوئی چیز اس میں سے بعد کے لئے ہو تو میں اچھا نہیں سمجھتا کہ لمبی مدت تک کیلئے اس میں تاخیر ہو۔ ابن القاسم سے حکایت کی گئی ہے کہ اس کی تاخیر دو چار سال تک ہو سکتی ہے۔ ابن وہب کہتے ہیں ایک سال تک۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر مدت بیس سال سے زیادہ ہے تو فسخ ہو جائے گی۔ ابن القاسم سے روایت ہے کہ چالیس سال سے زیادہ پر فسخ ہے انہی سے ایک قول پچاس کا اور ایک ساٹھ کا بھی ہے۔ یہ سب فضل بن سلمہ نے ابن المواز سے نقل کیا ہے۔ انہی سے مروی ہے کہ لمبی مدت مثلاً یہ ہے کہ موت تک یا فراق تک۔ ابن وہب اور ابن قاسم نے اس میں مذاکرہ کیا تو ابن وہب تو کہتے تھے کہ میرے

نزدیک اس میں بیس سال ہیں جب اس سے تجاوز ہو گیا تو منسوخ ہو جائے گا۔ ابن القاسم نے کہا میں بھی اس میں آپ کا ہم خیال ہوں۔ پھر ابن وہب تو اپنی بات پر قائم رہے' لیکن ابن القاسم اس سے ہٹ گئے اور کہا چالیس سال تک تو میں فسخ نہ کروں گا اس سے اوپر فسخ کر دوں گا۔

اصبغ کہتے ہیں میں بھی اسی کو لیتا ہوں اور بطور مستحب ہونے کے تو میں اسے دس سال کی تاخیر بھی اچھی نہیں جانتا۔ اشہب نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرایا اور مہر کا بقایا کا حصہ بارہ سال تک مؤخر کیا۔ عبدالملک کہتے ہیں جس قدر مدت کم ہو افضل ہے اگر زیادہ ہو تو فسخ ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں لیکن ابن القاسم کے قول سے نہ بڑھے۔ اس میں چالیس زیادہ اور بہت ہی زیادہ ہیں۔ عبدالملک کہتے ہیں کہ اگر مہر کا کچھ حصہ مؤخر ہو اور کوئی وقت مقرر نہ ہو تو قبل از بنا امام مالک رحمہ اللہ فسخ کر دیتے تھے اور بعد از بنا اسے جاری رکھتے تھے۔ اس صورت میں عورت کو مہر مثل دیا جائے گا مؤخر اور معجل دونوں ہی۔ ہاں اگر مہر معجل مہر مثل سے کم ہو تو اس میں کمی نہ کی جائے گی اور اگر دونوں سے مل کر زیادہ ہو تو وہ اس تمام میں ہے مگر یہ کہ نکاح کرنے والا موخر کو بھی جلدی کر دے اور کل نقد دے دے تو نکاح باقی رہے گا فسخ نہ ہو گا۔ نہ بنا سے پہلے نہ بنا کے بعد۔ نہ عورت اپنے مہر مثل کی طرف لوٹ سکتی ہے پھر اس کی شاخوں میں بھی ان حضرات نے بہت طول دیا ہے۔ صحیح وہ ہے جس پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی جو مہر مقرر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور عورت کو اس کے طلب کرنے کا حق نہیں بجز موت یا جدائی کے۔ لیث نے اس پر اجماع صحابہ نقل کیا ہے۔ یہی بات عقل کے بھی مطابق ہے اس لیے کہ جو خرید و فروخت مطلق ہو وہ عادت اور عرف کے مطابق سمجھی جاتی ہے جو سکہ چل رہا ہو' جو وصف معتبر ہو' جو وزن جاری ہو' جو عادت میں داخل ہو وہی معتبر مانا جائے گا۔ اسی طرح نکاح کی صورت میں بھی انہی چیزوں کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ عادت شرط کی جگہ ہے۔ پس وہ عورت مطالبہ نہیں کر سکتی بجز موت کے یا جدائی کے جیسے کہ اس کی مثالیں گزر چکی ہیں اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ عقد نکاح اور عقد سے مختلف ہے۔ تجارت میں وقت کا مشروط تقرر نفع ٹھیک نہیں بلکہ اس کی عدت بقا کی جہالت اس کی صحت میں مؤثر نہیں ہوتی۔ مہر عوض اور مقابلہ ہے اس کی جہالت مدت کا کوئی اثر اس کی صحت میں نہیں ہوتا۔ یہ کھلا قیاس ہے مثلاً اگر ہر ماہ کا ایک درہم ٹھہرا کر کسی کو کام کاج پر رکھا تو یہ صحیح ہے گو کل مدت معلوم نہیں جب تک وہ کام کرے گا تنخواہ پائے گا۔

امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اپنے تئیں اس پر مقرر کیا تھا کہ ایک ڈول ایک کھجور کے بدلے کھینچیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو کھایا۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان اپنی اپنی شرطوں پر قائم ہیں۔ مگر وہ شرط جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے' لیکن ہماری صورت میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں۔ نہ حلال کو حرام کیا گیا ہے نہ حرام کو حلال کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بے شرط کرتے تو جائز نہ ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے زیادہ وفا کی مستحق وہ شرطیں ہیں جن سے تم عورتوں کو حلال کرو۔ ان فقہاء نے جو جو باتیں بیان کی ہیں جو جو مدتیں مقرر کی ہیں ان کے نہ معتبر ہونے کی یہی دلیل ہے کہ کسی کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں۔ پھر وجہ کیا کہ ایک کی مقررہ مدت کو مان لیا جائے اور دوسرے کی نہ مانی جائے؟ خواہ وہ اس سے کم ہو خواہ زیادہ ہو۔ جو صورت اس قسم کی ہو اس کے غیر معتبر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حافظ ابو یوسف یعقوب بن سفیان نسوی اپنی کتاب "التاریخ والمعرفۃ لہ" میں جو کتاب بڑے فوائد اور زبردست علوم والی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی نے کہا کہ یہ رسالہ ہے حضرت لیث بن سعد کا جو اُنھوں نے حضرت مالک

بن انس رحمہ اللہ کو بھیجا تھا۔ حضرت لیث بن سعد کا رسالہ بنام امام مالک رحمہ اللہ میں آپ کے سامنے اس اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں امابعد! ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ عافیت سے رکھے اور دین و دنیا میں نیک انجام کرے مجھے آپ کا خط ملا آپ کی راحت کی خبروں نے میرے دل کو مسرت پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خیروعافیت سے رکھے اور پوری خیروبرکت عنایت فرمائے اور اس میں ہمیشہ زیادتی کرتا رہے اور اپنے شکر کی توفیق بخشے جو کتابیں میں نے بھیجی تھیں آپ نے انھیں ملاحظہ فرما کر اپنی مہر لگا کر واپس کیں وہ مجھے مل گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور آپ کو بہترین بدلے عنایت فرمائے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کی طرف سے ہمیں ملی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی حقیقت تک پہنچ جاؤں کیونکہ وہ آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ آپ میری اس تحریر سے جو میں نے آپ کی طرف بھیجی تھی' خوش ہوئے جس میں' میں نے اس کی درستی کی تھی جو آپ کی طرف سے مجھے ملی تھی جس میں مجھے نصیحت تھی۔ جس کی میرے دل میں بے حد وقعت و عزت ہے۔ اس سے پہلے میں اسی وجہ سے باز رہا کہ آپ کو ہم سے حسن ظن تھا نہ اس لیے کہ اس جیسے مسائل میں آپ سے مذاکرہ نہ تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یہ خبر پہنچائی گئی ہے کہ میں بہت سے ایسے فتوے دیتا ہوں جس کے خلاف آپ کے ہاں کی ایک جماعت ہے بیشک مجھے اپنے علم پر ناز نہیں نہ اپنے نفس پر بے خوفی ہے میں جانتا ہوں کہ میرے ہاں کے لوگوں کو میرے فتوؤں پر اعتماد ہے۔ بلاشک لوگ اہل مدینہ کے پیرو ہیں۔ مدینہ ہی ہجرت گاہ ہے وہیں قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے اس بارے میں جو تحریر فرمایا بالکل درست ہے اور میرے رگ و پے میں وہ سرایت ہے کوئی ادنیٰ اہل علم بھی اس میں شک نہیں کر سکتا کہ اہل مدینہ فتاووں کے گر سے بخوبی واقف ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور علماء نہیں انہیں اپنے بزرگوں کے مختلف فتاوے اور متفقہ فتوے بخوبی حفظ ہیں۔ اس پر رب العالمین اللہ واحد کا جس قدر شکر کیا جائے کم ہے۔ بیشک آپ اس بات میں بھی سچے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا مقام مدینہ شریف تھا۔ یہیں آپ پر آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن اترا اور اللہ نے آپ کو وہ سب سکھایا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں آپ کی اتباع کی۔

آپ نے جو آیت : ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ الخ' (توبہ : ۱۰۰) نقل فرمائی ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے جنھوں نے اوّل اوّل پیش قدمی کی اور ان کے بعد کے جن لوگوں نے خلوص کے ساتھ ان کی تابعداری کی اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور وہ بھی اللہ سے راضی ہیں۔ پروردگارِ عالم نے ان کیلئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی ہے زبردست کامیابی۔ یہ بالکل سچ ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ انہی حضرات میں سے بہت سے راہ اللہ کے جہاد کو نکلے اللہ کی رضامندی کی طلب کیلئے ان کے لشکر اِدھر اُدھر بٹ گئے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے ان میں ان بزرگوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائی۔ جو انھیں علم تھا وہ سب ان حضرات کو سکھایا۔ ایک بات بھی ان سے نہ چھپائی ہر ہر لشکر میں ان اللہ والوں کی ایک جماعت تھی جو انھیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھاتے تھے اور جو مسائل کھلے طور پر نہ تھے انھیں تفسیری طور پر ان کے سامنے بیان کرتے تھے۔ پھر ان سابقین اوّلین کی تقویت حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ جنھیں مسلمانوں نے اپنا بادشاہ اپنے انتخاب سے بنایا تھا اور جن کی سرداری شوق دل سے قبول کی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں خلفاء (رب کی رحمتیں ان پر ہوں) ایک ساعت کیلئے ان لشکروں کی تعلیم و تربیت سے غافل نہ تھے بلکہ نہایت جزوی اور چھوٹے چھوٹے امور پر بھی فوراً فرمان جاری کرتے تھے۔ دین الٰہی کو نہایت حفاظت اور قوت سے سنبھالے ہوئے تھے۔ اختلاف سے بے حد بچتے تھے اور سب کو بچاتے تھے۔ کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ ﷺ میں اختلاف نہیں کرنے دیتے تھے۔ کسی امر کو جس کی تفسیر قرآن نے کی ہو جس پر عمل رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو وہ نہیں چھوڑتے تھے۔

حضور ﷺ کے بعد جس مسئلہ میں غور و خوض ان پاکباز حضرات نے کیا تھا وہ سب بھی انھیں سکھا دیتے تھے۔ پس جب کوئی ایسا امر آجائے جس میں مصر کے یا شام کے یا عراق کے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت ہو۔ ان تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے میں اور پھر وہ برابر باقی رہا ہو۔ اس کے سوا اُنھوں نے اور کوئی حکم نہ دیا ہو تو ہمارے نزدیک تو مسلمانوں کو آج ہرگز یہ جائز نہیں کہ کوئی ایسا امر ایجاد کریں جس پر ان صحابہ کا عمل نہ ہو نہ ان کے تابعین کا عمل ہو۔ باوجود اس بات کے کہ اس کے بعد صحابہ میں اکثر فتووں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اگر میں اس سے پوری طرح واقف نہ ہوتا تو آپ کو لکھتا۔ پھر تابعین میں بھی فتووں میں اختلاف رونما ہوا۔ سعید بن مسیب جیسے جلیل القدر تابعی اور انہی کے ہم پلہ اور تابعین نے بھی اختلاف کیے اور سخت تر اختلاف ہوئے۔ پھر ان کے بعد والوں میں اختلاف پڑے میں نے ان کی مجلسوں میں مدینہ شریف وغیرہ میں شرکت کی۔ اس وقت ان کے بڑے ابن شہاب اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن تھے رحمھما اللہ تعالیٰ۔ حضرت ربیعہ کے بعض اختلافی مسائل تھے جنھیں آپ خوب جانتے ہیں۔ میں نے اپنی موجودگی میں آپ جو ان کے بارے میں فرماتے تھے سنا ہے اور بھی ذی رائے بزرگ اہل مدینہ کے اقوال ان کے بارے میں سنے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ بن سعید اور عبیداللہ بن عمر اور کثیر بن فرقد وغیرہ جو ان سے بڑی عمر کے تھے۔ یہاں تک کہ آپ تنگ آکر ان کی مجلس سے الگ ہو گئے۔ خود میں نے اور آپ نے اور عبدالعزیز بن عبداللہ نے ربیعہ کے ان بعض مسائل پر جو ان پر بطور طعنہ کے تھے مذاکرہ کیا تھا۔ آپ دونوں میرے موافقین میں تھے۔ میں جن چیزوں پر انکار کرتا تھا آپ بھی میرے انکار میں میرے ہم نوا تھے۔ باوجود اس کے بحمد للہ حضرت امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سی خیر و برکت تھی اور سمجھ کی اچھائی اور زبان کی بلاغت اور فضل و بزرگی تھی۔ ان کی روش اسلام خطروں سے خالی تھی وہ اپنے دوستوں سے بہ خندہ پیشانی ملتے تھے۔ بالخصوص ہم سے اللہ ان پر رحمت کرے انھیں بخش دے اور ان کے اعمال سے بہتر جزا دے۔ ابن شہاب کے اختلافی مسائل بھی کچھ کم نہ تھے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جب اُنھوں نے کسی سوال کا جواب لکھا تو باوجود فضیلت، عقل، وفورِ علم کے تین تین جگہ اپنی ایک ہی تحریر میں مناقضہ کیا ایک بات کے خلاف دوسری لکھ گئے یہ بھی نہ معلوم رہا کہ پہلے میں اس کا کیا فتویٰ دے چکا ہوں۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں نے اہل مدینہ کے بعض فتووں کا خلاف کیا۔ جس پر آپ غصے ہو گئے ہیں۔ (۱) مثلاً بارش کی رات میں دو نمازوں کے جمع کرنے کا مسئلہ۔ ظاہر ہے کہ شام کی بارش مدینہ کی بارش سے بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن ان میں سے کوئی امام کسی بارش والی رات نہیں نکلا حالانکہ ان میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، حضرت یزید بن سفیان تھے، حضرت عمرو بن عاص تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی بابت فرمان رسول ﷺ ہے کہ حلال و حرام کو تم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ یہ قول بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تمام علماء کے سردار بن کر قیامت کے دن اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح ان میں شرحبیل بن حسنہ، ابودرداء، بلال بن رباح تھے رضی اللہ عنہم - مصر میں حضرت ابوذر اور حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص تھے رضی اللہ عنہم - حمص میں ستر بدری صحابہ تھے رضی اللہ عنہم - اور بھی مسلمانوں کا کوئی لشکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے خالی نہ تھا۔ عراق میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ یہیں امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کئی برس تک رہے۔ آپ کے ساتھ بھی بہت سے صحابہ

تھے لیکن انھوں نے کبھی بھی مغرب و عشاء جمع کر کے نہیں پڑھی۔ (۲) ان میں سے ہی ایک گواہ کی گواہی اور حق والے کی قسم سے فیصلہ کرنے کا مسئلہ ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ مدینے میں اس پر برابر فیصلہ ہوتا رہا۔ لیکن شام میں صحابہ نے اس پر فیصلہ نہیں کیا نہ حمص میں نہ مصر میں نہ عراق میں نہ انھیں خلفاء راشدین نے اس کی ہدایت کی نہ ابوبکر نے' نہ عمر نے' نہ عثمان نے نہ علی نے رضی اللہ عنہم ۔ ان کے بعد پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آتا ہے جو سنتوں کو زندہ کرنے میں دین کو درست رکھنے کی کوشش میں عقل اور علم کی زیادتی میں بے نظیر شخص تھے۔ انھیں حضرت زریق بن حکم لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ شریف میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرتے رہے ہیں تو انھیں حضرت عمر جواب دیتے ہیں کہ بیشک مدینے میں ہمارا یہ عمل جاری رہا لیکن اہل شام کو ہم نے اس کے خلاف پایا۔ پس ہم بغیر دو عادل مرد گواہوں کے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے فیصلہ نہیں کرتے۔ نہ ہم رات کو مغرب عشاء جمع کرتے ہیں گو بارش ہوتی ہو۔ ان پر ان کی منزل میں بارش ٹپکا کرتی تھی۔ جس میں وہ ساکن تھے۔ (۳) انہی میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اہل مدینہ عورتوں کی مہر کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ جب چاہے اپنا مؤخر مہر طلب کر سکتی ہے اور خاوند کو اسی وقت دینا پڑے گا۔ اہل عراق' اہل شام' اہل مصر بھی اس مسئلہ میں ان کے موافق ہیں لیکن صحابہ کے فیصلے ہم یکسر اس کے خلاف پاتے ہیں بلکہ صحابہ کے بعد والوں کے بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ موت یا جدائی کے وقت وہ اپنا حق پائے گی۔

(۴) اسی میں ایک مسئلہ ان کا ایلاء کا بھی ہے کہ جب تک اس کے خاوند کو کھڑا نہ کیا جائے اس پر طلاق نہیں ہوتی۔ گو چار مہینے گزر جائیں۔ حالانکہ مجھ سے نافع نے ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے جن سے ان مہینوں کے بعد کھڑا کرنا مروی ہے کہ وہ ایلاء کے بارے میں جس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے فرماتے تھے کہ ایلا کرنے والے کو حلال نہیں کہ مدت گزر جانے کے بعد بھی اللہ کے حکم کے مطابق رجوع نہ کرے یا طلاق کا عزم نہ کرے۔ حالانکہ آپ حضرات کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر چار مہینے کی مدت جو کتاب اللہ میں ہے اس کے گزر جانے پر بھی وہ کھڑا نہیں ہوا تو طلاق اس پر نہ ہو گی۔ حالانکہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان' حضرت زید بن ثابت' حضرت قبیصہ بن ذویب' حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ان سب کا قول ہے کہ جب ایلا پر چار ماہ گزر جائیں تو طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب' ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام اور ابن شہاب فرماتے ہیں کہ چار مہینے گزرتے ہی طلاق پڑ جائے گی۔ ہاں اسے عدت کے اندر رجوع کا اختیار ہے۔ (۵) اسی میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے جو حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جب کسی نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اس نے اپنے خاوند کے پاس رہنا ہی اختیار کیا تو بھی ایک طلاق ہو جائے گی اور اگر اس نے اپنے نفس کو تین طلاقیں دے لیں تو بھی ایک طلاق ہے۔ عبدالملک بن مروان نے یہی فیصلہ کیا۔ ربیعہ بن عبدالرحمٰن بھی یہی فتویٰ دیتے رہے۔ حالانکہ قریب ہے کہ دیگر لوگوں کا اس پر اجماع ہو کہ اگر وہ اپنے شوہر کو پسند کرے تو اس صورت میں طلاق ہرگز نہیں اور اگر وہ اپنے تیئں طلاقیں دے لے ایک یا دو تو خاوند کو حق رجوع حاصل ہے اور اگر اس نے تین طلاقیں دے لیں تو اسی سے الگ ہو جائے گی اور اس کے لیے حلال نہ رہے گی۔ جب تک کہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کر لے پھر وہ اس سے دخول کرے پھر اس کا انتقال ہو جائے یا وہ اپنی خوشی اُسے طلاق دے دے۔ ہاں اگر وہ کہے کہ میں نے اسے صرف ایک طلاق کا ہی اختیار دیا تھا تو اسے قسم کھلائی جائے گی۔ اگر وہ کھا لے تو اسے اس کی بیوی سے ملنے دیا جائے گا۔ (۶) اس میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لونڈی سے نکاح کیا۔ پھر اسے اس کے

خاوند نے بیچ دیا تو اس کا یہ بیچ دینا تین طلاقیں دینا ہو گا۔ حضرت ربیعہ کا قول بھی یہی ہے اور اگر کسی آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کیا پھر اسے بیچ دیا تو بھی حکم اسی طرح ہے۔ معاف فرمایئے مجھے آپ کے بعض فتوے سخت ناپسند ہوئے۔ میں نے بعض کی تنقید بھی کی اور آپ کو لکھا بھی لیکن آپ نے اپنے خط میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں آپ کو میری وہ تحریر ناگوار نہ گزری ہو اس لیے میں نے اور مسائل کی تحریر موقوف کر دی کہ آپ کے فتووں کی تنقید سے کہیں آپ کو برا لگے اب سنیے : مجھے معلوم ہوا ہے کہ :

(۷) زفر بن عاصم ھلالی نے جب استسقاء کا ارادہ کیا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ خطبے سے پہلے نماز پڑھیں مجھے یہ بات بہت بری معلوم ہوئی۔ اس لیے کہ خطبہ اور نماز استسقاء بالکل جمعہ کی طرح ہے صرف یہ بات ہے کہ خطبے کے ختم کے قریب امام دعا مانگے اور اپنی چادر پلٹا دے پھر اتر کر نماز پڑھا دے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام ابوبکر بن محمد بن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے استسقاء کی نماز پڑھائی اور خطبہ اور دعا نماز سے پہلے ہی پڑھا۔ پس تمام لوگ زفر بن عاصم کے اس فعل کو جو اس نے آپ کے حکم سے کیا یعنی نماز پہلے پھر خطبہ برا جانتے ہیں اور اس کی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ (۸) انہی میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں جن دو شخصوں کا ساجھے کا مال خلط ملط ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کا حد نصاب کو نہ پہنچ جائے۔ حالانکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب میں موجود ہے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور دونوں برابر برابر نمٹ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وغیرہ کے وقت میں بھی اسی پر عمل رہا یہی بات ہم سے یحییٰ بن سعید نے بیان فرمائی جو اپنے زمانے کے بڑے فاضل علامہ تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے انھیں بخشے اور جنت الفردوس مین جگہ دے۔

(۹) ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مفلس ہو جائے اور اس کے ہاتھ کسی شخص نے کوئی سودا بیچا ہو پھر اس نے کچھ قیمت اس کی لے بھی لی ہے یا خریدنے والے نے اس کا کوئی حصہ خرچ کر دیا ہے پھر بھی صاحب مال جو ہے اسے لے لے حالانکہ اور لوگ اسی بات پر ہیں کہ جب بیچنے والے نے اپنی کچھ قیمت وصول کر لی یا دکاندار نے اس میں سے کچھ خرچ کر دیا تو وہ چیز جیسی تھی ویسی نہ رہی۔ اس لیے وہ صرف صاحب مال کا حق نہیں۔ (۱۰) اور بھی سنئے آپ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا ہے حالانکہ اور سب لوگ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ان کے دو گھوڑوں کے چار حصے دیئے۔ تیسرے کا کچھ نہیں دیا۔ ساری اُمت اسی حدیث پر ہے۔ اہل شام اہل مصر اہل عراق اہل افریقہ ان میں سے دو میں بھی اس بارے میں اختلاف نہیں۔ پس آپ کے ہرگز یہ لائق نہیں اگرچہ آپ نے اسے کسی اپنے پسندیدہ شخص سے سنا ہو کہ ساری اُمت کا اختلاف کریں اور بھی اسی قسم کے بہت سے مسائل ہیں جنھیں اس وقت میں ترک کر رہا ہوں۔ میری عین چاہت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور درازی عمر عطا فرمائے کیونکہ اس میں دنیائے اسلام کیلئے نفع ہے۔ مجھے ان پر کسی بربادی کا خوف ہے اگر آپ جیسا شخص ان میں سے اٹھ جائے۔ مجھے آپ کے مکان سے انسیت ہے گو آپ مجھ سے بہت دور ہیں۔ سنیے آپ کی قدر و منزلت ہمارے دلوں میں ہے اور ہمارے خیال آپ کی نسبت بہت بہتر ہیں۔ آپ کامل یقین رکھئے۔ مہربانی فرما کر اپنی خیریت خبر ضرور تحریر فرماتے رہیں اپنے بال بچوں اور اہل و عیال کی خیریت خبر سے بھی شاد فرماتے رہیں اگر جناب کا کوئی کام کاج ہو یا جناب کے واسطے سے کسی اور کا کوئی کام کاج ہو تو ضرور اطلاع دیں۔ انشاء اللہ ہمیں کوئی پس و پیش آپ کی حکم برداری میں نہ ہو گا بلکہ آپ کے فرمان کو غنیمت سمجھیں گے اور مسرور ہوں گے۔ بحمد للہ ہم سب تادم تحریر خیروعافیت سے ہیں۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور

آپ کو اپنی نعمتوں کے شکریے کی توفیق دے اور ہمیں بھرپور اپنی نعمتیں عطا فرمائے' والسلام علیك ورحمة اللّٰه۔

یہ تھا اس رسالے کا مضمون جو حرف بہ حرف ناظرین کے سامنے ہم نے رکھ دیا۔ اب ہم پھر اسی مسئلے کی طرف عود کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر ان لوگوں نے بظاہر تو مہر کو حال میں ہی بتلایا لیکن یہ باطن آپس میں تاخیر طے کر لی جیسے کہ ہمارے اس زمانہ میں عموماً ہوتا ہے تو کیا عورت کو فرقت یا موت سے پہلے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دراصل ایک قاعدے پر مبنی ہے وہ یہ کہ جب وہ چپ چپاتے اندرونی طور پر تو مہر کم مقرر کریں اور بظاہر لوگوں کے سامنے زیادہ مہر باندھیں تو آیا حکم اس پوشیدگی پر ہو گا یا اس ظاہر پر؟ اس بارے میں متاخرین کے اقوال بہت ہی پریشان اور الجھے ہوئے ہیں کیونکہ اُنھوں نے ائمہ کے مقاصد کا احاطہ نہیں کیا۔ پس ہم اس کی گرہ کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں دراصل اس کی دو صورتیں ہیں اوّل تو یہ کہ مثلاً علانیہ تو اُنھوں نے دو ہزار کا مہر باندھا اور اس سے پہلے وہ آپس میں پوشیدہ طور پر ایک ہزار طے کر چکے ہیں اور صرف لوگوں کو سنانے کیلئے مہر بڑا بتلاتے ہیں پس قاضی اور ان کے بعد کے اصحاب احمد کہتے ہیں کہ وہی معتبر ہو گا جو علانیہ کہا گیا ہے اور جس پر ان کا اس سے پہلے اتفاق ہوا ہے وہ غیر معتبر ہو گا گو شہادت ہو جائے اور گو ایک دوسرے کو سچا کہیں اور گو دونوں مہر ایک جنس کے ہوں یا مختلف جنس کے ہوں اور گو پوشیدہ میں کم ہو یا زیادہ ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بظاہر کئی جگہ یہی مسئلہ ہے چنانچہ یزید کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے پوشیدہ مہر باندھا اور علانیہ کوئی اور بات کہی تو علانیہ بات پر پکڑا جائے گا۔ ابن الحارث کی روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر نکاح کرے اور پوشیدگی میں اس کے سوا اور کچھ ہو تو ہم تو علانیہ کو لیں گے۔ گو اس کے گواہ بھی ہوں۔ اثرم کی روایت میں ہے کہ جو شخص پوشیدہ کچھ مہر باندھے اور علانیہ اور کچھ باندھے تو علانیہ کا مہر اس سے لیا جائے گا۔ جب کہ وہ اس کا اقراری ہو چکا ہے تو آپ سے کہا گیا کہ اس نے پوشیدگی کے تقرر کے بھی گواہ رکھ لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسی طرح علانیہ میں بھی اس نے شاہدوں کے سامنے اقرار کیا ہے۔ اس میں آپ کا اقرار کا لفظ ہے اس کے معنی ہمارے شیخ رضامندی اور التزام کے کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے : ﴿ اقررتم ﴾ پس اس صورت میں بوقت عقد نام لیا جانا بھی آگیا اور بعد از عقد قرار کرنا بھی آگیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ اس نے جزیہ کا اقرار کیا۔ اس نے سلطان کی اطاعت کا اقرار کیا۔ کلام عرب میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ صالح کی روایت میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ اعلان میں جو مہر مقرر ہوا ہے۔ وہی ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اس پر اس نے اپنے اوپر گواہ کر لئے ہیں ہاں سسرال والوں کو لائق یہ ہے کہ جو علیحدگی میں طے کیا ہے اسے پورا کریں۔

ابن مقصود کی روایت میں ہے کہ جب پوشیدگی میں کچھ ہے تو پوشیدگی کی طے شدہ بات کو پوری کرنی چاہیے۔ لیکن یہ شخص تو اعلان پر پکڑا جائے گا۔ قاضی وغیرہ کہتے ہیں مہر علانیہ کی بابت تو امام صاحب نے اپنا قول مطلق رکھا ہاں پوشیدگی کی بابت پورا کرنے کو جو فرمایا یہ بھی بطور اختیار ہے تاکہ اس بارے میں ان کی طرف سے دھوکہ متصور نہ ہو۔ شعبی' ابوقلابہ' ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ اور اوزاعی یہی کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ہاں ایک اور صاف قول آپ کا یہ بھی ہے کہ پوشیدہ جو تقرر ہوا ہے وہی لیا جائے گا تو کہا گیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں بلکہ یہ دوسری صورت میں ہے جو اب آئے گی۔ بہت سے بلکہ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ جب گواہ جانتے ہوں کہ اس وقت جو مہر مشہور کیا جا رہا ہے وہ تو صرف سنانے کیلئے ہے اور اصل مہر اتنا اتنا ہے پھر اس کا نکاح ہوتا ہے اور زیادہ مہر کا اعلان ہوتا ہے تو وہی مہر رہے

گا جو آپس میں باطناً طے ہوا ہے اور یہ دکھاوا سناوا باطل ہو جائے گا۔ زہری، حکم بن عتیبہ، مالک، ثوری، لیث، ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم ان کے ساتھی اور اسحاق کا قول یہی ہے۔ شریح اور حسن سے ان دونوں قولوں کے مثل ہے۔

قاضی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ یہ مہر سرے سے باطل ہے اور مہر مثل ملے گا۔ لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ساتھیوں وغیرہ نے جو نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو منقول ہے اس سے تو پایا جاتا ہے کہ پوشیدگی میں جو طے ہوا ہے، وہی معتبر ہے۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ علانیہ دباؤ سے ہے۔ فرماتے ہیں جب کسی شخص نے ظاہر مہر کچھ کیا اور پوشیدہ کچھ اور کیا تو دلیلوں اور گواہوں کو دیکھا جائے گا اور ظاہر زیادہ تاکید والا مانا جائے گا۔ ہاں اس کے خلاف کوئی دلیل مل جائے تو اور بات ہے۔ مثلاً بقول ابو حفص عسکری پوشیدگی کے گواہ عادل ہوں اور ظاہر کے گواہ غیر عادل ہوں تو حکم عادل گواہوں کی گواہی پر جاری ہو گا۔ قاضی کہتے ہیں اس سے تو بظاہر معلوم ہوا کہ حکم پوشیدگی پر ہے جب تک کہ عادل گواہ نکاح علانیہ نہ ملیں۔ ابو حفص کہتے ہیں جب برابر کی شہادتیں ہوں اور پوشیدہ طور پر شرط ہو چکی ہو کہ جو ظاہر کریں گے وہ صرف ریا اور سمعت ہو گی تو انھیں اس کو پورا کرنا چاہئے اور ظاہر کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ حدیث شریف میں ہے مومن اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔ قاضی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم پوشیدگی پر ہے اور مذہب وہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو حفص کا پہلا قول کہ پوشیدگی میں نکاح کم مہر پر باندھا اس کی دلیل ہے اور علانیہ نکاح زیادہ مہر والے کی دلیل نہیں اور دوسرا قول کہ نکاح علانیہ کی دلیل ہے لیکن شرط ہو چکی تھی کہ جو زیادتی ظاہر کریں گے وہ دکھاوے سناوے کی ہو گی تو یہ قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بالکل مشابہ ہے۔ ان کے اصول سے بھی ٹھیک ہے ان کا عام کلام اس مسئلہ میں یہی ہے کہ جب میاں بیوی میں اختلاف ہو اور کوئی گواہ یا اقرار اس بات کا نہ ہو کہ علانیہ کا مہر صرف سنانے کیلئے تھا بلکہ اس بات کے گواہ گزریں کہ زیادتی پر ہی نکاح ہوا ہے اور اسی کا دعویٰ کیا گیا ہو تو واجب ہے کہ اسے اس کے اب کے اور پہلے کے اقرار پر پکڑا جائے۔ پھر وہ گواہ گزرے کہ وہ آپس میں اس سے کم پر رضامند تھے تو ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کمی پر اور دوسرے وقت میں زیادتی پر رضامندی ہو گئی ہو۔ دیکھئے امام صاحب یہی کہتے ہیں کہ علانیہ کی بات لی جائے گی۔ اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر گواہ کیے ہیں۔ ہاں انھیں چاہیے کہ آپس میں جو طے ہوا ہے اسے نبھائیں۔ پس آپ کا یہ فرمان کہ اس نے اپنے نفس پر گواہ رکھے ہیں۔ اس امر کی دلیل ہے کہ حکم میں تو یہ لیا جائے گا لیکن اللہ کے اور اس کے درمیان شہادت نہیں چلتی۔ وہ دلوں کے حالات اور اصل معاملات سے باخبر ہے۔

اسی طرح آپ نے جو فرمایا ہے کہ انھیں اپنے وعدے کو پورا کرنا چاہیے گو اس پر تو علانیہ میں جو مقرر ہوا ہے وہی حکم لگایا جائے گا یہ بھی دلیل ہے کہ حکم یہی لگایا جائے گا۔ ہاں سسرال والوں پر اپنے قول کو پورا کرنا واجب ہے۔ یہ جو فرمایا ہے انھیں لائق ہے یہ لفظ گو مستحب میں بولا جاتا ہے لیکن وجوب کے موقعہ پر اس کا استعمال اکثر ہے۔ اس کی دلیل آپ کا یہ قول بھی ہے کہ ایک عورت سے مجمع میں تو ایک ہزار کے مہر پر نکاح ہوا اور پوشیدگی میں پانچ سو پر۔ پھر ان کا اس بارے میں اختلاف ہوا تو اگر گواہ دونوں کے یکساں ہیں تو جو علانیہ طے ہوا ہے وہی دلوایا جائے گا۔ اس لیے کہ احتیاط اسی میں ہے اور عورت کو حلت کے معاملہ میں رقم کی زیادتی لی جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں یہ قید ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف ہوا ہے اور دونوں جانب سے عادل گواہ پیش ہیں۔ یہ پورا ظاہر دوسری صورت میں ہوتا ہے مثلاً خانگی میں پہلا نکاح ہوا جس میں ایک ہزار کا مہر کیا گیا پھر ظاہری طور پر نکاح ہوا۔ اس میں دو ہزار کا مہر باندھا گیا حالانکہ پہلا نکاح باقی ہے پس اس جگہ قاضی مجرد میں اور

جامع میں فرماتے ہیں کہ اگر دونوں نے پوشیدہ نکاح کو بھی سچایا تو وہ نکاح اس مہر سے لازم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ پہلا نکاح وہی ہے' وہی صحیح ہے' وہی لازم ہے اور آخری نکاح سے پھر کوئی تعلق ہی نہیں رہا وہ تو صرف دل بہلاوا اور ریا و نمود تھی۔ اس پر کوئی حکم نہیں ہونے کا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام خرقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا محل یہی صورت ہے۔ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ خرقی کہتے ہیں جب نکاح دو مہروں پر ہوا ہے ایک سراً اور دوسرا علاناً تو علانیہ والا مہر لیا جائے گا گو سراً نکاح منعقد ہو چکا ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا منصوص ہے۔ فرماتے ہیں اگر اس عورت نے علانیہ ایک ہزار پر نکاح کیا ہے اور پوشیدہ پانچ سو پر۔ ان کے پہلے کلام کا عموم اس صورت کو بھی شامل ہے اور اس سے پہلے کی صورت کو بھی۔ اس کو قاضی نے اپنے خلاف میں ذکر کیا ہے اور اسی پر اکثر ان کے ساتھی ہیں۔ پھر ان کا اور ایک جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ اُنھوں نے مہر پر زیادتی ظاہر کی۔ اور مہر کے لازم ہونے کے بعد کی زیادتی بھی لازم ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر اگر پوشیدگی میں زیادتی ہے تو وہی لی جائے گی۔ یہی معنی ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے کہ علانیہ چیز لی جائے گی یعنی اکثریت والی۔ اس قول کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ سری نکاح اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب اسے چھپایا نہ جائے۔ دو روایتوں میں سے ایک روایت بلکہ زیادہ ظاہر الفاظ کی روایت یہی ہے پس جب ان لوگوں نے اس نکاح اوّل کو مل جل کر چھپا لیا ہے تو معتبر نکاح دوسرا نکاح ہی ہو گا۔ یہ گزر چکا ہے کہ سب ساتھیوں میں اختلاف ہے کہ ظاہری نکاح کے وقت کا مہر لیا جائے گا۔ عنداللہ بھی اور قاضی کے حکم میں بھی۔ یا صرف ظاہر میں ہی جبکہ پوشیدگی آپس کے اتفاق سے ہو اور عقد نہ ہو اور اگر پوشیدگی عقد نکاح سمیت ہو تو کیا وہ بھی پہلی صورت کے حکم میں ہے یا یہاں صرف عنداللہ ہی پوشیدگی معتبر ہو گی بلا تردد دونوں وجہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ظاہر میں ہی لیا جائے گا باطن میں بھی انھیں لائق نہیں کہ اس کے سوا کچھ لیں جس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔ اس کے شواہد بہت سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہی ظاہراً اور باطناً لیا جائے گا وہ اس بات پر بنا ڈالتے ہیں کہ مہر نکاح کے توابع میں سے ہے اور نکاح کی صفتوں میں سے ہے۔ پس اس کا ذکر جو ریا و نمود کیلئے کیا گیا ہے وہ بھی ایسا ہی ہو گا جیسے مذاق کے طور پر کہا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ نکاح کی پختگی اور مذاق ایک ہی حکم رکھتا ہے اسی طرح اس نکاح میں جو ہے اس کا ذکر بھی یہی حکم رکھتا ہے کیونکہ کسی عورت کی حلت نکاح گواہی کے ساتھ مشروط ہے اور گواہی اسی چیز پر ہے جو ظاہر کی گئی ہے تو جس چیز پر گواہی ہوئی وہ بھی حلال ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ یہ ہے کلام شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا پوشیدہ اور علانیہ مہر کے مسئلے میں جسے میں نے کتاب ابطال تحلیل سے انہی کے لفظوں میں نقل کیا ہے۔

اس مسئلے کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہوئی' دوسری یہ کہ کسی چیز کی قیمت پوشیدہ طور پر تو ایک ہزار طے کریں اور ظاہر یہ کریں کہ اس کی قیمت دو ہزار ہے تو قاضی نے تعلیق قدیم میں اور شریف ابو جعفر وغیرہ نے کہا ہے کہ قیمت وہی ہو گی جسے خریدار اور بیچنے والے نے ظاہر کی ہے۔ اس کا قیاس اسی مہر کے مسئلے پر ہے جو اوپر بیان ہوا کہ حکم ظاہر پر ہو گا یہی اکثر ہے اور تعلیق جدید میں قاضی صاحب فرماتے ہیں اور ابوالخطاب ابوالحسین وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ قیمت اصل وہی ہے جو پوشیدگی میں طے ہوئی ہے اور زیادتی صرف ریا نمود کے لیے ہے۔ ہاں مہر کے معاملہ میں اس کے خلاف فتویٰ ہے کیونکہ بیع میں عوض کا الحاق نفس بیع سے ہے اور مہر کا الحاق نکاح سے ہے۔ اس میں زیادتی کا وہ حکم ہے جو بعد عقد کے زیادتی کرنے کا حکم ہے جو لاحق نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ اس بنا پر کہ عوض کا مقرر

کرنا صحت بیع کی ایک شرط ہے۔ لیکن نکاح میں یہ نہیں۔ ان کے دونوں ساتھی کہتے ہیں معتبر دونوں صورتوں میں وہ ہے جو ان میں پوشیدہ طور سے طے ہوا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی ظالم کے دباؤ سے جو اس چیز کو خریدنا چاہتا ہے۔ بائع اور مشتری اتفاق کر کے قیمت زیادہ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ اندرونی طور پر خرید و فروخت اس سے کم قیمت پر ہوئی ہے تو یہ عقد بالکل باطل ہے۔ اگرچہ اُنھوں نے عقد کرتے وقت لفظوں میں اپنی اس بے بسی کا اظہار نہ بھی کیا ہو۔ قاضی کہتے ہیں کہ قول احمد رحمہ اللہ پر قیاس یہی ہے کیونکہ ان کا فرمان ہے کہ جو اس نیت سے نکاح کرے کہ اس عورت کو میں پہلے خاوند کیلئے حلال کر دوں اس کا یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں۔ اسی طرح انگور اس کے ہاتھ بیچنا جس کی نسبت قطعاً معلوم ہو کہ یہ ان کی شراب کشید کرے گا۔

ابن منصور کی روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب کسی نے اپنی بیماری میں کسی عورت کے قرض کا اقرار کیا پھر اس سے نکاح کیا اور وہ مرگیا اور یہ عورت اب اس کی وارث ہے لیکن اقرار جب کیا تھا تب یہ اس کی بیوی نہ تھی تو یہ جائز ہے۔ ہاں اگر بے بسی اور پھنساوڑے میں اقرار کیا ہے تو رد ہو جائے گا۔ اسی طرح اسحاق بن ابراہیم اور مروزی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابو یوسف اور محمد کا قول بھی یہی ہے۔ مالک کے قول کا قیاس بھی یہی ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بے قراری اس وقت تک نہ ہو گی جب تک کہ بوقت لین دین یہ کہا نہ گیا ہو کہ یہ خرید و فروخت اضطراری ہے۔ اسے باطل کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ دراصل ان دونوں کا مقصود لین دین کا ہے ہی نہیں اور صحت بیع میں مقصود معتبر ہے اور اسے صحیح بتلانے والوں کا ماخذ یہ ہے کہ یہ شرط بیع پر مقدم ہے اور عقد میں اثر رکھنے والی شرط وہ ہوتی ہے جو بیع کے ساتھ ہی ساتھ ہو۔ ملی جلی ہو۔ ان میں سے پہلے لوگ تو پہلے مقدمے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ متقدم اور مقارن میں کوئی فرق نہیں اور ان میں کے بعض کہتے ہیں کہ یہ ہے تو سہی لیکن اس شرط میں ہے جو زائد ہو بخلاف اس کے جو سرے سے اسے اٹھا دینے والی ہو شرط کرنے والا یہاں پر تو اپنے لین دین کو غیر مقصود بتاتا ہے اور وہاں مقصود یہی ہوتا ہے جو شرط مقارن سے اطلاق کیا گیا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ دونوں اس نکاح کو ضرورت اور اضطرار کے لیے ظاہر کریں جس کی دراصل کوئی حقیقت نہ ہو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ قاضی وغیرہ کا قول ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے۔ جیسے مذاقیہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ اس میں یہی ہے کہ وہ عقد کا قصد نہیں رکھتا بلکہ اسے ایک مذاق پورا کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ مذاق کا نکاح بھی شرعاً قصد والے نکاح کے برابر ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ ہمارے نزدیک مشہور یہی ہے کہ اگر کوئی شخص عقد میں ایسی شرط کرے جو عقد کے مصداق کو اٹھا دینے والی ہو' جیسے یہ شرط کہ وہ اس سے وطی نہیں کرے گا یا یہ کہ وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی یا یہ شرط کہ یہ اسے کچھ خرچ نہ دے گا وغیرہ تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط لغو ہو جائے گی پس اس بائع اور مشتری کا اتفاق بے قراری پر بھی ایسا ہی اتفاق ہے کہ یہ ایسا عقد کرتے ہیں جو اس کے صحیح مصداق کا مقتضی نہیں ہے تو اصل عقد بیع اس سے باطل نہ ہو گی۔ ہمارے شیخ فرماتے ہیں نکاح مضطر کا باطل ہونا اس طریقے سے نکلتا ہے کہ وہ اتفاق جو عقد سے پہلے موجود تھا وہ قائم مقام عقد کی شرط کے ہے جیسے کہ ہمارے اصحاب کے دو طریقوں میں سے ظاہر طریقہ ہے۔ اگر اُنھوں نے عقد میں شرط کی ہے کہ یہ نکاح اضطراری ہے حقیقی نہیں تو بیشک باطل ہو جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اس میں اختلاف ہے زیادہ سے زیادہ بُرائی اس کی اسی حد تک ہے کہ جیسے یہ

شرط کرلے کہ یہ عورت میرے لیے حلال نہیں تو یہ شرط مفسد عقد ہے۔ گو اس میں خلاف مشہور ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ دونوں متفق ہو جائیں کہ نکاح صرف اس لیے ہے کہ تین طلاقوں والی عورت اس کے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے یہ نکاح مثل شرعی نکاح کے رغبت کے ساتھ نہیں اور یہ جب اس سے دخول کرے گا طلاق دے دے گا یا یہ کہ اس پر طلاق ہے یا یہ کہ جب وہ مان لے کہ یہ شخص اس سے وصال کر چکا ہے تو اسے طلاق ہے پھر وہ عقد کرتے ہیں علی الاطلاق۔ حالانکہ باطن میں یہ عقد صرف حلال کرنے کیلئے ہے نہ کہ میاں بیوی بن کر باقاعدہ رہنے سہنے کے لیے تو یہ حرام ہے اور باطل ہے اس سے یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہی نہ ہو گی۔ اس کام کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے پھر مزید یہ کہ اس میں دھوکہ دہی ہے جیسے کہ سلف نے اس کا یہی نام رکھا ہے اور اس کے کرنے والے کو اللہ سے دھوکہ بازی کرنے والا بتلایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اللہ سے دھوکے بازی کا کھیل کھیلے گا اللہ اسے دھوکے کے وبال میں ضرور گرفتار کرے گا۔ اس ناپاک نکاح کے باطل ہونے پر قریب قریب ساٹھ دلیلیں ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ عقد کرنے والے دونوں نے اگرچہ اپنے سمجھوتے کے خلاف ظاہر کیا ہے لیکن معتبر ان کا اندرونی چکاوا ہے وہی مقصود عقد ہے اسی پر حقیقتاً دونوں کا اتفاق ہے۔ ان کے دلوں میں جو ہے اس پر اللہ شاہد ہے تو حالت عقد کے وقت اسے زبان سے نہ نکالنا انھیں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ جبکہ ان کا مقصود پہلے سے طے ہو چکا ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ ایک شخص بظاہر کسی بات پر قسم کھائے اور اپنی نیت اور اپنا قصد کچھ اور رکھے اور اس پر کسی کا دباؤ اور ظلم نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اسے اس کے الفاظ ظاہری کچھ نفع نہ دیں گے بلکہ اس کی قسم اسی پر ہو گی جو قسم کھلانے والے نے معتبر رکھی ہے اور جس پر وہ اسے سچا مانتے ہیں اس کے مقصد اور اس کی نیت کا اعتبار ہو گا۔

ساتویں صورت: جب کوئی چیز جبراً کراہاً خرید کرے یا جبر و اکراہ کے ساتھ کسی کو مزدوری پر رکھے تو یہ صحیح نہ ہو گا گو بظاہر صورت عقد ثابت ہے کیونکہ قصد و ارادہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قصد ہی عقد کی روح ہے۔ یہی اس کی صحت کرنے والا اور اسے باطل کر دینے والا ہے۔ پس الفاظ کے اعتبار سے مقاصد کا اعتبار زیادہ اولیٰ ہے۔ الفاظ کسی اور ہی چیز کے لیے مقصود ہوتے ہیں دراصل عقود کی جان مقاصد ہیں۔ یہی مُراد ہوتے ہیں جب انھیں لغو قرار دیا اور الفاظ ہی معتبر مانے گئے جو خود مُراد نہیں ہوتے تو یہ اُلٹ پلٹ معاملہ ہو گیا اسے معتبر مانا گیا جو لغو ہو سکتے ہیں اور اسے غیر معتبر مانا گیا جو لغو ہو ہی نہیں سکتے۔ الفاظ ہی کا اعتبار کرنا تو کسی صورت سے درست نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ الفاظ صرف معنی اور مقصد پر دلالت کرنے کیلئے ہوتے ہیں خود ان سے کوئی واسطہ اور خاص مقصود ہوتا ہی نہیں۔ پھر یہ لوگ فرقہ ظاہریہ پر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ اہل ظاہر نصوص کے الفاظ کو ہی لیتے ہیں اور انھیں ان کے ظاہر پر ہی جاری کرتے ہیں جب تک کہ یہ نہ ظاہر ہو جائے کہ مُراد اس کے سوا ہے یہ تم سے ہزار درجے اچھے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ تم تو غیر معصوم لوگوں کے الفاظ پر مدار حکم رکھ دیتے ہو اور بالخصوص وہاں بھی جہاں یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ مُراد ان الفاظ سے کچھ اور ہی ہے۔ پس اہل ظاہر تم سے تو بہت ہی بہتر رہے تم جتنی دلیلیں اپنے اس مسلک کی پیش کرو کیا وہ سب دلیلیں یہ حضرات پیش نہیں کر سکتے؟ بلکہ ان کی دلیلیں تم سے بہت زیادہ صحیح اور بہت زیادہ قوی ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند فرماتا ہے' بلکہ انصاف سے بہتر آرائش و زیبائش اللہ کے نیک بندوں کے لیے اور نہیں ہے۔ بالخصوص وہ شخص جو لوگوں کے اقوال اور مذہب کی تحقیق کے درپے ہو اسے تو انصاف سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ ہونا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی

اللہ تعالیٰ اقرار کراتا ہے کہ کہہ دو! کہ مجھے تو تم میں انصاف و عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پس علماء پر جو رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں فرض ہے کہ عدل و انصاف اور بے تعصبی کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اپنا قریبی دیکھ کر اس کی طرف نہ لڑھک جائیں اپنے ہم مذہبوں کا پارٹ نہ لیں' اپنے والوں کی بے جا طرفداری نہ کریں' اپنے امام کی جانب داری میں نہ رہیں بلکہ اپنی نگاہیں حق پر رکھیں جدھر حق ہوں ادھر ہو جائیں' جہاں سچائی دیکھیں اس کا ساتھ دیں' حق کے ساتھ گھومتے پھریں' عدل و انصاف کو دینِ الٰہی کی روحِ رواں خیال کریں۔ حجت و دلیل جدھر دیکھیں اسی کے سامنے گردن جھکا دیں۔ یاد رکھنا علم وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی کی جستجو اور تلاش میں رہنا چاہئے' اسی کو مقصود اور غرض سمجھنا چاہیے' اسی کی طلب میں دوڑنا بھاگنا چاہیے' اس سے ہٹنا عدل و انصاف سے بھاگنا ہے اس سے دور ہونا دین حق سے گریز کرنا ہے' کسی کے قول کو لے کر اسے چھوڑنا دین سے منہ موڑنا ہے۔ کسی کی حمایت میں آکر کسی کی ملامت سے گھبرا کر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے یکسو ہونا نری بے ایمانی ہے۔ شریعت کی مصلحتوں پر جس نے غور و تدبر کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے ان الفاظ کو محض لغو قرار دیا ہے۔ جن سے بولنے والا ان کے معانی مُراد نہ لے۔ ان معانی کے قصد سے وہ الفاظ نہ بولے بلکہ بلا قصد و ارادہ اس کے مُنہ سے نکلیں جیسے سویا ہوا اور بھول جانے والا اور نشے والا اور وہ جس پر زبردستی اور اکراہ کیا گیا ہو اور جو جاہل ہو اور جس نے خطا کی ہو خواہ سخت خوشی کی وجہ سے خواہ بے حد غضب و غُصّہ کی وجہ سے خواہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے۔ شریعت نے اسے کافر نہیں کہا جو اپنی اونٹنی کھو چکا تھا اور اس کے ملنے سے مایوس ہو چکا تھا کہ اچانک اسے مل جاتی ہے اور بے حد خوشی کی حالت میں اس کے مُنہ سے بے ساختہ بے قصد نکل جاتا ہے کہ الٰہی تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ شدت فرح سے خطا اور غلطی کر جاتا ہے زبانی سبقت ہوتی ہے۔ اصل مقصود اس کا یہ کہنا تھا کہ بیشک اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا غلام ہوں لیکن اس کے برخلاف اس کی زبان سے نادانستگی میں غلطی سے نکل گیا چونکہ ان الفاظ سے ان کے اصلی معنی مُراد نہ تھے۔ اس لیے اس پر کوئی پکڑ نہیں۔

پھر بھلا ان الفاظ پر پکڑ کیسے ہو گی۔ جہاں بالکل ظاہر ہے کہ جو بولتا ہے اس کے خلاف اس کی مُراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقوں کی شہادت توحید و رسالت مقبول نہ ہوئی اور ان کے دھوکے اور جھوٹ اور مذاق کا بھانڈا پھوڑ دیا گیا اور ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں بکتے ہیں جو ان کے دِلوں میں نہیں۔ ان کے باطن ان کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں اور بتلایا کہ یہ بدترین ناراضگی کی بات ہے اللہ کے نزدیک۔ اسی طرح ربّ العالمین نے ان یہودیوں پر لعنت نازل فرمائی کہ ان پر جو حرام ہوا تھا اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی کیونکہ یہ کھانا اور خود اسے کھانا دونوں مقصود کے اعتبار سے یکساں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ شراب کے نچوڑنے والے پر اس کے نچوڑوانے والے پر دونوں پر لعنت ہے۔ ظاہر ہے ہر نچوڑنے والے نے تو صرف انگور کا شیرہ نکالا ہے لیکن چونکہ اس کام سے اس کا مقصود شراب بنانا ہے اس لیے اس کے ظاہری فعل کی طرف نظریں نہیں ڈالی گئیں اور باطن کی لعنت سے وہ بچ نہیں سکا کیونکہ قصد و مُراد خلاف شرع کام کی تھی۔

پس عقود میں' افعال میں' سب میں مُراد و مقصد اور حقیقت ہی معتبر ہوا کرتا ہے نہ کہ ظاہری افعال اور ظاہری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جو لوگ قصد کو پس پشت ڈال کر صرف ظاہر پر فتوے بازی کرتے ہیں ان پر تو یہ لازم آئے گا کہ انگور کا رس نکالنے والوں کو ملعون نہ کہیں۔ کیونکہ اس کا یہ کام کسی گناہ کا کام نہیں۔ بلکہ اسے چاہئے کہ گو اسے معلوم ہو جائے کہ

یہ شیرا شراب بنانے کیلئے نکالا جاتا ہے پھر بھی اسے جائز کہے۔ اس کی اُجرت حلال بتلائے کیونکہ اس کے نزدیک قصد کی تاثیر عقد میں نہیں۔ لوگوں نے اس کی تصریح کی ہے اور اس کے لیے اسے نچوڑنا جائز مانا ہے اور اُجرت بھی دلوائی ہے۔ عبداللہ بن بطہ ذکر کرتے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جو شخص انگوروں کو موسم پر نہ بیچے اس ارادے سے کہ اسے یہود و نصاریٰ کے ہاتھ یا ان کے ہاتھ جو شراب کھینچتے ہیں بیچے گا تو اس نے دیکھتے بھالتے جہنم کی آگ کو لے لیا۔ لیکن جن کے نزدیک مقصود کوئی چیز نہیں وہ اس میں بھی حرج نہیں بتلاتے۔ شریعت کا وہ قاعدہ جو اٹل ہے جس کا توڑنا حرام ہے یہی ہے کہ مقاصد و اعتقادات' تصرفات اور عبادات میں قطعاً معتبر ہیں جیسے تقربات اور عبادات میں معتبر ہیں پس قصد و نیت و عقیدہ کسی شے کو اس کے لیے حلال بھی بنا دیتا ہے اور حرام بھی کر دیتا ہے۔ صحیح بھی کر دیتا ہے اور فاسد بھی کر دیتا ہے۔ اسی ایک چیز کو طاعت بھی کر دیتا ہے اور اسی کو معصیت بھی کر دیتا ہے جیسے کہ قصد سے عبادت واجب ہو جاتی ہے۔ مستحب ہو جاتی ہے۔ حرام ہو جاتی ہے' صحیح ہو جاتی ہے اور فاسد بھی ہو جاتی ہے۔

اس پاک اور صاف اور ضروری قاعدے کی دلیلیں بے شمار ہیں اتنی کہ انھیں پوری پوری کوئی لکھ نہیں سکتا۔ بعض سن بھی لیجئے۔ (۱) خاوندوں کے بارے میں فرمان قرآن ہے کہ جب وہ انھیں رجعی طلاق دیں تو اندرون عدت انھیں رجعت کا اختیار ہے بشرطیکہ ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ چنانچہ اور جگہ فرمایا انھیں ضرر دینے کے ارادے سے روک کر ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ قرآن پاک کے صاف لفظوں میں یہ حکم موجود ہے کہ رجعت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ہے جن کا مقصد اصلاح ہو ضرر و نقصان و تکلیف نہ ہو۔ (۲) خلع کے بارے میں فرمایا اگر تمہیں خوف ہو کہ میاں بیوی حدود الٰہی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ جو وہ عورت فدیے اور بدلے میں دے۔ فرماتا ہے اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعت کر لینے میں دونوں بے گناہ ہیں اگر انھیں یقین ہو کہ اب وہ حدود اللہ کو نبھالیں گے پس خلع جس کی اجازت ہے نکاح جس کی اجازت ہے اسی وقت مباح ہیں جب کہ دونوں خدائی احکام کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ (۳) فرمان پروردگار ہے جس کی وصیت کی جائے اس وصیت کے اور اس قرض کے بعد جو ضرر دہ نہ ہو۔ دیکھئے یہاں بھی وصیت کو میراث پر تقدم دیا گیا لیکن اس وقت جبکہ وصیت کرنے والا نقصان پہنچانے کی نیت سے وصیت نہ کر گیا ہو۔ پس نیت و فعل کی اس قید نے مسئلہ صاف کر دیا کہ اگر وارثوں کو محروم کرنے کیلئے اس نے وصیت کی ہے تو وارث اس وصیت کو باطل کر سکتے ہیں۔ اسے جاری نہ کریں۔ اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے کہ جو وصیت کرنے والے کے ایک طرف جھک جانے اور گناہ سے خوف کرے اور ان میں آپس میں اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ پس اس قصد سے جس نے وصیت کو توڑ دی قرآن نے اس پر سے جرم ہٹا لیا۔ وصیت کو کلام اللہ شریف نے نص شارع کا درجہ نہیں دیا کہ اس کی مخالفت حرام ہو۔

(۴) اسی طرح وقف کرنے والوں کی جو شرطیں خلاف اصلاح ہوں انھیں باطل کرنے والا بھی بے گناہ ہے اور جن شرطوں میں جانب داری اور گناہ کے کام ہوں وہ بھی بدل دینے اور باطل کر دینے کے قابل ہیں۔ کسی کو ہرگز حلال نہیں کہ وہ ایسی باطل خلاف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ شرطوں کو خدائی فرمان اور حدیثِ رسول ﷺ کا مرتبہ دے۔ نہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے یہ قول کہا ہے بلکہ امام الانبیاء آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں ہر ایک وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے اگرچہ سو شرطیں بھی ہوں کتاب اللہ سب سے زیادہ حقدار ہے اور شرطِ الٰہی سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ وقف

کرنے والوں کی وہی شرطیں جاری کی جائیں گی جن میں اطاعت الٰہی ہے اور جن میں بندوں کی مصلحت ہے اس کے خلاف جو شرط ہو اس کی کوئی حرمت و عزت نہیں۔ مثلاً یہ شرط کہ اس وقف سے فائدہ وہ اٹھائیں جو نکاح نہ کریں مجرد رہیں جو تارک دنیا ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط کتاب اللہ کے بالکل خلاف ہے۔ دینِ الٰہی اس کا انکاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کیلئے نکاح کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اس کے کل طریقے بند کر دیئے ہیں اس وقف کی شرط صراحتاً اس کے خلاف ہے یہ تو نکاح کے دروازے بند کرنے والی ہے جس سے فسق و فجور کے دروازے کھل جائیں گے کیونکہ لوازمات بشریہ کا تقاضا طبیعت انسانی میں فطرۃً اور پیدائشی ہے۔ مشروع کو روکنا ممنوع کو جاری کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جناب باری تعالیٰ عزوجل نے ظلم و گناہ والی وصیت کے باطل کرنے والے پر سے گناہ اٹھا دیا ہے۔ اسی طرح وہ بھی بری الذمہ ہے جو وقف کرنے والے کی ایسی خلاف شرع شرطوں کو کالعدم کر دے۔

قبروں پر قرآن خوانی : سنیے انصاف کی اور سیدھی سی بات ہے کہ جس نے مثلاً یہ شرط کی کہ قرآن قبر پر پڑھا جائے تو اسے اصلاح کرے اور مسجد میں قرآن پڑھوائے۔ کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک یہی محبوب امر ہے۔ اسی میں مرنے والے کیلئے پورا نفع ہے۔ پس پورے نفع والی اور پوری پسندیدگی والی بات کو تو چھوڑ دینا اور اس کے خلاف کو مان لینا یہ ہرگز درست جائز نہیں۔ بعض لوگوں نے ایک غلط وجہ گھڑلی ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قبر والا سن سکے اور اسے قرآن سننے کا اجر ملے یہ محض ایک حیلہ ہے اور مسائل شرعیہ کے اعتبار سے بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ قرآن کو سننا بیشک ثواب کا کام ہے' لیکن وہ تو زندگی کا فعل ہے یہ اختیاری امر میں سے ہے مرنے کے بعد اختیاری عمل کہاں؟ پھر سننا کیا اور سننے کا ثواب کیا اور سننے کا موقعہ کیا؟

قبر پر مسجد : اور سنیے مثلاً کسی نے یہ شرط لگائی کہ میرے اس وقف سے فائدہ وہ اٹھائے جو میری قبر پر بنی ہوئی مسجد میں ہی پانچوں نمازیں پڑھا کرے تو یہ شرط بھی بالکل باطل اور محض لغو ہے یہ واجب تو کہاں سے ہو گی بلکہ اسے پورا کرنا حرام ہے۔ جو مسجد اس کی قبر پر نہیں وہیں نماز پڑھنا اللہ رسول ﷺ کو پسند ہے پھر کیسے اسے باطل کر دیا جائے گا؟ اور صرف وقف کرنے والے کی شرط کو سامنے رکھ کر ایسے مکروہ کام کو کیسے ضروری مانا جائے گا؟ اس شخص نے اس شرط میں شرع کا اور اللہ کا خلاف کیا ہے یہ ظلم کی اور گناہ کی شرط ہے جو یقیناً کالعدم ہے بلکہ بدل ڈالنے کے قابل ہے۔

قبر پر چراغاں : اسی طرح مثلاً کوئی شرط کرتا ہے کہ اس کی قبر پر چراغ جلایا جائے' اس کی قبر پر مسجد بنائی جائے اس شرط کو پورا کرنا بھی حرام ہے اس پر عمل کرنا حلال نہیں۔ تم آپ خیال کرو کہ وہ شرط مسلمان کیسے پوری کر سکتے ہیں؟ جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ وقف کرنے والوں کی شرطیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔ وہ شرطیں جو شرع میں حرام ہیں' وہ شرطیں جو اللہ کے دین میں مکروہ ہیں۔ وہ شرطیں جن سے وہ فوت ہوتا ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ امر ہے۔ چوتھی قسم کی وہ شرطیں ہیں جن کا پورا کیا جانا اللہ اور رسول ﷺ کو محبوب ہے۔ پس اگلی تین قسم کی شرطیں محض بے وقار ہیں' غیر معتبر ہیں' باطل ہیں قابل تبدیل و اصلاح ہیں' صرف چوتھی قسم کی شرطیں ہی اس لائق ہیں کہ یہ پوری کی جائیں بلکہ ان کا پورا کیا جانا واجب و فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک سمجھ اور بھلی توفیق دے' آمین!

ان تین قسم کی بیہودہ شرائط کو باطل کرنے کیلئے اللہ کے رسول' رسولوں کے سرتاج محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ ایک فرمان کافی

وانی ہے- آپ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص وہ عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے- جسے اللہ کے پیغمبر رد کر دیں اس کا اعتبار جو کرے اس سے بد دنیا میں کوئی نہیں- نہ وہ چیز لازم ہو گی' نہ معتبر ہو گی' نہ اسے جاری کرنا درست ہو گا- جو شخص اس حدیث کی صحیح تفصیل کا ماہر ہو جائے اور غور و خوض کے بعد اس کے اصلی مطالب تک پہنچ جائے اس فرمان نبی ﷺ کو جو لوازم ایمان میں سے ہے دل سے مان لے وہ ہر ایک بوجھ اور قید سے چھوٹ جاتا ہے- وہ تمام گناہوں اور سزاؤں کے کاموں سے الگ ہو جاتا ہے- دنیا اور آخرت میں ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے یہاں کی بھلائی اور وہاں کا اجر سمیٹ لیتا ہے' وباللہ التوفیق-

فصل : آپ غور سے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کو پڑھئے- آپ فرماتے ہیں تم احرام میں ہو اس وقت تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خود تمہارے لیے ہی شکار نہ کیا جائے- غور فرمایئے کہ کس طرح اس شکار کو حرام قرار دیا جو محرم کیلئے ہی کیا جائے دیکھا آپ نے یہ ہے حرمت میں قصد و نیت کا دخل جسے ظاہری فعل کبھی ہٹا نہیں سکتا- اسی مضمون کی اور حدیث سنیے فرماتے ہیں جو شخص کسی عورت سے کسی مہر پر نکاح کرے اور اس کی نیت میں یہ ہو کہ اسے ادا نہ کرے گا تو وہ زانی ہے اور جو قرض لے اور اس کی نیت یہ ہو کہ واپس نہ دے گا وہ چور ہے- ابو حفص نے اسے اپنی اسناد سے ذکر کیا ہے- پس خریدار اور نکاح کرنے والا جب عوض کی ادائیگی کی نیت نہ رکھیں تو وہ ایسے ہی ہیں جیسے بلا حلت کسی حرام کو کوئی حلال کر لے اور بغیر عوض کسی کا مال کوئی لے لے- یہ دونوں معناً زانی اور چور ہیں- گو صورۃً نہ زانی ہیں نہ چور- اسی کی تائید صحیح بخاری شریف کی یہ مرفوع حدیث بھی کرتی ہے کہ جو شخص لوگوں کے مال ادائیگی کے ارادے سے لے اللہ اسے ادا کرا دے گا اور جو تلف کی نیت سے لے اسے جنابِ باری آپ تلف کر دے گا- پس یہ ہیں آیتیں قرآن کی اور یہ ہیں حدیثیں پیغمبر رحمٰن کی اور ان کے سوا بھی بہت بہت ہیں جو صاف دلالت کرتی ہیں کہ مقاصد کے بدلنے سے تصرفات عقود وغیرہ بدل جائیں گے-

احکام اسلام کا تقاضا یہی ہے ایک شخص کچھ خرید تا ہے یا اجرت پر کسی کو مقرر کرتا ہے یا قرض لیتا ہے یا نکاح کرتا ہے اور یہ سب اپنے وکیل کرنے والے یا اپنے مالک کیلئے کرتا ہے گو ہر وقت یہ نہیں کہتا لیکن ارادہ اور قصد اس کا اسی کا ہے تو یہ سب اسی مؤکل اور مولیٰ کے لیے ہو گا گو بروقت یہ الفاظ اس نے نہیں کہے ہاں اگر اس نے اس کے لیے یہ کیا ہی نہیں اس کی نیت اور قصد میں یہ بات ہی نہیں تو جس نے عقد کیا اسی کی وہ چیز ہے- اسی طرح اگر وہ مباح چیزوں مثلاً شکار گھانس وغیرہ کا مالک ہوا اور نیت اس کی اپنے وکیل بنانے والے کی طرف سے ہے تو یہ سب چیزیں اسی کی ملکیت میں چلی جائیں گی- جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے- ہاں اتنا ضرور ہے کہ نکاح کے وقت اپنے وکیل کرنے والے کا نام لے اس لیے کہ نکاح جس کا نام لیا جائے اسی کے ساتھ منعقد ہوتا ہے یہ قائم مقام سودے کے ہے جو بیع میں ہوتا ہے- پس عقد میں یہ ضروری ہو گیا اس لئے کہ یہ منعقد اسی کیلئے ہوتا ہے- اب غور کر لیجیے کہ جب ایک ہی قول و فعل دو مختلف مالکوں کی ملکیت ثابت کر دیتا ہے جب کہ نیت مختلف ہو تو کیا اب بھی کوئی بات ہماری اس بات کے ثابت کرنے میں باقی رہی کہ نیت کی کامل تاثیر عقود و تصرفات میں ہے؟ اور بھی ایک بات سنیے اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف سے اس کا قرض ادا کرتا ہے یا اس کی طرف سے اس پر جو نفقہ واجب ہے دیتا ہے وغیرہ اور نیت ثواب حاصل کرنے اور ہبہ کرنے کی رکھتا ہے تو اسے بدلے میں رجوع کا حق حاصل نہیں رہتا ہاں اگر نیت نہ کرے تو اختیار رجوع ہے اس کی اجازت سے تو اتفاقاً اور بغیر اجازت کے اختلافاً- دیکھئے

صورت عقد ایک ہی ہے اور حکم قصد و نیت کے ہیر پھیر سے الگ الگ ہے۔

اسی کی دلیلوں میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھنے والے مال کو اسی جیسی چیز کے بدل بیع کی صورت میں دینے کو تو منع فرما دیا بجز اس کے کہ دونوں اسی وقت ہاتھوں ہاتھ نقد لیں دیں۔ لیکن بطور قرض کے اسے جائز قرار دیا۔ حالانکہ ظاہری صورت میں دونوں باتیں یکساں ہیں۔ قرض میں بھی ایسی ہی چیز دینا ہے اور پھر ایسی ہی چیز لینا ہے۔ پس فرق ان دونوں میں قصد کا ہے قصد ہی سے وہ ناجائز قصد ہی سے یہ جائز۔ قرض سے مقصود قرض لینے والے کی حالت کی درستگی اور اسے نفع پہنچانا ہے۔ یہاں مقصود معاوضہ اور نفع نہیں۔ بخلاف بیع و تجارت کے۔ یہی وجہ ہے کہ قرض اور عاریت ایک چیز ہے یا مثل ایک چیز کے ہے جیسے کہ حدیث میں منحہ کا لفظ آیا ہے۔ گویا کہ اس نے اسے درہم عاریتاً دیئے پھر اس کی چیز اسے واپس آگئی یہ اور بات ہے کہ بجنسہ وہی درہم نہیں آئے کیونکہ یہ بس کی بات نہیں اس لیے اس کے مثل کی چیز واپس ملی ہے اسی طرح مثلاً اس سے ایک درہم دو درہموں کے بدلے بیچتا ہے تو صریح سود ہے لیکن اگر اسے ایک ہی درہم کے بدلے بیچتا ہے پھر اسے ایک اور درہم ہبہ کر کے بخش دیتا ہے تو بلاشک و شبہ جائز درست ہے۔ پس خیال فرمایئے کہ صورت ایک ہے لیکن قصد نے ایک شق ناجائز کر دی دوسری جائز کر دی۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ مقصود سے چشم پوشی کر لی جائے؟ اسے عقود میں غیر معتبر مان لیا جائے۔

فصل۔۔۔ صرف ظاہر پر حکم لگانے والوں کے دلائل :

اب معترضین کا اعتراض سنیے وہ کہہ سکتے ہیں کہ تم نے بے جا طور پر طول کلامی کی اور قصود عقود کو لے بیٹھے آؤ ہم تم مل کر قرآن و حدیث سے فیصلہ کر لیں اور اقوالِ ائمہ سامنے رکھ لیں۔ جناب باری فرماتا ہے کہ نوح نبی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا جنھیں تم حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہے ہو میں نہیں کہہ سکتا کہ اُنھیں اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی دے گا ہی نہیں ان کے دلوں کے حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اگر میں یہ کہہ دوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں۔ (ھود : ۳۱) پس ان کے ظاہری ایمان پر حکم لگایا اور ان کی پوشیدگیاں علام الغیوب کے سپرد کر دیں۔ وہی غیب داں ہے وہی سینوں کے بھیدوں سے آگاہ ہے اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں۔ اور آیت میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اعلان کر دو کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام : ۵۰) حدیث میں ہے مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دل چیر کر دیکھوں۔ پیٹ پھاڑ کر نگاہ ڈالوں۔ اور حدیث میں ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد جاری رکھوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں جب اسے کہہ لیں تو مجھ سے تو اُنھوں نے اپنا خون و مال محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے ان کا اندرونی حساب اللہ کے ذمے ہے۔ پس دیکھئے یہاں بھی ظاہر پر حکم کیا گیا اور پوشیدگی کو سپرد الٰہی کر دیا گیا۔ اسی طرح جو لوگ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے پھر آپ سے عذر معذرت کرنے لگے۔ آپ نے ان کے ظاہر عذروں کو قبول کر لیا اور ان کے باطنی ارادوں کو سپرد الٰہی کیا۔ یہی عادت مبارک منافقین کے بارے میں رہی کہ ان کا ظاہری اسلام مقبول اور ان کے دل کا حال سپرد خدا۔ فرمان الٰہی ہے جس کا تجھے علم نہ ہو اس میں باتیں نہ بنا۔ نیت و قصد کا ہمیں کیا علم کہ ان پر دنیوی احکام کو معلق کریں؟ ان کی نسبت ہمیں صرف اپنی لاعلمی کا اظہار کافی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری فرض کی ہے اُنھیں کسی کام کا مختار نہیں رکھا۔ پس بہتر بات یہی ہے کہ کسی کے عیب پر صرف دلالت و گمان کی وجہ سے ہم حکم نہ لگا دیں کیونکہ امتیوں

کے علم انبیاء علیہ السلام کے علم سے بہت ہی کم ہیں ان پر بھی یہی فرض تھا کہ جو چیز ان کے سامنے آئے اسی پر توقف کریں۔ ہاں خدائی خبر آجائے تو اور بات ہے۔ پس جس سے جو چیز ظاہر ہو اس پر اسی ظاہر کا ظاہری حکم دنیا میں جاری ہو گا۔ بُت پرستوں سے لڑائی اسلام لانے تک ہے اِدھر کلمہ پڑھا اُدھر تلوار ان پر سے اٹھ گئی حالانکہ ظاہر ہے کہ ان کا اسلام سچا ہے یا نہیں یہ اللہ ہی کو معلوم ہے بلکہ یہاں تک تو ہے کہ جن کی بابت اندرونی طور پر مسلمان نہ ہونے کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دے دی۔ ان پر بھی بظاہر احکام اسلام ہی جاری رکھے گئے اور دنیا میں ان کے اسلام کے خلاف احکام ان پر جاری نہ ہوئے۔ فرمانِ قرآن ہے : یہ اعرابی لوگ آکر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے۔ (حجرات : ۱۴) یعنی قتل و قید سے نجات پانے کے لیے ہم نے آپ کی نبوت کو زبانی مان لیا پھر خبر دی کہ اگر یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے تو بدلہ پائیں گے یعنی جو عمل اب کریں گے نیک ہے تو نیکیاں پائیں گے۔ پھر قسم ثانی کے یعنی منافقوں کے بارے میں ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ سے ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ (منافقون : ۱-۲) تک آیتیں نازل فرمائیں یعنی یہ لوگ اپنی قسموں کو قتل کی ڈھال بنائے ہوئے ہیں اور جگہ ارشاد فرمایا جب تم ان کے پاس پلٹ کر آؤ گے تو یہ تمہارے سامنے قسمیں کھانے لگیں گے۔ پس ظاہر کے قبول کرنے کا حکم فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اجازت نہ دی کہ ان کے ایمان کے خلاف کا حکم فرمائیں حالانکہ باری تعالیٰ خود فرما چکا ہے کہ یہ جہنم کے نیچے کے طبقے میں جائیں گے۔ پس یہ حکم ان کے باطن پر ہے جو اللہ کے سامنے ظاہر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دنیا میں ہے جہاں ظاہر پر ہی فیصلے کئے جاتے ہیں ان کی ظاہری توبہ قبول کر لی گئی۔ ان کے ظاہری اقرار مان لیے گئے جس قول کفر سے اُنھوں نے انکار کیا تسلیم کر لیا گیا تاوقتیکہ خود ان کا اقرار نہ ہوا۔ اس کی کوئی دلیل و شہادت قائم نہیں کی گئی حالانکہ علام الغیوب اللہ نے اُنھیں ان کی ان سب باتوں میں جھٹلا دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر دی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوشیدہ پوشیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کیں کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ظاہر کہنے کو فرمایا تو وہ آپ سے ایک منافق کے قتل کے بارے میں اجازت چاہتا تھا آپ نے فرمایا کیا وہ اللہ کے ایک ہونے کی اور میری رسالت کی گواہی نہیں دیتا؟ اس نے کہا ہاں دیتا ہے لیکن وہ کوئی چیز نہیں' فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس نے کہا ہاں لیکن اس کی نماز کہاں؟ آپ نے فرمایا سنو یہ وہ لوگ ہیں جن کے قتل سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرما دیا ہے۔

پھر امام صاحب نے یہ حدیث ذکر کی کہ آپ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے لوگوں سے جہاد جاری رکھنے کا پھر فرماتے ہیں ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے یعنی سچ جھوٹ کا اور ان کی پوشیدگیوں کا اللہ علیم ہے۔ مخلوق کے دل اس کے سامنے ہیں نہ کہ انبیاء علیہ السلام اور دنیوی حاکموں کے سامنے۔ اسی پر بندوں کے درمیان کے کل احکام جاری ہیں مثلاً حدود اور باقی کے سب حقوق۔ جو ظاہر کریں گے اس پر حکم شرع مرتب ہو گا پوشیدگی کو اور اندرونی حالت کو اللہ جانے۔ پھر عویمر عجلانی کی لعان والی روایت بیان فرمائی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اگر اس بارے میں فیصلہ الٰہی نہ ہو چکا ہوا ہوتا تو میں تو کچھ اور ہی حکم دیتا۔ یعنی حکم الٰہی یہ ہے کہ حد زنا جاری نہ کی جائے جب تک خود اس کا اقرار نہ ہو یا گواہ نہ ہوں۔ اس وجہ سے آپ نے نہ شریک سے کچھ کیا نہ عورت سے کوئی تعرض کیا اور حکم لعان پر ہی اکتفا کیا۔ حالانکہ اللہ کے علم میں ان دونوں میاں بیوی میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے گو اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے خاوند کا سچا ہونا معلوم ہو گیا تھا۔ اسی طرح حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے اُنھیں قسم کھلوائی کہ تو نے ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ اُنھوں نے قسم کھا کر کہا

کہ ہاں ایک ہی طلاق کا میرا ارادہ تھا' چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی بیوی اسے واپس دلوا دی۔ الغرض ایسی بہت سی دلیلیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ حاکم پر حرام ہے کہ وہ کسی بندۂ ربانی کا اس کے خلاف فیصلہ کرے جو اس کے سامنے ظاہری طور پر آیا ہے۔ ہاں اس کے خلاف اگر کوئی ظاہری کھلی دلیل ہو تو اور بات ہے۔ دیکھئے! اعراب کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے باوجود اس علم اللہ کے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ پھر بھی ان پر احکام اسلام جاری ہوئے۔ منافقین کے کفر کا ان کے جھوٹ کا علم ہوتے ہوئے بھی حکم اسلام ان پر ظاہر میں ظاہر کی وجہ سے جاری ہوا۔ لعان کرنے والے عورت مرد کی نسبت صاف فرما دیا کہ دیکھتے رہو اگر بچہ اس صفت کا پیدا ہو تو میرے خیال میں اس کا خاوند اس کی بدکاری کے دعوے میں سچا تھا پھر ویسا ہی بچہ ہوتا ہے لیکن تاہم عورت کو بدکاری کی سزا نہیں دی جاتی کیونکہ عورت نے لعان کر لیا تھا اور ظاہری گواہ نہ تھے۔ لیکن دنیاوی احکام دنیوی گواہ نہ ہونے سے روک لیے گئے۔

پس یہ ہیں دلالتیں حکم الٰہی کی' حکم رسول ﷺ کی کیا اس سے بھی قوی دلالت کوئی ہو سکتی ہے؟ پس ظاہر ہے کہ احکام دنیا ظاہر پر ہیں نہ کہ باطن پر- اسی طرح فزاری شخص نے جب حضور ﷺ سے کہا کہ اس کی بیوی کو سیاہ رنگ بچہ پیدا ہوا ہے۔' ارادہ اس کا یہ تھا کہ یہ بدکار ہے لیکن چونکہ الفاظ نہ تھے حضور ﷺ نے اسے تہمت کی حد نہ لگائی۔ کیونکہ تعریض ظاہری قذف نہیں۔ حضرت رکانہ والے واقعہ میں دیکھو ان کے الفاظ یہ تھے کہ تجھے طلاق بتہ ہے۔ پس تجھے طلاق ہے کہنے سے طلاق تو ہو گئی اور پھر بتہ کہنے سے کوئی اور ہی چیز مراد ہے جو طلاق کے سوا ہے تو گویا ارادۃً تین طلاقیں ہیں لیکن ظاہر قول میں طلاق ایک ہے اور تین کا احتمال ہے اس لیے حضور ﷺ نے ایک ہی رکھی جو ظاہر تھی۔ پس جو شخص لوگوں پر حکم کرتا ہے بخلاف اس کے جو ان پر ظاہر ہوا ہے اس پر استدلال کر کے کہ جو اُنھوں نے ظاہر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو اُنھوں نے چھپایا ہے ان کی کسی دلالت سے یا بغیر دلالت کے میرے نزدیک وہ کتاب و سنت کے خلاف سے بچ نہیں سکتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ جو دین اسلام سے لوٹ جائے اور اس کی پیدائش اسلام پر ہو تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس سے توبہ نہیں کراؤں گا اور جو لوٹ جائے اور اس کی پیدائش اسلام پر نہ ہو تو اس سے توبہ کراؤں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نے اپنے بندوں میں ایک ہی فیصلہ اور ایک ہی حکم کیا ہے۔ اور جیسے کہ کوئی کہے کہ جو اسلام سے پھر جائے اور نصرانیت یا یہودیت ظاہر کرے یا اور کوئی ظاہری مذہب قبول کرے جیسے مجوسیت تو میں اسے توبہ کراؤں گا اور اس کی توبہ قبول کروں گا۔ بشرطیکہ وہ علانیہ توبہ کرے اور جو کسی پوشیدہ اور مخفی مذہب کی طرف لوٹ جائے تو نہ میں اس سے توبہ کراؤں گا نہ توبہ قبول کروں حالانکہ ان سب نے دین حق کو بدل ڈالا ہے اور کفر کی طرف لوٹ گئے ہیں پھر کیا وجہ کہ بعض کی توبہ مقبول ہے اور بعض کی توبہ مردود۔

اگر وہ کہے کہ میں اس کی توبہ کو نہیں پہچانتا جو اپنے دین کو پوشیدہ کر لے تو جواب دیا جائے گا کہ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ یہ بات باوجود حکم الٰہی اور رسول ﷺ کے خلاف ہونے کے بالکل محال ہے۔

اس قول کے قائل سے دریافت کیا جائے کہ کیا تجھے اس کا علم ہے؟ ہو سکتا ہے کہ جس نے شرک کو مخفی رکھا ہے وہ سچی توبہ کرتا ہو اور جس نے "شرک" (یاد رہے کہ شرک کو پہلے صفحہ میں کفر کہا ہے۔ ہر شرک کفر ہے) کا اظہار کیا ہے اس کی توبہ جھوٹی ہو اگر وہ انکار کرے تو کہا جائے گا کہ کیا پھر تجھے معلوم ہے؟ ہو سکتا ہے کہ سچے ایماندار مومن کو تو قتل کر دے اور جھوٹ طریق پر جو اظہار ایمان کرتا ہے اسے تو چھوڑ دے اگر وہ کہے کہ مجھ پر تو صرف ظاہرداری ہے تو جواب یہ ہے کہ ظاہر

تو دونوں صورتوں میں ایک ہی چیز ہے خود آپ نے اس ایک ظاہر کو اپنے حکم میں دو چیزیں بنالی ہیں اور ایک محال علت نکال لی ہے۔ منافقوں نے زمانہ رسالت میں یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت ظاہر نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنا مذہب چھپاتے رہتے تھے پھر بھی جو ظاہر کرتے تھے یعنی ایمانداری وہ مقبول تھی۔ کاش کہ اس قول کا قائل سنت کا خلاف کرتے ہوئے کوئی معقول وجہ پیش تو کرتا لیکن یہ تو خلاف کر کے ایسی باتیں بناتا ہے جن کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ گویا اس کے نزدیک یہودیت اور نصرانیت ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ گرجوں اور کنیسوں میں نہ جائے۔ اچھا یہ تو فرمائیے کہ اگر وہ کسی ایسی جگہ ہے جہاں گرجے اور کنیسے ہیں ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی عبادت اپنے گھر میں ادا کرے گا اور سب سے وہ مخفی رہے گی۔ لعان کرنے والوں کی بابت جو تم نے کہا ہے وہ تو دلالت کا حکم باطل کرتا ہے جو کہ بہترین ذریعہ ہے اور جبکہ یہ قوی سے قوی تر ذریعہ دلالت باطل ہو گیا تو پھر اس سے کم درجے کے ذرائع تو سب بطور اولیٰ ضائع ہو گئے۔ تہمت لگانے میں تعریض کرنے سے حد واجب نہ ہونے کی بابت بھی یہ ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب دو شخص آپس میں گالی گلوچ کرتے ہیں اس میں ایک نے کہا کہ نہ میں زناکار ہوں نہ میری ماں زناکار تھی تو اس پر حد تہمت آئے گی اس لیے کہ یہ موقعہ ان الفاظ سے یہی کہنے کا ہے کہ تو اور تیری ماں زانیہ ہے۔ ہاں اگر ایسے موقعہ پر نہیں کہا تو بیشک اس پر حد نہیں جبکہ وہ کہے کہ میں نے اپنے ان الفاظ سے تہمت رکھنے کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فزاری والی حدیث میں ایسے اشارے کنائے کو باطل کر دیا جبکہ اس نے کہا کہ میری بیوی کو سیاہ رنگ بچہ ہوا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تہمت جیسی چیز کی تعریض میں حد لگائی ہے تو جواب دیا جائے گا کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ بعضوں نے ان کا خلاف کیا اور ان مخالفین کے پاس وہ دلائل ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔

یہی حال انسان کے اس قول کا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے کہے تجھے بتہ طلاق ہے۔ اس لیے کہ طلاق ظاہر میں طلاق کا واقع کرنا ہے۔ اور لفظ بتہ جہاں عود طلاق کا احتمال رکھتا ہے وہاں زیادتی نہ ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ پس ایسے موقعہ پر جو وہ کہے وہی معتبر مانا جائے گا اور قطعی چیز ہو گی کہ اس پر صرف ظاہر کا ہی حکم لگایا جائے اور جو غیر ظاہر ہے اس میں اسی کا قول معتبر مانا جائے اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ عقد کو خود عقد ہی فاسد کرتا ہے نہ کہ کوئی ایسی چیز جو اس سے پہلے ہو اور نہ کوئی ایسی چیز جو اس کے بعد ہو۔ نہ کوئی وہمی چیز نہ غالب گمان کی چیز۔ اسی طرح کوئی وہ چیز بھی نہیں جو عقد میں فساد نہ ڈالتی ہو۔ بیع اس سے فاسد نہیں ہوتی کہ کہے کہ یہ ذریعہ ہے اور یہ نیت بری ہے۔ ہاں جو بیع سودی ذریعہ ہو وہ باطل ہے اس لیے کہ اس کا عقد ہی فاسد ہے۔ وہ عقد ہی حلال نہیں نہ یہ کہ کسی ظن و گمان پر اسے فاسد قرار دیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص ایک تلوار کی خریداری کرے اور صرف اسی نیت سے کرے کہ اس سے فلاں مسلمان کو قتل کروں گا تو بھی بیع حرام نہ ہو گی بیع صحیح ہو جائے گی ہاں نیت قتل جائز نہیں۔ لیکن اس سے خرید و فروخت باطل نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تلوار اس کے ہاتھ بیچے کہ جانتا ہو کہ یہ اس سے کسی شخص کو قتل کرے گا تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا۔ اگر کوئی شریف انسان کسی پست عورت عجمیہ سے نکاح کرے یا شرافت والی کوئی عورت کسی کم حیثیت عجمی شخص سے نکاح کر لے اور دونوں ایک دوسرے کو سچا کہیں کہ ہم نے یہ نکاح صرف ایک رات کے لیے ہی کیا تھا تو بھی نکاح اس نیت کی وجہ سے حرام نہ ہو گا اس لیے کہ ظاہری عقد صحیح ہے۔ اگر خاوند چاہے عورت کو برابر عورت بنائے رکھے ہاں اگر وہ آپ طلاق دینا چاہے تو اور بات ہے پس جبکہ کتاب و سنت کی دلالت موجود ہے۔ جبکہ عام حکم اسلام موجود ہے کہ عقود ظاہری عقد سے ثابت ہیں تو پھر عقد

کرنے والوں کی نیت اُنھیں کیسے فاسد کر دے گی؟ جبکہ عقد کا ظاہر صحیح ہے۔ عقد کرنے والوں کے سوا اور کے کسی وہم سے یہ عقد فاسد نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ یہ وہم بھی ضعیف اور بودا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے اور طلاق کے اور رجعت کے ساتھ مذاق کرنے والے کو اُنھیں قطعی طور پر کرنے والے کی طرح کیا ہے باوجودیکہ یہ لوگ ان عقود کے حقائق کا قصد نہیں کرتے اس سے بھی زیادہ واضح فرمانِ رسول اللہ ﷺ یہ بھی ہے کہ میں تو صرف اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو اپنے کانوں سنتا ہوں۔ پس جس کیلئے میں اس کے بھائی کے کسی حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے۔ ایسی صورت میں میں اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ پس آپ خود خبر دیتے ہیں کہ آپ ظاہر پر ہی حکم دیا کرتے ہیں۔ اس ظاہری حکم و فیصلے سے فی الواقع جو حلال و حرام تھا وہ ردوبدل نہیں ہوا۔ یہ تھے دلائل ان حضرات کے جو مقصد و نیت کو کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ عقود کو صرف ظاہر پر ہی حمل کرتے ہیں اور سد ذرائع کا ابطال کرتے ہیں اور لوگوں کے ظاہری عقود اور ان کے الفاظ پر ہی فیصلے کرتے ہیں' وباللہ التوفیق۔

علماء مقلدین کا حال :

اب آپ غور فرمایئے اور دو موجیں مارنے والے سمندروں کے ملاپ کو دیکھئے فریقین کی معرکہ آرا بحثیں دیکھئے ہر ایک نے کس طرح اپنے دلائل کی نمائش کی ہے ہر ایک سمندر کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور ایسے ایسے دلائل و براہین ایسے طریق پر دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں کہ اچھے اچھے فضل و علم والے حیران رہ جائیں۔ نہ کسی طرف کی دلیلیں مانتے بنے نہ رد کرتے بنے۔ ہر ایک نے وہ باتیں کی ہیں جو اہل علم کو کہنی چاہیں۔ یہ یاد رہے کہ خدائی دلیلوں میں تعارض نہیں ہوتا۔ شرعی دلالتیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتیں' حق حق کو بچاتا ہے اس میں معارضہ اور نقض نہیں ہوتا لیکن متعصب مقلد کو تو اس منصب کی طرف آنکھ اٹھانا بھی حرام ہے بلکہ علماء کے ان استدلالات پر غور و فکر کی نظر سے بھی وہ محروم ہے۔ تحقیق اور دلائل کے ان وسیع میدانوں میں وہ تو قدم رکھ سکنے کے قابل بھی نہیں۔ اگر یوں نہیں تو ہے کوئی مقلد؟ جو اس بات کا دعویٰ کرے جو اس میں نہیں اور ان محققین میں اپنے تئیں ظاہر کرنا چاہیے جن کی صف سے یہ دور اور بہت دور ہے۔ جب یہ بھی نہیں تو ان بزرگوں کے اختلافی مسائل میں محاکمہ کرنے اور ایک کو سچ اور دوسرے کو غلط بتانے کیلئے یہ مقلد کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ اسے کب حق ہے کہ ایک طرف کی دلیلوں کو باطل کرنے اور دوسری جانب کی دلیلوں کو ترجیح دے؟ پس اے مقلدو! تم تو اپنے گلے میں تقلیدی پٹہ ڈالے ہوئے خاموشی سے ایک سو بیٹھے رہو اپنی حد سے باہر نہ نکلو' اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔ صحیح علم رسول ﷺ کا ورثہ قدرت کے فیاض ہاتھوں سے تم نے نہیں لیا' تم کھوٹا سکہ لے کر بازار سے کوئی چیز خرید نہیں سکتے' تم اپنی تقلید کے گنبد میں بیٹھے رہو' تمہیں یہاں میدان تحقیق میں داخل ہونے تک کی اجازت نہیں۔ یہ کام اور ان دلائل پر تبصرہ ان بزرگوں کا منصب ہے جو تقلید کی رسی کو کاٹ چکے ہیں جو تحقیق کے شیدا ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ایک ایک فرمان پر جان و دل سے فدا ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے تازہ تازہ فرمانِ رسول ﷺ لیتے رہتے ہیں اور دنیا کی رائے اور قیاس کو اپنے پیروں سے ٹھکرا کر پیٹھ پیچھے پھینک چکے ہیں۔ دنیا کے ہر بڑے سے بڑے انسان کے اقوال کو اللہ کے پیغمبر ﷺ کے اقوال کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جسے بھی اس کے خلاف پاتے ہیں پھوس کی طرح جلا کر بھسم کر ڈالتے ہیں۔ پھر نہیں دیکھتے کہ یہ کتنے بڑے مرتبے والے کا کلام ہے اور یہ کیسے زبردست امام کا قول ہے۔ سب کو حدیث کے سانچے میں ڈھالتے ہیں نہ کہ حدیث کو اپنے اماموں کے قول کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ ہر ایک کے قول پر حاکم حدیث کو جانتے ہیں۔ حدیث پر کسی کو حاکم نہیں مانتے۔

فیصلہ: اب ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کر کے تفصیلی فیصلہ لکھتے ہیں۔ غور سے پڑھئے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ نے الفاظ اس لیے رکھے ہیں کہ وہ بندوں کے دلوں میں جو ہے اس پر دلالت کریں اور اسے دوسروں کو پہنچاویں۔ جب ایک شخص اپنا ارادہ اور اپنا قصد دوسرے پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اپنے الفاظ کے سانچے میں اپنے مقصد کو پیش کرتا ہے۔ اپنا ارادہ اپنے لفظوں کے واسطے سے مرتب کر کے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اس لیے ارادوں اور مقصدوں کے احکام کا مرتب ہونا الفاظ کے واسطے سے ہے۔ پروردگار نے احکام کی ترتیب صرف اسی پر نہیں کی جو نفس انسان میں ہو' جس پر کسی قول و فعل کی دلالت نہ ہو۔ نہ احکام کا ترتب صرف الفاظ پر ہی ہے باوجود اس بات کے علم کے متکلم نے اس کے معنی مراد نہیں لیے' نہ اسے ان کا علم ہے بلکہ پروردگارِ عالم نے اس اُمت کی ہر اس بات سے تجاوز فرمالیا ہے جو بطور وسوسے کے اس کے دل میں آئے جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے یا اسے زبان سے نہ نکالے۔ اسی طرح بطور خطا کے جو کلمات اس کی زبان سے نکل جائیں بھول کر جو الفاظ وہ کہہ دے کسی اور کے اکراہ اور اس کی زبردستی سے جو بات وہ کرے یا اپنی ناداننگی جہالت اور بے علمی سے جو کلمہ زبان سے نکالے اور ان صورتوں میں ان الفاظ کے معانی کا نہ اس کا ارادہ ہو نہ وہ معانی مقصود ہوں تو ان سب سے اللہ تعالیٰ نے درگزر اور تجاوز فرمالیا ہے۔

پس جبکہ قصد و دلالت قولی یا فعلی الفاظ کے ساتھ شامل ہو۔ اس وقت احکام کا تعلق ان سے ہوتا ہے۔ یہ ہے قاعدہ شریعت اور یہ ہے مقتضائے عدل و حکمت و رحمت رب جل و علا۔ اس لیے کہ نفس کے خطرات اور دل کے ارادوں پر انسان کا اختیار نہیں۔ اگر ان پر احکام اسلام مرتب ہوتے تو زبردست مشکل ہو پڑتی اور بہت بڑی تنگی ہو جاتی جس سے اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت انکاری ہے۔ غلطی' سہو' نسیان' سبقت زبان وہ چیز ہے جو انسان کے ارادے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا ارادہ تو ان باتوں میں الفاظ کے خلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح جبراً قہراً دباؤ اور زبردستی سے اکراہاً جو الفاظ انسان ادا کرتا ہے اور جن الفاظ کے مقتضا کو نہ جانتے ہوئے وہ الفاظ کہہ دیتا ہے جو لوازم بشریہ میں سے ہے جس سے تقریباً کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ ان پر احکام شرع جاری نہیں ہیں۔ ورنہ وہ مشکلات پڑیں گی جو انسانی طاقت سے سوا ہیں۔ اس وجہ سے ان پر کوئی پکڑ اس اُمت مرحومہ پر اللہ کی طرف سے نہیں رکھی گئی۔ یہاں تک کہ الفاظ میں جو خطا فرطِ خوشی کے موقعہ پر یا غایت غضب کے موقعہ پر یا نشے کی حالت میں ہو جائے ان سے خدائی مؤاخذہ اٹھالیا گیا ہے۔ جیسے کہ اس کی دلیلیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ یہی حکم خطا نسیان اکراہ اور معنی سے جہالت کا ہے اور یہی حکم سبقت لسانی کا ہے جو ارادہ میں داخل نہیں اور ان کا تکلم اغلاق اور بندش کی حالت میں ہوا ہے۔ یہی حکم لغو قسم کا ہے۔ پس یہ دس چیزیں ہیں کہ ان پر کسی وقت بھی اللہ کی طرف سے کوئی پکڑ نہیں نہ شریعت کا کوئی حکم ان پر مرتب ہے کیونکہ بلا قصد ہیں بلا ارادۂ دلی ہیں جو دراصل مواخذہ کی چیز ہے وہ یہاں نہیں۔ اب ان کا الگ الگ بیان سنیے۔

(ا) فرطِ خوشی: میں خطا کر جانا صحیح حدیث میں ہے کہ (جس شخص کی اونٹنی جنگل بیابان میں گم ہو گئی اور اس کا تمام کھانا پینا اسی پر ہے وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک کر عاجز ہو کر اپنی موت کا یقین کر کے پڑ رہا کہ اچانک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی مع سامان کھڑی ہے۔ یہ اچک کر اس کی نکیل تھام لیتا ہے) اور فرطِ خوشی میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ بیشک "اے اللہ! تو میرا غلام ہے اور میں تیرا رب ہوں۔" (حالانکہ کہنا یہ چاہا تھا کہ بیشک میں تیرا غلام ہوں اور تو میرا رب ہے) لیکن انتہائی خوشی میں اس کی زبان کی سبقت سے الٹی بات اس کے منہ سے نکل گئی۔

(۲) شدتِ غضب : شدتِ غضب میں خطا کر جانا قرآنِ کریم میں ہے : ﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾ (یونس : ۱۱) جس طرح لوگ اپنی بھلائیوں میں جلدی مچاتے ہیں اگر ان کی بدحالتوں میں بھی اللہ کی طرف سے ایسی ہی جلدی ہوتی تو ان کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ سلف صالحین ﷭ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں مراد اس سے یہ ہے کہ بعض مرتبہ انسان سخت غصے کی حالت میں اپنے اوپر یا اپنی آلِ اولاد کے اوپر بددعا کرنے لگتا ہے اگر اللہ اسے قبول فرمالے تو خود اور اہل و عیال تلف ہو جائیں۔

طلاق اغلاق : ائمہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس اغلاق میں طلاق اور آزادگی کا نہ ہونا رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے وہ ایسا ہی غصہ ہے۔ یہ ہے بھی اسی طرح جیسے ان حضرات نے کہا اس لیے کہ اس میں بھی نشہ ہوتا ہے جیسے شراب میں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت اس لیے وہ جو کہتا ہے گویا نشے کی حالت میں کہہ رہا ہے کہ نہیں جانتا کہ کیا کہا۔

(۳) حالتِ نشہ : کی بابت فرمانِ الٰہی ہے : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ الخ (نساء : ۴۳) یعنی ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب تک تم اس کو جان لینے کے قابل نہ ہو جاؤ کہ کیا کہہ رہے ہو۔ پس نشے باز کے کلام پر حکم کا ترتب اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا۔ جب تک کہ وہ ہوش و حواس میں نہ آجائے اور اپنے کلام کو خود نہ سمجھنے لگے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس شخص کا منہ سونگھنے کا حکم دیا جس نے آپ کے پاس آکر اپنی زناکاری کا اعتراف کیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ نشے کی حالت میں تو نہیں؟ کہ جو کہتا ہے اسے سمجھتا نہ ہو۔ اسی طرح حالتِ نشہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جو کہہ دیا تھا کہ تم میرے باپ دادوں کے غلام ہی تو ہو (یہ بات آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ والوں سے کہی تھی) لیکن اس پر ان کا کوئی مؤاخذہ نہ ہوا۔ اسی طرح ایک شخص نے نشے کی حالت میں نماز میں یہ قرات پڑھی : ﴿ اعبد ماتعبدون ونحن نعبد ماتعبدون ﴾ مضمون اُلٹ پلٹ کر ڈالا یعنی اے کافرو! میں تو انہی بتوں کا پجاری ہوں جنھیں تم پوجتے ہو۔ ہم سب بھی انہی بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت تم کرتے ہو۔ یہ صریح کفر ہے لیکن نشے کی حالت میں یہ الفاظ نکلے تھے اس لیے اسے کافر نہیں کہا گیا۔

(۴) (۵) خطا اور نسیان : خطا اور نسیان کے بارے میں مومنوں کی حکایت کرتے ہوئے فرمانِ قرآن ہے کہ اُنھوں نے دعا کی کہ پروردگار! ہماری بھول اور غلطی پر ہماری پکڑ نہ کر اس کے جواب میں پروردگارِ عالم نے فرمایا میں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری اُمت کی خطا سے' بھول سے اور ہر اس چیز سے تجاوز اور درگزر فرمالیا ہے جس پر وہ اکراہ اور زبردستی کیے جائیں۔

(۶) اکراہ : جس شخص پر اکراہ و جبر و زبردستی کی گئی ہو اس کی بابت تو قرآن کا صاف فرمان ہے : ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ (نحل : ۱۰۶) یعنی ایمان کے بعد جو شخص کفر کرے اس پر غضب اللہ اور سخت مار ہے۔ لیکن ان پر نہیں جن پر اکراہ کیا جائے اور ان کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ یاد رہے کہ اکراہ بھی اغلاق یعنی بے ہوشی کی حالت کے حکم میں داخل ہے نہ بے ہوشی کی کسی بات پر پکڑ نہ اکراہ کی۔

(۷) لغو : اللہ ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اس پر سے اپنی پکڑ اُٹھا لی ہے' جب تک کہ قصد قلب نہ ہو اس پر مؤاخذہ نہیں۔

(۸) سبقت لسانی : جس کا ارادہ متکلم کا نہ ہو وہ خطائی اللفظ اور خطائی القصد کے درمیان دائر ہے۔ لغو قسموں پر جب پکڑ نہیں تو اس پر تو بطور اولیٰ کوئی پکڑ نہیں۔ ائمہ کرام نے بھی ان تمام مسائل پر کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے جو ہم نے کہا ہے۔ بعض اقوال ہم پہلے بیان بھی کر چکے ہیں۔

(۹) اغلاق : شارع علیہ السلام نے کھلے لفظوں میں اسے ناقابل مؤاخذہ فرما دیا ہے عمومِ لفظی اور عمومِ معنوی پر آپ کی اس حدیث کو محمول کرنا واجب ہے۔ ہر وہ شخص جس پر اس کے قصد و علم کے دروازے بند ہو گئے جیسے مجنون، نشے والا اور وہ شخص جس پر اکراہ ہو رہا ہے اور وہ شخص جو اپنے غصے میں پاگل بنا ہوا ہے۔ یہ جو بولیں گے سب کلام اغلاق کی حالت میں ہیں۔ بیشک بعض حضرات نے اغلاق کے معنی جنون کے کئے ہیں۔ بعض نے نشے کے، بعض نے غضب کے، بعض نے اکراہ کے یاد رہے کہ اس سے مراد تمثیل ہے نہ کہ تخصیص یعنی صرف وہی ایک معنی ہی مراد نہیں۔ جس میں اور اسی جیسی چیزیں داخل نہ ہوں۔ بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ان قسموں میں سے کوئی مخصوص قسم ہی مراد ہے جب بھی حکم کی عمومیت علت کی عمومیت سے قطعاً واجب ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب حکم کسی علت و سبب و وجہ پر ثابت ہو گا تو جہاں وہ علت ہو گی یہی حکم ہو گا اور جب وہ علت اٹھ جائے گی یہ حکم بھی جاتا رہے گا۔

فصل : یہ تو تھی تمہید اب ہم کہتے ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں بہ آسانی آجائے اس لیے ہم اسے تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔ سنیے الفاظ کی جو نسبت الفاظ کے کہنے والوں کی نیتوں اور مقصدوں اور ان کے معانی کے ارادوں سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ **ایک** تو یہ کہ قصد کی مطابقت لفظ کے ساتھ بالکل صاف کھلی ہو۔ اس کے ظاہر ہونے کے کئی مرتبہ ہیں کبھی یقین کامل ہو جاتا ہے اور مراد متکلم کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ خود کلام سے اور اس کے ساتھ جو حال کے لفظ کے اور خود متکلم کی حالت وغیرہ کے قرائن ہیں ان سب کے میل جول سے۔ مثلاً ایک عاقل کے سامنے جو الفاظ کا عالم ہو آپ یہ حدیث رکھ دیجئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اپنے رب کو دیکھو گے اور بالکل ظاہر اور صاف عیاناً دیکھو گے جیسے کہ تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو جبکہ آسمان ابر سے کھلا ہوا ہو اور جیسے کہ تم سورج کو ٹھیک دوپہر کے وقت دیکھتے ہو۔ جس دن کہ مطلع ابر آلود نہ ہو تم اللہ کے دیکھنے کے وقت بھی کوئی بھیڑ بھاڑ نہ کرو گے نہ تنگی ہو گی جیسے کہ سورج چاند کے دیکھنے میں نہیں ہوتی۔ اس حدیث کو سنتے ہی بلا ریب و شک وہ فیصلہ کر دے گا کہ مراد اس سے متکلم کی آنکھوں سے دیکھنا ہے حقیقی دیدار حاصل کرنا ہے بلکہ آنکھوں سے صاف صاف دیکھنے کے لیے اس سے زیادہ صحت و صاف لفظوں کی کوئی عبارت دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا عالم پیش نہیں کر سکتا نہ بنا سکتا ہے۔ ساری اُمت عاجز ہے کہ اس سے بہتر اور اس سے زیادہ فصیح عبارت میں دیدار الٰہی کے ثبوت کو پیش کر سکے۔ کوئی بڑے سے بڑا متبحر عالم بھی اس سے زیادہ وضاحت کی کوئی عبارت بنا نہیں سکتا۔ یہاں یہ تنبیہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ عام طور پر کلام الٰہی اور کلام رسول اللہ ﷺ اس طرز کا ہے وضاحت کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور آخری حد تک پہنچا ہوا ہے۔ فالحمدللہ۔

دوسری قسم : یہ کہ صاف ظاہر ہو جائے کہ بولنے والے کی مراد ان لفظوں کے معانی نہیں ہے۔ اس کا ظہور بھی کبھی حد یقین کو پہنچ جاتا ہے جس سے سننے والے کو کوئی شک شبہ نہیں رہتا اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ نہ اس کا اس کے مقتضی کا ارادہ ہو اور نہ اس کے غیر کا۔ دوسرے یہ کہ ارادہ کسی ایسے معنی کا ہو جو اس کے بالکل برخلاف ہوں۔ اول قسم میں آپ اسے سمجھئے جس پر اکراہ کیا گیا ہو اور جو سویا ہوا ہو اور جو مجنون ہو اور جو بے حد غصے اور غضب کی

حالت میں ہو' اور نشے کی حالت ہو اور دوسری قسم کی مثال میں آپ اسے لیجیے جو تعریض اور توریہ اور خوش کلامی اور تاویل کرتا ہو۔

تیسری قسم : یہ کہ جو اپنے معنی میں ظاہر تو ہو لیکن احتمال ہو کہ وہ اس کے غیر کا ارادہ رکھتا ہو اور دونوں امر میں سے کسی پر دلالت نہ ہو۔ لفظ تو موضوع معنی پر دلالت کرتا ہو اور بولا بھی ہے اس نے اپنے اختیار سے کسی کے اکراہ سے نہیں بولا۔ یہ ہیں تینوں قسمیں جو الفاظ کے معانی و مقاصد جو متکلم کے ہوتے ہیں۔ ان کی طرف نسبت کرنے کے۔ پس اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب متکلم کا قصد معنی کلام ظاہر ہو جائے یا کم از کم اس کے کلام کے قصد کے خلاف ظاہر نہ ہو تو اس کے کلام کا ظاہر پر حمل کرنا واجب و متعین ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جتنے دلائل ذکر کئے وہ سب اور ان کے سوا بھی جتنے ہوں وہ سب اسی پر محمول ہیں۔ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ بات بھی یہ بالکل صحیح اور ہر طرح درست ہے یہی کھلا حق ہے جس میں ہمیں مطلقاً نزاع نہیں نزاع کی تو چیز اور ہی ہے۔ جب اسے جان لیا گیا تو یہ بھی جان لیجیے کہ کلام اللہ اور کلام الرسول اور انسانوں کے آپس کے کلام سب کو ظاہر پر ہی محمول کرنا واجب ہے۔ بات چیت کے وقت لفظ سے مقصد یہی ہوتا ہے ایک دوسرے کی سمجھنا اور سمجھانا اس کے بغیر ناتمام رہتا ہے۔ جس نے بیان کرنے اور سمجھانے کے لیے کوئی بات زبان سے نکالی ہے اور کوئی شخص اس کے سوا اور ہی کسی چیز کا مدعی ہے وہ قطعاً جھوٹا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ظاہری الفاظ پر ہی محمول ہو گی۔ جو اس بات کا مدعی ہے کہ مراد متکلم کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں اس لئے کہ اس کی مراد کا علم موقوف ہے۔ دس چیزوں کے نہ ہونے کے علم پر وہ خود غلطی میں ہے اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اسے صحیح مان لینے کے بعد تو کسی کو کسی کے کلام کا علم ہو نہیں سکتا۔ پھر تو بات چیت محض بے سود رہ جائے گی بولا نہ بولا برابر ہو جائے گا۔ انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا۔ انسانی خاصیت باطل ہو جائے گی بلکہ یہ حیوان سے بھی برے حال والا بن جائے گا۔ کسی مصنف کی تصنیف سودمند نہ رہے گی۔ پس اس کا باطل ہونا حساً اور عقلاً معلوم ہو گیا پھر علمی طور پر بھی اس کے بطلان کی تیس سے زیادہ وجہیں قائم ہیں جو اپنی جگہ موجود ہیں۔ لیکن اس سے یہ سمجھ لینا بھی سمجھ کی غلطی ہے کہ باوجود تعریض اور لطیف اشاروں کے باوجود حسن خطابت اور توریہ وغیرہ کے بھی کلام کو لفظوں میں ہی فنا سمجھ لیا جائے۔ یہ بھی وہ چیز ہے جس میں عقلمندوں کو رائی کے دانے برابر خلاف نہیں۔ پس کلام صرف اس میں باقی رہ گیا کہ متکلم کی مراد خلاف الفاظ ظاہر ہو۔ فاعل کی مراد اپنے فعل کے خلاف ظاہر ہو پھر بھی ہم لفظ اور فعل پر ہی رہیں اور اس کے غرض و مقصد کا مطلقاً لحاظ نہ کر کے اس پر ظلم و ستم بپا کرنے بیٹھ جائیں۔ یہ ہے نزاع کی اور جھگڑے کی چیز۔ پس تنقیح طلب امر مختصر لفظوں میں صرف اسی قدر ہے کہ ظاہری الفاظ اور ظاہری عقود کا ہی اعتبار ہے گو مقاصد و نیات اس کے صریح خلاف ظاہر ہوں؟ یا مقاصد اور نیتوں کی بھی کوئی تاثیر ہے جس کی طرف التفات کرنا اور جس کی جانب کی مراعات کرنا واجب ہے؟ شرعی دلیلیں اور قواعد دین تو اس بات کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ معاملات میں قصد کا اعتبار ہے۔ صحت و فساد معاملہ میں حلت و حرمت لین دین میں اس کی تاثیر ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک ہے کہ جو فعل کسی معاملہ میں نہیں اسے بھی قصد و نیت حرام و حلال بنا دیتا ہے۔ اسی کے بدلنے سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔ اسی سے صحت و فساد بدل جاتے ہیں۔

نیّت و قصد کے بدلنے سے حکم کا بدلنا : دیکھو! جانور کا ذبیحہ اس کی حلت ہے لیکن یہی ذبیحہ جب کھانے کی غرض سے ہو حلال کر دیتا ہے اور جب غیر اللہ کیلئے ہو تو حرام کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو احرام میں نہیں شکار کھیلتا ہے اگر کسی اور اپنے جیسے کیلئے ہی شکار کیا ہے تو احرام والے کیلئے بھی اس کا کھانا حلال ہے اور اگر صرف احرام والے کے ارادے سے ہی شکار کیا ہے تو احرام والے کو حرام ہے۔ اسی طرح ایک شخص ایک لونڈی خرید تا ہے لیکن اپنے وکیل کرنے والے کیلئے تو ظاہر ہے کہ یہ اس پر حرام ہے اور اس پر حلال ہو گی جس کے لیے اس نے خرید کی ہے۔ اگر وہ اپنی نیت سے ہی خرید تا ہے تو بیشک اس کے اپنے لیے یہ لونڈی حلال ہو گی۔ پس صورت فعل و صورت معاملہ ایک ہوتے ہوئے نیت و قصد کے فرق سے حکم حرام و حلال بدل گیا۔ اسی طرح قرض کی اور درہم کو درہم کے بدلے ادھار بیچنے کی صورت ایک ہی ہے۔ لیکن قصد کے فرق کی وجہ سے پہلی صورت حلال دوسری حرام۔ بلکہ اول موجب ثواب اور ثانی باعث عذاب۔ اسی طرح انگور کا شیرا نکالنا اگر شراب بنانے کی نیت سے ہے تو معصیت اور حرام اور نچوڑنے والا ملعون۔ اور اگر سرکہ بنانے یا اور کسی کام میں لانے کی نیت سے اس نے انگور کا شیرہ نکالا ہے تو بلاشک و شبہ جائز۔ دیکھئے ایک ہی صورت ہے لیکن مقصد و نیت کے فرق نے حکم الگ الگ کر دیا۔ اسی طرح اس کے ہاتھ تلوار بیچنا جس کی نسبت معلوم ہو کہ یہ اس سے مسلمان کو قتل کرے گا حرام اور باطل۔ کیونکہ اس میں ظلم و گناہ پر مدد کرنا ہے لیکن ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے ہاتھ بیچنا نہ صرف صحیح اور درست بلکہ موجب اجر و ثواب۔ اس لیے کہ اس میں اطاعت و قرب الٰہی پر مدد ہے۔ اسی طرح کفر کی تعلیق کسی شرط کے ساتھ جس سے مراد صرف قسم ہو اور کسی کام سے رکنا ہو تو اس سے انسان کافر نہیں ہو جائے گا اور نیت وقوع شرط ہے تو وجود شرط کے وقت کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر نیت قسم کی ہے تو کافر نہ ہو گا حالانکہ لفظاً ایک ہی صورت ہے۔ اسی طرح طلاق کی صراحت اور کنایہ جس سے مراد طلاق ہو۔ تو وہی ہو گا جو اس کی نیت ہے اور اگر نیت طلاق کنایہ کے ان الفاظ سے نہیں تو طلاق نہ ہو گی۔

اسی طرح اگر کہا کہ تو میرے نزدیک مثل میری ماں کے ہے اور اس سے نیت ظہار کی ہے تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اس نیت سے کہا ہے کہ وہ اکرام میں مثل ماں کے ہے تو حرام نہ ہو گی۔ اسی طرح جس نے دوسرے کی طرف سے کسی واجب کو ادا کیا ہے اگر نیت رجوع سے دیا ہے تو اس کی ملکیت باقی ہے اور اگر بہ نیت احسان و سلوک دیا ہے تو لوٹ نہیں سکتا۔ پروردگار نے جس طرح معاملات میں یہ حکم دیا ہے اسی طرح عبادات اور تقربات میں بھی یہی حکم رکھا ہے ثواب و عذاب کا ترتب بھی اسی پر ہے۔ شرعاً بھی اور قدراً بھی۔ عبادتوں میں صحت و فساد کا نیت پر موقوف ہونا تو بالکل ظاہر ہے اس کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تو سب نیت پر ہی موقوف ہیں۔ کوئی فعل بغیر نیت و قصد کے معتبر ہوتا ہی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص پانی کے تالاب یا کنویں میں اترا لیکن واجب غسل کے اتارنے کی نیت سے نہیں اترا یا حمام میں گیا لیکن صرف میل دور کرنے کی غرض سے گیا ہے یا تیرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کی غرض سے پانی میں اترا ہے تو نہ غسل اترے گا نہ ثواب حاصل ہو گا۔ نہ عبادت میں یہ غسل داخل ہو گا کیونکہ اس کا قصد و نیت یہ نہیں اس لیے اسے یہ حاصل نہ ہو گا۔ ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس کی نیت ہو۔ اگر کسی شخص نے دن بھر کچھ بھی نہ کھایا پیا لیکن بطور عادت کے یا بسبب کسی مشغولی کے تو ظاہر ہے کہ اس کا روزہ نہ ہو گا۔ نہ اسے روزے کا ثواب ہو گا۔ کیونکہ اس کی نیت نہیں۔ اگر کسی شخص کی کوئی چیز بیت اللہ میں گر پڑے اور اسے ڈھونڈتے ہوئے بیت اللہ شریف کے سات چکر لگا چکا تو اسے طواف کا ثواب

ہرگز نہیں مل سکتا۔ اگر کسی فقیر کو ہبہ یا ہدیئے کی نیت سے کوئی رقم دی تو ظاہر ہے کہ وہ زکوۃ میں شمار نہ کی جائے گی۔

اگر مسجد میں ہی بیٹھا رہا لیکن بہ نیت اعتکاف نہیں بیٹھا تو ظاہر ہے کہ اعتکاف نہ ہو گا۔ پھر جیسے کہ یہ چیز جائز ہونے اور حکم برداری میں معتبر ہے ثواب و عذاب میں بھی اس کا پورا اعتبار رکھا گیا ہے۔ مثلاً ایک شخص اجنبی عورت سے مجامعت کرتا ہے یہ سمجھ کر کہ یہی اس کی بیوی ہے یا اس کی لونڈی ہے تو اسے کوئی گناہ نہ ہو گا بلکہ ممکن ہے کسی وقت ثواب ملے۔ یہ نیت پر موقوف ہے۔ اسی طرح اگر اندھیرے میں ایک عورت کو غیر سمجھ کر اس سے مجامعت کرتا ہے اور دراصل وہ اس کی بیوی یا اس کی لونڈی ہے تو وہ گنہگار ہو گا کیونکہ قصد و نیت حرام کاری کی تھی۔ حرام کو حلال سمجھ کر کھا گیا تو گنہگار نہ ہو گا لیکن حلال کو حرام سمجھتا ہے پھر کھاتا ہے تو گناہ ہو گا۔ اگر ایک کافر حربی کو وہ مسلمان سمجھتا ہے اور پھر بھی اسے قتل کر دیتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر تیر شکار پر چلاتا ہے لگتا ہے کسی انسان کو' تو عنداللہ گنہگار نہیں۔ اور اگر تیر تو چلایا ہے اس نے کسی معصوم انسان پر لیکن خطا کر گیا اور لگا کسی شکار کے جانور کو تو بیشک یہ اپنی بدنیتی کے باعث گنہگار ضرور ہو گا گو اس بے گناہ شخص کو اس کا تیر نہیں لگا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپس میں لڑنے والے دو مسلمانوں کو قاتل کو اور مقتول کو دونوں کو جہنمی کہا گیا ہے کیونکہ ہر ایک کا ارادہ دوسرے کو قتل کرنے کا تھا۔

پس یاد رکھو کہ نیت روح عمل ہے نیت لب و لباب عمل ہے نیت ہی عمل کی جڑ ہے' عمل و قول نیت کے تابع ہے۔ اس کی صحت سے صحت ہے اور اس کے فساد سے فساد ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث جس میں صرف دو کلمے ہیں۔ اس معاملہ میں ہر طرح اور ہر وجہ سے بالکل کافی شافی ہے ہمیں کہنے دیجئے کہ جملہ علوم کے خزانے ان دو جملوں میں مخفی ہیں۔ فرماتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ پہلے جملے میں تو بیان ہے کہ عمل نیت کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے۔ کوئی عمل بلا نیت ہوتا ہی نہیں۔ پھر دوسرے جملے میں بیان ہے کہ عامل کے لیے اس کے عمل سے وہی ہوتا ہے جو اس کی نیت میں ہو۔ پس یہ فرمانِ رسالت مآب ﷺ تمام عبادات تمام معاملات تمام قسمیں تمام نذریں' تمام لین دین اور کل افعال کو شامل ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ جس نے بیع کے ساتھ عقد سودی کی نیت کی اسے سود کا گناہ ہو گا۔ اور بیع کی ظاہری صورت اسے کوئی نفع نہ دے گی۔ اور جس نے ظاہری طور پر تو نکاح کیا' مگر ارادہ دوسرے کیلئے حلالہ کا ہے تو وہ حلالہ کرنے والا ہو گا وہ ملعون ہو گا۔ یہ نہیں کہ وہ نکاح کرنے والا ہو اور مرحوم ہو۔ گو صورۃً نکاح ہے اس لیے کہ اس کی نیت حلالہ کی ہے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس کی نیت ہو۔ پہلا مقدمہ تو وجدان سے ظاہر ہے اور دوسرا مقدمہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے تو نتیجہ صاف ہے جب انگوروں کو نچوڑتا ہے اور ارادہ شراب بنانے کا ہے تو اس نچوڑنے پر ہی لعنت چپک گئی۔

اسی طرح جس شخص نے کسی فعل سے اللہ اور رسول ﷺ کے حرام کردہ کو حلال کرنے کا حیلہ کیا تو اسے وہی ملے گا جو اس کی نیت و ارادہ میں ہے اس کا قصد حرام کے استعمال کا تھا اس نے کوشش کر کے اسے پایا اور کوئی فرق اس میں نہیں کہ حرام کو حلال کرنے کیلئے کوئی ایسا فعل کرے جو اسی کے لیے موضوع ہو یا کوئی وہ فعل کرے جو اس کے سوا کیلئے موضوع ہو۔ جب کہ یہ اس کا حقیقی ذریعہ ہو یا عقلاً یا شرعاً۔ اسی لیے اگر کسی طبیب نے کسی مریض کو کسی غذا سے جو اس کے لیے موافق نہیں روکا اور اس مکار مریض نے حیلے کر کر کے اسے کھا پی لیا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی بیماری کا آپ حامل ہو گا اسے جو ایذا اور تکلیف ہو گی اس کا بانی وہی سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے ممنوع غذا کھائی۔ دیکھئے یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر بنا دیا جبکہ

اُنھوں نے حیلے کر کے اللہ کے حرام کو لے لیا ان کی حیلہ سازی نے اُنھیں کوئی نفع نہ دیا ارتکاب حرام کا وسیلہ کبھی بھی عذاب الٰہی سے نجات نہیں دلا سکتا۔ دیکھو! باغ والے صبح ہی صبح اپنے باغ میں پھل اتارنے اور کھیتی کاٹنے کو پہنچتے ہیں کہ کوئی مسکین نہ آجائے اور اسے کچھ دینا نہ پڑے تو پروردگارِ عالم ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کے باغ کا کھوجڑا کھو دیتا ہے اور تمام پھل اور کھیت برباد اور نیست ہو جاتا ہے۔ یہودیوں پر اسی لیے لعنت نازل فرمائی کہ جس چیز کا کھانا اللہ نے ان پر حرام کیا تھا اسے اُنھوں نے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔ ظاہر ہے کہ بیع کی ظاہری صورت نے اُنھیں کوئی نفع نہ دیا اور اُنھیں عذابوں سے نہ بچایا۔ دیکھو یہودیوں پر شحوم کے نام سے چربی حرام ہوتی ہے وہ اسے پگھلا کر اس کا نام بدل ڈالتے ہیں لیکن اس سے گناہ نہیں ہٹتا گو نام اب ودک ہو گیا۔ لیکن گناہ اسکا وہی رہا۔ خطابی فرماتے ہیں اس حدیث میں تمام حیلوں کو باطل کر دینا ہے جو حرام کی طرف وسیلہ بنتے ہیں۔ ایسی باتوں سے اصل حکم میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہیئت اور نام کی تبدیل حکم کی تبدیلی کو اس حیلہ جوئی میں لازم نہیں۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وجہ دلالت وہ ہے جس کی طرف امام احمد رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ یہود پر جب اللہ تعالیٰ نے چربی حرام کی تو اُنھوں نے اس سے نفع حاصل کرنے کیلئے یہ حیلہ اٹھایا تاکہ بظاہر یہ نہ کہا جا سکے کہ اُنھوں نے چربی سے نفع حاصل کیا ہے۔ اُنھوں نے چربی کو پگھلا لیا اس کا نام بدل گیا روغن نام ہو گیا پھر اسے بیچنا اور اس سے فائدے حاصل کرنا شروع کر دیا اس حیلے سے اتنا تو ضرور ہوا کہ بظاہر عین حرام کے ساتھ نفع نہ رہا۔ لیکن اللہ کے نزدیک تو ایک پر ایک گناہ ہو گیا۔ حرام سے نفع اٹھایا پھر حیلہ جوئی کی اور اسے حلال بنا لیا۔ پس ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی کیونکہ ان کا مقصود خدائی حکم کے خلاف تھا جامد میں اور پگھلے ہوئے میں حکم الٰہی نے جدائی نہیں کی تھی کسی چیز کے بدل کا حکم بھی اصلی چیز کا حکم ہی ہوتا ہے جب اللہ نے کسی چیز کو حرام کیا اس سے نفع لینے سے روک دیا تو اس نفع کا عوض بھی نادرست ہو گیا۔ ہاں اگر کسی چیز کے ایک طرح کے نفع کو جائز بتلا کر دوسری طرح کے نفع کو ناجائز کہا تو اس کا حکم بیشک یہی مختلف ہی رہے گا مثلاً گدھوں کی خرید و فروخت سواری کے لیے تو جائز مگر گوشت خوری کیلئے حرام۔

یہی معنی ابوداؤد کی روایت کردہ اور حاکم کی صحت کردہ اس حدیث کے ہیں کہ اللہ یہود پر لعنت فرمائے ان پر جب چربی کا کھانا حرام ہوا تو اُنھوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے یعنی وہ قیمت جو کھانے کے مقابل ہے اگر اس میں اور نفع ہے اور قیمت اس نفع کے مقابلے میں ہے تو وہ اس میں داخل نہیں۔ جب یہ ظاہر ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ جب حرام کرنا صرف لفظ کے مقابل ہو اور ظاہری قول سے ہو شے حرام کے مقصود سے نہ ہو نہ اس کے معنی اور کیفیت سے ہو تو مستحق لعنت نہیں۔ دو وجہ سے اوّل تو یہ کہ چربی کل چربی ہونے سے نکل گئی اور وہ ودگ میں گئی جیسے کہ سود حیلے سے لفظ سود سے نکل جاتا ہے اور اس کا نام بیع رکھ کر لوگ اسے حلال کر لیتے ہیں۔ جو شخص سو کے بدلے ایک سو بیس لینے کا ارادہ کرتا ہے اور دونوں مل کر یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک چیز یہ بیچتا ہے اور وہ اسے ادھار ایک سو بیس میں خرید تا ہے پھر وہ اسے بیچتا ہے اور ایک سو بیس یہ نقد لیتا ہے ان دونوں میں سے کسی کا مقصد بیع نہیں کسی طرح سے بھی ان میں سے کسی کا ارادہ کسی خرید و فروخت کا نہیں بلکہ یہ تو ویسے ہی ہے جیسے فقیہ اُمت کہتے ہیں۔ درہموں کے بدلے درہم جن کے درمیان کپڑا۔ پس اس حیلے کے بعد اس حیلے کے بغیر چیز اصلی ایک ہی ہے۔ کوئی فرق شرع و عقل و عرف میں ان دونوں میں ہرگز نہیں۔ وہ بگاڑ جس کی وجہ سے سود حرام ہوا تھا۔ اس حیلے کے بعد بھی جوں کا توں موجود ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ گیا ہے نہ کہ کم ہوا ہو یا جاتا رہا ہو۔

آہ! کس قدر عقل سے دور وہ لوگ ہیں جو اتنا نہیں سمجھتے کہ احکم الحاکمین اللہ ایک چیز کو بری جان کر اس سے اپنے بندوں کو روکتا ہے اسے حرام قرار دیتا ہے اس کے فاعل پر لعنت کرتا ہے اسے اپنے سے لڑنے کا اعلان دیتا ہے۔ اسے سخت عذابوں کی وعید دیتا ہے پھر اسی کو کسی ادنیٰ سے حیلے سے حلال کرے اور سارے عذاب و سزا ہٹا دے؟ حالانکہ جس فساد کی وجہ سے حرمت ہوئی تھی وہ فساد جوں کا توں موجود ہے بلکہ وہ بڑھ گیا ہے پس یہ لوگ تو دراصل اللہ کے غصے سے کھیل کھیل رہے ہیں اور اس کی ناراضگی کا بھرپور سامان اکٹھا کر رہے ہیں اور اسے اور اس کے رسول کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ پھر مصیبت پر مصیبت یہ ہے کہ اسے شرعی چیز کہتے ہیں اور جو ایسے حیلے جس قدر زیادہ تراش سکے وہ ان کے نزدیک اسی قدر بڑا فقیہ اور بڑا عالم سمجھا جاتا ہے۔ فرمایئے کیا یہ شریعت ہے؟ سود جتنا برا ہے اس سے بھی زیادہ برے حیلے کرنے سے کیا اس کی برائی مٹ جائے گی؟ تعجب ہے دنیا کے عقلمندو! ذرا ہمیں تو سمجھاؤ کہ جو فساد سود میں تھا وہ حیلہ کرنے سے کیسے دفع ہو گیا؟ تمہارا یہ مکروفریب اس فساد کو کیسے مٹا دے گا؟ یہ تو گناہ پر گناہ ہوا تم نے تو وہی مثل اصل کر دکھائی کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ تم نے اکبر الکبائر گناہ کو اپنے نزدیک نیکی بنانے کی کوشش کی اطاعت الٰہی کو تم نے دھوکوں اور حیلوں میں بدل دیا۔ کیا ان مکاریوں اور چالاکیوں اور حیلہ جوئیوں سے خبیث کی حقیقت بدل جائے گی؟ اور وہ طیب ہو جائے گا؟ کیا ان ہتھکنڈوں سے اللہ کا حرام حلال ہو جائے گا؟ یا اس مکروفریب سے فساد مصلحت ہو جائے گا؟ جو کام اللہ کو ناپسند تھا وہ اب تمہاری اس ملمع کاری سے پسند الٰہی ہو جائے گا؟ یہی ہم حلالہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ حنفیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جس فعل پر ایک بار نہیں بلکہ بار بار اللہ کے پیغمبر ﷺ نے لعنت پر لعنت کی وہ تمہارے اس حیلے سے کہ بہ وقت نکاح یہ نہ کہا جائے کہ یہ حلالہ ہے نکاح سے پہلے ہی یہ شرط طے کر لی جائے کہ یہ ملعون سانڈ اس عورت کو خراب کر کے اسے طلاق دے دے گا تو پھر اس پہلے خاوند کیلئے یہ عورت حلال ہو جائے گی۔ تم بتلاؤ تو سہی کہ اس تمہارے من سمجھوتے سے شریعت کی بات کیسے بدل گئی؟ لعنت اللہ کیسے ہٹ گئی؟ اور اس غدر کی شراب سرکہ کیسے بن گئی؟ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اس عقد کی حرمت اپنی حقیقت اور اپنی اصلیت کے لحاظ سے تھی؟ یا شرط کے مقارن ہونے سے تھی؟ اور حقیقی نکاح کی صورت کا حصول باوجود اس بات کی یقینی نفی کے کہ اصلیت نکاح یہاں مقصود نہیں بلکہ یہاں صرف یہی بات مقصود ہے کہ طلاق دینے والے کیلئے یہ عورت حلال ہو جائے۔ یہی حال تمام سودی حیلوں کا ہے کہ سود اپنی صورت کی وجہ سے حرام نہ تھا' لفظ ربوا کی وجہ سے حرام نہ تھا' بلکہ اپنی اصلیت اور حقیقت کی وجہ سے حرام تھا جس سے وہ بیع سے بالکل الگ ہو گیا تھا۔ پس جہاں کہیں اس کی اصل حقیقت پائی جائے گی وہیں تحریم موجود ہو جائے گی گو اسے کوئی بہتر سے بہتر جامہ پہنا دیا ہو۔ اور گو اس کے لیے بہتر سے بہتر نام گھڑ لیا ہو۔ نام اور ظاہری صورت حقیقت اور مقصد کو اور جس بنا پر عقد ہوا ہے اس کو نہیں بدلتی۔ ایک وجہ تو یہ تھی اب دوسری وجہ سنیے۔

یہودیوں نے عین چربی سے ہی نفع حاصل نہیں کیا تھا۔ اُنھوں نے تو اس کی قیمت سے نفع حاصل کیا تھا اب جو لوگ حقائق و مقاصد سے چشم پوشی کر کے صورت اور ظاہر پر قناعت کئے بیٹھے ہیں ان پر تو لازم ہے کہ وہ اسے حرام نہ بتائیں۔ ظاہر ہے کہ یہود پر اس کی قیمت کھانے کے جرم میں لعنت نازل ہوئی حالانکہ لفظوں میں اللہ نے ان پر چربی کی قیمت حرام نہیں کی تھی۔ تو معلوم ہو گیا کہ حقیقت و مقصد کی طرف نظریں ڈالنا بھی ضروری ہے نہ کہ صرف صورت اور ظاہر کی طرف۔ اس کی زندہ مثال ملاحظہ ہو کسی سے کہا جائے کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہو گا؟ کہ

اس کے مال کو بیچ ڈالے اس کا عوض لے لے اور صاف کہہ دے کہ میں نے اس کا مال نہیں لیا۔ یا مثلاً کسی سے کہا گیا کہ اس نہر سے پانی نہ پی تو وہ اپنے ہاتھ میں پانی لے لے اور دونوں ہاتھوں سے پی لے اور کہہ دے کہ میں نے نہر سے نہیں پیا۔ یا مثلاً کسی سے کہا گیا کہ زید کو نہ مارنا تو وہ اس کے جسم کے کپڑوں پر مارے اور کہہ دے کہ میں نے زید کو تو نہیں مارا میں نے تو اس کے کپڑوں پر مارا ہے اور اس کی ممانعت مجھے نہ تھی۔ یا مثلاً کسی سے کہا جائے کہ فلاں کا مال نہ کھانا وہ تجھ پر حرام ہے تو وہ اس سے کوئی سودا خرید لے اس کی تعیین نہ کرے پھر اسے بائع کے لیے نافذ کر دے اور کہہ دے کہ میں نے تو اس کا مال نہیں کھایا میں نے تو اسے کھایا ہے جو میں نے آپ خرید کیا تھا اور جس کا میں خود ہی مالک تھا۔ ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

اس کی اور بھی صدہا مثالیں ایسی مل سکتی ہیں کہ اگر طبیب مریضوں کے علاج میں اُنھیں استعمال کرے تو ان کا مرض اور بڑھ جائے اور اگر مریض ان کا استعمال کرے تو وہ اس چیز کا مرتکب ہو گا جس سے طبیب روک رہا ہے مثلاً ایک حکیم کسی بیمار سے کہتا ہے کہ دیکھو! خبردار تم گوشت نہ کھانا اس سے مرض کا مادہ بڑھ جائے گا وہ اسے کوٹ لے اس کا حریرہ بنا لے اور اسے کھا لے پھر طبیب سے کہے کہ میں نے گوشت تو نہیں کھایا۔ اس شخص کی مثال اور اس کی جو باطل حیلوں سے دین الٰہی کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتا ہے۔ ایک ہی ہے۔ دنیا کے لوگو! ذرا بتلا سکتے ہو کہ دو شخص جو ایک سو درہم دے کر ایک سو بیس لیتے ہیں اور وہ دو شخص جو درمیان میں ایک چیز رکھ کر اس کا سودا کر کے دراصل یہی کرتے ہیں ان میں کوئی فرق ہے؟ دونوں میں سے کسی کا قصد سودے کا نہیں اُنھیں سودے کی جنس سے پرواہ نہیں اُنھیں بازار بھاؤ کی کوئی تمیز نہیں۔ اس سودے کا ہونا مثل نہ ہونے کے ہے اس کا خریدار نہ سودے کو دیکھتا ہے نہ اس کی قیمت جانچتا ہے نہ اس میں کوئی عیب یا خوبی دیکھتا ہے بلکہ اسے تو اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی چیز ہے بھی یا نہیں؟ بلکہ پرانے کپڑے کی ایک دھجی بھی ہو تو قیمت لگانے کو کافی ہے بکری کا مردار کان بھی ہو تو کافی ہے۔ بلکہ جھاڑو کی ایک تیلی پر بھی وہ اللہ کے حرام کو حلال کر لیتے ہیں اور سود کو بیع کی شکل میں جائز بنا لیتے ہیں یہ حیلہ باز فرقہ بھی اسے خوب جانتا ہے کہ اس تجارت میں سودے کی چیز سے کوئی غرض نہیں نفس الامر میں اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں کسی وجہ سے وہ مقصود ہی نہیں، اس کا دخول و خروج برابر ہے۔ اس لیے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ عادۃً مال ہے بھی یا نہیں نہ اُنھیں اس سے غرض ہوتی ہے کہ بائع اس کا مالک بھی ہے یا نہیں بلکہ اُنھیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ آیا یہ بیچنے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تو مٹھائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ کر لیتے ہیں۔ مسجدوں اور مناروں اور قلعوں کو بکری پر رکھ دیتے ہیں۔ ان حیلہ سازوں سے یہ لغو حرکتیں بھی ہو چکی ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ خریدار کو اصل غرض چیز سے نہیں تو جو چیز نظر چڑھ گئی اس کا سودا کر لیں جیسے کہ حلالے کے وقت جو سانڈ نظر چڑھا اسی کی ران تلے اپنی بیوی دے دی۔ ظواہر اور الفاظ پر ہی قناعت کرنے والوں کی تو یہ مثال ہے کہ کسی سے کہا گیا کہ فلاں بدعتی سے سلام نہ کرنا تو وہ جا کر اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگتا ہے پھر دیدہ دلیری سے کہہ دیتا ہے کہ میں نے سلام نہیں کیا۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک بہت بڑے دانا شخص سے کہا جاتا ہے کہ تشریف لے جایئے اور اس ٹھلیا میں پانی بھر لیجئے۔ تو وہ تشریف لے جاتے ہیں اور ٹھلیا میں پانی بھر کر وہیں تالاب پر رکھ کر واپس آجاتے ہیں اور جب ان سے عرض کیا جاتا ہے کہ اے جناب افقہ الفقہاء ٹھلیا کیا ہوئی؟ تو جھٹ سے فقیہانہ رعب و داب سے فرماتے ہیں کہ جناب نے اسے واپس لانے کو تو نہیں فرمایا تھا۔ یا مثلاً کسی عقل کے تھیلے سے کہا کہ آپ ہماری طرف سے وکیل ہیں ہماری یہ چیز

فروخت کر آیئے۔ ہے وہ ایک سو کی لیکن یہ فقیہ حضرت جاتے ہیں اور ایک روپے میں بیچ کر چلے آتے ہیں اور واپس آکر محسنانہ انداز سے فقیہانہ لب و لہجے میں فرماتے ہیں کہ آپ کے حکم کی بجا آوری کر آیا۔ پس اس صورت میں بھی یہ فقہاء مذہب تو فتویٰ دیں گے کہ آپ نے اسے وکیل کیا اور لفظوں میں اسے بکری کا اختیار دیا اس لیے اس کی بیع آپ کے اوپر لازم ہو گئی۔ سو کے بجائے ایک لے کر چپ چاپ ماتم کر لو۔ ہاں اگر اس کی نظر مقصد و مطلب پر ہوتی تو یہ کبھی ایسا غلط فتویٰ نہ دیتا اور اس کے گھر ماتم نہ ڈلواتا اور صاف کہہ دیتا کہ اس نے ظلم کیا چیز کو اس کی مناسب جگہ پر نہ رکھا۔ یا مثلاً ایک فقیہ صاحب کو ہم کوئی کپڑا دیتے ہیں اور وہ کسی ترنگ میں آکر قسم کھا بیٹھے ہیں کہ واللہ! آپ کا یہ احسان میں ہرگز قبول نہ کروں گا لیکن پھر جب اسی چیز کو بیچ کر ان کے سامنے اسی کی قیمت پیش کی جاتی ہے تو ہاتھ بڑھا کر لے کر چپ چاپ جیب میں رکھ کر چلتے بنتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک صاحب فرماتے ہیں واللہ! میں اسے نہ پیوں گا پھر انھیں اس میں کچھ ملا کر دیا جاتا ہے تو وہ نوش فرما لیتے ہیں۔ بلکہ ان ظاہر لفظوں پر مدار فتویٰ رکھنے والوں کو تو یہ بھی لازم ہے کہ جو ایسا کام شراب کے ساتھ کرے اسے بھی حد نہ لگائیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو حرام چیز کو استعمال میں لیں گے لیکن اس کا نام بدل دیں گے ارشادِ مبارک ہے میرے بعض اُمتی شراب نوشی کریں گے لیکن نام بدل کر' ان کے سامنے خوب باجے گاجے اور راگ راگنیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ اُنھیں زمین میں دھنسا دے گا۔ اُنھیں بندر اور سؤر بنا دے گا۔ احمد رحمہ اللہ اور ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شراب پئیں گے اور اس کا نام اس کے اصلی نام کے سوا اور رکھ لیں گے۔ اسی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری اُمت کے لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پینے لگیں گے۔ سنن ابی ماجہ میں آپ فرماتے ہیں دن رات ختم نہ ہوں گے جب تک کہ میری اُمت کی ایک جماعت شراب نہ پینے لگے وہ اس کا نام اور ہی رکھ لیں گے۔ ہمارے شیخ فرماتے ہیں ایک اور حدیث بھی ہے جو موقوفاً بھی ہے اور مرفوعاً بھی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ پانچ حرام چیزیں نام بدل کر حلال کر لی جائیں گی۔ شراب کو نام بدل کر حلال کر لیں گے۔ حرام مال کا نام ہدیہ رکھ کر حلال کر لیں گے' قتل کا نام رعب داب رکھ کر حلال کر لیں گے' زنا کا نام نکاح رکھ کر حلال کر لیں گے' سود کا نام تجارت رکھ کر حلال کر لیں گے۔ دیکھو یہ کلام کس قدر حرف بہ حرف صحیح نکلا۔ سود کو تجارت کے نام سے حلال کر لینا تو صاف ظاہر ہے جیسے کہ حیلوں والی وہ صورتیں جن میں سود قطعاً ہے اور جن کی اصلیت ہی سودی حقیقت ہے لیکن اُنھیں ظاہری صورت بیع کی دے لی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سود اپنی اصلی حقیقت کے لحاظ سے حرام ہوا ہے نہ کہ ظاہری صورت کے لحاظ سے اس کی حرمت اس کی برائی اور اس کے فساد کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے نام کی وجہ سے۔ مان لو کہ سود خور اپنے سود کا نام سود نہ رکھے بلکہ اسے تجارت و خرید و فروخت کہے لیکن اس سے اس کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی۔ (۱) شراب کو نام بدل کر حلال کہہ لینا بھی اس اُمت میں ظاہر ہوا چنانچہ فقیہوں نے ایک ستم یہ بھی ڈھایا ہے کہ صاف کہا ہے کہ انگور کے شیرے سے جو شراب بنتی ہے وہی حرام ہے اور وہی خمر ہے اس کے سوا خمر اور نہیں۔ اور چیز کا نام تو نبیذ ہے اسی طرح ایک جماعت تجار نے یہ بھی کیا کہ شراب میں کوئی اور چیز ملا لی اور کہہ دیا کہ اب یہ شراب کے حکم میں نہیں رہی نہ شراب کا نام اس پر رہا جیسے کہ پانی کسی چیز میں ملا لینے سے اس کے مطلق نام پانی سے وہ خارج ہو جاتا ہے اسی طرح بعض لوگوں نے شراب کو جبکہ وہ عقید بنا لی جائے حلال کہا ہے کہ یہ اپنے نام سے نکل گئی اب اس کا نام عقید ہے۔ یہاں بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ

شراب اپنی حقیقت اور اپنے فساد کی وجہ سے حرام ہوئی ہے اپنے نام اور اپنی ظاہری صورت کی وجہ سے حرام نہیں ہوئی۔ عداوت و بغض کا ڈال دینا' ذکر اللہ اور نماز سے روک دینا وہ عقید ہو جانے کے بعد اور اس میں کسی چیز کو ملا لینے کے بعد بھی اپنی حالت پر باقی ہے۔ نام اور صورت بدلنے سے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف تمہاری کم عقلی اور کج فہمی ہے اگر تم قرآن و حدیث کو سمجھتے تو یہ بات بھی منہ سے نہ نکالتے۔

(۳) مال حرام کو ہدیہ کہہ کر کھا جانا یہ بھی خوب ہو رہا ہے۔ حاکموں اور والیوں کی رشوت ستانی کی خوفناک داستان کس سے پوشیدہ ہے حالانکہ حدیث کی رو سے رشوت دینے لینے والے ملعون ہیں اس کا نام ہدیہ اور تحفہ رکھ دیا جائے تو اس سے اصل حقیقت نہیں بدلتی۔ یہ تو ایک حیلہ ہے جو اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ (۴) قتل کا نام رعب قائم کرنا یہ بھی خوف ہو رہا ہے۔ ظالم اور سنگدل بادشاہوں نے ہیبت' سیاست' ناموس اور حرمت شاہانہ نام رکھ کر جگہ جگہ قتل عام کیے اور کرائے ہیں اس کے ذکر بغیر یہ چیز مشہور ہے۔ (۵) زنا کو نکاح کے نام حلال کر لینا یہ ہے کہ ایک عورت سے بدکاری کرتا ہے اس کی غرض اس کے ساتھ رہنا نہیں ہے نہ اسے بیوی بنا کر رکھنا ہے بلکہ غرض اسے جھوٹی کر کے اس کے اگلے خاوند کو واپس کرنا ہے جیسے کہ حنفی مذہب کے حلالہ کے مسئلے میں ہے کہ نکاح کی صورت اور نکاح کا نام ہے لیکن نکاح کی غرض اور اصل حقیقت مطلقاً نہیں ہے۔ اللہ اور اللہ کا رسول اس کے فرشتے اور خود وہ عورت اور وہ ادھار لیا ہوا سانڈ سب جانتے ہیں کہ یہ حلال کرنے والا ہے نکاح کرنے والا نہیں ہے۔ یہ خاوند نہیں ہے' یہ مست بیل ہے۔ جسے اسی طرح لیا گیا ہے جیسے سانڈ مستعار لیے جاتے ہیں۔

اللہ کے بندو! ذرا تو سوچو کہ زنا میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ ہاں وہ زنا تو لوگوں سے چھپ کر چپ چاپ ہوتا ہے اور یہ زنا لوگوں کو گواہ کر کے دھوم سے ہوتا ہے لیکن تم وہ ہو کہ بوٹی چھوڑ کر بکرا کھا جاتے ہو۔ تم نے جس بدکاری' رو سیاہی اور زنا کا نام حلالہ رکھ کر اسے نکاح قرار دیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم تو کھلے لفظوں میں اسے حرام کاری اور زنا کہتے ہیں۔ ان سے تو مروی ہے کہ اگر حلالہ والے بیس سال تک بھی اسی طرح رہیں تو بھی یہ زناکار ہیں۔ جبکہ علم اللہ میں ہے کہ غایت اس سے حلالہ ہے نہ کہ شرعی نکاح۔ پس یہ ہے زنا کرنا اور نام زنا کا نکاح رکھنا۔ جیسے کہ سود لینا اور اس کا نام تجارت رکھنا۔ یہی حکم ہر اس شخص کا ہے جو کسی حرام چیز کو استعمال کرے اور اس کا نام بدل کر اسے حلال کر لے۔ مثلاً بھنگ کا نام راحت رساں رکھ لیا۔ باجے گاجے مثلاً طنبورہ' عود' بربط ان کے نام بدل ڈالے اور شوق سے سنتے رہے۔ (جیسے ہمارے زمانے میں فونوگراف اور ریڈیو کے گانے بجانے وغیرہ) اسی طرح بعض لوگوں نے گویوں کا نام بدل دیا ہے مثلاً حادی یا مطرب یا قوال وغیرہ اور جیسے کہ دیوث کا نام مصلح رکھ لیا ہے اور موفق اور محسن۔ بلکہ بعضے تو اس فن میں انتہائی شرک کی منزلیں بھی طے کر گئے ہیں سجدۂ تعظیمی نام رکھ کر غیر اللہ کے سامنے سجدوں میں پڑ گئے۔ زندوں اور مردوں کے سامنے اور صاف کہہ دیا کہ یہ عبادت کا سجدہ نہیں بلکہ یہ تو شیخ کے سامنے سر رکھنا ہے۔

غرض ایسے لوگ بہت ہیں جنھوں نے ظاہری لفظ سے اپنے تئیں بچا لیا اور جو مقصود تھا اسے پورا کر لیا۔ معناً وہی کام کیا جو لفظ سے مقصود تھا لیکن لفظ تلے سے اسے ہٹا لیا۔ مثلاً ایک شخص پر کسی کے ایک ہزار روپے قرض کے ہیں اب سود تو لیتا نہیں مگر یہ صورت کر لی کہ یہ گز بھر کا ٹکڑا میں تجھ سے ایک سو کے بدلے لیتا ہوں اب تیرے گیارہ سو روپے مجھ پر ہو گئے فرمائیے جو مقصود سود سے روکنے سے شارع علیہ السلام کا تھا وہ اس صورت میں پورا ہو گیا؟ ہرگز نہیں بلکہ حرام کام کیا سود لیا اور پھر

اسے اپنی طرف سے حلال بنایا' چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ جیسے یہ سودی مسئلہ تھا۔ زنا کا مسئلہ بھی ایسے ہی ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے کہے کہ میں تجھ سے ایک دن یا ایک وقت یا ذرا سی دیر کے لیے مل لوں گا اور تجھے یہ دوں گا اس میں گواہ ہوں تو اور نہ ہوں تو دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے کیونکہ یہ طے شدہ ہے کہ یہ اپنی حاجت روائی کریں گے نہ کہ نکاح۔ برادران! اگر نام اور صورت کی تبدیل سے حکم اور حقیقت بدل جائے تو دیانت ختم ہو جائے گی' احکام اسلام کا ستیاناس ہو جائے گا' اسلام مضمحل ہو جائے گا کوئی حلت و حرمت اپنی جگہ باقی نہیں رہنے کی' ہر فاسق' فاجر' بدکار ہر حرام کو حلال بنا لے گا۔ ہر فقیہ ایچ پیچ کر کے ہر حلال کو بھلے لوگوں پر حرام بنا دے گا۔ دنیا میں اندھیر مچ جائے گا۔ قانون اسلامی یکسر اٹھ جائے گا۔ دیکھو! مشرکین نے اپنے بتوں کا نام اللہ رکھا لیکن کیا اس سے شرک کے احکام بدل گئے۔ کیونکہ نام کے بدلنے سے صفات و حقیقت نہیں بدلتی غیراللہ کو اللہ کہنے سے صفات خداوندی اس میں کہاں سے آئیں گی؟ ان مشرکوں نے یہ سب جتن کر لیے تھے جو آج کے یہ فقہا کرتے ہیں اور دنیا کو سکھاتے ہیں وہ بھی اپنے شرک کو تقرب الی اللہ کے نام سے بدل چکے تھے۔

اسی طرح جن لوگوں نے صفات خداوندی کا انکار کیا ہے اُنھوں نے بھی اپنے اس انکار کے لیے تنزیہ جیسا پاک نام تجویز کر لیا ہے۔ جن مشرکوں نے اللہ کے بندوں کے ساتھ اپنے والہانہ عقائد کو بہت بڑھا دیا ان کی عبادتیں کرنے لگے۔ اُنھوں نے بھی اس عبادت کا نام ادب و تعظیم و احترام رکھ لیا۔ لیکن ان تمام چیزوں میں تبدیلی نام نے کوئی اثر پیدا نہ کیا اس تبدیلی سے حکم نہ بدلا۔ پھر فقہاء کی ان نامی تبدیلیوں سے احکام الٰہی کیسے بدل جائیں گے؟ اللہ کے منکروں کو اپنے اس فعل کا نام عدل رکھ لینے سے کون سا نفع پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کی انکاری جماعت کو ان کے اس نام نے کہ وہ توحید والے ہیں کوئی نفع دیا؟ فلسفیوں نے اپنے کفریہ عقائد کا نام حکمت رکھ لیا کیا اس سے ان کا کفر ہلکا ہو جائے گا؟ اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان نہیں بنایا وہ مردوں کو زندہ نہ کرے گا' وہ قبروالوں کو نہ اٹھائے گا' وہ موجوداتِ کا کوئی علم نہیں رکھتا' اس نے رسولوں کی اطاعت کا حکم نہیں دیا وغیرہ۔ اسی طرح منافقوں نے اپنے نفاق کا نام عقلمندی' مصلحت شناسی اور دور اندیشی رکھا تو کیا ان کے نفاق کا بوجھ ہلکا ہو گیا؟ چنگی لینے والوں نے چنگی کو حق سلطان کہا تو کیا ان کے ظلم کا بوجھ کم ہو گیا؟ حکام نے خلافِ شرع ظلم و زیادتی کے احکام وضع کیے اور ان کے مجموعے کا نام فقہ اور قانون رکھا' تو کیا ان کی ذمہ داری ہٹ گئی؟ بدعتیوں اور گمراہ فرقوں نے اپنے خلافِ شرع پھس پھسے شبہات کا نام عقلیات اور براہین رکھا تو کیا وہ غضب الٰہی سے چھوٹ گئے؟ نام کے صوفیوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ کا نام حقائق رکھ لیا۔ تو کیا ان کی بے ایمانیاں اللہ کے ہاں ایمانداریاں بن گئیں؟ دراصل ان سب لوگوں کی تردید میں صرف یہ آیت کافی ہے : ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (نجم : ۲۳) یعنی تمہارے رکھے ہوئے یہ نام سب بے دلیل ہیں۔

فصل : یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی مزید وضاحت سنیے۔ اس بات کے ثبوت کیلئے کہ ہر معاملہ میں قصد معتبر ہے صرف وہ الفاظ جن سے ان کے اصلی معنی مقصود نہ ہوں یا اصلی حقائق کے سوا کچھ اور ہی مراد ہو تو وہ باطل ہے۔ ایک زبردست دلیل اس کی یہ بھی ہے کہ معاملات کو چکانے کے الفاظ مثلاً میں نے بیچا' میں نے خریدا' میں نے نکاح کیا' میں نے اجرت پر رکھا وغیرہ۔ یہ الفاظ یا تو اخبارات ہیں یا انشاات ہیں یا دونوں امر کے متضمن ہیں۔ پس دراصل یہ خبریں ہیں نفس الامر کی۔ ان معانی سے جو ان الفاظ میں ہیں تو ضروری ہے کہ خبر مطابق ہو اس کے جو کچھ خبر وہ دے رہا ہے پھر جب کہ وہ

معانی جو ان لفظوں کی خبروں کے ہیں وہ مطابق واقعہ نہیں ہیں تو خبر جھوٹ ہو گی جیسے کہ منافقوں کی یہ خبر کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں اور جیسے کہ ان کا یہ قول کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے۔ اسی طرح حلالہ کرنے والے کا یہ قول کہ میں نے نکاح کیا حالانکہ اس کا قصد اس لفظ سے شرعی نکاح نہیں تو یہ خبر کاذب ہو گی یہ انشاء باطل ہو گی۔ ہم کیا دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ لفظ شرعاً' عرفاً' لغتاً اس بات کے لیے وضع نہیں ہوا کہ طلاق والی عورت کو اس کے میاں سے ملا دینا' بلکہ نکاح اور تزوج کا لفظ اس نکاح کے لیے ہے جسے اللہ نے بنایا ہے اپنے بندوں میں جاری کیا ہے۔ میاں بیوی میں میل ملاپ کا ذریعہ بنایا ہے۔ پھر اس حلالہ کرنے والے کا مقصود نکاح کی حقیقت اور حکم میں جو نیچے کی چیزیں ہیں وہ بھی نہیں۔ نہ وہ اس عورت کے ساتھ رہنا چاہتا ہے نہ خوش عیشی کی طلب ہے' نہ سسرال داماد کے رشتے قائم ہو رہے ہیں' نہ اولاد مطلوب ہے' نہ میل جول سے غرض ہے' نہ اسے کھلانا پلانا اور اس سے نباہ کرنا مقصود ہے بلکہ دراصل نکاح کے خلاف جو مقصود ہوتا ہے وہ اس کی اصلی غرض ہے یعنی جدا کر دینا طلاق دے دینا۔ دوسرے کو سونپ دینا۔

نکاح اس لیے ہوتا ہے کہ وہ عورت دوسروں پر حرام ہو جائے یہاں یہ پاپی اس لیے نکاح کرتا ہے کہ دوسرے پر حلال ہو جائے یہ تو دینِ الٰہی کو' شریعت ھدیٰ کو' حکمت رب کو' بدل رہا ہے پس یقیناً وہ اپنے اس قول میں جھوٹا ہے کہ میں نے نکاح قبول کیا یہ بھی منافقوں کی طرح اپنی زبان سے وہ کہتا ہے جو دل میں نہیں۔ عقلمندو اور اے فقیہو! اگر کوئی کسی سے کہے کہ میں نے تجھے وکیل بنایا میں نے تجھ سے شرکت کی اور مطلب اس کا یہ ہوا کہ یہ سب کام میں نے ختم کر دیئے ان سے میں باز آیا۔ میں نے وکالت ساجھا وغیرہ توڑا تو کیا تم اسے اچھا سمجھو گے؟ کیا یہ شخص سچا ہے' پس یاد رہے کہ یہ صیغے جو عقد کے ہیں جو اوپر بیان ہوئے یہ ان معانی کی خبریں ہیں جو ان کی اصل میں ہیں اور جو دراصل حقیقت ہے۔ جن سے یہ الفاظ معتبر کلام بن جاتے ہیں کلام اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب وہ اپنے معانی سے ملا ہوا ہو' اب یہ عقود اور تصرفات کے لیے انشاء بن جائے گا۔ اسی سے اس کا ثبوت اور وجود متحقق ہو گا۔ گو لفظوں میں یہ مشابہ ہیں اس کے کہ کوئی کہے میں تجھ سے مُحبّت کرتا ہوں' میں تجھ سے ناراض ہوں مجھے نہیں اچھا لگتا اور معنی کے لحاظ سے یہ مشابہ ہیں اس کے کہ کوئی کہے کھڑا ہو جا یا بیٹھ جا۔ پس یہ اقوال مفید احکام اسی وقت ہیں جبکہ متکلم ان سے اسی حقیقت و حکم کا قصد کرے جو ان کے لیے ہے اور ان کے خلاف معنی کا قصد نہ کرے یہ دراصل اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان ہے لیکن ظاہر میں امر صحت پر محمول ہو گا ورنہ کوئی عقد کوئی تصرف پورا نہیں ہو گا۔ پس جب کسی شخص نے کہا میں نے اسے بیچا یا میں نے یہ نکاح قبول کیا تو یہ لفظ دلیل ہوں گے اس بات پر کہ اس نے ان الفاظ کے جو معنی ہیں وہی مراد لیے ہیں۔ شارع علیہ السلام اسے انہی کے قصد سے بولے ہوئے قرار دیتا ہے اگرچہ اس نے بطور مذاق ہی کہے ہوں۔ لفظ اور معنی دونوں سے مل کر حکم پورا ہوتا ہے۔ ہر ایک ان میں سے جزء سبب ہے اور دونوں کے ملنے سے سبب پورا ہو جاتا ہے۔ گو معتبر دراصل معانی ہیں اور لفظ ان کی دلیل ہے اسی لیے جب اسی معنی میں وہ لفظ مشکل و محال ہو تو اس کے اور معنی لے لیے جاتے ہیں۔ کلام کی تمام قسموں کی شان یہی ہے وہ سب محمول ہوتے ہیں اسی معنی پر جو دراصل ان کے اطلاق کے وقت ہے۔ خصوصاً وہ احکامِ شرعیہ جو مدار حکم شرع ہیں۔ متکلم پر ضروری ہے کہ ان الفاظ سے وہی معنی لے اور سننے والے پر بھی ضروری ہے کہ انھیں اصلی معنی پر ہی محمول کرے اگر متکلم نے اس کے معنی مراد لے کر وہ الفاظ نہیں بولے یا اور ہی معنی مراد لیے ہیں تو شارع علیہ السلام نے اس کا قصد باطل کر دیا ہے اگرچہ بطور مذاق اور ہنسی کے اس نے الفاظ نکالے ہوں پھر بھی شرعاً اس پر ان الفاظ کے معانی لازم ہو جائیں گے۔ جیسے کہ

کفروطلاق و نکاح و رجعت کے الفاظ کسی نے کہے گو تمسخراً کہے ہوں' بلکہ کسی کافر نے الفاظ اسلام سے کلمہ اسلام ادا کر لیا گو وہ مذاق سے کہتا ہو۔ احکام اسلام ظاہری طور پر اس پر جاری ہو جائیں گے گو دھوکے سے' فریب سے' مکر سے' دغا سے' حیلہ جوئی سے کہے ہوں۔ اپنے دل میں کچھ اور ہی چھپا رکھا ہو۔ شارع علیہ السلام اسے اس کے مقصود سے الگ کر دے گا جیسے حلالہ کرنے والا' جیسے سود لینے والا بظاہر نکاح اور تجارت کرتا ہے اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی واجب کو گرانے یا کسی حرام کو کرنے کیلئے کوئی حیلہ کرے خواہ عقد سے ہو خواہ قول سے ہو۔ کہ ظاہر کچھ کرے اور باطن کچھ رکھے۔ اسی سے ان کا جواب بھی ہو گیا جو ہم پر نکاح اور طلاق اور رجعت کے مذاقاً واجب ہو جانے کا اعتراض کرتے تھے دارانحالیکہ ان کا مقصود یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔

اب ہم اس بارے کی ایک جامع نافع تفصیل کرتے ہیں وہ سنیے۔ عقد و معاملہ کے ان صیغوں کے ساتھ کلام کرنے والا تو انہی کے قصد سے کلام کرتا ہے یا بے قصد۔ اگر قصد نہیں ہے جیسے وہ شخص جس پر اکراہ کیا گیا ہے۔ وہ شخص جو نیند میں ہے۔ وہ شخص جس پر دیوانگی ہے۔ وہ شخص جو نشے میں ہے۔ وہ شخص جس کی عقل ماری گئی ہے ان پر کوئی حکم ان الفاظ کا وارد نہیں ہونے کا۔ گو کسی کو ان میں سے کسی بارے میں ہم سے اختلاف ہو یا اس نے کوئی تفصیل کی ہو۔ ٹھیک اور درست بات یہی ہے کہ یہ سب باتیں کالعدم ہیں جیسے کہ کتاب و سُنّت اور صحیح قیاس کی اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس پر صاف دلالت موجود ہے۔ اگر قصداً اس نے کلام کیا ہے تو یا تو وہ ان کے معانی کو جانتا ہے یا اس کے مطالب و معانی سے بالکل بے خبر ہے۔ اگر معنی نہیں جانتا ان کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہیں تو بھی اس پر باوجود قصداً ان الفاظ کے کہنے سے وہ چیز عائد نہیں ہو گی جو ان الفاظ کے معانی میں ہے۔ ائمہ اسلام میں بحمد للہ اس مسئلے میں بھی کوئی نزاع نہیں۔ اگر ان الفاظ کے معانی اس کے تصور میں ہیں ان الفاظ کی دلالت سے وہ واقف ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے قصد میں بھی یہ معانی ہیں یا نہیں ہیں؟ اگر قصد میں بھی ہیں تو بلاشک اس پر لازم ہیں۔ اگر قصد میں نہیں ہیں تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا اس کے خلاف اور مراد اس نے لی ہے؟ یا سرے سے کوئی مراد لی ہی نہیں؟ نہ یہ نہ اس کے سوا؟ اور اگر صرف الفاظ کے زبان سے نکال دینے کے سوا اس کا مقصود اور ہے ہی نہیں تو اسے مذاق اور استہزا کرنے والا کہا جائے گا۔ اس کے احکام ہم بیان کریں گے انشاء اللہ۔ اور اگر اس نے قصد کیا ہے تو اب یہ دیکھئے کہ ان الفاظ کا یہ مقصود ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے تو طلاق والی ہے اور مقصود یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جو تیرا شوہر تھا اس نے تجھے طلاق دے دی ہے یا کسی نے کہا میری لونڈی غلام آزاد ہیں مراد اس نے یہ لی ہے کہ بدکاری اور برائی سے آزاد ہیں یا کسی نے کہا میری بیوی میرے نزدیک میری ماں کے برابر ہے یعنی حسن سلوک اور کرامت اور قدر و عزت میں۔ وغیرہ وغیرہ تو ان الفاظ کے ظاہری معنی اس پر لازم نہ ہوں گے اللہ کے نزدیک اور اس کے درمیان باقی رہا دنیوی فیصلہ تو دیکھنا چاہیے کہ وہاں کوئی ایسا قرینہ ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اگر ہے تو ہرگز اس پر اصلیت لازم نہیں آنے کی نہ اس کی بیوی پر طلاق ہو گی نہ اس کے غلام لونڈی آزاد ہوں گے نہ اس کا اپنی بیوی سے ظہار ہو گا۔ اس لیے کہ سیاق قرینہ نے اس پر دلالت کر دی ہے اور وہ اس کی سچائی کی گواہی ہے۔

اگر سرے سے کوئی قرینہ ہے ہی نہیں صرف اس کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے تو بظاہر حکم نامقبول ہے اور اگر ان الفاظ سے وہ قصد کیا ہے جس کا قصد ان الفاظ سے جائز نہیں یہ کہہ کر کہ میں نے نکاح قبول کیا میں نے اپنی بیوی بنا لی یہ کہا اور اس سے

قصد حلالہ کا کیا یا کہا میں نے اسے بیچا یا خریدا اور مراد اس سے سودی لین دین ہے یا کہا میں نے اس سے خلع کیا اور مقصود حیلہ ہے اس پر جس پر قسم کھائی ہے یا اپنے مال کی نسبت کہا میں نے اسے فلاں کی ملکیت میں دیا مراد اس سے زکوٰۃ کو ٹالنا ہے یا شفعہ کو برباد کرنا ہے اور اس کے مشابہ اور چیزیں۔ پس یاد رہے کہ ان الفاظ سے ان کا قصد حاصل نہ ہو گا۔ نہ یہ ظاہری لفظ و فعل اس کے جواز کا وسیلہ بنے گا کیونکہ اس کا مقصود حرام کو حلال کر لینا ہے اس کا مقصد واجب و فرض کو ساقط کر دینا ہے اس کا مقصد اللہ کی نافرمانی پر مدد لینا ہے۔ اس کا مقصد اللہ کے دین اور اس کی شرع کا خلاف کرنا ہے پھر اس کی اعانت کرنا ظلم و زیادتی اور گناہ اور بدکاری پر مدد کرنا ہے جو مطلقاً حرام ہے۔ نہ اس طریقہ سے اس کی اعانت کی جائے کہ اس کا مقصود حاصل ہو۔ نہ اس طریقہ سے اس کی اعانت کی جائے کہ اس کی مراد پوری ہو۔ نہ اس طریق سے کہ اسے اس کے سوا کوئی اور نفع حاصل ہو۔ یاد رہے کہ مقصود ایک ہونے کی صورت میں اس تک پہنچانے والے راستوں کا مختلف ہونا حکم کے اختلاف کا موجب نہ ہو گا کہ ایک طریق سے حرام ہو اور وہی چیز بعینہٖ دوسرے طریق سے حلال ہو جائے۔ راستے تو وسائل ہوتے ہیں اور سبب ہوتے ہیں اور چیز کیلئے پس کوئی فرق ان طریقوں میں جو حرام تک پہنچاتے ہوں۔ نہیں۔ خواہ وہ حیلے مکرو فریب کے ہوں یا علانیہ ہوں جو باطن کے بھی موافق ہوں یا اعلان ظاہر و باطن دونوں ہوں اور ساتھ ہی لفظ کا قصد بھی ہو۔ بلکہ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جو حرام کو حرام سمجھ کر بطور گناہ کے کرتا ہے اس کا بوجھ ہلکا ہے بنسبت اس خبیث شخص کے جو خداع و مکرو فریب کر کے بظاہر حلال صورت بنا کر کرتا ہے کہ لوگوں میں دینداری کا فسانہ بھی قائم رہے اور حرام کاری اور حرام خوری بھی کر لے۔ یہ وہ پاجی شخص ہے جس نے شریعت الٰہی کی اوٹ میں اپنی نجاست پوری کی ہے ایک گھر میں ایک شخص دروازہ سے جائے اور دوسرا چھت پھاڑ کر جائے گو گھر میں دونوں گئے لیکن دنیا اس دوسرے شخص کو پہلے سے زیادہ نا پسند کرے گی۔ اسی لیے بہت بڑے تابعی حضرت امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح بچوں کو بڑے دھوکے اور فریب دیتے ہیں اس طرح یہ ناپاک لوگ اللہ سے فریب بازی کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو اگر اپنی خبیث خواہشیں پوری کرنی ہی تھیں تو مثل اور گنہگاروں کے اور فساق و فجار کے کھلے بندوں کرتے نہ کہ شریعت کی آڑ لے کر اور اللہ کے ساتھ فریب بازی کر کے یہ اپنی ان ناجائز خواہشوں کو پورا کرتے۔ اور اللہ کے دین کو اور اس کے احکام کو اپنی حیوانی حرکتوں سے بدنام کرتے۔

حکم اکراہ: حکم اکراہ: اسے جان لینے کے بعد یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ جس پر اکراہ کیا جاتا ہے وہ ان الفاظ کو اپنی زبان سے نکالتا ہے جو حکم کے مقتضی ہیں لیکن تاہم اس پر کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قصد یہ نہیں اس کا قصد تو صرف اپنے تئیں اکراہ کرنے والے کے ظلم و ستم سے بچانا ہے پس قصد و ارادہ نہ ہونے کے باعث موجب لفظ اس پر وارد نہ ہوا۔ کیونکہ خود لفظ حکم کا اقتضاء نہیں کرتا۔ جیسے کہ اقتضاء فعل اپنے اثر کے لیے ہے۔ اس حال میں بھی اگر اس نے قتل کیا یا غصب کیا یا کسی کی چیز تلف کر دی یا کوئی پانی ناپاک کر دیا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چیزیں فاسد و باطل ہیں جیسے کہ مثلاً اگر وہ کھا پی کر نشے والا ہو جاتا یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ فاسد ہے بخلاف اس کے کہ اگر قسم کھائے یا نذر مانے یا طلاق دے یا عقد حکمی کرے۔ اسی طرح حیلہ اور مکر اور فریب کرنے والا ان لفظوں سے ان کے مقاصد کا قصد نہیں کرتا۔ اس کا تو اور ہی قصد ہے مثلاً بیع سے سود کا قصد کرتا ہے' حلالہ سے نکاح کا قصد کرتا ہے' قسم توڑنے سے خلع کا قصد کرتا ہے۔ بلکہ جس پر اکراہ کیا گیا ہے اس کا قصد تو اپنے اوپر سے ظلم و ستم کا دور کرنا ہے اور اس پاجی کا قصد ایک ناواجب ناروا اور حرام چیز

کو لینا ہے پس حیلہ جو اور اکراہ کیا گیا شخص اس بارے میں تو یکساں ہیں کہ سبب سے حکم کا قصد نہیں لفظ سے معنی مراد نہیں بلکہ ان لفظوں اور ان وسیلوں سے ایک اور ہی چیز کی طرف پہنچنا ہے جو سبب کے حکم کے سوا ہے۔ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ ایک تو ڈر خوف میں ہے وہ اپنے اوپر سے ضرر و مشکل کو دفع کرتا ہے اسی لیے وہ معذور ہے۔ شرعی پکڑ اس پر نہیں۔ دوسرا رغبت کرنے والا ہے اس کا قصد حق کو باطل کرنا ہے۔ باطل کو اختیار کرنا ہے اسی لیے یہ مذموم ہے پس اکراہ والا تو حکم سبب کو باطل کرتا ہے اس لیے کہ اس کا کوئی قصد ہی نہیں۔ اور حیلہ کرنے والا حکم سبب کو باطل کر دیتا ہے اُس چیز میں جس پر حیلہ کرتا ہے اور اس کے سوا اور چیزوں میں تفصیل واجب ہے۔ یہاں ایک ضروری چیز بھی خیال میں رہے کہ جس کی نسبت ہمیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس نے حیلہ کیا ہے وہ مثل اسی کے ہے جس پر اکراہ کیا گیا ہے اور جس نے دعویٰ کیا کہ اس کا قصد حیلے کا تھا اس کا حکم بھی وہی ہے جس نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر اکراہ تھا گو اکراہ والے کا ظاہر ہونا بنسبت حیلے والے کے زیادہ صاف ہے۔

فصل: نکاح و طلاق وغیرہ کا مذاق:

رہا ہزل و مذاق کرنے والا یہ بھی کلام کو اس کے اصلی معنی اور موجب کے ارادے سے نہیں بولتا بلکہ لہو و لعب کے طور پر منہ سے کلام نکالتا ہے برخلاف عمد و قصد اور کام کے کرنے والے کے جو پختگی سے بات بولتا ہے ((جد)) کا لفظ ماخوذ ہے ((جد فلان)) سے یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ بڑا ہو جائے اور غنی بن جائے اور نصیب دار ہو جائے ہزل کا لفظ ماخوذ ہے ہزل سے جس کے معنی ہیں ضعیف ہوا کمزور اور بودا پڑ گیا پس وہ کلام جو معنی والا تھا اس نے بے معنی کر دیا جیسے جد والا تو نگری والا ہوتا ہے اس کا کلام اپنے اندر وزن اور معنی لیے ہوئے ہوتا ہے اس کے برخلاف اس کا کلام ہلکا بے معنی اور بے حقیقت ہوتا ہے پس خالی از معنی کلام والا ھازل ہوا اور پر از معنی کلام والا جد ہوا۔ اس بارے میں ایک مشہور حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے جس میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تین چیزوں کی پختگی بھی پختگی ہے اور ان کا مذاق بھی پختگی ہے نکاح طلاق اور رجعت اہل سنن نے اسے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے مراسیل حسن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے بطور کھیل تماشے کے نکاح کیا یا بطور کھیل تماشے کے غلام لونڈی کو آزاد کیا اس کا نکاح اور آزادگی سچ مچ ہو گئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چار چیزیں بالکل جاری ہو جائیں گی جب کہ وہ زبان سے نکالی گئیں طلاق' آزادگی' نکاح اور نذر۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین کاموں میں کھیل نہیں طلاق' آزادگی اور نکاح۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین چیزوں میں کھیل تماشا بھی مثل پختگی کے ہے طلاق' عتاق اور نکاح۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ نکاح میں پختگی اور لہو و لعب برابر ہے اس کا ذکر امام ابو حفص عکبری نے کیا ہے۔

فصل: ہزل و مذاق اور غیر پختگی کی طلاق کا حکم:

جمہور کے نزدیک یہ واجب ہو جاتی ہے اسی طرح ایسا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے جیسے کہ الفاظ حدیث میں آچکا۔ یہی فتویٰ صحابہ اور تابعین سے محفوظ ہے یہی قول جمہور ہے ابو حفص نے امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے' یہی ان کے ساتھیوں کا قول ہے' یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھیوں کا ہے۔ بعض کہتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا اپنا قول یہ ہے کہ ہازل کا نکاح صحیح نہیں بخلاف طلاق کے کہ وہ ہو جاتی ہے۔ مالک کا مذہب اور ان کے اصحاب کا عمل یہ ہے کہ نکاح و طلاق جو بطور کھیل تماشے لہو و لعب ہنسی مذاق کے ہو وہ ثابت ہے اور لازم ہے۔ بخلاف بیع کے۔ ایک روایت میں آپ سے مروی ہے کہ

مذاقیہ نکاح درست و جائز و جاری نہ ہو گا۔ آپ کے بعض ساتھیوں کا قول ہے کہ اگر مذاق پر کوئی دلیل قائم ہو گئی تو آزادگی نکاح طلاق کچھ بھی لازم نہ ہو گا نہ اس پر کوئی مہر ہے۔ اس حالت کی بیع اور تصرفات مالیہ بھی قاضی ابو یعلیٰ اور ان کے اکثر ساتھیوں کے نزدیک غیر صحیح ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کا قول بھی یہی ہے۔ ابو الخطاب کہتے ہیں اس کی بیع صحیح ہے جیسے کہ اس کی طلاق صحیح ہے۔ بعض شافعیہ نے اس کی تخریج دو طرح پر کی ہے جو اسے صحیح مانتے ہیں وہ اس کے اور تصرفات کا قیاس نکاح' طلاق اور رجعت کی صحت پر کرتے ہیں۔ اس میں فقہ یہ ہے کہ ہزل و مذاق کرنے والا ایک ایسا قول کہتا ہے جو اپنے حکم پر ملتزم نہیں۔ ترتب احکام اسباب پر حق شارع علیہ السلام ہے نہ کہ حق عاقد جب وہ سبب کو لایا تو اس کا حکم اس پر واجب ہو گیا وہ خود اسے چاہتا ہو یا اس کا انکاری ہو اس کا کوئی اثر حکم پر نہ پڑے گا۔ اس لیے کہ ترتب حکم اس کے اختیار میں نہیں۔ ہزل سے جو کلام وہ بولتا ہے وہ قصداً بولتا ہے اس کے معنی کو جان کر بولتا ہے اس کے موجب و مصداق کا اسے علم ہے۔ قصد لفظ جو متضمن معنی ہو قصد معنی ہے کیونکہ دونوں میں تلازم ہے ہاں اس وقت جبکہ کوئی اور قصد اس کے معارض ہو جیسے وہ شخص جس پر اکراہ کیا جا رہا ہے جو دھوکہ کر رہا ہے جو حیلہ کر رہا ہے ان کا مقصد اور ہی چیز کا ہوتا ہے نہ انھیں اس قول سے مطلب ہوتا ہے نہ اس کے مصداق و موجب سے۔ اکراہ والے شخص کا قصد تو اپنے اوپر سے مصیبت کو ٹالنا ہے وہ سرے سے کسی سبب کا قصد ہی نہیں کرتا۔ حلالہ کرنے والے کا قصد دوسرے کی طرف اس عورت کو لوٹانا ہے سبب کا جو موجب ہے یعنی اصلی نکاح وہ اس کا قصد ہی نہیں۔ ہزل و مذاق کرنے والا سبب کا قصد تو کرتا ہے لیکن اس کے حکم کا قصد نہیں کرتا نہ اس چیز کا قصد کرتا ہے جو اس کے منافی ہے اس لیے اس پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہم پر یہ اعتراض کرے کہ پھر لغو قسم سے اس پر حکم مرتب کیوں نہیں ہوتا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ لغو قسم کھانے والے نے سبب کا قصد نہیں کیا وہ اس کی زبان پر بے ارادہ اور بلا قصد جاری ہوئی ہے اس کا حکم تو سوئے ہوئے اور دیوانے کے کلام کے مانند ہے اور یہ کہ ہزل و مذاق ایک باطنی اور خفیہ امر ہے اسے تو صرف اسی شخص کے کہنے سے سمجھا جاتا ہے پس اس کے محض قول کی وجہ سے دوسرے کے حق کو کیسے باطل کر دیا جائے گا؟ جس نے بیع اور اس کے بارے میں اور نکاح اور اس کے بارے میں تفریق کی ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ حدیث اور آثار کی دلالت اس بات پر ہے کہ بعض عقود ایسے ہیں جن میں پختگی اور مذاق کا ایک ہی حکم ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں ایک حکم نہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرما دیتے کہ کل عقود و معاملات اور کل کلام میں پختگی اور ہزل و مذاق برابر ہے۔ معنی کی وجہ سے بھی ان میں فرق ہے۔ نکاح' طلاق' رجعت اور آزادگی غلام ان میں حق اللہ بھی ہے۔ آزادگی غلام میں تو حق اللہ ہونا ظاہر باہر ہے۔ طلاق میں شرمگاہ کو حرام ہونا یہ حق اللہ ہے اسی لیے اس پر گواہ رکھنے کا حکم ہے گو عورت طلب نہ کرے۔

اسی طرح نکاح سے ایک شرمگاہ جو حرام تھی حلال ہوتی ہے اور حلال جو تھیں وہ حرام ہوتی ہیں مثلاً سسرالی رشتے اسی لیے یہ بلا مہر حلال نہیں ہو سکتی اور جبکہ یہ حالت ہے تو بندے کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ باوجود ایسا سبب مہیا کرنے کے جو ان احکام کو واجب کرنے والا ہو پھر بھی ان پر ان کے احکام مرتب نہ کرے جیسے کہ اسے یہ حق نہیں کہ کلمات کفر سے مذاق و ہنسی کرے۔ قرآن میں ایسوں کے کفر کی صراحت موجود ہے۔ پس جس کلام میں حق اللہ شامل ہو اسے دور کرنے کا حق بندے کو نہیں بندہ اپنے پروردگار سے مذاق نہیں کر سکتا۔ نہ اس کی آیتوں کو ہنسی میں اڑا سکتا ہے۔ نہ اس کے احکام سے کھیل کود کر سکتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حدود خداوندی کے ساتھ کھیل

کرنے لگتے ہیں اور اس کی آیتوں سے مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ ہزل کرنے والوں کے حق میں ہے یعنی وہ ازروئے مذاق کے کہتے ہیں نہ کہ اس کے احکام کو ضروری کرنے والے ہوں اور اس کے نتائج کو اپنے اوپر مرتب کرنے کی نیت رکھتے ہوں واللہ اعلم۔ بیشک یہ تجارت و خریدوفروخت کے خلاف ہے اس لیے کہ اس میں مالی تصرف ہے جو انسانی حق ہے اسی لیے انسان کو حق حاصل ہے کہ بغیر بدلے کے اپنا مال کسی کو دے دے یا کسی چیز کے بدلے میں دے دے انسان دوسرے انسان کے ساتھ کبھی کبھی ہنس بول بھی لیتا ہے دل لگی اور مذاق بھی کرلیتا ہے تو اس پر پختگی کا حکم ہرگز نہیں لگایا جاتا۔ اس لیے کہ یہ جائز ہے۔ الغرض خدائی حقوق میں یہ حرام' وہاں پختگی اور مذاق دونوں کا ایک حکم بخلاف جانب مخلوق کے' دیکھئے خود رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خوش مزاجی کرلیا کرتے تھے اور دو گھڑی ان کے دل بہلا دیتے تھے لیکن یہ نہ تھا کہ اللہ کے پاس کبھی پختہ کاری چھوڑ دیں۔ ایک اعرابی کی نسبت مذاقاً فرمانے لگے۔ اس کا کوئی خریدار ہے؟ کہ مجھ سے اس غلام کو خرید لے؟ وہ مسکین بول اٹھے کہ حضور ﷺ مجھ جیسے کی قیمت کیا اٹھے گی؟ آپ نے فرمایا تم اللہ کے نزدیک بہت ہی گراں قدر ہو۔ پس ان کو جو آزاد تھے غلام فرمانے سے مقصودِ رسول غلام اللہ کہنا تھا پھر صیغہ بھی سوال کا ہے۔ پھر پہلو مذاق کا ہے لیکن اس میں بھی بات جو زبان سے نکلی ہے کھری ہے۔ ہاں بیشک اگر کوئی شخص کہے کہ اس کی بیوی یا اس کی بہن سے کون نکاح کرے گا؟ یہ بہت ہی برا کلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی سخت سزا کرتے تھے جو اپنی بیوی کو بہن کہے۔ بلکہ ابوداؤد میں اس بارے کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا اے بہن! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کلمہ بہ سبب ضرورت کے زبان سے نکالا تھا نہ کہ مذاق سے' عقد نکاح مشابہ عبادت ہے بلکہ نفلی عبادتوں سے بھی مقدم ہے اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ مسجدوں میں نکاح بندھوانا مستحب ہے حالانکہ مسجدوں میں بیع کرنا ممنوع ہے۔ جن حضرات نے نکاح کیلئے عربی الفاظ کی قید لگائی اُنھوں نے بھی اسی کا لحاظ کیا ہے اور مشروعہ اذکار میں اسے رکھا ہے۔ پس ایسی چیز میں ہزل و مذاق کیسے جائز ہو گا؟ جب بھی یہ بات زبان سے نکالے گا شارع علیہ السلام اس پر وہی حکم مرتب کردے گا۔ گو اس کا قصد وہ نہ ہو کیونکہ شارع علیہ السلام کی ولایت بندے پر ہے مکلف سبب کا قصد کرتا ہے اور شارع علیہ السلام حکم کا پس دونوں ہی مقصود ہیں۔

فصل : مقصد کو فوت کرنے والوں کی دلیلوں کے جوابات :

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہماری یہ پاک شریعت تمام کمالات کا مجموعہ ہے اس میں جو چیز ہے ہر طرح کامل مکمل ہے۔ حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کریں جب تک وہ کلمہ اسلام نہ پڑھیں۔ اسلام میں داخل نہ ہو جائیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قبول نہ کرلیں۔ آپ کو ان کے دل چیرنے کا اور ان کے پیٹ ٹٹولنے کا فرمان نہیں دیا گیا بلکہ حکم دیا گیا کہ جب وہ دین کو قبول کرلیں آپ دنیا میں ان پر اسلامی احکام جاری کردیں ہاں اخروی احکام ثواب و عذاب کے وہ ان کے دلوں اور ان کی نیتوں پر ہیں۔ اسی لیے اعراب سے اسلام مان لیا اور ایمان کی نفی کردی اور بتلا دیا کہ اگر اُنھوں نے اللہ اور رسول ﷺ کا کہا کیا تو ان کا ثواب کم نہ ہو گا۔ منافقوں کا ظاہری اسلام بھی قبول کیا لیکن انھیں بتلا دیا کہ ان کی سزا جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہو گی پس احکام رب بندوں کے ظاہر پر ہیں۔ جب تک کوئی دلیل نہ قائم ہو کہ جو یہ ظاہر کررہے ہیں خلاف ہے اس چیز کے جو وہ باطن میں رکھتے ہیں جیسے کہ تفصیلی بیان اس سے پہلے گزر چکا لعان کے قصے میں جبکہ اس عورت کے ہاں بچہ اس شخص کے مشابہ پیدا ہوا جس سے اس پر تہمت تھی تو آپ کا

یہ فرمانا کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم جاری نہ ہو چکا ہوتا تو میری اور اس کی اور ہی حالت تھی۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اگر اس صورت میں لعان کا حکم خداوندی نہ ہوتا تو یہ صورت جو اب نوپید ہوئی اس کا حکم اور ہی کچھ ہوتا۔ لیکن لعان کے حکم نے اس حکم کو الگ کر دیا۔ دلیلیں دونوں ہیں لیکن اول دلیل دوسری دلیل سے زیادہ قوی ہے اس لیے عملاً وہی واجب کے درجے میں رہے گی۔ اس کی پوری مثال مشابہت اور فرش والے کی ہے کہ اس صورت میں گو بچہ اس سے مشابہ ہے جس نے اس سے برائی کی لیکن فیصلہ شرع بچہ اسے دلواتا ہے جس کی وہ لونڈی ہے اس لیے ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم اس مشابہت کو گوشہ چشم سے بھی دیکھ سکیں۔ نص بھی یہی ہے اور اجماع بھی یہی ہے لیکن اس کو لے کر ان مقصدوں کو ان نیتوں کو ان قرینوں کو باطل کر دینا جن کے خلاف کوئی چیز ہمارے ہاتھوں میں نہیں یہ تو سمجھ سے باہر ہے۔ کسی قرینے سے بہتر اور بالا تر دوسرا قرینہ پا کر اس پہلے قرینے سے دست بردار ہو جانا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی قرینہ معتبر ہی نہیں؟ علاوہ ازیں ہم کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کا بیان بھی عنقریب کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ جمہور ائمہ قرائن کے قائل ہیں۔ احکام میں ان کو معتبر مانتے ہیں۔ رہا اس حکم کے لیے جاری کر دینا حالانکہ ایک کا جھوٹا ہونا اللہ کو معلوم ہے۔ تو شرعاً اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں' یہی حال ایک دوسرے کے خلاف دونوں دعوے داروں کا ہے یقینی بات ہے کہ دو میں سے ایک جھوٹا ضرور ہے لیکن اگر حق والا دلائل نہ دے سکے تو ظاہر ہے کہ ڈگری اس کے خلاف ہو گی اور دراصل عنداللہ جو جھوٹ پر ہے اگر اس نے گواہ گزار دیئے اور قرائن و بینات سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا تو چیز اسے دلوا دی جائے گی۔ رہی حدیث حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ والی کہ جب اُنھوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی اور حضور ﷺ نے انھیں قسم کھلوائی کہ اس نے ارادہ ایک طلاق کا ہی کیا تھا۔ یہ تو عین ہماری دلیل ہے بلکہ اس سے تو خوب ہی ثابت ہو گیا کہ ہمارا بیان کردہ قاعدہ بالکل صحیح ہے تمام معاملات کی بندش میں نیت و قصد ہی کام کر رہا ہے گو ظاہری لفظوں کے خلاف ہی ہو۔ لفظ بتہ کا اقتضا اس عورت کا اس کے خاوند سے بالکل جدا ہو جانا ہے۔ ان میں کوئی لگاؤ باقی نہیں رہتا۔ نکاح کے تمام بندھن ٹوٹ جاتے ہیں' رجعت کا بھی حق باقی نہیں رہتا بلکہ یہ اس سے بالکل ہی الگ ہو جاتی ہے جیسے کہ لفظ بتہ کی دلالت ہے لغوی بھی اور عرفی بھی۔ باوجود اس کے اللہ کے رسول ﷺ اس عورت کو اس کے میاں کی طرف لوٹا دیتے ہیں اس شخص کی بات کو قبول فرماتے ہیں کہ یہ ایک ہی طلاق ہے یہاں اعتماد صرف اس کی نیت اور قصد پر ہی تو ہے اگر قصود فی العقود معتبر نہ ہوتے معاملات میں مقصدوں کا کوئی دخل نہ ہوتا تو حضرت رکانہ کو ان کی نیت بالکل ہی سودمند نہ ہوتی ان کے لفظ اس مقصد کے بالکل خلاف تھے۔ پس یہ حدیث تو اس قاعدے کے جسم کی جان ہے اس کا ارادہ حکم و دین میں مقبول ہوا اور ظاہری لفظ مہمل چھوڑ دیا گیا جبکہ اس نے کہا کہ اس کا مقصد اس کے لفظ کے خلاف تھا۔ معترض کا اس سے پہلے یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دنیا میں اس دلالت کے استعمال کو بھی باطل کر دیا جس سے زیادہ قوی دلالت پائی نہیں جا سکتی یعنی مشابہت کی دلالت تو ہم جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے قوی دلالت کی موجودگی نے اس دلالت کو توڑا ہے یعنی حکم لعان نے۔ جیسے کہ اسی دلالت کو قیام دلالت فراش کے وقت توڑ دیا گیا ہے اور محض باطل کر دیا گیا ہے لیکن جہاں اس جیسی یا اس سے قوی اور دلالت نہ ہو وہاں اسے نہیں توڑا جا سکتا۔ دیکھئے قیافے سے بچوں کو ان کے ماں باپ سے ملا دینا شرعی چیز ہے یہ بھی تو دلالت مشابہت ہی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے دلیل بنائی جائے کل دلائل اور جملہ قرائن کے توڑنے کی اور انھیں باطل محض کر دینے کی؟ معترض کا قول کہ آپ نے منافقوں کے کفر پر حکم نہیں لگایا باوجودیکہ ایسی دلالتیں موجود تھیں جن سے زیادہ قوت والی دلالتیں نہیں ہیں۔ یعنی خدائی

شہادت اور خدائی خبر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احکام دنیا علم اللہ پر جاری نہیں۔ یہ تو ان اسباب پر موقوف ہیں جنھیں اللہ نے دلیلوں کا درجہ دیا ہے۔ گو اللہ کو ان کے باطل ہونے کا علم ہو۔ وہ جانتا ہو کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہے اس کی اطلاع اپنے رسول ﷺ کو دے دینا حکم شرعی ظاہری کے خلاف حکم نہیں لگا سکتا وہ حکم تو ظاہری اسباب پر ہی موقوف رہے گا جیسے کہ کلمہ پڑھ لینے والے پر حکم اسلام گو ایسے بہت سے لوگ نفاق سے کلمہ پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول ﷺ کو اور اپنے مومن بندوں کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ ان کا قول اور ہے اور عقیدہ اور ہے۔

اسی طرح لعان کرنے والوں پر حکم ظاہری جاری کر دیا گو اللہ نے ان میں سے سچے جھوٹے کی اطلاع اپنے رسول ﷺ کو کر دی۔ اور مومنوں کو بھی۔ اور بچہ اسی جیسا پیدا ہوا جس کے ساتھ اسے تہمت لگائی گئی تھی۔ اسی طرح آپ کا یہ فرمان کہ میں جیسا سنتا ہوں ویسا فیصلہ کرتا ہوں پس جس کسی کے لیے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی حق کا فیصلہ کر دوں وہ ایک جہنم کا ٹکڑا ہے جسے میں اس کے لیے الگ کر کے دے رہا ہوں۔ باوجودیکہ کبھی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے حال پر مطلع فرما دیتا تھا جو وہ لے رہا ہے جو اسے حلال نہیں لیکن اس سے آپ اپنے اس ظاہری حکم کے جاری فرمانے سے رکتے نہ تھے جس نے آپ سے آن کر اپنے ہاں سیاہ رنگ بچہ ہونے کی خبر دی تھی اس میں تو کوئی چیز تہمت لگانے کی نہیں نہ صراحتاً نہ کنایتاً اس نے تو ایک واقعہ کی خبر دی اور ایک حکم دریافت کیا کہ آیا باوجود رنگت کی مخالفت کے یہ بچہ اسی کا ہوگا یا یہ شخص اس سے انکار کر سکتا ہے؟ تو آپ نے اسے مسئلہ بتلا دیا اور ساتھ ہی اس کا شبہ بھی زائل کر دیا تاکہ دل کھل جائے اور مسئلہ کے حکم کو سمجھ لے اور مطابق عقل پا کر مطمئن ہو جائے۔ یہ نہیں کہ بادل ناخواستہ مان لے۔

پھر اس سے یہ کیسے ثابت ہو جائے گا کہ جو کسی کو گالی کے موقعہ پر کہتا ہے کہ نہ میں زانی ہوں نہ میری ماں زانیہ تھی اور اسی جیسے اور اشارے کنائے کے الفاظ جو صریح تہمت کے الفاظ سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ ایذاء رساں اور زیادہ پر مبالغہ ہیں بلکہ ہر سننے والا اس سے یہی سمجھے گا کہ یہ اسے اور اس کی ماں کو بدکار کہہ رہا ہے پس کہاں یہ اور کہاں اس صحابی کا سوال؟ پھر اسے بھی تو خیال میں رکھیے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعریض تہمت میں حد قذف لگائی ہے اور صحابہ نے اس میں موافقت فرمائی ہے رضی اللہ عنہم ۔ پھر یہ فرمانا کہ اس مشورے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلاف کیا اس سے مراد "رحمۃ اللہ علیہ" کی یہ ہے کہ دو شخصوں نے زمانہ خلافت فاروقی میں آپس میں گالم گلوچ کی ایک نے دوسرے سے کہا نہ میں زانی ہوں نہ میری ماں زانیہ ہے اس کے بارے میں امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا تو ایک صاحب نے تو فرمایا کہ اس نے اپنی ماں کی اور اپنے باپ کی تعریف کی ہے اوروں نے کہا مدح کی اور صورتیں بھی تو ہیں ہمارے خیال سے تو اسے آپ تہمت کی حد لگائیے۔ چنانچہ شاہ اسلام رضی اللہ عنہ نے اسے اسی کوڑے لگوائے۔ اس میں یہ دلالت تو نہیں کہ پہلے قائل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کا خلاف کیا چنانچہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کے ماں باپ کی اور تعریفیں بھی تو ہیں تو ان کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ واقعی اس نے اس کے ماں باپ پر حملہ کیا ہے اسی وجہ سے پھر وہ کچھ نہیں بولتے۔ پس اسے اگر قرب ہے تو موافقت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ کہ مخالفت عمر سے رضی اللہ عنہم ۔ کئی سندوں سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تہمت کے اشارے کنائے اور تعریض کے موقعہ پر حد تہمت جاری فرمائی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدکاری کے ساتھ تعریض کرنے سے میرے والد حد لگواتے تھے۔ ایوب کہتے ہیں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعریض میں حد لگائی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ تعریض میں حد لگاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی تعریض میں حد تھی۔ اہل مدینہ اور اوزاعی کا قول بھی یہی ہے صحیح

اور صاف قیاس بھی یہی ہے۔ جیسے کہ طلاق، عتق، وقف اور ظہار صراحت کنایت دونوں سے واقع ہو جاتے ہیں اور لفظ تو دلالت معنی کے لیے ہی موضوع ہے۔ اس کے ظاہر ہونے پر معنی صاف ظاہر ہو جاتے ہیں لفظ کے بدلنے میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا دلائل میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جو شخص لوگوں پر اس کے خلاف حکم کرتا ہے جو اس کے سامنے ظاہر ہے وہ خلاف سُنّت سے بچ نہیں سکتا۔ اس سے اشارہ زندیق کی توبہ کی قبولیت کی طرف ہے اور اس کے اسلام سے اس کا خون معاف کرنے کی طرف ہے اور مرتد کی توبہ کی قبولیت کی طرف ہے اگرچہ وہ پیدائشی مسلمان ہو۔ ان دونوں مسئلوں میں اُمت کا اختلاف مشہور ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی دلیل بیان فرمائی ہے جو لوگ ان کی توبہ کو قبول نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ ان کی توبہ کی صحت کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ زندیق تو اپنے اسلام کو برابر ظاہر کرتا ہی رہتا ہے پھر اس کے اسلام کی تجدید کے کیا معنی؟ باوجود مخالفت اس چیز کے جس پر وہ تھا بخلاف اصلی کافر کے وہ جب اسلام لائے گا اس کا اسلام نیا ہو گا وہ اس پر پہلے سے نہ تھا زندیق تو صرف اپنے اسلام کے اظہار کی طرف لوٹتا ہے۔ اسی طرح کافر اپنے کفر کا اعلان کرتا تھا اسے چھپاتا نہ تھا جب وہ اسلام لاتا ہے تو دنیا کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اپنی رضامندی سے اس دین میں آرہا ہے اسے قتل کا خوف نہیں۔ زندیق کی حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اپنے کفر کو مخفی رکھتا ہے اسے چھپائے رہتا ہے۔ اس لیے اس کے دلی کفر پر جو دنیا سے مخفی ہے دنیوی احکام جاری نہیں کیے جاتے۔ پھر جب اس کی زبان سے کوئی چیز ظاہر ہو جاتی ہے اور ہم اس کی پکڑ کرتے ہیں اب جو وہ لوٹتا ہے تو اس سے لوٹتا ہے جس کا اظہار اس نے کیا تھا اور اس کے اظہار سے ڈرا نہ تھا وہ اب صرف خوف قتل سے رجوع کر رہا ہے۔ سُنّت الٰہی یہی ہے کہ جب عذاب الٰہی کا معائنہ لوگ کر لیں اس وقت کا ایمان انھیں کوئی نفع نہیں دیتا یہ بھی اس وقت ایمان قبول کرتا ہے جب سر پر موت دیکھ لیتا ہے۔ ہاں بیشک اگر وہ ازخود آجائے اور اقرار کرے کہ وہ ایسا ایسا تھا اور اب توبہ کرتا ہے تو بیشک اس کی توبہ قبول ہے اسے قتل کرنا ناجائز ہے۔ محارب جو اللہ اور رسول ﷺ سے لڑیں ان کی توبہ کی مقبولیت کی یہ شرط ہے کہ وہ اس سے پہلے ہو کہ مسلمان ان پر قابو پالیں۔ بعد از قابو اگر وہ توبہ کا اظہار کریں تو بے سود ہے۔ اس زندیق کی لڑائی اور اس کا فساد زبان بنسبت ڈاکو کے بہت زیادہ ہے اس کی تلوار اور اس کے ہاتھ سے اتنا نقصان نہیں ہوتا۔ اس کا فتنہ مال اور بدن پر ہے لیکن اس کا فتنہ دلوں پر اور ایمان پر ہے جب اس محارب کی توبہ قابو پالینے کے بعد مقبول نہیں تو اس کی بطور اولیٰ نہ ہونی چاہیے۔ برخلاف اصلی کافر کے کہ اس کا کام تو ظاہر ہے وہ علانیہ کافر ہے وہ اپنے کفر کو چھپاتا نہیں مسلمان اس سے ہوشیار اور چوکنا ہیں یہ بھی اس سے عداوت اور خلاف ظاہر کرنے والے ہیں اور وجہ یہ بھی ہے کہ زندیق کا یہ ابدی دستور العمل ہے اس کی توبہ کو قبول کر لینا گویا اسے اپنی اس عیارانہ روش پر باقی چھوڑتا ہے جہاں اس پر غلبہ پایا اور اس نے آواز اٹھائی کہ میری توبہ ہے ہم نے اسے چھوڑ دیا وہ اپنی اسی زندیقیت پر باقی رہا۔ اب تو اور نڈر اور بے خوف ہو گیا اسے معلوم ہے کہ صرف لفظ توبہ سے میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھوٹ سکتا ہوں جو چاہوں کروں پکڑا گیا تو توبہ کے حیلے سے پھر چھوٹ جاؤں گا۔ پس وہ عداوت اسلام سے دین میں طعنہ زنی کرنے سے اللہ اور رسول ﷺ کو گالیاں دینے سے ہرگز نہ چوکے گا اس کا علاج تو صرف تیز تلوار ہے۔

اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ اللہ رسول ﷺ کو گالیاں دینے والا اللہ اور رسول ﷺ سے لڑنے والا ہے۔ وہ زمین میں فساد مچانے والا ہے اس کی سزا حد قتل ہے۔ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی جب کہ قدرت کے بعد توبہ ہو یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

یقیناً زندیق کی دین سے لڑائی اور اس کا شروفساد اصل لڑاکا اور فسادی سے بہت زیادہ ہے پھر یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ جو کسی کے دس درہم پر ڈاکہ ڈالے کسی کو جسمانی نقصان پہنچائے اگر وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے پھر توبہ توبہ کرنے لگے تو اس کی توبہ تو قبول نہ ہو اس کی سزا صرف قتل کر دینا ہی ہو اور جو کتاب اور اللہ سنت رسول اللہ ﷺ پر ڈاکے ڈالے دینِ الٰہی کو مطعون کرے اس پر قابو پالینے کے بعد بھی اس کی توبہ قبول و منظور کرلی جائے؟ اسی طرح حدیں جرم اور فساد کے مطابق ہیں اس کا جرم تو تمام جرموں سے بڑھ کر ہے اس کا فساد جب تک یہ باقی ہے سب سے بڑا فساد ہے۔ یہاں ایک کلیہ قاعدہ بھی سمجھ لیجئے اصلی کافر کی توبہ کی قبولیت کا راز یہ ہے کہ یہ جو ظاہر کر رہا ہے اس کے خلاف کوئی اس سے قوی چیز نہیں ہے اس لیے اس پر عمل ضروری ہے وہ اپنے اقتضا کے مطابق عمل کرے گی یعنی اس کا خون معاف ہو جائے گا کیونکہ معارض کوئی نہیں۔ برخلاف زندیق کے کہ اس نے وہ چیز ظاہر کی ہے جو اس کا خون حلال کرنے والی ہے' پس قابو پالینے کے بعد اس کی توبہ یا اسلام کا اظہار اس کفر کے زوال کی دلیل قطعی نہیں بن سکتا' بلکہ ظنی بھی نہیں بن سکتا۔ قطعی دلیل نہ بننا تو ظاہر ہے۔ ظنی دلیل نہ بننا اس باعث ہے کہ ظاہر دلیل صحیح اسی وقت ہوتا ہے جب کہ یہ ثابت نہ ہو کہ باطن اس کے برخلاف ہے۔ لیکن جب کوئی دلیل باطن پر قائم ہو تو ظاہر کی طرف کوئی التفات نہ ہو گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ باطن اس کے برخلاف ہے۔

اسی لیے لوگوں کا اتفاق ہے کہ حاکم کو جائز نہیں کہ اپنے علم کے خلاف وہ کوئی حکم کرے گو اس کے سامنے عادل گواہ گزرے ہوں۔ ان کی شہادت پر وہ اسی وقت فیصلہ دے سکتا ہے جبکہ ان کا خلاف اسے معلوم نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ کوئی اقرار کرے ایسا کہ حاکم کو اس کے جھوٹ کا علم ہو تو وہ بھی بے سود ہے مثلاً کسی شخص کو وہ اپنا بیٹا کہتا ہے اور وہ اس سے بڑی عمر کا ہے تو نسب یا میراث ثابت نہ ہو گی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے یہی حال شرعی دلیلوں کا ہے مثلاً خبر واحد' امر و نہی' عموم اور قیاس ان سب کو ماننا اسی وقت ہے جبکہ ان سے قوی دلیل کوئی اور نہ ہو جو ان کے ظاہر کے خلاف ہو۔ ان سب باتوں کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اس زندیق کے فساد عقیدہ پر اس کی تکذیب پر اور اس کے نزدیک دین کے بے وقعت ہونے پر اور دین میں طعنہ زنی کرنے پر دلیلیں قائم ہو چکی ہیں۔ اس کا اظہار اقرار ہے اور اس کی گرفتاری کے بعد کی اس کی توبہ میں زیادہ سے زیادہ وہی ہے جو اس سے پہلے تھا اور اس کی دلالت اس کی اظہارِ زندیقیت کی وجہ سے باطل ہو چکی ہے اب اس پر اعتماد جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں اس دلیل کو لغو کر دینا ہے جو قوی تر تھی اور اس دلیل کو لے لینا ہے جو ضعیف تر تھی جس کی دلالت کا بطلان ظاہر ہو چکا تھا۔ اس فریق کو ان واضح تر دلیلوں کی قدر و قیمت ظاہر ہے۔ منصف مزاج شخص اس مذہب کے دلائل کو پرکھ سکتا ہے اور ان کی قوت معلوم کر سکتا ہے۔ یہی مذہب اہل مدینہ کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھ لیث بن سعد کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو دو روایتیں ہیں ان میں منصور روایت یہی ہے۔ یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی روایتوں میں بھی ہے۔ جسے ان کے ساتھیوں میں سے اکثر نے زور دیا ہے بلکہ زیادہ صاف روایت ان سب سے یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے گی یہی قول شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس سے توبہ کرائی جائے گی یہ آپ سے پہلی روایت ہے لیکن آخری روایت یہ ہے کہ میں اسے بغیر توبہ طلب کیے قتل کر دوں گا۔ ہاں اگر اس نے اس سے پہلے توبہ کرلی ہے کہ اس پر قدرت حاصل ہو تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ یہی تیسری روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے واللہ! سخت تر تعجب کی بات ہے ہماری

حیرت کی کوئی انتہا نہیں اس کے صرف اظہار اسلام کی جو محض زبانی ہے دلیل ان تمام دلائل کا مقابلہ کیسے کر سکے گی جو اس کی زندیقیت کے ہیں جو اس سے بار بار سرزد ہوتے رہتے ہیں کبھی یہ اسلام کی حقارت کرتا ہے' کبھی یہ دین میں طعنہ زنی کرتا ہے' مجلسوں میں بیٹھ کر اللہ کے دین میں اعتراض کرتا ہے' اللہ کی حرمتوں کی اہانت کرتا ہے' اللہ کے فرائض کو کوئی چیز نہیں سمجھتا اور بھی بہت سی دلیلیں اس کے اظہار توبہ کے خلاف موجود ہیں۔ کسی عالم کو ہرگز اس زندیق کے قتل میں پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔

دلائل قطعیہ کو کسی ایسے امر کے اظہار پر چھوڑ دینا جس کی دلالت کالعدم ہو جس کا بطلان واضح ہو کیسے ہو سکتا ہے؟ جرم کرنے والوں سے حدیں بغیر کسی زبردست وجہ کے ساقط نہیں ہو سکتیں ہاں اگر حاکم اسلام کے سامنے پیش ہونے سے پہلے اس سے ایسے اقوال و اعمال ظاہر ہوں جو اس کے اسلام کی بہتری پر دلالت کرتے ہوں اس کی توبہ کے خالص ہونے پر دلالت کرتے ہوں اور برابر وہ ان اعمال کو پابندی سے کرنے لگا ہو تو قتل نہ کیا جائے گا۔ جیسے کہ ابو یوسف اور احمد رحمہما اللہ سے بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ یہی تفصیل سب سے بہتر قول ہے۔ زندیق کی توبہ اس پر قابو پا لینے کے بعد اس کے خون کو نہیں بچا سکتی اس پر دلیل فرمانِ الٰہی : ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ الخ'(توبہ : ۵۲) ہے یعنی تمہیں جو انتظار ہماری نسبت ہے وہ دو بھلائیوں میں سے ایک کا ہے اور ہمیں تمہاری نسبت انتظار دو برائیوں میں سے ایک کا ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے پاس سے عذاب کرے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں سزا کرائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جب تم اس بات کا اظہار کرو گے جو تمہارے دِلوں میں پوشیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں تمہیں قتل کرائے گا۔ بات بھی یہی ہے کہ ان کے کفر باطنی کی سزا جو مومنوں کے ہاتھوں قتل سے ہی ہو گی۔ اگر ان کی توبہ کی قبولیت ان کی زندیقیت کے اظہار کے بعد مان لی جائے تو پھر زندیقوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کا اندیشہ باقی ہی نہ رہے۔ جہاں ایمانداروں نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اُنھوں نے اپنی زبان سے توبہ کا اظہار کر دیا اور چھٹی پالی۔ اس پر اور بھی بہت سی دلیلیں ہیں اس بات پر اس قول کے قائل کہ ان کی توبہ ہم قبول نہ کریں گے۔ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی سعادت ہمیں اپنے مخالفوں سے زیادہ نصیب ہے ان دونوں مسئلوں میں وہ گو ہم پر طعن تشنیع کریں لیکن دلیل ہمارے ہاتھ ہے وباللہ التوفیق۔

مندرجہ بالا دلائل میں ایک بات جو یہ کہی گئی ہے کہ عقد کو فاسد کرنے والی چیز خود عقد ہی ہوتا ہے نہ کہ اس سے پہلے پیچھے کی کوئی چیز نہ وہم نہ اس کی کوئی نشانی۔ اس سے مراد ان حضرات کی یہ ہے کہ جو شرط متقدم ہے وہ عقد کو فاسد نہیں کرتی جبکہ خود عقد اس کی ملاوٹ سے خالی ہو۔ ان کے اس قاعدے کے خلاف جمہور اہل علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو شرط پہلے ہوئی ہو اور جو شرط بروقت ہوئی ہو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ بھلا جو شرط فاسد عقد کی مقارنت کے وقت ہے وہ آگے کر لینے سے فساد عقد کیوں نہ ہو گا؟ شرط کو کچھ پہلے کر لینے سے کون سا فساد زائل ہو گیا جو بروقت کرنے میں پھر سے آجاتا ہے؟ حالانکہ اس غلط شرط کا پہلے طے ہونا ان دونوں کو معلوم ہے اللہ کو معلوم ہے۔ حاضرین کی جماعت کو معلوم ہے۔ مثلاً عقد نکاح سے پہلے شرط کرتے ہیں کہ یہ حلالہ کے طور پر ہے یا متعہ کے طور پر ہے یا شغار کے طور پر ہے یہ معاہدہ ہو جاتا ہے۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہو جاتا ہے پھر اسی پر عقد باندھتے ہیں لیکن نفس عقد کے وقت اس طے شدہ شرط کو دوہراتے نہیں کیونکہ لاحاصل ہے۔ پہلے سے مقرر کر لیا ہے دونوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ عقد اپنی حقیقت کی

طرف لوٹ جائے بلکہ دراصل یہ نکاح وہی ہے جو ان میں پہلے مقرر ہو چکا ہے یعنی حلالہ یا متعہ یا شغار اور تینوں شرعاً باطل ہیں۔ ارادہ تو ان کا اللہ کے حرام میں گھسنا ہے اس ارادے کو لفظوں میں ظاہر کر کے طے بھی کر لیا اس پر دونوں میں اتفاق بھی ہو گیا لیکن صرف بروقت اس کے ظاہر نہ کرنے سے ان کا مقصود انھیں دے دینا اور اللہ کا مقصود ان سے الگ کر لینا یہ فتویٰ ہمارے تو دماغ سے باہر ہے ان کی تو غرض پوری ہو اور شریعت کی غرض سوخت ہو جائے؟ افسوس! افسوس! للہ آپ غور فرمائیں کہ اس قاعدے سے تو حیلوں کا دروازہ کھل جائے گا اللہ کے ہر حرام کو لوگ حلال کر لینے پر قادر ہو جائیں گے۔ احکامِ شرع بازیچۂ اطفال بن جائیں گے۔

دو چیزیں جو نتیجے کے اعتبار سے بالکل ایک جیسی ہیں ان کے احکام میں فرق تو شریعت کی جڑیں کھوکھلی کر دے گا اور فرق بھی صرف اس بنا پر کہ یہ دو گھڑی پہلے ہوا اور یہ ساتھ ساتھ ہوا۔ حالانکہ حقیقتاً معناً قصداً دونوں چیزیں بالکل یکساں ہیں یہ تو صرف ان وسیلوں اور ذریعوں کو گنہگاروں کے قریب کر دینا ہے جن سے وہ خدائی نافرمانیاں بہت آسانی سے کر سکیں۔ شارع علیہ السلام کے مقصد کو اس میں باطل کرنا ہے بلکہ اسے معدوم کر دینا ہے حالانکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ان تمام ذریعوں کو باطل کیا جائے جو حرام سے نزدیک کرنے والے ہوں اسی لیے ہمارے اصحاب نے تمام حیلوں کو حرام کیا ہے کیونکہ ان سے مقصد شارع علیہ السلام کو فوت کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ پسندیدہ اور عمدہ ہے جبکہ کوئی عقلمند' دیندار اس پر غور کرے گا تو صاف دیکھے گا کہ حرام کو حرام کرنے والا واجب کو واجب دیکھنے والا قاعدہ یہی ہے پھر اس میں ان معانی کا بھی قیام ہے جو حقیقی طور سے ہیں اس میں حرام کی حرمت کی تاکید ہے دو وجہ سے اس میں حرام کا کرنا ہے اور واجب کو چھوڑنا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ شامل ہے تدلیس پر' مکر پر' فریب پر اور خود شرع سے شرع کے حرام کو حلال کر لینے پر۔ یہ بات خوب رہی کہ ایک کام کو کرے تو حرام لیکن اس کے ساتھ ہی فریب کاری' دغابازی اور بے ایمانی بھی کرے تو حلال۔ کون نہیں جانتا کہ حرام حلال کی حقیقت میں اتنا واضح فرق شریعت رکھتی ہے کہ کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا صورت کا فرق نہ تو معتبر ہوتا نہ موثر ہوتا ہے۔ اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے۔ اقوال میں بھی اور افعال میں بھی۔ الفاظ عبارتوں میں اور جگہوں میں تقدیم میں یا تاخیر میں گو مختلف ہوں جب معنی ان کا ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہو گا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ معانی اگر مختلف ہیں تو الفاظ کے ایک ہونے کی صورت میں بھی حکم جداگانہ ہو گا۔ یہی حال اعمال کا ہے کہ گو عمل ایک ہی ہو لیکن معانی مقصود کے جداگانہ ہونے کے وقت حکم بھی علیحدہ علیحدہ ہو گا۔ ادنیٰ سا تامل بھی جو شخص شریعت میں کرے گا اس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ پس حیلہ جو شخص شرط کو مقدم کر کے حلال اور مطابق شرع کی صورت ظاہری کر لیتا ہے لیکن مقصود باطل اور حرام کام کو کرنا ہے۔ اس لئے صرف ظاہری صورت کو دیکھ کر اس پر حکم لگا کر حقیقت مقصود سے چشم پوشی نہ کی جائے گی بلکہ صورت میں اور حکم میں دونوں میں اس کا مقصود حرمت کی مشارکت کر دے گا اور اس کے فعل کو حرام قرار دیا جائے گا کیونکہ مقصود بد دونوں کو شامل ہے۔ حقیقت پر حکم علت لگایا جانا زیادہ اچھا ہے نہ نسبت صورت پر اس حکم کے جاری کرنے سے۔ مخالفت کی دلیلوں میں یہ جو کہا گیا ہے کہ بیع اس سے فاسد نہیں ہوتی کہ یہ کہہ دیا جائے کہ یہ ذریعہ ہے اور یہ نیت ہے' الخ۔

اس میں اشارہ ہے دو قاعدوں کی طرف۔ ایک تو یہ کہ اعتبار ذریعوں کا ہے اور ان کے بند کرنے پر مراعات نہ کی جائے گی۔ دوسرا یہ کہ مقصد کا کوئی اعتبار معاملات میں نہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے پہلے شرط متقدم کے

موثر نہ ہونے کا جو قاعدہ بیان ہوا ہے وہ اور یہ لازم ملزوم ہیں پس جس شخص نے ذرائع کا انسداد کیا ہے اس کے نزدیک مقاصد معتبر ہیں وہ کہتا ہے کہ جس طرح عین عقد و معاملہ کے وقت کی شرط ہے ویسی ہی اس سے پہلے کی شرط ہے اور جس نے ذریعے مسدود نہیں کئے اس نے مقاصد کا اعتبار نہیں کیا اور نہ ان شرطوں کو معتبر جانا ہے جو پہلے ہوئی ہوں ان میں سے ایک کو باطل کرنا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ سب باطل کر دیئے جائیں اب ہم ذرائع کے مسدود کرنے کا قاعدہ کتاب و سُنّت اقوال صحابہ اور میزان صحیح کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

فصل : ذریعوں کی روک کے بیان میں :

جبکہ مقاصد کی طرف اسباب اور ذرائع سے ہی پہنچا جاتا ہو تو وہ کل اسباب اور سارے ذریعے انہی مقاصد کے تابع ہوں گے۔ وہی اعتبار مقاصد ان پر بھی عائد ہو گا۔ حرام اور گناہ کے کل ذریعے اور سبب مکروہ ہونے میں، ممنوع ہونے میں وہی حکم رکھیں گے جو حکم ان کی غایت و غرض کا ہو گا۔ اسی طرح اطاعت اور ثواب کے کاموں کے تمام ذریعوں کا بھی وہی حکم ہو گا جو ان کاموں کا ہے۔ یاد رہے کہ وسیلہ مقصود تابع مقصود ہے اور دونوں ہی مقصود میں داخل ہیں۔ ہاں پہلا مقصود ہے قصد غایت و غرض کا اور دوسرا مقصود ہے وسائل غایت و غرض کا۔ اللہ تعالیٰ، ربّ العالمین جب کسی کام کو حرام کرتا ہے تو اس کے تمام وہ ذرائع اسباب اور وسائل بھی حرام ہوتے ہیں جو اس کی طرف پہنچانے والے ہوں۔ اصل چیز کی حرمت و ممانعت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جبکہ اس کے وسائل بھی ممنوع اور حرام قرار دے دیئے جائیں ورنہ دوسرے کی چراگاہ کے متصل چرنے والے جانور اس میں بھی منہ مار دیتے ہیں۔ اگر اصل چیز کی حرمت کو مانتے ہوئے اس کے ذرائع اور اسباب و وسائل کو مباح کر لیا جائے تو یقیناً وہ حرمت زائل ہو کر شکستہ ہو کر رہے گی۔ انسان کا نفس اسے جب حرام کے قریب تر کر دے گا تو پھر اسے بہلا پھسلا کر اس میں واقع کر دینا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ حکمت پروردگار، عِلمِ باری تعالیٰ اس سے بہت بلندوبالا ہے کہ وہ ایک راہ چلنا منع کرے اور مخفی راستے اس کے جاری رکھے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی عقلمند انسان بھی ایسا نہیں کرتا۔ جب کسی نے اپنی رعیت کو، اپنے لشکر کو، اپنے گھر والوں کو کسی چیز سے روک دیا پھر اس کے ذرائع ان کے لیے مباح کر دیئے تو یقیناً اس نے اپنے حکم کے خلاف خود کیا ان لوگوں سے قطعاً اس کے مقصد کا خلاف ہو جائے گا۔ طبیبوں کو دیکھئے جب کسی بیماری کی روک کرتے ہیں تو اس کے تمام ذرائع بند کر دیتے ہیں اگر ایسا نہ کریں تو ان کی اصلاح غیر مفید ہو جاتی ہے۔ پھر کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس کامل شریعت نے دنیا کے اس رنگ کو فراموش کر دیا ہے؟ ایک طبیب کی رائے جتنی حکمت و مصلحت و کمال بھی اس شریعت الٰہی کو حاصل نہیں؟ اگر آپ قدرے تامل کریں تو آپ پر کھل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان تمام ذرائع کو مسدود کر دیا ہے جو حرمت تک پہنچانے والے ہیں۔

ذریعہ کہتے ہی اسے ہیں جو کسی چیز کا وسیلہ اور طریقہ ہو۔ اس کی تقریر سے پہلے ایک تحریر ضروری ہے وہ بھی سن لیجئے تاکہ کسی قسم کا خدشہ باقی نہ رہے۔ ہم کہتے ہیں جو قول و فعل فساد تک پہنچانے والا ہو اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کی غرض و غایت ہی حرام تک پہنچانے کی ہو جیسے کسی نشے والی چیز کا استعمال جو نشے کے فساد کی طرف قطعاً پہنچانے والا ہے اور جیسے الزام جو تہمت کے فساد کو برپا کرنے والا ہے اور جیسے زنا جو انسانی پانی کے اور انسانی نسل کے فساد کی طرف پہنچانے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ افعال و اقوال ان فسادات کے لیے ہی ہیں ان کا ظاہر اس کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری قسم یہ کہ ہیں تو وہ کسی جائز یا مستحب کام تک پہنچانے والے لیکن انہی سے حرام تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے یا تو قصداً یا بلاقصد پہلے کی مثال

نکاح سے قصد حلالہ۔ بیع سے قصد سود۔ خلع سے قصد خلاف ورزیٔ قسم وغیرہ۔ دوسرے کی مثال بلا سبب ان وقتوں میں نماز پڑھنی جن میں نماز منع ہے یا مشرکین کے درمیان ان کے معبودوں کو گالیاں دینی یا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اللہ کے لیے نماز پڑھنی وغیرہ وغیرہ۔

پھر اس قسم کے ذرائع کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ ان میں جو مصلحت ہو وہ ان کے فساد سے راجح ہو۔ دوسری یہ کہ ان کا فساد ان کی اچھائی پر غالب ہو تو یہاں پر چار قسمیں ہو گئیں۔ اول وہ وسیلہ جو فساد کی طرف لے جانے والا ہے۔ دوسرا وہ سبب جو موضوع تو ہے کسی مباح کے لیے لیکن مقصد اس سے کسی فساد کا ہے جس تک یہ عموماً پہنچاتا ہے اس کا فساد اس کی اصلاح سے زیادہ راجح ہے۔ تیسرا وہ وسیلہ جو ہے تو مستحب کی طرف پہنچانے والا لیکن اسے برائی کی طرف پہنچانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چوتھا وہ وسیلہ جو موضوع تو ہے مباح کیلئے لیکن کبھی فساد کی طرف بھی پہنچا دیتا ہے اس کی اصلاح اس کے فساد سے زیادہ راجح ہے۔ اول و ثانی کی مثال تو بیان ہو چکی تیسری قسم کی مثال ممانعت کے وقتوں میں ادائیگی نماز ہے اور مشرکین کے معبودوں کو ان کے سامنے گالیاں دینا ہے اور عدت کے اندر اس عورت کا بننا سنورنا ہے جس کا خاوند مرچکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چوتھی قسم کی مثال مانگ بھیجی ہوئی عورت کو دیکھنا ہے اور مستامہ کو اور اس کو جس پر گواہ گزرے ہیں اور جس سے وطی کرے گا اور جس سے معاملہ کرے گا اور سبب والی نماز کو ممنوع وقت میں ادا کرنا اور ظالم بادشاہ کے سامنے اعلانِ حق کرنا وغیرہ۔ اس قسم کو شریعت نے یا تو مباح کی ہے یا مستحب کی ہے یا واجب کی ہے جیسے اس کے درجے مصلحت میں ہیں اور قسم اوّل کو مکروہ کر دیا ہے یا حرام کر دیا ہے جیسے اس کے درجے فساد میں ہیں۔ باقی درمیانی دو کو دیکھتا رہا کہ آیا شریعت نے انھیں مباح کی ہیں یا منع کی ہیں۔ ہم کہتے ہیں دلالت منع کی کئی وجوہات ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔ فرمانِ باری : ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ الخ' (انبیاء : ۱۰۸) یعنی انھیں گالیاں نہ دو جنھیں یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ یہ تجاوز کر کے بے علمی کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔ پس مشرکین کے معبودوں کو گالیاں دینا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا باوجودیکہ انھیں برا کہنا اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اظہار کی محبت کیلئے اور اس کے خلاف غصہ ظاہر کرنے کیلئے ہوتا ہے اور اس میں معبودان باطل کی اہانت بھی ہے لیکن چونکہ یہ ذریعہ بنتا ہے اس بات کا کہ کہیں مشرک اللہ کو گالیاں نہ دینے لگیں اور اللہ کو گالیاں نہ دلوانے کی مصلحت ان کے معبودوں کو برا کہنے کی مصلحت پر راجح ہے۔

پس اسے تصریح مان لو ورنہ کم از کم تنبیہ ماننے بغیر تو چارہ ہی نہیں کہ جائز کام اگر ناجائز کام کا ذریعہ اور سبب بنتا ہو تو جائز خود منع ہو جائے گا۔ قولِ پروردگار : ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ ﴾ الخ' (نور : ۳۱) ہے یعنی عورتیں زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو۔ یہ فعل گو فی نفسہٖ جائز ہے لیکن پاؤں کے زیور کی آواز چونکہ غیر مردوں تک اس سے پہنچتی ہے اور ان کے جذبات میں ہیجان و طوفان اٹھتا ہے اس لیے اس سے منع فرما دیا۔ تیسری دلیل : آیت : ﴿ لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ ﴾ الخ' مسلمانوں کے غلاموں اور ان کے چھوٹے بچوں کو بھی تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنے کا حکم ہوا تاکہ بے عنوانی بد نظری کا ذریعہ نہ ہو۔ دوپہر کو آدمی کپڑے اتار دیا کرتا ہے اور سونے کے وقت بعد از عشاء بھی اور نمازِ فجر کے قبل بھی۔ ان کے سوا اور وقتوں میں انھیں اجازت طلبی کا حکم نہیں۔ گو اسی فساد کا اندیشہ ہے لیکن وہ شاذونادر ہے بہت کم واقع ہے پس یہ مقدمہ کی طرح کر دیا گیا۔ چوتھی دلیل : فرمانِ باری تعالیٰ : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ﴾ الخ' (بقرہ : ۱۰۴) ہے یعنی ایماندارو تم ﴿ راعنا ﴾ نہ کہو بلکہ ﴿ انظرنا ﴾ کہو دیکھئے اس کلمہ سے اللہ نے روک دیا باوجودیکہ

مومنوں کا قصد بہتری کا تھا۔ یہ اس لیے کہ ان کا یہ قول یہودیوں کے قول و خطاب کی مشابہت کی وجہ سے یہودیوں کو اپنا ناپاک ارادہ دل کھول کر پورا کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔ یہود اس لفظ سے مراد حضور ﷺ کو گالی دینا رکھتے تھے یعنی اے وہ شخص جو بڑا مغرور اور رعونت والا بنا ہے۔ مسلمان اس مطلب سے یہ لفظ نہیں بولتے تھے تاہم سد ذریعہ کے طور پر انھیں نیک نیتی کے ساتھ بھی اس لفظ کو بولنا منع کر دیا کہ یہودیوں کی مراد پوری ہونی نہ پائے۔ پانچویں دلیل : فرمانِ قرآن ہے : ﴿ اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴾ (طٰہٰ : ۴۴) یعنی (اے موسیٰ اور اے ہارون علیہ السلام) تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے تم اسے نرم بات کہنا تاکہ وہ نصیحت قبول کر لے یا اللہ سے ڈر جائے۔ دیکھئے اپنے بدترین دشمن کے لیے زبردست کافر کے لئے سخت سرکش کیلئے بھی یہ فرمان ہوا کہ اس سے سخت گوئی نہ کرنا کہ اسے نفرت ہو جائے صبر کے ساتھ اس پر حجت خداوندی تمام نہ ہو تو جو چیز جائز تھی اس سے اس لیے روک دیا کہ وہ اس سے بھی بڑی مکروہ چیز کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ چھٹی وجہ جناب باری نے مومنوں کو مکہ شریف میں ہاتھ سے بدلہ لینے سے منع فرما دیا عفوودرگزر کا حکم دیا تاکہ یہ اس سے بڑے ہنگامہ کا سبب نہ بن جائے پھر ان کی جانیں ان کے مال ان کے زن و فرزند بلکہ ان کا دین بھی محفوظ نہ رہے گا۔ پس مقابلہ کرنے اور بدلہ لینے میں جو مصلحت تھی اس سے زیادہ اس فساد کا روکنا راجح تھا اس لیے مقابلہ کرنے سے روک دیا۔ ساتویں دلیل اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی ممانعت تاکہ یہ ذریعہ ترک نماز جمعہ کا نہ بن جائے۔ آٹھویں دلیل حدیث میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا دوسرے کے باپ کو یہ گالی دے گا وہ اس کے باپ کو دے گا دوسرے کی ماں کو یہ گالی دے گا اس کی ماں کو اور دے گا (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں ہے بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔ کہا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! انسان اپنے ماں باپ پر لعنت کیسے کرے گا؟ فرمایا کسی کے باپ کو یہ گالی دے گا وہ اس کے باپ کو دے گا یہ اس کی ماں کو گالی دے گا وہ اس کی ماں کو دے گا دیکھئے خود اس نے گالی نہیں دی لیکن اِس کی گالی اُس کی گالی کا سبب بنی ہے اس لیے اسی کو گالی دینے والا فرمایا گو اس کا قصد یہ نہیں۔ نویں وجہ : منافقین کے قتل میں مصلحت تھی لیکن ممکن تھا کہ یہ لوگوں کیلئے نفرت اسلام کا ذریعہ بن جائے اس لیے رسول اللہ ﷺ اس سے رک گئے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کر ڈالتے ہیں اس بات سے لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں گے خود مسلمان بھی اس سے چڑنے لگیں گے۔ ان کے قتل کے ترک کرنے میں جو فساد ہے وہ ان کے قتل نہ کرنے کی مصلحت سے بڑھ گیا ہے اس سے لوگوں کو اسلام سے نفرت ہو گی اور اس میں رغبت ہو گی۔ رغبت کا نفع نفرت کے نقصان سے بہت زیادہ ہے۔

دسویں وجہ : شراب کو حرام کرنا ہے اس لیے کہ اس میں بڑے بڑے نقصانات ہیں زوال عقل کے بعد کیا خبر ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ ہمیں اس وقت نفس حرمت سے بحث نہیں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام کر دیا اسے سرکے کے لئے بھی روکنا منع کر دیا اسے نجس قرار دیا تاکہ قطرے سے چلو اور چلو سے بوتل شروع نہ ہو جائے روکے تو سرکہ بنانے کیلئے اور یہی بہانہ بن جائے شراب نوشی کا۔ پھر اس کے اور ذرائع بھی منع کر دیئے۔ مثلاً دو مختلف چیزوں کو ملا جلا کر شیرہ نکالنا۔ شیرے کو تین دن کے بعد پینا جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی ان میں نبیذ بنانا غرض ہر طرح نشے والی چیز کی نزدیکی بھی منع کر دی بلکہ تھوڑی مقدار کے حرام کرتے وقت اس کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے بیان فرما دی کہ اگر میں اتنی سی کی رخصت دوں گا تو تم اسے اتنی ساری بنا لو گے۔

گیارہویں وجہ : اجنبی عورت سے خلوت کو منع کر دینا گو قرآن سکھانے کیلئے ہو۔ اس کے ساتھ سفر کرنا گو حج کا سفر ہو' یا ماں باپ کے پاس جانے کا سفر ہو تاکہ بدکاری کے دروازے کھل نہ جائیں یہ رخصت زنا کاری کی ابتدائی منزل نہ ہو جائے۔

بارہویں وجہ : نظر نیچی رکھنے کا حکم گو اس سے مخلوق کی اچھائیاں دیکھ کر قدرت اللہ کی یاد آتی ہے لیکن یہی ذریعہ بنتی ہے پرائی عورتوں کی گھورا گھاری کا اور پھر وہ ذریعہ بنتا ہے حرام کاری کا۔

تیرہویں وجہ : حضور ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانا حرام قرار دیا ایسا کرنے والوں کو ملعون کہا' قبر کو پکی بنانا' قبر کو اونچی کرنا' قبروں کو مسجدیں بنا لینا' قبروں کی طرف نماز ادا کرنا' قبروں کے پاس نماز پڑھنا' قبروں پر چراغ جلانا' سب چیزوں کو حرام فرما دیا۔ قبروں کو زمین کے برابر کر دینے کا حکم صادر فرما دیا۔ قبروں پر میلہ کرنے کو قبروں کی زیارت کیلئے ہی سفر کرنے کو روک دیا۔ تاکہ یہ قبر پرستی کا ذریعہ نہ بنے۔ لوگ قبروں کو پوجنے نہ لگیں' کسی کا یہ مقصد ہو یا نہ ہو شریعت نے ان کاموں کو جو شرک کے اسباب و ذرائع تھے بالکل حرام قرار دے دیا تاکہ نہ بوٹی ہو نہ بکرا بنے نہ دانہ ہو نہ درخت اگے۔

چودہویں دلیل : سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنا منع کر دیا اس میں بھی یہی حکمت ہے مشرکین کی سورج پرستی کے وقت یہی ہیں اس لیے ان وقتوں میں اللہ پرستی بھی روک دی تاکہ مشابہت ظاہری کا ذریعہ بھی باقی نہ رہے جو مشابہت قصد کا ذریعہ بن سکتا ہے باوجودیکہ یہ بہت ہی دور کا ذریعہ ہے لیکن پھر بھی ممنوع ہے اب قریب کے ذریعوں کا حکم خود سوچ لو۔

پندرہویں وجہ : بہت سے امور میں رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے منع فرما دیا ہے۔ فرماتے ہیں یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم ان کا خلاف کرو' فرماتے ہیں یہود نصرانی جوتیوں سمیت نماز نہیں پڑھتے تم ان کا خلاف کرو' فرماتے ہیں یہود نصرانی صرف عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں تم ان کا خلاف کرو' ایک دن پہلے بھی روزہ رکھو اور ایک دن بعد بھی یعنی محرم کی نویں' دسویں' گیارہویں کا۔ فرماتے ہیں عجمیوں کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ ترمذی میں یہ فرمان بھی ہے کہ ہم میں سے نہیں جس نے اوروں سے مشابہت کی۔ مسند احمد رحمہ اللہ میں ہے جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ اس سے بھی مقصد یہی ہے کہ ظاہری مشابہت باطنی مشابہت کا ذریعہ ہے۔ ظاہری یک رنگی مقصود عمل کی موافقت کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے۔

سولہویں دلیل : عورت اور اس کی پھوپھی عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام کر دیا اور فرمایا کہ جب اسے کرو گے تو رشتے داریاں کاٹ دو گے۔ گو عورت راضی بھی ہو تاہم یہ اجتماع ناجائز ہی ہے اس لیے کہ یہ ذریعہ قطع رحمی کا ہے جو حرام ہے اور خود حضور ﷺ نے اس کی نسبت یہ فرما دیا ہے۔ سترہویں وجہ : چار سے زیادہ بیویاں بہ یک وقت رکھنی آپ ﷺ نے منع کر دی ہیں کیونکہ یہ ذریعہ ہوتا ہے ظلم کا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور پھر آدمی جمع مال میں حلال و حرام کی نگہداشت نہیں کر سکتا۔ بہر دو صورت اس میں سد ذریعہ ضرور ہے۔ چار کے جمع کرنے میں بھی گو ظلم کا خوف ہے لیکن اس سے کم میں حاجت انسانی پوری نہیں ہوتی۔ پس ظلم کے فساد کے کھٹکے پر موجودہ مصلحت غالب رکھی گئی۔

اٹھارہویں وجہ : عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے مانگا ڈالنے کی ممانعت حدیث یہاں تک کہ وفات کے بعد کی عدت

میں بھی نکاح کا پیغام ڈالنا حرام ہے حالانکہ عدت کا ختم کر دینا عورت کے بس کی بات نہیں تاہم ممکن ہے کہ پیغاموں کی بھرمار اسے جھوٹ بول کر عدت سے جلد نکل آنے پر آمادہ کر دے۔ انیسویں وجہ : اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کو حالت عدت میں' احرام میں حرام کر دیا گو اس وقت میں مجامعت نہ بھی کرے حلال ہونے کے بعد کرے تاکہ یہ ذریعہ مجامعت کا نہ ہو جائے۔ اس کے برخلاف رمضان کا روزہ کوئی پیش نہ کرے اس کا وقت ہی کتنا ہے؟ دن کی کچھ گھڑیاں گزار دینا ہی تو ہے۔

بیسویں وجہ : شارع علیہ السلام نے احرام والے کو خوشبو لگانا حرام کر دیا ہے کیونکہ یہ بھی مجامعت کا ذریعہ بن جاتا ہے پس اس کی حرمت بھی سد ذریعہ کی ایک دلیل ہے۔

اکیسویں دلیل : عقد نکاح کے علاوہ بھی نکاح میں شارع علیہ السلام نے اور کئی شرطیں مقرر فرمائیں تاکہ زنا سے یہ بالکل الگ تھلگ ہو جائے اعلان کا حکم دینا' ولی کا مقرر کرنا' عورت کو خود اپنا نکاح نہ کرنا' پھر اس کے اظہار کا بھی' غیر وجوبی طور پر ذکر کیا مثلاً دف بجانا' آواز لگانا' ولیمہ کرنا ورنہ ہو سکتا ہے کہ زناکاری کے لئے ایک ذریعہ پوشیدہ نکاح بھی بنا لیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوشیدگی سے بعض مقاصد نکاح فوت کر دیئے جائیں پھر نکاح کے آس پاس حد بندی کی جو استبرا کی حد سے بھی زیادہ ہے اس سے سسرالی رشتے قائم کیے اور سسرالی بعض رشتوں کی حرمت ثابت کی اسی سے میراث ثابت کی' صرف میاں بیوی کا ملاپ ہی مقصود نکاح نہیں بلکہ یہ تمام چیزیں نکاح کے قصد میں منجانب الٰہی داخل ہیں۔ پس رشتہ نکاح مثل اصل رشتہ داری کے ہے چنانچہ اپنے فرمان : ﴿ وَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾ (فرقان : ۵۴) میں دونوں رشتے اکٹھے بیان فرمائے۔ یہ مقاصد نکاح زنا سے کسی طرح کی مشابہت نہیں رکھتے۔ اس سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو گیا کہ حلالہ کی پوری مشابہت زنا سے ہے نہ کہ نکاح سے۔

بائیسویں وجہ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار اور بیع کے جمع کرنے کو منع فرمایا حالانکہ الگ الگ دونوں چیزیں صحیح ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کے میل سے سودی کاروبار باسانی ہو سکتا ہے مثلاً ایک ہزار قرض دیئے اور آٹھ سو کی ایک چیز ایک ہزار میں اور دی اور اٹھارہ سو کے دو ہزار بنا لیے دو سو سود کے نام سے نہ لیا یوں لے لیا پس دیکھ لو کہ ذریعہ اور سبب کو کس طرح شریعت ربانی نے میٹ دیا؟ مسئلہ مد عجور کے بعض مانعین نے یہ کہہ کر دلیل لی ہے کہ اسے جائز کہنے والے اسے بھی جائز رکھتے ہیں کہ کوئی شخص ایک ہزار دینار کسی رومال میں باندھ کر اسے پندرہ سو میں بیچے کہتے ہیں کہ یہ صاف سودی ذریعہ ہے پھر کہا ہے کہ ہاں یہ جائز ہے کہ ایک ہزار قرض دے اور کپڑے کا ٹکڑا جو رومال کے برابر ہے وہ پانچ سو پر اسی کے ہاتھ فروخت کر دے اب فرمایئے کہ کیا یہ بعینہ ایک ہی چیز نہیں جو ممانعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صاف موجود ہے' بلکہ یہ تو سود کا کھلا ذریعہ ہے۔ جو لوگ سد ذریعہ کے قائل نہیں انھیں لازم ہے کہ اس صورت کو جائز کہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے فرمان کا خلاف کریں۔ افسوس کس بے دردی سے ایک امر چھوڑا جاتا ہے اور پھر اسی جیسا اور کام کیا جاتا ہے جو ہر طرح اس کے برابر ہے گویا وہی ہے۔

تیئسویں وجہ : تحریم عینہ کی بابت جو ظاہری آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں وہ سب دلالت کرتے ہیں کہ سودے کا بائع کی طرف لوٹنا نہیں گو انھوں نے سود پر موافقت نہ کی ہو یہ بھی صرف ذریعہ کو روکنے کیلئے ہے۔

چوبیسویں وجہ : جسے قرض دیا ہے اس سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت جو احادیث میں اور اقوال صحابہ میں

صاف موجود ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسے اپنے قرض میں مجرا دے۔ یہ بھی اسی لیے ہے کہ ہدیہ آتا دیکھ کر سود خوار کی طرح اپنی رقم کا تقاضا نہ کرے اور رقم پر بصورت ہدیہ سود لیتا رہے۔ اصل جوں کی توں اس کے ذمے کھڑی ہی رہے۔ اور اس قرض کی بنا پر یہ سود خواری بصورت ہدیہ خوری کرتا رہے۔

پچیسویں وجہ : والی کو قاضی کو سفارش کرنے والے کو بھی قبول تحفہ سے آپ نے ممانعت کر دی۔ اگر تم خوب خیال سے دیکھو تو فساد عالم کی یہ اصل ہے اور سند ہے اس امر کی کہ امر غیر اہل ہاتھوں میں چلا گیا اور خائن اور ضعیف اور عاجز لوگ والی بن بیٹھے۔ پھر اس میں جو خرابیاں ہوئیں انھیں بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کی وجہ صرف ہدیہ خوری ہے ان لوگوں کی جن کی عادت اس کی نہ تھی جو صرف اپنا کام پورا کرانے کے لیے تحفے اور ہدیئے کی صورت میں رشوت اور سود لیے پھرتے ہیں اپنی غرض میں اندھے بنے ہوئے ہیں جہاں یہ چاٹ پہنچی کہ والی بھی اندھا ہوا' جج کی بھی عقل ماری گئی' برائی سے چشم پوشی کر لی ناروا کام کر دیا۔

چھبیسویں وجہ : حدیث میں صاف آچکا ہے کہ قاتل میراث سے محروم ہے۔ عمداً قاتل بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مباشرۃً قاتل بقول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۔ وہ قتل جو قصاص یا دیت یا کفارے کو شامل ہو یا وہ قتل جو ناحق ہو یا مطلق قتل جیسے کہ مذہب شافعی و حنبلی میں اقوال ہیں خواہ قاتل نے جلد میراث پانے کی دھن میں قتل کیا ہو خواہ یہ قصد نہ ہو۔ اس قصد کی رعایت منع میراث میں مقصود نہیں۔ اس پر توسب کا اتفاق ہے آپ غور فرمائیے یہ بھی صرف ذریعہ کو روکنے کیلئے ہے۔

ستائیسویں دلیل ابتداء سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار نے اس عورت کو جسے اس کے خاوند نے اپنی بیماری میں بالکل الگ کر دینے والی طلاق دے دی ہو وارث بنایا ہے کیونکہ اس صورت میں اتہام ہو سکتا ہے کہ اس نے صرف ورثے سے محروم کرنے کیلئے ہی یہ کالا کام کیا ہے گو دراصل اس کا یہ خیال نہ بھی ہو کیونکہ طلاق اس کا ذریعہ ہے۔ جس وقت یہ اتہام بالکل نہ ہو تو اس مسئلہ میں خلاف ہے جو مشہور ہے جب مرض نے اس عورت کا تعلق مال کے ساتھ کر دیا تو اسے کوئی کاٹ نہیں سکتا۔ یہ وجہ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ مطلقاً ایک ذریعہ کو بند کرنا مقصود ہے یہ مانا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن وہ سب اختلاف اجماع سابقین کے بعد کا ہے۔

اٹھائیسویں وجہ صحابہ اور عام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایک قتل میں اگر کئی ایک شریک ہیں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے گا گو اصل قصاص اس کا منع کرتا ہے یہ بھی اسی لیے ہے کہ اگر انھیں چھوڑ دیا گیا تو ناحق کے قتل پر یہ ایک ذریعہ قائم ہو جائے گا۔

انتیسویں وجہ غزوے میں چور کے ہاتھ کاٹنے کو آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا ہے یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ایسا نہ ہو یہ کفار میں مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوے میں حدیں نہیں لگائی جاتیں جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

تیسویں وجہ رمضان کے استقبال میں ایک دو روز پہلے سے ہی روزے رکھنے آپ نے منع فرما دیئے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کی عادت کسی دن روزہ رکھنے کی ہے اور اتفاق سے وہی دن یہ بھی آگیا۔ اسی طرح آپ نے شک کے دن کے روزے سے منع فرما دیا یہ بھی اس ذریعہ کو روکنے کیلئے ہے کہ فرض میں وہ نہ ملا دیا جائے جو فرض نہیں۔ اسی طرح عید کے دن کے روزے کی ممانعت عبادت اور غیر عبادت کے وقت کی تمیز کے لئے ہے کہ واجب میں زیادتی ہو جانے کا ذریعہ یہ روزہ نہ ہو جائے جیسے کہ نصرانیوں میں ہو گیا۔ پھر اسی غرض سے سحری کی تاخیر اور افطار کی جلدی والی احادیث ہیں اسی طرح

عید رمضان میں قبل از نماز عید کچھ کھالینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اسی طرح فرض و نفل نماز کی تمیز ہے کہ ایک حدیث میں اس امر کو ناپسند فرمایا گیا ہے کہ امام اپنے فرضوں کی جگہ ہی نفل پڑھے اور قبلے کی طرف ہی منہ کیے بیٹھا رہے۔ یہ سب چیزیں اسی لیے ہیں کہ فرضوں میں زیادتی کرنے کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں۔

۳۱ویں وجہ : حضور ﷺ نے ان چیزوں کی طرف نماز پڑھنی مکروہ قرار دی ہے جن کی عبادت اللہ کے سوا ہوتی ہے بلکہ یہاں تک مستحب کیا ہے کہ جس لکڑی یا ستون یا درخت کے سامنے نماز پڑھو اسے بھی اپنے دونوں بازو میں سے کسی ایک کی طرف کر لو بالکل ٹھیک اسی کی طرف رخ کر کے کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس میں بھی سد ذریعہ ہے کہ عبادت غیر اللہ کا ذریعہ بھی باقی نہ رہے۔

۳۲ویں دلیل : شرکت کو باطل کرنے کے ذریعے توڑتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے شفعہ قائم کیا اور شریک اگر اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچتا ہو تو دوسرے شریک کو حق دیا کہ وہ اس حصے کو چھین کر اپنی طرف کر لے۔

۳۳ویں دلیل : حاکم کو منع فرمادیا کہ دونوں فریق میں سے ایک کو بلند جگہ دے اور دوسرے کو اس سے پست ایک کی طرف زیادہ توجہ دے اور دوسرے کی طرف کم یا ایک سے سرگوشی کرے یا ایک کی سنے بغیر دوسرے کی موجودگی کے تاکہ یہ ذریعہ دوسرے کی دل شکنی کا نہ ہو کہ وہ اپنی حجت قائم نہ کر سکے اور اس کی زبان گنگ ہو جائے۔

۳۴ویں وجہ : خود حاکم کو صرف اپنے ذاتی علم پر فیصلہ کرنا منع فرما دیا تاکہ یہ اس کے باطل فیصلوں کا ایک ذریعہ نہ بنے کہ الٹا پلٹا فیصلہ کر دیا اور کہہ دیا کہ مجھے خود اس کا علم تھا۔

۳۵ویں دلیل : شرعاً دشمن کی گواہی معتبر نہیں رکھی تاکہ یہ ذریعہ اسے اپنی دشمنی نکالنے کا نہ بن سکے۔

چھتیسویں وجہ : مکہ میں جب آنحضور ﷺ تھے قرآن کو بہت اونچی آواز سے پڑھنا منع فرما دیا اس لیے کہ جب مشرکوں کے کانوں میں کلام اللہ پڑتا تھا تو وہ قرآن کو' اس کے اتارنے والے کو' جو اسے لے کر آیا اس کو اور جس پر اترا اس کو گالیاں دیتے تھے۔

۳۷ویں وجہ : اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان گناہوں پر حد واجب کر دی جن کے ارتکاب کا طبعی تقاضا ہے اور جن کی روک طبعاً منع ہے حدیں اللہ کی سزائیں ہیں۔ دنیا میں جیسے اس کی سزائیں ہیں آخرت میں بھی جبکہ وہ لوگ بے توبہ مریں ہاں توبہ کرنے والا اللہ کے نزدیک مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ پس جس نے موت سے پہلے خالص توبہ کر لی اسے اس گناہ پر سزا نہ دے گا۔ یہی حال احکام دنیا کا رکھا ہے کہ جب اس نے خلوص سے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ امام تک اسے پہنچایا جائے تو اس کے اوپر سے حد گر گئی۔ زیادہ صحیح قول علماء کا یہی ہے لیکن جب امام تک معاملہ پہنچ گیا تو اب توبہ سے حد ساقط نہ ہوگی یہ بھی سد ذریعہ کیلئے ہے۔ ورنہ حدود اللہ سب معطل ہو جائیں گی۔ یہ بہت آسان کام ہو گا کہ گناہ کیا' پکڑے گئے۔ امام وقت کے پاس پہنچے شہادتیں ہوئیں جہاں دیکھا کہ اب حد لگنے کے لیے ڈنڈا اٹھنے والا ہے کہ استغفراللہ پڑھ کر جان بچالی۔ امام بھی بیٹھا رہ گیا' گواہ بھی کھسیانے پڑ گئے اور یہ جھومتے جھامتے صحیح سلامت گھر آگئے۔ اچھا نہ سہی سچی توبہ بھی ہو جب بھی حد لگے گی تاکہ غیر سچی توبہ کے ذرائع کٹ جائیں۔

اڑتیسویں وجہ : شارع علیہ السلام کا حکم ہے کہ امامت کبریٰ میں ایک امام پر اُمت کا اجتماع ہو تاکہ جمعہ' عید' استسقاء' جہاد کے وقت خوف کی نماز اجتماعی طور پر ہو حالانکہ صلوٰۃ خوف کا دو اماموں کے ماتحت ہونا صلوٰۃ امن کے حصول سے زیادہ

قریب ہے یہ بھی اسی لیے ہے کہ اختلاف و تفریق کے ذرائع مسدود ہو جائیں دلوں میں میل ملاپ ہو' کلمہ جمع رہے جو شریعت کا اہم تر مقصد ہے اس لیے اس کے خلاف جتنے ذریعے تھے سب بند کر دیئے یہاں تک کہ نماز کی صف میں بھی ادھر ادھر ہونا حرام کر دیا تاکہ دل مختلف نہ ہوں اس کے شواہد اس سے زیادہ ہیں کہ ذکر کیے جا سکیں۔

اُنتالیسویں وجہ : صرف رجب کے روزے مکروہ ہونے کے بارے میں صاف حدیث آ چکی ہے۔ صرف جمعہ کی خصوصیت سے روزہ رکھنا صرف جمعہ کی رات خصوصیت سے قیام کرنا منع فرما دیا ہے یہ بھی اسی لیے کہ کہیں یہ اللہ کی نہ بتلائی ہوئی بات کو شریعت بنا لینے کا ذریعہ نہ بن جائے اس لیے تخصیص زمان و مکان جو شرعاً نہ ہو غیر مشروع ہے۔ اس سے وہی برائی پیدا ہوتی ہے جس میں اہل کتاب پڑ گئے تھے۔ چالیسویں وجہ : اہل ذمہ پر وہ پابندیاں عائد کیں کہ جن سے وہ ممتاز ہو جائیں تاکہ اس بات کا ذریعہ کاٹ دے کہ ان کے ظاہر سے کوئی ناواقف دھوکہ کھا کر ان سے مسلمانوں کا معاملہ کر بیٹھے پس سواریوں میں لباس میں انھیں ان سے الگ کر دیا۔ اکتالیسویں وجہ اللہ کے رسول ﷺ پر قربان جائیں کیا ہی لطیف طریق سے کتنے بڑے اہم امر کے ذرائع روک لئے۔ ناجیہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی قربانی کے جانور بھیجتے ہوئے آپ نے فرمایا دیکھو اگر منیٰ میں پہنچنے سے پہلے ہی ان میں سے کوئی جانور رہ جائے چل سکنے کے قابل نہ رہے تو جہاں بھی تم ہو وہیں اسے قربان کر دینا اور جو جوتیاں تم نے اس کے گلے میں لٹکائی ہوں انھیں اس کے خون میں آلودہ کر لینا پھر اسے اور مسکینوں کو چھوڑ دینا کہ حصے بخرے کر کے کھا لیں۔ خبردار نہ تم اس میں سے کھانا نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانے دینا۔ غور فرمایئے کس طرح حیلوں کی جڑ کاٹ دی اور کس طرح ذریعہ بند کر دیئے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ جس کے ساتھ جانور بیت اللہ شریف کی قربانی کو بھیجے ہیں جہاں اس کا جی چاہے کاٹ کوٹ لے مزے سے کھا پی لے کھلا پلا دے اور کہہ دے کہ چلنے کے قابل نہیں رہا تھا' جانے دیجئے یہ بھی نہ سہی اس کی پوری دیکھ بھال نہ کرے' عمدہ طرح کھانا پینا نہ دے دبلا پتلا ہو کر چلنے جوگا نہ رہے تو ذبح کر کے کھا پی لے۔ اس لیے خود اسے اور اس کے ساتھیوں کو اس کے کھانے سے منع کر دیا کہ نہ یہ لالچ رہے نہ یہ کام ہو یہ ہے سد ذرائع۔

بیالیسویں دلیل : کسی کو گری پڑی چیز ملے اسے حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ گواہ رکھ لے حالانکہ یہ رہن ہے لیکن صرف ذریعہ کو روکنے کے لیے یہ کیا گیا تاکہ طمع سے کوئی شخص چھپانا چاہے تو بھی گواہ ہونے کی وجہ سے کھل جائے پس لالچی کی لالچ کے ذریعے کو توڑنے کا اس سے بہتر اور اس سے لطیف حکم اور کیا ہو گا؟ تینتالیسویں وجہ فرماتے ہیں یہ نہ کہو جو اللہ چاہے اور اس کا رسول' اس خطیب کی آپ نے برائی بیان فرمائی جس نے کہا تھا کہ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی دونوں کی اطاعت کی اس نے راہ راست پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بہک گیا۔ لفظ کی یہ شرکت بھی آپ نے پسند نہیں فرمائی اس لیے کہ کہیں معنی کی شرکت نہ ہونے لگے شرک کے مادے کی روک کیلئے یہ فرمایا یہاں تک کہ جن لفظوں سے ایسی بو آئی ان کو بولنا بھی پسند نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جس کی زبان سے نکل گیا تھا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں اسے فرمانے لگے تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا لیا پس آپ نے شرک کے مادے کو کھو دیا شرک کے ادنیٰ ادنیٰ سے ذریعے بند کر دیئے ہر فعل ہر قول کو جو ممکن تھا کہ شرک کا سبب بن سکے بالکل کاٹ دیا اللہ کے صلوٰۃ و سلام آپ پر آپ کی اہل و عیال پر نازل ہوں اور وہ بھی بہترین درود و سلام جو سب سے عمدہ' سب سے بہتر اور سب سے بکثرت ہوں' آمین! آمین! چوالیسویں دلیل : آپ نے مقتدیوں کو حکم دیا کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں جب ان کا امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو یہ فرمان آپ

کا تواتراً ثابت ہے اس کا ناسخ کوئی نہیں اس کی وجہ بھی ذریعہ کا بند کرنا تھی کفار اپنے بادشاہوں کے آگے کھڑے رہتے ہیں اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں چنانچہ خود حدیث میں یہ علت موجود ہے اور اس کے بعد اسے منسوخ کہنے والوں کا قول یقیناً باطل ہو جاتا ہے باوجودیکہ نسخ کا دعویٰ محض بے دلیل ہے۔ (یہ یاد رہے کہ مرض الموت میں حضور ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تو کہہ سکتے ہیں کہ جواز اس کا بھی ضرور ہے' واللہ اعلم مترجم)

پینتالیسویں وجہ : رات کو جو تہجد پڑھ رہا ہو اور اونگھنے لگے اسے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ نماز چھوڑ دے اور سو جائے ایسا نہ ہو کہ چاہے تو وہ اپنے لیے استغفار کرنا لیکن زبان سے اس کی اپنے لیے کوئی بددعا نکل جائے۔ اس میں بھی ذریعہ کا بند کرنا ہے کہ کہیں نیند کے غلبہ میں بجائے اس کے کہ خدایا مجھے بخش یہ نہ نکل جائے کہ پروردگار مجھے نہ بخشا۔ چھیالیسویں وجہ شارع علیہ السلام نے اپنے مسلمان بھائی کے مانگے پر مانگا ڈالنا' اس کے بھاؤ پر بھاؤ کرنا اس کی بیع پر بیع کرنا منع فرما دیا اس کی وجہ بھی یہی سد ذریعہ ہے جو عداوت و بغض اور باہم لڑائی جھگڑے کا گھر ہے۔ پس اسی قیاس پر اس کے مزدور کرنے پر خود اس سے اجرت طے کر کے اپنے لیے لینا اس کی ولایت پر ولایت چاہنا' اس کے منصب پر پہنچنے کی کوشش کرنا یہ سب امور ناجائز رہیں گے کیونکہ وہی سبب یہاں بھی ہے یہ بھی آپس میں دل شکنی کا باعث بنتا ہے۔ سنتالیسویں وجہ سوراخوں میں پیشاب کرنے سے آپ نے منع فرما دیا اس لیے کہ ممکن ہے کوئی موذی جانور اندر سے نکل آئے اور ایذاء پہنچائے۔ ممکن ہے کسی جن کا وہ گھر ہو اور اسے ایذاء پہنچنے سے وہ بھی ایذاء رسائی پر آمادہ ہو جائے۔ اڑتالیسویں وجہ آباد راستوں میں سائے دار جگہ میں لوگوں کے اترنے اور بیٹھنے اٹھنے آنے جانے کی جگہ میں پاخانہ کرنا ممنوع قرار دیا کیونکہ وہ باعث لعنت بنتا ہے خود آپ نے یہ سبب اپنے ان لفظوں میں بیان فرما دیا کہ لعنت کی ان تینوں جگہ سے بچو اور حدیث میں ہے ان دونوں جگہ سے بچو جو باعث لعنت ہیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا لوگوں کے راستے اور ان کے سایے میں پاخانہ کرنا انچالیسویں وجہ : مقتدیوں کو آپ نے منع فرمایا کہ جب اقامت ہو تو کھڑے نہ ہو جایا کرو جب تک یہ دیکھ لو کہ میں آگیا تاکہ یہ ذریعہ غیر اللہ کے لیے قیام کا نہ ہو جائے۔ گو ان کا قصد نماز کے لیے عبادت الٰہی کے لیے کھڑا ہونا ہے لیکن آپ کے آنے اور آپ کے دیکھ لینے سے پہلے کھڑا ہو جانا ذریعہ ہو سکتا تھا اس لیے مصلحت کے خلاف جان کر ممانعت کر دی۔ پچاسویں دلیل نماز جمعہ کے متصل دوسری نماز پڑھنے کو آپ نے منع فرما دیا جب تک کلام نہ کر لے یا مسجد سے باہر نہ چلا جائے۔ تاکہ یہ تغیر فرض کا اور زیادتی فرض کا سبب نہ بن جائے۔ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں میں نے مقصورہ میں نماز جمعہ ادا کی۔ امام کے سلام پھیر چکنے کے بعد میں نے وہیں اپنی جگہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے مجھے بلوایا اور فرمایا اب سے ایسا نہ کرنا۔ جب جمعہ کی نماز ادا کر لی تو اور نماز اس سے نہ ملانا جب تک کلام نہ کر لو یا مسجد سے باہر نہ آجاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہی حکم فرمایا ہے کہ ہم اور نماز اس سے نہ ملائیں۔ یہاں تک کہ کلام کر لیں یا نکل جائیں۔ (کیا احتیاطی ظہر والے اس سے کچھ نصیحت حاصل کریں گے؟)

اکاونویں وجہ : جو شخص اپنی منزل میں نماز پڑھ چکا ہو پھر وہ مسجد میں پہنچے تو اسے حکم دیا کہ جماعت میں شامل ہو جائے یہ اس کے نوافل ہو جائیں گے تاکہ لوگوں کی نماز کی حالت میں اس کا بیٹھے رہنا اس کے لیے بدظنی کا باعث نہ بن جائے کہ لوگ اسے مسلمان نہ سمجھیں۔ باونویں وجہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے سے منع فرمایا مگر غازی کے لیے یا مسافر کے لیے آپ ﷺ عشاء کی نماز سے پہلے سونا ناپسند کرتے تھے اور بعد از عشاء بات چیت کرنا بھی' یہ بھی اس لیے کہ

پہلے سو جانے سے نماز کے نہ ملنے کا اندیشہ ہے اور بعد کی باتوں سے تہجد کے لیے بیدار نہ ہو سکنے کا ڈر ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اس سے بھی بڑی کوئی مصلحت ہو مثلاً علمی مشغلہ ہے یا مسلمانوں کا اصلاحی امر ہے تو مکروہ نہیں۔ ترپنویں وجہ عورتوں کو منع فرما دیا کہ جب مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں مردوں سے پہلے اپنے سر اپنے سجدوں سے نہ اٹھائیں۔ یہ اس ذریعہ کو روکنے کے لیے کہ کہیں مردوں کا ستر انھیں دکھائی نہ دے جائے چنانچہ خود حدیث میں یہ وجہ موجود ہے۔ چونویں وجہ آپ نے منع فرمایا کہ محلے کی پاس کی مسجد کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں کوئی نہ جائے یہ بھی صرف اس لیے کہ یہ ذریعہ بنے گا پاس کی مسجد کے ترک کرنے کا اور امام کے دل میں بدظنی پیدا کرنے کا ہاں اگر امام نماز اچھی نہ پڑھاتا ہو یا بدعتی ہو یا فسق و فجور علانیہ کرتا ہو تو جا سکتا ہے۔

پچپنویں وجہ : اذان کے بعد مسجد سے باہر جانے کو منع فرما دیا' جب تک کہ نماز نہ پڑھ لے کہ ایسا نہ ہو کہ پھر اس کی نماز باجماعت جاتی رہے چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بعد از اذان مسجد سے جاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی۔

چھپنویں وجہ : مسند احمد میں ہے کہ جمعہ کے دن گوٹ مار کر بیٹھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے یہ بھی اسی لیے کہ یہ نیند آنے کا ذریعہ ہے اس لیے اسے توڑ دیا۔ ستاونویں وجہ : عورت جب نماز کے لیے جانا چاہے تو عطر مل کر خوشبودار تیل ڈال کر نہ جائے آپ کا یہ فرمان بھی اس ذریعہ کو روکنے کیلئے ہے کہ یہ چیز مردوں کے مائل ہونے کا سبب بنے گی انھیں اس کی طرف شوق دلائے گی۔ اس کے پاس کی خوشبو اس کی زینت اس کی صورت اس کی اچھائیوں کا اظہار یہ سب چیزیں اس کی طرف متوجہ کر لینے والی ہیں پس اسے حکم دیا کہ وہ نہایت سادگی سے نکلے خوشبو کا استعمال ہرگز نہ کرے مردوں کے پیچھے کھڑی رہے نماز میں کوئی امر پیش آئے تو دستک دے لیکن زبان سے باواز بلند مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے یہ سب ذرائع کو روکنے اور فساد کو ہٹانے کے لیے ہے۔ اٹھاونویں وجہ : عورت کسی عورت کو دیکھے اور پھر اس کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ دیکھ رہا ہے اسے آپ نے حرام فرمایا یہ بھی ذریعہ کی بندش کیلئے ہے کہ کہیں اس کے دل میں اس کا تصور نہ بندھ جائے اور بن دیکھے فدائیت کا نقشہ قائم نہ ہو جائے۔ انسٹھویں دلیل : راستوں میں بیٹھنے سے ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ حرام چیزوں کے دیکھنے کا ذریعہ بنتا ہے جب لوگوں نے کہا کہ ضرورۃً بیٹھنا پڑتا ہے تو آپ نے فرمایا پھر راہ کا حق ادا کرو۔ پوچھا وہ کیا؟ فرمایا پست نظری' ایذاء دینے سے روک' سلام کا جواب۔ ساٹھویں دلیل : خاوند اور ذی محرم رشتے دار کے سوا ہر ایک کو کسی عورت کے گھر رات گزارنی حرام قرار دی اس لیے کہ یہ کھلا ذریعہ ہے حرام کاری کا۔ اکسٹھویں وجہ : جو سودا جہاں خریدا گیا وہیں بیچنے سے ممانعت کر دی اس لیے کہ یہ ذریعہ ہوتا۔ ہے بائع کے انکار کا بیع کے کامل نہ ہونے کا جب وہ دیکھتا ہے کہ اسے تو کھڑے کھڑے معقول نفع ہو رہا ہے تو طمع اسے ابھارتی ہے کہ کسی طرح یہ رقم اس کے پلے پڑ جائے اس کا جی اس کے کھونے کو نہیں چاہتا اسی کی تائید میں دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا نفع ممنوع ہے جو چیز اپنی ذمہ داری میں نہ ہو شریعت کے اس مسئلے کی خوبی جہاں اپنی طرف لبھاتی ہے وہاں سد ذریعہ کا یہ باریک نکتہ بھی اپنے اندر ایک خاص کشش اور دلفریب جذب رکھتا ہے۔

باسٹھویں وجہ : ایک بیع میں دو بیع سے آپ نے منع فرما دیا یعنی بیع میں دو شرطیں کرنا جیسے اور حدیث میں ہے یا سودی ذریعہ کو روکنا ہے جیسے اور حدیث میں ہے جب یہ اپنے سودے کو بیچے گا مثلاً ایک سو پر ادھار بیچتا ہے پھر دو سو نقد پر خریدتا

ہے تو یہ ایک بیع میں دو بیع کرتا ہے اگر زائد قیمت وصول کی تو سود ہوا اگر کم قیمت لی تو گھاٹے میں رہا یہ سودی ذریعہ جو بہت بھاری اور سخت خطرناک تھا اس حدیث سے حرام ہو گیا۔ دراصل ان حضرات نے بہت دور از کار بات کہی ہے جو اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ کہے اگر نقد خریدتے ہو تو پچاس میں دے دوں گا اور اگر ادھار ہے تو سو لوں گا۔ یہاں نہ تو سود ہے نہ جہالت ہے نہ دھوکہ ہے نہ جوا ہے نہ اور کوئی فاسد صورت ہے یہ تو اختیار دینا ہے کہ نقد قیمت اتنی اور ادھار اتنی یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بیع کے بعد کا اختیار دے کہ خواہ وہ باقی رکھے خواہ تین دن میں چیز واپس کر دے۔ اس عقد میں اور جو عقد ظاہری وسیلہ تھا سود خواری کا اس میں اللہ کے رسول سلام اللہ علیہ نے بین فرق کر دیا۔ سلف و بیع کو ایک بیع میں دو شرطیں کرنے کو منع فرما دیا اس لئے کہ یہ سودی ذریعہ تھا یہ ہے کلام حکمت نظام اللہ کے رسول رسولوں کے سردار آنحضرت ﷺ کا جس میں سراسر شفا ہے' جس میں عصمت ہے' جس میں ہدایت ہے' جس میں نور ہے۔ صلوٰات اللہ و سلامہ علیہ۔

حرام کام کے ذریعے حرام ہونے کی ترسٹھویں دلیل :

اولادوں کو الگ الگ بستروں پر سلانے کا حکم سرکار مدنی بھی اسی کی دلیل ہے کہ حرام کام کے ذرائع اور اسباب اور اس تک پہنچانے والی چیز بھی حرام ہے۔ یہاں اس حکم میں بھی علاوہ اور بیشمار مصلحتوں کے ایک ظاہری مصلحت یہ بھی ہے کہ ایسا نہ ہو شیطان ان کے جذبات بھڑکا دے اور کسی خطرناک جرم میں مبتلا کر دے کیونکہ ایک بستر پر دونوں ایک ساتھ سوئے ہیں جن میں ایک لڑکی ہے دوسرا لڑکا ہے ساری ساری رات ایک ساتھ گزرتی ہے اللہ جانے نیند کی حالت میں بھی کوئی کس حال میں کوئی کس حال میں ہے۔ نیند میں بھی انسان عورت کے ساتھ بہت کچھ کر گزرتا ہے جس کی اسے خبر بھی نہیں پڑتی۔ آپ نے شریعت کی اس پاکیزہ تعلیم کی خوبی ملاحظہ فرمائی؟ چونسٹھویں وجہ : آپ نے فرمایا یوں نہ کہو کہ میری طبیعت خبیث ہے یوں کہو کہ میری طبیعت بوجھل ہے یہ بھی اس لیے کہ بدکلامی کی عادت نہ پڑ جائے الفاظ کا معانی میں اثر ہوتا ہے۔ مشاکلت اور مناسبت الفاظ و معانی میں ضرور ہوتی ہے۔ آپ دیکھ لیجئے عموماً جن کی زبانوں پر جو الفاظ ہیں وہی کیریکٹر بھی ان کا ہو گا۔ پس اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اس خباثت کے ذریعہ کی جڑیں ہی کاٹ دیں اور نہایت پیارے اور سلامتی بھرے طریق سے ((فصلی اللّٰہ علیہ وعلٰی آلہ واصحاب وسلم))۔ پینسٹھویں وجہ : آپ نے لوگوں کو منع فرما دیا کہ اپنے لونڈی غلام کو میرا بندہ میری بندی نہ کہو بلکہ میرا بچہ میری بچی' میرا آدمی کہا کرو۔ اس سے بھی منع فرما دیا کہ اپنے غلام سے کوئی کہے اپنے مربی کو وضو کرا اپنے مربی کو کھانا کھلا یہ بھی شرک کے ذریعے کاٹنے کے لیے ہے کہ لفظاً معنی کوئی بوباس بھی شرک کی باقی نہ رہے۔ گو یہاں رب اور مربی کے معنی مالک اور آقا کے ہیں جیسے عرب میں رب الدار اور رب الابل کہا کرتے ہیں یعنی گھر والا' اونٹوں والا لیکن آپ نے عبدوامت کے لفظ سے ہٹا کر فتی اور فتاۃ کا لفظ سکھایا سردار پر لفظ رب کے اطلاق کو منع فرما دیا کہ جانب توحید کی حمایت ہو اور جانب شرک کی شکست ہو۔ اس کے ذرائع اور وسائل و اسباب بھی باقی نہ رہیں۔ چھیاسٹھویں وجہ بغیر محرم کے عورت کو سفر کرنے سے منع فرما دیا یہ بھی ذریعہ بن سکتا تھا کہ دوسرے کو اس میں طمع ہو اور فسق و فجور واقع ہو جائے۔

سڑسٹھویں وجہ اہل کتاب کی تصدیق و تکذیب سے روک دیا کہ وہ جو باتیں اپنے ہاں کی کریں تم ان میں خاموش رہو اس لیے کہ ایسا نہ ہو سچ کو جھوٹ کہہ دو اور جھوٹ کو سچ کہہ دو اور یہ ذریعہ بن جائے اللہ کی بات کو جھٹلانے کا یا اللہ کی بات نہ ہو اور اسے خدائی بات مان لینے کا۔ جیسے کہ خود حدیث میں یہ سبب موجود ہے۔ اڑسٹھویں وجہ اپنے غلام کا نام نافع' افلح'

رباح، یسار رکھنا آپ نے منع فرمایا اس لیے کہ بسا اوقات یہ بدفالی کا ذریعہ بن جاتا ہے مثلاً کہا جائے یہاں یسار نہیں ہے یعنی آسانی نہیں سختی ہے۔ یہاں رباح نہیں ہے یعنی نفع نہیں نقصان ہے۔ یہاں افلح نہیں یعنی نجات نہیں پکڑ ہے۔ گو مقصود تینوں لفظوں سے اس نام کے غلام ہیں لیکن ذریعہ کی روک کے لیے اسے سرے سے منع فرما دیا۔ انہترویں وجہ : عورتوں کے پاس جانے سے ممانعت یہی حرام کاری کے ذرائع کو بند کرنے کیلئے ہے۔ سترویں وجہ : برۃ نام رکھنے کی ممانعت بھی اس لیے ہے کہ کہیں یہ اپنے نفس کی بڑائی خود بیان کرنے کا ذریعہ نہ بنے۔ اس لفظ کے معنی ہیں بہت ہی پاکیزہ، بڑی نیک گو، بولنے والے کا مقصود نام سے ہے۔ اکہترویں وجہ شراب سے علاج معالجہ کرنا منع فرما دیا کیونکہ اس کے استعمال نہ کرنے سے جس نقصان کا خوف ہے وہ استعمال کرنے کے نقصان سے بہت کم ہے ایسا نہ ہو کہ آہستہ آہستہ شراب نوشی کی طرف شیطان آمادہ کر دے پس مادے کو روکنے کے لئے سرے سے بطور دوا استعمال کرنا بھی ممنوع قرار دیا۔ یہ ہے حرام کاری کے ذرائع کی حرمت کی ایک پختہ دلیل۔

بہترویں وجہ تین شخص ایک ساتھ ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو کانا پھوسی کرنے لگیں اس سے آپ نے منع فرما دیا کہ ایسا نہ ہو یہ ذریعہ بن جائے اس تیسرے کی دل شکنی کا اس کے ملال کا اور اس کی بدگمانی کا۔ تہترویں وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کو جو آزاد عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا اسے بدکاری میں مبتلا ہونے کا خوف نہیں لونڈی سے نکاح کرنا ممنوع قرار دیا کہ کہیں یہ ذریعہ اولاد کے غلام لونڈی بن جانے کا نہ ہو جائے گو وہ لونڈی اس عمر کی ہو کہ اب اسے بچہ نہیں ہو گا اس کا حیض بند ہو گیا ہے تو بھی حلال نہیں یہ سب سد ذریعہ ہی ہے۔ اسی لیے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ قیدی کو اور تاجر کو دارالحرب میں نکاح کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ اس کی اولاد پر غلامی کی تعریض نہ ہو اور یہ وجہ بھی ہے کہ یہاں کا تعلق ان دشمنوں سے جہاد کرنے سے کہیں روک نہ دے۔ چوہترویں وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ تندرست کے پاس بیمار کو نہ لاؤ اس لئے کہ ممکن ہے یہ اس کے متعدی ہونے کا باعث بن جائے یا وہم و خوف سے اسے ایذاء پہنچے۔ یہ سبب ہے اس کی ناراضگی کا اس لیے سبب کاٹ دیا گیا۔ پچہترویں وجہ ثمودیوں کے شہروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو جانے سے منع فرما دیا بجز اس حال کے کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان میں جائیں اس لیے کہ ایسا نہ ہو جو عذاب ان پر آیا تھا تم پر بھی نہ آجائے پس بغیر خوف کے جانا ممکن ہے سبب بن جائے کسی آفت کے پہنچنے کا اور سبب بدی خود بدی ہے جیسے وہ برا ویسے ہی یہ بھی برا۔

(٧٦) فرماتے ہیں دنیوی مال و جاہ و لباس میں جو تم سے اونچا ہو اس کی طرف لالچ بھری نگاہیں نہ ڈالو ورنہ اللہ کی ان نعمتوں کی جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں ناشکری کرنے لگو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے۔ (٧٧) گدھوں کو گھوڑیوں پر نہ کداؤ ورنہ یہ ذریعہ ہو گا گھوڑوں کی نسل کے فنا ہو جانے کا یا کم از کم، کم ہو جانے کا۔ اگر بالفرض ان کے گوشت کے حرام ہونے کی حدیث ثابت ہو جائے تو ہم کہتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی تھی جیسے کہ کسی کسی جہاد کے موقعہ پر آپ نے سواری کے کل جانوروں کو ذبح کرنے سے ممانعت فرمادی تھی کہ یہ ذریعہ ہو گا اپنی ضرورتوں کو برباد کر دینے کا کیونکہ سواریاں نہ رہیں گی یا کم از کم، کم تو ضرور ہو جائیں گی۔ (٧٨) جو شخص کوئی برا خواب دیکھے اسے آپ نے اس کے بیان کرنے سے روک دیا ہے اس لیے کہ ذہنی چیز لفظی صورت میں نہ آئے۔ ممکن ہے کہ پھر اس کے بعد حسی صورت میں بھی اس کا ظہور ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ انسان مصیبت میں پھنس جائے پس آپ نے بہترین طریق پر نہایت دور اندیشانہ حکم دے کر برائی کے قصے کاٹ دیئے اگر

آپ غور کریں گے تو دیکھ لیں گے کہ برائیاں اور شر انسان پر یونہی بتدریج آتے ہیں پہلے ذہن میں پھر لفظوں میں آخر خارجی طور پر ظاہر ہیں۔ (۷۹) شراب کا سرکہ بنا لینے کی بابت جب آپ سے سوال ہوا تو آپ نے منع فرما دیا۔ باوجودیکہ شراب کا جو سرکہ از خود بن جائے اس کی آپ نے اجازت دی ہے یہ بھی شراب کے رکھنے کا سد ذریعہ ہے۔ اگر اجازت ملتی تو ہر شخص خم کے خم بھر کر رکھ کر کہہ سکتا تھا کہ میں نے سرکہ بنانے کے لیے رکھی ہے پس آپ نے سرے سے اس چیز کو باقی ہی نہ رکھا۔ (۸۰) ننگی تلوار کسی دوسرے مسلمان کو دینے سے آپ نے ممانعت فرمائی اسی لیے کہ ممکن ہے یہ کسی کو زخم کے لگ جانے کا ذریعہ بن جائے۔ ممکن ہے شیطانی حرکت ہو جائے اور کوئی حادثہ ہو جائے۔ (۸۱) جو تیر لے کر مسجد میں آئے اسے اس کا پھل تھام کر آنے کی ہدایت بھی اس ذریعہ کی روک کے لئے ہے کہ کسی کو لگ نہ جائے۔ (۸۲) جماع کے ساتھ فخرو مباہات کی ممانعت بھی اسی لیے ہے کہ وہ دوسروں کی خواہش نفسانی کے بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے ممکن ہے کسی کے پاس حلال ذرائع موجود نہ ہوں تو وہ حرام ذرائع میں مبتلا ہو جائے یہی وجہ ہے کھلم کھلا گناہ کرنے والے اپنی معصیت کا اظہار کرنے والے اللہ کی معافی سے الگ ہیں کیونکہ ان کے اس بیان اور اظہار سے دوسروں کو معصیت کی تحریک ہوتی ہے اور اس طرف بھاگنے لگتے ہیں۔ (۸۳) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت آئی ہے یہ بھی اس لیے ہے کہ پانی کے نجس ہونے کا ذریعہ نہ بن جائے یہ بھی وہ بھی جب اس میں پیشاب کرنے لگیں گے تو ظاہر ہے کہ پانی خراب ہو جانے کا احتمال بڑھ جائے گا۔ اس لیے بطور سد ذریعہ کے اس کام سے روک دیا اس بنا پر پانی کی قلت کثرت کا کوئی اعتبار نہیں اور ایک کی اور زیادہ کی پیشاب کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کا یہی مطلب اس مطلب سے اچھا ہے کہ اس سے مراد قلتین سے کم پانی کا ہونا ہے یا اتنا پانی ہونا ہے جو کھینچ کر نکال دیا جا سکے۔ یاد رہے کہ شارع علیہ السلام کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ دو قلے سے زیادہ پانی میں پیشاب کرنے کی اجازت دے دے اس میں لوگوں کے پانی کا فساد ہے ان کے گھاٹوں اور تالابوں کا بگاڑ ہے پس حکمت خداوندی کا تقاضا یہی حکم ہے کہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ ہو اس میں پیشاب ممنوع ہے تاکہ ذریعہ فساد بند ہو جائے۔ (۸۴) دشمن دین کی حدود میں قرآن لے کر جانے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ کہیں وہ اسے پھاڑ نہ دیں اس کی بے ادبی نہ کریں جیسے کہ خود حدیث میں یہ علت موجود ہے۔

(۸۵) غلّہ روکنا تاکہ بھاؤ بڑھ جائے حدیث میں منع ہے یہ بھی اس لیے کہ اس بات کا ذریعہ رک جائے کہ لوگوں پر معاش کی تنگی نہ ہو اور لوگوں کو ضرر و نقصان نہ پہنچے۔ (۸۶) بچے ہوئے پانی کو روکنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے گھاس کی روک نہ ہو جیسے کہ نفس حدیث میں یہ علت موجود ہے جب مویشیوں کو پانی نہ ملے گا تو چرواہے وہاں جانوروں کا چرانا چھوڑ دیں گے اور انھیں حرج ہو گا۔ (۸۷) حاملہ عورت پر حد زنا قائم کرنے کو آپ نے منع فرمایا ہے اس لیے کہ یہ ذریعہ ہو گا بچّے کی موت کا جیسے کہ اور حدیث میں ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچّے نہ ہوتے تو میں اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے ساتھ لکڑیاں لے چلیں اور جو لوگ جماعت میں شامل نہیں ہوتے ان کے گھروں میں آگ لگا دیں لیکن اللہ کے ان نافرمانوں کی یہ سزا اس لیے ملتوی کر دی گئی کہ یہ ذریعہ ہو گا بے گناہوں کی سزاؤں کا جن پر جماعت میں حاضر ہونا واجب نہیں مثلاً عورتیں اور بچے۔ (۸۸) جذامی کی طرف برابر دیکھتے رہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ممکن ہے اس کی علت یہ ہو کہ یہ ذریعہ اس کی بیماری کا نہ ہو جائے' واللہ اعلم۔ یہ بھی بڑی لطیف بندش ہے طبیعت کے واقف کار اس سے بخوبی واقف ہیں اسے بھی اسباب کے قاعدے پر محمول کرنا چاہئے۔ علماء طبعی میں سے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے

اپنے ایک رشتے دار کو لوگوں کی آنکھوں کے علاج کے لیے بٹھایا لیکن خود اس کی آنکھیں دکھ آئیں پھر آرام ہونے کے بعد اس نے پھر سے یہی کام شروع کیا پھر سے اس کی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ بار بار یہی ہوا تو میں نے معلوم کر لیا کہ طبیعت میں منتقل ہونے کا جو مادہ ہے یہ اس کا اثر ہے دکھتی آنکھوں کو برابر دیکھتے رہنا اور کھولتے رہنا آنکھوں کی تکلیف اور درد کو دوسری جانب مائل کر دیتا ہے۔ ہاں بیشک اس کے ساتھ ہی اس کی اپنی طبیعت کی استعداد کا بھی اس میں دخل ہے الغرض علم طبعی کے ماہر بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ جبلت طبیعت و نفس تشبہ پر اور نقل اتارنے پر قدرتی طور سے ہے۔

(۸۹) ایک حدیث میں اس سے بھی نہی آئی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے لیے بوقت ملاقات جھک جائے یہ بھی ذریعہ شرک کو روک دینے کے لیے ہے۔ لیکن شان الٰہی ہے مقصد شرع کو نہ سمجھ کر جبے قبے پہنے ہوئے مولویوں اور ملاؤں کو دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ملا اور یہ اسے سلام کرتے ہوئے جھک گئے ان بے خبراز سنت لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اس میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ بالکل رکوع کی سی صورت ہو جاتی ہے۔ یہ ان کی جہالت کا کرشمہ ہے کہ خلافِ حدیث میں خوب مبالغہ کرتے ہیں ان کے بھائی بند وہ بھی ہیں جو زندوں مردوں کے سامنے سجدے کرتے پھرتے ہیں ان کی برادری میں وہ بھی ہیں جو اپنے مرشدوں اور سرداروں کے سامنے باادب کھڑے رہتے ہیں اور وہ بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی ان مشرکانہ حرکتوں کو دیکھئے نماز جو بہترین عبادت تھی اس میں اعلیٰ ارکان یہی تین تھے قیام' رکوع اور سجود ان تینوں کو اس جماعت نے اللہ کے سوا اللہ کے بندوں کے لیے کر لئے۔ اور چوری چھپے نہیں بلکہ کھلے بندوں علی الاعلان۔ حالانکہ مندرجہ بالا حدیث میں رکوع تو ایک طرف مطلق جھکنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرما دیا اور حدیث میں اللہ کے سوا اور کسی کیلئے سجدہ کرنے کو حرام قرار دیا اور حدیث میں لوگوں کے لیے قیام کرنے کو منع فرما دیا یہاں تک کہ امام اگر عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بلا عذر بھی بیٹھ جانے کا حکم فرمایا تاکہ غیر اللہ کے لیے قیام کی ظاہری صورت بھی پیدا نہ ہو۔ حالانکہ ان نمازیوں کا یہ قیام محض اللہ کے لیے ہو گا تاہم صورت کی مشابہت کو بھی سد ذریعہ کے طور پر روک دیا۔ پھر ان لوگوں کی چوری اور سینہ زوری اللہ کے نزدیک کس قدر بد ہو گی جو حقیقتاً اوروں کے لیے قیام و رکوع و سجدہ کرتے پھرتے ہیں فاللہ المستعان۔

(۹۰) آپ نے سونے چاندی کے صرافے اور تبادلہ کو اور سودی چیزوں کی بیع کو بطور ادھار ممنوع قرار دیا تاکہ لوگ اسے سود کے لین دین کا ذریعہ نہ بنالیں۔ اس لیے سود کی نزدیکی سے بھی انھیں روک دیا۔ اسی وقت ہاتھوں ہاتھ لین دین کا حکم دیا پھر جبکہ دونوں طرف ایک ہی چیز ہو تو کمی بیشی منع کر دی۔ دو مدی کھجوروں کو ایک مد عمدہ کھجوروں کے بدلے نہیں لے سکتے گو قیمت کے لحاظ سے برابر ہی ہوں۔ یہ ہے سود کے ذرائع کا مسدود کرنا پس اچھائی برائی کو عمدگی اور غیر عمدگی کو زیادتی اور کمی میں کوئی دخل نہیں۔ جب جنس ایک ہے تو برابری اور نقد لین دین ضروری ہے تاکہ ادھار جو دراصل ذریعہ سود ہے اسے سرے سے روک دیا جائے۔ یہی حکمت ہے زیادتی کو سود قرار دینے میں جو اکثر لوگوں سے مخفی رہی' یہاں تک کہ بعض متاخرین تو بول اٹھے کہ زیادتی کے سود ہونے کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ یہ وجہ خود شارع علیہ السلام نے بیان فرما دی ہے کہ یہ ذریعہ ہو گا ادھار کا اور ادھار سود کا ذریعہ قطعاً ہے۔ زیادتی کے سود کی حرمت بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مجھے سود کا خوف ہے۔ یاد رہے کہ سودی حرمت کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس میں فساد ہے یعنی ادھار کا سود اور دوسری وہ جو اس کا ذریعہ ہے دونوں شرعاً حرام ہیں' ہماری اس تشریح سے حکمت شارع علیہ السلام حکیم اور کمالِ شریعت الٰہی ظاہر ہے کہ اگر دوسری چیز نہ ہوتی تو اصل حرام رہتی لیکن اس کے ذرائع حرام نہ ہوتے اور پھر ان سے انسان

باسانی کھلم کھلا سود خواری کرتے اور مقصد شارع علیہ السلام جو سودی لین میں فساد کی روک کا تھا وہ بالکل فوت ہو جاتا۔ کہاں ہیں ذرائع اسباب اور وسائل کو حرام نہ کہنے والے؟ اور ان کی بندش نہ کرنے والے؟ ان پر ضروری ہے کہ اپنے اصول کے مطابق وہ اسے نہ روکیں بلکہ اسے محض عبادت کہیں جس کے معنی سمجھ سے باہر ہیں بلکہ آپ تعجب سے سنیں گے کہ ان میں سے اکثر نے ایسا کہا بھی ہے۔ (۹۱) بہت سی قسم کے ظاہری نکاح ہیں جنھیں شریعت نے اس لیے باطل کیا ہے کہ زنا کے ذرائع بند ہو جائیں گو ان نکاحوں میں میاں بیوی کی رضامندی صاف ہوتی ہے۔

(۱) مثلاً بنا ولی کے نکاح اسے باطل کرنا سد ذریعہ زنا کے لیے ہے اگر یہ نہ ہوتا تو ہر زانی اپنے دو دوستوں کو لے کر ایک عورت کے پاس چلا جاتا اور اس سے کہہ دیتا کہ دس درہم کے مہر پر تو مجھ سے نکاح کر لے وہ ہاں کہہ دیتی اس کے دو بدکار دوست اس کے گواہ بن جاتے اب خوب منہ کالا کرتے۔ (۲) اسی طرح حلالہ کے نکاح کو باطل کرنا ہے جس میں دراصل رغبت نفس نہیں ہوتی' نہ عورت کو بسانا منظور ہوتا ہے' نہ اسے بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہوتا ہے بلکہ اس سے بدکاری کر کے اس کے پہلے کے بے حیا و دیوث خاوند کو واپس کر دینا مقصود ہوتا ہے پس دراصل یہ کھلا زنا ہے گو صورت بدل دی ہے۔ (۳) اسی طرح متعہ کو اس میں ایک مدت مقرر ہوئی ہے نہ کہ مفاد و مقاصد نکاح معتبر ہوں کام نکالا اور تو کون میں کون؟ پس شریعت نے ان تمام نکاحوں کو باطل قرار دیا ورنہ حرامکاری کے دروازے چوپٹ کھل جاتے اور یہ انسانیت سوز بے حیائی گھر کر جاتی جو پاک مذہب اسلام کے شایانِ شان نہ تھی۔ پس بدکاری کو اس کے کل ذرائع کو حرام کر کے صرف موجودہ شرعی نکاح کو حلت مجامعت کا ذریعہ قرار دیا جو ہمیشگی کے لیے ہو جس میں میاں بیوی کا قصد ایک دوسرے کے ساتھ عمر گزارنا ہو' ولی کی اجازت ہو' گواہوں کی موجودگی ہو' اعلان ہو وغیرہ۔ آپ جس قدر بھی شریعت کے احکام میں غور فرمائیں گے کمال شرع اور حکمت شرع اور محاسن شرع آپ پر کھلتے جائیں گے اور آپ قطعاً اس امر تک پہنچ جائیں گے جس کے ثابت کرنے کے درپے ہم ہیں کہ حرام کے ذریعے بھی شرعاً حرام ہوتے ہیں۔

(۹۲) خیرات و صدقہ کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی خریداری سے منع فرما دیا جو اس نے خیرات میں دی ہو۔ گو وہ بازار میں بک رہی ہو یہ بھی اس لیے ہے کہ نام اللہ دی ہوئی چیز لوٹا لینے کا ذریعہ بند ہو جائے گو یہاں عوض اور بدلہ دے کر وہ چیز لیتا ہے ظاہر ہے کہ جب خرید بھی نہیں سکتا تو بے عوض اسے واپس کرنا تو کسی طرح ہو نہیں سکتا۔ پس جو چیز دے چکا اسے لوٹانا گویا اللہ کے ہاتھ سے چھینا ہوا۔ اگر اسے جائز قرار دیا جاتا تو یہ ذریعہ بنتا حلال کر لینے کا۔ ایک شخص ایک مسکین کو دس روپے کی چیز زکوٰۃ میں دیتا اور پھر دو چار روپے میں اسے خرید لیتا۔ اور اللہ کا حق بآسانی ہضم کر جاتا مسکین بے چارہ کیوں نہ دیتا؟ وہ تو سمجھتا کہ جو ملے غنیمت ہے یاد رہے کہ اللہ کی مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے یہ تو لاکھ میں سے ایک ہے جو ہم پر ظاہر ہے ورنہ ہم کیا ہمارا علم کیا ہماری عقل کیا؟ پس شریعت مطہرہ کا یہ بھی ایک حسن ہے کہ جس کام سے روکنا ہوتا ہے اس کے ذرائع سے بھی روک دیتی ہے۔ فللہ الحمد۔ (۹۳) پھلوں کو ان کی پختگی کے ظاہر ہونے سے قبل بیچنا منع فرما دیا تاکہ یہ خریدار کا مال باطل سے کھا لینے کا ذریعہ نہ بنے پھل اب تک تلف ہونے کے خطرے میں ہیں اسی لیے اگر ایسی بیع ہو بھی جائے تو خریدار کو حق دیا کہ وہ اپنے ایسے قدرتی نقصانات کو بائع سے وصول کر سکتا ہے یہ سب اس لیے کہ مشتری پر ظلم نہ ہو اس کا مال بیجا طور پر بائع ہضم نہ کر سکے۔

(۹۴) انسان کو منع فرمایا کہ جب مقدر کا لکھا اسے پہنچ چکے تو وہ یوں نہ کہے کہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا اس لیے کہ

یہ شیطانی عمل کا ذریعہ ہے شیطان اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اسے غمگین' غصہ ور اور تقدیر سے ناراض کرنے کیلئے اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر وہ یوں کرتا تو یوں نہ ہوتا اس سے اس کی تسلیم و رضا بہ قضا تقدیر کے ایمان' دل کی تسلی' اپنے امور کو سپرد اللہ کرنے کی عادت' سب اس سے چھین لیتا ہے پھر یہ بات کہاں؟ کہ اس کے دل میں یہ رہے کہ جو اللہ نے چاہا ہو اور جو وہ چاہے گا ہو گا جب شیطان اس میں کامیاب ہو گیا کہ اس کا دل اللہ سے پھیر لیا تو اس کے لئے شیطانی عمل کے سب دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ صرف لفظ زبان سے نکالنے کی وجہ سے نہیں بلکہ لفظ نے دل میں خراب اثر کیا اور دل میں کمال ایمان کے خلاف بد ارادوں کا ایک طوفان اٹھا جس نے شیطانی کاموں کو اس پر کھول دیا۔ ساتھ ہی خیال فرمایئے کہ جو ہو چکا وہ تو ہو چکا وہ اب ان ہونا تو ہے نہیں۔ اس لیے شریعت نے اسے بجائے دل توڑ کر بیٹھ جانے کے' بجائے مایوسی حسرت حرمان افسوس اور غم و غصہ کے ایک ایسی تعلیم فرمائی کہ وہ اس نقصان کے دائرے سے جلد نکل جائے اور دوسرے نفع کے کاموں میں چستی سے لگ جائے۔ اسے حکم ہوا کہ تقدیر پر ایمان رکھے' معاملہ سپرد اللہ کر دے' مشیت الٰہی کے سامنے سر جھکا دے' سمجھ لے کہ اللہ کے ارادے کا پورا ہونا بہرحال ضروری ہے جب یہ اس پر رضا مند ہو جائے گا تو شرعی اصول کے مطابق اللہ اسے راضی کر دے گا اور اگر یہ ناراض رہا تو اس کے لیے دائمی ناراضگی ہے۔ یہ کام کرتا جائے گا اور نتیجے اس کی منشا کے خلاف ہوتے رہیں گے اور یہ جلتا بھلتا اور کڑھتا رہے گا۔ اللہ اپنے رسول ﷺ پر درود و سلام نازل فرمائے سچ ہے سینوں کی صفائی آپ کے کلام میں ہی ہے۔ آنکھوں کا نور آپ ہی کی احادیث میں ہے۔ دلوں کی حیات آپ کے فرمانوں میں ہی ہے۔ روحانی غذا آپ کے بول ہی ہیں۔ حضور ﷺ کی احادیث اللہ کی بے بہا نعمتیں ہیں یہ اللہ کے احسانات کے پہاڑ ہیں۔ ((فللّٰہ الحمد ولہ المنة والفضل ولہ الثناء الحسن.))

(۹۵) اللہ کے رسول ﷺ نے آپس میں فخر کرنے والوں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی تمنا کرنے والوں کی دعوت اور ان کا کھانا کھانے سے منع فرما دیا کہ یہ چاہتا ہے کہ میں ایسا کھانا کھلاؤں کہ یہ دوسرا دب جائے اس کی چاہت ہے کہ میں ایسی دھوم دھام والی دعوت کروں کہ میری شہرت میں چار چاند لگ جائیں۔ ہر ایک دوسرے کو نیچا دکھانا اور اس پر فوقیت لے جانا چاہتا ہے تو حضور ﷺ نے دونوں کے ہاں کے کھانا کھانے کو منع فرما دیا یہی حال معاوضہ والی چیزوں میں ہے کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی چیز کا بھاؤ گرا رہا ہے اسے نقصان پہنچے وہ کما کر نہ کھا سکے۔ میری دکان کو اوج حاصل ہو اس کی گاھکی ماری جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ صاف فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے سودا لینا ناجائز ہے۔ یہ ممانعت بھی دو وجہ سے سد ذریعہ میں داخل ہے ایک تو یہ کہ ان کا کھانا کھانے سے ان کے نفس موٹے ہوں گے ان کے غرور اور بڑھ جائیں گے۔ یہ خوش ہوں گے اور اللہ کی اس نافرمانی پر اور بھی کمر کس لیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر کھانا کھانے والے ملے ہی نہیں تو نامراد ہو کر بیٹھ جائیں گے اس اسراف و تبذیر کے گناہ سے بچنے کا باعث ان کے سامنے آجائے گا۔

حرام کام کے ذریعے حرام ہونے کی ۹۸ ویں دلیل:

ہفتے کے دن مچھلی کا شکار یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تو انھوں نے جمعہ کے دن گڑھے بنائے ان میں پانی لیا اس میں ہفتہ کے دن مچھلی بھی دریا سے آگئی انھوں نے اب پانی کی آمدورفت بند کر دی۔ مچھلیاں ان گڑھوں میں رہ گئیں اتوار کے دن جا کر وہاں سے مچھلیاں پکڑ لائے۔ جناب باری نے اپنی اس حکم عدولی کی سزا میں انھیں بندر اور سؤر بنا دیا ان کی شکلیں مسخ کر دیں یہ بھی انھوں نے کیا کہ جمعہ والے دن کانٹے ڈال دیئے ہفتے کے دن مچھلیاں چڑھیں وہ ان میں پھنس

گئیں، اتوار والے دن یہ جا کر انھیں لے آئے چونکہ ان ذریعوں سے یہ خدائی ممانعت کے مرتکب ہوئے۔ رب کا اشد تر سخت ترین عذاب ان پر آیا اور یہ انسانیت سے خارج ہو گئے۔ سور اور بندر بن گئے اس لیے کہ یہ ذریعہ تھا ہفتے کے دن شکار کرنے کا گو بظاہر یہ ہفتے کے دن کا شکار نہ تھا لیکن قاعدۂ شرعیہ کے مطابق فعل حرام کے ذرائع بھی حرام ہوتے ہیں۔ انہی ذرائع کے حلال کر لینے سے ان پر غضب الٰہی اور عذابِ الٰہی بدترین صورت میں نازل ہوا۔ پس صورت فعل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ حقیقت و مقصد فعل کا اور نیت و عزم فاعل کا اعتبار ہے، لیکن جن لوگوں کے نزدیک وسائل کوئی چیز نہیں جو اصل پر تو فتوے دیتے ہیں لیکن اس تک پہنچنے کے ذرائع و وسائل سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ انھیں جائز مانتے ہیں وہ تو اس صورت کو اپنے قاعدے کی بنا پر ہرگز حرام نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ انھوں نے اسی جیسے بیسیوں کاموں کو حلال کر رکھا ہے۔ ٹھیک اسی جیسا ان کا ایک مشغلہ سنئے یہ کہتے ہیں کہ محرم پر شکار کھیلنا حرام ہے لیکن اگر اس نے احرام سے پہلے جال تان دیا یا اور کوئی صورت شکار کے پھانسنے کی کر لی اور اس کے احرام کی حالت میں اس میں شکار پھنس گیا تو اسے احرام کھول لینے کے بعد اسے پکڑ لینا جائز ہے فی الواقع جو جماعت ذرائع کا اعتبار نہیں کرتی ان کے قواعد پر یہ بالکل ٹھیک ہے۔

حرام کاموں کے ذرائع کے حرام ہونے کی آخری ننانویں دلیل :

حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنے کے زمانے میں ہتھیاروں کی تجارت سے منع فرمادیا ہے۔ بلاشک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی وجہ اس ذریعہ کو روکنا ہے جو معصیت پر معاون ہے لیکن اسباب و علل کی روک ٹوک جو جماعت نہیں کرتی ان پر لازم ہے کہ وہ اس بیع کو جائز قرار دیں جیسے کہ ان سے تصریح آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بیع اعانت گناہ کی متضمن ہے۔ اس تجارت میں اس موقعہ پر ظلم و زیادتی کی امداد ہے۔ پس اس بنا پر ہمارے قاعدے کے مطابق ہر ایک وہ بیع، وہ اجارہ، وہ معاوضہ جو اللہ کی نافرمانی پر ذریعہ امداد ہو جیسے کافروں اور باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ ہتھیار بیچنا، لونڈیاں ان کے ہاتھ بیچنا جو ان لونڈیوں سے حرام کاریاں کرائیں گھر مکان وغیرہ اسے کرائے پر دینا جو وہاں شراب کے بھٹے کھولے یا ناچ گھر بنائے یا اور کوئی فسق و فجور قائم کرے چونکہ یہ سب کام اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب و غصے کے ہیں اور یہ شخص اس صورت میں ان کی اعانت کرتا ہے لہٰذا یہ کام سب حرام ہیں۔ اسی قبیل سے انگور کا رس اور شیرہ نکالنا ہے اس کے لئے جو اس سے شراب کشید کرے گا اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر اور نچوڑوانے والے پر دونوں پر لعنت فرمائی۔ ذرائع کو جو لوگ مسدود کرنے کے قائل نہیں ان پر تو ان کے اصول و قواعد کے لحاظ سے لازم ہے کہ وہ ان پر لعنت نہ کریں بلکہ اس کام کو ان کے لیے جائز کہیں کہ قصد کا کوئی اعتبار عقد میں نہیں۔ ذرائع سب غیر معتبر ہیں۔ ہم تو صرف ظاہری صورت پر حکم لگانے والے ہیں باطن اللہ کے سپرد ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے اب دیکھ لیجئے کہ اس میں اور فرمان رسول اللہ ﷺ میں منافات ہے یا نہیں؟ قطعاً ہے اور یقیناً ہے۔

چونکہ جناب باری عزوجل کے اسماء حسنیٰ ننانوے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ان کا احاطہ کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گا اس لیے ہم بھی سردست ان ننانوے دلائل پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور اس حدیث سے نیک شگونی لیتے ہیں کہ اللہ کرے جو ان ننانوے دلیلوں کو یاد کر لے اور ان پر عمل کر لے وہ جنتی ہو جائے۔ اس صورت میں جیسے کہ اس نے ان ننانوے ناموں کو محفوظ کر لیا ان ننانوے احادیث احکام کو بھی محفوظ کر لیا۔ گو ان کے سوا بھی اللہ کے بہت سے پیارے، بلند

اور پاک نام ہیں اسی طرح اس بارے میں بھی بہت سے دلائل اور بھی ہیں' بلکہ یہ بھی یاد رہے کہ ذرائع اور اسباب کی روک گویا دین کا پورا چوتھا حصّہ ہے اس لیے کہ انسانوں کو جو کچھ شرع میں کہا گیا ہے وہ یا تو حکم ہے یا ممانعت ہے۔ حکم ایک تو وہ ہے جو خود مقصود بالذات ہو اور دوسرا وہ ہے جو مقصود کا وسیلہ ہو اسی طرح ممانعت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ خود بگاڑ اور فساد اور بُرائی والی چیز سے روکنا دوسرے ایسی بُرائی کے وسیلے اور سبب اور ذریعہ کو روکنا۔ پس ثابت ہو گیا کہ ذرائع کی بندش دینِ الٰہی کا' احکام اسلام کا' مُکلف انسان کے ایمان کا پورا چوتھا حصّہ ہے۔

حیلوں کی بُرائی : اس کے برخلاف حیلوں کو جائز کرنا گویا دین کے چوتھے حصّے کو برباد کرنا ہے کیونکہ اس میں حرام کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ سارے ذرائع اور اسباب اور مقتضیات اور وسیلے انسان کے سامنے آجاتے ہیں۔ شارع تو برائیوں کے ہر ممکن طریقے کو روکتا ہے اور حیلوں کو جائز ماننے والا ہر بُرائی کے کل امکانی راستوں کو جاری کرتا ہے اور تمام بند دروازوں کو کھول دیتا ہے پس کہاں تو ان جائز کاموں کو بھی چونکہ وہ ناجائز کاموں کا ذریعہ ہو سکتے ہیں روک دینا؟ اور کہاں حیلوں کو جائز جان کر حرام تک پہنچنا؟ پس ہماری مندرجہ بالا پوری تحریر دیکھنے سے ہر ایک منصف شخص مجبور ہے کہ وہ مان لے اور دل سے یقین کر لے کہ تمام حیلے حرام ہیں۔ حیلوں پر عمل حرام ہے حیلوں کا فتویٰ دینا حرام ہے۔

لعنتی کام : لعنت کے کاموں کی ممانعت کی جتنی احادیث ہیں اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ سب انہی لوگوں کے حق میں ہیں جو اللہ کے حرام کو حلال بنا لیں۔ اللہ کے فرائض کو گرا دیں۔ حیلوں حوالوں سے خلاف شرع کریں جیسے حدیث میں ہے (۱) حلالہ کرنے والے پر اللہ کی لعنت (۲) جس کے لیے حلالہ کیا جاتا ہے اس پر اللہ کی لعنت (۳) یہودیوں پر اللہ کی لعنت کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو اُنھوں نے اسے پگھلا کر جما کر صورت بدل کر بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔ (۴) رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت۔ (۵) رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت۔ (۶) سود خوار پر اللہ کی لعنت۔ (۷) سود دینے والے پر اللہ کی لعنت۔ (۸) سودی قرض کی تحریر لکھنے والے پر اللہ کی لعنت۔ (۹) سودی لین دین کے گواہ پر اللہ کی لعنت۔ کون نہیں جانتا کہ لکھنے والا گواہ بننے والا اسی سود کو لکھتا پڑھتا ہے اسی پر گواہ بنتا ہے جو حیلے والا ہو ورنہ جو کھلا سود ہو جس میں ظاہری حیلہ نہ کیا گیا ہو مُسلمان نہ اسے لکھتا ہے نہ اس کا گواہ بنتا ہے۔ شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت کی گئی ہے جن میں وہ بھی ہے جو شیرا نچوڑے اور وہ بھی ہے جو شیرہ بنوائے۔ ظاہر ہے کہ انگوروں کا نچوڑنے والا اس وجہ سے ملعون نہیں کہ وہ انگور نچوڑتا ہے وہ حلال چیز ہے اس کا رس حلال ہے لیکن چونکہ وہ نکالتا ہے اس لیے کہ اس سے شراب بنے گی اس لیے وہ کام ملعون ہوا۔ اپنے بالوں میں بال ملانے والی عورت پر لعنت۔ ملوانے والی پر لعنت۔ گودنے والی پر لعنت۔ گدوانے والی پر لعنت۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ گودنے والی پر جو اپنے جسم کے کسی حصّے پر کوئی نقش یا کوئی تل وغیرہ گودے ترازو وغیرہ بنائے اس پر لعنت جو بنوائے اس پر لعنت۔ سود خور پر لعنت' سود کھلانے والے پر لعنت۔ حلالہ کرنے والے پر لعنت' کرانے والے پر لعنت۔ یہ سب اس لئے ملا دیئے گئے کہ ان کا سب کا ایک گناہ میں اشتراک ہے۔ دھوکہ دینے اور فریب کاری کرنے میں۔ گودنے والی اپنے اس حسن کو ظاہر کرنا چاہتی ہے جو اس میں دراصل نہیں' حلالہ کرنے والا نکاح شرعی کو ظاہر کرنا چاہتا ہے جو فی الواقع نہیں ہے۔ سود خوار فریب اور دھوکے دے کر سود خواری کرتا ہے۔ وہ بیع اور تجارت کی صورت ظاہر کرتا ہے جو دراصل نہیں ہے۔ پس یہ آخری شخص سود کو تجارت کی شکل میں' حلالہ کرنے والا

زنا کو نکاح کی صورت میں حلال کر لیتا ہے یہ لوگوں کے مالوں پر ڈاکہ ڈالتا ہے وہ لوگوں کے نسب پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جن سے یہ حدیث مروی ہے انہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ جن لوگوں میں زنا اور سود ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے آپ عذابِ الٰہی میں پھنستے ہیں۔ جن لوگوں نے اللہ کے حرام کو حیلوں سے حلال کیا تھا انھیں اللہ تعالیٰ نے سؤر اور بندر بنا دیا۔ ان کے عمل کی جنس سے ہی انھیں بدلہ اور سزا دی۔ اُنھوں نے اللہ کے حرام کی صورت بگاڑی اللہ نے ان کی صورت بگاڑ دی۔ دھوکے' فریب' مکر اور حیلے کرنے والوں کی دل میں کچھ رکھ کر زبان سے اور کچھ کہنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی۔ انھیں منافق کہا اور ان کے دھوکے کو ظاہر کیا اور فرمایا کہ یہ دل میں کچھ رکھتے ہیں زبان سے کچھ کہتے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہے ان کا باطن کچھ ہے۔ ان کے اقوال اور ہیں افعال اور ہیں یہ کل اوصاف حیلہ کرنے والوں میں بھی پائے جاتے ہیں کیا یہ دھوکہ نہیں کہ زنا کو نکاح۔ سود کو تجارت ظاہر کرنا۔ بظاہر جائز کام کرنا لیکن مقصود اس سے حرام کام کا کرنا ہو۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں مخادعہ یعنی فریب کاری کہا گیا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی اصلی غرض کچھ رکھے اور کام یا کلام اس طرح پر کرے کہ دوسرے پر اس کا اصلی مقصد نہ کھلے تو عرب میں کہا جاتا ہے کہ اسے دھوکہ دیا گیا۔ سراب ریت کے ٹیلے کو بھی دھوکہ دینے والا کہا جاتا ہے اسی لیے کہ اسے دور سے لوگ پانی سمجھتے ہیں انھیں دھوکہ لگتا ہے اس لیے کہ ظاہر میں وہ پانی معلوم ہوتا ہے اور دراصل ریت ہے۔ گوہ کو دھوکہ باز کہا جاتا ہے بلکہ عرب میں مثل مشہور ہے کہ فلاں شخص گوہ سے بھی زیادہ دھوکہ باز ہے۔ روباہ بازی کا محاورہ ملاحظہ ہو ((سوق خادعه)) کہا جاتا ہے یعنی قسم قسم کا بازار اس کی لفظی اصل چھپ جانا پس پردہ ہو جانا ہے اسی سے گھر کے اندرونی (پرائیویٹ) کمرے کو عرب میں مخدع کہتے ہیں اب آپ ان دونوں اقوال کا وزن کر لیں کہ کیا ان میں کوئی کمی بیشی یا کسی طرح کا فرق ہے؟ ایک تو دل میں کفر چھپا کر زبان سے اللہ کے ایک اور پیغمبر کے برحق ہونے کی خبر دیتا ہے۔ دوسرا زبان سے کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز تجھے ایک سو روپیہ میں بیچ دی۔ نہ اس کے دل میں ایمان ہے نہ اس کے دل میں اس چیز کی بیع ہے وہ اپنا جان و مال بچانا اور دنیوی غرض اور یہاں کا نفع اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ اس سے سود لینا اور اپنے قرض کی رقم کو بڑھانا چاہتا ہے۔ ان دونوں کو اپنے لفظ کے حقیقی معنی سے دور کا لگاؤ بھی نہیں وہ صرف اسے اپنے کفر کو چھپانے کا ذریعہ بناتا ہے یہ اسے صرف سود خواری کا ذریعہ بناتا ہے۔

یہی حال حلالہ کرنے والے حرام کار کا ہے کہ وہ لفظ تو یہ بولتا ہے کہ میں نے اس عورت کو اپنے بیوی پنے میں لی میں نے اس سے نکاح کیا میں نے اس نکاح کو قبول کیا لیکن نہ اس کا قصد نکاح سے ہے نہ کہ نکاح کے فوائد سے نہ اس عورت کا اور اس کے ولی کا قصد حقیقی نکاح ہے پس یہ تینوں دراصل ایک ہی ہیں جو صورتیں ہر طرح ایک ہوں ان میں فرق کرنا صریح قیاس کا خون کرنا ہے جب اس منافق کو شریعت نے مخادع اور فریب کار کہہ کر اسکے ظاہری الفاظ اس پر لوٹا دیئے تو وجہ کیا کہ اس کی تجارت کو' اس کے نکاح کو فریب کا لقب دے کر باطل نہ قرار دیا جائے؟ بلکہ اگر آپ غور و تامل کریں تو ظاہر ہے کہ حلالہ کرنے والوں کا اور سود خواری کو تجارت کے نام سے کرنے والوں کا مقصود نکاح و تجارت کے مقاصد کے یکسر خلاف ہے پھر اسے نکاح اور بیع قرار دینا بالکل صریح ناانصافی ہے ایک حرام کار ہے بھاڑے کا ٹٹو ہے۔ دوسرا سود خوار حیلے کا چیلا ہے۔ ان کا مقصود اللہ اور رسول ﷺ سے کھیل کرنا دینِ الٰہی سے مذاق کرنا' اور اپنی دسیسہ کاریوں سے حرام تک پہنچنا ہے لیکن ساتھ ہی شرعی سزا سے بچنا لوگوں میں اپنی دینداری قائم رکھنا ہے۔ نہ اسے حقیقی تجارت سے غرض نہ اسے حقیقی مقصد سے غرض۔ اس کی غرض اس ملعونہ بدکار عورت کو بگاڑ کر اس کے پہلے دیوث خاوند کے حوالے کرنا ہے اس کی غرض اپنے سودے

پر نفع چڑھا کر دراصل قرض پر نفع لے کر سود خوری کرنا ہے پس یہ دھوکے باز جعل ساز جو ظاہر کرتے ہیں اس کے خلاف اپنے دل میں رکھتے ہیں تو جس طرح پہلی بات نفاق تھی اسی طرح یہ دونوں باتیں بھی نفاق کی ہیں اس کا نفاق اصل دین میں تھا ان کا نفاق فرع دین میں ہے اس کی وضاحت سنیے۔ ایک شخص حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ اس کے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں کیا اب وہ اس کے لیے حلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا جو اللہ سے فریب کھیلتا ہے اللہ بھی اس سے دھوکہ کرتا ہے۔

حضرت انس اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے عینہ کی بابت پوچھا گیا تو دونوں نے فرمایا اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اسے اللہ نے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے پس دونوں صحابیوں نے اسے دھوکہ کہا۔ حضرت عثمان اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہم نے حلالہ کے نکاح کو بھی دھوکہ کہا ہے۔ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیلوں کو جائز ماننے والے اللہ سے اس طرح فریب بازی کرتے ہیں جیسے کوئی بچوں کو پھسلاتا ہو اگر یہ لوگ کھلم کھلا برائی کرتے تو اتنا بد نہ ہوتا۔ شریک بن عبداللہ قاضی حنفیوں کی کتاب الحیل کی نسبت فرماتے ہیں کہ دراصل یہ دھوکے بازی کے کرتب سکھانے والی کتاب ہے۔ الغرض حیلہ جوئی سے حرام تک پہنچنا یہ اللہ کو دھوکہ دینا ہے اور اللہ کو دھوکہ دینا حرام ہے پس ایسے کل حیلے ایک ایک کر کے سب حرام ہیں۔ ان دونوں مقدموں کا ثبوت سنیے۔ سب سے زیادہ قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو سمجھنے والے صحابہ اور تابعین ہیں وہ سب اسے فریب اور دھوکہ کہتے ہیں اس کا نام ہی ان کے نزدیک یہ ہے جب یہ پہلا مقدمہ ثابت ہو گیا تو دوسرا مقدمہ اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دھوکہ بازوں کی مذمت کی ہے۔ ان کے دھوکے کا وبال انہی پر لوٹایا ہے۔ ان کے دلوں کو مریض فرمایا ہے انھیں ان کے دھوکے کی سزا کا اعلان سنایا ہے یہ سب دھوکے کی حرمت کی صاف دلیلیں ہیں۔ اس دھوکے کا دارومدار دراصل دو اصلوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ جس مقصد کے لیے جو فعل کیا جا رہا ہے اس کے خلاف اسے ظاہر کرنا۔ دوسرے یہ کہ جس مقصد کے لیے کوئی قول کہا جا رہا ہے اس کے خلاف اسے ظاہر کرنا۔ حرام حیلوں پر یہ چیز صاف طور پر چسپاں ہے۔ مسکینوں کا حق مارنے کیلئے جن باغ والوں نے حیلہ جوئی کی اللہ نے اپنا عذاب اتار کر ان کے سارے باغ کو پھونک دیا اب جو شخص خود اللہ کا حق مارنے کیلئے حیلے کرتا ہے بتلایئے وہ کس سخت سزا کا سزاوار ہے؟ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن کے شکار میں حیلے تراشے تو ان پر لعنت اللہ نازل ہوئی۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہفتے کے دن مچھلیوں کو روک لیتے تھے اتوار کے دن پکڑ لاتے تھے اور کھاتے تھے پس مچھلیوں کا گوشت حیلہ جوئی سے کھانے والوں پر تو یہ غضب اللہ نازل ہو اور مسلمانوں کے خون، مال، عزت و ناموس حیلہ جوئی سے کھا جانے والے امن عافیت سے رہیں؟ یقین مانو کہ ان پر جلدی عذاب آیا ان پر دیر میں آئے گا اور جتنی دیر لگے گی اتنا ہی سخت اور برا ہو گا۔ مچھلیوں کو ہفتے کے دن روک لینے کا جو ذکر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے اس سے مراد حیلہ کرنا ہے جیسے سلف سے منقول ہے کہ دریا کے ارد گرد گڑھے کھود لیے جمعہ والے دن ان میں پانی کے آنے کا راستہ کر دیا ہفتے کے دن مچھلیاں چڑھتی تھیں وہ ان میں آ گئیں اُنھوں نے پانی کا راستہ بند کر دیا اور اتوار والے دن جا کر پکڑ لائے یہ مطلب نہیں کہ عین ہفتے والے دن ہی شکار بھی کیا ہو۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہوئے تھے نہ تورات کا ماننا چھوڑا تھا یہ تو ان کی صرف تاویل تھی ایک حیلہ تھا جس کا ظاہر فتوے کی صورت لیے ہوئے تھا لیکن اس کا باطن ظلم کی اور حدود الٰہی سے باہر نکل جانے کی حقیقت اپنے اندر لیے ہوئے تھا۔ یہی سزا بھی انھیں ہوئی کہ

بندر بنا دئے گئے جس کی ظاہری صورت انسان کے مشابہ اور در حقیقت جانور اور وہ بھی ایک سفلہ اور کمینہ جانور پس جبکہ یہ اپنے ظاہری فتوے اور باطنی فسق و فجور کی وجہ سے ایسے جانور بنا دیئے گئے جو ظاہری انسان سے ملتے جلتے باطنی حقیقت میں بالکل بدترین جانور اسی کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ بنو اسرائیل نے سود کھایا لوگوں کا مال باطل سے کھایا جیسے کہ قرآن نے فرمایا ہے لیکن اس حرام خوری پر وہ سزا نہ ہوئی جو مچھلی کھانے پر ہوئی اسی لیے کہ وہاں حرام کو حرام سمجھ کر گناہ کے مرتکب ہوئے لیکن اس صورت میں وہ حرام کو حیلوں سے حلال کرنے کے مرتکب ہوئے۔ چونکہ جرم بڑھ گیا اس لیے سزا بھی بڑھ گئی یہ منافقوں کی طرح ہوئے کہ وہ اپنے گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے ان کے عقیدے فاسد ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اعمال بھی۔ بخلاف سود کو حرام جان کر' لوگوں کے مالوں کو حرام جان کر گنہگار ہونے کے اس صورت میں گناہ کے گناہ ہونے کا حرام کے حرام ہونے کا اقرار ہوتا ہے۔ اللہ کی خشیت ہوتی ہے توبہ استغفار ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی دن اللہ نیک توفیق دے دیتا ہے' کم سے کم وہ شرمندہ رہتا ہے' معصیت کی ذلت اس کے دل کو پژمردہ رکھتی ہے۔ ہاں نفس و شیطان کے غلبہ کی وجہ سے نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔ مغفرت رب کا امیدوار ہوتا ہے۔ اپنے تئیں گنہگار عاصی سمجھتا ہے یہ سب ایمان کی نشانیاں ہیں جو کسی نہ کسی وقت انسان کو گناہ سے دور کر دیتی ہیں۔ بخلاف ایک مکار فریب کار حیلہ ساز روباہ باز کے کہ وہ اللہ کے دین کو اُلٹ پلٹ کرنے بیٹھتا ہے اسی لیے حضور ﷺ نے اپنی اُمت کو ڈراتے ہوئے حیلوں کے ارتکاب سے سختی سے روکا۔ فرمایا یہودیوں نے جو ارتکاب کیا تم نہ کرنا کہ ادنیٰ ادنیٰ حیلوں سے اللہ کے حرام کو حلال کرنے بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس حیلے کو بیان فرما کر' ان کی اس سزا کا بیان فرما کر' اس کی وجہ بیان فرما کر ساتھ ہی فرما کر دیا کہ ہم نے اسے اگلوں پچھلوں کے لیے ذریعہ عبرت بنا دیا ہے اور پرہیز گاروں کیلئے اسے نصیحت و عبرت کا باعث بنا دیا ہے۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ کے حرام کو حیلوں سے حلال کرنے سے بچتا رہے اس کے عذابوں سے ڈرتا رہے اور اس پر یقین رکھے کہ اس کا مکر و دھوکہ قولی ہو یا فعلی ہو اسے عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتا اس دن اللہ اسے اس کی سزا دے گا جس دن انسان پریشان ہوں گے' جس دن پہاڑوں کا چورا ہو جائے گا' جو دن ہولناکیوں اور پریشانیوں کا ہو گا' جس دن اعضائے جسم گواہی دیں گے' جس دن پوشیدگیاں کھل پڑیں گی' جس دن دل کے حالات ظاہر ہو جائیں گے' جس دن باطن کھل جائے گا' جس دن چھپا کھلا ہو جائے گا' جس دن پردے ہٹ جائیں گے' جس دن انجان چیزیں مشہور و معروف ہو جائیں گی۔ سینوں کے بھید کھل جائیں گے' قبروں میں جو ہوں گے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رب العالمین علام الغیوب کے احکام جاری ہوں گے۔ قصد و نیت پر پکڑ ہو گی یہاں کی طرح ظاہری اقوال و حرکات سامنے نہ ہوں گے' دلوں کے ایمان چہروں کو منور کر دیں گے' جو خیر خواہی دلوں میں اللہ کی' اللہ کے رسول کی' اللہ کے دین کی' شریعت رسول ﷺ کی تھی نیتوں میں جو خلوص تھا جو سچائی تھی جس نیک نیتی سے بلند و برتر اللہ کی عبادت کی تھی وہ نور بن کر وجود پر چمک اُٹھے گا۔ اسی طرح دلوں کی گندگی' نیتوں کی خرابی' مکرو فریب' دھوکہ' دغابازی اور حیلہ سازی اندرونی بد ارادے چہروں کو سیاہ کر دیں گے۔ اس دن معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کو دھوکہ نہیں دیا تھا بلکہ خود اپنی جانوں کو دھوکہ دیا تھا دین سے نہیں کھیلے تھے بلکہ جہنم کی آگ سے کھیل کیا تھا۔ جو مکر کیا تھا جو حیلے کیے تھے اس کا وبال اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے جو نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھ لیں گے۔

اس حدیث کا مطلب کہ اعمال نیتوں سے ہی ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی دراصل انہی مکاروں اور عیاروں سے ہے آپ نے بیان فرما دیا کہ اعمال مقاصد و نیت کے ساتھ ہیں بندے کا ظاہری قول و فعل کوئی چیز

نہیں صرف نیت اور باطن ہی اللہ کے نزدیک چیز ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حلالہ کرنے والا نکاح کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ اس کی یہ نیت نہیں۔ سودی بیع کرنے والا بیع کرنے والا نہیں اس لیے کہ اس کی یہ نیت نہیں۔ مکروفریب' دھوکہ' جعل اور حیلہ کرنے والا مکار و مخادع ہی ہے۔ پس صرف یہی ایک حدیث تمام حیلوں کی جان نکال لینے کے لیے کافی وافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ الامت امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں حیلوں کے بطلان کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجر اُمِ قیس کی ہجرت کو اسی لیے باطل قرار دیا کہ اس نے ایک عورت کے پیچھے ہجرت کی تھی نہ کہ اللہ اور رسول ﷺ کے لئے۔ اور دیکھئے ایک حدیث میں ہے کہ خریدوفروخت کرنے والے دونوں اختیار سے ہیں جب تک کہ جدا جدا نہ ہوں یہ اور بات ہے کہ بیوپار اختیار کا ہو کسی کو ان دونوں میں سے یہ حلال نہیں کہ جدا اس ڈر سے ہو جائے کہ کہیں وہ واپس نہ کر دے۔ اسی سے حضرت امام احمد علیہ الصمد نے استدلال کیا ہے کہ اس میں حیلوں کے باطل ہونے کی زبردست اور کھلی دلیل ہے۔ اکثر فقہاء پر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل مشکل پڑا ہے کہ جب وہ بیع کو لازم کرنا چاہتے تھے تو چند قدم چلے جاتے تھے لیکن بحمد للہ فی الواقع حدیث میں کوئی اشکال نہیں بلکہ حیلوں کے باطل ہونے پر یہ کھلی دلیل ہے کہ ہر وہ حیلہ حرام ہے جس سے کسی حقدار کا حق مارا جاتا ہو۔ شارع صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ نے اسی بیٹھک میں جس میں لین دین ہوا ہے اختیار باقی رکھا ہے دونوں کیلئے حکمت و مصلحت اسی میں ہے اسی سے پوری رضامندی حاصل ہو سکتی ہے جو بیع کی اصل شرط ہے کبھی اچانک کھڑے کھڑے ہی سودا ہو جاتا ہے نہ چیز پر اچھی طرح غور کیا جا سکتا ہے نہ بھاؤ پر اچھی طرح ذہن دوڑایا جاتا ہے پس ہماری اس کامل اور بہترین شریعت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ کچھ وقت وقت نظر اور فہم کامل کے لیے دے سودے کا کوئی حصار کھینچ دے کہ اس کے اندر فریقین کو بیع توڑنے کا اختیار ہے تاکہ سودے کا عیب اگر مخفی ہے تو کھل جائے بھاؤ تاؤ ذہن میں آ جائے۔

پس اس پاک حکم میں دونوں کی بھلائی ہے خلقت کی مصلحت اسی میں ہے اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کا غبن کرنے کیلئے اسی وقت الگ ہو جانے تو مصلحت فوت ہو جاتی ہے فرض کرو کہ ایک نے غور و خوض کر لیا لیکن کیا خبر ابھی دوسرا بھی پختگی تک پہنچا ہے یا نہیں؟ پس اسے مہلت نہ دینا اور بھاگ کھڑا ہونا اس کی مصلحت کو کھو دینا ہے اور یہ حیلہ ہو جاتا ہے اس کے اختیار کو فوت کر دینے کا۔ پس اگر وہ کسی کام کے لیے گیا یا نماز کیلئے یا اور کسی ضرورت کے لیے جلدی چلا گیا تو اس کا مقصد اپنے بھائی کے حق کو باطل کرنا نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس نہی تحریمی میں بھی نہیں ہے اور نہ اسے حق اختیار کے زائل کرنے کا حیلہ کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ ذرائع والے جب کسی مصلحت کو راجح دیکھتے ہیں یا اس میں کوئی فساد پاتے ہیں تو اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے پس اگر بیع کرنے والے کو الگ ہونے سے منع کر دیا جاتا جب تک کہ دوسرا کھڑا نہ ہو تو اس میں اس پر سخت مشکل تھی اور اس کے نقصان کی وجہ راجح تھی پس شریعت مطہرہ نے اس بارے میں کامل انصاف کیا اور دونوں کی مصلحت کا دور اندیشانہ حکم دے کر دونوں کو نقصان سے بچایا۔ ((فللّٰہ الحمد)) ۔ آپ حضرات آنحضرت ﷺ کے اس پاک فرمان پر بھی نظریں ڈال جایئے کہ یہودیوں کا سا فعل نہ کرو کہ اللہ کے حرام کو ادنیٰ حیلوں سے حلال کر لو۔ سہل اور قریب کے مکروفریب کر کے حرام میں واقع ہو جاؤ۔ حدیث میں لفظ ادنیٰ کا ہے اس پر بھی غور فرمایئے کہ تین طلاقوں والے پر سب سے آسان حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی کو دس پانچ دے کر طے کر لے کہ وہ ایک رات اس کی بیوی کو اپنی بغل میں لے کر پھر وہ جھوٹی ہڈی اس کتے کی طرف پھینک دے اور اسے چھوڑتا رہے اس کے برخلاف شرعی نکاح کے

طریقے میں دشواریاں ہیں وہ رغبت کا نکاح ہوتا ہے اس سے پہلے خاوند کی طرف لوٹنا بہت مشکل ہو پڑتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ہزار کی رقم بطور سود دے کر اس کے ڈیڑھ ہزار وصول کرنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ بہت مشکل ہے محال اور حرام ہے کہ اس صورت کو سود پر کرے۔ اس سے یہ بہت آسان حیلہ ہے کہ اسے ایک ہزار قرض دے اور ایک کپڑے کا ٹکڑا اس کے ہاتھ پانچ سو روپے میں بیچ دے ڈیڑھ ہزار ایک ہزار کے بدلے قائم ہو گئے۔

اسی طرح کا یہود کا حیلہ تھا کہ جمعہ کے دن کانٹے ڈال دیئے ہفتے کے دن مچھلیاں آئیں ان میں پھنس گئیں اتوار کو جا کر پکڑ لائے۔ اسی طرح چربی گھلا لی اور بیچ دی اور قیمت کھا گئے یہ ہیں حیلے جنھیں اس حدیث میں ادنیٰ حیلے کہا گیا ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب لوگ روپے پیسے کی چاہت میں پڑ جائیں گے' نقدی کی بیع کرنے لگیں گے' بیلوں کی دمیں تھام لیں گے' راہ اللہ کا جہاد چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت ڈال دے گا اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف پلٹ کر آجائیں اس ذلت کو اللہ تعالیٰ ان پر سے نہ ہٹائے گا۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔ ہمارے شیخ کا فرمان ہے کہ یہ دونوں سندیں حسن ہیں ایک دوسری کو مضبوط اور قوی کرتی ہے پہلی کی اسناد کے راوی سب مشہور ائمہ ہیں ہاں خوف صرف اس بات کا تھا کہ شاید عطا سے اعمش نے نہ سنا ہو یا عطا نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے نہ سنا ہو لیکن دوسری سند نے بتلا دیا کہ حدیث کی اصل محفوظ ہے۔ عطا خراسانی مشہور ثقہ ہیں اسی طرح حیوہ بن شریح بھی۔ بلکہ اور افضل۔ اسحاق بن عبدالرحمٰن ایک شیخ ہیں جن سے مصری ائمہ روایت کرتے ہیں جیسے حیوہ بن شریح لیث بن سعد' یحییٰ بن ایوب وغیرہ اس کا تیسرا طریقہ سری بن سہل مسابوری سے مشہور سند کے ساتھ ہے اس میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم پر ایسا زمانہ بھی گزر چکا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے مال کا اپنے تئیں اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ حقدار نہیں سمجھتا تھا لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ اپنے مال میں بخیلی کرنے لگیں گے نقدی کی تجارت کرنے لگیں گے جہاد کو چھوڑ دیں گے' بیلوں کی دموں کے پیچھے پڑ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت ڈال دے گا اور وہ ذلت ان سے الگ نہ ہو گی جب تک وہ توبہ کر کے اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آئیں۔ اس سے بھی اس حدیث کی اصل ثابت ہوتی ہے حافظ محمد بن عبداللہ المعروف بہ مطین اپنی کتاب البیوع میں لائے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عینہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے اسی کتاب میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اس عینہ سے بچو ایک درہم کو کئی درہموں کے بدلے نہ بیچو کہ درمیان میں ایک چیتھڑا رکھ دیا۔

ایک روایت میں ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس صرافے سے بچو ایک درہم کو کئی درہموں کے بدلے درمیان میں کپڑے کا ٹکڑا رکھ کر فروخت نہ کرو اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک ٹکڑا ریشم کا سو روپے کے بدلے بیچا پھر اس سے پچاس میں خرید کر لیا جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ صرافے کی کمی زیادتی کے ساتھ بیع ہے (جو حرام اور سود ہے) اور روایت میں ہے کہ جب آپ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ دھوکہ ہے اللہ پر کسی کا دھوکہ نہیں چل سکتا اسے اللہ اور رسول نے حرام فرمایا ہے۔ ابنِ بطہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ وہ سود کو بیوپار کی شکل میں لا کر حلال کر لیں گے اس سے مراد یہی عینہ ہے۔ یہ مرسل حدیث بطور شاہد اور مدد کے لینے کے قابل ہے کیونکہ اسی پر مسئلے کا مدار و اعتماد نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ابواسحاق سبیعی کی عورت اور زید بن ارقم کی اُمّ ولد اور ایک اور

عورت گئیں۔ اُمّ ولد زید نے ان سے کہا کہ میں نے زید کے ہاتھ ایک غلام آٹھ سو میں ادھار بیچا پھر اسے چھ سو میں نقد خرید لیا۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جاؤ زید سے کہہ دو کہ اُنھوں نے اپنے اس جہاد کے ثواب کو جو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا باطل کر دیا۔ ورنہ وہ اس سے توبہ کرلیں تم دونوں نے بہت ہی بری خرید وفروخت کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے راوی بھی ہیں اور اسی پر ان کا عمل بھی ہے اس حدیث میں ایک راوی شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور جس حدیث کے راوی امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں اسے مضبوطی سے ہاتھوں ہاتھ لے لینا چاہیے جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو رکھ لیا اس نے اپنا دین مضبوط کرلیا۔ خود ابو اسحاق جن کی بیوی صاحبہ اس واقعہ میں موجود تھیں یہ اسلام کے بڑے بڑے اماموں میں سے ایک ہیں وہ اپنی بیوی سے اسے روایت کرتے ہیں۔ پس ان کی عدالت اور ثقاہت کا ان سے بہتر گواہ اور ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہو گا؟ یہ بالکل ناممکن ہے کہ اتنے بڑے امام کسی راوی سے ایسی اہم روایت کریں جو اُمت پر ایک چیز کو حرام کرنے والی ہو اور اس کی ثقاہت پر نظریں بھی نہ ڈالیں۔ نہ ان پر جرح کا ایک حرف زبان سے نکالیں بلکہ دین اللہ میں ان سے روایت لے لیں حالانکہ وہ غیر ثقہ ہو یہ بالکل ان ہونی بات ہے۔ امام ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ تو ایک بہت بڑی ہستی کے محدث ہیں ان سے بہت ہی کمزور محدث کی نسبت بھی اتنی بڑی بد ظنی نہیں کی جا سکتی۔ پھر یہ بات بھی دیکھ لو کہ یہ عورت خود تابعیہ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم سیکھتی ہیں ان کے پاس آتی جاتی ہیں ان سے روایت بیان کرتی ہیں لیکن ایک کلمہ بھی کسی سے ان پر جرح کا مروی نہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ تابعین میں جھوٹ اور فسق ظاہر نہیں ہوا تھا جس سے ان کی روایت رد کر دی جائے۔ پھر یہ بیوی صاحبہ تو مشہور و معروف ہیں' ان کا نام عالیہ تھا یہ اسرائیل کی دادی ہیں جیسے کہ اسے حرب نے اسرائیل کی حدیث سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق نے فرمایا اسرائیل کی دادی عالیہ سے پس اسرائیل بن یونس بن اسحاق ہیں عالیہ حضرت ابو اسحاق کی بیوی ہیں یونس کی دادی ہیں یہ دونوں اس سنّت کو انہی سے لیتے ہیں یہ اپنی دادی سے خوب واقف ہیں اور وہ اپنی بیوی سے پھر ایک وجہ اس حدیث کے معتبر ہونے کی یہ بھی ہے کہ نہ تو تابعین میں سے کسی نے مائی عالیہ رحمہا اللہ پر اس حدیث کا انکار کیا نہ ان پر کوئی جرح کی۔ عادۃً یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص کسی باطل حدیث کو روایت کرے اُمت میں اس کی شہرت ہو پھر بھی کوئی اس پر ایک حرف نہ رکھے۔ پھر ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ حدیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہو وہ دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث محفوظ ہے۔ وہ قصہ بیان ہو چکا ہے اور سند سے یہ قصہ اس طرح ہے کہ حضرت عالیہ فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی آپ نے ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ سب سے پہلے اُمّ محبہ نے کہا کہ اے اُمّ المومنین آپ زید بن ارقم کو جانتی ہیں؟ مائی صاحبہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ کہا میں نے ان کے ہاتھ اپنی ایک لونڈی آٹھ سو درہم میں بیچی کہ جب خزانہ شاہی سے انھیں رقم ملے گی وہ مجھے ادا کر دیں گے اُنھوں نے پھر اسے بیچنا چاہا تو میں نے چھ سو نقد دے کر خرید کرلی۔ آپ یہ سن کر سخت غضبناک ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ بیچنا بھی برا اور خریدنا بھی برا۔ زید رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے کہہ دو کہ اُنھوں نے اپنے جہاد کو باطل کر دیا یہ اور بات ہے کہ وہ اب بھی توبہ کر لیں یہ سن کر اُمّ محبہ تو دم بخود ہو گئیں دیر تک سکتے میں رہیں پھر کہنے لگیں اچھا اے ہماری اور اے تمام مُسلمانوں کی اماں جان اگر میں نے جتنے میں وہ لونڈی انھیں دی ہے اتنے میں ہی خریدوں تو؟ یہ سن کر اُمّ المؤمنین نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ﴾ (بقرہ: ۲۷۵) یعنی جس کے پاس اس کے رب کی نصیحت آئی اور وہ

برائی سے باز آگیا تو اس کا گناہ جو پہلے ہوا تھا معاف ہے۔ اور سنیے بالفرض یہ حدیث مفید یقین نہ بھی ہو تاہم مفید ظن غالب تو ضرور ہے جبکہ یہ روایت احادیث سے اور آثار سے ملالی جائے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو آثار اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں وہ سب اس کے موافق ہیں اسی سے نکلے ہیں اور اسی کی تفسیر ہیں۔ اگر بالفرض وہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم نہ بھی ہوتے تو قیاس اور بندوں کی مصلحت اور احکام شرع کی حکمت کا تقاضا بھی سود کی حرمت سے زیادہ اس کی حرمت کا ہے کیونکہ اس میں سود بھی ہے اور پھر ادنیٰ سے حیلے سے اسے حلال کر لینا بھی ہے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ جو شریعت سود کی حرمت میں اس کے فساد کو پیش نظر رکھ کر اتنا مبالغہ کرے کہ اس کے لینے والے بلکہ دینے والے کو بھی ملعون کہے انھیں اللہ سے جنگ کرنے والے ٹھہرائے کیسے ممکن ہے کہ وہی شریعت ذرا سے ہیر پھیر سے پھر اسی سود کو جس میں ایک واہی حیلہ بھی ہے مباح کر دے؟ پھر آپ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس صورت کی حرمت کی واضح دلیل نہ ہوتی تو کیسے ممکن تھا کہ آپ بلا خوف و خطر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ دے دیتیں؟ پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے جہاد کو باطل کرنے والی چیز سوا مرتد ہونے کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اسی قصد سے یہ فتویٰ دیا ہے تو ظاہر ہے کہ مرتد ہونے کی کوئی وجہ اس صورت میں بجز اس کے نہیں کہ سود کی حرمت کو حلال کر لیا اس طرح اس سودے کی حرمت اور بھی سخت تر ہو جاتی ہے۔

رہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آپ کا معذور جاننا اس کی وجہ ان کی بے خبری تھی جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی اسی بنا پر معذور سمجھا گیا کہ انھیں خبر نہ تھی اور وہ ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچنا مباح جانتے تھے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصد نہ ہو تا تو کم از کم یہ قصد تو ضرور ہو گا کہ یہ بیع اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ جس کا گناہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے جہاد کے ثواب کو برباد کر دیتا ہے گویا یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کوئی نیکی کرے اس کے بعد کوئی اتنا ہی بڑا گناہ کرے جو اس نیکی کو سرے سے برباد کر دے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ اجتہاد تھا تو یہ قول بالکل غلط ہے اگر ایسا ہو تا تو نہ آپ اس بیع سے منع فرماتیں' نہ ان کے جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ لگاتیں نہ انھیں توبہ کرنے کی نصیحت کرتیں۔ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد کو باطل نہیں کرتا اجتہاد سے کسی عمل کے بطلان کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ مقابلے میں بھی اجتہاد ہو۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی نسبت اتنی بدگمانی نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ گمان کیا جائے؟ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے خوب واقف تھیں جو دینِ الٰہی کی فقہ سے خوب آگاہ تھیں اور سنیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرافے کی اس بیع کی کھلے لفظوں میں ممانعت کی ہے جیسے حضرت عائشہ' حضرت عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ان بزرگوں نے اس بارے میں بہت سختی کی ہے مختلف اوقات اور مختلف واقعات میں ان سے یہ مروی ہے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کی رخصت نہیں آئی بلکہ کسی تابعی نے بھی اسے جائز نہیں بتلایا تو یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہو گیا۔

یہ **اعتراض** ہو سکتا ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مخالف ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا۔ یہ مسئلہ اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو قول ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسے کبھی حلال نہیں کہا نہ کبھی اس کا فتویٰ دیا۔ انسان کا مذہب اس کے عمل سے نہیں لیا جا سکتا ممکن ہے غلطی ہو گئی ہو ممکن ہے ذھول ہو گیا ہو ممکن ہے بھول ہو گئی ہو بلا تامل کوئی کام کر لیا ہو کوئی تاویل کر لی ہو۔ کوئی گناہ ہو گیا ہو جس سے وہ بعد میں توبہ کر لے یا اس کی نیکیاں اتنی ہوں کہ یہ برائی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ علم علم روایت ہے یعنی یہ کہنا کہ میں نے فلاں کو دیکھا وہ یوں اور یوں کرتا تھا کیا عجب کہ کام کے کرتے وقت اسے مسئلہ یاد نہ رہا ہو۔ حضرت ایاس بن معاویہ کا فرمان ہے کہ کسی فقیہ کے عمل کو نہ دیکھو بلکہ اس سے سوال کرو۔ یہ مروی نہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بتلانے کے بعد بھی اس مسئلہ پر اور اپنے اس فعل پر اصرار کیا ہو' بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک بڑا آدمی بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھتا ہے اس کے فساد کی طرف اس کی نگاہ عجلت میں نہیں پڑتی لیکن جب اسے بتلا دیا جائے تو وہ اپنی غلطی پر نادم ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے عمل میں اتنے سارے احتمالات موجود ہیں پھر کیسے کسی کو جائز ہو گا کہ اسے ایک محکم فتوے پر مقدم کر دے؟ بلکہ انصاف کی رو سے کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ مسئلہ صرافہ کے جواز کی نسبت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف کرے۔ بالخصوص جبکہ ان کے گھر میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اسی مسئلہ کے دریافت کرنے کیلئے جاتی ہیں اور وہاں سے اس کے برخلاف فتوئ پاتی ہیں اور اپنے عمل پر نادم ہو جاتی ہیں۔ یہ صاف دلیل ہے اس پر کہ اس بیع سے دونوں پختگی پر نہ تھے اس کی صحت کے قائل نہ تھے بیع کر لی تھی لیکن دل میں دُغدا تھا کہ آیا یہ مباح بھی ہے یا نہیں؟ جب دریافت کیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ ناجائز بلکہ حرام بلکہ حرام کو حیلے سے حلال کر لینا ہے اسی طرح اس بیع پر اگر آپ منصفانہ نظریں ڈالیں تو اس میں آپ کو ایک اور زبردست فساد بھی برملا نظر آئے گا وہ یہ کہ یہ بیقراری اور اضطراری کی بیع ہے ورنہ کسی کو کیا پڑی کہ ہزار کی چیز لے کر اپنے ذمے ڈیڑھ ہزار اوڑھ لے؟ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مضطر کی بیع سے اور دھوکے کی بیع سے اور پھلوں کو ان کے پکنے کے قابل ہونے سے پہلے کی بیع سے ممانعت فرما دی ہے۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا کہ جن کے پاس کچھ ہو گا وہ اس پر دانت گڑا کر بیٹھ جائیں گے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچائیں گے حالانکہ فرمان الٰہی ہے کہ آپس میں احسان کرنے کو بھول نہ جاؤ اس وقت شریر لوگوں کی عزت ہونے لگے گی بھلے لوگوں کو کوئی نہ پوچھے گا مضطر اور بے قرار لوگوں سے ان کی چیزوں کی بیع ہونے لگے گی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں سے ان کی چیزیں ایسے وقت کم قیمت پر خریدنی منع فرما دی ہیں۔ آپ نے دھوکے کی بیع کو اور پھل کھانے کے قابل ہوں اس سے پہلے کی بیع کو بھی منع فرمایا ہے۔ اس کی شہادت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تمہارے اس زمانے کے بعد ایک کاٹنے والا زمانہ آئے گا جس میں مالدار لوگ اپنے مال کو دبا بیٹھیں گے وہ کسی کو کوڑی بھی نہیں پر کھائیں گے حالانکہ فرمانِ الٰہی ہے جو تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا وہ بہترین رزاق ہے اس وقت اللہ کی مخلوق کے بدترین لوگوں کی پوچھ گچھ ہونے لگے گی اس وقت بیچارگی کی حالت میں پھنسے ہوئے لوگوں سے ان کی چیزیں خرید لی جائیں گی۔ خبردار مضطر شخص کی بیع جائز نہیں' مُسلمان مُسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کی خیانت کرے۔ اگر تمہارے پاس کچھ زیادہ ہو تو اپنے دوسرے مسکین بھائیوں کی خبر لو اسے اپنی ہلاکت پر ہلاکت کا ذریعہ نہ بناؤ۔

خیال فرمایئے اس میں صداقت نبوت کی کتنی زبردست دلیل ہے عموماً عین کی بیع مضطر شخص ہی کرتا ہے جسے نہ تو قرض ملتا ہو نہ اس کے پاس کچھ ہو وہ مسکین سو کو دو سو سے لیتا ہے پھر اسے بیچنے والے کے ہاتھ سو میں بیچ کر روپیہ حاصل کرتا ہے ملتا ہے سو مقروض ہوتا ہے دو سو کا۔ اسی کو بیع عینہ کہتے ہیں اگر یہ دوسرے کے ہاتھ بیچے تو اسے تورق کہتے ہیں اور اگر اس میں تیسرا بیچ میں پڑے تو وہ سود کو حلال کرنے والا ہے ان تینوں صورتوں کو یہ بیاج خورے برتتے رہتے ہیں ان میں سب سے

ہلکی صورت تورق کی ہے اسے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ کہا ہے اور فرمایا ہے یہ سود کی چھوٹی بہن ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ جس روایت میں مکروہ فرمایا ہے اس میں اسی اضطرار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت الامام کی یہ اعلیٰ درجے کی فقہ ہے اسے وہ شخص منظور کرتا ہے جسے اضطرار ہو۔ ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے منع فرماتے تھے بار بار اس مسئلہ میں آپ سے گفتگو ہوئی لیکن آپ نے ایک بار بھی اس کی رخصت نہ دی یہ میرے سامنے کی بات ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جس وجہ سے سود حرام ہوا ہے وہ وجہ پوری کی پوری اس صورت تورق میں بھی موجود ہے بلکہ اس میں اور بھی تکلیف ہے کہ ایک چیز کو خریدو پھر اسے بیچو اس میں نقصان اٹھاؤ اور خسارہ میں رہو۔ غور تو کرو کہ اس سے کم نقصان والی صورت کو جبکہ شرع نے حرام کہا تو اسے وہ حرام کیسے نہ کہے گی؟ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی اس کی حرمت پر استدلال ہو سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا ادھار اور بیع جائز نہیں ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرے یا تو اس کیلئے کمی والی بیع ہے یا سود۔ غور فرمایئے یہ صورت بعینہٖ عینہ کی بیع میں ہے۔

حیلوں کی حرمت :

پر دلالت کرنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ خشکی کا شکار درآنحالیکہ تم احرام میں ہو تم پر حلال ہے جب کہ کوئی غیر محرم اسے خاص تمہارے لیے شکار نہ کرے یا تم آپ نہ کرو۔ (رواہ اہل السنن) یہ حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ایک شخص دوسرے کو قرض دیتا ہے وہ اسے ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کرائے تو کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا نہ اس ہدیئے کو قبول کرے نہ اس کے جانور پر سواری لے ہاں یہ اور بات ہے کہ قرض سے پہلے ہی سے ان کے درمیان ایسا ہوتا چلا آیا ہو۔ (ابن ماجہ) اس کے راوی یحییٰ بن یزید ھنائی مسلم کے راویوں میں سے ہیں عتبہ بن حمید کی روایت ان سے مشہور ہے۔ امام ابوحاتم رجال کی پرکھ میں بہت سختی کرتے ہیں باوجود اس کے آپ فرماتے ہیں کہ یہ صالح الحدیث ہیں ہاں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ قوی نہیں اسماعیل بن عیاش جو روایت شامیوں سے کریں اس میں وہ ثقہ ہیں اسے سعید نے اپنی سنن میں انہی سے روایت کی ہے اس میں ان کے استاد یزید بن ابواسحاق ہنائی ہیں۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اسی طرح یہ روایت تاریخ بخاری میں بھی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کو قرض دے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرے۔ ہمارے شیخ فرماتے ہیں اس میں نام پلٹ دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے ابوبردہ بن موسیٰ فرماتے ہیں میں مدینہ شریف میں آیا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا تو ایسی جگہ ہے جہاں سود جاری ہو گیا ہے سن اگر تیرا حق کسی پر ہو اور وہ تجھے ہدیہ دے کٹی کی گٹھڑی جو کا بورا پنیر کے ٹکڑے تو اسے ہرگز نہ لینا یاد رکھ یہی سود ہے۔ سنن سعید میں یہی معنی حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک صاحب آتے ہیں اور مسئلہ دریافت کرتے ہیں کہ ایک صاحب سے میری کوئی قدیمی جان پہچان نہ تھی وہ مجھ سے کچھ قرض لے گئے ہیں اب اُنھوں نے مجھے ایک قیمتی چیز بطور ہدیہ بھیجی ہے تو اس کے لینے میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہ لو اور اگر لو تو اس کی قیمت مجرا دے دو۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے ایک مچھلی فروش کو بیس درہم قرض دیئے اس نے میرے پاس ایک مچھلی بھیجی ہے جو غالباً تیرہ درہم قیمت کی ہو گی یہ اس نے بطور ہدیہ بھیجی ہے آپ نے فرمایا یہ

ٹھیک نہیں اس کی قیمت سات درہم سمجھو اور اپنے اصلی قرضے میں اسے وضع کر دو۔

حرب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کرتے ہیں کہ جب تو نے کسی کو قرض دیا پھر اس کے بدلے اس سے کوئی ہدیہ کوئی عاریت کی چیز کسی جانور کی سواری نہ لینا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپکے اصحاب نے قرض دینے والے کو اس کا ہدیہ وغیرہ لینے سے منع فرما دیا جسے قرض دیا ہے جب تک کہ اس پر قرض کی رقم باقی ہے۔ کیونکہ عموماً یہ ہدیہ اس قرض کی رقم کی رقم کو موخر کرانے کی نیت سے ہوتا ہے کہ قرض خواہ اسے چاٹ کر کچھ دن خاموش ہو جائے تقاضا نہ کرے گو بظاہر یہ شرط نہ بھی ہوئی ہو۔ آپ نے دیکھا کہ ان ذرائع کو جو سود ہو سکتے تھے شریعت نے کس سختی سے روکا؟ پھر حیلے کر کے سود خوری کرنا کیسے جائز ہو جائے گا؟ لیکن جن لوگوں نے ذرائع کو نہیں روکا مقاصد کی رعایت نہیں کی حیلوں کو حرام نہیں کہا ان کے نزدیک یہ سب کچھ مباح میں داخل ہے۔

پس ناظرین کو چاہیے کہ سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فتاویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقدم کریں وہی تابعداری کے لائق ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ادھار اور بیع ناجائز ہے یہ اسی لیے کہ یہ بھی سود کا حیلہ بنتا ہے۔ حیلوں کی حرمت پر اس حدیث کی دلالت بھی واضح ہے کہ آپ فرماتے ہیں متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے اور یکجائی جانوروں میں تفریق نہ کی جائے۔ زکوٰۃ کے خوف سے یہ قطعی دلیل ہے کہ ہر وہ حیلہ جس سے زکوٰۃ نہ دینی آئے یا اس سے زکوٰۃ میں کمی ہو جائے حرام ہے جو شخص نصاب کو کم کر دینے کی نیت سے سال کے ختم ہونے سے پہلے کچھ بیچ دیتا ہے وہ یقیناً جمع میں تفریق کرنے والا ہے اس کے اس دھوکے سے زکوٰۃ نہیں ٹل سکتی۔ حیلوں کی حرمت پر قرآنِ کریم کی یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے : ﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾ (مدثر :٦) جس کا مطلب بقول سلف مفسرین کے یہ ہے کہ کچھ دے کر اس سے زیادہ طلب نہ کرو۔ ہدیہ اس لیے نہ دو کہ اس سے بڑھتی ملے۔ یہ سب دلائل بتلا رہے ہیں کہ کسی حرام کی صورت اگر حلال کی بنالی جائے تو وہ حکماً حلال نہ ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں مقصد فاسد ہوتا ہے عقد میں جو صورت بگاڑ پیدا کرتی ہے اسے کسی طرح سے بھی اگر ثابت رکھا گیا تو وہ عقد باطل ہے اگر ظاہراً کیا گیا ہے تو فساد و بطلان ظاہر ہے اور اگر قصد میں نیت میں رکھا گیا ہے تو یہ دھوکہ' فریب' مکر اور چال بازی ہے۔ اس کا فساد ظاہری فساد سے بھی عموماً بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس میں چالاکی ہے اور کبھی اظہار بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس میں حرام کا اعلان اور اظہار ہوتا ہے بہرصورت دونوں صورتیں حرام ہیں۔ حیلوں کی حرمت کی ایک بہترین دلیل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع ہے اور ان کا اجماع زبردست قاطع دلیل ہے جس کی پختگی یقینی ہے۔ جو شخص ان کے اجماع کو خدائی احکام میں دلیل بنالے اس نے اپنے دین کو مضبوط کر لیا۔ ان دونوں مقدموں کا بیان سنیے۔

پہلے مقدمے کا بیان :

امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر اپنے خطبے میں فرمایا کہ جو حلالہ کرے گا اور جو کرائے گا میں دونوں کو رجم کر دوں گا۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے برقرار رکھا۔ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہم نے فتویٰ دیا ہے کہ اس حلالہ کے نکاح سے عورت حلال نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ اُنھوں نے قرضدار سے قرض خواہ کو ہدیہ قبول کرنے سے ممانعت فرمائی اور اس کی قبولیت کو سود قرار دیا۔ جیسے کہ حضرت ابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت ابنِ عمرؓ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم یہ بھی گزر چکا ہے کہ مسئلہ عینہ میں حضرت عائشہ' حضرت ابنِ عباس' حضرت انس رضی اللہ عنہم نے حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور اس میں بہت تشدد کیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی

بن کعب وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ہے کہ جس عورت کو موت کی بیماری میں اس کے خاوند نے طلاق بتہ دی وہ اپنے خاوند کی وارث ہوگی تمام مہاجرین اور انصار نے اس فتوے کی موافقت کی ہے جن میں اہل بدر ہیں بیت الرضوان والے ہیں اور دوسرے بھی ہیں۔ اب خیال فرمایئے کہ یہ متعدد واقعات ہیں کئی اشخاص کے ہیں۔ مختلف اوقات میں ہیں عادۃً ان کی شہرت اور ظہور یقینی ہے اس لیے اور اس لیے بھی کہ یہ بزرگ حضرات بڑے بڑے فقیہ تھے جنؓ کے فرمان لکھ لیے جاتے تھے جن کی طرف فتووں کی انتہا تھی لوگ تمام مثل شخص واحد کے ان کے گرویدہ تھے ان کے فیصلوں پر جھرمٹ مار کر گرتے تھے باوجود اس کے یہ ہرگز منقول نہیں کہ کسی نے بھی اس مسئلہ سے اور ان فتووں سے انکار کیا ہو یا ان کا خلاف کیا ہو اور حیلوں کو مباح کہا ہو باوجودیکہ زمانہ گزرتا گیا سکوت کے اسباب مٹتے گئے۔ پس جبکہ دین کے ان پاک اور مضبوط ستونوں کا یہ فیصلہ حلالہ کے بارے میں عینہ کے بارے میں' قرض دار کے ہدیئے کے بارے میں موجود ہے اور صاف ہیں اور سختی والے ہیں۔ پھر خیال کر لیجئے کہ یہ بزرگان دین ان حیلوں کے بارے میں کس قدر سختی کریں گے؟ جو مُسلمانوں کے حقوق پامال کرنے کے لیے ہوں بلکہ رب العالمین کے حقوق بھی گرا دیتے ہوں۔ جن سے شرمگاہیں اور مال لوگوں کے قبضے سے نکل جاتے ہوں' جن سے غلط سودے صحیح ہو جاتے ہوں' جن سے اصول دین گر جاتے ہوں' جن سے دینِ الٰہی بچوں کا کھلونا بن جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی پر قربان جائیں کہ اس پاک زمانے کے ان پاکبازوں کو اللہ نے ان حیلہ جویوں کی شکل دیکھنے سے بھی بچالیا ان کے جائز لکھنے والوں کے کلام سے بھی ان کے کانوں کو تکلیف نہ دی۔ جیسے کہ انھیں جہمیہ' معتزلہ' حلولیہ' اتحادیہ وغیرہ فرقوں کی دیدوشنید سے بچالیا الغرض جب ذرا ذرا سے حیلوں کی اتنی اشد مخالفت ان بزرگوں نے کی تو بڑے بڑے حیلوں کی تردید تو بطورِ اولیٰ ہو گئی پس سچ یہی ہے کہ ابطالِ حیل پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

دوسرا مقدمہ : پس ہر وہ شخص جسے آیات قرآنیہ اصول فقہ اور مسائل فروعی کی معرفت ہے پھر ہے بھی وہ منصف مزاج اسے اس بات میں کوئی شک نہیں رہ سکتا کہ حیلوں کے باطل ہونے پر ان کی حرمت پر ان کے دینِ الٰہی سے صریح خلاف ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ تقریری اجماع عمل بالقیاس وغیرہ کے اجماع کے دعووں سے کہیں زیادہ ظاہر ہے جیسے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ غسل یوم جمعہ کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے اور امہات اولاد کی بیع نہ کرنے پر اجماع ہے اور ایک ساتھ کی تینوں طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب ان مسائل میں یہ حضرات اجماع کا دعویٰ کر چکے ہیں حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان میں اس کی چوتھائی بھی ثابت نہیں جو ابطال حیل میں ہے تو پھر کیا وجہ کہ اس میں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم تسلیم نہ کیا جائے؟ آپ اگر غور فرمائیں تو ہمارا دعویٰ جس مسئلہ پر اجماع صحابہ کا ہے اسے آپ بہ نسبت ان کے دعووں کے بہت زیادہ واضح اور مدلل پائیں گے پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملا لیجئے کہ تابعین رحمہم اللہ بھی اس میں انہی کے موافق ہیں۔ ساتوں فقہاء اور مدینہ شریف کے اور فقہاء جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کے شاگرد ہیں سب کا اتفاق ہے کہ ہر قسم کے حیلے حرام ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے کل شاگرد اور ساتھی بھی اسی پر متفق ہیں۔ یہی حال فقہاء بصرہ کا ہے جیسے حضرت ایوب' حضرت ابوشعثاء' حضرت حسنؒ' حضرت ابنِ سیرین وغیرہ۔ اسی طرح اصحاب ابنِ عباس رضی اللہ عنہما پس یہ بے حد قوی اجماع ہو گیا۔ مسلم بھائیو! اس پر اس طرح بھی غور کر لو کہ اشاعت اسلام کے یہی زمانے تھے اسلام اس وقت تیزی سے بڑھ رہا تھا' سلطنت اسلام دنیا کے ہر ہر گوشے پر اپنا تسلط جما چکی تھی مُسلمانوں کی تعداد روز افزوں ہو رہی تھی۔ نو مسلم لوگوں میں حدود خداوندی سے تجاوز بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے' تابعین

نے باوجود ضرورت کے باوجود مقتضا کے نہ یہ حیلے تراشے نہ یہ چالیں ایجاد کیں نہ انھیں جائز مانا۔ بلکہ ان سے روکتے رہے اَن سے ڈانٹتے ڈپٹتے رہے ان پر سخت دھمکیاں دیتے رہے۔ اگر فقہاء کو اپنے اجتہاد سے ان کے جائز کر لینے کا حق مانا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ صحابہ اور تابعین کو اس حق سے محروم کر دیا جائے؟ ان کی لاکھوں کی تعداد میں سے آپ ایک بھی ایسا نہ پائیں گے جس نے اس شرارت کا فتویٰ دیا ہو اور اللہ کے دین سے کھیل کرنا سکھایا ہو اور منشاء الٰہی کو غارت کرنے پر جرأت کی ہو۔ اگر اس میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو لب ہلاتا' کم از کم یہ مسئلہ بھی ان میں مجملہ اور مسائل اختلافیہ کے اختلافی ہی ہوتا۔ لیکن نہیں وہاں تو مطلع صاف ہے ان کے اقوال' احوال' اعمال سب کے سب یکسران کے خلاف ہیں اس کی تحریم اور ممانعت پر متفق ہیں۔ پھر یہی پاک طریقہ' یہی سیدھی روش' یہی صراطِ مستقیم ائمہ حدیث و سُنّت کی رہی وہ بھی اتفاقی طورَ پر ان حیلوں کے دامن چاک کرتے رہے اور انھیں مداخلت فی الدین سمجھتے رہے۔

حیلوں کی حرمت پر ائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے :

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کسی حیلے کو جائز نہیں رکھتا۔ آپ سے قسم کھا کر پھر اسے حیلے سے باطل کرنے کا فتویٰ دریافت کیا گیا تو آپ نے صاف فرمایا کہ ہمارے نزدیک حیلے مطلقاً باطل ہیں۔ بلکہ آپ کا فرمان ہے جب کسی نے کوئی قسم کھائی پھر کسی حیلے سے وہ کام کیا تو اس نے اپنی قسم توڑ دی حیلہ کوئی چیز نہیں۔ آپ کے سامنے حیلہ بازوں کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کسی مُسلمان کا حق کسی حیلے سے باطل کرنا حرام اس کے باطل کرنے کیلئے حیلہ کرنا حرام۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس نے کسی کو قسم کھلوائی تو جس ارادے سے اس نے قسم کھلوائی وہ معتبر ہو گا نہ کہ جو ارادہ قسم کھانے والا کرے ہاں اگر یہ مظلوم ہے اور کوئی ظالم اسے قسمیں کھلا رہا ہے تو بیشک اس کی نیت معتبر ہے۔ ان سب سے بڑھ کر آپ کا فرمان سنیے۔ آپ فرماتے ہیں جس کے گھر میں حیلوں کی کتاب ہو اور وہ اس سے فتوے دیتا ہو تو وہ کافر ہے اس شریعت سے جو رسول اللہ آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی (ہمارے حنفی بھائی چوکنا ہو جائیں اور اللہ کا ڈر دل میں رکھ کر اپنے مذہب کی معتبر کتاب عالمگیری کو ملاحظہ فرمائیں جس میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کو برباد کرنے کیلئے ایک ایک حق کے خلاف کئی کئی حیلے سکھائے گئے ہیں اور آج وہ سب فتووں میں اور عمل میں بھی ہیں۔ (اللہ اپنے دین کی عظمت ہمارے دلوں میں بھر دے اور ان روباہ بازیوں اور ملمع سازیوں اور حیلہ جوئیوں سے محفوظ رکھے)

اچھا یہ بھی خیال میں رہے کہ جن لوگوں نے حیلوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ سب جائز ہیں وہ تو صرف حیلے بتلا دیتے ہیں کہ اگر یوں کرنا چاہو تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے اب کبھی تو وہ حرام ہوتا ہے کبھی مکروہ ہوتا ہے کبھی مختلف فیہ ہوتا ہے۔

حرام حیلے :

(۱) عورت کا ارادہ اپنا نکاح فسخ کرنے کا ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ مرتد ہو جائے' دین اسلام چھوڑ کر عیسائی یہودی بن جائے' نکاح فسخ ہو جائے گا پھر مُسلمان ہو جائے۔ (۲) جو شخص اپنی ساس کو قتل کر کے قصاص سے بچنا چاہتا ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اپنی بیوی کو جس سے اسے اولاد ہے قتل کر دے۔ (۳) جو شخص رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے وطی کرنا چاہتا ہو اور کفارہ سے بھی بچنا چاہتا ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ پہلے کچھ کھا کر روزہ توڑ دے پھر اس سے جماع کرے۔ (۴) جو عورت اپنا نکاح اپنے خاوند سے فسخ کرانا چاہتی ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اس کے لڑکے سے زنا کرا لے۔ (۵) جو شخص اپنی بیوی سے نکاح فسخ کرنا اور اسے اپنے اوپر ہمیشہ کیلئے حرام کرنا چاہتا ہو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ

وہ اپنی ساس سے وطی کر لے یا اس کا بوسہ لے لے۔ (۶) جو شخص زنا کاری کرنا اور پھر حد زنا سے بچنا چاہتا ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ شراب پی لے اور پھر نشے میں آکر بدکاری کر لے۔ (۷) جو شخص باوجود حج فرض ہونے کے اس کی فرضیت ساقط کرنا چاہتا ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ جب قافلہ حج کو جانے لگے یہ اپنا مال اپنے لڑکے یا بیوی کے نام کر دے جب قافلہ دور نکل جائے اسے واپس اپنے نام کر لے۔ (۸) جو شخص اپنے وارثوں کو اپنی میراث سے محروم کرنا چاہتا ہو وہ مرتے وقت اقرار کر لے کہ میرا کل مال فلاں کا ہے۔ (۹) جو شخص باوجود مالدار امیر غنی ہونے کے زکوٰۃ سے بچنا چاہتا ہو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ سال ختم ہونے سے کچھ پہلے اپنا مال کسی کے نام کر دے پھر تھوڑی دیر بعد اپنا نام واپس لے لے۔ اسی طرح ہر سال کرتا رہے عمر بھر زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی۔ (۱۰) جو شخص کسی غیر کا مال اس کی رضامندی بغیر اپنا کر لینا چاہتا ہو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اسے بگاڑ دے اس کی صورت بدل دے پھر مالک بن جائے۔ مثلاً بکری ہے تو اسے ذبح کر دے، کرتا ہے تو اسے پھاڑ دے، اناج ہے تو اسے آٹا بنا لے یا روٹی پکا لے وغیرہ۔ (۱۱) کسی کی جان لے کر پھر اپنی جان نہ دینے کا حیلہ یہ ہے کہ موگری سے یا ہتوڑے سے اس کا سر پھوڑ دے دماغ پاش پاش کر دے وہ مرجائے گا اور اس پر قصاص نہ آئے گا۔ (۱۲) اگر چاہتا ہے کہ کسی عورت سے زنا بھی کرے اور شرعی سزا حد سے بھی بچ جائے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اس عورت کو اپنے گھر کی جھاڑو دینے پر اپنے کپڑے لپیٹنے پر کپڑے دھونے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ مال لے جانے پر نوکر رکھ لے پھر جس قدر چاہے اس سے کالا منہ کرتا رہے نہ حد آئے گی نہ جرمانہ۔ اور یہ نہیں تو صاف طور سے خرچی چکا لے اجرت زنا کی مقرر کر لے۔ پھر کوئی حد نہیں۔ (۱۳) اگر چاہتا ہے کہ چوری بھی کرے اور ہاتھ بھی نہ کٹے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ چوری کے مال کو اپنا مال کہہ دے یا اپنا حصہ بتلا دے بس یہ کہا اور ہاتھ کا کٹنا گیا دوسرا حیلہ یہ ہے کہ گھر میں نقب لگا کر اپنے کسی غلام کو یا لڑکے کو یا شریک چوری کو وہاں سے داخل کر کے اسباب نکلوا لے۔ اور حیلہ یہ بھی ہے کہ کسی جانور کی پیٹھ پر لاد کر لے آئے۔ اور حیلے بھی ہیں۔ (۱۴) ایک شخص زنا کاری کرنا اور اس کی شرعی سزا سے بچنا چاہتا ہے حالانکہ گواہ موجود ہیں اور وہ بھی سچے اور عادل تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ جب وہ گواہی دے چکیں تو یہ کہہ دے کہ ہاں یہ سب سچے ہیں جہاں یہ کہا اور شرعی سزا اس سے ہٹ گئی۔ (۱۵) اگر چاہتا ہے کہ دوسرے کا ہاتھ کاٹ دے اور اس کا ہاتھ اس کے بدلے میں نہ کٹے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کسی اور کو بھی اپنے ساتھ ملا لے دونوں مل کر چھری یا تلوار ہاتھ میں لے کر اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ قصاص نہ آئے گا۔ (۱۶) کسی عورت کا ارادہ اپنے خاوند کے ساتھ سفر میں جانے کا نہیں اور خاوند اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو اس کا آسان حیلہ یہ ہے کہ کسی اور کے قرض کا اقرار کر لے۔ (۱۷) احرام کی حالت میں شکار کرنا چاہتا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے جال کانٹا وغیرہ لگا دے حالت احرام میں اس میں شکار آکر پھنس جائے یہ جب احرام کھولے اسے پکڑ لے۔ مثال کے طور پر یہ سترہ حیلے آپ کے سامنے ہیں اب آپ ہی فرمایئے کہ ان حیلوں کے اور ان جیسے اور حیلوں کے جواز کا فتویٰ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی دے سکتا ہے۔

حیلہ سازوں پر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے فتاوے :

ان حیلوں کے جواز کا فتویٰ دینے والوں کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کافر فرماتے ہیں آپ کے اس فتوے کے ساتھی اور بھی بہت سے ائمہ اسلام ہیں جن کا فرمان ہے کہ ان حیلوں کو جائز کہنے والے اسلام کو اُلٹ پلٹ کر ڈالنے والے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے درخت کے پتے نوچنے والے اور اس کی ٹہنیاں توڑنے والے اور اسے جڑ سے اکھیڑنے والے ہیں۔ ان حیلوں کے ایجاد کرنے والوں

کا اپنا بیان ہے کہ لوگوں پر جو چیزیں اللہ کی طرف سے حرام تھیں ہم نے انھیں حلال کر دی ہیں۔ ہم تو مدتیں ہوئیں یہی کام کرتے ہیں کہ ایسے حیلے سوچ کر دینِ الٰہی کو مسخ کر دیں۔ احمد بن زہیر بن مروان کا قول ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند سے خلع کرانا چاہتی تھی لیکن خاوند راضی نہیں ہوتا تھا تو کسی نے اسے فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام سے مرتد ہو جائے تو خاوند سے الگ ہو جائے گی اس نے ایسا ہی کیا جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ فتویٰ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس نے یہ لکھا وہ کافر ہے جو ان حیلوں کو سنے اور ان سے خوش ہو وہ بھی کافر ہے جو ایسی کتابوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے وہ بھی کافر ہے جس کے پاس یہ کتابیں ہوں اور وہ ان سے خوش ہو وہ بھی کافر ہے۔ امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنت ابی روح کو جب فقہاء نے مرتد ہو کر اپنے شوہر سے الگ ہونے کا فتویٰ ابو غسان کے زمانے میں دیا تو حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا ان لوگوں نے دینِ الٰہی میں بدعتیں نکال لی ہیں اپنی باتیں اللہ کے دین میں داخل کر دی ہیں سنو جس نے یہ فتویٰ دیا وہ کافر ہو گیا جس کے پاس یہ کتاب ہو۔ جس کے گھر میں یہ کتاب ہو جو اس کا حکم دیتا ہو جو اسے جائز مانتا ہو جو اسے پسند کرتا ہو گو حکم بھی نہ دیتا ہو یہ سب کفار ہیں۔ یہ سب لوگ شیطان کے جثے میں انسان ہیں۔ شیطان ان کاموں کا ان حیلوں کا موجد ہے اور یہ اس کے چیلے اسے پھیلانے والے ہیں۔ یہ لوگ شیطان سے بھی بدتر ہیں شیطان سے جو کام نہ ہو سکتا تھا ان شیطانوں نے کر دکھایا۔ پوچھا گیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! کیا کتاب الحیل کا بنانے والا شیطان ہے آپ نے فرمایا ابلیسوں میں سے ایک ابلیس ہے۔ امام نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کتاب الحیل میں تین سو بیس یا تیس حیلے ہیں جن سے اتنے ہی شریعت کے حرام حلال ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک حیلہ صریح کفر ہے۔ امام شریک بن عبداللہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حیلوں کی کتاب کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں وہ کسی کے دھوکے میں نہیں آسکتا ہاں ان دھوکوں اور کرو فریب میں یہ خود پھنسے ہوئے ہیں اور ان کا وبال انہی پر ہے۔

امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فقہاء کی کتاب الحیل پر لکھ دینا چاہیے کہ کتاب الفجور۔ امام قاسم بن سعید رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور جو مسلمانوں کے قاضی تھے فرماتے ہیں تم نے جو یہ کتاب حیلوں کی لکھی ہے یہ فسق و فجور کی کتاب ہے۔ امام ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ان حیلہ سازوں کی ویل ہو یہ تو اللہ کو دھوکے دے رہے ہیں۔ امام عبدالرحمٰن دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد حضرت یزید بن ھارون رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ ان فقہاء نے وہ حیلے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائے ہیں کہ یہود نصرانی بھی ان سے شرما گئے۔ آپ کے سامنے ان برائے نام فقہاء کا ایک یہ فتویٰ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کبھی بھی کسی طرح بھی اپنی بیوی کو طلاق نہ دوں گا اس کے بعد بیوی والوں نے بہت بڑی رقم پیش کی کہ یہ لے لو اور اسے طلاق دے دو تو ایک فقیہ نے اسے فتویٰ دیا کہ اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لے لے تیری بیوی الگ ہو جائے گی۔ آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے حرام کام کا حکم کیا اجنبی عورت کو بوسہ لینے کو کہا۔ ان کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی لونڈی آج خرید کی تو شرعی حکم تو یہ ہے کہ جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے اس سے یہ خریدار مجامعت نہیں کر سکتا لیکن اگر آج کے آج مجامعت کرنا چاہتا ہو تو حنفی مذہب میں اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے پھر اس سے نکاح کر لے پھر اسی دن اس سے مجامعت کر سکتا ہے جب یہ مسئلہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے سختی سے اس کا انکار کیا اور فرمایا یہ نہایت ہی خبیث فتویٰ ہے اس سے شریعت کے حرام کو حلال کیا گیا ہے یہ حیلہ جوئی ہے اور مصلحت شرع کو توڑنا ہے کل اس کے دوسرے مالک نے اس سے مجامعت کی تھی آج یہ کرے گا؟

اس حیلہ سے کیا ہوا؟ جس فساد کو سامنے رکھ کر شریعت نے اسے حرام قرار دیا تھا وہ فساد تمہارے اس حیلے کے بعد جوں کا توں موجود ہے یعنی حمل کا اشتباہ کہ آیا پہلے مالک سے ہے یا اس سے؟ پس وہ جس نے اس سے یونہی مجامعت کر لی شریعت کا مخالف ہے لیکن وہ جس نے ایک حیلہ بھی ساتھ ہی کر لیا وہ شریعت کا دشمن۔ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے ایک قسم کھائی تھی پھر میں نے ایک فقیہ سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر تو نے اس کا خلاف کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی لیکن جو حیلہ میں بتاؤں اگر اسے کر تو نہ قسم ٹوٹے نہ اس کا باقی رکھنا ضروری ہو قسم جوں کی توں رہے اور تو اس کے خلاف کام بھی کر لے۔ آپ نے فرمایا اس فقیہ کو جانتے بھی ہو؟ میں نے کہا اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اچھی طرح دیکھ بھال لو میرا تو خیال ہے کہ یہ شیطان تھا جو فقیہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔

برادران یہ ہیں ائمہ دین کے فتاوے اب فرمائیے کہ کیا کوئی مسلمان ان حیلوں کے پیچھے لگ سکتا ہے؟ اور ان فقہاء کے فتووں پر اعتماد کر سکتا ہے؟ یہ پاکباز ائمہ رحمہم اللہ ایسے سخت فتوے ان حیلہ جو لوگوں پر کیوں نہ لگاتے؟ جبکہ ان کے قائم کردہ ان حیلوں سے اللہ کا سارا دین بدل جاتا ہے' رمضان کے روزوں کی تاخیر کے حیلے موجود ہیں۔ فرائض الٰہی کو برباد کرنے کے حیلے موجود ہیں۔ حج و زکوٰۃ کے باطل کرنے کے حیلے موجود ہیں۔ مسلمانوں کے حقوق کو گرانے کے حیلے موجود ہیں۔ اللہ کے حرام کو حلال کر لینے کے حیلے موجود ہیں۔ سود کے' زنا کے' لوگوں کا مال مار کھانے کے' لوگوں کے قتل کرنے کے' بیع اور اقرار کو توڑنے کے' جھوٹ بولنے کے' جھوٹی گواہی دینے کے' کفر کے جائز ہونے کے' غرض تمام بدکاریوں اور فسق و فجور کے مباح ہونے کے حیلے تراشے گئے ہیں اور کتابوں میں الگ الگ جمع کیے گئے ہیں اور وہ کتابیں آج مذہبی کتابیں سمجھی جا رہی ہیں۔ (حنفی مذہب کی معتبر کتاب عالمگیری ملاحظہ ہو) یاد رکھو کہ یہ حیلے صرف دو قسم کے ہیں یا تو وہ فسق و فجور کے ہیں یا کفر و بے ایمانی کے۔

برات ائمہ رحمہم اللہ : لطف تو یہ ہے کہ نہایت ڈھٹائی سے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ کتاب الحیل مثلاً حنفی مذہب کی ہے یہ حیلے فلاں مذہب میں ہیں اور ظاہر ہے کہ حنفی مذہب کے مسائل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اسی طرح اور مذہبوں کے مسائل اس مذہب کے ائمہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ کرام کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ ان حرام حیلوں کو حلال کہیں وہ اُمت کو شریعت کے پامال کرنے کی بدترین چالیں سکھائیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ان تمام حیلوں میں سے کسی ایک حیلے کی بھی نسبت کسی امام کی طرف کرنی جائز نہیں جو ان کی نسبت ان ائمہ کی طرف کرتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں' نہ وہ اماموں کے اصول سے واقف ہیں' نہ ان کے مرتبوں سے آشنا ہیں' نہ ان کی قدر و قیمت جانتے ہیں۔ اتنا ماننے پر تو بیشک ہم مجبور ہیں کہ ان ناپاک اور حرام حیلوں میں سے بعض اصول امام پر جاری کیے گئے ہیں اور جاری ہو بھی سکتے ہیں رہی ان کی اجازت واباحت یہ بالکل الگ چیز ہے کوئی شخص کسی چیز کو باطل نہ کہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز اس کے نزدیک مباح ہے وہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جنہیں حرام قرار دے کر پھر بھی فقیہ انہیں جاری اور نافذ مانتا ہے باطل قرار نہیں دیتا۔ لیکن دینِ الٰہی اس کی حرمت اور اس کے باطل کرنے پر ہی ہے۔ ہمارا عقیدہ یہی ہونا چاہیے اور یہی ہے ہم انہیں ہرگز جاری و ساری نہ ہونے دیں گے۔ ہم ایسے لوگوں کا مقابلہ کریں گے ان کے مقصود کو توڑ دیں گے ان کی اجازت کو بدل دیں گے ورنہ مقصود شرع فوت ہو جائے گا حکمت و مصلحت شرع بدل جائیں گی۔ الغرض ان گندے حیلوں کی نسبت امام کی طرف، صحیح نہیں بلکہ یہ تو ان کے امامت کے درجے کو نشانہ ملا مت بنانا ہے اور اس سے

ساری اُمت کی تنقیص ہوتی ہے کہ جب امام ایسا ہے تو مقتدی کیسے ہوں گے؟ اور واہ رے مقتدیو! کہ ایسا امام تم نے چنا؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ جس کسی امام سے ان حیلوں میں سے بعض حیلے مروی ہیں ممکن ہے کہ وہ روایتیں باطل ہوں ممکن ہے کہ راوی نے الفاظ امام یاد نہ رکھے ہوں خود اس پر اشتباہ ہو گیا ہو۔ امام کے اباحت کے فتوے سے اس نے جواز سمجھ لیا ہو حالانکہ ان دونوں میں بہت بعد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس امام نے رجوع کر لیا ہو۔ اور اگر ہماری یہ تاویلیں تسلیم کے قابل نہ مانی جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ پھر یہ چیز خود امام میں اور اس کے ماننے والوں میں نقصان و جرح و قدح پیدا کرنے والی ہے جو کم از کم ہمارے نزدیک تو ناجائز ہے۔ سنو ساری اُمت میں یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ کسی غرض کے لیے کلمۂ کفر کا استعمال کسی مسلمان کو کسی وقت جائز نہیں بجز اس شخص کے جس پر اکراہ و جبر ہو رہا ہو اور وہ اپنے دل کو ایمان پر برقرار رکھ کر کلمہ کفر کہہ دے پھر مذہب حنفیہ میں تو یہ سختی اور بھی بڑھ گئی ہے وہ تو اس سے بہت کم میں بھی اجازت نہیں دیتے یہاں تک کہ ان کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اس نے کہا ذرا ٹھہرو تو یہ کافر ہو جائے گا پھر کیسے ممکن ہے کہ کفر کرنے کو وہ کہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے مسجد کی حقارت کرتے ہوئے اسے مسیجد کہا یا قرآن کی حقارت کرتے ہوئے مصیحف کہہ دیا تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے پس معلوم ہو گیا کہ یہ فقہاء جو حیلے گھڑتے ہیں اور ان سے اپنی کتابوں کو مزین کرتے ہیں پھر اسے حنفی مذہب بتلاتے ہیں اور ان کفریہ اور حرام حیلوں کو جائز بتلاتے ہیں وہ دراصل امام کے ماننے والے نہیں۔ ائمہ کی شان اس سے بہت بلند ہے ان کا علم و تقویٰ مانع ہے کہ وہ ان سڑے بُسے حیلوں کو روا رکھیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حیلے باز فریب ساز لوگ اللہ کے نبی ﷺ کی سنتوں کے توڑنے کے درپے ہیں۔ یہ مسئلہ حدیث سامنے رکھ کر اسے باطل کرنے کیلئے حیلے تراشتے ہیں۔ حرام کو حرام جان کر پھر اسے حلال بنانے کے لیے نئی شریعت گھڑتے ہیں دیکھو تو سہی کہتے ہیں کہ رہن رکھی ہوئی چیز کو استعمال میں نہ لائے پھر کہتے ہیں اگر لانا چاہے تو یہ حیلہ کر لے بتلاؤ ان کے حیلے سے کیا اللہ کا حرام حلال ہو جائے گا؟ دیکھو رسول اللہ ﷺ کی لعنت نازل ہوئی ان پر چربیاں حرام ہوئیں' تو انھوں نے پگھلا کر بیچ کر قیمت کھائی پگھلانے سے نام بدل گیا تھا لیکن اس حیلے پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی۔ حلالہ کرنے اور کرانے والے پر اللہ کی لعنت آپ نے فرمائی اس میں بھی حرام تک پہنچنے کا حیلہ ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ مجھے ان حیلہ والوں پر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ وہ قسموں کو حیلوں سے باطل کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿ وَلَا تَنْقُضُوْا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ﴾ (نحل : ۹۱) اس کا فرمان ہے : ﴿ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ﴾ (دھر : ۷) الغرض امام احمد حیلوں کے اور ان حیلہ جو فقہاء کے سخت تر خلاف تھے۔ آپ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ایک شخص کی عورت زینے پر ہے جو اس نے کہا کہ اگر تو اوپر چڑھے تب بھی تجھ پر طلاق اور نیچے اُترے تو بھی تجھ پر طلاق تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اسے گود میں لے لے آپ نے فرمایا استغفر اللہ یہ تو حیلہ ہے اس پر بھی اس کی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا ان کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے قسم کھا لی کہ بستر پر نہ جائے گا تو دو بسترے بچھا لے۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ گھر میں نہ جائے گا تو کوئی اور اسے اٹھا کر اندر لے جائے تو آپ سخت غضبناک ہوئے اور انکار اور استعجاب میں پڑ گئے اور ان حیلوں کو غلط بتلایا۔

آپ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ حیلوں کی کتاب میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی لونڈی کو خریدے اور اسی دن اس سے صحبت کرنا چاہے تو اسے آزاد کر دے پھر اس سے نکاح کر لے اور صحبت بھی کرے آپ نے

فرمایا سبحان اللہ! کس قدر جرأت ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سُنّت کو بالکل ہی باطل کر دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو آزاد عورتوں پر بھی جب کہ ایک کے بعد دوسرے کی وہ ہوں تو عدت فرض کی تھی تاکہ حمل ظاہر ہو جائے۔ جس عورت کو طلاق ہو یا اس کا شوہر مرجائے تو وہ عدت گزارے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ اس لئے کہ حمل اگر ہو تو ظاہر ہو جائے لیکن فقہاء کا یہ ناپاک حیلہ مصلحت شرع کے توڑنے کیلئے ہے کہ ابھی خریدتا ہے ابھی آزاد کرتا ہے ابھی نکاح کرتا ہے ابھی وطی کرتا ہے حالانکہ ابھی ہی دوسرے نے اس سے وطی کی ہے۔ بتاؤ حمل کے اظہار کا وقت مارا گیا یا نہیں؟ کتاب و سُنّت کو پرے پھینک دیا یا نہیں؟

حضور ﷺ کا کھلا فرمان ہے کہ حاملہ سے وطی نہ کی جائے جب تک کہ اسے بچّہ نہ ہو۔ اور غیر حاملہ سے وطی نہ کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے لیکن اس حیلہ باز کو دیکھئے آج ہی خریدتا ہے آج ہی کام میں لیتا ہے اسے کیا خبر حاملہ ہے یا نہیں؟ آہ کس قدر شریعت سوز اور کس قدر بے حیائی اور بے غیرتی کا یہ مسئلہ ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد بن مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا میں ہشام کے پاس تھا وہ ایک کتاب کے مسائل سنا رہا تھا جو ایک مسئلہ آگیا اس نے اس پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے سے پڑھنا شروع کیا تو اُنھیں ٹوکا گیا تو کہا کہ اسے چھوڑو' اسے میرا وہاں موجود ہونا ناگوار گزرا۔ لیکن میں نے اچک کر کتاب پر نگاہ ڈالی تو وہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے عضو پر کپڑا ریشمی لپیٹ کر اور رمضان میں دن میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس پر قضا ہے نہ کفارہ۔

حیلوں کے باطل ہونے اور ان کے حرام ہونے کے دلائل : میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واجبات اور محرمات میں اپنے بندوں کی معادومعاش کی مصلحتیں رکھی ہیں شریعت مخلوق کی روحانی غذا اور روح کی بیماریوں کی شفا ہے جب اُنھیں توڑ دیا گیا تو روح بیمار ہی رہے گی اور بالآخر مردہ ہو جائے گی اور دینِ الٰہی میں کئی طرح سے رخنے اور فساد پڑ جائیں گے۔ اوّل تو یہ کہ شریعت کی مصلحت جاتی رہے گی بلکہ وہ اُلٹ جائے گی کیونکہ حیلوں سے یا تو واجب کو ساقط کیا جائے گا یا حرام کو حلال کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کا مقصود شرع کی تعمیل ہوتی ہے لیکن اس کے برخلاف حیلہ جو کا مقصود شریعت کے احکام کی قانون شکنی ہوتی ہے صرف چکر دار راستے سے وہ حرام میں داخل ہوتا ہے ہیر پھیر سے وہ فرائض و واجبات کی بجا آوری سے نکل بھاگتا ہے۔ مثلاً سود خوار کا اصلی مقصود سود خواری ہے صورت تجارت تو اس مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ سے بچنے والے کی غرض اصلی زکوٰۃ نہ دینا ہے ظاہری ہبہ کی صورت اس کا مقصود نہیں کل مال تو کیا وہ تو اس میں سے ایک پائی کا بھی دیوال نہیں۔

تیسری زبردست وجہ یہ بھی ہے کہ یہ پاپی شریعت الٰہی کو بدنام کرتا ہے وہ دینِ الٰہی کو جو غذا اور دوا اور شفا ہے اسے اُلٹ رہا ہے اور اس کے خلاف کو ترجیح دے رہا ہے وہ دوا کو غذا اور غذا کو دوا بنا رہا ہے لیکن نام بدل دیتا ہے یا صورت بدل دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے حقیقت اور ماہیت نہیں بدلتی بتلاؤ اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ سنکھیا کا نام مٹھائی رکھ کر یا اسے مٹھائی کی صورت دے کر اگر کوئی کھا جائے تو کیا زہر کی ماہیت و حقیقت بدل جائے گی؟ ہرگز نہیں وہ تو فساد پیدا کر دے گا اور انسان کی ہلاکت کا موجب بن جائے گا۔ مسائل شرعیہ گویا روح کی غذا ہیں ان کا خلاف روح کیلئے زہر ہے پھر اس زہر کو غذا کی صورت دینے سے وہ اپنا زہریلا پن تھوڑے ہی چھوڑ دے گا؟ سنیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سود کو' زنا کو اور اس کے توابع

کو حرام فرمایا کیونکہ ان چیزوں کا بگاڑ ظاہر ہے اس کے برخلاف بیع کو اور نکاح کو مباح کیا ساتھ ہی ان کے توابع کو بھی مباح کیا اس لیے کہ انسانوں کی مصلحت اسی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ حلال و حرام کی حقیقت میں کوئی فرق ضرور ہے ورنہ بیع اور سود نکاح اور زنا صورۃً ایک ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ فرق صرف صورت کا اور ظاہری نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ ایک بالکل لغو چیز ہے افعال و اقوال میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہوتا ہے الفاظ جب مختلف ہوں لیکن مطلب و معنی ایک ہی ہو تو حکم بھی ایک ہی رہے گا۔ ہاں الفاظ گو متفق ہوں لیکن معانی جداگانہ ہوں تو حکم بھی بدل جائے گا۔

اسی طرح اعمال و افعال گو ان کی صورتیں مختلف ہوں لیکن مقاصد ایک ہی ہوں تو حکم ایک ہی رہے گا اسی قاعدے پر امرونہی' ثواب وعذاب کا ترتب ہوتا ہے۔ جو بھی غوروفکر کرے گا اسے اس قاعدے کی صحت یقیناً معلوم ہو جائے گی۔ حیلوں کی ایجاد کرنے والے گو صورت حلال کی بنا لیتے ہیں لیکن مقصود اس سے حرام تک پہنچنا ہی ہوتا ہے پس وہ حلال نہ ہو گا۔ نہ اس پر احکام حلال مرتب ہوں گے۔ یہ حیلہ باطل کیا جائے گا اور حرام اپنی اصلیت پر ہی یعنی حرام ہی رہے گا گو صورۃً جدا ہے لیکن حقیقتاً ایک ہی ہے۔ تعجب سا تعجب ہے کہ قیاس و نظر معانی مؤثرہ اور غیر مؤثرہ میں الگ کرنے اور ملا دینے میں ایک کیسے ہو جائیں گے۔ مناسبات اور رعایت' مصلحت اور تحقیق' اصلیت اور تنقیح اور تخریج میں اور غیر مناسب کی موجودگی میں حکم ایک کیسے رہ جائے گا؟ حالانکہ اوصاف وہ پیدا ہو گئے ہوں گے جو اس حکم کی ضد کے ہیں صرف ظاہری الفاظ اور ظاہری صورتوں پر حکم لگا دینا اور اصلیت سے غفلت برتنا یہ تو قرین انصاف نہیں علت عقلیہ موجود ہوتے ہوئے اسے معلول سے الگ کر دینا تو عقل پر وار کرنا ہے۔ پھر یہی لوگ ہیں کہ اہل ظاہر کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔

جو ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے کو اپنا مذہب بتلاتے ہیں پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس کے خلاف کوئی اور ظاہر نہ ہو ان کا تو یہ قیاسی حضرات خلاف کریں اور خود لوگوں پر ان کے ظاہری اقوال و افعال پر حکم جاری کریں۔ بالخصوص اس وقت جبکہ صاف ظاہر ہو کہ ان کا باطن اور ان کا مقصد ظاہر کے یکسر خلاف ہے۔ کھلم کھلا معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا یہ قول مقصود شارع سے بالکل الٹا ہے کھلے لفظوں میں مع مثال سنیے جناب باری عزاسمہ نے زکوٰۃ فرض کی ہے تاکہ مسکینوں اور حاجت مندوں کا بھلا ہو مسلمانوں کی حمایت ہو سکے اسلام کے دشمن اس مال سے روکے جا سکیں وغیرہ لیکن جب حیلہ کر کے زکوٰۃ کو ہی باطل کر دیا تو کیا یہ سچ نہیں کہ مقصود شارع کو الٹی چھری سے ذبح کر دیا اور جب کہ اس حیلے کو جائز رکھا گیا تو کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ اور رسول کے مقابلے میں ایک حیلہ جو کی تائید کی گئی حالانکہ ہر مسلمان پر واجب تو یہ ہے کہ وہ ہر ایک اس حیلے کی تردید کرے جس سے مقصود شرع فوت ہوتا ہو' جس سے حق اللہ اور حق مخلوق مارا جاتا ہو لیکن ان فقہاء نے الٹی گنگا بہائی انھوں نے گنہگاروں کو دلیر کر دیا انھوں نے مصالح شرعیہ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ سود کو حرام کیا تاکہ اس میں جو ضرر ہے اس سے مخلوق اللہ نجات پائے اور سرمایے داروں کی غلامی سے غرباء کو نجات ملے لیکن جب کہ فقہاء کی مانی گئی اور ادنیٰ ادنیٰ سے چٹکلوں سے اس کی حرمت توڑ دی تو کیا یہ شارع سے جنگ نہیں؟ وہی فساد جس کے مٹانے کے درپے شریعت تھی ان حیلہ جویوں اور ان کے ان مفتیوں نے اسے قائم نہیں کر دیا؟ یہی حال آپ ان تمام حیلوں کا دیکھتے جائیے جن سے کوئی فرض و حکم ساقط ہوتا ہو یا کوئی منع و حرمت زائل ہوتی ہو۔ حکم شرع خریدی ہوئی لونڈی سے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے نہ ملنے کا تھا اس لیے کہ ایسا نہ ہو اسے اپنے اگلے مالک سے حمل ہو اور یہ بھی ملے تو اولاد کا باپ بدل نہ جائے نسب مٹ نہ جائے۔

لیکن جب کہ تم نے حیلہ کر کے اسے جائز کر لیا تو پھر مقصد شارع باقی نہ رہا اس ظلم سے بڑھ کر اور ظلم کون سا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح شرع نے جسے جس چیز کا مالک بنایا ہے تم نے حیلوں سے اس کی ملکیت زائل کر دی تو کیا یہ شارع کا مقابلہ نہ ہوا؟ ہاں اتنا فرق ضرور ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ تیر اور تلوار سے مقابلہ کرتے ہیں اور تم نے مکروفریب سے مقابلہ کیا لیکن شریعت کے روکنے اور اس کے احکام کو توڑنے میں تم دونوں ہی برابر کے ہو۔ مالک کو ضرور دیتے ہو' غیر مالک کو مالک بنا دیتے ہو اور مصلحت شرع کو چور چور کر دیتے ہو پھر اپنے تئیں فقیہ گنتے ہو اور اپنی تعریفوں کے بلند بانگ گیت گاتے ہو اور گواتے بھی ہو۔ اپنے مخالفین پر فتوے جڑتے ہو اور مسلمانوں کو ان سے بدظن کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی اس دیدہ دلیری سے توبہ کرو اور وہ بھی علانیہ۔ بلکہ اس سے تو یہ اچھا تھا کہ سرے سے تم ان کی ملکیت ہی نہ مانتے ملکیت ماننا اور پھر روباہ بازی کی چالوں سے اسے ٹالنا تو عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال ہے۔ اگر یہی شارع کا مقصود ہوتا تو پھر وہ غیر کا مال حرام کرتا ہی کیوں؟ سرے سے کوئی عمارت کھڑی ہی نہ کرنا بہت اچھا ہے اس سے کہ کھڑی کر کے گرا دی جائے۔ آہ! کتنا بد ہے وہ جس کے ہاں کوئی مہمان آئے تو وہ اپنے غلاموں کو حکم کرے کہ اس کی بڑی عزت کرنا خوب اکرام کرنا اچھا کھلانا پلانا پھر چپکے سے غلاموں سے کہہ دے کہ کوئی نہ کوئی ظاہری حیلہ کر کے اسے خوب پیٹنا اچھی طرح مرمت کرنا۔ اے فقیہو! کیا تمہارا ایمان ہے کہ اللہ ایسی گھناؤنی تعلیم دے اور اس کے رسول ﷺ ایسی منافقانہ تعلیم پھیلائیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جتنے لوگ کافر اور منافق اور دین کے خلاف ہو جاتے ہیں وہ تمہارے ایسے فتووں کو پڑھ کر اور اُنھیں انسانیت سوز اور امن عامہ کو آگ لگانے والے دیکھ کر وہ جان لیتے ہیں کہ یہ شریعت اللہ کی نہیں وہ اپنے بندوں کے ساتھ رافت و رحمت کرنے والا ہے نہ کہ اُنھیں الجھا دینے والا اور ان کی آبرو جان و مال کو خطرے میں ڈالنے والا۔ تمہارے یہ احکام جنھیں تم نے دین اسلام کے احکام کہہ کر مخلوق کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کی سمجھ میں نہیں آتے وہ اُنھیں مصالح مخلوق کے خلاف پاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ دین الٰہی سے بدظن ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر تمہاری ان دسیسہ کاریوں کو دین اسلام میں سے نکال دیا جائے جیسے کہ پہلے سے وہ داخل ہی نہ تھیں تو آج دین اسلام کا چہرہ وہ منور ہو جائے کہ جو دیکھے کلمہ پڑھ لے یہ دین تو سراسر مصلحت و حکمت اور بہترین انجام کا حامل ہے۔ ساری بدیاں اور برائیاں اس کے خلاف میں ہیں پروردگار ایسی بات کا حکم کبھی نہیں دیتا جو بندوں کی مصلحت کے خلاف ہو۔ اللہ ایسی بات سے کبھی نہیں روکتا۔ جس میں بندوں کا نقصان ہو اس کے حکموں میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں اس کی ممانعت میں بھی بہتری ہے اور اچھائی ہے' فساد اور قباحت کی روک ہے پس ایک تو چیز خود بُری پھر اللہ کی ممانعت کے بعد اور بری ہو گئی لیکن تم نے اپنے ہاں حیلے گھڑ کر اسے ممانعت سے نکال دیا اصلی بُرائی دنیا کے سامنے ہے۔

لیکن شرعی بُرائی تمہارے فتووں اور حیلوں نے مٹا دی اس لیے دنیا کو یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ اگر یہ شریعت الٰہی کی ہوتی تو اس بُرائی سے ضرور روکتی۔ پھر بتلاؤ تو صورت اور نام کے بدلنے سے حقیقت اصلیت تو چھپ نہیں سکتی۔

شارع صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ نے پھلوں کو ان کی صلاحیت کے ظاہر ہونے سے پہلے بیچنے کو منع فرما دیا۔ کیونکہ اس میں ایک ظاہری فساد تو یہ ہے کہ بالفرض آندھی مینہ میں سب گر گئے تو اگر خریدار سے قیمت وصول کی گئی تو اس پر بوجھ پڑے گا نہ وصول ہوئی تو باغ والا ملول ہو گا پھل ہوئے نہیں پھر قیمت دلواؤ تو ظلم ہے لیکن تم نے ذرا سا حیلہ کر کے اسے جائز قرار دے لیا اور شرعی مصلحت فوت کر دی اور اس مسکین کو ہلاک کر دیا جس نے یہ سودا کیا تھا بتلایئے آپ کے حیلے نے نفس

فساد میں کیا تبدیلی کر دی؟ تمہارے اس حیلہ کے بعد اس کا وہی فساد رہا جسے سامنے رکھ کر شارع علیہ السلام نے اسے ممنوع قرار دیا تھا بلکہ حیلے کے بعد تو وہ فساد اور بڑھ گیا اور خوب پک گیا۔ بغیر عدت کے لونڈی سے ملنے میں جو قباحت اور بُرائی تھی نطفوں کے خلط ملط ہونے کی نسب کے بگڑنے کی اپنا پانی غیر کی کھیتی میں چھوڑنے کی وغیرہ جسے عقل بھی جائز نہیں مانتی جس کی بُرائی عقلی اور حسی ہے' عورت کی حقارت اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ ایک جائے دوسرا آئے۔

اسی لیے شریعت نے زانیہ سے نکاح حرام کیا آزاد عورتوں پر عدت مقرر فرمائی لونڈیوں پر ایک حیض کا آنا ضروری قرار دیا۔ اب بتلایئے آپ نے حیلہ کر کے اللہ کے اس حکم کو ٹال دیا تو کیا یہ فساد بھی جاتا رہے گا؟ آہ! اے حیلہ پسند فقیہو! تمہارے اس ظلم کا کیا ٹھکانا ہے؟ آج اگر تمہارے یہ حیلے مسلمانوں میں قابل عمل سمجھ لیے جائیں اور جیسے تمہارا ارادہ ہے تمہارے مخالفوں کی زبان بندی اور گلوگیری ہو جائے تو واللہ لو آج خانہ خدا اُجڑ جائے بلکہ غیر آباد ہو جائے بیت اللہ میں ایک طواف کرنے والا دکھائی نہ دے۔ کیونکہ ہر ایک یہی کرنے لگے کہ حج کا موسم آیا اور اس نے اپنا کل مال اپنے بچے کے نام کر دیا پھر موسم گیا اس نے اپنا کر لیا۔

بتاؤ بیت اللہ کا حج کیسے ہو گا؟ اسی طرح اللہ نہ کرے اگر زکوٰۃ نہ دینے کے تمہارے حیلے دنیا مان لے تو آج غرباء بھوکوں مرنے لگیں اللہ کے دین کی حمایت نہ ہو سکے۔ دشمنانِ دین سے جہاد نہ ہو سکے اور اصل اسلام کے بھی لالے پڑ جائیں فرائض اللہ کی بجاآوری کرنے والا کوئی باقی ہی نہ رہے۔ ناظرین کرام! یہ فتوے باز تو چل بسے تم آنکھیں بند کر کے سوچو تو کہ آج ان کے یہ فتوے مسلمانوں نے مان لیے تو کیا کوئی حج میں نظر آئے گا؟ کیا زکوٰۃ نکالے گا؟ کیا کسی کی بیوی اسی کی سمجھی جائے گی؟ کیا کوئی اپنے مال کو دوسرے سے بچا سکے گا؟ کیا کسی کی عزت رہ جائے گی؟ کیا پردہ نشین خاتونوں کی عصمت بچ جائے گی؟ کیا لوگ گناہوں سے رکیں گے؟ کیا چوری اور ڈاکہ زنی کے روزانہ بیشمار واقعات نہ ہونے لگیں گے؟ الغرض خشکی اور تری میں وہ فساد پھیلیں گے کہ العظمۃ للہ۔ ہر چور سزا سے بچنے کا حیلہ کرے گا۔ ہر زانی حد سے محفوظ رہنے کا طریقہ سیکھ لے گا۔ ہر مجرد کسی کی بیٹی پر قبضہ جما کر حیلہ کر لے گا۔ ہر عورت اپنے خاوند کی پابندی سے آزادگی کسی نہ کسی حیلے سے کرے گی' کوئی نہ ہو گا کہ معاصی سے روک سکے' کوئی نہ ہو گا کہ بغاوت فرو کر سکے آہ! پھر کیسی اندھیر نگری ہو جائے گی جہاں یہ فقہاء بھی حیران رہ جائیں گے۔

اس کے خلاف غور کر کے اسلامی احکام کے جاری ہونے کے زمانے کا بھی تصور کرو جبکہ تمہارے یہ حیلے اور یہ حیلہ ساز فقہاء ظاہر نہ ہوئے تھے کہ دنیا کس قدر امن و امان سے تھی؟ لوگوں میں دینِ الٰہی جاری تھا دھاک بیٹھی ہوئی تھی کوئی نیا قانون نہ ان میں تھا نہ اُنھیں ضرورت تھی۔ جہاں کسی نے شراب پی وہیں حد لگی اور دوسروں کے چھکے چھوٹے۔ منہ سے بو آئی اور مار کھائی شراب قے میں نکلی اور کوڑے پڑے۔ نشے میں مست دیکھا اور حد جاری کر دی۔ چور کے پاس سے چوری کی چیز نکلی شہادت گزری اور ہاتھ کاٹ دیا گیا دوسروں کے کان ہو گئے۔ قسامہ پر قتل کا فتویٰ لگ گیا یعنی جہاں کوئی کسی کے علاقے میں قتل کیا گیا کہ پچاس قسموں پر فیصلہ ہو گیا۔ تہمت پر سزا لگ گئی۔ نہ وہ حیلوں سے چھوڑتے تھے' نہ وہاں حیلوں کے سکھانے والی کتاب تھی' نہ حیلہ جوئی کوئی کام آتی تھی ہر شخص اپنی کرنی بھرتا تھا تہمت جس پر لگی پکڑ لیا گیا اگر ثابت ہو گیا سزا ہوئی نہ ثابت ہوا چھوڑ دیا گیا۔

غرض ہر چیز میں فرمانِ الٰہی اور رسول ﷺ بلا حیل و حجت جاری تھا۔ ہم تہمت کے مسئلے کا بیان بھی بسط و تفصیل سے

کریں گے اور اس بات کا بیان بھی کہ ہماری شریعت کو کسی نئے قانون سیاسی کی مطلقاً ضرورت نہیں وہ ہر طرح کامل مکمل ہے- فقہ و سیاست کی تلاش اُنھیں ہوتی ہے جو یا تو علم شریعت سے بے خبر ہوں یا عمل سے دور ہوں الغرض حرام چیزوں میں جو خرابیاں ہیں حیلوں کے جواز کے بعد وہ کسی طرح بند نہیں ہو سکتیں اور احکام شرع میں جو مصلحتیں ہیں وہ حیلوں کے بعد ہرگز قائم نہیں رہ سکتیں حیلے تو ان کے صریح خلاف بلکہ مناقض ہیں- دیکھئے کہ حلالہ کو اللہ کے رسول ﷺ نے کس سختی سے روکا- کیونکہ اس حیلے میں ظاہر و باطن اس قدر خرابیاں ہیں کہ ایک انسان سب کو بیان بھی نہیں کر سکتا- مان لو کہ حلالہ ان خرابیوں کو بڑھاتا نہیں تو بھی یہ تو کوئی ہوش مند نہیں کہہ سکتا کہ ان خرابیوں کو یہ مٹا دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے پھر یہ کوئی صرف خدائی حکم کی حیثیت سے ہی مان لینے کے قابل نہیں بلکہ یہ تو عقلی چیز ہے ہر عقلمند شریعت کی اس خوبی کو بہ ادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے- ہم تو صاف کہتے ہیں کہ وہ شریعت اللہ کی طرف سے نہیں جس میں حیلوں کی اجازت ہو یہ تو عقلاً نقلاً حساً عرفاً قانوناً ہر طرح بُری اور بُری سے بُری چیز ہے- ان حیلوں سے مقصد شرع فوت ہوتا ہے اور حیلہ کرنے والے کا مقصد حاصل ہوتا ہے- خیال فرمایئے کہ حرم کی حرمت احرام کی حرمت وغیرہ کا لحاظ کر کے شارع علیہ السلام نے اس حالت میں شکار کو منع فرمایا لیکن حیلہ کر کے اس مقصد کو فنا کرنے کے بعد اس لحاظ کی بقا کہاں رہی؟ کہ احرام سے دو منٹ پہلے شکار پھانسے کا بندوبست کر لیا اور احرام کے دو لمحے بعد جا کر حالتِ احرام کے پھنسے ہوئے شکار کو پکڑ لائے۔

یہ تو شارع حکیم سے کھیل کرنا ہے اسے جائز کہنا شریعت الٰہی کو توڑنا ہے اور اس مکار کی غرض کو پورا کرنا ہے- شارع نے اس شخص پر سختی سے کفارہ قائم کیا جو روزے میں اپنی بیوی سے رمضان کے دن ملے تاکہ لوگ اس سے بچیں روزے کی حرمت قائم رہے روزے میں کوئی تفریط نہ کرے لیکن حیلہ بازوں نے ان تمام اللہ کی مصلحتوں کو توڑ کر کہہ دیا کہ ایسا ہی کرنا ہو تو پہلے منہ میں کچھ ڈال لو چلئے کفارہ سے نجات ہو گئی کہئے کیا اس میں شارع کی غرض کو توڑنا نہیں؟ اور اس حیلہ جو کی امداد کرنا نہیں؟ بلکہ یہ تو حق اللہ اور حق الناس میں دست درازی کرنا ہے- شریعت نے بدترین گناہوں پر جو مخلوق کے لئے امن سوز ہیں مخصوص سزائیں رکھیں تاکہ گنہگار رکیں اور ان خبیث اور گندے کاموں کی کثرت نہ ہو شریعت کا یہ فرمان بہت سی مصلحتوں کو شامل ہے اور بہت سی خرابیوں کا انسداد کرتا ہے لیکن ان فقہاء نے (اللہ اُنھیں نیک سمجھ دے) زانیوں کے لیے اور دوسرے گناہگاروں کے لیے راستے کھول دیئے اور ہر ہر برے کام کے کئی کئی طریقے بتلا دیئے کہ ان کے بعد وہ شرعی سزا سے بچ جائیں- ہمیں کہئے دیکھئے کہ اللہ نے ممانعت کا جو قلعہ بنایا تھا انھوں نے اس میں داخل ہونے کے ایک نہیں کئی دروازے بنا دیئے اور بدکاروں کیلئے راہیں کھول دیں اور اُنھیں دلیر کر دیا- حنفی بھائیو! للہ! ذرا ہمیں بھی سمجھاؤ کہ زنا کو اللہ نے حرام کیا قرآن میں اس کی حرمت کی متعدد آیتیں موجود ہیں بہت سی احادیث میں اس کی حرمت بیان ہوئی ہے اسے سخت تر وعیدوں سے روکا اس کے فاعل پر بدترین سزا مقرر کی- یہاں تک کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے قتل کر دینے کا حکم دیا اور قتل کا طریقہ بھی نہایت سنگین سخت اور بہت ہی مصیبت ناک رکھا پھر کیا اللہ ہی نے اجازت دے دی کہ زنا کرنا ہو تو یہ حیلہ کر لو کہ اس عورت کو اپنے ہاں نوکر رکھ لو پھر حد بھی گئی سزا بھی موقوف ہوئی ایک دفعہ نہیں جتنی دفعہ بھی منہ کالا کرے کوئی حد نہیں۔

تم بتلاؤ کہ اگر یہ حیلہ واقعی شرعی چیز ہے تو دنیا میں سے زناکاری کیوں اُٹھے گی؟ کون سا زانی ہے؟ جو اتنا ہلکا سا کام نہ کر سکے؟ بلکہ تم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر صاف طور پر زنا کیلئے ہی اجرت پر رکھے تو بھی حد نہیں کپڑے ٹھیک کرنے کے

لئے، روٹی پکانے کیلئے اجرت پر رکھ لے پھر بدکاری کرتا رہے حد نہیں۔ کون سا بدکار ہے جس پر یہ کام بھاری ہو؟ جہاں زانی پکڑا گیا حاکم مسلم کے سامنے پیش ہوا اور اس نے کہہ دیا کہ میں نے تو اس سے خرچی چکا لی تھی یا میرے ہاں فلاں کام پر یہ مقرر تھی وغیرہ حاکم منہ دیکھتا رہ گیا گواہ ٹاپتے رہے اور وہ ہنستا کھیلتا کودتا وہاں سے جلاد کے منہ پر گھونسا مار کر گھر آ گیا پھر دوسری جگہ آنکھ لڑائی بتلاؤ کیا چیز ہوئی جس سے یہ زانی اپنی بدکاری سے باز آئے۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ جہان بھر کی بہو بیٹیوں کی عصمت خطرے میں رہے۔ عقلمندو! کیا تم میں سے کوئی بھی ہے جو اس ناپاک حیلے کو قبول فرمائے اور اس سے دنیا میں فساد پھیلائے۔ اور گندگی کی جو فرش اور نسب کو ستیاناس کرنے والی ہے جائز قرار دے؟ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ زنا میں جو خرابی تھی وہ اجرت کے زنا میں دگنی ہو گئی۔ پھر ان فقہاء کے قیاس نے اوّل کو حرام قرار دیتے ہوئے اسے حلال کہہ دیا (بلکہ حنفی مذہب کی کتابوں میں تو زانیہ کے لیے اجرت زنا کو بھی حلال لکھ دیا گیا اور اس قول کو خود امام صاحب کی طرف منسوب بھی کر دیا) اس سے زیادہ گھناؤنا حیلہ اور سنیے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی ماں بہن بیٹی سے نکاح کر کے اس سے وطی کرے تو اس پر بھی حد نہیں۔ آہ! کس قدر دینِ الٰہی سے مخول کیا جا رہا ہے؟ ماں بہن بیٹی ہمیشہ کے لیے ہر مذہب میں حرام عام عورتوں سے بدکاری کرنے میں شرعی حد لیکن ان سے جن کی حرمت سخت ہے ذرا سے حیلے کے بعد بدکاری کرے تو ان فقہاء کی سرکار سے حد ساقط۔ حالانکہ جو حیلہ ہے وہ بجائے خود بے حد بد ہے بلکہ ہمیں کہنے دیجئے کہ وہ خود زنا سے بھی درجہا بدتر ہے اس میں حرام اور ابدی حرام سے نکاح کرنا ہے جو اللہ کی حرمتوں کو کھلے بندوں توڑنا ہے۔ حرام کاری ہے وہ بھی ماں بہن بیٹی سے لیکن شرعی حد معاف۔ استغفراللہ' آہ! ایک طرف یہ بدعنوانیاں اور ستم کیشیاں دوسری جانب ظاہریہ کی دشمنی تم ہی بتلاؤ کہ ظاہریہ کا کوئی مسئلہ تمہارے اس ستم و ظلم کے دسویں حصے کو بھی آج تک پہنچا ہے؟ ظاہر کتاب و سُنّت کے لینے والے تو ان کے نزدیک گنہگار اور یہ ماں بہن بیٹی سے زنا کرنے والے لیکن ظاہری صورت نکاح کو سامنے کرنے والے ان کے نزدیک حد شرعی سے آزاد؟ کہو اس سے بڑھ کر بھی بے انصافی دنیا میں کوئی اور ہو سکتی ہے؟ آؤ کتاب الحیل کا اور بھی مطالعہ کرو کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کے ہاں سے چوری کی اور وہ چور مع اس چوری کے مال کے گرفتار ہو گیا لیکن اگر وہ کہہ دے کہ یہ مال تو میرا ہے یا کہہ دے کہ یہ گھر تو میرا ہے۔ یا کہہ دے کہ جس کے گھر میں گھسا تھا وہ تو میرا غلام ہے حالانکہ دراصل یہ سب چیزیں غلط ہیں تو اب اس پر حد شرعی جاری نہ ہو گی۔

دیکھو دنیا کے قانون دانو! کیا یہ قانون کوئی منصف مقنن جاری کر سکتا ہے؟ یا کوئی عادل حکومت اسے جاری کر سکتی ہے؟ یا کوئی مذہب کوئی دین اسے قبول کر سکتا ہے؟ کیا اس قانون کے بعد دنیا میں امن و امان میں رہ سکتا ہے؟ کیا دین اسلام جیسا پاک کامل مکمل اور مطابق عقل دین ایسا حکم جاری کر سکتا ہے؟ لوگو! یہ حیلے تمہاری پیشانی پر کلنک کے ٹیکے ہیں اٹھو اور ان حیلوں سے اپنا دامن الگ کر لو۔ یہ بے گودے کی مردار ہڈیاں انہی کے سامنے ڈال دو جنھوں نے اُنھیں ایجاد کیا ہے۔ تم قرآن و حدیث کو لے لو' حرام کے پاس بھی نہ پھٹکو اور حکم کے خلاف کے پاس سے ہو کر بھی نہ نکلو' اللہ تمہیں نیک سمجھ دے آمین! اسی طرح کے اور حیلے بھی ان کے ہاں ہیں جن سے ان کا خرچ ساقط کرتے ہیں جن کا خرچ نان و نفقہ انسان کے ذمے ہے۔ فرمایئے ان حیلوں کے بعد دنیا کی زندگی کی کیا صورت ہو گی؟ ایک جانور جو تمہارے قبضے میں ہو اگر اسے بھی کھانے کو نہ دو گے تو دم توڑ دے گا۔ اسی طرح انہی ناکام اور نافرجام حیلوں سے وارثوں کے ورثے غارت کرتے ہیں لوگوں کے حقوق کا جنازہ نکالتے ہیں کہ مال کی بابت اقرار کر لیا کہ یہ فلاں کا ہے چلو وارثوں کا ورثہ جہنم رسید ہوا۔ اگر تم نے اُنھیں جائز

مانا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم اللہ اور رسول ﷺ کے مخالف ہو اور حیلہ بازوں کے موافق ہو تم شریعت کو ڈھانا چاہتے ہو اور فقہ کو اُچھالنا چاہتے ہو۔ اسی ناپاک سلسلے کی ایک کڑی عورت کا یہ کہہ کر اپنے خاوند کے ساتھ سفر کو نہ نکلنا ہے کہ فلاں کا مجھ پر اتنا اتنا قرض ہے وغیرہ۔

فصل: ان حیلوں کا اصول امام کے بھی خلاف ہونا: ان میں کے اکثر ان مذہبوں کے اماموں کے اصول پر بھی جاری نہیں ہیں بلکہ خلاف ہیں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے مسئلہ مدعجوہ اور ایک درہم کو دو مد اور دو درہم سے بیچنا حرام کیا ہے اور ہر طرح اس کی حرمت واضح فرمائی ہے تاکہ زیادتی کے سود پر کسی قسم کا حیلہ باقی نہ رہے۔ یاد رہے کہ عجوہ کھجوروں کی ایک قسم ہے پس جبکہ آپ ایک بہت ہی خفیہ حیلے کی حرمت پر اس قدر تاکید فرماتے ہیں تو ظاہری حیلوں کی حرمت تو ان کے نزدیک بہت ہی ظاہر ہے۔ ایک طرف سے تین پاؤ عمدہ کھجوریں اور ایک درہم ہو دوسری طرف سے ڈیڑھ میر کھجوریں اور دو درہم ہوں تو گو وہ نقداً نقد ہوں۔ امام صاحب کے نزدیک یہ تبادلہ حرام محض ہے تو جب ایک طرف سے اور بھی زیادتی ہو اور پھر ادھار بھی ہو تو اس کا حرام ہونا اور بھی واضح ہے پھر درہموں کو درہموں کے بدلے ہی پر زیادتی کے ساتھ بیچنا تو سود کی اعلیٰ قسم اور بے حد حرام ہو گیا ٹھیک اسی طرح امام ابو حنیفہ بھی اس مسئلے کو حرام کہتے ہیں پس یہ حیلہ کرنا کہ ایک کپڑے کا بے قیمت ٹکڑا اور دس درہم دوسرے کو پندرہ درہم کے عوض بیچنا قطعاً حرام ہوا یہ ہے اصول مذہب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر فتویٰ۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ تو ایک مد عجوہ کھجور کو اس سے زیادہ پر بیچنا حرام قرار دیتے ہیں۔ ہاں عین چیز میں وہ اباحت بتلاتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عین چیز کو حرام بتلاتے ہیں اور ایک مد عجوہ کے مسئلہ میں وسعت کے قائل ہیں پس دونوں اماموں کے اصول حیلوں کے ابطال پر ہیں پھر ان کے ان نصوص اور اصول کو چھوڑ کر ان کے اقوال پر تخریج کر کے حیلوں کو حلال قرار دینا انصاف سے بالکل بعید ہے یاد رہے کہ حرام حیلوں کو دین میں داخل کرنے سے حرمت اٹھ جاتی ہے حالانکہ شرعی اقتضاء حرمت کا ہی ہوتا ہے اور وجوب ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے شرعی اسباب برابر قائم ہوتے ہیں پس اس کا حرام ہونا صاف ظاہر ہے۔ اس کے وجوہ و دلائل ملاحظہ ہو۔

(۱) اس سے فعل حرام کا کرنا اور واجب کا نہ کرنا لازم آتا ہے۔ (۲) اس میں مکر، فریب اور دھوکہ بازی ہے۔ (۳) اس سے لوگ دلیر ہو جاتے ہیں اور منشاء شریعت کا خلاف ہوتا ہے۔ (۴) اسے شرعی چیز ماننے سے صاحب شرع پر حیلوں کے جواز جیسے بدترین امر کا دھبہ لگتا ہے۔ (۵) ان حیلہ بازوں کو تو نہ توبہ نصیب ہوتی ہے نہ وہ اسے گناہ سمجھتے ہیں۔ (۶) جیسے انسان انسانوں کو دھوکہ دیتے ہیں یہ انسان اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ (۷) اس سے دشمنانِ دین کو اسلام کے بدنام کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ (۸) اس سے انسان میں یہ مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کس طرح شریعت کے فرض کو باطل کرے اور شریعت کے حرام کو حلال کر لے۔ (۹) اس میں ظلم و گناہ کی کھلم کھلا اعانت ہے صرف فرق اتنا ہے کہ یہ پردہ سے ہے گنہگار کا معاون اسے کھلے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ (۱۰) یہ خدائی حق رسول ﷺ کا حق دینِ الٰہی کا حق خود اپنے نفس کا حق خاص بندے کا حق عام مومنوں کا حق مارنا ہے۔ ظاہری گنہگار تو صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے یا زیادہ سے زیادہ بعض مخصوص لوگ اس کے ظلم کا شکار بنتے ہیں۔ لیکن نہ وہ اسے دین سمجھتا ہے نہ وہ اسے شرعی چیز سمجھتا ہے نہ اور لوگ اس میں اس کی اقتداء کرتے ہیں برخلاف اس کے یہ ارباب حیل ہیں کہ ان کا ضرر عام ہوتا ہے ان کا مرض متعدی ہوتا ہے ان کا خطرہ سخت ہوتا ہے وہ اگر

چور ہے تو یہ ڈاکو ہیں وہ اگر گنہگار ہیں تو یہ گنہگاروں کے سردار ہیں۔

فصل : حیلہ بازوں کے دلائل :

ارباب حیل کہتے ہیں کہ تم نے تو دل کھول کر حیلوں کی مذمت کی اب ذرا خاموشی سے ہمارے دلائل بھی سن لو ہم کتاب و سنت' اقوال صحابہ' اقوال ائمہ وغیرہ بہت کچھ دلائل اپنے پاس رکھتے ہیں۔ سنیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر اسے مار دے اپنی قسم نہ توڑ حضرت ایوب علیہ السلام نے گنتی کی ضرب لگانے کی نذر مانی تھی ظاہر ہے کہ وہ ایک ایک کر کے لگائی جاتی ہے لیکن اللہ کی اجازت سے وہ حیلہ سکھایا گیا کہ کام بھی ہو جائے اور نقصان بھی نہ پہنچے۔ اسی پر اور حیلوں کا قیاس بھی ہے ہم اسے تنگیوں سے وسعت پانے کے ذرائع کہا کرتے ہیں حیلہ تو تمہارا نکالا ہوا لفظ ہے جس سے لوگوں کو نفرت ہو جائے اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حیلہ سکھایا کہ وہ اپنا جام اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیں اور اس طرح اُنھیں گرفتار کر کے اپنے ہاں روک لیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی تعریف کی اور اپنی رضامندی اور اجازت کا ذکر بھی فرمایا آیت : ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ الخ'(یوسف : ۷۶) ملاحظہ ہو۔ پس اسے اپنی مشیت سے بتلایا اور فرمایا کہ پروردگار اپنے بندے کے درجے لطیف علم اسے عطا فرما کر بڑھاتا ہے اور وہ دقائق اسے سمجھاتا ہے جو اوروں کو نہیں سوجھتے یہ ہے اس کا علم اور اس کی حکمت اور جگہ ارشاد ہے : ﴿ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (نمل : ۵۰) انھوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا جو اُنھیں معلوم بھی نہ ہو سکا۔ اس میں بیان فرمایا کہ اللہ کے رسولوں کے مقابلہ میں چالبازیاں کرنے والوں کے سامنے اللہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ اکثر حیلوں کی حالت یہی ہے کہ ان سے ظالم و فاسق اور غاصب حق سے نجات حاصل کی جاتی ہے۔ مظلوم کی مدد ہوتی ہے ظالم پر دباؤ پڑتا ہے حق کی نصرت ہوتی ہے اور باطل کی تردید ہوتی ہے۔ گو اللہ تعالیٰ اُنھیں بغیر مکر حسن کے بھی گرفتار کر سکتا تھا لیکن ان کے اعمال کی جزا بھی اسی جنس سے دینا یہ کمال ہے اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جس مکر سے اظہار حق اور مکر کرنے والے کی سزا مطلوب ہو وہ بُرا نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے : ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ الخ'(نساء : ۱۴۲) منافق اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں وہ اُنھیں خود دھوکے میں ڈال دیتا ہے ظاہر کچھ ہوتا ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے یہی چیز حیلوں کو جائز کہنے والے کرتے ہیں کہ ظاہر اور کرتے ہیں اور باطن اور ہی ہوتا ہے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کرنا عین خدائی فعل کی اقتداء ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر پر جسے سردار مقرر کیا تھا وہ آپ کے پاس بہترین کھجوریں لے کر آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ اس نے کہا کہ ہم دو صاع خیبر کی کھجوریں دے کر ایک صاع یہ کھجوریں لیتے ہیں کبھی دو صاع تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا مت کرو سب کو درہموں سے ' بازار بھاؤ بیچ ڈالا کرو پھر ان سے بازار بھاؤ عمدہ کھجوریں جتنی ملیں خرید لیا کرو یہی ارشاد ناپ کے بارے میں فرمایا۔ پس دیکھئے کہ سود سے بچنے کے لیے خود آپ نے حیلہ سکھایا۔ یہی حدیث عین چیز کے دوسری عین چیز کے مقابلے میں بیچنے کے جواز کی دلیل ہے حیلے فعل میں اشارے کنائے ہیں جیسے بات میں ہوتے ہیں جس طرح اس میں بات کا جھوٹ بچ جاتا ہے۔ اسی طرح فعل میں حرمت کی تنگی چھوٹ جاتی ہے۔

خود آنحضرت ﷺ سے مشرکوں کی ایک جماعت آپ کو اور آپ کے اصحاب کو راہ میں پا کر پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا ہم پانی سے ہیں انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یمن والے بہت سے قبیلے ہیں۔ شاید

کہ یہ لوگ انہی میں سے ہیں یہ کہہ کر وہ لوٹ گئے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے مجھے سواری دیجئے آپ فرماتے ہیں میرے پاس تو صرف اونٹنی کا بچہ ہے وہ اصل مطلب نہ سمجھ کر کہتا ہے میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ آپ فرماتے ہیں بڑے اونٹ بھی تو آخر اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی صاحبہ انہی کی لونڈی کے ساتھ دیکھتی ہیں اور چھری لے کر آتی ہیں تو یہ اپنی کارروائی کر چکے تھے وہ کہتی ہیں اگر میں تمہیں اس حال میں پاتی تو یہ چھری جھونک دیتی آپ نے انکار کیا اس نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو پڑھئے آپ نے جھٹ سے یہ تین شعر پڑھ دیئے ؎

شهدت بان وعدالله حق وان العرش فوق المآء طاف

وتحمله ملائكه كرام وان النار مثوى الكافرينا

وفوق العرش رب العالمينا

ملائكة الا له مسو مينا

''یعنی میری گواہی ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے' عرشِ الٰہی پانی پر ہے اور عرش پر رب العالمین خود ہے۔ بزرگ فرشتے اس عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں جو اللہ کی طرف سے مقرر اور علامت والے ہیں''

بیوی صاحبہ یہ سن کر کہنے لگیں میرا اللہ پر ایمان ہے میں اپنے دیکھے کی تکذیب کرتی ہوں۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ہنس دیئے اور ان پر کوئی انکار نہ فرمایا۔ خیال فرمایئے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے اس حیلے سے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اشعار پڑھ کر اپنی بیوی کو راضی کر کے ان کی تکلیف سے بچ گئے۔ بعض سلف جب کسی کے ہاں کا کھانا نہ کھانا چاہتے تو کہہ دیتے کہ میں نے روزے سے صبح کی۔ ارادہ یہ کر لیتے کہ اس سے پہلے کبھی۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے جب قرض خواہ تقاضا کرتے اور ان کے پاس ادائیگی نہ ہوتی تو فرما دیتے دو دن میں سے ایک میں دے دوں گا مراد یہ ہوتی تھی کہ دنیا میں یا آخرت میں۔ امام احمد رحمہ اللہ کے گھر میں مروزی تھے ایک شخص نے آکر ان کے بارے میں سوال کیا یہ ان کے پاس جانا مکروہ جانتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی ہتھیلی میں اپنی انگلی رکھ دی اور فرمایا کہ مروزی یہاں نہیں یہاں وہ کیا کرتے؟ سفیان ثوری ایک مجلس میں تھے جب وہاں سے اٹھنا چاہا تو اہل مجلس نے اُنھیں روکا آپ نے واپس آنے کا وعدہ کیا اور قسم کھالی۔ لیکن عمداً اپنی جوتی وہاں چھوڑ کر گویا کہ بھول گئے ہیں چل دیئے پھر واپس آئے اور جوتی لے کر چلے گئے۔

شریح تو اس بارے میں بڑے ماہر تھے۔ ان کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔ آپ کے پاس ایک بہترین گھوڑا تھا ایک صاحب کو وہ پسند آگیا سر ہو گئے آپ نے فرمایا سنیے اس میں یہ ایک بات ہے کہ جب بیٹھ جائے تو کھڑا نہیں ہوتا۔ جب تک کہ کھڑا نہ کیا جائے اس نے کہا یہ تو بڑا عیب ہے مجھے نہیں چاہیے حالانکہ آپ کا ارادہ یہ ہے کہ اللہ ہی جب اٹھائے اٹھتا ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ آپ ایک اونٹنی بیچتے ہیں وہ پوچھتا ہے کتنا بوجھ اٹھاتی ہے؟ آپ نے فرمایا باغ میں جتنا بوجھ چاہو لاد لو۔ وہ دریافت کرتا ہے دودھ کتنا دیتی ہے؟ آپ فرماتے ہیں جس برتن میں چاہو دودھ نکال لو۔ کہا کوئی خاص صفت اس کی بیان کیجئے؟ فرمایا ہوا اسے بوجھل نہیں کرتی جب خریدار اسے لے گیا تو اس نے یہ اوصاف اس میں نہ پائے آکر شکایت کی تو آپ نے فرمایا میں نے تجھ سے جھوٹ نہیں کہا۔ حیلہ باز حضرات فرماتے ہیں کہ شارع نے عقود کو وسائل اور طریقے بتائے ہیں حد اور گناہ کے ٹالنے کے لئے۔ کوئی شخص کسی عورت سے بغیر عقد کے اور بغیر شبہ کے وطی کرے تو اس پر حد لازم آتی

ہے، لیکن جب عقد نکاح کر کے پھر اس سے وطی کرے تو حد لازم نہیں آتی یہ عقد حیلے کے ساقط کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھانے کو پینے کو اور لباس کو بھی بھوک پیاس اور برہنگی کی تکلیف کے دور کرنے کا حیلہ بنایا ہے۔ عقد بیع حیلہ ہے دوسرے کی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنے کا۔ اسی طرح تمام عقد غیر مباح چیز کو مباح کرنے کا حیلہ ہیں۔ رہن حیلہ ہے اپنی رقم کے واپس لینے کا۔ حضور ﷺ سے قرآن کریم کی بہت بڑی آیت کی بابت سوال ہوتا ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں میں مسجد سے نکلنے سے پہلے بتلا دوں گا آخر آپ اپنی مجلس سے اٹھتے ہیں۔ ایک پیر باہر نکلا تھا دوسرا نکالنے سے پہلے اسے بڑی آیت قرآن بتلا دی۔ خصاف نے اپنی کتاب الحیل کی بنا اسی روایت پر رکھی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جو کسی کام کے کرنے پر قسم کھائے پھر اس سے گلو خلاصی چاہے تو کچھ کر لے قسم ٹوٹے گی نہیں۔ جب کسی نے قسم کھائی کہ یہ روٹی نہ کھاؤں گا۔ یہ سامان نہ لوں گا تو بعض کھالے کچھ لے لے قسم نہ ٹوٹے گی قسموں کے جھمیلوں سے چھوٹنے کے حیلوں کی اصل یہی ہے۔

یہ ہیں وہ سلف جنھوں نے ہمارے لیے یہ دروازہ کھول دیا ہے اور یہ راہ ہمیں دکھا دی ہے۔ چنانچہ ابراہیم کہتے ہیں کہ اگر کسی کو دوسرا پکڑ لے اور کہے کہ تجھ پر میرا حق ہے وہ کہہ دے کہ نہیں ہے یہ کہے کہ بیت اللہ پیدل جانے کی قسم کھا تو یہ کھا لے اور نیت یہ رکھے کہ میرے محلّہ کی مسجد۔ انہی سے سوال ہوا کہ فلاں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں فلاں جگہ جاؤں اور وہاں جانا میرے بس کی بات نہیں جواب دیا کہ جا اس سے کہہ دے کہ واللہ میں دیکھ نہیں سکتا جب تک دوسرا مجھے راہ راست نہ دکھائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سی قسمیں کھلوائیں جو انھوں نے کھالیں ہم نے ان سے تنہائی میں پوچھا کہ آپ نے بعض باتوں پر تو جھوٹی قسم کھائی ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے بعض دین کو بعض سے خرید لیا اس سے ڈر کر کہیں سارا ہی نہ چلا جائے۔ ایک شخص نے ابراہیم سے پوچھا کہ میں فلاں کو بُرا کہتا ہوں پھر اس سے عذر کر لینا چاہتا ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا جب اسے کوئی بات پہنچے اور مقابلہ ہو تو کہہ دینا کہ اللہ خوب جانتا ہے اس میں سے جو کچھ میں نے کہا ہو۔ یہ ابراہیم حجاج کے خوف سے پوشیدہ تھے۔ ان والے جب ان کے پاس سے جاتے تو یہ کہہ دیا کرتے کہ جب تم میرے بارے میں پوچھے جاؤ تو کہہ دینا کہ واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟ اور کس جگہ ہے تم اس سے یہ مطلب لینا کہ نہ جانیں کس کمرے میں ہوگا؟ اور اس کمرے کے بھی نہ جانیں کس کونے میں ہوگا؟ تم سچّے رہو گے اور تمہاری قسم بھی سچی ہوگی۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کلام میں چالاکی کر جانا مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے۔ حضور ﷺ نے تین موقعوں پر جھوٹ کی اجازت دی ہے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے موقعہ پر۔ اپنی بیوی کے لئے۔ لڑائی کے موقعہ پر۔ زندیقوں کے قتل سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زمین کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف دیکھا پھر فرمایا اللہ اور اس کا رسول ﷺ سچا ہے پھر کھڑے ہو کر گھر تشریف لے گئے لوگ اس بارے میں مختلف باتیں کرنے لگے۔ حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس گیا اور پوچھا کہ اے امیر المؤمنین کیا یہ طریقہ رسول ﷺ ہے؟ یا یہ آپ کی رائے سے ہے؟ آپ نے فرمایا کیا آسمان کو دیکھنا گناہ ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا زمین کو دیکھنا برا ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا پھر کیا یہ کہنا کہ اللہ اور رسول ﷺ سچا ہے گناہ ہے؟ میں نے کہا نہیں کہا بس یہ تو میری ایک جنگی چال تھی۔ ابراہیم پر ایک مرتبہ ان کی بیوی ایک لونڈی کے بارے میں برس پڑی اس وقت ان کے ہاتھ میں پنکھا تھا ہم سے کہنے لگے تم گواہ رہنا یہ اس کے لیے ہے۔ باہر آکر ہم سے کہا تم کس چیز کے گواہ ہوئے ہو؟ ہم نے کہا اس کے کہ آپ نے اپنی لونڈی اپنی بیوی کو دے دی فرمانے لگے وہ میرے ہاتھ کے پنکھے کی طرف میں اشارہ کر رہا تھا اسے تم نے نہیں دیکھا؟

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حلال اور جائز حیلوں میں کچھ حرج نہیں۔ ان سے انسان حرام سے بچتا ہے اور حلال تک پہنچتا ہے۔ ایسے حیلوں میں کوئی حرج نہیں ہاں کسی کا حق مارنے کیلئے حیلہ کرنا باطل کو حق ظاہر کرنے کیلئے حیلہ کرنا کسی حیلے سے شبہ میں پھنس جانا وغیرہ ایسے حیلے مکروہ ہیں' مندرجہ بالا حیلوں میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ جنابِ باری کا فرمان ہے : ﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴾ (الطلاق : ۲) جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے چھٹکارا کر ہی دیتا ہے۔ یعنی لوگوں پر جو مشکل ہو اس پر آسان ہو جاتا ہے۔ پس یہ حیلے بھی آسانیاں ہیں قسم کھا بیٹھا حیلہ کر لیا آسانی ہو گئی۔ روپے کی ضرورت ہے ادھار ملتا نہیں تنگی میں ہے عین کا سودا کر لے چاندی کا سودا کر لے آسانی ہو گئی ورنہ ہلاک ہو جائے گا بال بچے بھی تباہ ہو جائیں گے ایسی شریعت الٰہی کی نہیں ہے نہ اتنی تنگی اللہ اپنے بندوں پر کرتا ہے اس کی شریعت ساری مخلوق کے لیے ہے ایسے شخص کے لیے تین ہی صورتیں ہیں یا تو تباہ ہو جائے یا سود خواری کرے یا حیلہ کرے۔

اسی طرح ایک شخص کو شیطان بہکاتا ہے اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ خود بھی اولاد بھی گھر بھی تباہ ہو رہا ہے تو ایسے وقت شرع الٰہی اس کے لیے کوئی کشادگی کیوں نہ کرتی؟ اور اس تنگی سے اسے نجات کیوں نہ دلواتی؟ اور اس میں گناہ تو کیا ثواب کیوں نہ کرتی؟ جیسے کہ امام ظاہریہ ابو محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو ثور نے کہا بعض اصحاب ابی حنیفہ نے کہا اور حلالہ کا فتویٰ دیا اور عین عقد کے وقت شرط کرنے پر احادیث لعنت کو محمول کیا۔ ایک عورت کسی کے پاس آدمی بھیج کر اپنا نکاح اس سے کرتی ہے تاکہ اپنے پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسے حکم دیتے ہیں کہ اب اسے اپنی بیوی بنائے رکھ طلاق نہ دے اگر طلاق دی تو میں سزا کروں گا دیکھئے امیر المؤمنین نے اس نکاح کو صحیح قرار دیا نئے نکاح کا حکم نہیں فرمایا پس حلالہ کے نکاح میں' بے ولی کے نکاح میں یہ حجت ہے۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ حلالہ کے نکاح میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے جبکہ میاں بیوی میں سے کسی کو خبر نہ ہو۔ ابنِ حزم کہتے ہیں سالم بن عبداللہ اور قاسم بن محمد کا قول بھی یہی ہے۔ عطا سے مروی ہے کہ جس نے حلالہ کیا پھر اسے عورت پسند آ گئی تو بیشک وہ اسے اپنے نکاح میں روک لے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حلالہ کا حکم جب اگلے خاوند کا نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لیث بن سعد کہتے ہیں اگر ایسی عورت سے کسی نے نکاح کیا پھر اسے طلاق دے دی تاکہ وہ اپنے اگلے خاوند کے پاس چلی جائے نہ اس خاوند کو یہ معلوم ہے نہ وہ عورت یہ جانتی ہے یہ تو اس دوسرے کا احسان ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے۔ بلکہ دوسرے نے پہلے کو بعد از دخول خبر بھی کر دی تو بھی کوئی حرج نہیں۔ شافعی اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جس محلل کا نکاح فاسد ہے یہ وہ ہے جو عقد نکاح میں یہ شرط کرتا ہے کہ اسے حلال کر کے طلاق دے دے گا۔ جب یہ شرط بوقت نکاح نہیں ہوئی تو یہ نکاح صحیح ہے گو قبل از عقد شرط ہو بھی گئی ہو یا نہ ہوئی ہو' نیت ہو یا نہ ہو۔ ابو ثور کہتے ہیں اس شخص کو اجر ملے گا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے اور محمد اور ابو یوسف سے بھی۔ امام صاحب سے روایت ہے کہ جب پہلے خاوند کے لئے حلال کرنے کی نیت ہے تو یہ اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔ زفر اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عین وقت نکاح میں بھی یہ شرط ہو تو بھی نکاح صحیح ہے' شرط باطل ہے' خاوند ثانی اس کے ساتھ رہ سکتا ہے پس یہ تین روایتیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں۔ مجوزین حیلہ کہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ عورت اس خاوند پر اس کے بعد حلال نہیں تاوقتیکہ یہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ پس حلالہ والا خاوند ہے' مہر بندھا ہے' ولی ہے' رضامندی ہے' موانع شرعیہ نہیں ہیں یہ خود اگلے خاوند کی طرف لوٹانے کی رغبت رکھتا ہے پس یہ اس حدیث

کے ماتحت ہے کہ نکاح نہیں مگر نکاح رغبت کا۔ اسے رغبت ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اسے حلال کر دے۔ تاکہ فرمانِ الٰہی دوسرے سے نکاح کرنے پر عمل ہو جائے۔ حدیث میں صرف یہی قید ہے کہ دوسرا خاوند اس عورت سے مل لے یہ شرط جب حلالہ میں پوری ہو گئی تو اگلے خاوند کیلئے یہ عورت حضور ﷺ کے لفظوں سے حلال ہو گئی جو نکاح باطل ہے وہ دھوکے کا نکاح ہے کہ عورت اسے دھوکہ دے دوسری کے لیے یا یہ کہے کہ اس کی عدت گزر چکی حالانکہ نہیں گزری وہ صرف پہلے کے پاس جانے کیلئے جلدی کر رہی ہے۔ جو لعنت آئی ہے اس سے مراد ہر ایک حلال کرنے والا نہیں ورنہ اس میں ولی اور حاکم اور لونڈی کا بیچنے والا بھی داخل ہو جائے گا۔

اگر ہم کہیں کہ عام میں سے جب کچھ افراد مخصوص ہو گئے تو وہ مجمل ہو جاتا ہے تو حدیث سے دلیل لینی باطل ہو جائے گی۔ اگر ہم کہیں کہ یہ ان افراد کے سوا میں تو حجت ہے تو یہ بھی مشروط ہے آپ کے بیان مراد کے ساتھ پھر ہمیں کیا معلوم کہ حدیث میں کون سا محلل مراد ہے؟ وہ جس نے نیت تحلیل کی ہے یا قبل از شرط کی ہے یا نفس عقد میں شرط کی ہے یا طلب عقد میں شرط کی ہے یا وہ جو اللہ اور رسول ﷺ کے حرام کو حلال کرتا ہے۔ جو بھی تین طلاق والی عورت سے نکاح کرے گا وہ محلل تو ضرور ہے اگرچہ شرط تحلیل نہ کی ہو اگرچہ نیت بھی نہ کی ہو اس لیے کہ اس کے عقد اور اس کی وطی کے بعد یہ عورت تو اپنے اگلے خاوند پر حلال ہو ہی جائے گی۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اسے کوئی بھی ملعون نہیں کہتا۔ پس مراد اس سے حرام کو حلال کرنے والا ہے اپنے فعل سے یا اپنے عقد سے اور اس میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ بیشک ایسا شخص ملعون ہے لیکن جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ احسان کرے اس کی پراگندگی دور کرے اس کی آل اولاد کو اس کی بیوی کو خوش کر کے بسانا چاہے وہ تو محسن ہے اور محسنوں پر برائی کی کوئی راہ نہیں چہ جائے کہ ان پر لعنت نازل ہو۔ قواعد فقہ اور فقہ کی دلیلیں ایسی چیز کو حرام نہیں کرتیں وہ عقود و معاملات و تجارت جن کے کرنے کے وقت کوئی حرام شرط نہیں ہوتی جو اس کے اہل ہیں وہ کرتے ہیں محل بھی درست ہوتا ہے شرطیں بھی ٹھیک ہوتی ہیں ان کی صحت کا حکم قطعی اور یقینی ہے ایجاب و قبول ثابت ہے اہلیت موجود ہے عورت خالی ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عقد کا اصلی مقصود ملا ہوا نہیں تو اس کی کوئی تاثیر ایسی نہیں کہ ظاہری اسباب سب کے سب باطل ہو جائیں اس کی کئی وجہیں ہیں۔ (۱) خرید و فروخت کرنے والوں کی حقیقی غرض تجارت سے نفع حاصل کرنا ہے جب وہ حاصل ہے تو تجارت قطعاً ہے اور ظاہری صورت بھی جب شرعی ہے تو کوئی وجہ اس کے باطل ہونے کی نہ رہی۔

حلالہ کرنے والے کی غایت و غرض بعد از نکاح اس عورت کو طلاق دینا ہے طلاق کا یہ شرعاً مالک ہے صورت شرعی ہے پھر کوئی وجہ اس کے باطل ہونے کی نہ رہی۔ جیسے کہ کوئی شخص سودا خرید تا ہے اس لیے کہ اسے خرید کر بیچ ڈالے تو کیا حرج ہے؟ اس میں باریکی یہ ہے کہ سبب تو ہے برابر ملکیت قائم رہنے کا نیت اس سبب کے موجب کی متغیر نہیں کر سکتی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیع موقت ہوئی ہے نہ یہ عقد کے منافی ہے اسے حق طلاق حاصل ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر خریدار نے کوئی چیز اس لیے خرید کی کہ اسے تلف کر دے گا جلا دے گا غرق کر دے گا تاہم بیع صحیح ہو گی پھر طلاق کی نیت سے نکاح کے فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ پس سبب جس حکم کا مقتضی ہے قصد اس میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ اگر کوئی شخص شیرہ انگور شراب بنانے کیلئے خرید کرے' لونڈی کو حرام کاری کرانے اور خرچی کھانے کیلئے خریدے یا اسے گا بجا کر روپیہ کمانے کے لیے خرید کرے کوئی ہتھیار خریدے اس لیے کہ اس سے کسی بے گناہ کو قتل کرے گا۔ یہ سب بیع دراصل جائز ہے بیع کے اسباب

کامل موجود ہیں یہ چیزیں اور یہ غرضیں صحت بیع کے خلاف ہرگز نہ ہوں گی۔ اسے اکراہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں رضامندی موجود ہے اکراہ میں رضامندی نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں نفس عقد اور نفس نکاح کے وقت کوئی خلاف شرع شرط ملی ہوئی نہیں جو مقصود عقد میں کوئی حرج واقع کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس شخص کا مقصد حرام کا ہے لیکن قصد کی وجہ سے ثبوت ملکیت میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص اپنا دوسرا نکاح اس لیے کرتا ہے کہ پہلی بیوی کو تکلیف پہنچے اور سنیے نیت کا عمل اس لفظ میں ہوتا ہے جو نیت کی چیز اور اس کے غیر کو شامل ہو جیسے کنایہ کے الفاظ اور جیسے یہ کہنا کہ میں نے یوں خریدا ہے اس میں احتمال ہے اپنے لیے خرید کرنے کا بھی اور اپنے مؤکل کے لیے خریدنے کا بھی اب یہ جونسی نیت کرے گا وہ چیز صحیح ہو گی لیکن جس وقت کہ سبب ظاہر ہو مقرر ہو تو باطنی نیت کا کوئی اثر تغیر حکم میں نہیں ہو گا۔

دیکھئے جو اسباب حبیہ ہوں جو اسباب عقلیہ ہوں جو سبب مسبّب سے الگ نہ ہوں نیت اُنھیں متغیر نہیں کر سکتی۔ اور لیجئے نیت کو یا تو بمنزلہ شرط کہئے یا نہ کہئے اگر آپ اسے مثل شرط کے کہیں تو لازم ہے کہ وہ ضروری ہو جائے جیسے کہ شرط ضروری ہے۔ مثلاً نہ بیچنے کی نیت' ہبہ نہ کرنے کی نیت' اس میں تصرف نہ کرنے کی نیت' اپنی ملکیت نہ اٹھانے کی نیت' طلاق نہ دینے کی نیت' ہر رات اسی کے ساتھ گزارنے کی نیت اسے چھوڑ کر سفر نہ کرنے کی نیت یہ سب مثل شرطوں کے واجب ہو جائیں حالانکہ یہ چیز خلاف اجماع ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ مثل شرط نہیں تو تاثیر کا نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے اور دلیل یہ بھی ہے کہ ہم تو ظاہری صورت کے دیکھنے والے اور اس پر حکم جاری کرنے والے ہیں باطن کا علم اللہ کو ہے وہ ہر ایک کے دلی ارادے اور پوشیدہ راز سے مطلع ہے دیکھئے قیامت کے دن جب رسولوں سے سوال ہو گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ تو وہ صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں علام الغیوب تو ہی ہے۔ ظاہر ہمارے سامنے تھا لیکن باطن سے ہم بالکل بے خبر تھے۔ پس ہم تو اسی ظاہر پر ہیں اپنے اصول کے پابند ہیں قصد عقد سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ظاہری عقد کے ہم پابند ہیں جو شرطیں بوقت عقد نہ آئی ہوں ہم اُنھیں عقد کے حکم میں جاری نہیں کرتے۔ ہم قسموں سے ظاہری طور پر نکل جانا کافی سمجھتے ہیں ہم سود وغیرہ کی ظاہری شکل کے انکاری ہیں پس ہمیں کہنے دیجئے کہ قرآن و حدیث' اقوال سلف ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر یہ لوگ ہمارے خلاف ہیں وہ بھی ہمارے اصول پر کئی کئی جگہ عامل ہوتے ہیں اور ہماری بہت سی باتیں انھوں نے لپک لپک کر لے لی ہیں۔

دیکھئے شافعی مذہب والے عقد پر جو شرطیں متقدم ہوں اُنھیں لغو قرار دیتے ہیں وہ عقد کے قصد کو غیر معتبر مانتے ہیں وہ شفعہ کے گرانے پر حیلے کرنے کو جائز جانتے ہیں ان کے ہاں کا مسئلہ ہے کہ پھل پکنے کے قابل ہوں اس سے پہلے بیچنا تو کہاں؟ پھل سرے سے نہ ہوں اس وقت بھی اُنھیں بیچنا جائز ہے۔ اس کا حیلہ وہ کرتے ہیں کہ زمین کا کرایہ چکا لیا کہ پھلوں کے ایک ہزار جز میں سے ایک جز پانی پلائی کا۔ پس ہم نے اگر حیلہ کر کے پختگی کے ظاہر ہونے سے پہلے بیچنا جائز قرار دیا تو تم ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ عین چیزوں کا مسئلہ تو حیلوں کا سردار اور حیلوں کی کتاب کا سرورق ہے۔ شافعیہ اسباب کی شرکت کو باطل مانتے ہوئے حیلہ کرتے ہیں کہ نصفا نصف دوسرے کے ہاتھ بیچ دے تو شریک ہو جائیں گے۔ ان کا مذہب ہے کہ وکالت کی تعلیق شرط کے ساتھ ناجائز ہے لیکن اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وکیل تو اب بنائے اور اس کے تصرف کو شرط کے ساتھ معلق کر دے اسی طرح ان کے حیلے مسئلہ سریجیہ میں مشہور و معروف ہیں پس اس کے سوا کے حیلے بھی اس کی طرف

کی نسبت سے حلال ہو گئے کیونکہ یہ حیلہ دراصل اس پر ہے کہ ہمیشہ طلاق کی قسمیں کھاتا رہے پھر قسم کے خلاف کرے اور طلاق پڑ ہی نہ سکے۔ یہ تو تھا حال شافعیہ کا۔

اب مالکیوں کا حال دیکھئے : انھوں نے سب سے بڑھ چڑھ کر اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کیا۔ حیلوں سے خوب ہی بھاگے ہمارے خلاف اصول مقرر کئے۔ شرط متقدم کو شرط مقارن کے برابر کہا' شرط عرفی کو شرط لفظی ٹھہرایا' عقد میں قصد کو معتبر مانا' ذرائع کی روک ضروری قرار دی' تقدیر فعلی کو تقدیر قولی کے مثل کیا۔ الغرض حیلوں کے مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے بلکہ ان پر مضبوط قفل جڑ دیئے۔ لیکن کہیں دائی سے پیٹ چھپ سکتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ وہ پھر بھی ہماری بہت سی چیزیں ہم سے لے اڑے ہمیں حق ہے کہ ہم ان سے مطالبہ کریں کہ جناب ذرا آنکھیں تو ملایئے آپ کے مذہب میں سے شفعہ کے حیلے تو نکالئے یہ ہماری چیز پر مخالفانہ قبضہ کیسا؟ کیوں صاحب اس آپ کے مسئلے کے کیا معنی؟ کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا اس نیت سے کہ اس کے ساتھ سال بھر تک رہوں گا تو نکاح صحیح ہے اس نیت سے نکاح میں فساد نہیں ہونے کا۔

رہے حنبلی حضرات : ایمان کی بات تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ ہمیں بدنام کرنے والے ہمارے خلاف چو طرف سے فوجیں چڑھالانے والے اور اپنی تمام طاقت کے ساتھ ہمارے احترام کے خلاف سازشیں کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ پناہ باخدا انھوں نے نہایت بے دردی سے ہم پر گولہ باری کی ہے ان کی آنکھ لحاظ و مروت سے بھی خالی ہے لیکن اب ہوشیار ہو جائیں اور ہمارے حملوں سے بچیں کیوں صاحب ادھر دیکھئے یہ آپ کے ہاں کا مسئلہ کہیں حیلہ تو نہیں؟ کہ احرام والے کو شکار ہے تو حرام لیکن احرام سے پہلے کانٹا جال گڑھا کر لے اور احرام کی حالت میں جو شکار اس میں پھنسا ہے اسے بعد از احرام پکڑ لے۔ کیوں آپ تو حیلوں سے بڑے بھاگتے تھے اور بالکل یہودیوں کا ہفتہ کے دن کے شکار کا حیلہ کیا ہر طرح ایک ہی نہیں؟ کہتے ہیں کہ اگر حلالہ کرنے والے نے نیت تو یہی کی ہے کہ میں پہلے خاوند کے لیے حلال کر دوں لیکن شرط یہ نہیں کی تو جائز ہے اور حلال ہے اس لیے کہ بوقت عقد نکاح شرط نہیں ہوئی کیا اس میں صاف صراحت نہیں کہ نیت کا کوئی اثر عقد میں نہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا اس نیت سے کہ اس کے ساتھ ایک مہینہ ٹھہروں گا پھر اسے طلاق دے دوں گا تو بھی عقد نکاح صحیح ہے اس نیت کا کوئی اثر نکاح پر نہیں۔ پھر ذرا کلیجے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ہاں کے قسموں کے حیلوں پر نظریں ڈالئے یہ معلوم ہو گا کہ گویا ہماری زبان سے بول رہے ہو۔ ہماری کتابوں کو اپنا کیے ہوئے ہو۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کوئی کپڑا نہ خریدے گا پھر اس کے ہاں سے کوئی کپڑا اچک لیا اور بدلے کی شرط کر لی ہے تو قسم نہیں ٹوٹی۔ کہتے ہیں تورق کا مسئلہ جائز ہے کہو تو اس میں اور مسئلہ عینہ میں کیا فرق ہے؟ سودے کو بائع کی طرف پھیرنے اور اس کے غیر کی طرف پھیرنے میں کون سا امتیازی فائدہ ہو گا؟ بلکہ بائع کی طرف کرنے میں تو مشتری کو اور آسانی ہے اسے تکلیف کم ہے اسے خسارہ کم ہے تمہارا حساب تو بالکل الٹا ہے کہ تھوڑے سے ضرر سے بچتے ہو اور بہت بڑے ضرر کو جائز جانتے ہو' حالانکہ حقیقت میں صورت ایک ہی ہے یعنی دس کو پندرہ کے بدلے درمیان میں ایک ٹکڑا کپڑے کا رکھ کر بیچنا دونوں صورتوں میں ہے ایک میں وہ مالک کی طرف جاتا ہے دوسرے میں اور کسی کی طرف۔

کہتے ہیں اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو اپنی لونڈی سے نکاح نہیں کراؤں گا پھر چاہتا ہے کہ نکاح بھی ہو جائے اور قسم بھی نہ ٹوٹے کیونکہ قسم بڑی بھاری ہے یعنی یہ کہ اگر میں ایسا کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے تو اس کا حیلہ یہ

ہے کہ لونڈی غلام دونوں کو کسی کے ہاتھ بیچ دے پھر خریدار ان دونوں کا نکاح کر دے پھر یہ شخص اس سے اُنھیں اپنی طرف لوٹا لے۔ قاضی کا قول ہے کہ ہمارے اصول پر یہ چیز ناممکن نہیں اس لئے کہ بوقت عقد نکاح اس شخص کی ملکیت ان پر نہ تھی اور عقد کا باقی رہنا اس کی قسم کے خلاف نہیں نکاح عبارت ہے ایجاب و قبول سے وہ پہلے ہو چکا ہے حکم کا باقی رہنا اس کی قسم کے خلاف نہیں۔ حنبلی مذہب کا اور حیلہ ملاحظہ ہو کہتے ہیں کہ کسی پر دوسرے کا قرض ہے یہ چاہتا ہے کہ قرض کی رقم کو اپنی زکوٰۃ میں وصول کر لے تو حیلہ یہ ہے کہ نقد رقم اسے زکوٰۃ میں سے دے پھر اسے واپس لے لے۔ اور حیلہ ان کا سنیے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی اور بھی شریک ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ وہ اس قبضے کی رقم میں بھی اس کا شریک رہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ مطلوب طالب کو اپنے قرض کے برابر رقم دے پھر طالب مطلوب پر اسے صدقہ کر دے جو اس نے ہبہ کیا تھا اور اسے زکوٰۃ میں سے سمجھ لے پھر مطلوب اپنے قرض کے برابر ہبہ کر دے تو طالب اپنے شریک کے لیے کسی چیز کا ضامن نہ رہے گا اس لیے کہ قرض کا ہبہ اس کے ذمے کو آزاد کر دیتا ہے اور جب دو شریکوں میں سے ایک قرض دار کو اپنے حصّہ قرض سے سبکدوش کر دے تو وہ اپنے شریک کے حصّے میں سے کسی چیز کا بھی دین دار نہیں یہ ضامن تو اس وقت ہو گا جب اس کی ضمانت میں قرضے کی رقم وصول ہوئی ہو۔ اور حیلہ لیجئے کہتے ہیں کہ زمین کرائے پر دے کر اس سے یہ شرط کرنی کہ خراج بھی تو ہی دے یہ ناجائز ہے لیکن اس کے جائز کر لینے کا حیلہ یہ ہے کہ اتنی رقم کرائے میں ہی بڑھا دے پھر اسے اجازت دے دے کہ اتنی رقم تم خراج والے کو خراج میں دے دینا باقی مجھے دے دینا کیونکہ اجرت پر جو زیادتی خراج کی رقم کی ہے وہ اس صورت میں کرائے پر لینے والے کے ذمے بطور قرض کے ہو گی اب یہ اسے کہتا ہے کہ یہ رقم خراج میں دے دینا۔ تو یہ جواز کی صورت ہو گئی ورنہ خراج مالک پر ہے نہ کہ کرایہ دار پر۔

اسی جیسا کہ اور حیلہ یہ ہے کہ کسی کو جانور کرائے پر دینا اور یہ شرط بھی کر لینا کہ اس کا دانہ چارہ تمہارے ذمے ہے یا ناجائز لیکن اگر ایسا کرنا چاہے تو اس کیلئے حیلہ یہ ہے کہ اجرت میں چارے کی رقم بڑھا دے اور اسے وکیل کر دے کہ اتنے کا تو چارہ کھلا دینا۔ حیلہ: پھل دار درختوں کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں لیکن اگر دینا چاہتا ہو تو یہ حیلہ کر لے کہ زمین کرائے پر دے دے اور اس کے پانی پلانے کا بدلہ ہزار جز میں سے ایک جز مقرر کر لے۔ حیلہ کسی نے دوسرے کو وکیل بنا کر بھیجا کہ اسی لونڈی کو اتنے میں خرید کر میرے لیے لے آ' وہ گیا اور لونڈی اسے پسند آگئی چاہتا ہے کہ اسے اپنے لیے ہی خرید کر لے تو ہے تو یہ ناجائز لیکن جائز کر لینے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکالت سے معزول کر لے پھر اسے قیمت اپنے ذمے لے کر خرید کرے پھر اپنے پاس جو روپیہ مؤکل کا ہے وہ ادا کر دے اور مؤکل کی یہ رقم اپنے ذمے قرض سمجھ لے تاکہ اگر قسم کھانے کا موقعہ ہو تو قسم بھی کھا سکے کہ میں نے تیری رقم سے اسے نہیں خریدا۔ یہ فرما کر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حیلہ ہمارے اصول پر پورا نہیں اُترتا۔ بغیر موجودگی مؤکل کے وکیل اپنے تئیں معزول نہیں کر سکتا۔ کہتے ہیں کہ جس زمین پر کھیتی کھڑی ہوئی ہے اسے اجارہ پر دینا جائز نہیں لیکن اگر دینا چاہتا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ کھیتی کو پہلے بیچ ڈالے پھر زمین کو اجرت پر دے دے پھر اگر چاہے کھیتی خود خرید لے۔ حیلہ کہتے ہیں کہ اگر مال والا مضارب پر مال مضاربہ کے ضمانت کی شرط کر لے تو یہ صحیح نہیں لیکن اگر اسے صحیح کرنا چاہتا ہے تو یہ حیلہ کر لے کہ مال اسے بطور قرض کے دے پھر وہ اسے قبضہ کر کے مالک اوّل کو دیدے پھر مالک اوّل اسے بطور شرکت کے دے دے پس اگر نیت کی ہے تو وہ مضارب کی ذمہ داری پر ہے کیونکہ وہ اسے بطور قرض کے لے چکا ہے پس اسے مالک مال کو لوٹانا ایسا ہے جیسے اس بیوپار کی اور آمدنی کا لوٹانا ہے۔

اسی کا اور حیلہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مال والا رقم کو بطور قرض کے دے پھر ایک درہم نکال کر اس میں بطور شرکت کے ڈالے اور دونوں طے کرلیں کہ اس کل رقم میں ہم کام کاج کریں گے اور جو ملے اس میں آدھوں آدھ حصّہ ہے اب جو نفع آئے گا دونوں کا نصفا نصف ہو گا اور جو نقصان ہو گا اپنی اپنی رقم کے حصّے کے برابر ہو گا یعنی پوری پونجی کے برابر مضارب کو اور ایک درہم کے برابر مال والے کو۔ کیونکہ مضارب نے اپنے تئیں پہلے ہی اس رقم کا قرضدار ٹھہرا لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مضاربت اسباب پر جائز نہیں لیکن اگر کرنا چاہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اسباب بیچ دے قیمت اپنے پاس لے لے پھر پونجی میں ملا دے اور اس سے سامان خریدیں اور بیچیں اور نفع تقسیم کرتے رہیں۔ اس مزے کے حیلے کو بھی سن لیجئے حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے قسم کھائی کہ جو لونڈی میں خریدوں وہ آزاد ہے اب وہ چاہتی ہے کہ لونڈی خریدے بھی اور وہ آزاد بھی نہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ جاریہ کا لفظ کہتے وقت مُراد اس سے کشتی لے لے۔ بالفرض بوقت قسم یہ نیت نہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ اس کا میاں خرید لے اور اسے ہبہ کر دے پھر یہ اس کی قیمت کے برابر کی رقم اپنے میاں کو ہبہ کر دے۔ اگر کسی عورت نے خاوند سے قسم لی کہ اس پر دوسری بیوی نہیں کرے گا۔ اگر کرے تو اسے طلاق ہے پھر جن کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہے ان کے مذہب کے مطابق اسے خوف ہوا اب یہ چاہتا ہے کہ دوسری بیوی بھی کرے اور اس پر طلاق بھی نہ پڑے تو وہ ان لفظوں میں قسم کھائے کہ میں جس عورت سے تیری طلاق پر نکاح کروں وہ طلاق والی ہے نیت یہ رکھے کہ تیری طلاق اس کا مہر ہو یا یوں کہے کہ جس عورت سے میں تیری گردن پر نکاح کروں اسے طلاق ہے مُراد یہ ہے کہ تیری گردن اس کا مہر ہو تو یہ آزاد ہے نکاح دوسری سے کرے اور اس عورت پر طلاق بھی نہ پڑے گی۔ اگر دیناروں کو درہموں کے بدلے بیچنا چاہتا ہے اور لینے والے کے پاس کچھ کمی ہے ادھار دیتا ہے تو یہ صورت حرام ہے لیکن یہ حیلہ کرلے تو حرام حلال ہو جائے گا کہ جتنے درہم اس کے پاس ہیں ان کے بدلے کے دینار تو لے لے باقی اسے قرض دے دے پھر تبادلہ کر لے یہاں تک کہ برابر کی رقم اس پر بطور قرض کے رہ جائے نہ عوض ہو گا نہ ناجائز ہو گا ادھار میں کوئی حرج نہیں۔ حنبلیوں کا تیئیسواں حیلہ درہموں کو دیناروں کے بدلے ادھار دینا جائز نہیں لیکن یہ حیلہ کرلے تو جائز ہو جائے گا ان سے کوئی چیز خرید لے اس کی نقد قیمت دے کر چیز اپنے قبضے میں کرے پھر وہ اس سے خرید لے دیناروں پر سودا چکایا جائے اور ہو ادھار بس جائز ہو گیا۔

حنبلی مذہب فقہ کا چوبیسواں حیلہ : شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ ایک شخص کا روپیہ ہے دوسرے کی محنت ہے اور شرکت میں کاروبار ہو رہا ہے روپے والا مرجاتا ہے مال کے مالک اس کے وارث ہو جاتے ہیں اس کے بعد یہ شخص کوئی سودا اسی رقم سے خریدتا ہے تو یہ صرف اسی کے ذمے ہے اس لیے کہ مرنے والے کی شرکت باطل ہو گئی ہے لیکن اگر یہ چاہتا ہے کہ اس ذمہ داری سے چھوٹ جائے تو یہ حیلہ کرلے کہ مرنے والے نے جو رقم دی تھی وہ اپنے بچے کی شراکت کے لیے دی تھی اور جو اس کا ترکہ ہو اس سب میں یہ بچہ اس کا شریک مقرر ہوا تھا اور مرنے والے نے اس سے کہہ دیا تھا کہ یہ اس کی حیات میں اور اس کی موت کے بعد اس میں سے جو چاہے اس کے لڑکے کے لیے خریدے تو یہ جواز کی صورت ہو جائے گی اس لیے کہ ملک غیر میں تصرف وکیل و ولی کو جائز ہے اور جب یہ جائز تو یہ بری الذمہ ہو گیا ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس کی اولاد صغیر سن ہو۔ (۲۵) ادھار میں سے کچھ اب لے لینے پر مصالحت ہو گئی تو جائز نہیں لیکن اگر یہ حیلہ کرلے تو جائز ہو جائے گی دونوں مل کر اس عقد کو تو فسخ کر دیں جو ادھار پر ہوا ہے اور اسے اسی نقد پر اسی کے برابر کرلیں۔ (۲۶) کہتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے نے ایک پیر دھو کر اس میں جراب پہن لی پھر دوسرا

دھویا تو شرعاً ان جرابوں پر مسح جائز نہ ہو گا اس لیے کہ پوری طہارت کے بعد جرابیں نہیں پہنیں لیکن یہ حیلہ کر لے تو پھر جائز ہو جائے گا کہ اس کو اتار لے پھر سے پہن لے۔ (۲۷) کہتے ہیں کہ اگر وصیت کی کسی شخص کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی یا اپنی لونڈی کے پیٹ میں جو ہے اس کی تو یہ جائز ہے اگر اس کے وارث غلام کی خدمت کو خریدنا چاہیں یا اس لونڈی کے پیٹ والے کی خدمت خریدنا چاہیں اس سے جس کے لیے اس نے وصیت کی ہے تو یہ جائز نہیں لیکن اسے ٹالنے کا حیلہ یہ ہے کہ اس سے کچھ دے کر مصالحت کر لیں تو جائز ہو جائے گی۔ گو بیع جائز نہ ہو گی لیکن صلح میں وہ جائز ہے جو بیع میں جائز نہیں۔

(۲۸) کہتے ہیں کہ دونوں کے پاس اسباب ہو تو ان کی شرکت نہیں ہو سکتی ایک کے پاس پانچ ہزار کا مال ہے دوسرے کے پاس ایک ہزار کا ہے تو ان کی شرکت نہیں ہو سکتی لیکن اگر یہ شرکت چاہتے ہیں تو یہ حیلہ کر لیں کہ جس کے پاس پانچ ہزار کی چیز ہے وہ دوسرے سے اس کے مال کے چھ حصّوں میں سے پانچ حصّے خرید لے اپنے مال کے چھٹے حصّے کے بدلے پس یہ جمیع مال کے چھٹے حصّے کے برابر ہو گیا اور دوسرے کے اس میں اس کے چھٹے حصّے کے پانچ حصّے ہیں دونوں کا مال چھ ہزار کا ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس طرح کی شرکت سے چھ حصّے ہو گئے۔ پانچ ایک کے اور چھٹا ایک کا جب ان میں سے ایک کا حصّہ ہلاک ہو تو شرکت میں سے ہلاک ہوا۔ (۲۹) وکیل کی شہادت موکل کی طرف سے جس چیز میں اسے وکیل کیا گیا ہے نامعتبر ہے لیکن معتبر بنا لینے کا حیلہ یہ ہے کہ اسے معزول کر دے شہادت دلوا دے پھر وکیل بنا لے۔ (۳۰) اگر کسی نے اپنی موت کی بیماری میں اپنے غلام کو آزاد کیا اور وہ اس کے مال کے ثلث میں ہی ہے لیکن اسے خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو وارث اور مال کا انکار کر کے اس کے دو ثلث کے مالک بن جائیں تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اسے ایک رقم دے دے وہ اس رقم کو ادا کر کے اپنے تئیں خرید لے اس پر لوگ گواہ ہو جائیں اور غلام آزاد ہو جائیں۔ (۳۱) وارث کا اپنے مورث پر کچھ قرض ہو اور اس کا ثبوت کچھ نہ ہو اور وہ چاہتا ہو کہ اس کے غلام کو بیچ کر اس میں سے اپنا قرضہ وصول کر لے تو وہ بھی یہی حیلہ کر لے۔ (۳۲) اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں کی طرف وصیت کرتا ہوں وہ قبول نہ کرے تو فلاں کی طرف پھر اسے ڈر لگا کہ وصیت کو معلق کرنا جن کے نزدیک جائز نہیں کہیں وہ میری اس وصیت کو باطل نہ کر دے کہ ولایت شرط کے ساتھ معلق نہیں ہو سکتی تو وہ حیلہ کر لے کہ فلاں اور فلاں میرا وصی ہے تو جو بھی قبول کرے گا بلا اختلاف وہی وصی بن جائے گا۔

حنبلی مذہب کا ۳۳واں حیلہ : کوئی ذمی شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کے پاس بہت سی شراب ہے اسے ڈر ہے کہ اسلام کے بعد یہ مال میرا برباد ہو جائے گا تو وہ یہ حیلہ کر لے کہ کسی اور ذمی کے ہاتھ اسے بیچ ڈالے پھر اسلام لے آئے تو بعد از اسلام اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر دوسرا بھی مسلمان ہو جائے تو بھی یہ رقم اس کی باقی رہے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک مجوسی دوسرے مجوسی کے ہاتھ شراب فروخت کرے پھر دونوں مسلمان ہو جائیں تو وہ قیمت لے سکتا ہے کیونکہ بیع کے دن ہی قیمت واجب ہو چکی ہے۔ حیلوں کو جائز کہنے والے حنفی حضرات یہ دلائل وارد کر کے پھر فخریہ کہتے ہیں کہ جب شافعی، مالکی، حنبلی سب حیلوں کے قائل ہیں ان کے مذاہب میں بھی حیلے موجود ہیں پھر کس منہ سے وہ ہماری تردید کرتے ہیں؟ اور کس طرح ہمیں برا کہنے پر ان کی زبانیں کھلتی ہیں؟ وہ کیوں ہم پر طرح طرح کے فتوے لگاتے ہیں؟ اور کیوں بار بار ہم پر بدترین حملے کرتے ہیں؟ ہماری ان کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی جگہ خزانہ پائیں اور وہاں سے جو جس کے ہاتھ لگے لے لیں کسی کو کم ملا کسی کو زیادہ لیکن وہاں سے نکل کر کچھ لوگ

دوسروں پر برس پڑیں کہ واہ تم نے یہ مال کیوں لیا؟ حالانکہ خود ان کے ہاتھ میں بھی وہی مال موجود ہے۔ ان کی جیبیں بھی اس مال سے خالی نہیں آہ! کاش کہ یہ لوگ اپنا دامن جھاڑ لیتے پھر دوسروں پر اعتراض کرتے۔

حیلوں کو جائز کہنے والوں کے ان تمام دلائل کے صحیح جوابات

اللہ پاک ہے اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا ہے نیکی کی توفیق برائی سے رکنے کی طاقت بغیر اس کی دستگیری کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں جس نے فرائض مقرر کیے حرام کی حد بندیاں کر دیں' حق واجب کر دیئے' بندوں کی دنیا دین کی مصلحتوں کو پورا کیا اپنی شریعت کو کامل بنایا کہ اس کے بندے زندہ اور خوش و خرم رہ سکیں ان کی زندگی سنور جائے ان کے نقصانات دور ہو جائیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے وہ چھاؤں کی جس میں آکر ساری دنیا دھوپ کی تکلیف سے بچ جائے جس نے وہ قلعہ بنایا جس میں داخل ہو کر ہر ایک بدی سے مخلوق نجات پالے اس کے لیے بلندی ہے جس کی شریعت تمام شریعتوں پر فائق ہے اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ فرائض و واجبات مقرر کر کے پھر ایسے حیلے سکھائے جس سے وہ سب ساقط ہو جائیں وہ حرام اور ناجائز چیزوں کا تقرر کر کے پھر وہ حیلے بتائے جس سے وہی چیزیں حرمت سے نکل جائیں۔ اس کی پاک شریعت ہر طرح کے مکر سے' حیلے سے' دھوکے سے' فریب سے بہت بلند و بالا ہے۔ ہمارا رب ایسا نہیں کہ وہ ایسے اسباب بنائے جن سے حرام تک ہم پہنچ جائیں جن سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق ہم ضائع کر دیں جن سے لوگوں کی عزت و حرمت' جان و مال' تنگی میں آجائے جن سے ناموس انسانی خطرہ میں پڑ جائے۔ جن سے ان لوگوں کی چاندی ہو جائے جو مکار اور فریبی ہیں وہ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ جن کا ظاہر کچھ ہوتا ہے باطن اور ہی کچھ ہے وہ وہ لغو اور عبث حرکتیں کرتے ہیں جو بچوں کے کھیل اور مداریوں کے تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بچوں کو بڑے لوگ جس طرح بہلاتے اور پھسلاتے ہیں حق تو یہ ہے کہ اسی طرح یہ حیلہ باز لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے ہیں۔ احکام الٰہی کے ساتھ یہ لوگ مجنونانہ حرکتیں کرتے ہیں کتاب اللہ کو چٹکیوں میں اڑاتے ہیں دینِ الٰہی کو مضحکہ صبیان بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال بنانے کے لیے حلال کو حرام کرنے کے لیے حیلے تراش لیے ہیں۔ ظاہری طریقہ دنیا کے سامنے اچھا رکھ کر اپنے بدمقصد کو پورا کر لیتے ہیں جس کی حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ پاتے ہیں ادنیٰ سے حیلے سے اسے ضائع کر دیتے ہیں دو برابر کی چیزوں میں تفریق کرتے ہیں دو جداگانہ چیزوں کو ایک کر دیتے ہیں۔ کبھی نام بدل کر' کبھی صورت بدل کر' کبھی راستہ بدل کر ایک ہی چیز کو حرام کر دیتے ہیں پھر اسی کو دوسرا نام دے کر اسی کو دوسرا قالب پہنا کر اسی کی طرف دوسرا راستہ نکال کر اس کو حلال کر لیتے ہیں۔ کسی چیز کو واجب مان لیا اور اس سے بڑی اور اہم چیز کو وجوب سے گرا دیا۔ ایک فساد کو حرام قرار دے کر پھر اسی کو بلکہ اس سے بہت بڑے فساد کو ادنیٰ سے حیلے سے حلال کر لیتے ہیں۔

ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ان ہتھکنڈوں سے الگ رکھا ہے اور اپنے دین کو اس الجھن سے دُور رکھا ہے اس تناقض اور فساد سے اپنی شریعت کو پاک رکھا ہے وہ تمام خلق اللہ کے لیے کافی ہے۔ بندوں کی تمام مصلحتیں اس پاک شرع میں موجود ہیں یہی چیز اس دین کے دینِ الٰہی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ یہی نور مبین ہے اور یہی حصن حصین ہے یہی

ٹھنڈا اور پاک سایہ ہے' یہی عدل کی ترازو ہے۔ اسی سے دین و دنیا حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر عمل کرنا دونوں جہان کی سرخروئی کا سبب ہے جو چیز جہاں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہاں سے اس کا ہٹانا بھی جرم عظیم ہے۔ جس نے ایسا کیا اس نے شریعت سے جھگڑا کیا اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا انکار کیا اس کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ ہم اس اللہ پاک کو ایک ہی مانتے ہیں جس کی توحید پر تمام چیزیں شاہد ہیں جس کی الوہیت اور ربوبیت پر بے شمار دلیلیں ہیں۔ جو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے جس کی جلالت و عظمت سے ساری مخلوق دبی ہوئی ہے اسی کے لیے تمام بہترین اور اعلیٰ پاک اور بلند و بالا نام ہیں' تمام عالی صفتیں اسی کو سزاوار ہیں اسی کے لیے اعلیٰ مثال ہے' اس کے ناموں میں کوئی برائی داخل نہیں ہو سکتی' اس کی صفتوں میں کوئی نقصان اور عیب نہیں۔ اس کے افعال ظلم و زیادتی سے دُور ہیں وہ اپنی ذات و صفات' افعال و اسماء میں بے مثل و بے شریک ہے۔ اس کے کمال اسی میں ہیں۔ اس کا نام برکت والا ہے' اس کی عزت بلند ہے' اس کی حکمت کامل ہے' اس کی نعمت بھرپور ہے' اس نے اپنے بندوں پر اپنی حجت قائم کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت اس غلاظت سے بہت پاک ہے کہ اس میں تناقض اور اختلاف ہو اس نے خود فیصلہ فرما دیا ہے کہ اگر یہ اس کی شریعت نہ ہوتی تو اس میں بہت اختلاف اور بہت تناقض ہوتا۔

یہ وہ شریعت ہے جس کی کڑیاں ملی ہوئی ہیں جس کی قسمیں عدل و انصاف والی ہیں جو ہر نقصان سے مبرا ہے جو ہر میل کچیل سے پاک ہے جس میں کوئی داغ دھبہ نہیں۔ جس کے قواعد عدل و حکمت رحم و مصلحت پر مبنی ہیں اس میں جو برائی حرام ہوتی ہے۔ اس جیسی اور برائی اور اس سے بڑی برائی یقیناً حرام ہوتی ہے اس میں جب کسی مصلحت کا لحاظ ہوتا ہے تو اسی جیسی تمام مصلحتیں اور اس سے بڑی کل مصلحتیں لحاظ رکھی جاتی ہیں۔ یہ وہ سیدھی راہ ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے نہ موڑ توڑ۔ یہی وہ یک طرفہ صاف اور آسان دین ہے جس میں کوئی تنگی نہیں۔ اس کی توحید نتھری ہوئی ہے۔ اس کے عمل آسان ہیں۔ ناممکن ہے کہ اس میں آپ ایسا ایک حکم بھی پائیں کہ کوئی عقل سلیم کہہ دے کہ یہ حکم نہ ہوتا تو اچھا تھا ناممکن ہے کہ اس میں آپ ایک ممانعت بھی ایسی پائیں کہ عقل سلیم کہہ دے کہ یہ ممانعت نہ ہوتی تو مناسب تھا بلکہ اس میں ہر بھلائی کا حکم ہے اور ہر برائی کی ممانعت ہے ہر طیب چیز حلال ہے اور ہر خبیث چیز حرام ہے۔ اس کے حکم غذا اور دوا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی ممانعت پرہیز اور بچاؤ کی حیثیت رکھتی ہے اس کا ظاہر باطن کی زینت ہے اور اس کا باطن ظاہر سے بھی زیادہ تجمل والا ہے۔ اس کا شعار صداقت ہے' اس کا قول حق ہے' اس کی ترازو عدل والی ہے' اس کا حکم فیصل کرنے والا ہے۔ یہ اتنی کامل مکمل ہے کہ نہ اسے کسی سیاست ملکی کی ضرورت ہے نہ کسی قانون شاہی کی ضرورت ہے' نہ کسی فقیہ و مجتہد کے رائے قیاس کی اسے حاجت ہے نہ کوئی ذوق اور وجدان کو اس میں دخل ہے نہ کسی طریقت اور ریاضت کی یہ محتاج ہے نہ کسی دین دار کے خواب پر اس کی بنا ہے نہ کسی صالح شخص کے کلمات اور ملفوظات کی یہ محتاج ہے بلکہ یہ سب اور دنیا کا ہر عقلمند اس کا محتاج ہے جو بھی بڑا بنتا ہے اسی سے' جو بھی مشہور ہوتا ہے اسی سے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسی کامل مکمل شریعت دے کر سب سے بے نیاز کر دیا۔ قانون گروں کے قانون سے' بادشاہوں کی سیاست سے' حیلہ سازوں کی ملمع کاریوں سے' فقہا کے قیاسوں سے' خلافی لوگوں کے غلط راستوں سے' غرض اپنے ماسوا سب سے ہم اس شریعت کو لے کر غنی ہیں۔ ہمیں اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ہمارے سامنے یہ گندے قیاس اور یہ ناپاک حیلے اور یہ قانون دنیاوی جو آپس میں خود مختلف ہیں۔ یہ ادھر ادھر کے بکواس پیش کرنے والے ذرا ہمیں یہ تو بتائیں کہ تمہاری یہ سب چیزیں اس وقت کہاں تھیں؟ جب آیت : ﴿ اَلْيَوْمَ

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾ الخ' (مائدہ : ۳) اُتری۔ یعنی آج میں نے تمہارے لیے اپنا دین کامل کر دیا اور تمہیں اپنی پوری نعمتیں دے دیں اور تمہارے لیے اس اسلام کے دین ہونے پر میں خوش ہو گیا۔ یہ تمام چیزیں اس وقت کہاں تھیں؟ جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں دلیل روشن پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح ہے میرے بعد اس سے کجی وہی اختیار کرے گا جس کی قسمت میں ہلاک ہونا لکھا ہو گا۔ تمہاری ان نوایجاد چیزوں میں سے ایک بھی اس وقت تھی؟ جب کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دُور کرنے والی جتنی چیزیں تھیں میں ان سب سے تمہیں آگاہ کر چکا ہوں۔ کہو تو تمہارے یہ رائے' قیاس' مصلحت' فقہ' قانون' طریقت وجدان' خواب وغیرہ اس وقت کہاں تھے؟ جبکہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو پرند آسمان پر اڑتا تھا اس کا علم بھی ہمیں حضور ﷺ نے سکھایا تھا۔ تمہاری ایجادات میں سے ایک بھی نہ تھی اور اپنے تو اپنے غیر بھی جانتے تھے کہ یہ دین کامل ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں تو تمہارے نبی ﷺ نے تمام باتیں سکھا دیں یہاں تک کہ پاخانے پیشاب کے طریقے بھی۔ آپ نے فرمایا بیشک یہ بالکل سچ ہے بتلاؤ پھر اس میں یہ حیلے یہ مکر یہ فریب کہاں ہیں؟ واللہ! ان سے تو آپ نے اپنی امت کو بچایا ہے' ڈرایا ہے' انہیں ایمان کے خلاف بتایا ہے ان کے کرنے والوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

صاف فرما دیا کہ اے میری امت کے لوگو! تم یہودیوں کی سی حرکات نہ کرنا کہ ادنیٰ ادنیٰ سے حیلوں سے خدائی حرام کو حلال کر لو۔ مکروحیلے کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ حرام کے کل ذرائع مسدود فرما دیئے۔ حلال حرام کی حدیں قائم کر دیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا۔ حلال حرام کے درمیان میں برزخ آڑ اور حجاب قائم کر دیا کہ اس کی حدیں اس کی حدوں سے مل ہی نہ سکیں تاہم اس روک کے آس پاس جانے سے بھی لوگوں کو روک دیا۔ حیلے حوالے کرنے والوں کی اور ان سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے والوں کی' فرائض کو گرانے والوں کی' سخت سزاؤں کا بیان خود اللہ نے اپنی بلند مرتبہ کتاب میں کر دیا۔ امام ابوبکر اجری نے سودی بے سود حیلوں کا ذکر کر کے صاف کہا ہے کہ ان سے کم درجے کے حیلوں پر یہودیوں کی شکلیں بدل دی گئیں۔ واللہ! یہی بات حق ہے ہفتے کے دن مچھلی سودی روپے سے زیادہ بد اللہ کے نزدیک نہ تھی نہ ہے' لیکن بات یہ ہے --------- کہ ان پر پکڑ جلدی آئی ان پر دیر سے آنی ہے۔ امام ابویعقوب جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی ان جماعتوں پر یہ عذابِ الٰہی اسی لیے آیا کہ انہوں نے گڑھے کھودے ان میں ہفتے کے دن مچھلیاں آئیں وہ نہ جا سکیں اتوار کو جا کر پکڑ لائے۔ ان کے حیلوں سے ہی وہ زنجیر ان میں سے اُٹھ گئی جو ظالم کی گردن قدرۃً پکڑ لیا کرتی تھی۔ ائمہ کا فرمان ہے کہ اس آیت میں خلاف شرع حیلے کرنے والوں پر سخت زجروتوبیخ ہے دراصل یہ لوگ فقہاء کا لباس پہن لیتے ہیں لیکن حقیقتاً علمِ دین سے فقہ شرع سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ فقیہ اصلی تو وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو جو دور کے سود سے بھاگنے والا ہو جو ملعون سانڈ حلالہ کرنے والے کو سچ مچ لعنت کا کپا سمجھتا ہو۔ اسی طرح شریعت کی ہر ممانعت کو بڑی چیز سمجھتا ہو کسی طرح بھی اس کے پاس پھٹکنا بدترین جرم جانتا ہو اسے علم ہو کہ اگر یہ چیزیں چل پڑیں تو مخلوق اللہ تباہ ہو جائے گی دینِ الٰہی مٹ جائے گا امن و امان غارت ہو جائے گا یہ حیلے اس اللہ کے ساتھ ہیں جس کی نگاہیں دل پر ہیں جس سے کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ بلکہ جو حیلے ہمارے ان فقہاء نے ایجاد کیے ہیں وہ یہودیوں کے حیلوں سے بہت ہی بڑے اور برے ہیں انہوں نے تو ان یہودیوں کے بھی کان کترے ایک حیلے پر وہ تباہ ہوئے پھر کیا کئی ایک حیلوں پر یہ تباہ نہ ہوں گے؟ حالانکہ ان کے حیلے ان کے حیلوں سے زیادہ بد اور زیادہ سخت ہیں دلائل تو کیا؟ جو شخص شریعت کے مصالح پر اس

کی حکمتوں پر اس کی عظمت و وقعت پر ہی غور کرے گا وہ جان لے گا کہ بیشک حیلے حوالے اس پاک شریعت کے خلاف ہیں۔

حیلوں کو جائز کہنے والوں کی دلیلوں کے تفصیلی جوابات ملاحظہ ہوں :

ہم نے آپ کی دلیلیں سن لیں آپ کے تمسکات معلوم کر لیے۔ اب ہم عدل و انصاف کو' اللہ کے ڈر کو' شریعت کی پاکیزگی کو' اپنے سامنے رکھ کر اللہ کے دین کو پاک کرنے کے لیے لوگوں پر حق کو واضح کرنے کے لیے آپ کے دلائل کا جواب عرض کرتے ہیں۔ ہم تفصیل سے بیان کر دیں گے اور الگ الگ کر کے واضح کر دیں گے کہ ان میں سے بہت سے حیلے تو کفر محض ہیں بہت سے فسق ظاہر ہیں بہت سے مکروہ ہیں پھر ہم ان میں سے جو چیزیں جائز و مستحب ہیں یا عقلاً واجب ہیں یا شرعاً واجب ہیں انہیں بالکل نتھار کر علیحدہ کر دیں گے پھر ہم یہ بھی بتلائیں گے کہ شریعت کے جائز راستے بھی بہت سے ہیں لیکن افسوس کہ حیلہ پسندی نے تمہیں ان جائز طریقوں کی طرف نظر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں دی۔ ورنہ آپ خود دیکھ لیتے کہ حق اتنا ہے کہ باطل کی ضرورت نہیں شرعاً وہ راستے ہیں جو حیلوں کی ضرورت باقی نہیں رہنے دیتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر طلب کرتے ہیں اسی سے مدد چاہتے ہیں اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اب حقانیت آپ پر واضح کرتے ہیں' ملاحظہ ہو۔

آیت ﴿ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا ﴾ (ص: ۴۴) کا جواب :

(۱) ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بے محل پیش کی ہے خود فقہاء کے ایسی قسموں کے بارے میں دو مذہب ہیں مثلاً کسی نے کہا کہ واللہ! میں اپنے غلام کو یا اپنی لونڈی کو سو ضرب لگاؤں گا ایک تو یہ کہ اس کا مصداق یہ ہے کہ چاہے الگ الگ مارے چاہے کسی ایک چیز سے ایک ہی مرتبہ' پھر بعضوں نے اس میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مجموعی طور سے بھی اس پر لگنا ضروری ہے پس اس بنا پر اس قسم کا مطلب و مفاد یہی ہے اس لیے اسے حیلہ کہنا ہی غلط ہے حیلہ اسے کہا جاتا ہے جو لفظ کو اس کے مصداق و موجب سے علی الاطلاق ہٹا دے۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مُراد ضرب معروف ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر آپ کا اسے وارد کرنا اور بھی بے سود ہو جاتا ہے کیونکہ پہلی شریعت کی کوئی بات ہماری شریعت کے خلاف ہو وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ ہمارے لیے شرع ہی نہیں یا ہے اگر نہیں تو مطلع صاف ہے اگر ہے تو اس شرط سے ہے کہ ہماری شریعت میں اس کا خلاف نہ ہو جب خلاف ہے تو پھر مطلع صاف ہو گیا۔ (۳) اس آیت پر اگر یہ حضرات غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ خاص حکم ہے اگر یہی حکم ہوتا اگر عام حکم یہی ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے ایک بزرگ رسول علیہ السلام پر یہ مخفی رہ جاتا۔ پھر اس صورت میں اس کے بیان سے ہمیں ایسا کون سا بڑا فائدہ تھا؟ بیان تو وہی چیز کی جاتی ہے جو اپنے جیسی اور چیزوں سے کوئی خاص امتیاز رکھتی ہو۔ جس سے ہمیں عبرت حاصل ہو سکتی ہو اور ہم اس سے حکمت اللہ پر کوئی استدلال کر سکیں جو مقتضائے قیاس اور حسب عادت ہو اس کا بیان بالکل ہی غیر ضروری اور غیر مفید ہے۔ (۴) اس کی خصوصیت پر خود قرآن میں دلیل موجود ہے فرمان ہے : ﴿ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ﴾ (ص: ۴۴) یہ جملہ گویا علت ہے جیسے اسی جیسی اور آیتوں میں موجود ہے پس ثابت ہوا کہ یہ خاص صورت اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کی جزا میں بیان فرمائی تاکہ قسم کا خلاف نہ ہو۔ (۵) اس سے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے مذہب میں قسم کے کفارے کا مسئلہ تھا ہی نہیں وہاں دو ہی صورتیں تھیں یا قسم پوری کرو یا توڑو لیکن ہماری شریعت میں کفارہ بھی مقرر کیا گیا ہے فالحمدللہ' بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ پہلے ہماری شریعت میں بھی یہی حکم تھا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قسم نہیں

توڑا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارے کی آیت نازل فرمائی۔ پس ظاہر ہے کہ شریعت محمدیہ میں بھی پہلے قسم کے کفارے کا حکم نہ تھا۔ (۶) اب یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی نذر پوری کرنے کے قابل ہی نہ تھی کیونکہ اس میں آپ کی بیوی صاحبہ پر ضرر تھا اور جب پوری کرنے کے قابل نہ تھی تو اب چاہیے تھا کہ اس کا کفارہ دیتے کیونکہ نذر کا اور قسم کا کفارہ ہوتا ہے لیکن اس وقت نذر کا کفارہ مشروع نہ تھا پس کفارۂ قسم بھی نہ ہونا اولیٰ ہے۔ (۷) ساتواں جواب جو بہت واضح ہے وہ بھی سن لیجئے۔ نذر کا واجب گویا واجب کی طرح ہے شرعی واجب کی صورت میں اگر وہ شخص جسے مار پڑنے والی ہے صحیح تندرست ہے تو الگ الگ ضرب لگائی جائے گی لیکن اگر وہ سخت بیمار ہے اس کی بیماری کے دور ہونے کی امید نہیں تو سب ضرب ایک ساتھ کر کے لگا دی جائیں گی ورنہ اس کی جان جانے کا خطرہ ہے اور یہ مطلوب نہیں نہ نذر و قسم والے کا نہ اللہ کی شرع کا۔ خود سنت سے یہی صورت بوقت عذر ثابت ہے پس واجب جو نذر سے ہوا ہے شرعی واجب سے زیادہ اہمیت ہرگز نہیں رکھتا حضرت ایوب علیہ السلام نے سو ضرب لگانے کی قسم کھائی ہے مائی صاحبہ ضعیفہ ہیں ان میں اس کے برداشت کی قدرت نہیں پھر اللہ کے نزدیک وہ کرامت و بزرگی والی ہیں پس رب العالمین نے ان پر تخفیف کر دی اور حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ سو تیلیوں والی جھاڑو لے کر ایک مار دو۔ (۸) ایسی ہی تخفیف مریض کے بارے میں ہمارے ہاں بھی موجود ہے۔

(۹) کل مال کی نذر ماننے والے کے لیے شریعت نے صرف تہائی مال کر دیا ہے رحمت اور تخفیف کے لحاظ سے۔ (۱۰) اسی رحمت کا تقاضا ہے کہ ثلث میں وصیت جائز رکھی اس سے زیادہ کو ممنوع قرار دے دیا۔ (۱۱) اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی اسے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک قربانی دے دو کیونکہ ایسا نہ کرنے سے پھر اصلی واجبات اور احکام حج میں عاجز ہونے کا خطرہ تھا۔ (۱۲) یہی تخفیف طواف وداع کے حائضہ سے ساقط ہونے کی ہے۔ (۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ جس نے اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کی منت مانی تھی وہ ایک بکری راہِ اللہ ذبح کر دے جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں ہوا ہے۔ (۱۴) چار طواف کی جس کی نذر تھی اسے فتویٰ دیا کہ دو پورے طواف سات سات پھیروں کے کر لے کیونکہ سات پھیرے قائم مقام دو طواف نذر کے ہیں۔ (۱۵) آپ نے اور آپ کے اور صحابہ رضی اللہ عنہم مایوس مریض کو اور بہت ہی بوڑھے پھوس کو جنہیں روزے کی طاقت نہیں افطار کرنے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دینے کا فتویٰ دیا جو قائم مقام روزہ رکھنے کے ہے۔ (۱۶) یہی فتویٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ واجبات شرع میں خود شرع نے تخفیف کر دی ہے اور اس مشقت کو ٹال دیا ہے اس کے مشابہ فعل سے جیسے ابدال مشابہت وغیرہ۔ (۱۷) پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں تو حضرت ایوب علیہ السلام والی صورت میں ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ قسم ٹوٹنے پر کفارہ موجود ہے۔ ہمارے ہاں اس بارے میں دو ہی فتوے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال تو یہ ہے کہ معصیت کی نذر میں کچھ بھی نہیں نہ پورا کرنا نہ کفارہ دینا' دوسری جماعت کے نزدیک پورا کرنا نہیں لیکن کفارہ ہے بہرصورت کسی حیلے حوالے کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی وہ توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔

(۱۸) انسانوں کا جو کلام مطلق ہو وہ اسی تفسیر پر محمول ہو گا جو مطلق شرعی کی تفسیر ہوتی ہو بالخصوص قسموں کے الفاظ ان کا مطلب عرفی خطاب شرعاً اور عادۃً لینا یہ لفظ کے پیچھے پڑنے سے یقیناً اولیٰ ہے۔ دیکھئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زانی مرد و عورت

کو سو کوڑے لگانے کو فرمایا تہمت دھرنے والے کو جبکہ وہ گواہ نہ گزار سکے اسی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے سب لوگوں نے اس سے الگ الگ ضربیں مارنا ہی سمجھا نہ کہ مجموعی طور پر۔ بجز اس صورت کے کہ جسے مار پڑنی ہو وہ ایسے عذر سے معذور ہو کہ اس کے زوال کی امید نہ ہو تو بیشک اسے مجموعی طور پر یہ ضربیں لگا دی جائیں گی ہاں اس میں خلاف فقہاء سے کہ اگر وہ عذر قابل زوال ہو تو آیا موخر کر دی جائے یا ایک ساتھ ضرب لگا دی جائے؟ پس یہ کہنا بالکل غلط ثابت ہو گیا کہ اس قسم سے ماحصل یہی ہے کہ مجموعی طور سے ایک ضرب میں ہی سو ضربیں پوری کر لی جائیں' باوجودیکہ جسے ضرب لگانی ہے وہ تندرست ہے قوی ہے۔ یہ تھی حیلہ بازوں کی پہلی اور اہم اور سب سے بڑی دلیل جس کے ہم نے ایک چھوڑ کئی جوابات دے دیئے اور حق یہ ہے کہ اب وہ اسے کسی طرح اپنی دلیل نہیں بنا سکتے۔ اب آپ سمجھ لیجئے کہ اس سے کم درجوں کی دلیلوں کا کیا حال ہو گا۔

حیلوں کو حلال کہنے والوں کی دوسری دلیل کے جوابات :

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ تھی کہ حضرت یوسف نبی علیہ السلام نے اپنا جام اپنے بھائی کے سامان میں رکھ کر انہیں گرفتار کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جناب خود اس حیلے کو جائز نہیں مانتے پھر جو چیز تمہارے ہاں جائز نہیں اسے ہم پر حجت کیسے کر سکتے ہو؟ (۲) اگر تم کہو کہ ان کی شریعت میں تو جائز تھی' ہم کہیں گے جب ہماری شریعت میں جائز نہیں رہی تو ہمیں ان کے ہاں کے جواز سے کیا نفع؟ (۳) ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرام حیلوں میں سے اسے گننا درست نہیں اس میں تو بہترین طور ہیں۔ قسم اول کے عمدہ طریقے ملاحظہ ہوں۔ پہلے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ بھائیوں کا اسباب بھی ان کے کجاووں میں رکھ دو تاکہ گھر جا کر یہ اسے پہچان لیں ممکن ہے کہ پھر واپس آئیں۔ پس اسے ان کی واپسی کا سبب بنایا۔ اس کے بہت سے معانی بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) آپ کو خوف تھا کہ ایسا نہ ہو اب ان کے پاس پونجی نہ رہی ہو اور نہ آئیں۔ (۲) خوف تھا کہ قیمت دینی انہیں بار نہ پڑے۔ (۳) ان سے قیمت وصول کرنا مروت کے خلاف سمجھا۔ (۴) اپنی بخشش اور خوش اخلاقی انہیں دکھانی منظور تھی تاکہ دوبارہ آنے کی ان کی ہمت بندھی رہے۔ (۶) یہ امانت انہیں واپس ضرور لائے گی کیونکہ یہ لوگ امین ہیں پس یہ نیک مقصد تھا کہ پھر آئیں اور یہ اپنے سگے بھائی کو دیکھ سکیں اس میں ان کا بھی نفع تھا اپنا بھی نفع تھا اور اپنے والد کا بھی نفع تھا اور اپنے بھائی کا بھی نفع تھا۔ نیک غرض تھی اپنے تئیں اب تک ان پر ظاہر نہیں کیا تھا کیونکہ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں تھیں سارے خاندان کی بھلائی اسی میں تھی اور اللہ کی مصلحت اور مصیبت کا پھل اسی میں ملتا تھا۔ (۵) قسم دوم کے عمدہ طریقے ملاحظہ ہوں۔

دوسری مرتبہ پینے کا برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھوا دیا اس میں بیشک اس بات کا وہم دلانا تھا کہ چوری سے لے لیا ہے لیکن یہ بھی مذکور ہے کہ بھائی سے پہلے ہی سے یہ راز کھول دیا تھا وہ اس پر رضامند ہو گئے تھے۔ آپس کے مشورے سے یہ بات ہوئی تھی اس کی دلالت اس آیت میں ہے : ﴿ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ (یوسف : ۶۹) یعنی جب یہ سب آ گئے تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور فرما دیا کہ میں تیرا بھائی ہوں تو ان کے افعال سے آزردہ نہ ہو۔ اس میں دو قول ہیں اول تو یہ کہ انہیں اپنا یوسف ہونا معلوم کرا دیا تاکہ جو حیلہ ان کے ساتھ کرنے والے تھے اس سے انہیں کسی قسم کا اندیشہ اور ڈر نہ ہونے پائے۔ (۶) دوسرا قول یہ ہے کہ اپنا یوسف ہونا تو ظاہر نہیں فرمایا تھا ہاں یہ کہا تھا کہ تو اپنے گم شدہ بھائی کی جگہ مجھے سمجھ لے اور بھائیوں کے مظالم کا کوئی خیال نہ

کر۔ جن کا یہ قول ہے وہ کہتے ہیں کہ جام کے رکھنے کی خبر بھائی کو نہیں کی تھی' لیکن یہ قول مفہوم قرآن کے خلاف ہے اور اکثر مفسرین کے قول کے بھی خلاف ہے پھر اس میں اسے خوف زدہ کرنا بھی ہے جو خوف زدہ کیے جانے کے قابل نہ تھا۔ (۷) پہلے قول کی بنا پر حضرت کعب وغیرہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں تو انہوں نے کہا کہ اب میں آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا والد صاحب میری جدائی میں غمناک ہیں تمہاری جدائی میں اور بھی مغموم ہو جائیں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی حیلہ سے تمہیں روک لوں لیکن اس میں تمہاری بدنامی ہو گی۔ چھوٹے بھائی نے کہا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں جو مناسب ہو آپ کیجئے لیکن اب میں آپ کو چھوڑ کر جاؤں گا نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تو میں اپنا یہ جام تمہارے کجاوے میں رکھ دیتا ہوں تاکہ تمہیں چوری کے الزام میں روک سکوں۔ انہوں نے اسے منظور کر لیا پس یہ تصرف اپنے بھائی کی اجازت سے تھا۔

(۸) اسی طرح کا ایک واقعہ کتب تاریخ میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا مذکور ہے کہ جب ان کی قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مرتد ہونا چاہا تو آپ نے انہیں مشورہ دیا کہ جلدی نہ کرو انتظار کر لو دیکھ لو کیا ہوتا ہے؟ زکوٰۃ کے وصول کردہ جو اونٹ ان کے پاس تھے انہیں ان کا لڑکا چرانے جایا کرتا تھا اس سے کہہ دیا کہ تم دور نکل جانا اور دیر سے آنا چنانچہ اس نے یہی کیا جب وہ آیا تو اس سے لوگوں کے سامنے لڑنے لگے آخر مارنے کے لیے اٹھے لیکن لوگوں نے سفارش کی اور انہیں روک دیا۔ اب ہر رات وہ اور دیر لگا لگا کر آنے لگا اور جب وہ آتا یہ بگڑتے لوگ انہیں منا لیتے آخر اپنے بیٹے سے کہا آج فلاں مقام تک نکل جانا اور پلٹنا نہیں چنانچہ یہ نہ آئے۔ رات ہو گئی یہ انتظار کر رہے ہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں غصے ہو رہے ہیں لوگوں سے کہہ رہے ہیں دیکھا تمہاری سفارش کا نتیجہ کہ آج وہ اتنی رات گئے تک نہیں آیا وہ عذر معذرت کرتے رہے یہاں تک کہ جب زیادہ رات نکل گئی تو غصے میں اُٹھ کھڑے ہوئے اپنی اونٹنی کسوائی اور اسے ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے کسی کو کوئی شک بھی نہ گزرا اور تیزی سے چل کر بیٹے کے پاس پہنچ گئے اور وہاں سے اسے اور اونٹوں کو لے کر مدینہ شریف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے یہی وہ مال تھا جو خلیفہ اوّل کو کام آیا اور مرتد لوگوں سے لڑائی لڑنے میں آپ کو آسانی ہو گئی۔

اسی طرح اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں یہ سب جب کافر تھے تم اسلام لائے ان سب نے جب غداری کی تم نے وفاداری کی یہ سب جب پیٹھ پھیر گئے تم آگے بڑھے ان سب نے جب انکار کر دیا تم نے اقرار کیا۔ (۹) اسی کے مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو اجازت دینا ہے جنہوں نے کعب بن اشرف کے قتل کی تیاری کی تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ بے ادبی کر لیں۔ (۱۰) حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کو آپ نے خیبر والے سال اجازت دی تھی کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ ایسے الفاظ کہہ ڈالیں۔ پس یہ سب حیلے مباح حیلے ہیں کیونکہ ان میں جس کا حق ہے اس کی اجازت موجود ہے اور وہ خود رضامند ہے اور جس کام پر حیلہ کیا جا رہا ہے وہ اللہ کی اطاعت کا کام ہے یا کم از کم مباح تو ضرور ہے۔

اب اس کے تیسری قسم کے جوابات ملاحظہ ہوں۔ (۱۲) آیت قرآنی : ﴿ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ ﴾ سے ﴿ إِلَّآ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ تک پڑھ جایئے' یعنی منادی ندا کرتا ہے کہ اے قافلے والو! تم چور ہو وہ اس سے پوچھتے ہیں تمہاری کیا چیز کھوئی گئی؟ منادی جواب دیتا ہے شاہی جام گم ہے اسے جو ڈھونڈ کر پہنچائے اسے ایک اونٹ لداؤ غلہ انعام ملے گا جس کا ذمہ دار میں ہوں۔ یہ اپنی

برأت ظاہر کرتے ہیں اُدھر سے کہا جاتا ہے اگر تم جھوٹے نکلے تو کیا سزا؟ وہ کہتے ہیں جس کے پاس پایا جائے اسے قید کر لیا جائے۔ اب ان کے اسباب ٹٹولے جاتے ہیں بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی کے اسباب میں سے وہ جام نکل آتا ہے بموجب بھائیوں کے اقرار کے حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی یہاں روک لیے جاتے ہیں ورنہ شاہ مصر کا یہ قانون نہ تھا یہ تھی تدبیر اللہ حکیم کی بتلائی ہوئی۔ (۱۳) اب سنئے کہ انہیں چور ٹھہرانا دو وجہ سے تھا اوّل تو یہ کہ اس میں تعریض ہے مُراد وہ چوری ہے جو انہوں نے اپنے والد سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُڑا لیا تھا حیلے کر کے لے گئے اور تلف کر آئے اسی خیانت کا نام چوری ہے یہ کلام کی رمز ہے دیوانوں کے خائن کو عربی زبان میں چور کہا جاتا ہے۔

(۱۴) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قول منادی یوسف علیہ السلام کا تھا نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا نہ آپ کے حکم سے تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جام تو بھائی کے اسباب میں رکھوا دیا جس کی جام کے چوکیداروں کو کوئی اطلاع نہ تھی جب انہوں نے دیکھا کہ جام نہیں ملتا تو انہوں نے اس قافلے کو للکارا۔ (۱۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے صرف یہ فرمایا ہو کہ ان لوگوں نے چوری کی ہے مُراد آپ کی یہ ہو کہ مجھے چرا کر باپ سے جدا کر دیا لیکن وہ یہ سمجھے کہ ابھی جو جام کھو گیا ہے اس کے چور یہی ہیں۔ پس حضرت یوسف بھی دراصل سچے رہے بلکہ منادی بھی سچا رہا۔ (۱۶) آپ غور کیجیے کہ : ﴿ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ ﴾ (یوسف : ۷۰) میں مفعول محذوف ہے یعنی یہ نہیں بتلایا کہ کس چیز کے چور ہو یہ بھی اسی لیے ہے کہ ان کی یوسف علیہ السلام کی چوری کو لفظ شامل رہیں اور کلام سچا ہو اور تعریض کا کام دے جائے۔ برخلاف اس کے : ﴿ نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ (یوسف : ۷۲) میں مفعول کو ظاہر کر دیا۔ واقعہ بھی یہی تھا پس ایک کی صراحت سچی ہے دوسرے کی اشارت صحیح ہے۔ (۱۷) پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول کی پاکیزگی دیکھئے کہ آپ فرماتے ہیں : ﴿ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ ﴾ الخ' (یوسف : ۷۹) یعنی اللہ ہمیں بچائے کہ ہم ناکردہ کار کو پکڑ لیں ہم تو اسی کو گرفتار کریں گے جس کے پاس اپنی چیز پائیں یہ نہیں فرمایا کہ جس نے چوری کی ہو حالانکہ یہ مختصر سا لفظ تھا پھر اسے چھوڑ کر لمبا کلام لانا اسی مقصد کے لیے ہے کہ سچائی ہاتھ سے نہ جائے کیونکہ بھائی کسی حالت میں چور نہ تھے ہاں بیشک چیز انہی کے سامان سے برآمد ہوئی تھی۔ پس کس قدر سچا اور کتنی اعلیٰ باریکی والا یہ جملہ ہے۔ (۱۸) اسی کے مثل دو فرشتوں کا حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ کہنا ہے کہ دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہمارے بعض نے بعض پر بغاوت کی ہے : ﴿ عَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴾ تک گو اسے معاریض میں شمار نہ بھی کر سکیں تاہم بطور مثال کے تو ہے کہ جب ایسا ہو تو فیصلہ کیا ہے؟ (۱۹) اسی طرح فرشتے کا ان تین شخصوں سے کہنا جن کی آزمائش ہو رہی تھی کہ مسکین پردیسی رہ گزر ہے جس کے سہارے کٹ چکے ہیں اللہ ہی اسے پہنچا سکتا ہے پھر آپ کی سخاوت پس جس اللہ نے تجھے یہ مال دے رکھا ہے اسی کے نام پر میں تجھ سے ایک اونٹ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنا یہ سفر پورا کر سکوں اس میں بھی تعریض نہیں بلکہ تصریح ہے بطور مثال بیان کرنے کے اور یہ معلوم کرانے کے کہ گویا وہ شخص میں ہی ہوں یہی چیز فیصلہ داؤدی میں بھی ہے تاکہ امتحان پورا ہو جائے۔ (۲۰) حضرت ابن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کچھ کر چکا پھر وہ معذرت کرنا چاہتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس سے وہ خوش ہو جائے تو کیا وہ گنہگار ہو گا؟ آپ نے فرمایا حدیث میں ہے لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ کہنے والا جھوٹا نہیں جب دوسروں کی صلح میں جائز ہے تو اپنی براۃ اور صلح میں ناجائز کیوں ہو گا؟ جبکہ مقصود اللہ کی رضاجوئی' مسلمان سے میل جول اس کی ایذا سے بچاؤ' اپنے کرتوت پر ندامت اور اپنے اوپر سے برائی کو ٹالنا ہو۔ یہ نہ ہو کہ اس کے پاس اس کی قدر بڑھ جائے اس سے نفع پہنچے اگر ایسا ہو تو رخصت نہیں۔ جب ان کے غصے سے خوف ہوا اور ان کی

دشمنی کا ڈر ہو تو رخصت ہے۔ (۲۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں اپنے دین کے ایک حصّے کو دوسرے حصّے سے خرید لیتا ہوں اس بات سے ڈر کر کہ کہیں میں اس سے بڑی خطا کاری میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (۲۲) حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں داؤدی فرشتوں کے قول کا مطلب کسی شے کے معنی سے ہے نہ کہ خود جھگڑالو ہونے سے پس وہ جھوٹے نہیں ہیں۔ (۲۳) فرمان خلیل علیہ السلام ہے میں بیمار ہوں۔ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے فرمان یوسف علیہ السلام ہے تم چور ہو پس یہ سب وہ اشارے ہیں جو مباح ہیں۔ یہ تئیس (۲۳) جوابات تو ان حضرات کے ہوئے جو ظالمانہ اور حرام حیلوں کو جائز کہہ کر پھر یہ دلیلیں دیتے پھرتے ہیں اب ایک اور کام کی بات اور عالمانہ مضمون بھی پڑھ لیجئے۔

اپنا حق ہر ممکن طریقے سے لے لینے کے حیلوں پر پوری بحث :

(۲۴) بعض فقہاء قصّہ یوسف علیہ السلام سے دلیل لے کر کہتے ہیں کہ انسان اپنا حق حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن حیلہ کر لے جائز ہے گو دوسرا شخص اس پر رضامند نہ بھی ہو۔ ان کے جواب میں ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دلیل نہایت بودی ہے خود حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی کا روکنا بغیر ان کی اپنی مرضی کے درست نہ تھا پھر (۲۵) اس بھائی نے تو ان پر کوئی ظلم بھی نہیں کیا تھا جس کا بدلہ وہ لے رہے ہوں اور بھائیوں نے آپ کے ساتھ جو کیا اس میں یہ شریک نہ تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مقصود بھائیوں کو تکلیف پہنچانا تھا کیونکہ ان کے باپ کو تکلیف ہوگی اور ان کا وعدہ ٹوٹے گا (۲۶) لیکن یہ بھی کچھ بند بیٹھتی بات نہیں اس لیے کہ وعدے میں بھی یہ الفاظ ہیں : ﴿ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ (یوسف : ٦٦) یعنی یہ شرط اس وقت نہیں جبکہ تم سب کو گھیر لیا جائے۔ پس یہاں تو سب گھر گئے تھے۔ پھر کون ہے جو نبی کی جناب میں زبان کھولے کہ آپ نے اپنے ان بھائیوں سے اپنا انتقام لینا چاہا اور انتقام کی صورت ایسی پیدا کی جس میں جتنا رنج ان بھائیوں کو ہو اس سے کئی گنا زیادہ بے گناہ بوڑھے باپ کو ہو۔ یہ سب غلط خیالات ہیں بات صرف (۲۷) اتنی ہے کہ اللہ کا انہیں یہی حکم تھا تاکہ اللہ کا لکھا پورا ہو اور جس امتحان میں دونوں باپ بیٹا پاس ہو چکے تھے اس کا انعام مل جائے اور حکمت الٰہی اپنی غایت کو پہنچ جائے۔ (۲۸) ہاں اگر نبی اللہ یوسف صدیق علیہ صلوات اللہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے اپنا بدلہ لیتے تو بیشک لے سکتے تھے سزا کے مقابلے میں سزا ہے لیکن اس سے یہ کب اور کیسے ثابت ہو گیا؟ کہ چوری اور خیانت بھی جائز ہے چوری کرنے والے کے ہاں سے تم بھی چوری کر لو خیانت کرنے والے کی خیانت تم بھی کر لو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّے میں اس کے ثبوت کا کون سا حرف ہے؟

(۲۹) یہ تو ثابت ہی نہیں کہ حضرت یوسف نے بغیر چھوٹے بھائی کی اجازت کے انہیں روک لیا تھا اور بالفرض ایسا ہو بھی تو بھی اس سے کوئی دلیل ان فقہاء کی بن نہیں سکتی ان کی شریعت میں یہ تھا لیکن ہمارے ہاں تو یہ نہیں کہ ایک بے گناہ شخص کو ایک ظالم کے ظلم کے بدلے پکڑ کر اس سے انتقام لیا جائے۔ (۳۰) اگر بالفرض حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تھا تو ضروری ہے کہ اللہ کی وحی سے کیا ہو جو ان کے اور ان کے بھائی کے امتحان کی ایک کڑی ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان اپنے بچے کے ذبح کرنے سے ہوا تھا پس اس طریق پر اس کے لیے خاص وحی کا حکم ماننا پڑے گا جیسے خلیل پر لخت جگر کے ذبیحہ کی وحی ہوئی تھی اور جس میں ان کا امتحان اور آزمائش تھی تاکہ حکم الٰہی پر صبر کرنے کے درجے اور قضا و قدر پر راضی رہنے کے بدلے اللہ کی طرف سے ملیں اور ان کا حال بھی مثل ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہو جن سے یوسف روک لیے گئے تھے۔ (۳۱) اس واقعہ کی فقہ اور اس کے بیان سے اور حال یوسف علیہ السلام سے یہی بات واضح ہوتی ہے اسی لیے فرمانِ الٰہی

کے الفاظ یہ ہیں : ﴿ كَذَالِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ الخ' (یوسف : ۷۶) اسی طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ایک تدبیر کھڑی کر دی وہ اپنے شاہی قانون کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑ نہیں سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے ہم جس کے چاہیں درجے بڑھا دیتے ہیں ہر علم والے پر فوقیت رکھنے والا دوسرا عالم موجود ہے یہاں دیکھئے کہ اللہ عالم نے اس تدبیر کو اپنی ذات کی طرف نسبت دی ہے جیسے آیت : ﴿ وَاَكِيْدُ كَيْدًا ﴾ میں ہے اور آیت : ﴿ وَ مَكَرْنَا مَكْرًا ﴾ میں اور آیت : ﴿ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (انفال : ۳۰) میں۔ (۳۲) یہ بھی یاد رہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام مکر کید خداع اُستہزاء رکھنا استعارہ اور مجاز مقابلہ کے باب سے ہے جیسے : ﴿ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (شوریٰ : ۴۰) میں اور جیسے : ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (بقرہ : ۱۹۴) میں۔ (۳۳) دوسرا قول یہ ہے اور یہی درست بھی ہے کہ یہ نام حقیقت پر ہیں اور اپنے ہی باب میں ہیں مکر کہتے ہیں ایک چیز سے دوسری کی طرف مخفی طور پر پہنچنا یہی معنی کید وخداع کے بھی ہیں لیکن اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو قبیح یعنی غیر مستحق کا یہ کرنا۔ دوسری اچھی یعنی مستحق سزا کی طرف اس طرح پہنچنا۔ پس دوم قابل تعریف ہے اور اوّل مستحق مذمت۔ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو بہتر ہے بہتر ہو اسی میں عدل و حکمت ہوتی ہے وہ ظالم و فاجر کو اس طرح پکڑتا ہے کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے نہ اس طرح جو ظالم انسانوں کا طریقہ ہے۔ ﴿ سَيِّئَةٍ ﴾ فیعلة کے وزن پر ہے یعنی وہ چیز جو بری لگے یقیناً سزا انسان کو اچھی نہیں لگتی پس اس کے حق میں تو وہ بری ہے گو فیصلے اور عدل کے لحاظ سے وہ اچھی چیز ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کئی کئی مرتبہ کید و مکر کیا گیا پہلے تو بھائیوں نے حیلہ کر کے باپ میں اور ان میں جدائی کرا دی۔ پھر عزیز کی بیوی نے مکر کیا اور یہ ظاہر کرنا چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر بدنیتی کی۔ یہ الزام رکھ کر آخر انہیں جیل خانے بھیج دیا پھر عورتوں نے ان کے ساتھ وہ مکر کیا جس کے برباد کرنے کی دعا آپ نے مانگی اور وہ بے ضرر رہا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ سازشیں کرنے لگیں گے۔ عزیز کی بیوی سے شاہد نے کہا تھا یہ تمہارا مکر ہے اور تمہاری مکاریاں زبردست ہوتی ہیں۔ عورتوں کے حق میں فرمانِ قرآن ہے : ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ﴾ (یوسف : ۳۴) یوسف علیہ السلام کے رب نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے ان کے مکر سے محفوظ رکھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ قاصد سے یہ تھے اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اس سے دریافت کر لے کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے ان کا کیا حال تھا؟ میرا رب ان کے چرتر سے خوب واقف ہے۔ پس تدبیر اللہ سے جو بہترین' لطیف تر اور عدل و انصاف والی تھی حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی سے مل لیے بھائیوں کے قبضے سے وہ نکل آئے جیسے کہ انہوں نے ان کو باپ کے قبضے سے نکالا تھا۔ عزیز مصر کی بیوی کے مکر سے اللہ نے تدبیر اللہ نے قید خانے سے چھڑا کر بادشاہت تک پہنچا دیا اور انہیں زمین میں ذی اختیار بنا دیا۔ عورتوں کے مکر سے ایسی تدبیر سے رہا کر دیا کہ خود انہوں نے ہی آپ کی براۃ اور پاکیزگی کی شہادت دی خود عزیز کی بیوی نے اقرار کر لیا کہ اسی نے انہیں فریفتہ کرنا چاہا تھا اسی نے انہیں مائل کرنا چاہا تھا اور یہ بالکل سچے ہیں پس جن جن لوگوں نے آپ پر ظلم و زیادتی کی تھی ان کے انجام یہ ہوئے جو آپ کے سامنے تھے۔

فصل : اللہ تعالیٰ کی تدبیر و کید ان دو قسموں میں ہی رہتی ہے :

(۴۵) اوّل قسم جو عموماً ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا فعل کرے جو اس بندے کی قدرت سے خارج ہو جس کے لیے وہ تدبیر ہو رہی ہے پس اس میں محض قدر زائد ہوتی ہے جو ناجائز کے باب سے ہے ہی

نہیں۔ جیسے کہ رسولوں کے دشمنوں سے طرح طرح کی سزاؤں سے کید کیا۔ قصہ یوسف علیہ السلام میں بھی یہی بات ہے زیادہ سے زیادہ اتنا کیا کہ انہیں قدرت دی کہ وہ اپنا جام اپنے بھائی کے پالان میں رکھ دیں اور منادی نے ان کی چوری کی ندا کر دی۔ ان کے انکار پر انھوں نے خود اپنی بابت فیصلہ کر دیا اور یہی عین چاہت حضرت یوسف علیہ السلام کی تھی یہی حکم شریعت آل یعقوب کا تھا۔ (۳۶) اس جملے کے اعراب میں دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ : ﴿ جَزَآءُهُ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ ﴾ (یوسف : ۷۵) جملہ مستقلہ ہے مبتدا خبر سے قائم ہے اور : ﴿ فَهُوَ جَزَآءُهُ ﴾ دوسرا جملہ ہے اور اسی طرح کا ہے۔ یہ پہلے جملے کی تاکید اور تقریر ہے دونوں جملوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا تو خبر ہے اس بات کی کہ چور کی گردن کا استحقاق اسے ہے جس کی چوری اس نے کی ہے دوسرے جملے میں اس بات کی خبر ہے کہ ہماری شریعت اور ہمارا فیصلہ یہی ہے پس محکوم علیہ سے خبر پہلے جملے میں ہے اور حکم کی خبر دوسرے جملے میں ہے گو دونوں میں تلازم ہے اور دوسرے میں حصر کا فائدہ بھی ہے یعنی علاوہ ازیں اس کا بدلہ اور کچھ نہیں۔ (۳۷) دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلا لفظ ﴿ جزآءُهُ ﴾ کا مبتدا ہے اور اس کی خبر جملہ شرطیہ ہے یعنی چور کی سزا یہ ہے کہ جس کے پالان میں چوری کا مال پایا جائے وہ خود اس کی جزا ہے جیسے کوئی کہے چوری کی سزا جو چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹنا ہے یا جیسے کوئی کہے جزاء اعمال جو نیکی کرے اسے دس حصہ زیادہ اور برائی کے برابر اور اسی طرح کے جملے۔ (۳۸) ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں وجہ کے احتمال اس لیے ہیں کہ جزا سے کبھی تو نفس حکم مُراد ہوتا ہے استحقاق عقوبت سے۔ کبھی نفس فعل عقوبت مُراد ہوتا ہے کبھی خود وہ چیز مُراد ہوتی ہے جو الم و ایذا دہندہ ہے۔

(۳۹) پس ان بھائیوں کے دل میں یہ جواب ڈال دینا بھی مکر اللہ تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بھلائی تھی ان کی زبان سے یہ کہلوانا حضرت یوسف علیہ السلام کے بس کا نہ تھا۔ ممکن تھا وہ کہہ دیتے کہ صرف کسی کے کجاوے میں پا لیا جانا چوری کا ثبوت نہیں ہاں اسی نے چرایا ہے یہ ثابت کرنا تمہارے ذمے ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عدالت سے مجبور تھے نہ ثبوت تھا نہ چوری کی تھی نہ انہیں اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ (۴۰) یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جواب دیتے کہ جو آپ کے ملک کا قانون ہے وہ پورا کیجئے تو بھی مقصود نبی علیہ السلام پورا نہ ہوتا کیونکہ اس وقت ملک مصر کا قانون یہ تھا کہ چوری کے مال سے دگنی رقم جرمانے کی لی جائے اور چور کو کچھ مار پیٹ دیا جائے یہی مطلب ہے کہ فرمایا : ﴿ كِذْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ الخ، یعنی دین شاہ مصر پر یہ اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے۔ پس : ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ استثناء منقطع ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو اسے دوسرے طریق سے پکڑوا دے یا (۴۱) استثنا متصل ہے اپنے باب پر یعنی اگر اللہ چاہتا تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا کہ شاہی قانون پر بھی ان کی روک ہو جائے۔ (۴۲) الغرض جبکہ مکر سے مُراد اللہ کا کوئی ایسا فعل ہے جس سے اس کے مومن مظلوم متوکل بندے کے لیے ایسی کوئی آسانی میسر ہو جائے جس سے اس کا مقصد بر آئے اور وہ اپنے ظالم سے انتقام لے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لے تو اسے فقہاء کے ان فقیہ حرام حیلوں سے کون سی مناسبت ہے؟ جو یہ دلیل بناتے پھرتے ہیں؟ (۴۳) اس وقت کلام ہو رہا ہے انسانی حیلوں میں نہ کہ ان فعلوں میں جو اللہ کے ہوں۔ (۴۴) بلکہ ہم کہتے ہیں قصہ یوسف تمہارے ان حرام حیلوں کی پوری تردید کرتا ہے اس میں بیان ہے کہ حرام حیلے کرنے والوں سے خود اللہ تعالیٰ انتقام لیتا ہے اس کا حیلہ اسی پر لوٹا دیتا ہے وہ کھودتا ہے اور کے لیے اور گرتا ہے خود ہی، اس کا مقصود بر نہیں آتا بلکہ اللہ اس کے خلاف کر دیتا ہے۔ یہی عادت اللہ حرام حیلے کرنے والوں کے ساتھ برابر جاری ہے انہیں یہ حیلے نامبارک رہتے ہیں اور ان پر خدائی سزا جس کے ہاتھ سے اللہ چاہے نازل ہوتی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے کے ساتھ دوسرے لوگ جو حیلے حوالے کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں اور

خود اللہ ان سے بدلہ لے لیتا ہے گویہ بندہ بے بس و بے کس ہو۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ۔

(۴۴) ان حیلہ جویوں اور مکر پسندوں کے مسائل کے خلاف اس قِصّہ یوسف علیہ السلام سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ چوری کے مال کا چور کے قبضے میں پایا جانا چوری کا پورا ثبوت ہے جس کے بعد اس پر حد شرعی جاری ہو جائے گی بلکہ یہ گویا اقرار کی جگہ ہے جو سب سے بہتر دلیل ہے۔ دلیل سے ظن ہی حاصل ہوتا ہے لیکن چوری کی چیز اس کے پاس سے برآمد ہونے سے تو یقین حاصل ہوتا ہے اسی لیے بمطابق حدیث حمل کی وجہ سے حد زنا اور بدبو کی وجہ سے حد شراب ثابت ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے پس تعجب ہے کہ حیلہ باز لوگ اس واقعہ کو حیلوں کی دلیل بناتے ہیں اور جس کی دلیل ہے اس سے کترا جاتے ہیں۔ (۴۵) اس قِصّے میں ایک تنبیہ یہ بھی ہے کہ باریک عِلم کی وجہ سے جو مقاصد حسنہ کا رہبر ہو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قدر و منزلت بڑھا دیتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی فرمان ہے : ﴿ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ ہم جس کے چاہیں درجے بڑھا دیتے ہیں۔ زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں یعنی بوجہ عِلم کے جناب باری تعالیٰ نے اہل عِلم کے بلند درجوں کی خبر اپنی کتاب میں تین جگہ دی ہے ایک تو قِصّہ یوسف علیہ السلام کی اس آیت میں کہ جس پر اللہ کی چاہت ہو اس کے درجات بڑھا کر اسے وہ باریک عِلم دیتا ہے جس سے وہ اپنے پاکیزہ مقصدوں کو پورا کر لیتا ہے اور آیت میں ہے : ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا ﴾ الخ' (مجادلہ : ۱۱) ایمان والو! جب تم سے کشادگی مجلس کو کہا جائے تو کشادگی کر دو اللہ بھی تمہارے لیے کشادگی کر دے گا اور جب تم سے اُٹھ کھڑا ہونے کو کہا جائے تو اُٹھ جایا کرو۔ تم میں سے ایمانداروں اور عِلم والوں کے درجے اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا۔

پس بیان فرمایا کہ ایمان و عِلم باعث رفع درجات ہے اور آیت میں ہے : ﴿ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ (انعام : ۸۳) یعنی یہ ہیں ہماری دلیلیں جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلے میں پیش فرمانے کو عطا فرمائیں ہم جس کے چاہیں درجے بڑھا دیں۔ پس دلیل کا عِلم بھی موجب ترقی درجات ہے۔ یہ تھی پہلی قسم تدبیر و مکر اللہ کی۔ **اب دوسری قسم** ملاحظہ ہو۔ (۴۶) پروردگار اپنے مومن بندے کو بعض مرتبہ ایسی مستحب یا مباح یا واجب باتیں سجھا دیتا ہے جس سے وہ اپنا نیک مقصد حاصل کر لے اس بنا پر بھی فعل یوسف علیہ السلام کید اللہ سے ہی ہو گا اس پر دلالت : ﴿ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ (انعام : ۸۳) سے بھی ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ باریک بینی کا عِلم جو مقصود شرعی تک پہنچانے والا ہو بہترین اور عمدہ صفت ہے جیسے کہ باطل والوں پر غالب آنے کا عِلم بھی مستحق مدح و تعریف ہے پس اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں کہ بعض چالیں شریعت نے بتلائی ہیں لیکن اس سے مُراد وہ چالیں نہیں جن سے حرام حلال کر لیا جائے یا واجب گرا دیا جائے۔ یہ تو اللہ کے ساتھ چال چلنی ہوئی اور وہ خدائی چال ہے جو اس کے لیے ہے یہ تو بالکل ان ہونی بات ہے کہ اللہ اپنے دین اور اپنے احکام کو باطل کرنے کی چالیں خود ہی سکھائے۔ آپ ہی قانون بنائے اور آپ ہی ان کے توڑنے کی خفیہ ہدایت کرے۔ ان حیلہ تراشوں کے تو مقصود مقصد شارع کے صریح خلاف ہوتے ہیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے مشروع کرے کہ وہ اپنے فعل سے اس چیز کا قصد کرے جو اللہ نے مشروع نہ کیا ہو۔ یہ تھے جواب حیلہ بازوں کی اس دلیل یوسفی کے اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ دراصل یہ دلیل ہماری ہے اور ان مجوزین حیلہ کے سراسر خلاف ہے' فالحمد للہ۔

حیلوں کو جائز کہنے والوں کی تیسری دلیل کھجوروں کو درہموں سے بیچ کر اور قسم کی کھجوریں خریدنے

کے حکم کی حدیث کا جواب :

بیشک یہ حدیث صحیح ہے ہمیں قبول منظور ہے تمہارے ساتھ ہمیں اس میں دو جگہ میں کلام ہے ایک تو تمہارا اس سے ان گندے حیلوں پر استدلال۔ دوسرے اسی حدیث سے تمہارے مطلب کے خلاف استدلال یہی شان ہر اس صحیح دلیل کی ہو گی جو باطل والے اپنے باطل پر لائیں یقیناً اس میں باطل قول کا بطلان ہو گا یا ظاہراً یا اشارۃً اور باطل کی دلیل کچھ بھی نہ ہو گی۔

(ا) **اب پہلی بات کی بابت سنیے :** (۱) زیادہ سے زیادہ دلالت حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے سودے کو قیمتاً بیچ دینے کو فرمایا پھر اس قیمت سے دوسری چیز خریدنے کا حکم دیا یہ تو یقینی بات ہے کہ یہ بیع قطعاً صحیح ہے ناممکن ہے کہ حضور ﷺ عقد باطل کی اجازت بلکہ حکم دیں تو جس عقد کا آپ نے حکم کیا وہ قطعاً صحیح ہے اب جس عقد میں اختلاف ہے وہ باقی رہا اگر تم سے جھگڑنے والا اس کی صحت بھی مان لے تو تمہیں حدیث سے استدلال کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ورنہ حدیث سے تو اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ (۲) کیونکہ حدیث کا حکم عام نہیں آپ کا فرمان کہ بیچ ڈال یہ مطلق ہے عام نہیں ہے پس یہ بیع اگر صحیح ہو متفق علیہ ہو تو بھی کوئی عام حکم نہیں جس سے عام بیع کا استدلال کیا جائے پھر جبکہ اس بیع پر احادیثِ صحیحہ' اقوالِ صحابہ' قیاسِ صحیح موجود ہیں کہ وہ ناجائز ہے جیسے کہ بیان گزر چکا تو آپ کا قول کیسے مان لیا جائے؟ اگر دو شخص کسی بیع میں اختلاف کریں کہ صحیح ہے یا فاسد؟ اور ہر ایک اپنے قول کو اس بیع میں داخل کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن ہے؟ جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ بیع واقعی صحیح ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس حدیث سے استدلال کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ پس صورت نزاع پر یہ حدیث کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ (۳) اس جواب کا نکتہ یہ ہے کہ امر مطلق بیع کا بیع صحیح کا مقتضی ہے اب یہ تو فرمادیا جائے کہ آخر اسے کس نے تعلیم کرلیا ہے کہ جس صورت میں بائع اور خریدار دونوں آپس میں سود طے کر لیتے ہیں اور سودے کو بیچ میں رکھ کر صرف سود کے حلال کر لینے کے درپے ہیں نہ وہ چیز بیع میں مقصود ہے نہ اس کی حقیقی بیع ہے یہ بھی بیع صحیح ہے؟ اور جب کہ حدیث میں عموم نہیں اطلاق ہے اور جو امر حقیقت مطلقہ پر ہو وہ اس کی صورتوں کا امر نہیں ہوتا اس لیے کہ حقیقت مشترکہ ہوتی ہے آخر کے درمیان اور قدر مشترک ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ اس کے ساتھ افراد میں سے ہر ایک کی دوسرے سے تمیز ہو جائے اور نہ وہ مستلزم ہے پس مشترک کا حکم ممیز کا حکم کس طرح بن سکتا ہے؟ گو وہ ان قیود میں سے بعض کو مستلزم بھی ہو نہ کہ بعینہٖ۔ پس یہ عام ہو گا ان کے لیے بدلیت کے طور پر لیکن اس سے اقتضا عموم کا نہیں ہوتا کہ سب افراد جمع کے طور پر اس میں آ جائیں۔

(۴) کوئی کہتا ہے کہ اس کپڑے کو بیچ ڈال اس کا اقتضا یہ نہیں کہ زید کے ہاتھ یا عمرو کے ہاتھ اتنے اتنے داموں پر فلاں فلاں بازار میں۔ لفظ کی دلالت ان میں سے کسی چیز پر بھی نہیں جب وہ نام بردہ کو پورا کر چکا تو اس نے کہا کر دیا کیونکہ اس حقیقت کا وجود ثابت ہو گیا لیکن ان قیدوں کی جہت سے نہیں۔ اس امر میں کسی کا خلاف نہیں۔ ہاں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قیدوں کا حکم نہ ہونا جائز نہ ہونے کو مستلزم ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ بھی نہ ہو لیکن یہ قول خود غلط ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ قیدیں نہ تو امر کے منافی ہیں اور نہ اسے لازم ہیں۔ گو عقلاً بعض قید میں لازم ہوتی ہیں کیونکہ قدر مشترک ان قیدوں میں سے کسی نہ کسی قید کے ضمن میں واقع ہوتی ہے۔ (۵) اس بات کے واضح کر دینے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں

یہ نہیں کہ کھجوریں اسی کے ہاتھ بیچے جس کے پاس دوسری قسم کی کھجوریں ہیں۔ یا کسی اور کے ہاتھ بیچے نہ یہ ذکر ہے کہ اسی وقت دام لے نہ یہ ہے کہ ادھار دے نہ سکے کا ذکر ہے کہ کہاں کا ہو؟ نہ برابری کی قیمت وغیرہ مذکور ہے۔ یہ تمام قیدیں لفظ کے مفہوم سے علیحدہ اور جداگانہ ہیں۔ (۶) اگر کوئی کہے کہ لفظ ان سب کو شامل ہے تو اس کا یہ قول بھی غلط ہے ہاں جب انہیں بھی کوئی پورا کرے تو لفظ اس سے روکتا بھی نہیں ہاں حکم کا خلاف اس وقت ہو گا جب بازار بھاؤ نہ بیچے یا ادھار دے آئے یا کسی اور شہر کے سکے کے بدل دے آئے۔ الغرض مطلق بیع کے عرف کے خلاف کوئی کام کرے تو یہ باطل ہے نہ حدیث میں یہ ہے کہ بائع کے ہاتھ ہی بیچے نہ اس کے غیر کا ذکر ہے ہاں اسے روکنے والی چیز بھی اس میں نہیں۔ تو دونوں دعوے داروں میں سے ہر ایک اس حدیث کے لفظ مطلق سے دلیل نہیں لے سکتا۔ بیرونی کوئی دلیل اباحت مل جائے تو مباح ہو جائے گا ورنہ ناجائز' لیکن اس حدیث کے لفظوں کا کوئی دخل اس میں نہیں۔

(۷) اگر ممانعت کی کوئی اور دلیل ہو تو اس کے مقابلے میں بھی یہ حدیث پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس حدیث میں یہ چیز ہے ہی نہیں تو دلیل منع معارضہ سے بچی رہے گی اگر معارضہ عام لفظ سے کیا جائے جو شامل ہے اس کی اباحت کو کہ لفظ اسی کے لیے وضع کیا گیا ہے یا کسی خاص دلیل کی بنا پر تو معارضہ ثابت ہو گا یہ وہ مقام ہے جس میں اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں ہم نے بحمد للہ اسے بہت بڑی حد تک واضح اور صاف کر دیا ہے۔ (۲) نمبر (۸) اور اس سے ان کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اگر اسی کے ہاتھ جس سے عمدہ کھجوریں لینی ہیں بیچنا حرام ہوتا تو آپ خود فرما دیتے۔ اس طرح ان کا جواب اس سے ہو گیا کہ حضور ﷺ کا مقصود اس طریقے کا بیان کرنا تھا جس سے عمدہ کھجوریں لی جا سکتی ہیں اور یہ اپنی ردی کھجوریں بیچ سکتا ہے تو اس سے فرما دیا کہ اپنی ردی کھجوریں داموں سے بیچ ڈال جو بازار بھاؤ ملے پھر ان پیسوں سے بازار بھاؤ اپنی من مانی کھجوریں خرید لے شرط و توابع بیع کے لیے آپ نے کوئی بیان اس لیے نہیں فرمایا کہ مقصود حکم کا ذکر کر دینا تھا اور وہ بھی اجمالاً یا اس لیے کہ مخاطب فہیم و علیم تھے وہ مقصد شارع کو خوب جانتے تھے۔ اس لیے شرائط و اوصاف کی تشریح ضروری نہ تھی۔ (۹) یہ ظاہر تھا کہ عرف میں جو خرید و فروخت کا طریقہ ہے وہی کریں لیکن یہ نہیں کہ کوئی ایسی بیع کریں جو ذریعہ بنے صریح سود خواری کا۔ اگر صحابہ بھی اللہ رسول ﷺ کی باتوں کے عالم نہ تھے اور آپ کا مطلب نہیں سمجھتے تھے تو پھر بتلایئے اور کون سمجھے گا؟ وہ کہ جو اللہ کے حرام کے ارتکاب کے حیلے ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ ظاہری بیع اور باطنی سود ہو۔ واللہ حضور ﷺ کے الفاظ میں کوئی اشارہ بھی ایسا نہیں کہ جس سے یہ سودی حیلے جواز میں آسکیں نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا۔

فقہا کے مزے مزے کے اجتہاد :

(۳) اس حدیث سے تمہارا یہ استدلال بالکل ایسا ہی ہے جیسے آیت : ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ﴾ الخ'(بقرہ : ۱۸۷) سے کچلی والے درندوں اور پنجے والے پرندوں کی حلت پر استدلال حالانکہ آیت میں تو صبح صادق کے ہونے تک روزے دار کو کھانے پینے کی اجازت کا ذکر ہے۔ تمہارے جیسے اوروں نے بدکار زانیہ عورت سے اس کی زناکاری کے اڈے کے چلتے ہوئے بھی نکاح کرنے کے جواز کو آیت : ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ (نساء : ۲۴) سے استدلال کیا تھا۔ ان میں سے بعض نے اس مسئلہ کے استدلال میں آیت : ﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى ﴾ (نور : ۳۲) بھی پیش کی ہے اسی آیت سے بعض نے حلالہ کے نکاح کی حلت پر استدلال کیا ہے بعض شیعوں نے نکاح متعہ پر بھی اسی سے استدلال کیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے زناکاری کی اپنی ہی لڑکی سے نکاح کرنے کا استدلال بھی کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی خالہ اور پھوپھی کو بھانجی اور بھتیجی پر اور اس کے برعکس بھی استدلال کرنے لگے

اور کہنے لگے کہ اس کے خلاف جو حدیث ہے وہ قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے ماننے کے لائق نہیں پس جو استدلال ان کا ہے وہی آپ کا ہے تمہارے اور ان مجتہدین کے استدلال و اجتہاد میں کیا فرق ہے؟ بلکہ اگر کوئی اس آیت سے حدیث کے حرام کردہ ہر نکاح کو حلال کرلے تو کرسکتا ہے اس کے استدلال کی قوت بھی تمہارے استدلال کی قوت سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ تم اپنے باطل استدلال پر پھر سے نظر ڈال جاؤ کہ کیا وہ ان مجتہدین کے استدلالوں سے کچھ کم بودا ہے؟ (۴) حضور ﷺ کے الفاظ صرف یہ ہیں ((بع الجمع)) اگر اس سے کوئی استدلال کرنے والا ان بیع میں سے کسی بیع پر استدلال کرے جن میں اختلاف و نزاع ہے تو دراصل ان کے ہاتھ میں کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ صورت غالب اور اکثر نہیں کہ کھجوروں کو نقد قیمت پر بیچنے والا اسی کے ہاتھ بیچے جس سے دوسری قسم کی اعلیٰ کھجوریں وہ خریدنا چاہتا ہے تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہ صورت غالب ہے اس لیے لفظ کا حمل اسی پر ہوگا۔ نہ عرفاً نہ شرعاً تعارف میں یہ صورت ہے پس کسی طرح سے بھی کوئی بھی یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ لفظ حدیث سے مراد صرف یہی صورت ہے۔ (۵) اب اگر کہا جائے کہ یہ صورت مع اور صورتوں کے مراد ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ایسے وقت اس کا عام ہونا لازم ہے اور یہاں عموم نہیں اور جو قدر مشترک ہے افراد بیع میں اس کا ارادہ رجوع کرتا ہے اس بیع کی طرف جو عرفاً اور شرعاً جانی بوجھی روزمرہ کی جائز بیع ہو۔ یہ تھیں وہ تقدیر میں جو اس حدیث کے الفاظ میں مانی جاسکتی تھیں ان سب کی بنا پر کسی طرح تمہاری یہ صورت اس حدیث کے تحت میں نہیں آسکتی۔ (۶) اسی کی ایک مزید دلیل سنیے اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام سے کہے یا بچے سے یا وکیل سے کہ یہ پرانی گیہوں بیچ ڈالو اور نئے عمدہ گیہوں میرے لیے خرید لو۔ تو ہرگز اس سے مراد اس طرح کی بیع نہیں جس کے پیچھے تم پڑے ہوئے ہو بلکہ اس سے ہر سننے والا یہی سمجھے گا کہ مراد اس سے اس گیہوں کو جو پرانی ہیں بازار بھاؤ جہاں سے زیادہ دام آئیں وہ بیچ دیتا ہے پھر جو قیمت اس کی نقد ملی ہے اس سے بازار بھاؤ عمدہ گیہوں جہاں سے ملیں خرید کرلاتا ہے۔ پس ثابت ہے کہ اس حدیث میں تمہارے یہ سودی حیلوں کے جواز کی بو باس تک نہیں۔

(۷) اس کی وضاحت اور لیجئے کسی نے کہا فلاں چیز بیچ دو فلاں چیز خرید لو یا کسی نے کہا میں نے خرید وفروخت کی تو اس سے وہی خرید و فروخت سمجھی جاتی ہے جس سے قصد فروخت کردہ چیز کی ملکیت ایک سے نکل کر دوسرے کی طرف ہو جانا ہو اس سے مراد مذاق کی اور زبردستی کی اور حیلے کی اور سود کی بیع نہیں ہوتی۔ دنیا اسے تاجر اور بیع کرنے والا اور بیوپاری نہیں کہتی جو کوئی کپڑا یا کوئی اور چیز لے کر بیٹھ جائے اور تمہاری بتلائی ہوئی صورت کے مطابق اس سے سود کھاتا رہے چیز نہ جائے نہ آئے۔ رقم کا ہیر پھیر ہو اور سود کی حلت ہو بلکہ اسے سب سود خوار بیاج خور کہیں گے یا زیادہ اسے حیلہ ساز دغاباز کہیں گے۔ جب عام زبانوں میں یہ صورت بیع میں داخل نہیں پھر زبان رسول معصوم ﷺ میں اسے آپ نے بیع میں داخل کیسے کر دی؟ (۸) آؤ ہم تمہیں تمہاری اس سہاؤنی دلیل کا ایک مختصر سا نہایت پاک جواب اور بھی دیں۔ اللہ کرے تمہاری سمجھ شریف میں آجائے۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کو منع فرمایا جسے تم جائز کہتے ہو اس کی یہی صورت ہے کہ ایک شخص ایک کپڑے کا ٹکڑا سو روپے میں اُدھار بیچتا ہے پھر اسی کو پچاس روپے میں نقد خرید لیتا ہے کپڑا اسی کے پاس رہا اور پچاس کے سو اس کے کھرے ہو گئے اور پہلے سے یہ بات ان دونوں میں طے بھی ہو چکی ہے تو یہ ایک بیع میں دو بیع ہوئی جو آنحضور ﷺ کے الفاظ میں منع ہے۔ پھر اگر تمہاری پیش کردہ حدیث کا وہی مطلب لیا جائے تو تم زبردستی منوانا چاہتے ہو تو وہ صورت جائز ہو گئی اب نتیجہ یہ ہوا کہ جس صورت کو حضرت ﷺ نے منع کی اسی صورت کو جائز کہی۔

حرام بھی کی پھر حلال میں داخل بھی کی یہ آنحضور ﷺ سے کیسے ممکن ہے؟

(۹) اور جواب بھی لیجئے' حضور ﷺ نے فرمایا ہے سب کو درہموں سے بیچ ڈال پھر درہموں سے ہی اعلیٰ کھجوریں خرید لے۔ پس جس طرح پہلی بیع تھی اسی طرح دوسری بیع مستقل ہے۔ ابتدا سے ہے پہلی بیع کے ہر طرح پورا ہو چکنے کے بعد ہے اگر پہلے سے ہی یہ طے کر لیا گیا ہے کہ اتنے میں تو لے اور اتنے میں میں تجھ سے لوں تو دوسری بیع مستقل اور شروع سے نہیں بلکہ وہ پہلی بیع کا تتمہ اور اس کا آخری جزو ہے دونوں معاملے ایک ساتھ انجام پاتے ہیں بلکہ یہ دوسرا معاملہ معاملہ ہی نہیں دوسری خرید خریداری ہی نہیں یہ تو پہلی میں داخل ہے حالانکہ حضور ﷺ نے اسے ((ثم)) کے لفظ سے مستقل الگ اور پہلی فروخت کے بعد یہ خرید بتلائی ہے ان دونوں میں کوئی الجھاؤ اور تعلق نہ ہو۔ (۱۰) اچھا صاحب لیجئے ہم آپ کی مانے لیتے ہیں اور پھر وہ جواب دیتے ہیں جس سے آپ کی تشفی ہو جائے۔ بالفرض مان لیا جائے کہ حدیث عام ہے۔ عموم لفظی اس میں موجود ہے تمہارے حیلے کی صورت اس میں داخل ہے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ اس میں سے بہت سی صورتیں مخصوص ہیں اور عام میں سے خاص ہونا یہ تو وہ مسئلہ ہے کہ جس میں دنیا کے کسی عقلمند کو شک نہیں ہو سکتا بہت سے عموم میں سے صرف مفہوم سے خبر واحد سے بلکہ صرف قیاس سے بھی مخصوص ہوئے ہیں پس آپ کی صورت سود بھی اس عام حکم میں سے مخصوص ہے اور اس کی اجازت نہیں۔ بہ سبب ان دلائل کے جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں اور ان کے سوا اور بھی بہت سے باقی ہیں۔ نصاً قیاساً اجماعاً حیلوں کی حرمت ثابت ہے پس ان کی بنا پر سودی حیلے کی تمہاری صورت اس عام میں سے خاص ہو کر منع ہی رہے گی جو دلیلیں ہم نے حیلوں کی حرمت پر قائم کی ہیں وہ سب تو کجا؟ ان میں سے ہر ایک تخصیص کے لیے کافی ہے۔

برادران! ذرا آپ اپنے فعل پر تو نظر دوڑائیے کہ آپ نے عام میں سے خاص کہاں کہاں کیا ہے؟ سنیے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت ہے۔ یہ فرمان عام ہے اور عمومِ لفظی کے ساتھ عام ہے لیکن آپ حضرات نے اس میں سے ایک صورت خاص کر لی یعنی جبکہ صلب عقد میں دونوں شرط کر لیں کہ وہ نکاح صرف اس لیے کرتا ہے کہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے اور جب وہ حلال کر دے اسے طلاق ہے باوجودیکہ یہ صورت بالکل نادر ہے حلالہ کرنے والا ایسا کرتا ہی نہیں اور جو صورتیں حلالہ میں ہوتی ہیں وہ بہت سی ہیں۔ پس تم نے عام کو جو عمومِ لفظی تھا اور عمومِ معنوی بھی تھا نادر تر صورت پر بشرطیکہ اس کا وقوع ہو بھی سکتا ہو محمول کر کے واقع ہونے والی صورتوں سے اسے خالی کر لیا جو عموماً حلالہ کرنے والے دونوں فریق میں مستعمل ہیں۔ پس جب کہ تم عام میں سے جس کے عموم میں کوئی شک نہ ہو ایسی صورت خاص کر لو جو محض بے دلیل اور بے وقوع ہو اور شرع کے خلاف ہو اور لعنت کا موجب ہو تو کیا ہمیں اتنی بھی اجازت نہ دیں گے کہ ہم اس تمہاری پیش کردہ حدیث میں جس میں دراصل عموم ہے بھی نہیں اور احادیث سے اور اقوال صحابہ سے بلکہ قیاس صحیح سے بھی تقیید کر لیں؟ جو دراصل خود الفاظ کے معنی میں بھی ہے اور ہم اسے محمول کریں اس بیع پر جو عرف و شرع میں درحقیقت بیع ہے اب اگر اتنی صاف اور صراحت والی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے یا آجائے پھر بھی آپ اپنی غلط روش کو نہ چھوڑیں تو اس کا علاج تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ کسی انصاف پسند سے جو اللہ اور رسول ﷺ اور آخرت کا ارادہ رکھتا ہو ہماری اس سیدھی سی بات کی صفائی اور سچائی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہاں توفیق قبولیت صداقت اللہ کے ہاتھ ہے۔

(۱۱) اس حدیث سے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل لینے کا گیارہواں جواب ہماری طرف سے ملاحظہ ہو جس سے واضح ہو جائے گا کہ کلام رسول ﷺ اور منصب رسالت اس سے منزہ اور مبرا ہیں جو تم اس کے ذمے تھوپنا چاہتے ہو۔ بیع کے حلال اور مشروع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ مال والے کے ہاتھ میں نقدی آجائے اور خریدار کے ہاتھ میں چیز آجائے۔ دونوں کا یہی مقصد ہے جسے پورا کرنا شریعت نے بتلایا ہے۔ یہ قیمت سے اپنی حاجت پوری کر لے یہ چیز لے کر اپنے کام میں لائے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب خریدار کا مقصد اس چیز کا لینا ہو تاکہ اسے برتے یا پھر بیچے' بیچنے والے کا مقصود روپیہ حاصل کرنا ہے اس لیے ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے مطلب کو پورا کرنا ہی چاہتا ہے۔ بیچنے والا تول کو دیکھ لیتا ہے' نقدی کو پرکھ لیتا ہے' بھاؤ جانچ لیتا ہے۔ خریدار چیز کو دیکھ لیتا ہے کہ اچھی ہے' بے عیب ہے' مہنگی نہیں جب دونوں جانب یہی مقصود ہے تب تو انہوں نے سبب سے قصد مشروع کیا اور سبب کو حقیقتاً اور حکماً پورا کیا۔ خواہ یہ مقصود معاملہ اور عقد سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور عقد پر موقوف ہو مثلاً ایک شخص کے ہاتھ میں اپنا سودا ہے اور وہ دوسرا سودا لینا چاہتا ہے مگر کسی شرعی یا عرفی یا اور کوئی مانع کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا تو یہ اپنا سودا بازار بھاؤ داموں سے بیچ ڈالتا ہے۔ پس چیز کا بیچنا قیمت کا لینا اصل ہے اور اس کا مقصود یہی ہے پھر وہ اپنی اس رقم سے جو اسے اپنے سودے کے بدل حاصل ہوئی ہے اور چیز اپنی ضرورت کی خرید لیتا ہے تو وہ بھی اس کا مقصد ہے اور وہ بالکل ایک مستقل بیع ہے مثل پہلی بیع کے جس کا شروع اور ختم دونوں موجود ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ اور حضور ﷺ کے فرمان میں یہی چیز ہے خیبر کی کھجوروں میں یہی بات ہے وہ پہلے خیبر کی کھجوروں کو فروخت کریں گے اس کی جو قیمت آئی وہ وصول کریں گے۔ یہ ان کا مقصد ہو گا اور یہ بالکل شرعی حکم کے مطابق بازاروں میں برابر معروف و مشہور بیع ہو گی۔ اس کا اوّل آخر سب اسی میں ہے۔ کوئی لاگ لپیٹ نہیں پوری بیع ہو چکی۔ پھر ان درہموں اور داموں سے عمدہ کھجوریں اعلیٰ قسم کی خرید لیں گے یہ بیع بھی مستقل بیع ہے اس کا بھی اوّل آخر موجود ہے۔ اس میں بھی قصد اور مقصود ہے اور وہ بھی بالکل شرعی اور حقیقی اور عرفی ہے۔ پس جبکہ بائع نے قیمت کی ملکیت کا قصد حقیقتاً کیا تھا اور جبکہ خریدار نے سودے کے لینے کا قصد حقیقتاً کیا تھا پھر اس قیمت سے جبکہ اس خریدار کے سوا اور کسی سے چیز خریدی تو اس میں تو کوئی حرج ہی نہیں اس صورت میں دونوں بیع حقیقی اور مشروع ہیں۔ دونوں جگہ لین دین وغیرہ سب صورتیں حقیقتاً رغبت کے ساتھ موجود ہیں۔

ہاں جب اسی سے خریدتا ہے جس کے ہاتھ پہلا سودا بیچا ہے تو البتہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ پہلی بیع دراصل ان کی مقصودی بیع نہ ہو بلکہ پہلی چیز سے دوسری چیز خریدنی ہی مقصود ہو تو جبکہ کمی بیشی ہے یقیناً سود ہو گا۔ اس قصد کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے ہی سے یہ طے کر لیا ہو کہ ایک صاع وہ دے گا اور یہ دو صاع دے گا پھر اس سود تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ظاہری صورت میں ایک درہم اس سے لے کر اپنی کھجوریں دو صاع دیں پھر اس سے ایک صاع لے لیں ایسی صورت میں نہ تو بائع کو نقد قیمت کی پرواہ ہوتی ہے' نہ وہ اسے اپنے قبضے میں لیتا ہے نہ اسے اس کے عیب دار ہونے کی پرواہ ہوتی ہے' نہ کھوٹے کھرے کی پرکھ کی ضرورت ہوتی ہے' نہ وہ احتیاط ہوتی ہے جو قیمت لینے والے کو ہوا کرتی ہے اس لیے کہ دونوں جانتے ہیں کہ اس سے ان کو کوئی غرض ہی نہیں وہ تو جس کا ہے اسی کے پاس چلا جائے گا پھر اس کی دیکھ بھال اور اس کی کمی زیادتی فضول ہے۔ آپ ایک زیور صراف کے ہاتھ بیچنے کو جائیں پھر دیکھئے کہ کس طرح وہ کرید کرتا ہے کس طرح ٹانکا الگ نکال دیتا ہے میل کچیل الگ کر دیتا ہے کھوٹے کھرے کو جانچتا ہے پھر اس کے دام دیتا ہے پھر دام لینے والے کو دیکھئے

کس طرح انہیں پرکھتا ہے کیسے سنبھال سنبھال کر گنتا ہے لیکن جب اس کے بدلے اور زیور لینا ٹھہر جائے تو گویا بظاہر بکری کا حیلہ بھی ہو لیکن نہ قیمت کا سوال ہوتا ہے نہ کمی بیشی کو کوئی پوچھتا ہے بلکہ ادھر سے دو تولہ اور ادھر سے اللہ جانے کتنے تولہ ہوتا ہے کیونکہ قیمت تو مقصود ہی نہیں قصد تو اور ہی چیز کا ہے اس مقصود کو جو حرام ہے حلال کرنے کا یہ تو صرف ایک ظاہری بہانہ اور حیلہ ہے۔ اسے معلوم کر لینے کے بعد اب یہ معلوم کر لو کہ اس کھجور فروش کا مقصد بھی نقد قیمت سے نہیں مقصود دوسری قسم کی کھجوریں حاصل کرنا ہے اسی پر پہلے ہی سے دونوں نے موافقت کر لی ہے تو جو چیز دراصل اصل میں داخل ہی نہیں وہ حکم میں داخل کیسے ہو جائے گی؟ اس کا تو وجود یکساں ہے اس کا درمیان میں ہونا محض فضول اور بالکل عبث ہے۔

(۱۲) اگر تمہارا یہ حیلہ جائز ثابت ہو جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شریعت نہیں بلکہ بچوں کا کھلونا ہے کہ دونوں مل کر پہلے سے ٹھہرالیں کہ ایک مد دے کر ڈیڑھ مدلوں گا۔ ایک تولہ دے کر ڈیڑھ تولہ لوں گا۔ پھر بیچ میں کسی چیز کو رکھ لیں کہ اس کے سیر بھر کے دام ایک روپیہ اور اس کا ڈیڑھ روپیہ۔ تو تم کہتے ہو کہ اگر یہ چیز بیچ میں نہ ہو تو ناجائز ہو تو جائز۔ حالانکہ مقصد دونوں جگہ ایک لیکن ایک اور کھیل اگر کر لیا جائے تو حلال' اس کھیل کو چھوڑ دیا جائے تو حرام۔ سبحان اللہ دگنی برائی ہو تو برائی نہیں اور اکہری برائی ہو تو برائی۔ پھر اس کی نسبت حکمت والی شریعت کی طرف استغفراللہ۔ اگر یہی ہے تو سود کی حرمت میں کوئی حکمت نہ رہی بجز اس کے کہ اور وقت تلف ہو اور تکلیف ہو۔ سود کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک ہی جنس ایک طرف سے کم ہو دوسری طرف سے زیادہ ہو' لیکن تمہارا عجب حال ہے کہ اسی چیز کی موجودگی میں اگر دونوں طرف سے صرف خرید و فروخت کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو تم اسے جائز کہہ دیتے ہو۔ پھر دنیا میں کون ہے جسے اللہ کا حرام حلال کر لینا بالکل آسان نہ ہو جائے؟

(۱۳) تیرھواں جواب یہ ہے کہ سود کی دو قسمیں ہیں زیادتی جنس اور اُدھار زیادتی کا سود ہر سودی مال میں اس طرح ہوتا ہے کہ کہے کہ یہ پانچ سیر گیہوں ایک روپے میں دیتا ہوں اور تیرے ہاں کے گیہوں ڈھائی سیر ایک روپے میں لیتا ہوں پھر یہ اپنے گیہوں اس کے پلے میں ڈال دے وہ اپنے گیہوں اس کے کپڑے میں بھر دے کیونکہ قیمت کی نقدی تو مد نظر تھی ہی نہیں اگر ہاتھوں میں تبادلہ اس کا بھی کر لیا تو کیا اور نہ کیا تو کیا وہ ایک فالتو اور فضول چیز ہے۔ اُدھار سود کی صورت یہ ہے کہ میں ریشم کا ٹکڑا گز بھر کا تجھے ایک ہزار روپے یا دس من اناج کے بدلے اُدھار دیتا ہوں پھر وہی ٹکڑا اس سے پانچ سو روپے نقد کے بدلے یا پانچ من اناج کے بدلے خرید لے۔

خیال فرمایئے ٹکڑا ریشم کا تو اپنی جگہ آگیا اس نے پانچ سو دیئے اور ایک ہزار لکھوا لیے پانچ من غلّہ دیا اور دس من کا قرض دار اسے ٹھہرا لیا دنیا کے بھلے لوگو یہ سود نہیں تو سود کس کا نام ہے؟ ریشم کا ٹکڑا خریدنا حرام کاری تھی وہ بیچ میں صرف دھوکہ دہی کے لیے تھا تاکہ اللہ سے' اس کے رسول سے اس کی شریعت سے' مسلمانوں سے' حکام سے' کھیل کریں۔ اور اپنی چالاکی سے قیامت کے دن اللہ کو بھی فریب دے دیں۔ پس جب غرض یہ ہے تو سود ہے خواہ صورت بیع کی ہو' اجارے کی ہو' قرض کی ہو' نقد کی ہو' کوئی بھی ہو' ہائے اللہ یہ موٹی سی بات بھی فقیہ ہو کر آپ لوگ سمجھتے نہیں۔ واہ واہ اللہ تعالیٰ سود کو حرام کرے اس کی مذمت کرے اس کے کھانے والے کو جنگ کا الٹی میٹم دے اس پر لعنت کرے بلکہ اس کے گواہ پر اس کے کاتب پر بھی لعنت کرے پھر ادنیٰ ادنیٰ سے حیلے سے اسے حلال بھی کر دے؟ اور وہ حیلے بھی کیسے؟ ہنسی کے قابل کھیل اور محض بیکار بلکہ دور از کار۔ واللہ کسی بھلے انسان کی طرف بھی ان فضول کاریوں کی نسبت بہتر نہیں چہ جائیکہ سیدالانبیاء

ﷺ کی طرف ان کی نسبت ہو کہ آپ نے پہلے تو بایں تیزی اسے حرام کیا پھر بایں مضحکہ اور کھیل اور مذاق اور فضول مباح کر دیا۔

اے حیلہ ساز فقیہو! تمہارے ان شریعت شکن فتووں نے اللہ کے دین کا کھیل سربازار کھیلا۔ لوگوں نے طرح طرح سے سود خواری شروع کر دی۔ کوئی سنہری ڈورا لے کر بازار میں بیٹھ گیا ہے جو اس کے پاس آتا ہے کہ ایک ہی جنس کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرے تو وہ اس کی چیز پانچ سیر اس دھاگے کے عوض خرید لیتا ہے اور اپنی چیز ڈھائی سیر اسی دھاگے کے عوض اس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے دونوں خوش ہیں کہ انھوں نے اپنی غرض بھی پوری کی اور شریعت کے خلاف سے بھی بچ گئے؟ بتلاؤ کوئی عاقل ہے جو یہ ڈورا بیچ میں نہ ہو تو حرام کہے لیکن جادو کی اس ڈور کے بعد اسے حلال کہنے لگے؟ بہت سے بدکار ان فقہاء کی بدولت تمہیں بازار میں وہ بھی ملیں گے جنھوں نے ادھار کے سود کے حلال کرنے کے لیے اپنے پاس ایک چیز رکھ لی ہے جہاں کوئی آیا کہ ہزار کو بارہ سو کے بدلے میں لے تو جھٹ سے اس نے وہ چیز اس کی طرف بڑھا دی بارہ سو میں اس کے ہاتھ اُدھار بیچ دی پھر ایک ہزار میں خرید کر ہزار دے کر بارہ سو مقرر کر لیے۔ پس سودی حیلے حلالہ کے حیلوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ جو حلالہ کو حرام نہیں کہتے وہ بھی ان حیلوں کو حرام کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اس لیے کہ بیع میں مقصود کا معتبر ہونا تو لوگوں کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے اور اس لیے بھی کہ پہلے ہی سے یہ دونوں سودی انسان آپس میں سب طے کر لیتے ہیں یا تو لفظاً یا عرفاً انہیں شہادت کی بھی ضرورت نہیں پڑتی ہاں قرض کی رقم پر شہادت رکھ لیتے ہیں اسی لیے شارع علیہ السلام نے ان کے شاہدوں پر بھی لعنت کی ہے جبکہ وہ اصل معاملہ سے بھی واقف ہوں برخلاف حلالہ کے کہ اس کا اظہار بوقت عقد ناممکن سا ہے کیونکہ نکاح بغیر شاہدوں کے منعقد نہیں ہوتا۔ اس میں پہلے کی شرطیں بھی مال کی شرطوں کی طرح موثر ہوتی ہیں جیسے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ تقدیم شرط اور شرطوں کا ملا جلا ہونا اسے عقد تحلیل سے نکال کر نکاح رغبت میں داخل نہیں کرتا عقود جتنے ہیں سب میں مقصد معتبر ہوتا ہے۔

فصل: لاکھ باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ جب کوئی سودی چیز بیچے گا اور اسی کی جنس کی چیز خریدے گا بھی تو یا تو دونوں میں لفظاً معاملہ طے ہو چکا ہے یا دونوں میں عرفی عقد پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے یا ایسا نہیں اگر پہلی صورت ہے تو ہماری پہلی لمبی بحث کے مطابق وہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ نہ اس کا قصد قیمت کی ملکیت ہے نہ اس کا قصد سودے کی ملکیت ہے بلکہ اس کا مقصود ایک قسم کی کھجوریں حاصل کرنا ہے اس کا مقصود دوسری قسم کی کھجوریں لینا ہے قیمت کو تو صرف پردہ دھوکہ اور سود کا سبب بنا رکھا ہے پس یہ اور حلالہ کرنے والا سانڈ یکساں ہیں اگر لفظوں میں معاملہ نہیں ہوا لیکن دونوں میں پہلے ہی سے حل ہے وہ اور یہ جانتے ہیں کہ مول تول کوئی چیز نہیں اصل تو کھجوروں کا تبادلہ ہے تو بھی حکم یہی ہے کیونکہ مقصود وہی ہے یہاں بھی قیمت مقصود نہیں اور آپس میں طے رہنا مثل زبانی طے کرنے کے ہے۔ ہاں اگر بیچنے والا اسی سے خریدنا چاہتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں تو امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی نے دوسرے کے ہاتھ دینار بیچے درہموں کے بدلے تو اب اسے اسی سے ان چاندی کے درہموں کے بدلے بھی سونا خریدنا جائز نہیں۔ ہاں اگر یہ یہاں سے چلا گیا اور دوسری جگہ سے پھر سونا خریدا لیکن بھاؤ تاؤ ٹھیک نہ ہونے سے مہنگا اور گراں پڑنے سے پھر اسی کے پاس آیا اور اس سے دینار خریدے تو البتہ جائز ہے اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ نے اسے مکروہ کہا ہے کہ تو اپنے درہم کسی کے دیناروں سے بدلے پھر اسی سے ان دیناروں کے بدلے درہم اسی وقت خریدے یا ایک دو دن کے بعد ابن القاسم فرماتے ہیں کہ زمانہ دراز گزر گیا امر صحیح ہو گیا تو

پھر کوئی حرج نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو منع کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خریدار نے اس سے ان دیناروں کا قصد کیا تو ظاہر ہے کہ اس نے قیمت کی ملکیت کا قصد نہیں کیا اسی لیے اس نے نقدی میں' وزن میں کوئی احتیاط نہیں کی۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ جب قبضہ ہو گیا اور علیحدگی بھی ہو گئی پھر اس نے چاہا کہ وہ اس سے خرید لے کیونکہ وہ طلب کرنے پر پاتا نہیں تو اوّل عقد میں کوئی خلل نہ ہو گا۔ آپ کے متقدمین ساتھیوں نے آپ کی اس ممانعت کو حرمت پر محمول کیا ہے۔ قاضی اور ابن عقیل وغیرہ کہتے ہیں کہ جب غرض اور آپس کی موافقت نہ ہو تو حرام نہیں حرب کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ انہوں نے امام صاحب سے پوچھا کہ ایک شخص سے سونا خرید کر اسی کے ہاتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے تو زیادہ پسند یہی ہے کہ دوسرے کے ہاتھ بیچے۔ ابنِ عقیل ذکر کرتے ہیں کہ دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ نہیں رکھا۔ ابنِ سیرین اسے مکروہ رکھتے ہیں کہ انسان کسی شخص سے دیناروں کے بدلے درہم خرید کرے پھر انہی درہموں سے دینار لے یہ مسئلہ زیادتی کے سود کے مسائل میں داخل ہے جیسے عین کے اُدھار کے سود کے مسائل ہیں۔ اسی لیے ساتوں فقہاء نے اسے سود میں سے گنا ہے۔ اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے اہل مدینہ بھی یہی کہتے ہیں جیسے امام مالک اور ان کے اصحاب' اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں جیسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب۔ یہی منقول ہے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے۔ اس مسئلہ میں قیمت تو خریدار کے پاس لوٹ آتی ہے اور زیادتی کا سود دونوں کو مل جاتا ہے یا اُدھار کا۔ سونے چاندی میں بیچی ہوئی چیز بیچنے والے کے پاس آجاتی ہے اور زیادتی کا اور اُدھار کا سود اسے مل جاتا ہے۔ پھر اگر دونوں وصف میں اس کا مقصود قیمت ہے ہی نہیں' نہ بیچنا ہے بلکہ اسے تو صرف سود کا وسیلہ بنانا ہے تو اس کی حرمت میں تو شک ہی نہیں ہو سکتا اور اس جگہ پہلے کا عقد ہر اس شخص کے نزدیک باطل ہے جو حیلوں کو باطل کرتا ہے قاضی نے سونے چاندی کے مسئلہ میں کئی جگہ اس کی صراحت بیان کی ہے۔ ابو الخطاب نے اس کی صحت میں دو وجہ نقل کی ہیں۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھیک بات وہی پہلی ہی ہے جن لوگوں کو سونے چاندی کے تبادلہ کے مسئلہ میں پہلی بیع میں تردد ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس میں جو خلاف ہے وہ دوسری بیع میں ہے پہلی کو صحیح مان کر' اس تقدیر پر یہ حیلوں کے مسائل میں سے نہیں ہے بلکہ ذرائع کے مسائل سے ہے۔

اس کا ایک اور ماخذ ہے اس سے تو مذہب حنفی کے مطابق بھی یہ حرام ہوتی ہے باوجودیکہ ان کے ہاں حیلے جائز ہیں لیکن وہ سونے چاندی کے اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں یعنی یہ کہ جب تک قیمت پوری پوری لے نہیں لی پہلا عقد تمام نہیں ہوا تو عقد دوم اسی پر مبنی رہا یہ علت حیلوں اور ذریعوں کے قاعدے سے خارج ہے پس اس مسئلہ کے تین مخرج ہوئے چونکہ اس کی حرمت صرف حیلے پر ہی نہیں رہی ان لوگوں نے پہلے عقد میں توقف کیا ہے۔ ہمارے شیخ کا فرمان ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ اگر یہ حیلوں میں سے ہے تو حیلوں کے حکم میں بھی ہے ورنہ اس میں دو اور ماخذ معتبر ہیں یہ بھی اس وقت ہے جب پہلی بیع مقصود نہ ہو لیکن اگر وہی مقصود ہو تو بلا شک وہ تو صحیح ہو گئی ہاں جب تک قیمت کا کوئی حصہ بھی خریدار کے ذمے باقی رہے اس سے بیچی ہوئی چیز کا خریدنا اس سے کمی کر کے جائز نہ ہو گا۔ نہ اس قیمت سے کوئی اور سودی چیز خریدنا جائز ہو گا نہ اوّل کے بدلے اُدھار جائز ہو گا۔ اس لیے کہ عقد اوّل کے احکام قیمت کے قبضے میں لینے کے بعد پورے ہوں گے۔ جب تک یہ نہیں ہوا وہ سود کا ذریعہ ہو گا۔ اگر دونوں نے قبضہ کر لیا ہے اور عقد مقصود ہی ہے تو جس طرح اسے اوروں سے خریداری جائز ہے اس سے بھی ہے۔ جب کہ حلال کا راستہ وہی معاملات ہیں جو مقصود ہوں اور شریعت کے مطابق ہوں جن

میں کوئی مکرو فریب اور حرمت نہ ہو تو ان سے ان معاملات کو ملانا جو ان کی صورت میں ہوں لیکن حقیقی مقاصد میں نہ ہوں بلکہ ان سے غرض صرف اللہ کے حرام کو حلال کرنا ہی ہو کسی طرح کسی کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔ ہم نے حیلوں کو جائز کہنے والوں کی اس دلیل کے جواب ذرا بسط و تفصیل سے اس لیے دیئے ہیں کہ یہ دلیل ان کے نزدیک بہت ہی مایہ ناز ہے حدیث کی اس دلیل اور قرآن کی حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے والی دلیل یہی وہ دلیلیں ان کی اصل دلیلیں ہیں اس لیے ہم نے بھی ان پر دل کھول کر کلام کر دیا کہ ناظرین بآسانی حق تک رسائی کر لیں ہم نے شروع بحث میں کہا تھا کہ ہم ان کی اس دلیل پر دو طرح سے کلام کریں گے۔ الحمدللہ ایک طرح سے تو کلام ہو گیا اب دوسری طرح سے سنیے۔ پہلی قسم کے کلام میں ہم نے ثابت کر دیا کہ اس حدیث میں ان حیلہ جویوں کے لیے کوئی حیلہ نہیں۔ اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ خود یہی حدیث ہماری دلیل ہے اور جواز حیلہ کی جڑیں کاٹنے والی یہی حدیث ہے۔

اب دوسری بات کی بابت سنیے یعنی خود اس حدیث سے حیلوں کے جواز کا رد :

خود اسی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دو صاع اپنی کھجوریں دے کر ایک صاع ان کی کھجوریں لینے سے منع فرما دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو صفت حیلوں میں ہے اس کا مقصود بھاؤ کا بڑھانا ہے عقلمند انسان بلاوجہ دو صاع دے کر ایک صاع نہیں لیتا۔ کوئی صفت سودے میں یا کوئی خاص غرض اس میں ضرور ہوتی ہے۔ شارع حکیم علیہ السلام انسانی مصلحت کے آڑے نہیں آتا بجز اس صورت کے کہ اس ظاہری نفع کے پردے میں کوئی بڑا نقصان نہ ہو۔ گو وہ بڑے بڑوں سے بھی مخفی ہو۔ یہاں تک کہ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ زیادتی کے سود کی ممانعت کی کوئی حکمت ہمیں تو معلوم نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہم نے اس کی بہت سی حکمتیں پہلے بیان کر دی ہیں۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ بنی نوع آدم کی مصلحت اسی میں ہے۔ ہم نے بسط سے بیان کر دیا ہے کہ سود کی ایک قسم اُدھار کا سود ہے اور اس کی حرمت بطور حرمت مقاصد کے ہے اور دوسری قسم سود کی زیادتی کا سود ہے اس کی حرمت حرمت ذریعہ کی قسم سے ہے۔ جب انسان اس میں نقد نفع دیکھتا ہے تو پھر اسے اُدھار میں نفع لینا سوجھتا ہے۔ یہ ذریعہ اس اصل حرمت میں مبتلا کر دیتا ہے اس لیے شریعت نے اس حرمت کے اردگرد حد بندی کر دی۔ بتلایئے تو اس سے زیادہ حکمت اور کیا ہو گی؟ اور اس سے بہتر اور حکم کون سا ہو گا؟ پس حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا کہ اپنی کھجوریں دو مد دے کر اور کھجوریں ایک مد لیں اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سود میں آ جائیں۔ پھر اگر آپ ہی اسی چیز کو کسی حیلے سے جائز کر دیں تو بتلایئے اس ممانعت نے کیا فائدہ دیا؟ بلکہ اس صورت میں تو گویا شریعت نے اور شارع علیہ السلام نے ہماری ایک آسانی میں سختی کر دی۔ کہ سیدھے سبھاؤ لو تو حرام۔ حیلے کر کے لو تو حلال۔ حضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے صاف فرما دیا کہ ہرگز ایسا نہ کر، تو بالکل ہی سود ہے پس آپ کا فرمان ممانعت کا ہی ہے بے حیلہ ہو تو اور باحیلہ ہو تو۔ حضور ﷺ کی ممانعت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں انسان کا کوئی اہم فائدہ ہے کسی برائی اور فساد سے آپ بچانا چاہتے ہیں اور تمہارے یہ حیلے اس فساد کو اور بڑھا دیتے ہیں خود حیلہ ہی ایک بدترین فساد ہے پھر آپ کے اس فرمان سے وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ یہ کھلا سود ہے پس جب تک یہ صورت ہے سود ہے اور سود کی حرمت اجماعی ہے آپ کا اسے سود فرمانا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اعتبار حقیقت کا ہے صورت کا نہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ صورتاً سودی کاروبار نہیں کرتے تھے لیکن جو کرتے تھے وہ دراصل سود تک پہنچاتا تھا یا پہنچتا تھا۔ اس لیے اسی کو سود کہا پس جس حیلے سے جس کام کو پہنچا جائے اس کام کا جو نام ہو گا وہی اس حیلے کا۔ سود تک پہنچانے

والا ہر حیلہ سود ہے اور سود کے حکم میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ صورتوں اور عبارتوں کو نہیں دیکھتا۔ وہ حقیقت اور ذات کو دیکھتا ہے اب میں اس بحث کو جسے بہت طول ہو گیا ہے ختم کرتا ہوں۔ وباللّٰہ التوفیق

حیلوں کو جائز کہنے والوں کی چوتھی دلیل کی تردید: (دو معنی والی بات سے خود ایک معنی لے کر دوسرے کو دوسرا معنی چجوانے کے جواز پر قیاس)

کہتے ہیں کہ جیسے قول میں تعریض ہے ویسی ہی فعل میں تعریض ہے اسی کا دوسرا نام حیلہ ہے اور جب قولی تعریض جائز ہے تو فعلی تعریض بھی جائز ہے۔ اس کا جواب بھی سنتے جایئے۔ اب جناب یہ آپ سے کہا کس نے؟ کہ بات میں ایسے الفاظ بندھے کہ کسی کا حق مار لینا کسی واجب کو گرا دینا جائز ہے پھر آپ نے ازخود ایک اصل گھڑ کر اس پر تعمیر شروع کر کیسے دی؟ ہم تو کہتے ہیں کہ جیسے فعل میں حیلے حرام ہیں ایسے ہی قول میں یہ پیچیدگیاں بھی حرام ہیں۔ بھائی ایسی باتیں کہنا اس وقت جائز ہے جب کسی ظالم کے ظلم سے نجات پانی مقصود ہو جیسے خلیل اللہ علیہ السلام کا قول کہ یہ میری بہن ہے یا جب حق کی مدد اور باطل کی شکست مقصود ہو جیسے فرمانِ خلیل علیہ السلام کہ میں بیمار ہوں اور آپ کا فرمان کہ بلکہ اسے ان کے اس بڑے نے کیا ہے اور جیسے فرشتوں کا ایک مثال حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کرنا جسے انہوں نے اپنی طرف منسوب کر لیا اور جیسے حضور ﷺ کا فرمان کہ ہم پانی سے ہیں اور جیسے آپ کا غزوے کیلئے جانا ہو تو کہیں لیکن ظاہر کچھ اور کرنا جسے توریہ کہتے ہیں جس میں مسلمانوں کی اور دین الٰہی کی مصلحت ہوتی ہے اور دین دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ جیسے حضور ﷺ کا ایک شخص سے فرمانا کہ ہم تجھے اونٹنی کے بچے پر بٹھائیں گے اور جیسے آپ کا فرمان کہ جنت میں بوڑھیاں نہیں جائیں گی اور جیسے آپ کا فرمان کہ اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ مراد اللہ کا غلام۔ اور ایک عورت سے آپؐ کا فرمانا کہ تیرے خاوند تو وہی ہیں؟ کہ جن کی آنکھ میں سفیدی ہے نامراد اس سے وہ سفیدی ہے جو ہر انسان کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ اس جیسے اشارے کنائے اور لطف سخن اور پاک مذاق تو دراصل بالکل سچی اور سیدھی اور پرلطف باتیں ہیں کہاں؟ یہ اور کہاں تمہارے یہ گھناؤنے' گندے' بھونڈے' بے لطف' نقصان دہ خبیث حیلے؟ اب آپ اپنی دلیل کا جواب ہمارے شیخ کی زبانی سنیے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ فرماتے ہیں جس پر یہ سودی حیلے قیاس کئے گئے ہیں اور وہ اس کے مثل نہیں ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو معاریض یعنی انسان کا جائز کلام کر کے اس سے صحیح مقصد لے کر دوسرے کو یہ وہم دلانا کہ اس کا مقصد اور ہے اس وہم کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں لغوی یا عرفی یا شرعی حقیقتوں میں لفظ مشترک ہوتا ہے یا ایک طرف لغوی حقیقت ہوتی ہے۔ دوسری طرف عرفی یا شرعی پس یہ ایک معنی مراد لیتا ہے سننے والے کے ذہن میں دوسرے معنی ہوتے ہیں وہ وہی سمجھ لیتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ اسے دوسرے معنی کی پہچان ہی نہیں یا حال کی دلالت اس پر ہوتی ہے یا کوئی قرینہ وہاں ہوتا ہے۔ حالیہ یا قولیہ جس سے یہ قول مل جاتا ہے یا لفظ کا ظاہری معنی اور ہوتا ہے اور باطنی اور یہ مراد باطنی معنی لیتا ہے وہ ظاہری معنی سمجھتا ہے۔ مثلاً یہ مجاز مراد لیتا ہے وہ حقیقت سمجھ جاتا ہے۔ یا عام سے مراد خاص لیتا ہے یا مطلق سے مقید۔ یا کسی خاص محاورے کی بنا پر مخاطب خود ہی دوسرے معنی سمجھ لیتا ہے یا وہ غافل ہے یا جاہل ہے یا کوئی اور سبب ہے حالانکہ متکلم کا مقصد حقیقی معنی ہے۔ پس ان تمام صورتوں میں جب اس شخص کا اپنا مقصد اس تعریض سے اس نقصان کو ہٹانا ہے جس کا مستحق یہ نہیں تو بلاشک یہ جائز درست ہے۔ مثلاً خلیل اللہ علیہ السلام کا اپنی بیوی کو بہن کہنا۔ نبی ﷺ کا ہم پانی سے ہیں کہنا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مجھے راستہ دکھاتا ہے کہنا۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا چند ایسے اشعار پڑھنا جنہیں ان کی بیوی نے قرآن سمجھ لیا' بلکہ کبھی تو یہ

جواز سے آگے نکل کر واجب بھی ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت جبکہ اس سے کسی ایسے ضرر کے دفعیہ کا قصد ہو جو اس بغیر دفع نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا دفع کرنا واجب ہے تو گو یہ بھی کلام میں ایک قسم کا حیلہ ہے لیکن حرام حیلوں سے یہ بالکل الگ ہے حیلہ جس پر کیا جا رہا ہے اس کی حیثیت سے بھی اور جس سے حیلہ کیا جاتا ہے اس کی حیثیت سے بھی۔

پہلی حیثیت کا بیان : مثلاً حیلہ ہو رہا ہے اس لیے کہ جو ضرر کا مستحق نہیں اسے ضرر سے بچا لیا جائے۔ لیکن اگر اس نے کسی ایسی چیز کو چھپا لیا جس کا اظہار ضروری تھا مثلاً شہادت، اقرار، علم خیر خواہی، مسلم سودے کا عیب، نکاح کے وقت طرفین کا عیب، اجارہ کے وقت کسی عیب کا کتمان وغیرہ تو یہ قطعاً حرام ہے لفظوں میں اس کی حرمت شریعت میں موجود ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مثنیٰ ابکاری دریافت کرتے ہیں کہ تعریض کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا خرید و فروخت میں اس کا کیا کام؟ یہ تو لوگوں میں صلح کرانے وغیرہ میں ہے۔ سنو ضابطہ یہ ہے کہ جہاں بیان واجب ہو وہاں تعریض حرام ہے اس لیے کہ اس میں پوشیدگی اور خلط ملط کرنا ہے، اسی میں حق کا اقرار کرنا ہے، اسی میں جس چیز پر قسم کھلائی گئی ہو وہ چیز ہے، اسی میں لین دین کے معاملات کی گواہی ہے، اسی میں وہ اوصاف ہیں جن پر معاملہ ہو رہا ہو۔ اسی میں فتوے ہیں، اسی میں حدیث ہے، اسی میں فیصلے ہیں اور جس جگہ بیان حرام ہو وہاں تعریض نہ صرف جائز بلکہ واجب بھی ہے جبکہ ممکن ہو اور خطاب واجب ہو مثلاً ایک ڈاکو لٹیرا کسی شخص کا یا اس کے مال کا پتہ دریافت کر رہا ہے جہاں چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں جائز ہوں تو اب دیکھو کہ مصلحت چھپانے میں ہے یا ظاہر کرنے میں یا دونوں متضمن مصلحت ہیں اگر پہلی بات ہے تو یہاں ذو معنی بات کہہ دینی مستحب ہے مثلاً جہاد کرنے والے کا توریہ کرنا کہ اس کا رخ کدھر کا اور کس کا ہے اور توریہ اس شخص کا جو نکل نہیں سکتا جس کے خلاف ان لوگوں کا مجمع ہے جو اسے کسی اطاعت الٰہی سے باز رکھنا چاہتے ہیں یا کوئی مصلحت راجح ہو مثلاً امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا توریہ مروزی سے اور قسم کھلانے والے ظالم کی دی ہوئی قسم پر توریہ یا کسی اور کی قسم جس سے ناحق حق ہو جاتا ہو وغیرہ اور اگر دوسری بات ہے تو اس میں توریہ مکروہ ہے اظہار مستحب ہے یہ ان تمام جگہوں میں جہاں بیان مستحب ہے اور اگر دونوں باتیں برابر ہوں اور دونوں طریق نیک مقصد تک پہنچا سکتے ہوں مثلاً مخاطب ایسا ہے کہ اس کے نزدیک دونوں طریقے یکساں ہیں تو دونوں امر جائز ہیں جیسے کئی زبانیں کوئی جانتا ہو تو ہر زبان بول کر اپنا مقصد ادا کر سکتا ہے مثلاً تعریض میں کوئی خاص غرض ہے اور ہے وہ مباح لیکن صراحت میں کوئی حرج بھی نہیں ہے نہ مخاطب اس کا مقصد پا سکتا ہے۔ اس میں فقہاء کے تین قول ہیں اور تینوں قول مذہب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں پائے جاتے ہیں اول تو یہ ہے کہ اسے حق تعریض ہے اس لیے کہ اس میں نہ تو حق کا چھپانا ہے نہ کسی کی ضرر رسانی ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے یہ حق نہیں اس لیے کہ اس میں مخاطب کو مغالطہ میں ڈالنا ہے جس کی ضرورت ہی نہیں تو یہ گویا ایک طرح کی سزا ہے اور بسا اوقات اس سے انسان جھوٹی خبر میں پڑ جاتا ہے اور اس وجہ سے اسے ضرر بھی پہنچ جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر قسم کے سوا کا معاملہ ہو تو جائز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص مجھ سے ایک بات پوچھتا ہے اور میں اسے خبر دینی پسند نہیں کرتا تو کیا اس وقت تعریضاً کوئی بات کہہ سکتا ہوں؟ آپ فرماتے ہیں اگر قسمیہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس کی وجہ سے جھوٹ سے گلو خلاصی ہو جاتی ہے یہ اس وقت ہے کہ جواب دینا ضروری ہو۔ بغیر اس کے تو منع ہے جیسے اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا والی حدیث کی دلالت ہے کہ لوگوں کی باتوں میں جھوٹ کی اجازت صرف تین موقعہ پر ہی ہے اور تینوں موقع ضرورت کے ہیں۔ بہرصورت اس میں سننے والے کو جاہل بنا دینا ہے کہ متکلم اسے اس چیز میں ڈال دے جو

دراصل اس کے کلام کی مراد نہ ہو۔ اس میں کبھی تو مصلحت فساد سے راجح ہوتی ہے کبھی دونوں میں تعارض ہوتا ہے بیشک جسے علم کسی چیز کا حاصل ہے اور وہ اسے اللہ اور رسول ﷺ کی ناراضگی پر آمادہ کرتا ہے تو اس کی جہالت اور اس سے اسے پوشیدہ رکھنا ہی اچھا ہے۔ خود اس کے لیے بھی اور متکلم کے لیے بھی۔ اسی طرح اگر اس کے علم میں خود قائل پر کوئی مصیبت برپا ہوتی ہے یا اس کی کوئی مصلحت فوت ہوتی ہے جو بیان کی مصلحت سے زیادہ راجح ہے تو وہ سننے والے سے چھپا سکتا ہے اور اگر سننے والا پیچھے ہی پڑ جائے تو بیشک وہ تعریض سے کام نکال لے مقصد اس سے واجب یا مستحب یا مباح کا کرنا ہے پس اس پر ان حیلوں کو قیاس کرنا جن سے فرائض ٹوٹ جائیں جن سے حرام حلال ہو جائیں یہ بالکل ہی سخت ناانصافی ہے بلکہ خود اپنے تئیں دھوکہ دینا ہے۔ یہی بدترین قیاس ہے۔ یہی کافروں کا قیاس ہے جنھوں نے سود کو بیع پر قیاس کیا جنھوں نے خود مردہ جانور کو ذبح ہوئے جانور پر قیاس کیا۔

دوسری حیثیت کا بیان: اوپر تو بیان ہوا حیلے اور تعریض کے فرق کا اس حیثیت سے کہ جس چیز پر حیلہ ہو رہا ہے اب بیان سنیے اس حیثیت سے کہ جس کے ساتھ حیلہ ہو رہا ہے۔ تعریض کرنے والے نے تو جو کلام کیا ہے وہ اپنی جگہ حق ہے وہ جو بولا ہے سچ بولا ہے اس کی سچائی اس کے پاس ہے اللہ کے پاس ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ لفظ سے اس کے ظاہر کے خلاف مراد بھی نہیں لی جو اس کے خلاف سننے والا سمجھا ہے وہ صرف اس کی اپنی خوش فہمی ہے' اس کی سمجھ کا پھیر۔' وہ کلام کی دلالت کے طریقوں سے ناواقف ہے' حضور ﷺ کی تعریض اور آپ کا لطف سخن اور مذاقِ کلام اسی قسم کا تھا جیسے فرمانا کہ ہم پانی سے ہیں۔ ہم تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کرائیں گے۔ جنت میں بڑھیا نہ جائے گی۔ تیرے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اکثر سلف رحمھم اللہ کے معاریض بھی اسی قسم کے ہیں۔ تدلیس جو سند میں ہوتی ہے وہ بھی گو اس باب میں داخل ہو لیکن ہے وہ مکروہ۔ کیونکہ اس کا تعلق دین سے ہے۔ اور علم کا بیان واجب ہے بخلاف اس کے کہ مقصود ظالم کے ظلم کا دفعیہ ہو یا متکلم اپنے اوپر سے کسی مصیبت کو ٹالنا چاہتا ہو۔ معاریض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ کو اس کی حقیقت اور اس کے موضوع لہ میں ہی استعمال کیا جائے اس کے ظاہر سے باہر نہ نکلا جائے۔ اس کے حقیقی افراد میں سے کسی خاص مقصود کو مدنظر رکھا جائے لیکن سننے والے کو یہ وہم ہو کہ یہ اس کے سوا اور فرد کا ارادہ رکھتا ہے یا تو اس کے فہم کے قصور سے یا اس کے نزدیک اس فرد کی زیادتی اور اکثریت کی وجہ سے یا کسی حال سے جو موجود ہو یا خبر دینے والے کے خبر کے وقت ایسی کوئی خاص کیفیت برتنے کی وجہ سے مثلاً ہنسنا' غصے ہونا' اشارہ کرنا وغیرہ۔ آپ جب غور سے معاریض نبویہ اور معاریض سلف کو دیکھیں گے تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ عام کو خاص میں' مطلق کو مقید میں استعمال کیا جائے۔ جسے متاخرین کی اصطلاح میں حقیقت و مجاز کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ مطلق و مقید ہی سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً لفظ اسد شیر' لفظ بحر دریا' لفظ شمس سورج ان کے اطلاق کے وقت جو اصلی معنی میں ہیں انہیں تو حقیقت کہیں گے اور ان کی تقیید کے وقت جو معنی ان کے لیے جاتے ہیں انہیں مجاز کہیں گے۔ اب مقید مقید میں اور قید قید میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کہیں کہ ہر مقید مجاز ہے تو لازم آتا ہے کہ ہر مرکب کلام مجاز ہو کیونکہ ترکیب قید ہے۔ اس میں مطلق لفظ پر کچھ قیدیں زیادہ ہوتی ہیں اور اگر کہا جائے کہ بعض قیدیں اسے مجاز کر دیتی ہیں اور بعض نہیں بھی کرتیں تو سوال کیا جائے گا کہ آخر ان کی پہچان کا طریقہ کیا ہے؟ تو یہ گھبرا جائیں گے اور کوئی ٹھکانے کی بات نہ کہہ سکیں گے اگر کہیں کہ صاحب اعتبار تو لفظ مفرد کا ہے اپنے افراد کی حیثیت سے جو ترکیب سے

پہلے تھی۔ بس اسے حقیقت و مجاز کا حکم ملتا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس صورت میں الجھن اور اعتراضات اور بڑھ جائیں گے۔ لفظ عقود ترکیب سے پہلے تو محض ایک آواز ہے مفید نہیں جو فائدہ اس سے ہوتا ہے وہ بعد از ترکیب ہی ہوتا ہے۔ تم تعریف حقیقت اسی طرح کرتے ہو کہ لفظ مستعمل۔ بلکہ تم میں سے اکثر نے یہ تعریف کی ہے کہ لفظ کا اپنے موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ مجاز کو تم اس کے برعکس کہتے ہو پس حقیقت و مجاز میں لفظ کا استعمال اس چیز میں کرنا ضروری ہو گیا جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہے اور استعمال بعد از ترکیب ہی ہوتا ہے پس اس کی ترکیب اس کے بعد ہی ہوتی ہے اور مراد متکلم کو سمجھاتی ہے پھر کیا بات ہے کہ باوجود بعض قیدوں کے یہ حقیقت رہا اور پھر اسی کے ہوتے ہوئے وہ مجاز ہوا اس وقت ہماری غرض ان کی اس جدید اور بدعتی اور متناقض اصطلاح کی تردید نہیں اس کی تردید تو چالیس سے بھی زیادہ وجہ سے ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف تعریض کی دونوں قسمیں بیان کرنے سے ہے کہ وہ کبھی تو لفظ کو اس کے ظاہر میں استعمال کرنے سے ہوتی ہے کبھی لفظ کو ظاہر سے نکال کر ہوتی ہے اور اس جگہ کوئی قرینہ بھی ایسا بیان نہیں ہوتا جس سے متکلم کی مراد ظاہر ہو سکے قسموں اور طلاق کی تعریض کا عموماً یہی حال ہے۔ جیسے یہ قول کہ میری ہر بیوی پر طلاق ہے مراد یہ کہ فلاں فلاں شہر میں جو ہے یا مراد فلاں خاص بیوی یا یہ قول تو طالق ہے مراد یہ کہ پہلے شوہر سے وغیرہ۔ پس یہ قسم اور ہی ہے اور پہلی قسم اور ہی تھی۔ یہ کہاں؟ اور ان حیلہ کرنے والوں کے بیوپار اور معاملہ کے الفاظ یا اس کی صورت کہاں؟ جسے شارع علیہ السلام نے بیوپار کی مقتضی نہیں بنایا بلکہ اسے اس کی ضد قرار دیا ہے اس کے لیے لفظ کی صلاحیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ لفظ اس کی ایجاد کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ مثلاً بطور تعریض کہے کہ میں نے نکاح کیا اور مراد نکاح فاسد لے تو یہ سچا ہو گا جیسے کہ اسے بیان کر دیتا ہاں اگر یہی لفظ ایجاد کے لیے کہے اور ہووے وہ فاسد تو نکاح نہ بندھے گا یہی حال کل حیلوں کا ہے۔

شارع علیہ السلام نے قرض بیشک مقرر کیا ہے لیکن اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنی حاجت پوری کر کے پھر اسی کے برابر اسی رقم کو لوٹا دے قرض کی یہ وجہ نہیں کہ اپنی رقم سے زیادہ گھسیٹ لے پھر کوئی حیلہ کر کے قرض سے زیادہ لینا حرام پر حرام ٹھہرا لے گا۔ بیع کی غرض ایک کے ہاتھ سودا لگنا دوسرے کے ہاتھ قیمت آنا ہے اس سے غرض زیادتی یا ادھار کا سود نہیں کہ اسے سودے سے مطلب نہ ہو اسے قیمت سے غرض نہ ہو۔ دونوں کا مقصود سود خواری ہو۔ اسی طرح نکاح کی شرعی غرض مرد کی عورت سے رغبت وغیرہ ہے نہ کہ چھو کر چھوڑ دینا تاکہ دوسرا اسے اپنی بیوی بنا لے۔ خلع کی غرض مظلوم عورت کا مال دے کر اپنے تئیں ظالم شوہر کے پنجے سے چھٹکارا پانا ہے نہ کہ اس سے غرض قسموں کی حیلہ جوئی ہو۔ مال کی ملکیت سے غرض دوسرے کا نفع مخلوق کے ساتھ احسان وغیرہ ہے نہ یہ کہ حج و زکوٰۃ کی فرضیت کو گرا دینا۔ اسی طرح تعریض کا جواز اس کے لیے ہے جو اس کا محتاج ہو اس سے کسی کا حق مارنا نہ چاہتا ہو نہ اس سے کسی کی ضرر رسانی مقصود ہو یہ نہیں کہ ہر کسی کے حق اس سے مارتا پھرے بلاوجہ دوسروں کی نقصان رسانی کے درپے رہے۔

الغرض جو تعریض مباح ہے اس میں اللہ سے کوئی دھوکہ دھڑی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس سے ایک طرح کی چال چل کر ظالم کے ظلم کو دھکے دے دیئے جاتے ہیں اور جاتا حق واپس کر لیا جاتا ہے لیکن اس سے استدلال کر کے حقدار کا حق مارنا اور مظلوم پر ظلم کرنا یہ تو دنیا کو دھوکے میں ڈالنا ہے اور غیر مسلموں پر اسلام کی برائی ظاہر کرنی ہے بلکہ اس کے بعد تو تم دنیا کی نگاہوں سے ہی گر جاؤ گے ہر شخص تھو تھو کرنے لگے گا' سمجھنے لگے گا کہ یہ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں' ان کے کسی قول کا اعتبار نہیں کل کہہ دیں گے کہ ہماری مراد تو یہ تھی اور یہ ہماری شریعت میں جائز ہے پس تم اپنی آبرو بھی کھو دو گے

اور ساتھ ہی شریعت کا بھرم بھی مٹا دو گے۔ پس ہمارا یہ قاعدہ یاد رکھو کہ جو تعریض ظاہری لفظوں کے خلاف نہ ہو وہ بوقت ضرورت جائز ہے اور جو ظاہر کے خلاف ہو وہ ہے تو بری لیکن جس وقت مقصد نیک ہو اور بغیر اس کے حاصل نہ ہو سکتا ہو تو شرعاً معاف ہے۔ پہلی صورت میں بھی اگر فساد آمیزی ہو تو پھر ممنوع ہو جائے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ تعریض قولی کی طرح تعریض فعلی بھی ہوتی ہے اور کبھی دونوں ایک ساتھ بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک مجاہد جانا چاہتا ہے مشرق کو لیکن ظاہر کرتا ہے مغرب کو جانا اور اسی طرح چل بھی دیتا ہے راہ سے مڑ کر پھر اپنے اصلی راستے پر آجاتا ہے تاکہ دشمن دین غفلت میں رہے یا مقابل کے سامنے اپنی ہار ظاہر کرتا ہے اور کچھ پیچھے ہٹتا ہے تاکہ دشمن آگے بڑھ آئے اور پھر یہ گھیر کر اس کا خاتمہ کر دے۔ پس یہ جائز ہے یہ لڑائی کی چال ہے۔

ظالم کے ظلم سے بچاؤ حاصل کرنے کے لیے یا اس کی سزا کے لیے کوئی چال چلنا :

مندرجہ بالا تمام کلام تو تھا ایک قسم پر جس سے حیلے باز لوگ حجت پکڑتے ہیں۔ اب اس کی دوسری قسم سنیے۔ ظالم کے ظلم سے بچنے کیلئے مظلوم کو چال چلنا اسے کسی خیال میں رکھنا یا اس سے کسی حق کے نکالنے کیلئے ایسا کرنا یا اسے سزا دینے کے لیے ایسا کرنا یا اس کے شر سے اور اس کی زیادتی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا بیشک شریعت نے جائز رکھا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے سرکار رسالت مآب ﷺ میں آکر اپنے پڑوسی کی ایذاء دہی بیان کی تو آپ نے فرمایا اپنا سب اسباب گھر سے نکال کر راستے میں ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اب جو گزرتا ہے وہ پوچھتا ہے یہ کیا؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ میرے یہ پڑوسی مجھے تنگ کرتے ہیں وہ اس پڑوسی کو برا بھلا کہنے لگتا ہے اس پر لعنت بھیجنے لگتا ہے آخر پڑوسی چیخ اٹھا۔ اس کے پاس آیا اور عاجزی سے کہنے لگا آپ اپنا اسباب اپنے گھر میں رکھ دیجئے اللہ کی قسم آج کے بعد آپ کو کبھی کوئی ایذاء نہ دوں گا۔ اللہ اپنے رسول ﷺ پر لاکھوں درود و سلام بھیجے یہ ہے تعریض فعلی یہ ہے ظالم کے ظلم کو دفع کرنے کی چال یہ ہے ترکیب شرعی کون ہے جو اسے منع کرے؟ اس کا مقصد نیک یعنی ظالم کے ظلم سے بچاؤ اس کی ترکیب بے عیب اور بے ضرر بلکہ دونوں کیلئے سہولیت اور بھلائی۔ قسم اللہ کی ہم اس کے اور اس جیسے اور لطیف کاموں کے منکر نہیں ہم تو ان کے منکر ہیں جن کے منکر اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور خود اللہ ہے اور جس کا انکار ہر بھلے اور باتمیز انسان کو ہے جس سے تم کہیں تو اللہ کا فریضہ ٹالتے ہو کہیں اس کے بندوں پر ظالمانہ دست درازی کرتے ہو۔ اس کی حرمت کے شرعی اور عقلی دلائل اتنے ہیں کہ جن کی گنتی بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ کوئی ان سب کو بیان کر دے۔ تاہم جو کچھ ہم نے لکھا اس میں آپ کی اور حق کے تلاش کرنے والے ہر ایک کی تشفی موجود ہے اور ایک نہیں صدہا دلیلیں بھی بیان ہو چکی ہیں۔ اب ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ وہ ہمیں حق کو حق اور ناحق کو ناحق دکھائے۔ حق پر عمل اور ناحق سے دوری نصیب فرمائے' آمین۔ ((والحمد للّٰہ الذی بنعمۃ تتم الصالحات O والصلوٰۃ والسلام علیٰ مفخر الموجودات O فقط واللّٰہ اعلم))۔

الحمد للہ اعلام کے پانچویں حصے کا ترجمہ بھی ختم ہوا۔ اب چھٹا حصہ اِس کے بعد شروع ہو گا۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم سے اسے بھی پورا کرائے اور میری محنت کو ٹھکانے لگائے اسے مقبولیت عطا فرمائے۔ اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت کرے' آمین۔ اِلٰہ العالمین اپنے اس غلام کو دونوں جہاں میں شاد رکھ۔ الٰہی اپنے دربار کے فقیر کی جھولی بھر دے۔ الٰہی اپنے اس بھکاری کو سب سے بے نیاز کر

دے۔ الٰہی گناہوں کی بخشش کر' الٰہی نیکیوں سے ہوں تو خالی ہاتھ کس طرح کہوں کہ انہیں قبول فرما۔ اس لیے عرض ہے کہ نیکیوں کی توفیق عطا فرما اور پھر انہیں مقبولیت بھی دے۔ پروردگار اس وقت میری جو خاص دعا ہے اسے بھی علام الغیوب قبول فرما۔ میری موت کے بعد بھی اپنے بندوں کو توفیق عطا فرما کہ میرے لیے وہ کہیں پروردگار محمد بن ابراہیم کو بخش دے' آمین' والسلام۔

محمد بن ابراہیم میمن جوناگڈھی مدرس و مہتمم مدرسہ محمدیہ و ایڈیٹر و منصرم اخبار محمدی
صدر۔ دہلی ۱۰/ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ مارچ ۷ ۱۹۳ء



حصہ ششم

تنبیہ

جن حیلوں سے حرام کو حلال اور جائز کو ناجائز کیا جاتا ہے ان کی تردید کی دلیلوں پر اعلام کے پانچویں حصے کا ترجمہ ختم ہوا تھا۔ اب آگے شروع ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارحم الراحمین اسے بھی بآسانی پورا کرائے اور قبول فرمائے' آمین۔ ((اللّٰھم یا مالك یوم الدین○ ایاك نعبد وایاك نستعین○ اھدنا الصراط المستقیم○))

حیلوں کی قسمیں:

کسی چیز کا نام حیلہ ہونا یہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴾ (نساء: ۹۸) یعنی ان ناتواں مردوں عورتوں اور بچوں کو عذاب نہ ہوگا جو نہ تو کوئی حیلہ بہانہ کر سکتے ہیں اور نہ راستہ پا سکتے ہیں۔ یہاں مُراد حیلہ سے وہ طریقہ ہے جس سے کفار کے ہاتھوں سے چھٹکارا مل جائے۔ تو گو اس پر بھی لفظ حیلہ بولا جائے گا۔ لیکن یہ ان حرام حیلوں میں نہیں جن کی بحث ہو رہی ہے یہ تو نہایت اچھی تدبیر ہے جس پر اللہ کے ہاں ثواب ملے گا۔ اسی طرح کافروں کو شکست دینے کی خوش تدبیری کہ گو اسے بھی حیلہ کہہ لیا جائے لیکن ہے وہ بہترین ثواب کی چیز جیسے حضرت نعیم بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ نے جنگِ خندق کے دن کیا یا کوئی مُسلمان کسی ایسی ہی ترکیب سے اپنا مال ان کے قبضے سے برآمد کرنا چاہتا ہو۔ جیسے حضرت حجاج بن ارطات صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کیا۔ اسی طرح کسی سردار کفر دشمن اللہ کے قتل میں کوئی چالاکی کر جانا جیسے کہ ابن ابی الحقیق یہودی کعب بن اشرف اور ابو رافع وغیرہ کے قتل کرنے میں ان کے قاتل مُسلمانوں نے چابکدستی مخفی ذریعہ سے دکھائی۔ یہ تمام حیلے محمود ہیں اللہ کو پسند ہیں اللہ کی مرضی کے ہیں۔ لفظ حیلہ تحول سے مشتق ہے یہ وزن عربی میں قسم نوعیت اور حالت کے لیے آیا ہے جیسے جلسہ قعدہ رکبہ یعنی بیٹھنے اور سوار ہونے کی قسم یا حالت۔ ہاں یہ وزن جب زبر کے ساتھ ہو تو ایک دفعہ کے لیے آتا ہے یہی علم عربی کی صرف کا قاعدہ ہے کہ فعلہ ایک بار کے لیے فعلہ حال کے لیے مفعل جگہ کے لیے اور مفعل الہ کے لیے آیا کرتا ہے۔ یہ واوی ہے تحول سے لیا گیا ہے اس کا باب حال یحول ہے۔ واؤ یا سے بہ سبب اپنے ماقبل کے کسرہ کے بدل دیا گیا ہے یہ تبدیلی بالکل قاعدے کے مطابق ہے جیسے میزان میقات اور میعاد کہ یہ مفعال کے وزن پر ہیں وزن وقت اور وعد سے۔ پس حیلے کے معنی ہوئے تصرف کی ایک مخصوص قسم اور وہ عمل جس کے کرنے سے اس کا فاعل ایک حال سے دوسرے حال کی طرف گھوم جاتا ہے۔ پھر عرف میں اس کا غالب استعمال ان پوشیدہ راہوں میں چلنے سے ہو گیا جن سے انسان اپنی غرض ایسی ڈھب سے پوری کر سکے کہ جسے بجز ذہین اور تیز عقل اور باریک بین شخص کے دوسرا کوئی معلوم ہی نہ کر سکے۔

پس اپنے لغوی معنی سے اس عرفی معنی میں خصوصیت ہو گئی۔ برابر ہے کہ اس کا مقصود کسی جائز کام کا ہو یا حرام کام کا

ہو پھر اس سے زیادہ مخصوص اس کی خصوصیت اس میں ہو گئی جو کسی ممنوع اور ناجائز غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہو وہ ممنوع کام خواہ شرعاً منع ہو خواہ عقلاً منع ہو خواہ عادتاً منع ہو۔ آج عرف عام میں حیلہ اسی کے لیے بولا جا رہا ہے مثلاً کہتے ہیں فلاں تو حیلہ بازوں میں سے ہے۔ فلاں سے معاملہ نہ کرو یہ بڑا حیلہ ساز ہے۔ فلاں تو لوگوں کو حیلے سکھاتا پھرتا ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے مطلق کا استعمال اس کی بعض قسموں میں ہوتا ہے۔ جیسے دابہ اور حیوان وغیرہ۔ جب اسے لغوی طور پر معتبر مان کر اس کی تقسیم کی جائے گی تو اس کی پانچ قسمیں ہوں گی۔ واجب اسباب کی کوشش بھی حیلہ ہے۔ مسبّب کے حاصل کرنے کا' کھانا پینا' سفر کرنا ان کے مقاصد کے حاصل کرنے کا حیلہ ہے۔ شرعی طریق پر معاملہ کرنا خواہ وہ واجب ہو' مستحب ہو' مباح ہو' یہ بھی معاملہ کی چیز کو حاصل کرنے کا حیلہ ہے۔ اسی طرح حرام سبب حیلہ ہیں ان کے مقاصد کے حصول کا۔ ہم نے جو کچھ کلام جلد پنجم میں کیا ہے وہ اور اب جو کلام حیلوں پر کریں گے وہ اس عام اعتبار کی بنا پر نہیں جو مورد ہے حیلے کی تقسیم مباح اور ممنوع کا۔ حیلہ ایک جنس ہے جس کے ماتحت فعل واجب اور ترک حرام اور علیحدگی حق اور امداد مظلوم اور ظالم پر دباؤ اور حد سے بڑھ جانے والوں کی سزا دہی وغیرہ بھی ہے۔ اور اسی کے ماتحت حرام کو حلال بنا لینا' حقوق کا برباد کر دینا' واجبات کو ڈھا دینا بھی ہے۔ چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کام یہودیوں نے کیا اس سے تم بچنا کہ اللہ کے حرام کو ادنیٰ حیلوں سے حلال کر لو۔ اس لیے حیلہ کا استعمال عموماً اسی بری قسم پر عرف فقہاء میں ہونے لگا اور عام طور پر حیلے والوں کی مذمت میں انہی حیلہ جویوں کو لیا گیا جو اپنی عاجزی اور جہالت سے مصلحت کو بھلے طریق پر حاصل نہیں کرتے۔

پس قسم اول تو مکروفریب کرنے والوں کی ہے اور قسم دوم بے حد عاجز لوگوں کی ہے لیکن مدح و تعریف جن کی ہے وہ ان دونوں کے سوا ہیں جن پر خیروشر کے کھلے اور چھپے راستے ظاہر ہیں۔ وہ اپنے بھلے مقاصد کو جنہیں اللہ اور رسول ﷺ پسندیدہ رکھتے ہیں بہترین عمدہ طریق سے حاصل کر سکتے ہیں اور کر لیتے ہیں۔ ان پر برائیوں کے چھپے کھلے راستے بھی عیاں ہیں جن سے وہ پرہیز کرتے ہیں مکروفریب ان سے اور یہ اس سے کوسوں دور ہیں۔ یہی حالت بزرگ ترین صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی جن کے دل سب سے زیادہ نیکی والے تھے' جن کے علم مخلوق عالم سے بڑھ کر تھے ان پر شر اور بدی کے طریقے مکروفن کے راستے واضح تھے' ان کے دلوں کا خوف خداوندی اس سے لاکھوں حصّے زیادہ تھا کہ وہ ان فریب کاریوں میں داخل ہوں یا ان ناپاک اور گندے حیلوں کو شرع شریف میں داخل ہونے دیں یا داخل کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں فریب کار نہیں ہوں لیکن کوئی فریب کار اپنے دام تزویر میں مجھے پھنسا بھی نہیں سکتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ فتنوں اور برائیوں کے عالم تھے کیونکہ لوگ حضور ﷺ سے بھلائیوں کا سوال کرتے تھے اور آپؓ برائیوں کو دریافت کرتے رہتے تھے تاکہ ان سے بچ سکیں۔ مسلم دل برائیوں سے جاہل نہیں ہوتا۔ وہ انہیں جانتا ہے اور ان سے بچتا ہے اور نیکی اور بھلائی کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کا نام فریب رکھا ہے۔ پس ضروری ہے کہ فریب و مکر کی بھی تقسیم ہو ایک وہ قسم جو اللہ کی پسندیدہ ہے دوسری قسم وہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے پہلی جائز دوسری ممنوع۔

وہ حیلے جو کفر ہیں : حرام حیلوں کی قسم ایک تو وہ ہے جن کا کرنا کفر ہے' بعض کبیرہ گناہ ہیں بعض صغیرہ گناہ ہیں' جو حیلے حرام نہیں ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ مکروہ' جائز' مستحب' واجب' کفریہ حرام حیلوں کی مثال۔

فسخ نکاح کا حیلہ ارتداد سے : (۱) عورت کا اپنے نکاح کو فسخ کرنے کے لیے مرتد ہو جانا۔ اس کی بابت ایک قول تو یہ ہے کہ مرتد ہوتے ہی نکاح فسخ ہو جاتا ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ فسخ نکاح موقوف

ہے عدت کے ختم ہونے پر۔ اس صورت میں اس عورت کی یہ غرض بھی پوری نہ ہو گی کیونکہ حکم شرع اس کے لیے یہ ہے کہ اِدھر اس کے مرتد ہونے کا علم ہوا اُدھر اسے قتل کر دی جائے گی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس عورت مرتدہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے یہاں تک کہ یا تو وہ پھر سے مُسلمان ہو جائے یا اسے موت آجائے۔

وارثوں کو محروم کرنا حیلہ ارتداد سے : (۲) یہی حکم اس حیلے کا ہے کہ وارثوں کو میراث سے محروم کرنے کے لیے مرتد ہو جائے۔ یاد رہے کہ جو اس ارتداد کا فتویٰ دے وہ بھی کافر ہے۔ اس شخص کا بھی یہ برا مقصود ان کے نزدیک پورا ہو سکتا ہے۔ جن کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال میں داخل کر لیا جائے، لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے مُسلمان وارث ہی اس کے مال کے اب بھی وارث بنائے جائیں گے۔ اس صورت میں اس بے ایمان کی ظاہری مُراد بھی اس کفریہ حیلے سے پوری نہ ہو گی۔ یہی قول ارجح ہے۔ بلکہ صرف یہی درست ہے' کیونکہ مرض الموت میں جو بیاری موت سے خوف زدہ کر دے اس وقت اگر کوئی اپنا مال راہِ اللہ وقف کر دے تو شرعاً درست نہیں پھر اس مرتد کے ارتداد کی وجہ سے اس کا مال وارثوں سے کیسے چھین لیا جائے گا؟ مال پر تو دوسروں کے حق قائم ہو چکے ہیں یہ مستحق قتل ہے۔ پس جس طرح موت کی بیماری اس کا مال اس کے وارثوں کا کر دیتی ہے ارتداد جو موجب قتل ہے وہ بھی اس کا مال اس کے وارثوں کا کر دیتا ہے۔

وہ حیلے جو کبیرہ گناہ ہیں

(۱) ایک قتل کے قصاص سے بچنے کیلئے دوسرے قتل کا حیلہ : ان فقہاء کا قول ہے کہ کسی نے اپنی ساس کو قتل کر دیا اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جائے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنی بیوی کو بھی قتل کر دے۔ جس سے اسے اولاد ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس کا لڑکا بھی مقتول کے وارثوں میں سے ہے اس کا حصّہ بھی اپنے باپ کے قتل میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ باپ سے اپنے لڑکے کے بدلے کا قصاص نہ لیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیلہ زبردست گناہ کبیرہ ہے۔ جو حدیث پیش کی ہے وہ ضعیف ہے اس کے حکم میں اختلاف ہے باوجود اس کے اس میں یہ بھی نہیں کہ کسی اجنبی کے قتل کا قصاص بھی اس سے نہ لیا جائے گا۔ اس شخص پر تو اپنی ساس کے قتل کرتے ہی قصاص واجب ہو چکا ہے۔ وہ مقتولہ اس کی حقدار ہو چکی کہ اس کا بدلہ لیا جائے۔ اس کے حق کا حصّہ اس کی لڑکی اس کی بیوی کو پہنچتا تھا۔ جب اس نے اسے بھی قتل کر دیا تو اس حال میں اس کا ولی اس کے قائم مقام ہو گیا یعنی اس کی ماں یعنی اپنی نانی کا قائم مقام بھی ہے۔ گو یہ قاتل کا لڑکا بھی ہے لیکن کتاب و سُنّت اجماع اور میزان عادل کی کوئی شہادت و دلالت اس پر نہیں کہ یہ اپنے باپ سے اپنے سوا اور کا قصاص بھی نہیں لے سکتا۔ زیادہ سے زیادہ دلالت حدیث اس پر ہے کہ بیٹے کے قتل کے بدلے باپ قتل نہ کیا جائے' لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ باپ نے کسی اور کو قتل کیا ہو اور بیٹا قصاص لینے کا مستحق ہوا ہو تو وہ قصاص بھی مار ڈالا جائے؟ ان دونوں باتوں کا فرق ہر شخص پر ظاہر ہے۔ منع کے مسئلے میں بیٹے کے بدلے کا قصاص باپ سے ہے اور اس صورت میں بیٹے کے سوا اور کے قتل کا قصاص ہے پس کیسا اندھیر اور کتنا ظلم ہے کہ پہلے ایک قتل کے بدلے ہی وہ گردن زدنی تھا۔ اب جبکہ اس پاپی نے دوسرا قتل بھی کیا تو اس کی گردن آزاد ہو گئی؟ مُسلمانو! کیا عدل و انصاف والی شریعت

ایسا ظلم و ستم اور خلاف عقل حکم دے سکتی ہے؟ بلکہ عقل سلیم کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کا قتل و قصاص بہ نسبت اور قاتلوں کے زیادہ پختہ اور یقینی ہے۔

(۲) فسخ نکاح کے لیے زناکاری کا حیلہ : یہ حیلہ ساز حضرات فرماتے ہیں کہ اگر عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہتی ہے اور خاوند علیحدہ نہیں کرتا تو وہ یہ حیلہ کر لے نکاح فسخ ہو جائے گا یعنی خاوند کے لڑکے سے زناکاری کرا لے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی۔ اگر خاوند چاہتا ہے کہ اس کا نکاح اس عورت سے فسخ ہو جائے تو اس کے لیے یہ حیلہ ہے کہ وہ اپنی ساس سے بدکاری کر لے۔ یہ ہے بدترین حرام اور کبیرہ گناہ کا حیلہ۔ اس کا فتویٰ دینے والا بھی کافر ہے' پھر یہ حیلہ بھی ان کے نزدیک سودمند ہو گا جو سسرال کے رشتوں کی حرمت کو جس طرح نکاح سے ثابت مانتے ہیں اسی طرح زنا سے بھی۔ جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور جیسے کہ مشہور مذہب حنبلی ہے لیکن ارجح قول یہ ہے کہ زنا سے یہ حرمت ثابت نہیں ہوتی یہی قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ کیونکہ زنا سے اس کی حرمت موقوف ہے۔ دلیل پر اور کوئی دلیل کتاب و سنّت و اجماع و قیاس صحیح سے اس پر نہیں ہے اس بارے میں نکاح پر زنا کا قیاس بالکل غیر صحیح ہے کیونکہ ان دونوں میں بہت سے فرق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سسرال کو نسب کی جوڑ بنایا ہے اور اسے اپنا ایک احسان و انعام بتلایا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر نازل فرمایا ہے پس یہ دونوں رشتے اس کی نعمت اور اس کا احسان ہیں' پھر یہ نعمت اس بدکاری سے کیسے حاصل ہو جائے گی؟ جیسے نسب زنا سے ثابت نہیں ہو سکتا ویسے ہی سسرالی رشتے بھی نکاح سے ثابت نہیں ہوں گے۔ اصل تو نسب ہے' سسرال اس کی فرع ہے۔ جب اصل میں زنا ثبوت کی چیز نہ ٹھہرا تو فرع میں کیسے ٹھہر جائے گا؟ اچھا بالفرض مان لیا جائے کہ تحریم سسرالیت ثابت ہو گئی تو بھی حرام ہونا جو اس کے احکام میں سے ہے وہ تو ثابت نہ ہو گا اور جب یہ ثابت نہیں تو حرمت ثابت نہ ہوئی۔ جناب باری کے الفاظ قرآنِ کریم میں ہیں ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ ﴾ تمہارے لڑکوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں جس سے لڑکا حرام کاری کرے وہ بیوی کیسے بن گئی؟ لغتاً شرعاً عرفاً کسی طرح بھی اسے حلائل میں داخل نہیں کیا جا سکتا اسی طرح فرمان ہے : ﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ الخ' جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے تم نکاح نہیں کر سکتے' الخ۔ یہاں بھی نکاح کو فرمایا ہے اور زنا ضد نکاح ہے۔ سارے قرآن میں زنا کے لیے لفظ نکاح کا استعمال کہیں نہیں بلکہ اس مجامعت پر بھی نہیں جو عقد سے خالی ہو۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عراقی (حنفیوں) سے مباحثہ : امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زنا حلال کو حرام نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہے اس لیے کہ حرام ضد حلال ہے کسی چیز کا قیاس اس کی ضد پر نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر عراقی نے کہا کہ اگر عورت اپنے خاوند کے لڑکے کا بوسہ شہوت سے لے لے تو وہ اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کیوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساس اور اس جیسی اور کو نکاح سے حرام کیا پھر یہ تو ناجائز ہے کہ حرام کو حلال کے ساتھ قیاس کیا جائے۔ اس نے کہا کہ آخر دونوں صورتوں میں جماع تو ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نکاح کے بعد کا جماع محمود ہے اور زناکاری کا جماع مذموم ہے۔ نکاح کا جماع انسان کو محصن کرا دیتا ہے اور زناکاری کا جماع انسان کو رجم کرا دیتا ہے۔ ایک نعمت اور لعنت ہے دوسرا ثواب اور رحمت ہے۔ نکاح سے نسب اور سسرال کے رشتے قائم ہوتے ہیں اور حقوق

واجب ہو جاتے ہیں۔ مرد محرم بن جاتا ہے اپنی بیوی کو اور اس کی بیٹی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جا سکتا ہے لیکن زنا پر اسے حد لگتی ہے آخرت میں عذاب نار ہونا ہے۔ ہاں اللہ کی معافی اور چیز ہے پس یہ تو نہایت ہی گندا بھونڈا اور بدشکل قیاس ہے کہ حرام کو جو نقمت ہے حلال پر قیاس کریں جو رحمت ہے اگر تم لوگ انہیں ایک سمجھتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ تین طلاقوں والی عورت جبکہ دوسرے خاوند کے جماع کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے زناکاری کے بعد بھی اسے اس کے لیے حلال کر دو۔ اگر تم کہو کہ یہ تو ہم نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ حلت نکاح اور خاوند سے اور اس کے جماع سے ہے۔ ہم کہیں گے اسی طرح قرآن میں بیٹے کی نکاح کردہ بیوی جس سے بیٹا مجامعت کرتا ہے۔ حرام ہے اس عراقی نے کہا کیا آپ اس کی کوئی نظیر بتلا سکتے ہیں کہ ایک شئے کو حلال تو حرام کر دے اور حرام حرام نہ کرے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں سنو! چار نکاح حلال کر لے تو اس پر ان چاروں بیویوں کے ہوتے پانچویں حرام ہے لیکن کیا چار عورتوں سے زنا کر لے تو اب پانچویں عورت کیا اس پر حرام ہو جائے گی؟ اب تو اس نے اقرار کیا کہ حرام نہ ہو گی۔ حرام اس چیز کا مانع نہیں جس کا مانع حلال ہے۔ اس حنفی نے کہا دیکھو عورت مرتد ہو جاتی ہے وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے میں نے کہا ہاں نہ صرف اسی پر بلکہ تمام مسلمانوں پر وہ حرام ہو گئی اسے تو شرع قتل کر دے گی اور اس کا مال مالِ غنیمت و فے ہو جائے گا۔ پس یہ حرام وہ ہے جو حلال کو سب پر حرام کر دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ صاف موجود ہے لیکن جس بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ نہ اس صورت میں ہے نہ اس پر کوئی قرآنی یا حدیثی دلیل ہے' فقط۔

اس حیلے کی تردید کے مزید دلائل :

احکامِ نکاح جو نکاح پر مرتب ہوتے ہیں وہ زنا پر مرتب نہیں ہوتے۔ جن احکام کو ہم بیان کرتے ہیں ان میں حنفی بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ پس جب یہ احکام زنا پر مرتب نہیں پھر حکم حرمت زنا پر کیسے مرتب ہو جائے گا؟ سنیے عدت' سوگ' میراث' حلت و حرمت' نسب' خرچ دینے کا وجوب' مہر' خلع' طلاق' ظہار' ایلاء چار سے زیادتی' حرام تقسیم' باری' عورتوں میں عدل و مساوات رجعت نکاح شدہ شرعاً ہونا پہلے خاوند کے لیے حلال ہونا وغیرہ سب احکام نکاح سے تو ثابت ہوتے ہیں لیکن زنا سے ثابت نہیں ہوتے۔ عدت اور مہر میں بعض نے اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ لوگ غلطی پر ہیں۔ حدیث میں جو آیا ہے اس کی دلالت تو اسی پر ہے کہ زانیہ کا کوئی مہر نہیں۔ خود عقل اور دنیا بھی اسے نہایت ہی بری چیز جانتی ہے۔ الغرض جب یہ سب چیزیں زنا سے ثابت نہیں ہوتیں تو حرمت مصاہرہ اس سے کیسے ثابت ہو جائے گی؟ پس یہ حیلہ کرنے کے بعد بھی یہ حیلہ پرست اپنی مُراد سے جدا رہیں گے اور عورت اس لڑکے کے باپ پر حرام نہ ہو گی یہ حیلہ شرعاً باطل ہے دین میں یہ حیلہ حرام ہے۔

(۳) چوری کی حد سے بچنے کیلئے بہتان اور جھوٹ کا حیلہ :

حنفی مذہب میں ہے کہ چور نے چوری کی لیکن وہ چاہتا ہے کہ میرا ہاتھ کٹنے سے بچ جائے تو وہ یہ حیلہ کر لے کہ کہہ دے یہ چیز تو میری ہے یا کہہ دے کہ یہ گھر ہی میرا ہے یا کہہ دے کہ جس کی یہ چیز ہے وہ میرا غلام ہے۔ ناظرین اللہ انصاف فرمایئے یہ ہنسی مذاق ہوا یا شرعی مسئلہ ہوا؟ کون سا شریف انسان ہے جو اسے سنتے ہی اس کے خلاف شرع ہونے کا فیصلہ نہ کر لے؟ کون سی فطرت ہے جو اسے قبول کر لے؟ اس بکواس اور ہذیان کو کوئی شریف انسان شرعی مسئلہ کہہ سکتا ہے نہ اس جھوٹ کو کوئی شخص حد شرع کے ہٹ جانے کا ذریعہ کہہ سکتا ہے۔ عقل کے' مصلحت کے' شرع کے سب کے خلاف یہ ہے اسے جو شخص شرعی مسئلہ کہے وہ اللہ کے دین سے ہنسی دل لگی کرتا ہے۔ اس باطل کو جسے ایک بچہ

بھی باطل سمجھ سکتا ہے حق کہنے والا حق کا ناقدرا حق سے دور ہے۔ اس بہتان کو شرعی سزا ٹالنے والا کہنے والا شریعت الٰہی میں نقصان پیدا کرنے والا ہے۔ اسلام جو پاکیزگیوں' خوبیوں' عقلمندیوں اور بھلائیوں کا مخزن ہے وہ تو کہاں؟ دنیا کا کوئی دین یہ خبیث اور گندی تعلیم نہیں دے سکتا کہ چوری کرے تو گنہگار لیکن پھر جھوٹ بھی بول دے' بہتان بھی باندھ دے تو نیک کار۔ مذاہب کو جانے دیجئے' قانون سیاسی بھی پردۂ دنیا پر ایسا نہیں ہونے کا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ چور خود بھی اتنی دلیری شاید نہ کر سکے۔ واہ دینداری! اور واہ ری عقلمندی! حنفی فقیہو! کوئی چور ایسا بھی ہے جس پر یہ حیلہ دشوار گزرے تم یوں ہی کہہ دیتے کہ چور پر کوئی حد نہیں یہ بھی اس سے اچھا تھا کہ تم چوروں کو یہ حیلے سکھاؤ کہ چوری کریں اور پھر سینہ زوری کرکے یہ کہہ دیں کہ یہ چیز میری ہی ہے تو ان کا ہاتھ نہ کاٹنا چاہئے؟ واہ فقہ! چوری کر لو تو ہاتھ کٹ جائے لیکن چوری کر کے جھوٹ بول دو یا بہتان باندھ لو تو ہاتھ نہ کٹے۔

(۴) غضب کرکے کسی کی چیز لینے پر اسے اپنی کر لینے کا فقہاء کا حیلہ :

کہ جب کوئی کسی کی چیز غصب کر لے چیز والا دعویٰ کرے یہ انکار کر جائے وہ اس سے قسم لینا چاہے تو اس قسم کو گرا دینے کا یہ حیلہ ہے کہ کہہ دے کہ یہ چیز میرے چھوٹے لڑکے کی ہے۔ تو اس پر سے قسم ساقط ہو جائے گی اور غصب کردہ چیز میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ حیلہ شرعاً باطل ہے اور دین الٰہی میں حرام ہے بلکہ جس کے لیے اقرار کیا گیا ہے اگر وہ بڑا ہے تو وہی فریق ٹھہرے گا اور اس پر قسم آئے گی۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو مدعا علیہ پر قسم آئے گی اگر وہ انکار کرے تو مدعی کو اس کے دعوے میں ڈگری دے دی جائے گی۔ اور جس کے لیے غاصب نے اقرار کر لیا ہے اسے اس چیز کی قیمت اسی سے دلوائی جائے گی۔ اس لیے کہ انکار قسم کرنے سے اس نے اس کی چیز غارت کی ہے۔

(۵) زخمی کرنے کے بعد قصاص سے بچنے کیلئے اسے مار ڈالنے کا حیلہ :

ان فقہاء نے حیلہ سازی میں بڑے بڑے شیطانوں کے بھی کان کترے ہیں کہتے ہیں کہ کسی نے دوسرے کو زخمی کر دیا اور زخم بھی اتنا خطرناک ہے کہ زخمی شخص بچتا نظر نہیں آتا۔ اگر زخمی کرنے والا اس کے قصاص سے بچنا چاہے تو حیلہ یہ ہے کہ اسے کوئی زہریلی دوا دے دے جس سے وہ مر جائے۔ اس زبردست غلطی پر ذرا نظر تو ڈالئے دل دہل جائے گا۔ کلیجہ کپکپا اٹھے گا کہ فقہاء کی یہ جماعت چپ چاپ دنیا میں کیا کیا شرارتیں پھیلا رہی ہے؟ یاد رکھو اس موقعہ پر شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس پاپی سے قتل کا بدلہ لیا جائے گا۔ قتل خواہ تلوار سے ہو خواہ زہر خورانی سے ہو بہرحال قتل ہے اور قاتل سے قصاص لینا ضروری ہے اگر یہ بات شریعت نہ بتلاتی تو قاتلوں کو کیا ضرورت تھی؟ کہ تلوار سے قتل کرکے اپنے خون میں آپ نہالیں وہ چپکے سے یہی مخفی ذریعہ کیوں نہ استعمال کرتے؟ کہ دوسرا مر بھی جائے اور یہ بچ بھی جائے۔ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ چوکھا آئے۔ اگر یہ حکم شریعت کا جانا جائے تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے گا اور امن و امان کو آگ لگ جائے گی۔

(۶) اپنی بیوی کو میراث سے محروم کرنے کا حیلہ :

شریعت کو حیلوں کی آڑ میں یہودیوں کی طرح الٹ پلٹ کرنے والے ان فقہاء کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور حالت خطرناک ہو اور چاہتا ہو کہ میرے بعد میری بیوی کو میرا ورثہ نہ مل سکے' لیکن اسے ڈر ہو کہ میں طلاق

بھی دے دوں گا تو حاکم تسلیم نہ کرے گا گو طلاق بتہ ہو تو اس کے لیے یہ حیلہ ہے کہ وہ اقرار کر لے کہ میں اسے اپنی بیماری سے بہت پہلے تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ ناظرین دیکھا آپ نے؟ یہ ہیں حیلے جنہیں ہم باطل و حرام کہتے ہیں۔ ان حیلوں کا کسی کو بتانا سکھانا بھی حرام ہے۔ بیمار کو ایسی بات کہنا بھی حرام ہے۔ اس سے انسان کو اللہ کے ہاں سخت عذاب ہو گا۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ ایسا کرنے کے بعد بھی یہ شخص نامراد رہے گا جیسے کہ طلاق کے وقت اس پر اتہام ہو سکتا تھا وہی اس کے اقرار کے اس وقت بھی ہو سکتا ہے اور جبکہ اس وقت کی طلاق عورت کو محروم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس وقت کا اس بے دین شخص کا یہ جھوٹا اقرار بھی اسے محروم نہیں کر سکتا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو ان کے حکم میں فرق کیا جائے؟ پس یہ باطل حیلہ حرام اور اس کے کرنے کے بعد بھی حکم میں کوئی تغیر نہیں۔

(۷) زکوٰۃ ٹالنے کے لیے حنفیوں کا حیلہ :

یہ حیلہ جو فقہاء مذہب حنفی کہتے ہیں کہ کسی کے پاس مال، ہے وہ زکوٰۃ کے قابل مقدار میں بھی ہے لیکن چاہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کروں تو وہ یہ حیلہ کر لے کہ سال تمام ہونے سے کچھ پہلے اسے یا اس میں سے کچھ حصے کو بیچ ڈالے یا کسی کے نام ہبہ کر دے پھر اس سے واپس کر لے۔ تو اس پر زکوٰۃ نہیں آئے گی بلکہ اگر فی الواقع ایسا نہ کیا ہو اور یونہی جھوٹ موٹ بھی تحصیلدار زکوٰۃ کے سامنے دعویٰ کر دے تو بھی عامل اس سے زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ سنا آپ نے؟ اب تک تھے حیلے لوگوں کے خون چوسنے کے' ان کے مال مارنے کے اب حیلہ کیا اللہ کے فرض کو ٹالنے کا اور رب العالمین کو دھوکہ دینے کا۔ اس حرام اور باطل حیلے سے کہیں حق اللہ فریضہ اللہ ٹل سکتا ہے؟ جس کے نہ ادا کرنے پر اللہ کی طرف سے سخت وعید ہے اگر ایسے بے جان حیلوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی تو پھر اس دھوم دھام سے اس کی فرضیت کیوں مقرر کی جاتی؟ حالانکہ اصول شرع اور عادت اللہ یہ رہی ہے کہ بندوں کی بدیوں پر ان کے مقصد کے خلاف انہیں سزا دی جائے۔ قاتل کو میراث سے محروم کر دیا۔ مرض الموت میں ورثے سے محروم کرنے کے ارادے سے جس عورت کو طلاق دی شریعت نے اس گنہگار کے قصد کے خلاف اسے وارث مقرر کر دیا۔ اسی طرح عام حیلوں میں حکم ہو گا کہ جو حیلہ جس غرض سے حیلہ جو کرتا ہے اس غرض کے خلاف اس پر فتویٰ لگا دیا جائے۔ پس یہ حیلہ اللہ کے فرض کو ساقط نہ کرے گا۔ زکوٰۃ اس سے وصول کی جائے گی اور یہ گنہگار بھی ہو گا۔

(۸) رمضان کو دن میں حالتِ روزہ میں صحبت کرے پھر کفارہ سے بچ جائے :

اس مقدس مذہب کے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر رمضان میں دن میں جماع کر کے پھر بھی کفارہ سے آزادگی چاہے تو یہ حیلہ کر لے کہ پہلے کچھ کھا لے یا شراب پی لے۔ پھر صحبت کرے دوہرا مزہ ہو جائے اور کفارہ بھی نہ آئے۔ اس تعلیم کی خوبی پر پہلے تو نظر ڈالئے کہ کس طرح یہ مذہب اپنے مقلدوں کو اسلامی تعلیم کے پرخچے اڑانا سکھاتا ہے؟ پھر یہ بھی دیکھئے کہ گناہ جس قدر بڑھ جائے سزا گھٹ جائے۔ روزے کی حالت میں صرف جماع سے کفارہ واجب لیکن ساتھ ہی شراب بھی پی لی تو شریعت تاکتی رہ گئی اب وہ کفارہ کا مطالبہ کر ہی نہیں سکتی۔ واہ فقیہو! اور صد رحمت تقلیدیو اور شاباش گنہگارو! اے حنفی مذہب کے سونے کے ستونو! کیا یہ کفارہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ شراب پی کر جماع کیوں نہیں کیا؟ کباب اور گزک اڑانے سے پہلے خالی پیٹ جماع کیوں کر لیا؟ اگر یہی وجہ تھی تو ٹھیک ہے کہ اب وہ باقی نہیں رہی؟ تو کفارہ باقی کیوں رہے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ روزے کا رمضان کا ادب ملحوظ رہے اس کی حرمت سامنے رہے تو پھر کیا وجہ کہ شارع علیہ السلام کی منع اجازت ہو گئی؟ اور

شارع علیہ السلام کی کراہت محبت ہو گئی؟ یہ تو بالکل محال ہے پس یہ حیلہ حرام اور اس کا کرنے والا دوہرا مجرم!!!

(۹) اسی کا دوسرا حیلہ : ان فقہاء کے دریائے رحمت کے جوش کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اس کے لیے ایک اور آسان حیلہ یہ بھی بتلا دیا کہ جماع سے پہلے نیت بھی کرلے کہ اس سے روزہ توڑتا ہے۔ اب اپنا کام کرے اور بالکل بے خوف رہے اس پر کفارہ نہیں اب بتلاؤ کہ شارع علیہ السلام نے کفارہ کا مسئلہ کہا ہی کیوں؟ اب کس سے شارع علیہ السلام کفارہ وصول کرے گا؟ حنفیوں نے تو یہ حیلہ گھڑ کر سرے سے شریعت کے اس مسئلہ کو ہی منسوخ کر دیا کیونکہ ارادۂ جماع تو ہو گا ہی اور اس صورت میں وہ جانتا ہی ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا بلکہ ان کے قول کے مطابق بھی روزہ توڑنے کی نیت سے ہی روزہ ٹوٹ گیا اب جو فعل چاہے اس کا فاعل بن جائے تو روزے کی حالت میں جماع نہیں ہوا جو کفارہ دینا پڑے کیا ستا چھوٹا اور کس طرح شریعت کو لوٹا؟ اب صاحب ایمان دیانت دار حضرات غور فرمالیں کہ ان حیلوں میں کس طرح دین الٰہی کا خلاف ہے اور کس طرح شریعت کو توڑنا ہے۔

(۱۰) احرام کی حالت میں حج نہ ملنے کے خوف کے وقت کا حیلہ جس سے قضاء حج ساقط ہو :

تمہارے حیلے تو اس انتہائی کفر کو پہنچ چکے ہیں کہ قلم چلاتے ہوئے بھی ہمیں تو ڈر لگتا ہے۔ تم نے یہ کہا اور لکھا ہے کہ ایک شخص احرام کی حالت میں ہے اسے خوف ہے کہ شاید حج فوت ہو جائے اور اگر ایسا ہوا تو مجھ پر اگلے سال اس کی قضا واجب ہو جائے گی تو وہ یہ حیلہ کرلے کہ احرام کی حالت میں ہی اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کرلے اس کا احرام باطل ہو جائے گا پھر سے اسلام پر آجائے تو اس پر قضا واجب نہ ہو گی کیونکہ مرتد اصلی کافر کے مانند ہے تو گویا اس نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے اس صورت میں اس پر فوت شدہ کی قضا نہیں۔ آہ! دوستو! اسلام میں اور تمہارے اس حیلہ میں تو آسمان زمین کا فرق ہے تمہارا یہ حیلہ یکسو ہے اور اسلام دوسری شق میں ہے جسے ادنیٰ سا بھی علم ہے اسے تمہارے اس حیلہ جوئی کے باطل و حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) جھوٹی قسم کھانے کا حیلہ : اپنے حق کو لینے کے لیے کسی کو وکیل بنایا پھر معاملہ حاکم تک پہنچا اس نے ارادہ کیا کہ طلاق کی قسم کھائے کہ اس وکیل کا اس سے پہلے کا کوئی حق نہیں یہ چاہتا ہے کہ قسم بھی کھالے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وکیل بنانے والے کو اپنے گھر بلا لے اس کے پاس اس کا حق رکھ دے پھر دروازہ بند کر کے وکیل کے ساتھ آجائے اور قسم کھالے اب جو واپس جائے تو حقدار ہے اور یہ ہے۔ واللہ یہ حیلہ ہفتے والے یہودیوں کے حیلے سے بھی بدتر ہے یہ تو چوروں اور ڈاکوؤں کے حیلے ہیں دین الٰہی میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ان حیلوں سے یہ جھوٹی قسمیں سچی نہیں ہو سکتیں۔ دراصل یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھانے والے ہیں اور حقدار کا حق مارنا چاہتے ہیں یہ حق اس قسم کی فریب کاریوں سے ان کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا۔ حقدار سے اسی وقت آزاد ہو سکتا ہے جب اسے اس کا حق پہنچا دے۔

(۱۲) مال تجارت پر سے زکوٰۃ کو ہٹانے کا حیلہ : ان فقہاء نے یہ تجویز کیا ہے کہ سال پورا ہونے سے ایک آدھ دن پہلے اپنی نیت تجارت کو بدل دے پھر نئے سرے سے نیت تجارت کرلے پھر سال گزرنے کے قریب اسی طرح نیت کی الٹا پلٹی کرلے تو کبھی بھی اس مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ اے

مکارو! کیا تمہاری یہ پالیسی اللہ کے ہاں چل جائے گی؟ جس کے سامنے آنکھوں کی خیانتوں کا اور سینوں کے بھیدوں کا بھی علم ہے یہ تو اللہ تعالیٰ سے فریب کرنا' دین اسلام سے مکربازی کرنا ہے' پھر یہ خود اپنی ذات سے بھی باطل ہے۔ جب کہ پہلے ہی سے یہ نیت ہے کہ پھر سے اسے تجارت کے لیے کر دیں گے تو تجارت کی نیت ہٹی ہی کب؟ وہ تو مال تجارت ہے اور مال تجارت ہی رہا ذرا سی دیر کا ڈھونگ اللہ کے حق کو کیسے مار دے گا؟ اسے معلوم اور دلوں کے بھیدوں کے جاننے والے رب کو معلوم کہ اس مال سے غرض تجارت ہے پھر صرف ایک بات ذرا سی دیر کے لیے دل میں لانے اور ایک خیال باندھ کر اس کے ہٹانے سے مسئلہ کیسے بدل گیا؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے زبان سے جھوٹ کہہ دے تعجب ہے ان پر حواس ہوس سے اور اس نفسانی خواہش سے حق اللہ کو فوت کر دیں اور ان پر اور بھی تعجب ہے جو اس کا فتویٰ دیں۔

(۱۴۳) عمر بھر سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ : یہی فقہاء کہتے ہیں کہ کسی کے پاس سونا چاندی ہے اور اس میں زکوٰۃ آئے گی۔ زکوٰۃ فرض ہے لیکن اگر وہ چاہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دے تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اپنے جیسے ہی حیلہ جو کو سال تمام سے کچھ پہلے وہ دے دے اور اسی جیسی چیز اس سے لے لے تو اس سال کی زکوٰۃ تو گئی اب پھر تبادلہ کر کے اپنی چیز آپ لے لے اس کی اسے دے دے تو دونوں سال بھر کی زکوٰۃ سے بچ گئے اگلے سال پھر یہی حیلہ کر لیں اور ہر سال یہی حیلہ کر لیا کریں تو عمر بھر زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی۔ کہو دیندارو! کیا یہ اللہ سے' اس کے رسول ﷺ سے' اس کے احکام سے' اس کے دین سے لہوولعب کھیل تماشا نہیں ہے؟ پھر اپنی سیاہ کاری پر شریعت کا لفافہ چڑھاتے ہیں اور اس مکاری بے ایمانی اور دغابازی کو بھی شریعت کا مسئلہ بتلا کر اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان کا درجہ دیتے ہیں۔

مُسلمانو! یاد رکھو انہی جیسی حیلہ سازیوں' روباہ بازیوں' فن فریبوں اور مکرودغا کے ان فقہی مسائل نے بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ جس دین میں یہ قلابازیاں ہوں' جس دین میں یہ حیلے حوالے اور مکروفریب ہوں نہ وہ دین الٰہی کا ہو سکتا ہے نہ اس دین کو کوئی عقلمند عالم قبول کر سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ یہ لوگ ہی رک گئے ہوں بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی اسلام کا یہی نقشہ دکھا کر اس دین سے بدگمان کر دیا اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور انہوں نے آپس میں طے کر لیا کہ یہ دین نہایت ہی لغو اور لچر ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ایسے احکام لے کر اللہ کا فرشتہ آہی نہیں سکتا۔ کسی شریعت نے ایسے مسائل وضع نہیں کیے اگر یہ احکام کوئی سلطنت اپنے ہاں جاری کرے تو واللہ ایک دن بھی وہ سلطنت نہیں کر سکتا اس کے راج میں فساد اور بدامنی پیدا ہو جائے گی۔ لوگوں کا مال' ان کی جانیں' ان کی عزتیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ پھر سچی شریعت جو دنیا کی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اس میں یہ احکام کیسے ہو سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ شریعت الٰہی کی طرف سے نہیں یہ شریعت محمدیہ تو بچوں کا کھیل ہے کہ بڑی دھوم دھام سے ایک فساد کو روکتی ہے پھر ساتھ ہی اس فساد کے پھیلانے کا ایک مختصر سا معمولی حیلہ تجویز کر دیتی ہے۔ یہ باتیں ان لوگوں کی زبان تک نہیں رہیں بلکہ ان کی کتابوں میں بھی آئیں اور بہت بڑی مخلوق کو اسلام سے روکنے کا ذریعہ بن گئیں۔ مناظروں میں بھی حیلے پیش کر کے وہ مسلمانوں کو لاجواب کرنے لگے اور دنیا اسلام سے یکسوئی کرنے لگی۔ فاللّٰہ المستعان۔

(آہ! انہیں کیا خبر؟ کہ رسولِ معصوم ﷺ کی زبان ان حیلوں سے پاک ہے اللہ کی کتاب ان گندے مسائل سے پاک ہے۔ بھلے لوگ جتنے بھی اسلام میں گزرے ہیں وہ ان حیلوں پر اور ان کے کرنے والوں پر اور انہیں جائز ماننے والوں پر لعنتیں

بھیجتے رہے۔ صحابہ کی لاکھوں کی تعداد میں سے ایک نے بھی ان قسم قسم کے مختلف حیلوں میں سے ایک کو بھی جائز نہیں کیا۔ یہ تو سب فقہاء کی ایجاد ہیں جن سے اسلام کو دور کا بھی سروکار نہیں ہے کوئی جوان پڑھے لکھے لوگوں کے کانوں میں ہماری یہ آواز پہنچائے اور ان سے کہے کہ' اسلام نے ان گندے اور خبیث حیلوں کی جڑ کاٹی ہے۔ اس نے اپنے دین میں ایک حیلہ بھی نہیں رکھا اس نے ان لوگوں کو جو ظاہر کچھ کریں باطن میں کچھ کہیں بدترین کافر کہا ہے پس للہ غفلت میں نہ رہو۔ نہ اسلام کو ایسا سمجھو نہ اسلام سے اس وجہ سے دور رہو۔ تمہیں تمہارے پیدا کرنے والے کی قسم ایک آیت یا ایک حدیث ان حرام حیلوں کے جواز کی ہمیں بتلا دو۔ ورنہ فقہاء کی باتوں کو اسلام میں داخل نہ سمجھو۔ جس طرح آپ حضرات کی باتیں خارج از اسلام ہیں اسی طرح ان فقہاء کی ان باتوں سے اسلام پاک ہے۔ سنو! قسم اللہ کی اگر ان حیلوں حوالوں کا دین اسلام میں ذکر ہوتا اگر یہ بے ایمانیاں اور چالاکیاں اسلام نے سکھائی ہوتیں اگر یہ مکاریاں اور دغابازیاں شارع علیہ السلام کی تعلیم میں نظر آتیں تو واللہ العظیم تم سے پہلے اس تعلیم پر ہم صد ہزار لعنتیں نازل کر کے الگ ہو جاتے۔ تم باور کرو کہ اسلام ان فریب کاریوں سے قطعاً الگ ہے۔ اسلام ان سیاہ کاریوں کو مٹنے کے لیے آسمان سے آیا ہے۔ پس آؤ اور اس سچے خدائی جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ اور اے مُسلمانو! خواہ کسی امام سے تمہارا تعلق ہو ان حیلہ سازیوں سے بیزاری کا اعلان کر دو۔ ورنہ اللہ کے دین سے روکنے والے ٹھہرو گے اور ان تمام لوگوں کی حرام کاریوں کا بوجھ تم پر ہو گا جو تمہارے ان حیلوں سے اللہ کے بندوں پر ظلم کریں گے۔ اللہ کے حقوق ساقط کریں گے جن کے ان کارناموں اور کارفرمائیوں سے لوگ اسلام سے بدظن ہو کر اس سے رکیں گے اور روکیں گے ان کے کفر کا بوجھ بھی قیامت کے دن تمہاری گردنوں پر ہو گا۔ اللہ تمہیں ہمیں اور سب دنیا کو نیک توفیق دے' والسلام)

(۱۴) جانوروں کی زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ: کہتے ہیں کہ کسی کے جانور جنگل میں چرنے چگنے والے ہیں اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن یہ چاہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دے تو یہ حیلہ کر لے کہ سال ختم ہونے سے پہلے ایک آدھ دن انہیں گھر میں باندھ کر چارہ پانی دے پھر جنگل میں چھوڑ دے اسی طرح ہر سال کر لیا کرے زکوٰۃ سے بچ جائے گا۔ مُسلمانو! یہ حیلہ بھی باطل ہے اس سے زکوٰۃ نہ ٹلے گی اللہ کا حق مارنے کے ایک نہیں ایک لاکھ حیلے کرو ایک سے ایک بڑھ کر چالاکی اور فریب کرو لیکن نہ اللہ کا واجب ٹلے نہ بندے کا حق مرے۔ ایک گناہ حق کے ضائع کرنے کا ہو گا دوسرا گناہ حیلہ کرنے کا ہو گا۔ تیسرا گناہ حیلے کو شرعی مسئلہ سمجھنے کا ہو گا۔ پس اس صورت میں بجائے ایک گناہ کے تین گناہ ہوں گے اس سے تو وہی اچھا ہے جو بغیر ان حیلوں کے حرام کھائے کیونکہ اسے بجائے تین کے ایک گناہ ہو گا۔

(۱۵) گواہوں کی گواہی کو رد کرنے کا حیلہ: کہتے ہیں کہ دو گواہ مقرر ہیں وہ سچے ہیں عادل ہیں ان کی گواہی حاکم مان لے گا اور چاہتا ہے کہ ان گواہوں کی گواہی کسی طرح معتبر نہ مانی جائے تو یہ حیلہ کر لے کہ گواہ حاکم کے سامنے پیش ہوں اس سے پہلے ان سے لڑے بس پھر ان کی گواہی اس پر نامعتبر ہو گئی۔ استغفراللہ یہ ہے بدترین سیاہ کاری۔ اس سے ہرگز ان مُسلمان عادل سچے گواہوں کی گواہی غیر معتبر نہ ہو گی' بلکہ اس پر دوہری پکڑ اور دوہرا گناہ ہو گا۔

(۱۶) ان حیلہ جو فقیہوں کے نزدیک باغات کو ضمان پر دینا درست نہیں: پھر کہتے ہیں کہ اگر دنیا چاہے تو یہ حیلہ کر لے کہ زمین

اجارہ پر دے اور پانی پلائی میں شرکت کر لے۔ ہم کہتے ہیں فرض کرو کہ یہ باغ وقف ہے اور یہ اس کا مہتمم ہے یا کسی یتیم کا ہے اور یہ اس کا والی ہے تو پھر یہ بات کہاں رہے گی؟ یہ تو اس کی نگرانی اور ولایت میں نقصان پیدا کر دے گی۔ اگر یہ کہیں کہ بوجہ دوسرے معاملہ کے اور اس میں جو صورت اجارہ ہے اس کی وجہ سے۔ تو یہ بھی اس کے لیے مسافاۃ میں جائز نہ ہو گا کیونکہ وقف اور یتیم کے لیے اس نے دوسری صورت کی ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے یتیم یا وقف کے لیے کوئی سودا نفع سے بیچے پھر نقصان سے دوسرا سودہ خرید لے جس میں نفع نقصان برابر ہو جائے یہ بھی خاص اس وقت جبکہ ایک عقد کی بنا دوسرے پر نہ ہو اگر یوں ہے تو ایک عقد میں دو عقد ہو جائیں گے اور وہ مثل ادھار اور بیع کے ہو جائے گا اور دو شرطوں کے مانند ہو جائے گا جو ایک بیع میں ہوں اور اگر ایک عقد کی شرط دوسرے میں ہے تو یوں بھی فاسد ہے پھر تمہارا یہ حیلہ بھی ان لوگوں کے نزدیک پورا ہو سکتا ہے جو باغ کے حصّے کو جائز نہیں کہتے یا اس میں حیلہ جائز کہتے ہیں پھر اس میں ایک اور فساد بھی ہے وہ یہ کہ باغ کی بٹائی حصّے داری میں کرنا یہ شرعاً جائز عقد ہے لیکن تمہاری اس صورت میں جب ایک فریق فسخ کرنا چاہے کر سکتا ہے جس سے دوسرے کو سخت نقصان ہو گا۔ اس میں دوسرا فساد یہ بھی ہے کہ جس جزء پر رضامندی طے ہوئی ہے مثلاً ہزارواں جز تو لازم آئے گا کہ باغ کے ہر ہر قسم کے پھلوں میں سے اتنا حصّہ اسے سونپے اور یہ بالکل امر محال ہے' مثلاً پھل وہ اپنے کھانے کے کام میں لائے یا سب اتار لے یا یونہی درختوں میں ہی بیچ ڈالے الغرض یہ ہزارواں حصّہ الگ کرنا دوبھر ہے اور یہ کوئی فرضی چیز نہیں بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ پھر ہزارواں حصّہ بالکل ہی ایک اتنی معمولی اور پامال چیز ہو گا کہ اسے لینا عادتاً خست سمجھی جائے گی اور نہ کوئی مانگے گا نہ دے گا پس یہ حق یتیم اس کے ذمے رہ جائے گا۔ اسی طرح یہی ایک نہیں سب حیلوں میں ایسے ایسے بے حد نقصانات ہیں چونکہ اصحابِ رسول ﷺ گہرے علم والے' کامل عقل والے' کم تکلف والے' شریعت کو جاننے والے مصلحت کو پہچاننے والے اور سچی فقہ رکھنے والے تھے اس لیے انہوں نے اسے جائز رکھا۔ پھر اسے ناجائز کہہ کر حیلے کر کے پھر جائز کرنا کس قدر فضول بات ہے؟ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا باغ ضمانت پر دیتے ہیں اس اجارہ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم موافقت کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی اس پر انکار نہیں کرتا پس گویا کہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مسئلہ ثابت ہے اور قیاس صحیح کا اقتضا بھی یہی ہے جیسے زمین کھیتی کے لیے دینی۔ ویسے ہی درخت پھل کے لیے دینا ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہاں زمین کی خدمت کر کے اسے اجرت پر لینے والا اناج حاصل کرتا ہے یہاں درخت کی خدمت کر کے اجرت پر لینے والا پھل حاصل کرتا ہے اگر کوئی زمین کھیتی کے لیے اجارہ پر دے اپنے اجارے کی رقم لے لے' بیج بھی اجارہ دار کے ہوں پانی اور محنت بھی اسی کی ہو اور غلّہ جو اللہ دے وہ بھی اسی کا ہو یہ اور ان درختوں کا اجارہ دینا یہ ہر طرح ایک ہیں ان میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں۔ پس ایسے صاف سیدھے مطابق عقل و نقل مسئلے سے ہٹنا اسے نہ مان کر اسے ناجائز کہنا پھر اس کے کرنے کے حیلے کرنا کون سی فقہ دانی ہے؟ انسانوں کا فائدہ ان کی مصلحت ان کی بہتری اسی میں ہے جس پر صحابہ تھے نہ اس میں جس پر یہ حیلہ جو فقہاء ہیں۔ یہی ابوالوفا ابن عقیل کا مختار مسئلہ ہے اور یہی فرمان شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے اور یہی درست ہے۔

(۱۷) شافعی مذہب کے حیلہ کی تردید :

حیلہ سریجیہ جو تیسری صدی کے بعد کی ایجاد و بدعت ہے جو انسان کی طلاق کی قدرت سلب کر لیتا ہے اس پر طلاق کا دروازہ بند کر دیتا ہے اب یہ اس عورت سے کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا نہیں سکتا کبھی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا ان کے نزدیک جو خلع کو بھی طلاق گنتے

ہیں۔ یہ نظیر ہے اس کی کہ کوئی اپنے اوپر نکاح کا دروازہ بند کر لے یہ کہہ کر کہ جس عورت سے میں نکاح کروں وہ مطلقہ ہے پس اگر یہ تعلیق صحیح مان لی جائے تو اسلامی رو سے زندگی بھر تک یہ شخص کوئی نکاح کر نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر طلاق کے اس مسئلہ کو مان لیا جائے تو یہ انسان اپنی بیوی کو کبھی بھی طلاق نہیں دے سکتا۔ ان کے اس حیلے کی صورت یہ ہے کہ کہہ دے میں تجھے جب بھی طلاق دوں یا جب بھی تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو تجھے اس سے پہلے ہی تین طلاقیں ہیں۔ کہتے ہیں اس کے بعد طلاق کے واقع ہونے کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اگر اسے واقع کی جائے گی تو جو طلاق اس کے ساتھ معلق ہے وہ بھی واقع ہو جائے گی یعنی تین طلاقیں اور جب یہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں تو اس جاری کردہ طلاق کے پڑنے کا محل نہ رہا پس اس کے واقع ہونے سے اس کا واقع نہ ہونا لازم آتا ہے اور جس کے وجود سے اس کا عدم وجود ثابت ہوتا ہو وہ خود موجود نہیں ہوتی۔ یہی مختار ہے ابوالعباس بن شریح کا اور اسی کی موافقت کی ہے اصحابِ شافعی کی ایک جماعت نے۔

جمہور فقہاء مالکیہ' حنفیہ' حنبلیہ اور اکثر شافعیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اس تعلیق کے باطل ہونے کی کئی ایک وجہیں ہیں۔ اکثر حضرات تو فرماتے ہیں یہ لغو و باطل قول ہے۔ یہ قول ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ جب تجھ پر میری طلاق پڑے تو وہ نہ پڑے گی۔ یا یوں کہے کہ میں جب تجھے طلاق دوں تو تجھ پر میری طلاق واقع نہ ہو اور بھی ایسے ہی بے معنی اور باطل قولوں کی طرح یہ بھی ایک قول ہے بلکہ اس قول میں کہ جب تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو اس سے پہلے تین طلاقوں والی ہے استحالہ اور تناقض ہے۔ اس لیے کہ پہلے کلام میں وقوع طلاق کو وقوع طلاق کا مانع کر دیا ہے باوجود قیام طلاق کے اور یہاں وقوع طلاق کو مانع وقوع طلاق کیا ہے باوجود زیادتی محال کے اور محال بھی عقلاً اور عادتاً۔ متکلم جو کلام کرتا ہے وہ بھی محال اور جو قصد کرتا ہے وہ بھی محال۔ پس اس تعلیق کا وجود اور عدم برابر ہے اس لیے جب وہ اسے اس کے بعد طلاق دے گا تو طلاق جاری ہو جائے گی اور کوئی مانع اسے نہ روک سکے گا یہی مختار مذہب ہے ابوالوفا بن عقیل وغیرہ کا اصحابِ احمد رحمۃ اللہ علیہ میں سے اور ابوالعباس بن قاص کا اصحابِ شافعی میں سے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ اس میں محال اسی وجہ سے آیا ہے کہ تین طلاقوں کی تعلیق ہے اب جاری ہونے والی پر اس صورت میں اس کا وقوع محال ہے اور تعلیق کی سب طلاقوں کا وقوع بھی تو ٹھیک یہی ہے کہ یہ طلاق ایک واقع ہو جائے اور تین میں دو واقع ہو جائیں تاکہ تین پوری ہو جائیں یہ مختار مذہب ہے قاضی کا اور ابوبکر کا اور بعض شافعیہ کا اور مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ جو لوگ سرے سے طلاق کے واقع ہونے کے انکاری ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر کلام یہی ہے۔ الغرض اس تعلیق میں جتنے اقوال ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

اس طلاق کی جو لوگ صحت کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ اس خاوند سے دو طلاقیں صادر ہوئی ہیں ایک تو جاری اور ایک معلق۔ محل طلاق موجود ہے اور قابل ہے اور خاوند کو ان دونوں طلاقوں کی ملکیت بھی ہے ان دونوں کا جمع ہونا چونکہ ناممکن ہے اور ایک کی ایک پر کوئی خاص فضیلت بھی نہیں اس لیے دونوں میں آپس میں ضد و منع کی وجہ سے دونوں ہی ساقط ہو جائیں گی اور عورت اپنے حال پر ہی رہے گی اور یہ ایسی ہی ہو جائے گی جیسی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

اس جیسی اور صورتیں :

(۱) یہ صورت بالکل اسی صورت کی طرح ہے کہ کوئی شخص دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لے تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں نکاح باطل ہوں گے اسی طرح اور اسی دلیل سے یہ دونوں طلاقیں بھی باطل ہیں۔ (۲) اسی طرح کوئی شخص اپنی لونڈی کو اپنی بیماری میں آزاد کرتا ہے اس کا خاوند غلام ہے اور اس نے اس سے دخول نہیں کیا اس لونڈی کی قیمت جتنی ہے اتنا ہی اس کا مہر ہے مثلاً سو روپے قیمت اور سو روپے مہر بھی ہے

اور اس آزاد کرنے والے کا باقی ترکہ بھی اتنا ہی ہے یعنی سو کا تو اس لونڈی کو اپنے خاوند سے اپنا نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا اس لیے کہ یہ اختیار مہر کو گرا دینے کا اقتضا رکھتا ہے اور مہر کا گرا دینا اس اختیار کے نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے ان دونوں کے جمع ہونے کی کوئی صورت نہیں اور ایک کو دوسرے پر کسی طرح ترجیح نہیں اس لیے کہ دونوں کے ثبوت کا طریقہ شرعی ہے پس ہم نے نکاح کو باقی رکھا' اختیار کو ساقط کر دیا اور مہر کو ساقط نہیں کیا یہی قاعدہ ان تمام جگہ میں ہے جہاں واقع کرنا نہ واقع کرنے کو پہنچتا ہو۔ (۳) اس کی ایک محسوس مثال ملاحظہ ہو۔ دو شخص ایک ساتھ ایک گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں دونوں قوت میں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو روک رہے ہیں اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ یہ جا سکے گا نہ وہ (۴) یہ قاعدہ دراصل تمانع علی التوحید کی دلیل سے نکلا ہے اس کی تشریح اس طرح ہے کہ یہ محال ہے کہ اس عالم میں تصرف کرنے والے اللہ دو ہوں جو اپنے اپنے فعل میں مستقل ہوں اس لیے کہ اس کا استقلال اس کے استقلال کے خلاف ہے اور اس کا اس کے۔ تو دونوں کا مستقل ہونا محال ہو گیا پس اب اس مسئلہ کے مطابق یوں کہہ لیجئے کہ ان دونوں کا وقوع ان دونوں کے وقوع کا مانع ہے؟ یہ بھی نہیں تو کم از کم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ یہ تعلیق طلاق مستلزم ہے۔ دور حکمی کو اس لیے وہ مانع ہے معلق کے وقوع کی بھی اور جاری کے وقوع کی بھی۔ اگر آپ کی تشفی نہ ہوئی ہو تو ہم آپ کو ایسے بہت سے مسائل دکھا سکتے ہیں جہاں اسی دور کی وجہ سے یہی حکم ہوا ہے۔ اسی دور نے ان کے وقوع کو عدم وقوع تک پہنچا دیا ہے۔

مندرجہ بالا مسائل کے ساتھ اب انہیں بھی سنیے۔ (۵) دو شخص ہیں ان میں ہوا نکلنے کی بو آتی ہے دونوں میں سے ہر ایک کو شک ہے کہ اس کا وضو ٹوٹا یا اس کا۔ تو ان میں سے ایک کی اقتدا دوسرے کے پیچھے جائز نہ ہو گی۔ اس لیے کہ اس کی اقتدا اس کے ساتھ اس کی اقتدا کو باطل کر دے گی۔ (۶) دونوں کے ساتھ دو برتن ہیں جن میں سے ایک نجس ہے دونوں کوشش کے بعد بھی خاص تمیز اس کی نہیں کر سکتے تو دونوں ہی ایک حکم میں آجائیں گے اس کی طہارت اس کی طہارت کو زائل کر دیتی ہے اور اس کی طہارت اس کی طہارت کو زائل کر دیتی ہے۔ (۷) یہی حال دو جگہ کا ہے (۸) یہی حال دو کپڑوں کا ہے۔ (۹) کسی نے اپنے غلام کا نکاح آزاد عورت سے کر دیا اور مہر کا ضامن خود ہو گیا پھر اسی کے ہاتھ اس غلام کو جو اس کا خاوند ہے بیچ ڈالا یہ دخول سے پہلے ہے اور قیمت وہی مہر ٹھہری ہے تو یہ بیع باطل ہے اس لیے کہ اس کی صحت اس کے فساد تک پہنچتی ہے۔ اس طرح کہ اگر یہ بیع صحیح ہے تو یہ نکاح باطل ہو جاتا ہے جب یہ آزاد عورت اس غلام کی مالکہ بن گئی تو نکاح باطل ہو گیا اور جب نکاح باطل ہو گیا تو مہر باقی نہ رہا۔ اس لیے کہ یہ فرقت عورت کی طرف سے ہے جب مہر نہ رہا تو قیمت نہ رہی کیونکہ قیمت مہر ہی تھی اور جب قیمت نہ رہی تو بیع باطل ہو گئی اور آزادگی بھی بلکہ یا تو بیع صحیح ہو گی اور آزادگی واقع نہ ہو گی اس لیے کہ آزادگی کا واقع ہونا بیع کے باطل ہونے کو ضروری ہے اور جب آزادگی باطل ہوئی تو اس کا وقوع پہنچتا ہے اس کے عدم وقوع کی طرف۔ امام حزمی کا قول یہی ہے۔ ابن سریج کہتے ہیں کہ اس کی بیع صحیح نہ ہو گی کیونکہ اگر وہ صحیح ہو تو اس سے پہلے آزادگی واقع ہو جائے گی اور پہلے کی آزادگی صحت بیع کی مانع ہے پس صحت بیع اس کی مانع ہو گئی۔ (۹) اسی طرح اگر اسے کہے کہ جب میں تجھے رہن رکھوں تو تو اس سے ایک ساعت پہلے آزاد ہے۔

(۱۰) اسی طرح اگر اپنے غلاموں سے کہے کہ اگر حاکم مجھے تصرف سے روک دے تو تم اس روک سے ایک دن پہلے آزاد ہو وہ یہ کہتا ہے اور ان غلاموں کے سوا اس کے پاس اور مال نہیں اور یہ مفلس دیوالیہ ہو چکا ہے تو یہ روک صحیح نہیں

اس لیے کہ اس کی صحت ہی اس کی صحت کی مانع ہے۔ (۱۱) اس کی مثال یہ کہ اگر اپنے غلام سے کہے کہ جب میں تجھ پر صلح کر لوں تو تو اس صلح سے پہلے آزاد ہے۔ (۱۲) اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں فلاں سے مصالحت کر لوں اور تو میری بیوی ہو تو تجھ پر اس سے ایک ساعت پہلے طلاق ہے تو صلح صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اس کی صحت ہی اس کی صحت کو روکتی ہے۔ (۱۳) اگر اپنے غلام سے کہے کہ جب میں تیری طرف سے تیری بیوی کے مہر کا ضامن بنوں تو تو اس سے پہلے آزاد ہے اگر تو اس وقت میری ملکیت میں ہو پھر اس کی طرف سے ضامن مہر ہو جائے تو یہ صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہو جائے تو یہ اس سے پہلے آزاد ہو جائے گا اور جب اس سے پہلے آزاد ہو گیا تو ضمانت اپنی شرط کے مطابق نہ ہوئی اور وہ اس کا مملوک ہونا ہے۔ اسی طرح آزادگی بھی واقع نہ ہو گی اس لیے کہ وہ اس کی طرف سے ضمانت کے نہ صحیح ہونے تک پہنچتی ہے اور جب ضمانت صحیح نہیں تو عتق و آزادگی بھی صحیح نہیں۔ ان دونوں کی صحت ان کے بطلان کی طرف پہنچ کر رہتی ہے اس لیے دونوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ (۱۴) اسی طرح اگر کہے کہ اگر میں کسی شخص کو اس غلام کے بیچنے یا رہن رکھنے یا ہبہ کرنے کا وکیل بناؤں تو یہ اس سے ایک ساعت پہلے آزاد ہے تو وکالت صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اس کی صحت ہی اس کے بطلان کے نتیجے تک پہنچا دیتی ہے۔ (۱۵) مثلاً اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں تیری طلاق کا وکیل کسی کو بناؤ تو تجھے اس سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی تین طلاقیں ہیں تو توکیل طلاق صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اگر وکالت صحیح ہو جائے گی تو اسی وقت یا اس سے پہلے اسے طلاق ہو جائے گی پھر وکالت باطل ہو جائے گی پس اس کی صحت اس کے بطلان کی طرف پہنچتی ہے۔ (۱۶) ایک شخص مرتا ہے اور اپنا ایک بیٹا چھوڑتا ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ اس میت کا ایک اور لڑکا بھی ہے وہ لڑکا کہتا ہے کہ ہاں میں اس کا لڑکا ہوں لیکن تو اس کا لڑکا نہیں تو اس کا انکار قبول نہ کیا جائے گا اس لیے کہ اس کے قول کی قبولیت اس کے قول کی باطلیت ہے۔

(۱۷) اسی سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی میت نے اپنا سگا بھائی چھوڑا اور اس نے میت کے لڑکے کا اقرار کیا تو اس کا نسب ثابت مانا جائے گا اور وہ وارث نہ ہو گا اس لیے کہ اگر یہ وارث بنایا جائے تو اقرار کرنے والا وارث نہیں ٹھہرتا اور جب یہ وارث نہ ٹھہرا تو دوسرے وارث کا اس کا اقرار قابل قبول نہیں پس لڑکے کو وارث بنانا اس کے وارث نہ بنانے کا باعث ہے۔ لیکن جمہور ان سے اس بارے میں نزاع کرتے ہیں کہ جب نسب ثابت ہو گیا تو احکامِ نسب اس پر مرتب کیوں نہ ہوں گے؟ انہی میں سے ایک حکم میراث ہے اور اسے وارث بنانا نہ بنانے تک پہنچتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ مجرد اقرار کے نسب ثابت ہو گیا اور اس سے میراث ثابت ہو گئی۔ بھائی ظاہر میں وارث تھا لیکن جب اس نے ایک ایسے وارث کا اقرار کیا جسے سب مل گیا تو اقرار کے بعد اور ثبوت نسب کے بعد اس کی میراث گئی اس لیے یہ اس لڑکے کی میراث باطل نہیں کر سکتا اس لیے کہ بہ وقت اقرار یہ وارث تھا اگرچہ بعد از اقرار اس کا ورثہ نہ رہا کیونکہ ثبوت نسب لڑکے کا ہو گیا اسی طرح میراث ثبوت نسب کے تابع ہے اور تابع ہمیشہ متبوع سے کمزور ہوتا ہے جب زیادہ قوی متبوع ثابت ہو گیا تو تابع اولیٰ ہے۔ دیکھئے صرف عورتوں کی شہادت ولادت میں پھر نسب میں مقبول ہے اور بھی اس کی نظیریں بہت ہیں۔

(۱۸) اگر کوئی عورت اپنی بیماری میں اپنے غلام کو آزاد کرے پھر وہ اس سے نکاح کر لے اور اس کی قیمت ثلث میں سے نکل سکتی ہو تو یہ نکاح صحیح ہو گا اور اسے میراث نہ ملے گی اس لیے کہ اگر وارث کیا جائے گا تو ثواب آزادگی باطل ہو جائے گا اور جب یہ ثواب نہ رہا تو آزادگی نہ رہی اور آزادگی پر نکاح تھا جب یہ باطل ہوا تو میراث بھی گئی پس اسے وارث بنانا اس کے وارث بنانے کے بطلان کی طرف پہنچتا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول پر مبنی ہے۔ ہاں جمہور کے قول پر اس کا ورثہ

باطل نہ ہو گا' نہ آزادگی' نہ نکاح اس لیے کہ بوقت آزادگی وہ وارث نہ تھا پس طلب ثواب غیروارث میں رہی آزادگی اپنے وقت میں پوری ہو گئی پھر ثبوت عتق کے بعد وہ وارث ہوا اس لیے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (۱۹) کسی شخص نے غلام کی وصیت اپنے لڑکے کے لیے کی اور قبول وصیت سے پہلے ہی وہ مرگیا اور اس کے سوتیلے بھائی اس کے پیچھے رہے جنہوں نے وصیت کو قبول کیا تو وہ جس کے لیے وصیت ہے اس پر آزاد ہو جائے گا اور اس کی میراث اس سے صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اگر وہ وارث بنے تو بھائیوں کی میراث گر جاتی ہے اور جب ان کی میراث گر جائے گی تو قبول وصیت بھی باطل ہو جائے گی اس سے آزادگی غلام بھی جاتی رہے گی اس لیے کہ اس کا ترتب قبولیت پر ہے تو اب اسے وارث بنانا سبب ہو گا اس کے وارث نہ بنانے کا۔ لیکن اس میں بھی صحیح قول جمہور کا ہے کہ وہ وارث ہو گا اور کوئی دور لازم نہیں آنے کا اس لیے کہ قبولیت کے ساتھ ہی آزادگی ثابت ہو گئی کیوں کہ وہ ورثا میں ہیں پھر عتق کے تابع جو ہیں وہ سب احکام مرتب ہو جائیں گے۔ اسی میں میراث ہے جو قبولیت کے بعد ثابت ہو گئی۔ میراث قبولیت کے ساتھ نہیں کہ دور لازم آئے اس کا ترتب قبول عتق پر ہے اور عتق پر میراث کا ثبوت ہے پس یہ اس پر مرتب ہے دو درجوں کے بعد۔

(۲۰) اگر کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح کسی عورت سے کر دے اور اس کا مہر اس کی گردن کر دے تو یہ نکاح صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اگر یہ نکاح صحیح ہو جائے تو یہ عورت اس کی مالکہ بن جائے گی تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ (۲۱) کسی نے اپنی لونڈی سے کہا کہ میں جب تجھ پر اکراہ و جبر کروں تو تو آزاد ہے حالت نکاح میں ہو تو اور اس سے پہلے ہو تو پھر اس پر نکاح کا اکراہ کیا تو یہ صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اگر یہ نکاح صحیح ہو جائے تو یہ آزاد ہو جائے گی اور اگر آزاد ہو جائے تو اکراہ باطل ہو جائے گا۔ اس لیے اس کا نکاح باطل ہے۔ (۲۲) اگر کسی نے اپنی بیوی سے دخول سے پہلے کہا کہ جب تیرا مہر مجھ پر ٹھہر جائے تو تجھے اس سے پہلے تین طلاقیں ہیں پھر اس سے وطی کرے تو وطی سے اس کا مہر برقرار نہ ہو گا۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو اس سے پہلے نکاح باطل ہو جائے گا اور اگر اس سے پہلے نکاح کا باطل ہونا مان لیا جائے تو نصف مہر برقرار ہوتا ہے نہ کہ کل پس اس کا ٹھہر جانا اس کے نہ ٹھہر جانے کو پہنچتا ہے۔ ابن سریج کے قول پر تو یہی فتویٰ ہے۔ مزنی کے قول پر یہ ہے کہ وطی سے مہر مستقر ہو جائے گا اور طلاق واقع نہ ہو گی اس لیے کہ وہ ایسی صفت پر معلق ہے جس کا اقتضا محال حکم کا ہے۔

ایسے ہی اور مسائل جن کا ثبوت ان کی نفی ثابت کر دیتا ہے :

(۲۳) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر آج میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھ پر طلاق ہے۔ پھر سارا دن گزر گیا اور اس نے طلاق نہ دی تو اسے طلاق نہ پڑے گی۔ اس لیے کہ اگر وہ دن کے گزرنے کے ساتھ طلاق دیتا تو اس عورت کی طلاق صفت کے وجود کی طرف بادلیل ہو جاتی یعنی آج کے دن طلاق نہ دینے کی طرف۔ جب دن گزر گیا اور اس نے طلاق نہ دی تو جو طلاق دن کے ساتھ معلق تھی وہ نہ ہوئی۔ (۲۴) اگر کسی نے لونڈی سے نکاح کیا پھر اس سے کہا کہ اگر تیرا مولیٰ مرجائے اور تو اس کی وارث بنے تو تجھ پر طلاق ہے یا کہا کہ اگر میں تجھے مالک بناؤں تو تجھے طلاق ہے پھر اسے وارث کیا یا مالک بنایا بغیر ورثے کے تو یہ طلاق نہ ہو گی اس لیے کہ اگر یہ طلاق واقع ہوتی تو اس کے واقع ہونے کے وقت بیوی اس کی ملکیت نہ رہے گی کیونکہ اس کی ملکیت میں طلاق کا واقع ہونا محال ہے پس اس کا واقع ہونا نہ واقع ہونے کی طرف پہنچتا ہے۔ (۲۵) ایک غلام دو امیروں کے درمیان ہے ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ جب تم اپنا حصہ آزاد کرو تو میرا حصہ بھی آزاد ہے پھر ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اس کی آزادگی جاری نہ ہو گی اس

لیے کہ اگر اس کی آزادگی جاری کر دی جائے تو اس سے پہلے اس کے ساتھی کے حصے کی آزادگی واجب ہو جائے گی اور یہ اس کے حصے کی طرف سرایت کرنی واجب کر دیتی ہے پس اس کی آزادگی محل آزادگی کو نہ پائے گی تو اس کی آزادگی کا جاری کرنا اس کی نہ آزادگی کی طرف لوٹتا ہے۔ لیکن درست فتویٰ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ تعلیق باطل ہے کیونکہ یہ محال کو شامل ہے۔ اب ان دونوں میں سے جو بھی اپنا حصہ آزاد کر دے گا صحیح ہو گا اور اس کے شریک کے حصے کی طرف بھی سرایت کرے گا۔

(۲۶) اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر میں تجھ سے کہوں کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے۔ پھر اسے اپنی موت کے بعد کی آزادگی دیتا ہے تو یہ صحیح ہو جائے گی اور آزادگی اب نہ ہو گی اس لیے کہ اس کا وقوع موت کے بعد کی آزادگی کا مانع ہے اور اس کا صحیح نہ ہونا عتق کے واقع ہونے سے مانع ہے پس اس کی صحت اس کے بطلان کی مقتضی ہے یہ حکم تو ہے مزنی کے قول پر اور ابن سریج کے قول پر موت کے بعد کی آزادگی صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہو جائے تو اس سے پہلے آزادگی ہو جائے گی اور وہ اس کی مانع ہو گی۔ پس اس کا وقوع اس کے وقوع کا مانع ہو جائے گا۔ (۲۷) اسی کی نظیر یہ بھی ہے کہ اپنی موت کی شرط پر جسے آزاد کیا ہے اس سے کہے کہ جب تیری یہ آزادی باطل کروں تو تو اس سے پہلے آزاد ہے پھر وہ اسے باطل کرے تو یہ آزادگی بھی باطل ہو جائے گی۔ مزنی کے قول پر اس لیے کہ اگر یہ واقع ہو جائے تو اس شرط موت کی آزادگی اپنے محل کو نہ پائے گی اور ابن سریج کے قول پر موت کی شرط کے ساتھ کی آزادگی کا باطل کرنا صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اگر اس کا باطل کرنا صحیح مان لیا جائے تو آزادگی حال کی واقع ہو جائے گی پھر شرط موت کی آزادگی کا توڑنا صحیح نہ ہو گا۔ (۲۸) ایسے ہی غلام سے اگر کہے کہ میں اگر تجھے بیچوں تو تو اس سے پہلے آزاد ہے۔ (۲۹) اسی طرح اگر اپنے غلام سے کسی نے کہا کہ اگر میں کسی رقم پر تیری آزادگی کی تحریر کل کر دوں تو تو آج ہی آزاد ہے پھر دوسرے دن یہ تحریر کر دے۔ (۳۰) اسی طرح اپنے ایسے تحریر شدہ غلام سے کہے کہ اگر میں تجھے تیری اس تحریر سے عاجز کر دوں تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے۔ (۳۱) اسی طرح اگر کہے کہ تو جب زنا کرے یا چوری کرے یا تجھ پر کوئی حد شرعی واجب ہو جائے درآنحالیکہ تو غلام ہو تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے۔ پھر ایسا ہی کوئی وصف پا لیا تو حد واجب ہو جائے گی اور جو آزادگی اس کے ساتھ معلق تھی وہ واقع نہ ہو گی۔ اس لیے کہ اگر وہ واقع ہو جائے تو صفت نہ پائی گئی اس لیے صحیح نہ ہوئی تو یہ مستلزم ہو گی عدم وقوع کو۔ (۳۲) اسی کے مثل یہ کہنا بھی ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرے اور تو میری ملکیت میں ہو تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے پھر اس نے کوئی ایسا ہی گناہ کیا تو وہ آزاد نہ ہو گا۔ (۳۳) مثلاً اپنے غلام سے کہے کہ جب میں تجھے بیچوں اور بیع پوری ہو جائے تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے پھر اسے بیچ دے تو بقول مزنی یہ بیع صحیح ہے اور آزادگی واقع نہ ہو گی اس لیے کہ اس کا واقع ہونا نہ واقع ہونے کو مستلزم ہے اور سریج کے قول پر یہ بیع صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ وہ اس سے پہلے ہی آزاد ہو چکا اور آزادگی کے بعد کی بیع کوئی چیز نہیں۔ (۳۴) اگر اپنی لونڈی سے کہے کہ اگر تو نے دو رکعت نماز ننگے سر پڑھی تو تو اس سے پہلے ہی آزاد ہے پھر اس نے اسی طرح دو رکعات پڑھیں تو مزنی کے قول میں نماز صحیح ہے اور آزادگی نہ ہو گی اور ابن سریج کے قول پر نماز صحیح نہ ہو گی اس لیے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو یہ لونڈی اس سے پہلے آزاد ہو جائے گی اور جب آزاد ہو گئی تو اس کی یہ نماز باطل ہے تو صحت نماز اس کے باطل ہونے کو لازم ہے۔ (۳۵) اگر کسی نے اپنی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں دے دی اور دخول سے پہلے اس پر مہر کا دعویٰ کر دیا خاوند نے اپنی تنگی ظاہر کی اور لونڈی والے نے اسے آسانی

والا بتلایا کہ اس لونڈی کے نکاح سے کچھ ہی پہلے اس کے پاس ورثے کی اتنی رقم آئی ہے یا اور کوئی رقم تو اس کا دعویٰ مانا نہ جائے گا اس لیے کہ اگر اس کا دعویٰ صحیح مان لیا جائے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے کیونکہ باوجود اس کی امیری کے اس کا لونڈی سے نکاح کرنا صحیح نہیں اور جب نکاح باطل ہے تو مہر کا دعویٰ بھی باطل ہے۔ (۳۶) اگر کسی لونڈی سے نکاح کیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ اس کا خاوند نامرد ہے تو اس کا دعویٰ سنا نہ جائے گا اس لیے کہ اگر اس نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا تو اس نکاح کے نہ ہونے کے وقت جو خوف زنا کاری میں واقع ہو جانے کا تھا وہ نہ رہا اور جب یہ نہ رہا تو یہی شرط تھی لونڈی سے نکاح کی یہ باطل ہو گئی تو نکاح بھی باطل ہو گیا اور اس کے باطل ہونے پر مہر کا دعویٰ بھی باطل ہو گیا پس چونکہ اس دعویٰ کی صحت اس کے باطل ہونے کی طرف لوٹتی ہے اس لیے ہم نے اس دعوے کو باطل قرار دیا۔

(۳۷) اسی طرح عورت جب اپنے خاوند کے سردار پر دعویٰ کرے کہ اس نے اسے اس کے مہر کے برابر دخول سے پہلے ہی بیچ دیا ہے تو اس کا دعویٰ بھی صحیح نہ مانا جائے گا اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہو جائے تو آدھا مہر تو گر جائے گا پھر پورے مہر کی بیع باطل ہو جائے گی۔ (۳۸) اگر دو گواہ گواہی دیں کہ فلاں غلام آزاد ہو گیا ہے اور یہ آزاد کر دیا جائے' پھر غلام اپنی اس آزادگی کے بعد ان دو گواہوں سے ایک کی نسبت دعویٰ کرے کہ وہ اس کا غلام ہے تو اس کا دعویٰ بھی نہ سنا جائے گا اس لیے کہ اس دعویٰ کا درست ہونا شہادت آزادگی کے باطل ہونے کی طرف لوٹتا ہے اور اس سے شاہد کی ملکیت کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ (۳۹) اہل عرب کافروں میں سے کوئی قریب بہ بلوغ شخص گرفتار ہو گیا اس کی جوانی معلوم نہیں اور اس نے انکار کیا کہ میں بالغ نہیں ہوا تو اسے قسم نہ کھلوائی جائے گی اس لیے کہ اسے قسم کھلوانا اس سے قسم لینے کے باطل ہونے کی طرف پہنچتا ہے اس سے قسم کھلوانا اس کے بچّہ ہونے کا حکم لگانا ہے اور یہ حکم اس سے قسم لینے کے خلاف ہے۔ (۴۰) اسی جیسا یہ مسئلہ بھی ہے کہ کسی بلوغت کے قریب پہنچے ہوئے پر کسی نے ایسا دعویٰ کیا جس سے قصاص لازم آتا ہو یا حد تہمت زنا لازم ہوتی ہو یا مال لازم آتا ہو اور دعویٰ کیا کہ بالغ ہے اور اس پر یہ حکم لازم آتا ہے وہ اس کا انکاری ہے تو اسی کی بات معتبر سمجھی جائے گی اور اس پر کوئی قسم نہیں اس لیے کہ جب اسے قسم کھلوائی جائے گی تو یہ اس کی بچپن کا حکم ہو گا اور یہ حکم اس پر سے قسم کو ہٹا دیتا ہے اور جب اس پر قسم نہیں تو دعوے دار پر قسم کا لوٹانا بھی نہیں یہ تو اس وقت ہوتا ہے جب یہ قسم کے قابل ہوتا پھر قسم سے انکاری ہو جاتا۔

(۴۱) اسی طرح اگر کسی بیمار نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا جس کی قیمت ایک سو ہے اور اس سے اپنے اسی مرض الموت میں نکاح کر لیا اور مہر بھی ایک سو کا باندھا اور ورثہ دو سو کا چھوڑ مرا تو یہ نکاح صحیح ہے اسے مہر نہ ملے گا نہ میراث ملے گی۔ میراث کے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ وارث بنائی جائے تو اس کی آزادگی کی وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ موت کی بیماری کی آزادگی وصیت ہے جب وصیت باطل ہو گئی تو آزادگی بھی باطل ہو گئی اور آزادگی کا باطل ہونا میراث کا نہ ملنا ہے۔ مہر کے نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسے ثابت مان لیا جائے تو اس کے مالک پر قرض ثابت ہو جائے گا اور اس کی قیمت ثلث سے نہیں نکلی تو اس کی آزادگی باطل ہو جائے گی پھر خاوند کو اس سے نکاح کا حق باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس کا کچھ حصّہ لونڈی پنے میں ہے تو مہر باطل ہو جائے گا پس ثبوت مہر بطلان مہر کی طرف پہنچتا ہے۔ اس لیے اسے باطل کر دیا جائے گا' اس آیت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾ (نحل: ۹۲) اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنا سوت بٹ کر پھر دھاگہ دھاگہ الگ الگ کر دیتی ہے۔ پس جناب باری اس فعل کی مذمت کرتا

ہے کہ کسی چیز کو درست کرنے کے بعد اسے پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ پس جس چیز کا اثبات اس کی نفی کا باعث بنتا ہو وہ ثابت نہ ہو گا یہی ہیں دلائل اس جماعت کے۔

ان تمام دلیلوں کی تردید اور اس حیلے کے باطل ہونے کے دلائل : اتنی لمبی تحریر تو لکھی لیکن دلائل سے خالی۔ نہ تو تم نے مخالف کے دلائل توڑے نہ اپنے دلائل جوڑے۔ آپ کے یہ مسائل تو لغت کے' شریعت کے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہیں۔ ناممکن ہے کہ قیاس صحیح کی ترازو میں بھی یہ پورے اتر سکیں یہ مسائل تو دراصل عیسائیوں کے مسائل سے ملتے جلتے ہیں جن کے خلاف اللہ کی آخری کتاب اتری ہے اور اللہ کے آخری رسول ﷺ آئے ہیں۔ یہ مسئلہ اسلام میں کہاں کہ جس سے طلاق محال ہو جائے اور اس کے دروازے بند ہو جائیں یہ تو دراصل شریعت کے خلاف مسئلہ کو شرعی مسئلہ بتلانا ہے' بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ نکاح کو سرے سے باطل کرنا بھی اس سے کم ہے کہ طلاق کو اڑا دیا جائے آپ کا یہ مسئلہ تو بہتر زمانوں کے گزر جانے کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ سلف میں سے کسی نے یہ مسئلہ نہیں کیا۔ پس پہلے تو ہم یہ ثبوت دیتے ہیں کہ آپ کا یہ مسئلہ شریعت کے' لغت کے اور عقل کے خلاف ہے۔ پھر جو شبہات تم نے پیش کئے ہیں ان کا ایک ایک کر کے ہم جواب دیتے ہیں۔ سنئے **خلاف شرع** ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کے لیے یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ کسی عورت کو الگ کر دینا چاہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو طلاق دے دے۔ اپنی حکمت و رحمت سے اس میں مردوں کو گنجائش اور وسعت بھی عطا فرمائی تین طلاقیں رکھیں اور کم و بیش تین مہینے کی مدت رکھی کہ اس درمیان اگر خاوند کے خیالات بدل جائیں تو یہ گھر نہ اجڑے اور پھر سے ٹھیک ٹھاک ہو کر بیٹھ جائیں۔ اس امت پر یہ خاص احسان اور رحمت ہے کہ ان کے نکاح نصرانیوں کے نکاحوں جیسے نہیں رکھے کہ جو بیڑی بڑوں نے پاؤں میں ڈال دی اب وہ کسی طرح چھوٹ ہی نہیں سکتی۔ زندگی بھر تک دونوں دکھ سہیں اور مصیبت پیٹتے رہیں بلکہ انہیں اجازت دی کہ جب نبھاؤ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ آپس میں ان بن حد درجے کی ہو جائے تو میاں بیوی کو الگ الگ کر دو تاکہ اسے اس سے اور اس کو اس سے راحت حاصل ہو جائے۔ ان دونوں شریعتوں کے اس تفاوت پر نظر ڈالو پھر ان فقہاء کے اس مسئلہ کو دیکھو جس سے طلاق گویا ناجائز ہو جاتی ہے کہ آیا یہ مسئلہ اسلام کا ہے یا نصرانیت کا؟ کیا یہی ایک دلیل ان کی چنی چنائی تمام عمارت کو ڈھانے کے لیے کافی نہیں؟ **خلاف لغت** ہونا یوں ہے کہ یہ کلام وہ ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے خلاف ہے۔ اس کا مقصود و مضمون یہ ہوا کہ جب کوئی چیز پائی جائے وہ نہیں پائی گئی اور جب کوئی چیز آج پائی گئی وہ آج سے پہلے موجود تھی۔ میں جب یہ کام آج کروں تو یہ کام مجھ سے آج سے پہلے واقع ہوا وغیرہ یہ کلام خود آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ کلام بالکل محال کے قریب قریب ہے نہ کہ صحیح ہونے کے قریب۔ **خلاف عقل** ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرط کا وجود مشروط کے وجود سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ مشروط شرط پر وجود کے لحاظ سے مقدم نہیں ہو سکتی۔

تمام عقلمندوں کا اس پر اتفاق ہے شرط کا مرتبہ تقدم کا ہے یا ایک ساتھ ہونے کا۔ فقہاء اور تمام عقلا اس پر متفق ہیں اگر تعلیق مشروط شرط متاخر کے ساتھ صحیح مان لی جائے تو یہ تو اسے شرط سے یا جزء شرط سے یا علت سے یا سبب سے نکال دینا ہو گا۔ حکم اپنی شرط اور اپنے سبب اور اپنی علت پر سبقت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس میں شرائط اسباب اور علتوں کا ان کی حقیقت اور حکم سے نکال دینا لازم آتا ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے کہ حکم شرط سے پہلے ہو سکتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوں

گے کہ طلاق دینے سے پہلے طلاق پڑ جاتی ہے اس لیے کہ طلاق کا واقع کرنا سبب ہے اور سبب مسبّب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ شرائط کا رتبہ پہلے ہونے کا تھا۔ جب انہیں ان کے مرتبے سے نکال دینا جائز ہو گیا تو پھر ایسے ہی دوسری چیزوں کا بھی یہی حکم ہو جائے گا تو طلاق طلاق دینے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے اور آزادگی آزاد کرنے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح چیز پر ملکیت خرید و فروخت سے پہلے ہی ہو سکتی ہے اور عقد نکاح سے پہلے ہی عورت نکاح میں ہو سکتی ہے یعنی وہ منکوحہ ہو گئی حلال ہو گئی۔ دنیا کے عقلمندو! بتاؤ تو سہی کہیں ایسا اندھیر بھی دیکھا ہے؟ کوئی شریعت ایسے مذاق کر بھی سکتی ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ لوہا توڑنے سے پہلے ٹوٹ گیا' بارش ہونے سے پہلے دریا جاری ہو گئے' کھانے سے پہلے پیٹ بھر گیا' مجامعت سے پہلے اولاد ہو گئی وغیرہ۔ کوئی جو ایسی بات کہہ سکے لیکن ان لوگوں کے اس حیلے اور اس مسئلہ کو مان لینے کے بعد تو ان سب باتوں کو بھی خواہ مخواہ ماننا پڑے گا بالخصوص ان لوگوں کے نزدیک جو ان علتوں کو اور ان اسباب کو محض علامت اور نشان ہی مانتے ہیں ان کی کسی تاثیر کو نہیں مانتے۔ انہیں صرف جان پہچان کا ذریعہ جانتے ہیں چیز ہوتی ہے اور علامت نہیں بھی ہوتی۔ اسی سے تمہارے اس قول کا بھی جواب ہو گیا کہ شروط شرعیہ صرف علامتیں اور نشانات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پیچھے رہ جائیں پس یہ دراصل وہم ہے جو آپ دوسروں کو دے رہے ہیں۔ اس کی دو وجوہات سن لیجئے اول تو یہ کہ تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ شرعی شرطوں کا مشروط سے موخر ہونا جائز نہیں اگر یہ موخر ہو جائیں تو شرطیں ہی نہیں۔ دوسری یہ کہ یہ شرطیں لغتاً ہیں اور لغتاً تمام شرطیں اسباب اور علتیں ہیں جو اپنے احکام کی مقتضی ہیں جیسا اقتضاء مسبّب کا اپنے اسباب سے ہوتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی نے کہا کہ اگر تو گھر میں گئی تو تجھ پر طلاق ہے یہ سبب مسبّب ہے اور اثر موخر ہے اسی لیے یہ علت کا جواب واقع ہوا ہے پس جب وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی تو یہ اسی لیے کہتا ہے کہ ایک شرط پر طلاق معلق رکھی گئی تھی اگر اس کا وجود طلاق کے واقع ہونے میں کوئی اثر ہی نہ رکھتا تو یہ جواب صحیح نہ ہوتا اسی لیے یہ صحیح نہیں کہ اسے قسم کے صیغے سے نکالے اور کہے کہ طلاق مجھ پر لازم ہے تو گھر میں نہ جائے کہ وہ اس کا التزام طلاق کے لیے مستقبل میں کرے۔ بسبب س کے گھر میں داخل ہونے کے قسم کے ساتھ اور شرط کے ساتھ بھی۔ **ایک غلطی** لوگوں کی ایک جماعت نے اس میں یہ غلطی کی ہے کہ شرط کی تین قسمیں کی ہیں شرعی' لغوی اور عقلی پھر ان تینوں پر ایک ساتھ حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ شرط کی تقدیم مشروط پر لازم ہے اور شرط کے وجود سے مشروط کا وجود لازم نہیں ہاں اس کے نہ ہونے سے مشروط کا نہ ہونا لازم آتا ہے۔ جیسے طہارت نماز کے لیے اور زندگی علم کے لیے پھر انہوں نے اپنے اوپر لغوی شرط سے ایک اعتراض اوڑھ لیا کہ اس کے وجود سے وجود مشروط لازم ہے اور اس کے نہ ہونے سے مشروط کا نہ ہونا لازمی نہیں ممکن ہے اس کا وقوع کسی اور سبب سے ہوا ہو اس کے جواب انہوں نے دیئے لیکن کوئی ٹھوس جواب نہیں دے سکے۔ حق یہ ہے کہ لغوی شرطیں عقلی سبب ہیں اور جب بھی سبب پورا ہو جائے تو اس کی موجودگی کو مسبّب کی موجودگی لازم ہے اور جب یہ نہ ہو تو سبب کا مطلقاً نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور سبب اس کے قائم مقام ہو۔ بلکہ لازم صرف یہ آتا ہے کہ اس مسبّب کا سبب معین نہ ہو۔

ایک دلیل کا جواب : یہ کہنا ہے کہ اس شخص سے دو طلاقیں صادر ہوئی ہیں ایک جاری ہونے والی دوسری معلق رہنے والی اور محل ان دونوں کی قبولیت کا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے محل معلق طلاق کی قبولیت کا نہیں۔ تم سے بحث تو اسی امر میں ہے اور تم اسے بطور مقبول فریقین پیش کر رہے ہو۔ کس قدر خلاف

اصول علم ہے نفس دعویٰ بھی کہیں مقدمہ دلیل بن سکتا ہے؟

دوسری بات کا جواب : تمہارا یہ کہنا کہ خاوند کو وقتی طلاق اور معلق طلاق دونوں کا اختیار ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس معلق طلاق کا اختیار ہے وہ جو ممکن بھی ہو لیکن جو محال ہو' اس کا اختیار اور ملکیت کہاں سے آئے گی؟ یہ تو نہ صرف شرعاً حاصل نہیں بلکہ عرف اور عادت کے طور پر بھی اس کی ملکیت حاصل نہیں۔

تمہارا قول کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں یہ بھی بالکل غلط ہے بلکہ ترجیح اور فضیلت موجود ہے جو طلاق اب جاری کی جائے گی اس میں فی نفسہٖ امکان کی زیادتی ہے اور جو معلق ہے اس میں محال اور ممتنع ہونے کی مزیت ہے۔ جب یہ ہے تو پھر نہ ان میں کوئی ایک دوسرے کی روک رہی نہ ایک دوسرے کا خلاف رہا اور نہ ان دونوں کا گر جانا اور باطل ہونا ثابت ہوا پس جو طلاق اب دے رہا ہے اسے روکنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ یہ **دلیل** کہ یہ مثل اسی کے ہے کہ دو سگی بہنوں سے عقد کرے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نظیر باطل ہے اس لیے کہ یہاں ایک کا نکاح دوسری کے نکاح کی شرط نہیں بخلاف اس مسئلہ کے کہ جاری ہونے والی شرط سے معلق کے واقع ہونے کی اور یہ عین محال ہے۔ یہ کہنا کہ ایک طلاق کو کوئی اولیت دوسری پر نہیں یہ بھی باطل ہے بلکہ اب جو طلاق جاری ہونے والی دی ہے اسے بہ نسبت معلق طلاق کے بہت سی پختگی ہے۔ اس کی وجوہات سنئے۔ (۱) جاری ہونے والی معلق رہنے والی سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ (۲) اس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف ہی نہیں اور معلق کے واقع ہونے میں خلاف ہے اور اسے واقع کرنے والوں نے کوئی ایسی قوی دلیل تو پیش نہیں کی جسے ماننا ضروری ہو جائے پھر خود وہ اس میں کہ کہاں تعلیق ہو سکتی ہے اور کہاں نہیں؟ بہت کچھ مختلف اور متضاد قول کہتے ہیں پس ان سے جھگڑنے والے کہتے ہیں کہ طلاق تعلیق کی قبولیت کرنی ہی نہیں جیسے کہ تم نے اسقاط میں وقف میں نکاح میں بیع میں کہا ہے پھر ان لوگوں نے صحیح وجہ فرق کوئی قائم نہیں کی۔ یہاں ہمارا مقصود ان کے تناقض کا ذکر کرنا نہیں بلکہ ہم نے دوسری وجہ مزیت بیان کی ہے۔ (۳) شرط مقصود بالذات ہے اور مشروط تابع اور وسیلہ ہے۔ (۴) جسے جاری کر رہا ہے اس کے واقع ہونے کا مانع کوئی نہیں فاعل اس کی اہلیت رکھتا' ہے محل قبولیت کا ہے اور محال تعلیق اس قابل نہیں کہ وہ صحیح سبب کے اثر کے اقتضاء سے مانع ہو سکے۔

(۵) تعلیق کی صحت شاخ ہے جاری کرنے کی ملکیت کی جب ملکیت ہی نہ رہی تو صحت تعلیق نہ رہی کیونکہ صحت تعلیق مانع ہے جاری طلاق کی یہ معارضہ اصل مسئلہ میں بالکل صحیح ہے اسے خوب غور سے دیکھ بھال کر لو۔ (۶) اگر یہ کسی سے کہتا کہ گھر میں آ جب تو گھر میں آئے گا تو میں تجھے نکال دوں گا یہ جملہ اسی مسئلہ کی قوت رکھتا ہے حکم یہ ہے کہ جب یہ آ گیا تو اسے نکالنے کا امکان نہیں۔ ہمارے مسئلہ میں معلق تو نکالنا ہے اور جاری طلاق داخل ہونا ہے۔ (۸) جو طلاق جاری کرنے کے لیے اب دے رہا ہے وہ امکان کے تحت ہے اور معلق میں وہ چیز ملی ہوئی ہے جو اسے محال بنا دیتی ہے۔ (۹) جاری ہونے والی غیر معلق حقیقی طلاق تو موقوف ہے اس پر کہ لفظ طلاق اپنے اختیار سے اپنی زبان سے نکالے اور معلق موقوف ہے اس پر اور وجود شرط پر ظاہر ہے کہ جو ایک امر پر موقوف ہو وہ بہ نسبت اس کے جو دو امر پر موقوف ہے زیادہ قریب ہے۔ (۱۰) حقیقی طلاق تصرف شارع اور ملک مالک کے موافق ہے اور وقوع معلق اس کے برخلاف ہے اس لیے کہ شارع نے اس کا مالک اس خاوند کو نہیں بنایا۔ یہ دس وجوہات ہیں جو حقیقی طلاق کی فوقیت اور زیادتی پر دلالت کرتی ہیں ان سے تمہارا یہ قول باطل ہو گیا کہ اس کی کوئی بزرگی اور زیادتی نہیں' واللہ اعلم۔

دور کی جو صورتیں ذکر کی ہیں ان کا جواب : تم نے جو صورتیں دور کی ذکر کی ہیں کہ ان کا ثبوت ان کے باطل ہونے کی طرف پہنچتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) ان میں سے بعض کا حکم تو غلط ہے مخالف اسے تسلیم نہیں کرتا یہ تو مذہبی مسائل ہیں ان کو تم اپنے مذہب کی دلیل بنا سکتے ہو لیکن دوسرے کو یہ نہیں منا سکتے ان میں دور بھی نہیں۔ کبھی تو دونوں حکموں کے ایک ساتھ واقع ہونے اور ایک کے دوسرے کو باطل نہ کرنے کی وجہ سے اور ان دونوں کے ایک علت کے معلول ہونے کی وجہ سے دور خود باطل ہو جاتا ہے کبھی ایک حکم کی سبقت دوسرے پر ایسی ہوتی ہے جیسے سبب کی سبقت مسبّب پر۔ پھر دوسرا اس پر مرتب ہوتا ہے تو بھی دور نہ رہا۔ (۲) بعض کا حکم مسلّم ہے اور اس میں کسی ایسی چیز کا ثبوت ہے جو اس کے باطل ہونے کی مقتضی ہے لیکن یہ تو ہماری دلیل ہے اس تعلیق کے باطل ہونے پر اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہو جائے تو اس کا ثبوت اس کے بطلان کی طرف پہنچتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ تین پہلے کی طلاقیں ثابت ہو جائیں اور اس کا اس سے پہلے ہونا اس کے وقوع کا مانع ہے تو تعلیق اصل سے باطل ہو گئی کیونکہ اس سے محال لازم آتا ہے پس جن جن صورتوں کو تم نے اپنی دلیل میں پیش کیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب تمہارے برخلاف ہیں ان سے اس تعلیق کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے تمہاری یہ تمام دلیلیں دو قسم میں بٹ جاتی ہیں۔ ایک قسم تو صحیح ہے اور یہ تمہارے لیے غیر مفید ہے اس سے تو تعلیق کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی دلیلیں جو اس ضمنی اور حقیقی اور جاری ہونے والی طلاق کو روکنے کی ہیں ان میں سے ایک دلیل بھی دراصل صحیح نہیں اس لیے کہ یہ طلاق تو دونوں طرف سے درست ہے۔ دینے والا مالک طلاق ہے اسے اہلیت حاصل ہے جسے طلاق دیتا ہے وہ اس طلاق کی جگہ ہے اس کی بیوی ہے پس یہاں تو وقوع طلاق کا مانع کوئی بھی نہیں۔ طلاق دینے والے کی اہلیت ظاہر ہے وہ اس کا خاوند ہے' مُکلف ہے' مختار ہے محل طلاق ظاہر ہے کہ صحیح نکاح سے یہ عورت اس کی بیوی ہے فرمانِ ربِّ ذوالجلال والاکرام ہے : ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ (بقرہ: ۲۳۰) یعنی جب خاوند اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دے پھر جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے اسے حلال نہ ہو گی۔ اگر اس طلاق کو جاری نہ مانی گئی تو تین چیزوں میں سے ایک کا لازم آنا ضروری ہے حالانکہ یہ ان میں سے ایک بھی نہیں۔ اول تو یہ کہ طلاق دینے والے میں اہلیت طلاق نہ ہو یا یہ کہ محل طلاق نہ ہو کہ اسے قبول کرے یا یہ کہ کوئی مانع ہو جو طلاق کو واقع نہ ہونے دے۔ پہلی دونوں باتوں کے قائل تو مخالفین بھی نہیں' رہی تیسری چیز سو ظاہر ہے کہ تعلیق محال شرعاً اور عقلاً باطل ہے بس یہ مانع نہیں بن سکتی لامحالہ یہ طلاق ہو جائے گی۔ اس کی وضاحت بھی ہم کر دیں کہ سبب کو مسبّب کے اقتضاء سے محروم کرنے والا وہ وصف ہو سکتا ہے جو ثابت ہو اور اس کی سببیت کے معارض ہو پس اسے اس کے اقتضاء سے روک دے گا۔ لیکن ایک محال ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ مانع اور معارض بنے وصف ثابت کا یہ چیز تو اس قدر واضح ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں' وللہ الحمد۔

چھوٹ چھوڑنے والوں کی اور دلیلیں : بھائی تم نے کوشش تو بہت کی لیکن تم دشوار گزار چوٹی پر چڑھنے لگے اور اس مسئلہ کے قائل کے ساتھ طرح طرح کی بے ادبی اور بد ظنی کرنے لگے حالانکہ اس کے قائل بڑے بڑے امام اور علماء ہیں جن کے غبار تک بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا اور جن کے نشان کو بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ ان بزرگوں نے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کے صاف لفظوں سے لیا ہے اور آپ ہی کے اصول پر اس کی بنا

رکھی ہے اس کی بہت سی نظیریں دی ہیں اور بڑے بڑے شواہد پیش کیے ہیں۔ دیکھو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے کہا تو میری موت سے مہینہ بھر پہلے مطلقہ ہے اس کے بعد وہ مہینہ بھر سے زیادہ زندہ رہا تو بھی اس کی موت سے مہینہ بھر پہلے اسے طلاق ہو جائے گی۔ یہ ہے طلاق کا واقع ہونا زمانہ ماضی میں جو سابق ہے وجود شرط پر جو اس کی موت ہے پس جب شرط پائی گئی ہم پر اس سے پہلے وقوع طلاق کا اظہار ہو گیا اس کی وضاحت بطور شرط کے کلام کے بولنے سے ہو سکتی ہے مثلاً اس کا یہ کہنا کہ اگر میں مرجاؤں یا جب میں مرجاؤں تو تُو مطلقہ ہے میری موت سے مہینہ بھر پہلے ہی۔ ہم تمہیں اس مسئلہ کا اسی اصل پر الزام دیتے ہیں کیونکہ اس میں تو تم ہمارے موافق ہو اسی طرح اس کا قول آس کے دخول سے پہلے کہ تو مطلقہ ہے اس سے پہلے مطلقہ ہے دو طلاقیں پڑ جائیں گی ایک پہلے کی ایک ابھی کی اسی سے تمہاری اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ وقوع جیسے ابقا سے سبقت نہیں کرتا طلاق تطلیق سے سبقت نہیں کرتی اسی طرح اس کی شرط سے بھی آگے نہیں بڑھتی پس حکم اس پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تقدیم اس کی شرط پر اور دو سببوں میں سے ایک سبب پر اور سبب اسباب پر جائز ہے کیونکہ شرط صرف ایک علامت ہے اس پر علامت دار کا مقدم ہونا کوئی مشکل نہیں دو سببوں میں سے ایک پر اس کی تقدیم ایسی ہی ہے جیسے کفارہ کی تقدیم۔ قسم توڑنے پر قسم کے بعد اور زکوٰۃ کی تقدیم سال پورا ہونے پر نصاب کے بعد اور کفارہ کی تقدیم زخم کے بھر جانے پر اور بھی اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ نیز تمہارا یہ قول بھی غلط ہے کہ شرط کی تقدیم مشروط پر واجب ہے بلکہ شریعت کا مقتضیٰ تو مشروط کا توقف ہے اس کے وجود پر اور یہ کہ یہ بغیر اس کے نہیں پائی جاتی اس کا مقتضیٰ مشروط کا اس سے موخر ہونا نہیں یہ تو تھا لغوی اور عقلی اور شرعی تعلق اس کے خلاف تم لغت کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے نہ شریعت کی اور نہ عقل کی پس تمہارا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ بعض شروط مشروط پر مقدم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ حقیقت شرط یہی ہے یہ بے دلیل کا دعویٰ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں اگر بالفرض لغت سے یہ ثابت بھی ہوتا تو یہ شرع میں لازم نہ آتا۔ اس لیے کہ ان کے کلام میں شرائط افعال کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں جیسے یہ کہنا کہ اگر تو مجھ سے ملے گا تو میں تیری عزت کروں گا۔ جب سورج نکلے گا میں تیرے پاس آؤں گا۔ پس شرط کا اقتضاء اول و ثانی میں ربط دینا ہوتا ہے اس لیے متاخر متقدم نہیں ہو سکتا اور متقدم متاخر نہیں ہو سکتا۔ رہے احکام وہ تقدم تاخر اور انتقال کو قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ جیسے یہ کہنا کہ جب میں مروں تو تجھے میری موت سے ایک ماہ پیشتر طلاق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ محسوس چیزوں میں ایسا کہنا محال ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ جب تو مجھ سے ملے تو میں تیری عزت کروں گا مجھ سے تیرے ملنے سے مہینہ بھر پہلے تو ظاہر ہے کہ یہ محال ہے مگر یہ کہ اس کا کلام کسی صحیح معنی پر محمول کیا جائے یعنی یوں کہا جائے کہ جب تو میری ملاقات کا پختہ ارادہ کر لے گا تو میں اس سے پہلے ہی تیری عزت و اکرام کروں گا۔ اس مسئلہ کی پوشیدگی یہ ہوئی کہ حقیقتوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا ناممکن ہے اور حکموں کو نقل بھی کر سکتے ہیں گھما بھی سکتے ہیں اور آگا پیچھا بھی ان میں ہو سکتا ہے اس لیے اگر کسی نے کہا کہ میری طرف سے تو اپنا غلام آزاد کر دے۔ اس نے ایسا ہی کیا تو کہنے والے کی طرف سے وہ آزاد ہو گیا اور ملکیت حکماً آزادگی سے پہلے کر دی گئی تو حقیقتاً اس پر مقدم نہیں ہے۔

تمہارا یہ قول: کہ اس سے طلاق دینے پر طلاق کے مقدم ہونے کا جواز ہم پر لازم آتا ہے یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ یہ واقع کرنے سے واقع ہوتی ہے پس واقع کرنے سے پہلے واقع ہونا لازم نہیں آتا بخلاف شرط کے کہ وجود شرط واجب نہیں اس سے تو صرف رابطہ ہو جاتا ہے اور رابطہ عام ہے اس سے کہ وہ آگے ہو یا ملا ہوا ہو یا پیچھے ہو اور

یہ بھی ظاہر ہے کہ عام مستلزم خاص نہیں ہوتا۔ اس میں نکتہ فرق یہ ہے کہ ایقاع موجب ہے وقوع کا اس لیے اس کا اپنے اثر پر سبقت کرنا جائز نہیں اور شرط علامت مشروط ہے تو جائز ہے کہ پہلے ہو اور بعد بھی ہونا جائز ہے پس وزن شرط وزن دلیل ہے اور وزن ایقاع وزن علت ہے اب دونوں میں فرق خوب واضح ہو گیا۔

تمہارا یہ قول : کہ تعلیق متضمن محال ہے الخ' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیق متضمن ہے شرط و مشروط کی اس سے قضیہ شرطیہ وقوع کے لیے بن جاتا ہے اور کبھی اس کا عقد باطل کرنے کے لیے ہوتا ہے تو اس میں شرط و جزا نہیں پائی جاتی بلکہ محال محال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس شرطیہ صادق آجاتا ہے گو اس کے تمام اجزا نہ بھی ہوں جیسے ہم کہیں اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ بھی ہوتا تو دنیا بگڑ جاتی۔ اور جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ اگر میں نے ایسی بات کہی ہو تو تُو اسے بخوبی جانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ نے نہ کہی اور اللہ تعالیٰ نے نہ جانی۔ اسی طرح یہ قول ہے کہ اگر تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو تُو اس سے پہلے تین طلاقوں والی ہے پس یہ قضیہ اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف کے واقع ہونے کا امتناع ہو جائے یعنی نہ معلق واقع ہو نہ منجز۔ شیخ ابو اسحاق کا قیاس بھی یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے۔ وہ کہتے ہیں دو طلاقیں آپس میں متعارض ہیں ایک دوسری پر سبقت کر رہی ہے پس واجب ہے کہ ان میں سے جو پہلے ہو وہ بعد والی کی نفی کر دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر زید آئے تو تجھ پر تین طلاقیں ہیں اور اگر عمرو آئے تو تجھ پر ایک طلاق ہے اب زید صبح کو آگیا اور عمرو شام کو آگیا۔ یہاں نکتہ یہ ہے کہ اگر ہم ملتی ہوئی طلاق کو واقع کریں تو ہمیں لازم آتا ہے کہ اس کے پہلے کی تین کو بھی واقع کر دیں اور اگر ان تین کو واقع کریں تو اس کا وقوع ہونا محال ہو جاتا ہے پس وقوع کا حکم عدم وقوع کے حکم کی طرف پہنچتا ہے اس لیے واقع نہ ہو گی۔ **تمہارا یہ قول** کہ یہ قسم طلاق کے دروازوں کو بند کر دیتی ہے اس لیے اس میں شریعت کا تغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو طلاق کا مالک بنایا ہے اور یہ اس کے لیے رحمت الٰہی ہے' الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شریعت کا کوئی تغیر نہیں یہ تو وہ سبب پیدا کرتا ہے جس سے جو وسعت حاصل تھی اس میں تنگی ہو جاتی ہے یہ ایک طرح کی قسم ہے نہ کہ شریعت کا بدل دینا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس پر طلاق کا امر وسیع رکھا تھا ایک کے بعد ایک اس طرح تین مرتبہ کی اسے کشادہ اجازت دی تھی لیکن جب یہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دیتا ہے تو اللہ کی اس وسعت کو اپنے اوپر تنگ کر لیتا ہے اور جو حلال اس کے لیے تھا اسے روک دیتا ہے اس سے اس کے لیے اس کے بعد کی وسعت باقی نہیں رہتی کہ یہ اس سے رجوع کر لے۔ اسی طرح عورتوں کی کم عقلی اور کم دینی کے باعث طلاق کا تمام تر اختیار رب العالمین نے مردوں کو دے رکھا تھا عورتوں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا اگر یہ اختیار عورتوں کو دے دیا جاتا تو دنیا میں ایک فساد قائم ہو جاتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اور مہربانی کے خلاف یہ بات تھی اس سے تو عورت جب چاہتی خاوند بدل لیتی۔ ہاں مرد چونکہ کامل العقل تھے ہوشیار اور سمجھدار تھے اس لیے یہ اپنے اس اختیار کو بر محل اور بوجہ معقول کام میں تب لاتے جب ان کے صبر کا پیمانہ چھلک جائے جبھی اس پر آمادہ ہوتے ہیں باوجود اس کے جب مرد طلاق کا اختیار عورت کو دے دے تو وہ اپنی طلاق کی آپ مختار بن جاتی ہے جب چاہے اپنے تئیں طلاق دے لے اب طلاق اس کے ہاتھ آگئی لیکن شریعت کا کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ خاوند نے اپنے اوپر اس تنگی کو خود ہی لے لیا ہے۔ اپنی قسم سے اور اپنے اختیار دینے سے۔ اسی کی ایک نظیر کوفے کے فقہاء کا پرانا اور نیا قول یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ہر ایک وہ عورت جس سے میں نکاح کروں

اسے طلاق ہے تو اس کے بعد وہ کسی سے نکاح کرنے کے قابل نہیں رہتا یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ تمام اہل کوفہ کا یہی قول ہے لیکن پھر بھی اس سے شریعت کا متغیر ہو جانا لازم نہیں آیا صرف اتنا ہی ہے کہ جس چیز میں اللہ نے اسے گنجائش دی تھی اس نے اسے تنگ کر لیا۔ اسی طرح اگر کوئی کہہ دے کہ جس لونڈی غلام کا میں مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس کے بعد وہ لونڈی غلام کا مالک بن ہی نہیں سکتا۔ اس میں بھی شریعت کو متغیر کر دینا اور اسے بدل دینا لازم نہیں آتا۔

بلکہ اس میں بھی یہی ہے کہ وسعت شرع کو اس نے اپنے نفس پر تنگ کر لیا۔ پس جو بندھن انسان اپنے اوپر باندھ لے اس سے شریعت کی تبدیلی لازم نہیں آتی۔ اگرچہ اسے پھر وہی کرنا پڑے گا جو اس نے کہا ہے مثلاً کوئی شخص ایک ہزار اشرفی میں ایک لونڈی خریدے پھر اس سے اس کے ہاں کوئی اولاد ہو جائے پھر ان دونوں میں ناچاقی ہو جائے تو اب اس کے لیے اسے بدلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اسے اس کے آزاد کرنے میں اسے نکاح کرانے میں روک رکھنے میں ضرر ہے لیکن خواہ مخواہ اسے لیے رہنا ہو گا۔ ایک بات اور بھی ہم کہہ دیں اس قسم میں کبھی اس کی خاص مصلحت ہوتی ہے اور کوئی صحیح غرض ہوتی ہے مثلاً میاں بیوی میں غایت درجہ کی محبت ہے اسے ڈر لگا کہ کسی وقت شیطانی بہکاوے میں آکر میں اسے غصہ میں طلاق نہ دے بیٹھوں یا کہیں طلاق کی قسم نہ کھا بیٹھوں جسے توڑنی پڑے اور اسے طلاق ہو جائے یا کوئی ظالم طلاق پر اکراہ کرے اور ایسے حاکم کے پاس معاملہ جائے جو اس طلاق کو جائز مانتا ہو اور جاری کر دیتا ہو یا کہیں دو جھوٹے گواہ طلاق پر قائم نہ ہو جائیں تو مجھے تو سخت ضرر پہنچے گا اور پھر اس کی جدائی پر صبر نہ ہو سکے گا تو ہماری حسن بھری شریعت نے اس کے لیے ایک ایسا طریقہ بتلا دیا کہ یہ بے خوف اور نڈر ہو جائے اس میں سے کسی بات کا کھٹکا باقی ہی نہ رہے اس میں اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو گا؟ پس یہ تو شریعت اسلامیہ کی خوبی ہے گو اس میں قدرے ضرر ہے لیکن اس ضرر سے بہت ہی کم ہے جو علیحدگی کی صورت میں ہوتا اور یہ عموماً ہوتا ہی ہے کہ کسی بڑے ضرر کو دور کرنے کے لیے تھوڑے سے احتمالی ضرر کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

اس حیلے کے مخالف اور اس طلاق کے واقع کرنے والوں کے جوابات :

تم نے اس مسئلہ کا یہ ولیمہ خوب کیا اور خاصے جعلی شبہ پیدا کر کے لوگوں کو دعوتِ ولیمہ دی لیکن حق تو یہ ہے کہ ان میں ہم نے تو ایک کو بھی سانس لیتا ہوا نہیں پایا۔ سب بے جان مردہ جمع ہوئے ہیں تم نے تقریر تو بڑے مجتہدانہ پیرایے میں کی لیکن افسوس کہ صحت کو پہنچ نہ سکے۔ تم نے مال تو لٹایا لیکن کھوٹے سکوں کی صورت میں۔ تم نے گہنے تو بہت پہنائے لیکن سب اِدھر اُدھر کے ادھار لیے ہوئے تو اچھا ہے کہ لوگ دور سے ہی پہاڑوں کو دیکھیں ورنہ اگر پاس آگئے تو پتھر ہی پتھر نظر آئیں گے اب آپ کے ان مجتہدانہ دلائل کا ایک ایک کر کے جواب سنئے۔ (ا) یہ جو جناب نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس مسئلے کے ماننے والوں کے حق میں بدظنی کی اس سے اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے کوئی گناہ کا گمان ان سے کیا ہے تو یہ تو بالکل غلط ہے معاذ اللہ۔ ہم کسی مسلمان سے بدظنی نہیں رکھتے۔ ہاں بیشک ایسی باتیں آپ کی طرف سے ہمارے حق میں عموماً سرزد ہوتی رہتی ہیں اور اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس مسئلہ میں ہم خطا پر ہیں تو ہم کہتے ہیں یہی آپ اپنی نسبت کیوں نہ سمجھ لیں؟ بلکہ ہر اختلافی امر میں دونوں جانب یہی بات ہوتی ہے۔ چاروں اماموں نے صراحتاً کہا ہے کہ مختلف اقوال میں سے صحیح قول ایک ہی ہوتا ہے نہ کہ سب مختلف اقوال برسرِ حق ہی ہوں۔

(۲) آپ کا یہ فرمان کہ یہ مسئلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں سے آپ نے لیا ہے اس کا جواب دو طرح پر ہے ایک تو یہ کہ اگر صاف لفظوں میں یہی مسئلہ امام صاحب سے صحیح سند سے منقول بھی ہوتا تو کیا ہو جاتا؟ ان کے قول کا مرتبہ دوسرے ائمہ کے قول سے کچھ بھی زیادہ نہیں۔ ائمہ کے اقوال سے حجت نہیں لی جا سکتی بلکہ وہ خود محتاج دلیل ہوتے ہیں پھر امام صاحب کا نام لے دینے سے اس مسئلہ کا کون سا ثبوت ہو گیا جو آپ فخر سے اسے پیش کرتے ہیں اور لو جمہور نے اس مسئلہ میں امام صاحب کا خلاف کیا ہے دوسرا جواب قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ نہ تو آپ نے کھلے لفظ اس مسئلہ پر ارشاد فرمائے ہیں نہ ایسے الفاظ جو اس کے مستلزم ہوں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اس قول کی صحت پر آپ کے الفاظ ہیں اس پر ان کے موافق وہ بھی ہیں جو اس مسئلہ کو باطل کرتے ہیں اس میں اس مسئلہ کی صحت پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہیں نہ یہ مسئلہ اس مسئلہ کی نظیر ہے نہ اس میں طلاق کی سبقت ہے اس کی شرط پر' نہ یہ متضمن محال ہے اس لیے کہ اس کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ جب میری موت میں ایک مہینہ باقی رہے تو تجھے طلاق ہے یہ کلام تو بالکل معقول ہے اس میں کوئی مناقضہ نہیں اس میں تقدیم طلاق زمانہ تعلیق پر نہیں نہ اس کی شرط وقوع پر ہے۔ ہاں جس مسئلہ میں ہمارا تمہارا جھگڑا ہے اس کی نظیر تو یہ قول بن سکتا ہے کہ کوئی کہے جب میں مرجاؤں تو تجھ پر طلاق ہے میری موت سے ایک ماہ پہلے ہی۔ یہ بعینہٖ محال ہے یہی اس کی مثل ہے کہ کہے جب تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو تُو اس سے پہلے ہی تین طلاقوں والی ہے یا کہے تو طلاق والی ہے اوّل سال سے۔

پس مسئلہ شافعی اور چیز ہے اور مسئلہ ابنِ سریج اور چیز ہے اس کی دلالت اس سے بھی ہے کہ امام صاحب نے اس طلاق کو اس عورت پر واقع کی ہے گو وقت تعلیق سے ایک ماہ کے بعد بھی وہ زندہ رہا ہو۔ پس اگر وہ اس قسم کے بعد ہی فوراً مرجاتا تو اس پر طلاق نہ پڑتی اور یہ ایسا ہی ہوتا جیسے یہ کہنا کہ تجھے گزشتہ مہینے میں طلاق ہے اور جیسے یہ کہنا کہ تجھے اس سے پہلے طلاق ہے کہ میں تجھ سے نکاح کروں۔ اس لیے کہ یہ دونوں وقت قابل طلاق نہیں ہیں۔ ایک محل نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرے میں تو قطعاً طلاق نہیں۔ یہ کہنا کہ تو گزرے ہوئے وقت میں مطلقہ ہے یہ یا تو جھوٹی خبر ہے یا باطل انشا ہے۔ گو یہ بھی ایک قول کہا گیا ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کا لفظ کل کا منہ سے نکالنا لغو ٹھہرے گا۔ اس لیے کہ اس نے لفظ طلاق منہ سے نکالا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اس چیز کو ملایا ہے جو اس کے وقوع کی مانع ہے یا مرتفع ہے' بس یہ صلاحیت والی نہیں بلکہ لغو واقع ہو گی۔ اسی طرح اس کا قول کہ تجھ پر طلاق ہے اس سے پہلے ایک طلاق ہے اس میں بھی جو طلاق پہلے کے وصف سے موصوف ہے وہ زمانہ ماضی میں نہیں پڑتی اور نہ وہ اس طلاق کے ڈالنے سے پہلے ہوتی ہے بلکہ اس میں دو طلاقیں واقع کرنا ہے ایک دوسری سے پہلے اس کا ان الفاظ سے پہلے پہلی طلاق کا واقع کرنا ضروری ہے پھر اس کے بعد دوسری کا۔ پس دونوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور واقع کرنے کے زمانے سے ان میں سے کوئی پہلے نہیں ہوئی اور بالفرض تقدیراً ایسا ہوا بھی ہو تو بھی اسے اس محال تعلیق سے کہاں کا تعلق؟ لیکن اب بھی اگر تم انکار پر اڑے رہو اور کہو کہ ابھی کی جاری ہونے والی طلاق پہنچی ہے اسی جیسی اس سے پہلے کی طلاق کے ساتھ اور سبب صرف اس کا یہ کہنا ہے کہ تو مطلقہ ہے اس سے پہلے وہ طلاق جو معلق ہے پہلے کے وصف کے ساتھ وہ اس جاری ہونے والی پر مقدم ہو گئی جبکہ یہ نکاح صحیح تھا۔

اسی طرح انسان کا یہ کہنا ہے کہ جب تجھ پر میری طلاق پڑے تو تُو اس سے پہلے تین طلاقوں والی ہے زیادہ سے زیادہ اس میں بھی پہلی طلاقوں کا اب واقع ہونے والی طلاق پر تقدم ہے لیکن محل میں اس کی برداشت نہیں اس لیے دونوں ایک

دوسری کو روکتی ہیں اور زوجیت عورت کی اپنی حالت پر رہ جاتی ہے۔ اسی لیے اگر اس نے کہا جب تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو تجھ پر اس سے پہلے ایک طلاق ہے یہ بھی صحیح ہو جائے گی اس لیے کہ محل میں دونوں کے برداشت کی قوت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے دو طلاقیں واقع کی ہیں ایک ایک سے پہلے۔ ان میں سے کسی کا واقع کرنا آگے نہیں ہوا۔ نہ شرط ایقاع مقدم ہوئی ہے اس لیے کوئی حرج نہیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے اس کے بعد طلاق یا اس کے ساتھ طلاق یا یوں کہے کہ تجھے دو طلاقیں ہیں ایک ساتھ یا ایک کے بعد ایک تو گو ایک کا دوسرے سے موخر ہونا ایک کا دوسری پر مقدم ہونے کو لازم ہے لیکن یہاں کوئی امر محال نہیں۔ ہاں تمہاری پیش کردہ صورت میں اس پر تین طلاقوں کا پڑنا محال ہے اس کا مقصد باطل ہے اور یہ کہنا اگر بطور خبر کے ہے تو جھوٹ ہے اور اگر انشاء ہے تو منکر ہے۔ اس کا متکلم منکر اور جھوٹ کا کہنے والا ہے۔ رہا معلق کا تین کو پورا کرنے والا ہونا یہاں تمہارے سامنے والوں کے دو قول ہیں جو بیان ہو چکے ہیں اور یہی دونوں وجوہات مذہب احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں ایک یہ کہ یہ تعلیق صحیح ہے اور اس وقت کی دی ہوئی طلاق اور معلق طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ مسئلہ مثل اس کے ہو جائے گا جو شافعی کا قول ہے کہ جب زید مرجائے تجھے اس سے ایک مہینہ پہلے طلاق ہے۔ پھر مہینہ بھر کے بعد وہ مرے تو بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح یہ ہے کہ کہے جب تجھ پر میری طلاق واقع ہو تو تجھ پر اس سے پہلے ایک طلاق ہے پھر ایک زمانہ گزر جاتا ہے جس میں یہ اولیت ممکن ہو جاتی ہے پھر اسے طلاق دیتا ہے تو وہ معلق اس زمانہ میں واقع ہو جاتی ہے اور وہ واقع کرنے سے پیچھے کی چیز ہے پس گویا کہ اس نے کہا کہ اس طلاق کے جاری ہونے پر تو اس سے پہلے کے وقت میں طلاق والی ہے یا اس کا وقوع معلق ہے تو یہ متاخر زمانے میں طلاق دینا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی محال ہے اور معلق واقع نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو طلاق والی ہے زمانہ سابق میں میرے طلاق دینے پر خواہ وہ بے شرط اب ہو خواہ وہ معلق ہو تو نتیجہ اس کا بھی طلاق دینے سے پہلے طلاق کے سابق ہونے کی طرف ہو جائے گا اور واقع کرنے سے پہلے واقع ہونے کی طرف اور یہ ایسا حکم ہے جس میں معلول اپنی علت پر مقدم ہو جاتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس کا قول کہ جب تجھ پر میری طلاق پڑے تو تجھے اس سے پہلے طلاق ہے یا تو اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے واقع کرنے سے پہلے یا یہ ارادہ ہے کہ پہلے کے واقع کرنے سے دوسری بات تو محال ہے اس لیے کہ اس کلام سے پہلے کوئی چیز نہیں اور پہلی بھی اسی طرح محال ہے اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تجھ پر طلاق ہے اس سے پہلے کہ میں تجھے طلاق دوں اور یہ بالکل ہی محال ہے۔ یہ ہے اس مسئلہ کا ہر رخ پر سے پردہ اٹھانا اور یہ ہے اس کی دلیلوں کا جوڑ توڑ اس سے یہ صاف ثابت ہو گیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ اور ہے اور شافعی مذہب والوں کا مسئلہ اور ہے۔

تمہارا یہ قول : کہ حکم کا علت پر مقدم ہونا جائز نہیں ہاں اس کا تقدم شرط پر جائز ہے' الخ' اس کا جواب یہ ہے کہ شرط یا تو مقتضی کا جزو ہو گی یا اس سے خارج ہو گی یہ دونوں قول ہیں لیکن دراصل یہ نزاع صرف لفظی ہے اگر مقتضی سے مراد پورا مقتضی ہے تو شرط یقیناً اس کا جزء ہے اور اگر اس سے مراد وہ ہے جس کا اقتضاء موقوف ہے اس کی شرط کے وجود پر اور مانع کے نہ ہونے پر تو شرط اس کا جزء نہیں لیکن اس کا اقتضاء اس پر موقوف ہے۔ دوسرا طریقہ ان لوگوں کا ہے جو تخصیص علت کے قائل ہیں لیکن اولیٰ طریقہ ان کا ہے جو تخصیص کے مانع ہیں۔ بہردو صورت مشروط کے وقوع سے شرط کی تاخیر محال ہے کیونکہ یہ واقع ہونا بغیر پورے سبب کے ہے شرط اگر مقتضی کا جزو ہے تو یہ بالکل ظاہر ہے اور

اگر وہ اس کے اقتضاء کی شرط ہے تو شرط پر جو معلق ہے وہ اس کے نہ ہونے کے وقت پایا نہ جائے گا ورنہ شرط شرط نہ ٹھہرے گی کیونکہ اس کے بغیر بھی وہ پایا جاتا ہے اگر اس سے پہلے حکم پایا جائے تو لازم آئے گا کہ چیز اس کے پورے سبب سے پہلے ثابت ہو گئی کیونکہ سبب کو پورا کرنے والی چیز شرط ہے تو یہ تو ایسا ہی ہو جائے گا جیسے موثر سے پہلے اثر علت سے پہلے معلول۔ یہ بالکل محال ہے۔ چونکہ تمہارے پاس اس کے جواب کا کوئی حیلہ نہ تھا اور اس کے لزوم کا خود تمہیں علم تھا اس لیے تم بھاگے اور شرط کو صرف علامت کہہ دیا جس کے بعد شرط شرط ہی نہیں رہتی۔ حقیقت شرط ہی باطل ہو جاتی ہے اس لیے کہ علامت دلیل اور معرف مدلول اور معرف میں شرط نہیں۔ نہ ان کے نہ ہونے سے اس کی نفی لازم آتی ہے۔ چیز بغیر علامت اور پہچان کے بھی ثابت ہو جاتی ہے لیکن مشروط بغیر شرط کے ثابت ہی نہیں ہوتا بلکہ موجود بھی نہیں ہوتا۔ تمام عقلمندوں کا اتفاق ہے کہ شرط اور علامت محض میں فرق ہے۔ دونوں کی حقیقت اور حکم الگ الگ ہے گو یہ کہا جا رہا ہے کہ نشان دی ہوئی چیز کے علم میں علامت شرط ہے اور مدلول کے علم میں دلیل شرط ہے لیکن اسے وجود خارجی میں شرط ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ چیز ہی اور ہے اور وہ چیز ہی اور ہے اسے تو ہم بھی مانتے ہیں کہ جب دلیل نہ ہو تو مدلول کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن تم نے کسی عقلمند کو یہ کہتے بھی سنا ہے؟ کہ دلیل کے نہ ہونے سے مدلول کا وجود ہی غارت ہو جاتا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ ہاں اکثر علماء کا قول ہے کہ بلا دلیل حکم شرعی کی نفی ہو جاتی ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ بے شک حکم شرعی کے لیے دلیل شرعی ضروری ہے۔ دلیل موجب ہے ثبوت کی موجب کے نہ ہونے سے موجب کا نہ ہونا ظاہر ہے اسی لیے مشہور مقولہ ہے کہ موجب نہیں تو موجب بھی نہیں۔ لیکن سبب کے اقتضاء کی اپنے حکم کے لیے یہ وہ چیز ہے کہ اس کا اقتضاء بغیر اس کی شرط کے ہوتا ہی نہیں اگر یہاں شرط موخر ہو جائے تو بلا شرط کے اقتضاء رہ جائے گا اور اس سے شرط اپنی حقیقت سے الگ ہو جائے گی جو محال ہے جو صورت تم نے ذکر کی ہے اس میں حکم کی تقدیم اس کے دو سببوں میں سے ایک پر دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے یا اس کی تقدیم شرط پر بعد وجود سبب کے دوسرے طریقے پر یہ نظیر بھی سرے سے غلط ہے یہاں حکم اپنے سبب پر مقدم ہوا ہی نہیں نہ شرط پر مقدم ہوا ہے یہ تو بالکل محال ہے جہاں کہیں ایسے الفاظ فقہائے کے آئے ہیں یقین مانو کہ ان میں قدرے بے پرواہی سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ سال کا پورا ہونا' قسم کا ٹوٹنا' خروج کے بعد کی موت پر یہ شرطیں وجوب کی ہیں۔ ہم وجوب کا شرط پر اور سبب پر مقدم ہونا نہیں کہتے۔ ہم مقدم کرتے ہیں فعل واجب کو۔ واجب کے حکم کا تقدم اور ادائے واجب کا تقدم جدا جدا چیز ہے پس اس میں یا تو آپ کو خود ہی وہم ہو گیا یا دوسروں کو آپ وہم میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ موجب و علت حکم کی شرط کا حکم پر مقدم ہونا ثابت امر ہے عقلاً بھی اور شرعاً بھی۔ ہم نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے اسے اہل لغت کے ظاہری لفظوں سے لیا ہے جو آپ ہم سے اس کی نقل کا مطالبہ کریں بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امرذات شرط کے لیے ثابت ہے۔ اور شرط کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے یہ لغت والوں سے لیا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ دراصل نفس الامر میں ثابت ہے لفظ میں اس کے تقدم تاخر سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ کسی نے کہا تجھ پر طلاق ہے اگر تو گھر میں گھسے اور کہا اللہ تجھے زندہ کرے گا جب کہ تو مرجائے اور کہا کہ نماز تجھ پر واجب ہو جائے گی جب اس کا وقت آجائے وغیرہ یہ سب اقوال برابر کے ہیں سب میں شرط مقدم ہے یعنی طلاق اس وقت واقع ہو گی جب گھر میں جائے نماز اس وقت فرض ہو گی جب وقت نماز آجائے گو یہ چیزیں لفظوں میں پیچھے ہیں۔

آپ کا یہ فرمان کہ احکام اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں آگا پیچھا ان میں ہوتا رہتا ہے یہ تو بے سود ہے کیا اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے؟ کہ احکام کا ترتب ان کے اسباب پر ہے اور موجبات پر سے بھی ہٹ جاتا ہے یعنی حکم بغیر سبب و اقتضاء کے بھی ثابت ہو جائے؟ ہاں دیر سویر ہونا اور منتقل ہونا کسی اور سبب کے قیام سے جس کا اقتضاء بھی ہو یہ بات ہی اور ہے اور اس صورت میں بھی ہمارا قول ٹوٹتا نہیں کیونکہ یہاں ترتب حکم سبب ثانی پر ہے۔ منتقل ہونے سے پہلے اور سبب تھا اب دوسرے سبب نے اسے بدل دیا۔ دونوں جگہ ترتب سبب پر ہے یہ ترتب حکم پر' وہ جگہ میں' اس کی نظیر اس قول سے دینا کہ تجھے طلاق ہے میری موت سے ایک مہینہ پہلے اور اس کی نظیر محسوس میں اس قول سے دینا کہ اگر تو مجھ سے ملے تو میں تیرا اکرام کروں تیرے ملنے سے ایک ماہ پہلے یہ بھی غلط ہے۔ یا مغالطہ ہے کیونکہ یہ طلاق ایک ماہ گزرنے کے بعد پڑتی ہے اس میں ایقاع کا وقوع ثابت ہو جاتا ہے اگر اس سے پہلے ہی مرگیا تو صحیح مذہب یہی ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اس وقت یہ قول ایسا ہی ہو جائے گا جیسے کوئی کہے گذشتہ سال میں تجھ پر طلاق ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ محسوس کی جو مثال دی ہے وہ بے محل ہے۔ طلاق تو ایسا ہی حکم ہے جس کے وقوع کی تقدیر قبل از موت ممکن ہے اور اکرام محسوس فعل ہے اس میں مقدر ماننا ہو نہیں سکتا یہ تو وقوع سے ہوتا ہے۔ یہ فرمانا کہ کوئی کہے میری طرف سے اپنے غلام کو آزاد کر دو یہ تو خود آپ کے اوپر ہماری حجت ہے کہ ملکیت مقدر پہلے سے مان لی گئی پھر آزادگی ہوئی جو اس کا اثر اور موجب ہے اور جس کی شرط ملکیت تھی۔ اگر شرط کو موخر کرنا جائز ہوتا تو آزادگی کے بعد ملکیت مقدر کی جاتی جو محال ہے پس ثابت ہو گیا کہ اسباب و شرائط کا مقدم ہونا واجب ہے برابر ہے کہ وہ محقق ہوں یا مقدر ہوں۔ آپ کا یہ فرمان کہ یہ تعلیق شرط و مشروط کو شامل ہے اور شرطیہ قضیہ کبھی تو وقوع کے لیے ہوتا ہے کبھی نفی شرط و جزا کے لیے وغیرہ' الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی غلطی یا مغالطہ دہی ہے۔ قضیہ شرطیہ وہی ہے جس کے دونوں جزؤ میں ربط صحیح ہو سکتا ہو۔ خواہ وہ دونوں جزؤ ممکن ہوں یا ممتنع ہوں اس کے شرطیہ ہونے سے اس کے دونوں جملوں کا ایک ساتھ سچ ہونا ضروری نہیں۔ اعتبار ان کے اپنے اندر سچ ہونے کا ہے اسی لیے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (انبیاء: ۲۲) بہترین سچا کلام ہے لیکن دونوں خبر ممتنع ہیں۔ باوجودیکہ آپس کے تعلق میں صدق ہے ایک کا ملزوم دوسرا یقیناً ہے۔ اسی تلازم کی وجہ سے یہ قضیہ بنا ہے۔ معبودوں کی زیادتی آسمان و زمین کے فساد کی مستلزم ہے۔ پس اللہ کے ساتھ دوسرے کا ہونا ملزوم ہے۔ زمین و آسمان کے بگڑنے کا اور فساد اسے لازم ہے جب لازم نہیں تو ملزوم بھی نہیں پس شرطیہ بن گیا۔ دونوں مفرد کے بغیر' لیکن جس مسئلہ میں ہم ہیں وہ خود اپنے اندر بھی سچ نہیں بلکہ خود وہ شرطیہ غلط ہے اس میں تلازم ہے جاری ہونے والی طلاق اور اس سے پہلے کی تین طلاقوں میں اور یہ خبر ہو تو جھوٹ ہے اور انشاء ہو تو باطل ہے پس شرطیہ بن ہی نہیں سکتا کسی وجہ سے یہ جملہ صحیح ہوتا ہی نہیں کہاں تو شرطیہ صادقہ جس کے دونوں جزء ناممکن ہوں؟ اور کہاں یہ جس کے دونوں جز سے شرطیہ بنتا ہی نہیں اس لیے کہ وہ دونوں آپس میں متلازم کہاں؟ آپس میں ایک دوسرے مناقض ہیں اب تو غالباً آپ کی سمجھ بھی روشن ہو گئی ہو گی؟

تمہارا یہ قیاس کہ دو طلاقیں معارضہ والی ہیں ایک دوسری سے سبقت لیے ہوئے ہے تو لازم ہے کہ سابق ان میں سے بعد والی کو باقی رکھے جیسے یہ کہنا کہ اگر زید آئے' الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس مثال میں تو یہ صاف ہو گیا کہ پہلے زید آیا عورت کو تین طلاقیں ہو گئیں پھر اس کے بعد عمرو آیا تو یہ عورت الگ ہو کر بالکل غیر بن چکی تھی تو طلاق ثانی نے اپنا محل پایا ہی نہیں یہ تو شرعاً عقلاً لغتاً ہر طرح معقول بات بن گئی کہاں یہ اور کہاں وہ جو شرعاً اور عرفاً محال ہے۔ تعجب ہے کہ ایسی بارد

اور رکیک دلیلیں پیش کی جاتی ہیں حق تو یہ ہے کہ ان بے جان دلیلوں سے ہی تمہارے مسئلہ کی موت ظاہر ہو جاتی ہے۔ **جناب کا یہ نکتہ** کہ اگر ہم ابھی کی جاری کردہ طلاق کو جس میں کوئی تعلیق نہیں جاری کر دیں تو لازم آئے گا کہ اس سے پہلے کی تین طلاقیں بھی جاری کریں' الخ' اس کا جواب یہ ہے کہ خود یہ کلام فی نفسہ باطل ہے۔ جاری کردہ طلاق کو جاری کرنا اس سے پہلے کی تین طلاقوں کے جاری کرنے کو لازم نہیں نہ عقلاً نہ لغتاً نہ شرعاً نہ عرفاً اگر تم کہو کہ یہ شرط معلق ہے تو ہم اس کا باطل ہونا پوری طرح ثابت کر آئے ہیں۔ اب ہوشیار ہو جایئے ہم تمہارے اس نکتہ کو تم پر لوٹاتے ہیں۔ سنئے جب ہم نے آخری طلاق کو جو جاری کی ہے واقع کر دی تو اس سے پہلے کی تین طلاقوں کا واقع کرنا اب ناممکن ہو گیا۔ طلاقیں تین سے زیادہ ہیں ہی نہیں اس طلاق کا سبب تو سامنے آگیا۔ اسے تو وہ واقع کر چکا یہ واقع ہو گئی اب تین واقع ہو نہیں سکتیں یہ نکتہ ہے جو صحیح بھی ہے قریب بھی ہے شرع عقل لغت اور عرف کے مطابق بھی ہے۔ **آپ کی بڑی سے بڑی دلیل کا جواب** بھی لے لو۔ یہ جو تم نے کہا ہے کہ اس نے خود اپنے اوپر تنگی کر لی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ان کے لیے ہے جو اسباب کے شرعاً مالک ہوں۔ یہاں ضروری ہے کہ سبب مقدور شرعی ہو اور جو چیز یہ شخص لایا ہے یہ تو اس کی قدرت سے خارج ہے شریعت نے اسے بتایا بھی نہیں ہے جناب باری نے کب اسے اس کا مالک بنایا تھا کہ یہ ایسی طلاق اب دے جو اس سے پہلے کی تین طلاقوں کے بعد ہو نہ یہ اس کی قدرت میں نہ یہ شرعی امر بلکہ اس کے کلام میں تناقض ہے جو اسے فاسد کر دے گا۔ اس سے شریعت کا تغیر نہ کیا جائے گا۔ اسی سے جو مسائل تم نے ایک ایک کر کے بیان کئے تھے ان کا جواب بھی ہو گیا تاہم تفصیل وار جوابات سنئے۔

تین طلاقوں کا اختلاف :

(۱) تین طلاقیں ایک ساتھ دینا' الخ۔ یہ خود محتاج دلیل ہے نہ کہ دلیل ہو۔ اس میں چار اقوال ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہو جائیں گی۔ دوسرا یہ کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ ہو گی۔ (یہ صرف ساتوں فقہاء سے ہی معروف ہے) تیسرا قول یہ کہ اس سے صرف ایک ہی طلاق ہو گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے زمانے کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم امام محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ حارث عکلی وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے۔ مذہب مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے جسے تلمسانی نے شرح تفریع ابن الحلات میں بیان کیا ہے۔ مذہب احمد کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اسی کو شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو تو یہ ایک ساتھ کی تین ایک ہیں اور اگر عورت مدخولہ ہے تو تین ہی ہیں۔ یہ ہے اہل خراسان کے امام وقت اسحٰق بن راہویہ کا مذہب جو امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے ہم پلہ تھے۔ سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہاں ایک پانچواں مذہب بھی ہے وہ یہ کہ اگر اس نے اسی وقت واقع کر دی ہیں تو یہ ہو جائیں گی اور اگر معلق رکھی ہیں تو واقع نہ ہوں گی یہ مذہب حافظ مغرب امام اہل ظاہر امام محمد بن حزم کا ہے رحمۃ اللہ علیہ۔ تو جانیں کہ جناب ان مذاہب کا اور ان کی زبردست دلیلوں کا کافی شافی جواب دے کر اپنا مذہب اس طرح ثابت کر دیں کہ کسی کو مجال سخن نہ رہے اور ہر ایک اس کی طرف جھک جائے جب یہ ناممکن ہے تو آپ نے ایک اختلافی چیز کو اپنی دلیل کیسے بنالی؟ یہ مناظرہ کا کون سا قاعدہ ہے؟ دلیل میں تو وہ چیز پیش کی جاتی ہے جس کے دلیل ہونے کا اقرار دوسری جماعت کو بھی ہو نہ کہ جو چیز خود محتاج دلیل ہو اسے دلیل کہہ دیا جائے۔ پھر جو لوگ ان تینوں طلاقوں کو تین ہی مانتے ہیں ان کے بھی دو فرقے ہیں ایک تو کہتا ہے

کہ اس کے واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مکلف کو اس کی قدرت تھی اس نے وہ سبب کیا اس لیے اس پر یہ حکم ہو گیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ یہ حرام جیسے حیض میں اور جس طہر میں ملا ہو اس میں طلاق دینا لیکن ہے ممکن۔ پس کہاں تو یہ اور کہاں آپ کا یہ مسئلہ جو ممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ **آپ کی دوسری دلیل کہ خاوند اپنی عورت کے ہاتھ اس کی طلاق کر دے** اس کا جواب کئی کئی طرح پر ہے' سنئے۔ (۱) اسے مالک بنا دینے سے طلاق اس کے ہاتھ سے نکل نہیں گئی بلکہ اسی کے ہاتھ میں ہے جیسے کہ تھی یہ تو اس وقت جب اس کا نام تملیک رکھا جائے اور اگر اسے توکیل کہیں یعنی وکیل بنا دینا تو صاف ہے کہ یہ اسے معزول کر سکتا ہے جب چاہے۔ (۲) یہ مسئلہ سلف و خلف میں اختلافی رہا ہے بعض کا قول ہے کہ عورت کو طلاق کی ملکیت دینی صحیح نہیں' نہ وکالت دینی صحیح ہے طلاق واقع ہوتی ہے اسی کی جو پاؤں تھامتا ہے اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے۔ بعض سلف سے بھی یہ منقول ہے پس خود یہ محتاج دلیل ہے نہ کہ یہ دلیل ہو اسی وجہ سے بعض اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جب طلاق کو عورت کے کسی کام پر معلق رکھے تو اس کے خلاف سے وہ مطلقہ نہ ہو گی اس لیے کہ رب العالمین نے طلاق کی ملکیت خاوند کو دی ہے عورت کو نہیں دی اس کے فعل سے طلاق کا ہونا طلاق کی ملکیت اس کی طرف ہو جانا ہے کہ اگر وہ چاہے بیوی بنی رہے اگر چاہے الگ ہو جائے۔ یہ طریقہ طریقہ شرعیہ کے خلاف ہے۔ تعلیق طلاق بالشرط کے اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے جیسے کہ بیان گزر چکا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لغو و باطل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کے صاحبزادے ابو عبدالرحمٰن کا مذہب یہی ہے۔ اہل ظاہر کا قول بھی یہی ہے۔ (۳) یہ موجب ہے وقوع طلاق کا وقوع صفت کے وقت خواہ یہ قسم ہو خواہ صرف تعلیق ہو چاروں اماموں اور ان کی جماعتوں کے نزدیک مشہور یہی ہے۔ (۴) اگر یہ صیغہ تعلیق سے ہے تو لازم ہے' صیغہ قسم کے ساتھ ہو تو لازم ہے' التزام کے صیغے سے ہو تو لازم نہیں بجز اس کے کہ نیت بھی ہو۔ ابو المحاسن رویانی وغیرہ کا مختار یہی ہے۔ (۵) اگر صیغہ تعلیق سے ہے تو واقع ہو جائے گی اگر صیغہ قسم یا التزام سے ہے تو واقع نہ ہو گی گو نیت بھی ہو۔ (۶) اگر شرط و جزا مقصود ہے تو واقع ہو جائے گی اگر مقصود نہیں صرف قسم کھائی ہے منع شرط و جزا کے مقصد سے تو واقع نہ ہو گی نہ کفارہ آئے گا۔ بعض اصحاب احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہی ہے۔

(۷) اسی طرح گر کفارہ آئے گا جبکہ بطور قسم کے ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار یہی ہے اس سے پہلے کا مسئلہ آپ کے بھائی صاحب کا پسند کردہ ہے۔ پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی حکایت کی جاتی ہے کہ جب وہ اسے توڑ دے تو طلاق لازم نہ آئے گی۔ وہاں ہم نے الفاظ بھی بیان کر دیئے ہیں الغرض یہ دلیل بھی بودی ہے اور توڑنے سے ٹوٹ گئی۔ **کیا ہی اچھی دلیل دی ہے** کہ فقہاء کوفہ کے نزدیک تعلیق طلاق نکاح کے ساتھ درست ہے' الخ۔ ہم کہتے ہیں پھر اسے مانا کس نے تمام فقہا نے اس کا خلاف کیا اور حنفیوں کے اس ناروا' ناواجب اور نالائق مسئلہ کی تردید کی اور کہا کہ اس سے تو نکاح کے دروازے ہی بند ہو جائیں گے۔ خود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا خوب رد کیا اور بہت سی دلیلوں سے۔ مزہ تو یہ ہے کہ خود جناب بھی اس مسئلہ کے منکر ہیں حنفیوں کو خوب جھاڑتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محل طلاق بغیر طلاق کہاں سے ہو جائے گی؟ کہ کہہ دے کہ جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے۔ جب اسے جاری طلاق کا اختیار نہیں تو معلق کا کیسے ہو گیا؟ دونوں کے لیے محل طلاق کا ہونا ضروری ہے اور یہاں محل طلاق ہے ہی نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں مسئلے یعنی ان کا یہ مسئلہ طلاق اور آپ کا وہ مسئلہ طلاق یکساں ہیں۔ ایک سے نکاح کے دروازے بند ہوتے ہیں دوسرے سے طلاق کے اختیارات چھن جاتے ہیں۔ حنفیوں کے اس مسئلہ کو نہ مان کر جو جوابات تم انہیں دیتے ہو وہی ہماری طرف سے

اپنے اس مسئلے کے جوابات سمجھ لو۔ شافعیہ کی دلیلوں کا حنفیہ کے مقابلے میں خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ محل نہ ہونے کی وجہ سے یہ لغو و باطل ہے منعقد نہیں ہوتی پس ہم شافعیہ کو کہتے ہیں کہ تمہاری یہ طلاق بھی محل کے باہر ہے ایک طلاق اب دینا تین پہلے کی طلاقوں سمیت محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو و باطل ہے منعقد نہیں۔

آپ کا چوتھا نقض کہ کوئی کہے جس لونڈی غلام کا میں مالک بنوں آزاد ہے' الخ۔ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ تعلیق بھی صحیح نہیں دوسرے یہ کہ صحیح ہے لیکن طلاق میں اور اس میں فرق ہے۔ غلام کی ملکیت کبھی اس لیے بھی مشروع ہے کہ اس پر سے اپنی ملکیت ہٹالے یا تو نفس ملکیت سے ہی۔ جیسے کسی ذی محرم رشتے دار کی خرید یا اختیار آزادگی ہے جیسے کفارہ میں دینے کے لیے یا قربت الٰہی کے لیے برخلاف اس کے نکاح ہے کہ وہاں زوال ملکیت جماع مقصود نہیں نہ شرعاً نہ عرفاً پس دونوں میں فرق ہے یہ بات کہ اس نے اپنے اوپر تنگی کرلی اب یہ مالک غلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ بات اس کے مقصود میں تھی یا یہ بطور قسم کے ہے اگر مقصود ہے تو یہ کار ثواب کر رہا ہے جیسے کوئی شخص ہمیشہ کے لیے روزہ رکھنا لازم کرلے اور اگر بطور قسم کے ہے تو اس کی وسعت اب بھی نہیں گئی۔ کفارہ قسم ادا کرلے اور لونڈی غلام جتنے چاہے رکھ لے جیسے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ **پانچواں نقض** ان کا کہ ہزار دینار سے لونڈی خریدی اسے اولاد ہو گئی' الخ۔ یہ بھی فاسد ہے یہ رقم تو گویا ایسی ہی ہے جیسے کسی نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے مزے کے لیے اپنی تمام دولت لٹا دی پھر پچھتاتا ہوا بیٹھ رہا اپنی پوری رقم لگا کر کسی اونچی جگہ شادی کر دی اب بھٹے بھونتا رہ گیا۔ پس اسے اس سے کیا نسبت؟ کہ ایک عورت گلے کا ہار اور مصیبت کا جنجال بن کر عمر بھر کے لیے بھتنی کی طرح چمٹ گئی۔ غرض و مصلحت محبت وغیرہ کا جو افسانہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی نادر صورتوں کے لیے قواعد و ضوابط مرتب نہیں ہوتے اگر طلاق دینے والوں کے لیے اس میں کوئی عام مصلحت و حکمت ہوتی تو جناب باری مردوں کے ہاتھ میں طلاق رکھتا ہی نہیں عورتوں کو براہ راست سونپ دیتا۔ پس جو حکمت و مصلحت اللہ نے رکھی جو عام ہے وہ تمہاری اس خاص اور صورت سے زیادہ مستحق رعایت ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ بے جان ذرا سی اور نادر مواقع کی مصلحت کو سامنے رکھ کر عام اور بہت بڑی اور اہم مصلحت کو نظرانداز کر دیا جائے۔ شرع کا' دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ ہمیشہ بڑی اور عام مصلحت کو سامنے رکھتی ہے۔ بالفرض کوئی ادنیٰ اور دور کی مصلحت اس سے فوت بھی ہو جائے تو ہو جائے۔ اسی طرح دو فسادوں میں بھی یہی درجہ قائم کیا جاتا ہے اسی کے مطابق ہم اس مسئلہ میں بھی کہتے ہیں کہ خاوند کو طلاق کا مالک رکھنا ہی بڑی مصلحت ہے اور اسے روک دینے میں بڑا فساد ہے۔ شریعت الٰہی عدل و انصاف' حکمت و مصلحت سے پر ہے وہ سراسر رحمت ہے عبث سختی اور ظلم اس کے خلاف میں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

"ہم نے اس مسئلہ میں قدرے بسط و تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ تمام حیلوں کی اصل ہے۔ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔"

مقصود اس بیان سے یہ تھا کہ حیلے باطل ہیں یہ قواعد شرع اور اصولِ ائمہ کے مطابق نہیں ان میں کے اکثر حیلے مقلدوں نے آپ تراش لیے ہیں۔ ائمہ کرام ان حیلوں کی ایجاد اور ان کی تعلیم اور ان کے جواز سے مبرا ہیں۔ "اب ہم پھر اپنے اصلی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔"

(۱۸) قسم ٹوٹنے سے بچ جانے کے لیے خلع کا حیلہ : باطل حیلوں میں سے ایک حیلہ قسم کے ٹوٹنے سے بچاؤ کا

خلع کے ساتھ ہے کہ پھر جس کام پر قسم کھائی ہے کر لے پھر نکاح کی طرف لوٹ آئے یہ حیلہ شرعاً باطل ہے اور تمام شہروں کے ائمہ کے اصول پر بھی باطل ہے۔ شرعی بطلان کی دلیل تو یہ ہے کہ یہ خلع وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے مشروع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے لیے یہ حق نہیں رکھا کہ جب وہ چاہے فسخ نکاح کر لے اور وہ لازم ہو جائے ہاں اسے طلاق کا حق دیا ہے فسخ تو بوقت جھگڑے اور آپس کے بغض و بیر کے ہے' جبکہ دونوں کو اللہ کی حدوں کے قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو تو ان کے لیے یہ قاعدہ رکھا کہ عورت فدیہ دے مرد لے لے اور دونوں الگ ہو جائیں۔ (البقرۃ : ۲۲۹) قرآن کا یہی حکم حدیث میں بھی دوہرایا گیا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں' تابعین کے زمانے میں کبھی کوئی خلع بطور حیلے کے نہیں ہوا بلکہ تبع تابعین کا زمانہ بھی اس سے پاک ہے۔ چاروں اماموں میں سے بھی کسی سے یہ چیز منقول نہیں کہ انہوں نے اپنے لفظوں میں اسے قسم توڑنے کا بچاؤ مقرر کیا ہو ان کی کامل فقہ کا اقتضاء بھی یہی تھا رحمہم اللہ۔ خلع کو شارع نے تو علیحدگی کا مقتضی بنایا تھا تاکہ عورت کا مقصود حاصل ہو وہ فدیہ اور بدلہ دے کر اپنے آپ کو اس کی قیدوبند سے چھڑا لے یہ قصد اس کا اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ خاوند کو اب اس پر کسی طرح کا اختیار نہ رہے پس جب یہ حاصل ہو جائے پھر وہ کام کرے جس پر اس نے قسم کھائی ہے تو یہ اس حال میں واقع ہو گا کہ یہ عورت اس کی بیوی نہیں تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ ظاہر ہے کہ اس کا حاصل ہونا تابع ہے علیحدگی کے اور وہ تابع ہے عورت کے قصد کے جب اس سے خلع کیا۔ اس لیے کہ اپنی قسم کے خلاف کرے تو ان دونوں کا قصد علیحدگی کا نہ رہا بلکہ قسم کی زد سے بچنے کا قصد ہوا اور یہ حاصل ہوتا ہے جدائی سے یہ نہیں کہ ان کا مقصود خلع سے وہ خلع ہو جسے اللہ اور رسول ﷺ نے مشروع کیا ہے یہ تو حیلہ ہے اس میں جدائی اور علیحدگی بوجہ قسم سے پار ہونے کے ہے اور یہ بسبب علیحدگی کے ہے۔

پس عقد خلع فی الواقع نہ تو مقصودِ مرد ہے نہ مقصودِ عورت۔ سچ تو یہ ہے کہ پوری شرع میں آپ ایک عقد بھی ایسا نہ پائیں گے کہ عقد کرنے والے دونوں میں سے کسی کا وہ مقصود ہی نہ ہو۔ دراصل یہاں تو جو مشروع ہے اس کے خلاف اس کا مقصود ہے۔ شارع علیہ السلام نے تو اسے عورت کے چھٹکارے کی شکل رکھی تھی لیکن حیلہ کرنے والا اسے اور پھانسنے کی شکل بنا لیتا ہے۔ قصد شارع علیہ السلام خلع سے نکاح کے رشتے کو توڑ دینا تھا اس حیلہ جو کا قصد رشتہ نکاح کو باقی رکھنے بلکہ دوام دینے کا ہے۔ پس اس فرق کی وجہ سے یہ حیلہ باطل ہے اور محض باطل ہے۔

ان ناپاک حیلوں سے اماموں کی برأت :

متاخرین مقلدین نے اس قسم کے جتنے بھی ناپاک حیلے ایجاد کیے ہیں ان میں سے ایک حیلہ بھی ائمہ کرام سے منقول نہیں۔ یہ مقلدین انہیں اپنے اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی غلطی پر غلطی ہے بلکہ یوں کہئے کہ ان حیلوں کے مروج کرنے کا ایک حیلہ یہ بھی ہے۔ یاد رکھو مقلدو! قیامت کے دن تمہارا دامن ہو گا اور ان ائمہ کرام کا ہاتھ ہو گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی سیرت سے جو لوگ واقف ہیں آپ کی فضیلت و مرتبہ جن پر ظاہر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امام صاحب حیلوں سے بہت دور تھے' نہ وہ حیلے کرتے تھے' نہ کراتے تھے' نہ بتلاتے تھے' نہ فتوے دیتے تھے بلکہ یہ سب چالیں ان ائمہ کے مقلدین کی ہیں مشرقی لوگوں سے اُنہوں نے حیلے سیکھے اور اپنے اپنے مذہب میں داخل کیے اور اپنے ائمہ پر طوفان باندھا۔ امام صاحب عقود کو ظاہر پر جاری کرتے تھے عقد کرنے والے کی نیت و قصد کو نہیں دیکھتے تھے لیکن یہ تو ناممکن ہے اور بالکل ناممکن کہ وہ لوگوں کو جھوٹ' فریب' مکر اور حیلے سکھائیں۔ بے حقیقت بلکہ باطل چیزوں کا فتویٰ دیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ امام

صاحب تو کیا جس کے دل میں دین کی، علمِ الٰہی کی، شریعت کی کچھ بھی قدر ہو گی جسے دین کی ذرا سی ہوا بھی لگی ہو گی ناممکن ہے کہ ان گندے حیلوں کو وہ جائز، مباح اور شرعی فتویٰ کہے۔ شافعیو! یاد رکھو اگر تمہیں اس سے دھوکہ لگتا ہو کہ امام صاحب صرف ظاہر کو دیکھ کر بیوپار تجارت کے جائز ہو جانے کا فتویٰ دیتے تھے نیت و قصد کو نہیں دیکھتے تھے تو یہ تمہاری غلطی ہے اس میں اور اس میں جس کی بنا ہی دھوکے اور حیلے پر ہو جس کے باطن کا خلاف ظاہر ہونا صاف معلوم ہو واللہ! امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے ہرگز جائز نہیں مانتے تھے نہ آپ نہ اور کوئی امام۔ ان کی طرف اس کی نسبت کرنے والا وہ ہے جس سے یہ امام قیامت کے دن جھگڑیں گے۔

زیادہ سے زیادہ یہاں اتنا ہی ہے کہ جس طرح حاکم ظاہری گواہوں اور قرینوں کے مطابق فیصلہ کرتا ہے گو باطن میں وہ جھوٹے ہوں لیکن ان کا جھوٹا ہونا اسے معلوم نہ ہوا ہو۔ اسی طرح ائمہ ظاہری عقدوں پر فتویٰ دے دیتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے مقلدین یہ دلیل نہیں لے سکتے تھے کہ نرے حیلے بھی ظاہرداری پر محمول ہو کر فتویٰ حاصل کر لیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے حاکم پر گواہوں کا جھوٹا ہونا کھل جائے وہ یہ جان لے کہ جو یہ کہتے ہیں غلط ہے یہ بنا کر پیش کیے گئے ہیں اصل واقعہ کی کوئی حقیقت نہیں پھر بھی وہ یہی فیصلہ کرے انہیں عادل اور سچا کہے۔ عین سونے چاندی کی بیع کا جواز جو امام صاحب کی طرف ہے اس کی حقیقت بھی صرف اتنی ہی ہے کہ امام صاحب نے سودا اس کے ہاتھ بیچنا جس سے خریدا ہے جائز بتلایا ہے کیونکہ اصل میں مسلمانوں کی بیع جائز ہے اور وہ مکروفریب، دھوکہ دھی سے پاک ہے۔ لیکن اگر کوئی امام صاحب سے پوچھتا کہ لین دین کرنے والے دونوں نے پہلے سے طے کر لیا ہے کہ ہزار دو اور بارہ سو لو۔ سودے کو تو صرف ایک ظاہری ٹٹی بنا رکھی ہے تو قطعاً آپ اس کا انکار کرتے اور سختی سے اسے روکتے۔ امام صاحب کے ساتھیوں کو دیکھو کہ وہ حیلوں کے فتوے دینے والوں کو نہایت ملامت کرتے تھے اور ان کا خلاف کرتے تھے۔

برأت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ : امام ابوعبداللہ بن بطہ فرماتے ہیں میں نے امام ابوبکر آجری سے منزل مکہ میں پوچھا کہ اس خلع کا فتویٰ کیسا ہے؟ ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے گا اگر کرے تو اس کی بیوی پر طلاق ہے پھر اسے وہ کام کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو اسے اس حیلے کے کر لینے کا فتویٰ دیا جاتا ہے کہ تو اپنی بیوی سے خلع کر لے پھر جس کام پر تو نے قسم کھائی ہے اسے کرگزر پھر اس عورت کو لوٹا لے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ تین طلاقوں کی بابت کیا ہے؟ اور میں نے ان سے کہا کہ ایک قوم فتویٰ دیتی ہے کہ جس شخص نے بیعت کی قسمیں کھا کر پھر اس قسم کو توڑ دیا تو کہتے ہیں کہ اس پر کچھ نہیں ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اس قسم کو توڑ دیا تو اس پر کچھ نہیں۔ یہ فتویٰ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تو امام ابوبکر نے میرے ان دونوں سوالوں سے سخت تر تعجب کیا پھر فرمایا کہ میں نے تو جب سے علم سیکھا ہے اور کچھ بولنے اور فتوے دینے کے قابل ہوا ہوں کبھی بھی ان مسئلوں میں سے کسی کا فتویٰ نہیں دیا میں نے امام ابوعبداللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ سے ان دونوں مسئلوں کی بابت سوال کیا تھا تو انہوں نے بھی سخت تعجب کیا ان پر جو ان کا فتویٰ دیتے ہیں پھر مجھے ان کا جواب دیا جو میں نے لکھ دیا پھر کھڑے ہو کر کتاب احکام الرجعت والنشوز نکالی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس کی پشت پر امام ابوبکر کے اپنے دستخط تھے اس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے ابوعبداللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک شخص تین طلاقوں کی قسم کھاتا ہے کہ فلاں کام نہ کرے گا پھر چاہتا ہے کہ اسے کرے تو میں نے سنا ہے کہ اصحاب شافعی کا فتویٰ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے خلع کر لے پھر اس کام کو کر لے تو امام زبیری نے فرمایا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہرگز نہیں نہ ان کا اور کوئی فتویٰ اس مسئلے میں ہے۔

امام صاحب کی طرف اس کی نسبت حیلہ جو لوگ کرتے ہیں۔ یہ واقعہ صاف دلیل ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب کا یہ فتویٰ ہرگز نہیں۔ امام زبیری اس مذہب کے مشہور اور زبردست عالم و امام ہیں۔ ان کا قول ابوبکر کے ہاتھ کا لکھا ہوا صاف موجود ہے اس سے امام صاحب کی برأت بالکل ہو جاتی ہے۔ جب امام صاحب اس حیلے کو جائز نہیں کہتے تو کیسے ممکن ہے کہ صریح سود کے حیلوں کو' حلالہ کے حیلوں کو' زکوٰۃ نہ دینے کے حیلوں کو' لوگوں کے اور اللہ کے حق مارنے کے حیلوں اور اسی طرح کے مختلف حرام حیلوں کو امام صاحب جائز کہہ دیں؟ نعوذ باللّٰہ منہا۔

ائمہ کرام کی نسبت ہمارا صحیح عقیدہ :

دونوں چیزیں ان حیلوں کے سراسر اور یکسر خلاف ہیں۔ مسلمان اللہ کا' رسول ﷺ کا' کتاب اللہ کا' دین الٰہی کا خیر خواہ ہوتا ہے' وہ باطل اور غلط اقوال کو شریعت الٰہی سے چھانٹتا رہتا ہے جو حکمت و مصلحت' رافت' رحمت' عدل کے خلاف ہوتے ہیں لوگوں پر ان اقوال کی برائی اور خلافِ شرع ہونا ظاہر کرتا رہتا ہے اور انہیں دین سے الگ کرتا رہتا ہے گو لوگوں نے انہیں دین الٰہی میں داخل کر دیا ہو۔ اسی طرح جن کے دِل میں ائمہ اسلام کی عزت ہے ان کے مرتبوں سے فضیلت سے اور حقوق سے جو واقف ہیں اور جن کی انصاف کی آنکھیں ہیں نہ تو وہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرح ہر ہر بات میں اطاعت کے قابل جانتے ہیں نہ ان کے تمام مسائل سے روگردانی کر لیتے ہیں۔ ہر قول جس کا واجب قبول ہو وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اور ہر قول جس کا ناقابل قبول ہو ایسا تو شاید کوئی بھی نہ ملے۔ ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اپنی طاقت بھر کوشش کی اپنے علم کے مطابق اقوال بیان فرمائے لیکن یہ امکان ابھی تک باقی ہے کہ حق ان کے خلاف ہو تاہم ان کی توہین و تنقیص کرنی حرام محض ہے۔ جس طرح ان کے تمام اقوال کو درست مان کر ان کی تابعداری ضروری جانی حرام اسی طرح ان سے بغض و بیر باندھ کر ان کی اہانت و حقارت کرنی بھی حرام۔ یہ دونوں راستے ناحق کے ہیں حق کا اور درمیانی اور سیدھا اور صاف اور سچا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ پس ہم نہ تو انہیں گناہگار ٹھہرا کر اس غلط راہ چلتے ہیں نہ انہیں معصوم ٹھہرا کر اس غلط راہ پر لگتے ہیں ہم رافضیوں کی طرح نہیں کہ مدحت علی رضی اللہ عنہ میں مبالغہ کریں اور ساتھ ہی صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کی مذمت میں بھی کسر نہ رکھیں۔ بلکہ ان خلفا کا خود کا جو مسلک تھا ہم اسی مسلک پر ہیں اور جو ان اماموں کا اپنا مذہب تھا ہم اسی پر قائم ہیں۔

ہم سے بڑے یہ امام ہیں اور ان سے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کی جو روش صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھی وہی روش ہماری ان کے ساتھ ہے۔ ائمہ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو محض معصوم جانتے تھے نہ انہیں محض خالی از عصمت اور بالکل خطاکار جانتے تھے۔ اسی طرح ہم ائمہ کے نہ تو تمام اقوال کو برحق مانتے ہیں نہ ہر ایک کو باطل بلکہ جیسے اُنہوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض اقوال لیے بعض چھوڑے۔ یہی روش ہم ان کے ساتھ رکھتے ہیں کہ بعض لیں بعض نہ لیں۔ جہاں تک مخالفت حدیث و قرآن لازم نہ آئے ان کے اقوال لو جہاں مخالفت نظر آئے دامن جھاڑ کر الگ ہو جاؤ۔ یہی روش ائمہ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے کہ نہ انہیں خطا کار مانتے نہ خطاؤں سے پاک۔ نہ ان کے تمام اقوال لیتے نہ سب چھوڑتے۔ مقلد دوستو! جو روش ائمہ نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رکھی وہی روش ہم ائمہ اربعہ کے ساتھ رکھتے ہیں تو تمہاری بھوئیں کیوں تن جاتی ہیں؟ تمہاری زبانیں کیوں کھل جاتی ہیں؟ تمہارے خنجر کیوں نکل آتے ہیں؟ تمہارے فتوے کیوں ابل پڑتے ہیں؟ تمہارے ہاں کفر کے سکے کیوں ڈھلنے لگتے ہیں؟ واللہ! جس کسی کا دِل زندہ ہو گا واللہ! جس کے جثے میں ایمان ہو گا وہ جان لے گا کہ بیشک یہی روش سلامتی والی ہے۔ ہماری اس عادلانہ اور درمیانہ اور سالمانہ اور مصالحانہ روش پر ناک بھوں وہی چڑھائے گا جو

حقیقت شریعت سے اور مرتبہ ائمہ سے نرا جاہل ہو۔ جس کی ہیٹے کی اور چہرے کی پھوٹی ہوئی ہوں ورنہ علمی سمندر کا ایک قطرہ بھی جس کے پاس ہے شریعت سے جسے دور کی شناسائی بھی ہے' نورانیت اسلام کو جس نے کبھی بھی دیکھ لیا ہے اسے تو اس بات کا علم اور یقین ہے کہ بڑے سے بڑے جلیل القدر ستون اسلام سے بھی مسائل شرعیہ میں کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ ہاں وہ اس میں ماذور گنہگار اور قابل سزا نہیں بلکہ ماجور' بے گناہ اور قابل جزا ہے۔ اجتہادی غلطی مجتہد کو معاف ہے ہاں اس غلطی میں اس کی تابعداری حرام محض ہے ساتھ ہی اس کی عزت و حرمت کا ڈھانا بھی حرام قطعی ہے اس کی امامت اس کی بزرگی اور منزلت اپنی جگہ ہے اور خطا کو چھوڑ دینا حکم الٰہی ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا حنفیوں سے مناظرہ :

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کوفے میں تھا حنفی مذہب کا مسئلہ ہے کہ گیہوں کی' جو کی' شہد کی' جوار کی شراب حلال ہے' اس کے پینے والے کو حد نہ لگائی جائے گی۔ اگرچہ نشہ چڑھ گیا ہو اس پر میرا حنفیوں سے مناظرہ ہوا میں نے ان سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک جو دلیل اس کے پاس ہو پیش کرے اُنہوں نے بعض ایسے ہی اقوال غلط سندوں سے پیش کیے۔

میں نے ان کے برخلاف صحیح سندوں سے اس کی حرمت کے اقوال پیش کئے اور انہیں چپ رہنا پڑا۔ اب اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ایسی مختلف فیہ نبیذ کے بارے میں پیش کیا اور اسے تھامے رہے اور اس پر زور دیتے رہے میں نے کہا کہ اس نبیذ یعنی شیرے کے پک جانے اور اس میں جھاگ آجانے کے بعد جو علامت نشہ ہے اس صحابی سے کوئی چیز بہ سند صحیح ثابت نہیں۔ ان سے تو صرف یہی ثابت ہے کہ ان کے لیے سبز ٹھلیا میں نبیذ نہیں بنائی جاتی تھی۔ میں نے ان جائز کہنے والے مقلدوں سے کہا کہ بیوقوفو! مان لو کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ زندہ موجود ہیں اور یہیں بیٹھے ہوئے کھلے لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ یہ حلال ہے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث اس کی حرمت میں اور اس کے پینے والے کے ملعون اور مطرود ہونے میں موجود ہیں۔ ساتھ ہی بیسیوں صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی حرمت منقول ہے اور ان سے اس کے بارے میں سختی اور دھمکی بھی آئی ہے تو بتلاؤ کیا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مانو گے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ اس پر وہ خاموش ہو رہے لیکن پھر ان میں سے ایک اٹھا اور کہنے لگا اے ابو عبدالرحمٰن سن! امام نخعی اور فلاں فلاں سب اسے حرام نہیں کہتے تھے' تو کیا آپ کے نزدیک وہ سب خطا پر تھے؟ اور کیا وہ حرام چیز پیتے رہے؟ اس پر میں نے کہا۔ مناظرہ میں نام گنوا دینے سے کام نہیں چلتا جو اعتراض ہمارا تم پر ہے اگر یہ سب بھی تمہارے قول کے قائل ہوں تو ان پر بھی ہمارا یہی اعتراض ہے یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ جن کے فضائل اور بزرگیاں ہوں ان سے کوئی غلطی نہیں ہوتی؟ ان کے قول پر تو دلیل لانے کی ضرورت رہتی ہے نہ کہ ان کے اقوال خود دلیل کا درجہ رکھتے ہوں۔ اچھا اگر تم اس سے آسودہ نہیں ہوئے تو سنو۔ بتاؤ عطا' طاؤس اور جابر بن زید' سعید بن جبیر' عکرمہ وغیرہ کی نسبت تم کیا کہتے ہو؟ اُنہوں نے کہا یہ سب ائمہ دین ہیں سب بزرگ اور بڑے ہیں سب قابل فخر ہستیاں ہیں میں نے کہا اچھا یہ تو طے ہو گیا اب بتلاؤ کہ ایک درہم کے بدلے دو درہم لینا نقد بہ نقد اس کی بابت تم کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا یہ تو حرام ہے میں نے کہا یہ بزرگ جنہیں تم ابھی بزرگ مان چکے ہو یہ سب اسے حلال کہتے ہیں اب بتلاؤ کیا یہ حرام کھاتے تھے؟ اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا؟ جو جواب تمہارا ان کی نسبت ہو وہی ہماری طرف سے نخعی اور شعبی جواب سمجھ لو' اب تو سب چکرا گئے' لاجواب ہو کر بالکل خاموش ہو گئے اور سب اپنی ہار مان گئے' فالحمد للہ۔

امام معتمر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر میرے والد نے روکا اس پر میں نے کہا کہ حضرت حسن بصری جو پڑھا کرتے تھے اور ابنِ سیرین بھی پڑھتے تھے تو میرے والد صاحب نے کیا ہی پاکیزہ جواب دیا فرمایا بیٹے اگر حسن کی برائیاں تو نے لے لیں پھر ابنِ سیرین کی بھی لے لیں تو تجھ میں دنیا بھر کی برائیاں جمع ہو جائیں گی۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان تمام علماء امت کے نزدیک مسلم ہے جتنے بڑے بڑے جلیل القدر اولوالعزم امام گزرے ہیں جو سابقین اولین میں سے تھے یا جو ان کے بعد کے تھے ان سب کے ایسے بھی اقوال و افعال ہیں جو سُنّت کی روشنی سے محروم ہیں ان میں جو احادیث تھیں وہ ان بزرگوں پر پوشیدہ رہ گئی ہیں اور ان سے ان کے خلاف اقوال و افعال سرزد ہو گئے ہیں۔ امام ابو عمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب استذکار کے شروع میں کہتے ہیں (یہاں اصل میں عبارت منقول نہیں ہے) شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ باب بہت وسیع ہے۔ اگر ائمہ کے اقوال ایسے فراہم کیے جائیں جہاں ان سے غلطی ہو گئی ہے تو یہ بکثرت اور بے حد وحساب ہیں۔ ان اقوال میں ان کی تابعداری ہم پر بالکل حرام ہے۔

تردید تقلید کی آیتیں احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم :

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ یعنی اگر تم میں کسی چیز کا اختلاف رونما ہو تو اسے اللہ کی طرف لوٹاؤ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف۔ امام مجاہد' امام حاکم اور امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جس کا قول نہ لیا جاتا ہو اور نہ چھوڑا جاتا ہو بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپؐ کے سب اقوال و افعال لے لیے جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان تیمی فرماتے ہیں اگر تم نے علماء کی رخصتیں لینی شروع کر دیں تو تم میں تمام برائیاں جمع ہو جائیں گی۔ امام ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بہت سی صحیح احادیث اور اقوال صحابہ اس پر مروی ہیں ہر مسلمان کو اس اصولی مسئلہ سے ہر وقت باخبر رہنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اپنی امت پر میرے بعد تین چیزوں کا سخت خطرہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا عالم کی لغزش و خطا' ظالمانہ فیصلے اور ظالم حاکم اور خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین چیزیں دین کو ڈھا دیتی ہیں' عالم کی خطا و لغزش' منافق کا قرآن لے کر جھگڑنا اور گمراہ کرنے والے امام۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے تم پر بڑا خوف عالم کی غلطیوں کا اور منافق کے قرآن سے جھگڑا کرنے کا ہے۔ قرآن پر ایسے مینار ہیں جیسے راستوں پر نشان ہوتے ہیں۔

خطبۂ صحابی (رضی اللہ عنہ) :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عموماً اپنے ہر خطبے میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہے' عادل ہے' شک و شبہ والے لوگ ہلاک ہوں تمہارے پیچھے بہت سے فتنے ہیں مال بڑھ جائیں گے' قرآن کھل جائے گا' مومن منافق' عورت بچے' سیاہ سرخ سب پڑھنے لگیں گے' لوگوں کے دِل میں خیالات امنڈنے لگیں گے کہ قرآن سے تو کوئی مرید ہوتا نظر نہیں آتا آؤ کوئی نئی بات ایجاد کریں لوگو! ایسے علماء سے اور ان کی نو ایجاد باتوں سے بچتے رہا کرو یاد رکھو ہر بدعت گمراہی ہے لوگو! ان علماء کی غلطیوں سے دور رہو شیطان عموماً کسی حکیم کی زبان سے ضلالت کا کلمہ نکلوا دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ جاتا ہے۔ حق جس کی زبان سے نکلے پلے باندھ لو حق پر ایک نورانیت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ پڑھے لکھے علماء کی ٹیڑھ پن کیا ہے؟ فرمایا وہ کوئی غلط مسئلہ ایسا کہہ دیتے ہیں کہ لوگ تھرتھرا جاتے ہیں اسے انجان جاننے لگتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کیا کہہ دیا؟ تو ایسے لوگوں کی ایسی باتوں سے دور رہو لیکن ان سے رک نہ جاؤ

ممکن ہے وہ لوٹ آئے حق کی طرف بازگشت کر لے' علم و ایمان اپنی اپنی جگہ قیامت تک قائم رہیں گے ان کا ڈھونڈنے والا انہیں یقیناً حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان تین فتنوں کے وقت تمہارا کیا حال ہو گا علماء کی غلطیاں' منافقوں کا آیات قرآن لے کر تم سے مناظرے کرنا اور دنیا جس کی طرف تمہاری گردنیں اچکنے لگیں گی۔ سنو میں تمہیں ان تینوں سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دوں علماء کی تقلید ہرگز نہ کرو کہ کہنے لگو ہم تو وہ کریں گے اور کہیں گے جو فلاں امام نے کہا اور کیا ہے۔ ہاں ان کی غلطیوں میں ان سے ناامید بھی نہ ہو جاؤ کہ تم بھی ان پر شیطان کے مددگار بن جاؤ۔ منافقوں کی قرآن کی تاویل کی طرف مت جاؤ۔ قرآن کے لیے علامتیں ہیں جیسی علامتیں راستوں کی ہوتی ہیں جن کا تمہیں علم ہو انہیں لے لو جن کا علم نہ ہو انہیں انہی کو سونپ دو' جو ان کے جاننے والے ہیں۔ دنیا میں انہیں دیکھو جو تم سے نیچے کے درجے ہیں' انہیں نہ دیکھو جو تم سے زیادہ دنیا دار ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علماء کی غلطیوں پر بھی ان کی ماننے والوں کے لیے ویل ہے وہ کبھی اپنی رائے سے کوئی مسئلہ بیان کر دیتے ہیں پھر انہیں تو کوئی حدیث وغیرہ مل جاتی ہے جس سے وہ اپنی اصلاح کر لیتے ہیں اپنا اگلا قول چھوڑ کر اسے لے لیتے ہیں لیکن یہ مقلد اسی پر اڑ جاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام آثار امام ابو عمرو وغیرہ نے ذکر کیے ہیں۔ اب غور فرمایئے کہ ہم علماء کی غلطی سے اس کی تقلید سے روک دیئے گئے اور اسے زبردست خوف کی چیز بتلائی گئی ساتھ ہی اس سے ہٹ جانے اور آس توڑ لینے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ پس جن کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا گیا ہے ان کی روش یہی ہے کہ جب انہیں کوئی ایسی ویسی بات کسی امام کی پہنچتی بھی ہے تو وہ ان کے مقلدوں تک اسے نہیں پہنچاتے' بلکہ اس سے سکوت کر لیتے ہیں یہ اس وقت جب اس ضعیف اور خلاف قول کی صحت سند بھی ہو۔ ورنہ وہ سرے سے اسے قول امام مانتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ اکثر مسائل جو ائمہ کے بیان کیے جاتے ہیں ان کی دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں اور بہت سے مسائل وہ بھی ہیں جو ان کے قواعد کے ماتحت ان کے مقلدوں نے خود ہی نکال لیے ہیں اور وہ بھی مسائل امام ہی کہلوائے جاتے ہیں' حالانکہ خود امام کے ذہن میں بھی اگر یہ خیال آجاتا کہ میرے اس قول سے میرے بعد والے یہ مسائل نکالیں گے تو وہ ہرگز اس قول کو بھی نہ کہتے۔ علمی قاعدہ بھی یہی ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا۔ ہاں لازم الفاظ حدیث و قرآن حق ہوتا ہے اس لیے کہ شارع علیہ السلام کے اقوال تناقض سے پاک ہیں پس آپ کے فرمان کا لازم سراسر حق ہے۔

اور تو ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی بات کہیں اور اس کے لازم سے بے خبر ہوں بلکہ اگر انہیں اس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اس قول کو کہیں ہی نہیں۔ پس یہ بالکل ناجائز ہے کہ کہہ دیا جائے کہ یہ فلاں امام کا مذہب ہے حالانکہ وہ چیز امام کے لفظوں میں نہ ہو۔ واللہ! مجھے تو یقین ہے کہ اگر ائمہ دین آج کل کے حیلے اور ان سے دین الٰہی کے ساتھ کا کھیل ملاحظہ فرماتے تو صاف لفظوں میں ان کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں جانتا ہوں کہ ہر وہ شخص جسے علم دین حاصل ہے جس کے دل میں وقعت شرع ہے جو اماموں کے مرتبوں سے ان کی فضیلت سے اور ان کی دیانت و علم سے واقف ہے اور ان کے زہد و تقویٰ کو بھی وہ جانتا ہے ہماری اس بات میں ہمارے ساتھ متفق ہو گا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جن بعض علماء نے ان حیلوں کے فتوے دیئے ہیں اور انہیں ان اماموں کے قواعد پر نکالے ہیں انہیں بھی اگر احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے پہنچتے تو یہ بھی اپنے ان فتووں سے رجوع کر لیتے یہ لوگ بھی انصاف پسند تھے اس سے کم درجے کی دلیلوں کو دیکھ کر بھی یہ حضرات اپنے فتووں سے رجوع کر لیتے تھے۔ اس بات پر سب کا اجماع ہے بعض سے صراحت بھی سنئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب صحیح حدیث آجائے میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ یہ گو زبان شافعی کی ہے لیکن قول تمام ائمہ مسلمین کا ہے۔ نیز اس اصول پر بھی ان سب کا اجماع ہے کہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم جو منتشر ہیں وہ بھی نہیں ترک کئے جاتے لیکن انہی حیلوں سے۔ **حیلوں کی حرمت** کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین ان حیلوں کے ایجاد کرنے والوں پر اور انہیں جائز کہنے والوں پر ایسے سخت اور بدتر فتوے نہ دیتے جن میں سے تھوڑے بہت آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ تمام سلف کا اتفاق ہے کہ یہ بدعت اور نوایجاد چیز ہے جو بھی یہ فتوے دے اس کی بات ہرگز نہ ماننی چاہیے' بلکہ اس کے فتوے کی تردید کرنی چاہیے۔ بلکہ یہ بھی حرام ہے کہ کسی کو ہم بتلائیں کہ جاؤ فلاں شخص سے حیلے دریافت کر آؤ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لفظوں میں یہ تمام باتیں فرمائی ہیں اور کسی امام کو اس میں کوئی خلاف نہیں۔ سنو! مکّہ والوں اور کوفہ والوں کی تقلید متعہ کے مسئلہ میں اور صرافی کے مسئلے میں اور نبیذ کے مسئلہ میں ہرگز جائز نہیں۔ بعض اہل مدینہ کی تقلید حیوش کے مسئلہ میں اور عورتوں کی دبر میں آنے کے مسئلہ میں ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ فقہاء اہل حدیث کا فرمان ہے کہ جو شخص وہ نبیذ پی لے جس کے پینے میں اختلاف ہے اسے بھی حد لگائی جائے۔ یہ تو مسئلہ کو غلط کہنے سے بھی زیادہ تشدد والا ہے بلکہ فقہاء اہل مدینہ کے نزدیک وہ فاسق ہو جائے گا اس کی گواہی نامعتبر ہو جائے گی۔

اختلافی مسائل میں بھی اعلانِ حق فرض ہے :

اس سے ان لوگوں کی بات بھی رد ہو گئی جو کہا کرتے ہیں کہ مختلف فیہ مسائل کی تردید اور ان کا انکار نہ کرنا چاہیے۔ ان کا یہ قول بھی ائمہ کے اجماع کے خلاف ہے۔ ائمہ اسلام میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے یہ قول کہا ہو۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص اپنی زنا کی بیٹی سے نکاح کرے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ دیکھئے یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے لیکن امام صاحب نے اس میں اظہار حق کیا اور سخت تر فتویٰ دیا۔ اور لیجئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنی ماں سے اپنی بیٹی سے نکاح کر کے پھر ان سے جماع کرے تو اسے شرعی سزا نہ دی جائے گی۔ شبہ کی وجہ سے اس پر سے حد ساقط کر دی جائے گی۔ لیکن حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں اسے زناکاری کی شرعی سزا دی جائے گی۔ اب خیال فرمائیے کہ جو متعہ کے اور صرافے کے قائل ہیں ان کے پاس تو دلیل حدیث موجود ہے گو وہ منسوخ ہو چکی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ انہیں منسوخ ہونے کی خبر نہ پہنچی ہو۔ لیکن ان حیلہ جویوں کے پاس تو کوئی حدیث نہیں بلکہ اثر صحابی بھی نہیں بلکہ قیاس صحیح سے بھی یہ کورے ہیں۔ یہ بات تو نہایت بری اور بہت ہی باطل ہے کہ مسائل اختلافیہ میں انکار اور تردید نہ کرنی چاہیے۔ سنئے انکار متوجہ ہوتا ہے قول و فتوے کی طرف یا عمل کی طرف پہلی چیز کی بابت ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی قول مخالف سُنّت و اجماع مشہور ہو تو سب کے نزدیک اس کا انکار کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو اس کے ضعف کا اور مخالفت دلیل کا بیان اسی جیسا انکار ہے۔ رہا عمل وہ بھی جب خلاف سُنّت یا خلاف اجماع ہو تو اس کا انکار بھی واجب ہے۔ درجات انکار کئی ایک ہیں ہمیں حیرت ہے کہ ایک عالم کی زبان سے ایسی غلط بات بے تکان کیسے نکل جاتی ہے؟ کہ مسائل اختلافیہ میں ردو تردید نہ کرنی چاہیے حالانکہ ہر جماعت کے فقہاء نے صراحتاً کہا ہے کہ جب حکم حاکم کتاب و سُنّت کے خلاف ہو گو بعض علماء کے فتوے کے مطابق بھی ہو تاہم اسے توڑ دیا جائے گا۔

ہاں جب کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث نہ ہو' اجماع بھی نہ ہو اور اجتہاد کی اس مسئلہ میں گنجائش بھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے پر انکار نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ مجتہدانہ شان سے عامل ہو خواہ اس کے برخلاف ہو بہت ممکن ہے کہ اس قول کے قائل کو دھوکہ یہ لگا ہو کہ اس نے سمجھ لیا ہو کہ مسائل اختلافیہ سب کے سب اجتہادیہ مسائل ہی ہیں۔ تو یہ بھی خلاف واقعہ ہے یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جسے علمی تحقیق کا کوئی حصّہ نصیب نہ ہوا ہو۔ درست بات یہی ہے اور اسی پر ائمہ ہیں کہ مسائل اجتہادیہ پر عمل اسی وقت ہے جب ان کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہ ہو جس پر عمل واجب ہو جیسے صحیح غیر معارض حدیث شریف ایسے وقت اجتہاد کی اجازت ہے کیونکہ دلیلیں صاف نہیں ملتیں یا اس مسئلہ کی دلیلیں مخفی ہیں۔ تاہم یہ خیال رہے کہ کسی کا یہ کہہ دینا کہ یہ مسائل قطعی ہیں یا یقینی ہیں یا ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں اس سے ان پر کوئی طعنہ نہیں پڑتا جنھوں نے اس کا خلاف کیا نہ یہ درست ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اُنھوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف کیا ہے۔

اب میں آپ کو اصل مسئلہ کی دلیلیں دکھاؤں۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں پچھلوں میں تو کیا اگلوں میں بھی خلاف رہا ہے لیکن ہم سب ان میں ٹٹول کرتے ہیں اور حق کو نتھار کر اس کے خلاف کو رد کر دیتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً (۱) یہ مسئلہ کہ حاملہ کی عدت حمل سے فارغ ہونا ہے۔ (۲) تین طلاقوں والی کے لیے دوسرے خاوند کا اس سے مباشرت کرنا بھی اگلے خاوند کے لیے حلال ہونے کی شرط ہے۔ (۳) صرف دخول سے باوجود انزال نہ ہونے کے غسل واجب ہے۔ (۴) زیادتی کا سود حرام ہے۔ (۵) متعہ حرام ہے۔ (٦) نشہ لانے والا ہر ایک شربت خواہ وہ کسی چیز کا ہو حرام ہے۔ (۷) مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ (۸) جرابوں پر مسح سفر میں حضر میں جائز ہے۔ (۹) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں کے اوپر رکھنے سُنّت ہیں نہ کہ دونوں گھٹنوں کے درمیان دے لینا۔ (۱۰) رکوع میں جانے کے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع الیدین کرنا سُنّت ہے۔ (۱۱) زمین میں اور مکان میں شفعہ ثابت ہے۔ (۱۲) وقف صحیح اور لازم ہے۔ (۱۳) سب انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ (۱۴) تین درہموں کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (۱۵) لوہے کی انگوٹھی سے بھی مہر بندھ سکتا ہے۔ (۱٦) تیمم میں صرف ایک ضرب ہے اور پہنچوں تک ہی ہاتھ ملنا ہے۔ (۱۷) میت کی طرف سے اس کے روزے اس کا ولی رکھ سکتا ہے۔ (۱۸) حاجی جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک لبیک پکارتا رہے۔ (۱۹) محرم نے احرام سے پہلے خوشبو لگائی ہو اس کا باقی رہنا حرج نہیں۔ ہاں احرام میں لگانا ممنوع ہے۔ (۲۰) سُنّت یہی ہے کہ دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر۔ (۲۱) بیع میں خیار مجلس ثابت ہے۔ (۲۲) دودھ تھن میں روکا ہوا جانور لوٹا دیا جائے گا اور اس کے دودھ کے عوض ایک صاع کھجوریں دے دی جائیں گی۔ (۲۳) سورج چاند گہن کی نماز کی ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں۔ (۲۴) ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ جائز ہے۔

یہ چوبیں مسائل تو ہم نے صرف نمونے کے طور پر دکھائے ہیں ورنہ ایسے مسائل بے شمار ہیں۔ ان سب میں باوجود اختلاف کے ہم سب ایک کو حق کہہ کر دوسرے کی تردید کرتے ہیں پھر یہ کہنا کہ مسائل اختلافیہ میں انکار اور دو تردید جائز نہیں کس قدر لغو اور باطل قول ہے۔ ائمہ نے ان کے خلاف حکم کرنے والوں کے حکم کو توڑ دینے کا فتویٰ بھی دیا ہے لیکن ہم پھر کہیں گے کہ ان کے خلاف جن ائمہ کا قول ہے ان پر طعن و تشنیع اور ان کی توہین و تحقیر کسی طرح جائز نہیں۔ اس وقت تو ہم صرف اس کے درپے ہیں کہ جس شخص کو کوئی دلیل قرآن و حدیث سے پہنچ جائے اور وہ اسے پس پشت ڈال کر کسی کی تقلید کر کے اس کے خلاف کہتا رہے اس کا کوئی عذر قیامت کے دن اللہ کے سامنے نہ چل سکے گا بری طرح اس کی پکڑ ہو گی

اور سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔ مقلدو! آخر تمہیں یہ جرأت ہوئی کیسے؟ اماموں نے تو اپنی اپنی تقلید سے تمہیں روک دیا ہے صاف فرما دیا ہے کہ حدیث کے خلاف ہمارا قول ماننا سب پر حرام ہے۔ حدیث صحیح مل جائے تو ہمارے قول کی کوئی پرواہ ہی نہ کرو۔ بالفرض اگر اماموں کا یہ فرمان نہ بھی ہوتا تاہم آپ پر بحیثیت مسلمان ہونے کے پہلا فرض یہی تھا۔ بلکہ اگر امام اس کے خلاف بھی کہہ جاتے تاہم شرع اور عقل دونوں کا اقتضا یہی تھا کہ دلیل کی پیروی کی جائے نہ کہ اندھے بن کر کسی کی لاٹھی کا سہارا لیا جائے۔ اس پر ایک نہیں کئی ایک آیتیں قرآن کی اور ایک نہیں کئی ایک احادیث رسول رحمان ﷺ کی اور صحابہ تابعین کے تو بیشمار آثار موجود ہیں لیکن بالفرض اگر ایک بھی نہ ہوتا تاہم ایک مومن کے ایمان کا پہلا سبق یہی ہے ایماندار کو اس کا قطعی اور یقینی علم ہے اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ وہ جان لے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حیلے نہیں سکھائے نہ انہیں اس پر دلالت کی بلکہ اگر آپ کو کسی کا کوئی ایسا فعل معلوم ہوتا تو یقیناً آپ اسے اس سے روک دیتے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے ان کا فتویٰ نہیں دیا۔ نہ کسی نے اس پر عمل کیا نہ کسی نے اس کی تعلیم کی۔ صحابہ کی سیرت اور ان کے احوال کا جنہیں ذرا سا بھی علم ہے وہ قطعاً جانتے ہیں کہ یہ پاک باز گروہ اس حیلہ جوئی سے بالاتر تھا ان کے دین و ایمان اس سے بہت ستھرے تھے کہ مکاری اور حیلہ سازی کو وہ دین سمجھیں۔ میں پھر بھی کہوں گا کہ حقیقت اسلام کا کھلنا اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حیلے حرام ہیں اور یہ سب بند ہیں' جو دین الٰہی نے بھیجا ہے۔ اس کی ضد وہ دین ہے جس میں یہ حیلے ہوں۔

"اب ہم پھر اپنے چھوڑے ہوئے بیان کی طرف آتے ہیں اور حیلوں کا الگ الگ ابطال شروع کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ حیلے قواعد و مصالح و حکمت شریعت کے صریح خلاف ہیں اصول ائمہ کے بھی خلاف ہیں۔"

(۱۹) انسان کا اپنے لیے بعد از موت کے وقف کا حیلہ :

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان نئے نئے حیلوں میں سے ایک وہ حیلہ جس کی حرمت پر ہر جماعت کے فقہاء کا اتفاق ہے یہ ہے کہ ایک شخص اپنی موت کے بعد اپنے اوپر وقف کرنا چاہتا ہے۔ متصل جتوں سے تو اسے یہ حیلہ ساز سکھاتے ہیں کہ تو اقرار کر لے کہ یہ مکان جو تیرے قبضے میں ہے یہ کسی اور نے تیرے لیے وقف کیا ہے پھر اسے وہ شرطیں سکھاتے ہیں جنہیں وہ ناپید کرنا چاہتا ہے پھر وہ اسے اقرار شمار کرتے ہیں اور اسے اقرار میں جھوٹ تعلیم کرتے ہیں اور جھوٹ پر گواہ کرتے ہیں اسے خود یہ فقہاء جانتے ہیں پھر اس کی صحت کے قائل ہیں بھلا اس کی حرمت میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی شک ہو سکتا ہے؟ اقرار تو ایک شہادت ہے جو انسان خود اپنے اوپر دیتا ہے پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اسے جھوٹی شہادت سکھائی جائے اور اس کی صحت کی گواہی دی جائے؟ پھر ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ بھی ہے کہ اگر انسان کا اپنے اوپر وقف کرنا دین الٰہی میں باطل ہے تو افسوس ہے تم فقیہوں پر کہ اس باطل کی حقیقت کو جانتے ہوئے اس کی تعلیم دے رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ دراصل یہ وقف نہیں ہے پھر اس کے جھوٹے انکار سے بھی وہ واقعہ میں وقف نہیں ہوئی۔ پس یہ مال ہر اس شخص پر حرام ہو گا جو قیامت تک اس سے نفع اٹھائے اور اگر یہ وقف صحیح ہے یعنی انسان خود اپنے اوپر وقف کر سکتا ہے تو پھر یہ سارا حیلہ بے حاصل چیز ہے پھر تکلف کر کے جھوٹ کا طومار باندھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ اختلافیہ ہے۔ جب یہ اپنے اوپر وقف کر لے گا تو اس کی صحت کی پوری گنجائش ہو جائے گی تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے وقف کا اقرار بغیر اس سے پہلے کی کسی ایجاد کے یہ تو صریح جھوٹ ہے جو اسے وقف نہیں

کر سکتا۔ جب کہ اقرار کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ پھر تو اس میں یہی بہتر ہے کہ تم اس مفتی کا فتویٰ مان لو جو اسے جائز کہتا ہے نہ کہ ناجائز کہنے والوں کا فتویٰ مان کر پھر حیلے کر کے اسے جائز رکھو۔ جھوٹ کی تلقین کرو اور جھوٹ پر گواہ رہو!

(۲۰) اسی کے ایک اور حیلے کی تردید: کہتے ہیں کہ اگر یوں نہ کرے تو یہ حیلہ کرلے کہ یہ شخص اس چیز کا مالک کسی اور کو بنا دے جس پر اسے بھروسہ ہو پھر وہ اس کی مرضی کے مطابق اسے وقف کر دے۔ مسلمانو! بتلاؤ کیا اس کی قباحت اور اس کے غلط اور باطل ہونے پر کسی عاقل کو کوئی شک شبہ ہو سکتا ہے؟ مالک بنانے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت کو ہٹا کر دوسرے کی ملکیت میں حقیقتاً وہ چیز دے دے اب اس دوسرے کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے یہاں یہ صورت ہی کب ہے؟ یہاں تو اللہ جانتا ہے اس کے مقرر کردہ حافظ فرشتے جانتے ہیں وہاں کی موجود مخلوق جانتی ہے کہ یہ صرف ایک ڈھونگ ہے حقیقت میں اس کی ملکیت ہوئی نہیں۔ نہ اس نے کی نہ اس نے سمجھی۔ یہ تو ایک فرضی چیز ہے ورنہ نہ یہ حضرت ایک درہم اس کو دیوال ہیں نہ ایک پیسے پر اس کی ملکیت سے خوش ہیں نہ اس کے دل میں یہ ہے۔ ان دونوں نے تو پہلے ہی سے طے کر لیا ہے کہ میں یوں کروں گا تو یوں کرنا تاکہ شریعت کو دھوکہ دیں' اللہ اور رسول ﷺ سے بازی کریں اور دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکیں خواہ یہ شرط لفظوں میں طے ہوئی ہو یا حسب دستور دل ہی دل میں طے ہوئی ہو۔ تو یہاں اس دوسرے کی ملکیت ہی فاسد ہے۔ نہ دراصل یہاں کوئی ملکیت ہے' نہ ہبہ ہے' نہ صدقہ ہے' نہ ہدیہ ہے' نہ وصیت ہے' نہ اباحت نہ یہ عمر بھر کے لیے بخشش ہے' نہ دونوں میں سے جو جئے اس کے لیے ہے۔ یہاں تو صرف یہ ہے کہ دو گھڑی کے لیے یہ اپنا سمجھ کر کچھ ہیر پھیر کر کے واپس کر دے۔ کسی چیز کی بلکہ ڈھیر میں سے تنکے کی بھی اس کی ما لکیت نہیں نہ مالیت ہے۔ لفظ بولا جاتا ہے لیکن اس کے معنی کے خلاف قصد رکھا جاتا ہے پھر جسے دیا جاتا ہے اس میں بھی یہی کھوٹ ہے وہ بھی حقیقتاً مالک نہیں بن رہا بلکہ یہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے مذاق کرتے ہیں اس کے رسول ﷺ کی احادیث کو چٹکیوں میں اڑاتے ہیں اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے کھیل کرتے ہیں دین کی باتوں کو مذاق میں اڑاتے ہیں۔ اللہ ہمیں ان حیلوں سے محفوظ رکھے اور تعجب ہے کہ شریعت نے خود ایسے راستے رکھے تھے کہ انہیں ان حیلوں کی ضرورت ہی نہ رہے لیکن یہ حیلہ دوست ان سے بھی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں ہم انہیں اس کے بعد کی فصل میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۲۱) وقف کرنے والے کی شرط کے خلاف اجارہ پر دینے کے حیلے کی تردید: ایک شخص اپنی کوئی جائداد زمین کھیتی باغ وقف کرتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ دو تین سال سے زیادہ کے لیے ایک وقت میں اس کا اجارہ نہ دیا جائے تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ اس شرط کی پابندی نہ کرو اور اسے دس بیس سو پچاس سال کے لیے ابھی ہی اجارہ پر دے کر رقم ساؤنٹی کر لو تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر دو سال کے لیے اجارہ دو پھر دوسری مجلس میں جا کر تین سال کے لیے اور اجارہ دو پھر تیسری مجلس میں اور دو تین سال کے لیے اجارہ پر دے دو یونہی گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں جل فریب کر کے دو سو سال کا ٹھیکہ دے دو۔ تو جائز درست ہے۔ قسم باللہ یہ حیلہ بالکل باطل ہے۔ وقف کرنے والے کی نیت پر چھری پھیرنا ہے۔ اس مسکین نے تو چاہا تھا کہ لمبی مدتوں کے اجارہ میں جو فساد ہوتے ہیں ان سے اپنے اس وقف کو محفوظ رکھے لیکن تم نے ان

فسادوں کو خود دعوت دی۔ واقع میں یہ تو فسادوں اور بربادیوں کی جڑ ہے۔ اس طرح بہت سے وقف پر اجارہ دار خود قابض ہو جاتے ہیں اسے اپنی چیز بنا لیتے ہیں۔ وقف میں سے اسے نکال لیتے ہیں کیونکہ طویل مدت سے وہی قابض ہوتے ہیں وقف کرنے والے کی کئی پشتیں گزر چکی ہیں جو وہ اس وقف کے نام سے بھی ناآشنا ہیں۔ ساتھ ہی اس میں ایک زبردست نقصان یہ بھی ہے کہ چونکہ مدت طویل ہوتی ہے رقم سب اب دینی پڑتی ہے اس لیے روپے کا آنہ بھی نہیں اٹھتا اور خرابی یہ ہے کہ بہت ممکن ہے آگے چل کر اس زراعت کی' باغ کی جائداد کی قیمت بڑھ جائے۔

اجارہ زیادہ ہو جائے' لیکن اس وقف کے متعلقین سب کے سب اس فائدے سے محروم رہ جائیں گے نہ واپس لے سکتے ہیں نہ اجارہ کی رقم بڑھا سکتے ہیں۔ الغرض اس میں بے حد و بے شمار نقصانات ہیں جن کے خوف سے اس نے یہ شرط کی تھی لیکن افسوس کہ تم نے چٹکی بجاتے ہی اس کی مصلحت فوت کر دی اس کی شرط کے خلاف کر کے اسے ایذاء پہنچائی اور اللہ کے ہاں اپنا منہ سیاہ کیا اس سے کیا مسئلہ بدل سکتا ہے؟ کہ ایک جگہ نہیں پچاس جگہ بیٹھ کر تم نے وقف کرنے والے کی شرط کو رگڑ دیا تعجب اور تعجب سا تعجب ہے : فالعظمہ للّٰہ۔ اے مکارو! تم بتاؤ تو سہی کہ کیا کوئی عاقل بھی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ایک کام ایک ہی جگہ تو ناجائز اور وہی کام ادھر اور ادھر جا کر کر لیا تو جائز؟ ایک ساعت میں ہی تم نے ادنیٰ سے حیلے سے ناجائز کو جائز بنا لیا۔ ایک عقد میں حرام اور کئی عقدوں میں حرام کو حلال کر لیا۔ کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ تم نے وقف کرنے والے کی شرط کو پورا کیا اگر تمہیں یہی کرنا تھا تو اچھا تھا کہ کہہ دیتے یہ شرط ہی ناجائز ہے اس لیے اسے توڑ دو اور ایک ساتھ سو دو سو سال کے لیے اجارہ پر دے دو یہ کیا کہ شرط کا توڑنا تو ناجائز ہے لیکن ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جائز ہے۔ یہ ہے باطل در باطل اور قباحت در قباحت اور حرمت در حرمت اور حیلہ در حیلہ تف ہے اس پر۔ یہ حیلہ اللہ کے خلاف ہے' شریعت کے خلاف ہے' وقف کرنے والے کے خلاف ہے' مصلحت وقف کے خلاف ہے اس میں اس صدقہ کو کھو دینا ہے اس وقف کو برباد کر دینا ہے جن پر وقف ہے ان کے منہ سے نوالہ چھین لینا ہے۔ الغرض فساد دنیا کے باعث تمہارے یہ حیلے ہیں۔ اللہ کرے تمہارے پھندے میں دنیا نہ پھنسے ورنہ تمہارے یہ گورکھ دھندے دنیا کے امن کو آگ لگا دیں گے اور دین کے دھندے بند کر دیں گے۔ کسی مفتی کو اس کا فتویٰ دینا جائز نہیں کسی حاکم کو یہ فیصلہ کرنا جائز نہیں جو یہ حکم کرے اس کا حکم توڑ دیا جائے۔ جو یہ بات کہے اس کا منہ سی دیا جائے۔ ہاں جس وقت وقف خراب ہو رہا ہو اس کا نفع بیکار جا رہا ہو اسے طویل مدت کے لیے اجارہ پر دینے میں خود وقف کی مصلحت ہو کہ اس کی آبادی ہو جائے اس رقم سے یہ درست ہو جائے۔ پس پورے وقف کی بقا کے لیے کسی شرط کی بقا نہ بھی رہے تو کیا حرج ہے؟ خیر اور صدقہ تو جاری رہے گا کبھی اجارہ اس سے اچھا رہتا ہے کہ اسے بیچ دیا جائے یا بدل لیا جائے اور کبھی بدل لینا اور بیچ دینا اجارہ سے اچھا رہتا ہے۔ بہرصورت مصلحت وقف چیز ہی اور ہے اور اللہ تعالیٰ مصلحت والے کو اور فساد والے کو الگ الگ بخوبی جانتا ہے۔

ان فقیہوں کی ایک اور کم علمی دیکھو :

یہاں تو انہوں نے وقف کرنے والے کی صریح اور صحیح اور مفید اور مصلحت والی شرط کو حیلوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن ان جگھوں میں جہاں اس کی شرط خلافِ شرع ہوتی ہے' خلاف عقل ہوتی ہے' خلاف مصلحت ہوتی ہے وہاں اس پر جم جاتے ہیں۔ کتاب و سنّت کا خلاف ہو جائے تو ہو جائے لیکن واقف کی شرط کے خلاف کو حرام جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور رسول ﷺ کا فرمودہ وقف کی مصلحت وقف کرنے والے کے ثواب کی زیادتی اس شرط کے خلاف ہوتی ہے۔ اس کی شرط کا فساد اس کا بگاڑ اور اس

کا نقصان ظاہر ہوتا ہے مگر یہ فقیہ صاحب تن کر اڑ جاتے ہیں کہ نہیں صاحب وقف کرنے والے کی شرط کا خلاف ہوتا ہے۔ اب اگر آپ کہیں تو ہم اسے فقہ کی کمی کہیں اور اگر فرمائیں تو فقہ کا فقدان کہیں۔ فقیہو! وقف کے مقصد کو وقف کرنے والے کی شرط کو وقف کے فائدے کو تم نے حیلہ کر کے وقف کی شرط کے خلاف توڑ دیا اور ان شرطوں کو جو وقف کے فساد کی تھیں' مقصود واقف کے خلاف تھیں' فائدہ وقف کے خلاف تھیں' شریعت الٰہی کے خلاف تھیں تم نے وہاں یہی حیلے جاری کیوں نہ کیے ؟ حالانکہ وہاں دنیوی اور دینی ضرورت کا تقاضا یہی تھا تم اس کے عام لفظوں کو خاص کر لیتے۔ اس کے مطلق کو مقید کر لیتے اس کی شرط پر اللہ کی شرط کو مقدم کر لیتے۔ افسوس کہ تم نے وہاں کچھ نہ کیا بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ اللہ کا خلاف کیا اور وقف کو بگاڑ دیا فنعوذ باللہ۔ بلکہ ایسی جگہ تو تم نے صاف کہہ دیا کہ وقف کرنے والے نے جو کہا ہے وہ قائم مقام شارع علیہ السلام کے لفظوں کے ہے کہ اب کوئی تبدیلی کسی طرح کسی ضرورت سے ہو ہی نہیں سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے یہ لفظ اللہ کے دین کے لیے تیر و تلوار سے کم نہیں۔ ناممکن ہے کسی انسان کا کلام الٰہی کے کلام کا درجہ اور مثلیت پا سکے۔ وقف کرنے والے تو اپنی باتوں میں تعارض اور تناقض کر بیٹھتے ہیں ان کی باتیں جب خلافِ شرع ہوں تو انہیں ڈھا دینا' گرا دینا' ساقط کر دینا' برباد کر دینا' لغو کر دینا' باطل کر دینا فرض ہو جاتا ہے پھر ان کی ذرا سی بھی حرمت و عزت کرنا حرام ہو جاتا ہے ان کی مخالفت اس وقت فرض ہو جاتی ہے۔ لازم ہے کہ ایسے موقعہ پر اس کی شرط اس کا کلام توڑ دیا جائے اور اس کام کو کر لیا جائے جو اللہ اور رسول ﷺ کو پسند ہو۔ وقف کے لیے مفید ہو جن پر وقف ہے ان کے لیے بہتر ہو۔ اس کا بیان بھی انشاء اللہ ہم بسط و تفصیل سے کریں گے کہ ان کی کون سی شرطیں باقی رکھی جائیں اور کون سی توڑ دی جائیں اس وقت تو مقصود حیلوں کا باطل کرنا ہے اس کی نسبت ہم پھر سے بحث چھیڑتے ہیں۔

(۲۲) ان حیلوں کی تردید جن سے خلاف قسم کرتے ہیں :

ایک باطل حیلہ ان کا یہ بھی ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کام نہ کرے گا تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کسی سے وہ کام کرا لے گو وہ کام ایسا ہی ہو کہ جسے عادۃً خود کرتا ہی نہیں۔ مثلاً کسی بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ بیوپار نہ کرے گا اس زمین میں کھیتی نہ کرے گا فلاں کو شہربدر نہ کرے گا وغیرہ۔ فرمایئے کیا یہ حیلہ ذرا سی جان بھی اپنے اندر رکھتا ہے؟ کوئی عاقل اسے شرعی امر سمجھ سکتا ہے؟ کیا یہ نرا دھوکہ اور پوری بے ایمانی نہیں؟ یہ تو وہی کرتا ہے جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ بلاشک اس کی قسم ٹوٹ گئی دنیا جانتی ہے کہ یہ وقت قسم ہی وہ جانتا تھا کہ یہ کام میں اوروں سے کرا رہا ہوں اب نہیں کراؤں گا۔ اگر یہ حیلہ بھی کسی نے مان لیا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دنیا سے قسم کا اعتبار اٹھ جائے۔ کسی نے کہا کہ فلاں کا کوئی کاغذ نہ لکھوں گا پھر اپنے منشی سے کہہ دیا کہ تو میری طرف سے لکھ دے کہا کہ واللہ! میں یہ کنواں نہ کھودوں گا پھر مزدور لگا کر کھدوا لیا' واللہ! میں اسے اجارہ پر نہ دوں گا پھر دوسرے سے کہہ دیا کہ میری طرف سے تو اسے اجارہ پر دے دے۔ یہ مسائل ہیں یا مکاریاں ہیں؟

(۲۳) کھانے پینے اور رہنے سہنے کے حیلوں کی تردید :

کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ یہ روٹی نہ کھاؤں گا اس گھر میں اس سال نہ رہوں گا تو اس کا کھانا اور اس گھر میں رہنا ہے تو منع لیکن اگر چاہتا ہے کہ یہیں رہے اور یہی روٹی کھائے یہی کھانا کھائے تو یہ حیلہ کر لے کہ روٹی کھا لے لیکن ایک لقمہ چھوڑ دے کھانا کھا لے لیکن ایک لقمہ چھوڑ دے اس گھر میں رہے لیکن سال میں ایک دن کم ہو

تو رہنا چھوڑ دے سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی بچ جائے گی۔ قسم بھی نہ ٹوٹے گی اور روٹی اور گھر بھی نہ چھوٹے گا۔ دیکھا آپ نے اس مردہ حیلے کو؟ جس کام پر قسم کھائی وہی کیا اور خوش ہو گیا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں یہ حیلہ تو ان کے نزدیک بھی چل نہیں سکتا جو کہتے ہیں کہ حلف اٹھائی ہوئی چیز کا کچھ حصہ کر لینے سے حلف ٹوٹ جاتا ہے نہ ان کے مذہب پر یہ حیلہ درست ہو سکتا ہے جو کہتے ہیں اس طرح حلف کی خلاف ورزی نہیں ہوتی کیونکہ ان کا ارادہ بھی یہ صورت نہیں ان کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ جس کھانے پر قسم کھائی ہے اس کا ایک آدھ لقمہ کھا لے نہ یہ کہ سارا نگل گیا ایک لقمہ چھوڑ دیا اور سرخرو ہو گیا کوئی عالم بھی اس کا فتویٰ نہیں دے سکتا۔ اسے جائز کہہ دینے کے بعد تو شریعت کا کوئی ممنوع کام ناجائز نہیں رہ سکتا۔ یوں تو جس چیز سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہو انسان اسے کر گزرے گا۔ لیکن ذرا سا چھوڑ دے گا قسم کو پورا کرنا اور توڑنا ایسا ہی ہے جیسے اطاعت و نافرمانی' امر و نہی کی۔ اسی لیے جس نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی ہے اس کا ذرا سا حصہ کر لینے سے اس کی قسم پوری نہیں ہوتی جب تک کہ پورا نہ کر لے جیسے کہ اللہ کا حکم پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا فرمایا ہوا پورا کام نہ کرے۔ اسی طرح کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اس کا کوئی جز کر لینا قسم کو توڑنا ہے۔ جس طرح اللہ کی نافرمانی کے کسی حصے کو کر گزرنا اس کی نافرمانی کرنا ہے۔ اے حیلہ ساز فقیہو! احرام کی حالت میں سر منڈوانا منع ہے تو کیا اس کے یہ معنی کہ سارے سر میں سے چند بال نہ منڈوائے باقی منڈوا لے تو درست ہے؟ تمہارا اس قسم کا فتویٰ اور یہ دونوں ایک ہی صورت کے ہیں۔ ظاہری مثال سنئے۔ ایک طبیب نے مریض سے کہا کہ یہ روٹی نہ کھانا' اس نے ساری روٹی کھا لی لیکن ایک نوالہ چھوڑ دیا بتلاؤ اس نے طبیب کا کہا کیا؟ کوئی گھر دار یا حاکم یا مالک اپنے بال بچوں سے' رعیت سے' خادم سے کہے کہ اس ہنڈیا کو نہ کھانا اور وہ کھا جائیں لیکن کونوں کھدروں میں ذرا سا لگا لپٹا رہنے دیں تو بتلاؤ کیا اس نے ان کا کہا کیا؟ جب دنیوی معاملات میں تم ایسے لوگوں سے بگڑتے ہو؟ تو کیا اللہ تمہیں اس میں چھوڑ دے گا؟ جب دنیا کے بڑوں کے احکام کو تم اس طرح پامال نہیں کرتے تو تمہیں شرم نہیں آتی کہ حقیقی مالک اور بڑوں کے بڑے کے حکم کا اس طرح خلاف کرتے ہو؟

(۲۴) ماں کی پرورش سے بچے کو علیحدہ کر لینے کے حیلے کی تردید:

انہی باطل اور حرام حیلوں میں سے ان فقہاء کا چوبیسواں حیلہ یہ ہے کہ اگر باپ چاہتا ہے کہ ماں کو بچے کی پرورش کے حق سے محروم کر دے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر کہیں سفر کو نکل جائے۔ اس حیلے سے مقصود شارع علیہ السلام فوت ہوتا ہے۔ شرع شریف نے ماں کو بچے کی پرورش کا بہ نسبت باپ کے زیادہ حقدار بنایا ہے گو دونوں کے مکان قریب قریب ہوں اور گو ہر وقت ملاقات ہو سکتی ہو۔ جب کہ بچے کا فیصلہ باپ کی طرف ہوا ہو تاہم حکم یہ ہے کہ اس کی ماں سے اس کی جدائی نہ کرائی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی بچے کو اس کی ماں سے جدا کر دے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کو اور جگہ اور اس کے لڑکے کو اور جگہ بیچنے سے منع فرما دیا ہے گو شہر ایک ہی ہو۔ پس جس شریعت میں یہ احکام ہوں کیسے ممکن ہے کہ وہ شریعت اس پلید حیلے کو جائز رکھے۔ جس کے بعد ماں اپنے بچے کی شکل سے ترس جائے اس سے صبر نہ ہو سکے وہ اس جیسی ہو جائے جیسے اس کی اولاد گم ہو گئی ہو۔ یہ تو شرع شریف میں ناممکن اور سخت محال ہے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور فیصلہ ہی زیادہ واجب العمل ہے کہ بچے کی زیادہ مستحق اس کی ماں ہے باپ خواہ سفر

کرے خواہ وطن میں رہے۔ آنحضرت ﷺ کا صاف فرمان ہے جو آپ نے ماں سے کہا تھا کہ تو ہی اس بچے کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو نکاح کرے۔ لیکن اس کے بالمقابل ان فقہاء کا ان قیاسیوں کا ان حیلہ جویوں کا قول ہے کہ تو ہی حقدار ہے جب تک تیرا لڑکا سفر نہ کرے فقیہو! کیا بتلا سکتے ہو کہ کتاب اللہ کی ایک آیت' رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث' کسی ایک صحابی کا کوئی فتویٰ' کوئی قیاس' کوئی مصلحت تمہارے ہاتھ میں ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

(۲۵) ان حیلہ جو فقہاء کے عورت کو میراث سے محروم کرنے کے پچیسویں حیلے کی تردید :

کہتے ہیں کہ جب اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم کرنا چاہے یا اس کی کل مالیت لونڈی غلام ہی ہوں اور ان سب کو اپنی موت کے بعد اصل مال میں سے آزاد کرنا چاہے تو ہے تو یہ حرام لیکن اسے حلال کر لینے کا حیلہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو کہہ دے کہ جب میں اپنی اس بیاری میں مرجاؤں تو تجھے میری موت سے تین ساعت پہلے طلاق ہے اور دوسری صورت میں کہہ دے کہ جب میں اپنے اس مرض میں مرجاؤں تو میری موت سے ایک ساعت پہلے تم سب آزاد ہو اس وقت طلاق اور آزادگی صحت میں واقع ہو گی اس لیے درست ہے۔ نعوذ باللہ یہ حیلہ بھی باطل اور حرام ہے۔ طلاق اور آزادگی کی تعلیق مرض موت میں واقع ہوئی ہے جس کا اثر اس پر سے نہیں ہٹتا اس حالت میں اگر وہ معلق نہ رکھتا بلکہ جاری ہی کر دیتا۔ تاہم آزادگی ایک تہائی سے زیادہ میں نہ ہوتی اور طلاق میراث سے محروم نہ کرتی باوجودیکہ اثر اسی وقت ہو جاتا اور یہ فعل بہ نسبت معلق کے زیادہ قوی ہوتا۔ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ شرط اس کی موت ہے اور وہ بھی اسی بیاری سے جزا اسی پر معلق ہے اور یہ ناممکن ہے کہ جزا شرط سے سبقت کر جائے۔ اس طرح تو شرط اپنی حقیقت اور اصلیت سے ہٹ جاتی ہے اور اس کا محال ہونا ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں۔ آپ اس پر ایک نظر حیلہ سریجیہ کی بحث میں ڈال جائے۔

(۲۶) آدھے دینار کے بدلے پورا دینار لینے کے حیلے کی تردید :

انہی باطل اور حرام حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک دینار ہے لیکن وہ ردی ہے دوسرے کے پاس آدھا دینار ہے اور وہ عمدہ ہے چاہتے ہیں کہ تبادلہ ہو جائے تو ہے یہ حرام لیکن یہ حیلہ کر لیں تو حرمت اٹھ جائے گی یہ اپنا دینار اس کے ہاتھ اس کے ذمے پر ایک دینار میں بیچ پھر بیچنے والا جس دینار کو وہ بیچنا چاہتا ہے نصف دینار میں لے لے دوسرا اس سے اس کے عوض کا دینار مانگے یہ نصف دینار پورے میں دے دے پھر اس سے قرض لے لے تو اس کا اس کے ذمے آدھا دینار رہ جائے گا پھر وہ آدھا دینار اس سے قرض کی برابری کرنے کے لیے لے لے تو نہ کسی کے ذمے کچھ رہا نہ خلافِ شرع ہوا اور نصف اور ایک کا تبادلہ بھی ہو گیا۔

(۲۷) اسی جیسا ایک اور حیلہ :

اگر چاہتا ہے کہ اپنے اُدھار مال کی اصلی قیمت کو ایک دینار کی کر دے جو اسے اور وقت ادا کر دے دراصل ہے آدھا دینار اور چاہتا ہے کہ ایک دینار کا اُدھار اس کے ذمے گیہوں کی بوری میں رہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ یہ اسے ایک غیر معین دینار سونپ دے پھر اس سے نصف دینار لے لے پھر لوٹ کر اس سے قرض لے کر پھر اسے اس قرض کو دے دے تو یہ دونوں الگ ہوں گے تب اس کے ذمے نصف دینار باقی ہو گا۔ یہ حیلہ بھی بدترین قباحت والا ہے۔ اصل مقصود ایک دینار کی نصف دینار سے بیع ہے وہ یقیناً ہوئی ہے اور اصل مال اُدھار مجلس عقد سے مؤخر ہے جو دونوں چیزیں خلافِ شرع ہیں۔ ہاں اتنا انہوں نے ضرور کیا ہے کہ ان دو

گناہوں کے ساتھ ایک اور نافرمانی بھی کر لی ہے کہ صریح سود کو صورت تجارت دے کر مباح کر لیا۔ اسے کوئی عقلمند قرض میں شمار نہیں کر سکتا۔ نہ یہ شرعاً قرض کی صورت ہے۔ بلکہ اسے تو ان دونوں سود خواروں' نافرمانوں' حیلہ جویوں نے حدود اللہ سے کھیلنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ احکام الٰہی کو مذاق بنایا ہے اگر اسے قرض مانا جائے تو بھی اس قرض سے نفع حاصل کیا ہے اور ایسا قرض شرعاً سود ہے اس قرض سے تو صاف صاف سود گھسیٹا ہے اور اسی بنا پر اُدھار کے اصلی مال میں تاخیر کی ہے۔

۲۸ تا ۳۴ سات حرام حیلوں کی تردید جو شریک کو شفعہ سے محروم کرنے کیلئے ہیں : اللہ تعالیٰ رب العزت

نے دو ساجھیوں میں شفعہ کا حق مقرر کیا ہے تاکہ اسے ضرر نہ پہنچے۔ شارع علیہ السلام ﷺ کی اس غرض کو ٹالنے اور اس حکم کا خلاف کرنے کے لیے ان فقیہوں نے بہت سے حیلے نکال رکھے ہیں۔ جن میں سے سات حیلوں کا بیان مع ان کی تردید کے ہم یہاں کرتے ہیں۔ پہلا حیلہ ان کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے پہلے اس سے قیمت چکا لے پھر بوقت عقد قیمت کی رقم بندھی بندھائی سونپ دے۔ شفیع کو معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ کیا دیا؟ اس کا دفعیہ یہ ہے کہ اب بھی شفیع کو یہ حق رہ جائے گا کہ خریدار سے رقم کھلوائے کہ اسے قیمت کی مقدار معلوم نہیں۔ اگر وہ انکار کر جائے تو اس کے خلاف اس کے انکار کی وجہ سے فیصلہ ہو جائے گا اور اگر قسم کھا جائے تو شفیع یہ حصّہ اس قیمت سے لے سکتا ہے۔ دوسرا حیلہ یہ ہے کہ یہ اپنا حصّہ خریدار کے نام ہبہ کر دے پھر خریدار اس کی رضامندی کی رقم اسے ہبہ کر دے اس کا دفعیہ یہ ہے کہ یہ دراصل بیع ہے گو لفظ نہیں کہے اس لیے شفیع کو پھر بھی حق حاصل ہے کہ اسے ہبہ کی ہوئی رقم کے برابر دے دے اور وہ حصّہ خرید لے۔ تیسرا حیلہ یہ ہے کہ اس حصّے کے ساتھ ایک چھری یا ایک رومال کو بھی فروخت کر دے تو اس کی اصلی قیمت مجہول ہو جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بھی شفعہ ساقط نہ ہو گا بلکہ اسی قیمت سے شفیع یہ خرید لے گا ٹھیک اسی طرح کہ یہ دو بدلوں میں سے ایک کا مستحق ہوتا اور خریدار دوسرا لینا چاہتا تو قیمت کے اسی حصّے پر وہ اسے لے لے گا اگر قیمت کے اجزا کی تقسیم ہو جائے ورنہ پوری قیمت پر اس حصّے کا شرعی مستحق یہی ہے۔ شارع علیہ السلام نے شفیع کو بہ نسبت اور خریدار کے زیادہ حقدار بنایا ہے۔ پس حیلے مکر اور فریب سے اس کا حق ساقط نہیں ہو سکتا۔ چوتھا حیلہ یہ ہے کہ بہ ظاہر تو ایک ہزار دینار پر بیچے اور آپس میں طے کر لے کہ ایک ایک دینار کے بجائے صرف دو دو درہم دینا۔ اب شفیع اگر لینا چاہے تو اسے ایک ہزار دینار دینے پڑ جائیں گے اور اتنا مہنگا سودا وہ کرے گا نہیں۔ ہم کہتے ہیں اس سے بھی شفعہ باطل نہ ہو گا۔ وہی ہر دینار کے بدلے دو درہم یہ دے دے اور حصّہ لے لے۔ جو جھوٹ اور بہتان اور مکر انہوں نے ظاہر کیا ہے وہ رد ہے نہ کہ شریعت کا حکم رد ہو جائے اس لیے کہ اگر پھر یہی اس چیز کا حقدار بن جائے تو بائع سے وہ ایک ہزار دینار نہیں لے سکتا بلکہ وہی لے گا جو دیا ہے پس جو یہ اسے دے سکتا ہے وہی شفیع سے لے سکتا ہے۔ یہی وہ عدل ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ لے کر آئے ہیں جو اس کی کتابوں میں ہے اس کے سوائے شریعت آسمانی میں اور کوئی بات نہیں۔ پانچواں حیلہ یہ ہے کہ جس کے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے اس سے پہلے ایک غلام ایک ہزار میں خرید لے پھر اپنا حصّہ اسی رقم پر اس کے ہاتھ بیچ دے۔ حق یہ ہے کہ اس حیلے سے بھی شفعہ مارا نہ جائے گا بلکہ بائع سے مشتری جو لے سکتا ہے وہی شفیع اسے دے گا اور بیچا ہوا حصّہ لے لے گا۔ یعنی غلام کی اصلی قیمت دے دے گا اور حصّہ لے لے گا۔ چھٹا حیلہ یہ ہے کہ ایک ہزار کو ایک سو کے برابر کر لے وہ سو لے لے اور نو سو معاف کر دے۔ ہم کہتے ہیں اس سے بھی شفعہ نہ ٹوٹے گا بلکہ جو حقیقی رقم اس نے لی ہے وہی شفیع دے کر اپنا حصّہ لے لے گا۔ ساتواں حیلہ

یہ ہے کہ خریدار اس حصے کے کسی جز کو قیمتاً خرید لے پھر یہ اسے باقی کے اجزاء ہبہ کر دے۔ ہم کہتے ہیں شفعہ اس حیلے سے بھی باطل نہ ہو گا یہ حیلہ باطل ہو جائے گا اور شفیع اس کا کل حصہ اصلی اس کی لی ہوئی قیمت چکا کر لے لے گا اس ہبہ کی تو کوئی اصلیت نہیں۔ حقائق اور اصلیتیں جنہیں شرع شریف نے مقرر کیا ہے وہ عبارتوں کے متغیر ہونے سے متغیر نہیں ہوا کرتیں۔ مکلف کو یہ اختیار نہیں کہ عقد کے شرعی حکم کو صرف اپنے ظاہری لفظوں سے بدل دے حالانکہ حقیقت ایک ہی ہو بھلا یہ شخص اتنی بڑی چیز تو کیا ہبہ کرتا اس کا ہزارواں حصہ بھی ہبہ کرنا اس کے لیے مصیبت تھا۔ پھر بھلا یہ ہزاروں کا ہبہ تو کیا کرتا؟ اور نہ یہ ممکن ہے کہ خریدار سو درہموں کو لاکھ کے بدلے اس سے خریدے یہ تو نرا پاجی پن ہے اس سے تو صحت عقد بھی مخدوش ہو جاتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب شفعہ کے حیلوں کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نہ یہ جائز ہیں نہ اور کوئی حیلہ جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان حیلوں اور ان جیسے اور حیلوں کی نسبت فرماتے ہیں جو اللہ کو دھوکہ دے گا اللہ اسے دھوکہ دے گا حیلہ صریح دھوکہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے دھوکہ جائز نہیں۔ کتاب اللہ میں اکثر جگہ دھوکہ فریب کرنے والوں اور حیلے حوالے کرنے والوں کی مذمت وارد ہے۔ شریعت نے شفعہ مقرر فرمایا تاکہ شریک اور پڑوسی کو ضرر و نقصان نہ پہنچے پھر اگر اس کے گرانے کے حیلے بھی شریعت نے ہی بتلائے ہوں تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ شریعت ضرر کا دفع کرنا چاہتی ہے اور شریعت ضرر پہنچانا چاہتی ہے پس تم جھوٹے ہو اور شریعت سچی ہے وہ ضرر رسانی کے خلاف ہے۔

(۳۵) قابل تقسیم زمین کو ناقابل تقسیم بنانے کے حیلے کی تردید: اس کا حیلہ ان عقلمندوں نے یہ بتلایا ہے کہ جس پر اس کا دل ہو اس کے نام اپنے ایک لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ وقف کر دے تو اب وقف میں شرکت ہو جائے گی اور تقسیم شرکت کے تابع ہے، لہٰذا باطل ہو جائے گی۔ خیال فرمایئے کہ یہ حیلہ بھی کتنا سرد اور کس قدر فاسد ہے نہ اس سے حق تقسیم ٹل سکتا ہے نہ اس سے وقف کی شرکت لازم آتی ہے بلکہ ایسا کر دینے پر بھی تقسیم کر دی جائے گی اور یہ حیلہ باطل کر دیا جائے گا۔ گو اپنا سارا حصہ وقف کر دے اس لیے کہ تقسیم کوئی بیع نہیں نہ حقیقتاً نہ اسماً نہ شرعاً نہ عرفاً۔ تقسیم کرنے والے کو بیع کرنے والا بھی نہیں کہا جاتا۔ نہ لغتاً نہ شرعاً نہ عرفاً۔ دو شریک جب آپس میں بٹوارہ کرتے ہوں تو نہ اسے بیوپار کہا جاتا ہے نہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی ملکیت بیچ دی، جو فرمانِ شارع علیہ السلام بیوپار کے متعلق ہیں ان میں سے کسی میں تقسیم کرنے والے داخل نہیں۔ ان میں جو شخص تقسیم کرتا ہے نہ تو اس کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے وقف کو بیچ دیا نہ دوسروں کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے وقف کو خرید کیا تقسیم کے لفظ سے بیع ہوتی ہی نہیں۔ اگر اسے بیع کہا جائے تو پھر اس میں شفعہ واجب ہو جائے گا۔ ایک شریک دوسرے کو تقسیم پر مجبور نہ کر سکے گا کسی کے مال کو جبراً کوئی بیع نہیں کرا سکتا۔ پھر تو قرعہ سے نکالنا لازم آئے گا، بخلافِ بیع کے اور جب برابر کے ہوں گے تو ایک کا حصہ جتنا ہو اتنا ہی دوسرے کا ماننا پڑے گا۔ الغرض یہ بیع سے بالکل جداگانہ ہے نام سے بھی حقیقت سے بھی اور حکم سے بھی۔

(۳۶) کھیتی کی شرکت پر حیلہ: ان حنفیوں کو دیکھو واللہ تعجب ہوتا ہے شریعت نے شرکت کی کھیتی کی اجازت دی۔ اُنہوں نے اسے منع کیا پھر حیلے سکھائے کہ زمین مزارع کو دے دے اور آدھی اُجرت پر دے ایک مقررہ مدت تک وہ اس کی کھیتی کرے اپنے بیج پر اور کھیتی والے کی نصف زمین بھی اس مدت میں

وہی بوئے جوتے اور سب کام کرے اب جو اناج نکلے نصف تو مزارع کا ہو نصف زمیندار کا ہو پھر اسے سب کو ملا لیں اور غلہ آدھوں آدھ کر لیں اگر زمین والا دو ثلث غلہ لینا چاہتا ہے تو ایک ثلث زمین بھی وہی تیار کرے پھر دونوں کا اناج نکال لیں اور خلط ملط کر لیں۔ اگر مزارع دو ثلث لینا چاہتا ہے تو دو ثلث زمین کرائے پر دے کہ ایک ثلث مالک کی مزارعت بھی یہی کرے گا پھر اپنا اپنا حصہ لے لیں دیکھو تو یہ کتنے سخت اور کتنے بودے حیلے ہیں انہیں تو یہ لیتے ہیں اور شرعی چیز مانتے ہیں اور شرع کے سچے صحیح اور آسان طریقے کو چھوڑتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے شرکت میں کھیتی کرائی اور وہ اس طرح ثابت ہے کہ گویا ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں' صحابہ کا مزارعت کی شرکت پر اتفاق ہے۔ خلفاء راشدین کا یہ فعل ہے اور بخاری جیسی صحیح تر کتاب میں موجود ہے اس صاف سُنّت کو اور اس آسان چیز کو چھوڑ کر اس دشوار گزار فن فریب کی گھاٹیوں میں پھنسنا تو ایسا ہی ہے جیسے مدینے سے کوئی حج کو نکلے اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر پہلے شام میں جائے پھر عراق آئے پھر اب عراق پر حج کرے۔ سبحان اللہ قریب کا آسان سہل بے خطر راستہ' جس پر رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم تھے اسے تو چھڑواتے ہیں اور وہ طریقہ بتلاتے ہیں جو دشوار گزار ہے' جو پرخطر ہے' جو سخت ہے' جو دور کا ہے جس پر نہ حضور ﷺ کے قدم مبارک کے نشانات ہیں نہ صحابہ کے اہلحدیث دوستو! شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی عظیم الشان نعمتیں بلا شرکت غیرے عطا فرمائیں۔ فالحمدللہ' صحیح اور جائز حیلے بھی آپ جتنے پائیں گے سب میں یہی شان دیکھیں گے اور جب یہ حال ان کا ہے تو سمجھ لو کہ حرام اور باطل حیلوں کا کیا حال ہو گا؟ ان کی مثال تو یہ ہے کہ حج کو جائے اور کعبۃ اللہ کی طرف قدم بھی نہ اُٹھائے۔

۳۷واں حیلہ باپ کا بیٹی کو ہبہ کی ہوئی چیز کے واپس نہ لے سکنے کا: یہ ہے کہ لڑکا اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالے پھر اس سے واپس کر لے اسی طرح عورت جب چاہے کہ آدھے مہر میں خاوند رجوع نہ کر سکے تو اسے بیچ دے پھر لوٹا لے۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی رجوع کا مانع نہ ہو گا' یہاں بھی یہ باطل حیلہ ان فقہاء کا توڑ دیا جائے گا نہ کہ حق فیصلہ شریعت کا۔ عین سے حق غیر کا باطل کرنا معذور ہے اور اس سے حق غیر باطل نہیں ہوتا۔ وہ زوال جو ہٹ جائے مثل زوال نہ آنے کے ہے اور خصوصاً اس وقت جبکہ حقیقی زوال بھی نہ ہو بلکہ صرف دوسرے کا حق مارنے کے لیے صورت و ذریعہ زوال از خود ایجاد کر کے پھر معدوم کر دیا ہو۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ حق متعلق تھا غیر کے ساتھ اور تعلق بھی ایسا جس میں شارع نے اس کے مستحق کو اصلی مالک پر بھی بہ سبب اس کی قوت کے مقدم کر دیا ہے پھر یہ ناممکن ہے کہ اس طرح مالک کے ہاتھ سے نکال لینا جس کی حقیقت کچھ نہ بھی ہو یہ زیادہ قوی ہو جائے بہ نسبت اس حقیقت کے جسے شارع نے ثابت کیا ہے اور مالک کے ہاتھ سے نکالا ہے بلکہ اگر یہ نکالنا واقعی اور حقیقی ہو پھر وہ لوٹ جائے تو بھی اوّل کا حق واپس آجائے گا کیونکہ اس کے اقتضا کا وجود ہو گیا اور مانع نہ رہا جب کسی اقتضا کا عمل مانع کی وجہ سے رک گیا ہو تو قاعدہ یہی ہے کہ مانع کے زوال سے پھر وہی عمل ہو جائے گا۔

اڑتیسویں حیلے کا رد جس میں بعض وارثوں کو زیادہ دلوایا جاتا ہے: باطل اور حرام حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب بعض وارثوں کو کسی میراث کے ساتھ مخصوص کرنا چاہے اور مسئلہ یہ ہے کہ ایسی وصیت جائز نہیں اور یہ بھی شرعی حکم ہے کہ موت کی بیماری کا عطیہ وصیت کے حکم میں ہے تو اس ناجواز کو اس حیلے سے جائز کر سکتا ہے کہ کہے میں نے فلاں کو اپنی صحت کی حالت

میں فلاں فلاں چیز ہبہ کی ہے اور حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے اتنی اتنی رقم فلاں سے میں نے قرض لی ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی باطل ہے جیسے وصیت ناجائز ایسے ہی مرض موت میں وارث کے لیے اقرار بھی ناجائز۔ جمہور کا یہی مسئلہ ہے اس لیے کہ یہ موضع تہمت ہے بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو اجنبی کے لیے بھی جائز نہیں جبکہ شک و تہمت کا موقعہ ہو۔ درست مسئلہ بھی یہی ہے' ایسے وقت اس کا اقرار ہبہ کرنے کا یہ بھی نامقبول ہے جیسے اقرار قرض نامقبول ہے۔ قرض اور عین شئے کے اقرار میں کوئی فرق نہیں جبکہ یہ مریض بطور اللہ واسطے کے بھی یہ چیز نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ اس کا اقرار بھی نامعتبر ہو گا' کیونکہ یہ دونوں میں ایک نئی چیز کو نوپید کرتا ہے اور وہ دونوں میں برابر موجود ہے اس سے ان کا وہ اعتراض بھی زائل ہو جاتا ہے جن بعض صورتوں میں اسے اقرار کی ملکیت ہے انشاء کی نہیں اس لیے کہ وہاں ان دونوں چیزوں میں فرق ہے جو یہاں نہیں۔

وارث کو زیادہ دلوانے کا انتالیسواں حیلہ شفعہ کا :

یہ بتلاتے ہیں کہ وارث شفیع ہے تو یہ وہ چیز کسی اجنبی کے ہاتھ سستے داموں بیچ دے پھر وہ بحق شفعہ انہی داموں میں یہ چیز اس سے واپس لے لے' لیکن ہم کہتے ہیں یہ حیلہ بھی باطل اور حرام ہے جب یہ اس طرح کرے دوسرے وارثوں کو حق ہے کہ وہ اس بیع کو باطل کر دیں جیسے اور حیلے اقرار وغیرہ کے ہیں ایسے ہی یہ بھی ہے ہمارے اصحاب نے بھی اسے جائز کہا ہے لیکن یہ ان کی غلطی ہے اصول مذہب پر یہ صحیح نہیں ہاں بطور حیلہ کے نہ ہو تو اور بات ہے جن کے نزدیک سد ذرائع معتبر ہے' ان کے نزدیک تو یہ مسئلہ بہت ہی واضح ہے قصد حیلہ نہ ہوتے ہوئے بھی صحیح نہیں اور قصد حیلہ کے وقت تو اور بھی حرام ہے۔

کاری زخموں کی دیت میں کمی کرنے کے چالیسویں حیلے کی تردید :

یہ حیلہ جو فقہاء کہتے ہیں کہ کسی کے سر میں ہڈی تک پہنچنے والے دو زخم کسی نے لگائے تو اس پر دس اونٹ دیت کے ہیں لیکن اگر یہ چاہے کہ پانچ اونٹ دینے پڑیں تو حیلہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان تیسرا زخم اور لگائے کہ دونوں مل جائیں۔ خیال فرمایئے کتنا ظالمانہ حیلہ ہے' اول تو یہ حرام پھر بے سود اس سے وہ تاوان جو اس پر ہے گھٹے گا نہیں' جب زخم مندمل ہو جائیں گے تب اس پر دس اونٹ واجب ہوں گے' اگر ان کے ٹھیک ہو جانے کے بعد اس نے تیسرا ایسا کھلا زخم لگایا ہے تو یہ تیسرا زخم ہے جس کی الگ دیت ان دو کے سوا اس پر ہے۔ اگر مٹ جانے سے پہلے لگایا ہے تو ان دونوں کی دیت بھی ابھی مستقر نہیں ہوئی کہ سب ایک ہو جائیں اور ایک کی طرف سے ہو جائیں۔ جیسے کہ زخم بڑھ کر دونوں کو ملا دے اور ایک ہو جائے۔ اسی طرح اگر ایک ایک کر کے کسی عورت کی چار انگلیاں کاٹ دیں تو بیس اونٹ دینے پڑیں گے تین پر بس کیا تو تیس دینے پڑیں گے۔ یہ بخلاف اس کے ہے کہ چوتھی کو تین کے زخم بھر جانے کے بعد کاٹے تو اس میں دس واجب ہوں گے یہ ایسا ہی ہے جیسے مجرم کئی ایک ہوں تو ہر ایک پر اس کے جرم کا جرمانہ پڑے گا زخموں کے بھرنے سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ اسی طرح کسی مرد کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کوئی کاٹ ڈالے تو اس پر ان سب اعضا کی دیت واجب ہو گی' اگر وہ مندمل ہو گئے پھر اس نے اسے قتل کر دیا تو اس پر ان کی دیت کے ساتھ ہی قتل نفس کی دیت بھی آئے گی اگر زخموں کے بھرنے سے پہلے ہی قتل کر دیا تو ایک دیت آئے گی جیسے کہ ایک ایک عضو کو کاٹتے کاٹتے مار ڈالا ہو۔

(۴۰ سے ۴۵) وہ حیلے جن سے چور کا ہاتھ یہ حیلہ جو بچا دیتے ہیں :

ان فقہاء کے یہ وہ حیلے ہیں جنہوں نے چوروں کو آزادی دے دی ہے انہیں بے خوف کر دیا ہے چوریوں کے دروازے کھول دیئے ہیں' ان کے صحیح مان لینے کے بعد دنیا سے شریعت کا یہ مسئلہ ہی اٹھ جاتا ہے۔ پھر تو کسی چور کا ہاتھ کسی طرح کٹ ہی نہیں سکتا' چوریاں دھڑلے سے ہوں گی اور دنیا کا امن غارت ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ (۱) ایک نقب لگائے دوسرا شریک چوری اندر چلا جائے یا اپنے غلام کو اندر بھیج دے اور وہ اسباب نکال لائے' تو ہاتھ کا کٹنا اس حیلے سے ساقط ہو جائے گا۔ (۲) اسی طرح ایک چھت سے اتر کر اندر سے دروازہ کھول دے دوسرا اندر جا کر اسباب چرا لائے (۳) چوری کر کے لایا پکڑا گیا تو کہہ دے کہ یہ میرا مال ہے یا کہہ دے کہ گھر والا میرا غلام ہے تو صرف اتنا دعویٰ کرتے ہی جج منہ دیکھتا رہ جائے گا اور ہمارے حنفی مذہب کی برکت سے چور ہنستا کھیلتا اپنے گھر آ جائے گا۔ اب کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ کاٹ سکے۔ گو دنیا جانتی ہو کہ گھر والا شریف انسان ہے وہ کبھی غلام نہیں ہوا اس کے نسب نامہ سے ہر شخص واقف ہو سب جانتے ہوں کہ یہ مال اسی کا ہے چور کا نہیں' لیکن ہمارے مذہب نے پھر بھی چوروں کے لیے یہ آسان طریقہ نکال کر شریعت کی حد اس پر سے ہٹا دی ہے بشرطیکہ وہ چور حنفی المذہب ہو (۴) چور کے ہاتھ نہ کٹنے کا چوتھا حیلہ ان فقہاء نے چوروں کو یہ بتا رکھا ہے کہ چور اگر غلام ہے تو کہہ دے کہ یہ چوری کا مال میرے آقا کا ہے اب گو اس کا مالک انکاری ہو اسے جھٹلاتا ہو لیکن ہم فقہاء اس حیلے سے اسے آزاد کر دیں گے کس کی مجال جو سُنّت کی حد اس پر جارے کرے؟ (۵) جواہر یا دیناروں کو بیچے اور انہیں نکال لائے (۶) چوری کردہ چیز کی جو شکل وہاں تھی اسے بگاڑ دے پھر لے اڑے (۷) یہ دعویٰ کر دے کہ مالک مکان نے ہی مجھے اپنے گھر میں داخل کیا تھا اور اپنے گھر کا دروازہ میرے لیے کھولا تھا تو بھی اس پر سے حد گر جائے گی گو مالک مکان اس کا انکار کرے۔ لیکن ہمارا فتویٰ ہے کہ اب کوئی بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتا اسی طرح کے ان کے اور بھی بہت سے حیلے ہیں جن سے چور کے ہاتھ بچ جاتے ہیں یہ سب حیلے باطل ہیں ان سے ہرگز چور کے ہاتھ بچ نہیں سکتے نہ ان سے کسی قسم کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے نہ شریعت کو یہ لائق ہے کہ وہ ایسے حیلے سکھائے نہ کوئی عادل بادشاہ اپنی سلطنت میں یہ لغو قانون جاری کر سکتا ہے۔ جو شریعت دنیا کی اصلاح کے لیے ہو اس میں ایسے مسائل ہونا اس شریعت کا حسن کھو دینے کے لیے کافی ہیں یہ تو کھیل ہے نہ کہ قانون' یہ ظلم ہے نہ کہ عدل' یہ باطل ہے نہ کہ حق' یہ شیطنت ہے نہ کہ شریعت۔

(۴۶) حنفی مذہب کے وہ حیلے جن سے انہوں نے زانیوں پر سے حد زنا ہٹا دی ہے :

کہتے ہیں کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ زناکاری بھی کرے اور شریعت کی حد سے بالکل بچ جائے تو جس عورت سے زناکاری کرنا چاہتا ہے اسے اپنے کپڑے لپیٹنے پر ملازمہ کر لے پھر اس سے کالا منہ کرے تو اسے زنا کی شرعی مقرر سزا نہ ہو گی۔ (۴۷) یا اسے اس بات پر مزدوری میں رکھ لے کہ اس مکان سے دوسرے مکان میں اس کا سامان پہنچا دے۔ (۴۸) یا کھلم کھلا اس سے زناکاری ہی کی اُجرت چکا لے پھر اس سے عیش اڑائے اس پر کوئی حد نہیں۔

(۴۹) حنفیوں کا زبردست ناپاک اور گھناؤنا حیلہ' ماں بہن سے زناکاری کرنے کا :

ان سب سے زیادہ ڈراؤنا اور گھناؤنا وہ حیلہ ہے جس سے انہوں نے ماں بہن سے بدکاری کرنے والے پر سے بھی حد ہٹا دی ہے' کہتے ہیں کہ جب کوئی اپنی

ماں سے، بہن سے، بیٹی سے، خالہ سے، پھوپھی سے زناکاری کرنی چاہے کہ حد بھی اس پر واجب نہ ہو تو وہ اس سے عقد نکاح دو فاسقوں کی شہادت سے باندھ لے پھر اس سے زناکاری کرے تو اس پر حد شرعی نہیں آئے گی شرع کی مقرر کردہ سزا جو زنا پر ہے اُسے نہیں لگے گی۔

پچاسواں حیلہ : جو ان سب حیلوں سے بدتر ہے یہ ہے کہ شادی شدہ شخص جب زنا کرے اور حد سے بچ جانا چاہے تو وہ مرتد ہو جائے پھر اسلام قبول کر لے۔ جب مرتد ہو کر یہ زنا کرے گا اس پر ہرگز حد نہیں آنے کی، یہاں تک کہ نیا نکاح کرے یا نئی وطی کرے۔

اکاونواں حیلہ : ان سب سے رنگین تر اور سنگین تر کپکپا دینے والا ایک بدترین حیلہ ان کا اور بھی سن لیجئے کہتے ہیں کہ جب اپنی ماں سے زناکاری کرے پھر اسے حد لگنے کا خوف ہو اور اس سے بچنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دے اب وہ حد سے آزاد ہو گیا۔

باونواں حیلہ حد زنا سے بچنے کا : یہ ہے کہ گواہ گزر چکے اور سب ایسے ہیں جن پر یہ کوئی عیب گیری نہیں کر سکتا نہ جرح قدح کر سکتا ہے تو ایسے وقت اگر حد زنا سے بچنا چاہے تو حنفی مذہب کے فقہاء اسے یہ حیلہ سکھاتے ہیں کہ کہہ دے کہ یہ سب گواہ سچے ہیں بس اتنا کہتے ہی یہ حد سے آزاد ہو گیا۔ میرے بھائیو! کلیجہ پھک رہا ہے، روح گھٹ رہی ہے، خون خشک ہو رہا ہے، اللہ کی قسم عیسائیوں اور یہودیوں نے ہماری شریعت کو اتنا بدنام نہ کیا ہو گا جتنا اس قسم کے فقہاء اور ان کے مذہب کی کتابوں نے اسلام کو رسوا کیا ہے، اللہ کی قسم جس مذہب میں یہ حیلے ہیں اس سے بدتر اور اس سے سڑیل اور کوئی مذہب دنیا کے پردے پر نہیں۔ یہ حیلے اسلام کے خلاف ہیں نہ کہ اسلام کے ہوں۔ اللہ والو! غور کرو کیا ایک سیکنڈ کے لیے بھی تمہارا دِل مانتا ہے کہ اسلام جیسے پاک ستھرے اور صاف مذہب کی یہ گھناؤنی اور حیاسوز اور امن شکن تعلیم ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

(۵۳) ان کا ایک باطل یہودیانہ حیلہ یہ بھی ہے کہ کسی نے اگر قسم کھالی کہ میں یہ چربی نہ کھاؤں گا اب چاہتا ہے کہ چربی بھی کھائے اور قسم بھی نہ جائے تو اس کے لیے یہ حیلہ کرلے کہ اسے پگھلا لے پھر کھالے۔ یہ سب حیلے دراصل رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کا مصداق ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے یقیناً تم لوگ ان کے طریقوں کی پیروی کرو گے جو تم سے پہلے تھے ہو بہو انہی کی تابعداری کرو گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگلوں سے مراد کیا یہود نصاریٰ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اور کون؟ اسی طرح اور حدیث میں ہے میری امت وہی لے گی جو اس سے اگلی امتوں نے لیا ہے بالکل بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو گی تو اس امت میں بھی ایسا ہو گا۔ چربی کا عین یہی حیلہ ملعون یہودیوں نے کیا تھا بلکہ یہ امت ان سے بڑھ گئی کیونکہ انہوں نے پھر بھی پگھلی ہوئی چربی کو کھایا نہ تھا بلکہ اس کی قیمت کھائی تھی۔

(۵۴) باوجود استطاعت کے لونڈی سے نکاح کرنے کا فقیہانہ حیلہ : ان حضرات نے یہ سکھایا ہے کہ اپنا مال اپنے لڑکے کے نام کر دے پھر نکاح کر لے پھر اس سے مال لے لے، فرمایئے اس حیلہ سے وہ فساد جس کے واقع نہ ہونے کے لیے شریعت نے روکا تھا وہ کیا واقع نہ ہوا؟ کیا اسے عدم استطاعت والا کہہ سکتے ہیں؟ کیا اسے مفلس و فقیر کہا جا سکتا ہے؟ قرآن نے تو کھلے لفظوں میں

فرما دیا ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ الخ' (نساء: ۲۵) یعنی تم میں سے جسے ایمان والی بانو سے نکاح کی مقدرت نہ ہو وہ ایماندار لونڈیوں سے جو ملکیت میں ہوں نکاح کر سکتا ہے۔ فرمایئے یہ حیلہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے کے لیے ہے یا نہیں؟

(۵۵) اُونچا مکان بنانے کا حیلہ: کسی مُسلمان کے پڑوس میں کسی کافر کا مکان ہو اور وہ اسے بلند کرنا چاہتا ہو جس سے پڑوسی کو تکلیف پہنچے تو ہے یہ منع لیکن اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی مُسلمان جس قدر بلند چاہے بنا لے پھر اس سے یہ کافر خرید لے اور رہے سہے یہ حیلہ اگرچہ بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے لیکن اسے مذہب میں داخل کرنا محض غلطی ہے' یہ مذہب کے اصول و فروع کے خلاف ہے' صحیح اور قطعاً صحیح بات یہی ہے کہ اسے اس میں نہ رہنے دیا جائے گا کیونکہ تکلیف نفس بنا میں نہ تھی اس کے بلند ہونے میں تھی وہ جیسے حیلے سے پہلے تھی حیلے کے بعد بھی ہے۔

(۵۶) غصب کا باطل حیلہ: ان کا یہ ہے کہ جب کسی کا اناج غصب کیا پھر چاہتا ہے کہ بری ہو جائے اور اسے علم بھی نہ ہو تو یہ حیلہ کرلے کہ اسے اپنے گھر بلا لے اور وہی طعام اس کے سامنے لائے جب یہ کھا لے گا تو غصب کرنے والا بری ہو جائے گا۔ یہ حیلہ بھی باطل ہے اس لیے کہ اس نے اسے مالک نہیں بنایا نہ اسے تصرف کرنے کی اجازت دی ہے پھر اس میں عین مال کا رد کرنے والا یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کہا جائے کہ پھر تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جسے کوئی ہدیہ دے وہ اسے قبول کرکے اس میں تصرف کرلے اور نہ جانتا ہو کہ یہ اسی کا مال ہے تو کہا جائے گا کہ اگر اسے معلوم کرانے میں کسی ضرر کا خوف تھا تو بری ہو جائے گا اگر یہ نہ تھا صرف احسان کرنا منظور تھا تو بری نہ ہو گا' بالخصوص جبکہ کسی اس کے ہدیے کا بدلہ ہو اور اس نے قبول کیا ہو تو قطعاً بری نہیں ہو سکتا۔

(۵۷) نہ کرنے کی قسم کے بعد کرنے کی قسم پر حیلے کی تردید: اس کے کئی ایک حیلے ان لوگوں نے بتلائے ہیں مثلاً (۱) کسی نے قسم کھائی کہ یہ کھانا نہ کھائے گا پھر اسی نے یا دوسرے نے قسم کھائی کہ یہی کھانا کھائے گا تو یہ حیلہ کرلے کہ کھا لے اور ایک لقمہ چھوڑ دے (۲) اگر قسم کھائی کہ یہ پنیر نہ کھائے گا پھر قسم کھائی کہ اسے ضرور کھاؤں گا تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ روٹی کے ساتھ کھا لے قسم بھی نہ گئی اور پنیر بھی کھا لیا۔ (۳) قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہ پہنے گا پھر قسم کھائی کہ یہی پہنے گا تو حیلہ یہ ہے کہ اس میں سے تھوڑا سا کاٹ دے پھر اسے پہن لے۔ ان کے اس قول کی بنا پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں سے چند تاگے کھینچ لے پھر کپڑا پہن لے' فرمایئے کس قدر یہ دھوکا ہے؟ اصول و فروع سب اس کے مخالف ہیں۔ ائمہ کے اقوال اس کے خلاف ہیں۔ سنیئے اگر ایک لقمہ چھوڑنے کے بعد ایک دھاگا نکالنے کے بعد یہ کھانے والا اور پہننے والا شمار کیا جائے تو پہلی قسم ٹوٹتی ہے اور اگر نہ کیا جائے تو دوسری قسم ٹوٹتی ہے یہ عجب تماشا اور کھیل ہے کہ ثبوت کی نسبت سے اسے فاعل مانا جائے اور نفی کی نسبت سے اسے غیر فاعل مانا جائے۔ یہ نرا ڈھونگ ہے۔

(۵۹) انہی باطل حیلوں میں ظہار' ایلاء' طلاق اور آزادگی کے حیلے ہیں: جو دراصل حیلہ سریحیہ سے نکلے ہیں جس کی صورت مع تردید بہت بسط سے گزر چکی ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے ظہار کروں یا ایلاء کروں تو تجھے اس سے پہلے تین طلاقیں

ہیں' اب نہ ظہار ہو گا نہ ایلاء اسی طرح کہہ دے کہ اگر میں تجھے آزاد کروں تو تو اس آزادگی سے پہلے آزاد ہے اسی طرح کہہ دے کہ اگر میں تجھے فروخت کروں تو تو اس بیع سے پہلے آزاد ہے وغیرہ۔

زکوٰۃ نہ دینے کا ساٹھواں حیلہ : ایک شخص کی بڑی رقم دوسرے کی طرف ہے اور وہ دیوالیہ ہو گیا اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا اسے اپنی رقم سے پوری مایوسی ہو گئی تو یہ حیلہ کر لے کہ اپنے قرض جتنی رقم زکوٰۃ کی اسے دے پھر وہ قرض میں اسے واپس کر دے تو وہ اپنے قرض سے سبکدوش ہو گیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی مال اسی کے پاس رہ گیا یہ حیلہ بالکل خلاف شرع اور باطل ہے۔ خواہ یہ شرط ہو خواہ تصرف سے منع کر دیا ہو' یا مالک بنا دیا ہو اس نیت سے کہ اس کے قرض میں یہ رقم دے دے ان میں سے کسی وجہ سے بھی زکوٰۃ نہ ٹلے گی نہ شرعاً نہ عرفاً نہ اس طرح کہ خود ہی اسے زکوٰۃ میں شمار کر لے' مھنا کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوعبداللہ سے پوچھا کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہے کسی رہن کے بدلے اس کے پاس اب ادائیگی کے قابل رقم نہیں رہی اس شخص کے پاس اس کی زکوٰۃ ہے تو آپ نے فرمایا اپنی زکوٰۃ اور مسکینوں کو دے دے میں نے کہا اگر رہن کی چیز اس کی طرف لوٹا دے اور اس سے کہہ دے کہ جو قرض میرا تجھ پر ہے وہ میں نے تجھے معاف کیا آپ نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے کہا اسے اپنی زکوٰۃ دے دے پھر اگر وہ اسے قرض چکا دے تو؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ ہو سکتا ہے اور جگہ ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ اگر اس نے دیا پھر اس نے لوٹا دیا؟ فرمایا بطور حیلے کے ہو تو نہیں' کہا گیا کہ اگر ادھار والے نے کسی اور سے قرض لیا اور اس کی رقم چکا دی پھر اس نے اپنی زکوٰۃ میں سے کوئی رقم اسے دی تو فرمایا اگر اس کی مراد اس طرح اپنی رقم ہری کرنا ہے تو جائز نہیں الغرض امام صاحب کا مطلق کلام اسی مقید کی طرف لوٹتا ہے پس آپ کا مذہب یہ ہے کہ قرضدار کو زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ ابتداءً ہو خواہ اپنا حق پورا کرنے کے لیے ہو۔ پھر وہ اسے ادا کر دے مگر جب اس ارادے سے دے کہ اپنی مری ہوئی رقم زندہ ہو جائے قرض ادا ہو جائے' تو جائز نہ ہو گا اس لیے کہ زکوٰۃ حق اللہ ہے اور حق مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کا صرف دینے والے کے لیے نہ ہو گا کہ خود ہی اس کا نفع اُٹھائے گھر کی بلا گھر میں رہے اس کی وضاحت میں یہ دلیل بھی ہے کہ شارع نے اس کے مستحق سے معاوضہ کے ساتھ لینا بھی منع فرمایا ہے کہ خرید و بھی مت کہ اپنے صدقے میں لوٹ جاؤ۔ پس قیمت دے کر خریدنے والے کو بھی اپنے صدقہ میں لوٹنے والا بتلایا پھر اس کا کیا حال ہو گا جو دیتا ہی اس لیے ہے کہ پھر واپس کر لے؟ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے اسے زکوٰۃ دے دے اور اس سے پھر اسے خرید مت کرو وہ کہتے ہیں لے لو تو میں جواب دیتا ہوں کہ یہ اللہ کی چیز ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اپنا ایسا مال خرید نہ کرو' اس کے دو سبب ہیں اول تو یہ کہ اس میں حیلہ ہے نفع اُٹھانے کا جس فقیر کو یہ صدقہ دیا گیا ہے وہ بھاؤ تاؤ کرنے میں شرماتا ہے اور عموماً سستا دے جاتا ہے سمجھتا ہے کہ چلو ہمیں اتنا ہی ملنا تھا اور اسے لالچ ہوتی ہے کہ اس بہانوں ممکن ہے کہ آئندہ یہ مجھے اپنا اور صدقہ بھی دے۔ اسے یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ اگر اتنے میں میں نہیں دیتا ہوں تو ایسا نہ ہو یہ مجھ سے پوری چیز واپس کر لے پس جو ملے بس ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو راہ الٰہی میں نکالی ہوئی چیز سے بالکل بے طمع کر لے' کسی وجہ سے بھی اگر اسے طمع رہے گی تو نفس اس کی طرف سے فارغ نہ ہو گا اس لیے شارع نے اس طمع کے راستے بند کر دیئے تاکہ چیز کلیۃً اللہ کی ہو جائے واقعہ بھی یہی ہے کہ جب تک ایسا نہ ہو خیرات نہیں ہوتی خود شرافت انسانی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ اپنی دے دی ہوئی چیز سے آنکھیں پھیر لیتا ہے ہرگز

نہیں چاہتا کہ وہ چیز پھر اسے ملے اس کام کو وہ خود ایک ذلیل حرکت تصور کرتا ہے' اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز میں لوٹنے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ یہ ذلیل اور خسیس اور سفلی عادت بھلے آدمیوں کی نہیں ہوتی۔ فی الواقع قسم باللہ یہ ناپاک خصلت کمینہ پن کی انتہا ہے اسی لیے خوبیوں والی ہماری شریعت نے اسے روک دیا اور اپنا صدقہ خریدنا بھی منع فرما دیا۔

رب کے نام پر ہجرت کر کے جس شہر کو چھوڑا وہاں کا پھر رہنا بھی منع فرما دیا گو وہ اسلام کا شہر بن جائے حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد بھی مہاجرین کو تین دن سے زیادہ کے قیام کو منع فرمایا اس میں بھی یہی بھید ہے کہ نام اللہ چھوڑی ہوئی بستی میں اب قیام نہ کریں گو وہ علت اب نہیں رہی جس کی وجہ سے اسے چھوڑا تھا۔ **اگر اعتراض** کیا جائے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینے کے قائل تو تم بھی ہو کہ اس مال زکوٰۃ سے دوسرے کا جو قرض اس پر ہے اسے وہ ادا کر دے پھر اگر اس رقم سے وہ رقم دینے والے ہی کا قرض ادا کرے تو کیا ہو گیا جو ناجائز ہو جائے؟ اس کا قرض ادا ہوتا ہے یہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ قرض کے بوجھ سے ہلکا ہو جاتا ہے' دنیا و آخرت کی تباہی سے بچ جاتا ہے' کھانے پینے اور لباس سے بھی زیادہ فائدہ اسے پہنچتا ہے۔ اس ضمن میں زکوٰۃ دینے والے کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور اس کا قرضہ بھی چک جاتا ہے تو کیا قباحت ہو گئی؟ جو تم اسے روکتے ہو اور ناجائز کہتے ہو؟ اس کا **جواب یہ ہے** کہ اس میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ قرض کی رقم زکوٰۃ میں سے وضع کرنا جائز نہیں بلکہ زکوٰۃ کی رقم اسے دے دے اور وہ آپ اپنی خوشی اپنا قرض اس میں سے ادا کرے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ سے اس کا قرض ادا کر دینا جائز ہے۔ ابوالحارث کہتے ہیں میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایک شخص پر ایک ہزار کا قرض ہے دوسرے کے پاس زکوٰۃ کی ایک ہزار کی رقم ہے تو یہ اس کی طرف سے اس کا قرض اس رقم سے ادا کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس میں کوئی حرج نہیں پس اس فرق کو دیکھ لیجئے یہاں زکوٰۃ دینے والا اپنی رقم سے آپ نفع نہیں اٹھاتا اپنی ایک رقم سے اپنی دوسری سوخت شدہ رقم کو زندہ نہیں کرتا۔ پس آپ اپنی رقم کو حاصل کرنا اور چیز ہے اور دوسرے کی رقم ادا کرانا اور چیز ہے' مثلاً کوئی اس کا لڑکا ہو اس کی بیوی ہو اس کا کسی پر قرض ہو یہ اپنی رقم زکوٰۃ سے اسے ادا کرے اور اس کے خرچ سے آپ سبکدوش ہو تو بیشک یہ ناجائز صورت ٹھہرے گی۔ اسی لیے اوپر امام صاحب کا قول گزرا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس مفلس کے ہاتھ میں دے دی جائے اسے اختیار ہے کہ اپنا قرض اس رقم سے ادا کر دے تو آپ سے کہا گیا کہ ڈر ہے کہ کہیں وہ اسے بھی کھا نہ جائے آپ نے فرمایا اسے کہو کہ کسی کو وکیل کر دے وہ اس کا قرضہ چکا دے۔ الغرض جب یہ حیلہ کرتا ہے تو اس پر سے زکوٰۃ ساقط نہ ہو گی اس لیے کہ مفلس دیوالیے سے مطالبہ کا حق ہی نہیں اس صورت میں تو دے کر لینا ہے۔ پاس سے کوئی چیز گئی بھی نہیں زکوٰۃ کہاں سے ادا ہو گئی؟ اگر یہ لینے والا اس رقم کو اپنے کسی کام میں لانا چاہے تو وہ مسکین لا ہی نہیں سکتا پھر زکوٰۃ کہاں سے ہو گئی؟ ہاں اگر اس طرح دیتا کہ وہ مالک بن جاتا جو چاہتا کر سکتا ظاہر باطن یہ رقم اسی کی ہو جاتی پھر وہ اس سے اپنا قرض اپنی خوشی ادا کرتا تو بیشک جائز تھا جیسے کہیں اور سے اسے زکوٰۃ ملتی اور وہ اسے اس کی قرض کی رقم دے دیتا' واللہ اعلم۔

(۶۱) پھلوں کی صلاحیت سے پہلے اور دانوں کی پختگی سے بیچنے کا باطل حیلہ :

حدیث میں یہ صورت صاف ممنوع ہے لیکن یہ باطل پرست اس کے جواز کا یہ حیلہ بتلاتے ہیں کہ اسے بیچ دے اور اس کی بقا کا ذکر نہ کرے پھر ان کے ٹھیک ٹھاک ہونے

تک اسے چھوڑ دے تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ بروقت نے لے ہم کہتے ہیں ٹھیک اسی سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اس حیلہ کی وجہ یہ ہے کہ عقد کا مصداق پھل لینا ہے وہ صحیح ہو جاتا ہے اور اپنے مصداق پر آجاتا ہے جیسے کہ بیع اسی شرط سے ہوئی کہ پھل توڑ لے اب یہ ان دونوں کا حق ہے کسی تیسرے کا نہیں جب دونوں اس پر متفق ہیں کہ اسے چھوڑ دیں تو جائز ہو جائے گا' لیکن اس حیلے کے بطلان میں ہم کہتے ہیں کہ عین اس چیز کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ سبب ہے بغض و بیر کا' پھلوں پر بہت سی آفتیں آتی ہیں ان کی پختگی سے پہلے کی بیع کے صاف معنی یہی ہیں کہ بیچنے والا خریدار کا مال ناحق مار کھائے یہی وجہ حدیث میں ہے بھی۔ پھر اس حیلے نے اس کو نہ تو اُٹھایا ہے نہ کم کیا ہے اور یہ تو سب پر ظاہر ہے کہ بالیں توڑنے کے لیے نہیں خریدی جاتیں ایسی حماقت کوئی نہیں کرتا بلکہ اگر یہی بیع ہو تو مردود ہے اسی طرح جائفل اخروٹ وغیرہ جیسے پھل جو جب تک تیار نہ ہو جائیں کسی کام نہیں آتے انہیں جو بھی خریدتا ہے وہ اسی شرط پر خریدتا ہے کہ تیار ہو جائیں گو لفظوں میں یہ بات نہ بھی آئے لیکن دل میں تو ضرور ہوتی ہے۔ غرض اس حیلے میں حکم حدیث کی اور حکمت شرع کی صریح مخالفت ہے اور اسے بیکار کرنا ہے حکمت کی تعطیل تو ظاہر ہے حکم کی بیکاری یوں ہے کہ یہ اسی وقت ہو گا جب کہ پھلوں کی بقا کی شرط کر لی جائے لفظوں میں شرط ہو جائے۔ اگر نہ ہو تو پھر کوئی شرط نہیں گو دلوں میں ہو بھی یہ وہی حدیث کی منع کی صورت ہو گئی۔

(۶۲) لونڈی کو نہ بیچنے کی قسم کا باطل حیلہ :

کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس لونڈی کو نہ بیچے گا پھر بیچنا چاہتا ہے تو یہ حیلہ کرلے لونڈی بک بھی جائے گی اور قسم ٹوٹے گی بھی نہیں کہ اس کے نو سو ننانوے حصے تو بیچ دے اور ایک حصہ ہبہ کر دے ٹھیک اسی جیسے اور حیلے اس سے پہلے بھی گزر چکے ہیں یہی حیلہ یہ اس وقت بھی بتلاتے ہیں جبکہ بیچنے اور ہبہ کرنے پر قسم کھائی ہو حالانکہ یہ سب حیلے حرام ہیں۔

(۶۳) لونڈی سے ایک نے آج وطی کی دوسرا کل وطی کرنا چاہتا ہو تو اس کا حیلہ :

اس صورت کے ان فقہاء نے دو حیلے بتلائے ہیں ایک تو یہ کہ خریدار اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے دوسرا یہ کہ کسی کو اس کا مالک بنا دے پھر اس سے نکاح کرا دے جب وہ اس سے اپنی حاجت روائی کر لے پھر یہ اسے بیچنا یا اس سے بوجہ ملکیت کے وطی کرنا چاہے تو اس سے خرید لے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ پھر اگر چاہے بیچ دے اگر چاہے اس کی وطی پر قائم رہے۔ اس جیسے اور حیلے اس سے پہلے بھی گزر چکے ہیں اگر کسی نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہ پہنے گا تو اس میں سے کچھ تاگے نکال ڈالے پھر پہن لے' قسم کھائی کہ یہ روٹی نہ کھائے گا تو اس کا پاپڑ اتار ڈالے اور کھا لے۔ سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ صاف طور پر اپنی قسم توڑ دیتے تو اتنے گنہگار نہ ہوتے جتنے ان حیلوں میں گنہگار ہوتے ہیں۔ یہ تو اللہ اور رسول سے مقابلہ کرنا ہے۔ اللہ کے حکموں سے چالیں چلنی ہیں' اگر ایسی باتوں سے کوئی بادشاہ کا قانون توڑے یا کوئی اپنے مالک کا کہنا چھوڑے یا مریض طبیب کے خلاف کرے تو اسے دنیا کا کوئی شخص معذور نہ سمجھے گا' اس کی سخت سزا ہو گی اور وہ باغی اور طاغی گنا جائے گا پھر جبکہ یہی چال اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے چلا تو وہ کتنا بد اور بدکار ہو گا؟ شرع کا کوئی چھوٹا سا عالم بھی ایک دم بھر کے لیے ان حیلوں میں سے کسی کو جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ ہر ایک تدبر کرنے والا اسے شریعت کی توہین سمجھتا ہے' واللہ المستعان۔

فقہاء کا چونسٹھواں باطل حیلہ جس سے بیع کی قسم توڑتے ہیں :

اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس مال کو سو دینار پر نہ بیچوں گا پھر اس سے زیادہ پر کوئی خریدار اسے نہ ملا اب یہ چاہتا ہے کہ چیز بیچے اور قسم نہ ٹوٹے تو یہ فقہاء اسے یہ حیلہ سکھاتے ہیں کہ وہ ننانوے پورے پر بیچ ڈالے یا سو میں بیچے لیکن سواں حصہ کم یا اتنے درہموں کے بدلے بیچے جو ایک سو دینار کے برابر ہوں یا نوے دینار اور ایک کپڑے کے بدلے بیچ ڈالے دراصل یہ سب حیلے باطل ہیں یہ اس کی نیت کے خلاف ہیں قسم شرعاً اس پر ہے جس پر دوسرا اسے سچائے پس اس کے دل کا قصد بوقت قسم کیا تھا اللہ کو معلوم ہے اب جو چاہے حیلہ کرے قسم تو اسی پر ہے جو دل میں تھا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا بلکہ انہی پر گرفت ہے جو دل سے ہوں' معلوم ہوا کہ قسم میں دلی قصد معتبر ہے نہ کہ لفظوں کی ظاہری صورت اور پھر ان کا ہیر پھیر پس کسی کا حیلے کر کے اصل مقصد کے خلاف کرنا کیسے معتبر ہو گا؟

(۶۵) لونڈی سے وطی بھی کرے اس سے اولاد ہو تاہم وہ اولاد والی کے حکم میں نہ ہو :

اس کا حیلہ ان فقہاء نے یہ بتلا رکھا ہے کہ اسے اپنے چھوٹے بچے کی ملکیت میں دے دے پھر اس سے نکاح کر لے اور روندتا رہے جب اولاد ہو گی تو وہ اس بچے پر آزاد ہو جائے گی کیونکہ یہ اس کے بھائی ہوں گے۔ اس میں ایک خدشہ یہ رہ جاتا ہے کہ حنبلی شافعی اور مالکی مذہب پر اپنے لڑکے کی لونڈی سے نکاح جائز ہی نہیں تو اس کا حیلہ یہ کرے[1]۔ اسے کسی اس کے ذی محرم رشتے دار کی ملکیت میں کر دے پھر نکاح کر لے تو بھی آزاد ہو جائے گی اب اسے اس لونڈی کے بیچنے کا اختیار اس حیلے سے باقی ہے ورنہ شرعاً اولاد کی ماں لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ اس حیلے کے بعد جب بیچنا چاہے اپنے نام اس کی ہبہ کر لے نکاح فسخ ہو جائے گا اچھا اگر کوئی ذی محرم رشتے دار نہ ہو تو کسی اجنبی کو اس کا مالک کر دے پھر اس سے نکاح کر لے یہاں یہ خدشہ رہ جاتا ہے کہ اولاد پر غلامی آجائے گی اس کی مخلصی کے لیے یہ حیلہ کر لے کہ اس سے کہلوا دے کہ اسے جو اولاد ہو آزاد ہے' پھر جب بیچنا چاہتا ہو اس اجنبی سے اسے ہبہ کرا لے اور بیچ کر اپنے ٹکے کھرے کر لے۔ یہ حیلہ بھی باطل اور حرام ہے کیونکہ اس میں واقعی کسی اور کی ملکیت ہی نہیں ہوتی' ملکیت میں تو یہ داخل ہے کہ مالک جو چاہے کرے یہاں یہ بات نہیں پس شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح ملکیت نہیں یہ تو صرف دھوکہ ہے۔ وہ تو کرائے کا ٹٹو ہے اسے نہ اس لونڈی سے وطی کرنے کا اختیار ہے نہ بیچنے کا اور فائدہ اُٹھانے کا یہ تو بیچ میں صرف اس لیے ہے کہ اسے اس کو واپس پھر سے دے دے' اللہ تعالیٰ اور یہ لوگ سب جانتے ہیں کہ یہ ان کی مکاری ہے نہ کہ حقیقتاً دوسرے کی ملکیت ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اپنا مال کچھ دیر کے لیے دوسرے کا کر دیا پھر واپس لے لیا۔ اس سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ یہ کرائے کا آدمی نہ تو اس مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے نہ حج نہ اور کوئی اپنا کام لے سکتا ہے یہ تو ایک من سمجھوتی ہے نہ کہ حقیقت یہ تو اللہ کو دھوکہ دینا ہے نہ کہ کوئی صحیح معاملہ۔

(۶۶) بیوی کو بالکل علیحدہ کر دینے کے بعد اسکی بے علمی میں ہی بیوی بنا لینے کی ترکیب :

یہ حیلہ باز حیلہ ساز فقیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو جدا کر دیا کہ اب یہ اس کی بیوی نہ رہی پھر چاہتا ہے کہ وہ اس کی بیوی بن

جائے اور اس طرح کہ اس عورت کو معلوم بھی نہ ہو تو یہ حیلہ کرلے کہ اسے کہے میں نے قسم کھائی پھر علماء سے فتویٰ پوچھا تو جواب ملا کہ نیا نکاح کرلے اگر طلاق ہوگئی ہے تو خیر ورنہ ضرر تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ اگر وہ عورت اسے مان لے تو کہے کہ تیرے نکاح کا اختیار تو مجھے دے اس کے بعد ولی کو اور گواہوں کو موجود کرلے اور اپنے سے نکاح کرلے تو طلاق بائن کے بعد بھی یہ اس کی بیوی بن جائے گی اور اسے معلوم بھی نہ ہوگا' اگر یہ نہ کرسکتا ہو تو دوسری ترکیب اس حرام عورت کو حلال بنا لینے کی یہ ہے کہ کسی سفر کا بہانہ بنائے اور کہے کہ موت تو سامنے ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ مکان اور یہ اسباب سب تیرے مہر میں اس طرح لکھ دوں کہ پھر باطل نہ ہوسکے اور اس پر گواہ بھی کرلوں تو تو اپنا اختیار مجھے سونپ دے جب وہ عورت اسے مان لے تو وہ اسی پر نکاح باندھ لے کام ہوگیا۔ تیسرا حیلہ یہ ہے کہ اپنا بیمار ہونا ظاہر کرے اور اس عورت سے کہے کہ میں یہ سب تجھے دینا چاہتا ہوں لیکن ڈر ہے کہ بیماری کا اقرار توڑ نہ دیا جائے اس لیے تو مجھے اپنی طرف سے مختار بنا دے تو میں اسے تیرے مہر میں کردوں جب عورت اسے مان لے تو چپکے سے ولی کو بلا کر اور اپنا نکاح اس سے کرلے۔

اگر عورت زیادہ ہوشیار ہو اور ان تمام چالاکیوں اور حیلوں سے بھی کام نہ نکل سکتا ہو تو اس چوتھے داؤں پر اسے دے مارے کہہ دے کہ میں نے تیری طلاق کی قسم کھائی ہے کہ میں آج ہی تجھ پر سوکن لاؤں یا تجھے لے کر چلا جاؤں لیکن اب میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ پر طلاق نہ پڑے اور سوکن بھی نہ آئے اور سفر بھی نہ کرنا پڑے اس لیے تو مجھے اپنا مختار بنا دے تو میں تجھ سے خلع کرلوں اور آج کے دن کے بعد پھر لوٹا لوں کہ تو ان تمام باتوں سے چھوٹ جائے جب عورت اس پر رضامند ہو جائے تو شاہد اور ولی کے سامنے اسے لوٹا لے۔ یہ حیلے بھی سب حرام اور باطل ہیں۔ عورت طلاق بائنہ کے بعد بالکل غیر ہو جاتی ہے اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو نہیں سکتا اس نے نہ تو اس دوسرے نکاح کی اجازت دی ہے نہ اس پر رضامندی ظاہر کی ہے اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہ اپنی مالک آپ ہے۔ اس خاوند سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے تو وہ اس کے نکاح میں پھر سے جانا پسند نہ کرتی پھر اسے دھوکہ دے کر پھانس لینا مذہب تو کیا شرافت اور انسانیت کے بھی خلاف ہے رضامندی بغیر نکاح نہیں۔ **اگر اعتراض** کیا جائے کہ حدیث میں ہے کہ مذاق کا نکاح بھی پختگی کے نکاح جیسا ہے **تو جواب یہ ہے** کہ یہ اس میں داخل نہیں' نہ یہ مذاق ہے۔ مذاق کرنے والا ایسے امر کو ظاہر نہیں کرتا جس کے خلاف اس کا ارادہ ہو وہ تو ایک لفظ بولتا ہے اس بات کے قصد سے کہ اس کا مصداق اس پر ضروری نہ ہوگا اب حکم اس کا نہیں بلکہ شارع کا ہے وہ اس کے مصداق کو جاری کر دیتا ہے یہ تو مکار دھوکے باز ہے۔ عورت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اب تک اس کی بیوی ہے ان میں نکاح باقی ہے حالانکہ وہ اس سے بالکل غیر ہو چکی ہے' یہ بے ایمانی سے اسے اندھیرے میں رکھتا ہے جیسے کسی پر یہ ظاہر کرکے کہ میں آپ کا مال سنبھالوں گا اس مال کو اٹھا جائے بلکہ یہ اس سے بھی بدتر ہے حرام فرج کو حلال کرنا' حرام مال کو حلال کرنے سے زیادہ برا ہے' مالی دھوکہ اس دھوکے سے بہت نیچے اور ہلکے درجے کا ہے' واللہ اعلم۔

(۶۷) مکاتبہ لونڈی سے عقد کتابت کے بعد بھی وطی کرنے کا باطل حیلہ :

حیلے والوں نے تو دنیا کی بے ایمانی کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کسی شرعی مسئلے کو اپنی جگہ باقی چھوڑنا چاہتے ہی نہیں' انہوں نے شریعت کے مقابلے میں ایک جداگانہ شریعت بنائی ہے' کہتے ہیں کہ یہ ہے تو حرام لیکن حلال کرنے کی ترکیب اس حیلے سے ہو سکتی ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو لونڈی ہبہ کردے پھر اس سے نکاح کرلے پھر اس سے رقم پر آزادگی تحریر کرا لے پھر اسے استعمال میں لاتا رہے اولاد جو ہوگی آزاد نہ ہوگی اس

لیے کہ اس کے لڑکے کی ملکیت میں جائے گی اب اگر لونڈی وہ رقم نہ دے سکی تو لونڈی ہی رہی اور نکاح بدستور رہا- یہ حیلہ بھی باطل ہے جمہور کے نزدیک بھی اور فی نفسہ بھی اس لیے کہ حقیقی مالک اس کا لڑکا بنا ہی نہیں نہ حقیقتاً اس کے حق میں آزادگی کی رقم کی تحریر ہوئی ہے یہ تو سب شعبدہ بازی ہے- حقیقت میں یہ اسی کی لونڈی ہے ظاہری ایک صورت صرف اس لیے بنائی ہے کہ ایک حرام فرج کو حلال کرلے پھر یہ ناپاکی اور سیاہ کاری علام الغیوب اللہ سے تو پوشیدہ نہیں۔

از(۶۹) تا(۷۲) ان بچھوؤں کے بچھو نام کے چار حیلوں کی تردید : ان باطل اور حرام حیلوں میں سے ایک حیلہ ہے جسے ان کی اصطلاح میں

حیلة العقارب کہا جاتا ہے اس کی چار صورتیں ہیں (۱) اپنا مکان یا زمین رہن کردے اس پر شاہد رکھ لے اور اسے سب کو چھپا رکھے پھر اصل چیز کو بیچ دے جب جان لے کہ خریدار اس میں رہنے لگا یا اس کا نفع لینے لگا اور بقدر اس کی قیمت کے ہو گیا تو اب ظاہر کرے کہ یہ تو وقف ہے اور اس کے نفع کا دعویٰ خریدار پر کردے جب خریدار کہے کہ میں تو اس کی قیمت دے چکا ہوں تو یہ کہہ دے کہ اسی طرح تو اس سے نفع بھی اُٹھا چکا ہے- دوسرا حیلہ یہ ہے کہ اپنے بچے یا بیوی کو اس کا مالک بنا دے اور اسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دے اور اسے بیچ دے پھر وہ لڑکا یا بیوی خریدار کے خلاف دعویٰ دائر کردے اور یہی معاملہ کرے اور غاصب کی طرح نفع کا ضامن خریدار کو قرار دے (۳) اسے اُجرت پر اپنے لڑکے یا بیوی کو دے دے پھر وہ دوسرے کو اجارہ پر دے دے جب کرایہ بڑھ جائے تو پہلا اجارہ دکھا کر دوسرے کو فسخ کردے ورنہ جب تک نفع دیکھے چلنے دے (۴) اس گھر یا زمین کو رہن رکھ دے پھر خریدار کی بے خبری میں اسے اس کے ہاتھ بیچ دے قیمت لے لے وہ اس سے نفع لیتا رہے جب قیمت بڑھ جائے یا قیمت کے برابر وہ نفع حاصل کرلے تو رہن نامہ ظاہر کرکے بیع کو فسخ کردے یہی وہ بچھو ہیں جن سے یہ بچھوؤں جیسے لوگوں کے مال پر نیش زنی کرتے رہتے ہیں اور ان کے علماء سوء ان کا لحاظ کرتے اور انہیں اس قسم کے حرام سامان دلواتے ہیں اور ان سے اپنے نذرانے وصول کرتے رہتے ہیں۔

ان رندوں کا باقاعدہ ایک جمگھٹا ہے اس کی دلیل یہ مقلد اپنے امام کے قول سے لیتے ہیں کہ عقد فاسد کے ساتھ مقبوض کی ضمانت مثل ضمانت غاصب کے ہے- امام کا یہ قول لے کر یہ مکار اس ظالم زیادتی کرنے والے کے گناہ اور ظلم پر مدد کرتے ہیں اور ان کے امام کے برخلاف جن سینکڑوں اماموں کے اقوال ہیں جن میں مظلوم کی مدد ہے- بھلائی اور تقوے پر اعانت ہے ان سب کو چھوڑتے ہیں- یہ ظالموں کے ساتھی ہیں- نعوذ باللہ کوئی امام ایسا نہیں جو اس ناپاک قول میں ان کا ساتھی ہو- جس نے ظالم کی مدد کی ہو اور مظلوم کو اور مارا ہو- امام کے قول کا جو مطلب یہ ظالم لوگ لے رہے ہیں بالکل غلط ہے وہ اس سے بہت دور ہیں کہ ظالم کی مدد کریں اور اس حیلے اور مکروفریب اور دھوکے کو شرعی مسئلہ کہیں اور اصلی مالک کی ایک چیز ایک دھوکے باز خبیث کو دلوا دیں- حالانکہ پہلے اس کی قیمت ایک ہزار تھی اب دس ہزار ہو گئی ہے اس کی اصلی رقم بھی گئی اور چیز بھی اس سے چھن گئی توبہ توبہ کون سا امام ہے جو اس خبیث بچھو کو اس طرح لوگوں کے مال ڈسنے کی اجازت دے؟ پھر غصب کے نفع کی ضمانت جمہور کے مذہب میں نہیں جیسے ابوحنیفہ' مالک اور ایک روایت میں احمد رحمھم اللہ لیکن صحیح تر روایت میں وہ ضامن بتلاتے ہیں جیسے شافعی اور ایک روایت میں احمد رحمھم اللہ ان کے قاعدے پر بھی یہ صورت ٹھیک نہیں بیٹھتی اس لیے کہ یہاں غصب کی صورت ہی نہیں یہاں تو عقد تجارت ہے اگر یہ باطل ہو جائے تو اس پر ضمانت نہیں یہ تو اس کا مالک تھا قیمت کے بدلے کی چیز اس کے پاس تھی اس کا نفع بلا عوض اسی کا تھا اگر بالفرض ضمانت مان بھی لی جائے تو یہ

اس پر عائد ہو گی جس نے دھوکہ کیا ہے اور دھوکہ کرنے والا دراصل یہی ہے جس کی وجہ سے دوسرے کا مالی نقصان ہو۔ ضامن وہی ہے خریدار پر کوئی چیز نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشتری کے ہاتھوں تلف ہوا ہے یہ صریح غلطی ہے کیونکہ ضمانت اس مال کی ہے جو بیچا گیا ہے تلف بیچنے والے کی غداری سے ہوا ہے نہ کہ اس کے کسی قصور سے پس خریدار پر کوئی ضمانت نہیں۔ **اگر اعتراض** کیا جائے کہ اس شے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ جب اس شخص پر ضمانت ڈالیں جس سے دھوکہ کیا گیا ہے تو وہ دھوکہ کرنے والے کی طرف لوٹے گا لیکن اس سے پہلے ہی سے دھوکہ کرنے والے کی ذمہ داری ثابت نہیں ہوتی۔ **اس کا جواب** یہ ہے کہ اس میں سلف و خلف کے دو قول ہیں امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص کوئی زمین خریدے پھر اس میں کوئی عمارت بنوائے یا درخت بوئے پھر کوئی اور مستحق کھڑا ہو تو یہ اکھیڑ دی جائے گی اور خریدار بیچنے والے سے اپنا نقصان وصول کرے اور جگہ آپ سے مروی ہے کہ مستحق اسے اکھیڑ نہیں سکتا۔ ہاں اس صورت میں کہ اس کے نقصان کا ذمہ دار بنے پھر اسے بائع سے وصول کرے۔ یہ ارشاد زیادہ فقہ والا اور عدل سے زیادہ قریب ہے کیونکہ خریدار نے ظلماً عمارت نہیں بنوائی نہ درخت بوئے ہیں۔ پس اس مستحق کو ان کے اکھیڑنے کا کوئی حق نہیں تاوقتیکہ اس کی قیمت کی ضمانت اس کے ذمے نہ ہو۔ ظالم وہ ہے جس نے اس کے مال کی بیع کر دی ہے اور خریدار کو دھوکہ دیا ہے پس جب اصل مستحق کو اس کا استحقاق دلوایا جائے گا تو اس فریب خوردہ کو اس کا نقصان بھی دلوایا جائے گا اور اصلی ظالم پر یہ سب بوجھ پڑے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ غصب کردہ چیز کو غاصب سے کوئی خرید لے یا کسی اور طرح اس کے پاس پہنچے اور وہ اسے اصلی مالک جانتا ہو یا اسے اجازت ملی ہوئی جانتا ہو تو اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ مالک چیز کو اختیار ہے کہ ان میں سے جسے چاہے ذمہ دار ٹھہرائے اصحاب شافعی و احمد کے نزدیک مشہور یہی ہے پھر اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ اگر خریدار کو ضامن بنایا اور اسے غصب کا علم تھا تو رقم دلوائی نہ جائے گی ورنہ ضمانت کی چیز کو دیکھیں گے اگر اس نے ضمانت عقد سے لی ہے جیسے عین چیز کی بخشش اور جو اس میں کمی ہو تو وہ غاصب پر لوٹ نہیں سکتا اس لیے کہ غصب کنندہ نے اسے دھوکہ نہیں دیا بلکہ اسے اپنے ساتھ ملا لیا ہے اس علت سے یہ بات بھی واجب ہو جاتی ہے کہ وہ چیز کی قیمت سے جو زائد ہے اس میں لوٹ سکتا ہے جبکہ ذمہ دار بن گیا ہے اس لیے کہ وہ اصلی قیمت کی ضمانت کا ملتزم ہے نہ کہ دی ہوئی قیمت کا اس لیے باقی کے تفاوت کو اس سے لے سکتا ہے اور اگر اس نے ضمانت کا التزام نہیں کیا تو اب دیکھو کہ اگر اسے اس کے مقابلے میں نفع نہیں ہوا جیسے بچے کی قیمت اور لونڈی کو بچہ ہونے سے اس کی قیمت کا خسارہ اسے غاصب سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ اصل دھوکہ باز وہی ہے اور یہ اس کے ساتھ داخل ہوا ہے اس پر کہ یہ ضامن نہیں اگر اسے اس کے مقابلہ میں کوئی نفع حاصل ہوا ہے جیسے اُجرت مہر بکارت تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اسے وصول کرے گا کیونکہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ضمانت میں شامل نہیں' دوسرا یہ کہ نہ لوٹے گا کیونکہ اسے نفع مل چکا ہے۔ اس تعلیل کے بعد بھی یہ واجب ہوتا ہے کہ اس تفاوت میں لوٹ سکتا ہے جو نام زدہ اور مہر مثل میں ہے اور اُجرت مثل میں ہے جن کا یہ ذمہ دار ہے یہ تو نام زدہ کی ضمانت میں داخل ہوا ہے نہ کہ عوض مثل میں اور وہ نفع جو اسے حاصل ہوا ہے وہ اسی التزام کی وجہ سے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مذہب اسی جیسا ہے کہ وہ لوٹے گا جب کہ جرمانہ غصب کرنے والے پر اس کا ہوا ہو۔ جس کی ضمانت کا التزام خاصتاً اس نے نہیں کیا جب اس پر جرمانہ ڈالا گیا حالانکہ وہ امانت دیا ہوا تھا تو عین کی قیمت اور نفع دونوں کے ساتھ لوٹے گا اس لیے کہ ملتزم ضمانت نہیں اور اگر ضامن ہو گیا ہے اور وہ اُجرت پر دے رہا ہے عین کی قیمت کو اور نفع کو تو وہ

لوٹے گا عین کی قیمت میں اور اس زائد مقدار میں جو عوض نفع میں اس نے خرچ کیا ہے۔ ہمارے ساتھی کہتے ہیں اس دوسری چیز میں اسے حق رجوع حاصل نہیں اس لیے کہ وہ اسی کی ضمانت میں داخل ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو درست ہے لیکن اس کی ضمانت نام زدہ کی تھی نہ کہ عوض مثل کی اگر یہ خریدار ہے اور قیمت عین اور نفع کا ضامن ہے تو قیمت نفع میں لوٹ سکتا ہے عین کی قیمت میں نہیں اس لیے کہ وہ ملتزم ضمان عین ہے اور بلا عوض نفع لینے پر داخل ہوا ہے' صحیح یہی ہے کہ جو قیمت اس نے دی ہے اس سے جو زائد اب ہوئی ہے اس پر وہ لوٹ سکتا ہے اور اگر اس نے ادھار لیا ہے اور عین اور نفع کا ضامن ہوا ہے تو جو نقصان اسے ہوا ہے وہ لے سکتا ہے اور عین کی قیمت کا یہ حقدار نہیں اس لیے کہ یہ ضمان قیمت پر داخل ہوا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت اور بھی ہے کہ جو نفع اسے ملا ہے وہ اس کے مقابلے میں ہے جو اس پر قرض چڑھا ہے جیسے مہر اور اُجرت تجارت میں' ہبہ میں اور ادھار میں اور جیسے قیمت طعام کی جبکہ اس کے لیے پیش کیا جائے یا اسے ہبہ کیا جائے اور وہ کھا لے تو اسے واپس نہ کرے گا کیونکہ اس نے بدلہ پالیا ہے۔ قول صحیح اول قول ہے اس لیے کہ عوض کے پورا کرنے پر داخل نہیں ہوا۔ اسے تو یہ اگر معلوم ہو جاتا تو یہ قبول ہی نہ کرتا۔ اگر مہمان کو معلوم ہوتا کہ میزبان یا کوئی اور اس سے اس کے کھائے ہوئے طعام کی قیمت کا تاوان لے گا تو وہ اسے کھاتا ہی نہیں ہاں اگر مالک اس سب کی ضمانت غاصب پر کر دے تو جائز ہو گا اور قابض پر وہ لوٹ نہ سکے گا جب کہ وہ اُجرت پر ہے جس قول کو ہم نے مختار بنایا ہے اس میں تو جس اُجرت کو اس نے خاص اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اسی میں لوٹ سکتا ہے اور وہ اس سے واپس لے سکتا ہے جبکہ اس نے عین کی قیمت کے قرض پر اسے خریدا ہو اس لیے کہ یہاں کوئی نام مقرر نہیں ہاں جب یہ ہبہ دیا گیا ہوا جانتا ہو تو اسے کسی چیز کی واپسی کا اختیار نہیں اگر غصب کرنے والے سے قبضہ لینے والا ہی ہو تو اس پر کچھ نہیں اگر کوئی اجنبی ہو تو غصب کرنے والے پر ہے اور جس پر اقرار نہیں اگر وہ اجنبی ہے بلکہ اس کا اقرار غاصب پر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جسے دھوکہ دیا گیا ہے اس سے اصلی مالک کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا نہ اقرار سے نہ ابتدا سے۔ یہی قول صحیح بھی ہے' امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں جسے امانتاً سونپا گیا ہے کھلے لفظوں میں یہی فرمایا ہے جب امانت دینے والا اپنے سوا اور کو امانت دے حالانکہ کوئی وجہ نہ ہو پھر وہ چیز تلف ہو جائے تو دوسرا ضامن نہ ہو گا جبکہ وہ نہ جانتا ہو۔ اس لیے کہ اسے تو دھوکہ دیا گیا ہے اس کے مطابق تو یہ ہے کہ جسے دھوکہ دیا اس سے ان تمام صورتوں میں کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا واقعی صحیح قول بھی یہی ہے وہ تو خود فریب خوردہ ہے وہ کسی ذمہ داری پر نہیں آیا' نہ اس نے کوئی مطالبہ اپنے ذمے لیا ہے' نہ شارع نے اس پر کوئی مطالبہ لازم کیا ہے۔ عقل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے شریعت یہ کیسے کر سکتی ہے کہ مظلوم فریب خوردہ پکڑا جائے اور ظالم فریب باز چھوڑ دیا جائے؟ خصوصاً اس وقت جبکہ اس نے احسان و سلوک کیا ہو اور امانت کی حفاظت کی ہو پھر ایسے محسن شخص کی پکڑ کیا؟ پکڑ تو ان کی ہوتی ہے جو ظالم ہوں جو فسادی ہوں جیسے یہ ظالم شخص ہے' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ موجود ہے کہ جس کے ہاتھ دوسرے نے دھوکہ فریب کر کے ایک لونڈی بیچی تھی اور اس نے خرید کر اس سے وطی بھی کر لی تھی پھر وہ مستحق ہو کر نکل گئی تھی' اور اس سے اسی لونڈی کے مالک نے مہر وصول کیا تھا تو آپ نے فیصلہ دیا کہ وہ اسے بائع سے وصول کرے اس لیے کہ اس نے اس کے ساتھ فریب اور دغابازی کی تھی ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اسے بائع سے وصول کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے اپنے خرچ کا بدلہ وصول کر لیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم

سے دونوں قسم کی روایتیں ہیں- شافعی مذہب میں دونوں قول ہیں' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دونوں روایتیں ہیں- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ قول فاروقی رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قول علی رضی اللہ عنہ کو' سچ یہ ہے کہ قول فاروقی رضی اللہ عنہ میں فقہ زیادہ ہے اس لیے کہ بائع نے اسے مہر حاصل کرنے کے لیے نہیں دیا- اس نے قیمت لینے کے لیے دیا ہے ہاں بائع عقد بیع کی وجہ سے اس بات کا ذمہ دار ہے کہ خریدار کے لیے حق وطی سلامت رہے جیسے کہ اولاد کی سلامتی کا ذمہ دار ہے پس جیسے کہ قیمت اولاد اس پر لوٹ سکتی ہے مہر بھی اسی پر آئے گا-

اگر **اعتراض** کیا جائے کہ جہاں خدمت لینے کی صورت ہو وہاں تم کیا کرو گے؟ **تو جواب** یہ ہے کہ ہمارا فیصلہ وہاں بھی یہی ہو گا- قاضی وغیرہ نے یہی کہا ہے امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ ایک عورت کا نکاح کسی نے دوسرے سے کرا دیا اور وہ ہے برص والی یا اندھی یا دیوانی اس کے عیب کی خبر نکاح کرنے والے کو نہیں اب اس نے اس عورت سے وطی کر لی تو اسے مہر دینا پڑے گا اور یہ اپنی اس رقم کو اس فریب دینے والے سے وصول کرے گا- دراصل یہی صاف قیاس ہے- یہی صحیح عدل کی ترازو ہے اس لیے کہ ولی کو جب معلوم نہیں اور اس پر اس کے مہر کو تلف کر دیا ہے تو اس کا تاوان اس پر ضروری ہے- اگر **اعتراض** کیا جائے کہ اس نے تو خود اپنے فعل سے (دخول سے) اپنی چیز آپ تلف کر دی ہے **تو جواب** یہ ہے کہ اگر اس کو پہلے سے علم ہو جاتا تو یہ دخول کرتا ہی نہیں- اس نے تو اسے عیبوں سے سلامت گمان کر کے اس سے دخول کیا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں اگر اسے علم ہو جائے کہ اس میں یہ عیب ہے پھر یہ راضی رہے اور دخول کرے تو پھر فسخ ہو گا ہی نہیں نہ رجوع ہو گا- چونکہ اسے علم نہیں اور ولی نے اس سے دھوکہ کھیلا ہے اس لیے یہ معذور ہے اور بوجھ اس پر ہے جس نے یہ دھوکہ کیا ہے- ہاں اگر اس عورت نے ہی دھوکہ دیا ہے تو اس کا مہر ساقط ہے- الغرض جسے دھوکہ دیا ہے یا تو وہ محسن ہے یا معذور ہے اور شرعاً ان دونوں پر کوئی آنچ نہیں بلکہ اسے جو نقصان ہوا ہے وہ اصل دھوکہ دینے والے سے یہ وصول کر سکتا ہے جیسے کہ بیع کی قیمت اور اُجرت کی مزدوری- اگر **اعتراض** کیا جائے کہ مہر کا تو یہ خود ذمہ دار بنا ہے اسے دوسرے سے کیسے وصول کر سکتا ہے؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ ہاں بیشک یہ ذمہ دار ہے لیکن اس صورت میں کہ عورت بے عیب ہو لونڈی اپنی مستحق نہ ہو اگر ایسا ہو تو پھر ذمہ داری کیسی؟---- اگر **اعتراض** کیا جائے کہ پھر نکاح فاسد میں تم کیا کرو گے؟ حضور ﷺ نے وہاں فرج کی حلت کی وجہ سے مہر دلوایا ہے حالانکہ وہ ذمہ دار تھا نکاح صحیح میں نہ کہ فاسد میں- اس کا **جواب** یہ ہے کہ اس صورت میں اسے کسی اور نے دھوکہ نہیں دیا تھا بلکہ خود یہی اپنا دھوکہ دینے والا تھا پھر جو نفع اس نے اُٹھایا اس کا بدلہ کیوں مارا جائے گا؟ یہاں اور ہے کون؟ جس سے یہ وصول کرے؟ ہاں اگر عورت کا قصور ہوتا تو اس کا مہر مارا جاتا اگر دھوکہ ولی کی طرف سے ہوتا تو یہ مہر کی رقم اس عورت کو دے کر اس کے فریب کار ولی سے وصول کر لیتا-

صرافے کی سود خوری کے تہترویں حیلے کی تردید از (۷۳) تا (۷۷) :

حدیث میں تو صاف آ چکا ہے کہ سونا چاندی کا تبادلہ جب ایک جنس ہو نقدا نقد اور برابر ہونا چاہیے ورنہ سود ہو گا' لیکن ان مقلدوں نے اس حرام کو حلال کرنے کے پانچ حیلے نکالے ہیں- ایک تو یہ کہ بیچنے والا چیز کو عیب دار کر دے تو اب خریدنے والے کو کم قیمت پر لینا جائز ہو جائے گا- دوسرے یہ کہ اگر چیز اجزا والی ہے تو ایک جز روک کر باقی کی بیع کر دے- تیسرا حیلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی کوئی چھری رومال لوہے کی انگوٹھی

وغیرہ بھی رکھ لے۔ چوتھا حیلہ یہ ہے کہ اسے اپنے بچے یا بیوی کو دے دے یا کسی اور معتبر شخص کو پھر وہ اسے بائع کے ہاتھ بیچ دے یا قیمت لے کر ہبہ کرنے والے کو دے دے۔ پانچواں حرام حیلہ اس کا یہ لوگ یہ بتلاتے ہیں کہ ان حیلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ ہی بیچے اور ہبہ بھی نہ کرے فقط اس کی قیمت میں ایک لوہے کی انگوٹھی یا ایک رومال یا کوئی چھری بڑھا دے اب فرمایئے کہ یہ حیلے کر کے سود خواری کرنی اچھی یا ان حیلوں بغیر ہی اچھی؟ اس حیلے سے کون سا فساد دور ہو گا؟ جو حرام حلال بن گیا' بلکہ یہاں تو ایک حرام کام جس کا نام مکروفریب اور دھوکہ دہی ہے وہ بھی بڑھ گیا۔ اگر صرافے میں فساد تھا تو وہ اب بھی ہے اگر نہ تھا تو یہ حیلہ کیوں ہے؟ صرافہ تو خود حیلہ تھا سود کا اس حیلے پر حیلہ' فساد پر فساد' برائی پر برائی اور نافرمانی پر نافرمانی اور حرام پر حرام ہے۔ حیلہ بازو! کیا تم اللہ کو' فرشتوں کو' رسول ﷺ کو اور شریعت کو فریب دے سکتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اس صورت میں سو کو ڈیڑھ سو پر بیچ کر رہے ہو اور حرام کے مرتکب اور سود خوار بن رہے ہو لاکھ پردے ڈالو اللہ کی آنکھیں پردے کے اندر پہنچی ہوئی ہیں۔

(۷۸) عیب دار چیز کو بے عیب بتلا کر بیچنے کا حیلہ جسکے بعد واپس بھی نہ ہو سکے :

ان کے باطل اور حرام حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی چیز کو بالکل بے عیب بتلا کر بیچنا چاہے اور عیب دیکھ کر گاہک واپس بھی نہ کر سکے تو یہ حیلہ کر لے کہ کسی انجان آدمی کو اپنا وکیل بنا لے اور وہ ضامن ہو جائے جب وہ بیچ دے تو اس سے بیچنے والا قیمت لے لے۔ اب اگر عیب نکلے تو وہ انجان آدمی ملے گا ہی کہاں جسے واپس کرے؟ فرمایئے نرا دھوکہ اور پورا حیلہ ہے یا نہیں؟ کیا اس سے گناہ ثواب بن جائے گا؟ حرام حلال ہو جائے گا حق یہ ہے کہ جب صورت حال کا علم خریدار کو ہو جائے تو بلاشک و شبہ وہ اس سودے کو اس بیوپاری کے متھے مارے ورنہ پھر اپنے کیے کو بھگتے اور فقہا کی جان کو رولے اور صبر کرے۔

(۷۹) تا (۸۲) لونڈی کو ایک حیض سے پاک کیے بغیر اس سے وطی کرنے کے باطل حیلے :

ان باطل اور حرام حیلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی لونڈی کو کوئی خریدے تو بغیر ایک حیض عدت گزرے اس سے صحبت کرنا شرعاً حرام ہے لیکن اگر یہ چاہے کہ ابھی ہی اسے اپنے کام میں لے تو یہ چال چلے کہ بائع بیچنے سے پہلے اس کے نکاح میں دے دے پھر اسے بیع کر دے تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور چونکہ یہ لونڈی ہو گئی ہے اور اس نے خرید لیا ہے اور عقد نکاح سے حلال طریق پر اس سے صحبت کر لی ہے اس لیے اب ملکیت کے بعد بھی وہ حلال رہی اور عدت کچھ نہیں۔ دوسرا حیلہ اس کا یہ ہے کہ کسی اور سے نکاح کرا دے پھر وہ اس کے ہاتھ بیچ دے پس اس کی ایک طرح ملکیت ہو جائے گی۔ اب یہ اس پہلے کو اس کی طلاق کا حکم دے جب وہ طلاق دے دے گا تو خریدار کے لیے یہ بغیر پاکیزگی رحم کے حلال ہو جائے گی۔ تیسرا حیلہ اس کا یہ ہے کہ خریدار اپنے قبضے میں لینے سے پہلے اس کا نکاح اپنے کسی غلام سے یا کسی اور سے کر دے پھر اس پر اپنا قبضہ کر لے پھر وہ خاوند اسے طلاق دے دے تو اس کا مالک اس سے بغیر ایک حیض گزارے ہمبستری کر سکتا ہے ان حیلوں پر حیلہ یہ ہے کہ اگر یہ خوف ہو کہ نکاح کرنے والا اگر طلاق ہی نہ دے تو؟ اس کا حیلہ یہ ہے کہ نکاح کرے ہی اس شرط پر کہ لونڈی کا اختیار اس کے مالک کو ہے پھر خود ہی طلاق دے اور لطف اُٹھائے۔

بتلاؤ مسلمانو! اس حیلے کی حرمت میں کسی کو بھی شک ہے؟ اس کا بیچنے والا اس پر سے صبح کو الگ ہوا ہے یہ شام کو

سواری لے گا کیا استبراء کے لیے ایک حیض مقرر کرنے کی مصلحت کو فوت کرنے والے یہ سانڈ اور حرام کاری کے حلال کرنے والے یہ فقیہ نہیں ہوتے؟ یہ حیلہ حرام بھی ہے اور باطل بھی ہے اس لیے کہ مالک کو یہ حلال ہی نہیں کہ وہ اپنی صحبت کردہ سے بغیر ایک حیض گزرے اس کا نکاح کرا دے جو اس سے وطی کرے گا حالانکہ اس کی بچہ دانی میں دوسرے کا پانی اُبل رہا ہے۔ اسی طرح بیع کرنے کا ارادہ اگر کرے تو بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ استبراء کے بعد ہی بیع بھی کرے تاکہ نسب خلط ملط ہونے سے بچے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس بات کا خوف ہے کہ خریدار اس سے ابھی ہی سواری لینے لگے۔ ایسے وقت تو ایک حیض سے فارغ ہونے تک روکنا ضروری ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس حیلے کا نکاح ہی باطل ہے کیونکہ اس سے ایک واجب ٹوٹتا ہے جب اس کا خاوند اس نکاح کی صحت کی بنا پر اسے طلاق دے رہا ہے تو یہ طلاق طلاق نہیں پھر بھی اس کے مالک کو اس سے بغیر ایک حیض گزارے ہمبستری حرام ہے نئی ملکیت سے نیا حکم استبراء پر لوٹ کر آئے گا اس سے پہلے کا نکاح نکاح ہی نہیں نہ طلاق طلاق ہے وہ تو صرف ایک آڑ تھی اسے وطی کرنے کا حق ہی نہ تھا۔ جب یہ آڑ ہٹ گئی اصل حکم پھر سے آگیا پھر وصف پر حکم کیسے نہیں آئے گا؟ جبکہ نہ کوئی شرط گری ہے نہ مانع موجود ہے۔ شارع علیہ السلام نے جس خطرے کو مٹانے کے لیے ایک حیض کی مدت مقرر کی تھی وہ خطرہ مٹا نہیں بلکہ حیلے اور مکر اور فریب کے فساد اور بھی بڑھ گئے ہیں' تعجب ہے کہ جو چیز ایک فساد کی وجہ سے ممنوع ہو وہی چیز اس فساد کے ساتھ اور بہت سے فسادوں کے مل جانے سے رخصت والی ہو جائے گی؟ اس کی تو یہی مثال ہوئی کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے لیکن جب وہ غیراللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو حلال ہو جاتا ہے یا وہ خود مر جائے یا اس کا گلا گھونٹ دیا جائے تو حلال ہو جاتا ہے حالانکہ ہر طرح وہ حرام کا حرام ہی رہے گا اسی طرح یہ حرام چیزیں ہیں کہ حیلوں کے بعد ان کی حرمت دگنی ہو جاتی ہے۔

حنفیوں کے تعجب خیز فقہی مسائل :

آپ کا تعجب یقیناً اس وقت اور بھی بڑھ جائے گا جب آپ اسکے ساتھ یہ بھی سنیں گے کہ (۱) ان حضرات کے نزدیک چھوٹی لڑکی جس سے نہ جماع ہوا ہے نہ وہ جماع کے قابل ہے۔ اس پر بھی استبراء کیلئے ایک حیض کی عدت ضروری ہے (۲) وہ باکرہ جس کو کسی مرد نے چھوا تک نہیں اس پر بھی ایک حیض یا ایک ماہ کی صفائی ضروری ہے (۳) وہ لونڈی جس کا رحم قطعاً پاک ہے اس پر بھی یہ عدت ہے لیکن باوجود اسکے جس کی نسبت یقین ہے کہ ابھی ابھی یہ دوسرے کے نیچے تھی اس کے رحم میں دوسرے کا پانی اُبل رہا ہے وہاں ان حیلوں سے یہ استبراء دور اور یہ واجب ساقط۔ اب تو چاہے آپ بُرا مانیں ہمیں کہنے دیجئے کہ جہاں شریعت نے واجب کیا تھا تم نے توڑ دیا اور جہاں شریعت نے واجب نہیں کیا تھا تم نے واجب کر دیا (۴) پھر اس سے بھی بڑھ کر تمہارا ظلم یہ ہے کہ قرعہ اندازی جس سے حضور ﷺ نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حکموں کا اثبات کیا تھا لیکن تم نے اسے توڑ دیا (۵) تم نے ستم پر ستم یہ بھی ڈھایا ہے کہ طلاق کے دو گواہ جھوٹے کھڑے کر کے عورت کو قاضی کی زبانی مطلقہ ٹھہرا کر پھر اسے بھی اس سے نکاح کرنے کی اجازت دی جسے بخوبی معلوم ہے کہ اس کی طلاق کے گواہ جھوٹے تھے۔ (۶) بلکہ تم نے خود ان جھوٹے گواہوں کو بھی اس عورت سے نکاح کرنے کا حق دیا۔ (۷) وہ لونڈی جس سے اس کا میاں ہر وقت بات چیت کرتا ہے اسے تو تم نے فراش کا حکم نہیں دیا اس سے جو اولاد ہو تم نے اسکی قرار نہیں دی لیکن اس کے ساتھ ہی تم نے کہا کہ اگر کسی نے کسی عورت سے اپنا نکاح کیا اور حاکم اور شاہدوں کے روبرو مجلس عقد میں بھی کہہ دیا کہ اس پر تین طلاقیں ہیں۔ (۸) یا وہ عورت زمین کے مشرقی کنارے پر ہے اور مرد مغربی کنارے پر تو تم مانتے ہو کہ بہ مجرد عقد کے اس پر فراش

کا حکم ہے اگر اس کے چھ ماہ بعد اسے بچہ ہو تو وہ حلالی بچہ اسی مرد سے ملا دیا جائے گا (۹) مُسلمانو! بتلاؤ ان فقہاء کے سڑے ہوئے قیاسوں کو لے کر کیا ہم چاٹیں؟ یہ تو کہتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی کافر ایک دینار جزیے کا نہ دے تو اس کا ذمہ ٹوٹ گیا اس کی گردن مارنا اور اس کا مال لوٹ لینا حلال ہو گیا' لیکن اگر یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو گالیاں دے' اس کے رسول کو گالیاں دے' اس کی کتاب کو گالیاں دے اور وہ بھی برملا سب کے سامنے اور گالیاں بھی بدترین سوقیانہ بلکہ اگر یہ بیت اللہ شریف کو جلا دے ہمارے سامنے قرآنِ کریم کی ہتک کرے اور وہ بھی سخت تر توہین کرے لیکن جزیے کا دینار ادا کر دے تو اس کا ذمہ باقی ہے اور اس کا خون مال مُسلمانوں پر حرام ہے۔ کہو کیا یہ قیاس مان لو گے؟ (۱۰) کہتے ہیں کہ قرآن کی قرأت بجائے عربی کے فارسی میں کرلو تو کوئی حرج نہیں لیکن روایت اگر بالمعنی کرو تو ناجائز ہے۔ (۱۱) کہتے ہیں اور سارے حنفی کہتے ہیں کہ ایمان میں اعمال داخل نہیں' ایمان نام ہے صرف تصدیق کا' ایمان تمام انسانوں کا یکساں ہے لیکن پھر کہتے ہیں کہ مَسجِد کو مُسَیْجِد کہہ دے تو کافر ہو گیا۔ فَقِیْہ کو فُقَیْہ کہہ دے تو کافر ہو گیا۔ بلا وضو نماز پڑھے تو کافر ہو گیا۔ راگ رنگ باجوں تماشوں سے لذت و مزہ لے تو کافر ہو گا۔ (۱۲) اے اس فقہ کے ماننے والو! کیا تم نے ان فقہاء کا یہ زہر آلود پیالہ بھی پی لیا کہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی عورت کو اُجرت یعنی زنا کی خرچی دے کر اس سے زنا کیا تو اس پر حد شرعی نہیں' کسی عورت کو گھر کے کام کاج پر ملازمہ رکھ کر اس سے کالا مُنہ کیا تو اس پر بھی حد نہیں لیکن ایک شخص اپنے گھر گیا اپنے بستر پر عورت کو حسب دستور سوتا پایا۔ رات ہے اندھیرا ہے کچھ دیکھا نہیں یقین ہے کہ میری ہی بیوی ہے اس نے اس سے مجامعت کی تو یقیناً حد ہے اسے سنگسار کر دو ایک نہ سُنو۔ ہائے ظلم وائے بے انصافی۔ (۱۳) پانی کی نجاست کے مسئلہ میں تو اتنی سختی کی پیشاب کے ایک قطرے سے خون کے ایک قطرے سے ہزاروں من پانی ناپاک' لیکن پھر جو گرے تو صاف لکھ دیا کہ نجاست خفیفہ سے چوتھائی کے قریب تک کپڑا نجاست میں لتھڑ گیا ہو تو بھی نماز ہو جائے گی بلکہ نجاست مغلظہ پاخانے جیسی چیز بھی بقدر ہتھیلی کی چوڑائی کے ہو تو بھی نماز درست رہے گی۔ (۱۴) تمہیں ہم تمہارے مذہب کے ان فقہاء کی کون کون سی بھلی بھلی باتیں بتلائیں' انہوں نے تو لکھ رکھا ہے اور آج تم سب کو منوا کر چھوڑا ہے کہ اگر کسی پر چار گواہ زنا کے گزر گئے اور اس نے کہا یہ سب جھوٹے ہیں تو تو اسے حد لگائی جائے گی اور اگر کہہ دیا کہ واقعی یہ سچے ہیں بس حد اڑ گئی اب کس کی مجال جو اسے حد شرعی مار سکے؟

(۱۵) بھئی عجب عقل ہے اور عجب رائے ہے' عجب قیاس ہے اور عجب مسئلہ ہے کہ مَسجِد بنانے کے لیے جہاں اللہ کی عبادت کی جائے گھر کرائے پر دینا صحیح نہیں ہاں گرجا گھر بنانے کے لیے جہاں صلیب کی پرستش کی جائے بخوشی دے دے اور پارسی لوگوں کا آتش کدہ بنانے کے لیے جہاں آگ کی پوجا پاٹ کی جائے اپنا گھر کرائے پر دینا صحیح ہے۔ (۱۶) اگر تم ہنسو نہیں تو میں تمہیں حنفی مذہب کا ایک عجیب لطیفہ سناؤں' کہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز میں قہقہہ مار کر ہنس دیا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا ہاں اگر نماز میں گانے لگا یا نیک بخت باعصمت خاتونان مسلمین پر زنا کاری کی تہمت لگانے لگا یا جھوٹی گواہی دینے لگا تو وضو اپنی حالت پر ہے ٹوٹا نہیں۔ (۱۷) اللہ اس فقہ سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھے۔ کہتے ہیں کہ اگر کنویں میں نجاست گری اور وہاں سے گنتی کے مخصوص ڈول پانی کے نکالنے ہیں تو ڈول کے پانی میں جاتے ہی ڈول ناپاک ہو گیا اس میں پانی ناپاک آیا وہ کنویں کی دیواروں وغیرہ پر لگ کر وہ بھی ناپاک ہو گئیں اسی طرح اور ڈول بھی ناپاکی بڑھاتے رہے لیکن جب آخری ڈول نکلا تو اب سب بمع ڈول کے پاک ہو گئیں اور کنویں میں بھی تہ تک پاکیزگی پہنچ گئی۔ بھئی واہ! یہ آخری ڈول تو بڑی خوبیوں والا اور بڑی بزرگی والا ہو گیا۔ (۱۸) سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا مسئلہ ہے؟ کہتے ہیں کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں میوہ نہیں کھاؤں گا پھر اگر

اس نے جوز لوز فستق کھایا گو وہ سوکھا ہوا ہو کئی سال کا ہو تاہم اس کی قسم ٹوٹ گئی لیکن تر کھجوریں انگور انار جتنے چاہے کھائے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

(۱۹) یہ تو تھا گناہ اب عذر گناہ سنو تو سر دھنتے پھرو گے کہتے ہیں ہمارے اس فتوے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں بہترین میوہ ہیں میوے کی اعلیٰ تر قسمیں اس لیے یہ مطلق میوے کے نام میں داخل نہیں۔ (۲۰) بیان کرنے سے پہلے ہنسی آ رہی ہے اور بے ساختہ؟ کہ واہ رے فقیہو! خوب دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہو لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے قسم کھائی نیل دجلہ اور فرات کے دریا سے پانی نہ پیوں گا تو ہاتھ میں اُٹھا کر پی لے' کوزے میں بھر کر پی لے' ڈول نکال کر پی لے قسم کے خلاف نہیں ہاں جانوروں کی طرح پانی سے منہ لگا کر پیئے تو قسم کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔ (۲۱) ہمت نہ ہارو گھبراؤ نہیں ابھی اور سنو کہتے ہیں کہ ایک شخص مَسجِد میں سویا دروازے بند کر دیئے اب آیا پاخانہ تو مَسجِد کے پچھلے آخری حصہ میں پاخانہ نہ کرے بلکہ محراب مَسجِد میں یا طاق مَسجِد میں کر لے یہی اولیٰ ہے۔ ہم نے ان کے ہاں کے یہ مسائل اس لیے بیان کیے ہیں کہ آپ دیکھ لیں کہ ان کی عادت ہی ایسی ہے کہ بارش کے قطروں سے بچنے کے لیے پرنالے تلے کھڑے ہو جاتے ہیں ایک کے نقصان کے بدلے ایک سو کا نقصان برداشت کر لیں۔ یہی چال یہ لوگ ان حیلوں میں چلے ہیں کہ ایک حرام کے حاصل کرنے کے لیے کئی حرام جمع کر لیے' ایک فساد کے بدلے جب کئی ایک فساد جمع ہو گئے تو ان کے نزدیک حرام حلال ہو گیا۔ ایک فساد پر حرام دس بیس فسادوں پر وہی حلال۔ حیلے سے نہ تو فساد اُٹھا نہ اصلاح رونما ہوئی بلکہ فساد پر فساد بڑھا اور چڑھا پھر کیسے ممکن ہے کہ برائی بھلائی ہو جائے' ممنوع مرخص ہو جائے' خبیث طیب بن جائے؟ الغرض اللہ کا شکر ہے کہ ہم اپنے وعدے سے سبکدوش ہوئے' ہم نے ان حیلوں کے باطل اور حرام ہونے کی اجمالی وجہ پھر تفصیلی وجہ بیان کر دی' ان کے ایسے حیلے ہزارہا ہیں سب کو بیان کر کے بے فائدہ طوالت زیادہ سودمند نہیں اس لیے ہم اب اس پر اکتفا کرتے ہیں سمجھدار کے لیے یہ بہت کچھ ہیں' واللہ الموفق للصواب۔

حیلے کرنے والوں کی ایک بڑی دلیل اور اُس کا جواب :

یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں فرمانِ باری ہے : ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ (طلاق : ۲)

یعنی اللہ سے جو ڈرے اللہ اس کے لیے چھٹکارا کر دیتا ہے۔ حیلے تنگیوں سے چھٹکارے ہیں اس لیے یہ جائز ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حیلوں کی قسموں اور ان کے مرتبوں کی تقسیم کے قاعدے کے بعد یہ چیز بالکل کھل جاتی ہے اس لیے ہم بہ توفیق الٰہی کہتے ہیں کہ ان حیلوں کی قسم اوّل تو یہ ہے کہ فی نفسہٖ جو چیز حرام ہے اس تک پہنچنے کے خفیہ اور پوشیدہ راستے اور ایسے اسباب جن سے وہ حلال نہیں ہو سکتی' یہ حیلے مُسلمانوں کے اتفاق سے حرام ہیں جیسے کہ لوگوں کے مال لینے کے حیلے ان کی جانوں پر حیلے' ان کے حقوق پر حیلے' آپس میں فساد برپا کرنے کے حیلے وغیرہ۔

شیطان کے چھ حیلے :

یہ سب حیلے شیطانی حیلے ہیں وہ بھی بندگانِ الٰہی کو بہکانے کے لیے ایسے ہی حیلے کرتا ہے تاکہ چھ باتوں میں سے ایک ان سے کرا لے۔ (۱) وہ کفر ونفاق میں انہیں ڈالنے کے لیے مختلف قسم کے فن فریب کرتا ہے اگر کامیاب ہو گیا تو خوش ہو جاتا ہے اگر اللہ کے کسی بندے پر اس کے یہ حیلے کارگر نہ ہوئے تو پھر یہ (۲) انہیں بدعتوں میں ڈالنا چاہتا ہے' اس کے لیے طرح طرح کے کھیل کھیلتا ہے اگر یہ حیلہ کامیاب ہو گیا تو یہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا کرنے سے بھی زیادہ خوش ہو جاتا ہے پھر ان بدعتوں کے قبول کرنے والوں پر وہ نگاہیں دوڑاتا ہے اگر وہ دس بیس میں

پوچھے جاتے ہیں اور بھلے مشہور ہیں تو انہیں نئی نئی قسم کی عبادتیں اور زہد و ریاضت اور طریقت سکھاتا ہے پھر لوگوں میں ان کے فسانے پھیلاتا ہے اور جاہلوں کو ان کا شکار بناتا ہے اور سب کو اس بدعت میں ایسا پھانس لیتا ہے کہ وہ اس کے نہ کرنے والوں کو بُرا سمجھنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حدیث و سُنّت والوں کے درپے آزار ہو جاتے ہیں اور اسی کو نصرت دین سمجھنے لگتے ہیں جب دیکھتا ہے کہ کسی جگہ اس کا یہ فسوں بھی نہ چلا تو پھر(۳) کبیرہ گناہوں میں پھانسنے لگتا ہے اور یہ تھپکی دیتا جاتا ہے کہ تو اہل سُنّت ہے اہلسنّت اگرچہ فاسق ہوں تاہم اہل بدعت سے جو دشمنان الٰہی ہیں اللہ کو زیادہ پیارے ہیں۔ اہلسنّت فاسقوں کی قبریں بھی جنّت کے باغیچے ہیں اور بدعتیوں کی قبریں گو وہ عابد و زاہد ہوں جہنم کے گڑھے ہیں۔ سُنّت و حدیث کا عمل کبیرہ گناہوں کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے اور سُنّت و حدیث کی مخالفت نیکیوں کی بربادی کا باعث ہے اہل سُنّت کی نیکیاں اور عبادتیں اگر کم بھی ہوں تو اپنے عقیدوں کی خوبی سے وہ بلند درجوں تک پہنچ جاتے ہیں بدعتیوں کی عبادتیں اگرچہ بہت ہی ہوں تاہم عقائد کی گندگی کی وجہ سے وہ سب برباد ہو جاتی ہیں۔

اہل سُنّت جو صفتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بیان فرمائی ہیں سب کو مانتے ہیں ہر کمال و جمال و جلال کو اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور ہر نقصان اور عیب سے ذات باری کو پاک مانتے ہیں۔ مالک بھی ان کے ساتھ یہی کرتا ہے انہیں برائیوں سے دور کر دیتا ہے اور بھلائیاں عطا فرماتا ہے بدعتیوں کا اپنے اللہ کے ساتھ بُرا گمان ہوتا ہے وہ اس کی صفات کمالیہ کو معطل کر دیتے ہیں۔ اسی لیے اللہ بھی ان کی نیکیاں غارت کر دیتا ہے بعض جزئیات کے عِلم اللہ سے جو منکر تھے ان کے بارے میں ہے : ﴿ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ ﴾ الخ' (فصلت : ۲۳) یہ ہے تمہارا گمان جو اپنے رب کے ساتھ تم نے کیا اسی نے تمہیں غارت کر دیا اور تم نقصان یافتہ ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ جن کی بدگمانیاں تھیں ان کے بارے میں فرمایا کہ انہی پر برائی کی گردش ہے اور غضب الٰہی ہے اور لعنت رب ہے۔ یہ جہنمی ہیں۔ یہ بری جگہ والے ہیں۔ دیکھ لیجیے کہ اللہ کے ساتھ بدگمانیاں کرنے والوں کی سخت ترین سزا ہے جو کسی اور کی ہے ہی نہیں۔ بہکانے والا شیطان کبیرہ گناہ جن سے کراتا ہے انہیں تھپکیاں دیتا ہے کہ دیکھ تیرا گمان تو اللہ کے ساتھ نیک ہے اب تجھے عذابوں سے کیا کھٹکا؟ غرض اسی طرح کبیرہ گناہوں کی کوئی عظمت ان کے دِل میں رہنے نہیں دیتا یہ کبیرہ گناہ کرتے جاتے ہیں اور بالکل بے خوف رہتے ہیں شیطان کے اس حیلے سے وہی محفوظ رہتے ہیں جو عِلم دینی رکھتے ہوں اسماء اور صفات الٰہی سے واقف ہوں ان کا عِلم ان کے دِل میں خوف پیدا کرتا ہے جاہل مغرور ہوتا ہے اور بے خوف رہتا ہے' عالم متواضع ہوتا ہے اور خوفِ الٰہی سے کانپتا رہتا ہے۔

(۴) اگر کہیں شیطان کی یہ بھی نہیں چلتی تو اب یہ صغیرہ گناہوں پر اسے آمادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو! کبیرہ سے بچنا صغیرہ کا کفارہ ہو جاتا ہے کبھی یہ سبز باغ بھی اسے دکھاتا ہے کہ توبہ کرنے والے کی برائیوں کے بدلے اللہ انہیں بھلائیاں دیتا ہے تو خوب دِل کھول کر صغیرہ گناہ کر تاکہ ہر برائی کے بدلے بھلائی مل جائے۔ موت سے گھڑی بھر پہلے بھی توبہ ہو گئی تو برائیاں بھلائیوں سے بدل گئیں اگر اس گروہ شیطانی کا یہ داؤ بھی نہ چلا (۵) تو یہ قسم قسم کے مباح فضولیات میں اور ان کی کشادگی میں اسے ڈال دیتا ہے اور اسے بہکاتا ہے کہ دیکھ داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں پھر بھی سو کی تکمیل چاہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پوری ایک سو تھیں حضرت زبیر بن عوام' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بڑے مالدار رئیس تھے' حضرت عبداللہ بن مبارک' حضرت لیث بن سعد رحمہما اللہ متمول امیر آدمی تھے' یہ خیالات دِل میں ڈال دیتا ہے اور یہ بات بھلا دیتا ہے کہ یہ لوگ باوجود مالداری کے دنیا میں پھنسے نہ تھے بلکہ اسے دین کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے۔

(٦) اگر اس پلید کا یہ حیلہ بھی کسی اللہ کے بندے پر نہ چلا وہ پورا اللہ والا نکلا تو چھوٹے چھوٹے ثواب کے کاموں کی طرف اسے لگا دیتا ہے تاکہ بڑے بڑے اہم ثوابوں کے کاموں سے روک دے ہر بڑے ثواب کے بدلے چھوٹے ثواب کی طرف اسے دلچسپی کرا دیتا ہے اور اس طرح انسان کو فضائل سے روک دیتا ہے اگر یہ مردود ان سب حیلوں میں نامراد رہا تو اب اس خبیث کے ہاتھ میں ایک آخری حیلہ رہ جاتا ہے کہ اہل باطل' اہل بدعت اور اہل ظلمت کو اس مسکین مرد الٰہی کے مقابلے پر اکساتا ہے یہ غریب اللہ والا ان ظالموں کے نرغے میں گھر جاتا ہے یہ اس سے نفرت اور عداوت پھیلاتے ہیں لوگوں کو اس سے روکتے ہیں تاکہ کوئی اس کی بات سن نہ سکے۔ یہ تھے شیطانی حیلوں کے اصول پھر ان کی صورتیں وہ اللہ ہی کو معلوم ہیں جسے اللہ کی طرف سے توفیق رفیق ہوتی ہے وہ تو ان سے بچ جاتا ہے ورنہ اس کے داؤ سے بچنا محال ہے۔

شیطانی حیلوں اور فقہی حیلوں کی مشابہت اور مشاکلت :

ٹھیک یہی حال ان انسانی حیلوں کا ہے جن سے باطل کو اوج و بلندی دیتے ہیں اور حق کو دبوچ دیتے ہیں۔ دینی امور اپنی خواہش کے مطابق طے کرتے ہیں اور دنیوی امور میں بھی اپنا سونچا پورا کرتے ہیں ٹھیک یہی حیلے ایسے ہی توڑ جوڑ قرامطہ' باطنیہ نے شریعت محمدیہ بگاڑنے کے لیے کیے تھے ایسے ہی ہتھکنڈوں سے پادریوں اور رہبانوں نے دین عیسوی کو مسخ کیا تھا۔ یہ حیلے اور مداریوں کے تماشے اور شعبدہ بازوں کے کھیل اور مسمریزم اور نظربندی کے تماشے اور ٹوٹنے ٹوٹکے اور جادوگری کے کھیل سب ایک ہی ہیں اور یکساں ہی ہیں وہاں بھی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے ظاہر داری کچھ اور ہوتی ہے اسی طرح مذہبی تقدس کے دامن میں یہ مداری اور شعبدہ باز ہیں کہ حقیقت کچھ ہے لیکن ظاہر کچھ ہے۔ یہی چیز جادو میں بھی ہوتی ہے۔ دیکھئے! بعض بیان کو جادو کہا گیا ہے اس لیے کہ اس میں بھی طرح طرح کے احوال ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے الفاظ ایسے سہاؤنے دل لبھاؤنے ہوتے ہیں کہ آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں بُرے کو اچھا اور اچھے کو بُرا انسان مان جاتا ہے۔ صرف لفاظی سے اور زور بیان سے وہم کو قوی کر دینے سے' حافظہ پر قابو پا لینے سے' دماغ کو ماؤف کر دینے کی وجہ سے۔ وہم کے اور خیالات کے اثر کے شاہد بہت سے دنیوی واقعات ہیں ایک لکڑی کا اتنا چوڑا تختہ جس پر انسان بخوبی چل سکے جب آپ زمین پر رکھ دیں بیسیوں لوگ اس کے اوپر سے گزر جائیں گے لیکن وہی تختہ جب آپ زمین سے بہت اونچے بلندی پر رکھ دیں یا اس کے نیچے گہری خندق کھود دیں آپ کو اس پر سے گزرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ طبیبوں کو دیکھئے وہ اس شخص کو جس کی نکسیر پھوٹتی ہو سرخ چیز کو زیادہ دیر دیکھتے رہنے سے منع کرتے ہیں' مرگی والے کو تیز چمکدار چیز اور تیزی سے گھومنے پھرنے والی چیز کے دیکھتے رہنے سے روکتے ہیں کیونکہ قوت واہمہ دوسری چیز پیدا کر دیتی ہے۔ طبع انسان اثر قبول کرنے والی ہے۔ افعالِ جسمانیہ احوالِ نفسانیہ کے تابع ہیں۔ اسی طرح اصلی جادو ارواحِ خبیثہ کی مدد سے ہوتا ہے کہ انہیں شریک الٰہی ٹھہرا کر خوش کر لے اور خود بھی خبیث بنا رہے اسی لیے عمل جادو خبیث نفسوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے جو ان ارواح کے مناسب ہوتے ہیں۔ جوں جوں نفس زیادہ خبیث اور نجس ہو گا توں توں جادو کا عمل کامل ہو گا بڑے سے بڑے جادو کی حقیقت یہی ہے کہ نفسانیت خبیثہ جو فعالہ ہیں ان میں اور قوائے طبعیہ جو فعل کو قبول کرنے والے ہیں ایک میل پیدا کر دیا جائے۔ غرض جادو بھی ایک حیلہ ہے جس سے جادوگر اپنی باطل غرض کو پوری کرتا ہے۔ جادوگر کے کچے پکے حیلے دیرپا تاثیر انہی نفوس میں کرتے ہیں جو ایسی چیزوں کی قابلیت رکھتے ہوں جن پر ضعیف اور سفلی خواہشیں غالب ہوں۔ جن کا تعلق خالق و مالک کل سے منقطع ہو چکا ہو جن کی توجہ اور اقبال اس پاک ذات کی طرف نہ ہو۔ یہی وہ نفوس ہیں جو جادو کی اصلی

تاثیر کا محل رہتے ہیں۔ گانے بجانے ناچ رنگ کرنے والے طوائف بھی دراصل بہت سے حیلے کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دِل ان کی طرف جھک جائیں' انہیں ان سے لطف حاصل ہو اور دِل خوش رہے یہ جو شیطانی گانے ہیں یہ سب زناکاری کے بدترین حیلے ہیں اسی حیلے سے شیطان نے سب سے پہلی بدکاری اور زنا دنیا میں کرایا ہے۔ اسی کا دُم چھلا باجے گاجے ہیں۔

حیلوں والے فقیہ دین کے چور ہیں :

ان فقیہوں کے ان حرام حیلوں کو ہم چوروں کی چالاکیوں سے بھی اگر تشبیہ دیں تو بالکل انصاف ہو گا یہ اپنے ہاتھ سے چوری کرتے ہیں' اپنی قلموں سے چوری کرتے ہیں' امانتوں سے چوریاں کرتے ہیں' دینداری' دیانتداری' امانت داری ظاہر کر کے چوریاں کرتے' ہیں زہد و نیکی ظاہر کر کے چوریاں کرتے ہیں' بھولاپن ظاہر کر کے چوریاں کرتے ہیں' مکروفریب اور فن سے چوریاں کرتے ہیں۔ اسی طرح آوارہ مزاج لوگ ہیں یہ دِل پھینک حضرات بھی جس صورت پر ان کا دِل آجائے اسے حاصل کرنے کے عجیب عجیب ڈھونگ ڈھونڈ نکالتے ہیں- ان کے خفیہ حیلے بھی کسی طرح ان فقیہوں کے حیلوں سے کم نہیں ہوتے اور جو نفوس قابل اور منفعل شہوت ہوتے ہیں ان پر قبضہ کر ہی لیتے ہیں۔ فقہاء کے یہ حیلے تاتاریوں کے حیلوں جیسے ہیں جن سے وہ شہروں کے مالک بندوں کے بادشاہ بن گئے اور دِل کھول کر خونریزیاں کیں اور مال لوٹے ان کے یہ حیلے یہود اور رافضیوں جیسے ہیں جو مکروفریب کے کچے ہیں اسی لیے ان دونوں گروہ پر ذلت ہی برستی رہتی ہے۔ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ باطل حیلے کرنے والے سرسبز نہیں ہوتے۔

حیلہ بازوں کی دو قسمیں :

ان تمام حیلہ بازوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو ان حیلوں سے صرف مقصد برآری کر لیتے ہیں' لیکن ان کا حلال ہونا ظاہر نہیں کرتے جیسے چوٹے اور آوارہ مزاج عشاق وغیرہ' دوسری قسم کے وہ ہیں جو اپنا مقصد خیروصلاح نیکی اور فلاح کا ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کے باطن میں نہایت برائی ہوتی ہے۔ ہم سے اگر پوچھا جائے تو ہم تو کہیں گے کہ پہلی قسم کے لوگ اس قسم دوم سے اچھے ہیں یہ جو کرتے ہیں اس پر کوئی لفافہ تو نہیں چڑھاتے اور یہ دوسری قسم کے لوگ تو شریعت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اپنی مکاریوں اور فریب کاریوں کو اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان کا چولہ چڑھاتے ہیں انہیں فقہ کے سانچے میں ڈھالتے ہیں ان کے لباس مذہبی ہوتے ہیں۔ ان کی صورتیں دلفریب ہوتی ہیں۔ یہ جائز چیزوں کو ظاہر کرتے ہیں اس لیے ان کے پھندے میں بہت سے بھولے بھالے شکار پھنس جاتے ہیں' یہ بکریوں کی کھال میں بھیڑیے ہیں' یہ دوستوں کی شکل میں دشمن ہیں' یہ دینداروں کی صورت میں بددین ہیں' ((قاتلهم اللّٰه)) ان کے کاٹے کا منتر نہیں' ان کے حیلوں سے حرام فرجیں حلال ہو گئیں' مالِ حرام لوگ کھانے لگے' واجبات و فرائض الٰہی ساقط ہو گئے۔ حقوق پامال ہو گئے' دنیا چیخ اُٹھی' دیندار طبقہ انگشت بدندان رہ گیا۔ مُسلمانو! یاد رکھو یہ حیلے حرام ان کی تعلیم حرام- ان پر فتویٰ دینا حرام ان کے مضامین پر گواہ رہنا حرام ان پر حکم لگانا حرام۔ اگر کسی امام سے ان میں سے کسی کا جواز منقول ہو تو باور کر لو کہ صرف صورت ہے نہ یہ کہ امام کی کی منشا اس حیلے سے حرام تک پہنچنا ہو یہ پچھلے مکار دغابازوں کا کام ہے کہ انہوں نے اس صورت کو لے کر اس حرام اور اس حیلے کو جائز کر لیا اور حرام تک پہنچے جس کی حرمت پر خود امام بھی تھے۔ پس یہ کہنا کہ امام نے اسی حیلے کو کر کے اس حرام کو حلال کیا ہے۔ یہ امام پر بھی تہمت باندھنا ہے۔ مثال کے طور پر سنئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے مریض کا اقرار اپنے وارث کے لیے جائز مانا ہے لیکن اس سے جن حیلہ باز شافعیہ نے اقرار کے حیلے سے وارث کو مال دلوانا کہا ہے یہ ان کی تہمت طرازی ہے ہرگز امام صاحب نے اس پلید اور حرام اور باطل حیلے کو جائز

نہیں کیا۔

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو جائز کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی سے کوئی سودا خریدے تو اسے اختیار ہے کہ اپنی لاگت کی قیمت سے بھی کم میں بیچ دے لیکن اس فتوے کو لے کر صرافے کے سودی حیلہ جو شافعیہ نے بنا رکھا ہے یہ غلط جھوٹ حرام باطل اور لغو ہے اور امام صاحب نے ہرگز اس خبیث سودی حیلے کو حلال نہیں کہا کہ سو کی چاندی کو ڈیڑھ سو سے بدل لیا جائے۔ یہ تو بطور سد ذریعہ حرام ہے۔ یہ وہ حیلہ ہے جس سے حرام کو حلال کی صورت دے دی جاتی ہے جیسے خنزیر کو بسم اللہ کر کے ذبح کر لیا پس یہ دونوں حیلے خلاف شرع ہیں ساتھ ہی خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلاف ہیں ایسے حیلوں سے اقرار مریض صحیح نہیں ہوگا نہ یہ بیع درست ہوگی اقرار اپنے آپ پر گواہی ہے۔ جب موقعہ تہمت ہے تو مثل گواہی کے اقرار بھی ساقط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اقرار کو معتبر مانا ہے جو بطور حیلہ کے نہ ہو تو وہاں حسن ظن ہے۔ سلامتی برقرار ہے کیونکہ خاتمے اور موت کا وقت ہے' اسی طرح عورت کا فسخ نکاح پر حیلہ جسے حیلوں کے معبودوں نے سکھا رکھا ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے ولی کو اپنے نکاح کی اجازت نہیں دی یا کہہ دے کہ نکاح صحیح نہیں ہوا اس لیے کہ ولی یا گواہ اس وقت ریشمی فرش پر بیٹھے تھے یا ریشمی تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے تو اپنی آنکھوں لوگوں کو ایسے حیلے کرتے دیکھا ہے کہ جب خاوند نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اب دیکھا کہ حلالہ کرنا پڑتا ہے یعنی کسی دوسرے کی ران کے نیچے اپنی بیوی کو دیکھ کر پھر واپس لینا پڑتا ہے تو حیلہ کر لیا کہ نکاح اصل میں فاسد تھا ولی فاسق تھا یا گواہ فاسق تھے تو نکاح فاسد ہوا اور فاسد نکاح میں طلاق نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ نرا بے ایمانی کا حیلہ ہے ورنہ اب تک یہ نہ سوجھی میاں بیوی بنے ہوئے تو برسوں گزر چکے تھے تب تک تو نکاح صحیح رہا اب وہ فاسد ہو گیا یہ ہے اللہ کے ساتھ دغا بازی۔

(۴) اسی طرح بیوپاریوں کو سکھائے ہوئے ان معبودان حیلہ کے حیلے ہیں کہ بیع کو فسخ کرنا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بائع بوقت بیع بالغ نہ تھا یا سمجھدار نہ تھا یا روکا ہوا تھا یا بیع اس کی ملکیت میں نہ تھی یا اسے بیع کا اختیار اور اجازت نہ تھی۔ پس یہ حیلے اور ان جیسے اور سب حیلے بلاشک و شبہ ہر مسلمان کے نزدیک کبیرہ گناہ ہیں' بدترین حرام ہیں' اللہ کے دین سے کھیل ہیں' اس کی آیتوں سے مذاق اور اس کے احکام سے استہزاء ہے پھر یہ اپنی ذات میں بھی حرام ہیں کیونکہ جھوٹ بہتان اور افترا ہے اور اپنے مقصود کے لحاظ سے بھی حرام ہیں کیونکہ ان سے عقد باطل ہوتا ہے۔ باطل ثابت ہوتا ہے۔ پس یہاں تین قسمیں ہیں (۱) ایک تو حیلہ حرام' پھر اس سے مقصود حرام' دوسرے وہ چیز فی نفسہ مباح ہے لیکن اس سے مقصد حرام اس لیے وہ بھی حرام کیونکہ حرام کے اسباب ذرائع اور وسائل بھی حرام ہیں جیسے ڈاکہ زنی کے لیے سفر' کسی بے گناہ کے قتل کے لیے سفر ان دونوں قسموں میں حیلے باطل اور حرام مقصد کے لیے ہوتے ہیں مقصود صحیح اور جائز نہیں ہوتا جیسے سفر کہ جائز کام کے لیے جائز ہے' لیکن ناجائز کام کے لیے ناجائز ہے' (۳) تیسری قسم یہ کہ وہ راستہ تو حرام کے لیے نہیں بلکہ مشروع امر کے لیے ہے جیسے اقرار اور بیع اور نکاح اور ہبہ وغیرہ لیکن انہی کو زینہ اور سبب اور راستہ بنا لیا جائے حرام کے حصول کا ہمارا کلام زیادہ تر اسی جیسے حیلوں میں ہے۔ چوتھی قسم یہاں ایک اور ہے کہ کسی حیلے سے حق لے یا ظلم کو دفع کرے۔

اس قسم کی بھی تین قسمیں ہیں' قسم اوّل طریقہ تو فی نفسہ حرام ہے اگرچہ مقصود حق ہے۔ مثلاً اس کا کسی پر حق ہے چاہے وہ اس کا انکار کر گیا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ جھوٹے گواہ دو تیار کر لے جو گواہی دے دیں حالانکہ انہیں حقیقت کا علم نہیں یا جیسے کہ کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور اب انکار کر گیا اور گواہ نہیں تو وہ عورت دو جھوٹے

گواہ کھڑے کر لے وہ کہہ دیں کہ ہاں بیشک ہم نے سنا اس نے طلاقیں دیں۔ حالانکہ انہوں نے طلاق نہیں سنی' یا کسی پر قرض ہے اور اس کی امانت اس کے پاس ہے وہ قرض نہیں دیتا یہ اس امانت کا انکاری ہو جائے یا اس کے خلاف صورت ہے تو اس کے قرض کا یہ انکاری ہو جائے اور قسم کھا لے کہ اس کا کوئی قرض میرے ذمے نہیں یا اس کی کوئی امانت میرے پاس نہیں' مسئلہ ظفر کے جائز کہنے والے اسے بھی جائز مانتے ہیں۔ یا یہ کہ کسی عورت نے اپنے خاوند پر جھوٹا دعویٰ اپنے نان نفقہ کا دائر کر دیا تو یہ جھوٹے گواہوں سے کہلوا دے کہ یہ عورت نافرمان اور روٹھی ہوئی تھی' یا کہہ دے کہ مجھے صحبت ہم بستری نہیں کرنے دیتی تھی تاکہ نان و نفقہ سے چھوٹ جائے' پانچویں مثال یہ ہے کہ کسی نے اس کے ولی کو قتل کر دیا گواہ کوئی نہیں تو یہ دو جھوٹے گواہ پیش کر دے جو بموقعہ قتل موجود نہ تھے وہ کہہ دیں کہ ہاں اس نے ان کے سامنے قتل کیا۔ کسی کا انتقال ہو گیا اس کا جائز وارث موجود ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا تو یہ دو جھوٹے گواہ پیش کر دے کہ ہاں فلاں مر گیا اور یہ اس کا وارث ہے۔

یہ اور اس جیسی صورتیں جہاں اصل تو حق ہے اور وسیلہ بد ہے تو اس غلط اور جھوٹے سبب پر یہ گناہ گار ہو گا اور اصل مقصد میں بے گناہ ہے۔ انہی صورتوں کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ جو تجھ سے امانت داری کرے تو بھی اس سے یہی سلوک کر اور جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر۔ قسم دوم طریقہ مشروعہ ہو جہاں پہنچے گا وہ بھی مشروع ہے۔ مثلاً بیع اجارہ مساقاۃ' مزارعت وکالت وغیرہ بلکہ کل حلال اسباب جو حلال تک پہنچانے والے ہیں جیسے کہ حسی اسباب ہوتے ہیں جو اپنے مسبب کے مقتضی ہوتے ہیں۔ بلاشک یہ سب مشروع ہیں یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہیں خلق و امر اللہ کا ہے' خلق اللہ میں' حکم اللہ میں' تبدیلی کی گنجائش اور طاقت کسی کو نہیں جیسے دنیوی اسباب ہیں ایسے ہی یہ شرعی اسباب ہیں۔ قضاو قدر اس کے مقرر کردہ ہیں حکم کا تو خواہ کوئی خلاف کر جائے لیکن قدرے اسباب میں تبدیلی نہیں ہوتی نہ ہیر پھیر جیسے اللہ کے فرمان رد نہیں ہوتے اس کے ارادے مراد سے جدا نہیں ہوتے جو فرماتا ہے ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے اسباب قدرتی طور پر سب کو تعلیم کر رکھے ہیں یہاں تک کہ حیوانات بھی اس فیض عام سے محروم نہیں بلکہ یہ وہ وہ حیلے کر لیتے ہیں کہ انسان ان کے مقابلے میں عاجز آ جائے۔ اس قسم کے اسباب کو حیلہ کہہ کر کوئی کر لے تو ہمارا یا سلف کا اس میں کلام نہیں بلکہ جوں جوں عقل زیادہ ہو گی انسان وسائط اسباب ذرائع زیادہ تلاش کر لے گا جن سے نفع اُٹھائے اور نقصان سے بچے آپ خصوصیت کے ساتھ جنگ و لڑائی کے مواقع کو دیکھئے وہاں تو چالوں پر چالیں اور جوڑ توڑ اور داؤں گھات ہی ہوتے ہیں ایسے موقعہ پر عقلمندی کے خلاف ہے کہ انسان دشمن کو چال چلنے دے اور خود کوئی گھات نہ کرے۔

شریعت نے تو ہمیں حکم دیا ہے کہ ایسی عاجزی اور ایسی بے عقلی اور سستی سے ہم اللہ کی پناہ مانگیں۔ عجز اور کسل دونوں سے اللہ کے رسول ﷺ نے پناہ طلب کی ہے۔ عجز یہی ہے کہ نافع حیلوں اور چالوں پر انسان کو قدرت نہ حاصل ہو اور کسل یہ ہے کہ دل میں امنگ اور ارادہ پیدا ہی نہ ہو عاجز حیلے کی طاقت نہیں رکھتا اور کسل مند ارادہ ہی نہیں کرتا ایسے وقت جس کی بن آئے اور پھر بھی وہ بے وقوف بنا رہے اور دشمن کو موقعہ دے یہ وہ ہے جس نے وقت کھویا' فرصت ضائع کی اور مصلحت کو نہ پہنچا۔ اسی بات کو شاعر نے کہا ہے کہ جو انسان باوجود قدرت کے بچاؤ اور نفع کے باریک بینیوں سے فائدہ نہ اُٹھائے وہ برباد ہو کر رہے گا۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ "کام دو ہیں ایک وہ جس کا تدارک تیرے بس میں ہو اس میں تو کمی

نہ کر دوسرا وہ جو تیرے اختیار سے باہر ہو اس میں بے صبری نہ کر۔"

تیسری قسم یہ ہے کہ حق کو پہنچنے یا ظلم کو روکنے کے لیے کسی چالدار راستے پر چلے جو مباح ہو اور وہ اسی مقصد کے لیے موضوع تو نہ ہو مگر یہ اس سے اس مقصود کو حاصل کرلے جو صحیح مقصد ہے یا یہ بھی اسی مقصد کا ذریعہ ہو لیکن بہت ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو جو معلوم نہ ہو سکتا ہو اس قسم میں اور اس سے پہلے کی قسم میں فرق یہ ہے کہ وہ تو طریقہ اسی تک پہنچنے کا تھا اور ظاہر تھا۔ جیسے صحیح ظاہر راستے سے کسی جگہ چل کر جاتا اور یہ راستہ تو ہے اور جگہ کا لیکن اس سے چل کر پہنچا ہے اور جگہ یہ راستہ غیر معروف غیر مشہور ہے فعلوں میں اس کا درجہ وہی ہے جو قولوں میں تعریض کا مرتبہ ہے یہ مقصود تک پہنچاتا تو ضرور ہے' لیکن ایسے جیسے چور راستوں سے کوئی منزل تک پہنچے ہم اس کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو ان سے پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔

پہلی مثال: کسی نے کئی سال کے لیے دوسرے کا مکان کرائے پر لیا اب اسے خوف ہوا کہ کہیں مالک مکان آخری مدت میں کوئی عذر نکال کر یا کوئی سبب کھڑا کر کے اس کرایے سے پھر نہ جائے' مثلاً یہ ظاہر کر دے کہ اسے کرایہ دینے کا اختیار ہی نہ تھا یا مکان اس کے لڑکے کا یا اس کی بیوی کا ہے یا اس سے پہلے ہی وہ اس کو کرایے پر دے دیا گیا تھا اس کا اصلی کرایہ یہ ہے۔ لہٰذا دیا لیا برابر ہو گیا اب مکان خالی کر دو۔ تو وہ اس خوف سے نجات حاصل کرنے کے لیے اور اس ظلم سے اپنے تئیں محفوظ کرنے کے لیے اور اس حیلے سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرلے کہ کرایہ پر دینے والے کو ضامن ٹھہرائے یا اور کسی کو تاکہ ایسے موقع پر اس کی رقم ضائع نہ ہو یا جس کی نسبت دعوے کا ڈر ہو اسی سے اقرار کرالے کہ اس کا کوئی حق اس چیز میں نہیں اور اگر کوئی دعویٰ کسی کی طرف سے حق کی بابت ہو تو وہ باطل ہے یا اس سے مثلاً سو دینار پر اجارہ میں لے اور ہر دینار کے بدلے دس درہم ٹھہرا لے جب وہ اس سے اُجرت مثل طلب کرے تو یہ اپنے وہ دینار طلب کرے جس پر عقد واقع ہوا ہے تو وہ خوف جاتا رہے گا ہاں یہ ڈر پھر بھی باقی رہتا ہے کہ کہیں آخری مدت میں غداری نہ کرے اس کا توڑ یہ ہے کہ برسوں کی گنتی پر اُجرت کی رقم ٹھہرائے اور بڑی رقم اسی سال کی قسط میں رکھے جس میں اس کی بدعہدی کا خوف ہو۔ اسی طرح اجارہ دینے والے کو اگر اجارہ دار سے خوف ہو تو وہ بھی امن والے برسوں میں قسط کی بڑی رقم مقرر کرلے اور آخری مدت میں کم رقم رکھے۔

دوسری مثال: کسی کو گھر کرائے پر دے رہے ہیں لیکن ڈر ہے کہ یہ کہیں چلا جائے ہمیں گھر کی ضرورت و حاجت ہو اور اس کے گھر والے گھر خالی کر کے نہ دیں تو اس سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرلے کہ کرایہ دار کی بیوی کو کرایہ پر دے اور اس کے خاوند کو ضامن ٹھہرائے کہ بوقت مدت گزر جانے کے وہ اسے واپس کر دے گی یا اس کی عورت کو اپنے خاوند کی ضامن بنائے جبکہ اس کے خاوند کو کرایہ پر دیتا ہو۔ پس ایک کرائے پر لینے والا ہوا دوسرا اس کا ضامن ٹھہرا اب کوئی صورت اسے نقصان پہنچانے کی باقی نہ رہی۔ اسی طرح اس صورت میں اگر کرائے پر لینے والا مر جائے اور اس کے وارث اس مکان کی ملکیت کا دعویٰ کر بیٹھیں تب بھی یہ صورت مکان دار کو مفید رہے گی کہ یہ لوگ واپسی کے ضامن ہوئے ہیں اگر اسے کرائے دار کے مفلس ہو کر کرایہ نہ ادا کرنے کا ڈر ہو تو یہ حیلہ ہے کہ اس سے جب تک وہ رہے تب تک کے کرایہ کا یہ کفیل و ضامن کسی کو بنالے اور ماہ بہ ماہ کرایہ ادا کرنے کی اس سے شرط کرلے اور اس کی ضمانت پر گواہ بھی مقرر کرلے۔

تیسری مثال : مالک مکان کرائے دار کو اجازت دے کہ مکان کی حسب ضرورت مرمت کراتا رہے یا جانور کرائے پر دینے والا اجازت دے کہ جانور کو چارہ اس کی حاجت کے مطابق دیتا رہے۔ کرائے دار کو اور جانور کو کرایہ پر لینے والے کو خوف ہو کہ یہ کرائے میں نہ شمار کیا جائے تو مالک مکان اور مالک جانور کے اس رقم کے بری ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا ایک صحیح اندازہ کر کے اس رقم کو کرائے میں گن لے اور اس پر گواہ رکھ لے کہ مالک نے اتنی رقم میں اسے اپنا وکیل ٹھہرایا ہے کہ گھر کی مرمت اور جانور کے چارے میں میں حسب ضرورت یہ صرف کر دوں۔ اگر اس پر اعتراض کیا جائے کہ کیا پھر تم اسے بھی جائز مانتے ہو؟ کہ کسی کا دوسرے پر قرض ہو وہ اسے کسی شراکت میں اپنا وکیل بنا دے یا صدقے میں یا اپنے نفس کی برأت میں یا کسی چیز کو اپنے لیے خریدنے میں اور قرض دار جب یہ کر لے تو وہ بری الذمہ ہو گیا؟ تو جواب دیا جائے گا کہ اس میں اور شرکت قرض کے ساتھ جو ہو اس میں اختلاف ہے۔ مذہب امام احمد رحمہ اللہ میں دو قول ہیں ایک جائز نہ ہونے کا مشہور قول یہی ہے اس لیے کہ یہ متضمن ہے انسان کا خود اپنی طرف سے قبض کرنے کو اور اس کے بری کرنے کو خود اپنے لیے قرضدار کے قرض سے' خود اپنے ہی فعل سے کیونکہ وہی قرض سے نکالتا ہے اور پھر شراکت کرتا ہے۔ پس مال بطور امانت کے ہو جاتا ہے اور یہ اس سے بری ہو جاتا ہے یہی حالت اس وقت بھی ہے جب اس سے یہ کوئی چیز خریدے یا صدقہ کرے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے دلیل کی رو سے رائج یہی ہے۔ اس کی ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں نہ یہ کسی شرعی قاعدے کے خلاف نہیں نہ اس میں کوئی شرعی حرمت لازم آتی ہے' مثلاً سود' جوا' دھوکے کی بیع' فساد وغیرہ' پس کسی طرح بھی عقل نہیں مانتی کہ یہ شرعاً ناجائز ہو بلکہ اصول شرع اور خوبی دین کا تقاضا یہی ہے کہ ان تمام صورتوں کو وہ جائز رکھے۔ معترض نے جو یہ کہا ہے کہ اس سے انسان کا اپنے فعل سے اپنے آپ کو بری کرنا لازم آتا ہے اس کلام میں بہت اجمال ہے اس میں اس بات کا وہم ڈالنا ہے کہ یہی اپنے اس فعل میں خود ہی مستقل ہے حالانکہ ایسا نہیں اسے تو جس کا قرض اس پر ہے وہ اجازت دیتا ہے کہ یہ کر اس سے تیری برأت قرض سے ہو جائے گی پھر یہ کرتا ہے اور پاک صاف ہو جاتا ہے اس میں کون سی ممانعت آ گئی؟ مستحق اپنے حق کی ادائیگی کی ایک جائز اور آسان صورت پیدا کرتا ہے یہ اسے قبول کرتا ہے اس میں اسے ضمناً نفع بھی پہنچتا ہے تو کیا حرج ہو گیا؟ ایسی صورتیں تو شریعت میں بیشمار موجود ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ کہہ دیتا کہ میں نے تجھے اپنا وکیل کیا یا اجازت دی کہ تو اپنے تئیں قرض سے بے باق کر دے تو یہ بھی جائز صورت ہے اور اسے اختیار ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میں تجھے تیری طلاق پر اپنا وکیل بناتا ہوں تم ہی بتلاؤ کہ ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ کہ وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے اگر تو چاہے تو اپنے تئیں طلاق دے لے یا اپنے قرضدار سے کہے کہ اگر تو چاہے تو اپنے تئیں بے باق کر لے بلکہ تمہارا اپنا قول ہے کہ اگر کوئی اپنے غلام کو اجازت دے مالی کفارے کی تو یہ صحیح ہے اگر آزادگی کرنے کی اجازت ہو تو بھی وہ مالک ہو جائے گا اگر وہ اپنے تئیں آزاد کر لے تو دو قولوں میں سے ایک کی بنا پر یہ آزادگی صحیح ہو جائے گی۔

دوسرا قول اس کے خلاف ہے کیونکہ دوسرا مانع ہے وہ یہ کہ ولاء آزادگی کرنے والے کے لیے ہے اور غلام اس کا اہل نہیں ہے اس لیے جس صورت میں اس وقت گفتگو ہے اس میں خرابی تب آتی کہ جس کا قرض ہے اس کی رضامندی اور اجازت نہ ہوتی بیشک یہ چیز قواعد شرع کے خلاف ہے۔ اگر کہا جائے کہ قرض متعین نہیں ہے بلکہ وہ مطلق کلی ہے جو

ذمہ داری پر ہے جب یہ مال نکالے گا اور اس سے خرید کرے گا یا صدقہ کرے گا تو یہ متعین نہیں ہوا کہ یہی قرض تھا۔ جس کا قرض ہے اس نے اسے مقرر نہیں کیا بلکہ وہ اپنے اطلاق پر باقی ہے' تو جواب دیا جائے گا کہ یہ ذمہ داری میں مطلق ہے اور اس کا ہر ہر فرد جو مطابقت رکھے اس کی تعیین میں آتا ہے اور کفایت کرتا ہے جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفارہ میں آزادگی گردن مطلق رکھی ہے۔ وہ معین نہیں ہے۔ لیکن جب کفارہ دینے والا کسی غلام کو معین کردے اور ہو وہ اس مطلق کے مطابق تو یہ واجب اس کی آزادگی سے پورا ہو جائے گا۔ اس کی نظیر یہاں یہ ہے کہ جس فرد کو یہ معین کردے گا اور جس کا ذمہ دار یہ ہے اس کے مطابق وہ فرد ہو گا تو اس سے اس کا وجوب ادا ہو جائے گا جیسے کہ ادائیگی کے وقت معین کرتا اور جیسے کہ وکالت کے وقت قبضے میں متعین کرتا۔

اسی طرح سے یہاں تعیین ہو جائے گی پھر شراکت کا کام شروع ہو گا یہ صدقہ دے گا یا اس سے کوئی اور چیز اس کے لیے خریدے گا جس کا قرض اس کے ذمے تھا۔ یہ تو صاف فقہ ہے اور صاف قیاس ہے ورنہ آپ ہی فرمائیں کہ جب یہ کسی اور کو اس کے لینے کا وکیل کرتا یا خریدنے کا یا صدقہ کرنے کا اس میں اور جس کے ذمہ قرض ہے اسی کو اس کام پر مقرر کرنے میں کون سا فرق ہے؟ کسی فقہ میں فرق پڑ جاتا ہے۔ کون سی مصلحت اِس کی یا اُس کی برباد ہو جاتی ہے؟ کون سی حکمت شارع فوت ہو جاتی ہے؟ جس کی رعایت واجب ہو۔ اگر کہا جائے کہ پھر تو تم پر لازم ہے کہ تم کہو یہ بھی جائز ہے کہ یہ کہہ دے کہ جو قرض میرا تجھ پر ہے اسی کو اصل پونجی مال سلم میں کر دو۔ تو جواب دیا جائے گا کہ اس کے توڑنے کی صحیح چیزیں دو ہیں ایک تو یہ کہ یہ انہی صورتوں جیسی صورت ہو جس سے موجب حکم معناً ثابت ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اس کا کوئی حکم نص یا اجماع سے ثابت ہو۔

ہم کہتے ہیں یہاں دونوں چیزیں نہیں اگر کچھ کہا بھی گیا ہے وہ صورت یہ نہیں کیونکہ انہوں نے اسے قرض کو قرض سے بیع کرنا شمار کیا ہے اور یہاں یہ ہے ہی نہیں۔ جو اسے جائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں شارع سے ان لفظوں میں ممانعت نہیں ہے جو حدیث اس کے لیے پیش کی جا رہی ہے وہ کلام سے خالی نہیں اس میں لفظ ہیں کالی کے اور کالی کہتے ہیں مؤخر کو۔ جیسے کہ اصل پونجی قرض ہو اس کے ذمے یہ تو بالاتفاق ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں اس کے ذمے دو دو چیزیں پڑ جاتی ہیں جو بالکل بلا مصلحت ہیں۔ یہ بات ہی اور ہے اور جو صورت یہاں ہے وہ اور ہی ہے۔ یہاں تو یہ ہے کہ ایک رقم اس کے ذمے ہے اسی سے وہ ایک چیز خریدتا ہے یہ قرض تو ادا ہو گیا اب دوسرا قرض اس کے ذمے ہوا پس یہاں بیع ساقط واجب کے بدلے ہے تو یقیناً جائز ہو گی۔ جیسے بیع ساقط ساقط کے بدلے جائز ہے مقاصہ کے باب میں۔ اگر کرایہ پر لینے والے نے کوئی بنا بنوائی یا جانور پر کچھ خرچ کیا اور کہا کہ اس میں میری اتنی اتنی رقم لگی ہے اور کرائے پر دینے والا اتنی رقم کا انکاری ہے تو اسی کی بات صحیح سمجھی جائے گی اس لیے کہ کرائے پر لینے والے نے اپنی برأت اس سے کرنی چاہی ہے جو حق اس پر ثابت ہے پس بات انکاری کی معتبر ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ کیا اسے یہ چیز نفع دے گی کہ جانور یا گھر والا خود اپنے اوپر گواہ کرلے کہ جو خرچ یہ بتائے گا وہ اسے سچا مانے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز اسے نفع نہ دے گی یہ کچھ بھی نہیں یہ تو سچا اسی وقت سمجھا جائے گا جب کہ یہ دلیل پیش کرے اس لیے کہ عقد کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کا قول خرچ کے بارے میں نہ مانا جائے۔ ہاں اس صورت میں تو اسے نفع ہو سکتا ہے کہ خرچ کے بعد وہ گواہ رکھ لے کہ مالک مکان نے اسے سچا پایا دونوں جگہ کے فرق کو خیال فرمائیے ایک جگہ تو وہ بعد از خرچ مدعی ہے کہ اتنا اتنا خرچ کیا اگر مدعا علیہ بھی اسے سچا مانے تو تو خیر ورنہ دلیل طلب کی

جائے گی اور خرچ سے پہلے نہ اس کا دعویٰ ہے نہ اس کی تصدیق کی گواہی اسے نفع پہنچا سکتی ہے۔ اس دعوے میں جو یہ بعد میں کرنے والا ہے یہ بالکل اور چیز ہے وہ اور چیز تھی۔ اگر سوال کیا جائے کہ پھر اس کی بات سچ سمجھی جائے اس کا بھی کوئی حیلہ ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ہاں اُجرت و کرایہ پر لینے والا اندازاً اتنی رقم جتنی اسے خرچ کرنی پڑے گی مالک مکان و جانور کو ادھار دے پھر یہ اس رقم کو اسے واپس کر دے اور اپنا وکیل بنا لے تو اس کی حیثیت امانت دار کی ہو جائے گی۔ اب اس کا دعویٰ سچا مانا جائے گا بشرطیکہ خرچ کی رقم معمولی اور عرف کے مطابق ہو اگر عادۃً جو رقم ہوتی ہے اس سے بہت زیادہ مانگے تو پھر بھی اس کی بات سچی نہ مانی جائے گی۔ اس حیلے سے کسی حق کا دفع کرنا' کسی حرام تک پہنچنا' کسی باطل کو برپا کرنا مقصود نہیں بلکہ حق کو نتھارنا اور اس کے خلاف کا روکنا مدنظر ہے۔

چوتھی مثال : اگر گھر والے اور جانور والے کو یہ ڈر ہو کہ اُجرت و کرائے پر لینے والا مدت کے ختم ہونے کے بعد بھی قبضہ کیے رہے تو اس کے دفعیہ کا حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ ختم مدت کے بعد اگر تو نے خالی نہ کیا یا جانور واپس نہ کیا تو ہر ہر دن کے بدلے اتنا اتنا روپیہ تجھے دینا پڑے گا تو وہ اس خوف سے مقررہ مدت کے بعد روک نہ سکے گا۔

پانچویں مثال : شمع کو روشن کرنے کے لیے اُجرت پر دینا جائز نہیں کیونکہ اُجرت پر دی ہوئی عین چیز جاتی رہتی ہے' لیکن اس کے جائز کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ شمع کے اوقیے جو معلوم ہوں انہیں بیچ دے پھر اسے اُجرت پر دے اگر اس نے سب خرچ کر دیا تو سب کی قیمت ہوئی ورنہ جتنا خرچ کیا اس کی قیمت وصول کر لے لیکن اس سے بھی بہتر حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ اس تیل کا ایک اوقیہ ایک درہم کے بدلے ہے خواہ تم اس میں سے کم لو یا زیادہ لو تو یہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کے دو قولوں میں سے ایک میں جائز ہے جو ہمارے شیخ کا بھی پسندیدہ ہے۔ دراصل درست قول بھی یہی ہے۔

نص امام احمد رحمہ اللہ پر بھی یہی قول نکلتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ گھر کو ایک ماہ کے ایک درہم کے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ نے ایک ڈول نکالنے کی اُجرت ایک کھجور مقرر کر کے پانی کھینچا تھا اس میں کوئی حرج نہیں۔ نہ اس سے کسی جھگڑے یا بددلی کا احتمال ہے بلکہ بہت سے لین دین تجارتیں اور اجرتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں جس چیز کا عقد کیا جا رہا ہے اس کی مقدار کا معلوم نہ ہونا کہ یہ کتنی ہے بیع میں کوئی نقصان نہیں کرتا جس کا معلوم نہ ہونا نقصان کرتا ہے وہ وہ چیز ہے جو جوئے یا دھوکے تک پہنچاتی ہو۔ عقد کرنے والے کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کس چیز میں پھنس رہا ہے لیکن یہ صورت ان تمام عیبوں سے خالی ہے یہاں تو اتنا ہے کہ بھاؤ تاؤ ہو چکا ہے اسے اختیار ہے جتنی چاہے لے لے۔ بائع اس پر رضامند ہے خواہ تھوڑی لے خواہ بہت لے' نہ شریعت نے اس جیسی باتیں منع کی ہیں نہ حرام کی ہیں' ہماری پاک شریعت ایسی تنگیوں سے الگ ہے وہ آسانی والی اور آسان شریعت ہے فالحمدللہ۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اس میں دو برائیاں ہیں ایک تو یہ کہ بیع اور اُجرت دونوں اس میں جمع ہیں دوسرے یہ کہ جس چیز پر عقد ہو رہا ہے وہ خود جاتی رہتی ہے یا اس کا کچھ حصہ جاتا رہتا ہے کیونکہ وہ جلانے کی روشنی کرنے کی چیز ہے تو ہم کہیں گے کہ ایسے دو عقد جن میں سے ہر ایک جائز ہو ان کے جمع کر لینے میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ ایک سودا بیچے پھر اس کا گھر ایک سو میں کرائے پر لے جن اجزا کا جاتا رہنا اُجرت پر لینے میں قباحت پیدا کرنے والا ہے وہ وہ اجزا ہیں جن کا عوض اُجرت پر دینے والے نے نہیں لیا کیونکہ اس صورت میں اُجرت پر لی ہوئی چیز کو واپس کرنا نفع اُٹھانے کے بعد باقی نہیں رہتا لیکن یہ عقد اس طرح کا نہیں یہاں تو مقرر ہو چکا ہے کہ اس کے فوت شدہ اس جز کا یہ بدلہ ہے اور جو نفع یہ لے گا اس کی

اُجرت تلف سے پہلے مقرر ہو چکی ہے پس اُجرت جو ہے وہ مقابلہ میں ہے اس کی بقا کی مدت کے اور قیمت جو ہے وہ مقابلہ میں ہے اس چیز کے جو نکل چکی رہیں تمہاری وہ باتیں جو تم اپنے بڑوں کی تقلید میں کر رہے ہو اللہ کے لیے ہمیں تو ان سے معاف رکھیے۔ اگر کوئی دلیل تمہارے ہاتھوں میں ہو تو البتہ اسے ہم مان لیں گے کتاب اللہ' سُنّتِ رسول اللہ ﷺ' اقوالِ صحابہ' قیاسِ صحیح وہ جس میں فرع اصل کے برابر ہو اور اصل کتاب و سُنّت یا اجماع سے ثابت ہو تو پیش کر دو ورنہ فلاں کا یہ فتویٰ ہے' فلاں نے یہ کہا ہے ہمارے نزدیک یہ چیزیں سب محض بے جان ہیں۔ ہم تو انہی کے چھڑانے کے درپے ہیں' دوسری بات یہ ہے کہ مقلدوں سے تو ہمارا کلام ہی نہیں نہ وہ اہلِ علم میں سے ہیں نہ انہیں اس حلقے میں کسی زمانے میں کسی نے لیا ہے۔ یہ تقلید کے مارے ہوئے جاہل لوگ تو اسی قابل ہیں کہ ان سے کہہ دیا جائے کہ اپنی تقلید کو لیے ہوئے اپنے چھپر پر چڑھا رہ۔ نہ تجھے تحقیق سے کوئی واسطہ نہ علمی مباحثے کے میدان کا تو مرد' تیری جہالت پر تو دنیا کے تمام علما کی مہریں لگ چکی ہیں۔ آپ اپنی تقلید کی جھونپڑی سے باہر آنے کی تکلیف ہی نہ اُٹھایئے۔ اہلِ علم آپ کے مُنہ لگنا ہی نہیں چاہتے۔

چھٹی مثال: عورت کا شرط کر لینا کہ اپنے گھر میں ہی رہوں گی یا اپنے شہر سے باہر نہیں نکلوں گی یا یہ کہ مجھ پر سوکن نہ لانا' لیکن وہاں کا حاکم اس شرط کو جاری نہ کرتا ہو یا اسے ڈر ہو کہ مقدمہ کسی ایسے حاکم کے ہاں جائے جو اس شرط کا قائل نہ ہو' تو اس کی صحت کا حیلہ یہ ہے کہ بوقت عقد اسے لازم کر لے۔ اس طرح کہ کہہ دے کہ اگر میں تجھ پر کوئی اور بیوی کروں تو تجھے طلاق ہے' یہ شرط صحیح ہے' اگرچہ ہمارا قول ہے کہ تعلیق طلاق نکاح کے ساتھ صحیح نہیں' امام احمد رحمہ اللہ نے کھلے لفظوں میں اسے بیان فرمایا ہے اس لیے کہ جب اس شرط کو پورا کرنا واجب ہے تو دوسرا نکاح منع ہو جائے گا اس طرح کہ جب اس نے دوسرا نکاح کیا تو عورت کو اختیار ہو گا کہ خواہ اس کے ساتھ رہے خواہ الگ ہو جائے یہ شرط جائز ہے کہ جس عورت سے وہ اس کے بعد نکاح کرے اسے طلاق ہے اسی طرح یہ شرط بھی جائز ہے کہ اس عورت پر دوسری نکاح نہ کرے۔ اگر یہ حیلہ پورا اترے یوں نہ ہو تو عورت یہ شرط کرا لے کہ اگر اس پر دوسری بیوی لائے تو اسے اپنا اختیار ہے یا سوکن کا اختیار ہے اس کی تعلیق شرط کے ساتھ صحیح ہے اس لیے کہ یہ وکیل بنانا ہے اور علماء کے صحیح قول میں اس کی صحت ثابت ہے۔ جمہور یہی کہتے ہیں۔ مالک' ابو حنیفہ اور احمد رحمہم اللہ کا قول یہی ہے جیسے کہ صحیح حدیث صریح سے۔ تعلیق ولایت شرط پر صحیح ہے اور اگر کہا جائے کہ تعلیق صحیح ہو جائے گی اس لیے کہ اس میں ضمناً ساقط کر دینا ہے پس یہ مثل تعلیق طلاق کے ہے اور مثل تعلیق آزادگی کے ہے جو شرط کے ساتھ ہو یہ براۃ کے معارضہ سے ٹوٹتی نہیں' کیونکہ اس کی تعلیق شرط کے ساتھ صحیح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے کہا ہے ان کے اصول بھی اس کی صحت کے مقتضی ہیں منع میں ان کا کوئی منافی قول نہیں۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ تملیک ہے تو بھی اس کی تعلیق شرط کے ساتھ منع نہیں جیسے وصیت کی تعلیق ہوتی ہے بلکہ اس کا جواز اولیٰ ہے۔ وصیت میں مال کی ملکیت ہے۔ اور یہاں یہ چیز بھی نہیں اگر یہ حیلہ بھی پورا نہ ہوتا ہو تو یہ عورت اپنا نکاح تو کرے مقررہ مہر پر اور یہ شرط کر لے کہ اگر وہ اسے اس کے گھر سے نکالے تو اسے مہر مثل دے اور ہو وہ رقم اس رقم سے کئی گنا زیادہ۔ یہ شرط بھی صحیح ہو گی اس لیے کہ وہ اس تھوڑی رقم کے مہر مقرر ہونے پر راضی اسی لیے ہوتی ہے کہ خاوند اسے اس کے گھر رہنے دے جب وہ اسے توڑ دیتا ہے تو یہ اس سے زیادہ رقم کی مستحق ہو جاتی ہے کیونکہ یہ زیادتی اس کے اس فائدے کے نہ حاصل ہو سکنے کے مقابلہ میں ہے جو اس کی اصلی منشا تھی۔ اصحاب ابی حنیفہ رحمہ اللہ نے اس جیسے مسائل

کے جواز کو صاف طور پر کہا ہے۔ باوجودیکہ ان کا یہ قول بھی ہے کہ عورت کی طرف سے یہ شرط کہ وہ اپنے گھر میں ہی رہے گی صحیح نہیں ہے نہ یہ شرط صحیح ہے کہ اس کا میاں دوسری بیوی اس کے ہوتے ہوئے نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حیلے سے اسے غنی کر دیا ہے کیونکہ اس شرط کو پورا کرنا واجب ہے یہ نکاح کی شرط ہے جو پورا کرنے کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ شریعت کا' عقل کا اور قیاس صحیح کا اقتضاء یہی ہے عورت اپنی شرمگاہ حلال کرنے پر اسی شرط سے راضی ہوئی ہے اگر اس شرط کا پورا کرنا واجب نہ مانا جائے تو عقد نکاح میں رضامندی باقی نہیں رہتی اور اس عورت پر وہ چیز لازم کرنی پڑتی ہے جو اس پر لازم نہ تھی نہ اس نے لازم کی تھی نہ اللہ نے نہ اس کے رسول ﷺ نے پس نہ تو نص ہے' نہ قیاس ہے' واللہ الموفق۔

ساتویں مثال : کسی سے اس کی بیوی ضد کرے کہ کہہ دو کہ جس لونڈی کو میں خریدوں وہ آزاد ہے اور جس عورت سے میں نکاح کروں وہ مطلقہ ہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ یہ لفظ کہہ دے اور مراد جاریہ سے کشتی لے کیونکہ عربی میں لونڈی کو اور کشتی کو دونوں کو جاریہ کہتے ہیں قرآن میں ہے : ﴿ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴾ (حاقہ : ۱۱) اور ہاتھ میں کوئی کنکر یا کپڑا لے کر اس کی طرف اشارہ کر کے کہے یہ مطلقہ ہے اگر عورت اس حیلے کو جان لے اور کہے کہ رقیقہ یا امت کا لفظ کہو جس کے معنی لونڈی کے ہیں تو بھی کہے اور مراد آزاد سے آزاد اخلاق یعنی پاک دامن لے تو وہ لونڈی آزاد نہ ہو گی کیونکہ آزاد کے معنی پارسا کے بھی آئے ہیں جیسے کسی سے کوئی کہے کہ تیرا غلام بدکار زانی ہے تو اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ جہاں تک میرا خیال ہے وہ آزاد پاک دامن ہے تو چونکہ مراد اس سے آزادگی نہیں اس لیے آزاد نہ ہو گا اگر اسے بھی اس کی بیوی جان لے اور کہے یہ لفظ کہو کہ عتیق ہے تو وہ یہی لفظ کہہ دے اور مراد اس سے پرانا لے اگر اسے بھی وہ جان لے اور کہے یہ لفظ بول کہ وہ معتوقہ ہے یا کہہ کہ میں نے اسے آزاد کیا اگر میں اس کا مالک بنوں تو اشارہ اپنے ہاتھ کے کنکر یا کپڑے کی طرف کر لے اگر وہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی چیز نہ لینے دے تو وہ مراد اپنے نفس سے لے۔ اور یہ سمجھ لے کہ میں نے اپنے تئیں اسے جہنم سے آزاد کرا لیا بہ سبب اسلام کے یا یہ کہ یہ آزاد ہے یعنی غلام نہیں اور اس کلام کو دو جملوں میں کر لے اگر وہ عورت خود موجود ہو اور کہے کہ یوں کہہ جس لونڈی کو میں خریدوں وہ آزاد ہے تو معین مکان یا معین زمان کے ساتھ مخصوص کر لے اگر کہے کہ توریہ کے بغیر کنایہ کے بغیر کسی اور نیت کے جو میرے قول کے ظاہری لفظوں کے خلاف ہو' یہ بھی اپنی زبان سے کہہ تو یہ کہہ دے اور دل میں توریہ اور کنایہ رکھ لے' یہ ایسا ہی ہے جیسے نیت میں استثنا رکھ کر زبان سے انکار کرے پھر استثنا کر لے تو یقیناً یہ چیز اسے نفع دے گی بلکہ اگر بوقت قسم نیت میں بھی استثنا نہ ہو پھر اس کا عزم کرے اور استثنا کر لے تو بھی مطابق حدیث اسے نفع پہنچے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی قسم کے بعد فرشتے نے کہا انشاء اللہ کہہ لو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا اذخر کا استثنا کرنا جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یاد دلوایا اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ تین بار رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میں قریش سے جہاد کروں گا پھر چپ رہے پھر انشاء اللہ کہا بلکہ جب بھول گیا ہو' اوّل کلام میں نیت نہ ہو نہ اثناء کلام میں نیت ہو تاہم انشاء اللہ کہنا نافع ہے اس کا بیان تو صراحت کے ساتھ خود قرآنِ کریم میں موجود ہے جنابِ باری عزوجل فرماتا ہے : ﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْئٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ﴾ الخ' (کہف : ۲۳) کسی چیز کے لیے نہ کہہ اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر اپنے رب کو جب تو

بھول جائے یہی تفسیر جمہور مفسرین کی ہے یا یہ شامل ہو گا اسے اور اس کے سوا کو بھی یہی زیادہ درست ہے لیکن اس سے اس استثنا کو نکال دینا جس کے لیے کلام بیان کیا گیا ہے اور اسے دوسری چیز کی طرف لوٹانا یہ تو کسی طرح جائز نہیں ایک ہی کلام میں ہر ہر جملے کی نیت صحت کے لیے معتبر نہیں نہ اس کے ایک ایک حصے کی۔ پس نص و قیاس کا اقتضاء یہی ہے کہ استثنا مفید ہو گا۔ اگرچہ کلام کے خاتمے کے بعد ذہن میں آئے۔ یہی بالکل درست اور ٹھیک ہے۔

آٹھویں مثال : جو زمین کھیتی میں مشغول ہو اس کا اجارہ صحیح نہیں لیکن یہی ارادہ ہو تو اس کے جواز کے دو حیلے ہیں' اول یہ کہ کھیتی بیچ دے پھر زمین اجارہ پر دے دے پس زمین ملک میں اسی اجارہ دار کے مشغول ہو جائے گی تو صحت اجارہ میں کوئی نقصان نہ رہے گا اگر یہ حیلہ نہ چل سکتا ہو مثلاً کھیتی پکی نہ ہو یا کھیتی کسی اور کی ہو تو یہ دوسرا حیلہ کر لے اسے اُجرت پر دے اس وقت کے لیے جو کھیتی کاٹ لینے کے بعد ہو تو یہ اجارہ صحیح ہو جائے گا' اجارہ مضافہ کی صحت کی بنا پر۔

نویں مثال : اس پر اجارہ زمین صحیح نہیں کہ مستاجر خراج اپنے پاس سے اُجرت میں ادا کرے اس لیے کہ خراج اس کا بدلہ ہے جو مالک اس پر لازم کرتا ہے بسبب اسے نفع حاصل کرنے کی قدرت دینے کے۔ تو اسے مستاجر کی طرف لوٹانا جائز نہیں۔ اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مقدار خراج مقرر کر لے اور اسے اُجرت میں بڑھا دے' لیکن میں کہتا ہوں اس سے مانع کوئی نہیں کہ زمین اسے اجارہ پر دے اس کے بدلے جو خراج اس پر ہے جبکہ مقدار متعین ہو کہہ دے کہ میں تجھے یہ زمین اجارہ پر دیتا ہوں اس کے خراج کے بدلے کہ اسے تو میری طرف سے ادا کرے نہ اس میں کوئی گناہ ہے نہ جہالت ہے نہ دھوکہ ہے۔ آپ ہی فرمایئے کہ ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہے کہے کہ میں نے تجھے یہ زمین سالانہ سو روپے پر دی یا کہے کہ جو خراج اس کا سال بھر کا سو روپے ہے وہ تیرے ذمے اور میں نے یہ زمین تجھے اجارہ پر دی اگر کہا جائے کہ اُجرت تو دی جاتی ہے اُجرت پر دینے والے کو اور خراج دیا جاتا ہے بادشاہ کو اس کا جواب یہ ہے کہ اُجرت اگر وہ کہے کہ فلاں کو دے --- تو بلاشک اسے دی جائے گی' وہ مثل وکیل کے ہو جائے گا۔

دسویں مثال : جانور کو اس کرائے پر دینا کہ اسے چارہ دیا کر' صحیح نہیں اس لیے کہ نہیں معلوم چارہ میں کیا لگے؟ اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ انداز کر کے جتنی رقم ہو اس کا نام مقرر کر کے اُجرت وہی رقم ٹھہرا لے پھر اسے وکیل بنا دے کہ اس رقم کا چارہ میری طرف سے تو میرے جانور کو کھلاتے رہنا' لیکن ہمارے اصول پر تو اس حیلے کی بھی ضرورت نہیں ہم تو جائز مانتے ہیں کہ دایہ کی اُجرت میں اس کا کھانا پینا چکا لیا جائے۔ مزدور کسی کام پر اس کے کھلانے پلانے پر رکھ لیا جائے۔ اسی طرح جانور کو اس کرایے پر دینا کہ کرائے پر لینے والا اس کے کھلانے پلانے کا خرچ اپنے پاس سے کرتا رہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اصل میں جانور کا خرچ تو مالک کے ذمے ہے جب اس نے کرایہ دار کے ذمے کر دیا تو تو یہ شرط عقد کے خلاف ہو گئی مثلاً نکاح میں شرط کر لے کہ عورت کا خرچ اسی عورت کے ذمے ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدترین قیاس ہے جانور کا چارہ اور اس کی خوراک کبھی نفع کے بدلے میں بھی ہوتی ہے پس یہ خود اُجرت ہو جاتی ہے اس میں جو قدرے جہالت رہتی ہے وہ سبب حاجت کے معاف ہے کسی کو کھلانے پلانے پر مزدور رکھنے سے اس کی حاجت بہت زیادہ ہے اس لیے کہ نقدی سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے لیکن جانور کے مالک کو یہ تکلیف دینا کہ صبح شام وہی اپنے ہاتھ سے آپ اسے اپنا چارہ کھلا جائے یہ تو اس پر ایک مشقت ڈالنا ہے اور جس نے جانور کرائے پر لیا ہے اس پر یہ آسان ہے وہ کھلانے

میں کمی بھی نہ کرے گا کیونکہ اسے اس سے کام لینا ہے ہاں اسے جھگڑا کرنے کا امکان نہیں۔

گیارہویں مثال : کوئی دوکان یا مکان کرائے پر لینا چاہتا ہے لیکن خیال ہے کہ سال بھر کے لیے لوں اور بیچ میں ہی چھوڑ دینا ہو تو؟ اس کا حیلہ یہ ہے کہ کرایہ ماہ بہ ماہ کا طے کر لے تو صحیح ہو جائے گا۔ پہلے مہینے پر لازم ہو جائے گا اور اس کے بعد جائز رہے گا۔ ان میں ہر ایک کو ہر ماہ پر اگلے مہینے کا اختیار رہے گا یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس اجارہ کا فاسد ہونا مروی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے اگر مالک مکان کو دوسرے مہینے کے پورا نہ کرنے کا خوف ہو تو وہ اس کا کرایہ لازم کر لے۔ حیلہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ کا کرایہ ٹھہرا لے اس میں بھی اگر خوف ہو تو روزانہ کا کرایہ مقرر کر لے تو یہ بھی ماہانہ کرائے کی طرح صحیح ہو گا۔

بارہویں مثال : کسی نے دوسرے کو کوئی خاص لونڈی اپنے لیے خریدنے پر اپنا وکیل مقرر کیا اس نے جب اس لونڈی کو دیکھا تو اسے پسند آگئی اور چاہا کہ خود اپنے لیے خرید لے 'لیکن کوئی گناہ بھی نہ ہو اور کوئی غداری بھی نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ وہ اپنے تئیں اس کی وکالت سے معزول کر کے پھر اپنے لیے اس لونڈی کو خرید لے۔ معزولی کا حق اسے مؤکل کی موجودگی اور عدم موجودگی میں حاصل ہے جب یہ اپنے مال سے خریدے گا تو جائز ہے یہ اس ممانعت میں بھی داخل نہیں کہ کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع اور اس کی خرید پر خرید نہ کرے ہاں اگر لونڈی کے مالک سے بات چیت ہو چکی ہے وہ مؤکل کے ہاتھ بیچنے پر رضامندی ظاہر کر چکا ہے تو اب اسے اپنے لیے خریدنا حرام ہو گا' کیونکہ یہ دوسرے کی خرید پر خرید ہے جو ممنوع ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ خرید پر خرید تو اس وقت ہو گی جب ایک کی خریداری ہر طرح کامل ہو چکی ہو پھر یہ اسے توڑ کر خود خرید کرے اس لیے کہ اس کے خلاف ہمارے پاس چھ وجوہات ہیں- اوّل یہ کہ اس میں حدیث کو ایک ایسی صورت پر محمول کرنا ہے جو بالکل نادر ہے اور عموماً اس کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی کے ساتھ حضور ﷺ نے کسی کے مانگے پر مانگا ڈالنے کو بھی منع فرمایا ہے ظاہر ہے کہ یہ قبل از عقد ہے- وجہ سوم یہ ہے کہ ایک حدیث میں دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنا منع ہے ظاہر ہے کہ یہ عقد کے تمام ہونے سے پیشتر ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وجہ اس ممانعت کی یہی ہے کہ جب رضامندی ہو رہی ہے وہ جھک رہا ہے جو دوسرا بیچ میں کود پڑتا ہے اور معاملہ بگاڑ دیتا ہے پس یہ خرابی جیسے کہ بعد از عقد ہے ایسے ہی قبل از عقد بعد از رضامندی اور خواہش کے بھی ہے۔ وجہ پنجم اس میں بلاسبب حدیث کے عموم کی خصوصیت ہو جاتی ہے جو بالکل غلط چیز ہے۔ خرید پر خرید شامل ہے خرید کی حالت کو اور خریداری ختم ہونے کے بعد کی حالت کو بھی دھوکہ یہ لگا ہے کہ یہ لفظ صادق اسی وقت آتا ہے جبکہ خرید ختم ہو جائے لیکن ہم کہتے ہیں یہ غلطی ہے لفظ دونوں قسم پر صادق آتا ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اگر اسے یونہی مان لیا جائے تاہم علت پر نظر ڈال کر بھاؤ تاؤ کی حالت کو بھی اسی میں ماننا پڑے گا۔

اب نفس مسئلہ کی بابت ہم کہتے ہیں کہ ہاں اصل ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ کہتے ہیں مؤکل کی عدم موجودگی میں وکیل کو اپنے نفس کے معزول کرنے کا اختیار نہیں اس لیے یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں یہ حیلہ کر لے کہ قیمت کی چیز کو بدل دے تو مالک بن جائے گا مثلاً اس نے روپے پر خرید بتلائی ہے یہ اشرفی پر خرید کر لے تو ایسا ہی ہو جائے گا جیسے بکری خریدنے پر وکیل بنائیں لیکن گھوڑا خریدا تو یہ وکیل کے ذمے ہو گا نہ کہ مؤکل کے اگر مؤکل اس حیلے سے بچ جانا چاہتا ہو اور ارادہ ہو کہ وکیل کسی طرح اپنے لیے نہ خرید سکے تو اس بات پر گواہ رکھ لے کہ وکیل جب اپنے لیے خریدے تو

وہ لونڈی آزاد ہے۔ اب یہ صورت رہ جاتی ہے کہ وکیل اپنی طرف سے دوسرے کو وکیل بنا کر اپنے لیے خریدے تو اس کی بنا دو اصل پر ہے ایک تو یہ کہ آیا یہ جائز بھی ہے کہ وکیل اپنا وکیل بنائے؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس کے کرنے پر وکیل بنانے سے اس کی قسم ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟ ان دونوں اصل میں بہت کچھ اختلاف ہے اگر اسے کسی نے ایک لونڈی بیچنے پر وکیل کیا دوسرے نے اسے اس کی خرید پر وکیل بنایا اور یہ خود اپنے لیے خریدنا چاہتا ہے تو حکم وہی ہے جو گزرا۔ ہاں یہاں ایک اصل اور ہے وہ یہ کہ کسی شے کے بیچنے کا وکیل اس کی بیع اپنے لیے بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس میں قیمت کا استقصا نہیں' دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے جبکہ علی الاعلان زیادہ قیمت دے تاکہ تہمت کا موقعہ نہ رہے اس بنا پر تو اسے کسی حیلے کی حاجت ہی نہیں رہتی لیکن پہلی بنا پر اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تو کہا گیا ہے کہ جائز ہے یہ دام دوسرے کو دے دے کہ وہ اپنے لیے خرید لے پھر اسے مالک بنا دے لیکن ان کے مذہب کے قواعد کا اقتضاء اس کے جائز نہ ہونے کا ہے اس لیے کہ یہ ذریعہ ہے حرام تک پہنچنے کا۔ اور پوری قیمت نہ ملنے کا کیونکہ آخر میں یہ اسی کو ملنے والی ہے قیمت یہی کرنے والا ہے اس میں تہمت کا امکان ہے لوگ اسے مکاری اور غداری سمجھتے ہیں پس شریعت کی خوبی اس کے جواز کی انکاری ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اچھا یہ خریدنا نہیں چاہتا تو اسے ایک کا بیع پر دوسرے کا خرید پر وکیل بنانا جائز ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بھی پہلی بات کی ایک شق ہے اگر وہ جائز ہے تو یہ بطور اولیٰ جائز ہے اور اگر وہ منع تو یہ بھی منع۔ قاضی کہتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ دو متضاد اغراض اس میں جمع ہو جاتی ہیں بیع کی وکالت تو چاہتی ہے کہ قیمت معقول اٹھے اور خرید کی وکالت کا تقاضا اس کے خلاف ہے جواز نص احمد سے اگرچہ وکیل کو خود اپنے لیے خریدنے سے روک دیا جائے اسی طرح نکلتا ہے کہ نکاح میں طرفین سے ایک کا وکیل ہونا جائز ہے' طرفین سے ولی ہونا بھی جائز ہے کہ ایجاب بھی یہی کرے اور قبول بھی۔ یہ ظاہر ہے کہ جو تہمت اس پر خود اپنے لیے خریدنے میں آسکتی ہے وہ بنسبت اپنے مؤکل کے لیے خریدنے سے زیادہ ظاہر ہے۔ اس میں سب سے زیادہ صحیح حیلہ یہ ہے کہ کسی اجنبی کے لیے خرید کرلے پھر اس سے مستقل طور پر آپ خرید کر لے۔

تیرہویں مثال : کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو تو کہے گی مجھے بھی وہی کہنا ضروری ہے ورنہ مجھ پر طلاق لازم ہے' اب عورت نے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں۔ یہ نہیں چاہتا کہ یہ الفاظ کہے تو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ تو نے مجھ سے کہا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اصحاب شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس حیلے میں ایک ظاہری نظر ہے کہ اس نے اس عورت کے کلمات ہی نہیں دوہرائے۔ اس نے تو اس کے کلام کی حکایت کی ہے نہ کہ اس نے بھی وہی کہا ہو اس نے کہا اگر کسی نے دوسرے کو گالی دی اور اس نے کہا کہ تو نے مجھے یوں یوں کہا تو کوئی نہیں کہے گا کہ اس نے اسے گالی دی نہ لغتاً نہ عرفاً پس یہ حیلہ دراصل کوئی چیز نہیں۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ "انتَ" کی "تَ" پر زبر پڑھے تو چونکہ اس میں خطاب مذکر سے ہے اس لیے یہ عورت مطلقہ نہ ہو گی اور بات جو اس نے کہی ہے اس کی نقل مطابق قسم ہو جائے گی یہ گو پہلے حیلے سے زیادہ قریب کا ہے لیکن مشہور و معروف لغت اور عقل کے اعتبار سے یہی بات ہے کہ عورت سے خطاب کرنے میں مردانہ لفظ نہ آئیں اور اگر ایسا کیا تو حقیقت میں نہ یہ رد ہو گا نہ جواب اور اگر اسے بالفرض جواب سمجھا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ خلاف کو واقع نہ مان لیا جائے۔ "ت" کی زبر کے معنی اس وقت یہ ہو جائیں گے کہ اے شخص! یا اے انسان! ایک

جماعت نے اسے یہ حیلہ بتایا ہے کہ کہہ دے تجھے تین طلاقیں ہیں۔ ان شاء اللہ یا کہے اگر میں سلطان سے کلام کروں یا میں مسافری کروں وغیرہ تو ظاہر ہے کہ عورت نے جو کہا تھا وہ اس نے کہا گو اس کے ساتھ زیادتی بھی ہے یہ حیلہ دوسرے حیلے سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن اس نے جواب دیا رد کیا اس میں نظر ہے کیونکہ شرط کی زیادتی نے اسی جیسا کلام اب اسے نہیں رکھا حالانکہ قسم ہی بات کی تھی جملہ شرطیہ اور جملہ خبریہ میں بہت کچھ فرق ہے۔ شرط کلام تام پر داخل ہو کر اسے ناقص کر دیتی ہے وہ محتاج جواب ہو جاتا ہے شرط جب خبر پر داخل ہوتی ہے تو اسے انشاء بنا دیتی ہے جملہ خبریہ کی صورت اور معنی کو بدل دیتی ہے مثلاً کسی نے دوسرے سے کہا تجھ پر اللہ کی لعنت اس نے کہا تجھ پر اللہ کی لعنت اگر تو دین پلٹ دے یا مرتد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس نے اسے گالی نہیں دی۔ اگر کسی نے دوسرے کو زانی کہا اس نے جواب دیا کہ تو زانی اگر تو حرام شرمگاہ کا استعمال کرے تو اس دوسرے نے پہلے پر تہمت نہیں لگائی یا مثلاً ایک عورت نے مال کے بدلے طلاق لی اور اس کے خاوند نے کہا کہ تجھے طلاق ہے۔ اگر میں سلطان سے بات کروں تو ظاہر ہے کہ یہ اس مال کا مستحق نہیں ہوا نہ یہ طلاق دینے والا بنا اور ایک جماعت نے کہا ہے۔ ان چیزوں کی تو حاجت ہی نہیں اس لیے کہ یہ صورت اس کے تمام کلام میں داخل ہی نہیں بالفرض ہو بھی تو عرفاً اور عادتاً اور عقلاً یہ خارج ہے اس لیے کہ اس کے ارادے میں یہ بات نہیں نہ اس کے دل میں اس کا خیال ہے نہ اس کے الفاظ اسے شامل ہیں یہاں تو مراد وہ قول ہے جو دراصل صحیح بھی ہو اور عورت کا یہ قول کہ تجھے تین طلاقیں ہیں صحیح نہیں اپنی جگہ پر نہیں وہ تو محض لغو اور باطل ہے جیسے یہ کہتی کہ تو میری بیوی ہے جیسے کوئی لونڈی اپنی مالکہ سے کہے کہ تو میری لونڈی ہے پس یہ چیز لفظ و مراد دونوں کے سوا ہے ارادے میں نہ ہونا تو اپنے اندر کوئی اشکال نہیں رکھتا۔ لفظ میں نہ ہونا اس لیے ہے کہ عام لفظ ان عام معنی میں ہی ہوتے ہیں جو درست بھی ہوں جس کے لیے کلام کیا گیا ہو۔ پس یہی وجہ سب سے زیادہ قوی ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عام کی تخصیص عرف و عادت سے ہو گئی تو یہ بہ نسبت ان تکلفات کے تو بہت ہی زیادہ راجح ہے لغتاً' عقلاً اور شرعاً بھی' واللہ الموفق۔

چودھویں مثال : تنگی وقت سے کسی کو خوف ہے کہ حج کا احرام اگر باندھے گا اور حج فوت ہو جائے گا تو قضا اور فوت کے بدلے کی قربانی لازم ہو جائے گی۔ تو حیلہ یہ ہے کہ مطلق احرام باندھے معین نہ کرے اگر وقت میں گنجائش نکل آئے تو پھر حج قران یا حج تمتع کر لے اور اگر وقت تنگ ہو تو عمرے کا احرام کر لے اس کے سوا کوئی چیز اس پر لازم نہ آئے گی۔

پندرھویں مثال : جب میقات سے آگے بڑھ گیا اور احرام میں نہیں تو احرام اور قربانی لازم آجاتی ہے قربانی نہ کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہیں احرام نہ باندھے بلکہ میقات تک واپس آجائے پھر احرام باندھے اگر وہیں احرام باندھا تو قربانی لازم ہے پھر لوٹنا بے سود ہے۔

سولھویں مثال : کسی کا مال چرایا گیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو مجھے چور کا نام نہ بتلائے گی تو تجھ پر طلاق ہے بیوی چور کو جانتی نہیں تو حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت ان شخصوں کا ذکر کرے جن سے لی ہوئی چیز نکل نہیں سکتی پھر ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ کرے اور کہے اس نے لیا پس اس نے خریدی اس کی قسم پوری ہو گئی اور عورت طلاق سے بچ گئی۔

سترھویں مثال : جب کسی شخص کا سامان چوری ہو جائے اور جب اس پر اس کی عورت دعویٰ کرے اپنے کھانے پینے

اور کپڑے کا اس مدت کی بابت جو گزر چکی ہے تو اس کے دعوے کی قبولیت میں اختلاف ہے امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تو اسے قبول نہیں کرتے پھر تردید کی دلیل میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمانے کے گزرنے سے وہ ساقط ہو جائے گا جیسے کہ ان کے مخالفین قریبی شخص کے خرچ کے بارے میں کہتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس دعوے کی سماعت کے قائل نہیں جو عرف و عادت کے خلاف ہو۔ اس میں قسم ہے نہ اس میں دلیل ہے بلکہ وہ قابل سماعت ہی نہیں جیسے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ایک مکان ہے وہ اس میں مدتوں سے تصرف کر رہا ہے مثلاً توڑنا بنانا' کمی زیادتی کرنا' بسانا نکالنا غرض مالکانہ قبضہ اس کا ہے اور وہ برابر اس پر قابض و متصرف ہے۔ ملکیت کا دعوے دار ہے دوسرا شخص موجود ہے اسے دیکھ رہا ہے ان کے اعمال کا مشاہدہ کر رہا ہے اس لمبی مدت میں اس نے اس کے خلاف کوئی لفظ نہیں نکالا کبھی نہیں کہا کہ اس میں اس کا بھی کوئی حق ہے' حالانکہ کوئی مانع بھی نہیں نہ کوئی خوف ہے نہ اور کوئی وجہ ہے۔ اب اس قدر طویل مدت کے بعد وہ اٹھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مکان اس کا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں نہ اس سے دلیل لی جائے گی نہ قسم۔ اسی طرح ایک عورت اپنے خاوند کے گھر آباد ہے پاس پڑوس والے دیکھتے ہیں کہ اس کا خاوند برابر اناج گوشت ترکاریاں لا رہا ہے لیکن ایک مدت مدید کے بعد وہ دعویٰ کرتی ہے کہ میرا نان نفقہ اس سے دلوایا جائے اس نے مجھے نہیں دیا تو اس کا یہ دعویٰ بھی ناقابل سماعت ہے نہ اس سے قسم لی جائے گی نہ دلیل سنی جائے گی۔ الغرض ہر وہ دعویٰ جو عرف و عادت کے خلاف ہو وہ ناقابل سماعت ہے یہی سچا مذہب ہے' یہی دین الٰہی ہے' اس کامل شریعت میں اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ یہ محض ناممکن ہے کہ شرعاً وہ دعویٰ قابل سماعت رہے۔ جسے دنیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جانتے ہوں کہ یہ محض جھوٹ ہے۔ سمجھئے تو صحیح کہ ایک عورت اپنے خاوند کے ہمراہ ساٹھ سال تک رہتی سہتی رہی اب وہ کہتی ہے کہ اس نے اس مدت میں مجھے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو دیا ہی نہیں کیسے اس کی بات مان لی جائے گی؟ اور کیسے یہ لمبی رقم اس کے خاوند کے سر چپک دی جائے گی اور کیسے مان لیا جائے گا کہ اصل اسی کے ساتھ ہے؟ اس اصل کا اعتبار ہی کیا؟ جو عرف و عادت کے خلاف ہو اس ظاہر کے خلاف ہو جس پر دنیا کا تعامل ہے ظاہر جو قوی ہو وہ اصل پر نہ صرف یہاں بلکہ سینکڑوں جگہ مقدم ہوتا ہے۔ مثل اسی مذہب کے قوت میں مذہب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ اتنے زمانے کے گزرنے کے بعد یہ ساقط ہے دلیل اس کے خلاف ہے یہ مثل شب باشی کرنے کے اور وطی کرنے کے ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جو لوگوں کے امام تھے جن کا سا زہد و خلوص کسی میں نہیں جو غصب حقوق اور ظلم سے کوسوں دور تھے ان میں سے ایک نے بھی کوئی فیصلہ ایسا نہیں کیا کہ ایسے دعوے داروں کو کچھ دلایا ہو' نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کو کوئی ایسا حق دیا نہ ایسا فرمایا کہ تجھے حق ہے چاہے لے چاہے چھوڑ' کئی کئی دن تک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بیویوں کا خرچ مشکل ہو پڑتا نہ دے سکتے پھر جب ملتا دیتے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ میرے ذمے باقی ہے میں ادا کر دوں گا' پھر کشادگی کے وقت بھی آپ نے اسے ادا نہیں کیا نہ کسی کو کچھ دے کر یوں فرمایا کہ یہ تمہارا بقیہ ہے' نہ کسی صحابی سے اس بارے میں کوئی روایت آئی۔ رہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ان لوگوں کے لیے جو اپنے گھر سے دور تھے کہ یا تو تم اپنی بیویوں کو طلاق دو یا ان کا گھر خرچ بھیجو اس کے ثبوت میں نظر ہے اگرچہ ابن المنذر اسے ثابت مانتے ہیں لیکن اس کی سند میں اس کا عدم ثبوت موجود ہے بالفرض اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ خود ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے اگر وہ اب طلاق دے دیں تو ان پر پہلے کا خرچ نہیں۔

اگر **اعتراض** کیا جائے کہ اس میں تمہارے خلاف بھی دلیل ہے کیونکہ خرچ کو لازم کر رہے ہیں اور تم اسے نہیں مانتے **جواب** دیا جائے گا کہ ہم تو اس کے قائل ہیں ہم کہتے ہیں کہ جب خاوند باوجود قدرت کے جو نفقہ اس پر واجب ہے ادا نہ کرے تو وہ ساقط نہ ہو گا بلکہ لازم و واجب رہے گا ہاں اگر وہ معذور اور لاچار ہے تو وہ اس کے ذمے بطور قرض کے باقی رہے ایسا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں' یہی اس مسئلہ کی بہترین تفصیل ہے' الغرض ان دونوں مذہبوں میں تو یہ دعویٰ قابل سماعت ہی نہیں۔ ہاں شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ اسے سنتے ہیں جیسے کہ عام دعووں کا قاعدہ ہے اس لیے کہ کبھی حق ثابت ہوتا ہے اور مستحق اس کے قبضہ کا منکر ہوتا ہے تو اس کے خلاف کا قول جب کہ بادلیل ہو قبول کیا جاتا ہے اس مذہب کے مطابق خاوند کے پاس ایسے ثبوت ہونے چاہئیں جو اس کی براۃ میں کام آسکیں اس وقت اس کا یہ دعویٰ کہ عورت اس کے خلاف تھی نہ سنا جائے گا۔ اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہے یہ دعویٰ کہ عورت نے مجھے قابو نہیں دیا۔ جس سے اس کا خرچ مجھ پر واجب ہوتا اس سے بھی یہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں عورت دلیل قائم کر سکتی ہے اب اس کے لیے دو حیلے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ دلیل قائم کرے اپنے خرچ اور کپڑے کے دینے پر اس مدت میں اور گواہ کھڑے کرے وہ اپنے علم اور قرائن کو بیان کریں۔ شاہد کو جس طریق پر علم ہو وہ شہادت دے سکتا ہے حاکم پر یہ ضروری نہیں کہ وہ دلیل سے کوئی مستند تحمل کا دریافت کرے نہ شاہد پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا مستند شہادت کا بیان کرے۔ دوسرا حیلہ یہ ہے کہ وہ انکار کر جائے کہ اس نے اپنے تئیں اس مدت میں مجھے قابو نہیں دیا اس لیے میرے ذمے اس کا نان نفقہ نہیں اس انکار میں ہو بھی یہ سچا کیونکہ پہلے کا یہ قابو اس چیز کو واجب نہیں کرتا جس کی دعوے دار یہ عورت اب ہوئی ہے جب کہ یہ برابر ادا کرتا رہا ہے اور جو قابو اس نے دیا تھا درحقیقت وہ اس کے دعوے میں دخیل نہیں پس یہ دراصل اپنے انکار میں سچا ہے۔

اٹھارہویں مثال : جب کسی شخص نے کسی سودی چیز کو اسی جیسی چیز سے خرید کیا وہ اس کے پاس عیب دار ہو گئی تو اس پر نوپید عیب کی وجہ سے وہ اسے واپس نہیں کر سکتا اور نہ اس پر کوئی زیادتی لے سکتا ہے ورنہ زیادتی سود میں داخل ہو جائے گی۔ تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بائع کو وہ چیز واپس کر دے پھر اس سے وہ واپس لے اگر وہ چیز نہیں رہی تو اسی جیسی چیز اس سے طلب کرے یہ حیلہ اصل شافعی رحمہ اللہ پر ہے اصل ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر یوں ہے کہ عیب کا بدلہ اس کی غیر جنس سے لے یہ ان کی اس اصل کی بنا پر ہے کہ جو عجوہ کھجور کے ایک مد میں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی اصل پر اگر بائع عیب کو جانتا تھا پھر چھپایا تو اس صورت میں خریدار کے پاس عیب دار ہو جانے سے بھی پھیر سکتا ہے بلکہ اگر ساری ہی تلف ہو جائے تو بھی قیمت لے سکتا ہے اگر بائع کی طرف سے کوئی دھوکہ نہ ہو تو لوٹا تو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عیب کا عوض بھی لوٹائے جو اس کے ہاں حاصل ہوا ہے اس میں کوئی برائی نہیں اس سے عقد باطل ہو جاتا ہے اور زیادتی عوض میں نہیں کہ سود ہو جائے۔

انیسویں مثال : جبکہ قرض دار اپنی موت کی بیماری میں قرض سے بری ہوا اور قرض کی رقم ثلث سے کم ہے لیکن ڈر ہے کہ وارث کہیں یوں نہ کہیں کہ اس کے سوا اس نے کچھ نہیں چھوڑا اور ورثہ طلب کریں تو حیلہ یہ ہے کہ مریض اپنے مال سے بقدر قرض کے الگ کر کے اسے ہبہ کر دے۔ پھر اس سے قرض کی معافی چاہے اگر اس سے عاجز ہو وارث موجود ہوں تو حیلہ یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کر لے کہ بقدر قرض کے رقم کا یہ شریک ہے اگر یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو حیلہ یہ ہے کہ اقرار کرے کہ اتنی رقم اس کی میرے قبضہ میں ہے یا اس سے، اپنی صحت کی حالت میں بری ہو جائے

اگر خوف ہو کہ اس کا مطالبہ محال ہو گا جب کہ یہ تندرست ہو جائے تو حیلہ یہ ہے کہ اس بات پر گواہ کر لے کہ جب یہ اس رقم کا دعویٰ کرے گا اس کا دعویٰ سچا ہو گا اب جب تک دعویٰ نہ کرے اس پر لازم نہ ہو گا۔ اس کے وارث اس کے بعد دعوے کے حقدار نہیں رہیں گے اگر یہ دعویٰ کرتا تو اس کے وارث سچے سمجھے جاتے اور وہ دعویٰ ان کی طرف لوٹ آتا لیکن جب یہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

بیسویں مثال : چاہتا ہے کہ اپنے غلام کو آزاد کر دے اور ڈر ہے کہ وارث مال کا انکار کر دیں اور دو ثلث میں گڑبڑ پیدا کر دیں تو حیلہ یہ ہے کہ کسی اجنبی کے ہاتھ اسے بیچ دے اور قیمت لے لے پھر یہ مال خریدار کو ہبہ کر دے اور اس سے غلام کو آزاد کرا لے اگر یہ کر لے کہ وارثوں سے اقرار کرا لے کہ یہ غلام ثلث میں ہے تو یہ نفع نہ دے گا اس لیے کہ ثلث کا معتبر ہونا موت کے بعد ہے اگر چاہتا ہے کہ آزادگی ابھی جاری نہ ہو بلکہ موت کے بعد ہو اور پھر خوف ہے تو یہ حیلہ کر لے کہ کسی بھروسے دار شخص کو اس کا مالک بنا دے اور وہ اس کی آزادگی کو اس کی موت پر معلق کر دے تو وارثوں کو اب کوئی راہ باقی نہ رہے گی۔

اکیسویں مثال : وارثوں میں سے کسی کا قرض موروث پر ہے یہ اسے ادا کرنا چاہتا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اب اگر اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار بے سود ہے اگر معاوضہ دے تو بہ ظاہر یہ احسان و سلوک ہو گا جس کا انکار اور وارث کر سکتے ہیں تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اسے اتنی رقم پوشیدہ دے دے پھر اتنی ہی رقم میں اپنی کوئی چیز اس کے ہاتھ بیچ دے اور اپنی رقم لے لے چیز اسے دے دی۔ اگر کہا جائے کہ پوشیدگی کی اس میں کیا ضرورت ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ اس لیے ہے کہ اور وارث کوئی دعویٰ نہ کر سکیں' نہ تہمت لگا سکیں نہ شکوہ شکایت کر سکیں اس صورت کے بعد یہ تمام صورتیں بے امکان رہ جاتی ہیں۔

بائیسویں مثال : جب اپنے غلام سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے تو صحیح ہے اگر اپنی موت سے نکاح کے فسخ ہو جانے کا خوف ہو کیونکہ وہ اس کی یا اس کے کسی حصے کی مالکہ بن جائے گی تو بقاء نکاح کا حیلہ یہ ہے کہ اسے کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر دے اس کی قیمت لے لے یا اسے ہبہ کر دے اس کے بعد اگر یہ مر جائے یا وہ اجنبی شخص مر جائے تو نکاح فسخ نہ ہو گا۔

تئیسویں مثال : جبکہ اس کا آزاد کردہ غلام بے وقوف ہو کہ اگر اس کا نکاح کرا دے تو وہ طلاق دے دے گا اگر اسے بیچے تو وہ آزاد ہو جائے گا اگر یونہی چھوڑ دے تو فاسق ہو جائے گا تو حیلہ یہ ہے کہ لونڈی کو اپنے مال سے خریدے اور اس کے نکاح میں دے اب اگر یہ آزاد کرے گا تو اس کی آزادگی جاری نہ ہو گی اگر طلاق دے دے گا تو وہ لونڈی اپنے مالک کی طرف لوٹ جائے گی اور اپنے مہر کا مطالبہ اس سے نہ کرے گی۔

چوبیسویں مثال : کسی سے اس کا غلام کہتا ہے کہ میرا نکاح اپنی لونڈی سے کرا دو یہ انکار کرتا ہے اور اس پر طلاق کی قسم کھا بیٹھتا ہے تو اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دونوں کو آزاد کر دے یا کسی بھروسے دار انسان کی ملکیت میں دے دے پھر وہ ان کا نکاح کر دے اس کے بعد لوٹا لے تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس نے نکاح نہیں کیا بلکہ اور نے کیا ہے قاضی ابویعلیٰ کہتے ہیں یہ ہمارے اصول پر محال نہیں اس لیے کہ صفت زوال ملکیت کی حالت میں پائی گئی تو اس کے ساتھ قسم کے ٹوٹنے کا کوئی تعلق ہی نہ رہا اس عقد کے باقی رہنے سے بھی اس پر کوئی اثر نہیں جبکہ وہ دوسرے کو مالک بنا چکا

ہے اس لیے کہ نکاح عبارت ہے عقد سے وہ تو ہو چکا اب جو باقی ہے وہ اس کا حکم ہے جس کی بقا سے اس کی قسم نہیں ٹوٹتی یہ اس کے برخلاف ہے جبکہ اپنے غلام پر قسم کھائی ہے کہ اس گھر میں نہیں آؤں گا پھر اس غلام کو بیچ ڈالتا ہے اور اس گھر میں جاتا ہے یا اسے دوسرے کی ملکیت میں دیتا ہے اور گھر میں جاتا ہے یہ قسم توڑنے والا ہو جائے گا اس لیے کہ دخول عبارت ہے ہونے سے اور یہ ملک کے بعد بھی موجود ہے' جیسے کہ ملک اول میں تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مھنا کی روایت میں اپنے قول کو معلق رکھا ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اگر تو فلاں فلاں چیز کو رہن رکھے اور اس نے رہن رکھ دیا ہے اس سے پہلے ہی تو فرمایا کہ مجھے تو خوف ہے کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی یہ محمول ہے اس پر کہ اس نے کہا ہو اگر تو نے یہ رہن رکھا ہے تو قسم ٹوٹ جائے گی اس لیے کہ ان لفظوں کی قسم گزرے ہوئے کام پر قسم ہے لیکن اس میں ظاہر کلام کی مراد غیر ظاہر لینا ہے۔ کلام سائل تو اس پر ہے کہ بعد از قسم پیدا کرے شرط کے حروف فعل ماضی کو بھی استقبال کے لیے کر دیتے ہیں پس یہ فعل مستقبل ہے وضع لغت کے لحاظ سے بھی اور استعمال کے لحاظ سے بھی۔ اگر وہی محل ہو جو قاضی نے لیا ہے تو قسم ٹوٹنا یقینی ہے نہ کہ خوف ہو اس میں تو ایک قسم کا توقف ہے اور دوسرے عام جواب کی دلالت اس پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رہن کا باقی رکھنا بھی رہن ہے جیسے لباس' سواری' مکان' جماع' کھانا پینا وغیرہ چونکہ اس کی مشابہت ایک تو اس سے تھی دوسرے نکاح اور خوشبو کے باقی رہنے سے بھی تھی اس لیے پختگی کے ساتھ قسم ٹوٹنے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ قسم ٹوٹ جائے۔

پچیسویں مثال : کیا شرکت اسباب اور خلوص سے صحیح ہے؟ اگر ہم کہیں کہ یہ اسباب اور کھوٹے کھرے نقد ہیں دو قولوں پر جو دونوں امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہیں اگر ہم ان سے شرکت جائز مانیں تو حیلے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اصل پونجی اس کی قیمت ہو جائے گی بوقت عقد اور اگر جائز نہ مانیں تو حیلہ یہ ہے کہ دونوں کی شرکت اس طرح ہو جائے کہ ہر ایک اپنے ساتھی سے اپنے اسباب کا نصف فروخت کر دے اس کے نصف کے بدلے تو ہر ایک دوسرے کا شریک ہو جائے گا اور ہر ایک کا مال آدھوں آدھ دوسرے کا ہو جائے گا پھر ہر ایک دوسرے کو تصرف کی اجازت دے دے یہ اس وقت جبکہ دونوں چیزیں ٹھیک یکساں قیمت کی ہوں اگر قیمتیں الگ الگ ہوں مثلاً ایک کا مال ایک سو کا ہو دوسرے کا دو سو کا ہو تو حیلہ یہ ہے کہ جس کے پاس کم مال ہے وہ اپنا دو ثلث مال دوسرے کے ایک ثلث کے بدلے بیچ دے' اب دونوں سامان ان دونوں کے درمیان تہائی تہائی ہو جائیں گے اور نفع اپنی اپنی ملکیت کے برابر رہے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو طے ہو گیا ہو یہ حیلہ ہمارے اصول پر ممتنع نہیں اس سے نہ تو کوئی حق باطل ہوتا ہے نہ باطل ثابت ہوتا ہے نہ حرام میں واقع ہونا ہے۔

چھبیسویں مثال : جب کسی پر دوسرے کے ایک ہزار ہوں اور وہ اس سے کم میں آپس میں صلح کر لینا چاہتے ہوں تو اس کی آٹھ صورتیں ہیں یا تو یہ کہ ان کو اقرار ہو یا انکار ہو دونوں صورتوں میں یا تو مال ہو یا ادھار ہو پھر مدت ہو اور تاخیر ہو یا تو جس سے مصالحت ہوئی ہے اس میں واقع ہونا ہو یا جس کے ساتھ مصالحت ہوئی ہو اس میں واقع ہونا ہو' ان مسائل کے احکام ان کی صورتوں اور ان کے اصول کے بیان سے ظاہر ہو جائیں گے' پہلی صورت یہ ہے کہ ایک ہزار ابھی والے سے جس کا اقراری ہے پانچ سو حالیہ پر صلح کر لے یہ صلح اقرار پر ہے ایک قول پر تو یہ صحیح ہے دوسرے پر باطل ہے۔ شافعی اقرار پر ہی صلح کو صحیح مانتے ہیں اور خرقی اور ان کے موافق اصحاب امام احمد رحمہ اللہ صحیح نہیں مانتے مگر انکار پر

ہی ابنِ ابی موسیٰ وغیرہ اقرار پر اور انکار پر صحیح مانتے ہیں یہی ظاہر نص ہے۔ اس کے باطل کرنے والے اقرار کے باوجود جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس میں حق کو توڑ دینا ہے اس کا حق مارنا ہے بخلاف منکر کے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی قسم کا فدیہ دیا اور دعویٰ اس پر ہے جو دیا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا ہے اس کی تصحیح کرنے والے کہتے ہیں کہ صلح اقرار کے ساتھ ممکن ہے بہ سبب ثبوت حق کے اس کے ساتھ پس اس کے کسی حصے پر مصالحت جائز ہے لیکن جبکہ انکار ہے تو پھر صلح کس امر پر ہو گی؟ اگر کہو کہ صلح دعوے اور قسم پر ہے اور اس کے توابع پر اور یہ وہ چیز ہے جس کا معاوضہ نہیں نہ یہ چیز عوض قبول کرنے والی ہے تو یہ ایک اصل ہے' ٹھیک بات ہے کہ دونوں امر جائز ہیں نصاً بھی قیاساً بھی اور مصلحتاً بھی۔ اللہ تعالیٰ نے عقود کو پورا کرنے' عہدوں کو نباہنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس سے حلال حرام یا حرام حلال ہوتا ہو۔ جو لوگ اقراری رقم میں صلح کے مخالف ہیں اس وجہ سے کہ اس میں حق کم ہو جاتا ہے وہ ٹھیک بات نہیں کہتے اس لیے کہ حق کی کمی تو اس وقت ہوتی جب یہ کہتا کہ جب تو اتنی رقم چھوڑ دے تو میں باقی کا اقرار کرتا ہوں لیکن جبکہ یہ کل رقم کا اقراری ہے پھر کسی کمی پر دونوں آپس میں رضامند ہوتے ہیں تو یہاں تو کسی قسم کا حق مارنا ہے ہی نہیں۔ انکار پر صلح کے جو مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ متضمن ہے اس پر معاوضہ کو جو عوض کے لائق نہیں ان کا جواب یہ ہے کہ یہ فدیہ ہے اس کے نفس کا دعوے سے اور قسم سے اور اس سے کہ وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے وغیرہ۔ جیسے عورت فدیہ دے کر اپنے نفس کو آزاد کراتی ہے اس میں قواعد شرع کا کوئی خلاف نہیں بلکہ حکمت شارع علیہ السلام' قواعد شرع' اصولِ اسلام' مصلحت بندگان اسی کی مقتضی ہیں پس ان دونوں صورتوں میں تو ابھی کے ادا کرنے کے قرض کی صلح ہے بعض کے دے دینے پر خواہ اقرار ہو خواہ انکار ہو۔

تیسری صورت : یہ ہے کہ بعض پر صلح کرے اور وہ بھی ادھار ہو اقرار پر یا انکار پر یہاں بھی دو صورتیں ہیں اگر انکار کے ساتھ ہو تو تاخیر ثابت ہو جائے گی اور مطالبہ کا حق نہ ہو گا۔ جب تک مدت نہ آجائے اس لیے کہ اس سے پہلے قرض حالیہ ثابت نہیں ہو گا۔ اگر یہ اقرار کے ساتھ ہو تو اس میں تین قول ہیں اور یہ تینوں مذہب امام احمد رحمہ اللہ میں ہیں ایک تو یہ کہ نہ تو گرا دینا صحیح ہے نہ تاخیر صحیح ہے اس لیے کہ صلح اقرار کے ساتھ صحیح نہیں اور یہ کہ جس میں ابھی کی ادائیگی ہے وہ موخر ادائیگی پر صحیح نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسقاط صحیح نہیں دیر صحیح ہے کیونکہ قرض اور ادھار موخر جائز ہے۔ اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے ہمارے شیخ کا مختار بھی یہی ہے اگر قرض موخر ہو تو اس کی صلح کبھی تو اس کے بعض پر موخر ادا کرنے کی ہوتی ہے باوجود اقرار کے یا انکار کے تو اس کا حکم تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور کبھی اس میں مصالحت ہوتی ہے بعض نقد پر پھر خواہ اقرار ہو خواہ انکار ہو۔ اس میں لوگوں کے تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ مطلقاً صحیح نہیں' امام مالک رحمہ اللہ سے یہی قول مشہور ہے اس لیے کہ یہ شامل ہے بیع موجل کے بعض کو نقد بیع کرنے پر اور یہ سراسر سود ہے۔ یہ گویا یوں ہے کہ کہے یہ سو نقد عوض ہیں ان دو سو کے جو ادھار ہیں یہ قول ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اسی کو ہمارے شیخ پسند فرماتے ہیں اس لیے کہ یہ سود کے برعکس ہے۔ سود میں دو بدلوں میں سے ایک میں زیادتی ہوتی ہے جو بمقابلہ مدت کے ہوتی ہے اور یہاں ذمہ داری کی پاکیزگی ہے مدت کے توڑنے میں پس بعض بدلہ بعض مدت کے عوض گھٹ جاتا ہے جس سے دونوں کو فائدہ ہوتا ہے یہ نہ تو حقیقتاً سود ہے' نہ لغتاً نہ عرفاً۔ سودی زیادتی کسی طرح پر یہاں ہے ہی نہیں اسے سود پر قیاس کرنا قیاس کی مٹی پلید کرنا ہے خیال

فرمایئے کہ سودی صورت میں تو یوں کہا جاتا ہے کہ یا تو سود بڑھاؤ یا رقم ادا کرو اور یہاں کہا جاتا ہے کہ سو دے دے سو معاف کرتا ہوں پھر دونوں کو ایک ہی کہنا کیسے ہو سکتا ہے؟ نہ یہ نصاً حرام ہے نہ قیاساً نہ اجماعاً - تیسرا قول یہ ہے کہ تحریر آزادگی غلام کی رقم میں تو یہ جائز ہے اور میں نہیں' امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔ اس لیے کہ اس میں آزادگی کچھ پہلے ہو جاتی ہے اور آزادگی پسندیدہ الٰہی فعل ہے یہ تحریر کردہ غلام جب تک اس پر تھوڑی سی رقم بھی باقی ہے غلام ہی کے حکم میں رہے گا اور غلام اور اس کے آقا کے درمیان سود نہیں۔ پس مکاتب غلام اور اس کا کسب سب اس کے سردار کے لیے ہے تو گویا یہ اپنا کسب کچھ لے رہا ہے کچھ چھوڑ رہا ہے لیکن یہ لوگ پھر اپنے اس اصول کو توڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلام کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں کے بدلے بیچنا جائز نہیں اس لیے کہ معاملات میں یہ مثل اجنبی شخص کے ہے۔ تعجب ہے حنفی حضرات ذرا ہمیں تو سمجھائیں کہ جب سودی کاروبار میں یہ غلام اور آقا ایسے ہیں جیسے دو غیر غیر شخص ہوں پھر یہ کیوں کہا گیا کہ غلام اور اس کے آقا کے درمیان سود نہیں اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر سود دوسری جگہ کیسے ثابت کر دیا؟ یہ ہے حنفیوں کا تناقض۔ یہ تھی ان مسائل کی صورت اور یہ تھے ان کے اصول اور ان کے بارے میں علماء کے مذاہب۔ یہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ درست بات یہی ہے کہ یہ سب جائز ہیں اس لیے ان کو کسی حیلے سے حاصل کرنا بھی جائز ہے یہ حرام کے حاصل کرنے کے حیلے نہیں ہیں جو حرام ہوں۔

حیلہ : مدعا علیہ جب انکاری ہو اور صلح کرنا چاہے تو جن کے نزدیک انکار کی حالت میں کسی رقم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ان کے لیے حیلہ یہ ہے کہ کوئی اجنبی آدمی آجائے اور وہ مدعی سے کہے کہ جو مدعی علیہ پر تیرا حق ہے وہ مجھے معلوم ہے اسے تیری سچائی کا علم ہے میں اس کا وکیل ہوں تو مجھ سے کسی رقم پر معاملہ طے کر لے تو اب اس کے انکار پر بھی صلح طے ہو جائے گی۔ اگر مدعیٰ علیہ کی اجازت سے اس نے یہ کہا ہے تو یہ اس رقم کا اس سے لین دار ہے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر کہا ہے تو حقدار نہیں اور اگر مدعیٰ علیہ نے اسے مال دیا ہے کہ جا اس پر اس سے معاملہ ختم کر لے تو بھی جائز ہے۔ حیلہ باوجود اقرار کے بھی بعض کے نزدیک کسی رقم پر معاملہ ختم کر دینا ناجائز ہے اس کا حیلہ یہ ہے کہ کسی سودے کو اتنی رقم جس پر معاملہ ختم کیا ہے بڑھا کر فروخت کر دے۔ حیلہ صلح کی کوئی رقم اب طے ہوئی ہے اور ادائیگی کی مدت مقرر ہوئی ہے اور ابھی ہی اسے بے باق کرنا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ وہاں اقرار کر لے کہ میرے ذمے اتنی رقم اتنی مدت پر باقی ہے اور کچھ رقم ابھی دے کر صلح ہو رہی ہے تو حیلہ یہ ہے کہ عقد اوّل کو توڑ دیں اور نئے سرے سے نقد رقم پر عقد کر لیں جب اس سے کوئی سودا خرید کیا ہے یا جانور کرایے پر لیا ہے یا عورت نے خلع لیا ہے اور رقم موخر ہے تو دونوں مل کر اس کو فسخ کر دیں پھر جو رقم نقد مقرر ہوئی ہے اسی پر عقد کر لیں اگر کوئی معاملہ قابل فسخ نہیں جیسے دیت وغیرہ تو اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ ادھار کوئی سودا اس کی غیر جنس سے لے لے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قرض کی بیع ہوتی ہے اس سے جس کے ذمے وہ ہے اگر کوئی مثال والی چیز تلف کر دے تو اس کے ذمے ویسی ہی چیز بطور قرض کے باقی رہے گی اور اگر مصالحت اس کی جنس سے زیادتی پر ہوئی ہے تو جائز نہ ہو گی اس لیے کہ یہ سود ہے اگر تلف کردہ چیز قیمتی ہے تو قیمت اس پر لازم آئے گی اگر قیمت کی رقم سے زیادہ رقم پر مصالحت ہوتی ہے اور ہے ایک ہی جنس سے تو جائز نہیں اگر غیر جنس سے ہے تو جائز ہے اس لیے کہ وہ بیع ہے قیمت کی اور یہ قرض ہے اس عوض کی بنا پر تو جائز رہے گا۔

ستائیسویں مثال : کسی نے وکیل بنایا کہ ایک ہزار کی لونڈی خرید لاؤ اس نے آن کر کہا کہ میں نے دو ہزار میں خرید

کی ہے اور اس کی اجازت بھی تمہاری تھی تو بات موکل کی معتبر مانی جائے گی اسے دو ہزار دینے لازم نہ آئیں گے۔ ہاں وہ اس لونڈی کا مالک بھی نہ بنے گا۔ وکیل اقراری ہے کہ لونڈی موکل کی ہے تو اسے بھی اس لونڈی سے وطی حلال نہ ہو گی ایک ہزار جو زائد ہیں اس کے ذمے قرض رہیں گے وکیل نہ اسے بیچ سکتا ہے نہ اس میں تصرف کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ مانتا ہے کہ یہ موکل کی لونڈی ہے اور دوسرے ایک ہزار کی رقم اس کے ذمے ہے جس کا وکیل ضامن ہے۔ پس اسے وکیل کی ملکیت میں کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ موکل اس سے کہے کہ میں نے دو ہزار میں خریدنے کی تجھے اجازت دی اور دو ہزار میں ہی تیرے ہاتھ اسے فروخت کر دی یہ کہے ہاں میں نے لے لی اب یہ اس کا مالک بن جائے گا اور تصرف کا اختیار ہو جائے گا۔ مزنی اور کثیر اصحاب شافعی کا یہی قول ہے۔ بیع کی تعلیق بصورت شرط ضرر نہیں دیتی اسی شرط پر اس کی صحت ممکن ہے اس کی مثال یہ ہے جیسے یوں کہے کہ اگر یہ چیز میری ملکیت ہے تو میں نے تجھے اتنے میں بیچ دی ان کی بات کی طرف التفات بھی درست نہیں جو کہتے ہیں کہ یہ بالشرط بیع ہے لہٰذا باطل ہے جیسے یوں کہے کہ اگر زید آجائے تو میں نے یہ چیز اتنے کو تجھے دی۔ یہ غلط ہے بلکہ یہاں تو یہ مثال ہے کہ اگر میرا تصرف جائز ہے تو میں نے یہ چیز تیرے ہاتھ اتنے کو بیچی وغیرہ۔

اٹھائیسویں مثال : جب کسی نے کوئی امانت دی اور اس پر گواہ بھی رکھ لیے پھر اس کی کسی قسم کی تقصیر بغیر وہ فوت ہو گئی تو اس پر ضمانت نہیں لیکن اگر اس نے دعویٰ کیا کہ اسی نے اسے لے لیا ہے اس نے انکار کیا اس نے دلیل قائم کر دی تو ضمانت ہے۔ اس کے بعد اگر اس نے کہا کہ چیز تلف ہو گئی تو اس کی بات نامنظور ہے اس لیے کہ وہ امانت داری سے انکار کر چکا ہے اور اس کے لے لینے پر دلیل قائم ہو چکی ہے اس لیے وہ ذمہ دار ہے اور دلیل کو جھٹلانا اس کے لیے بے سود ہے۔ اس ضمانت کو ساقط کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ تیری کوئی چیز میرے ہاں نہیں اگر وہ قسم کھلائے تو کھا لے کیونکہ کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ امانت داری پر گواہ پیش کرے تو یہ کہہ دے کہ یہ سچ ہے لیکن وہ چیز تلف ہو گئی اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں اگر وہ دلیل و گواہ کو جھٹلائے گا تو ضمانت آجائے گی اور اب تلف کا دعویٰ سچا نہ مانا جائے گا۔

انتیسویں مثال : کسی کے پاس رہن رکھنا بھی ضروری ہے اور اس کی امانت داری پر بھروسہ بھی نہیں خوف ہے کہ کہیں ہلاکت کا دعویٰ کر کے کھا نہ جائے تو حیلہ یہ ہے کہ وہ چیز اس کی ذمہ داری پر کر دے اس طرح کہ پہلے تو اسے ادھار دے جب وہ لے لے پھر اسے لے کر رہن کے طور پر دے دے اگر اس نے تلف کر دی تو اس کے ذمے ہو گی۔ اس لیے کہ یہ رہن ادھار پر طاری ہے جس کا حکم باطل نہیں ہوا مرتھن کو رہن کے بعد بھی نفع اٹھانا جائز ہے جیسے پہلے تھا اگر یہ باطل ہو جائے تو نفع اٹھانا جائز نہیں رہتا۔

تیسویں مثال : بطور عاریت کے جو چیز ہو وہ اگر اس کے پاس اس کی تقصیر بغیر تلف ہو جائے تو وہ ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے چار قول ہیں اول تو یہ کہ علی الاطلاق وہ ذمہ دار ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا اور مشہور قول امام احمد رحمہ اللہ کا یہی ہے۔ دوم یہ کہ ذمہ دار نہیں بلکہ اس کا ہاتھ مثل امانت دار کے ہاتھ کے ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر تلف کسی ظاہری وجہ سے ہے مثلاً آگ لگ جانا' پانی کا چڑھ آنا' جانور کا اپنی موت مرجانا' گھر کا گر پڑنا وغیرہ تو ضمانت نہیں اور اگر کسی ایسی وجہ سے ہے جس پر اطلاع نہیں ہو سکتی مثلاً جواہر کا چوری ہو جانا' یا رومال' چھری وغیرہ کا تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر اس

نے اپنی ذمہ داری کے نہ ہونے کی شرط کی ہے تو ذمہ دار نہیں اور اگر مطلق رکھا ہے تو ضامن ہے' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اسی طرح کی ہے ضامن نہ ہونے کا قول ہی راجح ہے' یہی قوی اور مدلل ہے۔ ہاں صرف اس کا دعویٰ کہ چیز تلف ہو گئی یہ مقبول نہ ہو گا اس لیے کہ وہ امانت داری نہیں ہے ہاں اگر مالک خود اسے سچا کہے اور مان لے کہ اس کے تلف میں اس کی کوئی تقصیر نہیں تو اس کا ضامن نہ ہونا زیادہ قوی ہے۔ الغرض اس ضمانت کے ٹلنے کا حیلہ یہ ہے کہ اس کی نفی شرط کر لے پھر اگر ڈر ہو کہ وہ اس شرط کو پورا نہ کرے گا تو حیلہ یہ ہے کہ اس پر گواہ رکھ لے اگر یہ حیلہ بھی نہ چل سکے یا اس کے وارثوں کے دعوے کا ڈر ہو تو تیسرا حیلہ یہ ہے کہ عین چیز اپنی ضرورت کے زمانے تک کے لیے اجرت پر لے اور اجرت چکا لے یا اجرت مثل مقرر کر لے اور اس پر گواہ رکھ لے کہ اس نے اجرت لے لی ہے اور یہ بری ہو چکا ہے اب اگر چیز تلف ہو گئی تو اس کی ضمانت اس پر نہیں۔ یہ حیلہ بھی کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔

اکتیسویں مثال :

قرض اور عاریت جبکہ موخر وقت تک کے لیے ہو تو اس میں بھی علما کا اختلاف ہے شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ظاہر مذہب احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ تو کہتے ہیں اسے طلب کرنے کا حق ہے جب چاہے مانگ لے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ وقت مقررہ تک ڈھیل دے اگر اطلاق ہو مدت مقرر نہ ہو تو مدت مثل معتبر مانی جائے گی۔ یہی صحیح بھی ہے اس کے دلائل بکثرت ہیں اس بنا پر تو قرض دار اور مستعار چیز لینے والے کو کسی حیلے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن پہلا قول معتبر مانتے ہوئے حیلہ یہ ہے کہ اس بات پر گواہ ٹھہرا لے کہ اتنی اتنی مدت تک اس کا کوئی حق میرے ذمے نہیں۔ نہ اس چیز کی واپسی کے مطالبہ کا یہ مستحق ہے اور حیلہ یہ ہے کہ اس سے اس خاص چیز کو اس مدت تک کے لیے اجرت پر لے لے پھر اس سے اجرت معاف کرا لے۔ قرض کی تاخیر کا حیلہ یہ ہے کہ قرض کے برابر کی رقم پر خرید کرے پھر اسے ادھار مدت پر لکھوا لے تو اس سے پہلے اسے تقاضے کا حق نہیں یہ ایک امر جائز پر حیلہ ہے اس لیے مکروہ نہیں۔

بتیسویں مثال :

جب کسی قرض کے بدلے کوئی چیز رہن رکھے اور کہے کہ اگر اتنی اتنی مدت میں قرض ادا کر دوں تو چیز واپس لے لوں گا ورنہ چیز آئی گئی ہوئی تو یہ صحیح ہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے ہمارے اصحاب اسے صحیح نہیں مانتے۔ تینوں اور اماموں کا مشہور مذہب یہی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے رہن روکا نہ جائے لیکن دراصل اس حدیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں اس حدیث سے تو اس چیز کی ممانعت ہے جو جاہلیت میں دستور تھا کہ رہن دار رہن رکھی ہوئی چیز کا بغیر اجازت مالک کے مالک بن جاتا تھا یہ ہے رہن کا روک لینا کہ وہ ادا کرے لیکن یہ چیز واپس نہ کرے اور اسے اپنی کر بیٹھے اسے شریعت نے اور اس حدیث نے باطل کر دیا۔ وقت آجانے پر اسی چیز کو اس کے ہاتھ جس کے پاس وہ گرو ہے بیچ ڈالنا یہ چیز ہی اور ہے' یہ کتاب و سُنّت اجماع و قیاس سے باطل نہیں' نہ اس میں کوئی فساد اور بگاڑ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بیع ایک شرط کے ساتھ معلق ہے تو اس میں کیا خرابی آگئی؟ لوگوں کو اس کی حاجت ہے' لوگوں کی مصلحت اس میں ہے' رہن رکھنے اور رکھوانے والوں کی آسانیاں اس میں ہیں' پھر کیا وجہ کہ ہم ان پر وہ حرام کریں جو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام نہیں کیا یہ تو ان کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ حاکم کے پاس مقدمہ لے جائیں ثبوت دیتے پھریں پھر وہ بیع کی اجازت دے یہ بکھیں اللہ جانے اس وقت اس کی پوری قیمت اٹھے بھی یا نہیں پس بلاوجہ انہیں اس مشقت میں پھانسنا اور اس نقصان میں ڈالنا تو نہایت نامناسب ہے جب یہ دونوں اپنی رضامندی سے ایک وقت پر ایک بیع کو کر گزرتے ہیں دونوں کی مصلحت اس میں پوری ہو رہی ہے دونوں کی اصلاح اور نفع اس میں ہو رہا ہے پھر ہمیں کیا پڑی

کہ انہیں خسارے میں ڈالیں؟ بہرصورت ناجائز جن کے نزدیک ہے وہاں حیلہ یہ کرلے کہ جو چیز رہن کرنا چاہتا ہے اس کا مالک اسے بنا دے پھر قرض کے برابر کی رقم میں اس سے خرید لے پھر کہہ دے کہ اگر میں یہ رقم اتنی اتنی مدت میں ادا کر دوں تو اچھا ہے ورنہ ہم میں تم میں کوئی بیع باقی نہیں۔ اگر دے دے تو چیز لے لے ورنہ بیع فسخ ہے اور سودا اس کی ملکیت میں ہے یہ حیلہ ان دونوں کی غرض پوری کرنے کے لیے بہترین چیز ہے اس میں کسی حلت و حرمت کی تبدیلی نہیں۔

تینتیسویں مثال : جب کسی پر کوئی قرض مدت مقررہ کا ہو وہ دعویٰ کرے یہ اقرار کرے تو صحیح چیز یہی ہے کہ اس پر وقت کے آنے سے پہلے کوئی مواخذہ نہیں اس لیے کہ اس نے اقرار اسی صفت پر کیا ہے تو جس وصف پر اس کا اقرار نہیں اس پر پکڑ کیسی؟ لیکن بعض اصحاب احمد رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حق کا تو یہ اقراری ہے ساتھ ہی تاخیر کا بھی تو اقرار میں پکڑ لیا جائے گا اور تاخیر کے دعوے کو بلادلیل ناقابل سماعت سمجھا جائے گا۔ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے اس کا اقرار مقید ہے نہ کہ مطلق پھر اس قید کو لغو قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اس پر مطلق کا حکم لگانا کون سی عدالت ہے؟ مثلاً یہ کہنا کہ اس کے مجھ پر ایک ہزار ہیں مگر پچاس کم۔ ایک سودے کی قیمت کے جسے میں نے قبضے میں نہیں کیا ایک ہزار اس کے میرے ذمے ہیں فلاں سکے کے روپے اس کے میرے ذمے ایک ہزار ہیں یا فلاں فلاں معاملہ کے تو ان سب میں ان حضرات کو چاہیے کہ یہ سب قیدیں باطل کر دیں اور پورے ایک ہزار اس کے ذمے رائج الوقت سکے کے چپکا دیں۔ اس کے بطلان کی زبردست دلیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے نفس پر اقرار کرنا اپنے اوپر شہادت دینا ہے فرمانِ الٰہی ہے :

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ الخ' (نساء : ۱۳۵) ایماندارو عدل کے پابند ہو جاؤ سچے الٰہی گواہ بن جاؤ اگرچہ اس گواہی کا ضرر خود تم پر ہی ہو۔ اگر دو گواہوں کی گواہی گزرتی کہ اس پر ایک ہزار ہیں لیکن فلاں وقت دینے ہیں تو بھی یہ فیصلہ نہ ہو سکتا کہ اب دے دو پھر جب کہ اس کے اقرار میں ہی یہ ہے کہ اتنی رقم فلاں مدت پر میرے ذمے ہے تو یہی حکم کیوں نہ ہو؟ بہرصورت جہاں اس باطل فتوے کے جاری ہونے کا خوف ہو وہاں یہ حیلہ کرلے کہ یوں کہے جو دعویٰ اس کا ہے اس کی ادائیگی میرے ذمے فلاں فلاں وقت ہے اس سے زیادہ کہے ہی نہیں فرض کرو کہ وہ کہے کہ کیا یہ رقم میری تمہارے ذمے ہے یا نہیں اس کا صاف جواب دو اور اسکا جواب لینے پر اڑ جائے تو حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے اگر تیرا دعویٰ ابھی کا ہے تو میں منکر ہوں اور اگر تیرا دعویٰ فلاں مدت کا ہے تو میں قائل ہوں۔ اسی اصل پر جہاں یہ صورت ہو کہ اس پر قرض تھا اور یہ ادا بھی کر چکا ہے اب اس نے جھوٹا دعویٰ کر دیا ہے اگر یہ کہتا ہے کہ ہاں قرض میرے ذمے تھا اور میں ادا کر چکا ہوں لیکن قاضی اس مذہب کا ہے کہ اقرار تو معتبر مان لے گا اور ادائیگی کا قول نامعتبر کر دے گا تو حیلہ یہ ہے کہ کہے اس کا کوئی قرض میرے ذمے نہیں یہ جس رقم کا مدعی ہے اس کی ادائیگی مجھ پر نہیں اگر وہ حیلہ کرے کہ یہ بتاؤ یہ رقم بطور قرض کے میں نے دی تھی یا نہیں؟ تو یہ اس کا کوئی جواب اوپر والے جواب کے سوا نہ دے منکر دعویٰ رہے۔ مدعی ادائیگی نہ بنے تاکہ اس کے ذمے حاکم لازم نہ کر دے اگر کہا جائے کہ اقراری ہے سابق ثبوت کا اور مدعی ہے ادائیگی کا جو اس پر طاری ہے تو جواب دیا جائے گا کہ ثبوت مطلق کا قائل نہیں بلکہ ثبوت مقید کو تسلیم کرتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں قرض لینے کو جو ادا کر چکا ہے اب اپنے ذمے کسی چیز کے ہونے کا اقرار اسے نہیں پس اب اس کے ذمے وہ لازم کرنا جس کی ادائیگی وہ کر چکا ہے یہ تو اس کے اقرار کو بدل دینا ہے پھر اس کے اس قول کا قیاس اس اقرار پر کرنا کہ اس کے ایک ہزار مجھ پر ہیں جو مجھ پر لازم نہیں میرے ذمے ثابت نہیں یہ قیاس بھی بالکل باطل ہے یہ کلام تو متناقض ہے جو سمجھا ہی نہیں جاتا اور جس کلام کے درپے اس

وقت ہم ہیں یہ بالکل معقول اور کھلی چیز ہے۔ سچ ہے ممکن ہے یہ دعوے کو تسلیم نہیں کرتا پھر اس کے ذمے وہ بوجھ ڈال دینا جو ایک مرتبہ وہ ادا کر چکا ہے یہ صریح ظلم ہے اس کی نظیر سنئے کوئی کہتا ہے میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی پھر رجوع کر لیا تھا تو کیا تم کہہ دو گے کہ طلاق کا اقراری ہو گیا اس کی بیوی کو اس سے الگ کر دو۔ کوئی کہتا ہے پہلے میں کافر تھا پھر مسلمان ہوا تو کیا تم اس کو اب کافر مانو گے؟ کوئی کہتا ہے میں غلام تھا پھر میرے مولیٰ نے مجھے آزاد کر دیا تو کیا تم اسے اس کا غلام بنا دو گے؟ اگر تم ان مسائل میں بھی اپنی اسی منطق سے کام لو تو تم دنیا پر مصیبت بن جاؤ گے پھر تو تمہیں لازم ہے کہ جب کوئی کہے یہ گھر فلاں کا تھا میں نے اس سے خرید لیا ہے تو تم اس سے چھین کر اس دوسرے کو دے اور کہہ دو کہ اس نے اقرار کیا کہ یہ فلاں کا تھا پھر خرید کا دعویٰ کیا اس لیے اقرار تو معتبر ہے اور دعویٰ نا معتبر ہے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص ایک واقعہ کی خبر دیتا ہے تم اس کی چیز اس کی ملکیت سے نکال لیتے ہو اور دوسرے کو سونپ دیتے ہو اسی طرح ایک عورت اگر کہے کہ میں فلاں کی بیوی تھی پھر اس نے مجھے طلاق دے دی تو تم تو اسے بھی اس کے بسترے پر ڈال دو گے؟ تعجب ہے کہ پورے کلام کے ایک حصے کو لے کر اسے ادھورے کلام پر پکڑتے ہو پورا کلام جو اس کی مراد کو ظاہر کرتا تھا اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہو بعض کو معتبر اور بعض کو نامعتبر قرار دیتے ہو؟ اور کہتے ہو کہ ہم تو اس ٹکڑے کو مانتے ہیں اور اسے نہیں مانتے اس سے تو استثنا اور قید سب اٹھ جاتے ہیں اس سے زیادہ فساد اور کیا ہو گا؟ پھر یہ ان کی اصل پر ہے جو جواب کو صرف دعوے کے موافق قبول کرتے ہیں جو انسان کو ظلم مدعی سے بچانے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وہ اس کے ظلم کا شکار ہو جاتا ہے قرض تو لیا ہے لیکن پھر ادا کر دیا ہے اب اسے مجبور کیا جاتا ہے اگر وہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی حق مجھ پر نہیں تو نہیں مانتے اور اگر کہے کہ میں نے قرض لیا تھا پھر ادا کر دیا تو اول کلام کو تو یہ لے لیتے ہیں اور آخری کلام کو چھوڑ دیتے ہیں اگر یہ کہے کہ میں نے اس سے قرض ہی نہیں لیا تو جھوٹا ٹھہراتے ہیں گویا یہ مجبور کر دیا جاتا ہے کہ یا تو جھوٹ بولے یا ظلم برداشت کرے پس ایسی صورت میں اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ توریہ کا استعمال کرے اور لفظ کو موصولہ سمجھ لے اور لوگوں کو اسے نافیہ کا وہم ڈال دے۔ مثلاً کہہ دے کہ ((واللّٰہ انی ما استدنت منه)) اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ کی قسم میں نے اس سے قرض نہیں لیا' دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں وہ ہوں جس نے اس سے قرض لیا پس مخاطب اول معنی لے گا اور یہ اپنے دل میں دوسرے معنی رکھے۔ چونکہ یہ مظلوم ہے اس کے لیے یہ جائز ہے ہاں ظالم ہونے کی صورت میں ناجائز ہے۔

چونتیسویں مثال : ایک شخص پر قرض ہے وہ تنگی ترشی کی حالت میں ہے اس نے اس پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اب اگر یہ انکار کرتا ہے تو جھوٹا ٹھہرتا ہے اگر اقرار کرتا ہے تو ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ انکار کے بعد مدعی دلیل قائم کرتا ہے اب یہ اپنی تنگی کا عذر کرتا ہے تو مدعی کہتا ہے کہ حاکم پر پہلے اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے اسی طرح اس قول میں بھی یہ کاذب ہو سکتا ہے اس تنگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے اس کے دعوے کی ادائیگی مجھ پر لازم نہیں اگر حاکم سوال کا جواب طلب کرے تو یہ توریہ کر لے جیسے پہلے بیان ہو چکا' پھر اس پر اگر قسم کھلوایا جائے تو کھا سکتا ہے' اگر مدعی کے گواہوں کا ڈر ہو تو بیشک اس پر یہ حیلہ دوبھر ہو جائے گا۔ اس صورت میں یہ مدعی کو قسم کھلوائے کہ وہ اسے نہیں جانتا کہ اس وقت یہ ادائیگی کے قابل نہیں یا خود اپنی طرف سے ایسی شہادتیں پیش کر دے کہ میری حالت اس وقت ادائیگی کی نہیں۔ اگر مدعی قسم کھا جائے اور یہ دلائل قائم نہ کر سکے تو اب سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

پینتیسویں مثال : کسی خاص چیز کے بارے میں دو شخصوں کا دعویٰ ہے اس پر ایک کا قبضہ ہے اگر دوسرے نے دلیل

قائم کر دی تو اس کے لیے فیصلہ کر دیا جائے گا اگر دونوں نے دلیل دی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبضہ والے کی دلیل زوردار ہے دونوں دلیلوں میں تعارض ہے لیکن قبضہ تعارض سے پاک ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ بیرونی دلیل زیادہ قوی ہے اس لیے کہ اس کے پاس زیادتی علم ہے جو قبضہ سے سوا ہے۔ وہ قبضہ کیسے ہوئے ہے یہ خارجی دلیل قضیہ سبب پر دال ہے اس لیے اوّلیت اسی کی ہو گی لیکن جو لوگ داخلی دلیل کو ترجیح دیتے ہیں ان کے سامنے یہ حیلہ ہے کہ یہ خارجی دلیل دے کہ غصباً یا عاریتاً یا امانتاً یا بیع فاسد کی بنا پر یہ چیز اس کے قبضہ میں ہے۔

چھتیسویں مثال: بچھو کی نیش زنی کا حیلہ جو گزرا ہے یعنی ایک مکار دھوکے باز کسی شخص کا مکان یا باغ یا سودا خرید تا ہے پھر اپنے گھر یا دکان جاتا ہے کہ میں قیمت لے آؤں پھر کہہ دیتا ہے کہ میرے قبضہ میں جو کچھ ہے سب میرے بچے کا ہے یا میری بیوی کا ہے تاکہ بائع کو قیمت نہ مل سکے۔ تو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ حاکم کے سامنے بیع کرے یا بیع کے بعد اسے ساتھ لے کر اس کے پاس جائے تاکہ سودا ثابت ہو جائے پھر حاکم سے درخواست کرے کہ مشتری کے مال کو روک لے تاوقتیکہ اس کی قیمت ادا نہ کر دے ایسا نہ ہو کہ وہ اس کا مال تلف کر دے یا خیرات کر دے پھر اسے اپنا حق وصول کرنا مشکل ہو پڑے۔ حاکم اس کی درخواست پوری کر دے اس میں حق دار کو حق دلوانے کا راستہ ہے بالفرض یہ صورت نہ ہو سکتی ہو وہ اپنا کام کر چکا ہو اب تنگی کا مدعی ہو تو یہ حاکم سے قرقی کرا لے اب اگر وہ ایسا کرے تو یہ اس کے عین مال کو لے سکتا ہے اگر یہ بچھو اس عین چیز کو بدل دے یا اپنے بچے یا بیوی کی ملکیت میں کر دے یا حاکم اس مذہب کا نہ ہو کہ اس کے دیوالے کے بعد عین چیز جس کی ہو اسے دے دے تو حیلہ یہ ہے کہ عقد کو سرے سے باطل کر دے۔ اس طرح کہ اقرار کر لے کہ بیع شدہ چیز اس کے لڑکے کی ہے یا اس کی زوجہ کی ہے یا وہ رہن ہے یا اس سے پہلے کسی اور کے ہاتھ بکی ہوئی ہے تو بیشک یہ تمام حیلے اس کے لیے جائز ہیں گو یہ بھی مکرو فریب ہے۔ لیکن دوسرے کے مکرو فریب سے بچنے کے لیے ہے نہ کہ کسی پر ظلم و ستم کرنے کے لیے اس لیے جائز ہے۔ جیسے فرمانِ ربِّ ذوالجلال والاکرام ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ (نمل: ۵۰) اور فرمان ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (آل عمران: ۵۴) اور فرمان ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (نساء: ۱۴۲) منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے۔ فرمان ہے کہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کے لیے مکر کیا ان کے بھائیوں کے مکر کے مقابلہ میں اس کی پوری بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سینتیسویں مثال: کسی مکار فریب کار نے اپنے کسی قریبی رشتے دار کے خرچ کو باطل کرنے کے لیے دیر لگانی شروع کر دی کہ مدت گزر جائے اور مجھے دینا نہ پڑے تو وہ یہ حیلہ کر لے کہ حاکم کے پاس پہنچائے کہ وہ اسے قرض دے پھر اس سے اجازت لے کہ اپنے حق کے برابر قرض لے لیا کرے جب اس نے ایسا کر لیا تو حاکم وہ قرض اس شخص سے دلوائے گا جس پر اس کا خوراک خرچ ہے اگر حاکم نے اس پر مقرر تو کر دیا لیکن قرض لینے کی اجازت نہیں دلوائی اور زمانہ گزر گیا تو اس پر مقرر ہو گا یا نہیں اس میں اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دو وجوہات ہیں۔ اکثر تو صاف طور پر سے گرا دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر مقرر ہو گیا ہو تو ساقط نہ ہو گا۔ اگر حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا ناممکن ہو تو اس سے کہے کہ آپ فلاں سے سفارش کر دیجئے کہ وہ مجھے میری ضرورت کے مطابق دیتا رہے اگر اس نے ایسا کر دیا تو بھی لازم ہو گیا اس لیے کہ جس سے سفارش کی ہے اس کی طرف سے یہ دے رہا ہے اگر کسی اور نے اس پر خرچ کیا ہے اس کی اجازت نہیں

لیکن اس کی نیت میں ہے کہ میں یہ رقم اس سے لے لوں گا تو زیادہ صحیح مذہب یہی ہے کہ اسے حق رجوع حاصل ہے۔ مذہب مالک رحمۃ اللہ علیہ یہی ہے۔ مذہب احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی باعتبار ایک روایت کے یہی ہے یہی حکم ہر اس واجب میں ہے جسے کوئی دوسرے کی طرف سے رد کر دے بلکہ واجب ہونا بھی ضروری نہیں۔ منصوص مذہب مالک و احمد یہی ہے جر جرائی کی روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہی ہیں اگر کسی قریبی رشتے دار نے ادھار لے کر اپنے اوپر خرچ کیا ہے پھر اس کا حوالہ اس کی طرف دیا ہے جس پر اس کا خرچ ہے تو یہ حوالہ لازم ہو جائے گا اس لیے کہ اس پر اس کا حق ہے پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مدت کے گزرنے سے یہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ حوالہ اپنی ٹھیک جگہ پر نہیں اس لیے کہ یہاں مدت کا قصہ ہی نہیں یہاں تو اس نے دیا ہے اس پر قرض کر کے بلکہ احسان کر کے' تکلیف اُٹھا کر' صبر و سہار کر کے۔ اور ہے بھی اتنا جتنا اس کے ذمے تھا پھر اسے گرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی گو اصحاب نے اسے مطلقاً گرا دیا ہے لیکن انہوں نے بھی جو دلیل دی ہے جو وجہ بیان کی ہے اس سے یہی سمجھا جاتا ہے۔

اڑتیسویں مثال : کسی نے اپنی ملک میں یا اجارہ لی ہوئی زمین میں کوئی چشمہ ڈھونڈ نکالا تو اس کا مالک یہ ہے لیکن اس کے فروخت کرنے کا مالک نہیں کہ دوسرا اسے خرید کر اپنی زمین میں لے جائے یا اپنے جانوروں کو پلائے اسی کا اس چشمہ پر حق ہے یہ اپنی حاجت کے مطابق اس نہر سے پانی لے لے باقی کھیتی کے لیے اور جانوروں کے لیے چھوڑ دے اب معاوضہ لینے کا حیلہ یہ ہے کہ اس دریا کا نصف یا ثلث بیچ دے یا بدلے پر دے دے تو پانی کے اتنے حصے کا حصہ دار وہ ہو جائے گا اور پانی یا تو عین کی ملکیت کی بنا پر یا اس کے نفع کی بنا پر آتا رہے گا اور یہ حیلہ پانی کے بیچنے کی ممانعت میں نہیں آئے گا اس لیے کہ اس نے اسے بیچا نہیں اس نے تو نہر کو بیچا ہے پانی اس میں طبعاً داخل ہے اور یہ ہو سکتا ہے تابع کے لیے اور حکم ہے' مفرد تنہا چیز کا اور حکم ہے۔

انتالیسویں مثال : کسی کے ہاتھ اپنا غلام بیچتا ہے غرض یہ ہے کہ وہ اُس کے پاس یا اِس کے پاس رہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اس بات پر گواہ رکھ لے کہ اگر یہ اسے بیچے گا تو قیمت کا زیادہ مستحق وہی ہو گا' یہ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اس میں کوئی ڈر خوف بھی نہیں۔ مانعین جو کہتے ہیں کہ اس میں مقتضائے عقد کا خلاف ہے وہ تمام شرطیں جو لازم ہوں عقد مطلق کے اقتضاء کے مخالف ہیں لیکن مقید کے خلاف نہیں بلکہ وہ عین اس کے اقتضاء میں ہیں بالفرض یہ حیلہ نہ چلے تو یہ حیلہ کر لے کہ اختیاری مدت میں ہی کہہ دے کہ جب تو اسے بیچے تو یہ آزاد ہے یہ اقرار کر ورنہ میں بیع فسخ کرتا ہوں اب اگر یہ بیچے گا تو اسی وقت وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ شرط یہی ہوئی ہے پس خریدار کے قبضے میں جائے گی ہی نہیں' حقیقتاً بیع یہی ہے کہ جہاں عقد کی قبولیت خریدار نے کی عقد ہو گیا اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کے ہاتھ غلام بیچا اس نے خریدا پس جس طرح خرید اس کا نام ہے کہ وہ کہے میں نے لیا اسی طرح بیع اس کا نام ہے کہ یہ کہے میں نے بیچا اسی لیے ان کا نام بائع اور مشتری ہے۔ شاعر کہتا ہے جب کوئی عمدہ چیز خرید فروخت کی جائے تو تیرے سوا اور کوئی اس کا بیچنے والا ہو گا اور تو تو خریدار ہی ہو گا۔ اگر یہ حیلہ جاری نہ ہو سکتا ہو تو مدت اختیار کے درمیان کہہ دے کہ یا تو یہ کہہ کہ میں جب تجھے بیچوں اس سے ایک ساعت پہلے تو آزاد ہے یا میں اس بیع کو فسخ کر دیتا ہوں جب وہ یہ کہہ دے گا پھر بیچنے کا حق اسے نہیں رہتا۔

چالیسویں مثال : موکل کی شہادت وکیل اس امر میں نہیں دے سکتا جس میں وہ وکیل ہے لیکن اس شہادت کی قبولیت

کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے وکالت سے معزول کر دے یا یہ خود اپنے تئیں معزول کر دے اب جھگڑے کے بعد یہ شہادت دے سکتا ہے جب شہادت ہو جائے پھر اسے وکیل کر لے اس حیلہ میں بھی کوئی حرمت نہیں۔

اکتالیسویں مثال : کسی نے وضو کیا دوسرے پاؤں کو دھونے سے پہلے ایک پاؤں میں جراب پہن لی پھر دوسرے کو دھو کر اس میں جراب پہنی تو زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ دوسرا قول ناجائز ہونے کا ہے کیونکہ وضو کامل ہونے سے پہلے جراب پہنی ہے تو جواز مسح کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے پاؤں کی جراب اتار کر پھر پہن لے ہے تو یہ عبث کام شارع علیہ السلام کو اس سے کوئی غرض نہیں نہ اس میں کوئی انسانی مصلحت ہے نہ یہ شرعی حکم ہے۔

بیالیسویں مثال : کسی چیز پر قسم کھلوایا جاتا ہے چاہتا ہے کہ قسم ہو جائے لیکن ٹوٹے نہیں تو حیلہ یہ ہے کہ انشاء اللہ کے ساتھ اپنی زبان ہلا لے بعض تو کہتے ہیں اپنے تئیں سنانا ضروری ہے لیکن ہمارے شیخ اس قول کو بے دلیل بتلاتے ہیں صرف زبان ہلانے سے تکلم ہو جاتا ہے اگرچہ خود بھی نہ سن سکے اقوالِ واجبہ اور قرأتِ واجبہ سب میں یہی حکم جاری ہے۔ میں کہتا ہوں بعض سلف ہونٹ ملا لیتے تھے اور زبان کو کلمہ کے ساتھ حرکت دیتے تھے ذکر اللہ کرتے تھے گو خود بھی اپنی آواز نہ سن سکیں جن کلمات میں ہونٹوں کا کوئی حصہ نہیں ان کے تمام حروف حلق اور زبان سے تعلق رکھتے ہیں تو ذکر کرنے والا زبان سے ان حروف کو ادا کرے گو کوئی نہ سنے' خود نہ سنے' نہ کوئی دیکھے۔ اسی طرح یہ انشاء اللہ کہنے والا اگر ہونٹ بند کر کے کہے یا دانت دبا کر کہے اور ہونٹ کھول دے جس سے خود سن لے۔

تینتالیسویں مثال : کسی نے اپنی بیوی سے لعان کیا اس کے لڑکے سے انکار کر دیا پھر اسے مار ڈالا تو اس پر قصاص واجب ہے اسی طرح اگر اس عورت کو مار ڈالا تو بھی اس کا بچہ قصاص لے سکتا ہے اگر اس قصاص کو ہٹانا چاہے تو حیلہ یہ ہے کہ اپنے تئیں جھٹلا دے اور اسے اپنا بیٹا کہے تو دونوں صورتوں میں قصاص ہٹ جائے گا لیکن اس حیلے کے جائز ہونے میں کلام اور تردد ہے۔

چوالیسواں حیلہ : کسی کا اس پر کوئی حق ہو جس سے یہ بری الذمہ ہو چکا ہے لیکن اس براۃ پر کوئی شاہد نہیں اب اس نے دعویٰ کر دیا ہے تو اگر یہ کہہ دے کہ میں اس سے بری ہو چکا ہوں تو یہ اقرار میں داخل نہیں جیسے یہ کہنا کہ تیرا قرض تھا جسے میں ادا کر چکا ہوں لیکن جن کے قول میں یہ اقرار ہے اب براۃ کے لیے ثبوت درکار ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ یہ کہے تو مجھے اس دعوے سے سبکدوش کر چکا ہے ان لفظوں سے اقرار نہ ہو گا یہ اگر اپنے مخالف سے قسم لینا چاہے تو بھی اسے اختیار ہے اگر وہ قسم نہ کھائے تو حاکم دونوں کو واپس کر دے گا اگر کھا لے تو جواب طلب ہو گا اس کے بعد براۃ کا دعویٰ ناقابل سماعت ہو جائے گا۔ اگر اس نے کہا کہ اس نے مجھے حق سے بری کر دیا ہے تو وہی خلاف آپڑے گا جو بیان ہوا۔ اگر کہہ دے کہ میرے پاس اس کی کوئی چیز نہیں تو یہ جمہور کے نزدیک کافی ہے اگر حاکم جواب طلب کرے تو اسے حق ہے کہ توریہ کا جواب دے دے۔

پینتالیسویں مثال : شرکت والا ڈرتا ہے کہ اصل مال والا اپنا مال واپس نہ کر لے اور کہتا ہے کہ اس میں مجھے ایک ہزار کا نفع ہو چکا ہے تو اسے واپسی کا حق نہیں رہتا۔ یہ شریک ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اگر وہ کہتا ہے کہ نفع نہیں ہوا میں نے جھوٹ کہا تھا اس کی یہ بات سنی نہ جائے گی اس وقت کا حیلہ یہ ہے کہ اس کے بعد نقصان کا دعویٰ کر دے یا تلف کا تو اس کی بات مانی جائے گی جب کہ قسم کھا جائے۔

چھیالیسویں مثال اپنے وقف کی تولیت خود کرنا: کسی چیز کو وقف کرے اور اپنی زندگی تک اس کی دیکھ بھال اپنے لیے کرے پھر دوسرے کے لیے تو جمہور کے نزدیک یہ صحیح ہے صحابہ کا اس پر اتفاق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ سے یہ ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی زمین وقف کرنے کا جب ارشاد فرمایا تو یہ نہیں فرمایا کہ اگر ایسا کرو گے تو درست نہ ہو گا بلکہ اپنے قبضہ سے نکال دو۔ خود نگراں نہ بنو' فرمایئے اس میں شارع علیہ السلام کو کیا حاصل' وقف کرنے والے کو کیا فائدہ جس پر وقف کیا ہے' اس کی اس میں کیا مصلحت؟ بلکہ تمام مصلحتیں اس کے خلاف میں ہیں۔ جب یہ مہتمم ہو گا تو اسے اپنے مال کی خبر' اس کی حفاظت کی خبر' اس کی مصلحت کی خبر بہ نسبت ایک اجنبی غیر کے بہت زیادہ ہو گی اس کے دِل میں وہ درد کہاں؟ جو اس کے دِل میں ہے یہ اپنی ملک سے نکال دے بس وقف ہو گیا اس کا اہتمام و انتظام تو ایسا ہے جیسے دوسرے کا خصوصاً جبکہ یہ بطور خیر خیرات کے کر رہا ہے پس ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ خود اگر متولی بنے تو اس کے وقف کے غیر صحیح ہونے کی کیا وجہ آگئی؟ اور جب یہ ہٹ جائے اور دوسرے کو سونپ دے جس میں اس کے برابر دِل سوزی نہیں تو وقف صحیح ہو جائے اس کی کیا وجہ؟ اگر **اعتراض** کیا جائے کہ اللہ کے نام پر نکالنا اقتضاء کرتا ہے کہ اس سے بالکل ہاتھ اُٹھا لے' جیسے آزادگی غلام' تو **جواب** یہ ہے کہ آزادگی کے بعد غلام مال نہیں رہتا اس پر کسی کا ہاتھ نہیں رہتا۔ وقف میں کسی نہ کسی کا ہاتھ ہونا ضروری ہے وہ اب بھی مال ہے حفاظت کا' مصلحت کا' محتاج ہے۔ عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو اس سے زیادہ دلچسپی ہو وہی اس کا نگران اور محافظ بنا دیا جائے۔ اس کی دیکھ بھال وقف للہ کے خلاف نہیں بلکہ جیسے وقف نیکی ہے ایسے ہی اس کی حفاظت بھی نیکی ہے پس اس دوسری نیکی سے اس پہلی نیکی کے بعد آپ محروم رکھنے والے کون؟ آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ جب تک تم دوسری نیکی سے دست برداری نہ کرو پہلی نیکی نہیں کر سکتے۔ کون سی دلیل' کون سا قیاس' کون سی مصلحت' کون سی شرعی غرض تمہارے پاس ہے؟ بلکہ کس نے تم سے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی ایسی ہی جگہ پھنس گیا ہو تو یہ حیلہ کر لے کہ جس پر اسے بھروسہ ہو اسے نگراں کر دے اور اسے اختیار دے کہ جسے وہ چاہے نگراں مقرر کر سکتا ہے پھر صحت وقف کے بعد وہ اسی کو مہتمم بنا دے کیونکہ اور لوگوں کی طرح اب یہ بھی اجنبی اور غیر ہو گیا ہے یہ بھی حق تک پہنچنے کا حیلہ ہے اس لیے بلاشبہ جائز ہے اگر حاکم کو ناظر و نگراں بنا دے پھر حاکم اسے بنائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے اگر ڈر ہو کہ حاکم پھر نہیں بنائے گا تو جس پر بھروسہ ہو اسے اوّلاً مالک بنا دے وہ وقف کرے اور اسے مہتمم بنا دے۔

سینتالیسویں مثال: کوئی اپنے اوپر وقف کرے پھر اپنے غیر کے اوپر تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت کی بنا پر صحیح ہے ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ بعض شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ زبیری بھی اسے پسند کرتے ہیں تین فقہاء کے نزدیک یہ صحیح نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دینے والا ہی لینے والا بنے یہ محال ہے جس طرح خود اپنی بیع اپنے لیے' اپنا ہبہ اپنے لیے اس میں اجر نہیں ملتا۔ اسی طرح اپنے لیے وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہوتا۔ اسے جائز بتلانے والے کہتے ہیں وقف مشابہ آزادگی غلام ہے ملکیت کی تبدیلی اس کی گردن میں اب نہیں رہی اگر غیر معین کو کسی نے آزاد کیا ہے تو اس کی قبولیت کی ضرورت نہیں۔ معین پر بھی نہیں ایک قول یہ بھی ہے اس سے بھی زیادہ مشابہت والی چیز وہ لونڈی ہے جس سے اولاد ہوئی ہو اور جبکہ مثل تحریر واقف کو مالک نہیں بناتی بلکہ اسے ملکیت سے الگ کر دیتی ہے اس کی گردن پر اس کا تصرف باقی نہیں رہنے دیتی باوجودیکہ عین اسی چیز سے وہ نفع اُٹھا رہا ہے جیسے اُمّ ولد لونڈی یہ بات اس وقت

اور بھی ظاہر ہے جب ہم کہیں کہ وقف کردہ غلام کی گردن اب اللہ کی ملکیت کی طرف لوٹ گئی اس لیے کہ وقف کرنے والا اسے اللہ کے لیے کر دیتا ہے اور اس کے نفع کا ایک مستحق اپنے تئیں بھی رکھتا ہے مان لو کہ یہ کسی سے زیادہ نہیں تو کم از کم کم بھی تو نہیں۔ قیاس بھی اس کی تجویز کا موید ہے اگر کہا جائے کہ وقف انہی کی طرف لوٹ جاتا ہے جن کے لیے وقف کیا گیا ہے تو پہلا طبقہ بھی انہی میں ہے یہ ظاہر ہے کہ جب دو شریکوں میں سے کوئی اپنے لیے کچھ خرید کرے یا شرکت کا کوئی مال فروخت کرے تو مختار مذہب یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ دونوں ملک جداگانہ ہیں پس اس کی مخصوص ملکیت منقول ہو جائے۔ ان طبقوں پر جن میں ایک طبقہ یہ بھی ہے یہ زیادہ اولیٰ ہے اس لیے کہ دونوں جگہ اس کی مخصوص ملکیت کی نقل مشترک ملکیت کی طرف ہے جس میں ایک حصہ اس کا ہے بلکہ آزادگی گردن سے تو اس میں اولویت بہت زیادہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر وقف عام ہوتا تو ایک انسان کی حیثیت سے وقف کرنے والا بھی رہ جاتا۔ دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رومہ نامی کنویں کو وقف کرتے ہیں اور مثل اور مسلمانوں کے ایک ڈول اپنا بھی رکھتے ہیں۔ آدمی مسجد وقف کرتا ہے اور اس میں خود بھی نماز پڑھتا ہے۔ سبیل راہ للہ لگاتا ہے اس کا پانی خود بھی پیتا ہے۔ قبرستان کی زمین عام وقف کرتا ہے اس میں خود بھی دفن ہوتا ہے۔ راستہ کھولتا ہے اس میں یہ بھی چلتا ہے۔ کتاب وقف کرتا ہے اسے خود بھی پڑھتا ہے۔ کوئی بوریا یا فرش وقف کرتا ہے اس پر خود بھی بیٹھتا ہے وغیرہ۔ جب عام طور سے اس کے لیے یہ جائز ہے تو خاص طور پر ناجائز کیوں ہو گیا؟ معنی کی رو سے دونوں یکساں ہیں بلکہ یہاں جواز اولیٰ ہے کیونکہ تعین کے ساتھ اسی پر وقف ہے' وہاں بطور عموم یہ داخل ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ اس بھلے قول کو ماننا بہتر؟ یا وہ حیلے بہتر جن سے انسان اپنے مال کا مالک اسے بنائے جسے ایک کوڑی کا مالک بنانا بھی پسند نہیں کرتا پھر اس مملوک کا خرچ مملوک پر؟ اس حیلے میں دو طرز بیان ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملکیت کو مستقل کرنا ملکیت کی طرف۔ دوسرے یہ کہ اس سے شرط لینا کہ اس طرح اسے وقف کرے یہ دراصل وقف میں وکیل کرنے کی طرح ہے جیسے کہ تصرف رُک جانے کی شرط ہو پس دراصل یہ ملکیت نہیں جیسی ہے۔ اس طرح تو ہو گیا لیکن وقف سے پہلے ہی اگر وہ مر گیا تو وارث اسے نہیں لے سکتے اور اگر اس نے لے لیا پھر اس کے مالک پر وقف نہ کیا نہ واپس کیا تو وہ ظالم غاصب شمار کیا جائے گا۔ یہ شخص اگر اس کے بعد اس ملکیت میں تصرف کرے تو پہلے کی طرح اب بھی جائز ہو گا اللہ کے نزدیک بھی اور دنیوی حکم میں بھی اگر وہ دلیل اور گواہ قائم کر دے کہ پہلے سے اس بات پر دونوں کا اتفاق ہو چکا ہے۔ اس شرط سے دیا ہے کہ یہ وقف کر دے یا اس نے اس بات کا خود ہی اقرار کر لیا ہے وغیرہ۔ اگر پوچھا جائے کہ کیا تمہارے پاس اس سے بہتر حیلہ بھی کوئی ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں ہے جن کاموں میں خرچ کرنا چاہتا ہے ان کے لیے وقف کرے اور اس کا غلہ اور نفع مستثنیٰ کر لے اپنے لیے اپنی حیات تک یا ایک مقررہ مدت تک۔ یہ سُنّت سے ثابت ہے اور صحیح قیاس کے بھی مطابق ہے۔

فقہاء اہلحدیث کا مذہب بھی یہی ہے بلکہ ان کے نزدیک بیع میں' ہبہ میں' آزادگی میں سب میں ایک مدت تک کسی نفع کا استثناء کر لینا جائز ہے' کسی پر کسی چیز کو وقف کرنا اور اس میں اپنے لیے اس کے بعض نفع کو مقررہ مدت تک کے لیے مخصوص کر لینا بھی جائز ہے' خواہ زندگی بھر کے لیے ہو۔ ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت ہے اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بالشرط آزاد کرنا ہے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اس طرح آزاد کرنا ہے اور صحابہ سے تو اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں اور لطف یہ ہے کہ کسی سے اس کے خلاف ایک حرف نہیں اور یہی قول قیاس سے بھی قوی

ہے- اگر دریافت کیا جائے کہ کسی نے پہلا حیلہ کیا ہے تو اس کا حکم نفس الامر میں کیا ہے اور اس وقف کا کیا حکم ہے؟ اسے اس سے فائدہ اٹھانا اچھا بھی ہے یا نہیں؟ تو کہا جائے گا کہ یہ صحت وقف میں مخل نہیں وقف جاری ہو جائے گا اسے اس سے نفع لینا طیب ہے اس کا مقصود نیک ہے صحیح ہے' شرعی ہے' ہاں طریقہ غیر شرعی ہے جیسے کوئی غلام کی آزادگی' عورت کی طلاق کا انکار کر جائے۔ اور غلام اور عورت گواہ پیش کر دیں جو حقیقت شناس نہ ہوں تو بلاشک اس غلام کو اپنے نفس میں تصرف کرنا عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا مطابق مسئلہ جائز ہو گا' اسی طرح یہ اجازت اور وکالت وقف کی اگرچہ عقد فاسد کے ضمن میں ہوئی ہے لیکن خود فاسد نہیں جیسے کہ شرکت و ساجھا اگر فاسد ہو جائے تو تصرف شریک و ساجھی فاسد نہ ہو گا بلکہ یہاں تو اولویت کی دو وجوہات اور بھی ہیں ایک یہ کہ اذن اور وکالت بالکل صحیح ہے اس پر کوئی خلاف چیز وارد نہیں ہوئی۔

ہبہ باطل ہوا اس شرط سے جو وقف کے علاوہ کسی اور تصرف کے نہ کرنے کی تھی' یہ بھی ظاہر ہے کہ عین چیز میں تصرف صرف ملکیت پر ہی موقوف نہیں' بطریق ولایت و وکالت بھی ہو سکتا ہے پس ابطال ملک ابطال اذن و اجازت نہیں ہو سکتا۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ملکیت کو باطل کرنا مستلزم ہے تصرف کے باطل کرنے کو کیونکہ تصرف تابع ملکیت ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ خود غلط ہے ان صورتوں میں تصرف حقیقی ملک کے ماتحت نہیں وہ اجازت و وکالت کے تابع ہے۔ یاد رکھو یہاں صرف نام کا فرق ہے ہبہ نہیں بلکہ اجازت و وکالت کہنا چاہیے جیسے ان نامراد حرام حیلوں میں سود کا نام تجارت اور رشوت کا نام ہدیہ وغیرہ رکھ لیا گیا تھا۔ پھر صحت وکالت کے لیے تو کوئی مخصوص لفظ بھی نہیں ہر وہ لفظ جس سے دلالت یہ ہو اس سے وکالت ثابت ہو جائے گی۔ پس راستہ گو چکر دار ہے لیکن چیز ایک ہی ہے نفس مسئلہ کو جائز ماننے والے اس حیلے کو بے سود نہیں کہہ سکتے۔ ہاں جن کے نزدیک نفس مسئلہ صحیح نہیں ان کے نزدیک یہ حیلہ بھی باطل ہونا چاہیے۔ یہ خلاف تو مشہور ہے اسے باطل کرنے والوں کی رائے ہے کہ طبقہ ثانیہ اور اس کے بعد کے طبقے پہلے طبقہ کے تابع ہیں جب یہ پہلے طبقہ میں ہی صحیح نہیں تو بعد والوں میں بھی صحیح نہ ہو گا اور جبکہ وقف کرنے والا دوسرے طبقے کو پہلے کے بعد کرنے پر رضامند ہے تو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ تصرف اسی کی رضامندی سے ہو سکتا ہے اس لیے یہ اسی کی ملکیت میں رہا۔ وقف نہ ہوا' جب یہ مرجائے تو اب وقف ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں ان کا ماخذ بھی یہی ہے کہ اگر یہ کہتا کہ یہ میری موت کے بعد وقف ہے تو صحیح ہوتا اس لیے کہ یہ ایک شرط پر معلق ہے اس میں دو وجوہات ہیں اگر اس کی صحت کو کہا جائے تو اسے ثلث میں سے ہونا لازم ہے اسے ان کاموں میں صرف کیا جائے جن پر اس کا وقف صحیح ہے اور جہاں صحیح نہیں وہ جہت لغو کر دی جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وقف کی عام حالتوں میں اسے بھی گن لیا جائے اس کی موت کے بعد صحیح جہت مصرف میں صرف کیا جائے اگر کہا جائے کہ اگر ان سب سے زیادہ آسان اور قریب تر حیلہ کر لے کہ اقرار کر لے اس کے قبضے میں جو مکانات ہیں وہ وقف ہیں جائز ملک سے جائز الوقف اس کی طرف لوٹے ہیں اور اس کے بعد وہ اس اس طرح رہیں گے۔ اب فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے اور جن پر یہ وقف ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حیلے سے متکلم کا قصد وقف کو نو پید کرنا ہے گو لفظ اس کے خبر دینے کے ہیں لیکن دراصل یہ وقف اب کرنے کے لیے کہے ہیں تو یہ اس کے مثل ہیں کہ کوئی طلاق یا آزادی کا اقرار کر کے اس سے مراد اب طلاق دینا اور آزاد کرنا لے۔ وقف صراحت اور کنایہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے بلکہ فعل کے ساتھ بھی جبکہ نیت ہو اکثر لوگوں کا مذہب یہی ہے۔ جب اس کا مقصود اپنے اوپر وقف کرنا ہے اور قول یہ

کہتا ہے کہ یہ وقف ہے مجھ پر اور اپنے فعل سے بھی اسے علیحدہ ممتاز کر دیتا ہے تو وہ وقف ہو جائے گا۔ اقرار میں صحیح ہے کہ وہ انشاء سے کنایہ ہو باوجود نیت کے۔ جب یہ قصد ہے تو صحیح ہے جیسے کہ انشاء کے لفظ سے اخبار بھی جائز ہے ہر ایک دوسری کی جگہ کار آمد ہے اور مستعمل بھی ہے۔ اقرار کی منشا بھی کبھی گزشتہ خبر سے ہوتی ہے کبھی انشاء کے قصد سے اس وقف میں لفظ خبر کے کہنے کسی خاص غرض کے لیے ہوتے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ لین دین بیوپار تجارت وغیرہ کے الفاظ کو بعض نے تو انشاء کے الفاظ کہے ہیں بعض نے خبر کے پس لفظ خبر کا ہے' ارادہ انشاء کا ہے حقیقتاً یہ الفاظ دونوں باتوں کے متضمن ہیں جو مقصود دل میں ہے اس کی یہ خبر دیتے ہیں لفظاً خبر ہے معناً انشا ہے جب اس نے کہا کہ یہ اس پر وقف ہے اور یہ جانتا ہے کہ کسی غیر نے اس پر وقف نہیں کیا بلکہ اس کا قصد یہ ہے کہ اس کے ان الفاظ سے یہ اب وقف ہو جائے تو لفظ خبر کے ہیں' مراد انشاء ہے۔ اگر اسی ارادے کی خبر ہے تو بلاشک و شبہ یہ بات ہے کہ اس نے اب وقف نوپید کیا ہے لیکن چونکہ الفاظ اس کے سوا ہیں اور جو کرتا ہے اس کے لیے کوئی لفظ نہیں اس لیے مسئلہ احتمالی ہو گیا ہے اور شبہ پیدا ہو گیا ہے لیکن یہ نیت اس لفظ نیک سے کنایہ ہے مع فعل کے جو وقف پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام ان لفظوں کے ہے جن سے وقف نوپید کیا جاتا ہے' واللہ اعلم۔

اڑتالیسویں مثال : اگر کوئی کسی کے ہاتھ گھر یا غلام یا اور کوئی سودا بیچے اور اس چیز کے نفع کی ایک مدت مقرر کر لے شرط کر لے تو یہ جائز ہے جیسے کہ نصوص آثار اور مصلحت و قیاس کی دلالت ہے لیکن اگر اسے خوف ہو کہ حاکم اس مذہب کے خلاف ہے وہ اسے باطل کر دے گا تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بیع سے پہلے اس سے طے کر لے کہ اس مدت کے لیے وہ اس چیز کو اسے اُجرت پر دے اور اُجرت بھی ٹھہرا لے پھر بیچ دے اور اپنے پہلے اتفاق کے مطابق اُجرت پر لے لے' یہ حیلہ صحیح اور جائز ہے نہ اس میں کسی حرام کو حلال کرنا ہے نہ حلال کو حرام۔

انچاسویں مثال : مطلقہ بائنہ کے لیے نان نفقہ اور مکان نہیں۔ سُنّت صحیحہ صریحہ سے یہی ثابت ہے اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں بلکہ اس کی موافقت کتاب اللہ میں بھی ہے مقتضائے قیاس بھی یہی ہے' یہی مذہب فقہاء حدیث کا ہے لیکن اگر خاوند کو ڈر ہو کہ کہیں مقدمہ کسی ایسے حاکم کے ہاں نہ پہنچے جو اسے ضروری جانتا ہو تو حیلہ یہ ہے کہ اس کی طلاق کو اس سے اپنی برأت کے ہونے پر موقوف رکھے یعنی یوں کہے کہ اگر تیری برات نان نفقہ گھر وغیرہ سے اور اس کے دعوے سے ہو تو تجھ پر طلاق ہے۔ اس کے بعد یہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتی۔ دوسرا حیلہ اس کا یہ ہے کہ اس سے اسی رقم پر جو اس کے نان نفقہ وغیرہ میں آتی ہے خلع کر لے تاکہ بوقت دعویٰ اگر حاکم وہ رقم خاوند سے دلوائے گا تو یہ رقم عورت سے وصول کر سکتا ہے۔

پچاسویں مثال : کسی انجان آدمی سے سودا خریدتا ہے اور ڈر ہے کہ اگر کوئی عیب نکلا تو اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں گا تو حیلہ یہ ہے کہ اس کا وکیل کسی کو بنا لے اگر ڈر ہو کہ اس کی وکالت وہ توڑ نہ دے تو حیلہ یہ ہے کہ خریداری خود اس وکیل سے ہی کرے اور اسی کو ضامن قرار دے لے۔

اکاونویں مثال : جب کسی نے دوسرے کو اپنا مال دیا کہ وہ اس سے کسی دوسرے شہر سے اس کے لیے سامان خریدے اس نے مال خرید کیا' اور دوسرے کے ہاتھ بھجوانا چاہا اس لیے کہ یہ اپنے شہر سے جانا نہیں چاہتا اب اگر غیر کو سونپتا ہے تو ضمانت اس کی ہے اگر اسے وکیل بناتا ہے تب بھی بوجھ اسی پر رہتا ہے اگر اُجرت پر دیتا ہے تو بھی ذمہ دار یہی ہے۔ اس لیے کہ اس نے ان باتوں کی اجازت نہیں دی تو اصل مال والے تک پہنچانے کا حیلہ یہ ہے کہ خریداری سے پہلے یا بعد اس بات پر گواہ کرلے کہ یہ اس کے مال میں جو چاہے کر سکتا ہے وکیل بھی امانت دار ہے اگر موکل اس کا انکار کرے تو حیلے کی تنگی ہو جائے گی یہ اپنے تئیں وکالت میں نہ ڈالے اس کا ہاتھ اب امانت دار کا ہاتھ ہو جائے گا اور اس واپسی کی زحمت سے بچ جائے گا۔ اب وہ خود آکر لے جائے یا کسی اپنے بھروسے کے آدمی کو بھیج کر اپنی ذمہ داری پر منگوا لے۔ اگر کہا جائے کہ اگر اس نے اپنے تئیں معزول نہ کیا تو کیا واپسی کا بوجھ اسی پر رہے گا تو جواب یہ ہے کہ جب اس کے ساتھ عقد وکالت میں داخل ہوا تو التزام ہو گیا یا اسے مال سونپے جو لازم کیا ہے لازم ہو جائے گا۔ اگر اپنے تئیں اس عہدے سے سبکدوش کرلے تو اب صرف امین کی حیثیت میں رہ گیا اگر وکیل بنائے گا تو وہ مثل اُجرت والے شخص کے ہو گا پھر اس پر واپسی ضروری ہے اب اپنے تئیں معزول نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا کام پورا نہ کردے۔

باونویں مثال : ذمی اسلام لانے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن ڈر ہے کہ اس صورت میں جو شراب میرے پاس ہے اسے بہا دینی پڑے گی بیع جائز نہ رہے گی تو حیلہ یہ ہے کہ کسی اور ذمی کے ہاتھ اسے بیچ دے یا اس کے ذمے کرے بعد از اسلام اس سے قیمت کا تقاضا کر سکتا ہے اس میں اس پر کوئی حرج نہیں اس کی حرمت کا تعلق اسلام سے ہے جیسے کہ پہلے اس کی حرمت کا تعلق قرآن کی آیتوں کے اترنے سے تھا۔ حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ شراب کی بابت تعریض کر رہا ہے جس کے پاس ہو وہ بیچ کھوچ ڈالے۔ اگر کہا جائے کہ کسی نے شراب خریدی پھر مسلمان ہو گیا اور قیمت اب تک دی نہیں تو کیا اس پر سے قیمت ساقط ہو جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ساقط نہ ہو گی کیونکہ یہ تو قبل از اسلام اس کے ذمے ثابت ہو گئی۔ اگر کہا جائے کہ اگر سودا ہوا ہے پھر ایک یا دونوں مسلمان ہو جائیں تو؟ جواب یہ ہے کہ یہ سودا فسخ ہے اور اصل رقم کا اگر لین دین ہوا ہے تو واپس ہو جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا ہے کہ شراب خریدے پھر چاہتا ہے اسلام قبول کرے اور ڈر ہے کہ کہیں قیمت اس کے ذمے نہ پڑ جائے تو اس کا حیلہ کیا ہے؟ جواب' اسے خرید لے ملکیت میں نہ لے بلکہ قرض سے لے پھر اگر ایک یا دونوں اسلام لائیں تو قرض کا بدل اس پر واجب نہ ہو گا موجب قرض رد مثل ہے اور وہ بوجہ اسلام کے محال ہو گیا ہے۔

۵۳ ویں مثال : جب کسی نے کوئی گھر یا زمین خرید کی جس میں حد بندی ہو چکی ہے اور راستے جدا جدا ہو گئے ہیں اور پڑوسی کا شفعہ باقی نہیں رہا ہاں اگر حد بندی نہ ہوئی ہو راستے دونوں کے ملے جلے ہوں تو شفعہ ہے۔ پڑوس کے شفعہ میں صحیح تر قول یہی ہے اہل بصرہ کا یہی مذہب ہے۔ مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک وجہ سے یہی ہے۔ ہمارے شیخ الاسلام کا مختار بھی یہی ہے لیکن ڈر ہے کہ ایسے حاکم کے پاس مقدمہ اگر جائے جو اس حالت میں بھی شفعہ کا قائل ہے تو اس کے کئی حیلے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مثلاً ایک ہزار دینار پر خرید کرے پھر ہر دینار کے بدلے دو درہم یا ایسی ہی کوئی کم رقم ادا کرے دوسرا حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے گھر یا زمین ہبہ کر دے یہ اسے رقم ہبہ کر دے۔ تیسرا حیلہ یہ ہے کہ خریدار شفیع سے کہے کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے ہاتھ اسی رقم پر فروخت کر دوں جس پر میں نے خریدا ہے یا کم پر یا ادھار پر وہ اگر ہاں کہے تو

اس کا شفعہ جاتا رہے گا۔ چوتھا حیلہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں آپس کے مشورے اور سمجھوتے سے کوئی شرط یا صفت ایسی کرلیں جو بیع کو فاسد کرنے والی ہو مثلاً مدت کی جہالت' اختیار کی جہالت' اکراہ' بے قراری وغیرہ پھر بائع سودے کو مشتری کے ہاتھ چھوڑ دے تو شفیع کو کوئی اختیار نہ رہے پانچواں حیلہ یہ ہے کہ اختیار کی مدت بہت لمبی کریں اگر صحیح ہے تو اس مدت کے خاتمہ تک اسے لینے کا اختیار نہ ہو گا اگر باطل ہے تو بیع فاسد سے بھی لینے کا اختیار نہیں۔ چھٹا حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے دس حصوں میں سے نو حصے ہبہ کردے اور دسواں حصہ پوری قیمت پر بیچ دے۔ ساتواں یہ خود شفیع کو اپنا وکیل بنا دے یا خریدار اپنا وکیل کرلے۔ آٹھواں قیمت کا وزن پوشیدگی میں کرلیں پھر ڈھیر کا ڈھیر بغیر گنے دے دیں اور اسی پر مکان یا زمین کی بیع کرلیں۔ نواں بائع اقرار کرلے کہ ایک ہزار حصوں میں سے ایک حصہ اس کا ہے پھر اس کے ہاتھ باقی کے حصے بیچ دے تو ظاہر ہے کہ شریک کا شفعہ پڑوسی کے شفعہ سے مقدم ہے۔ دسواں اسے کوئی حصہ للہ دے باقی حصے مقررہ قیمت پر اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو بھی یہ شریک ہو جائے گا۔ گیارھواں کسی انجان یا مسافر کو اس کے خریدنے کا حکم کرے وہ خرید کر اس کی حفاظت میں دے دے' دینے پر اور وکیل کرنے پر شاہد مقرر کرلے تو شفیع جھگڑا بھی نہ کرسکے گا۔ بارھواں حیلہ' خریدار پڑوسی کے پاس جائے اس کا مکان خریدنے کو کہے قیمت زیادہ لگا دے اور معاملہ ہو چکنے کے بعد تین دن تک کا اختیار لے لے اسی مدت میں اس کا گھر خرید لے پہلی بیع فسخ ہو جائے گی اور اسے حق شفعہ نہیں رہے گا کیونکہ اس گھر کی خریداری کے وقت وہ شفیع نہ تھا اب اس کا شفعہ طاری ہوا ہے۔ تیرھواں حیلہ یہ ہے کہ خریدار بائع کو اپنا غلام یا کپڑا ایک مہینے کے لیے اس کے گھر کے کسی حصے کے بدلے اُجرت پر دے تو شریک ہو گیا پھر دو تین دن کے بعد اس کا باقی خرید لے تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ رہے گا۔ چودھواں حیلہ جو قیمت اصلی ہے اس سے بہت زیادہ ادھار پر خرید کرے شفیع اس قیمت پر نہ لے گا پھر اصلی قیمت پر صلح کر کے لین دین پورا کرلیں۔ اگر **اعتراض** کیا جائے کہ ہم نے جب شفعہ باطل کرنے کے لیے حیلے بیان کیے تھے تب تو تم ہم پر بُری طرح برس پڑے تھے لیکن اب خود جو حیلوں پر حیلے سکھائے جاتے ہو تو کیا ہم خاموش ہی رہیں؟ **جواب** یہ ہے کہ ہم آپ اس میں یکساں برابر نہیں ہم تو اسے باطل کرنے کے حیلے بتلاتے ہیں جسے اللہ کے رسول ﷺ نے باطل کیا ہے آپؐ کا فرمان ہے کہ جب حد بندی ہو چکی اور راستے الگ الگ ہو گئے پھر کوئی شفعہ نہیں ہے پس ہمارے حیلے حکم حدیث کو جاری کرنے کے لیے ہیں اور تمہارے حیلے حکم حدیث کو باطل کرنے کے لیے تھے۔ وہاں تو صاف حدیث ہے کہ غیر تقسیم شدہ چیز میں شفعہ ہے جب تک اپنے شریک کی اجازت نہ لے لے بیچنا حرام ہے پھر اس حق کو دھکے دینے کے لیے تم نے حیلے تراشے اور اسے باطل کر کے چھوڑا اب بتلاؤ کہ کون سا فرقہ طرفدارِ رسول ﷺ ہے اور کون سا خلافِ رسول ﷺ ہے؟ واللہ المستعان۔

چونویں مثال : وکالت کی تعلیق شرط کے ساتھ صحیح ہے جیسے ولایت کی حدیث میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے بلکہ وکالت ولایت سے ہلکی چیز ہے ولایت میں عموم زیادہ ہے وکالت میں مخصوص ولایت ہے جب ولایت شرط کے ساتھ صحیح ہے تو وکالت کے صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ فرمان شافعی رحمہ اللہ اس کے خلاف ہے پس ایسی ضرورت کے وقت کا یہ حیلہ ہے کہ اسے وکیل تو مطلقاً بنا لے پھر اس کے تصرف کو کسی شرط پر معلق کر دے تو ان کے نزدیک بھی کام چل جائے گا گو کوئی فرق ان دونوں صورتوں میں نہیں پڑتا وکالت کا مقصود تصرف کا اختیار ہے۔ وکیل بنانے کی وجہ یہی ہے غایت جب درست ہے تو وسیلہ بطور اولیٰ درست ہونا چاہیے۔

پچپنویں مثال : امام کے پاس کسی کو زناکاری کے جرم میں بھیجا گیا اسے ڈر ہے کہ انکار پر گواہ گزریں گے تو حد لگے گی تو حیلہ یہ ہے کہ پہلی بار کے سوال پر اقرار کرلے اب اقرار کے بعد گواہوں کی گواہی جاتی رہی پہلی بار کے اقرار کے بعد یہ زیادتی نہ کرے امام پورے اقرار اس سے نہیں کرا سکتا یہ جب چپ رہے تو وہ اس پر تعرض کا حقدار نہیں اگر امام ایک بار کے اقرار سے ہی حد مارنا جائز جانتا ہو تو حیلہ یہ ہے کہ اپنے اقرار سے ہٹ جائے پھر اگر گواہوں کے قائم ہونے کا خوف ہو تو بھی اقرار کرلے پھر لوٹ جائے اسی طرح ہمیشہ یہ حیلہ بھی جائز ہے اس لیے کہ اسے اپنے نفس پر سے حد لوٹانا جائز ہے اور توبہ کی طرف جھک جانا۔ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ بھاگتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے ہیں تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا کہ یہ توبہ کرلیتا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا پس جبکہ حد سے بھاگ کر توبہ کی طرف جائے تو اس نے اچھا کیا۔

چھپنویں مثال : جب کسی بدعہد یا جاسوس یا چور نے قسم کھلوائی کہ میری خبر کسی کو نہ دینا اب یہ چاہتا ہے کہ اظہار بھی کرے اور قسم بھی نہ ٹوٹے تو حیلہ یہ ہے کہ اس سے لوگ کئی آدمیوں کی بابت سوال کریں یہ ان کے نام کا انکار کرتا جائے یہاں تک کہ اسی کا نام آئے یہ چپ ہو جائے تو اظہار بھی ہو جائے گا اور پوشیدگی اور پناہ دہی کا جرم بھی نہ رہے گا۔ نہ قسم ٹوٹے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ چور میرے ہاں آگھسے میرا مال چرایا اور مجھ سے طلاق کی قسم لی کہ میں ان کی خبر کسی کو نہ دوں اب میں نے دیکھا کہ وہ بیچ بازار میری چیزیں بیچ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا والی شہر کے پاس جاؤ ان سے کہو کہ جس محلہ کے رہنے والے وہ ہیں انہیں سب کو جمع کرے پھر تم سے ایک ایک کی بابت پوچھتا جائے تو کہتا جا کہ یہ ان چوروں میں نہیں جب خود چور آجائیں اور تجھ سے ان کی بابت سوال ہو تو تو خاموش ہو جا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا والی نے چوروں کو گرفتار کرلیا مال ان سے برآمد کرا لیا اور اسے دلوا دیا۔ ہاں اگر کسی پر ظلم کرنے کے لیے یہ حیلہ کرے تو قسم کے خلاف ہو گا اور جائز بھی نہ ہو گا۔

ستاونویں مثال : امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ ایک عورت سے اس کے خاوند نے کہا کہ تجھے طلاق ہے اگر تو مجھ سے خلع طلب کرے اگر میں تجھے خلع نہ دوں۔ اسی طرح عورت نے بھی کہہ دیا کہ میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر میں آج ہی خلع نہ کروں جب یہ شخص امام صاحب کے پاس آیا آپ نے فرمایا عورت کو بھی لاؤ وہ بھی آئی آپ نے فرمایا اس سے خلع طلب کر اس نے کہا میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ تو مجھ سے خلع کرلے آپ نے خاوند سے فرمایا اس سے کہہ کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اس پر کہ تو مجھے ایک ہزار درہم دے آپ نے عورت سے کہا اب اس سے کہہ دے کہ میں اسے قبول نہیں کرتی' اس نے کہا آپ نے فرمایا جاؤ دونوں میاں بیوی رہو اور تمہاری قسمیں بھی نہیں ٹوٹیں۔ امام محمد بن حسن جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں' اُنھوں نے امام صاحب کے اس حیلے کو اپنی کتاب الحیل میں ذکر کیا ہے۔ اگر یہ عورت کہتی کہ میں تجھ سے ایک ہزار درہم نقد یا ایک ماہ کے بعد پر خلع طلب کرتی ہوں' اور یہ کہہ دیتا کہ میں اس پر خلع دیتا ہوں تو خلع ہو جاتا لیکن جب اس نے کہا کہ میں خلع چاہتی ہوں اس نے کہا میں ایک ہزار پر کرتا ہوں تو خلع نہ ہو گی۔ جب تک کہ عورت اسے قبول کر کے رضامند نہ ہو جائے چونکہ وہ نامقبول کرتی ہے اس لیے خلع نہیں ہوئی۔ اگر کہا جائے کہ جب خلع نہ ہوئی تو یہ کیسے بری ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل خلع پر حلف تھا نہ کہ عورت کی قبولیت پر بھی۔ جب اس نے کہا کہ ایک ہزار پر میں نے تجھ سے خلع کیا تو اس کی طرف سے تو خلع ہو گئی اس کی قسم پوری ہو گئی یہ عورت کی قبولیت پر

موقوف نہیں مثلاً قسم کھاتا کہ نہ بیچے گا اور پھر بیچ دیتا لیکن خریدار قبول نہ کرتا تو قسم ٹوٹ جاتی۔

اٹھاونویں مثال : اسے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد نے آپ سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے کہ امام صاحب کے پاس دو بھائی آئے جنہوں نے دو بہنوں سے نکاح کیا تھا لیکن ایک کی بیوی دوسرے کے کمرے میں رخصت کر دی گئی اور نادانستگی میں دونوں ان سے مل لیے صبح یہ بھید کھلا تو لوگوں نے آپ سے ذکر کیا آپ نے دونوں سے پوچھا کہ کیا اب تم نے جس سے رات کو دخول کیا ہے اس کو بیوی بنانے پر خوش ہو' دونوں نے کہا ہاں فرمایا ہر ایک اپنی اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ دونوں نے یہی کیا پھر فرمایا اب جس سے جس نے دخول کیا ہے اسی سے عقد کر لے یہ بھی ہو گیا فرمایا جاؤ بس معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ یہ حیلہ نہایت عمدہ ہے کیونکہ ہر ایک نے دوسرے کی بیوی سے بہ سبب شبہ کے وطی کی ہے تو اسے عدت میں اس سے نکاح کرنا حلال ہے' اس میں کسی اور کی وطی نہیں کہ دو پانیوں کا جمع ہونا لازم آئے پھر ایک طلاق کا حکم دینا اس لیے ہے کہ اس سے وطی نہیں ہوئی اس لیے ایک سی طلاق میں وہ بائن ہو جائے گی اور اس پر کوئی عدت بھی نہ آئے گی دوسرا اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

انسٹھویں مثال : ایک عورت نے کسی سے نکاح تو کر لیا اب ڈرتی ہے کہ وہ کہیں مسافرت میں نہ نکل جائے یا اس کو لے کر کہیں چل نہ دے یا اس پر سوکن نہ لائے یا لونڈیاں نہ لائے اور شرابی نہ بن جائے یا بلا وجہ مار پیٹ شروع نہ کر دے یا سمجھی تو تھی امیر لیکن نکلا وہ فقیر یا سمجھتی تھی سالم' نکلا عیب دار یا سمجھتی تھی کہ قاری ہے نکلا وہ بے پڑھا' یا جانتی تھی کہ عالم ہے وہ نکلا جاہل وغیرہ تو ایسی صورتوں میں اس سے نجات پانے کا حیلہ یہ ہے کہ شرط کر لے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی اگر یہ پائے تو اسے اپنا اختیار ہے اگر چاہے ٹھہری رہے اگر چاہے علیحدہ ہو جائے اس پر گواہ رکھ لے اگر خوف ہو کہ لزوم عقد کے بعد وہ یہ شرط نہ کرے گا تو ولی کو اجازت اسی شرط پر دے وہ کہہ دے کہ میں اسے تیرے نکاح میں دے رہا ہوں۔ اس شرط پر کہ اسے اپنا اختیار ہو گا اگر فلاں فلاں امر تجھ میں پایا جائے پھر اگر ایسا نکلے تو عورت کا کام اس کے اپنے ہاتھ میں ہے یہ حیلہ بھی بے ضرر ہے اس سے عورت اس کے نکاح سے الگ ہو جاتی ہے جس کے نکاح سے وہ خوش نہیں۔ اسے عدالت چڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی' واللہ اعلم۔

ساٹھویں مثال : جو واجب نہ ہو اس کا ضامن ہو جانا صحیح ہے جیسے کہ کہہ دے جو کچھ تو فلاں کو دے وہ میرے ذمے ہے قرآن کریم کی دلالت اسی پر ہے۔ موذن یوسف کا قول ہے کہ جو اسے لائے اس کے لیے ایک اونٹ کے اٹھانے کے برابر غلہ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں اکثر حضرات اسے جائز مانتے ہیں حاجت و ضرورت بھی اس کی ظاہر ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ ہاں وہ جواز کو اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب اس کے وجوب کا سبب ظاہر ہو جیسے تجارتی چیز کو پا لینا تو اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ جب یہ راضی ہو کہ دوسرے کی طرف سے اپنے ذمے وہ مقدار کر لے جو اس پر واجب نہیں ہوئی اس کے بعد کہ وہ بھی اس کا اقرار کر لے پھر اس کی طرف سے ضامن ہو جائے اگر اقرار کرنے والے کو ڈر ہو کہ وہ اسی سے مانگے گا تو حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے یہ مجھ پر اس کی قیمت میں سے جو میں نے اپنے قبضے میں نہیں لی پھر جھوٹی خبر سے نکلنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو اس سے لینا چاہتا ہے وہ اس کے ہاتھ اس قیمت پر بیچ دے جس کی ادائیگی کا ضامن ہو گا جب یہ اس کے ذمے ہو جائے تو یہ ضامن پڑ جائے۔ یہی حکم اس وقت ہے جب اپنے لڑکے یا غلام یا مزدور کا نکاح کرا دے اور اس عورت کے نان نفقہ کا ضامن ہو تو اس میں صحیح تو جواز ہے۔ لوگوں کو اس کی حاجت بھی ہے

اس میں کوئی بُرائی بھی نہیں نہ یہ کوئی بدلے کا عقد ہے کہ جہالت اس میں موثر ہو جو التزامی عقد ہیں ان میں جہالت موثر نہیں مثلاً نذر پھر یہ جہالت اس طرح ہٹ بھی جاتی ہے کہ کوئی حد مقرر کر لے مثلاً ایک درہم سے لے کر ایک سو درہم تک۔ اگر کہا جائے کہ پھر بھی غایت تو مجہول ہی رہے گی نہ معلوم کس قدر لازم آئے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ جواز التزام میں قادح نہیں اس لیے کہ آخر میں معلوم ہو جاتا ہے پس یہ صحیح ہے اگر کہا جائے کہ ضامن فرع ہے اس کی جس کا یہ ضامن ہے جب اصل کے ذمے کچھ ثابت نہیں تو فرع کے ذمے ضمانت آئی کہاں سے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ضامن ہو گا ہی اس وقت جب اس کے ذمے کچھ آئے جس کا یہ ضامن ہوا ہے اس وقت درحقیقت یہ کسی چیز کا ضامن ہی نہیں اس وقت تو ضمانت شرط کے ساتھ معلق ہے' واللہ اعلم۔

اکسٹھویں مثال : سبقت زبانی سے کوئی کلام ایسا زبان سے نکل گیا کہ اس پر ظاہر میں پکڑ ہے اس نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا یا پہلے ارادہ تھا لیکن اب اس سے توبہ کرتا ہے یا اسے خوف ہے کہ جھوٹے گواہ ایسی کوئی گواہی اس کے خلاف نہ دیں اگر یہ انکار کرے تو گواہ آجائیں اور اقرار کرے تو پکڑا جائے خصوصاً جو عدالت اس سے توبہ بھی نہ مانتی ہو تو حیلہ یہ ہے کہ نہ اقرار کرے نہ انکار بلکہ کہے اگر میں نے کہا ہے تو میری اس سے توبہ ہے پھر حاکم کو یہ حق نہیں کہ کہے میں اسے نہیں مانتا تو اقرار یا انکار کر کیونکہ ایسے دعووں میں یہ جواب کافی ہے اس کے بعد اسے تکلیف دے کر غلط انکار یا اقرار میں ڈالنا اللہ اور بندے کے درمیان گھسنا ہے پس حاکم کو اس کے بعد کوئی سوال حلال نہیں بلکہ اگر کسی نے دوسرے پر مروت کی گواہی دی اور اس نے کہہ دیا کہ میں تو ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک برابر اللہ کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا رہا ہوں تو حاکم کو اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بالفرض اگر اس پر دعویٰ ہے کہ اس نے ایسا ایسا کہا تو یہ کہہ دے کہ اگر میں نے کہا ہو تو میری توبہ ہے یا کہے میں اس سے تائب ہو چکا ہوں تو بس ہے اب کوئی کدوکاوش کا حق باقی نہیں اگر کہا جائے کہ پھر تو توبہ اور اسلام کی تعلیق بھی شرط کے ساتھ صحیح ہو جاتی ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ سمجھ کی کمی ہے بلکہ توبہ تو اسی طرح صحیح ہے لفظ ہوں یا نہ ہوں۔ تجدید اسلام بھی اس کے خلاف کے پائے جانے پر صحیح ہے پس شرط کا تلفظ تو محض تاکیدی طور پر ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر یہ میری ملکیت ہے تو میں نے اتنے میں تیرے ہاتھ فروخت کیا تو کیا اس بیع کو معلق بالشرط کہہ کر کوئی غیر صحیح کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کہے کہ اگر یہ میری بیوی ہے تو اسے طلاق ہے اور بھی اس کی بہت سی نظیریں ہیں بلکہ اللہ اور بندے کے درمیان بھی یہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے بوقت احرام فرمایا تھا حج کر اور اپنے رب سے شرط کر لے کہ اگر مجھے کسی روکنے والے نے روکا تو میں وہیں احرام اتار دوں گی اب تو اپنی شرط پر ہے پس عبادت میں اللہ کے ساتھ بھی شرط ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اس حدیث میں احرام کھول دینے اور قربانی نہ آنے کی دلیل ہے اسی طرح دعاء استخارہ میں ہے کہ الٰہی اگر یہ امر میرے حق میں دین معاش اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے تو کر دے اور آسانی سے کرا دے پس چونکہ بندے پر اس کی مصلحت پوشیدہ ہے وہ دعا کرتا ہے لیکن شرط کے ساتھ۔ خود حضور ﷺ نے اپنے رب پر شرط کی اپنی دعا میں کہا کہ الٰہی میں نے کسی کو گالی دی ہو لعنت کی ہو اور وہ اس کے لائق نہ ہو تو تو اسے اس کے لیے کفارہ اور نیکی بنا دے۔ جنازے کی نماز میں دعا ہے کہ الٰہی تو اس کے ظاہر و باطن کا عالم ہے اگر یہ نیک ہے تو اس کی نیکیاں قبول فرما اور اگر بد ہے تو اس کی بدیاں معاف فرما۔ پھر جب ان تمام میں تعلیق بالشرط مضر نہیں تو توبہ میں یہ ضرر ناک کیسے ہو گئی؟

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا خواب: ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں مجھے خیال آجاتا تھا کہ یہ شخص مومن ہوگا یا منافق تو ایک مرتبہ میں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور بہت سے مسائل دریافت کیے' ان میں ایک یہ بھی تھا آپؐ نے فرمایا احمد شرط کرلیا کرو یا فرمایا دعا کو شرط کے ساتھ معلق کر دیا کرو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی تکلیف سے گھبرا کر موت نہ مانگے بلکہ یوں کہے الٰہی! جب تک میری زندگی میرے لیے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب وفات بہتر ہو مجھے فوت کرلے اسی طرح حدیثی دعا میں ہے الٰہی! جب تو اپنے بندوں کے ساتھ کسی فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر فتنہ کے اپنی طرف فوت کرلے۔ حدیث میں ہے مسلمان اپنی اپنی شرطوں پر ہیں بجز اس کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرے۔ عقد فسخ خیرات التزام وغیرہ سب میں شرطیں ہوتی ہیں ضرورت مصلحت اسی کی مقتضی ہے مثلاً نذر ضمانت نکاح' اوّل اجماع اور نص کتاب سے ثابت ہے ثانی نص قرآن سے ثابت ہے۔

ثالث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح صاحب مدین کی صاحبزادی سے دیکھ لو جس سے زیادہ صحیح نکاح روئے زمین پر اور نہیں ہو سکتا ہماری شریعت میں اس کا ناسخ کوئی نہیں بلکہ اس کا اقرار ہے۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے سب سے زیادہ جن شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے یہ وہ شرطیں ہیں جن پر نکاح ہو۔ پس نکاح میں شرط ظاہر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر لفظوں میں لکھا ہے کہ نکاح کی تعلیق شرط کے ساتھ جائز ہے یہی صحیح ہے جیسے کہ اور نذریں اور عقود اور طلاق وغیرہ صحیح ہیں۔ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزارعت کا شرط پر عقد کیا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیج دیں تو اس کا حصہ اتنا اور اگر کھیتی کرنے والا بیج لائے تو اس کا حصہ اتنا ملاحظہ ہو بخاری شریف۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیع کی تعلیق شرط پر جائز رکھی ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر تو یہ لونڈی بیچے تو اس کی قیمت کا حقدار میں ہوں' ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نعلین گروی رکھے اور فرمایا اگر اتنی اتنی مدت میں میں تیری رقم دے دوں تو واپس لے جاؤں گا ورنہ یہ جوتی تیری ہے یہ بیع شرط کے ساتھ ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا فتویٰ بھی دیا اور اس پر عمل بھی کیا اسی طرح پاکیزگی شرط کے ساتھ جس پر امام صاحب کا اپنا فعل ہے ایک شخص نے آپ کی غیبت کی پھر آپ سے معافی چاہنے لگا تو آپ نے فرمایا اگر تو پھر سے نہ کرے تو تجھے معاف ہے۔ میمونی نے آپ سے کہا اس نے آپ کی غیبت کی اور آپ اسے معاف فرما رہے ہیں آپؐ نے فرمایا تم نے دیکھا نہیں؟ میں نے معافی شرط کے ساتھ دی ہے کہ وہ پھر غیبت نہ کرے لیکن متاخرین اسے صحیح نہیں مانتے آپ کے نصوص اور آپ کے اصول کے یہ سراسر خلاف ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کی ولایت کو شرط کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے ولایت حکم پر اور ہر ولایت پر اور وکالت کی تعلیق پر خاصتاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت کو شرط کے ساتھ رکھی تھی اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر موافقت کی کسی نے بھی خلاف نہیں کیا۔ فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس نے کھجور کے پیوند کردہ درخت بیچے ان کا پھل بائع کے لیے ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ خریدار شرط کرلے۔ پس یہ شرط عقد مطلق کے خلاف ہے جسے شارع علیہ السلام نے جائز قرار دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو اپنا غلام بیچے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ مال بائع کا ہے بجز اس کے کہ خریدار شرط کرلے اور حدیث میں ہے جو اپنے غلام کو آزاد کردے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ مال سودا کرنے والے کا ہے مگر یہ کہ مالک شرط کرلے۔ مسند اور سنن میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا انھوں نے فرمایا میں تجھے اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ جب تک تو زندہ رہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

کرتا رہے' میں نے کہا اگر آپ نہ بھی فرمائیں تاہم میں حضور ﷺ کے قدموں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ پس مائی صاحبہ نے مجھے اس شرط پر آزاد کر دیا۔ بخاری شریف میں فرمان عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ حق کا فیصلہ شرطوں پر ہے تو جو شرط کر وہ تیرے لیے ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب الشروط فی الفرض میں لکھا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب فرض میں شرط ٹھہر گئی تو وہ جائز ہے۔ شرط استثناء اقرار اور شروط متعارفعہ کے باب میں فرماتے ہیں۔

امام ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنے کرایے کے جانور کے مالک سے کہا کہ اگر میں فلاں دن سفر نہ کروں تو تجھے سو روپیہ دوں گا پھر نہ نکلے تو وہ اسے دینے پڑیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے طعام بیچا اور کہا اگر میں تیرے پاس بدھ کے دن نہ آؤں تو تیرے میرے درمیان کوئی بیع نہیں پھر وہ خریدار سے کہنے لگا تو نے مجھ سے خلاف کیا تو آپ نے اس پر فیصلہ کر دیا۔ شروط مہر کے باب میں کہتے ہیں حضور ﷺ نے اپنے داماد کا ذکر کیا اور اس کی دامادگی کی تعریف کی۔ کہ اس نے مجھ سے باتوں میں سچ کہا' وعدے پورے کیے' پھر حدیث لائے ہیں کہ پورا کرنے کی سب سے زیادہ مستحق شرط وہ ہے جو نکاح میں ہو۔ کتاب الحرث میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے معاملہ اس شرط پر کیا ہے کہ اگر بیج ان کا ہو تو ان کا حصہ اتنا اور اگر بیج حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیں تو ان کا حصہ اتنا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ میں اسے دس میں نقد بیچتا ہوں اور بیس میں ادھار پس یہ سب باتیں جائز ہیں نصاً' قیاساً' آثاراً ہر طرح۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ہاتھ اپنا اونٹ بیچا اور یہ شرط کرلی کہ اس پر میری سواری رہے گی یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچوں۔

بیعانہ کی بیع: نافع بن عبدالحارث مکہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے۔ آپ نے حضرت امیرالمومنین کے لیے حضرت صفوان بن امیہ سے ان کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کیا اور یہ شرط کرلی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے تو بیع ثابت ہے ورنہ راضی نہ ہوئے تو صفوان کو چار سو درہم دیں گے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسی سے فرماتے ہیں کہ بیعانہ میں کوئی حرج نہیں۔ الغرض شرط اور بیع کے جواز کے قائل حضرت مجاہد ابنِ سیرین' زید بن اسلم' نافع بن عبدالحارث وغیرہ ہیں حضرت زید بن اسلم کا قول ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے جائز بتلایا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک نبطی سے لکڑیوں کا ایک بوجھ خرید کیا اور یہ شرط کی کہ اسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے محل تک پہنچا دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے ایک لونڈی خرید کی اس نے یہ شرط کرلی کہ اگر آپ اسے بیچیں تو اسی قیمت میں یہ لونڈی اس کی ہو گی الغرض بیع میں شرط کرنے پر اتفاق ہے۔ امام صاحب نے ان سب کو ذکر کیا ہے اور انہی پر یہی فتویٰ آپ نے بھی دیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک شرطوں کی بڑی شان ہے اور افسوس ہے کہ فقہاء نے ان کی شان گھٹا دی ہے یہ بہت سی شرطوں کو فاسد عقد بتلاتے ہیں پھر ان میں سخت اختلاف ہے۔ کوئی کسی شرط کو معتبر مانتا ہے تو دوسرا اسی کو نامعتبر کہتا ہے کوئی ضابطہ کوئی قاعدہ ان کے ہاں ایسا نہیں جو ہر جگہ برابر چل سکے۔

پس شرع سے جو ثابت ہے اس کا کلیہ قاعدہ سن لیجئے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو وہ مردود ہے ان کے سوا جو شرطیں ہیں سب معتبر اور لازمی ہیں۔ اس کی وضاحت سنیے' شرط کے ساتھ التزام ایسا ہی ہے جیسے نذر کے ساتھ التزام۔ نذر سب ٹھیک ہے۔ بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو' اسی طرح شرطیں بھی بلکہ شرطوں میں وسعت زیادہ ہے۔ ہم نے اسے ذرا بسط سے اس لیے بیان کیا ہے کہ اکثر حیلے باز فقہاء انہیں باطل کرنے کے درپے رہتے ہیں پس اب ہمیں کہنے دیجئے کہ شرط قائم مقام عقد کے ہے بلکہ یہ عقد و عہد ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے عقد پورے کرو' فرمان الٰہی ہے

مسلمان جب عہد کرتے ہیں تو نباہتے ہیں۔ پس دو چیزیں ہیں جو صاف صراحت سے ثابت ہیں۔ اوّل تو یہ کہ جو شرط قرآن حدیث کے خلاف ہو باطل ہے خواہ کوئی شرط کیسی ہی ہو کسی امر میں ہی ہو۔ دوسرے یہ کہ جو شرط خلاف قرآن و حدیث نہ ہو۔ اس کے بغیر اس کام کا ترک یا فعل جائز ہو تو وہ شرط لازم ہے پس ان دونوں قاعدوں میں شرط کے تمام مسائل آگئے اور یہی مسئلہ صحیح اور مدلل ہے اس کے سوا جو ہے باطل اور غیر صحیح ہے۔ کتاب و سُنّت اور اتفاق صحابہ سے جو ثابت ہے یہی ہے اس کے خلاف مذہبیوں نے اور قیاسیوں نے جو کہا ہے وہ محض بے جان اور بے قیمت چیز ہے۔ ان سے قواعد شرع کو توڑنا شریعت پر حملہ کرنا ہے نذر کا جو مرتبہ حقوق اللہ میں ہے وہی مرتبہ شرطوں کا حقوق الناس میں ہے' ہر جائز طاعت نذر سے واجب ہو جاتی ہے اسی طرح ہر جواز بعد از شرط لازم ہو جاتا ہے حق کا آخر شرط پر ہے۔ وعدے کا خلاف صفت منافقت ہے پس جو وعدہ موکد شرط کے ساتھ ہو اس کا خلاف منافقت سے بھی بدتر ہے بلکہ ہمارے نزدیک تو یہ جھوٹ میں داخل ہے' وعدہ خلافی خیانت اور غداری بھی ہے کہ انسان شرط کر کے پورا نہ کرے' وباللہ التوفیق۔

باسٹھویں مثال : کسی عیب دار لونڈی کو بیچا' خوف ہے کہ کہیں لوٹا نہ دے تو چاہیے کہ اس کا عیب ظاہر کر دے اور اس پر گواہ کر لے اگر اور کسی عیب سے واپسی کا خوف ہو تو اور عیوب بھی متعین کر دے اور اسے باوجود ان کے خریداری پر راضی کر لے اگر عیب تصور میں نہ آیا ہو اور ان عیوب میں داخل ہی نہ ہو تو یوں کہہ دے کہ تو راضی ہے باوجود اس کے کہ اس میں وہ عیوب ہیں جو موجب واپسی ہیں۔ یوں نہ کہے کہ حق واپسی اور تیرے تمام دعووں سے میں بری ہوں نہ اس شرط سے بیچے کہ یہ تمام عیبوں سے مبرا ہے اس سے اکثر فقہاء کے نزدیک لوٹا دینے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ برأت عیوب کی بیع کا ہے۔ اس میں شافعی رحمہ اللہ کے تین قول ہیں۔ ایک تو صحت بیع اور شرط۔ دوسرا صحت بیع اور فساد شرط اور کسی عیب سے برأت نہ ہونا۔ تیسرا باطنی عیبوں سے خاصتاً جانوروں میں برات کا ہو جانا۔ مذہب مالک پر مشہور ہے کہ عقد و شرط جائز ہیں اور وہ تمام عیبوں سے بری ہو جائے گا یہ تمام بکری کی چیزوں کو شامل ہے یا ان میں سے بعض کو' اس میں مالک اور ابنِ وہب کا قول یہ ہے کہ سب کا یہی حکم ہے حیوان ہو یا کوئی اور سامان ہو ان سے یہ بھی مروی ہے کہ بعض چیزوں کا ہی یہ حکم ہے اب یہ کون سی چیزیں ہیں اس کی بابت موطا میں ہے کہ لونڈی غلام اور جانور' اور تہذیب میں ہے کہ صرف لونڈی غلام۔ پس مذہب یہ ہے کہ مطلقاً اس کی صحت ہے بادشاہ کا بیچنا اور میراث کا بیچنا اسی برأت کی بیع کے قائم مقام ہے گو شرط نہ ہوئی ہو۔ جبکہ اس نے کہہ دیا کہ میں تجھ سے یہ بیع میراث کرتا ہوں تو یہ صحیح ہے یہی بیع بیع برأت ہو جائے گی۔ میراث میں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ برأت بھی نفع دیتی ہے کہ بائع کو جس عیب کا علم نہیں اس سے واپسی نہیں ہو سکتی۔ اگر علم ہے تو اس برأت سے کچھ نفع نہیں لوٹانے کا حق مشتری کو حاصل ہے' ہاں خریدار کا دعویٰ ہو کہ اسے علم تھا اور اس کا انکار ہو تو قسم دی جائے اگر قسم نہ کھائے تو چیز لوٹا دی جائے گی اور اقرار کر لے تو بھی۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ کسی چیز کا مالک ہو گیا پھر اس نے استعمال میں لانے سے پہلے شرط برأت کے ساتھ فروخت کیا تو اسے یہ نفع نہ دے گا' یہاں تک کہ استعمال کر دیکھے پھر اسے برأت کی شرط کے ساتھ فروخت کر دے تہذیب میں کہا ہے کہ جو تاجر غلام لائیں تو برأت کے ساتھ انہیں فروخت کریں اور وہ غلام ان کے پاس زیادہ مدت نہ رہے ہوں تو انہیں برأت کوئی فائدہ نہ دے گی یہ تو لوگوں کا مال لوٹنا چاہتے ہیں۔ عبدالملک وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا علم حاصل کرنا دیر تک اپنے پاس رکھنا یہ شرط نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی برأت فائدہ دے گی یہ کہتے ہیں جب سودے میں کوئی عیب ہو جسے بائع جانتا ہو پھر اسے اور عیبوں میں ڈال کر جو

موجود نہ ہوں سب سے برأت کر لے تو بری نہ ہو گا جب تک کہ اسے الگ تھلگ کر کے اس سے برأت نہ کرے اس کی جگہ اس کی جنس مقدار معین کر دے جس میں خریدار کو سارا نقشہ نظر آجائے۔ اسی طرح اگر اس نے عیب دکھایا تو بھی یہ بری الذمہ نہ ہو گا کیونکہ ظاہر باطن کا احاطہ نہیں کرتا' باطن کا فساد ظاہر نہیں ہوتا مثلاً اونٹ کی پیٹھ کا نشان دکھا دیا لیکن کیا خبر کہ اندر تک اس کا اثر پہنچا ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ اگر اسی طرح کسی غلام میں بھاگنے کی یا چوری کی عادت ہے خریدار اسے کبھی کبھی کی اور ہلکی سی چیز سمجھتا ہے لیکن دراصل اس میں یہ قبیح عادت بڑھی ہوئی ہے تو جب تک اظہار حقیقت نہ کرے برأت نہ ہو گی۔

ابوالقاسم بن کاتب کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول اس میں مختلف نہیں کہ بیع سلطان بیع برأت ہے دیوالیے پر اور میت کے ترکہ پر' اس کے قرض کی ادائیگی میں گو سلطان نے نہ کہی ہو یہ اس لیے کہ اس میں حکم سلطانی ہے اور بیع برأت میں اختلاف ہے تو سلطان خواہ کسی عالم کے کہنے سے حکم دے اس کا حکم دوسرے لوٹا نہیں سکتے۔ مازری وغیرہ اس کے خلاف ہیں کہ سلطان نے بیع میں خلاف یا وفاق کا تعرض نہیں کیا۔ نہ اپنے حکم سے اس مسئلہ کا فیصلہ کیا ہے بعض شیخ بیع برأت میں مخالف ہیں اگر خود سلطان اس کا والی ہوا ہو اس لیے کہ سحنون کہتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کا قول قدیم یہ تھا کہ بیع سلطان' بیع وارث میں عیب و عہدہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا کوئی اور قول بھی ہے جو اس کے خلاف ہے اس پر ابن القاسم کا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ جب غلام کسی دیوالیے کے ہاتھ پر بیچا گیا پس مشتری اس سے لوٹا سکتا ہے تو ٹھیک بات یہ ہے کہ بیع سلطان اور بیع وارث بھی مثل اس کے سوا کے ہے' مازری کہتے ہیں کہ وارث جو بیع موروث کی قرض کی ادائیگی اور اس کی وصیتوں کو پورا کرنے کے لیے کریں اس میں خلاف ہے اور جو اپنے لیے کریں کہ اس سے شرکت کے حصے ہو جائیں تو اس میں برأت کے احکام جاری ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی جو خرچ خوراک وغیرہ کے لیے بیع ہوتا ہو۔ مازری کا قول اس اصل پر ہے کہ حاکم جب کوئی چیز خود کرے اور اس میں اختلاف ہو تو آیا یہ اس کے حکم میں داخل ہو کر جاری ہو جائے گا یا اسے دوسرا رد کر کے اس کا خلاف کر سکتا ہے اس میں فقہاء کے دو قول ہیں دونوں امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں موجود ہیں' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع اور شرط صحیح ہے برأت عامہ کے بعد خریدار لوٹا نہیں سکتا خواہ بائع کو اس کا علم ہو یا نہ ہو' خواہ جانور بکا ہو خواہ اور کچھ۔

مناظرہ: اِس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابنِ ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا مناظرہ ہوا تھا۔ ابنِ ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بری اسی عیب سے ہو گا جس کی طرف اشارہ کرے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی قریشیہ عورت کسی حبشی غلام کو بیچے جس کے ذکر پر عیب ہو تو کیا اس پر اپنی انگلیاں رکھے؟ امام محمد کے مذہب میں اس میں تین روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس سے برأت نہیں ہوتی نہ اس سے خریدار عیب دیکھ کر واپس نہ کر سکنے پر مجبور ہو جاتا ہے بجز اس کے جو بوقت بیع ظاہر ہو اور خریدار کو اس کا علم ہو۔ دوسری یہ ہے کہ مطلقاً برأت ہو جاتی ہے تیسری روایت یہ کہ اس عیب سے برأت ہو جاتی ہے جس کا علم نہ ہو جس کا علم ہو اس سے برأت نہیں ہوتی جب تک اسے بیان نہ کر دے اب اگر بیع اور شرط صحیح ہے تو تو کوئی اشکال نہیں اگر شرط باطل ہے تو کیا بیع بھی باطل ہو جائے گی یا صحیح رہے گی؟ اور لوٹانے کا حق ہو گا؟ اس میں دو وجوہات ہیں جب ہم لوٹانے کا حق مان لیں اور شرط کو باطل کر دیں تو بیچنے والے کو تفاوت کے ساتھ حق رجوع حاصل ہو گا اور یہ جو نقصان سودے کی قیمت میں اس شرط سے ہوا ہے جسے تسلیم نہیں کیا تھا جس قیمت پر بیچنا تھا وہ

اسی بنا پر بیچا تھا کہ اس عیب کی وجہ سے واپسی نہ ہو اگر اسے یہ واپسی معلوم ہوتی تو اس قیمت پر ہرگز نہ دیتا پس اسے تفاوت کے رجوع کا حق ہونا چاہیے۔ عدل اور اصول شرع کا تقاضا یہی ہے جیسے خریدار کو سلامتی عیب کے نہ ہونے کی صورت میں اپنا گھاٹا وصول کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح یہی حق بیچنے والے کو بھی انصافاً ہونا چاہیے۔

اس مسئلہ میں صحیح فیصلہ قول صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک غلام بیچا تھا شرط برأت ہو چکی تھی آٹھ سو درہم قیمت ٹھہرلی تھی اب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کا عیب معلوم ہوا لوٹانا چاہا لیکن حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اسے منظور نہ کیا قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا آپ اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ اس غلام کے اس عیب کا آپ کو علم نہ تھا؟ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے قسم سے انکار کر دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی طرف واپس کرا دیا۔ اسے پھر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار میں فروخت کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ شرط برأت کے ساتھ بیع کے صحیح ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ بائع جب عیب کو جانتا ہو تو شرط برأت سے اسے کوئی نفع نہ پہنچے گا اور یہ کہ مدّعیٰ علیہ جب قسم سے انکار کرے گا تو فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے گا پھر قسم مدعی کو نہ دی جائے گی' لیکن یہ اس وقت ہے جب صرف مدعی علیہ حال کی معرفت میں تنہا ہو جب صورت حال کے معلوم ہونے پر پھر بھی قسم نہ کھائے تو اس کے انکار قسم پر فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب کہ مدعی حال کے علم کے ساتھ منفرد ہو یا حال ایسا ہو جو اس پر مخفی رہ نہیں سکتا تو اس پر قسم لوٹائی جائے گی' اوّل کی مثال تو یہی قضیہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ہے یہ خوب جانتے تھے کہ اس عیب کا انہیں علم تھا یا نہ تھا؟ بخلاف حضرت زید رضی اللہ عنہ کے کہ انہیں ان کے علم یا عدم علم کا علم نہ تھا اس لیے قسم ان پر لوٹ نہیں سکتی۔

ثانی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے میت کے وارثوں پر دعویٰ کیا کہ اس نے ان کے مورث کو سو درہم قرض دیئے ہیں یا اس کے ہاتھ کوئی سودا بیچا ہے جس کی قیمت وصول نہیں ہوئی یا کوئی امانت اسے دی ہے وارث غائب ہے اسے اس کا حال بالکل معلوم نہیں' اس نے اسے قسم دی یہ انکار کر گیا تو صرف اس کے انکار سے اس کے خلاف فیصلہ نہ ہو گا بلکہ مدعی کو قسم دی جائے گی ---- اس لیے کہ اسے اپنے دعوے کی صحت کا علم ہے اگر اس نے قسم نہ کھائی اور دلیل بھی نہ دی تو وارث کا انکار قسم اس کے دعوے کے ثبوت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس مسئلہ میں بہترین بات یہی ہے اسی پر آثار صحابہ کی دلالت ہے اور اسی سے اختلاف زائل ہو جاتا ہے اور ہر چیز اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کو پہچان کر اس کا دعویٰ کرتے ہیں مدعیٰ علیہ انکار کرتا ہے تو قسم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دی جاتی ہے آپ اپنا اونٹ جاتا دیکھ کر قسم کھا لیتے ہیں واللہ میں نے نہ اسے بیچا نہ ہبہ کیا۔ اسی طرح مدعی کی قسم اس وقت بھی آئی ہے جب ایک گواہ ہو۔ ظاہر ہے کہ گواہ انکار قسم سے زیادہ اہم ہے پس اس وقت اسے قسم کھلانی اولیٰ ٹھہرے گی۔ اسی طرح شریعت میں قسامہ کے موقعہ پر مدعی کی قسم ہے۔ لعان کے موقعہ پر خاوند پر قسم ہے شاہد حال جب تصدیق کرتا ہو اس وقت بھی مدعی پر قسم ہے مثلاً گھریلو اسباب کے دو دعوے دار ہیں بڑھئی اور درزی اس پیشے کے اوزاروں کے دو دعویدار ہیں تو فیصلہ یہ ہے کہ حال جس کے دعوے کی صحت پر شہادت دے گا اسی کو قسم کھلا کر وہ مال دیا جائے گا۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے قسم کو طالبِ حق کی طرف لوٹایا' ملاحظہ ہو دار قطنی وغیرہ۔ فقہ و قیاس کے مطابق بھی یہی ہے اس لیے کہ اس کا انکار قسم مدعی کے دعوے کو مضبوط کر دیتا ہے اس لیے جب یہ قسم بھی کھا لے تو

اس کے حق کا گمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے' مدعا علیہ کی جانب جو قسم کو متوجہ کیا گیا ہے یہ اسی لیے کہ اصل میں اس کی جانب کو قوت ہے لیکن جب ایک شاہد اس کے خلاف گزر گیا تو یہ قوت باقی نہ رہی اور قسم مدعی کی طرف لوٹ گئی اسی طرح جب قسم سے انکار ہوا تو اصل برأت کمزور پڑ گئی' یہ نہ سمجھا جائے کہ یہی چیز دعوے کے ثبوت کے لیے مستقل ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بہ سبب جہالت حالت کے ہو یا بہ سبب اس کی زیادہ پرہیزگاری کے ہو یا اسے قسم سے گو وہ سچی ہی ہو خوف رہتا ہو یا قضا و قدر میں یہ منظور ہی نہ ہو یا یہ اپنے حق سے زیادہ بُرائی قسم میں جانتا ہو اور دوسرے کی سبکی کے لیے اس نے قسم سے انکار کر دیا ہو باوجودیکہ سچا ہے جب یہ سب وجوہات اس میں متحمل ہیں تو ظاہر ہے کہ اسے استقلال نہیں ہاں یہ دوسری جانب کو تقویت دینے والی چیز ضرور ہے اس لیے اب قسم دوسری طرف پھیر دی جائے گی یہاں صرف یہی مقصود نہیں یہ کلام تو درمیان میں بہ سبب اثر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور زید رضی اللہ عنہ کے آگیا تھا مقصود مسئلہ برأت ہے اس بحث سے اس شرط کا حکم معلوم ہو گیا کہ کہاں نافع ہے اور کہاں نہیں؟

اگر پوچھا جائے کہ کیا بائع کو یہ شرط کر لینا نفع دے گا؟ کہ جب خریدار اسے واپس کرے تو اسے حرام ہے نہ نفع دے گا اور جب واپسی بذریعہ وکیل کا خوف ہو تو اس کے اس قول سے مضبوطی کر لے کہ جب میں اسے لوٹاؤں یا اس کے لوٹانے میں وکیل کروں اگر خوف ہو کہ حاکم نہ لوٹائے تو یہ شرط کر لے کہ میں جب اس کے لوٹانے کا دعویٰ کروں تو یہ آزاد ہے تو اب واپسی کا حیلہ سخت مشکل ہو جائے گا- ہاں ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دو میں سے ایک مذہب پر' اور وہ اجماع ہے صحابہ کا اس بات پر کہ آزادی کی تعلیق سے جب قصد رغبت یا منع کا ہو تو وہ قسم ہے اور اس کا حکم بھی قسم کا حکم ہے جیسے حج روزہ اور صدقہ کا حکم اور اس بات کا حکم کہ یہ کہتا اگر میں اسے لوٹا دوں تو مجھ پر اس کی آزادی ہے تو یہ نذر قربت الٰہی کی ہے لیکن اس کا نکال قسم کا نکال ہے اس لیے اس کے پورا کرنے کے لزوم کا منع ہے باوجودیکہ اس سے جو التزام ہو گا وہ اس قول سے زیادہ ہو گا کہ وہ آزاد ہے اس میں جو ہے وہ تو اس قول میں آجاتا ہے کہ مجھ پر اس کی آزادی ہے لیکن اس قول میں جو ہے وہ یہ آزاد ہے میں نہیں آتا- مجھ پر اس کی آزادی ہے یہ جملہ تو آزادی کے وجوب کا ضامن ہے اور فعل کا اور حریت کے واقع ہونے کا پس جبکہ رغبت یا منع کے قصد نے تین چیزوں کو روک دیا تو وہ ایک چیز کو روکنے میں تو اولیٰ ہے اس کا کوئی جواب بھی کسی سے نہیں ہو سکتا- اس سے صحابہ کی اعلیٰ فقہ ظاہر ہے بس ان کی اور ان کے بعد کے فقیہوں کی فقہ میں وہی فرق ہے جو ان میں اور ان میں ہے-

اسی طرح بالفرض اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مروی نہ بھی ہوتا تاہم قیاس یہی چاہتا تھا- اور قواعد شرع اور اصول شرع کا اقتضاء بھی یہی ہے اس کی بیس وجوہات ہیں جو کسی عالم پر مخفی نہیں- اس میں صرف حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول کافی ہے- جو اس امت کے سب سے زیادہ فقیہ ہیں جو قرآن کے سب سے زیادہ ماہر ہیں' آپ فرماتے ہیں آزادگی وہ ہے جس سے طلب رضائے رب ہو اور طلاق وہ ہے جو حاجت سے ہو- آپ ان دونوں جملوں پر غور تو کریں ان کی نورانیت اور شرافت اور حکمت کو تو دیکھیں جن کی جڑیں تحت الثریٰ تک اور جن کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں جس میں پکے میووں کے خوشے لٹک رہے ہیں پھر ان کلمات کو آزادی اور طلاق کی قسموں والوں پر محمول بھی کر دیکھیں کیا یہ قسم کھانے والا آزادی سے خوشنودی الٰہی چاہتا ہے؟ یا کیا اس طلاق کی قسم کھانے والے کو حاجت طلاق ہے؟ اللہ تعالیٰ امت کے اس بہترین عالم سے راضی ہو دو بول میں زبردست ٹھوکروں سے دنیا کو بچا لیا امت پر احسان عظیم کر گئے اور کیوں نہ ہو یہی صحابی

ہیں جن کے لیے دعاء رسول ﷺ معصوم تھی کہ ''الٰہی انہیں تفسیر سکھا دے اور دین کی سمجھ عطا فرما دے۔''

تحقیق و تقلید : ناظرین تمہیں اللہ کی قسم ہے کبھی بھی پاک اور نورانی فیصلہ قرآن و حدیث کے سامنے کسی مقلد کی بات کو ایک جو کے برابر بھی نہ سمجھنا وہ تو خود بے علم ہے اور اپنی بے علمی کا اقراری ہے مقلد کی لاعلمی پر دنیا کے علماء کا اجماع ہے۔ یاد رکھیے کہ دنیا جہان کے مقلد ایک قول کہیں وہ بے جان ہے ان کے خلاف دلیل سے ایک شخص کہے وہ قول جاندار ہے دلیل سے وحشت ٹلتی ہے' راحت ملتی ہے' سنو تم سے کوئی محقق مخالف ہو تو بادلیل مخالفت کرے گا اور ظالم جاہل مقلد بے دلیل جھگڑتا ہے اس کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ تجھ پر کفر وغیرہ کے فتوے لگائے۔ خبردار! نہ کبھی ان مقلدوں کے دھوکے میں آنا نہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنسنا نہ ان کی سی مذموم خصلت اپنے میں پیدا کرنا نہ ان کے ٹیڑھے راستے پر چلنا۔

اجماع و جماعت : اس قسم کے لوگوں کی کثرت سے مرعوب نہ ہونا' ان کے اصول و فروع سے نہ ڈرنا' نہ دبنا یہ ہزار ہا اگر جمع ہو جائیں تو بھی اس ایک کے برابر بھی نہیں جو اپنے ہاتھ میں کتاب و سُنّت رکھتا ہو۔ بلکہ ایسا ایک شخص ان جیسے مقلدوں کی ساری دنیا کے شخصوں سے بہتر ہے بلکہ یقین مان کہ اجماع حجت دلیل سوادِ اعظم سب کچھ محقق عالم ہی ہے' اگرچہ وہ اکیلا ہی ہو اگرچہ روئے زمین کے مقلدین اس کے برخلاف ہوں حضرت عمرو بن میمون اودی کہتے ہیں کہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا یمن میں پھر شام میں یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا' میں آپ سے جدا نہیں ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا یہ سب سے زیادہ فقیہ تھے میں نے ان سے سنا ہے فرماتے تھے جماعت کو لازم پکڑو اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے پھر ایک روز میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے تم پر ایسے والی آئیں گے جو نمازوں کو وقتوں سے موخر کریں گے پس تم ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لیا کرو وہی تمہاری فرض نماز ہے پھر ان کے ساتھ بھی مل جایا کرو یہ نماز تمہاری نفل نماز ہو جائے گی۔ میں نے کہا اے محمدیو! تمہاری یہ باتیں میں نہیں سمجھ سکتا پوچھا کیا نہیں سمجھے؟ میں نے کہا آپ ہی نے تو رغبتیں دلائیں کہ جماعت کے ساتھ رہو جماعت کو لازم پکڑو پھر آپ ہی فرماتے ہیں جماعت سے الگ اپنی فرض نماز ادا کر لیا کرو اور جماعت میں نفل پڑھو یہ سن کر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو تجھے اس شہر کے سب لوگوں سے زیادہ سمجھ دار گمان کرتا تھا تم جانتے بھی ہو کہ جماعت کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا جمہور جماعت وہ ہے جو جماعت سے جدا ہو گئی ہو جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو خواہ تو اکیلا ہی کیوں نہ ہو اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میری رانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا افسوس جمہور انسان جماعت سے جدا ہوتے ہیں جماعت انہی کو کہتے ہیں جو مطابق طاعت الٰہی ہوں۔ حضرت نعیم بن حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب جماعت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو اس سے پہلے جس حق پر وہ تھی تو اسی پر قائم ہو جا اگرچہ تو تنہا ہی رہ جائے ایسے وقت تو اکیلا ہی جماعت ہے یہ دونوں اثر بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

بعض ائمہ حدیث سے مروی ہے کہ سوادِ اعظم کے تذکرے میں اُنھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھی ہیں' پچھلے لوگوں نے دین کو بگاڑ دیا اور سوادِ اعظم اور دلیل اور جماعت زیادہ لوگوں کے مجمع کو قرار دیا اور اس نے سُنّت کو لوٹانے لگ گئے۔ سُنّت کو بدعت اور معروف کو منکر بنا لیا' صرف اس لیے کہ اُنھوں نے دیکھا کہ اس کے عامل تعداد میں کم ہیں زمانے کے لحاظ سے' شہروں کے لحاظ سے انہیں کم دیکھا اور جھٹ سے کہہ دیا کہ جو شذوذ کرے گا۔

اسے اللہ جہنم میں الگ رکھے گا ان پچھلے لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ شذوذ اسے کہتے ہیں جو خلاف حق ہو گو اس پر عامل ہزارہا ہوں اور حق پر عامل ایک ہی ہو یہ ہزاروں شذوذ والے ہیں اور یہ اکیلا سوادِ اعظم ہے دلیل ہے اور جماعت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سب لوگ شذوذ میں گرفتار تھے بجز امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور چند لوگوں کے اس وقت یہی لوگ جماعت تھے ان کے خلاف بادشاہانِ وقت تھے' تمام قاضی تھے' کل مفتی تھے' سارے علماء تھے' خود خلیفہ تھا' ہزارہا کی تعداد میں اس کی مسلم رعایا تھی لیکن اللہ کے نزدیک یہ سب شذوذ والے تھے اور وہ چند پاک نفوس ہی اہل حق اور اہل اجماع اور جماعت اور اللہ والے تھے۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ حق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا وہ تن تنہا جماعت تھے۔ خلیفہ وقت کو اس کے بدعتیوں نے یہی کہہ کہہ کر دھوکہ دیا تھا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کا دربار آپ کے مفتی' آپ کے قاضی' آپ کے علما' آپ کے امرا' آپ کی رعیت اور تمام مسلمان تو باطل پر ہوں اور ایک احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حق پر ہو خلیفہ اس دھوکے میں آجاتا ہے اور جلادوں کو حکم دیتا ہے کہ جو کوڑوں سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کھال ادھیڑ دیتے ہیں۔ مدت مدید تک جیل خانے میں آپ کو رہنا پڑتا ہے' لا الٰہ الا اللہ کل کی رات آج کی رات سے جس طرح مشابہ ہوتی ہے اسی طرح وہ زمانہ اس زمانہ سے مشابہ ہے یہی چیز آج کے اہل حق کے سامنے بھی پیش کی جاتی ہے کہ کیا یہ اتنے سارے علماء اور پڑھے لکھے لوگ جو اس کام کو جائز درست مانتے ہیں ناحق پر ہیں؟ یہی آواز آج اٹھتی ہے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں' اجماع کے مخالف ہیں' بڑی جماعت سے الگ ہیں وغیرہ۔ پس ہم سوائے انا اللہ پڑھنے کے اور حوالہ الٰہی کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ اللہ دیکھ رہا ہے کہ کون نیکیوں میں بڑھ رہا ہے اور کون مجمع کے پیچھے لگتا ہے؟ بہت سے مومنین نے اپنا فریضہ ادا کر لیا اور اللہ سے مل گئے بہت سے ابھی زمین پر ہیں دیکھ رہے ہیں کہ کیا کریں؟ اور کیا چھوڑیں؟ لیکن اُنھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

تریسٹھویں مثال :

میاں بیوی میں جب بائنہ فرقت واقع ہو جائے تو خاوند کے ذمے روٹی کپڑا اور مکان نہیں رہتا آنحضرت ﷺ کی صاف صریح اور صحیح احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے اگر ڈر ہو کہ حاکم کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہیں اس کے خلاف حکم جاری نہ کر دے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ عدت کی مدت تک کہیں غائب ہو جائے اس کے بعد جب حاکم کے پاس معاملہ پہنچے گا تو وہ اس کے خلاف ڈگری نہیں دے سکتا کیونکہ زمانہ گزرنے کے بعد وہ ساقط ہو گیا قریبی لوگوں کے خرچ کے بارے میں اکثر لوگوں کا قول یہی ہے اسی پر اتفاق ہے۔ غلام کے حیوان کے خرچ کے بارے میں اس حیلے میں کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ جسے اللہ و رسول ﷺ نے گرایا ہے ہے اسی کو گرانا مقصود ہے حرج اس حیلے میں ہے جس سے اللہ کا واجب گرایا جائے وہ اور ہی چیز ہے اور یہ اور ہی چیز ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو مقدمہ ایسے حاکم کے پاس لے جائے جس کا مذہب یہی ہو۔ مثلاً اسی کے سامنے طلاق دے یا اسی کے سامنے اقرار کرے پھر اس سے اس کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کو کہے اگر اس سے پہلے ہی وہ اس کے خلاف مذہب رکھنے والے حاکم کے ہاں پہنچ جائے تو اس کے ہاتھ میں صرف یہی حیلہ رہ جاتا ہے کہ یہ کہہ دے کہ یہ تو مجھ سے بہت مدت سے بائن ہے۔ اس کی عدت گزرے بھی مدت ہو گئی اور یہ یاد نہیں کہ علیحدگی کا سبب کیا ہوا تھا؟ یہ حیلہ وہ ہے کہ بُرائی سے جائز امر کی طرف پہنچا جائے جس کی نظیریں بہت سی گزر بھی چکی ہیں۔

چونسٹھویں مثال: ضمانت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ محل حق میں وہ متعدد ہے یا نہیں اور جس کا ضامن جو پڑتا ہے وہی اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یا ضمانت صرف مضبوطی کے لیے بطور رہن کے ہے اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں جن کا اثر اس میں ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی ضمانت ہوئی ہے وہ خود اگر دے سکتا ہو تو ضامن سے مطالبہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور کا قول پہلا ہے ان کے نزدیک تو دونوں سے برابر مطالبہ کا حق دار حق والا ہے۔ جن کا دوسرا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ضمانت دینے والا رقم ادا کرنے پر قادر ہو تو ضامن سے طلب و تقاضا نہیں ہو سکتا ان کے پاس تین دلیلیں ہیں ایک تو یہ کہ ضامن فرع ہے اور جس کی طرف سے ضامن پڑا ہے وہ اصل ہے۔ پس فرع کی طرف رجوع اسی وقت ہو سکتا ہے جب اصل میں گنجائش نہ ہو جیسے تیمم اس وقت ہے جب وضو نہ ہو سکتا ہو۔ قسم کے کفارے میں روزہ اسی وقت ہے جب دوسری چیز پر قدرت نہ ہو' یہی حال شاہد فرع اور شاہد اصل کا ہے یہی حکم ولایت نکاح میں اور میراث کے استحقاق میں ہے کہ فرع اصل سے نہیں ملتی اصل کے ہوتے ہوئے اسے ورثہ نہیں ملتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کفالہ اسے موثق کر دیتا ہے' حق کی حفاظت ہو جاتی ہے' یہ جاری مجرائے رہن کے ہے وہ عین رہن ہے یہ رہن ذمہ ہے عین کی جگہ شرع نے اسے رکھا ہے کیونکہ دنیا کے کاموں میں اس کی حاجت ہے پس جس طرح رہن شدہ چیز سے رقم اسی وقت وصول کی جا سکتی ہے جب اور طرح رقم نہ ملے اسی طرح جب اصلی قرضدار نہ مل سکے تو ضامن سے وصول کی جائے گی۔ اسی لیے رہن و ضمانت عموماً ایک ساتھ بولی جاتی ہے کیونکہ دونوں میں پوری مشابہت ہے۔ تیسری دلیل ضمانت محل حق کے کئی کئی ہونے کے لیے وضع نہیں ہوئی۔ جیسے کہ نقل کے لیے وضع نہیں اس سے مقصد صرف رقم کی حفاظت ہے کہ اصلی جگہ سے اگر وصول یابی محال ہو جائے تو یہاں سے وصول کر لے ضامن کا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ اصل قرضدار کو چھوڑ کر اسی کی گردن ناپی جائے۔ اسے تو دنیا کے لوگ زیادتی اور ظلم سمجھتے ہیں ہاں ضامن اس وقت دے گا جب یہ دے ہی نہ سکتا ہو۔ لوگوں کے معاملات میں ان کا آپس کا دستور بھی یہی ہے ہر ایک اسے برا سمجھتا ہے کہ جس پر قرض ہو اس کی مٹھیاں بھری ہوں اور پھر یہ ضامن کو تنگ کرے پس یہی قول قوی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے یہ یاد رہے کہ جس حدیث میں ضامن کا قرض دار ہونا مروی ہے اس کے خلاف یہ نہیں اس لیے کہ نہ اس میں عموم ہے نہ اس کی دلالت اس پر ہے کہ تمام احوال میں وہی ذمہ دار ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں میت کے قرض کی ضمانت اس لیے ہے کہ اصیل سے مطالبہ درست نہیں یہ دلیل بھی دلیل نہیں کہ ضمان کا لفظ ضم سے مشتق ہے تو ایک ذمہ دوسرے سے مل گیا۔ اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ ہے کہ ضم مضاعف سے ہے اور ضمان ضمن سے ہے مادہ مختلفہ ہے گو لفظی مشابہت ہے عام معنی مستلزم اخص نہیں ہوتے اس بحث کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ اگر ضامن اسی طرح ضمانت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ ضمانت کو شرط سے معلق کرے اور کہہ دے کہ اگر اصیل کا مال ہلاک ہو جائے تو یہ رقم میرے ذمے اس میں کوئی قباحت نہیں شرط کے ساتھ تعلیق خود قرآن میں موجود ہے' صاف قیاس بھی یہی کہتا ہے کیونکہ یہ التزام ہے تو نذر کی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں جب تک خلاف شرع شرط نہ ہو حق کا فیصلہ شرط پر ہے اگر اس میں بھی کسی قسم کا خوف ان فقہاء سے باقی رہتا ہو تو صاف کہے کہ میں تیرے اس قرض کا ضامن ہوتا ہوں جبکہ دوسرے کو تو دے نہ سکے اور وہ تجھ سے لے نہ سکے تو یہ ایک خاص حالت کی ضمانت ہو گی اس کے سوا اوّل حال میں بری الذمہ ہے۔ اگر اس کے بگاڑ کا بھی خوف ہو تو اس بات پر گواہ کر لے کہ صاحب مال کو مجھ سے طلب و تقاضا کا حق اسی وقت ہو گا جب اصل

قرضدار سے وصول ناممکن ہو جائے اس کے خلاف اگر یہ دعویٰ کرے تو باطل ہے۔

پینسٹھویں مثال: کرائے پر لینے دینے میں بہت سی صورتیں ایسی بھی آپڑتی ہیں کہ وہاں انسان کو ضرورت ہوتی ہے کہ غیر معین طور پر اُجرت چکا لے مثلاً ایک گدھا یا گھوڑا کرایے پر لیتا ہے کہ اگر میں فلاں جگہ تک جاؤں تو اتنا کرایہ اور فلاں جگہ تک جاؤں تو اتنا۔ اگر یہ میرا کپڑا آج ہی سی دے تو سلائی اتنی اور اگر کل دے تو اتنی۔ اس زمین میں اگر گیہوں بو تو اتنے روپے اور جو بو تو اتنے روپے یہ سب صورتیں شرعاً جائز درست ہیں ان کے باطل ہونے پر کوئی آیت قرآنی کوئی حدیث صحیح کوئی اجماع معتبر کوئی قیاس جلی نہیں۔ بلکہ دلیلوں سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے گو پچھلوں نے اس میں جھگڑا پیدا کر دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا جواز ثابت ہے کسی سے اس کا خلاف منقول نہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین کھیتی کرنے والوں کو دی کہ اگر بیج بونے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیں تو ان کا یہ حصہ اور اگر کھیتی کرنے والے اپنے پاس سے ہی بیج بوئیں تو آپ کا اتنا حصہ۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس میں آپ کا خلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں کوئی بُرائی ہے نہ خطرہ ہے نہ دھوکہ ہے نہ جہالت ہے نہ باطل سے کسی کا مال مارنا ہے یہ معین چیز ہے دونوں پر کھلی ہوئی ہے' ہر شق صاف ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ ان کپڑوں میں سے تو جو لے اس کی قیمت یہ ہے' یہ جانور کھڑے ہیں ان میں سے جس پر چاہیں سواری کریں' فلاں جگہ تک کا اتنا کرایہ اور فلاں جگہ تک کا اتنا کرایہ یا گھوڑے کا یہ کرایہ گدھے کا یہ کرایہ' یا کہے کہ اس کپڑے کے سو روپے اس کے دو سو روپے جو چاہو لے لو اس میں دھوکہ' جہالت' سود' ظلم کوئی چیز نہیں پھر شریعت اسے کیوں روکتی؟ لیکن چونکہ بہت سے متاخرین فقہاء اسے باطل قرار دیتے ہیں ان کے مقابلہ کے لیے یہ حیلہ کر لے کہ کہے میں تجھے یہ کپڑا سینے کو دیتا ہوں کہ آج ہی سی دے ایک درہم دوں گا۔ اگر کل سئے گا تو اُجرت آدھا درہم ہے۔

اسی طرح کہے کہ یہ جانور میں نے تم کو فلاں جگہ اتنے کرائے پر دیا اگر تم فلاں جگہ تک لے جاؤ تو تم پر کرایہ اتنا اتنا آئے گا اگر پھر بھی خوف ہو تو کہے کہ فلاں جگہ سے اگر تم آگے لے جاؤ تو وہ تمہارے پاس امانت ہے یہ ان کے نزدیک ہے جو اضافت والے اجارہ کو صحیح نہیں مانتے جن کے ہاں یہ صحیح ہے ان کے لیے حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ فلاں جگہ جب تم پہنچ جاؤ تو پھر وہاں سے فلاں جگہ تک کا کرایہ اتنا اگر اسے ڈر ہے کہ میرا کام تو یہیں پورا ہو جائے اور پھر اس کا کرایہ میرے ذمے لازم نہ ہو جائے تو حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ جب مسافت یا مدت ختم ہو جائے تو میں تجھے اس کے کرائے پر دینے کا وکیل بناتا ہوں اب یہ دوسرے کو اُجرت پر دے کر پھر اس سے کرائے پر لے لے اگر اس حیلے کے پورا نہ ہونے کا احتمال ہو تو اسے غیر معلق طور پر وکیل بنا لے پھر اس کا تصرف مشروط کر لے کہہ دے کہ اسے کرائے پر دینے کی تجھے اجازت دیتا ہوں قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ ابطال حیل کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اگر اس شرط کی اجازت میں حیلہ کرے اور کہے کہ دمشق تک اتنا کرایہ وہاں سے املہ تک اتنا کرایہ وہاں سے مصر تک اتنا کرایہ تو جائز ہے کیونکہ ہر جگہ کا کرایہ معین مقرر ہے تو صحت عقد میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ حیلہ اس وقت کام نہیں دے سکتا جبکہ اس کا کام پہلی جگہ ہی ہو گیا اور عقد اجارہ اس کے ذمے لازم رہ گیا۔ یہ تو ایسا ہو جائے گا جیسے مصر کے لیے کرائے پر لیا لیکن املہ سے آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں رہی پس تعدد عقود بے سود رہے یہ حیلہ کرنا نہ کرنا یکساں رہا پس بہترین وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی' واللہ اعلم۔

چھیاسٹھویں مثال : ککڑی کھیرے تربوز وغیرہ کی بیع ان کی صلاحیت ظاہر ہو جانے کے بعد جائز ہے جیسے میوے درختوں پر صلاحیت کے ظاہر ہونے پر بک سکتے ہیں' اجارہ دیئے جاتے ہیں پھر کچھ پھل اور بھی نکلتے ہیں اس سے بیع یا اجارہ میں کوئی فساد واقع نہیں ہوتا قیاس یہی چاہتا ہے مصلحت انسانی اسی کی مقتضی ہے بغیر اس کے چارہ نہیں لیکن پھر بھی بعض فقیہوں نے اسے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ تھوڑا تھوڑا جیسے تیار ہوتا جائے دیتا جائے حالانکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور باوجود محال ہونے کے وہ مجہول ہے کوئی ضابطہ نہیں نہ اس کے چھوٹے بڑے کم بیش پھل کا کوئی صحیح اندازہ ہو سکتا ہے پھر جتنا حصّہ آج بچانا ممکن ہے کہ آج ہی اتار لیا جائے وہ تو بڑھتا رہے گا اور دوسرے پیدا ہوتے رہیں گے' ان کی تمیز مشکل ہے اور بچاؤ کی کوئی صورت ہو نہیں سکتی۔ ہاں اگر شہر بھر کے جانور جمع کر لے اور سارے ہی پھل توڑ لوگ جمع ہو جائیں تو ممکن ہے دن بھر میں سب کھیت صاف کر لیں لیکن پھر کیا ہو گا کس کے ہاتھ بیچیں گے' کسے کھلائیں گے' کون لے گا پھر تو یہی ہو گا کہ گڑھے کھودیں اور انہیں دبا دیں ناممکن ہے کہ ہماری پاک شریعت ایسا واہی اور مشکل حکم دے یہ سب فقہاء کے اجتہاد کی خوبیاں ہیں وہ کام جس کی حاجت اور ضرورت اللہ کی تمام مخلوق کو ہو اس سے اللہ روک دے پھر اسی جیسی اس سے کم ضرورت کی چیز سے نہ روکے؟ عقل اسے نہیں مانتی تو اللہ کی شریعت اسے کیسے مان لے گی؟ اگر اسے دھوکے کی بیع میں داخل کیا جائے تو باغ کے پھلوں میں بھی یہی حکم کیوں جاری نہ کیا جائے؟ دراصل نہ اس میں کوئی دھوکہ ہے نہ باغ کے پھلوں میں لغتاً' عرفاً' شرعاً کسی طرح بھی یہ غرور اور دھوکہ نہیں یہ دعویٰ محض بے دلیل ہے' لغت کی کوئی دلیل نہیں' عرف اس کے مطابق نہیں' شرعی دلیل ایک بھی نہیں' تاہم مخالفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ یہ درخت ان کی جڑوں سمیت خرید کرلے جب پھل پک جائیں تو جو چاہے کرے۔ مانعین بھی اس حیلے کو جائز قرار دیتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ جڑیں مقصود نہیں مقصود پھل ہیں۔ اگر بیع بوجہ دھوکے کے ناجائز ہے تو جڑوں کی ملکیت کے بعد بھی وہ تو موجود ہے' لیکن یہ تو پھلوں کی بیع کی طرح ہے۔ اہل مدینہ یہی کہتے ہیں۔ مذاہب احمد میں ایک وجہ یہی ہے۔ ہمارے شیخ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔

سڑسٹھویں مثال : میراث وغیرہ کی وجہ سے جو قرض مشترک ہو اس کی تقسیم جائز ہے ہر شریک ایک حصّے کے ساتھ منفرد ہو سکتا ہے خواہ وہ ایک کے ذمے ہو خواہ کئی ایک کے ذمے ہو اس لیے کہ حق دونوں کا ہے اس کی تقسیم کا اور یونہی باقی رکھنے کا انہیں اختیار ہے جس میں نہ تو کوئی قباحت ہے نہ عدم جواز بلکہ نفع کی تقسیم سے جو زمان و مکان کے ساتھ مہیا ہوں ان کی تقسیم کے جواز سے اس کا جواز اولیٰ ہے۔ اس میں ایک دوسرے کی تقدیم ہو جاتی ہے شریک کی نوبت پر کبھی نفع پہنچتا ہے کبھی ہلاک بھی ہو جاتا ہے اور دین ذمے میں قائم مقام عین کے ہو جاتا ہے اسی لیے اس پر قرض دار سے معاوضہ وغیرہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ بھی آتی ہے جبکہ قبضہ کرنے کا امکان ہے اور اس سے خرچ کرنا بھی اس پر ان لوگوں پر جن کا کھلانا پلانا اس کے ذمے ہے واجب ہو جاتا ہے۔ یہ فقیر مفلس نہیں سمجھا جا سکتا پس اس کی تقسیم قائم مقام عین و نفع کی تقسیم کے ہے جبکہ یہ آپس کی رضامندی سے اپنے اپنے حصّے کے مطابق یا ایک خاص شخص کے ذمے کی قرض کی رقم کی تقسیم پر معاملہ طے کر لیتے ہیں تو بیشک جائز ہے نہ اس سے کوئی شرعی قاعدہ ٹوٹتا ہے نہ حرام حلال ہوتا ہے نہ کتاب و سنّت کا خلاف ہوتا ہے بلکہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کا بھی خلاف نہیں ہوتا بلکہ قیاس صحیح بھی اس کی موافقت میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ذمے برابر کے نہیں رہتے ان میں تفاوت ہو جاتا ہے ذمہ کی چیز معین نہیں ہوتی لیکن اس سے تقسیم کی ممانعت نہیں ہوتی۔ گو فرق ہے لیکن دونوں اس پر رضامند ہیں حق ان دونوں سے الگ نہیں ذمے کی عدم تعیین

بھی۔ تقسیم کی مانع نہیں کیونکہ تقدیراً تعیین ہے اور تقسیم میں اتنی تعیین کافی ہے قبضہ کے بعد تعیین پوری ہو جائے گی۔
ابن عقیل نے جو کہا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ناجائز ہونے کی ہی روایت ہے یہ بھی درست نہیں بلکہ دو ذمہ داریوں کے وقت ان سے دو روایتیں ہیں ان کے اصول بھی جواز کے مانع نہیں۔ جیسے اصول شرع اس کے مانع نہیں پس اس میں کسی حیلے کی ضرورت نہیں لیکن جو مانعین ہیں ان کے سامنے یہ حیلے کر لے کیونکہ اس کی حاجت ہے کہ اپنے شریک کو اجازت دے دے کہ قرضدار سے مخصوص قبضہ کر لے جب اس نے یہ کر لیا تو اس کے شریک کا اس میں کوئی حصّہ نہ رہا۔ اسی طرح اگر یہ اپنا حصّہ اپنے قبضہ میں کر لیتا پھر وہ ہلاک ہو جاتا تو اس کے شریک کے ذمے کچھ نہ پڑتا بلکہ یہ اس کا اپنا حصّہ جاتا اس کے اجازت دینے کے بعد یہ اپنے قبضہ کی چیز میں خاص ہو جاتا ہے اس لیے اس دوسرے شریک پر اس میں سے کچھ بھی نہیں کیونکہ اس کی ملکیت ہی نہیں رہی۔ حصّہ جب تک ملا ہوا ہے دونوں پر ضمانت ہے جب ایک کی ملکیت اس پر قائم ہو گئی دوسرا آزاد ہو گیا' بعض نے فرض عقد میں' تلف میں اور ورثے میں فرق کیا ہے عقد کو دونوں شریکوں میں مانا ہے میراث اور تلف کر دینے کو الگ الگ رکھا ہے۔

اڑسٹھویں مثال : لہسن' پیاز' مولی وغیرہ جو زمین میں غائب ہوتی ہیں ان کی بیع کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول منع کا ہے کیونکہ وہ مجہول ہیں دیکھی نہیں جاتی بخلاف ظاہری ڈھیر کے' ان کے نزدیک انہیں نکال کر پھر بیچنا چاہیے۔ دوسرا قول اس کے جواز کا ہے یہی عادت ترکاری والوں کی رہی ہے یہی قول اہل مدینہ کا ہے۔ مذہب احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے' ہمارے شیخ کا مختار قول بھی یہی ہے اور یہی قول درست بھی ہے' اس کے خلاف میں دنیا پر جرح و مشقت اور تنگی ہے اور پھر اس میں نقصانِ عظیم ہے شریعت ایسا حکم کبھی نہیں دیتی جوں جوں تیار ہو یہ زمین سے نکالتا پھرے اور بیچتا پھرے اس حکم سے تو یہی بہتر ہے کہ اسے کہہ دیا جائے کہ تلف اور برباد کر دے۔ کاش کے ان مفتیوں کو ایسے کاموں اور ایسی چیزوں کے کھیت سے پالا پڑتا تو پھر دیکھتے کہ یہ کیا کرتے ہیں؟ اپنے فتوے کے خلاف بیچتے ہیں یا یونہی تلف کر ڈالتے ہیں؟ یہ کہہ دینا کہ اس میں دھوکہ اور جہالت ہے یہ شان فقیہ سے بعید ہے یونہی کہہ دیتے کہ یہ جوا ہے تو بھی انہیں اختیار تھا یہ تو وہ جانتے ہیں جو ان کاموں کو کرتے ہیں انہیں ان چیزوں کی مہارت ہوتی ہے۔ انداز ہوتا ہے' علم ہوتا ہے' فقہاء کو تو صرف یہ چاہیے کہ حرام حلال کے صاف فتوے صاف دلیلوں کی بنا پر دیں ورنہ خاموش رہیں اور لوگوں کی روزیاں تنگ کر کے اپنی فقہ کو دنیا کے لیے گھن مشین نہ بنائیں۔ اس مسئلہ میں اگر ان کے پاس کتاب و سنّت ہے تو گردن خم اور اگر احتمالات اور رائیں اور قیاس ہیں اور خواہ مخواہ کے ڈر خوف ہیں تو یہ جوئے اپنے اپنی گردنوں پر رکھیں دنیا کے مسلمانوں کو ان سے آزاد رکھیں یہ تو اس کام کے کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں دھوکہ ہے یا نہیں؟ عیب ہے یا نہیں؟ انہی کو معلوم ہے کہ کس چیز کا کیا موسم ہے کس زمین کا کیا حال ہے' کون سودا کس موسم میں ہوتا ہے؟ کون سا سودا سودمند ہے؟ کس کھیت کو کتنے میں خریدنا چاہیے۔ الغرض حسی اور عرفی امور کے وہ ماہر ہیں اور خانقاہوں اور اسکولوں والے ان سے محض بے خبر ہیں۔ احکام شرع میں جیسے یہ طبقہ ان فقہاء کے مقابلے میں ہیچ ہے ایسے ہی دھوکے اور فریب اور جہالت کے جاننے میں یہ فقہاء اس طبقے کے مقابلے میں ہیچ ہیں انہیں اس کے سوا کیا معلوم کہ فلاں کتاب میں یوں لکھا ہے اور فلاں امام نے یہ کہا ہے۔ الغرض ان کے مقابلے میں اس مسئلہ میں حیلہ یہ ہے کہ زمین اجارہ پر لے لے اس مدت تک کے لیے جس میں یہ چیز ختم ہو جائے گی اور یہ اقرار لے لے کہ زمین میں جو کچھ ہے میرا' لیکن اس حیلے کا عکس یہ ہے کہ اگر کوئی آفت آسمانی آ گئی تو

یہ اس سے کوئی رقم چھڑا نہیں سکتا بخلاف اس کے کہ صلاحیت کے اظہار کے بعد خریدنا جیسے پھل دار درختوں کا حکم ہے پس اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ اس کے بعد خریدے اور دونوں میں قدرتی آفت کا بدلہ اسے دلوایا جائے' واللہ اعلم۔

انہترویں مثال : فقہاء نے اختلاف کیا ہے جواز بیع میں اس چیز کے ساتھ جس سے بھاؤ مقرر ہو بغیر مقدر ہونے قیمت کے بوقت عقد۔ اس کی صورت یہ ہے معاملہ ان لوگوں سے ہو جو اس کام کے کرنے والے ہیں مثلاً روٹی پکانے والے' گوشت والے' گھی والے وغیرہ کہ ان سے یہ ہر دن مقررہ مقدار میں چیز لیتا رہے پھر مہینہ پر یا برس پر سب کا حساب کر کے قیمت ادا کر دے۔ اسے اکثر فقہاء منع کرتے ہیں اور قائم مقام غصب کے ٹھہرا کر عقد فاسد کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں لیکن سوائے چند کے باقی سب کو عمل اس کے خلاف کرنا پڑتا ہے' حالانکہ فتویٰ ان کا اس کے باطل ہونے پر ہے بلکہ اسے وہ دینے والے کی ملکیت میں ہی باقی مانتے ہیں ان کے نزدیک ضروری ہے کہ ہر وقت جب لے چکا لے قیمت ٹھہرا کر لے بلکہ اگر سودا ایجاب و قبول کی شرط والا ہے تو اس کا بھی لفظوں میں ہونا ان کے نزدیک ضروری ہے۔ دوسرا قول جو صحیح ہے اور یقیناً درست ہے جس پر ہر زمانے میں ہر شہر کے مسلمانوں کا تعامل ہے وہ اس کا جواز ہے۔ منصوص امام احمد رحمہ اللہ اور مختار شیخ بھی یہی ہے اس میں خوش دلی ہے' آسانی ہے' جس بھاؤ اوروں کو دیتا ہے اسی بھاؤ اس سے لگا لے کون روز روز چکانے بیٹھے؟ پھر اسے منع کرنا اور مجبور ہو کر وہی کام خود کرنا کیا عقلمندی ہے؟ کتاب' سنّت' اجماع' قیاس' قولِ صحابی کسی میں اس کی حرمت نہیں' ان کا اجماع ہے کہ مہر مثل سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اُجرت مثل کو سب جائز مانتے ہیں غسل کی' روٹی کی' ملاح کی' حمام کی' کرائے کی' بیع کی' مثلیت سب کے نزدیک معتبر ہے پھر یہاں کیا قباحت آگئی؟ کہ سب کے خلاف اس کا حکم ہو گیا؟ یاد رکھو قیاس رکھے کے رکھے رہ جائیں گے اور مسئلہ ناقابل عمل ہو جائے گا شریعت کی آسانیاں سختیوں سے بدل کر مخلوق پر وہ بوجھ نہ لادو جسے وہ اٹھا نہ سکے۔ خیر مقصود یہ ہے کہ اگر کسی مسکین کو کسی جگہ ایسے ہی مقلد فقہاء سے واسطہ پڑ جائے جو اس مسئلہ کو نہ مانتے ہوں اور کہہ دیتے ہوں کہ فلاں کتاب میں یوں لکھا ہے فلاں امام نے یہ کہا ہے تو وہاں یہ حیلہ کر لے کہ بطور قرض لے لے اب اسی جیسا واپس کرنا اس پر واجب ہو جائے گا اس کے عوض قیمت کی رقم پر اسے راضی کر دے یہ قرضدار سے اس کے قرض کی بیع ہے جو جائز ہے ہاں اس حیلے میں ایک آفت ضرور ہے کہ اگر بھاؤ بڑھ گیا تو وہ مثل مانگے گا اور لینے والے کو ضرر پہنچے گا اگر گھٹ گیا تو یہ مثل دے گا اور لینے والے کو ضرر و نقصان پہنچے گا۔ سبحان اللہ' سب سے پاک طریقہ شریعت کا طریقہ ہی ہے جس میں دونوں کو نقصان نہیں۔

سترویں مثال : کسی پر قرض ہے اور اس کے پاس وقف کا غلہ ہے تو یہ اسے وکیل بنا سکتا ہے کہ اپنا قرضہ اس سے وصول کر لے لیکن اگر خوف ہو کہ وہ حیلہ کر کے معزول نہ کر دے تو حوالہ کر دے اگر اس نے اس مکان یا زمین کو کسی کو کرائے پر بھی نہیں دیا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ قرض خواہ اپنے ذمے پر اسے کرائے پر لے پھر اپنے قرض کی رقم میں سے اس کا معاوضہ مجرا دے۔ اگر چاہتا ہے کہ وہی وکیل بن جائے اور معزول ہو جانے کا خطرہ بھی ہے تو یہ حیلہ کر لے کہ اس سے اقرار کرا لے کہ وقف کرنے والے نے شرط لگائی ہے کہ جو قرض اس پر ہے پورا کرے پھر فلاں فلاں کو دے تو اس کا حق مقدم ہو جائے گا اور جب تک یہ قرضہ ادا نہ ہو جائے اور کام میں خرچ نہ ہو سکے گا جب اس کا قرض ادا ہو جائے تو اس کی ولایت جاتی رہے گی' اگر حاکم بھی یہی حکم کر دے تو اور بھی آسانی ہو جائے گی۔

اکہترویں مثال : ایک کا دوسرے پر قرض ہے کہتا ہے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو تجھے معاف ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے تو بھی معاف ہے تو یہ صحیح ہے دونوں صورتوں میں یہ بری ہو جائے گا ایک صورت تو وصیت ہے دوسری میں معافی ہے جو ایک شرط کے ساتھ معلق ہے اور یہ صحیح ہے جس طرح عتق و طلاق تعلیق کے ساتھ صحیح ہیں- امام احمد رحمہ اللہ نے آبرو اور مال دونوں میں معافی کو جاری رکھا ہے۔ ہمارے اصحاب اور شافعی کہتے ہیں کہ جب اس نے کہا اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو تجھے یہ رقم معاف ہے تو یہ معافی صحیح ہے اس لیے کہ یہ وصیت ہے لیکن اس کے برعکس صحیح نہیں مگر ان بزرگوں نے کوئی دلیل اس کی ممانعت پر قائم نہیں کی بلکہ کوئی شبہ تک پیش نہیں کیا اور کوئی حدیث' کوئی آیت' کوئی قیاس' کوئی قولِ صحابی ان کے ہاتھوں میں نہیں پس صحیح بات یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں معافی ہو جائے گی- فقہ پرستوں کے اس خلاف شرع فیصلے سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرلے کہ اس بات پر گواہ رکھ لے کہ یہ اپنی موت کے بعد اس قرض میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں نہ یہ اس کے ترکہ میں ہے اگر ہو سکے تو اس کی تحریر کرا لے تو اب کوئی حق اس پر نہ رہے گا۔

بہترویں مثال : مضارب یا شریک نے غلطی کی اور کہہ دیا کہ ایک ہزار کا نفع ہوا ہے پھر وہ اپنے قول سے رجوع کرنا چاہے تو نامقبول ہے کیونکہ اقرار کے بعد کا یہ انکار ہے لیکن اگر وہ اپنی اس غلطی پر دلیل و گواہ قائم کر دے تو صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنی بات کو جھٹلا رہا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ کہہ دے کہ اتنا اتنا گھاٹا بعد میں ہو گیا اب اس کی یہ بات بھی معتبر مانی جائے گی اور ایک ہزار اس پر لازم نہ رہیں گے- یہی حیلہ ہر امین کے لیے ہے مثلاً ایک شخص دوسرے کی امانت ادا کر دیتا ہے لیکن اس پر شاہد کوئی نہیں تو اس کا قول معتبر مانا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو روایتیں ہیں امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں روایتیں ہیں جب اسے اپنی بات مقبول نہ ہونے کا خوف ہو تو یہ حیلہ کرلے کہ اس چیز کے تلف ہونے کا اور اس میں خود بے تقصیر ہونے کا دعویٰ کرے اور اگر ضرورت پڑے تو توریہ اور تاویل کے طور پر قسم بھی کھا سکتا ہے' واللہ اعلم۔

تہترویں مثال : کسی کا کل مال قرض میں دب گیا تو اب اس کا خیرات صدقہ کرنا صحیح نہیں اس سے قرض خواہوں کو نقصان پہنچتا ہے خواہ حاکم نے اسے روکا ہو یا نہ روکا ہو- یہی مذہب مالک ہے اور یہی ہمارے شیخ کا مختار ہے اور تینوں کے نزدیک اس کے لیے تصرف کا حق ہے جب تک حاکم روک نہ دے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے- اس کے سوا اصول مذہب کے قریب و قرین اور کوئی قول نہیں- اصول و قواعد شرع میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے اس لیے کہ قرض خواہوں کا حق اس مال پر ثابت ہو چکا ہے اسی وجہ سے حاکم اسے تصرف سے منع کر دیتا ہے اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو حاکم کو یہ حق حاصل نہ ہوتا۔ یہ تو ایسا ہی ہو گیا جیسے مرض الموت کا بیمار کہ اس کے مال میں وارثوں کے حق قائم ہو چکے ہیں اس لیے وہ اسے ثلث سے زائد خرچ نہیں کر سکتا ورنہ ورثا کا حق مارا جاتا ہے اسی طرح اس صورت میں قرض خواہ مارے جاتے ہیں- شریعت ہرگز ایسا حکم نہیں دے سکتی یہ تو ہر ایک کے حق کی حفاظت کرتی ہے اور جن طریقوں سے حق مارا جاتا ہے ان سب کو روک دیتی ہے۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے کہ جو شخص لوگوں کے مال ادائیگی کی نیت سے لے اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا ورنہ اللہ تعالیٰ خود اسے تلف کر دے گا پس مندرجہ بالا خیرات اور صدقہ دوسرے کا حق مارنے کے لیے ہے- جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا ہے تو وہ جاری اور درست کیسے ٹھہرے گا؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصحاب

احمد رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک صاحب اس مسئلہ کے منکر تھے اللہ کی شان کہ ایک شخص جس پر ان کا قرض آتا تھا' انہوں نے اس سے پہلے کہ حکومت اس کا تصرف بند کرے اپنا مال خیر خیرات میں دے دیا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور فرمانے لگے' واللہ اس مسئلہ میں صحیح مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا باب باندھنا' ترجمۃ الباب لانا' استدلال کرنا' اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی مختار مذہب یہی ہے۔ باب یہ ہے کہ جو بیوقوف ہو' کم عقل ہو اور اس پر امام نے قانونی روک نہ کی ہو تو بھی اس کا کیا ہوا کام واپس ہو سکتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صدقہ کرنے والے مسکین کے صدقہ کو لوٹا دیا پھر اسے صدقہ کرنے سے ممانعت فرمائی۔

سبحان اللہ کتنا پاک اور اعلیٰ استدلال ہے؟ عبدالحق کہتے ہیں یوں تو اللہ ہی کو پورا علم ہے لیکن ہمارے نزدیک تو اس سے مراد امام صاحب کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیع مدبر کے بارے میں مروی ہے۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں لائے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہے اس کے پاس غلام ہے اسے وہ آزاد کر دیتا ہے تو یہ آزادی جائز نہیں پھر یہ حدیث وارد کی ہے کہ جس نے لوگوں کے مال ادائیگی کی نیت سے لیے اللہ تعالیٰ اس سے ادائیگی کرا دے گا اور جس نے نہ ادا کرنے کی نیت سے لیے اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو مذہب مالک بیان فرمایا ہے وہ ان کے اصحاب کی کتابوں میں موجود ہے۔ ابن الحلاب فرماتے ہیں دیوالیہ شخص ہبہ کرے' آزادی کرے' صدقہ دے کوئی چیز جائز نہیں ہاں اگر اس کے قرض خواہ اجازت دیں تو اور بات ہے۔ اسی طرح وہ قرض دار جسے قرض خواہوں نے مفلس قرار نہیں دیا صحیح قول یہی ہے اس کے سوا کوئی قول مختار نہیں پس اس بنا پر مخالفین کے سامنے یہ حیلہ ہے کہ ایسے شخص کے مقدمے کو اس حاکم کی عدالت میں لے جائے جس کا مذہب یہی ہو۔ اگر وہاں کوئی حاکم ایسا نہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ اس سے ضمانت کسی کی لے لے' لیکن اگر اس سے بھی پہلے وہ کوئی ایسی حرکت کر چکا ہو تو صرف یہی ایک حیلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس سے اقرار کرا لے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے قرض خواہوں کا مال ہے اس اقرار کے بعد اب راہ للہ کچھ دینا ممنوع ہو جائے گا۔ تاریخ اقرار اگر پہلے کی ہے تو بعد کی خیرات باطل ہے اس حیلے میں کوئی حرج نہیں یہ باطل کو حق اور حق کو ناحق کرنے کے لیے نہیں بلکہ ظلم و ستم سے بچنے کے لیے ہے' واللہ اعلم۔

چوہترویں مثال: کسی پر قرض ہے لیکن کوئی گواہ نہیں اور ڈر ہے کہ کہیں مقروض انکار نہ کر جائے۔ یا گواہ ہیں لیکن خوف ہے کہ ان کی گواہی توڑ نہ دی جائے تو حیلہ یہ ہے کہ اس سے اسی قدر رقم قرض لے اگر ضرورت ہو تو کوئی چیز رہن کر دے یا کسی کو ضامن بنا دے پھر اپنی اور یہ رقم برابر کر لے گو وہ راضی نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو اس کی کوئی چیز خرید لے روپیہ نکالتا رہے چیز قبضے میں کر لے پھر اپنی رقم اسی سے وصول کر لے۔ غرض اپنی رقم وصول کرنے کے لیے یہ حیلے اس کے لیے جائز ہیں۔

پچھترویں مثال: بے بیوی کے رہنے میں خوف ہے اور آزاد مسلمہ سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں اور اولاد پر غلامی کا آنا بھی گوارا نہیں تو ان کی آزادگی کا حیلہ یہ ہے کہ لونڈی کے مالک سے یہ شرط کر لے کہ جو اولاد اس سے ہو گی وہ آزاد ہے یہ تعلیق صحیح ہو گی اور اس کی سب اولاد آزاد ہو گی ان پر غلامی نہ آئے گی جیسے کوئی اپنی لونڈی سے کہے کہ تجھ سے جو بچہ ہو وہ آزاد ہے۔ ابن المنذر فرماتے ہیں اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ کیا تم لونڈی کے نکاح کو ان دو شرطوں بغیر جائز رکھتے ہو جب کہ اس تعلیق سے اس کی اولاد غلامی سے امن پالے تو جواب یہ ہے

کہ یہ محل اجتہاد ہے لیکن اصول شرع اس کے انکاری نہیں اس میں صرف یہی بات ہے کہ نسبت آزادی اس کے مالک کے لیے ہو گی جو غلامی کی ایک شق ہے ایسی چیز لونڈی کے نکاح کی حرمت کا سبب بنتی ہے؟ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان سے نکاح کی ممانعت اس لیے ہے کہ عموماً ان پر آزاد عورتوں جیسا پردہ نہیں اس لیے کہ انہیں اپنے مالکوں کی خدمتیں بجالانی پڑتی ہیں پس اس بنا پر آزاد مردوں کو ان کا خاوند بننے کی ممانعت ہے اور اس لیے بھی کہ اولاد پر غلامی وارد ہوتی ہے صرف ضرورۃً ان سے نکاح مباح ہے جیسے مردار اور خون اور سور کا گوشت بوقت اضطرار مباح کر دیا گیا ہے اسی طرح ان عورتوں سے مطلقاً نکاح منع ہے جو پاک دامن عفیفہ نہ ہوں- پوشیدہ مخصوص لوگوں سے یا علانیہ زناکار ہوں پس لونڈیوں سے نکاح کی اباحت چار شرطوں پر ہے ایک تو مال کی زیادتی نہ ہونا' دوسرے بیوی بغیر زناکاری میں واقع ہو جانے کا خوف و خطرہ ہونا' تیسرے اس کے مالک کی اجازت کا ہونا' چوتھے اس کا عفیفہ پاک دامن اور بدکاری سے دور ہونا' واللہ اعلم۔

چھہترویں مثال : کسی کو اس کی لونڈی اپنے آپ کا اختیار دیتی ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے اور نکاح کرا دے لیکن یہ اسے اپنی ملک سے نکالنا نہیں چاہتا نہ اس سے اس کی جدائی پر صبر ہو سکتا ہے تو حیلہ یہ ہے کہ اسے کسی بھروسے دار آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے یا اسے ہبہ کر دے اور اس پر گواہ رکھ لے اس طرح کہ لونڈی کو اس کا علم نہ ہو بیع ہو تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس میں قبضہ شرط نہیں پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کرا دے اس کے بعد اسے لوٹا لے لونڈی کو اس کا بھی علم نہ ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور یہ اپنی مالکیت کی بنا پر اس سے وطی کر سکتا ہے اور اس پر کوئی عدت بھی نہیں آتی۔

ستہترویں مثال : جب اسی کا ارادہ ہو اس سے جس سے واپس لینا ممکن نہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ جو ہم نے کہا وہ کرے اور آزادگی یا نکاح پر گواہ رکھ لے پھر اسی سے بیع کی واپسی کر لے تو باطن میں بوجہ اپنی ملکیت کے اور ظاہر میں بوجہ بیوی ہونے کے اس سے وطی کر سکتا ہے۔ یہ صرف اپنی جان سے دفع کرتا ہے اس میں کسی کا حق یہ نہیں مارتا اس لیے یہ جائز ہے- اس کا دوسرا حیلہ یہ ہے کہ اقرار کر لے کہ اس سے ایسا بچہ ہو جس میں انسانی صورت ظاہر تھی اس سے وہ اس کی اولاد کی ماں بن جائے گی اب ملکیت کا بدلنا ناممکن ہو جائے گا اگر چاہتا ہے کہ تہمت دفع ہو جائے تو ایسے کے ہاتھ بیچ دے جس پر بھروسہ ہو اور اس سے طے کر لے کہ وہ کہے کہ اس کے ہاں اسے ایسا ہی بچہ ہوا تو بیع فسخ ہو جائے گی پھر اس کی تحریر باضابطہ ہو جائے تو اس کے بعد اس کا بیچنا ممنوع ہو جائے گا۔

اٹھہترویں مثال : چاہتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ اپنی لونڈی بیچے اور یہ منظور نہیں کہ وہ اس کے پاس سے اور جگہ جائے تو اس کا ایک حیلہ تو یہ ہے کہ اس سے شرط کر لے کہ اگر وہ اسے بیچے گا تو اس قیمت پر وہی سب سے زیادہ حقدار ہے- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے یہی شرط کی تھی- امام احمد رحمہ اللہ شرط اور بیع کے جواز کے قائل ہیں اگر یہ حیلہ نہ ہو سکتا ہو تو یہ شرط کر لے کہ اگر میرے سوا اور کے ہاتھ بیچی تو یہ آزاد ہے یہ شرط بھی صحیح ہے اور ایسی صورت میں یہ آزاد ہو جائے گی یا تو مجرد ایجاب کے جیسے صاحب مغنی وغیرہ کا خیال ہے یا بعد از قبول تو بیع ہو جائے گی' محرر والے کے نزدیک قاضی کا طریقہ بھی یہی ہے- ابطال حیل کتاب میں ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اس غلام کو بیچوں تو یہ آزاد ہے اور خریدار نے بھی کہا کہ اگر میں اسے خریدوں تو یہ آزاد ہے پھر بیع ہوئی تو بائع پر یہ آزاد ہو جائے گا اس لیے کہ دوسرے کی ملکیت میں داخل ہوتے وقت اس کا کوئی مستقر حال نہیں۔ خیار مجلس بائع کے لیے ہے اس لیے خریدار کی

مستقر ملکیت ابھی نہیں ہوئی۔ ہاں بعد از قبول ہو گی اس لیے بائع پر یہ آزاد ہو گیا جو لوگ اس تعلیق کو صحیح نہیں مانتے ان کے نزدیک یہ حیلہ بے سود رہے گا۔ وہ کہہ دے گا کہ خریداری کے بعد خریدار مالک ہو گیا ملک غیر میں اس کی شرط کے مطابق آزادی نہیں ہو سکتی جیسے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے تو اس کے لیے یہ حیلہ ہے کہ کہے جب میں اسے بیچوں تو یہ بیچنے سے پہلے آزاد ہے اب یہ تعلیق صحیح ہو جائے گی تو بیع سے پہلے ہی آزادی کا حکم شافعی اور احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دو وجوہات میں سے ایک کی بنا پر ہو جائے گا لیکن اسے بھی جو صحیح نہیں مانتے ان کے لیے یہ حیلہ ہے کہ یہ کہے جب میں اسے خریدوں تو یہ میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو یہ تعلیق صحیح رہے گی اور اب اس کا بیچنا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منع ہو جائے گا اس لیے کہ قائم مقام آزادی کے ہے جو کسی صفت کے ساتھ معلق ہو اس کے خریدتے ہی یہ مدبر ہو جائے گی اور اس کی بیع ناممکن ہو جائے گی جن کے نزدیک یہ تعلیق بھی صحیح نہیں ان کے لیے حیلہ یہ ہے کہ خریدار سے اقرار لے لے کہ میری موت کے بعد یہ آزاد ہے اب امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک ایسی لونڈی کی بھی بیع جائز ہے تو یہ حیلہ کر لے کہ قبل از بیع اس بات پر گواہ ٹھہرا لے کہ اس نے اس کے سردار کے نکاح میں اسے دے دیا تھا اس سے اسے اولاد ہوئی پھر اسے بیچ دیا یہ اولاد کی ماں ہو گئی اب بیع ناممکن ہو گئی بعض کا خیال ہے کہ ام ولد ہونے میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاملہ ہونا اور بچے کا ہونا اسی کی ملکیت میں ہو غیر کی ملکیت میں نہ ہو۔ احمد و شافعی رحمہما اللہ کا ظاہر مذہب یہی ہے تو یہ حیلہ کر لے کہ لونڈی کا سردار اور خریدار دونوں مل کر اپنے درمیان کسی ثقہ عادل کو کھڑا کر لیں وہ بطریق وکالت اس سے کچھ قیمت بڑھا کر سردار کی طرف سے بیع کر دے اور وہ قیمت لے لے جو اصل میں طے ہوئی ہے اگر خریدار اسے بیچنا چاہے تو یہ مزید قیمت کا مطالبہ کرے اگر انہوں نے کسی تیسرے کو بیچ میں نہیں ڈالا اور خود ہی یہ طے کر لیا تو بھی ہو سکتا ہے لیکن بیچ میں تیسرا شخص ہو تو اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے۔

مثال اناسی : کسی کا لڑکا یا غلام طلب کرتا ہے کہ میرا نکاح کرا دو اسے ڈر ہے کہ اگر عورت کو اس کی طرف سے ضرر پہنچا اور اس نے طلاق نہ دی تو کیا ہو گا؟ تو یہ اس سے کہہ دے کہ میں تیرا نکاح اس پر کراتا ہوں کہ تو اپنی عورت کا اختیار میرے ہاتھ میں دے دے اب اگر بھروسہ ہو تو یہ کہہ دے کہ اس کا اختیار تیرے ہاتھ ہے لیکن اگر خوف ہو کہ یہ اس پر قائم نہ رہے گا تو حیلہ یہ ہے کہ اسے اجازت نہ دے جب تک کہ نکاح اس شرط کے ساتھ معلق نہ ہو کہہ دے کہ اگر میں اس سے نکاح کر دوں تو اس کا امر تیرے ہاتھ ہے اہل مدینہ اور اہل عراق کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہے اگر چاہتا ہے کہ سب کا اجماع اس پر ہو جائے تو مہر نامہ میں اسے لکھوا لے اور خاوند مذکور اس کا اقرار کرے کہ عورت مذکورہ کا امر اس کے بعد یا اس کے باپ کے ہاتھ ہے اب اگر ایسا موقعہ آ گیا تو یہ طلاق دے سکتا ہے واللہ اعلم' لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے وکالت سے الگ کر دے تو حیلہ یہ ہے کہ شرط کر لے کہ جب اسے وکالت سے علیحدہ کرے تو اس عورت پر طلاق ہے۔

مثال ۸۰ : اپنے غلام کو اپنے مرنے کے بعد آزاد کیا تو اس کی بیع اس آزادی کو توڑ کر سکتا ہے لیکن اگر ڈر ہو کہ غلام یا لونڈی کسی ایسے حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے جس کا مذہب اس کے برخلاف ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کہے اگر میں مروں اس حال میں کہ تو میری ملکیت میں ہو تو تو میری موت کے بعد آزاد ہے اب اپنی زندگی بھر تک اسے بیچنے کا اختیار ہے اور اگر اس کی موت آ جائے اور یہ اس کی ماتحتی میں ہو تو آزاد ہو جائے گی اس کہنے میں کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے اور اس کہنے میں کہ اگر میں مروں اور اس وقت تو میری ملکیت میں ہو تو تو آزاد ہے بہت فرق ہے۔ یہ آزادی کی

تعلیق ہے ایک صفت کے ساتھ جب تک یہ نہیں ہوئی بیچنے کا اختیار ہے جیسے کہا کہ اگر تو اس گھر میں جائے تو تو آزاد ہے تو جب تک یہ صفت نہ پائی جائے یہ اسے بیچ سکتا ہے اور جب پہلا کلمہ کہا ہے تو وہ لازم ہو گیا اب اپنی زندگی میں بیچ نہیں سکتا مثلاً کہا کہ اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے تو میرا قرض جو تجھ پر ہے معاف ہے تو یہ معلق ہے صفت کے ساتھ' لیکن اگر کہا کہ تجھے معاف ہے تیری موت کے بعد تو معافی ہو گئی مثلاً اگر کہے کہ اگر میں مرجاؤں تو میرا یہ گھر وقف ہے تو یہ وقف کی تعلیق ہے شرط کے ساتھ اور اگر کہے کہ یہ گھر وقف ہے میری موت کے بعد تو یہ صحیح ہو جائے گا' واللہ اعلم۔

مثال ۸۱ : دو شخص ایک شخص کے حاضر ضمان بنے ایک نے اسے پیش کر دیا تو دوسرے کی ضمانت بھی پوری ہو گئی جیسے دو شخص کسی کے مالی ضامن تھے ایک نے ادا کر دیا تو دوسرا بھی بری ہو گیا کیونکہ دونوں صورتوں میں مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن بعض فقہاء اس کے خلاف ہیں ان کے لیے یہ حیلہ ہے کہ بہ وقت ضمانت صاف کہہ دیں کہ اگر ایک نے سونپ دیا تو دونوں بری ہیں یا گواہ رکھ لیں کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل ہے تو ہر ایک کی تسلیم دوسرے کو بھی کافی ہو گی اور دونوں بری الذمہ ہو جائیں گے۔

مثال ۸۲ : قاضی نے کتاب ابطال الحیل میں لکھا ہے کہ جب دو شخصوں کا کسی عورت کے ذمے کچھ مال ہو اور وہ دونوں آپس میں شریک ہوں پھر ان میں سے ایک اپنے حصے پر اس سے نکاح کر لے تو دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں لیکن بعض فقہاء اسے بھی ضامن قرار دیتے ہیں- ان سے بچاؤ کا حیلہ یہ ہے کہ اس عورت کو اپنا حصہ ہبہ کر دے پھر اس مال کی مقدار کا مہر ٹھہرا کر نکاح کر لے جب یہ اپنا حصہ ہبہ کر دے گا تو دوسرے پر اس کا اثر نہیں اس صورت میں اختلاف سے نکل جائے گا اور کام پورا ہو جائے گا۔

مثال ۸۳ : کسی نے کہا کہ میں کسی کا ضامن نہ پڑوں گا اگر پڑوں تو میری بیوی پر طلاق دوسرے نے کہا تو میرا ضامن بن اگر نہ بنے تو میری بیوی پر طلاق تو حیلہ یہ ہے کہ اس کا شریک بن جائے اور کوئی سودا شرکت میں خرید لے تو ضمانت ہو جائے گی اور دونوں کی قسم ٹوٹنے سے بچ جائے گی اسی طرح وکالت میں بھی یہی صورت ہو جاتی ہے۔

مثال ۸۴ : دو ساجھی ہیں کسی کے کہنے سے اس کے مال کے ضامن بنے ہیں کہ اگر ایک شریک ادا کر دے تو وہ دوسرے شریک کی طرف لوٹ سکتا ہے اور دوسرا ادا کر دے تو وہ نہیں لوٹ سکتا اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں کہیں ہم میں سے جو ادا کر دے وہ دوسرے کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے برعکس کہیں- تیسری یہ کہ کہے اگر میں ادا کروں گا تو تجھ سے وصول کروں گا تو ادا کر تو مجھ سے وصول نہیں کر سکتا- چوتھی صورت اس کے برخلاف۔ تو پہلی اور دوسری صورت میں تو کسی حیلے کی ضرورت نہیں- تیسری اور چوتھی کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک ضامن ہو جائے پھر اس کا ساجھی آئے اور دونوں پر جو ہے اس کا ضامن بن جائے تو جب یہ شریک ادا کر دے گا تو اپنے شریک سے اس کا حصہ وصول کر سکتا ہے اور اصلی قرض دار سے بھی جب دوسرا شریک اور اصل ادا کریں تو وہ اس کی طرف لوٹ نہیں سکتے اس لیے کہ اس صورت میں وہ شریک بھی اصیل ٹھہر جاتا ہے تو اس کی طرف لوٹنا اسی کی طرف لوٹنا ہے ثبوت کی صورت ہی سقوط کی صورت ہو جاتی ہے تو رجوع کے کوئی معنی نہ رہے۔

مثال ۸۵ : مظلوم کو حق ہے کہ ظالم کو برا کہے اس پر بد دُعا کرے اسکی آبروریزی کرے اگر وہ خود نہ کرے تو کسی سے ایسا کرائے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے ظلم سے باز آئے۔ مثلاً میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر

ہائے وائے رونا دھونا شروع کر دے اپنا اسباب گھر سے نکال کر بیٹھ جائے جانور کا بوجھ گرا کر راستے میں مصیبت ناک صورت بنا کر بیٹھ جائے اب جو گزریں ان سے ظالم کے ظلم کا بیان کرے جس سے وہ اسے بُرا کہنے لگیں اس پر بد دُعا کرنے لگیں ایک شخص نے اپنے پڑوسی کو ایذا دی تھی تو آنحضرت نے اسے یہی ترکیب بتلائی تھی۔ سنن اور مسند میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس اپنے پڑوسی کی شکایت لایا آپؐ آپ نے فرمایا جاؤ صبر کرو وہ پھر دوبارہ اس کی شکایت لایا آپؐ نے پھر یہی فرمایا۔ غرض دو تین مرتبہ کے بعد آپؐ نے فرمایا جا اپنا اسباب مکان میں سے نکال کر راستے میں ڈال دے اس نے ایسا ہی کیا لوگوں نے سبب پوچھا اس نے پڑوسی کا ظلم بیان کیا۔ اب ہر ایک آنے جانے والا اسے گالیاں دینے لگا بُرا کہنے لگا یہاں تک کہ وہ تنگ آگیا اس کے پاس آیا منت سماجت سے کہنے لگا آپ سامان اندر لے جایئے اور آرام سے رہیے واللہ اب کبھی نہ ستاؤں گا۔ (ابوداؤد)

مثال ۸۶ : مناقب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے کہ ایک شخص رات کے وقت آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت صبح صادق سے پہلے میرا علاج کیجئے ورنہ میری بیوی میرے ہاتھ سے نکل جائے گی' آپ نے فرمایا تفصیلی بات بیان کرو تو اس نے کہا آج میری بیوی نے مجھ سے بولنا چھوڑ دیا میں بھی قسم کھا بیٹھا کہ اگر صبح صادق ہو جانے تک تو نے مجھ سے کلام نہ کیا تو تجھ پر تین طلاقیں ہیں اب میں اس وقت تک ہزاروں جتن کر چکا لیکن وہ کسی طرح بھی بولتی نہیں آپ نے فرمایا جا مؤذن سے ساز باز کر لے اسے کہہ دے کہ آج صبح صادق سے پہلے ہی وہ اذان کہہ دے یہ بات اس سے طے کر کے تو گھر جا اور پھر اسے سمجھا کہ تجھ سے بات کر لے اس نے یہی کیا لیکن عورت نے اس سے بات نہ کی ادھر مؤذن نے اذان کہی ادھر وہ بول پڑی کہ لو صبح صادق ہو گئی اور میں نے تم سے نجات حاصل کر لی خاوند نے کہا بس بیٹھی رہو ابھی صبح صادق نہیں ہوئی اور تم نے مجھ سے کلام کر لیا اس لیے تم میری بیوی کی بیوی رہیں اور میری قسم پوری ہو گئی۔ واہ کیا اچھا حیلہ ہے۔

مثال ۸۷ : امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی ایک عورت پر عاشق تھا اس کے ولی نکاح پر تو رضامند تھے لیکن مہر اس کی طاقت سے زیادہ مانگتے تھے آپ نے اس کو فرمایا کہ اسی مہر پر نکاح کر لے چنانچہ نکاح ہو گیا۔ اب انہوں نے کہا کہ مہر اب ادا کر دو امام صاحب نے فرمایا جاؤ کچھ حیلہ کر کے کسی سے قرض لے کر ادا کر دو اس نے یہی کیا عورت کو رخصت کرا لیا اس سے مل لیا پھر آیا اور کہنے لگا اب قرض داروں کو ان کا قرضہ کہاں سے دوں؟ آپ نے فرمایا جاؤ اپنی بیوی سے کہو کہ میں لمبا اور دور دراز کا سفر کرنا چاہتا ہوں اور تم کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں اب تو عورت سٹ پٹائی اس کے والی وارث بھی گھبرائے اور سیدھے امام صاحب کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا خاوند کو عورت پر یہ حق ہے تم اسے کسی طرح روک نہیں سکتے اسے قرض ادا کرنا ہے اس کے لیے سفر ضروری ہے۔ انہوں نے کہا جناب ہم اس تمام رقم کو واپس کرتے ہیں جو ہم نے اس سے لی ہے آپ نے فرمایا جاؤ اسے راضی کر لو جب یہ گئے اور اس سے یہ ذکر کیا تو وہ اور تن گیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اس رقم سے زیادہ مجھے دو تو خیر ورنہ میں نے اونٹ کرائے پر کر لیے ہیں سامان بندھا رکھا ہے میں کوچ کرتا ہوں۔ امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے اسے بلوایا اور کہا بس خیریت اسی میں ہے کہ اسی کو منظور کر لو زیادہ نہ پھیلو ورنہ پھر میں تمہارے سسرال والوں کو ایک حیلہ بتلا دیتا ہوں جس کے بعد تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے وہ یہ کہ تمہاری عورت اقرار کر لے گی کہ فلاں کا اتنا قرضہ میرے ذمے ہے تو اب جب تک وہ اس قرض کو ادا نہ کر دے تم اسے یہاں سے باہر نہیں لے جا سکتے۔ اس نے کہا بس امام صاحب اللہ کے لیے انہیں یہ خبر نہ پہنچانا میں اسی رقم پر مصالحت کر لیتا

ہوں چنانچہ قصہ ختم ہو گیا۔

مثال ۸۸ : قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے دوسرے پر ایک ہزار درہم ہیں دونوں نے سو درہم پر صلح کر لی اور ماہانہ قسطیں مقرر ہو گئیں اور یہ بھی طے ہو گیا کہ اگر کسی ماہ کی قسط ناغہ ہو جائے تو دو سو دے گا یہ جائز ہے لیکن اور لوگ اسے باطل کہتے ہیں ہزار سے سو پر صلح کی وجہ تو یہ ہے کہ نو سو کا استفادہ عقد صلح سے نہیں وہ عقد قرض سے ہے جو اس سے بہت پہلے کا ہے تو وہ معاوضہ کی وجہ سے لیا ہوا نہیں بعض حق سے سبکدوش کرنے کے طریق پر ہے یہ اس کے برخلاف ہے کہ کسی کے دوسرے پر ایک ہزار مدت پر ہوں اور وہ صلح کر لیں نو سو نقد پر یہ جائز نہیں اس لیے کہ یہ نو سو کا حصول اسے عقد صلح سے ہوا ہے اس وقت وہ ان کا مالک نہ تھا یہ تو مدت کے ختم ہونے پر ان کا مالک بنتا شرط مذکور پر جواز کی وجہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے نے بات کے فسخ کو معلق رکھا ہے شرط پر اور یہ بالکل درست ہے گو تعلیق براۃ شرط کے ساتھ نادرست ہے۔ دیکھو اگر یہ کہتا کہ میں تیرے ہاتھ یہ کپڑا بیچتا ہوں اس شرط پر کہ اس کی قیمت آج ہی دے دے اگر نہ دے تو ہمارے درمیان کوئی بیع نہیں پھر اگر اس نے قیمت نہیں پہنچائی تو بیع فسخ ہے۔ یہی حال یہاں ہے اسے ناجائز کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ تعلیق برائتِ مال بالشرط ہے جو جائز نہیں پس سب کے مذہب میں اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ آٹھ سو تو بالکل چھوڑ دے اور باقی کے دو سو رکھے صلح سو پر کرے کہ اس طرح ادیگی ہو اگر نہ ہو سکے تو صلح باقی نہیں پھر اصلی رقم دو سو کھڑی ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے اگر ارادہ کرتا کہ غلام سے مکاتبہ ایک ہزار دینار پر کرے کہ وہ دو سال میں ادا کر دے نہ کر سکے تو ایک ہزار اور اس پر آئیں گے یہ کتابت نادرست ہے اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دو ہزار پر مکاتبہ کر لے پھر مصالحت ایک ہزار پر دو سال کی مدت میں کر لے اگر اس نے ادا نہ کیا تو صلح نہ رہی یہ صورت جائز ہو جائے گی اگر مالک نے غلام کو دو سال کی مدت تک دو ہزار میں مکاتبہ کیا ہے اور غلام ایک ہزار پہلے ہی یکمشت ادا کر کے آزادی چاہتا ہے تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے اور لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں۔

مثال ۸۹ : قاضی کہتے ہیں ایک نے دوسرے سے ہزار درہم پر کوئی مکان خریدا پھر شفیع نے دعویٰ کیا خریدار نے اس سے صلح کر لی کہ نصف قیمت پر نصف کا مکان اسے دے دے تو جائز ہے کیونکہ اس کا حق ہے چاہے پورا لے چاہے کم لے لیکن گھر کا ایک حصہ قیمت کے ایک حصے پر فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہاں جہالت ہے کیونکہ شفیع اسے معاوضہ پر لیتا ہے اور اس حصے میں جہالت ہے اس لیے صحت عقد نہ ہو گا تو حیلہ یہ ہے کہ گھر شفیع کو سونپ دے اور وہ خریدار کو اس کا حصہ بیچے قیمت ٹھہرا کر' اس میں شفعہ کی تسلیم ہو گئی گھر کی قیمت ہو گئی اور اب یہ سب کچھ جائز ہو گیا۔ پس حیلہ یہ رہا کہ اس مکان کو اس مقرر قیمت پر لے لے بغیر اس کے کہ شفعہ کی تسلیم ہو۔ یہ اپنے لیے کوئی گھر پسند کر لے اب خریدار شفیع سے کہے کہ میں نے یہ مکان تیرے لیے اتنے اتنے پر خرید کیا ہے شفیع اس پر رضامند ہو جائے تو اس میں تسلیم شفعہ کا قصہ جاتا رہے گا۔

مثال ۹۰ : ایک دوسرے کو اپنی زمین دے کہ اس میں فلاں فلاں قسم کے درخت لگاؤ ہمارا تمہارا آدھوں آدھ حصہ تو یہ جائز ہے جیسے مال تجارت دوسرے کو فروخت کے لیے آدھے حصے پر دینا' زمین زراعت کے لیے اسی طرح دینا' درخت حفاظت کے لیے اسی طرح دینا اونٹ گائے بکریاں اسی طرح دینا' زیتون تیل نکالنے کے لیے اسی شرط پر دینا' جانور کرائے پر چلانے کے لیے اسی طرح دینا' گھوڑا جہاد کے لیے اسی طرح نصف غنیمت پر دینا وغیرہ یہ سب شرکتیں درست ہیں:

نص و قیاس اتفاق صحابہ مصلحت نسل انسان سب کی دلالت اس پر ہے اس کی حرمت کسی سے ثابت نہیں نہ اس میں کوئی حرج و فساد ہے۔ بعض حضرات اسے ناجائز کہتے ہیں اور اسے اجارہ میں سے سمجھتے ہیں اور عوض کو مجہول جان کر اسے روکتے ہیں پھر ان میں سے بعض باغات کے پانی پلانے کو اور ایسی ہی کھیتی کرنے کو جائز مانتے ہیں کہ اس میں صریح فرمان وارد ہو چکا ہے اور شرکت کی تجارت کو بھی بوجہ اجماع کے جائز مانتے ہیں اور ان میں سے بعض صرف تجارت کی شرکت کو ہی جائز لکھتے ہیں بعض کھیتی اور باغ کی بعض قسموں کی شرکت کو ہی جائز رکھتے ہیں بعض ہر اس شرکت کو ممنوع مانتے ہیں جبکہ بعض اصل عامل کی طرف لوٹتی ہو جیسے آٹا پیسنے والے کی حالت ہے اور جہاں فائدہ لوٹتا ہو اور اصل باقی رہتی ہو وہاں جائز جانتے ہیں جیسے دودھ کا تھن اور حیوان کی نسل لیکن درست مسئلہ یہی ہے کہ سب حالتوں میں جائز ہے اصول شریعت کا مقتضیٰ یہی ہے مشارکہ کے معنی یہی ہیں کہ کام کرنے والا اور مالک اصل شریک ہوں اس کا حصہ اس کے مال کی وجہ اس کا حصہ اس کے کام کی وجہ سے جو فائدہ ہو اس میں ان کا آدھا آدھا یا جو ٹھہر گیا ہو ہمارے ہاں تو یہ اجارہ سے بھی جواز میں اولیٰ ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا قول یہی ہے اس لیے کہ اُجرت پر کوئی چیز دینے میں کبھی تو اُجرت پر لینے والے کا مقصود حاصل ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا اور دونوں صورتوں میں اسے اُجرت مقررہ دینی پڑتی ہے بخلاف شرکت کے کہ فائدہ حاصل ہے تو دونوں کا نقصان ہے تو دونوں کا یہ تو سراسر عدل ہے پس عقلاً ناممکن ہے کہ اجارہ تو جائز ہو اور شرکت ناجائز ہو۔ آنحضرت ﷺ نے مضاربت و شرکت کو اسی حال پر رکھا جس پر اسلام سے پہلے وہ تھی آپؐ کے اصحاب نے شرکت پر کام کیے آپؐ کی حیات میں بھی اور آپؐ کے انتقال کے بعد بھی اسی پر اُمت کا اجماع رہا۔ آپؐ نے خیبر کی اپنی زمین کو وہاں کے یہودیوں کو دیا کہ وہ اپنے مال سے اور اپنی محنت سے اسے آباد کریں اور جو پھل اور دانے ہوں ان میں سے آدھوں آدھ آپؐ کو دیں اور آدھا خود لیں۔

یہ واقعہ اس طرح صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ گویا ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے پھر اسے نہ تو کسی حدیث و آیت نے منسوخ کیا نہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ نہ آپؐ کے بعد خلفاء راشدین اور اصحابِ مہتدین نے اس کے خلاف کیا بلکہ وہ بھی اسی پر عامل رہے خود جہاد وغیرہ میں مشغول رہتے تھے اور اپنے باغ اور کھیت اسی طرح حصے پر دوسروں کو دے دیا کرتے تھے۔ ان ہزارہا صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ اس نے منع کیا ہو اور جس چیز سے حدیث میں منع ہے وہ تو چیز ہی ایسی ہے کہ بقول حضرت لیث بن سعد اگر کوئی حلال حرام کو دیکھنے والا اسے دیکھے تو قطعاً حرام ہی کہے۔ لیکن تاہم اگر کوئی ان فقہاء کے ہاتھ پڑ جائے جو مقلد ہیں صرف اتنا کہنا ہی جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں یوں ہے' ہمارے امام نے یہ کہا ہے' ہمارے مذہب کی کتب فقہ میں یوں ہے تو ان کے اس ظلم سے نجات پانے کے لیے وہ یہ حیلہ کرلے جو نسا کر سکے اس کے لیے جائز ہے کیونکہ مقصود اس کا مباح فعل کا کرنا ہے نہ کہ حرام فعل کا کرنا۔ ایسے حیلے پہلے بیان بھی ہو چکے ہیں مثلاً زمین اسے کرائے پر دے دے کہ اتنی اتنی مدت تک جو چاہو اس میں بوؤ اس کے بعد اتفاق کرلیں کہ اتنا تیرا اتنا میرا سارا باغ یا کھیت آپس میں مشترک کرلیں ہر ایک اقرار کرلے اس میں جو کچھ ہے ان کے درمیان نصفا نصف ہے گائے بکریوں میں بھی ان کے دودھ اور ان کے بچوں میں بھی اسی طرح کرلے کہ دوسرے کو اُجرت پر رکھ لے کہ اتنے اتنے سال کی اُجرت میں نصف یا ثلث اس کا اور اقرار کرلے کہ یہ ریوڑ ان دونوں میں آدھوں آدھ ہے پھر اپنی اپنی ملکیت کے مطابق تقسیم کرلیں اگر خوف ہو کہ کہیں یہ آدھے مال کا سچ مچ مالک نہ بن بیٹھے تو اس آدھے کو اس کے ہاتھ مقررہ قیمت پر بیچ ڈالے قیمت اس کے ذمے اُدھار رہے پھر اسے بطور رہن کے رکھ لے اگر وہ دعویٰ کرے تو یہ قیمت کا دعویٰ کردے اگر وہ کہے کہ اس وقت

نہیں تو وہ رہن پر قبضہ کر لے' چکی کی پسائی کا حیلہ یہ ہے کہ اناج یا زیتون کے کسی جزء کا چوتھائی یا ثلث یا نصف کا اسے مالک کر دے اب شرکت ہو گئی پھر پسوا لے یا تیل نکلوا لے اور تقسیم کرا لے۔ اگر اس کی ملکیت کا خطرہ ہو تو اس کے ہاتھ اُدھار بیچ دے شرکت ہو جائے گی پھر اپنا حصہ لے لے اور شرکت سے بری کر دے اگر اسے خوف ہو کہ مزدوری نہ مانگ بیٹھے تو اصل کی شرکت پر گواہ بنا لے اب جو عمل ہو گا شراکت میں ہو گا اسی طرح ایسی چیزوں میں جائز حیلے کر کے ان فقہاء کو ہکا بکا رکھ کر شریعت کے جواز سے فائدہ حاصل کر لے۔

مثال ۹۱ : تیر اندازی میں جبکہ دو شخصوں کے تیر حد کے پار ایک ساتھ ہو جائیں تو صحیح قول یہی ہے کہ دونوں لائق انعام ہیں لیکن امام مالک کا مشہور مذہب اس کے برخلاف ہے اور وہ صحیح نہیں جو کچھ حضرت صدیق اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اس کا مقتضی یہی ہے۔ شیخ بھی اسی کو مختار مانتے ہیں تینوں اماموں کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ہم نے کتاب الفراسیتہ الشرعیہ میں اسے بہ بسط بیان کر دیا ہے اور ان شروط کے بطلان پر پچاس سے زیادہ دلیلیں قائم کی ہیں اور ان کی دلیل جس حدیث سے ہے اس کا ضعف اور عدم دلالت بیان کر دی ہے۔ الغرض جو مقلدین فلاں کتاب میں یوں ہے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ حجت مان کر اس مسئلے کے خلاف ہیں ان سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ دونوں انعام کو کسی ثالث کے سپرد کر دیں اور وہ کہہ دے کہ تم دونوں میں سے جو سبقت کر جائے یہ اس کا ہے اور اگر دونوں برابر رہو تو آدھوں آدھ یہ حیلہ حرام نہیں نہ اس میں حلت حرمت ہے' نہ حرمت حلت ہے' نہ اسقاط حق ہے' نہ گناہ ہے۔

مثال ۹۲ : تین دن سے زیادہ کا اختیار دینا بھی تجارت میں جائز ہے علماء کا صحیح تر قول یہی ہے۔ مذہب احمد و مالک رحمہم اللہ یہی ہے لیکن شافعی اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کے جواز کی حاجت ظاہر ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ تین دن تک ان کا اصلی عیب و حال معلوم نہیں ہو سکتا بہت سے ایسے موقعہ آن پڑتے ہیں کہ تین دن گزر جائیں اور اصلیت نہ کھلے قیاساً بھی اس کا جواز ظاہر ہے جیسے کہ قیمت میں اُدھار تین دن سے زیادہ کے لیے جائز ہے۔ شارع علیہ السلام نے کوئی ایسا فرمان صادر نہیں فرمایا نہ کوئی حد فاصل نہ کوئی انتہاء مدت مقرر کی ہے حبان بن منقذ کے لیے تین دن مقرر کرنا اس لیے تھا کہ انہیں لوگ دھوکہ دے جاتے تھے وہ شرط کریں یا نہ کریں ان کے لیے تین دن کی میعاد شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دی لیکن اس سے زیادہ کے حکم کا اس میں کوئی تعرض بھی نہیں پس اگر مقلدین کا خوف ہو تو اپنا حق حاصل کرنے کے لیے یہ حیلہ کر لے کہ تین دن کا اختیار لے پھر جب وہ پورے ہونے کو ہوں تو فسخ کر دے پھر تین دن کا اختیار لے لے یہاں تک کہ صلاح مشورے کے بعد اطمینان ہو جائے یہ حیلہ بھی مباح ہے کیونکہ حق پر ہے' حلت پر ہے' بخلاف اس حیلے کے جو وقف کے سو سال تک رکھنے کے لیے ہوتا ہے کہ سال سال کا کرتا جائے اور سو سال پورے کر لے آج کے آج ہی۔

مثال ۹۳ : کسی سے رہن رکھ کر اسے قرض دینا چاہتا ہے لیکن ڈر ہے کہ رہن ہلاک ہو جائے تو اس کے برابر اس کی رقم اس مذہب والے حاکم کے ہاں ماری نہ جائے تو چھٹکارے کی صورت یہ ہے کہ رہن کی چیز کو خرید لے قرض کی رقم بطور قیمت کے دے دے اور گواہ رکھ لے کہ اس چیز کو اس نے قبضے میں نہیں کی اب اگر اطمینان ہو تو اسی کے پاس رہنے دے اگر چیز تلف ہوئی تو اس کی گئی اگر باقی رہی تو لے سکتا ہے اگر رقم ادا کر دی تو یہ اسے واپس کر دے گا اس سے بھی اچھا حیلہ یہ ہے کہ اس سے وہ چیز بطور امانت کے لے لے پھر اسے قرض دے بظاہر امانت ہو بہ باطن رہن ہو اگر

تلف ہو جائے تو اس کا حق مارا نہ جائے گا لیکن اگر راہن کو خوف ہو کہ یہ اسے واپس نہ کرے تو یہ اس سے اختیار لے لے اس مدت تک کہ اسے امید ہے کہ اتنے دنوں میں یہ قرض سے سبکدوش ہو جائے گا اگر مرتہن کو خوف ہے کہ وہ رہن کا مستحق نہ ہو جائے تو چھٹکارے کی صورت یہ ہے کہ کسی کو ضامن بنا لے یا کسی کو گواہ رکھ لے کہ یہ دعویٰ نہ کرے گا اگر کرے تو باطل ہے۔

مثال ۹۴ : بعض درختوں میں پھل پختہ ہو گیا تو اب سارے باغ کو بیچنا جائز ہو گیا ہمارے شیخ اور لیث بن سعد کا مذہب یہی ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں گو ان کے بھی بعض مشائخ پھلوں میں اسے جائز مانتے ہیں۔ محمد بن حسن بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ سرخسی منع کو زیادہ صحیح مانتے ہیں تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اصل درخت خرید لے۔ اگر یہ نہ ہو سکتا ہو تو موجود پھلوں کو تمام کی قیمت پر خرید لے اور بعد میں جو ہوں ان کے مباح ہونے پر گواہ مقرر کر لے ہبہ نہ کرائے کیونکہ معدوم کا ہبہ درست نہیں اگر محنت کے بدلے ہزارویں جزء پر شرکت کرے تو ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح ہے تو حیلہ یہ ہے کہ موجودہ پھل بیچ دے اور گواہ رکھ لے اور جو ہو گا وہ خریدار کے لیے ہو گا بائع کا اس میں کوئی حق نہیں اور حیلہ یہ ہے کہ اتارنے کی شرط پر خرید لے یا مطلق چھوڑے اور اتارنا موجب عقد رکھے پھر دونوں کمال کے وقت تک کے لیے متفق ہو جائیں۔

مثال ۹۵ : کسی کو دلیل بنایا ایک سودے کے خریدنے کا اور وہ سودا اسی وکیل کے پاس ہے اس کا کم داموں کا خرید ہے اس کا جی نہیں چاہتا کہ انہی داموں پر دے دے تو یہ کسی اور کے ہاتھ اسی دام پر بیچ کر پھر اس سے زیادہ داموں پر اپنے موکل کے لیے خرید کرے لیکن یہ سد ذریعہ کے خلاف ہے اگر اس کا علم موکل کو ہے اور وہ اس سے راضی بھی ہے تو خیر ورنہ جائز نہ ہو گا۔

مثال ۹۶ : کسی سے اس کا مکان خریدا اور ڈر ہے کہ کہیں اس کے ساتھ وہ دھوکہ نہ کرے کہہ دے کہ میں اسے اپنے لڑکے کے نام کر چکا ہوں کچھ مدت اس کے قبضے میں رہنے دے پھر یہ جھوٹا دعویٰ کر دے اور اتنی مدت کے کرائے کی رقم کے بدلے اس کی قیمت ہضم کر جائے۔ جیسے کہ دھوکے باز مکار لوگ کیا کرتے ہیں تو اس کے بچاؤ کے لیے یہ کر لے کہ ضمانت لے لے اس بات کو کہلوا کر گواہ کر لے کہ اگر یہ یا اس کا وکیل کوئی دعویٰ کرے یا کوئی ثبوت پیش کرے تو وہ غلط مانا جائے گا جس کی طرف سے دعوے کا خوف ہو اس کی طرف سے ضمانت لے لے قیمت کی رقم اصل سے بڑھا کر مقرر کر لے مثلاً ایک ہزار کے بدلے دس ہزار ظاہر کرے پھر ان دس ہزار کے بدلے کوئی چیز اس کے ہاتھ دس ہزار کی بیچ کر اسے ایک ہزار دے کر خرید لے اور قیمت دس ہزار پر گواہ بنا لے اب اگر وہ مستحق ہو گا تو دس ہزار کا یہ بھی مستحق ہو گا یہ مقابلہ فاسد کا فاسد ہے اور مکر کا مکر سے ہے یہ کبھی اچھا ہوتا ہے اور کبھی حکم دیا ہوا ہوتا ہے کم سے کم اس کے جواز میں تو کلام نہیں۔

مثال ۹۷ : غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک سے خرید لیا اور بڑی رقم ادا بھی کر دی پھر اس کے مالک نے اس بیع کا انکار کر دیا یہ غلام اپنے مالک کا مال بیچتا ہے جو اس کے قبضے میں ہے تو اسے حق ہے کہ اس بات پر پوشیدہ گواہ رکھ لے کہ یہ فلاں اجنبی کا ہے اب اگر اس کا مالک اس کے ساتھ غداری کرے تو یہ بھی غداری کر لے ورنہ وہ بیع کو تسلیم کرے یہ اس کا مال واپس کر دے مسئلہ ظفر کے منکرین کے نزدیک یہ حیلہ بے سود ہے۔ مالک نے اگر ظلم کیا تو اسے ظلم جائز نہیں۔

ہاں اتنا فائدہ اگر حاصل کرے کہ یہ صورت ظاہر کر کے اسے دھمکا کر اپنا حق وصول کر لے تو کوئی حرج نہیں جیسے کوئی شخص اپنے باپ کو قتل سے بچانے کے لیے کسی کالڑکا پکڑ لے کہ تو اسے مارے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا لیکن بالفرض اگر وہ اس کے باپ کو مار ہی ڈالے تو اسے اس بچے کا قتل جائز نہیں اسی طرح اگر مالک کو خوف ہے کہ غلام اس کے مال کا اقراری نہ ہو گا اور کسی اور کے لیے اقراری ہو جائے گا تو مالک اس غلام کو کسی اجنبی کے ہاتھ پوشیدہ طور پر فروخت کر دے اس پر گواہ بنا لے پھر غلام کو اپنے نفس سے بیع کر لے جب مال قبضے میں کر لے پھر غلام اگر اقرار کرے کہ یہ مال کسی اور کا ہے تو یہ ظاہر کر دے کہ اس کی بیع اپنے نفس کے لیے باطل تھی اور فلاں اجنبی نے اسے خریدا ہے جب غلام کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کی آزادی باطل ہو رہی ہے اور اس کا مقصود فوت ہوتا ہے تو یہ اپنی نالائقی سے باز آجائے گا۔ اسی حیلے کی نظیر یہ بھی ہے کہ کوئی ظالم اس کا گھر خریداری وغیرہ سے لے لینا چاہتا ہے تو یہ اس کا مالک کسی اطمینان کے آدمی کو کر دے اس پر گواہ ٹھہرا لے کہ یہ میری ملکیت سے نکل گیا پھر ظاہر کر دے کہ وہ فقیروں مسکینوں پر وقف ہے لیکن اگر وہاں ایسا حاکم ہے جو انسان کا اپنے نفس پر وقف کرنا اور اپنی زندگی تک اس کا نفع خود لینا جائز جانتا ہے تو اس حیلے کی ضرورت ہی نہیں۔

اس باب میں تین قسم کے حیلے ہیں۔ (۱) دوسرے کے ظلم و مکر سے نجات پالینا۔ (۲) یہ ظلم و مکر واقع ہو چکا ہو تو اسے ٹالنا۔ (۳) اسی جیسا مقابلہ کرنا۔ دو پہلی قسمیں تو جائز ہیں تیسری قسم میں تفصیل ہے علی الاطلاق جائز بھی نہیں کہہ سکتے نہ علی الاطلاق منع کر سکتے ہیں بلکہ اگر اس کے ساتھ حیلہ کرنا حق اللہ کی وجہ سے حرام ہے تو مثلیت سے مقابلہ جائز نہیں مثلاً اسے کسی نے شراب پلا دی یا کسی نے اس کی کسی سے برائی کی تو یہ اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں نے اس میں بڑی وسعت کی ہے اور بعض نے بڑی تنگی کی ہے یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس نے اس کا حق مار لیا اور اس کی کوئی امانت اس کے پاس ہے یا کوئی قرض اس کا اس کے ذمے ہے تو اس میں سے وصول نہیں کر سکتا۔ تیسری جماعت درمیانی جماعت ہے وہ کہتے ہیں اگر سبب حق ظاہر ہو مثلاً زوجیت ابوۃ نبوۃ ما لکیت تو اپنے حق کے برابر لے سکتا ہے اگر ظاہر ہو مثلاً قرض سودے کی قیمت وغیرہ تو جب تک اسے اطلاع نہ کرے لینا جائز نہیں۔ یہی قول زیادہ عدل والا اور دلالت حدیث والا ہے لیکن اگر اس نے اسے بہتان لگایا ہے' اس پر جھوٹ باندھا ہے' اس پر جھوٹی گواہی دی ہے تو اسے بھی اس پر یہی کام کرنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر بد دعا کی ہے' لعنت کی ہے تو بدلہ لے سکتا ہے گو اکثر لوگوں نے اس میں بھی منع کیا ہے اسی طرح اگر اس میں حد سے گزر جانے کا احتمال ہو تو بھی منع ہے مثلاً اس نے اس کا گھر جلا دیا ہے تو یہ نہیں جلا سکتا اگر زیادتی کا احتمال نہ ہو' مثلاً اس نے اس کا درخت کاٹ دیا ہے' برتن توڑ دیا ہے' پرندہ اڑا دیا ہے' پانی لنڈھا دیا ہے اور یہ اس کا بالکل برابر بدلہ لے سکتا ہے تو یہ مسئلہ اجتہادی ہے' کتاب و سنت اجماع و قیاس میں اس کی ممانعت نہیں آئی بلکہ مذکورہ دلیلیں اس کے جواز کی مقتضی ہیں جیسے کہ شروع کتاب میں بیان گزر چکا ہے ہمارے شیخ رحمہ اللہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثال ۹۸ :

ضمانت اور کفالت لازمی چیزیں ہیں ضامن و کفیل جب چاہے چھوٹ نہیں سکتا خصوصاً ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ کفالت مالی ضمانت کو واجب کر دیتی ہے جبکہ اسے یہ پیش نہ کرے امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے اس سے چھٹکارے کی چھ صورتیں ہیں۔ (۱) کسی مدت کو مقرر کر لے' (۲) کسی جگہ کو مقرر کر لے' (۳) کسی شرط پر معلق کر لے' (۴) یہ شرط کر لے کہ اس سے مطالبہ اسی وقت ہو گا جب اصیل سے مطالبہ کا امکان ہی نہ رہے' مالک سے مشہور روایت اس کے جواز کی ہے بلکہ شرط نہ ہو تو بھی ان کے نزدیک اصل حکم یہی ہے بلکہ اس کے خلاف شرط ہو تو وہ

بھی لغو ہے۔ (۵) کہہ دے کہ میں اس کی حاضری کا کفیل ہوں رقم کا نہیں' (٦) اس سے مطالبہ کرے کہ ادا کر دے تاکہ یہ بری ہو جائے جبکہ یہ اس کی اجازت سے ضامن پڑا ہے مذہب مالک یہی ہے اگر بے اجازت ضامن پڑا ہے تو اسے مطالبہ کا حق نہیں ہاں اگر یہ ادا کر دے تو اب اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

مثال ۹۹ : کسی کے دو مکان ہیں یہ ان میں سے ایک بیچتا ہے اس شرط پر کہ اگر کسی اور کا حق اس میں نکلے تو اسی قیمت پر وہ دوسرا لے لے تو یہ جائز ہے تعلیق بیع یا شرط کے منع ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کھلے لفظوں میں لونڈی کی فروخت اس شرط پر کہ اگر وہ اسے بیچے تو قیمت کا حقدار یہی ہے جائز رکھی ہے خود آپ نے جوتی رہن رکھی اور شرط کی کہ اگر اتنی اتنی مدت میں لے جائیں تو خیر ورنہ وہ رہن رکھنے والے کی۔ شرط کے ساتھ نکاح کو بھی آپ نے جائز رکھا ہے تو بیع بطور اولیٰ جائز ہوئی۔ متولی ہونے کو بھی شرط کے ساتھ جائز مانا ہے جیسے کہ صاحب شرع کی نص ہے اس کی تقریر پہلے گزر چکی ہے لیکن بہت سے فقہاء اسے جائز نہیں مانتے تو ان کے فتوے کی زد سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ خریدار وہی مکان خریدے جسے وہ بیچنا نہیں چاہتا قبضہ لے کر پھر اس کے بدلے وہ مکان خریدے جسے وہ بیچنا چاہتا ہے اسے اس کو سونپ دے وہ خود لے لے اگر اس کا کوئی حقدار نکل آیا تو اس کی قیمت کہیں نہیں جائے گی وہ دوسرے مکان سے قیمت وصول کر لے گا۔ اس میں نہ تو کسی کا حق دینا ہے نہ باطل کرنا ہے یہی حکم اور صورتوں میں بھی ہے۔

مثال ۱۰۰ : ایک انجان شخص کوئی لونڈی یا کوئی سودا فروخت کر رہا ہے ممکن ہے لونڈی کسی اور کی ہو ممکن ہے سودا عیب دار ہو اب اسے کہاں ڈھونڈے گا وہ کہتا ہے میں کسی کو اپنا وکیل بنا دیتا ہوں جسے تم جانو پہچانو لیکن خوف ہے کہ وہ پھر کوئی حیلہ کرے اسے وکالت سے ہٹا دے تو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ وکیل کو ہی متولی بنا لے وہ ضامن پڑ جائے تو اب ہر وقت خریدار اس سے اپنا نقصان وصول کر سکتا ہے۔

مثال ۱۰۱ : ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ یہ گھر خرید لے یا یہ سودا فلاں سے اتنے میں خرید لے پھر میں اتنا اتنا نفع دے کر تجھ سے خرید لوں گا اب اسے ڈر ہے کہ کہیں یہ نہ خریدے اور وہ واپس بھی نہ کرے تو یہ خواہ مخواہ کا گلے کا ہار بن جائے گا تو حیلہ یہ ہے کہ تین دن کا اختیار لے کر خرید لے' یا زیادہ مدت کا اب اگر دوسرے نے خرید لیا تو یہ نفع میں رہا ورنہ واپس کر سکتا ہے اگر وہ بھی مدت اختیار طلب کرے تو جتنی مدت اس نے لی ہے اس سے کم اس کو دے۔

مثال ۱۰۲ : لونڈی یا اور کوئی سودا خریدا' عیب دار پایا اب لوٹانے میں ڈر ہے کہ وہ نہ کہہ دے کہ ابھی تو تو نے قیمت بھی نہیں دی یا بیع کا ہی انکار کر جائے تو حیلہ یہ ہے کہ لونڈی یا سودا واپس کر دے پھر حاکم کے ہاں اس کی قیمت کا دعویٰ کر دے کوئی وجہ مقرر نہ کرے اگر بائع نے اقرار کر لیا تو کام بن گیا ورنہ اگر انکار کیا تو قیمت تو نہ لازم آئے گی۔ اب یا تو دلیل و گواہ پیش کر دے یا قسم کھا لے۔

مثال ۱۰۳ : کسی کے پاس اس کا مال ہے جو ابھی وہ ادا کر لے لیکن وہ کہتا ہے کہ کچھ لے لو کچھ چھوڑ دو تو تو دے دوں اس کے پاس اصل معاملہ کے گواہ نہیں ہیں چاہتا ہے کہ کل مال وصول کر لے تو حیلہ یہ ہے کہ کسی سے آپس میں طے کر کے اس سے اپنے اوپر دعویٰ اسی مال کا کرا دے اور حاکم کے پاس کہہ دے کہ اس کا یہ مال میں نے فلاں کو دے رکھا ہے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ ابو عبداللہ بن احمد کا قول ہے کہ گو احتمال صحت ہے لیکن بطلان زیادہ ظاہر ہے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ جب قرض کو دوسرے کی طرف مضاف کرے پھر کہے کہ یہ فلاں کے لیے ہے تو یہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسے

کہ میری کل ملکیت عمرو کی ہے یا کہے کہ میرا یہ گھر عمرو کا ہے تو یہ صحیح نہیں بوجہ تناقض کے ہاں بطور ہبہ کے صحیح ہے لیکن جبکہ کہے کہ میرا یہ قرض جو زید پر ہے عمرو کے لیے ہے تو ایک قول میں یہ صحیح ہے جیسے کہے کہ میرا یہ گھر اس کا ہے یا میرا یہ کپڑا اس کا ہے تو جس کے لیے اس نے اقرار کیا ہے اس کا ہو جائے گا مثلاً کسی مکان میں یہ کرایے پر رہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مکان فلاں کا ہے یا شریک کہتا ہے کہ یہ قرض فلاں کا ہے یعنی وہ اسے وصول کر لے' صاحب مال ذمہ دار کے پاس جائے اور صلح کر لے نقد کسی رقم پر یا اُدھار پر اب یہ آئے اور اپنا دعویٰ کرے تو اس کی رقم صحیح ہو جائے گی اور وہ صلح جو اس دوسرے نے کی ہے باطل ہو جائے گی۔ یہی حال ایداع شہادت کے حیلے کا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں تو تیری رقم کا اقرار اس وقت تک نہ کروں گا جب تک کہ تو مجھے آدھی یا ثلث رقم سے بری نہ کر دے اور اس پر گواہ نہ رکھ لوں تو یہ جائے دو شخصوں کو کہے کہ میں تمہیں اپنی رقم پر جو فلاں کے ذمے ہے شاہد کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تھوڑے حق سے بھی دست برداری نہیں کرتا ہاں اس کے سامنے بعض حق پر مصالحت ظاہر کروں گا تاکہ کچھ تو مل جائے تو میں کہوں گا کہ اس کے سوا اس پر میرا کوئی حق نہیں اس پر تمہیں گواہ رکھنا یہ باطل گواہی ہے اسے کہتے ہیں مسئلہ ایداع شہادت تو اب اس کا حق باقی رہے گا۔ یہ مذہب مالک رحمۃ اللہ علیہ ہے' مذہب احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس پر بھی یہ جاری ہے ان کے نزدیک اپنا حق دوسرے سے ہر طریق سے وصول کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ مظلوم ہے اپنے حق کو لیتا ہے نہ کہ کسی اور کے حق کو لیتا ہے اسی جیسا یہ مسئلہ بھی ہے کہ کسی عورت کا کسی مرد پر کوئی حق ہے یہ کہتا ہے کہ تو میری زوجیت کا اقرار کر تو میں اس رقم کا اقرار کروں گا ورنہ مجھے انکار ہے تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ یہ اپنے اس اقرار پر کہ وہ اس کی بیوی نہیں گواہ کر لے پھر کہے کہ میں غلط طور پر اس کا اقرار کروں گی صرف اس لیے کہ اپنا حق اس سے نکلواؤں تم گواہ رہنا کہ میرا یہ اقرار باطل ہے اسی طرح ایک بھائی دوسرے بھائی سے کہتا ہے کہ میں تیرے بھائی ہونے کا اقرار اس وقت کروں گا جب تو گواہ رکھ دے کہ تیرا کوئی حق باپ کے ترکہ میں نہیں تو وہ بھی یہی حیلہ کر لے ایسے شخص کو سلف مضطهد کہتے تھے۔

طلاق کی قسم سے طلاق نہیں پڑتی :

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور سفر کا ارادہ کیا عورت والوں نے اسے روکا تو اس نے اپنی بیوی کو مطلقہ کیا اگر وہ اس کا خرچ مہینے کے ختم ہونے تک نہ بھیجے پھر مہینہ ہو گیا اور اس نے خرچ نہ بھیجا جب وہ آ گیا تو امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا' آپ نے فرمایا تم نے اسے بے بس کر دیا یہاں تک کہ وہ طلاق پر اتر آیا چنانچہ آپ نے اسے لوٹا دیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں مارپیٹ یا مال کے چھین لینے کی زبردستی اور اکراہ نہ تھا واجب خرچ کی طلب تھی لیکن اسے مجبور کر دیا تھا پس اس نے بے اختیاری کی حالت میں قسم کھالی۔ اکراہ والے میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ وہ اس نقصان کو ہٹانا چاہتا ہے اور یہ اپنے حق تک پہنچنا چاہتا ہے رضامندی دونوں کی نہیں پس غرض و مقصد کے لحاظ سے حکماً دونوں یکساں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق کی قسم طلاق واقع کرنے والی نہیں ہوتی جب کہ اس کے خلاف کرے۔ شریح' طاؤس' عکرمہ اور اہل ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابو عبدالرحمٰن شافعی جو شافعیہ میں بڑی ہستی کے شخص ہیں ان کا قول بھی یہی ہے بعض حافظوں نے کہا ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف کوئی صحابی معلوم نہیں' اس مسئلہ کا کلام آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جبکہ اقرار قسم ہبہ مصالحت بغیر رضامندی کے ہو اس نے اپنا کوئی حق مرتا دیکھ کر اسے کہا ہو تو یہ اس سے مشابہ ہے جس پر اکراہ کیا گیا ہو اب ہم کہتے ہیں کہ جسے شریعت کا علم ہے جو متعصب نہیں بلکہ منصف ہے' مقلد نہیں بلکہ محقق ہے' اس پر درستی اور نادرستی

مخفی نہیں رہ سکتی توفیق الٰہی کے ہاتھ ہے۔ یہ ایک بہترین تقریر تھی جسے میں نے وارد کی ہے ہاں ظالم جاہل مقلد سے کوئی امید نہیں وہ تو احسان کو برائی اور ہدایت کو گمراہی سمجھتا ہے آنکھیں جس کی جاتی رہی ہوں اور وہ سورج کو نہ دیکھے تو سورج کا کیا قصور؟ جو چھلکے پر رضامند ہو کر گودا پھینک دے تو میوے کا کیا قصور؟

مثال ۱۰۴ : فقہاء کا اختلاف ہے کہ بائع سودے کی قیمت روک سکتا ہے یا نہیں؟ اور مزدور اپنی اجرت کی بنا پر اصلی چیز کو روک سکتا ہے یا نہیں' اس میں تین قول ہیں ایک تو یہ کہ دونوں روک سکتے ہیں۔ مالک اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور یہی پسندیدہ ہے۔ دوسرا یہ کہ دونوں جگہ روک نہیں سکتا مشہور مذاہب احمد یہی ہے تیسرا یہ کہ مزدوری کی چیز کو تو روک سکتا ہے لیکن سودے کی قیمت کی بنا پر روک نہیں سکتا کیونکہ مزدوری قائم مقام عین چیز کے ہے وہی مقابلہ ہے عوض کا گویا کہ وہ اپنی مزدوری کی وجہ سے عین چیز میں شریک ہو گیا۔ ہے اس کے کام کا اثر اس چیز پر موجود ہے اس لیے جب تک اپنا عوض نہ لے لے نہ دے گا اور سودا خریدار کی ملکیت میں چلا گیا ہے اور قیمت اس کے ذمے عائد ہو گئی ہے' بائع کا تعلق سودے سے نہیں رہا اور ان دونوں کو برابر کرنے والے کہتے ہیں کہ اجرت صاحب مال کے ذمے آگئی اور عین کو رہن کرنے کی شرط نہیں اس لیے وہ مزدور اس اصل چیز کو روک نہیں سکتا اس بنا پر دونوں کے لیے حیلہ یہ ہے کہ عین چیز کے رہن کی شرط کر لے اور سودے میں بھی یہی شرط کر لے بلکہ کسی اور چیز کے رہن کی شرط بھی جائز ہے قبضہ بے قبضہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے تو کھلے لفظوں میں اسے جائز کہا ہے اور یہی درست اور شرعی چیز ہے۔ قاضی اس کے خلاف ہیں کہ خریدار جس چیز کا مالک نہیں اسے رہن کرے گا کیسے؟ کسی غیر کا غلام یہ رہن نہیں رکھ سکتا لیکن ان کی یہ دلیل مردود ہے یہاں رہن بعد از ملکیت ہے گو شرط پہلے ہے یہ ان کی اصل کی بنا پر ہے جو کہتے ہیں کہ بیچنے والے کو سودے کے روکنے کا اپنی قیمت کی وجہ سے حق ہے' مالک و ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے بعض اصحابِ احمد بھی یہی کہتے ہیں یہی درست بھی ہے گو منصوص احمد اس کے خلاف ہے اس لیے کہ عقد بیع تسلم و تسلیم کی برابری چاہتا ہے پس بائع کو قیمت سے پہلے سودے کے سونپنے پر مجبور کرنا اسے ضرر پہنچانا ہے جب وہ بغیر شرط کے سودے کو روک سکتا ہے تو شرط کے بعد تو بطور اولیٰ روک سکتا ہے پس قاضی وغیرہ کا قول نص احمد کے اور قیاس کے خلاف ہے اور یہ صورت جائز ہے اور یہ حیلہ بھی فصول رہن میں' ابنِ عقیل کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے اس لیے کہ شرط رہن ملکیت سے پہلے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اطلاق بیع کا اقتضاء یہ ہے کہ قیمت اور جنس سے ہو اور رہن کا اقتضاء یہ ہے کہ اسی سے حق کی ادائیگی ہو' ہاں اگر سامان ہے تو اس کی قیمت سے پس یہ دونوں چیزیں بالکل متضاد ہیں یہ علت پہلی علت سے قوی ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ تضاد کی اصلیت یہ ہے کہ ایک دوسری کے منافی ہو اسے دفع کرتی ہو جب ایسا نہ ہو تو پھر کیا مضائقہ ہے؟ بائع کا حق قیمت لینا ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ قیمت اسی سے دے یا دوسری چیز سے مثلاً اسی چیز کو بیچ دے اور قیمت ادا کر دے تو نہ کوئی تضاد ہے نہ منافات۔ ان کی پہلی بات کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ قیمت دینا ضروری ہے لیکن خریدار جس طرح چاہے دے سکتا ہے گیہوں کی قیمت اس کے برابر گیہوں سے ہو سکتی ہے جیسے قرض کی ادائیگی۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کچھ قیمت باقی رہی اور بیچنے والے نے چیز روک لی تو یہ غصب ہے۔ رہن نہیں ہاں اگر بیع میں ہی یہ شرط ہو گئی ہو تو حرج نہیں اس کا ظاہر جو ہے وہ معلوم ہی ہے لیکن کہتے ہیں کہ شرط سے مراد وہ رہن ہے جو بیچی ہوئی چیز کے سوا ہو میں کہتا ہوں یہ امام صاحب کے الفاظ کے خلاف ہے ان کا کلام دو حصوں میں ہے اور دونوں سودے کو باقی قیمت کے بدلے

روکنے میں ہی ہیں ورنہ اس کلام کے معنی بنتے ہی نہیں۔ اول آخر میں ربط نہیں رہتا پچھلا کلام پہلے کلام میں داخل نہیں پھر نکالنے کے کیا معنی؟ پس امام صاحب کے قول کا یہ مطلب نہیں بلکہ تحریف ہے امام ابوالبرکات ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کو اس شرط کی صحت میں نصاً وارد کیا ہے پھر فرمایا ہے کہ قاضی اسے صحیح نہیں کہتے یہ کہنا کہ اس شرط سے سودے کی سپردگی میں تاخیر ہوتی ہے یہ بھی کوئی دلیل ممانعت نہیں خصوصاً جبکہ اس میں ایک صحیح غرض اور مصلحت ہے اور دونوں رضامند ہیں پھر اگر سپردگی کی تاخیر آپ کے ہاں ممنوع ہے تو آپ کو چاہیے کہ شرط اختیار کو بھی نہ مانیں۔

اس میں خریدار کو تصرف سے روکنا ہے اُدھار کو بھی نہ مانیں اس میں بائع کو قیمت کے ملنے میں تاخیر ہوتی ہے پھر امام صاحب اور حنبلی مقلد اس شرط کو جائز کہتے ہیں کہ بائع اس سودے سے کچھ مدت تک آپ نفع اٹھانے کی شرط کر لے کیا اس میں سپردگی سودے کی تاخیر نہیں؟ اسی طرح اس کے باطل کرنے کی وجہ عین اجرت کی چیز کو فروخت کرنے کا جواز بھی ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رہن اگر تلف ہو جائے تو مالک کا گیا اس لیے کہ وہ مثل امانت کے ہے اور بیع شدہ چیز قبضے میں لینے سے پہلے اگر تلف ہو جائے تو بیچنے والے کی گئی اب تم بتلاؤ کہ اس بیع کی صورت میں تلف کی ضمانت کس پر ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ سوال پہلے دونوں سوالوں سے قوی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ضامن بیچنے والا ہے وہی اس سے پہلے بھی ضامن تھا جب تک کہ خریدنے والا اپنے قبضے میں نہ کرے قیمت کی بنا پر روکنے سے اس کی ذمہ داری ہٹ نہیں گئی۔ اگر کہا جائے کہ پھر امام صاحب کا جو قول اوپر گزرا اس کی دونوں صورتوں میں کوئی فرق باقی نہ رہا اس کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے اسے غاصب کہا ہے روکنے کی وجہ سے اور امام صاحب کے نزدیک غاصب عین چیز کا یا اس کی قیمت کا یا اس جیسی چیز کا ضامن ہے یہ چیز لے اور اس سے بقیہ قیمت وصول کر لے اس سے پہلے اسی کی ذمہ داری ہے اگر یہیں وہ چیز ضائع ہو گئی تو عقد فسخ ہو گیا یہ قیمت اس سے نہیں مانگ سکتا اور اگر کچھ قیمت لے لی ہے تو واپس کرنی پڑے گی اگر کہا جائے کہ جب اس کی ذمہ داری ہے تو رہن کیسے ہوا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ رہن کی وجہ سے اس کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے ایک چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کی ہے اور چیز دی نہیں۔ اگر کہا جائے کہ پھر تم کیا دیکھتے ہو اگر بیچنے والا سودے کو اپنا پورا حق لینے کے لیے روک رکھے تو؟ مثلاً (۱) اپنا گھر بیچے جس میں اس کا اسباب ہے اور ایک وقت میں اسے اٹھالینا دوبھر ہے۔ (۲) بائع ایک مدت مقرر تک اس سے نفع اٹھانے کی شرط کر لے ان دونوں صورتوں میں اگر چیز اسی کے ہاتھ خراب ہو گئی تو؟ تیسری صورت یہ ہے کہ اختیار کی شرط ہو گئی ہے اور اس سے پہلے سپردگی ممنوع ہے تو کہا جائے گا کہ ان تینوں صورتوں میں ضمانت بائع پر ہے کیونکہ خریدار کا قبضہ نہیں ہوا' لہٰذا وہ الگ ہے اگر پوچھا جائے کہ قیمت کی ضمانت تو اس کی ہے؟ جواب یہ ہے کہ تلف کے بعد بیع فسخ ہو جائے گی اور یہ قیمت کا ذمہ دار نہ رہے گا۔

مثال ۱۰۵ : مریض کے کسی وارث کا اس کے ذمے قرض ہے اگر یہ اقرار کر لیتا ہے تو بھی چونکہ شک کی بات ہے جمہور کے نزدیک یہ اقرار معتبر نہیں تو اس کے چھٹکارے کا حیلہ یہ ہے کہ (۱) اپنے وارثوں سے اقرار کرا لے کہ اتنی رقم اس مال پر فلاں کی ہے۔ (۲) کسی اجنبی کے لیے اقرار کر لے اور وہ اجنبی ان سے وصول کر کے اصل لین دار کو پہنچا دے۔ (۳) اسی رشتے دار سے کوئی سودا لوگوں کے سامنے خریدے اتنی ہی رقم کا جو اس پر ہے رقم ادا نہ کرے اور چیز چپکے سے واپس کر دے۔ (۴) زر قیمت کو اپنے پاس امانتاً رکھ لے۔ (۵) یہ حقدار وارث کوئی چیز لائے اور لوگوں کے سامنے اس

مریض کے ہاتھ اسی قیمت پر بیچے جو اس کا حق ہے پھر اس سے ہبہ مانگے کسی اجنبی کے لیے اور وہ ہبہ کر دے تو اگر یہ حیلے وارث کا اصلی مال نکلوانے اور حق دلوانے کے لیے ہوں تو بلا شبہ ان میں کوئی حرج نہیں ورنہ حرام ہیں۔

مثال ۱۰۶ : قرض کا حوالہ دوسرے کی طرف کر دیا اب ڈر ہے کہ اگر یہ نہ دے سکے گا تو رقم ماری جائے گی اور اصل شخص سے بھی نہ لے سکوں گا تو یہ حیلہ کر لے کہ کہہ دے کہ میں حوالہ تو لیتا نہیں تیری طرف سے اس سے وصول کرنے کا وکیل بنتا ہوں پھر لے کر اگر خرچ کر دے تو یہ وکیل کے ذمے ہوا اور اس کا حق موکل کے ذمے ویسا ہی ہے تو ادلا بدلا ہو گیا' لیکن اگر موکل کو خطرہ ہو کہ یہ چیز ضائع کر کے پھر میری طرف نہ لپکے تو حیلہ یہ ہے کہ اس سے اقرار لے لے کہ جب یہ اصل رقم کو قبضے میں کر لے تو اس کا کوئی مطالبہ موکل کے ذمے نہیں اور اگر دعویٰ کرے تو باطل ہو گا یہ چکوتا کرنا شرط پر معلق نہیں جس کے باطل کرنے تک پہنچا جائے بلکہ یہ اقرار ہے کہ اس حالت میں وہ کسی چیز کا مستحق نہیں رہا۔ (۳) اس سے شرط کر لے کہ اگر اس کے پاس مال نہ رہے تو میں تجھ سے وصول کر لوں گا۔ مذہبی قیاس پر یہ شرط بھی صحیح ہے کیونکہ پہلے سے صورت یہی ہے اب نئی شرط بغیر یہ شرط اپنی جگہ جوں کی توں قائم ہے جیسے کہ نکاح بیوپار وغیرہ کی ایسی صورتوں میں۔ یہ سب شرطیں درست ہیں۔ اصحابِ ابی حنیفہ نے تو کھلے لفظوں میں اسے جائز مانا ہے کہ یہ شرط ٹھہرا لے کہ اگر اتنی اتنی مدت میں اس سے رقم وصول نہ ہوئی تو پھر میں تجھ سے وصول کروں گا پس جس کی طرف حوالہ دیا گیا ہے اگر اس نے اس مدت میں رقم پوری کر دی تو اچھا ہے ورنہ یہ اپنی رقم اصل قرضدار سے وصول کر سکتا ہے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ (۳) کہہ دے کہ تو میرے اس قرضدار کے قرض کا ضامن ہو جا جب وہ ضامن پڑ جائے گا تو اب اسے دونوں سے طلب کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔

مثال ۱۰۷ : کسی کا دوسرے پر قرض ہے حالیہ' لیکن دونوں اسے مؤخر کرنے پر رضامند ہو گئے اب ڈر ہے کہ وہ اسے پورا نہ کرے تو اس کے لزوم کا حیلہ یہ ہے کہ قرض حالیہ کا سبب جو عقد ہے اسے توڑ دے پھر عقد تاخیر کا کر لے اگر وہ ضمانت ہے یا تلف کا بدلہ ہے یا دیت کی رقم ہے اور وقت آ پہنچا ہے تو لزوم تاخیر کا حیلہ یہ ہے کہ اسی مقدار کی کوئی چیز اس کے ہاتھ اُدھار اسی مدت تک بیچے پھر وہ اسے اس قرض کے بدلے بیچ دے تو حال کی شرط تو گئی اور اُدھار کی رہ گئی قسط جو مقرر ہوئی ہے اس کی عدمِ ادائیگی کے خوف کے وقت کا حیلہ یہ ہے کہ شرط ٹھہرا لے کہ اگر ایک قسط بھی نہ دے گا تو کل رقم فی الحال دینی پڑے گی۔ یہ شرط شرعاً جائز بھی ہے اب اسے قسط وار اور فی الحال دونوں مطالبوں کا حق ہے' واللہ اعلم۔

مثال ۱۰۸ : ایک مریض جس کا کوئی وارث نہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اپنا کل مال وصیت کے طور پر راہ للہ کر جائے تو اس میں دو قول ہیں صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ کر سکتا ہے ثلث سے زیادہ میں منع اسے ہے جس کے وارث ہوں اب اگر ڈر ہے کہ حاکم اس وصیت کو باطل نہ کر دے تو یہ حیلہ ہے کہ کسی دیندار امانت دار انسان کے لیے اقرار کر لے کہ اس کی امانت کا یا قرض کا اتنا روپیہ میرے ذمے ہے اور اسے وصیت کر جائے کہ اس رقم میں تو میرا کل مال لے لینا اور ان نیک کاموں میں خرچ کر دینا اگر خوف ہو کہ معاملہ قسما قسمی پر نہ آ جائے تو یہ حیلہ کر لے کہ کسی چیز کے بدلے اس کا کل مال خرید لے اب قسم کھانے کی نوبت آئے گی تو قسم بھی سچی ہو گی۔ اگر مریض کو ڈر ہے کہ اگر میں اچھا ہو گیا اور اس نے میرا مال لے لیا تو میں کیا کروں گا تو حیلہ یہ ہے کہ سال بھر کے اختیار کی شرط کرے مر گیا تو اختیار کی مدت باطل ہو گئی جیتا رہا

تو فسخ کا اختیار ہے اگر مال زمین یا حویلی سے اور اسے وقف کرنا چاہتا کہ اس کا فائدہ لوگ اٹھائیں اور باطل نہ کر سکیں تو حیلہ یہ ہے کہ اقرار کرے کہ کسی وقف کرنے والے نے اس پر وقف کیا ہے اور اس کے بعد ---- فلاں پر اس پر گواہ کر لے کہ میں تو بحیثیت ایک محافظ کے ہوں وقف فلاں کا ہے میرے بعد اسے ان کاموں میں لیا جائے اور انتظام فلاں کے ہاتھ رہے ایسے ہی حیلے ان کے لیے ہیں جن کے وارث معین حصے کے مالک ہوں اور اس کے عصبہ نہ ہوں اور خوف ہو کہ باقی مال شاہی خزانے میں داخل ہو جائے گا تو (۱) کسی وارث کے نام اس کی بیع کر دے اور قیمت کے وصول کر لینے کا اقرار کرے ہو سکے تو بہ ظاہر قیمت لے بھی لے اور بہ باطن اسے واپس کر دے۔ (۲) مریض وارث سے کوئی سودا خریدے اس پر گواہ رکھ لے پھر وہ سودا چپکے سے واپس کر دے اور قیمت کے بدلے اپنا یہ مال اسے بطور رہن کے دے دے تو حاکم کے قبضہ کے وقت وہ کہہ دے گا کہ پہلے میرا حق ادا کرو پھر مال میں ہاتھ ڈالو۔ (۳) کسی اجنبی کے لیے اقرار کر لے اور وہ اسے وارث کو دے دے لیکن یہ یاد رہے کہ ان حیلوں میں دو خوف ہیں ایک تو یہ کہ اگر بیماری سے اٹھا تو پھر جاتا رہے گا دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے اجنبی کی نیت بدل جائے تو اس سے چھٹی اسی طرح مل سکتی ہے کہ اس سے ایک پرچے پر لکھوا لے اور اس پر گواہوں کی گواہی کرا لے کہ جب یہ اپنے لیے اس کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ غلط ہو گا اور اس کے گواہ جھوٹے ہوں گے اس کا کوئی حق فلاں فلاں سے پہلے اس چیز میں نہیں۔

مثال ۱۰۹ : کسی شخص پر دوسروں کا قرض ہے اور اس کا قرض دوسروں پر ہے اس نے اپنے قرضے وصول کرنے پر تو کسی کو وکیل کر دیا اور اپنے قرض خواہوں سے چھٹ گیا تو ان کے لیے حیلہ یہ ہے کہ یہ اس کے پاس جائے جس پر چھپ رہنے والے کا قرض ہے اور اس سے کہے کہ تو میرا وکیل ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے وہ اسے قبول کر لے اور گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ مجھ پر اس کا اتنا قرض ہے اور اس پر اتنا قرض میرے موکل کا ہے لہٰذا میں نے ان رقم کو اس رقم کے بدلے اپنے اوپر کر لی۔

مثال ۱۱۰ : کسی کا مال دوسرے پر ہے وہ غائب ہو گیا یہ چاہتا ہے اپنا حق وصول کرے تو کسی ایسے حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے جس کے نزدیک غائب پر فیصلہ کرنا جائز ہو اگر ایسا حاکم وہاں نہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ کسی کو کھڑا کر دے وہ کہے کہ فلاں غائب پر اس کا جو حق ہے اس کا میں ضامن ہوں لیکن مقدار و تعداد مجھے یاد نہیں جب یہ حاکم کے سامنے اقرار کر لے گا تو حاکم حقدار سے کہے گا کہ جتنی رقم ہے اس کا ثبوت پیش کرو یہ ثبوت پیش کر دے تو غائب پر حق ثابت ہو گیا اور ضامن موجود ہے لہٰذا بجائے اس کے اس کے ذمہ ثابت ہو گیا اہل عراق کے اصل پر یہ جائز ہے جیسے کہ کسی نے دعویٰ کیا کہ اس نے کسی غائب سے شفعہ خرید کیا ہے تو حاکم اس بیع کا اور مدعی پر شفعہ کا فیصلہ کر دے گا اور جیسے کہ غائب کی زوجہ دعویٰ کرتی کہ فلاں کے پاس اس کی امانت ہے۔

مثال ۱۱۱ : جس کے پاس رہن ہو وہ اس سے بلا اجازت رہن رکھنے والے کے نفع نہیں اٹھا سکتا اگر وہ اجازت دے دے تو اباحت ہو گی یا عاریت ہو گی اسے جب وہ چاہے رجوع کا حق ہو گا اور اس کے لیے اجرت کا فیصلہ کیا جائے گا جب سے اس نے رجوع کیا ہے پس رجوع اور اجرت سے امن پا لینے کا حیلہ یہ ہے کہ جس مدت تک اس سے نفع لینا چاہتا ہے اتنی مدت تک اس سے اجرت پر لے لے پھر وہ اسے اجرت سے بری کر دے یا چیز کے قبضہ کرنے کا اقرار کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ عقد اجارہ کو عقد رہن پر لوٹا دے باطل نہ کرے جیسے یہ جائز ہے کہ اجرت پر دی ہوئی چیز کو رہن رکھ

دے۔ دونوں صورتوں میں چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور اس کا حق اس میں متعلق ہے مگر رہن اجارہ کے ساتھ جو ہو اس میں نفع اُٹھانا ہے اور رہن کا رہن بھی ہے۔

مثال ۱۱۲: کسی کا دوسرے پر مال ہے اور اس کے بدلے رہن ہے حاکم کے پاس یہ دعویٰ کرتا ہے اور ڈر ہے کہ اگر وہ اقرار رہن کرے گا تو مخالف کہہ دے گا کہ رہن کا تو نے اقرار کر لیا اور قرض کا دعویٰ کیا ہے تو رہن بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور قرض کا اقرار اس کا ہے نہیں تو یہ اپنے حق کو بچانے کے لیے یہ حیلہ کرلے کہ جب تک وہ اس کے قرض کا اقرار نہ کرے یہ اس کے رہن کا اقرار نہ کرے اگر وہ دعویٰ کرے اور اسے قسم دے تو یہ تعریض کرلے کہ اس کی ملکیت کی کوئی چیز نہیں یا عاریت کی بے حق کی کوئی چیز اس کی میرے پاس نہیں اس سے بھی اچھا حیلہ یہ ہے کہ جواب دعویٰ میں تفصیل کر دے کہ اگر تیرا دعویٰ یہ ہے کہ تیری فلاں چیز میرے پاس میرے اتنے حق کے بدلے ہے تو مجھے اقرار ہے ورنہ اقرار نہیں تو یہ جواب اس کے لیے نافع ہو گا کیونکہ ان کے نزدیک یہ صورت جائز ہے کہ کہے کہ تیرا دعویٰ ایک ہزار کا اگر اس سودے کی بابت ہے جسے میں نے قبضے میں نہیں کیا تو مجھے اقرار ہے ورنہ نہیں اگر قرضدار مدعی مال ہو اور رہن رکھنے والے کو اپنے رہن کے برباد ہونے اور قرض کے ثابت ہو جانے کا خطرہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ یہ کہہ دے کہ بلا رہن میں نے تجھ سے کوئی قرضہ نہیں لیا اگر رہن سمیت تیرا دعویٰ ہو تو مجھے اقرار ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ کرے کہ اس کے ایک درہم کا اپنی رہن کی چیز سمیت اقرار کرلے اب مدعی یا تو رہن کا اقرار کرے گا یا انکار اگر اقرار کرے تو یہ اس کے باقی قرضے کا بھی اقرار کرلے اگر انکار کر جائے تو یہ بھی اس کے باقی قرضے کا انکار کر جائے اور بقدر اپنے رہن کے رکھ کر اگر اس کا کچھ نکلے تو ادا کر دے حق سے بری ہو گیا اس لیے کہ رہن کو اگر اس نے اپنے قصور بغیر تلف کیا ہے تو اس کے مقابلے کا قرض ساقط ہو گیا اور اگر اس میں اسی کا قصور ہے تو اس کی قیمت کی ادائیگی اس کے ذمے بطور قرض کے ہے یہ حکم ان کی دو اصلوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ رہن کی ضمانت اسی پر ہے قیمت یا مقدار قرض کی کم از کم رقم کے برابر دوسرے ظفر کے مسئلہ میں پوری ادائیگی۔

مثال ۱۱۳: خاوند نے بیوی سے کہا اگر اس رات میں تجھ سے صحبت نہ کروں تو تجھ پر تین طلاقیں ہیں۔ بیوی نے کہا اگر تو مجھ سے صحبت کرے تو میری لونڈی آزاد ہے تو حیلہ یہ ہے کہ عورت اپنی لونڈی کو بیچ دے پھر خاوند اس سے صحبت کرے تو ملکیت میں نہیں اس لیے آزاد نہ ہو گی پھر واپس کرلے اب سنیے کہ بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب ہے کہ کسی عورت کی لونڈی اس سے جو خریدے اسے ایک حیض کی مہلت کی ضرورت نہیں وہ اسی وقت اس لونڈی سے صحبت کر سکتا ہے تو اگر اس عورت کو یہ خوف ہو تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ قیمت کے بعد بھی خرید کرلے اگر خوف ہو کہ وہ واپس نہ کرے گا تو حیلہ یہ ہے کہ اس سے شرط کرلے کہ اگر اس نے بعد از صحبت واپس نہ کی تو لونڈی آزاد ہے اگر ڈر ہے کہ دوسرے کسی کی ملکیت میں نہ کر دے تو حیلہ یہ ہے کہ یہ شرط کرلے کہ اگر وہ اسے نہ لوٹائے تو اس پر طلاق ہے۔

مثال ۱۱۴: کوئی شخص چاہتا ہے کہ اپنی حاملہ بیوی سے خلع کرلے اور اس کا مکان اور خرچ اپنے ذمے رکھے تو یہ جائز ہے' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تو لفظاً مروی ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس خلع کو صحیح نہیں مانتے اور مہر مثل واجب کرتے ہیں کیونکہ خلع کے بعد خرچ خاوند کے ذمے نہیں۔ اصحابِ ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ جب مکان اور خرچ کے نہ ہونے پر خلع ہوا ہے تو بھی مکان کی وہ مستحق ہے اس لیے کہ حق شے اس کا تھا اسے اس نے ساقط کر دیا لیکن حق مکان حق شارع ہے

اس لیے اس پر لازم ہے اس کا حیلہ یہ ہے کہ خاوند خلع میں یہ شرط کر لے کہ تکلیف مکان کی اس کے ذمہ نہیں وہ عورت کے مال پر ہے اور اس کی اجرت اس پر ہے اگر کہا جائے کہ عورت خود ہی اپنے خاوند کو اپنے خرچ سے آزاد کر دے اس سے پہلے کہ وہ اس کے ذمے بطور قرض کے ہو جائے تو صحیح نہیں لیکن اگر عقد خلع میں یہ شرط کر لے تو جائز ہے تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے خلع میں شرط کے ساتھ آزادگی عوض سے ہے اس لیے یہ ہو سکتی ہے اور واجب ہونے سے پہلے ادائیگی شرعاً جائز ہے مثلاً مہینہ بھر کا خرچ کوئی آج ہی دے دے خلع بغیر خرچ آزادی اس کے ثبوت بغیر ہے واجب ہونے سے پہلے واجب کو ساقط کر دینا ناجائز ہے مثلاً کسی عورت نے اپنی باری چھوڑ دی تو اسے حق ہے جب چاہے پھر سے اپنی باری طلب کر سکتی ہے۔ صاحب محرر کہتے ہیں اگر ہم عقد کے ساتھ ہی خرچ کو واجب کریں تو صحیح ہو سکتا ہے ورنہ خلع بغیر کسی چیز کے رہ جاتا ہے یعنی اگر ہم کہیں کہ حاملہ کا خرچ بوجہ حمل کے ہے جو عقد سے واجب ہو گیا ہے تو خلع کسی عوض پر ہو گا اور اگر کہیں کہ عورت بچے کی وجہ سے خرچ ہے تو وہ خلع سے زائل ہو گیا اور اب خلع کسی عوض پر نہ رہا اس کلام میں نقصان ہے وہ ظاہر ہے۔

مثال ۱۱۵ : جو مکروہ ہے یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس عورت کو اپنا دین اپنے ولی کا دین اور اپنے خاوند کا دین عزیز ہے وہ نہیں چاہتی کہ حلالہ کر کے اللہ کی لعنت مول لے اور حلالہ خود حرام ہے جو خباثت کو درحقیقت بڑھاتا ہے جس سے واقعہ میں حلت نہیں ہوتی اس لیے اس عورت نے یہ کیا کہ اپنے مال سے کوئی غلام خریدا پھر اپنے بھروسے کے کسی آدمی کو اسے دے دیا اس نے اسے بیچ کر اور غلام خریدا۔ اس کا اس عورت سے مانگ بھیجا اور نکاح ہو گیا دخول بھی ہو گیا پھر اس نے اس غلام کو عورت کے نام ہبہ کر دیا تو اب شرعاً یہ نکاح فسخ ہو گیا یہاں حلالہ کی جو حرام صورت ہے وہ مطلقاً نہیں نہ اس کی شرط ہے نہ نیت ہے کیونکہ شرط و نیت خاوند کی اثر انداز ہے اور وہ تو یہاں بے دخل ہے۔ عورت کی اور ولی کی نیت کا اثر نہیں دوسرے خاوند کی نیت البتہ اثر انداز ہے وہ اگر طلاق دینے اور پہلے کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نکاح کر رہا ہے تو وہ ملعون ہے اور اس کے بعد حلال بھی نہ ہو گی لیکن جبکہ پہلے خاوند کو دوسرے خاوند کو عورت کے دل کی کوئی خبر اور علم ہی نہیں تو یہ عقد بالکل درست اور شرعی عقد ہے۔ دیکھئے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا یہی ارادہ تھا کہ اپنے پہلے خاوند کے پاس پھر جائیں اس کا علم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا لیکن آپ نے اسے مانع نہ ٹھہرایا ہاں مانع دوسرے خاوند کا ان سے صحبت نہ کرنے کو ٹھہرایا اور صاف فرمایا کہ جب تک یہ تمہارا اور تم اس کا رس نہ چکھ لو پہلے خاوند کے پاس نہیں جا سکتیں ہمارے اصحاب نے بھی صراحتاً اسے حلال صورت بتلائی ہے۔ مغنی والے کہتے ہیں کہ اگر اس سے کسی غلام نے نکاح کیا اور وطی بھی کر لی تو یہ اگلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی عطا' مالک' شافعی اور اصحاب رائے کا یہی قول ہے اور ہم کو اس میں کسی مخالف کا علم بھی نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں یہ صورت اس صورت کے سوا ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ منع کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ پہلا خاوند خود کوئی غلام خرید کر لے اور اس سے اپنی اس بیوی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت سے کر دے تاکہ اس کے لیے یہ عورت حلال ہو جائے یہ حیلہ ناجائز ہے لیکن یہ پہلا حیلہ وہ ہے جس میں پہلے اور دوسرے خاوند کا کوئی دخل ہی نہیں باوجود اس کے ہم صاف کہتے ہیں کہ ہے یہ بھی مکروہ کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا حیلہ ضرور ہے۔

مثال ۱۱۶ : عبداللہ بن احمد اپنے مسائل میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے اگر میں آج کے دن تجھ سے جماع نہ کروں اور تجھے طلاق ہے اگر میں آج کے دن تیرے

جماع سے غسل کروں تو آپ نے فرمایا نماز عصر کے بعد اس سے جماع کرے سورج غروب ہوتے ہی غسل کر لے بشرطیکہ دوسری قسم سے اس کی مراد جماع نہ ہو اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے کہے اگر میں تجھ سے رمضان میں جماع نہ کروں تو تجھ پر طلاق ہے پھر وہ تین چار دن کی دوری کی مسافرت میں چلا جائے اور جماع کر لے تو فرماتے ہیں یہ مجھے پسند نہیں اس لیے کہ یہ حیلہ ہے اور میں تو کسی امر میں حیلہ پسند نہیں کرتا۔ قاضی کہتے ہیں اس کے مکروہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سفر خود مقصود نہیں اس سے قسم تو پوری ہو جائے گی روزے کا افطار بھی مباح ہو جائے گا اور یہ قصد بھی صحیح ہے مثلاً ایک جگہ کے دو راستے ہیں ایک نزدیک کا دوسرا دور کا' نزدیک والے میں نماز کا قصر اور روزے کا افطار درست نہیں ہوتا دور والے کی اتنی مسافت ہے کہ یہ روا ہو جائے تو اس کے لیے دور کا راستہ اختیار کرنا بھی مباح ہے۔ جب یہ ہے تو یہ صورت تو اس سے بھی اولیٰ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں جو یہ قسم کھالے کہ اس کی بیوی پر تین طلاقیں ہیں اگر وہ رمضان کے دن میں اس سے جماع نہ کرے فرماتے ہیں کہ وہ سفر کو نکل جائے اور اپنی قسم پوری کر لے۔

مثال ۱۱۷' حلالہ کے حیلے سے نجات دلوانے والی ترکیبیں : یہ تو ظاہر ہے کہ حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے ایک نہیں کئی احادیث میں یہ بات وارد ہو چکی ہے اس لعنتی کام کے بدلے اگر کوئی اور صورت اختیار کر لی جائے تو یقیناً وہ اس سے بہت ہی کم خطرناک ہو گی۔ اب ہم اس لعنت کے بچاؤ کی چند صورتیں یہاں نقل کرتے ہیں جو یا تو کتاب و سُنّت سے مدلل ہیں یا صرف کتاب اللہ یا صرف سُنّت رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کے فتوے سے جس کے خلاف کوئی اور فتویٰ ان کا نہیں یا کسی صحابی کے فتوے سے یا ان کے سوا کسی اور کے قول سے یا جمہور علماء اُمت سے یا ان کے بعض سے یا چاروں ائمہ سے یا ان میں سے کسی سے یا ان کے تابعین وغیرہ علماء دین سے جن قواعد کو اب ہم بیان کریں گے وہ ان سے باہر نہیں اور ان کے بعد کسی کو اس لعنتی حرام حیلے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہر وہ شخص جو اپنا اپنے دین کا اور اللہ کی شریعت کا خیر خواہ ہو اس کے یہ چھٹکارے حلالہ کے حرام لعنتی حیلے سے تو یقیناً بہتر ہیں۔

پہلی صورت : طلاق دینے والے کی عقل زائل ہو گئی ہو یا تو جنون سے یا بیہوشی سے یا کسی دوا کے پی لینے سے یا کسی نشے کی چیز سے یا کسی وسوسے سے یہ تو چھٹکارے کی وہ صورت ہے جس پر اُمت جمع ہے۔ ہاں شراب پینے کی وجہ میں بعض متاخرین کا اختلاف ہے لیکن صحابہ سے جو ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں باب باندھتے ہیں کہ بیہوشی کی اور زبردستی کی اور نشہ والے کی اور مجنون کی طلاق اور ان دونوں کا حکم اور غلطی اور بھول جو طلاق میں اور شرک میں واقع ہو بہ سبب فرمان نبی کریم علیہ السلام کے کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے شعبی نے آیت : ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا ﴾ الخ' (البقرہ ۲۸۶) کی تلاوت فرمائی اور وسوسے والے کے اقرار کا عدم جواز حضور ﷺ نے اس شخص سے جس نے اپنے برے کام کا اقرار کیا تھا دریافت فرمایا کہ کیا تو مجنون ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے میری اونٹنی کی کوکھیں کاٹ دیں حضور ﷺ نے جا کر انہیں ملامت کرنی شروع کی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت نشے میں تھے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں کہنے لگے تم تو میرے باپ دادوں کے غلام ہو' حضور ﷺ نے سمجھ لیا کہ اس وقت یہ نشے میں ہیں وہاں سے نکل آئے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ ہی نکل آئے (یہ یاد رہے کہ یہ واقعہ حرمت شراب سے پہلے کا ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مجنون اور نشے والے کی

طلاق نہیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نشے والے کی اور جس پر زبردستی کی گئی ہو اس کی طلاق جائز نہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں وسوسے والے کی طلاق نہیں۔ یہ تھا ترجمۃ الباب اس کے بعد بقیہ باب' بیان فرمایا ہے اس مسئلہ میں حضرت عثمان اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم کا کوئی مخالف صحابہ میں سے ہمیں معلوم نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ پہلے تو اس کی طلاق کو جائز جانتے تھے۔ لیکن اسی وجہ سے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا پہلے میں نشے والے کی طلاق کو جائز جانتا تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ جائز نہیں اس لیے کہ اس کا اقرار اور بیع بھی جائز نہیں ہاں کوئی گناہ کر بیٹھے تو لازم آجائے گا اس کے سوا کوئی چیز جائز نہیں۔ ابوبکر فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور روایت میں امام صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس جو علم ہے اس کا اثر تو یہی ہے کہ یہ طلاق اس پر لازم نہیں۔ سائل نے کہا پہلے تو آپ فرماتے تھے کہ ڈر ہے لازم ہو جائے فرمایا ہاں لیکن اب تو میرا علم یہی کہتا ہے کیونکہ اس میں عقل نہیں۔ سائل نے کہا نشہ لانے والی چیز یہ خود استعمال کرتا ہے اس لیے یہ اس پر لازم آتی ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ کبھی بھنگ سے یا کسی دوا سے بھی عقل ماری جاتی ہے سائل نے کہا اچھا اس کی بیع اور خریدار اور اقرار کا کیا حکم ہے؟ فرمایا یہ بھی جائز نہیں۔

اس میں سب سے وزنی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مجنون اور نشے باز کی طلاق نہیں' آپ فرماتے ہیں جو طلاق کا حکم دیتا ہے وہ دو خصلتیں لاتا ہے حکم نہ کرنے والا ایک ہی۔ یہ اس سے بہتر ہے اور میں تو دونوں سے ڈرتا ہوں۔ حنفیوں میں سے طحاوی اور کرخی اور بقول صاحب نہایہ ابویوسف اور زفر اور شافعیہ میں سے مزنی اور ابنِ شریح اور ان کے تابعداروں کی جماعت نشہ باز کی طلاق کو نہیں مانتے۔ جوینی نے نہایہ میں اسی قول کو مختار کہا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کی طلاق کا جاری ہونا صاف لفظوں میں مروی ہے اور دو قولوں میں سے ایک میں اس کے ظہار کا غیر صحیح ہونا مروی ہے اب ان کے بعض تابعداروں نے ظہار کے قول کو طلاق میں منقول کر لیا ہے اور اسے دو قول والا مسئلہ بنا دیا۔ بعض نے ہر حکم کو اس کی جگہ رکھا لیکن صحیح قول یہی ہے کہ ایسے شخص کے کسی قول کا اعتبار نہیں نہ طلاق کا' نہ آزادی کا' نہ تجارت کا' نہ وقف کا' نہ اسلام کا' نہ مرتد ہونے کا' نہ اقرار کا اس پر دس سے بہت زیادہ دلیلیں ہیں جن کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں تاہم بقدر کفایت سن لیجئے۔ فرمان قرآن ہے کہ ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی کہی ہوئی سمجھ لیا کرو۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زناکاری کا اقرار کیا تھا آپ نے اس کا منہ سونگھنے کو فرمایا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو ابھی اوپر بیان ہوا اس میں آپ نے انہیں نئے سرے سے ایمان لانے کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ نشے میں صاف کہہ چکے تھے کہ تم میرے باپ دادوں کے غلام ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہی تھا اور صحابہ میں سے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا۔ قیاس صحیح اور عقیل سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس کی عقل زائل ہو چکی ہے اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہ ہو قواعد شرع کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ نشے باز کا کوئی قصد نہیں تو یہ عدم مواخذہ میں اولیٰ ہے۔ بہ نسبت لغو کرنے والے کے اور بہ نسبت اس کے جس کی زبان سے بلا قصد الفاظ نکل جائیں۔ اصحابِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے کہ وسوسے والے کی اور مغلوب العقل کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ معتوہ کہتے ہیں اسے جو بہت کم سمجھ ہو جس کا کلام قرینے کا نہ ہو جس کی تدبیریں فاسد ہوں اس میں اور مجنون میں یہ فرق ہے کہ یہ مارپیٹ اور گالی گلوچ مثل مجنون کے نہیں کرتا۔

دوسری صورت' غلطی کی طلاق: طلاق دے یا سخت قسم کھائے اور ہو اس وقت اسے سخت تر غصہ ایسا کہ اس میں اور اس کے قصد و تصور میں حائل ہو گیا ہو یعنی نہ اس کے الفاظ قصداً نکلتے

ہیں نہ اسے یہ معلوم ہے کہ ان الفاظ سے کیا چیز مجھ پر عائد ہو گی اس لیے اس کا طلاق دینا' غلام آزاد کرنا' وقف کرنا واقع نہیں ہوتا بلکہ اگر اس حالت میں اس کی زبان سے کلمہ کفر بھی نکل جائے تو بھی مواخذہ نہ ہو گا۔

اغلاق کے معنی: یہی غلق ہے جس کی بابت حدیث شریف میں ہے کہ اغلاق کی طلاق اور آزادی واقع نہیں ہوئی۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے کھلے لفظوں میں یہی فرمایا ہے۔ امام ابوبکر بن عبدالعزیز اپنی کتاب زادالمسافر میں اغلاق طلاق کے باب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مراد اغلاق سے غضب ہے۔ امام ابوداؤد نے سنن میں اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے غضب و غصّہ کی تین قسمیں کی ہیں ایک تو وہ حالت جس میں عقل زائل ہو جاتی ہے جیسے نشے کی حالت میں عقل زائل ہو جاتی ہے کہ جو کہتا ہے اسے سمجھتا نہیں بلاشک ایسے غضب کی حالت میں جو طلاق ہو وہ واقع نہ ہو گی۔ دوسری قسم جس میں حالت اس درجے کی نہ ہوئی ہو بلکہ جو کہے اس کا تصور اسے ہو' قصداً کہے تو گو حالت غضب و غصّہ ہے اس کی طلاق ہو جائے گی۔ تیسری قسم غصے کی سختی تو ہے لیکن زوال عقل کی نوبت نہیں آئی لیکن قائم الحواسی نہیں رہی' اعتدال کی حالت سے نکل گیا ہے یہ محل اجتہاد ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ غلق کہتے ہیں اس حالت کو جو انسان پر اس کے قصد و تصور کے راستے بند کر دے جیسے نشہ باز اور مجنون اور بیہوش اور زبردستی کیا گیا اور اشد سخت ترغصے والا۔ ان سب کی حالت اغلاقی حالت ہے طلاق اپنے خاص مطلب کے لیے ہوتی ہے تو طلاق دینے والے کا قصد ضروری ہے اور جس چیز کا قصد کرتا ہے اس کا تصور بھی اس کے ذہن میں ہونا ضروری ہے اگر قصد نہیں یا تصور نہیں تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ امام مالک رحمہ اللہ اور یہ روایت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر تین طلاقیں ہیں پھر کہا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اگر تو فلاں سے بات کرے تو یا تو میرے گھر سے میری اجازت بغیر نکلے تو پھر میں نے اپنی قسم کو چھوڑ دیا اسے اس وقت جاری کرنا نہیں چاہتا تو اس عورت پر طلاق نہیں پڑے گی۔ یہ بالکل ٹھیک فقہ ہے اس لیے کہ یہ اسے جاری کرنا نہیں چاہتا اور اپنی قسم پوری نہیں کرنا چاہتا۔ یہی حکم اس وقت ہے کہ اس نے چاہا یوں کہنا کہ ((انت طاھر)) لیکن زبان سے نکل گیا ((انت طالق)) تو بھی طلاق نہ ہو گی نہ ظاہری حکم میں نہ عنداللہ۔ امام احمد رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں لیکن دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ عنداللہ تو واقع نہ ہو گی لیکن حکم میں واقع ہو جائے گی۔ ابویوسف رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غلطی سے طلاق کہہ بیٹھے تو؟ آپ نے فرمایا مومن پر اس پر غلطی کی پکڑ نہیں۔ حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص غلطی سے کوئی لفظ زبان سے نکال بیٹھے تو؟ آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز نہیں۔

تیسری صورت حالتِ اکراہ کا حکم: اکراہ کی حقیقت اور اس کی شرائط میں گو اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس شخص کی طلاق یا طلاق کی قسم واقع نہ ہو گی۔ جمہور اُمت اسی طرف ہیں صحابہ بھی' تابعین بھی ان کے بعد والے بھی یہی قول ہے۔ امام احمد' امام مالک' اما شافعی رحمہم اللہ اور ان کے جملہ اصحاب کا۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبراً مار پیٹ کر کسی سے قسم کھلوائی تو بہ قول ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما یہ کوئی چیز نہیں۔ فرماتے ہیں بہ حالتِ اکراہ و زبردستی جو طلاق دے وہ لازم نہیں ہوتی جب کسی کے ساتھ وہ کیا جائے جو ثابت بن احنف کے ساتھ کیا گیا تھا کہ ان کا پاؤں نچوڑنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے طلاق دے دی پھر حضرت ابنِ عمر اور حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس آئے تو دونوں بزرگوں نے اسے کچھ بھی نہ سمجھا یہی فرمان الٰہی ہے کہ مگر جس پر زبردستی کی گئی اور

دل اس کا ایمان پر برقرار ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان کو پڑھو کفر پر بڑے سخت احکام ہیں جب اسے بھی پروردگار نے کچھ نہیں گنا تو اور سب اقوال بھی بے گنتی کے ہو گئے۔ اس لیے کہ بڑی سے بڑی چیز کفر جب معدوم کر دیا گیا تو پھر اور سب چیزیں اس سے چھوٹی اور حقیر ہی ہیں۔ ابنِ ماجہ اور بیہقی میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری اُمت کی خطا بھول سے اور ہر اس چیز سے درگزر فرمایا ہے جس پر وہ اکراہ و زبردستی کیے جائیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے میری اُمت کے ان وسوسوں سے درگزر فرما لیا ہے جو ان کے سینوں میں اٹھیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ نکالیں' ابنِ ماجہ کی اس حدیث میں یہ فرمان بھی ہے اور اس چیز سے بھی درگزر فرمالیا ہے جس پر اکراہ کیا جائے زبردستی کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زبردستی جس پر کی گئی اس کی طلاق کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بھی اس طلاق کو جائز نہیں مانتے تھے۔ علی' ابن عباس' ابنِ عمر' ابنِ زبیر رضی اللہ عنہم عطاء' عبداللہ بن عبیداللہ سب اس طلاق کو ناجائز مانتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک شخص شہد اتارنے کے لیے لٹکا ہوا تھا اس کی عورت نے آن کر رسی اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہنے لگی یا تو تو مجھے طلاق دے دے ورنہ میں یہ رسی کاٹ دیتی ہوں کہ تو اوپر سے گر کر مر جائے۔ اس نے بہت کچھ سمجھایا اللہ کو بیچ میں دیا لیکن وہ ضد نہ مانی چنانچہ اس نے تین طلاقیں دے دیں اس وقت خلافت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تھی آپ کے دربار میں یہ شخص حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جاؤ اپنی بیوی کو بیوی بنائے رہو یہ طلاق نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسے جاری کر دی بس اس اثر کے سوا کسی صحابی سے مروی نہیں کہ اس نے اکراہ والے کی طلاق کو جاری کر دیا ہو۔ لیکن مشہور قول عمر رضی اللہ عنہ بھی مثل اَور صحابہ کے ہے یعنی یہ کہ آپ نے اس طلاق کو رد کر دی۔ اگر یہ صحیح بھی ہو جائے کہ آپ نے اسے الگ کرا دی تو بھی وقوع میں صریح نہیں اس لیے کہ یہ علیحدگی آپ نے بہتر سمجھی۔ جب عورت جان لینے کے درپے ہے تو اسے بسانے سے کیا حاصل؟ ہاں شعبی اور شریح اور ابراہیم اکراہ والے کی طلاق جاری کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ابراہیم تو کہتے ہیں کہ اگر گلے پر تلوار ہو پھر بھی طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی۔ یہاں ایک تیسرا مذہب بھی ہے شعبی کہتے ہیں کہ اگر زبردستی اور اکراہ بادشاہ کی طرف سے ہے تو یہ طلاق نامعتبر ہے اور اگر چوروں کی طرف سے ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

اکراہ والے کی طلاق کی ایک اور صورت یہ ہے کہ :

وہ خود سمجھتا ہے کہ میری اس وقت کی طلاق ہو جائے گی اس لیے وہ نیت کے ساتھ طلاق دیتا ہے تو اس میں دو قول ہیں شافعیہ کے ہاں دونوں ہیں جو لازم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ الفاظ بھی ہیں نیت بھی ہے پس واقع ہو گئی۔ واقع نہ کرنے والے کہتے ہیں اس کے الفاظ لغو ہیں غیر معتبر ہیں اور صرف نیت سے طلاق نہیں ہوتی۔

توریہ نہ ہونے کی صورت :

اس میں بھی اختلاف ہے کہ توریہ کرنے کا یعنی کچھ لفظ کہنے اور معنی کچھ لینے کا موقعہ ہو اور ایسا نہ کرے تو کیا طلاق ہو جائے گی یا پھر بھی نہ ہو گی؟ صحیح یہ ہے کہ طلاق نہ ہو گی۔ اس لیے کہ کلمہ کفر پر جسے اکراہ کیا گیا اور اس نے کہا اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے توریہ واجب نہیں کیا۔ اس کے ہونے نہ ہونے کو حکم میں کوئی دخل نہیں دخل صرف قصد کے نہ ہونے کا ہے وہ تو جو کچھ کہتا

ہے صرف اپنے بچاؤ کے لیے کہتا ہے۔ اس لیے اس کا قول لغو ہے جیسے دیوانے اور سوئے ہوئے کا اور جس کا کوئی قصد نہ ہو اس کا' تو خواہ توریہ کرے خواہ نہ کرے دونوں امر برابر ہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ توریہ کی شرط کرنا اکراہ کے وقت کے تکلم کی رخصت کو برباد کر دیتا ہے پھر تو اس میں اس کی طلاق کے ہو جانے کی طرف رجوع ہو جاتا ہے کیونکہ توریہ اگر ہو تو گو اکراہ نہ ہو پھر بھی طلاق نہ پڑے گی۔ توریہ والے کی طلاق کے نہ واقع ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مدلول لفظ اس کی مراد نہیں یہی چیز بعینہٖ اکراہ میں بھی ہے پھر اکراہ کے وقت توریہ کی شرط محض فضول ہے۔

چوتھی صورت قسم یا طلاق میں ان شاء اللہ کہنے کے احکام :

امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا خیال ہے کہ یہ صحیح ہے اگر کسی نے کہا کہ تو مطلقہ ہے ان شاء اللہ' یا کہا کہ تو آزاد ہے ان شاء اللہ یا کہا کہ اگر میں فلاں سے کلام کروں تو تجھ پر طلاق ہے انشاء اللہ یا طلاق مجھ پر لازم ہے اگر میں ایسا کروں ان شاء اللہ' یا تو مجھ پر حرام ہے یا حرام مجھے لازم ہے ان شاء اللہ' تو یہ ان شاء اللہ کہنا اس کے لیے سود مند رہے گا اور اس کے ساتھ اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جملہ کلام کے ساتھ متصل ہونا چاہیے خواہ شروع سے ہی نیت ہو یا فراغت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو لیکن اصحاب امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر کسی نے قسم پوری کر لی پھر اس پر ظاہر ہوا کہ ان شاء اللہ کہہ لے تو یہ صحیح نہیں ہاں اگر قسم کھاتے کھاتے ظاہر ہوا تو اس میں دو وجوہات ہیں صحت کی اور عدم صحت کی ہاں اگر نیت استثناء عقد قسم کے ساتھ ہی ہے تو بلاشک صحیح ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے کہا کہ آج کی رات میں اپنی اتنی اتنی بیویوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک کو حمل رہے گا اور بچہ ہو گا جو راہ الٰہی میں جہاد کرے گا ان کے ساتھ والے فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ لو انہوں نے نہ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب گھڑ سوار بن کر راہِ الٰہی میں جہاد کرتے۔ اس سے ثابت ہے کہ قسم کھا لینے کے بعد بھی ان شاء اللہ کہنا نفع دیتا ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں یقیناً قریشیوں سے جہاد کروں گا پھر میں یقیناً قریشیوں سے جہاد کروں گا قسم اللہ کی میں قریش سے جہاد کروں گا پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد فرمایا ان شاء اللہ پھر ان سے جہاد نہ کیا۔ جامع ترمذی میں ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص قسم کھائے پھر ان شاء اللہ کہہ لے اس کی قسم ٹوٹنے کا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے کہ ہرگز کسی شے کی بابت نہ کہو کہ میں کل کروں گا مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو اور بوقت فراموشی اللہ کا ذکر کرو ان تمام نصوص صحیحہ میں یہ نہیں کہ صحت استثناء کے لیے نیت شرط ہے اور شروع سے یا پہلے سے نیت کی ہے تو نفع ہو گا بلکہ دوسری حدیث تو اس کے سراسر موافق ہے اسی طرح جہاد قریش والی حدیث' یہ حدیث شامل ہے ہر اس شخص کو جو اپنی قسم کے بعد ان شاء اللہ کہہ لے خواہ نیت فراغت سے پہلے ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح آیت میں صاف دلیل ہے کہ بھول ہوتے ہوئے بھی یہ نافع ہے فراغت سے پہلے کی نیت کی شرط جس نے لگائی ہے اس کے نزدیک تو نسیان کے بعد ذکر استثناء میں کوئی فائدہ نہیں اسی طرح کلام اپنے آخر سمیت ایک کلام ہے اس کا بعض حصہ بعض سے متصل ہے تو اجزا اور ابعاض میں شرط نیت کے کوئی معنی نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے کلام کے خاتمے کے بعد اس کے کسی حصے کے رفع اور دفع کرنے کا خیال آتا ہے اور بولتے وقت خیال نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میرے فلاں کے ذمے ایک ہزار روپے ہیں پھر اسے اسی وقت یاد آجاتا ہے کہ اس میں سے سو تو وصول ہو

چکے ہیں تو یہ کہتا ہے مگر ایک سو وصول ہیں پس استثناء کی نیت کو قبل از فراغت بطور شرط کے مان لیا جائے تو اس کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی اور جو لازم نہیں اس کے اقرار کے لیے بے بس ہو جائے گا اخبار اور انشا دونوں اس میں یکساں ہیں۔ قسم کھانے والے پر کوئی چیز ظاہر ہوئی اور اس نے اپنی قسم کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کر لیا حالانکہ اب تک اسے خیال بھی نہ تھا یا اور کسی شغل میں تھا تو اب اس پر اس کی منشاء کے خلاف حکم جاری کرنا یہ تو شریعت کی منشاء کے خلاف اس پر تنگی کرنا ہے' آیت میں تو صاف ہے کہ بھول کے بعد اپنے رب کو یاد کر لیا کر یہ استثناء کو شامل ہے سبب نزول اس کا یہی ہے پھر اسی کو نکال دینا اور اس کی تخصیص کر لینا یہ کیسے جائز ہو گا؟ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ کوئی تخصیص ثابت نہ ہو نہ صفت کی' نہ بدلیت کی' نہ غایت کی' نہ لفظ مگر سے استثناء کرنے کی' جب تک کہ متکلم کا ارادہ شروع کلام سے نہ ہو۔

ایک شخص کہتا ہے کہ اس کے مجھ پر ایک ہزار ہیں جن کی مدت ایک سال کی ہے تو کیا کوئی عالم کہہ سکتا ہے کہ اگر اول کلام میں نیت نہ ہو تو مدت کی قید لغو ہے۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے اسے دس درہم پر بیچا دوسرا کہتا ہے میں نے خریدا تین دن تک کے اختیار پر تو کیا اول کلام میں اگر اس کی نیت نہ ہو تو کیا یہ صحیح نہ ہو گا؟ گو بعد از قبول عقد ہے لیکن صحیح ہے اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنا گھر اپنی اولاد پر وقف کیا یا اوروں پر بشرطیکہ وہ مسلمان فقرا ہوں یا اہل و عیال والے ہوں ان میں سے جو مر جائے اس کا حصہ اس کے وارثوں کا ہے تو یہ صحیح ہے حالانکہ وقف کا تلفظ ہو چکا پھر یہ شرطیں اس پر ظاہر ہوئیں اور اس نے بیان کیں۔ نہ کسی نے اس کے خلاف کہا نہ کسی نے وقف کرنے والوں سے سوال کیا۔ ایک کہتا ہے اس کے مجھ پر ایک سو ہیں لیکن دس کم تو یہ صحیح ہے حاکم اس سے نہیں پوچھتا کہ اس استثناء کی تیری نیت شروع کلام سے تھی؟ کوئی کہتا ہے میں زمین بیچتا ہوں لیکن یہ ٹکڑا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ساری زمین بیچ دی۔ مکہ شریف کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس کے کانٹے بھی نہ کاٹے جائیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ حضور اذخر کی اجازت ہو' آپ نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد فرمایا مگر اذخر۔ اسیران بدر کے بارے میں ارشاد گرامی ہے کہ ان میں سے کوئی واپس نہ جائے مگر یا تو فدیے پر یا گردن مارنے پر' تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مگر سہیل بن بیضا آپ نے فرمایا مگر سہیل بن بیضا یہ ظاہر ہے کہ نہ حضور ﷺ کی نیت اس استثناء کی اول کلام میں تھی نہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت آپ نے فرمایا ہے کہ اگر فرشتے کے یاد دلانے پر آپ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو آپ کو اس کا نفع ہوتا۔ اس کے مخالف یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب کسی نے اپنا کلام پورا کر لیا تو اب اس میں سے کچھ وہ ہٹا نہیں سکتا۔ وہ سب اس پر لازم آئے گا لیکن ہم کہتے ہیں اگر یہ درست ہے تو پھر استثناء بے نفع ٹھہر گیا نیت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ جب کلام لازم ہے تو اس کا جو حصہ کوئی چیز اٹھائے وہ لغو ہے بلکہ بعض فقہاء کا یہ خیال ہے بھی کہ طلاق میں استثناء صحیح نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کا مصداق اور معنی اس وقت لازم ہوتے ہیں جب اسی پر کلام ختم ہو جب اس میں استثناء یا شرط مل گئی تو اس سمیت کلام ختم ہوا نہ کہ اس بغیر پس اس کی نیت کو شروع سے ضروری قرار دینا اور نہ ہو تو اسے لغو ٹھہرانا یہ تو لوگوں پر وہ بوجھ ڈالنا ہے جو اللہ کی طرف سے نہیں۔

فصل: امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ طلاق و عتاق کے واقع کرنے میں' ان کی قسم کھانے میں' ظہار میں' اس کی قسم میں' نذر میں اور تمام قسموں میں بجز اللہ تعالیٰ کی قسم کے استثناء صحیح نہیں۔ رہے امام احمد رحمہ اللہ تو ابوالقاسم خرقی کہتے ہیں کہ طلاق و آزادگی میں تو اکثر روایتوں میں آپ کی خاموشی مروی ہے۔ ہاں اور موقعوں پر صاف ہے کہ یہاں بے سود ہے۔

فرمان ہے کہ جو قسم کھائے اور ان شاء اللہ کہے اس کی قسم نہیں ٹوٹتی اور استثنا کرنے کا حق طلاق میں اور آزاد کرنے میں نہیں ہے۔ فرماتے ہیں جب کہے کہ تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ تو طلاق نہ پڑے گی اور روایت ہے کہ جب کہے تو مطلقہ ہے ان شاء اللہ تو یہ استثنا صرف قسم میں ہی ہوتا ہے۔ حسن قتادہ اور سعید بن مسیب کا قول ہے کہ طلاق میں استثناء نہیں' قتادہ کا قول ہے کہ ان شاء اللہ کے معنی ہیں اگر اللہ چاہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کی چاہت ہے ورنہ طلاق کی اجازت نہ ہوتی۔ جس نے قسم کھائی اور ان شاء اللہ کہا وہ قسم توڑنے میں گنہگار نہیں اور اسے اس کہنے کا اختیار طلاق دینے میں اور لونڈی غلام آزاد کرنے میں نہیں اس لیے کہ یہ دونوں قسمیں نہیں ہیں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ دونوں واقع نہیں ہوتیں تو اس مسئلہ میں آپ سے تین روایتیں ہوئیں وقوع عدم وقوع اور توقف آپ کا فرمان ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ تجھے طلاق ہے جس دن میں تیرے ساتھ نکاح کروں ان شاء اللہ پھر نکاح کرے تو طلاق نہیں پڑے گی اگر لونڈی سے کہے کہ جس دن میں تجھے خریدوں تو آزاد ہے انشاء اللہ تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ غالباً یہی قول ان کی دلیل ہے تو یہ غلط چیز ہے اس سے تو یہ مراد ہے کہ تعلیق آزادی ملکیت پر صحیح ہے اور تعلیق طلاق نکاح پر صحیح نہیں یہی قاعدہ ان کے مذہب کا ہے اس لیے کہ ملکیت مشروع ہوئی ہے سبب آزادی کے حصول کے لیے۔ جیسے اپنے ذی محرم رشتے دار کی ملکیت کبھی بیع سبب بن جاتی ہے آزادی کے حصول کا اختیاراً جیسے لونڈی غلام کی خرید کفارہ کے لیے یا ثواب کے لیے یا فدیے کے مثل اپنے قریبی کی خریداری کے اور نکاح سبب ازالہ نکاح کا نہیں اسی لیے ان کا یہ قول مطلق ہے کہ استثناء ایقاع طلاق و عتاق کا نافع نہیں اور اکثر روایتوں میں آپ کا توقف کرنا اور کوئی فیصلہ نہ کرنا مروی ہے۔

پس مسئلہ کی دو وجوہات ہوئیں۔ تیسری وجہ یہی ذکر کی ہے کہ اگر تعلیق کا قصد کیا اور یہ معلوم نہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے محال ہو جائے گی' تو طلاق نہ ہو گی۔ اگر تبرک اور ادب کا قصد ہے تو طلاق ہو جائے گی یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزادی واقع ہو جائے گی طلاق نہ ہو گی' لیکن یہ آپ سے ثابت نہیں بلکہ آپ پر غلط گوئی ہے اس فرق کی ایک حدیث بھی بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مروی ہے لیکن وہ موضوع ہے اب اگر کسی نے طلاق کی تعلیق کی کسی ایسے فعل پر جس سے مقصود رغبت دلانا یا روکنا ہے تو اس میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے فلاں سے کلام کیا تو تجھ پر طلاق ہے انشاء اللہ تو اسے یہ کہنا فائدہ مند ہو گا اور اگر اس نے اس سے کلام کیا تو بھی اس پر طلاق نہ پڑے گی اس لیے کہ یہ قسم ہے اور قسم میں استثناء صحیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کیونکہ استثناء کفارہ والی قسموں میں نفع دیتا ہے۔ یہ دونوں متلازم ہیں لیکن طلاق اور آزادی کی قسمیں کفارے والی نہیں اسی سے ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نکالا ہے کہ ان دونوں کی قسموں میں بھی کفارہ کافی ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ان شاء اللہ کہنا صرف ان قسموں میں ہے جو قابل کفارہ ہیں اور یہاں آپ ان شاء اللہ کہنے کو نافع مانتے ہیں تو یہ بھی انہی قسموں میں داخل ہو گئیں اس کے خلاف کا قول اس قاعدے کو توڑتا نہیں جیسے اسی جیسے اور مسائل و فتاویٰ ہیں۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ اگر فعل کی طرف استثنا کا اعادہ ہے تو فائدہ ہو گا اور طلاق کی طرف ہے تو دو روایتیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ دونوں روایتیں ان دو حالتوں کی ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اس گھر میں جائے تو تجھ پر طلاق ہے ان شاء اللہ اس سے کبھی تو اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری طلاق چاہے اور کبھی یہ ارادہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قسم کو منعقد کرنا چاہے تو یہ منعقد ہو جائے گی۔ مثلاً کوئی کہتا ہے واللہ میں قیام

کروں گا انشاء اللہ اب اگر اس نے قیام کیا تو معلوم ہوا کہ منشاء الٰہی یہی تھی اگر نہ قیام کیا تو معلوم ہو گیا کہ منظور الٰہی نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ شرط پائی نہیں گئی اس لیے قسم ٹوٹی بھی نہیں ٹھیک یہی صورت ان الفاظ کی بوقت قسم طلاق ہے۔

فصل : اگر کسی نے کہا کہ تجھے طلاق ہے مگر یہ کہ اللہ چاہے : تو جو لوگ اوپر کی صورت میں استثناء کو صحیح مانتے تھے ان میں یہاں اختلاف ہے اصحاب شافعی کے ہاں دونوں قول ہیں صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس کا کوئی نفع نہیں طلاق پڑ جائے گی اس کے خلاف اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو اسے صحیح نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ طلاق اس نے واقع کر دی اور اس کے اٹھنے کی تعلیق رکھی مشیت الٰہی پر جو معلوم نہیں تو واقع تو ہو گئی اور اس کا رفع اور دفع معلق رہا۔ صحیح کہنے والے کہتے ہیں قطعی واقع نہیں کی بلکہ معلق مشیت الٰہی پر گویا یوں کہا جب اللہ چاہے تجھے طلاق ہے اگر نہ چاہے نہیں بلکہ اس میں تو پہلی صورت سے بھی اضافہ ہے اس نے عدم مشیت الٰہی کو مانع طلاق رکھا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو مستلزم ہے اس کا ان شاء اللہ کہنا وجود مشیت کے وقت تو صریح ہے اور اس کے انتفا کے وقت وہ بھی منتفی ہے۔ اسی طرح مگر یہ کہ اللہ چاہے کہنا عدم مشیت کے وقت عدم وقوع پر صریح ہے اور بوقت مشیت وقوع پر مستلزم ہے پس دونوں صورتیں برابر کی ہیں جیسے اصحابِ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور بعض شافعیہ کے نزدیک مخالفین نے جو دلیل دی ہے وہی ٹھیک ہے تو وہاں یہاں دونوں جگہ ٹھیک ہے، نہیں تو دونوں جگہ نہیں، اگر **ان شاء اللہ کہا لیکن** معنی نہیں جانتا تو حنفیہ تو کہتے ہیں طلاق واقع نہ ہو گی اس لیے کہ جب استثناء کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوتی تو نہ ہو گی خواہ وہ معنی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے باکرہ کی بابت حدیث میں ہے کہ اس کی خاموشی اس کی رضامندی ہے اب اگر وہ خاموش رہی اور باپ نے اس کا نکاح کرا دیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا خواہ اسے اس کا علم ہو یا نہ ہو کہ میری خاموشی میری رضامندی سمجھی جائے گی بلکہ اگر قصد کے بغیر بھی زبان سے ان شاء اللہ نکل گیا تو بھی طلاق واقع نہ ہو گی ایک طرف یہ قول ہے اور دوسری طرف یہ قول ہے کہ نیت استثناء شرط ہے اول کلام میں یا کم از کم فراغت سے پہلے۔

اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے نہ چاہا یا جب تک اللہ نے نہ چاہا : تو مذہب حنبلیہ میں دو قول ہیں ایک واقع ہو جانے کا اس لیے کہ اس کلام میں دو امر ہیں ایک محال ایک ممکن۔ ممکن تو طلاق کا دینا ہے اور محال اس کا واقع ہونا ہے اس صفت پر یعنی جب اللہ نہ چاہے جب وہ چاہے تو اس کا وقوع واجب ہو جائے گا تو یہ محال کی تقیید لغو ہو جائے گی اور اصل طلاق مان لی جائے گی جو لوگ کہتے ہیں کہ واقع نہ ہو گی ان کی دو دلیلیں ہیں تعلیق طلاق محال شرط پر جو وقوع سے مانع ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ تجھ پر طلاق ہے اگر تو دو ضد کی چیزوں کو جمع کر لے یا تو اس کوزے کا پانی پیے حالانکہ اس کوزے میں پانی نہیں تو نہ شرط پوری ہو نہ طلاق واقع ہو اسی طرح جب کہا کہ تجھ پر طلاق ہے اگر اللہ نہ چاہے یہ بھی غیر واقع ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ معنوی استثناء ہے یعنی اگر تیری عدم طلاق کی منشاء الٰہی ہو تو یہ مثل مگر یہ کہ اللہ چاہے کے ہے اس کا بیان پہلے بسط سے گزر چکا ہے۔

اس طلاق کو واقع کرنے والوں کی دلیلیں :

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے طلاق اور آزادی کے دوسری ہر چیز میں استثناء روا رکھتے تھے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ تو طلاق پڑ جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ وہ استثناء ہے جو جملہ طلاق کو اٹھا دیتا ہے اس لیے صحیح نہیں تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی کہے تجھ پر تین طلاقیں ہیں مگر تین نہیں اور اس لیے بھی کہ یہ حکم کو نوید کرتا ہے اور ہے بھی اپنی جگہ پر تو مشیت سے اٹھ نہیں سکتی جیسے تجارت اور نکاح۔ اور اس لیے کہ اس میں ملکیت کے ازالے کی تعلیق اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اس لیے یہ صحیح نہیں جیسے کوئی کہے میں تجھے بَری کرتا ہوں ان شاء اللہ اور دلیل یہ بھی ہے کہ یہ تعلیق ایسے امر پر ہے جس کا عِلم ہو ہی نہیں سکتا پس مانع وقوع طلاق کوئی نہ رہا جیسے کوئی کہے کہ تجھے طلاق ہے اگر آسمان و زمین چاہیں ہاں اگر اس کے عِلم کا کوئی راستہ ہوتا تو اس شرط کے وقوع پر طلاق کا وقوع معلق رہتا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے چاہا اس لیے کہ اس نے اجازت دی ہے اور دلیل یہ ہے کہ جناب باری نے طلاق کو واقع کرنے کے لیے یہی لفظ مقرر فرمائے ہیں جب اس نے یہ لفظ کہہ دئے تو وہ منشاء الٰہی کو لے آیا کوئی شئے بغیر مشیت کے ہوتی نہیں یہاں شئے ہے لہٰذا مشیت بھی ہے کسی چیز کی بنا اس کے اسباب کا مہیا کرنا ہی ہے۔ مشیت سبب ہی مشیت مسبب ہے اگر اللہ کی منشاء نہ ہوتی تو یہ وقوع طلاق کو نوید نہ کر سکتا جسے وہ نہیں چاہتا اس کا وجود محال ہے جسے چاہتا ہے اس کا وجود واجب ہے یہی حال مشیت فعل کا ہے اگر کہے میں یوں کروں گا ان شاء اللہ تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ میرا یہ فعل مشیت الٰہی پر موقوف ہے جیسے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہے کہ میں اس میں جاؤں گا ان شاء اللہ وغیرہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد اور بھائیوں سے کہا مصر میں آجاؤ اگر اللہ نے چاہا تو امن والے ہو یہ قول ان کے آنے کے وقت تھا اور مشیت راجح ہے۔ مقید آنے کی طرف امر کے صیغہ سے تو دونوں کو شامل ہے کہتے ہیں کہ اگر توحید و رسالت کی گواہی دے اور آخر میں ان شاء اللہ کہہ دے یا کوئی کہے کہ میں مسلمان ہوں انشاء اللہ تو یہ اس کی صحت اسلام میں مطلقاً اثر انداز نہیں' نہ یہ کہ اس کے اسلام کو معلق بالشرط کر دیتا ہو۔ یہ ہی ان کی دلیل ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ چاہے تو اس کے منہ سے لفظ طلاق نکلوائے جب اس نے اپنی طلاق کے بعد ان شاء اللہ کہا تو معلوم ہو گیا کہ اللہ نے چاہا تھا اس کا یہ قول ایسا ہو گیا جیسے کوئی کہے کہ تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے طلاق مباح کی ہو یا اس کی اجازت دی ہو ہاں اگر اس نے یہ کہا کہ تجھ پر طلاق ہے اگر فلاں سے تو بات کرے تو یہ طلاق شرط کے ساتھ ہے پائی جائے تو طلاق ہے ورنہ نہیں۔ مشیت الٰہی میں تو ظاہر ہے کہ سبب ہی مشیت ہے اور سنیے کفارہ میں جو قوت ہے وہ انشاء اللہ کہنے میں نہیں' کفارہ حکم قسم کو بالکل اٹھا دیتا ہے اور استثناء اس کے عقد کو روک دیتا ہے ظاہر ہے کہ روکنے والے سے قوت اٹھا دینے والے میں زیادہ ہے پھر کفارہ موثر ہے' خواہ متصل ہو یا نہ ہو اور ان شاء اللہ کہنا متصل نہ ہونے کی صورت میں بے اثر ہے پھر باوجود قوت کے کفارہ بھی طلاق و آزادی میں موثر نہیں تو استثنا کیسے موثر ہو گا؟ ایک دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ اگر یہ استثناء ہے تو جملہ مستثنیٰ منہ کو رفع کر دیتا ہے اور اگر یہ شرط ہے تو اس کے معنی دو ہیں ایک تو یہ کہ اگر اللہ نے تیری طلاق چاہی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اگر اللہ نے آئندہ کسی وقت یہ چاہا کہ میں تجھے طلاق دے دوں اگر اوّل مراد ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ نے اس کی طلاق چاہی کیونکہ سبب پیدا کر دیا اور اگر دوسرے معنی مراد ہیں تو بالکل لغو ہے کیونکہ کسی کو منشا ربّ العالمین کا عِلم نہیں اس لیے اس

محال کو چھوڑ دینے کے بعد طلاق اپنی اصلیت پر رہ جاتی ہے اس لیے جاری ہو جائے گی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ اس نے جس چیز پر طلاق کو معلق رکھا ہے وہ یقیناً ہونے والی چیز ہے اس لیے وہ جاری اور جائز ہے مثلاً یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے اگر اللہ جانے یا اگر اللہ قدرت رکھے یا اگر اللہ سنے یا اگر اللہ دیکھے۔ اس کی وضاحت سنئے مشیت کا مفعول محذوف اس کی نیت میں بھی کوئی معین مفعول نہیں تو حقیقت اس کلام کی یہ ہوئی کہ اللہ کی اگر مشیت ہے یا وہ جو کچھ چاہے اور اگر اس کی نیت میں ہی معینہ واقعہ طلاق ہے تو کوئی مانع نہیں کہ مطلق کے اس مخصوص فرد کی طرف اسے لوٹا کر اس کو وقوع میں شرط کر دیا جائے آپ اگر کسی ایسے متکلم سے دریافت کریں تو وہ مشیت خاص کا نام ہرگز نہ لے سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز اس کے ذہن میں بھی نہ ہو بلکہ اس کا یہ لفظ بولنا عام لوگوں کی عادت کے مطابق ہی ہو گا جو وہ قسم نذر وعدے کے وقت مراد لیا کرتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ استثناء کی اصل تو قسموں میں ہے کہ اس کے بعد چاہے کرے چاہے چھوڑے اس کا کوئی دخل خبروں اور ان شاء میں نہیں۔ زید کھڑا ہو ان شاء اللہ یا تو کھڑا ہوا ان شاء اللہ کوئی نہیں کہتا۔ طلاق اور آزادگی غلام تو لین دین کی قسم سے ہے جسے اس سے کوئی تعلق نہیں اور سنیے اس طلاق سے یا تو دے دی ہوئی طلاق مراد ہے یا کلام کے ساتھ ملی ہوئی یا آگے دی جانے والی اگر پہلی دو طلاقیں مراد ہیں تو وہ واقع ہو چکی اور اگر تیسری قسم مراد ہے یعنی اگر منشاء الٰہی یہ ہے کہ تو آگے چل کر طلاق والی ہو جائے تو تجھے طلاق ہے تو بھی طلاق واقع ہو گئی اس لیے کہ اس وقت کی مشیت ربانی جو طلاق کی ہے وہ مستقبل میں طلاق واجب کر دیتی ہے تو اب کلام کا مطلب یہ ہو گیا کہ میں نے تجھ کو اب طلاق دی مشیت الٰہی سے پس تو طلاق والی ہے تو طلاق مشیت سے ہوئی۔ یہاں تین دعوے ہیں ایک یہ کہ اسے طلاق دے دی' دوسرا یہ کہ اللہ نے یہ چاہا' تیسرا یہ کہ وہ عورت مطلقہ ہو گئی۔ پچھلے دونوں دعووں کی صحت پہلے دعوے پر موقوف ہے پہلے دعوے کی صحت کا بیان یہ ہے کہ یہ لفظ طلاق کے لائق ہے اس لیے طلاق ہو گئی دوسرے دعوے کا بیان یہ ہے کہ وہ حادث ہے اس لیے یقیناً اللہ کی مشیت سے حدوث ہوا ہے اور اسی لیے طلاق واقع بھی ہو گئی اور وہ عورت مطلقہ بھی ہو گئی یہ تھے دلائل ان حضرات کے جو اس طلاق کو واقع اور صحیح اور جاری مانتے ہیں۔

اب اس طلاق کے واقع نہ کرنے والوں کی دلیلیں سنیے :

یہ کہتے ہیں کہ کم از کم آپ حضرات نے طلاق کو شرط پر معلق کرنا تو مان ہی لیا ظاہریہ کی طرح اس کا انکار تو آپ کو نہیں اس لیے آدھا بوجھ تو ہمارا ہلکا ہو گیا۔ اب بحث صرف اسی معلق طلاق میں رہ گئی اگر صحت تعلیق طلاق کو بھی آپ مان لیں تو باقی کا آدھا فاصلہ بھی کٹ گیا۔ اس تعلیق کی صحت تو یقینی ہے اگر اسے محال مانا جائے تو قسموں کی وعدوں کی اور نذر وغیرہ کی تعلیق بھی محال ہو جائے گی۔ اور یہ تمام اُمت کے نزدیک باطل ہے اس کے بعد صرف یہ امر باقی رہا کہ اس شرط کا وجود ممکن بھی ہے یا نہیں؟ اگر آپ امکان کو بھی تسلیم کر لیں تو ہم میں آپ میں اور بھی نزدیکی ہو جاتی ہے اور اتنی بات تو متفقہ ہو جاتی ہے کہ یہ طلاق معلق ہے اس کی تعلیق شرط ممکن پر ہے پھر صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ تاثیر شرط اور عمل شرط مستقبل زمانے پر موقوف ہے؟ یا ماضی' حال' استقبال سب میں اس کی تاثیر ہوتی ہے؟ اگر آپ اس کے اثر کو مستقبل پر موقوف ٹھہرائیں اور ماضی اور حال میں اس کے تعلق کو صحیح نہ مانیں اور ہمیں معلوم ہے کہ یہی آپ مانتے بھی ہیں تو اب آخری منزل یہ باقی رہ گئی کہ اس شرط کے وقوع کا علم بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ جو آپ نے یا آپ کے بعض نے اس کے علم نہ ہونے کی مثال دی ہے کہ اگر یہ کہتا کہ یہ پتھر اگر چاہے یا یہ مردہ اگر چاہے یا یہ مجنون اگر

چاہے ہمیں واللہ سخت رنج ہے اور نہایت قلق ہے کہ آپ نے اس قدر بھاری پتھر کیوں اُٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو آپ نے ان کی مشیت پر قیاس کیا بتاؤ تو دنیا میں اس سے بھی بدتر اور ناپاک تر کوئی اور قیاس بھی ہو سکتا ہے؟ تمہیں کوئی اور بات کہنی ہی نہ آتی تھی کہ تم نے اس تحریر کاغذ کو سیاہ کرنے سے پہلے اپنا مُنہ کالا کر لیا۔ سنو اس کا جواب سنو' اس نے طلاق اس کی مشیت پر معلق کی ہے کہ تمام عالم اسی کی مشیت سے چل رہا ہے۔ ہر حادث کے ہونے پر اس کی مشیت معلوم ہو جاتی ہے پس یہ تو صحیح ترین تعلق ہے۔ اب جبکہ اس نے معلق کا ان شاء طلاق کی صورت میں مستقبل میں کیا تو ہمیں وجود شرط اس کی ان شاء سے معلوم ہو گیا اور طلاق واقع ہو گئی یہ امر تو شرعاً' عرفاً' قدرۃً ہر طرح معقول ہے۔

اس کا ان شاء اللہ کہنا اس ارادے سے نہیں کہ ماضی میں اللہ نے چاہا ہو صرف دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو یہ اس طلاق کے بارے میں جو وہ اب دے رہا ہے یا مستقبل کی طلاق کے بارے میں اب ان لفظوں کا ارادہ ہی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کی تعلیق شرط کے ساتھ صحیح نہیں شرط کا اثر مستقبل میں ہوتا ہے پس اس کلام کا اصلی منشا کہ تو طلاق والی ہے اگر مستقبل میں اللہ یہی چاہے تو یہ اب لازم نہیں ہونے کی جیسے کہ یہی الفاظ اس کے ہوتے تو جب تک یہ اس کے بعد دوسرے الفاظ نہ کہتا اور طلاق نہ دیتا تو طلاق نہ ہوتی۔ جس کی مشیت پر اس نے طلاق کو معلق رکھا ہے وہ صحیح اور معتبر منشا والا ہے کسی اور کی مشیت پر یہ معلق رکھتا مثلاً حیات رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کی مشیت پر تو ظاہر ہے کہ اسی وقت واقع نہ ہو جاتی اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی اس کے رسول کی بھی منشا ہوتی ہے اگر یہ تعلیق اسی وقت طلاق واجب کر دیتی ہے تو مشیت رسول والی طلاق کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ اس کا بولنا ہی اللہ کا چاہنا ہے یہ اس وقت ہے جب یہ مطلق طلاق دیتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مطلق طلاق تو اس نے دی نہیں شرط پر معلق دی ہے تو جب یہ اس کے بعد طلاق دے گا تو معلوم ہو گا کہ اب اللہ نے اس کی طلاق چاہی اور یہ مطلقہ ہو گئی بلکہ ہم کہتے ہیں اگر اللہ کو اسے طلاق دینی منظور ہوتی تو یہ مطلق طلاق دے دیتا' تعلیق و استثناء کے جھگڑے نہ ڈالتا جب اس نے یہ لفظ بولے تو معلوم ہوا کہ منشاء رب اس کی طلاق کا اجرا نہیں۔ اس کی مزید وضاحت سنیے مشیت لفظ مشیت حکم نہیں ہوا کرتی جب تک کہ لفظ حکم کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس لیے اگر زبردستی کیا ہوا یا بے وقوف یا بچہ یا مجنوں طلاق کا لفظ کہے تو ظاہر ہے کہ اللہ کی مشیت سے اس نے یہ لفظ بولا لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ حکم کے وقوع کی منشاء ربانی نہیں اس نے ان لوگوں کے الفاظ پر احکام کا ترتب نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا ارادہ نہیں۔ پس اس شخص نے جس نے طلاق کو مشیت الٰہی پر معلق کیا ہے اسی بات کا ارادہ کرنے والا ہے۔ کہ اس کی طلاق نہ واقع ہو گو لفظ طلاق کا تلفظ بہ منشاء رب العالمین اس نے کر دیا ہے اور مزید وضاحت لیجئے جو مطلب و معنی عقد قسم میں اس لفظ کے بعد مانع ہے وہی طلاق و عتاق میں بھی موجود ہے۔ یہ کہتا ہے واللہ میں آج اس کام کو کروں گا' ان شاء اللہ تو اس نے التزام کیا اگر کر لے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ منشاء مربی کل تھی نہ کیا تو معلوم ہو گیا کہ نہ تھی صرف بندے کی منشاء منشاءِ الٰہی نہیں بندہ بہت کچھ چاہتا ہے لیکن ہوتا نہیں اس کی مشیت نہ تو واجب کرتی ہے نہ لازم بلکہ فعل کے لیے مشیت رب ضروری ہے۔ یہی فرمانِ الٰہی ہے تم کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہے وہی علم و حکمت والا ہے۔ اور جگہ فرمان ہے تمہاری چاہت بے سود ہے وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ رب العالمین کی چاہت ہو۔ دوسروں کی منشا کے متعلق فرمان ہے یہ نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے' نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جیسے قسم ان شاء اللہ کے بعد منعقد نہیں ہوتی ایسے ہی وعدہ بھی جب کسی نے کہا کہ میں اسے کروں گا۔ ان شاء اللہ اور نہ کیا تو وہ

وعدہ خلاف میں نہیں اسی طرح جب انہی لفظوں میں طلاق کہی اب اگر اس کے بعد طلاق دی تو معلوم ہوا کہ اللہ نے چاہا اور طلاق ہو گئی اگر نہ دی تو معلوم ہوا کہ نہ چاہا اور نہ پڑی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

جن دو صحابہ رضی اللہ عنہما کے فرمان تم نے وارد کیے افسوس ہے کہ وہ ثابت نہیں۔ عطیہ راوی ضعیف ہے' جمیع بن عبدالحمید مجہول ہے' خالد بن یزید ضعیف ہے' بقول ابنِ عدی اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما والے اثر کی سند کا تو حال معلوم ہی نہیں کہ مقبول مردود کہی جا سکے پھر ان کے خلاف ایسے ہی آثار اور بھی ہیں۔ بیہقی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمین کی تمام پیدا کردہ چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک طلاق سے زیادہ بری اور ناپسند چیز کوئی نہیں اور آزادی غلام سے بہتر اور پسندیدہ چیز بھی اور کوئی نہیں۔ جب کسی نے اپنے مملوک سے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے ان شاء اللہ تو وہ آزاد ہے اس کا استثناء کچھ نہیں اور جب اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر طلاق ہے ان شاء اللہ تو اس کا استثناء معتبر ہے اور طلاق نہیں۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھ پر طلاق ہے ان شاء اللہ تو؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے اس کا استثناء ہے اس نے کہا کہ اگر اس نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزاد ہے ان شاء اللہ تو؟ آپ نے فرمایا وہ آزاد ہو گیا اس لیے کہ آزادی کو اللہ چاہتا ہے اور طلاق کو نہیں چاہتا اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے اپنی بیوی سے یوں کہا یا اپنے غلام سے یہ کہا یا کہا کہ اس پر پیدل حج ہے ان شاء اللہ تو اس پر کچھ نہیں پھر حدیث لائے ہیں اس میں صرف طلاق کے نہ واقع ہونے کا بیان ہے۔ اب اگر ہمارا وطیرہ بھی دوسرے مصنفین جیسا ہوتا تو ہم ان آثار پر بے حد پھولتے لیکن ہمارا محققانہ طرز ہمیں اس سے روکتا ہے ہم صاف کہتے ہیں کہ گو یہ ہمارے دعوے کے موید ہیں لیکن ہم اس سے دست کش ہیں اس لیے کہ یہ سب باطل اور موضوع ہیں۔ پہلی حدیث کی سند میں کئی بلائیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کا راوی حمید بن مالک ضعیف ہے دوسری یہ کہ مکحول کی ملاقات معاذ سے ثابت نہیں' تیسری یہ کہ اس میں اضطراب ہے پھر یہ کہ اس میں انقطاع ہے غرض صحت سند اس سے بہت دور ہے۔ چوتھی یہ کہ اسماعیل بن عیاش ایسے راوی نہیں جن کا تفرد اس جیسے مسائل میں مان لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے اسے قبول نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ کا قول اسی پر ہے یہ بھی باطل ہے صحیح نہیں نہ اس کی کوئی پختہ سند ہے۔ رہا دوسرا اثر اس کی سند میں بھی اندھیروں پر اندھیرے ہیں' اسحاق بن نجیح ملطی کذاب ہے' تیسرا اثر اس میں جارود بن یزید ضعف کی حد سے گزر کر ترک کی حد تک ترقی کر گیا ہے پس دونوں طرف کے آثار بے سود ہیں۔

فصل: اس قول کا جواب کہ یہ ایسا استثناء ہے کہ جملہ طلاق کو رفع کر دیتا ہے:

یہ بھی صحیح نہیں پھر اس کی مثال میں یہ کہنا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں مگر تین عجب نکمی حجت ہے استثناء نے حکم طلاق کو اس کے وقوع کے بعد نہیں اُٹھایا بلکہ اس کے انعقاد کو روک دیا ہے جو جاری ہوتا ہو ہاں اس سے معلق منعقد ہوتی ہے جیسے یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے اگر فلاں چاہے اب اگر اس نے نہ چاہا تو طلاق نہیں پڑے گی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس استثناء نے جملہ طلاق کو رفع کر دیا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یہ حکم محل میں ہے پس مشیت سے اٹھ نہیں گیا جیسے بیع اور نکاح یہ قول تو پہلے سے بھی ٹھنڈا ہے' بیع و نکاح کی تعلیق شرط کے ساتھ صحیح نہیں بخلاف طلاق کے۔ یہ قول کہ ازالہ ملک کی تعلیق مشیت اللہ پر صحیح نہیں جیسے معافی کی۔ ہم کہتے ہیں انصاف کو چھوڑ کر بات نہ کرو دیکھو معافی تو تمہارے نزدیک کسی کی مشیت سے صحیح

نہیں' مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے تجھے بری الذمہ کیا اگر زید چاہے تو یہ تمہارے نزدیک صحیح نہیں لیکن اگر وہ کہتا کہ میں نے تجھے طلاق دی اگر زید چاہے تو یہ صحیح تھا یہ قول کہ مشیت الٰہی کے علم کی کوئی راہ نہیں یہ بھی غلط ہے اگر مستقبل میں اس نے طلاق دی تو شرط کے وجود کا علم ہمیں ہو گیا کہ اللہ نے چاہا' تمہارا یہ کہنا کہ اللہ کا چاہا تو ظاہر ہے ورنہ وہ طلاق کیسے دیتا؟ یہ بھی مغالطہ ہے طلاق معلق چاہت الٰہی ہے نہ کہ طلاق منجز اگر یہی منظور الٰہی ہوتی تو وہ یہی واقع کرتا اس میں کوئی تبدیلی نہ کر سکتا۔ پس اس وقت واقع کرنا منشا الٰہی نہ تھا جو منشا تھا وہ اس وقت طلاق کو واقع نہ کرتا تھا۔ یہ کہنا کہ الفاظ طلاق کے لیے ہی وضع ہیں یہ ایک حد تک سچ ہے مگر طلاق معلق کے لیے۔ یہ کہنا کہ اگر اللہ کی چاہت نہ ہوتی تو وہ انسان کو طلاق کے تکلم کی اجازت ہی نہ دیتا یہ بھی درست ہے لیکن یہاں اجازت طلاق معلق کی ہے۔ تمہارا یہ قول کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے اور وہ فعل کے ساتھ مخلوط ہو کہ میں یہ کروں گا ان شاء یہ تو اس مسئلہ کا فیصلہ ہے جب اس نے اپنے اس قول سے یہ ارادہ کیا تو اس پر طلاق لازم ہے وجود شرط کی وجہ سے' لیکن کلام اس مسئلہ میں نہیں کلام اس میں ہے جہاں ارادہ مستقبل کا ہو یا اطلاق کا ہو اور کوئی نیت نہ ہو قسم اول تو نزاع کی چیز نہیں نہ اس میں ائمہ کا تنازع ہے کیونکہ وہ تعلیق مستقبل کی ایک ممکن شرط پر ہے جسے لغو کرنا جائز نہیں مثلاً وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ نے کل تجھے طلاق دینا چاہا تو تجھے طلاق ہے تو اس میں شک ہی کیا ہے اب یہ اور بات ہے کہ تم وہی سڑی بھسی بات پھر سے دوہرا دو کہ جسے سننا بھی کوئی بھلا آدمی پسند نہیں کرتا کہ یہ اسی کے مثل ہے کہ پتھر اور مردے کی چاہت پر تعلیق کی جائے لیکن جبکہ کوئی اپنے ایسے کلام کو مطلق رکھے تو جو اس شرط کا تقاضا ہے لغتاً شرعاً اور عرفاً اسی پر محمول کیا جائے گا یعنی آئندہ زمانے میں طلاق دینے پر۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قول سے استدلال کرنے کا جواب : یہ بھی تمہاری دلیل نہیں اس میں استثناء اگر ہمیشگی کے امن کی طرف لوٹے تو ظاہر ہے اور اگر دخول کی طرف لوٹے جو اسی کے ساتھ مقید ہے تو تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ بوقت دخول شہر کہا یا بعد میں کہا؟ ممکن ہے ان کی ملاقات کے وقت کہا ہوا اور ان کا آپ کے پاس آنا منزل ملاقات میں ہو اس وقت کہا ہو کہ امن کے ساتھ مصر میں چلو ان شاء کہہ اور اگر شہر میں آچکنے کے بعد کہا ہو تو یہ مطلب ہے کہ وطن بنا کر باامن یہاں رہو گے ان شاء اللہ' کلمہ کے بعد اور میں مسلمان ہوں کہہ کر ان شاء اللہ کہنا صحت اسلام کا باعث اس لیے ہے کہ اس میں شرط کے ساتھ تعلیق کی قبولیت کا مادہ ہی نہیں۔ یہ شرط پر معلق رکھنے کے بعد بھی جاری ہو جاتا ہے جیسے مرتد ہونا۔ لیکن طلاق شرط پر معلق ہو جاتی ہے یہ کہنا کہ اللہ نے اس کے منہ سے طلاق نکلوانا چاہا پس اس کا اس کے بعد ان شاء اللہ کہنا تحقیق ہے اس بات کی کہ اللہ نے چاہا اس کا جواب پہلے گزر چکا کہ چاہت الٰہی اطلاق معلق کی ہے نہ کہ منجز کی جو اسی وقت ہو جائے؟ یہ قول کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ' یعنی اگر اللہ نے طلاق کی اجازت دی ان دونوں جملوں میں کوئی فرق نہیں حالانکہ ان میں بہت بڑا فرق ہے حقیقتاً بھی اور لغتاً بھی یہ فرق اتنا واضح ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں ایسے معاملات پر روشنی ڈالنا خود اپنی کند ذہنی پر چراغ روشن کرنا ہے بلکہ اس کی نظیر یہ کہنا ہے کہ تو مطلقہ ہے اگر اللہ نے میرے اس لفظ کے تلفظ سے یہی چاہا ہے تو یہ قطعاً واقع ہو جائے گی۔

دلیل کفارہ کا جواب : یہ کہنا کہ باوجودیکہ کفارہ زور دار چیز ہے تاہم اس کا دخل طلاق و عتاق میں نہیں پھر استثناء کا دخل کیسے ہو گا؟ یہ شبہ یوں تو گھبرا دینے والا ہے لیکن ہے ڈھل جانے والا سایہ' طلاق و عتاق

جب واقع ہو گئے تو پھر کفارہ کوئی چیز نہیں رہتا بخلاف قسم کے کہ اس کا حل کفارہ سے ہو سکتا ہے بیشک یہ شرعی حکم ہے جس کے بدلنے کا کوئی حق کسی کو نہیں۔ وقف' بیع' ہبہ' اجارہ' خلع سب ایسے ہی ہیں کہ کفارہ قبول نہیں کرتے۔ لیکن استثناء قسم سے عام ہے جیسے وعدہ وعید اور مستقبل کی خبر جیسے حضور ﷺ کا فرمانا کہ ہم تم سے ملنے والے ہیں ان شاء اللہ اور آپ کا امیہ بن خلف کے بارے میں فرمانا کہ میں ہی اسے قتل کروں گا ان شاء اللہ اسی طرح حال کی خبر جیسے یہ کہنا کہ میں مومن ہوں ان شاء اللہ' ان میں سے کسی میں کفارہ نہیں پس کفارہ اور استثناء میں تلازم نہیں ہے بلکہ کفارہ وہاں ہے جہاں استثناء نہیں اور استثناء کی حیثیت کفارہ کے سوا ہے ان دونوں میں تلازم نہیں۔ کفارہ اس لیے مشروع ہے کہ قسم کی پابندی کے ٹوٹ جانے کا بدلہ ہو جائے اور استثناء تاکید توحید کے لیے مشروع کیا گیا ہے کہ بندہ اپنا امر اسے سونپتا ہے جس کے ہاتھ میں کل امور ہیں پس اسی رب نے یہ مقرر کیا ہے کہ جس بات کا بندہ عزم کرے اس کے فعل یا ترک پر قسم کھائے اسے اس رب کی مشیت کی طرف سونپ دے اور زبان سے نکالے پس یہ الگ شے ہے اور کفارہ بالکل جداگانہ چیز ہے۔

آپ کا یہ قول کہ استثناء اگر حکم کو اٹھا دیتا ہے تو پورے مستثنیٰ مِنہ کو اٹھا دے گا یہ تو تحقیق سے بالکل دور ہے یہ استثناء حروف استثناء یعنی مگر وغیرہ سے نہیں جس سے بعض مذکور خارج ہو کر بعض باقی رہ جاتے ہیں جس سے تمہارا ذکر کردہ بیان لازم آئے یہ تو شرط ہے جس کے انتفاء سے مشروط کا انتفاء ہو جاتا ہے پھر یہ قائل اس میں کیا کہے گا کہ جب اس نے کہا تو طلاق والی ہے اگر آج زید چاہے اور اس نے نہ چاہا تو اس کے قول کے مطابق تو یہ صحیح نہ ہونا چاہیے۔ اگر کہا جائے کہ اگر یہ گر وغیرہ الفاظ سے نکال دے تو؟ مثلاً کہے کہ تجھے طلاق ہے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو تمہیں بھی ہماری بات ماننی پڑے گی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی مغالطہ ہے اس سے بھی پورا جملہ اٹھ نہیں جاتا۔ اس میں بھی پہلے کلام کی جو مطلق تھا تقیید ہے دوسرے مخصص جملے کے ساتھ جو اس کے بعض احوال کی تخصیص کر دیتا ہے یعنی تو طلاق والی ہے ہر حال میں مگر ایک حالت میں کہ اللہ نہ چاہے اس کے بعد جبکہ اس نے طلاق نہ دی تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ نے نہیں چاہا۔ اگر وہ چاہتا تو یہ ضرور پھر سے طلاق دیتا پھر ہم وہی کہیں گے کہ اس کے خلاف یہ جملہ ہے کہ وہ کہتا مگر یہ کہ زید چاہے یا کہتا مگر یہ کہ تو کھڑی ہو جائے وغیرہ پھر زید نہ چاہتا یا یہ کھڑی نہ ہوتی تو طلاق نہ پڑتی۔ اسے استثناء لغت شارع کے مطابق کہا جاتا ہے جیسے فرمان ہے : ﴿ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴾ (قلم ۱۸) یعنی انہوں نے استثناء نہیں کیا یعنی ان شاء اللہ نہیں کہا۔ یہ لفظ "ثنیت الشئ" سے ہے اِلاَّ کے ساتھ جب ہوتا ہے تو اپنے کلام پر لوٹتا ہے اور آخر کو اوّل پر لپیٹ دیتا ہے اوّل میں جو داخل تھا اسے نکال دیتا ہے یہی حال شرط کی قید سے ہوتا ہے متکلم اپنے کلام کو پھر سے دوہراتا ہے مطلق کو مقید کر دیتا ہے ان حروف سے استثناء یہ خاص نحویوں کا عرف ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ یہ اگر شرط ہے تو بھی سبب کے ہونے سے یہ پوری ہو گئی اور طلاق پڑ گئی اگر اس سے مراد مستقبل میں منشاء الٰہی ہونا ہے تو وہ ایسی چیز ہے جس کے علم کی کوئی طاقت نہیں لہٰذا لغو ہے اور طلاق ہو گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ استثناء کرنے والے کا یہ تو پہلا ارادہ ہوتا ہے نہ اس کے دل میں اس کا وہم گزرتا ہے رہا دوسرا امر اس کی بابت یہ ہے کہ اس کا علم ممکن ہے جیسے ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔

یہ کہنا کہ آخر یہ چیز تو ہوتی ہی ہے اس لیے طلاق ہو جائے گی جیسے علم و قدرت ہو سمع الٰہی پر طلاق موقوف رکھنا یہ بھی نری دھینگا مشتی ہے اگر یہ مان لیا جائے تو قسموں کا استثناء بھی اڑ جائے گا۔ استثناء کرنے والے کا یہ خیال بھی نہیں وہ تو امر کو اللہ کی طرف سونپ رہا ہے وہ چاہے نافذ کرے چاہے واقع نہ کرے گویا یوں کہتا ہے کہ میں نے تو طلاق کو یا قسم کو لازم کر لیا

ہے لیکن اس کا التزام مجھ پر مشیت الٰہی کے ماتحت اور اس کے بعد ہے اگر وہ چاہے گا تو ایسے اسباب بنا دے گا کہ یہ جاری ہو جائے نہیں چاہے گا نہ اسباب پیدا کرے گا نہ یہ کام ہو گا یہ نہیں کہتا کہ اگر اللہ مشیت کا مالک ہے تو تجھ پر طلاق ہے اس کی وضاحت سنیے۔ یہ چیز ناقابل تعلیق ہے خصوصاً لفظ "ان" کے ساتھ جس کے معنی ہوتے ہیں اگر۔ اس لیے کہ یہ جائز الوجود اور عدم کے لیے ہے اس میں شک کرنے والا یقیناً گمراہ ہے بخلاف مشیتہ خاصہ کے کہ اس کا طلاق کے ساتھ متعلق ہونا ممکن ہے اور نہ متعلق ہونا بھی اسے اس میں شک ہے کہ آیا چاہتا ہے یا نہیں چاہتا۔

یہی چیز ہے جو قسم کھانے والوں اور استثناء کرنے والوں کے سامنے ہوتی ہے۔ حذف مفعول یہاں اس لیے نہیں جو تم سمجھتے ہو کہ معین ہی نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ عام طور پر اس کا علم ہے اور دلالت کلام بھی اس پر ہے اور اس کے ارادے کا مطلب بھی اس پر دال ہے یعنی وہ کہتا ہے اگر اللہ تجھے طلاق دلوانا چاہتا ہو تو تجھے طلاق ہے جیسے کہے اللہ آج مجھے سفر میں بھیجنا چاہتا ہو تو واللہ میں سفر کروں گا اس سے یہ مطلب نہیں کہ مشیت کی صفت اگر اللہ میں ہے تو پس مشیت معین مخصوص ہی اس کی مراد ہے نہ کہ تم نے جو تاویل و تحریف کی۔ تم نے جو کہا ہے کہ اگر اسی سے دریافت کیا تو خاص مشیت کہہ بھی نہ سکے گا بلکہ لوگوں کی عادت کے مطابق اس نے بھی کہا ہے یہ بھی غلط خیال ہے اگر صحیح ہے تو پھر یہ استثناء قسم میں بھی کوئی نفع نہ دے گا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ قصد تحقیق و تاکید ہی اگر مشیت کے ذکر سے ہے تو بیشک طلاق جاری ہو جائے گی یہ استثناء ہی نہیں ہوا۔ آپ کا یہ فرمان کہ استثناء کا باب قسم ہی ہیں اس پر کیا دلیل ہے؟ بیشک حدیث میں استثناء کا بموقعہ قسم ذکر ہے لیکن اس سے اختصاص کیسے ہو گیا؟ بلکہ قرآن کی آیت : ﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ ﴾ الخ' (کہف ۲۳) میں قسم ہے ہی نہیں اور استثناء ہے۔ اسی طرح وعدہ وعید اور خبر مستقبل میں بھی ان شاء اللہ ہے۔ دیکھئے اہل کتاب حضرت ﷺ سے سوال کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں میں کل تمہیں جواب دوں گا اور ان شاء اللہ نہیں کہتے تو مہینہ بھر تک وحی رکی رہتی ہے اور بعد میں یہ آیت : ﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ ﴾ الخ' (کہف ۲۳) اترتی ہے یعنی کسی چیز کے کل کرنے کو نہ کہو لیکن اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو اور بوقت نسیان اپنے رب کو یاد کر لیا کرو یعنی اگر کلام میں یہ کہنا بھول جاؤ تو اپنے کلام کے بعد کہہ لیا کرو اسی لیے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایسا استثناء بھی صحیح ہو گا۔ لیکن آپ سے یا کسی اور نیچے کے درجے والے سے یہ مروی نہیں کہ کسی نے آج اپنی بیوی کو طلاق دی یا اپنا غلام آزاد کیا اور سال بھر کے بعد ان شاء اللہ کہہ لیا تو نہ طلاق واقع ہوئی نہ غلام آزاد ہوا گو لوگوں نے یہ آپ سے نقل کیا ہے مگر ہے غلط الغرض استثناء شرعاً عرفاً لغتاً کسی طرح قسموں کے ساتھ مخصوص نہیں اور اگر ان کا ارادہ یہ ہے کہ قسم میں یہ بکثرت ہے تو ہوا کرے اس سے ہمیں کوئی ضرر نہیں۔

ان شاء اللہ خبروں اور ان شاء میں داخل نہ ہونے کا جواب :

یہ بھی درست نہیں اس کا فرق یہ ہے کہ جو کام ہو چکے ہیں ان میں تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی اور یہ کام ہوا شرط کا اثر تو مستقبل میں ہوتا ہے پس اس میں بڑا فرق ہے کہ کوئی کہے میں نے یہ کام مشیت مولا سے کیا اور یہ کل بہ مشیت الٰہی کروں گا بیشک حکم اور ممانعت میں ان شاء اللہ نہیں کہا جاتا لیکن بہت سے مواقع پر کہا بھی جاتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ اگر اللہ نے تیرا کھڑا ہونا چاہا ہے تو کھڑا ہو جا۔ نہیں چاہا تو نہ کھڑا ہو مثلاً میں اسلام پر مرا اگر اللہ چاہے' تو نہ مرنا مگر توبہ پر اگر اللہ چاہے اسی طرح اگر کہے کھڑا ہو اگر اللہ چاہے اور مراد خبری معنی لے یعنی تو نہیں کھڑا ہو سکتا مگر یہ کہ اللہ چاہے تو یہ لفظاً اور معناً ہر طرح درست ہے اسی طرح یہ کہنا کہ میں نے بیچا اگر اللہ چاہے میں نے

خریدا اگر اللہ چاہے اس سے مراد تحقیق ہے تو بالکل صحیح ہے اور اگر تعلیق مراد ہے تو یہ ان شاء نہیں تعلیق اور ان شاء میں منافات ہے کیونکہ ان شاء کا زمانہ اس کے معنی کے وجود سے متصل ہوتا ہے اور معلق کا زمانہ تعلیق سے مؤخر ہوتا ہے۔ اس میں تمہارا تینوں زمانوں کی شق نکالنا اس کا جواب بار بار گزر چکا ہے کہ اگر ارادہ اس سے لفظ مذکور کی طرف کی مشیت کا ہے یعنی یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر اللہ نے اسے چاہا ہے تو تجھے طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی لیکن استثناء کرنے والا اس کا ارادہ نہیں کرتا اس کا ارادہ طلاق واقع نہ کرنے کا ہے اسی لیے وہ اسے مشیت الٰہی کی طرف لوٹاتا ہے کہ اگر اس کے بعد اللہ نے چاہا تو طلاق واقع ہو گی گویا یوں کہتا ہے کہ نہ میرا ارادہ تیری طلاق کا ہے نہ مجھے اس کی ضرورت مگر یہ کہ اللہ چاہے تو یہ ہو جائے گا خواہ میں اسے پسند رکھوں۔ قرآن میں شعیب نبی علیہ السلام کا قول ہے : ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ﴾ (اعراف ۸۹) مطلب یہ ہے کہ ہم مومن تم کافروں کے دین کی طرف ہرگز نہ لوٹیں گے نہ اسے اختیار کریں گے لیکن یہ اور بات ہے کہ اللہ کو منظور ہی ہو۔ خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں : ﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ ﴾ الخ' (انعام ۸۰) مطلب یہ ہے کہ مجھے تمہارے معبودانِ باطل سے کوئی خوف نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے یعنی یہ کبھی نہ ہو گا مگر اللہ اگر چاہے اس لیے کہ جو علم اللہ کو ہے' جو مقتضی اس کی حکمت کا ہے اسے کوئی نہیں جانتا پس حقیقت میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ یا تو ان شاء اللہ کے کہنے سے اس کا ارادہ تحقیق کا ہے یا تعلیق کا ہے اگر پہلا ارادہ ہے تو طلاق ہو گئی اگر دوسرا ہے تو نہیں ہوئی یہی ٹھیک بات ہے' یہی ہمارے شیخ وغیرہ کا مختار قول ہے۔ ابو عبداللہ حمدان کہتے ہیں کہ تاکید اور تبرک کے طور پر ان شاء اللہ کہا ہے تو طلاق ہو جائے گی اور تعلیق کا قصد کیا ہے اور استحالہ علم بالمشیت سے جاہل ہے تو نہ ہو گی۔ یہ پانچواں قول ہے چار قول پہلے بیان ہو چکے ہیں استحالہ کا علم اور اس کی بے علمی کا فرق یہ ہے کہ جہالت کے وقت وہ معلق رکھتا ہے اس چیز پر جسے وہ محال جانتا ہے تو تعلیق صحیح نہ ہو گی لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ کہنا کہ مشیت رب کا علم محال ہے بالکل غلط ہے وقوع اسباب جو مقتضی ہوں مسبب کے یہی مشیت رب ہے پس اگر اس کے بعد اس نے طلاق دی تو معلوم ہوا کہ مشیت رب طلاق کی تھی۔ یہ تھی تقریر دونوں جانب کی اس میں ایک قول کی ترجیح ظاہر ہے' واللہ اعلم۔

نیت استثناء کی شرط و زمانہ :

اس میں سب سے تنگ تر قول تو یہ ہے کہ اوّل کلام سے نیت ضروری ہے اور فراخ تر قول یہ ہے کہ فراغت کلام سے پہلے پہلے ہو لیکن اس سے بھی زیادہ وسعت والا وہ قول ہے کہ فراغت کلام کے بعد بھی کہہ سکتا ہے اس سے بھی زیادہ آسانی والا قول یہ ہے کہ اس کا کلام سے ملا ہوا ہونا بھی ضروری نہیں۔ چنانچہ حدیث گزر چکی ہے کہ تین بار حضور ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں قریش سے جہاد کروں گا پھر خاموشی کی پھر فرمایا ان شاء اللہ بس یہ قریب کا استثناء ہے بیچ میں اور کوئی کلام خلط ملط نہیں ہوا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث سے یہی مسئلہ بتلاتے تھے۔ ان کے نزدیک اتصال شرط نہیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جب تک مجلس نہیں بدلی ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے ایسی بھی ہے۔ اوزاعی کا بھی یہی قول ہے ایک وجہ سے اس سے بھی زیادہ کشادگی والا' ایک قول اور بھی ہے کہ نیت کسی حال میں شرط ہی نہیں۔ جیسے اصحاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صراحت ہے۔ صاحب ذخیرہ کتاب الطلاق کی فصل سادس میں کہتے ہیں اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھ پر طلاق ہے ان شاء اللہ اور وہ نہیں جانتا کہ ان شاء اللہ کیا چیز ہے تو بھی طلاق واقع نہ ہو گی اس لیے کہ یہ واقع کرانے کے لیے نہیں ہے تو علم و جہل برابر ہے اور اگر اس کی زبان پر بلا قصد یہ الفاظ آگئے ہیں تو گو اس کا قصد بھی طلاق کے واقع کر دینے کا ہے مگر واقع نہ ہو گی اس لیے کہ استثناء

تو آہی گیا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کوئی کہتا ہے واللہ میں یہ کام ضرور کروں گا پھر خاصی دیر تک وہ خاموش رہا اس کے دل میں بھی ان شاء اللہ کہنے کا خیال نہیں لیکن اس کے پاس کے کسی آدمی نے اس سے کہا ان شاء اللہ کہہ لے تو اس نے کہہ لیا تو کیا اس پر قسم کے خلاف کے وقت کفارہ آئے گا؟ آپ نے فرمایا میرے خیال میں نہیں آئے گا کیونکہ اس نے ان شاء اللہ کہہ لیا ہے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنے کسی قریبی رشتے دار کے پاس کوئی رقم لے گیا اس نے کہا واللہ میں ہرگز نہ لوں گا اس کی زبان سے نکل گیا واللہ تو لے گا تو اس نے اپنے دل میں اس کے سننے کے بعد ان شاء اللہ کہہ لیا ان دونوں کلاموں کے درمیان اس کا کوئی کلام نہیں صرف اس کے قول کا انتظار ہے تو اب اگر وہ لے لے تو کیا اسے اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟ آپ نے فرمایا چونکہ اس نے ان شاء اللہ کہہ لیا ہے اس لیے نہ اس کی قسم ٹوٹی نہ اس پر کفارہ آیا بیشک امام اوزاعی کا یہ قول بنسبت ان لوگوں کے جن کا قول ہے کہ شروع قسم میں نیت استثناء ضروری ہے بہت زیادہ فقہ والا ہے۔ اوزاعی کا قول سُنّتِ صحیحہ کے بھی موافق ہے۔ خود حضور ﷺ کے فعل سے اور سلیمان نبی علیہ السلام کی حکایت سے بھی یہی ثابت ہے حضور ﷺ نے قسم کھا چکنے کے بعد ان شاء اللہ کہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات کے بعد فرشتے نے اُنہیں ان شاء اللہ کہنا یاد دلوایا اگر کہتے تو اُنہیں نفع پہنچتا قیاس کے مطابق بھی یہی ہے بندوں کی مصلحتیں بھی اسی میں ہیں۔ اس دینِ حنیف کے لیے شایانِ شان بھی یہی آسانی ہے۔ جب نیت کی شرط ضروری قرار دی جائے اور وہ بھی اوّل کلام میں پورا اتصال شرط مانا جائے تو استثناء کا بڑا فائدہ فوت ہو جاتا ہے پھر تو علماء ہی اس سے نفع اُٹھا سکتے ہیں بعض مالکیہ نے اس میں اور بھی تنگی کی ہے کہ استثناء اسی وقت مفید ہو گا جبکہ قسم کھانے والا اپنی قسم کو پوری کرنے سے پہلے ارادہ استثناء رکھتا ہو' یہی قول بعض شافعیہ کا بھی ہے۔ ابن المواز ملانے کے قائل ہیں اگر قسم کے آخری حرف سے مل جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ مؤطا میں فرماتے ہیں کہ بہتر چیز جو میں نے اس بارے میں سنی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کلام قطع نہیں کیا اور جو کلام ٹکڑے ٹکڑے ہو اس میں جب تک چپ نہیں ہوا اور کلام ختم نہیں کیا' میں نے تو اماموں میں سے کسی کو شروع کلام میں نیت کی اور قبل از فراغ نیت کی شرط لگاتے ہوئے نہیں دیکھا یہ تو ان کے بعد والوں کی اپج ہے۔

ان شاء اللہ جب دل میں ہو اور زبان سے نہ کہے تو بھی نفع دے گا یا نہیں؟ :

فقہا کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ نافع نہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں' آپ کے اصحاب کا فرمان ہے کہ اگر کسی نے کہا میری بیویوں پر طلاق ہے اور اپنے دل میں ایک معین کا استثناء کر لیا تو اس کا یہ استثناء صحیح ہے اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی ہاں اگر اس نے کہا کہ میری چاروں بیویوں پر طلاق ہے اور دل میں کہا مگر فلاں عورت پر نہیں تو یہ نفع نہ دے گا ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں چاروں کی صراحت لفظوں میں نہ تھی اس لیے نیت سے تخصیص ہو گئی' ثانی اس کے خلاف ہے اس سے اُنہیں لازم آتا ہے کہ اس کی تقیید شرط کے ساتھ نیت سے صحیح ہو اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ اس میں مطلق کی تقیید ہے تو محل نیت اس میں اولیٰ ہے بنسبت تخصیص عام کے۔ اس لیے کہ عام اپنے افراد کو شامل ہے وضع کے لحاظ سے اور مطلق تمام احوال کو وضعاً شامل نہیں۔ مغنی والے اور دوسرے کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا تجھے طلاق ہے اور نیت یہ رکھی کہ اگر تو اس گھر میں جائے یا ایک ماہ کے بعد اس کا تعلق اللہ سے تو ٹھیک ہے لیکن حکم کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلف اُٹھائے کہ وہ اس گھر میں نہ جائے گا اور کہے کہ میں نے نیت یہ کی تھی کہ ایک ماہ قبل یا کہے کہ اگر میں فلاں کے مکان پر

جاؤں تو تجھ پر طلاق ہے اور نیت یہ رکھے کہ اس وقت یا اس دن تو اس کی نیت مقبول ہے اور روایت میں ہے کہ مقبول نہیں پس آپ کا فرمان اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے اور اپنے دل میں ایک سال کی مدت کی نیت کرتا ہے یہ ہے کہ اسے طلاق ہو جائے گی اور اُس کی نیت کو نہ دیکھا جائے گا اور جب کہے کہ تجھے طلاق ہے اور کہے کہ میری نیت میں یہ تھا کہ اگر تو اس گھر میں جائے تو اسے سچا نہ سمجھا جائے گا۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ قبولیت کا قول تو از روئے عنداللہ ہے اور عدم قبول کا حکم بطور دنیاوی فیصلے کے ہے اس میں اور اس سے پہلے کی صورت میں یعنی میری بیویاں طلاق والی ہیں اور مراد بعض بیویاں لے تو ارادہ خاص کا عام سے برابر مستعمل ہے اور ارادہ شرط کا بغیر ذکر کے بھی مروج ہے جو قریب استثناء کے ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا یہ کلمہ تخصیص میں سے ہی ہے اس کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ قسم کھانے والا جب شرط کا ارادہ کرے تو دین میں ہے اور حکم میں بھی کہا گیا ہے اور مشیتہ اللہ صحیح شرط اور دوسری شرطوں میں کوئی فرق ظاہر نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مظلوم ہے تو ولی شرط بھی جائز ہے اس کے خلاف مظلوم کے بارے میں آپ سے کچھ مروی نہیں بلکہ قول کو اطلاق پر رکھا ہے آپ کا خاص کلام اور مقید کلام مطلق ہی پر قضا کرتا ہے یہ ہے آپ کا مذہب۔

استثناء میں اپنے آپ کو سنانا ضروری ہے یا صرف زبان ہلا لینا کافی ہے؟

اصحاب احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے تو شرط کیا ہے اپنا یا غیر کا سنانا لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔ اصحاب ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ حروف کا تکلم ضروری ہے خواہ وہ مسموع ہو یا نہ ہو۔ فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنے تئیں سنانا ضروری ہے یہی فتویٰ شیخ ابو بکر محمد بن فضیل کا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ یہ تھی بحث استثناء کی جو تھوڑی بہت ہم نے وارد کی۔ ممکن ہے کہ اتنا بسط بھی آپ اس بحث کا کسی اور کتاب میں نہ پائیں اب ہم اسے ختم کر کے پھر اصلی مضمون شروع کرتے ہیں۔

تین طلاقیں ایک ساتھ دینے والے کے لیے حلالہ سے مخلصی کی پانچویں صورت :

جس بات پر قسم کھائی ہے اسی کو لے کر ذہول سے یا بھول سے یا خطا سے یا جہالت سے یا اکراہ سے یا تاویل سے یا اس خیال سے کہ اس سے قسم نہ ٹوٹے گی اس لیے کہ فلاں کا فتویٰ یہ ہے یا مغلوبی عقل کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ اس کی عورت کو طلاق ہو چکی ہے وہ اجنبی ہے تو اس کا یہ فعل اس کی طلاق میں کوئی اثر پیدا نہ کرے گا۔ ذہول کی مثال یہ ہے کہ قسم کھائی ہے کہ فلاں کام جس کی عادت تھی اب نہ کرے گا اب اس پر غفلت و ذہول طاری ہو جائے اور اسے کر گزرے یہ ہے ذہول' اور بھولنے والے سے اس کی قسم بالکل غائب ہو جاتی ہے اور وہ اس فعل کو قصداً کر گزرتا ہے پھر یاد آتا ہے کہ میں نے تو اس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی غافل ذاھل اور لاہی اپنی قسم کو بھولتا نہیں لیکن غافل ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی یا اپنی گود کی چیز سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ کسی بات کی مشغولی یا کسی شے کے دیکھنے کی مشغولی کی وجہ سے فرمانِ قرآن ہے : ﴿ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴾ (عبس ۱۰) جو تیرے پاس بکوشش آتا ہے تو اس سے غفلت کرتا ہے اس کا باب ((لَهِيَ يَلْهٰى)) آیا ہے اور ((لَهَا يَلْهُوْ تَلَهّٰى)) کے معنی میں آتا ہے حدیث میں ہے کہ : ((لهى رسول الله ﷺ)) الخ' حضور ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس میں آپؐ مشغول ہو گئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مختار کر لے تو تو اس سے چشم پوشی کر جا اس میں

لفظ ہیں ((فالہ عنہ)) حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص وضو کے بعد اور استنجا کے بعد تری پائے تو آپ نے فرمایا اس سے یونہی گزر جائے۔ حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما جب کڑک کی آواز سنتے تو اپنی بات سے ہٹ جاتے یہاں بھی لفظ ((لھیٰ)) ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے مال دے کر بھیجا اس سے فرمایا ذرا ٹل جانا اور دیکھنا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ کعب بن زہیر کا شعر ہے کہ میرے ان تمام دوستوں نے جن سے مجھے امیدیں تھیں مجھ سے صاف کہہ دیا کہ میں تجھ سے رخ پھیر لوں گا اور بہت اشعار ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے اپنے ربّ سے دُعا کی کہ میری اُمت میں سے جو غفلت کر جائیں اُنہیں وہ عذاب نہ کرے یہاں بھی لفظ ((لاھین)) ہے بھولے بھالے غافل جن کا گناہ کا قصد نہیں ہوتا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ بچے ہیں جنہوں نے گناہ نہیں کیے۔

بھول سے کسی کام کے کر ڈالنے پر پکڑ نہیں :

بھولنے والوں کی دو قسمیں ہیں قسم کو بھول گیا' مضمون قسم کو بھول گیا۔ مضمون قسم کو بھول گیا یہی پہلی قسم تو ظاہر ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ قسم تو یاد ہے لیکن اسی پر قسم ہے یہ بھول گیا قسم کھائی ہے کہ فلاں کھانا کھائے گا لیکن بھول گیا اور اسی کو کھا لیا پھر یاد آ گیا۔ اگر یہ خیال ہو کہ یہ کھانا اس کھانے کے علاوہ اور ہے تو یہ خطا ہے اگر اس کا خیال ہی نہ ہو کہ یہی ہے یا اور ہے تو یہ بھول ہے' جاہل اور خطاکار میں یہ فرق ہے کہ جاہل کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اسی کے نہ کرنے کی میں نے قسم کھائی ہے اور خطاکار کرنا کچھ چاہتا ہے اور کرتا کچھ ہے مثلاً پتھر پھینکا جانور پر لگا۔ اکراہ انسان کو اکراہ جس پر کیا گیا ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک کا فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن اسے اس پر جبراً محمول کیا گیا ہے' دوسرا محض بے بس ہوتا ہے اس کا فعل ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ تو محض آلہ کار ہوتا ہے۔ تاویل کرنے والا یہ ہے کہ قسم کھائی ہے کہ بات نہ کرے گا اب خط و کتابت کرتا ہے اور اسے بات نہ کرنا سمجھتا ہے' قسم کھائی ہے شراب نہ پینے کی اب جس شربت میں اختلاف ہے اسے تاویل کر کے پی لیتا ہے' قسم کھائی کہ سود نہ لے گا پھر عین صرافے کی بیع سودی کی' فرج حرام کی وطی نہ کرے گا پھر حلالہ میں نکاح کر کے وطی کی وغیرہ۔ تاویل تین قسم کی ہوتی ہے قریب بعید اور درمیانی اس کے افراد منحصر نہیں مفتی کی تقلید میں کسی فعل کو کرنے والے کی مثال یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو میرے گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے یا مجھ پر طلاق لازم ہے تو میرے گھر سے نہ نکلنا پھر کسی مفتی نے کہہ دیا کہ اس سے طلاق لازم نہیں ہوتی طلاق معلق لغو ہے جیسے بعض اصحاب شافعی نے کہا ہے مثلاً ابوعبدالرحمٰن شافعی اور بعض اہل ظاہر وغیرہ۔ محلی میں تصریح سے لکھا ہے کہ صفت کے ساتھ طلاق ہمارے نزدیک مثل قسم کے ساتھ کی طلاق کے ہے۔ یہ دونوں لازم نہیں کم عقل جیسے نشے والا' جنون والا' کسی دوا یا بھنگ سے عقل کھو بیٹھنے والا' سخت ترغصے کی وجہ سے عقل سے نکل جانے والا' وغیرہ جو سمجھتا ہے کہ اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی پھر اپنی قسم کے کام کو کر گزرتا ہے کہ اب اس کا اثر قسم ٹوٹنے میں نہیں رہا مثلاً کہتا ہے کہ اگر فلاں سے تو کلام کرے تو تجھے تین طلاق ہیں پھر کہتا ہے کہ اگر فلاں کام میں کروں تو میری بیوی پر تین طلاقیں ہیں پھر اس نے سنا کہ تیری بیوی نے فلاں سے کلام کر لیا تو سمجھا کہ اب اس پر طلاق پڑ گئی یہ سمجھ کر اس نے بھی جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اسے کر لیا پھر معلوم ہوا کہ پہلی خبر تو غلط تھی یا اور اسی قسم کا واقعہ ہو تو اس میں فقہاء کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں اس لیے کہ قسم کو پورا کرنا اور توڑنا نظیر ہے اطاعت اور معصیت کی امرونہی میں۔

اگر مُکلف نے اسے امرونہی شارع میں کیا ہے تو وہ عاصی نہیں اولیٰ یہ ہے کہ قسم کے بارے میں بھی وہ قسم توڑنے والا

نہ ہو۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس نے قسم کھائی ہے اس کام کے کرنے پر جس کا وہ مالک نہیں اور نسیان اور جہل اور خطا اور اکراہ اس کی قدرت میں داخل نہیں پس جو اس نے اس احوال میں کیا ہے اسے اس کی قسم شامل نہیں نہ اس نے اس سے باز رہنے کا قصد کیا تھا۔ اسیٔ کی وضاحت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ خطاکار بھول جانے والے اور اکراہ والے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مواخذہ اُٹھالیا ہے اس پر قسم کے توڑنے کا الزام تو پورا مواخذہ ہے جیسے کہ ان سے مواخذہ نہیں جن کے دلوں میں وسوسے آئیں جب تک عمل نہ ہو بھولنے والے اور خطا کرنے والے کا فعل عدم مواخذہ میں مثل سونے والے کے فعل کے ہے' اس کا ہر فعل اسے معاف ہے' اس سے نہ وہ مطیع ہوتا ہے نہ نافرمان۔ یاد رکھو کہ جناب باری ارحم الراحمین نے احکام کا ترتب اور نتیجہ الفاظ پر رکھا ہے کیونکہ متکلم کا قصد و ارادہ انہی سے ظاہر ہوتا ہے جب یہ یقین ہو گیا کہ اس نے اس کلام سے اس کے معانی کا قصد نہیں کیا اور جو اس نے لازم کیا ہے اس کے مخالف کا قصد بھی نہیں کیا نہ قسم کے توڑنے کا تو ظاہر ہے کہ شارع اس پر وہ لازم نہ کرے گا جس کا قصد اس کا نہیں بلکہ شارع نے اس سے درگزر فرمالیا ہے اور سنیے لفظ قصد کی دلیل ہے جب مقصود خلاف مدلول ہونا ہمیں معلوم ہو گیا پھر بھی اس کا خلاف کرنا کون سی عقلمندی ہے؟ خیال تو فرمایئے کہ مسلمان معصوم کو جو اپنے ہاتھ سے خود قتل کرتا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے بدلے کا قتل اُٹھالیا ہے جبکہ یہ قتل خطا سے ہوا ہو بلکہ اس پر اس کی دیت بھی واجب نہیں کہ دوسروں پر ڈال دی ہے پھر محال ہے کہ وہ خود اسے خطا پر' نسیان پر قسم کے بارے میں پکڑ کرے۔ نبی اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس سے بھی مواخذہ ہٹالیا جو بھول چوک کر روزے کی حالت میں رمضان کے دن میں کھالے باوجودیکہ یہ فعل وہ ہے جس کا تدارک ممکن نہیں پھر قسم کے خلاف عمل کرنے پر جبکہ وہ بھولے چوکے ہو کیسے مواخذہ کرے گا؟ اور اس کی بیوی کو اس سے الگ کرا دے گا؟ اور اسے اور اس کی آل اولاد کو ایک مصیبت میں ڈال کر اس کی خانہ خرابی کر دے گا؟ اسی طرح ایسے شخص سے بھی مواخذہ اُٹھالیا جو دن میں رمضان کے اندر روزے کی حالت میں کھا پی لے کسی تاویل سے جیسے صحابہ خیط ابیض واسود سے سچ مچ کا سفید و سیاہ دھاگا سمجھ کر کھاتے پیتے رہے حالانکہ صبح صادق ہو چکی تھی۔ ان سے درگزر فرمالیا اور اُنہیں روزے کی قضا کا حکم نہ دیا۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ تاویلی طور پر کسی نے اپنی قسم کا خلاف کیا ہو تو آپ اس پر احکام جاری کر دیں جسے علم نہ ہو اور جہالت کی وجہ سے اثناء نماز میں بات چیت کر لے اس سے بھی شریعت و شارع نے درگزر فرمالیا مواخذہ نہیں کیا نہ نماز کو لوٹانے کا حکم دیا کیونکہ اسے حرمت کا علم نہیں وہ حکم کا خلاف جان بوجھ کر نہیں کر رہا۔ اسی کی اقتدا میں ہم نے جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جس نے قسم کا خلاف کیا ہے اس پر کوئی حکم جاری نہیں کیا حج کے بارے میں بھولے چوکے' تقدیم تاخیر کر لینے والوں سے مواخذہ شریعت نے نہیں کیا' خواہ سر منڈوانا ہو' خواہ کنکریاں مارنی ہوں' خواہ قربانی کرنی ہو پھر ایسی حالت میں قسم والے کی گردن پکڑنی شریعت کو توڑنا ہے۔ نسیان اور جہالت کی حالت میں ناپاکی لیے ہوئے نماز سے درگزر فرمالیا تو اسی سبب سے قسم کے خلاف کر لینے سے درگزر کیوں نہ ہو؟ قصداً جس نے خلاف قسم نہیں کیا اسے اس کی طرح کر لینا جو قصداً گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اسے کافر بنانا جس نے قصداً کفر نہیں کیا اسے طلاق والی اور آزادی والی کہنا جسے نہ طلاق قصداً دی گئی ہے نہ قصداً آزادی دی گئی ہے یہ تو کسی طرح درست نہیں ہو سکتا تم اگر کہو کہ ہزل و مذاق سے بھی طلاق ہو جاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ مقصد تو وہاں متحقق ہوتا ہے ہاں ارادہ حکم نہیں ہوتا تو یہ اس کے اختیار کی چیز نہیں یہ شارع کے ہاتھ ہے اس لیے یہ معذور نہیں۔ جاہل' خاطی' ناسی اس کے بالکل برخلاف ہیں۔

الغرض قواعد شرع کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان تمام صورتوں میں قسم توڑنے والے پر کوئی حرج نہیں بالکل مطابق قیاس اور تناقض سے پاک یہی صورت ہے جن لوگوں نے اس کے خلاف کہا ہے اس کا قول اصول شرع اور قواعد اسلام کے خلاف ہے اور جس نے بعض صورتوں میں یہ حکم لگایا ہے اور بعض میں نہیں اس نے قواعد و اصول اسلام کے خلاف کے ساتھ ہی تناقض اور غلط کاری کا بار بھی اپنے سر لیا ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے اس میں تین روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ نسیان اور جہالت سے خلاف قسم کر گزرنے میں کچھ نہیں اس کی قسم باقی ہے نہ ٹوٹی نہ چھوٹی۔ شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے بھی اسی کو مختار کہا ہے' دوسری روایت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں وہ قسم کا توڑنے والا ہے۔ مذہب حنفی اور مالکی یہ ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ جو قسمیں کفارہ کی نہیں جیسے طلاق و آزادگی گردن۔ ان میں تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ والی قسموں میں ٹوٹے گی نہیں قاضی اور ان کے ساتھیوں کا خیال بھی یہی ہے اسے مطلقاً توڑنے والوں نے تو بصورت فعل کی طرف نظر ڈالی ہے کہ مخالفت موجود ہو گئی اور فرق کرنے والوں نے طلاق و آزادی کی قسم کو تعلیق بالشرط کے باب میں سے گردانا ہے کہ شرط کے پائے جانے پر مشروط یقیناً پا لیا گیا خواہ اس کے وجود کا یہ مختار ہو یا نہ ہو جیسے کسی نے کہا کہ اگر زید آجائے تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے اپنی قسم کے خلاف حالت جنوں میں کیا وہ مثل سوئے ہوئے شخص کے ہے کہ قسم نہ ٹوٹے یا مثل بھول جانے والے کے ہے؟ اس میں دو وجوہات امام احمد و شافعی رحمہم اللہ کے مذہب میں ہیں۔ زیادہ تر صحیح یہ ہے کہ وہ مثل سونے والے کے ہے جو نیند میں کوئی کام کر لے وہ غیر مکلف ہے اسی طرح یہ بھی اور اگر کسی نے قسم کھائی اس پر جسے روکنے کا قصد کرتا ہے جیسے اس کا غلام بیوی اولاد اور مزدور پھر جس چیز پر قسم کھائی تھی بھول کر یا جہالت سے اسے کر لیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اپنے نفس پر یہ قسم کھائی تھی اس کے بارے میں بھی تین روایتیں ہیں اسی طرح یہ شافعی مذہب میں دو قول پر ہے اس کا منع اس کی قسم سے ممتنع نہیں ہوا جیسے خود اس کے اپنے نفس کا پس اگر اس نے قسم کھائی ہے کہ زید پر سلام نہ کرے گا پھر ایک جماعت پر سلام کرتا ہے جس میں زید بھی ہے اور اسے علم نہیں تو اگر بھول جانے والا قسم توڑ دینے والا نہیں تو یہ اس حکم کا اس سے زیادہ مستحق ہے۔ ہاں اگر بھولنے والے کو ہم قسم کا توڑنے والا کہیں تو بھی اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک نہ توڑنے کا حکم اس کی دلیل اس کا بھولنے والے جیسا ہونا کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ وہ بھی ان میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹی یہی زیادہ صحیح ہے جاہل تو بھول والے سے بھی زیادہ عذر مند ہے۔

اصحاب شافعی نے قسموں میں تو اس کی صراحت کی ہے ہاں روزے میں انہوں نے اس کے بالکل برعکس کیا ہے یہ کہتے ہیں کہ جہالت کی وجہ ہے تو روزہ ٹوٹ گیا بھول کی وجہ ہے تو نہیں ٹوٹا۔ ہمارے شیخ دونوں کو برابر گنتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جاہل تو اولیٰ ہے اس حکم میں پھر انہوں نے جاہل اور بھول والے کو نجاست کے اُٹھانے میں بحالت نماز برابر کر دیا ہے کہ اگر نماز ختم ہو جانے تک اسے علم نہ ہوا ہو تو نماز ہو گئی حق یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی خطا اور بھول کو معاف فرمایا ہے۔ اکراہ کی حالت میں کر لے تو امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سب صورتوں میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی' دوسرے یہ کہ سب صورتوں میں نہ ٹوٹے گی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ دونوں قول ہیں۔ امام ابوالبرکات رحمتہ اللہ علیہ نے تیسرا قول یہ نکالا ہے کہ طلاق و عتاق میں ٹوٹے گی اور میں نہیں تو جب کوئی شخص اُٹھانے کی طرف یا اپنا مُنہ کھول دینے کی طرف بے بس کر دیا گیا تو اگر اسے باز رہنے کی قدرت ہی نہیں تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اس نے جس چیز

کے نہ پینے کی قسم کھائی ہے وہ پی لے اس کی قسم اس لیے کہ اس پر اکراہ کیا گیا ہے نہ ٹوٹے گی اگر باز رہنے کی قدرت ہے تو اس میں دو وجوہات ہیں اور جب اس کی قسم نہیں ٹوٹی پھر وہ اسی پر رہا جس پر اسے بے بس کر دیا گیا تھا تو بھی قسم ٹوٹے گی یا نہیں؟ اس میں بھی دو وجوہات ہیں اسی طرح اگر کسی اور پر قسم کھائی جس سے رکنے کا اس کا قصد ہے کسی فعل کے ترک پر پھر اس نے بحالت اکراہ اسے کر لیا تو اس کے حکم میں بھی برابر یہی اختلاف ہے۔

تاویل کرنے والا : ٹھیک یہی ہے کہ اس کی قسم بھی نہیں ٹوٹتی جیسے کہ امر ونہی کے بارے میں اسے گناہ نہیں ہوتا مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ اپنے قرضدار سے الگ نہ ہو گا جب تک اس سے رقم وصول نہ کر لے اس نے کسی اور کا حوالہ دے دیا یہ اس سے جدا ہو گیا یہ سمجھ کر کہ اب میری قسم نہیں ٹوٹے گی تو اس کے بارے میں بھی تین روایتیں بیان کی گئی ہیں یوں سمجھو کہ تاویل کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹی تو غایت یہ ہے کہ یہ جاہل ہے اور جاہل کے بارے میں اوپر تین روایتیں گزر چکی ہیں اگر کسی کا دیا ہوا فتویٰ مان کر کر لے تب بھی یہی حکم ہے مثلاً قسم کھائی کہ فلاں سے نہ بولے گا اگر بولے تو اس کی بیوی طلاق ہے یا قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں نہیں جاؤں گا پھر کسی مفتی نے فتویٰ دیا کہ اس سے طلاق نہیں ہوتی جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ' طاؤس' شریح کا قول ہے یا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور قفال کا قول ہے التزام کے صیغوں میں شرط کے صیغوں میں نہیں۔ یا اشعب کے قول پر جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے چوٹی کے شاگرد ہیں کہ جب طلاق کو زوجہ کے فعل کے ساتھ معلق رکھی ہے تو اس کے فعل کا کوئی اثر نہیں یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ پائے کے شاگرد ابو عبدالرحمٰن کے قول پر کہ طلاق معلق صحیح نہیں جیسے نکاح بیع اور وقف معلق صحیح نہیں۔

اہل ظاہر کی ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے اگر ان تمام اقوال کا فساد بھی مان لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ یہ اب جو کرتا ہے وہ تاویل کے بعد یہ سمجھ کر کہ اب اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی تو یہ جاہل اور نسیان والے سے زیادہ حقدار ہے' جاہل کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے افراط کی اسے چاہیے تھا کہ اسے بھی دریافت کرتا بعینہٖ یہی چیز تاویل کرنے والے کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے کہ اسے اس کی نسبت اور معلومات بہم پہنچانی چاہیے تھی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جہالت جس طرح عذر ہے تاویل بھی ہے پس ایک کو ماجور اور دوسرے کو مازور بتلانا ضد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا کوئی مواخذہ نہیں کیا جبکہ بنو خذیمہ کو آپ نے ان کے اسلام کے بعد قتل کر دیا کیونکہ تاویل تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل پر مواخذہ نہ ہوا جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ اس لیے کہ تاویل تھی دن کو جس نے کھا لیا تھا اس کا مواخذہ بھی اسی تاویل نے نہیں کرایا' جس صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان کا مال لوٹ لیا اور ان کی گردنیں مار دیں' جنہوں نے السلام علیکم کہا تھا ان کو بھی مواخذہ سے چھٹانے والی یہی تاویل تھی مستحاضہ نے جب روزہ اور نماز تاویلاً چھوڑ دی تھی اس کا بھی مواخذہ نہیں ہوا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر کی حالت میں جنبی ہوتے ہیں اور پانی نہ پانے کے باعث نماز چھوڑ دیتے ہیں تو یہی تاویل ہوتی ہے کہ اُنہیں مواخذہ سے آزاد کر دیتی ہے۔ دوسرے صاحب اس موقعہ پر جانور کی طرح مٹی میں لوٹ پوٹ ہو لیتے ہیں اور نماز پڑھ لیتے ہیں یہ بھی ان کی تاویل ہوتی ہے اور مواخذہ نہیں ہوتا اس قسم کے واقعات اتنے ہیں کہ جمع کرنا مشکل ہے' یہی تاویل ان فتنوں میں کارکن تھی جو واقع ہوئے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم بہت سارے تھے ان کا اجماع ہو گیا کہ ہر مال اور خون جو بوجہ تاویل قرآن ہو چکا ہے وہ بے بدلہ ہے اُنہیں بمنزلہ زمانہ قبل از اسلام کے رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاطب بن بلتعہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ کو منافقت کے ساتھ مطعون کرتے ہیں لیکن چونکہ یہاں بھی تاویل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر

کوئی مواخذہ نہیں کرتے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ‘ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے جو قبیلہ خزرج کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ تو منافق ہے منافقوں کی طرف سے جھگڑ رہا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مواخذہ نہیں کرتے کیونکہ تاویل ہے۔ اسی طرح حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ کو کوئی کہہ دیتا ہے کہ وہ منافق ہیں ہم تو اس کا میلان اور اس کی بات چیت منافقوں میں ہی دیکھتے ہیں لیکن بوجہ تاویل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی مواخذہ نہیں کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تبلیغ حدیث کے لیے نکلتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سینے میں دھکا مارتے ہیں جس سے وہ گر پڑتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس فعل پر اسی تاویل کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرتے۔

پس جیسے یہ امور ہیں ویسے ضمانت مال اور فیصلہ مخلوق ہیں سو کسی کو حلال نہیں کہ میاں بیوی میں اس کے مذہب کے خلاف جدائی کر دے جب کسی نے مفتی کی بات مان لی اور تاویل کر لی پھر اپنی قسم کے خلاف کیا تو اب اس پر اس قسم کے منشا کو چپکا دینا درست نہیں۔ اس کا ارادہ قسم توڑنے کا نہ تھا بلکہ اس میں اللہ پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قسم کھانے والے پر ایک بہتان ہے اور جب کوئی شخص اس درجے تک پہنچ گیا ہے تو یقیناً اس نے اپنا نقصان کر لیا ہے اسے قیامت کے دن اللہ کے سامنے نہ تو اس کا استاد نفع دے گا نہ اس کا مذہب نہ وہ جس کی اس نے تقلید کی ہے جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر طلاق ہے اس لیے کہ تو زید سے بولی ہے اور میرے گھر سے باہر گئی ہے پھر ظاہر ہوا کہ نہ اس نے زید سے بات کی نہ گھر سے نکلی تو اس پر ہرگز طلاق نہیں پڑی۔ ابن ابی موسیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ تجھ پر طلاق ہے اس لیے کہ تو اس گھر میں گئی اگر واقعی وہ ایسا کر چکی ہے تو اس پر طلاق پڑ گئی ورنہ طلاق نہیں پڑی‘ گو اس کے بعد وہ اس گھر میں جائے بھی اور اگر وہ شخص زبان داں نہیں اور اس قول سے مراد اس نے یہ لی ہے کہ اگر تو اس میں آئندہ جائے تو اگر اس کے بعد وہ اس گھر میں جائے گی تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر اس سے پہلے گئی ہے تو دو حکم ہیں لیکن صحیح تر یہی ہے کہ طلاق نہ پڑے گی‘ مقصود یہ ہے کہ اگر طلاق کو کسی علت پر دی ہے پھر معلوم ہوا کہ یہ چیز ہوئی نہیں تو مذہب امام احمد رحمہ اللہ میں یہ طلاق نہیں ہوئی۔ ہمارے شیخ کے نزدیک تو اس علت کا لفظوں میں ہونا بھی ضروری نہیں دراصل یہی درست بھی ہے مثلاً کسی سے کہا گیا کہ آج رات تیری بیوی نے فلاں کے ساتھ کھایا پیا اور وہیں رہی تو اس نے کہا گواہ رہو اس پر تین طلاقیں ہیں پھر معلوم ہوا کہ وہ بات محض غلط تھی تو اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ کہتا کہ اگر اس نے یہ کیا ہے تو اس پر تین طلاقیں ہیں۔ اس حالت کی یہ طلاق یہ لفظ ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں نامعتبر ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت کا فتویٰ ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنے بہت سے غلام لے کر کسی چنگی خانے سے گزرا اور ان سے کہہ دیا کہ میرے ساتھ کے یہ سب لوگ آزاد ہیں تو وہ آزاد نہ ہو جائیں گے اس نے اس غرض سے یہ نہیں کہا بلکہ اس کی غرض چنگی کے ظلم سے نجات پانا تھی یہی فتویٰ ہم نے یمن کے تاجروں کو دیا تھا۔

اسی طرح اصحاب شافعی نے کنایہ کے باب میں تصریح کی ہے کہ جب عوض اسے دیا اور اس نے کہا جا تو آزاد ہے اس پر وہ آزاد نہیں ہو گا یہ فتویٰ بالکل سمجھ داری کے مطابق ہے اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو کسی شرط کی تعلیق پر طلاق دی پھر یہ سمجھا کہ شرط پوری ہو چکی ہے اور کہہ دیا کہ جا چلی جا تجھ پر طلاق ہے پھر معلوم ہوا کہ شرط نہیں ہوئی تو یہ پیچھے دی ہوئی طلاق نہیں ہوئی۔ ہمارے شیخ قدس اللہ روحہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے اسی طرح اگر کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے تین طلاقوں کی کہ میں اس طرح نہ کروں گا اور ہے جھوٹا پھر اس کو کیا تو نہ اس کی قسم ٹوٹی نہ بیوی مطلقہ ہوئی۔ مغنی میں شیخ کا

قول ہے کہ جب کسی نے کہا میں نے قسم کھائی ہے اور دراصل کھائی نہیں تو یہ جھوٹ ہے نہ یہ کہ قسم ہے' نہ اس میں کفارہ ہے' یہ اقرار ہے اور ہے واقعہ کے خلاف اور اس کا تعلق اس کے اور اللہ کے درمیان ہے مثلاً یہ کہنا کہ میں نے نماز نہیں پڑھی حالانکہ پڑھ چکا ہے۔ ابوبکر عبدالعزیز نے ایک تو یہ روایت بیان کی ہے کہ اس میں کفارہ قسم ہے دوسری یہ کہ طلاق پڑ جائے گی ایک کی نیت کی ہے تو ایک تین کی کی ہے تو تین' تیسری یہ کہ یہ قسم ہی نہیں۔ اسی لیے بعد والوں میں بھی اختلاف ہے ایک تو یہ کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں دوسرا یہ کہ طلاق اس پر لازم ہو گئی اور قسم نہ ہو گی تیسرا یہ کہ جہاں لازم کر دیا۔ ہے وہاں مراد حکم ہے اور جہاں لازم نہیں کیا وہاں مراد اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے اس بارے میں مالکی مذہب میں مشہور یہ ہے کہ نسیان اور جہالت اور خطا اور اکراہ اور عاجزی میں فرق ہے ان کا کلام سنیے کہتے ہیں کہ جن سے نہ کرنے کی قسم کھائی تو حصول فعل سے وہ ٹوٹ جائے گی خواہ عمداً ہو' خواہ سہواً ہو' خواہ خطا سے ہو' خواہ اختیار سے ہو لیکن ان میں سے محققین کہتے ہیں کہ قسم کو جب بھول گیا تو یہ حکم نہیں اسی طرح اگر اس پر اکراہ و زبردستی ہوئی ہے تو بھی یہ حکم نہیں۔

جس کام پر قسم کھائی ہے اس کا کرنا محال ہونے کے وقت کا حکم :

مالکیہ کہتے ہیں کہ کسی نے کسی کام کے کرنے پر قسم کھائی کہ اتنی مدت میں کروں گا اب نہیں کر سکتا کہ محل ہی نہیں رہا یا وہ مر گیا جس کے مارنے کی قسم تھی یا وہ جانور مر گیا جس کے ذبح کرنے کی قسم تھی تو بلا اختلاف اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ اور اگر کوئی مانع شرعی آ گیا مثلاً اپنی بیوی یا لونڈی سے مجامعت کی قسم کھائی تھی اور وہ حائضہ ہے تو کہا گیا ہے کہ اس پر بھی کچھ نہیں یہی درست بھی ہے کیونکہ اس کی قسم اس مجامعت کی تھی جس پر اس کی ملکیت ہو اور اس صورت میں شرع نے اسے اجازت مجامعت دی ہی نہیں یہی حکم ہے عاجزی کی صورت میں کہ وہ چیز اس کے بس کی نہیں یہی حالت اکراہ والے کی' بھول جانے والے کی' خطاکار کی ہے ان صورتوں میں فرق کرنا تناقض کرنا ہے عاجزی خواہ شرعی طور پر ہو خواہ ظاہری طور پر مثلاً کوئی اکراہ کرنے والا ہے جو روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے خلاف ہے ممکن ہے وہ ان کے اصول پر کسی کی نکالی ہوئی ہو' لیکن اس سے ان کی اصل کے مطابق یہی روایت ہے۔ فرض کرو کسی نے اپنی قسم پوری کرنے کے لیے حالت حیض میں ہی مجامعت کر لی تو یہ اپنی قسم پوری کر چکا یا نہیں؟ اس میں مالکی اور حنبلی مذہب میں دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ قسم پوری ہو گئی اور ہوا یہ گنہگار مثلاً طلاق کی قسم کھائی تھی کہ یہ شراب ضرور پیئے گا پھر پی لی تو طلاق نہ ہو گی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قسم پوری نہ ہو گی اس لیے کہ مجامعت مباح نہیں ہوئی تو کہا جا سکتا ہے کہ جب حرام مجامعت پر قسم شامل نہیں تو اس کے ترک سے خلاف قسم بھی نہ ہو گا۔ نکتہ یہی ہے کہ جس چیز سے شرعاً یا ظاہراً عاجزی ہو اس کے ترک کرنے سے قسم نہ ٹوٹے گی گو وہ کسی ظالم کے منع کی وجہ سے ہو جیسے غاصب چور وغیرہ یا غیر ظالم کی وجہ سے جیسے مستحق تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

بعض مالکی کہتے ہیں قسم ٹوٹ جائے گی اس لیے کہ محل تو موجود ہے صرف حائل بیچ میں ہے اس اصل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں ابو محمد جوینی کہتے ہیں کسی نے قسم کھائی کہ اس ڈول میں جو ہے اسے کل پی جائے گا وہ اس کے اختیار بغیر کل سے پہلے ہی بہا دیا گیا تو اکراہ کے دو قولوں پر یہ بھی ہے اولیٰ یہی ہے کہ قسم ٹوٹے گی نہیں۔ اکراہ والا جو پی نہیں سکتا اس سے بھی زیادہ یہ معذور ہے اس لیے ان دونوں کا ایک ہی حکم ہے واقعی یہی قول درست ہے اور امر و نہی کی بجا آوری میں قدرت و طاقت شرط ہے اسی کی مثال قسم ہے یہاں بھی یہ شرط ہے "پس کوئی واجب عاجزی کے ساتھ واجب نہیں اور کوئی

حرام ضرورت کے ساتھ حرام نہیں۔" خود قسم کھانے والا جانتا ہے کہ یہ قسم قدرت کے وقت ہے نہ کہ عاجزی کے ہوتے ہوئے بھی۔ اسی لیے جس سے مغلوبی کی حالت میں فعل ہوتا ہے اسے قسم کا توڑنے والا قرار نہیں دیا جاتا جیسے بھول اور اکراہ اور بے قصدی جیسے مدہوشی اور زوال عقل۔ جمہور فقہاء مالکیہ شافعیہ حنفیہ کا یہی قول ہے۔ حنبلی مذہب کے اصول کے مطابق بھی یہی قول ہے گو منصوص اس کے برخلاف ہے اس پیالے کے پانی کے پینے کی قسم کسی نے کھائی پیالہ لنڈھ گیا پانی نہ رہا تو بھی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ یہ روٹی ضرور کھائے گا لیکن کتا آکر وہ روٹی کھا گیا تو بھی قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ اپنے قرض دار سے الگ نہ ہو گا جب تک قرضہ وصول نہ کر لے لیکن وہ اسے دھوکہ دے کر کہیں بھاگ گیا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی یہ اور ان جیسے اقوال ان مکرہ اور ناسی اور جاہل کے فتوے کے قول کی بنا پر ہیں مثلاً کسی نے کسی گھر میں نہ جانے کی قسم کھائی لیکن اسے گود میں چڑھا کر زبردستی وہاں پہنچا دیا گیا تو آپ فرماتے ہیں اس کی قسم نہیں ٹوٹی اسی طرح بھول جانے والا تو آپ سے مروی ہے کہ مکھی روزے دار کے حلق میں اتر جائے کوئی نوالہ پھینکے دوسرے کی طرف اور چلا جائے اس کے حلق میں غرض جو امراس پر غالب آجائے اس میں قضا نہیں نہ اور کچھ ہے صاف صاف فرماتے ہیں کہ رمضان میں بھولے چوکے کھا پی لینے والے پر بدلہ نہیں تو بھولنے والا اور مغلوب آپ کے نزدیک برابر یکساں ہیں یہی قیاس و فقہ ہے اس بنا پر قسم کے احکام میں بھی یہ دونوں برابر ہونے چاہئیں جیسے اکراہ کے وقت تو عاجز اور مغلوب کا مسئلہ دو روایتوں پر نکلے گا بلکہ یہ دونوں بھولنے اور جہالت کرنے والوں سے اولیٰ رہیں گے' واللہ اعلم۔

تین طلاقیں ایک ساتھ دینے والے کے لیے حلالہ سے بچنے کی چھٹی صورت : یہ ان کا قول لے لے جن کے

نزدیک التزام طلاق لازم نہیں نہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے جبکہ خلاف قسم کر لے یہ اسی وقت ہے جبکہ صیغہ التزام کے ساتھ ہو جیسے یہ قول کہ طلاق مجھ پر لازم ہے یا ثابت ہے یا واجب ہے اگر میں ایسا کروں یا نہ کروں یہی مذہب حنفی میں ہے ان کے مذہب کے بہت سے مشائخ کا فتویٰ یہی ہے قفال کا قول بھی یہی ہے تفصیل سنیے۔ صاحب ذخیرہ حنفی لکھتے ہیں کہ جب کسی نے کہا تیری طلاق مجھ پر واجب یا لازم یا فرض یا ثابت ہے تو اس میں ابواللیث نے پچھلے فقہاء کا خلاف ذکر کیا ہے بعض تو کہتے ہیں ایک رجعی واقع ہوتی ہے نیت ہو یا نہ ہو بعض کہتے ہیں واقع ہوتی ہی نہیں نیت ہو یا نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں اگر واجب کہی ہے تو بلا نیت واقع ہو گی اور لازم کہی ہے تو واقع نہ ہو گی اگرچہ نیت کی ہو۔ یہی خلاف ہے اس میں بھی جب کہے کہ اگر تو یہ کرے تو تیری طلاق مجھ پر واجب ہے یا ثابت ہے یا لازم ہے پھر اس نے ایسا ہی کیا شرح قدوری میں ہے کہ بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طلاق واقع نہ ہو گی ہر صورت میں اور بقول امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہر صورت میں طلاق ہو جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے لازم کے قول میں ہو جائے گی واجب کے قول میں نہ ہو گی پھر دونوں طرف کے مشائخ کا مذہب ذکر کیا ہے اور کہا ہے امام ظہیرالدین مرغینانی ہر صورت میں عدمِ وقوع کا فتویٰ دیتے تھے قفال اپنے فتاویٰ میں کہتے ہیں جب اس نے کہا ہے کہ طلاق مجھے لازم ہے تو یہ نہ صراحت ہے نہ کنایہ ہے کہ واقع نہ ہو اگرچہ نیت بھی ہو اس قول کی دو دلیلیں ہیں ایک تو یہ کہ طلاق میں عورت کی طرف اضافت ہونی ضروری ہے اور یہاں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب کہے کہ میں تجھ سے طلاق والا ہوں تو طلاق نہیں ہوتی اگر کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے اور اس نے کہہ دیا کہ تجھ پر طلاق ہے تو بھی طلاق نہیں ہوتی دوسری دلیل یہ ہے اور یہی ماخذ ہے اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہ یہ حکم طلاق کا التزام ہے اور اس کا حکم بعد از وقوع لازم

آتا ہے گویا کہ وہ کہتا ہے میرا فعل تجھے طلاق دینا ہے تو اگر وہ انہی لفظوں کو کہتا تو بلا خلاف طلاق نہ ہوتی۔ یہی حال مصدر کا ہے مسئلہ کا راز یہ ہے کہ یہ التزام ہے طلاق دینے کا؟ یا التزام ہے طلاق کے واقع ہونے کا۔ اگر پہلی بات ہے تو طلاق نہیں ہوئی اگر دوسری بات ہے تو جب شرط پائی جائے گی طلاق ہو جائے گی اس کی ترجیح دینے والے کے حق ہے کہ اس کا حوالہ عرف پر کرے قسم والے کا یہی قصد ہے طلاق دینے کا التزام نہیں کر رہا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہا جائے کہ اگر اس سے التزام طلاق دینے کا نیت میں ہے تو طلاق نہیں ہوئی اور اگر طلاق کے واقع کر دینے کا التزام ہے تو طلاق ہو گئی امام ابو یوسف کا یہی قول ہے اور جمہور اصحاب شافعی یہی فرماتے ہیں جنہوں نے اسے وقوع طلاق میں صریح کہا ہے انہوں نے بھی اس میں عرف کا حکم کیا ہے اسی پر ان الفاظ کا استعمال وقوع طلاق میں ہے ابو المحاسن رویانی کا قول بھی یہی ہے تینوں وجوہات مذہب شافعی میں ہیں جنہیں شارح تنبیہ وغیرہ نے حکایت کیا ہے اس میں دو قول اور بھی حنفیوں کے ہیں ایک تو یہ کہ اگر اس نے کہا ہے کہ طلاق مجھ پر واجب ہے تو واقع ہو جائے گی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر لازم کہا ہے تو بھی نیت عدم نیت میں طلاق واقع نہ ہو گی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ لازم میں التزام طلاق ہے اس لیے طلاق کا وقوع نہیں اور واجب میں خبر ہے اور یہ اسی وقت ہوتی ہے جب طلاق واقع ہو گئی ہو ان دونوں کو برابر کرنے والے کہتے ہیں کہ اس میں طلاق دینے کا واجب کر لینا ہے یا وقوع طلاق کی خبر ہے کوئی شک نہیں کہ احتمال دونوں باتوں کا ہے جیسے لازم کر لینے میں تو فرق بے دلیل ہے۔ دوسرا قول امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کا ہے جو اس کے بالکل خلاف ہے کہ لازم سے ہو جائے گی اور واجب سے نہ ہو گی یہی خلاف اس طرح کی آزادگی کرنے میں کیا ہے۔

ساتویں صورتِ چھٹکارا: مالکیہ میں سے اشہب کے قول کو لینا جو ان کے اور کل اقوال سے زیادہ سمجھداری کا ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں سے کلام کرے یا میرے گھر سے میری اجازت بغیر جائے وغیرہ جس میں طلاق عورت کے فعل پر موقوف ہے اب وہ طلاق حاصل کرنے کی نیت سے ہی وہ کام کرتی ہے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی یہ قول بعینہٖ فقہ ہے خصوصاً احمد و مالک کے اصول پر۔ جو بندے کے قصد کے مقابلہ میں ہے جیسے قاتل کا اپنے مقتول کی وراثت سے محروم ہونا اور وصیت سے وصیت جس کے لیے ہے اس کا بوجہ قتل کے محروم ہونا اور جس عورت کو ورثہ نہ پہنچانے کی خاطر کسی نے اپنے آخری مرض میں طلاق دی ہے اسے وارث بنا دینا جیسے کہ مالک و احمد سے دو روایتوں میں سے ایک میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو عدت کی حالت میں نکاح کرے باوجودیکہ اسے علم ہو فرمایا ہے کہ ان میں جدائی اور تفریق کرا دی جائے پھر یہ عورت اس کے لیے کبھی حلال نہ ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اس عورت کو بھی اس کے قصد کے خلاف سزا دینی بھی قیاسی ہے اس کے خلاف میں یہ قول نہیں کہ جس عورت کو اختیار دیا جائے جس کے ہاتھ میں اس کی طلاق دے دی جائے تو اس کے اختیار طلاق یا اجزائے طلاق سے اسے طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ اسے تو اس کے خاوند نے ہی مالک بنایا ہے برخلاف قسم کھانے والے کے کہ اس نے اس کی طلاق کا قصد نہیں کیا نہ قسم سے اس کے ہاتھ میں دے دی تھی ہاں اگر وہ یہ قصد کرتا تو بیشک واقع ہو جاتی۔ مثلاً کہتا کہ اگر تو مجھے ایک ہزار دے دے تو تجھ پر طلاق ہے یا کہتا کہ تو مجھے اپنے سب حق معاف کر دے تو تجھ پر طلاق ہے پھر وہ دے دیتی یا معاف کر دیتی ہے تو بیشک طلاق ہو جاتی۔ الغرض طلاق کے نہ ہونے کا قول ہی زیادہ فقہ والا ہے خاوند کا قصد عورت کو رغبت دلانا یا روکنا ہے اسے طلاق کی سپردگی کرنا نہیں نہ یہ اس کے دل میں ہے نہ اس کا یہ قصد ہے یہ قول اشہب ہے اور ان کی

امامت و علم معلوم ہے ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اشہب تو ابن القاسم سے سو حصہ زیادہ ہیں ابنِ کنانہ اس کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ یہ چونکہ ان کے استاد تھے اس لیے انہوں نے تعریف کر دی ہے ابو عمر کہتے ہیں کہ اشہب بھی ان کے استاد ہیں اور ابن القاسم بھی اس لیے یہ ان دونوں سے بخوبی واقف ہیں انہی سے علم حاصل کیا ہے انہی کی صحبت میں بکثرت رہے ہیں۔

آٹھواں مخرج : یہ ان کا قول لے لے جن کے نزدیک طلاق کی قسم سے نہ طلاق لازم ہوتی ہے نہ واقع ہوتی ہے نہ کفارہ وغیرہ آتا ہے بہت سے سلف خلف کا یہ مذہب ہے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی صحیح ہوا ہے۔ بعض فقہاء مالکیہ اور اہل ظاہر کا قول بھی یہی ہے اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف کوئی صحابی نہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اعلیٰ شاگرد طاؤس سے بھی یہی مروی ہے کہ طلاق کی قسم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ان کے شاگرد سے پوچھا گیا کہ وہ اسے قسم بھی گنتے تھے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ یہ تو میں نہیں جانتا اس قول کی موافقت چار سو سے زیادہ علماء نے کی ہے جن لوگوں نے بنیاد فقہ صرف قرآن حدیث پر ہی رکھی ہے نہ کہ قیاس پر۔ ان میں سے آخر شخص امام ابو محمد بن حزم ہیں۔ آپ اپنی کتاب محلی میں لکھتے ہیں طلاق کی قسم کسی چیز کو لازم نہیں کرتی خواہ وہ اس قسم کو پوری کرے خواہ توڑ دے اس سے طلاق واقع نہ ہو گی طلاق اس طرح ہو گی جس طرح حکم خدا ہے اور قسم اسی طرح کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان پر مشروع فرمائی ہے پھر اسے ثابت کیا ہے پھر اس میں لوگوں کا اختلاف ذکر کیا ہے پھر کہا ہے کہ یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور یہ ہیں حضرت طاؤس کہ وہ قسم کھانے والے کی قسم کے ٹوٹنے پر طلاق ہو جانے کا فتویٰ نہیں دیتے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں ایک صحابی کا قول بھی معروف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اثر علی رضی اللہ عنہ پورا یوں ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر سفر کا ارادہ کیا اسے سسرال والوں نے پکڑ لیا اس نے کہا کہ اگر میں مہینہ بھر تک اس کا خرچ نہ بھیجوں تو اس پر طلاق ہے وہ مدت گزر چکی اور اس نے خرچ نہ بھیجا جب وہ آیا تو یہ قصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا آپ نے فرمایا تم نے ہی اسے بے بس کر دیا تھا جس پر اس نے طلاق کو کہا تھا چنانچہ آپ نے اس عورت کو اس مرد کی طرف لوٹا دیا۔ یہ لوگ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف لٹکنا چاہیں کہ آپ نے فرمایا تم نے اسے بے بس کر دیا تھا تو یاد رکھیں کہ یہاں صورت اکراہ نہیں انہوں نے اس سے اس کی بیوی کا خرچ مانگا تھا نہ کہ طلاق دینے پر اکراہ کیا ہو نہ قسم کھانے پر اکراہ تھا نہ قتل نہ مارپیٹ نہ قید وغیرہ تھا نہ قسم پر اکراہ تھا نہ واقعہ میں یہ ہے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ پیش ہوا اس قسم کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طلب کیا اور آپ نے اسے باطل کر دی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد نہیں کیا تھا اس قسم سے اس کی مُراد صرف اپنے سفر کے لیے رخصت حاصل کرنا تھی پس نہ تو بے بس کا یہ قصد ہوتا ہے نہ اس طرح کی قسم والے کا یہ قصد ہوتا ہے ان کا قصد تو رغبت دلانا یا روکنا ہوتا ہے اگر قسم کھانے والے کی اختیارانہ حالت اور اکراہ والی حالت الگ الگ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اکراہ اور اس کی شرطوں اور اس کی حقیقت اور صورت اکراہ کا سوال ضرور کرتے یہ تو بالکل ظاہر ہے۔ رہا کسی کی تقلید میں بدمست ہو کر دلائل کا انکار سو یہ مقلدین کی کوئی نئی عادت نہیں چھوڑو انہیں اور ان کے کام کو۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر وہ اسلام میں کوئی نیا کام کرے کوئی بڑا گناہ کرے تو اس کی بیوی پر طلاق پھر اس نے ایک خچر حمام اعین جگہ تک کے لیے کرایے پر لیا لیکن اس پر اس نے بہت دور کا اصفہان تک کا سفر کیا پھر وہاں اسے بیچ ڈالا اور اس کے بدلے گدھے خرید کیے۔ یہ قِصّہ جب حضرت شریح رحمہ اللہ کے سامنے فیصلے کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا کیا

تم اس بات پر گواہ ہو کہ اس نے طلاق دے دی' انہوں نے کہا حضرت قصہ اتنا ہی ہے۔ جتنا ہم نے بیان کیا تو آپ نے پھر یہی فرمایا پھر وہ اور آپ اپنے اپنے کلام کو دہراتے رہے' راوی کہتا ہے آپ نے اسے نیا کام گناہ کا کام نہیں گنا۔ یہ بھی صاف ہے کہ قاضی شریح کے نزدیک بھی طلاق کی قسم کوئی چیز نہ تھی اگر کوئی راوی کے قول پر لٹک جائے تو جواب یہ ہے کہ یہ تو اس کا ظن و گمان ہے یہ تو بدترین نیا کام اور زبردست گناہ ہے کہ چند میل کے سفر کے لیے جانور کرایے پر لیا جائے اور اس سے سفر بہت دور دراز کا کر لیا جائے پھر مزید ظلم یہ کہ اس کے کرایے کے جانور کو بیچ دیا جائے اور اس سے دوسری جنس خریدی جائے۔ ظاہر یہی ہے کہ قاضی شریح نے جب اس عورت کو اس مرد کی طرف لوٹا دیا تو اس قصے کے دو راویوں میں سے ایک نے خواہ وہ محمد بن سیرین ہوں خواہ ہشام بن حسان یہ سمجھ لیا کہ وجہ لوٹانے کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ گناہ یا نوپید کام نہیں ورنہ طلاق واقع کر دیتے حالانکہ ان کا یہ خیال غلط ہے وجہ لوٹانے کی اس مرد کا عدم قصد طلاق ہے قصد صرف قسم کھانا ہے اس لیے اس پر طلاق لازم نہیں کی' شریح رحمۃ اللہ علیہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ ہم ان کی طرف یہ خیال کریں کہ ایسی خیانت اور ظلم کو وہ گناہ نہیں سمجھتے۔ ان دو کے علاوہ اور بزرگان بھی ہیں جو قسم کھانے والے کی قسم کے ٹوٹنے سے طلاق واقع نہیں کرتے مثلاً حضرت عکرمہ جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ ہیں جیسے کہ سنید بن داؤد نے سورۂ نور کی تفسیر کے شروع میں ذکر کیا ہے کسی نے طلاق کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بھائی سے بات چیت نہ کرے گا' لیکن پھر اس نے اس سے باتیں کیں تو آپ نے فرمایا یہ طلاق نہیں پھر آپ نے آیت : ﴿ وَلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ الغرض سلف کے اقوال میں جو تامل کرے گا وہ انہیں چار قسم کے پائے گا' عدمِ وقوع میں صراحت والے وقوع میں صراحت والے عدمِ وقوع میں ظاہر اور دونوں جانب توقف طاؤس اور عکرمہ سے تو واقع نہ ہونے کی صراحت ہے۔ علی رضی اللہ عنہ اور شریح سے اسی میں ظاہر۔ ابنِ عیینہ سے توقف اور وہ بھی بہ صراحت وقوع کی تصریح کسی ایک صحابی سے بھی مروی نہیں ہاں بوقت شرط محتمل ارادہ وقوع حضرت ابوذر سے منقول ہے بلکہ صحابہ سے جو ثابت ہے وہ عدمِ وقوع ہے صورت عتق و آزادی غلام میں جو طلاق سے نفوذ میں بہت زیادہ اولیٰ ہے اسی لیے ابوثور اسی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس یہی ہے کہ طلاق بھی اسی جیسی ہے مگر یہ کہ امت جمع ہو جائے تو وہم اجماع کی وجہ سے آپ نے طلاق کے بارے میں توقف کیا ہے یہی عذر اکثر لوگوں کا ہے جو طلاق کو واقع کرنے والے ہیں کہ اس پر اجماع کا انہیں بھی وہم ہوا ہے۔ باوجودیکہ انہیں اس اَمر کا اعتراف ہے کہ کتاب و سنّت اور قیاسِ صحیح میں اقتضاء وقوع کی کوئی دلیل نہیں اور جب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں اجماع بھی نہیں تو اب دلیل باقی کیا رہی؟ اس کے برخلاف واقع نہ ہونے کی بہت سی اور بہت قوت والی دلیلیں ہیں جن کے رَد کرنے کی کوئی راہ نہیں پھر ایک غلط دعویٰ اجماع سے ان کا معارضہ کرنا قطعاً باطل ہے۔ پس یہ جماعت ہتھیاروں والی ہے اور مخالف جماعت بے دلیل ہے بلکہ ان کے پاس اگر صرف استصحاب ہی ہوتا تب بھی کافی تھا چہ جائیکہ ان کے پاس قیاس بھی اولویت والے بہت سے ہیں اور باقی مساوات والے ہیں یعنی نظیر کا قیاس نظیر پر۔ ساتھ ہی آثار عمومات معانی صحیحہ حکم اور مناسبات بھی ہیں جن کی شہادت شرع دیتی ہے کہ یہ معتبر ہیں اور ان میں سے ایک کا بھی صحیح جواب اس دوسری مخالف جماعت سے نہیں بن سکتا پھر جو دو قول اوروں کے ہیں وہ غایت افراط و تفریط میں ہیں اور ان کا قول درمیانہ قول ہے۔ دیکھیے مخالفین کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ تعلیق طلاق معتبر ہے ہر حال میں خواہ تعلیق قسمیہ ہو خواہ شرطیہ ہو دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ سب تعلیق مردود ہے کسی طرح کوئی تعلیق صحیح نہیں نہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے۔ اس کا بیان ہم ان شاء اللہ اس کے بعد کریں

گے۔ پس یہ جماعت ان دونوں گروہ کے درمیان ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تعلیق مقصود ہے وہاں صحیح ہے۔ وہاں صحیح ہے جہاں قسم مقصود ہے طلاق مقصود ہی نہ وہاں طلاق ہوگی ہی نہیں ان کی دلیل دونوں گروہ پر قائم ہیں ان دونوں کے پاس کوئی دلیل اس منصف جماعت کے خلاف نہیں واقع کرنے والوں نے جتنی دلیلیں دی ہیں ان میں جو صحیح ہیں وہ اسی تعلیق پر طلاق کو لازم کرتی ہیں جو مقصود ہو اور مانعین کے گروہ نے جتنی ایسی دلیلیں دی ہیں وہ سب عدمِ وقوع پر دلالت کرتی ہیں اس صورت میں بھی کہ تعلیق قسمی ہو پس یہ بیچ کی جماعت ان دونوں کی صحیح دلیلوں پر عامل ہے اور جو حق ان کے پاس الگ الگ تھا یہ اسے جمع کرنے والی ہے اور جو باطل ان میں سے ایک ایک کے پاس تھا اسے توڑنے والی ہے۔ فالحمد للہ۔

نواں چھٹکارا: ان کا قول لے لینا جو کہتے ہیں کہ شرط کے ساتھ جو طلاق معلق ہو وہ واقع نہیں ہوتی بلکہ تعلیق طلاق کی شرط صحیح ہی نہیں جیسے تعلیق نکاح کی شرط صحیح نہیں۔ ابو عبدالرحمٰن شافعی کا مختار یہی ہے۔ انھیں خود امام صاحب بہت عزت و حرمت سے دیکھتے تھے۔ ابو ثور کا درجہ بھی امام صاحب کے نزدیک یہی تھا۔ یہی دونوں وقت امام صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کی نگاہ ضعیف تھی اس لیے امام صاحب نے فرما دیا تھا کہ انھیں کتاب نہ سونپو۔ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات اصحابِ شافعی میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی علمی مرتبت بیان کی ہے کہ یہ ابو ثور کے رفیق تھے اور سب سے زیادہ جلیل القدر تھے جب ان کے قول کے خلاف ان کے نیچے والے کہیں تو ان کے قول کی عزت زیادہ ہونی چاہیے۔ پھر اس قول کے قائل ان کے سوا اور بھی ہیں۔ امام ابو محمد بن حزم محلّٰی میں فرماتے ہیں صفت کے ساتھ طلاق ہمارے نزدیک قسم کے ساتھ طلاق کی طرح ہے۔ دونوں لازم نہیں۔ طلاق حکم خدا اور تعلیم خدا کے ماتحت ہوتی ہے اس کے سوا باطل ہے اور حدودِ خدا سے آگے بڑھ جانا ہے۔ اس قول کو اگرچہ مخالف وقعت نہ دیں لیکن مقابلے پر آ کر اسے رَد کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے کیونکہ آپ لوگوں میں خود اختلاف و تناقض ہے ان کے ساتھی ان سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قول شرط کے ساتھ کی طلاق کی تعلیق میں مثل ان کے قول کے ہے۔ بری کرنے' ہبہ کرنے' وقف کرنے اور بیع و نکاح کرنے کے' تو اب انھیں یقیناً تفریق کا کوئی حق نہ رہے گا جو دلیل دیں گے وہ ان کی جائز کردہ تعلیق میں ان کے خلاف پڑے گی۔ اگر تفریق کی وجہ عرض کو قرار دیں کہ ان کے سوا میں تعلیق نہیں تو مقابلہ میں یہ بھی ٹوٹ جائے گی اور خلاف میں ہبہ اور وقف کے ساتھ ٹوٹ جائے گی اگر وجہ تفریق ملکیت اور اسقاطِ قرار دو تو تمہارا یہ قول باور کر لو کہ ملکیت کے عقد تعلیق کو قبول نہیں کرتے بخلاف عقد و اسقاط کے۔ اسی طرح یہ قاعدہ وصیت سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اور بری کرنے سے بھی اگر اس کی ملکیت میں داخل خارج کا فرق کرو تو تم نے اوّل کے سوا دوسرے میں تعلیق کو صحیح مانا ہے۔ پھر ہبہ اور پاک کرنا بھی ملکیت سے نکال دینا ہے۔ اس کی تعلیق بھی تمہارے ہاں صحیح نہیں اگر دھوکے کو وجہ فرق قرار دو تو جو اس کے لیے ناقابل قبول ہیں ان کی تعلیق میں یہی بات آئے گی اور وکالت اس کے خلاف ٹھہرتی ہے وہ تمہارے ہاں تعلیق میں نہیں۔ صحیح ہے کہ غلام کی خریداری پر وکیل کرے۔ قدر و وصف عمر و قیمت بیان نہ کرے۔ صرف جنس کے ذکر پر اکتفا کرے۔ اسی طرح گھر کی خرید پر نکاح کرانے کی وکالت پر ان میں خطرے ہیں پھر بھی تم نے ان کی تعلیق بالشرط کو منع کیا ہے پھر اس فرق کی پختگی تم پر واجب کرنی ہے کہ نکاح شرط کی تعلیق کے ساتھ صحیح ہو۔ اس میں وہ خطرے ہیں جو دوسرے میں نہیں نہ اس میں عورت کا دیکھنا شرط ہے نہ اس کی صفت نہ جنس اور مقدار کے لحاظ سے عوض' یہ اسے اور وہ اسے نہیں جانتی پھر بھی یہ صحیح ہے جب اس میں تعلیق جائز ہوئی تو طلاق و عتاق میں کیوں نہ ہو؟ امام صاحب نے اس کی تعلیق کی صحت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ

اگر میری لونڈی کے ہاں لڑکی ہو تو میں نے اسے تیرے نکاح میں دی۔ یہ اگرچہ تعلیق شرط مستقبل پر نہیں یعنی ایسی نہیں جیسے یہ قول کہ جب اس لونڈی کے ہاں لڑکی ہو وہ تیری بیوی ہے' یہ فرق صحیح ہے لیکن اسے بھی پورا حق ان لوگوں نے نہیں دیا نہ اس کی فقہ کو جاری کی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میرا باپ مرجائے اور میں اس مال کا وارث بنوں تو یہ تیرے ہاتھ بیع ہے۔ تم اسے باطل بتلاتے ہو حالانکہ یہ باطل نہ ہونا چاہیے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے شرط پر نکاح کی تعلیق کو صحیح کہا ہے۔ صاحب مستوعب کہتے ہیں کہ انعقادِ نکاح کو جب شرط پر معلق رکھا مثلاً کہا کہ جب اس کی ماں رضامند ہو' جب چاند چڑھے تو اس میں ایک روایت تو یہ ہے کہ یہ نکاح سرے سے باطل ہے۔ دوسری یہ ہے کہ صحیح ہے اس فصل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب اختیار کی شرط پر نکاح ہوا کہ اگر یہ مہر فلاں فلاں وقت تک دے دے تو اچھا ورنہ ان دونوں میں نکاح نہیں۔ اس میں بھی دو روایتیں ہیں ایک خود نکاح کے باطل ہونے کی' دوسری شرط کے باطل ہونے اور عقد نکاح کے صحیح ہونے کی۔ قاضی کی روایت میں ہے کہ شرطِ خیار کے ساتھ جب نکاح ہو تو نکاح بھی صحیح اور شرطِ صحت عقد اور بطلان شرط لیکن یہ اسی وقت جب شرطِ خیار ہو یا یہ کہ مہر اتنی مدت میں ادا کردے ورنہ ان میں آپس میں نکاح نہیں لیکن جب کہا کہ میں نے تیرا نکاح کر دیا اگر اس کی ماں راضی ہو پھر وہ راضی ہی ہے تو یہ عقد صحیح ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ نکاح متعہ اور دقیقہ نکاح اور شرط والا نکاح فاسد ہے الغرض جن لوگوں نے شرطوں کی تعلیق میں فرق کیا ہے کہ کہاں مقبول اور کہاں مردود؟ ان کے پاس اس فرق کا کوئی ضابطہ اور قانون اور قاعدہ نہیں۔ پس جن کا مذہب یہ ہے کہ طلاق کی تعلیق شرطوں کے ساتھ صحیح نہیں جیسے اہل ظاہر وغیرہ ان پر رد نہیں کرسکتے اگر یہ کچھ آثار بعض چیزوں میں پیش کریں تو وہ ان کے خلاف بہت سی صورتوں کی مرفوع حدیثیں پیش کردیں گے۔ تفریق کا قاعدہ ضروری ہے پھر شرعی دلیل ضروری ہے۔ وصف فارق کا مثل وصف جامع کے مؤثر ہونا ضروری ہے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک اس کا اعتبار ہے یا نہیں تب تک وہ کوئی چیز نہیں ورنہ تو یہ ایک نئی شریعت گھڑ لینا ٹھہرے گا۔ الغرض اس قول کا بطلان شرعاً حلالہ کے بطلان سے بھی زیادہ واضح ہے۔ نکاحِ حلالہ کے فساد کا علم اس قول کے فسادِ علم سے زیادہ ظاہر ہے جب تفریق جائز ہوئی تحلیل پر اور اس کے انکار کا ترک باوجودیکہ اس میں نص ہے' اثر ہے' اتفاقِ صحابہ ہے اس کے فاعل پر لعنت ہے۔ اس کی مذمت ہے تو اس قول کی تقریر تو اور بھی آسان ہے اس میں کسی منصف عالم کو شک نہیں ہو سکتا گو درست بات ان دونوں قولوں کے خلاف ہے لیکن ان میں سے ایک کم خطا والا اور درستی سے زیادہ قریب والا ہے۔

دسواں چھٹکارا

یہ چھٹکارا زوالِ سبب کا ہے۔ یہ قوت اور صحت میں بہت زیادہ ہے۔ حکم علت کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ وجوداً بھی اور عدماً بھی۔ شارع نے جب کسی حکم کو کسی علت پر معلق رکھا ہے تو زوالِ علت سبب بن جاتی ہے زوالِ حکم کا۔ مثلاً شراب کے ساتھ نجس کرنے اور حد واجب ہونے کو معلق کیا بوجہ نشہ لانے کے تو جب اس کی عینیت زائل ہوگئی اور وہ خود سرکہ بن گئی تو حکم بھی زائل ہوگیا اسی طرح وصف فسق اس پر معلق رکھا۔ شہادت و روایت کے مقبول نہ ہونے کو تو جب نہ یہ نہ رہے گا تو حکم بھی نہ رہے گا۔ بیوقوفی بچپن جنوں بیہوشی جب نہ رہی تو جو احکام ان پر معلق تھے وہ بھی نہ رہے۔ ساری شریعت اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ اسی طرح قسم کھانے والا' کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے' کسی سبب سے پھر سبب جاتا رہتا ہے تو وہ اس کام کے کرنے سے قسم توڑنے والا نہیں بنتا اس لیے کہ اس کی قسم اس سے معلق ہوئی ہے اسی وصف سے جب وصف زائل ہوگیا تو قسم کا تعلق بھی جاتا رہا مثلاً کسی کو شراب پینے کے لیے بلایا گیا

اس نے قسم کھائی کہ نہ پیے گا اب وہ ہوگئی سرکہ اور اس نے پی لیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اس کا اپنے نفس کو اس سے روکنا نظیر ہے شارع علیہ السلام کی روک کی جب اس کے انقلاب سے شارع کی روک جاتی رہی تو واجب ہے کہ اس کی اپنی روک بھی جاتی رہے۔ ان دونوں میں فرق تو دھینگا مشتی ہے جب حرمت اور نجاست اور بہا دینے کا وجوب اور حد کا واجب ہونا اور فسق کا ثبوت اسُی کے سبب کے زوال سے زائل ہو جاتا ہے تو قسم کی صورت میں یہی قاعدہ کیوں جاری نہیں ہوتا؟ یہ تو عین قیاس اور ٹھیک فقہ ہے۔ قسم کھانے والا خوب جانتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں شراب کے سوا کی چیز کے پینے سے نہیں روکا پھر اس پر غیر شراب کے پینے سے قسم کے توڑنے کا حکم جاری کرنا وہ لازم کرتا ہے جو نہ اس نے لازم کیا' نہ شرع نے اس پر لازم کیا۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی بات اور شہادت کے نہ قبول کرنے کی قسم کھائی کیونکہ وہ فاسق ہے پھر اس نے توبہ کرلی اور صالح شخص بن گیا تو اب نہ قبول کرنے کی وجہ؟ شرع کی ممانعت ہٹ گئی' قسم کی ممانعت بھی گئی' گزری قسم کھائی کہ یہ کھانا نہ کھائے گا' یہ کپڑا نہ پہنے گا' اس عورت سے نہ بولے گا' نہ جماع کرے گا اس لیے کہ وہ حلال نہیں اب اس کھانے' کپڑے' عورت وغیرہ کا یہ مالک بن گیا تو پھر اب کیا وجہ ہے کہ اسے روکا جائے؟ وجہ قسم جاتی رہے کوئی قسم کھاتا ہے کہ فلاں گھر میں نہ جائے گا اس لیے کہ وہ شراب کا پیٹھا یا معصیت کا اڈا ہے پھر وہ گھر اس سے خالی ہو جاتا ہے' نیک لوگوں کا مجمع بن جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کا مدرسہ ہو جاتا ہے' اب کیوں نہ جائے' قسم تابع شرع ہے جب شرعاً جا سکتا ہے تو قسم مانع نہیں۔ سبب جاتا رہا' حکم بھی جاتا رہا۔ کسی سود خوار کے گھر کا کھانا کھانے کی قسم کھائی۔ اب وہ توبہ کر کے نیک مال حاصل کرنے لگا تو کونسی پرہیزگاری ہے کہ اب بھی اس کے ہاں کا کھانا نہ کھائیں؟ قسم کھالی کہ فلاں کے ہاتھ نہ بیچوں گا وجہ قسم یہ تھی کہ وہ مفلس ہے یا بیوقوف ہے۔ پھر یہ وجہ جاتی رہی تو بے شک اس کے ہاتھ بیچ سکتا ہے۔ قسم کی وجہ نہ رہی اس لیے قسم بھی نہیں رہی۔ کسی کے ساتھ نہ بیٹھنے کی قسم کھائی اس لیے کہ وہ مجلس شک و شبہ والی ہے۔ جب یہ عیب اس کی مجلس میں نہ رہا بلکہ اس کے خلاف وہ مجلس نیکی اور بھلائی کی ہوگئی تو بے شک بیٹھے اُٹھے جائے آئے۔ بیمار نے قسم کھائی گوشت روٹی نہ کھانے کی اس لیے کہ اس سے مرض بڑھتا ہے پھر تندرست ہوگیا اور اب گوشت روٹی اسے فائدہ دیتی ہے تو بے شک کھائے اس لیے کہ وجہ قسم جاتی رہی اب اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ایسے بہت سے مسائل فقہا نے بھی بیان کیے ہیں مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ والی شہر کی اجازت کے بغیر شہر سے نہ جائے گا۔ وہ والی بدل گیا تو اب اس کی اجازت کے بغیر یہ جا سکتا ہے۔ قسم نہ ٹوٹے گی۔ اپنی بیوی پر قسم کھائی یا اپنے غلام پر کہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں پھر طلاق دے دی' بیچ ڈالا اور وہ اس کی اجازت کے بغیر نکلے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ اس لیے کہ حال کا قرینہ کلام کے مقصد کو بدل دیتا ہے تو گویا یہ مقصد تھا کہ جب تک یہ اس کی بیوی اور یہ اس کا غلام رہے قاضی کے سامنے قسم کھائی کہ ہر برائی کی خبر اسے پہنچا دے گا لیکن وہ قاضی معزول ہوگیا تو اب قسم بھی گئی' بیوی سے قسم کھائی کہ تیرے ساتھ ہی راتیں گزاروں گا پھر وہ مرگئی یا طلاق والی ہوگئی تو اب یہ پابندی اُٹھ گئی' قسم کھاتا ہے اپنے بیٹے پر کہ وہ رات کو گھر سے باہر نہ رہے۔ اس لیے کہ وہ بچّہ ہے' فاسق لوگ اسے خراب نہ کر دیں' اب وہ ہوگیا بوڑھا تو اگر رات کو گھر سے باہر رہے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ سبب قسم جاتا رہا۔ یہ سب مذہب ہے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا۔ ان کے نزدیک قسموں میں نیت و سبب اور باعث قسم معتبر ہے۔ ابو عمر بن عبدالبر اپنی کتاب کافی کی کتاب الایمان میں مذہب مالک کے بیان میں لکھتے ہیں اس باب کی اصل قسم کھانے والے کی نیت کی رعایت رکھتی ہے اگر نیت ہے ہی نہیں تو واقعہ کی اصلیت دیکھ لو کس چیز نے قسم پر برانگیختہ کیا ہے۔ اسے دیکھو پھر اس وقت کے

لوگوں کے عام مذاق کو دیکھو پھر قسم پر حکم لگاؤ۔

صاحب جواہر کہتے ہیں کہ قسم کو پورا کرنے اور اس کے توڑنے کے کئی اسباب ہیں۔ اوّل نیت جبکہ لفظ اس کے قابل ہوں خواہ مطابق ہو خواہ زائد ہو خواہ ناقص ہو مطلق کی تقیید ہو یا عام کی تخصیص ہو۔ دوسرا سبب جو باعث ہوا ہے قسم کا اسی سے قسم پہچانی جائے گی اور تعبیر کی جائے گی نیت کبھی تو مذکور ہوتی ہے کبھی انسان بھول جاتا ہے وہی محرک ہوتی ہے وہی اس پر دلیل بنتی ہے کبھی اس کے ظہور میں قدرے اشکال ہوتا ہے بعض حالات میں مخفی ہوتی ہے کبھی اس کا ظہور و خفا اضافت سے ہوتا ہے نیت کے معتبر ہونے کی تصریح اصحابِ احمد سے بھی آئی ہے کہ قسم اسی پر محمول ہوگی بروقت نہ ہونے اس کے سبب اور وجہ برا نگیختگی پر محمول ہوگی اس لیے کہ وہ نیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اصحابِ مالک کی تصریح ہے کہ کسی نے اپنا مال دفن کیا پھر جگہ بھول گیا' اِدھر اُدھر ٹٹولا' نہ پایا تو قسم کھا کر کہا کہ اس کی بیوی نے لیا ہے پھر اسے اور جگہ سے مل گیا تو اس کی قسم ٹوٹی نہیں کیونکہ اس کی نیت یہ تھی کہ اگر مال جاتا رہا تو تُو نے ہی لیا ہے اس لیے تجھ پر طلاق ہے اب ثابت ہو گیا کہ اس نے نہیں لیا اس لیے اس پر طلاق نہیں پڑتی۔ پس نیت و قصد قوت میں شرط کے ہے اسی طرح کسی کھانے کی طرف کسی کو بلایا گیا اس نے اسے حرام سمجھ کر کھانے کی قسم کھائی کہ نہیں کھاؤں گا پھر معلوم ہوا کہ حلال ہے تو اس کے کھانے سے قسم ٹوٹے گی نہیں۔ کسی نے کسی پر سلام کیا اس نے اسے بدعتی سمجھ کر قسم کھالی کہ میں اسے جواب نہ دوں گا پھر معلوم ہوا کہ یہ ایسا نہیں تو جوابِ سلام دے دینے سے قسم کا توڑنے والا نہ ہوگا۔ اگر کسی جانور کو شریر جان کر اس پر سوار ہونے کی قسم کھالی پھر ثابت ہوا کہ یہ ایسا نہیں تو بے شک سواری کر لے قسم کا خلاف نہ ہوگا۔ مختصر ابو القاسم خرقی میں ہے کہ قسم نیت سبب اور باعث پر ہے۔ حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ کسی کو ناشتے کے لیے بلایا اور اس نے قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا کہا گیا کہ بیٹھ اور اس نے قسم کھائی کہ نہ بیٹھوں گا تو اسی کھانے اور اسی وقت کے بیٹھنے پر قسم ہوگی۔ کیونکہ مقصود اس کا یہی تھا کہ اگر نیت و قصد ہو ہی نہیں تو امام احمد سے دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ قسم عام رہے گی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کسی شہر میں ظلم و ستم دیکھ کر وہاں نہ جانے کی کسی نے قسم کھالی اب وہ ظلم و ستم نہ رہا تو آپ نے فرمایا نذر کو پوری کرے یعنی وہاں نہ جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ لفظ شارع علیہ السلام جب عام ہوں تو حکم بھی عام ہی رہے گا گو سبب خاص ہو یہی حال قسم کا ہے ہمارے شیخ اس میں مخالف ہیں فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے اس حکم کا باعث نذر ہے جو قسم سے موکد ہے اور نذر عبادت ہے اس لیے اسے پورا کرنا لازم ہے آپ کے لفظ بھی یہی ہیں کہ نذر پوری کرے یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام حج کی بجا آوری کے بعد تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کو منع فرمادیا اس لیے کہ ان کی ہجرت یہاں سے اللہ کی عبادت اور اس کی قربت کے لیے تھی تو گو سبب زائل ہو گیا پھر بھی اس کی طرف لوٹنا ناجائز رہا ورنہ امام صاحب کا مذہب نیت و سبب کا معتبر ہونا ہی ہے اور قسم کھانے والے کی قسم کو اسی پر محمول کرنا ہے۔ حنفیہ کا مذہب بھی سنیے کتاب الذخائر کی کتاب الایمان میں ہے چھٹی فصل مطلق قسموں کی دلالتوں سے مقید کرنے میں۔ کسی کی عورت گھر سے کہیں جانا چاہتی ہے اس کا خاوند کہتا ہے کہ اگر تو جائے تو تجھ پر طلاق ہے وہ ذرا سی دیر بیٹھ گئی پھر گئی تو طلاق نہ ہوگی کوئی کسی کو مارنا چاہتا ہے دوسرے نے اسے قسم دی تو یہ ذرا سی دیر ٹھہر گیا پھر مارا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی اسے فوری قسم کہتے ہیں عرفاً اور عادۃً اس سے مُراد یہی ہوتی ہے ایک شخص دوسرے سے ملا اس نے کہا آؤ کھانا کھالو اس نے کہا واللہ میں نہ کھاؤں گا پھر اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اور سب کے ساتھ کھایا تو حانث نہ ہوگا کسی نے کہا فلاں کے ساتھ کھالو اس نے کہا واللہ میں نہ کھاؤں گا اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس

وقت کے کھانے پر قسم ہے نہ کہ ہمیشہ کے کھانے پر گو لفظوں میں یہ نہیں لیکن نیت و قصد میں ہے کوئی کہتا ہے کہ میرے بارے میں فلاں سے آج بات چیت کیجئے یہ جواب دیتا ہے کہ واللہ میں اس سے بات نہ کروں گا تو یہ قسم اسی دن کے لیے ہے بعد میں بول سکتا ہے اسی طرح کسی نے کہا میرے ہاں آج آنا اس نے کہا اگر آؤں تو میری بیوی پر طلاق ہے تو یہ بھی اسی دن کے لیے ہے اس لیے کہ نیت کا عمل قسم میں ہے ہاں اگر الفاظ میں اس نیت کو اُٹھانے کی طاقت ہی نہ ہو تو پھر نیت کا اثر باقی نہ رہے گا اگر لفظ اس کے محتمل ہوں تو پھر اثر ضرور ہو گا۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اگر میں کپڑا پہنوں یا کھانا کھاؤں یا عورت سے بات کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے اور نیت رکھتا ہے خاص کھانے اور خاص کپڑے اور معین عورت کی تو یہ درست ہو گا اگر کسی نے فعل بیان کیا اور مفعول کو حذف کیا تو بھی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اسی طرح ہے شافعی' احمد اور مالک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ الغرض تخصیص تعمیم اطلاق تقیید سب میں نیت کا اثر ہے اور اس کے قائم مقام سبب بھی ہے یہی فتویٰ دینا چاہیے نہ کہ لوگوں کے ارادوں کے خلاف ان پر احکام جاری کرتے رہیں تعلیل قائم مقام شرط ہے مثلاً کوئی کہتا ہے کہ تجھ پر طلاق ہے۔ سبب گھر سے نکلنے کے پھر معلوم ہوا کہ وہ گھر سے نہیں گئی تو اس پر طلاق نہیں پڑی۔ صاحب ارشاد نے اس کی صراحت کی ہے اسی طرح اگر کہا کہ تجھ پر طلاق ہے اور کہتا ہے کہ میرا ارادہ دین کی شرط کا تھا تو بھی یہی حکم ہے جب کہا کہ بوجہ اس کے کہ تو نے زید سے بات کی ہے یا تو گھر سے نکل تھی پھر ظاہر ہوا کہ ایسا نہیں ہوا تو طلاق بھی واقع نہ ہو گی جس نے اس کے خلاف کہا ہے اسے وہم ہو گیا ہے' واللہ اعلم۔

گیارھواں مخرج :

خلع قسم کا جن کے نزدیک یہ جائز ہے جیسے شافعیہ وغیرہ گو یہ اہل مدینہ اور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن پھر بھی حلالہ سے بہتر ہونے میں تو کلام ہی نہیں کیونکہ (۱) خلع میاں بیوی کی آپس کی ناچاقی کو دور کرنے کے لیے ہے تو حلالہ جیسے فساد کے دور کرنے کے لیے کیوں نہ ہو؟ (۲) جو حیلے منع ہیں وہ اسی لیے کہ ان میں حرمت ہے فساد ہے' لیکن جو حیلہ فساد کے دفعیہ کے لیے ہو وہ حرام نہیں۔ (۳) اس سے غرض نکاح کا باقی رکھنا ہے اور شارع کی غرض بھی یہی ہے حلالہ کا فساد وہ فساد ہے جس سے شارع نے نہایت سختی سے روکا اور اس فعل کو ملعون کہا پس جس بہانے سے اسے ہٹایا جائے وہ بد نہ ہو گا۔ (۴) حرمت شارع فساد کے ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اس خلع میں بھی فساد کا عدم ہے۔ (۵) یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بلا اختلاف خلع ہوتا ہے لیکن ہے یہ صحیح مقصود اس سے اصل جدائی نہیں بلکہ اس کے بعد نکاح سے آباد ہونا ہے اس کے بغیر امکان نہ رہے گا گھر اجڑے گا میاں بیوی الگ الگ ہو جائیں گے یا پھر لعنتی بن کر حلالہ کی طرف جھکیں گے اب یا تو یہ ہے کہ تین طلاقوں کی قسم کو لازم کرا دو جس سے دین دنیا فاسد ہو جائیں مثلاً کوئی قسم کھائے کہ اپنی اولاد کو قتل کر دے گا یا شراب پئے گا یا حرام کاری کرے گا یا کھانا پینا چھوڑ دے گا یا سایہ کے نیچے نہ بیٹھے گا یا فلاں کا حق ادا نہ کرے گا اب بتلاؤ یہ قسم پوری کرے یا اسے توڑ دے؟ یہی حال یہاں ہے کہ یا تو گھر اجاڑے بیوی چھوڑے بچوں کو مصیبت میں ڈالے پھر حلالہ کرا کر لعنت الٰہی اپنے اوپر لے یا خلع کر کے ان عذابوں سے چھوٹ جائے ہمارے نزدیک تو یہ بہت ہلکی چیز ہے۔ (۶) فرض کرو کہ یہ دونوں رضامندی سے بغیر کسی باعث کے بھی طلاق جاری کر دیتے تو ممنوع تو نہ تھا پھر اگر خلع پر اتفاق کر لیں کہ ہیشگی کا سبب بن جائے تو کیا حرج ہے؟ (۷) اگر خلع کو طلاق کہا جائے تو سمجھ لو کہ ایک مصلحت کی وجہ سے عوض کی طلاق پر دونوں متفق ہو گئے اس میں کیا حرمت آ گئی اگر اسے فسخ کہا جائے تو ایک عقد کا فسخ طرفین ہر وقت کر سکتے ہیں مگر یہ کہ وہ عقد حق اللہ میں ہو نکاح ان دونوں کا حق ہے پس اس کے فسخ کی ممانعت انہیں ہرگز نہیں۔ (۸)

آیت میں موجود ہے کہ جب میاں بیوی حدود الٰہی کے عدم قیام سے ڈریں تو خلع باعث ہے امکان قیام حدود اللہ کا۔ اس صورت میں جبکہ وہ حدود اللہ کی تعطیل کے لیے پیش ہونے والے ہیں کیوں انہیں خلع کی اجازت نہ دی جائے؟ اگر کہا جائے کہ یہاں خلع کے سوا بھی دو طریق ہیں اول الگ کر دینا دوسرے قسم کے خلاف کی وجہ سے طلاق کو لازم نہ کرنا جبکہ وہ قسم کے طور پر نکلی ہو یا تو کفارہ کے ساتھ یا بدون کفارہ جیسے کہ سلف کے اقوال ہیں تو کہا جائے گا کہ ہاں یہ دونوں طریق ہیں لیکن جبکہ ان کی سند خوب مضبوط ہو تو اس پر یہ حرام نہیں۔ لیکن اس وقت تو اس پر راستے بند ہیں سوائے خلع کے یا حلالہ کے اب مقلدین تو اپنے بڑوں کی بات سے ہٹ نہیں سکتے وہ تو لعنتی کام پر مجبور ہیں لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے اس قید خانے سے خلاصی دے رکھی ہے وہ اس لعنت کے طوق کو بھی خلع کے پردے میں کیوں نہ اتار پھینکیں۔ (۹) زیادہ سے زیادہ آپ اسے ایک حیلہ کہیں گے اور حیلے کو باطل کہیں گے لیکن ان دونوں مقدموں میں آپ کا مخالف آپ کی نہیں مانے گا وہ کہیں گے کہ لین دین کے معاملات میں صورت معتبر ہوتی ہے نہ کہ نیت ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم اس مرد سے پوچھیں کہ خلع سے تیری مُراد کیا ہے؟ اور کیوں یہ کر رہا ہے یہ پوشیدگی اللہ کی طرف ہے حکم خلع ظاہر پر ہے ہاں اگر حیلہ ظاہر ہو جائے تو ہم کہتے ہیں کہ ہر حیلہ باطل بھی نہیں اسے ہم ہفضلہ پوری تحقیق سے بیان کر آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن حیلوں سے حرام حلال ہوتا ہو حلال حرام ہوتا ہو کسی کا حق مرتا ہو کوئی واجب ساقط ہوتا ہے وہ حیلے حرام ہیں باطل ہیں لیکن جن حیلوں سے انسان ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو لعنت الٰہی سے بچنا چاہتا ہو وہ حیلہ نہ حرام ہے نہ باطل ہے اللہ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے مقصود اپنی طاقت بھر برائی سے بچنا ہے' واللہ المستعان۔ (۱۰) قسم کی خلع کے باطل ہونے کا قول اس قول سے کہ قسم کھانے والے کی قسم سے طلاق لازم ہو جاتی ہے گو اس کا قصد نہ بھی ہو کچھ اولیٰ نہیں آؤ کتاب و سُنّت اور اقوالِ صحابہ وغیرہ سے فیصلہ کر لیں جن سے ظاہر ہے کہ ایسی طلاق کے لازم نہ ہونے کا قول دلیلوں کے اعتبار سے قوی ہے اور قواعد شرع کے مطابق ہے اور تمہیں خود اس بات کا اعتراف تو ہے مانو خواہ نہ مانو جب تم اس مدلل بات سے ہٹ گئے تو خلع کے اس قول سے کیوں نہیں ہٹتے جس میں میاں بیوی دونوں کی مصلحت ہے اور حلالہ کی روک ہے اور دو مسلمان لعنت الٰہی سے بچ جاتے ہیں' واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹکارے کی بارہویں صورت : یہ ان کا قول لے لے جو کہتے ہیں کہ طلاق کی قسم بھی شرعی قسموں میں سے ہے جو قابل کفارہ ہیں۔ امام ابو محمد بن حزم اپنی کتاب مراتب اجماع میں ذکر کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ طلاق ہو گی یا یہ بھی قسم ہے کہ طلاق لازم نہ ہو گی پھر اگر قسم ہے تو اس میں کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ آخر فیصلہ یہ کرتے ہیں کہ نہ اس سے طلاق لازم ہوتی ہے نہ اس میں کفارہ آتا ہے یہی مسلک امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے آپ فرماتے ہیں صحابہ سے جو منقول ہے اس کا اقتضا یہی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ ہے کہ جس نے کہا اگر میں ایسا نہ کروں تو میرے سب غلام آزاد ہیں یہ قسم ہے اس کا کفارہ دے دیا جائے تو طلاق کی قسم کا یہ حکم بطور اولیٰ ہو گا۔ ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر امت کا اجماع اس کے طلاق لازم پر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ قسم ہے جس میں کفارہ آئے گا پھر امام صاحب نے ایک جماعت علماء کا یہی قول ذکر کیا ہے جنہیں قدرت نے تحقیق و تفتیش کا مادہ دے کر تقلید سے بلند و بالا کیا تھا۔ جن کے خلاف دلیلیں نہ پاکر ان کے دشمنوں نے صرف حکام سے شکائتیں کرنے اور لوگوں کو ان کے خلاف ورغلانے پر کمر باندھ لی تھی اس قول کے سوا اس مسئلہ میں جتنے اقوال ہیں سب ایک دوسرے کے خلاف تناقض اور تباین والے ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے تقریباً دو ہزار ورق میں ان سب کے دلائل کی تردید کی ہے اور ان کی دھجیاں اڑا دی ہیں اور ان کے خلاف پہاڑ جیسی چالیس دلیلیں قائم کی ہیں انتقال تک آپ اسی مسئلہ پر رہے چالیس سے زیادہ فتاوے آپ اس کے متعلق لوگوں کو دے چکے ہیں آپ کے مخالفین نے مالی جسمانی تکلیفیں بہت کچھ آپ کو پہنچائیں لیکن آپ اس حق پر جمے رہے۔ اور ان حلالہ والوں کے قلعہ گرا دیئے۔ ان کے گرجوں اور کنیسوں میں آگ لگا دی ان کا بازار ٹھنڈا کر دیا اور ان پر لعنت کی بدلیاں برسا دیں آپ کی وجہ سے کتاب و سُنّت اور آثار سلف جاگ اُٹھے صحابہ اور تابعین کا مذہب پھیل گیا اور بدعتوں کی جڑیں اکھڑ گئیں لوگ بکثرت تقلیدی زندان سے باہر نکل آئے اور ہتھکڑیوں بیڑیوں سے آزاد ہو گئے' ان بدعتیوں نے اللہ ان کا بیڑا غرق کرے امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے مکان کو گھیر لیا' ان کے محلے پر چھاپا مارا انہیں برا بھلا کہا ان کی توہین و حقارت کی ان پر بہتان باندھے صاف کہا کہ اس نے مسلمانوں میں سے طلاق اُٹھا دی اس نے زنا کی اولاد دنیا میں پھیلا دی عوام میں یہ بات پھیلائی' خواص میں یہ اڑائی کہ اس نے طلاق معلق بہ شرط کو باطل کر دی بادشاہوں اور والیان ملک سے یہ جڑی کہ آپ کی بیعت کی قسمیں انہوں نے تڑوا دیں حالانکہ یہ تہمتیں تھیں امام صاحب رحمہ اللہ نے تو صاف لکھا ہے کہ قسم کھانے والوں کی قسمیں شریعت کو نہیں بدل سکتیں کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ کسی کے فتوے سے بیعت سلطان کو توڑ دے ایسے مفتی کذاب ہیں وغیرہ' الغرض حضرت الامام رحمہ اللہ پر اس بارے میں وہی آزمائشیں آئیں جو ایسے بھلے لوگوں پر آیا کرتی ہیں۔

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ کو دیکھو آپ کو بھی آپ کے دشمنوں نے بے حد مارا پیٹا بادشاہ وقت سے شکایت کی کہ یہ آپ کی بیعت کی قسمیں تڑوا دیتے ہیں ان کا فتویٰ ہے کہ جس پر زبردستی اور اکراہ کیا جائے اس کی قسم منعقد نہیں ہوتی اور یہاں یہ سب اسی طرح کی قسمیں کھاتے ہیں' بادشاہ آپ کو روکتا ہے آپ اپنے سچے فتوے سے ہٹتے نہیں اور اس منصب کی جو تبلیغ دین اور احقاق حق کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا اس کی قدر و عزت کرتے ہیں۔

ان کے بعد ان کے جانشین حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ آئے آپ کے دشمن آپ کو بھی ہارون رشید کے پاس لے گئے کہ یہ آپ کی بیعت کی قسموں کو باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ کا فتویٰ تھا کہ نکاح سے پہلے کی طلاق کی قسم منعقد نہیں ہوتی اگر قسم کھانے والے نے اس عورت سے نکاح کیا تو طلاق نہ ہو گی اس زمانے میں اس کا رواج تھا اور عام فتویٰ یہی تھا کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ جس عورت سے وہ نکاح کرے اس پر طلاق ہے' امام صاحب نے اس کے خلاف حدیث پیش کر کے اس فتوے کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔

ان کے بعد ہمارے شیخ مجدد اسلام شیخ الاسلام حضرت امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ان کی بابت بھی حاسدوں نے یہی اڑائی کہ یہ حاکموں کی بیعت تڑوا دیتے ہیں حکام کو آپ کے خلاف بھڑکایا عوام کو بھڑکایا بھلا ان سفلہ پن کی حرکتوں سے کہیں حق گو خلاف حق کرتے ہیں مخالفتوں کے بادل اُٹھے لیکن ان فنافی الدین ہستیوں نے ان کی طرف نظر بھی نہ اُٹھائی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنا عمل و عقیدہ دنیا کے سامنے مکمل طور پر مدلل پیش کیا اور اللہ کے دین کی لاج رکھ لی اور شریعت میں بدعت کو داخل نہ ہونے دیا۔ آج ان بزرگان دین کی پاکیزہ تحقیق لوگوں کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ ہدایت یافتہ ان کے قدم پر قدم رکھتے ہوئے با آرام جنت کی منزلیں طے کر رہے ہیں سچ فرمایا جناب باری عزاسمہ نے : ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ (السجدة : ۲۴)

باخبر حلقہ خوب جانتا ہے کہ زمانہ صحابہ سے آج تک برابر یہ مسئلہ اور یہ فتویٰ جاری رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوے ہم

نے ذکر کر دیئے ہیں کہ ان کے نزدیک جس کسی نے آزادی غلام کی قسم کھائی اس پر آزادی لازم نہیں تو طلاق بطور اولیٰ لازم نہیں ہم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی بیان کر دیا ہے کہ طلاق کی قسم سے طلاق لازم نہیں ہوتی اس میں آپ کے خلاف کسی صحابی کا فتویٰ نہیں تابعین میں سے حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا فتویٰ بہت پوری صحت سند والا ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ سردار تابعین اور بزرگ تر ہستی ہیں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ یہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے بلند پایہ شاگرد ہیں۔ امام سنید بن داؤد نے اپنی مشہورِ عالم تفسیر میں زیر نظر آیت : ﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ (الانعام : ۱۴۲) نقل کیا ہے کہ اس سے مُراد بقول مفسر ابو مجلز معصیت کی نذریں ہیں۔ حضرت عکرمہ اس شخص کے بارے میں جو اپنے غلام سے کہے کہ اگر میں تجھے سو کوڑے نہ ماروں تو میری بیوی پر طلاق ہے فرمایا کہ نہ کوڑے مارے نہ بیوی پر طلاق آئے یہ تو شیطانی قدموں کی پیروی ہے تابعین کے بعد والوں میں سے بھی ایک جماعت کا برابر یہی قول رہا۔ اہل ظاہر سب کے سب برابر اسی طرف رہے کہ جو طلاق کی قسم کھائے اس پر طلاق لازم نہیں ان کے تمام ائمہ وقت مصنفین سب یہی قول کہتے رہے ان بزرگوں سے یہ قول بہ صحیح سند مروی ہے خود ہمارے زمانے کے بعض علمائے کرام بھی یہی فتویٰ دیتے رہے ہیں امام خطیب جامع دمشق عزالدین فاروقی کے والد صاحب رحمہ اللہ بغداد میں یہی فتویٰ دیتے رہے اہل مغرب کے محدثین اور حدیث داں برابر اسی فتوے پر رہے بعض کو بڑی بڑی ایذائیں دی گئیں قفال کا فتویٰ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ کسی کے اس قول سے کہ طلاق مجھ پر لازم ہے طلاق واقع نہیں ہوتی گو نیت بھی کی ہو۔ حنفیوں کے فتوے بھی ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور ان کے امام کے الفاظ بھی' مالکیہ میں سے اشہب کا یہی فتویٰ ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میرے گھر سے نکلے اور فلاں سے بات چیت کرے تو تجھ پر طلاق ہے پھر اس عورت نے ایسا کر لیا تو اس پر طلاق نہ پڑے گی کوئی منصف مزاج عالم اس میں شک نہیں کر سکتا کہ اختیارات شیخ الاسلام رحمہ اللہ اختیارات ابنِ عقیل اور ابوالخطاب سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ان کے شیخ ابو یعلیٰ سے بھی کسی طرح وہ کم نہیں پس جبکہ ان تینوں کے اختیارات قابل تسلیم اور لائق فتویٰ ہیں تو امام صاحب کے کیوں نہ ہوں؟

آثارِ سلف رحمہم اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوے پر فتویٰ دینا :

کوئی شک نہیں کہ پچھلوں کی رائے کی تقلید سے ان کے فتاویٰ کی تسلیم بہت ہی بہتر ہے

جس قدر دوری پچھلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اسی قدر ان کے اقوال کو بھی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ تابعین کے فتوؤں سے اولیٰ ہیں اور تابعین کے فتوے تبع تابعین کے فتوؤں سے بہترین ہیں اسی طرح نیچے اترتے آؤ۔ جس قدر زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوگا درستگی اور پختگی زیادہ ہوگی' یہ اعتبار بہ حسب جنس ہے نہ کہ فردا فردا جیسے کہ زمانہ تابعین زمانہ تبع تابعین سے بہتر ہے لیکن باعتبار جنس کے نہ کہ باعتبار ایک ایک شخص کے یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہر پچھلے زمانے میں فضیلت گھٹتی چلی گئی ہے اسی طرح اقوال و فتاویٰ میں درستگی اور پختگی بھی۔ متقدمین اور متاخرین کی فضیلت میں جس قدر کمی بیشی ہے اتنی ہی ان کے علم میں بھی ہے سنو اور صاف سنو کہ یہ جو مقلدین میں پچھلے لوگ ہیں ان کے فتوے پر فتویٰ دینا اور امام بخاری اور امام اسحاق بن راہویہ اور امام علی بن مدینی اور امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ وغیرہ جیسوں کے اقوال کو چھوڑ دینا سخت تر ناانصافی اور بدترین بدمذاقی ہے بلکہ یہ مقلدین اپنے سلسلے کے لوگوں کے مقابلہ میں ابن المبارک سفیان ثوری سفیان بن عیینہ حماد بن زید حماد بن سلمہ وغیرہ رحمھم اللہ کے اقوال کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ بلکہ ابنِ ابی ذیب زہری لیث بن سعد وغیرہ کے

اقوال بھی ایسے موقعہ پر ناقابل التفات سمجھ لیتے ہیں بلکہ سعید بن مسیب حسن قاسم سالم عطا طاؤس جابر بن زید شریح ابووائل جعفر بن محمد جیسوں کے اقوال کی بھی اپنے ہم مذہبوں کے اقوال کے سامنے کوئی قدر و قیمت نہیں کرتے۔ مقلدین کی اس سرکشی کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے سلسلے کے متاخرین مقلدین کے اقوال کو اقوالِ صدیق و فاروق و عثمان و علی رضی اللہ عنہم پر بھی ترجیح دینے سے نہیں چوکے۔ ابنِ مسعود' ابی بن کعب' ابوالدرداء' زید بن ثابت' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر' عبادہ بن صامت' ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے بزرگ ترین صحابہ کے اقوال کو انہی فقہاء کے فتاوون پر قربان کر دیتے ہیں' ہم نہیں جان سکتے کہ ان مقلدین جامدین نے کیا جواب قیامت تک کیلئے سوچ رکھا ہے جو یہ غافل بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم تو اس سے بھی لرز جاتے ہیں کہ ان بزرگ صحابہ تابعین وغیرہ کے اقوال و فتاویٰ کے مقابلے میں ان متاخرین مذہبی لوگوں کے فتاویٰ کو برابر کا درجہ بھی دیں لیکن یہ بڑی جسارت سے ترجیح دیتے ہیں پھر ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم ان مقلدین کو دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاں حکم اور فتویٰ ان پچھلے مقلدین کے قول پر ہے اور ان صحابہ کے قول کو ترک کرنے کی اور چھوڑ دینے کی اور نہ لینے کی وہ دوسروں کو تعلیم دیتے پھرتے ہیں اور اگر کوئی ان بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے قول پر قول کہے اور ان متاخرین مقلدین کا خلاف کرے تو یہ اسے غیر مقلد بدعتی گمراہ مخالف اہل علم اور نہ جانیں کیا کیا خطابات دینے لگتے ہیں یہ ہیں جو وارث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے خطاب پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور درحقیقت جو ان کے اوصاف ہیں دوسروں پر ڈھالتے ہیں ان میں کے اکثر ہمیشہ چیختے رہتے ہیں شور مچاتے رہتے ہیں کہ ساری امت پر ہمارے امام کی تقلید ضروری ہے۔ چاروں خلیفہ اور سب صحابہ کے اقوال لینا ممنوع ہے یہ ہے تقلید کی وجہ سے ان پر اللہ کی سزا کہ ان کے ہاتھوں سے اللہ رسول کے ساتھ ہی خلفا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی چھوٹ گئے اور ان کے پاس بجز پچھلوں کی کاسہ لیسی کے کوئی چیز نہ رہی۔ انہیں قیامت کے دن معلوم ہو گا کہ انہوں نے کیا کیا دنیا والو مسلمانو محمدیو! سن لو اللہ کو گواہ کر کے ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس سے بری ہیں ہم اس کے خلاف مذہب رکھتے ہیں ان کی باتوں کی تردید اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت فیصل کن بحث :

جب صحابی رضی اللہ عنہ کا کوئی قول ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی قول اس کے مخالف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اب دیکھنا چاہیے کہ دونوں ایک ہی مرتبہ کے ہیں یا کم و بیش اگر ایک ہی مرتبہ کے ہیں تو ایک کا قول دوسرے پر حجت نہیں اور اگر ایک علم میں بڑھا ہوا ہو جیسے کسی امر میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ایک حکم ہے اور اس کے خلاف خلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم کا حکم ہے یا ان میں سے بعض کا تو آیا یہ حکم دوسروں پر حجت ہو گا یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتیں ہیں صحیح یہی ہے کہ جس طرف خلفا یا کوئی خلیفہ ہے وہ قول ترجیح اور اولویت والا ہے۔ اگر چاروں خلفا دوسری جانب ہیں تو تو بلاشک قول درست وہی ہے اگر ان کی اکثریت ہے تو بھی عمدگی اور پختگی اسی جانب ہے اگر ان میں بھی اختلاف ہے دو ایک طرف اور دو دوسری جانب ہیں تو جس طرف صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما ہیں وہ شق بہتری سے زیادہ قریب ہے اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہے تو حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ زیادہ ٹھیک ہے ان باتوں کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں اختلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عبور ہے اور ان کے راجح اقوال انہوں نے جانچ لیے ہیں تاہم اس کی معرفت میں دادا اور بہنوں والا فتویٰ کافی ہے اور ایک ساتھ کی دی ہوئی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا مسئلہ گو تلفظ اس میں تین مرتبہ ہو اور ان لونڈیوں کی بیع کی ممانعت جن سے ان کے سرداروں کے ہاں اولاد ہو چکی ہو۔ جب بھی کوئی ذی علم

منصف مزاج شخص ان مسائل کے دلائل پر غور کرے گا اور محققانہ نظریں ڈالے گا تو معلوم کر لے گا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جس جانب ہیں وہی رجحان والی ہے ان مسائل کی اور خصوصاً میراث اور طلاق کی تو لمبی بحثیں ہم نے بھی اپنی اس کتاب میں وارد کی ہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ کسی آیت و حدیث سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلاف محفوظ ہی نہیں نہ آپ کا کوئی فتویٰ اور کوئی حکم ایسا ہے جس کا ماخذ ضعیف ہو اس میں صرف یہ اشارہ ہی کافی ہے کہ آپ کی خلافت خلافت نبوت ہے۔

فصل : اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے فتوے سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اختلاف نہ کیا ہو تو اب دیکھو کہ ان کا فتویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور بھی ہوا ہے یا نہیں؟ اگر مشہور بھی ہو تو فقہاء کی تمام جماعتوں کا اتفاق ہے کہ یہ اجماع اور حجت ہے ایک جماعت نے اسے اجماع نہیں کہا لیکن حجت کے قائل وہ بھی ہیں متکلمین میں سے کچھ لوگوں نے اور متاخرین فقہاء میں سے کچھ لوگوں نے اسے اجماع اور حجت نہیں گنا۔ اگر اس صحابی رضی اللہ عنہ کا قول مشتہر نہیں ہوا یا ہمیں اس کے مشہور ہونے نہ ہونے کا عِلم نہیں ہوا تو اس کے حجت ہونے نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے جمہور امت تو اسے حجت کہتے ہیں جمہور حنفیہ کا قول بھی یہی ہے امام محمد بن حسن نے اس کی تصریح کی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی لفظوں میں یہ ثابت ہے امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے اس کی دلیل ان کا اپنی کتاب مؤطا میں تصرف ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابوعبیدہ کا قول بھی یہی ہے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اپنے لفظوں میں اسی کو بیان کیا ہے ان کے جمہور اصحاب کا مختار قول بھی یہی ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم و جدید قول بھی یہی ہے قدیم قول کے تو ان کے اصحاب بھی قائل ہیں جدید میں بہت سے تو کہتے ہیں کہ ان سے یہ مروی ہے کہ حجت نہیں لیکن اس نقل میں نظر ہے دراصل ایک حرف بھی امام صاحب سے حجت نہ ہونے پر ثابت نہیں زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کے پاس یہ ہے کہ کہیں کہ امام اقوالِ صحابہ ذکر کر کے ان کا خلاف کرتے ہیں اگر ان کے نزدیک یہ حجت ہوتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے لیکن ان کی یہ دلیل بالکل بودی ہے کسی دلیل کی مخالفت کسی اس سے بھی بڑی دلیل سے ہو سکتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ دلیل اس کے نزدیک دلیل ہی نہیں بعض لوگ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ امام صاحب اپنی موافقت میں اقوالِ صحابہ کا ذکر کر کے انہی پر اکتفا نہیں کرتے جیسے کہ آیت و حدیث پر' بلکہ ان کی موافقت میں بہت سے قیاس وغیرہ بھی لاتے ہیں کبھی ذکر کر کے خلاف بھی کہتے ہیں کبھی موافقت میں ذکر کرتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں لیکن ان پر اعتماد نہ کر کے ان کو مضبوطی کے لیے اور دلیل لاتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں ان کا یہ کہنا پہلے قول سے بھی زیادہ بے جان ہے۔ دلائل کی کثرت اہل عِلم کی قدیمی عادت ہے وہ اگر دو تین چار دلیلیں لائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی دوسری دلیل ہی نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ قول جدید میں بھی بروایت ربیع آپ سے ثابت ہے کہ اقوالِ صحابہ حجت ہیں ان کی طرف لوٹ جانا واجب ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں نئے کاموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو خلاف کتاب و سُنّت و اجماع و اثر ہیں یہ بدعت و گمراہی کے کام ہیں ظاہر ہے کہ ربیع نے آپ سے مصر میں استفادہ کیا ہے یہاں آپ کا فرمانا یہ ہے کہ مخالف اثر یعنی قولِ صحابی جو کام ہو وہ بدعت ہے اس سے صاف ثابت ہوا کہ آپ کے نزدیک اقوالِ صحابہ حجت ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب مدخل السنن میں اقوالِ صحابہ کے ذکر کے باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں تو ہم انہیں لیتے ہیں جو کتاب و سُنّت یا اجماع کے مطابق ہوں جبکہ وہ قیاساً صحت والے ہوں اور جب صحابہ میں سے کوئی ایک قول کہے دوسروں سے اس کی موافقت مخالفت مروی نہ ہو تو میں تو اس کے قول کی تابعداری کی طرف لوٹ جاتا ہوں جبکہ کتابت و سُنّت یا اجماع میں مجھے کچھ نہ ملے ایسی چیز بھی نہ ملے جو اس کے

معنی میں ہو جس سے اس کا حکم لیا جا سکے یا یہ کہ یہ قولِ صحابی مطابق قیاس ہو آپ کا قول اپنی کتاب اختلاف مع مالک میں ہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآنِ کریم اور احادیث میں ہو پھر جس کے کان میں وہ پڑ جائے اس کے تو سب عذر کٹ گئے بجز مان لینے کے اس کے لیے کوئی چارہ نہیں اگر ایسا نہ ہو تو اس صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف لوٹنا چاہیے یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی طرف پھر بھی قول ائمہ کا یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا کہ ان کے اقوال کا مان لینا ہمیں بہت ہی پسند و محبوب ہے یہ اصول اس وقت تک ہے جب تک ہمیں اختلاف میں سے کوئی کتاب و سُنّت سے زیادہ قریب اور بہت ملتا جلتا معلوم نہ ہو اگر ایسا ہو تو پھر جس کا قول اس اصل الاصول سے زیادہ قریب ہو وہی لینے اور ماننے کے لائق ہے اس لیے کہ قول امام تو شہرت میں لوگوں پر لازم ہے اور ایسے کا فتویٰ اوروں کے فتووں سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اکثر مفتی ایسے ہی ہیں جو خاص لوگوں کو ان کے مکانوں اور مجلسوں میں فتوے دیتے ہیں عام لوگوں کو ان کے فتووں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی' ان کی توجہ امام کے فتوے کی طرف ہتی ہے ائمہ یعنی خلفاء خود عِلم کتاب و سُنّت کو دوسروں سے دریافت کیا کرتے تھے پھر فتویٰ دیتے تھے تاہم اگر کسی فتوے کا خلاف قرآن و حدیث ہونا انہیں معلوم ہو جاتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں ہرگز اس کے ماننے سے اور اپنے فتوے سے رجوع کرنے سے ناک بھوں نہیں چڑھاتے اپنی پہلی غلط بات سے فورا رجوع کر لیتے ہیں ان کی فضیلت ان کا فتویٰ اس سے مانع ہے کہ وہ غلطی پر اڑے رہیں اب اگر ان ائمہ یعنی خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی کوئی فتویٰ نہ ملے تو اور صحابہ کرام ہیں جو امانت دار ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امانت کا بھروسہ کیا ان کے بعد والوں سے ان کی اتباع اور ان کا قول لینا یقیناً اولیٰ ہے۔

درجات عِلم : پہلا درجہ کتاب و سُنّت' دوسرا درجہ جس میں کتاب و سُنّت نہ ملے اس مسئلہ میں اجماع' تیسرا درجہ قولِ صحابی جس میں اور کسی صحابی کا خلاف معلوم نہ ہو' چوتھا درجہ اختلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم' پانچواں درجہ قیاس کا ہے جب یہ سب چیزیں نہ ملیں' یہ قول بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ان سب کو بیان کر چکنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے رسالہ قدیمہ صحابہ کے ذکر اور ان کی بزرگی کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ عِلم اجتہاداً پرہیزگاری عقل وغیرہ میں صحابہ ہم سے بہت ہی بڑھے ہوئے اور بہت آگے ہیں ان کی رائے ہم سب کی رایوں سے اولیٰ ہے۔ صرف ہم نہیں بلکہ ہم سے پہلے ہمارے استاد اور استادوں کے استاد کو بھی ہم نے تو اسی حال میں پایا کہ جس مسئلہ میں آیت و حدیث نہ ملی ان کے قول کو لے لیتے تھے اگر اجماع ہے تو کہنا ہی کیا ہے؟ اگر اجماع نہیں تو تفریق کے اقوال میں سے کسی کو لے لیتے لیکن ہم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا کہ ان کے اقوال سے ہٹ کر کوئی نیا قول کہیں اگر دو صحابیوں سے کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو ہم جس کا قول کتاب و سُنّت سے زیادہ مشابہت والا پاتے ہیں اس پر عمل کر لیتے ہیں اس لیے کہ اس میں فی الجملہ قوت زیادہ آگئی اگر یہ فیصلہ بھی ہم نہیں کر سکتے تو ہمارے نزدیک ائمہ کے اقوال بہت زیادہ ترجیح اور قوت والے ہیں ائمہ سے مُراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم ہیں ان میں کسی کے قول سے اگر کسی اور صحابی نے اختلاف بھی کیا ہو تا ہم ہمارے نزدیک راجح قول انہی کا ہے۔ اور جگہ امام صاحب نے لکھا ہے کہ یہ وقت دلالت کتاب و سُنّت کا قرب کسی صحابی کے قول سے معلوم نہ ہونے کے میرے نزدیک تو ابوبکر یا عمر یا عثمان رضی اللہ عنہم کا قول اور سب کے اقوال سے زیادہ پسندیدہ ہے اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو جس قول پر دلالت ہو اس کی طرف ہم ہو جاتے ہیں یہ بھی نہ ہو اور ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے تو ہم ان کی اکثریت کو لیتے ہیں اگر برابر ہوں تو ان کے مخرج کو دیکھتے ہیں۔ پھر ہم اپنے

سے پہلے کے زمانوں کے مفتیوں کے فتوے کو لیتے ہیں جو اجماعی ہو پھر اپنے زمانے کے مفتیوں کے اجماعی فتوے کو لیتے ہیں اگر یہ بھی نہ ملے اور مسئلہ درپیش ہو تو مجبوراً اجتہاد رائے سے کام لینا پڑتا ہے' واللہ امام صاحب کا قول قدیم اور قول جدید یہی ہے ہرگز ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ دیکھیے جدید میں آپ قتل راہب کے بارے میں فرماتے ہیں قیاس تو یہی چاہتا ہے لیکن خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اس لیے ہم قیاس کو ترک کرتے ہیں پس آپ نے اپنے قیاس کو بمقابلہ قولِ صحابی ترک کر دیا موجب دلیل بے دلیل تو نہیں چھوڑا جا سکتا اور جگہ آپ فتویٰ دیتے ہیں فرماتے ہیں اس میں میں نے قول عمر رضی اللہ عنہ کی تابعداری کی ہے اور ایک مسئلہ میں فرماتے ہیں اس میں میں نے قول عثمان رضی اللہ عنہ پر فتویٰ دیا ہے فرائض کے بارے میں آپ فرماتے ہیں اسے میں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے لیا ہے۔ ہاں دفع دخل مقدر کے طور پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں امام صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے تقلید ابوبکر رضی اللہ عنہ میں یہ کہا ہے اس سے کہیں آپ کو دھوکہ نہ لگے ان بزرگوں کے نزدیک یہ لفظ اس تقلید کے بارے میں نہ تھا جو آج ہے یعنی آج کی اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں۔ کسی غیر نبی کی بات کو بلا دلیل مان لینا۔ ان کے ہاں یہ لفظ صرف مان لینے کے معنی میں بولا جاتا تھا' چنانچہ امام صاحب خبر واحد کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہم اس کی تقلید کریں گے یعنی اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں گے الغرض کل ائمہ اسلام قولِ صحابی کے قبول کرنے پر ہی ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر' جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے وارد ہو اس میں سے ہم پسند کر کے لے لیتے ہیں اور جو تابعین سے وارد ہو ہم ان سے بھڑ جاتے ہیں ہاں بعض متاخرین حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ اور اکثر متکلمین اقوالِ صحابہ کی حجیت کے قائل نہیں بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اگر وہ خلاف قیاس ہوں تو حجت ہیں ورنہ نہیں اس لیے کہ اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کسی حدیث و آیت کی بنا پر کہا ہے تو وہ حجت ہیں گو کوئی صحابی اس میں ان کا خلاف بھی کرے۔

اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حجت نہ ماننے والوں کی دلیلیں :

جو ان کی حجیت کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ بھی مجتہد تھے اجتہاد سے مسائل بیان کیا کرتے تھے اور اجتہاد میں خطا کا امکان ہے اس لیے تقلید واجب نہیں ان کا قول حجت نہیں جیسے کہ اور مجتہدوں کے اقوال کا حال ہے اور اس لیے کہ جن دلائل سے تقلید باطل ہوتی ہے وہی دلائل تقلید صحابہ کو بھی باطل کرتے ہیں اس لیے کہ ان میں عموم ہے تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا پھر ان کا خلاف قابل گنتی سمجھا جاتا ہے اکثر اس کے قائل ہیں پھر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا قول حجت کیسے رہ گیا؟ اور اس لیے کہ دلائل شرعیہ منحصر ہیں کتاب و سنّت اجماع و قیاس اور استصحاب میں ظاہر ہے کہ قولِ صحابی ان میں سے کسی میں نہیں رہا ان کا افضل اعلم اور زیادہ متقی ہونا یہ وجوب اتباع کی دلیل نہیں ہو سکتی خصوصاً دوسرے مجتہدین پر جو تابعین اور ان کے بعد والوں میں ہوئے ہیں۔

ان دلیلوں کے جواب :

ہم کہتے ہیں یہاں کلام دو جگہ میں ہے ایک تو ان دلیلوں میں جو وجوب اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں دلیل ہیں دوسرے مانعین نے جو شبہات پیش کیے ہیں ان کے جواب میں۔ اب امیر اوّل کی نسبت سنیے۔ وجہ اوّل جنابِ باری عزاسمہ کا فرمان ہے : ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (توبہ : ۱۰۰) یعنی پہلے سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار اور جنہوں نے ان کی تابعداری کی احسان میں اللہ

تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی اور مُراد رسی ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ ان کی اتباع کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے ثناء بیان کی ہے۔ پس جب وہ کوئی قول کہیں اور دوسرا اس کی تابعداری کرے تو وہ محمود ہونا چاہیے' مستحق رضامندی رب ہونا چاہیے۔ اگر ان کی باتوں کی پیروی بھی محض اوروں کی تقلید کی طرح ہوتی تو وہ مستحق رضامندی نہ ٹھہرتے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ عامی ہوں لیکن علماء مجتہدین کو یہ جائز نہ رہتا۔

اِس آیت کے مطلب پر معترضین کے اعتراضات :

اگر کہا جائے کہ ان کی اتباع یہی ہے کہ جو انہوں نے کہا ہے وہ بھی کہیں لیکن دلیل جان کر دلیل معلوم کر کے تو یہ راستہ ہے اجتہادی راہ کا اس لیے کہ جو انہوں نے کہا ہے اجتہاد سے کہا ہے اس پر دلیل باحسان کا لفظ ہے لیکن ان کی تقلید کرنے والے احسان کے ساتھ ان کی اتباع نہیں کرتے اس لیے کہ اگر مطلق اتباع اچھی چیز ہوتی تو اتباع باحسان اور اتباع بغیر احسان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں مُراد اصل دین کی اتباع ہو اور باحسان سے مُراد فرائض کا التزام اور محارم سے اجتناب ہو تو مقصود یہ ہو گا کہ سابقین مستحق رضامندی رب ہوئے اگرچہ ان سے برائیاں بھی ہو جائیں جیسے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نظر ڈالی اور فرمادیا کہ جو چاہو عمل کرو میں نے تو تمہیں بخش دیا۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ثنا ان کی ہے جو ان سب کی اتباع کریں یعنی ان کے اجماع کی اور سنیے ثناء اور تعریف کرنے سے وجوب ثابت نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہے اس سے زیادہ سے زیادہ بڑے عالم کی اتباع کا جواز ہو سکتا ہے نہ کہ وجوب۔

اِن اعتراضوں کا جواب :

کئی طرح پر ہے ایک تو یہ کہ اتباع مستلزم اجتہاد نہیں کئی طرح اوّل' قرآن میں ہے : ﴿ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران : ۳۱) تم میری اتباع کرو تمہیں اللہ دوست رکھے گا۔ ﴿ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (اعراف : ۱۵۸) اس کی تابعداری کرو تاکہ راہ پاؤ۔ فرماتا ہے : ﴿ وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (نساء : ۱۱۵) اور بھی اسی طرح کی آیتیں ہیں دوسرے یہ کہ اگر مُراد استدلال و اجتہاد کی اتباع ہوتی تو ان میں اور باقی مخلوق میں کیا فرق رہ جاتا؟ موجب دلیل کی اتباع ہر شخص کی ہوتی ہی ہے جو بھی صحیح قول کہے اس کا ماننا یقینی ہے۔ تیسرے ان کے قول کی مخالفت استدلال کے بعد جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو چھٹی ہوئی اگر ہے تو خصوص حکم میں ان کی مخالفت کی گئی اور حسن استدلال میں اتباع کی پس اُنہیں متبع کہنا مخالف کہنے سے زیادہ اولیٰ نہیں۔ چوتھے حکم میں ان کا خلاف کرنے والا ہرگز ان کا متبع نہیں مجتہد کے اجتہاد کا مخالف اس کا متبع نہیں کہلواتا زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ استدلال و اجتہاد میں متبع ہے۔ پانچویں اتباع افتعال ہے تبع سے انسان جو دوسرے کا تابع ہو اسے اس کی طرف ایک طرح کی حاجت ہوتی ہے وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے مجتہدین میں سے کوئی کسی کا تابع نہیں نہ اس کا محتاج ہے اس لیے جو جس کا موافق ہو وہ اس کا متبع نہیں کہا جاتا۔ چھٹے آیت میں بیان ہے کہ سبقت کرنے والے مستحق مدح و ثناء ہیں وہ ائمہ متبوعین ہیں اگر ان کا قول موجب موافقت اور مانع مخالفت نہ ہو تو پھر ان کا یہ منصب ہی کیا ہوا؟ ساتویں جو ان کی مخالفت خصوص حکم میں کرے اس حکم میں ان کی اتباع نہ کرے نہ اس میں جس سے انہوں نے استدلال کیا وہ صرف صفت عامہ کی شرکت سے یعنی مطلق اجتہاد واستدلال سے ان کا متبع نہیں کہلا سکتا نفی اتباع میں جو چیز اخص ہو اس سے جو اس کی مثبت ہے تو فارق اخص اور جامع اعم

پایا گیا اور دونوں اثر انداز ہیں تو تفریق رعایت فارق کی اولیٰ ہو گی جمع سے جو رعایت جامع میں ہے باحسان کے لفظ سے یہی مُراد نہیں کہ اجتہاد کر لے خواہ موافق ہو خواہ مخالف اس لیے کہ خلاف کے وقت تبع نہیں رہتا مطلق اجتہاد میں ان کی کوئی اتباع نہیں بلکہ اتباع کا نام تو اسی وقت آ سکتا ہے جب اعتقاد اور قول میں ان کی موافقت ہو باوجود اس کے یہ تبع محسن بھی ہو یعنی فرائض کے ادائیگی کرنے والا اور محرمات سے بچنے والا ہو تاکہ صرف قول کی موافقت باعث غرور نہ بن جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے بارے میں ان کی زبان اچھی رہے ان پر لعن طعن نہ کرے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایسے لوگ بھی ہونے والے ہیں جو ان کو بُرا بھلا کہیں گے اس لیے یہ فرما دیا۔ اسی طرح اور جگہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے ذکر کے بعد فرمانِ عالی شان ہے : ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (حشر: ۱۰) یعنی ان کے بعد آنے والے یہ دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی ہمیں اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت کر گئے ہیں ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی دھوکہ اور کینہ کپٹ نہ رکھ۔ یہ کہنا کہ اصول دین میں ان کی تابعداری ہے نہ کہ فروع میں یہ بھی غیر صحیح ہے اس لیے کہ اتباع عام ہے اگر خاص اصول دین میں ہو تو اس میں تو اپنے سے پہلے کے اہل کتاب کے بھی تبع ہیں اس میں اس اُمت کے سابقین وغیرہ میں کوئی فرق نہیں اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کا تبع ہے میں فلاں کا تبع ہوں تو مُراد اس سے کل امور میں اتباع ہوتی ہے جب تک کہ کوئی حالیہ یا لفظیہ قرینہ اس سے پھیرنے کا نہ ہو جو ایک بات میں اتباع کرے دوسری میں نہ کرے اسے تبع نہیں کہا جاتا بلکہ مخالف کہلوانے کا وہ زیادہ مستحق ہے رضامندی کا تعلق ان کی اتباع سے ہے اتباع سبب رضامندی رب ہے اس لیے کہ جو حکم معلق ہو اس پر جو مشتق ہو تو اس سے مُراد وہی چیز ہوتی ہے جس سے اس کا اشتقاق ہے پس سبب رضامندی ان کی اتباع ہے اس لیے وہ سب امور میں ہے نہ کہ ایک حال میں ہو دوسرے میں نہ ہو۔ اتباع اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ یہ اپنے غیر کا تابع ہے اور اس کی شاخ ہے اصول دین ایسے ہیں بھی نہیں آیت ان کی ثناء و صفت میں ہے اُنہیں اپنے بعد والوں کا امام بنا رہی ہے تو اگر ان کی اتباع صرف اصول میں ہی رہ جائے گی تو یہ امام ہی کیا ہوئے؟ یہ چیز تو ان کی اتباع کے بغیر بھی ہر ایک کو معلوم ہی ہے۔

یہ کہنا کہ ان سب کی تابعداری کرنے والوں کی ثناء میں یہ آیت ہے اسے بھی ہم نہیں مانتے بلکہ ہم کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی تابعداری کے متعلق ہے جیسے رضامندی ان میں سے ہر ایک کے لیے ہے۔ اسی طرح ثناء بھی ان میں سے ہر ایک کی ہے مجتمع اور منفرد دونوں کو آیت شامل ہے اور سنیے جو احکام عام ناموں کے ساتھ معلق ہیں ان میں اصل یہ ہے کہ ان کا ثبوت ان نام والوں میں سے ہر ایک کے لیے ہو جیسے : ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ (روم: ۳۱) جیسے : ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (فتح: ۱۸) جیسے : ﴿ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (توبہ: ۱۱۹) اسی طرح جو احکام معلق ہوں مجموع پر اس میں ایسا نام لایا جاتا ہے جو مجموع کو شامل ہو نہ کہ افراد کو جیسے فرمان ہے : ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ (بقرہ: ۱۴۳) اور فرمان ہے : ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آلِ عمران: ۱۱۰) فرمان ہے : ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (نساء: ۱۱۵) ان میں لفظ اُمت لفظ سبیل المؤمنین وہ لفظ ہیں جن کی تقسیم افراد اُمت اور افراد مومنین پر ممکن نہیں بخلاف لفظ سابقین کے کہ وہ سابقین میں سے ایک ایک فرد کو شامل ہے اور یہ کہ آیت میں اجتماعی انفرادی اتباع ہر ممکن میں عام ہے جب وہ جمع ہو جائیں تو ان کی جمعیت کی اتباع اور جب ان میں سے کسی ایک سے کوئی قول ثابت ہو جس میں ان میں سے کوئی اور مخالفت

کرنے والے کو متبع نہیں کہا جائے گا۔

اسی سے ان کے اختلاف کے وقت کی ان کی تابعداری کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ اس وقت ان کی اتباع ان اجتہادی اور استدلالی اقوال میں سے کسی قول کو لے لینا ہے اس لیے کہ وہ خود ان اقوال کی تجویز پر ہیں جس کا اجتہاد جہاں پہنچا تو ان کی تابعداری کرنے والا بھی نیک مقصد ہے۔ جب کسی نے کوئی قول کہا اور دوسرے نے اس کا خلاف نہ کیا تو نہیں معلوم ہو سکتا کہ سابقین نے اس قول کے خلاف قول کہا اور دلیل سنیے آیت ان کی مطلق اتباع کی مقتضی ہے تو اب جبکہ طالب نے کسی کے قول کے خلاف آیت و حدیث پالی تو وہ اس سے ہٹ نہیں سکتا لیکن جب رائے ہو تو پھر؟ اگر ان کی اتباع صرف ان کے اجماعی مسائل میں ہو تو صاف ہے کہ ان کی اتباع صرف ان امور میں ہے جن کا دین اسلام میں سے ہونا یقینی ہے اس لیے کہ سابقین اولین کی جماعت بہت بڑی جماعت ہے اور پھر ان کا اجماع ہے تو یہ تو وہی وجہ ہو جائے گی جو اس سے پہلے تھی جس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ یہ اتباع اپنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی کل سابقین باقی ہی کہاں رہے بہت سے حضور ﷺ کے سامنے فوت ہو چکے اس وقت بوجہ حضور ﷺ کی موجودگی کے ان کی اتباع تھی ہی نہیں پھر اگر مان لیا جائے کہ اس وقت ہی کوئی ان کا پیروکار تھا تو وہ خود سابقین میں سے ہو جائے گا حاصل یہ ہے کہ تابعین کو تمام سابقین کی تابعداری ناممکن ہے پھر یہ بھی ہے کہ ان سب کی باتوں اور فتووں کا علم ہو جانا بھی تقریباً محال جیسا ہے تو تابعداری بھی محال ہے اور یہ کہ انہیں یہ استحقاق بوجہ ان کی سبقت کے ہے یہ صفت ان میں سے ہر ایک میں ہے تو جیسے ہر ایک رضوان اور جنت کا مستحق ہے امام المتقین اور قابل اقتداء بھی ہے' واللہ اعلم۔ یہ کہنا کہ آیت میں وجوب اتباع کا ایک حرف بھی نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آیت اس کی مقتضی ہے کہ جو ان کی تابعداری احسان کے ساتھ کرے اس پر اللہ کی رضامندی ہے اور اس بات پر دلیل موجود ہے کہ دین الٰہی میں بے علمی سے کوئی قول کہنا حرام ہے پس ان کی اتباع قول بغیر علم کے نہ ہو گا بلکہ وہ قول علم کے ساتھ ہو گا اب خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھ لے خواہ اجتہاد۔

مانا کہ عالم کی تقلید عالم کو حرام لیکن اتباع تو تقلید نہیں وہ تو پسندیدہ چیز ہے اگر ان کی تقلید جائز ہو یا مستثنیٰ ہو جو کچھ بھی ہو لیکن اس کا قائل تو کوئی نہیں کہ تقلید موجبات رضوان میں سے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اتباع اس تقلید سے خارج ہے کیونکہ یہ سبب رضوان الٰہی ہے۔ عالم کی تقلید اگر جائز بھی ہو تو دوسرے کے قول سے اس کے قول کو چھوڑنا یا اجتہاد سے چھوڑنا یقیناً جائز ہے تو ایسی مباح چیزیں مستحق رضوان نہیں ٹھہر سکتیں۔ اور لیجئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی انتہائے مقصود ہے وہ بہترین اور افضل ترین اعمال سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور تقلید جن کے نزدیک ہے ان کے نزدیک بھی وہ کوئی افضل عمل نہیں بلکہ اس سے افضل اجتہاد ہے پس ثابت ہوا کہ جس مسئلہ میں وہ اور ان کے بعد والے مختلف ہوں اس میں ان کی اتباع کرنا موجب رضامندی الٰہی ہے ان کا قول یقیناً راجح ہے اور راجح کی پیروی بھی یقینی ہے اجتہادیہ مسائل میں یہی اقوال قابل اتباع ہیں۔ اور لیجئے احسان کے ساتھ جو ان کی تابعداری کریں ان کی اس آیت میں تعریف ہے تقلید تو عامیوں کی چیز ہے علماء پر وہ حرام ہے یا نیچے اتر آئیں تو مباح ہے کیونکہ اجتہاد کی افضلیت میں کسی مقلد کو بھی کلام نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ان پر اجتہاد واجب ہے تو اگر اتباع سے مُراد تقلید لی جائے جس کا خلاف جائز ہے تو اس کام میں تو عوام الناس کا حصہ علماء سے بھی بڑھ جائے گا جو قطعاً فاسد ہے۔ اور لو ان کے تابعداروں سے اظہار رضامندی دلیل ہے اس بات کی کہ وہ ٹھیک ہے خطاء نہیں خطاء میں زیادہ سے زیادہ معافی ہوتی ہے نہ کہ رضامندی تو جب یہ حق ہے صواب ہے درست ہے تو اس کی اتباع

واجب ہوئی کیونکہ خطاء میں پیروی حرام ہے اس کے خلاف میں رضائے الٰہی ہوتی ہے۔

اور سنیے ان کی اتباع موجب ہوئی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تو ترک اتباع تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث نہیں بن سکتی اس لیے کہ شرط کی جزا کا اقتضاء وجود شے اور وجود ضد شئے کا مقتضی ہرگز نہیں ہوتا نہ وجود و عدم ہوتا ہے۔ ورنہ ان کا اثر نہیں رہتا تو اگر اس مسئلہ میں دو قول ہو جائیں ایک رضامندی کا باعث ہو دوسرا نہ ہو تو حق وہ ہوگا جو باعث رضامندی ہو یہی مطلوب بھی ہے اور دلیل۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب انسان پر واجب ہے کیونکہ اس کے نہ ملنے سے یا غصہ ملے گا یا معافی اور معافی کسی خطاء سے ہوتی ہے اسے چھونا بھی جائز نہیں ہوتا تو ثابت ہوا کہ ان کی اتباع واجب ہے۔ اور دلیل تبع کی تعریف کی اس کے لیے اپنی رضامندی کی بخشش کی پھروجوب اتباع کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ اس طرح ان کے افعال کی اتباع بھی واجب ہو جاتی حالانکہ یہ مقصود نہیں رہے فتاوے اور دینی اقوال تو ان کی تابعداری موجب ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی کا' اور دلیل جب معلوم ہو گیا کہ ان کے فتوں کی تابعداری میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے خلاف میں نہیں بخلاف افعال کے کہ کبھی مختلف افعال میں کبھی فعل و ترک میں رضائے رب ہوتی ہے قصد و حال پر اس کا حکم موقوف ہے۔ اعتقادات اور اقوال ایسے نہیں ہوا کرتے جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے اقوال میں رضوان اللہ ہے تو حق و صواب یہی ہیں اس لیے واجب الاتباع ہیں۔

اگر اعتراض کیا جائے : کہ سابقین وہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی یا جو بیعت رضوان میں موجود تھے تو پھر ان کے بعد کے اسلام لانے والوں کی اتباع پر کیا دلیل؟ **اس کا جواب یہ ہے کہ** یہی بڑا مقصود تھا کہ بیعت رضوان والوں کی اتباع کا وجوب ہے باوجودیکہ فرق کا قائل کوئی نہیں اور ہر صحابی بہ نسبت بعد والے کے سابق ہے۔

اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دوسری دلیل : فرمانِ الٰہی ہے : ﴿ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ (یٰسٓ : ۲۱) جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور ہیں بھی راہ یافتہ تم ان کی پیروی اور اتباع کرو یہ واقعہ سورۂ یٰسٓ کے واقعہ کے متعلق ہے کہ اس نے یہ پاک بات اپنی قوم کو سمجھائی ٹھیک اسی طرح نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہم سے اجرت طلب کی نہ کوئی گمراہ تھا چنانچہ خود پروردگار عالم ان سے خطاب کر کے فرماتا ہے تم جہنم کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچالیا اسی طرح وہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔ یاد رہے کہ : ﴿ لَعَلَّ ﴾ کا لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کے لیے ہوتا ہے۔ فرمانِ عالی شان ہے : ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ﴾ (انعام : ۲۵) اس میں بھی فرمایا ہے۔ان ہدایت والوں کی ہدایت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔ اور جگہ فرمایا جو لوگ ہماری راہ کا جہاد کرتے ہیں ان کے اعمال اکارت نہیں وہ اللہ کی راہ سے راہ یافتہ ہیں اور آیت میں ہے جو ہماری راہ کی کوشش کریں ہم اُنہیں اپنی راہیں دکھادیتے ہیں تو اب سارے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم مجاہد تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہ بعض کا جہاد زبانی تھا پس سب کے سب راہ یافتہ ہیں اس میں ذرا سا بھی شک نہیں۔

تیسری دلیل : قرآن پاک فرماتا ہے : ﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ﴾ (لقمان : ۱۵) جو میری طرف جھکتا ہے تو اس کی تابعداری کر۔ ظاہر ہے کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ اللہ کی طرف راغب ہے اس لیے اس کے راستے کی اتباع ہے اس کے اقوال اعتقاد ہی اس کی راہ ہیں ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اُنہیں ہدایت تھی اور

ہدایت انہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں جھکے ہوئے ہوں فرماتا ہے: ﴿ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ (شوریٰ: ۱۳) راہ انہیں دکھاتا ہے جو اس کی طرف جھکیں۔

چوتھی دلیل: فرماتا ہے: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾ (یوسف: ۱۰۸) یہ ہے میری راہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ حاصل کر چکنے کے بعد میں بھی اور میرے تابعدار بھی۔

پس بیان فرمایا کہ جو رسول ﷺ کی اتباع کرنے اللہ کی طرف بلانے کا حقدار ہے اور جو اللہ کی طرف بصیرت سے بلائے اس کی اتباع واجب ہے۔ فرمان ہے ﴿ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ﴾ (احقاف: ۳۱) اللہ کی طرف بلانے والے کی پکار کو قبول کرو اور اللہ پر ایمان لاؤ جو شخص بصیرت پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے وہ حق کا عالم ہو کر حق کی دعوت دیتا ہے احکام الٰہی کی طرف بلانا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے اس لیے کہ یہی اس کی اطاعت ہے امر ونہی و اجازت میں یقیناً اور قطعاً اصحاب رسول متبع رسول تھے اس لیے ان کی اتباع جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں واجب ہے۔

پانچویں دلیل: ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾ (نمل: ۵۹) اس سے مُراد یہی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں چنانچہ فرمان ہے: ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾ (فاطر: ۳۲) ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا۔ یہ باب افتعال ہے تصفیہ سے اُنہیں اللہ تعالیٰ نے کدورتوں سے خطاؤں سے پاک کر دیا تھا ان کے اختلاف کے وقت بھی یہ پاک وصف ان سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ حق انہی میں رہتا ہے ان سب سے نکل نہیں جاتا اس لیے کہ ہر ایک کدورت سے پاک ہے اگر خلاف نہیں تو ظاہر ہے کہ کدورت اگر ہوتی تو اللہ تعالیٰ الگ کر دیتا اس خلاف کی وجہ صرف آنحضرت ﷺ کی متابعت ہے نہ کہ نفسانیت پس برگزیدگی کی حقیقت ہر حال میں باقی ہے۔

چھٹی دلیل: ﴿ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ﴾ (سبا: ۶) اور آیت میں ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ ﴾ الخ' اور فرمان ہے: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ (مجادلہ: ۱۱) ان سب آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں علم عطا فرمایا گیا تھا اور علم سے مُراد عِلمِ دین' عِلمِ حدیث ہے' عِلمِ قرآن ہے' جب ان کا اہل علم ہونا بہ شہادت اللہ تعالیٰ ثابت ہوا تو قطعاً یہ واجب الاتباع ٹھہرے۔

ساتویں دلیل: آیت ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ الخ' (آل عمران: ۱۱۰) اس میں خدائی شہادت ہے کہ صحابہ نیکیوں کا حکم کرنے والے برائیوں سے روکنے والے تھے پس اگر کوئی نیا واقعہ ان کے زمانے میں رونما ہو اور صرف وہی فتویٰ دے جو ان میں سے خطاکار ہے تو ظاہر ہے کہ اس بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ ہوئی اس لیے کہ درستگی معروف ہے اور خطاء منکر ہے اگر یہ نہ مانا جائے تو اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر تمسک نہیں بنا سکتے۔ جب یہ باطل ہے تو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو جانتے ہیں ان کی علمی خطاء جبکہ ان کا کوئی مخالف نہ ہو محال ہے اس میں اقتضاء ہے کہ اس ایک کا قول بھی حجت ہے۔

آٹھویں دلیل: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (توبہ: ۱۱۹) ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بن جاؤ۔ بہت سے سلف کا قول ہے کہ مُراد اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں بیشک وہی سچے امام ہیں بعد کے سب سچے انہی کے متبع ہیں بلکہ سچائی انہی کی اتباع میں ہے اور انہی کے ساتھ ہونے میں ہے جو ان کی مخالفت

کرے اگرچہ اوروں کی موافقت میں ہو وہ ان کا ساتھی نہیں گو موافقت میں ہے لیکن مطلق ساتھ ہونا اسے حاصل نہیں جیسے مطلق ایمان اس کے ساتھ نہیں جو زنا اور شراب اور چوری اور ڈاکہ میں مشغول ہو گو ایمان کا اطلاق اس پر سے نہ ہٹے جیسے کہ فقیہ اور عالم کا اطلاق ایک دو مسئلے کے جاننے والے پر نہیں ہوتا۔ پس معیتہ مطلقہ اور مطلق معیت میں فرق ہے۔ حکم الٰہی پہلے کا ہے نہ کہ ثانی کا۔ یہ چاہت نہیں کہ بعض میں ساتھ دیں اور بعض میں الگ ہو جائیں جس نے ایسا سمجھا اس نے غلطی کی دیکھو اور احکام الٰہی مثلاً روزہ' نماز' حج' زکوٰۃ وغیرہ سے یہ مُراد نہیں کہ کم سے کم حصے پر ہم عمل کریں تاکہ مطلق ماہیت کے حکم بردار بن جائیں بلکہ پورے طور پر ان کو بجالانا مطلوب ہے پس یہاں بھی ہر امر میں ان کا ساتھ مطلوب ہے۔

نویں دلیل : فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ الخ' (بقرہ : ۱۴۳) اسی طرح ہم نے تمہیں عادل اُمت بنائی ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ اُمت بہترین اُمت اور عادل تر ہے ان کے اقوال' اعمال' ارادے اور نیتیں عمدہ اور اعلیٰ ہیں اس لیے یہ اس قابل ہیں کہ اور امتوں کو ان کے رسولوں نے تبلیغ کی اس پر یہ گواہ ہوں اور ان کی گواہی قبول کی جائے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریفیں کیں فرشتوں میں ان کے حال بیان کیے' اُنہیں حکم کیا کہ ان پر رحمت بھیجیں ان کے لیے دعائیں کریں' استغفار کریں' اللہ کے نزدیک گواہی انہی کی مقبول ہے جو علم کے ساتھ گواہی دیں سچ بات کہیں۔ جیسے فرمان ہے : ﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (زخرف : ۸۶) پس علم و صداقت گو ان کے نیک اوصاف ہیں کبھی انسان کی زبان سے بے علمی میں بھی حق بات نکل جاتی ہے کبھی علم ہوتے ہوئے حق بات بیان نہیں کرتا پس مقبول شہادت وہ ہے جو علم کے ساتھ خبر دے اگر ان میں سے کوئی غلط اور جھوٹا فتویٰ دیتا حکم اللہ اور حکم الرسول ﷺ کے خلاف ہوتا اور کوئی بھی حق بات نہ کہتا تو یہ اس امت کی اس شان کے خلاف ہوتا اس وقت حق ظاہر نہ ہوتا کچھ باطل کے کہنے والے ہوتے کچھ حق سے سکوت کرنے والے ہوتے یہ بالکل محال ہے کیونکہ یہ عادل اُمت ہے پس حق جماعت صحابہ سے خارج ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ تو ناحق پر رہیں اور بعد والوں کو حق مل جائے۔ ان کے اقوال کا خلاف کرنے والوں سے ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بہتری ہوتی تو یہ ہم سے اس کی طرف بڑھ نہ سکتے۔

دسویں لیل : جنابِ باری کا فرمان ہے : ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ الخ' (حج : ۷۸) راہِ الٰہی میں کامل طور پر جہاد کرو اس نے تمہیں اپنا پسندیدہ بنا لیا ہے تم پر اس دین میں کوئی حرج نہیں رکھا۔ یہی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہ بنو۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے لیے اور اپنا کر لیا ہے۔ یہ اس کے خاص غلام ہیں اور نبیوں اور رسولوں کے بعد انہی کا مرتبہ ہے اُنہیں حکم دیا کہ پوری طرح جہاد راہ الٰہی میں حصہ لو اپنی جانیں راہ الٰہی میں دے کر محبت و عبودیت کا کامل ثبوت پہنچاؤ اللہ کو سب سے زیادہ چاہو جیسے اس نے تم سے سب سے زیادہ محبت کی ہے اسی واحد الٰہی کو اِلٰہ اور معبود بناؤ اسی کی قربت اپنی زبان کے ذکر سے' اپنے جسم کی عبادت سے' اپنے دل کی خشیت و محبت سے غرض ہر حال میں ہر چیز سے زیادہ اس کی عزت و محبت کرو اس نے تمہیں اپنا کر لیا ہے۔ اس کے بدلے تم اسی کے ہو جاؤ اس کا یہ بھی کرم ہے کہ آسان دین تمہیں دیا ہے جس میں کوئی تنگی ترشی سختی اور بے طاقتی کا حکم نہیں۔ اپنے باپ ابراہیم حنیف علیہ السلام کی ملت کو لازم پکڑے رہو یعنی ایک اللہ ہی کی عبادت' اسی کی تعظیم' اسی کی محبت'

اسی کا خوف' اسی سے امید' اسی پر توکل' اسی کی طرف جھکنا' اسی کو اپنے سب کام سونپ دینا' اس کی فرمانبرداری میں لگے رہنا' دل کے اور جسم کے اور مال کے تمام تر تعلقات اسی کی پاک ذات سے وابستہ کر دو اس کے غیر کو دل میں جگہ نہ دو کوئی عبادت اس کے سوا کسی کی نہ کرو۔ تمہیں وہ پیدا کرے اس سے پہلے ہی وہ تمہیں معزز خطاب مسلم کے ساتھ سرفراز فرما چکا ہے پھر یہی مہربانی اور نظر کرم تمہاری پیدائش کے بعد بھی اس مولا کی رہی اب بھی اس نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں فرمانبردار اطاعت شعار بنایا اور یہی نام تمہیں دیا۔ یہ اس لیے کہ تم پر تمہارے رسول ﷺ گواہ رہیں اور تم اور لوگوں پر گواہ رہو کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے انہیں احکام الٰہی کی تبلیغ کر دی ہے پس جبکہ یہ بزرگ اس مرتبے کے ہیں تو محال ہے کہ یہ سب ٹھیک درست اور سچے فتوے سے محروم رہ جائیں۔ ان میں سے کوئی غلط اور بے جا فتویٰ دے واہی خلاف قول کہے اور دوسرا درست اور صحیح بات نہ بتلائے اور ان کے تمام زمانوں کے بعد وہ حق دوسروں پر ظاہر ہو۔

گیارہویں دلیل : اصحابِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ (سجدہ : ۲۴) ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے وہ ہمارے حکموں کی ہدایت کرتے ہیں چونکہ صابر تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے پس یہ بھی اپنے بعد والوں کے پیشوا تھے اپنے صبر و یقین کی وجہ سے یہ دینی پیشوائی انہیں ملی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کے لیے حق کا یقین ہونا اس کی بصیرت ہونی اور اس میں جو مصائب آئیں ان پر صابر ہونا' اپنے عزم میں کمی نہ آنے دینا' اپنے ارادے میں ضعف نہ آنے دینا یہ اوصاف ضروری ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پاک اوصاف اصحابِ موسیٰ علیہ السلام سے اصحاب محمد ﷺ میں بہت کامل درجے پر تھے ان کا یقین کامل ان کا صبر عظیم الشان پس وہ ہدایت کے پیشرو بننے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ کی شہادت ان پر ہے اس کے رسول ﷺ کی گواہی ان پر ہے کہ وہ خیرالقرون ہیں وہ اللہ کے پسندیدہ ہیں اور اس کے چیدہ ہیں پس محال ہے کہ ان جیسوں سے سب سے حق خطا کر جائے اور متاخرین کو مل جائے اگر ایسا ہو تو سمجھ لو کہ حقائق میں انقلاب ہو گیا پچھلے پہلوں کے امام بن گئے ان کو ان کے فتاوے اور اقوال کی طرف رجوع واجب ہو گیا۔ حالانکہ یہ عقلاً اور حساً محال ہے اسی طرح شرعاً بھی محال ہی ہے۔

تیرہویں دلیل : فرمانِ باری ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا ﴾ الخ (فرقان : ۷۴) الٰہی ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا۔ امام کے معنی پیشوا اور پیش رو مقتدا کے ہیں یہ واحد اور جمع سب کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے اُمت اور اسوۃ کا لفظ اور کہا گیا ہے کہ یہ جمع ہے آم کی جیسے صاحب اور صحاب راجل اور رجال تاجر اور تجار اور قول ہے کہ یہ مصدر ہے جیسے قتال ہے اور خراب ہے لیکن ٹھیک وجہ اوّل ہے پس ہر ایک متقی پر اقتداء ان کی واجب ہے اور تقویٰ بھی مسلمانوں پر واجب ہے ان کے فتووں کی مخالفت ان کی اقتداء کے خلاف ہے گو کہہ دیا جائے کہ استدلال اور اصول میں ہم ان کی اتباع کرتے ہیں یہ عذر لنگ ہے جس کا جواب گزر چکا۔

چودھویں دلیل : بہت سی صحیح احادیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں بھیجا گیا ہوں پھر اس کے بعد والا پھر اس کے بعد والا پس۔ علی الاطلاق آپ کا زمانہ بہترین زمانہ ہے اس سے ثابت ہے کہ خیر اور بھلائی کے تمام امور میں وہ لوگ سب سے آگے ہوں ورنہ بعض وجوہ سے بہتر ہونے سے علی الاطلاق بہتری ثابت نہ

ہو گی پس اگر یہ مان لیں کہ ان میں سے ایک نے غلطی کی اور کسی نے بھی صحیح فتویٰ نہیں دیا بلکہ صحیح چیز بعد والوں کے ہاتھ لگی تو ظاہر ہے کہ اس وجہ سے بعد کا زمانہ بہتر رہا پہلا زمانہ خطاء کا تھا یہ درستگی کا ہے پھر یہ ایک ہی امر میں نہیں بلکہ بہت سے مسائل میں لازم آئے گا اس لیے کہ جن کے نزدیک قولِ صحابی حجت نہیں اس کے نزدیک اس کا امکان ہے کہ کل مسائل میں بعد والے درستی پر ہوں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا ہے اور کسی نے مخالفت نہیں کی اور بعد والوں نے جن کا یہ مذہب ہے کہ وہ اور ہم یکساں انسان ہیں ان میں اختلاف کیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ حق پر وہی ہیں پس صحابہ کی خطائیں بیشمار- اور ان پچھلے فقہاء کی درست باتیں بیشمار اب خود ہی بتلاؤ کہ وہ زمانہ اچھا یا یہ اچھا؟ علم اور حق رسی سے بڑھ کر فضیلت اور کیا ہو گی؟ وہ صحابہ کو حاصل نہیں اور ان پچھلے فقہاء کو حاصل؟ مسلمانو! اس سے بڑھ کر تعجب کی بات اور کیا ہو گی؟ کہ صدیق و فاروق و عثمان و علی و ابن مسعود و سلمان فارسی' عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم وغیرہ ان جیسے بزرگ تر صحابہ تو اکثر مسائل میں غلط بات کہیں اور ان کے زمانے میں ایک بھی اس غلطی کا سمجھنے والا اور حق بیان کرنے والا نہ ہو لیکن ان کے بعد والے حق شناس حق گو بن جائیں اور جو ان ائمہ رحمہم اللہ سے غلطیاں ہوئی تھیں ان کی اصلاح یہ کر دیں : ﴿ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴾ (نور:۱۶)

پندرھویں دلیل : صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے مغرب کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی پھر آپ کے ساتھ عشاء پڑھنے کے ارادے سے بیٹھے رہے آپ واپس تشریف لائے اور ہم سے پوچھا کہ کیا تم یہیں ہو؟ ہم نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب پڑھ کر آپ کے ساتھ عشاء پڑھنے کے ارادے سے یہیں ٹھہر گئے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا پھر آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عموماً آپ کی یہ عادتِ مبارک تھی اور فرمایا کہ ستارے آسمان کا امن ہیں جب یہ جاتے رہیں گے تو آسمان پر اس کا وعدہ آجائے گا میں اپنے اصحابؓ کے لیے امن ہوں میرے جانے پر میرے اصحاب کے پاس وہ آجائے گا جس کا اُنہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ میرے اصحاب میری اُمت کے لیے امن ہیں جب میرے اصحاب اٹھ جائیں گے تو میری اُمت پر وہ آجائے گا جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کی نسبت بعد والوں کی طرف ایسی ہی کی جیسی اپنی نسبت اپنے اصحاب کی طرف اور جیسے ستاروں کی نسبت آسمان کی طرف اس تشبیہ سے اُمت کی رہبری ان کی طرف ہونے کا اشارہ ہے جیسے اصحاب کی رہبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی اور جیسے زمین والے ستاروں سے راستہ ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان میں رہنا ان کے لیے باعث امن اور باعث بچاؤ بتلایا اگر ان منکرین سلف کی بات مان لی جائے تو اس کے خلاف لازم آئے گا کہ پچھلے لوگ ان صحابہ کے لیے امن کا باعث اور شر سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں کیونکہ وہ تو ایک خطاء پر جم جاتے تھے اور یہ بعد والے نور الٰہی سے اس کا خطاء ہونا سمجھ لیا کرتے تھے۔

سولھویں دلیل : ابو عبداللہ بن بطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کی مثال میری اُمت میں ایسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک کہ بغیر نمک کے کھانا عمدہ نہیں ہوتا۔ راوی حدیث حضرت حسن فرماتے ہیں جب ہم میں نمک ہی نہیں رہا تو بتلاؤ ہماری صلاحیت کیسے ہو گی؟ اس حدیث کو تین سند سے روایت کیا گیا ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ کھانے کی اصلاح جس طرح نمک سے ہوتی ہے اسی طرح اس امت کے دین کی اصلاح جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے اگر یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کوئی غلط فتویٰ دے اور ان میں ایک بھی ایسا

نہ ہو جو اس غلطی کی اصلاح کرے اور بعد والے اس غلطی کو پالیں اور اس مسئلہ میں صحت بیان کریں تو یہ نمک ہوئے اور صحابہ بمنزلہ طعام کے ہوئے یہ محال ہے اور خلاف حدیث ہے اس کی مزید وضاحت سنیے اصلاح طعام کی نمک سے ہے اسی طرح صحت مسئلہ اصلاح دین ہے جبکہ صحابہ میں ایک مسئلہ غلط رہا اور بعد والوں نے اس کی صحت کی تو یہ بمنزلہ نمک کے ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بمنزلہ اس طعام کے جو نمک سے خالی ہے۔

سترہویں دلیل : صحیح بخاری شریف میں ہے اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرا نہ کہو سنو تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرلے تو بھی میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد (تقریباً ڈیڑھ پاؤ) اناج کے خرچ کی فضیلت کو بھی نہیں پہنچ سکتا بلکہ آدھے مد کو بھی۔ ایک روایت میں آپ کا اس کی بابت قسم کھانا بھی مروی ہے یہ خطاب آپ کا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان جیسے حدیبیہ اور فتح مکہ کے مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھا اب آپ خیال فرمائیے کہ جب ان سابقین اولین کا ان بعد والے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس قدر بلند مرتبہ ہوا تو ان کے بعد والوں سے یہ کس قدر بلند مرتبہ ہوئے؟ پھر ان کے فتووں میں تو صحت ہو نہیں اور بعد والے اس صحت کو پالیں یہ تو کھلے طور پر محال اور یقیناً ناممکن ہے۔

اٹھارہویں دلیل : حمیدی ناقل ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا پروردگار نے مجھے پسند کر کے چن لیا پھر میرے لیے میرے ساتھیوں کو منتخب فرمایا اُنہیں میرے وزیر میرے مددگار اور میرے رشتے دار بنا دیئے' الخ۔ پس یہ بالکل محال ہے کہ ان سے حق چھوٹ جائے اور ان سے نیچے والوں کو وہ مل جائے۔

انیسویں مثال : ابوداؤد طیالسی میں ہے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس آنحضرت ﷺ کے دل کو سب کے دلوں سے بہتر پایا آپ کو رسالت کے منصب سے ممتاز فرمایا پھر بندوں کے دلوں پر نگاہ دوڑائی اور حضور ﷺ کے بعد آپ کے اصحاب کے دلوں کو سب کے دلوں سے بہتر پایا اُنہیں اپنے اس پسندیدہ رسول ﷺ کی حاشیہ نشینی کے لیے اور آپ کے دین کی مدد کے لیے منتخب فرما لیا پس جس چیز کو یہ مسلمان اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے یہ مسلمان بری دیکھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بدتر ہے پس جن کے دل بہترین تھے وہ تو خطا کریں اور جو ایسے نہ تھے وہ حقیقت کو پہنچ جائیں یہ بات خلاف عقل ہے ایک فتویٰ دے باقی خاموش رہیں تو یا تو ان کے نزدیک وہ فتویٰ اچھا ہو گا یا بُرا اگر اچھا ہے تو خیر اگر بُرا ہے پھر بھی وہ اس کا انکار نہیں کرتے تو کون کہے گا کہ یہ بہتر دلوں والے ہیں؟ بلکہ بعد والے ہی اچھے دل و دماغ والے ہوئے کہ انہوں نے اس خطاء کی گرفت کی اور درست بات کی حقیقت کو پالی۔

بیسویں دلیل : امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جسے پیروی کرنی ہو وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کرے وہ ساری اُمت سے زیادہ پاک دل تھے' سب سے زیادہ وسیع علم تھے' سب سے کم تکلف والے تھے' سب سے زیادہ راہِ مستقیم کے ہدایت یافتہ تھے' سب سے بہتر حالت والے تھے۔ اُنہیں رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ کے لیے چن لیا تھا آپ کے دین کی اقامت کے لیے پسند فرما لیا تھا۔ لوگو! تم ان کی فضیلت کو پہچانو ان کے نقش قدم کی پیروی کرو وہی ہدایت پر تھے وہ سیدھی راہ پر تھے۔ پس محال ہے کہ ایسے پاکباز تو صحت و درستی سے محروم رہیں اور ان کے بعد والے اسے پالیں۔

اکیسویں دلیل : طبرانی ابو نعیم وغیرہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو تم سے پہلے تھے تم ان کا طریقہ چلتے رہو۔ واللہ! اگر تم اس پر قائم ہو گئے تو تم بہت کچھ ترقیاں کر لو گے اور اگر تم نے اسے دائیں بائیں چھوڑ دیا تو تم دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ پس یہ محال ہے کہ ہر بھلائی کی طرف سبقت کر جانے والے تو مسائل دینی میں غلطی پر رہیں اور ان کے بعد والے سچائی پر؟

بائیسویں دلیل : خوارج کا ایک گروہ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہتا ہے کہ ہم تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں آپ نے فرمایا تم؟ انہوں نے کہا ہم آپ نے فرمایا اے خبیثو! ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کو تم گمراہی سمجھتے ہو؟ اور ہمارے طریقے کے خلاف کو تم ہدایت سمجھتے ہو؟ نکل جاؤ یہاں سے پس ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاء پر سمجھنے والے اور بعد والوں کو صواب پر سمجھنے والے خود خطاء کار ہیں۔ یہ لوگ کتاب اللہ کی طرف بلانے والے نہیں بلکہ یہ پاک وصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا۔ ہمارے نزدیک تو یہ خیال صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کے برابر ہے۔ اللہ پر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنے کے برابر ہے۔(معاذ اللہ)

تیئسویں دلیل : ترمذی میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا پر زور' پر اثر وعظ سنایا جس سے آنکھیں بہ نکلیں اور دل دہل گئے کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ایسا وعظ ہے جیسے کسی الگ ہونے والے کے رخصتانہ کلمات ہوں پس آپ کوئی زبردست کار آمد مفید بات بطور وصیت و عہد بھی ہمیں فرما دیجئے آپ نے فرمایا سننے اور ماننے کو لازم پکڑے رہو اگرچہ حکم کرنے والا حبشی غلام ہو جس کا سر مثل کشمش کے ہو تم میری سنّت کو اور رشد و ہدایت والے خلفاء کی سنّت کو میرے بعد لازم پکڑے رہو اس پر چنگل مار لو اسے دانتوں سے مضبوط تھام لو دیکھو نئے کاموں سے بچتے رہنا یاد رکھو ہر نیا کام بدعت ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اس کی سند بے خوف ہے اس میں آپ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء کی سنّت ملا دی ہے اور حکم میں اس قدر مبالغہ فرمایا کہ کچلیوں سے مضبوط تھامنے کی ہدایت فرمائی یہ شامل ہے ان کے فتووں کو اور اسے جس کو یہ اس اُمت کے لیے طریقہ بتائیں گو اس بارے میں نبی علیہ السلام سے کچھ معلوم نہ بھی ہو اگر ہو تو وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہو گئی۔ یہ شامل ہے ان کے فتووں کو بھی سب کے ہوں' اکثر کے ہوں' بعض کے ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے اسے معلق رکھا سُنّت خلفاء راشدین پر اور یہ ظاہر ہے کہ خلافت کی حالت میں ان بزرگوں نے آن واحد میں طریقے نہیں بتائے پس ہر ایک کی اس کی خلافت کے وقت جو سُنّت ہو وہ سُنّت ہے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ بھی اپنی مسند میں لائے ہیں۔

چوبیسویں دلیل : ترمذی شریف میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میرے بعد تم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا ان کی ہدایت سے ہدایت حاصل کرنا۔ ابنِ ام عبد رضی اللہ عنہ کے عہد کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں پس اس سے بھی متابعت ثابت ہوتی ہے۔

پچیسویں دلیل : صحیح مسلم شریف میں ہے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر قوم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کرے گی تو بھلائی اور نیکی اور ہدایت پائے گی' الخ۔ دیکھو کہ ہدایت یہاں ان کی اتباع پر موقوف ہے تو اگر ان کے فتووں کو غلط سمجھا جائے اور ان کے زمانے کے بعد کے غیر صحابہ کے فتووں کو صحیح سمجھا جائے تو ہدایت ان کے خلاف میں ہو جائے گی۔

چھبیسویں وجہ : حضور ﷺ نے قعقاع بن حکیم اور اقرع بن حابس کو امیر بنانے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم دونوں کسی امر پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا پس حضور ﷺ نے ان کے اتفاق کو ناقابل خلاف خود اپنے لیے بتلایا اب جو ان کے قول کو حجت نہیں ٹھہراتا ان کی مخالفت جائز بتلاتا ہے پھر جو اس سے بھی آگے بڑھ کر بک دیتا ہے کہ ان کا قول لینا جائز نہیں ہاں جس امام کے ہم مقلد ہیں اس کا قول لینا جائز تو کیا واجب ہے- یہ ہیں ان مقلدین کی کتابیں جن میں صاف صاف یہ تحریر ہے پس ہم ان پر بجز صبر کے اور کیا کریں-

ستائیسویں دلیل : آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر فرمایا یہی دونوں کان اور آنکھ ہیں یعنی میرے وجود کے لیے' دین الٰہی کے لیے- کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ ان کے فتوے غلط اور ان کے بعد والوں کے صحیح؟

اٹھائیسویں وجہ : ابوداؤد اور ابنِ ماجہ میں ہے کہ ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو آپ نے فرمایا یہ بڑا بھلا آدمی ہے- یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے آگے بڑھ کر کہا اے نوجوان! میرے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کر اس نے کہا اے ابوذر! رضی اللہ عنہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں میں آپ کے لیے استغفار کرنے کے قابل کہاں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مکرر یہی درخواست کی کہ آپ میرے لیے استغفار کیجئے آپ نے کہا آخر بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے نکلے تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی نسبت فرمایا یہ نوجوان بڑا اچھا ہے اور میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اور دل میں رکھ دیا ہے پس ہم ان کی کیسے مان لیں؟ جن کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے کسی مسئلہ میں خطاء کر جائیں اور صحابہ میں سے ایک بھی اس پر انکار نہ کرے لیکن بعد والے آئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلطی اور خطاء پر تنبیہ کریں' یہ تو ظاہر محال ہے-

انتیسویں دلیل : صحیح مسلم شریف کی- فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ اگلی امتوں میں محدث ہوتے تھے میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے- مسند اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے- محدث کہتے ہیں اسے جس کے دِل میں جناب باری بطور الہام کے حق ڈال دیتا ہے کبھی فرشتہ اسے حق بات پہنچا جاتا ہے- پس بالکل محال ہے اور ان ہونی بات ہے کہ ان میں اور ان کے بعد والے میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور یہ باطل پر ہو اور وہ حق پر ہو اس سے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ دوسرا شخص محدث ہے نہ کہ پہلا یعنی امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' ہاں یہ اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ممکن ہے کیونکہ وہ زمانہ حق سے خالی نہیں ہو سکتا- حق کا ظاہر ہونا یقینی ہے خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر ہو خواہ کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کی- محال جسے ہم کہتے ہیں وہ یہ کہ آپ کوئی فتویٰ دیں کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اس کی تردید نہ کرے اور ہو وہ غلط پھر عصر صحابہ کے بعد کے کسی کو سوجھے اور ہو وہ آپ کے خلاف اور پھر ہم یہ کہتے پھریں کہ عمر رضی اللہ عنہ غلطی پر تھے صحیح بات اس بعد والے فقیہ کی ہے-

تیسویں وجہ : ترمذی شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا اور سند سے مروی ہے تم میں اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر بنایا جاتا- امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں پھر یہ کیسی بد بات ہے کہ یہ تو غلطی کریں اور ان کے بعد والا صحت کرے؟

۳۱ویں وجہ : حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنتہ فرماتے ہیں کہ ہم سب اس بات کو بعید نہیں گنتے تھے کہ سکینت زبان فاروقی پر بولتی ہے پھر یہ محال ہے کہ آپ کے خلاف آپ کے بعد کا کوئی شخص کہے اور اس کا قول درست ہو اور ان کا قول نادرست ہو۔

بتیسویں وجہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے آگے آگے کوئی فرشتہ ہے جو آپ کو ٹھیک ٹھیک راہ ہدایت پر لے چلتا ہے پس جو اس قسم کا ہو وہ اس سے بہت زیادہ درستی والا ہے جو اس کے بعد ہو اور اس درجے کا نہ ہو۔

تینتیسویں وجہ : حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترازو کے ایک پلڑے میں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم رکھا جائے اور دوسرے میں تمام زمین والوں کا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم کا پلہ جھکا ہوا رہے گا۔ آپؓ کا فرمان ہے کہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مالک ہیں۔ پس محال ہے کہ زمانہ صحابہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مخالف کے پاس وہ علم و حق ہو جو آپ کے پاس نہیں۔

چونتیسویں وجہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عادتِ مبارک تھی کہ جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا آپ قرآن و حدیث سے جواب دیتے اگر ان میں نہ پاتے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فتوے پر فتویٰ دیتے اگر یہ بھی نہ ملتا تو خود اجتہاد کر کے بتلاتے یہ ہیں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جو اتباع دلیل میں خاص شہرت رکھتے ہیں اور حجت کے سوا دوسری چیز کو چھوتے ہی نہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کا خلاف دلیل سے کرنے میں اُنہیں تامل نہیں وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو دلیل و حجت اور سند بتلاتے ہیں۔ قول الٰہی اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس پر مدار فتویٰ رکھتے ہیں اور کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اس میں ان کا مخالف نہیں۔

پینتیسویں دلیل : حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں اپنی اُمت پر اس چیز سے راضی ہوں جس سے ابنِ اُمِ عبد رضی اللہ عنہ راضی ہوں اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ' انہوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو میں سناؤں؟ حالانکہ آپ ہی پر تو اترا ہے آپ نے فرمایا ہاں میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی جب آیت : ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ ﴾ الخ' تک پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل آئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تلاوت ختم کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنا شروع کیا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر بھی اس کی تعریفیں کیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا شہادت حق ادا کی اور فرمایا ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے' پر اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں اور تمہارے لیے میں اس بات پر رضامند ہوں جس پر ابنِ اُمِ عبد رضی اللہ عنہ راضی ہوں۔ پس آج جو شخص یہ خیال رکھے اور یہ قول کہے کہ عبداللہ کا فلاں مسئلہ غلط ہے اور ان کے زمانے کے بعد کے فلاں فقیہ کا یہ مسئلہ صحیح ہے اس نے اُمت کے لیے وہ پسند نہیں کیا جو ابنِ اُمِ عبد رضی اللہ عنہ نے پسند کیا اور نہ اس نے رضامندی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لحاظ رکھا۔

چھتیسویں وجہ : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ میں تمہاری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں اور وزیر بھی۔ یہ دونوں صحابی رضی اللہ عنہما بدری ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری ہیں۔ آپ کے خاص لوگ ہیں تم ان کی اقتداء کرو ان کے قول کو سنتے رہو۔

سنو! میں تو چاہتا تھا کہ عبداللہ کو اپنے ہی پاس رکھوں لیکن تاہم میں نے اپنی ضرورت اور اپنے فائدے کو موخر کر کے اُنہیں تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ دیکھیے یہ ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو کوفے والوں کو عمار اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کی اقتداء کا حکم دیتے ہیں اور ان کی باتوں کے سننے کا جو ان کے قول کو حجت نہیں کہتا وہ ان کی اقتداء کا قائل نہیں نہ ان کے اقوال کے سننے کا وہ قائل ہے مگر اسی صورت میں کہ اُمت کا اجماع ہو تو اس صورت میں ان کی خصوصیت کیا رہ گئی؟

سینتیسویں وجہ : حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق کہیں گے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ پس ہم تو دل سے جانتے ہیں کہ ان پاک بازوں نے یہ بیعت پوری کی حق کو ہر وقت بلاخوف واضح کرتے رہے کوڑے اور لکڑی اور امیر اور والی کے ڈر نے نہ اُنہیں حق سے روکا نہ خلاف حق پر آمادہ کیا' نہ حق کے چھپانے پر وہ راضی ہوئے۔ یہ ہیں ان کی سیرت و ہدایت کی کتابیں ان پر نظر ڈال جایئے امیر مدینہ مروان پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ انکار کرتے ہیں اور اس کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔ خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلاف حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کرتے ہیں۔ حجاج جیسے باسطوت اور خوفناک شخص کی بات حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما توڑ دیتے ہیں۔ عمرو بن سعید پر جو امیر مدینہ تھا برابر انکار کرتے ہیں الغرض بادشاہان وقت والیان ملک جب کبھی قرآن و حدیث سے عدل و انصاف سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً ان کے خلاف حق کو ظاہر کرتے تھے ان کی ہیبت اور ان کا رعب اور ان کی سلطنت اور ان کے قانون اور ان کی سزاؤں سے مطلق مرعوب نہ ہوتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد والے اس مرتبے کو ہرگز نہیں پا سکتے بہت سے حق ان سے ان ظالم بادشاہوں اور والیوں کے ڈر سے چھوٹ گئے پس یہ محال ہے کہ یہ پچھلے لوگ تو صحت کو پہنچ جائیں اور یہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے الگ ہو جائیں۔

اڑتیسویں دلیل : صحیح سند سے مروی ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور اپنے پاس کی چیزوں میں اختیار دیا تو اس نے اللہ کے پاس کی چیزیں اختیار کر لیں یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ ہم آپؐ پر اپنے ماں باپ کو فدا کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہمیں بہت ہی تعجب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک شخص کی بابت فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا یہ رونے کی کیا بات ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے؟ لیکن وہ ہم سے سب سے بڑے عالم تھے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس سے مُراد خود سرورِ رُسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ احسان مجھ پر مالی اور بدنی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اسلامی بھائی چارہ اور اسلامی محبت بس ہے مسجد میں جتنے دروازے ہیں سب بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔ پس سب سے بُرا محال امر یہی ہے کہ اتنے بڑے عالم سے تو حق پوشیدہ رہے ان کے زمانے کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی پتہ نہ چلے اور بعد کے ایک مفتی مقلد کو حق معلوم ہو جائے اور ہم کہنے لگیں کہ صدیق رضی اللہ عنہ جھوٹے اور ہمارے مذہب کا یہ امام سچا' استغفراللہ استغفراللہ۔

اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی پر انتالیسویں دلیل : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد انصار نے فرمایا ایک امیر اے مہاجرو! تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے آن کر فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا پس تم میں سے کس کا دل چاہے گا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے؟ سب نے اسی وقت کہا کہ پناہ الٰہی ہم میں سے کوئی ان سے آگے نہیں بڑھے گا پس ہم بھی اپنے زمانے کے اور اس سے پہلے کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کے مفتیوں اور فقیہوں سے کہتے ہیں کہ جبکہ ایک جانب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں اور دوسری جانب تمہارے وہ امام ہوں جن کی تقلید تم کر رہے ہو تم میں سے کس کا جی خوش ہو گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جائے؟ یا بڑھا دے؟ پھر کس قدر واہی قول یہ ہے جو مقلدین کے ہاں برابر چلا آرہا ہے کہ ہمارے امام کی تقلید تو واجب اور تقلید صدیقی رضی اللہ عنہ ناجائز۔ الٰہی تو گواہ رہ ہمارے دل ہرگز اس سے خوش نہیں نہ تو ہمارے دلوں کو اس پر کبھی خوش کر۔

بروقت نہ ہونے حدیث و قرآن کے اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حجت ہونے کی چالیسویں دلیل :

صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں سویا ہوا تھا کہ دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ میرے سامنے لایا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ پی لو میں نے پیا اور اس قدر پیا کہ میں نے دیکھا کہ تری میرے ناخنوں سے نکلنے لگی پھر میں نے اپنا بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علم۔ اس شہادت محمدی کے ہوتے ہوئے کیا کوئی امتی یہ خیال کر سکتا ہے کہ آپ نے فلاں فتویٰ غلط دیا؟ اور وہ غلطی سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول کر لی اسی غلطی پر رہے یہاں تک کہ ہمارے مذہب کا امام آیا اور اس نے اس غلطی کی اصلاح کی وہ حق پر ہے یہ باطل پر تھے۔

اکتالیسویں وجہ : حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے وضو کے لیے پانی بھر کر رکھتے ہیں آپ دریافت فرماتے ہیں یہ کس نے رکھا؟ لوگ کہتے ہیں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے' آپ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اُنہیں دین کی سمجھ دے اور روایت میں ہے کہ اُنہیں حضور ﷺ نے اپنے گلے سے لگا لیا اور دعا کی کہ باری تعالیٰ اُنہیں حکمت سکھا دے۔ دنیا کے لوگو! کیا یہ ہو بھی سکتا ہے؟ کہ ایسا بزرگ شخص جس کے حق میں ایسے بزرگ نبی ﷺ کی مقبول دعا ہو وہ ایک بات کہے تم اسے غلط قرار دو پھر اس زمانے کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی اس کا خلاف نہ کرے وہ سارا زمانہ اسی غلطی پر گزر جائے اور بقول مقلدین کے اس کے برسوں بعد ان کے مذہب کے پیشوا آئیں وہ اس غلطی کی اصلاح کریں اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ علم و حکمت اس بعد والے میں ہے یہ پہلے والا اور اس کے ہم زمان سب اس سے خالی اور کورے ہیں' نعوذ باللہ۔

بیالیسویں وجہ : صورت مسئلہ یوں ہے کہ کسی واقعہ میں آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث ہمیں نہیں ملتی صحابہ میں بھی وہ مسئلہ منجھ کر صاف نہیں ہوا کسی ایک آدھ صحابی کا اس مسئلہ میں ایک فتویٰ ملتا ہے لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ اس فتوے کی شہرت اور صحابہ میں ہوئی یا نہیں' نہ کوئی صحابی اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ تو ایسے موقعہ پر ہم کہتے ہیں کہ مسائل فقہیہ اور حوادث فروعیہ میں جس نے غور و تامل کیا ہے اور خوب باریک بینی اور بالغ نظری سے کام لیا ہے وہ جانتا ہے کہ ان میں رائے کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ قیاس صحیح مُراد ہاتھ نہیں لگتی سینہ صاف نہیں ہوتا ذہن کھلتا نہیں۔ دلائل اس قدر متضاد اور متخالف سامنے آجاتے ہیں کہ دماغ چکرا جائے کسی نتیجے پر کوئی بڑا عالم بھی نہ پہنچ سکے پھر پچھلے فقہاء تو کہاں؟ ایسی حالتوں میں بڑے بڑے وافر علم والے ائمہ بھی کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے آخر اُنہیں توقف کرنا پڑتا ہے کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے کہ کوئی واضح دلیل کوئی صاف وجہ استدلال ان کے سامنے نہیں ہوتا ایسے وقت اگر اس

مسئلہ میں کوئی فتویٰ کسی صحابی کا مل جائے تو یقیناً اسی کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔ حق انہی کی جانب سمجھنا چاہیے بہت سے قیاسوں سے مل کر بھی جس قدر حق قریب نہیں ہوتا اتنی قربت صحابی کے قول کے بعد ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہی مطلب ہے کہ بروقت نہ ملنے قرآن و حدیث کے۔ یقیناً اقوالِ صحابہ اس قابل ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کے تمام لوگوں کے قیاسات ان کی آراء اور ان کے اجتہادات پر مقدم کیے جائیں۔ ان کے خلاف کوئی قول نہ کہا جائے نہ لیا جائے۔ اس لیے کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا تھا اُنہیں اس اُمت کا سردار بنایا تھا اُنہیں تمام ائمہ کا پیشوا بنایا تھا ان کے سامنے قرآن اترا تھا' قرآن کے اوّل مخاطب وہی تھے ان میں اللہ کے نبی موجود تھے وہ خود اُنہیں سبق پڑھاتے تھے خود ہی مسائل سکھاتے تھے خود ہی علم بتلاتے تھے پھر ان کے فضائل ان کے علم ہمارے مقابلے میں ویسے ہی تھے جیسے ان کے وجود ہمارے وجود کے مقابلے میں' تم یقین مانو کہ ہم اگر کوزہ ہیں تو وہ دریا تھے ہم اگر مشک ہیں تو وہ سمندر تھے پس ان کی تحقیق ان کا قول ان کا فتویٰ ہی درست ہے اس کے خلاف جو ہو رد ہے۔ ظن راجح انہی کے قول کے ساتھ ہے اطمینان دلی انہی کے فتووں پر ہے۔ سنو! ہمارے قیاس اور استصحاب اور قواعد سے جس قدر علم ہمیں حاصل ہوتا ہے اور جس قدر صحت کا ظن ہوتا ہے وہ اس سے کم اور بہت کم ہے جو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہو سکتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو کسی منصف مزاج رب شناس عالم سے مخفی نہیں۔

تینتالیسویں وجہ: سنو جب صحابی رضی اللہ عنہ کوئی قول کہے' کوئی حکم دے' کوئی فتویٰ جاری کرے تو اس کے بہت سے ایسے درجے ہیں جن میں بعد والوں کی کوئی شرکت نہیں گو بعض درجے شرکت کے بھی ہیں مثلاً ہو سکتا ہے کہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ خود رسالت مآب ﷺ سے سنا ہو یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے سنا ہو اور اس نے اللہ کے نبی ﷺ سے سنا ہو۔ سنو اور یاد رکھو کہ جس علم میں وہ منفرد تھے وہ اس سے بہت زیادہ تھا جن میں ہمیں شرکت کا موقعہ ملا ہے جس جس نے جو جو سنا سب روایت نہیں کیا بتلاؤ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر بزرگوں کی کیا ساری روایتیں ہمارے ہاتھوں میں ہیں؟ کیا انہوں نے اپنی پوری عمر میں جو سنا سب آنحضور ﷺ کے نام نامی سے روایت کیا؟ یہ ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن سے مرفوع احادیث فقط ایک سو بھی مروی نہیں حالانکہ ہر ہر موقعہ پر حضور ﷺ کے ساتھ رہے آپ کی نبوت سے لے کر آپ کے وصال تک دامن نہ چھوڑا بلکہ نبوت سے بھی پہلے کے ساتھی آپ ہیں' سب اُمت سے زیادہ علم والے ہیں' قول فعل طور طریقہ سیرت عادت سب کچھ آپ کے سامنے تھی۔ اسی طرح بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت ہی کم روایتیں آئی ہیں اگر ہر ہر شخص اپنی کل روایتوں کو اپنے کل مشاہدوں کو برابر حضور ﷺ کا نام لے کر بیان کرتا تو یقیناً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ روایتیں ان کی ہوتیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو کل چار سال صحبت مبارک میں گزارے ہیں باوجود اس کے ان کی روایتیں بہت ساری ہیں پس ان حضرات کا بار بار یہ کہنا کہ اگر اس صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی روایت حضور ﷺ سے ہوتی تو وہ ضرور بیان فرماتے یہی علامت ہے اس بات کی کہ لوگ ان بزرگوں کی پاک عادتوں سے واقف نہیں یہ پاکباز حضرات آنحضور ﷺ کے نام سے روایت کرتے ہوئے ہیبت کرتے تھے' ان کی بڑی تعظیم ان کے دلوں میں تھی' اس میں بہت ہی حزم و احتیاط کام میں لاتے تھے' خوف زیادت و نقصان سے کپکپا اٹھتے' تھے اس لیے بہت کم حضور ﷺ کا نام لے کر آپ سے روایت کرتے تھے آنحضرت ﷺ سے سنا ہوا ہوتا تھا بار بار ان مسائل کو دوہراتے تھے لیکن صاف لفظوں میں یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم نے اسے سید الانبیاء سے سنا ہے' اب مختصر سن لو کہ ان میں سے کسی کا فتویٰ چھ وجہ

سے خالی نہیں۔ (۱) ممکن ہے حضور ﷺ سے سنا ہو۔ (۲) ممکن ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ سے سنا ہو اور اس نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہو۔ (۳) ممکن ہے کسی آیت قرانی سے سمجھا ہو لیکن ہم سے وہ سمجھ مخفی رہ گئی ہو۔ (۴) ممکن ہے ان کی ایک جماعت کا اس فتوے پر اتفاق ہو لیکن ہم تک صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہی وہ فتویٰ پہنچا ہو۔ (۵) ممکن ہے شان نزول سامنے رکھ کر واقعہ سامنے رکھ کر لغت جان کر دلالت لفظ کو سمجھ کر حالیہ قرائن سے سوچ کر خطاب کی اونچ پنچ الفاظ کی واقعہ سے مطابقت یا ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک بات سمجھی ہو پھر کہی ہو اور ظاہر ہے کہ ہمارے سامنے یہ تمام چیزیں نہیں وہ بوقت نزول قرآن موجود تھے وہ حدیث' طرز حدیث' وجہ حدیث' واقعہ اور حالات سے واقف تھے۔ افعال' احوال' سیرت ان کی نگاہوں کے سامنے تھی پس ان کے ذہن جن مقاصد اور جن باریک امور تک پہنچ سکتے تھے ہمارے ذہن ان سے قطعاً خالی ہیں کیوں نہ ان کا فتویٰ حجت مانا جائے۔ یہ پانچوں وجوہات وہ ہیں جن سے ان کے قول کا ماننا واجب ثابت ہوتا ہے۔
(۶) اب ایک وجہ یہ رہ جاتی ہے کہ جہاں یہ پانچ وجہیں ممکن ہیں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے وہ مطلب سمجھ لیا ہو جو حضور ﷺ کا نہ ہو آپ کی مُراد کے خلاف مُراد انہوں نے لی ہو اس تقدیر پر ان کا قول حجت نہیں رہتا لیکن پہلے کے پانچ احتمالات ظن پر غالب ہیں اور یہ احتمال مغلوب ہے اور دور کا ہے تاہم ظن غالب تو کم سے کم حاصل ہے عمل اسی پر ہوتا ہے اور عارف اسی ظن غالب سے عمل پر مجبور ہو جاتا ہے اب اس حصّے کی نسبت سنیے جس میں ہمیں ان سے مشارکت ہے مثلاً دلالت الفاظ قیاسات تو اس میں اگرچہ ہم کو بھی حصّہ ہے لیکن وہ پاک دِل تھے' وہ وافر علم والے تھے' وہ کم تر تکلف والے تھے' ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی' ان کے ذہن قدرت نے کھول رکھے تھے' ان کے سینے صاف تھے اُنہیں نورِ نبوت سے حصّہ ملا تھا' ان کی زبانیں حق و صداقت والی تھیں' استاد کامل نصیب ہوا تھا' ان کی عقل تیز تھی' ان کے سامنے روک کوئی نہ تھی' ان کے مقصد نیک تھے' ان کی رگ رگ خوفِ الٰہی میں پھڑکتی رہتی تھی' عربیت ان کی طبیعت تھی' معانی و مطالب ان کا حصّہ تھے' فطرت و عقل پر پالش اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی' سند حال راوی علت حدیث جرح و تعدیل قواعد و اصول سب ہمارے لیے ہیں ان کے لیے نہ تھے کیونکہ وہ مہتابِ نبوت کے آس پاس کے روشن سیارے تھے۔ پس ان کے سامنے صرف دو ہی چیزیں تھیں۔ (۱) اللہ نے فرمایا اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ (۲) اس کے معنی یہ یہ ہیں۔ پس ان کے لیے کوئی محنت نہ تھی وہی سب اُمت سے زیادہ اس خزانے کے مالک تھے یہی چیز ان کے سامنے تھی اور ان کی بھی تمام تر توجہ اسی کی طرف تھی الفاظ اور معنی۔ لیکن ان کے پاک زمانے کے بعد جو اور آئے ان کے قویٰ متفرق ہوئے ان کی ہمتیں ادھر ادھر بٹ گئیں۔ ایک طرف اُنہیں زبان سیکھنی پڑتی ہے دوسری جانب اُنہیں قواعد لینے پڑتے ہیں علم اسناد علم احوال رواۃ سیکھنا پڑتا ہے مصنفین کے کلام میں غور و خوض کرنا پڑتا ہے اپنے مختلف اور بہت سے اور جداگانہ خیالات والے اساتذہ کے بارے میں اُنہیں فیصلہ کرنا پڑتا ہے پھر بہت سی دقتوں اور بہت زیادہ تکلیفوں کے بعد احادیث رسول ﷺ تک ان کی رسائی ہوتی ہے اور یہ بھی اسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نیک ارادہ ہو ورنہ نیچے ہی نیچے رہ جاتا ہے۔ بہرصورت اگر وہاں تک پہنچتا بھی ہے تو تھکا ہارا' ماندہ اور درماندہ نچوڑا ہوا اور بے طاقت نہ کہ تازہ اور تازگی والا۔ اب جتنی قوت باقی رہی ہے زیادہ سے زیادہ اسی کا کوئی حصّہ صرف کر سکتا ہے۔ برادران! یہ جو ہم نے بیان کیا یہ حسی امر ہے نہ کہ عقلی تازہ دم انسان جس کام میں ہاتھ ڈالے وہ اور تھکا ہارا جس کام کو شروع کرے وہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جو شخص دیر تک گانے بجانے کی مجلس میں بیٹھا رہا پھر تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور جو شخص آرام کی نیند سوتا رہا اور رات کے

پچھلے پہر اٹھ کر تہجد کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا' کیا آپ کے نزدیک دونوں کی قوت' دونوں کی شگفتگی' دونوں کی حالت یکساں رہے گی؟ معصیات میں اپنی قوتیں ختم کر کے اب نیکی کی طرف آیا اور قوتوں کو سنبھال کر پھر نیکی پر بیٹھا کیا یہ دونوں یکساں کام کر سکیں گے؟ ایک شخص جو کسی صورت کے پیچھے یا مال و جاہ کے پیچھے اپنی قوتیں فوت کر چکا ہو اور آخر میں اگر محبت الٰہی کے راستے پر آجائے تو کیا یہ وہی کام کر سکے گا؟ جو اپنی تمام تر طاقتوں سے حب اللہ کے ولولے میں اٹھ کھڑا ہوا ہے؟ اسی طرح یہ فقہاء ہیں کہ فقہ میں' رائے میں' اپنے اکابر کے اقوال میں' اپنی عمر کھو دیتے ہیں' اپنا خون خشک کر لیتے ہیں' اپنا دماغ بیہودہ بنا لیتے ہیں' فقہ اور اصول فقہ اور اس کے مناسب اور علوم کو پڑھ پڑھ کر بیکار ہو جلتے ہیں' اب حدیث کی طرف اور قرآن کی طرف آنا چاہتے ہیں بھلا تھکے بیل کہیں منزل مقصود کو پہنچ بھی سکتے ہیں؟ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان تمام تکلفات سے دور تھے ان کے قوی تو صرف یہی دو کام کرتے تھے کہ فرمانِ الٰہی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے اور اس کا مطلب و مقصد کیا ہے؟ پھر قوی ذہن والے' صاف باطن والے' تیز فہم والے' معاون بہت مخالف کم نور نبوت آنکھوں کے سامنے مشکوٰۃ نبوی سے سینے روشن استادی کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجلسوں کے لیے چادر نبوی اب بتلاؤ کیا ہم اور وہ کسی طرح بھی برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر ہمارا آج یہ راگ الاپنا کہ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ نے غلط کہا میرے امام نے صحیح فرمایا یہ بددینی بدگمانی اور بے علمی نہیں تو اور کیا ہے؟

چوالیسویں وجہ : رسول علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم رہے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زمین کبھی بھی ایسے لوگوں کے وجود سے خالی نہ رہے گی جو اللہ تعالیٰ کی حجت پر قائم ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں باطن نہ ہو جائیں اگر منکرینِ اتباعِ سلف کی بات مان لی جائے تو ثابت ہو گا کہ وہ زمانہ حق والوں سے خالی تھا اس لیے کہ ایک حادثے میں ایک صحابی نے کوئی فتویٰ دیا تھا وہ غلط لیکن کسی اور نے اس کا خلاف نہ کیا سارا زمانہ غلطی پر ہی رہا معروف کا حکم کرنے والا منکر سے روکنے والا اس وقت ایک بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ جب گزر گیا فقہاء کا زمانہ آیا تو اب حق گو برسنے لگے۔ نعوذ باللہ منہا۔

پینتالیسویں وجہ : جب صحابہ رضی اللہ عنہم یا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کوئی قول کہے پھر ایک زمانے کے بعد کوئی فقیہ اس کے خلاف قول کہے تو یہ قول نیا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری اور خلفاء راشدین مہدیین کی سُنّت کو لازم پکڑے رہو اس پر اپنی کچلیاں تک مضبوط گڑا دو اور نئے اُمور سے بچتے رہو۔ ہر بدعت گمراہی ہے پس یہ نیا قول بدعت ہے اور گمراہی ہے۔

سلف صالحین کی بے بہا نصیحتیں : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اتباع میں لگے رہو نوپید بدعتوں سے بچتے رہو تمہاری کفایت کر دی گئی ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے فرماتے ہیں ہم اقتداء کرتے ہیں استبداع نہیں کرتے۔ اتباع کرتے ہیں بدعت نہیں کرتے جب تک ہم احادیث پر عامل ہیں گمراہ نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں بدعت سے' نئے قول سے' کرید سے' گہرا اترنے سے' بچو' پرانے دین کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ فرماتے ہیں دجال سے زیادہ خوفناک چیز سے مجھے خوف ہے یہ وہ امور ہیں جو تمہارے بڑوں کی طرف سے ظہور میں آئیں گے اس وقت جو مسلمان مرد و عورت ہو اسے میری نصیحت ہے کہ اول اخلاق پہلا دین پہلی باتوں کو ہی لے گواہ رہو کہ میں تو آج سُنّت پر ہوں۔ فرماتے ہیں نئی باتوں سے بچو بدترین امور یہی نوپید چیزیں ہیں ہر بدعت گمراہی ہے فرماتے

ہیں تابعداری کرتا رہ بدعت میں نہ پھنس جب تک حدیث و اثر لیے رہے گا گمراہ نہ ہو گا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں برابر یہ کہا جاتا رہا کہ استقامت کو لازم پکڑے رہو حدیث و اثر کو لیے رہو نئی باتوں سے اجتناب کرتے رہو۔ قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تو حدیث و اثر کی تابعداری کرتا ہوں جو اسلاف سے پاتا ہوں تمہیں پہنچاتا ہوں۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ اس سے خوش رہے کیا ہی لطیف ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تو روش صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک ناخن بھرادھرادھر نہ ہٹوں گا۔ انسان کی بدبختی اور بد عملی یہی کافی ہے کہ اس کے اعمال صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کے خلاف ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بدعتیں لوگ نکالیں گے ان کے خلاف سلف میں دلیلیں موجود ہیں سنتیں اسی لیے ہیں کہ بدعتوں کی خطائیں لغزشیں صحافت اور بے جا تکلیف کو ظاہر کر دیں پس تم اپنے لیے وہی پسند کرو جو جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے لیے پسند کر گئی ہے' فرماتے ہیں جہاں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم ٹھہر گئی ہے تو بھی وہاں ٹھہر جا جو انہوں نے کہا ہے تو بھی کہے چلا جا جہاں وہ چپ ہیں تو بھی خاموش ہو جا ان کی سب حرکات و سکنات ماتحت علم تھیں وہ ٹھہرتے تھے تو علم یقینی کے ساتھ وہ دیکھتے تھے تو بالغ نظری سے' وہ ہمیں کفایت کر گئے ہیں وہ جن چیزوں کی حقیقت دریافت کر سکتے تھے آج کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا وہ فضیلتوں اور نیکیوں کے حریص تھے اور اُنہیں دونوں ہاتھوں سے سمیٹ گئے۔ لوگو! بھلائیوں کی طرف تو وہ سبقت کر گئے اگر تم کہو کہ فلاں چیز تو ان کے وقت میں نہ تھی تو یاد رکھو کہ جنہوں نے ان کے راستوں کو چھوڑا انہوں نے ہی ان نئی چیزوں کی ایجاد کی وہ ان سے پھر گئے سچے سابق وہی تھے وہ ایسی باتیں چھوڑ گئے ہیں جو تمہیں ہر طرح کافی وافی ہیں' انہوں نے جو بیان فرما دیئے ہیں انہی میں شفا اور ہدایت ہے ان سے پیچھے رہ جانے میں ہلاکت ہے ان سے آگے بڑھ جانے میں بربادی ہے جو گھٹ گئے وہ سیاہ کار بن گئے جو بڑھ گئے وہ غلو کر کے تباہ ہو گئے وہ درمیانہ اور سچے اور سیدھے اور عمدہ راستے پر تھے۔ رضی اللہ عنہم

فرماتے ہیں اور اس قدر پاکیزہ قول فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک وغیرہ ائمہ دین ہمیشہ مزے لے لے کر اسے بیان فرماتے رہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے خلفاء راشدین نے جو سنتیں جاری کر دی ہیں انہی کو لینا کتاب اللہ کی تصدیق کرنا ہے اور اس کی پوری فرماں برداری کرنا ہے اسی میں دینِ الٰہی کی قوت ہے کسی کو ان کے بعد اس میں ردوبدل کا اختیار نہیں کوئی اس کے خلاف اپنی رائے اور اجتہاد سے کوئی مسئلہ نکال نہیں سکتا جو ان کی سنتوں کا پابند ہے وہی ہدایت پر ہے جس نے ان سے مسائل دینی میں مدد لی وہی منصور و مظفر ہے جس نے ان کا خلاف کیا ہے اور مومنوں کی راہ کے سوا اور راہ اختیار کی ہے اسے اللہ اسی پر رکھے گا اور جہنم رسید کر دے گا جو بدترین جگہ ہے۔ یہی وہ آیت ہے اور یہی وہ قول ہے جس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دلیل لی ہے اور فرمایا ہے کہ اجماع حجت ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آثار سلف کو لیے رہ اگرچہ اور لوگ تجھے چھوڑ دیں۔ لوگوں کی رائے قیاس کو ہرگز نہ لے اگرچہ وہ بظاہر ٹیپ ٹاپ والے اور زیب و زینت والے نظر آئیں- فرماتے ہیں جو باتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ لوگ پہنچائیں اُنہیں تو گرہ میں باندھ لیا کرو اور جو باتیں یہ اپنی رائے قیاس سے بتلائیں اُنہیں کوڑے میں ڈال دو۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے تئیں سُنت پر جما رکھ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹھہریں تو بھی ٹھہر جایا کر' سلف صالحین کی راہ پر چلا کر' جو اُنہیں کافی تھا تیرے لیے بھی بس ہے جو انہوں نے فرمایا ہو تو بھی کہہ جس سے وہ رک گئے ہوں تو بھی رکا رہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو سلف اس سے محروم نہ رہتے اللہ تعالیٰ نے کوئی بہتری ان سے روک کر تمہارے لیے اُٹھا نہیں رکھی- یاد رکھو اس سے مراد ہماری اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی

ﷺ کے لیے چن لیا تھا جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ﷺ بھیجا تھا جن کے وصف میں اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ الخ۔ (۴۸:۲۹)

اتباعِ سلف صالح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چھیالیسویں دلیل :

ہر زمانے اور ہر جگہ کے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوے اور ان کے اقوال سے دلیل لیتے رہے کسی منکر نے انکار نہیں کیا علماء کی تصانیف اس کی شاہد عدل ہیں ان کے مناظرے اس کا بابانگ دہل اقرار کرتے ہیں۔ بعض علماء مالکیہ کا قول ہے کہ اس پر علماء زمانہ کا اجماع رہا ہے۔ یہ چیز ان کی روایتوں اور ان کی کتابوں میں پوری طرح ظاہر ہے ان کے مناظرے اور ان کے استدلال اس سے بھرے ہوئے ہیں پھر اگر یہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم حجت لینے کے قابل تھے ہی نہیں تو اُنہیں وارد کرنے، محفوظ کرنے، تداول کرنے، لانے اور پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ سلف کی کتابوں میں سے ایک کتاب پردۂ دنیا پر ایسی نہ پاؤ گے جس میں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال استنباط نہ ہو بلکہ ان کی کتابوں کی زینت یہی چیزیں رہیں آپ ان کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہ پاؤ گے کہ قولِ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما حجت و دلیل نہیں اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دلیل نہ لینی چاہیے ان کے فتاوے چھوڑ دیئے جائیں تم انصاف سے کہو کہ جن کے اقوال اقوالِ الٰہی کے موافقت و مطابقت کرتے تھے ان کے اقوال سے اپنے اقوال کو مقدم کرنے کی جرأت کون سا مسلمان کر سکتا ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے جن کے لفظوں کی موافقت میں قرآن اترتا تھا ان کے بعد والوں کا قول نہ ان کے قول کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس کے قریب پہنچ سکتا ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جو گمان حق پچھلے لوگوں کی رائے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ کس طرح اور کس وجہ سے ان بزرگوں کے فتووں سے بڑھ جائے گا؟ جن کی موجودگی میں وحی اتری جن کو مطلب وحی اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار نے سکھایا سمجھایا۔ ان کے گھر میں جبرائیل علیہ السلام آئے ان کی مجلسوں میں رسول اللہ ﷺ بیٹھے۔ حجۃ الوداع کی حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم ﷺ پر اترتا تھا آپ اس کا مطلب بخوبی جانتے تھے۔ جس پر جس طرح آپ عمل کرتے تھے ہم بھی کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ اصحابِ رسول ﷺ کے اعمال و افعال کی سند وہ تھی جو مشاہدہ اُنہیں سرکار رسالت مآب سے ہوتا تھا جو تفصیل و تفسیر آپ سے وہ دیکھتے تھے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے بعد کا کوئی ان سے زیادہ درست اور صحیح اقوال والا ہو؟ یہ تو نہ صرف نقلاً بلکہ عقلاً بھی محال ہے۔

تفسیر قرآنِ کریم میں اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حجت ہونا :

ان بزرگوں نے جو تفسیر قرآن کی ہے وہ بھی یقیناً ان کے بعد والوں سے زیادہ درست اور بہت صحیح ہے بعض اہل علم کا مذہب ہے کہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم مرفوع کے حکم میں ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ اپنی مستدرک میں فرماتے ہیں ہمارے نزدیک تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی اس سے استدلال اور احتجاج ہو سکتا ہے نہ یہ کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول عین قول رسول اللہ ﷺ کہا جا سکے۔ دوسری توجیہہ یہ بھی ہے کہ جو معانی قرآن ان سے منقول ہوں ان کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ آنحضور ﷺ نے ان کے سامنے معانی قرآن بیان کیے تھے اور تفسیر قرآن ان کے سامنے کر دی تھی جیسے فرمانِ عالی شان ہے: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (نحل: ۴۴) پس حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن حکیم کا شافی کافی بیان کر دیا ہے جس کسی پر جس کسی آیت کے معنی شاق گزرے اس نے آپ سے دریافت کر لیا اور آپؐ نے وضاحت کر دی۔ جیسے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپؐ سے آیت: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ کا مطلب پوچھتے ہیں اور آپ بیان فرما دیتے ہیں

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (انعام : ۸۲) کی تفسیر دریافت کرتے ہیں اور آپ اس کا معنی بیان فرما دیتے ہیں حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ سے آیت : ﴿ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ﴾ (اشقاق : ۸) کے معنی پوچھتی ہیں اور آپ فرما دیتے ہیں کہ اس سے مراد صرف سامنا کرانا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے کلالہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں آخری مرتبہ آپ آیت صیف کا حوالہ دے دیتے ہیں اسی طرح کی بہت سی روایتیں ہیں اب جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفسیر قرآن ہمارے لیے نقل کرتے ہیں تو کبھی تو آپ کے نام سے آپ کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں کبھی صرف معنی بیان کر دیتے ہیں تو یہ بھی روایت بالمعنی ہوئی یہی حال حدیث کے نقل کرنے میں ہے کہ کبھی لفظاً ہوتی ہے کبھی معناً یہی دونوں وجوہات میں سے احسن وجہ ہے' واللہ اعلم۔

اس پر اعتراض :

اگر کہا جائے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیر قرآن میں احادیث مرفوعہ کے خلاف بھی منقول ہیں جیسے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما نے دخان کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو بوجہ قحط سالی اور بھوک کے نظر آتا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دھواں قیامت سے پہلے آئے گا جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے' دابۃ الارض دجال اور سورج کے مغرب سے نکلنے کے ساتھ ہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت : ﴿ اَسْکِنُوْھُنَّ ﴾ الخ' (طلاق : ۶) کی بابت فرماتے ہیں کہ یہ حکم یعنی عورت کو مکان دینے کا بائنہ اور رجعیت والی دونوں طلاقوں کے بعد کا ہے یہاں تک کہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عورت کے قول سے ہم کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ باوجودیکہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ جس عورت کو بائنہ طلاق مل گئی جو اب خاوند کے ہاں پھر نہیں آسکتی اس کی عدت تک کا مکان اس کے خاوند کے ذمے نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب آیت : ﴿ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ﴾ الخ' (بقرہ : ۲۳۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ چار ماہ دس دن کی عدت عام ہے حاملہ کی بھی ہے اور حائلہ کی بھی پھر فرماتے ہیں کہ اگر یہ زیادہ ہو تو یہی عدت گزارے ورنہ حمل سے فارغ ہونے کی غرض دونوں میں سے جس میں مدت زیادہ ہو وہ عدت گزارے حالانکہ حدیث میں اس کے خلاف ہے یعنی حمل جب بھی وضع ہو جائے عدت سے الگ ہو جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانِ باری : ﴿ وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ ﴾ الخ' (نساء : ۲۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ساس سے بھی وہی ساس مراد ہے جس کی لڑکی سے مجامعت ہو چکی ہو جب تک نہیں ہوئی حرمت ثابت نہیں حالانکہ صحیح مسئلہ اس کے برخلاف ہے جس کی لڑکی سے نکاح ہوا اس پر اس کی ساس بہ مجرد عقد نکاح کے حرام ہو جاتی ہے جماع کی قید جو آیت میں ہے وہ اس کے بعد کے بیان کے لیے ہے یعنی جو عورتیں اپنے ساتھ اگلے خاوند کی لڑکیاں لے کر آئیں ان سے جب مجامعت ہو جائے تو وہ لڑکیاں حرام ہو جائیں گی۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اسی طرح حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سجل کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا حالانکہ یہ وہم ہے بلکہ سجل کہتے ہیں لکھے ہوئے صحیفہ کو اسی جیسا : ﴿ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴾ (صافات : ۱۰۳) میں ہے اور شاعر کے قول میں ہے فخر صریعا للیدین وللفم مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کو لپیٹ لے گا جس طرح لکھے ہوئے صحیفہ کو لپیٹ لیتے ہیں اس میں جو لکھا ہوا ہے اس سمیت۔ پس تفسیر صحابہ مرفوع کے حکم میں کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس اعتراض کا جواب :

تفسیر صحابی رضی اللہ عنہ میں کلام ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتووں میں کلام تھا صورت مسئلہ یہاں بھی ٹھیک وہی ہے جو وہاں تھی یعنی اس کے خلاف کوئی آیت و حدیث

نہ ہو اس کے خلاف کسی اور صحابہ رضی اللہ عنہ کا قول نہ ہو خواہ اس قول کے مشہور ہونے کا علم ہو خواہ نہ ہو۔ جن مقامات کا ذکر معترض نے کیا ہے ان میں دونوں باتیں نہیں ہیں پس اس تفسیر کا اور اس جیسے فتاووں کا یکساں حکم ہے جبکہ یہ آیت یا حدیث کے خلاف ہوں یا خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان میں اختلاف۔

ایک اور اعتراض : اگر اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم بنفسہٖ حجت ہوتے تو وہ خطا سے پاک ہوتے وہ معصوم ہوتے تاکہ حجت کے قابل ٹھہریں جبکہ ان کے فتوے کبھی درست ہیں کبھی نادرست۔ یہی حال ان کی تفسیر کا ہے تو تم کیسے فیصلہ کر سکو گے؟ کہ یہ فلاں فتویٰ اور یہ فلاں تفسیر درست ہے؟ اس لیے کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر اور کوئی دلیل نہیں سوائے قول صحابی رضی اللہ عنہ کے اور قول صحابی رضی اللہ عنہ میں تفسیر ہے یعنی بعض درست بعض نادرست تو فلاں قول درست ہی ہے اس کی کیا دلیل۔

اس کا جواب : یہ ہے کہ ہم تو بہت بسط و تفصیل سے پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس صورت میں جو مفروضہ اور واقعہ ہے محض ناممکن اور محال ہے کہ وہ کتاب اللہ میں کوئی غلط بات کہیں اور کسی اور سے درست اور صحیح بات ہو بھی نہیں کسی نے اس غلطی کے خلاف کہا ہی نہ ہو۔ جتنی صورتیں یہاں بیان ہوئی ہیں جن جن آیات کی تفسیر ہمارے سامنے اس وقت پیش کی گئی ہے ان سب میں ان صحابیوں کے سوا اوروں سے درست تفسیر بھی منقول ہے ہم نے تو پہلے ہی یہ بات بتلا دی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہم کا زمانہ ایسا گزر جائے کہ حق بات کا بولنے والا کوئی نہ ہو۔ اسی سے آپ کا یہ اعتراض بھی جاتا رہا کہ اگر ان کے اقوال حجت ہوتے تو ان کا خطا سے خالی ہونا ضروری تھا اس لیے کہ صرف قول صحابی رضی اللہ عنہ ہونا ہی وجہ حجت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان چیزوں کا اضافہ بھی ہے جن کا بیان ہم نے پہلے کر دیا ہے۔

ایک اعتراض : اگر کہا جائے کہ جو دلیلیں تم نے بیان کی ہیں ان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ تابعی بھی جب کوئی قول کہے اور کوئی صحابی، تابعی اس کا مخالف نہ ہو تو اس کا قول بھی حجت ہے۔

اس کا جواب : یہ ہے کہ تابعین کی کثرت اور ان کا انتشار اس قدر تھا کہ ضبط مشکل ہے ان کے زمانے میں مسائل کی کثرت و اشاعت بھی اس قدر تھی کہ یہ معلوم کرنا یقیناً سخت مشکل ہے کہ فلاں مسئلہ میں فلاں تابعی کا کوئی مخالف نہیں۔ ہاں اسے فرض کر لیا جائے تو بیشک بعض حنبلیہ شافعیہ کا قول یہ ہے کہ ایسے وقت تابعی کے فتوے کی اتباع واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ میں نے یہ عطا کی تابعداری میں کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اوپر والوں میں سے کسی کا قول نہ پا کر حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قوی سمجھ کر اس پر فتویٰ دیا اور جگہ فرماتے ہیں اس قول کی تخریج حضرت عطا کے قول کے معنی پر ہے۔ اکثر حضرات اس صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں فرق کرتے ہیں ان دونوں کے قول ہیں بھی ظاہر۔ تابعین کی تفسیر کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ائمہ کرام کی کتابوں میں جو غور و تدبر کرے گا وہ دیکھے گا کہ ان کی کتابیں تابعین کی تفسیر سے دلیل لینے میں پر ہیں۔

تابعین کا قول جو خلاف قیاس ہو : اس کی بابت ان حضرات کے جو اقوال تابعین کو حجت نہیں مانتے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ایسے اقوال حجت نہ ہونے میں اور اقوال سے زیادہ اولیٰ ہیں کیونکہ ایک حجت شرعیہ کے مخالف ہیں اور خود حجت نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس حال میں قول تابعی حجت ہے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے روایت سے لیا ہو اوپر والوں سے حاصل کیا ہو اور جو حضرات اُنہیں حجت مانتے ہیں ان کے بھی ایسے

وقت میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حجت ہیں گو خلاف قیاس ہوں بلکہ یہ قیاس پر مقدم ہیں ان کے نزدیک دلائل شرعیہ کی ترتیب یوں ہے' قرآن' سنّت' قولِ صحابی' قولِ تابعی' پھر قیاس۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حجت نہیں اس لیے کہ دلیل شرعی کے خلاف ہے یہ حجت اسی وقت ہے جبکہ معارضہ سے محفوظ ہو۔ لیکن پہلے لوگ کہتے ہیں کہ قول صحابی رضی اللہ عنہ ہر معارضے سے زیادہ قوّت والا ہے اور جب دو دلیلوں میں سے ایک زیادہ قوّت والی ہو تو اسی کو لینا متعین ہے' ((واللّٰہ اعلم و باللّٰہ التوفیق))

تم الجزء السادس وللّٰہ الحمد' اللھم اعف عنا واغفرلنا انت مولٰنا فتب علینا انك انت التواب الرحیم وصلی اللّٰہ علٰی سید المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین۔

۲۲ / ربیع الاخر ۱۳۵۶ھ / جولائی ۱۹۳۷ء یوم جمعة المبارك۔

الحمد للہ آج کتاب اعلام کے حصّہ ششم سے میں فارغ ہوا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جو صاحب اسے پڑھیں ان سے میری درخواست ہے کہ میرے لیے دعاءِ مغفرت و رحمت کریں۔ ہاتھ اُٹھا کر کہہ دیجئے کہ الٰہی اس کے مترجم محمّد کو بخش دے۔ الٰہی اسے اپنی غلامی میں قبول فرما' اس کی برائیوں سے درگزر فرما اور اسے اپنے پاس اجر عظیم عطا فرما' آمین اللھم اغفر للمومنین والمومنات' والمسلمین والمسلمات الاحیاء والاموات۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حصہ ہفتم

سوالات کی نوعیت اور مفتی کے آداب و فرائض

مفتی کے لیے جہاں یہ یہ ضروری ہے کہ استفتا کا جواب دے اور ہر مسئلے میں کتاب و سنّت کے احکام کو واضح کرے‘ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ غیر واقعی سوالات کے جوابات سے دامن بچائے رکھے اور سائل کی نفسیاتی سطح کا خصوصیت سے خیال رکھے۔ چنانچہ اگر یہ محسوس کرے کہ جواب سائل کی سطح ذہنی سے اونچا ہے یا اس سے بجائے روشنی اور تسکین کے شکوک و شبہات کی جڑیں از حد گہری ہوں گی تو اس صورت میں بھی جواب میں خاموشی اختیار کرلینا جواب دینے سے کہیں بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مُرید کے سامنے ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے سے گریز کیا‘ جس کے بارے میں انہیں شبہ ہوا کہ یہ جواب کو غلط معنی پہنائے گا۔

پہلا فائدہ : سائلوں کے سوالات عموماً چار ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ کسی پانچویں قسم کے نہیں ہوتے۔ اوّل یہ کہ کسی حکم کی بابت پوچھے کہ فلاں فلاں بات کا کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ کسی حکم کی دلیل دریافت کرے۔ تیسرے یہ کہ وجہِ دلالت پوچھے۔ چوتھے یہ کہ جواب کے خلاف جو دلیل ہو اس کی نسبت سوال کرے۔ حکم کی بابت جو سوال کرتا ہے اس وقت جس سے سوال کیا جاتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں‘ ایک تو یہ کہ اس مسئلے کا اُسے عِلم ہو‘ دوسرے یہ کہ اُسے عِلم نہ ہو۔ اگر وہ جاہل ہے تو اسے بے علمی کے ساتھ فتویٰ دینا حرام ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہے اور سائل کا گناہ بھی۔ اگر اُسے اُس مسئلے میں لوگوں کے اقوال تو معلوم ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان میں ٹھیک قول اور صحیح فتویٰ کیا ہے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور اگر ہو سکتا ہے تو اس اختلاف کو بیان بھی کر دے اور اگر وہ شخص جو سوال اُس سے کیا گیا ہے اس کے جواب کا علم رکھتا ہے تو اب سائل کی دو حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس پر عمل کا وقت آگیا ہے۔ معاملہ درپیش ہے‘ قضیہ موجود ہے اور حاجت پڑنے پر وہ سوال کے لیے نکلا ہے تو مفتی پر ضروری ہے کہ فی الفور اُسے جواب دے۔ ایسی حاجت کے وقت اس کے سامنے حکم کا بیان نہ کرنا کسی طرح جائز نہیں‘ نہ تاخیر جائز ہے۔ دوسری حالت یہ کہ اس نے کسی ایسے واقعہ کا سوال کیا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا‘ یونہی فرضی سوال ہے تو جواب دینے

والے پر اس کا جواب ضروری نہیں بلکہ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جب اُن سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ دریافت فرماتے کہ ایسا واقعہ ہوا بھی ہے؟ اگر خبر ملتی کہ نہیں ہوا تو وہ کوئی جواب نہ دیتے اور فرماتے بس ہمیں عافیت سے رہنے دو۔ اس لیے کہ رائے سے فتویٰ دینا تو صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے' ایسے ہی جیسے اضطرار کے وقت مُردہ کھالینا۔ یہ حکم اُس وقت ہے جب اس مسئلے میں کوئی آیت قرآنی یا حدیثِ نبوی ﷺ یا اجماع نہ ہو' اگر یہ ہو تو اس پر اس کی تبلیغ بقدرِ امکان ضروری ہے۔ کسی سے کوئی علمی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اُسے چھپا لے تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن آگ کی لگام چڑھائے گا۔ ہاں! اگر فتویٰ دینے والا سائل کی شرارت سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ کچھ نہ بولنا اچھا ہے بہ نسبت بولنے کے۔ اس کا جواب دینے میں فتنہ اُبھرے گا تو بے شک اُسے چپ رہنا جائز ہے کیونکہ دو فسادوں میں سے ہلکا فساد یہی ہے' اسے برداشت کر کے بڑے فساد سے بچ جائے۔ چنانچہ خود نبی ﷺ نے قریشیوں کے اسلام کے نئے زمانے کی وجہ سے اور اس خوف سے کہ کہیں یہ پھر مرتد نہ ہو جائیں' کعبے کو توڑ کر ابراہیمی بنا پر بنانا موقوف کر دیا۔ اسی طرح اگر سائل کی عقل کی کمی جواب کے سمجھنے سے قاصر نظر آئے اور جواب اس کے فتنے کا سبب بن جانے کا خوف ہو تو بھی جواب سے رُک جانا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص ایک آیت کی تفسیر پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے میں تجھے بتلاؤں اور پھر تو اُسے نہ مانے' اس سے انکار کر جائے' چنانچہ آپ نے نہ بتلایا۔



جواب میں سائل کے اصل فائدہ کو مدنظر رکھنا

قرآنِ حکیم نے افتا کا جو حکیمانہ انداز مقرر کیا ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حالت میں جواب میں مستفتی کا فائدہ مدنظر رہنا چاہیے۔ اگر فائدہ اس میں نظر آئے کہ سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا جائے' تو پھر ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہی مناسب ہے۔ لیکن اگر مفتی محسوس کرے کہ اس س مستفتی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا' یہ سوال دینی نقطۂ نگاہ سے غیر متعلق ہے تو اس کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ موضوع سے ہٹ کر ایسی باتوں کی نشاندہی کرے جو درحقیقت سائل کے لیے نفع مند ہوں۔ جواب میں اس جزء کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سائل کی حاجت کے پیش نظر کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

دوسرا فائدہ : مفتی کو یہ بھی جائز ہے کہ مستفتی کے سوال سے ہٹ کر جواب دے اور اسے وہ بتلائے جو اس کے اصلی جواب سے زیادہ نفع دینے والا ہو' بالخصوص اس وقت جب کہ اس کے سوال کا جواب بھی ضمناً اس میں آ جاتا ہو بلکہ یہ تو مفتی کے پورے عِلم اور اعلیٰ کمال' بہترین سمجھ اور پوری خیر خواہی کی بات ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے : لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو جواب دے کہ تم جو بھی بھلی چیز نکالو وہ ماں باپ کو دو' قرابت داروں کو دو' یتیموں کو دو' مسکینوں کو دو اور مسافروں کو' تم جو بھی نیکیاں کرو گے اللہ ان سے واقف ہے۔ (البقرۃ : ۲۱۵) دیکھیے سوال تھا کیا خرچ کریں؟ جواب دیا کہاں خرچ کریں؟ اس لیے کہ صرف سوال کے جواب میں وہ فائدہ نہ تھا ساتھ ہی سوال کے جواب پر بھی تنبیہ ہوگئی اور دوسری آیت میں صاف فرما دیا کہ زائد از حاجت چیز جسے دینا گراں نہ گزرے۔ اسی جیسا سوال جواب آیت : ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ﴾ الخ' (البقرہ : ۱۸۹) میں ہے یعنی لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تو جواب دے کہ یہ لوگوں کے لیے حج کے لیے مقررہ وقت بتلانے کے لیے ہے۔ سوال یہ تھا کہ چاند بالکل ہلکا اور چھوٹا سا ظاہر ہوتا ہے پھر بتدریج بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے' پھر گھٹنے لگتا ہے' اس کا سبب کیا ہے؟ جواب میں اس کی حکمت بیان ہوئی کہ بندوں کی مصلحت اور ان کے احوال اور معاش اور عبادت کے وقت کی تعیین اس سے ہوتی ہے۔ سوال کی دو شقیں ہو سکتی ہیں' ممکن ہے کہ سائلوں کا مقصود سبب دریافت کرنا ہو اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حکمت و مصلحت ہی دریافت کی ہو' تو پہلی شق پر تو اصلی جواب سے بہتر جواب دیا گیا' دوسری شق پر عین سوال کا جواب ہوا ان کے سوال کے لفظ دونوں باتوں کا احتمال رکھتے ہیں' انہوں نے پوچھا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ چاند بہت باریک دکھائی دیتا ہے پھر بڑھتا جاتا ہے' یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔

جواب مفصل ہونا چاہیے

تیسرا فائدہ : مفتی کو یہ بھی جائز ہے کہ سائل کے سوال سے زیادہ جواب دے۔ یہ بھی اس کی کامل خیر خواہی' پورا علم اور بہترین ارشاد ہے۔ اس پر جو لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں اس کی وجہ صرف ان کے عِلم کے' ان کے احساس کی تنگی اور ان کی خیر خواہی کی قلت ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے کہ جو شخص سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دے' پھر ابنِ عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث بیان کی ہے کہ محرم کیا پہنے؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کرتا نہ پہنے' عمامہ نہ باندھے' پاجامہ نہ پہنے' جرابیں نہ پہنے' ہاں! اگر جوتیاں نہ ہوں تو ٹخنے سے نیچے

تک کی جرابیں استعمال کر سکتا ہے' اس سے بڑی ہوں تو اسے کاٹ دے۔ خیال فرمایئے کہ سوال یہ ہے کہ محرم کیا پہنے؟ جواب یہ ہے کہ کیا کیا نہ پہنے' ضمناً کیا پہنے؟ اس کا جواب بھی ہو گیا اور ساتھ ہی اُس سے زیادہ یہ بیان بھی ہو گیا کہ کیا کیا نہ پہنے؟ اس میں حکمت یہ ہے کہ نہ پہننے کی چیزیں تو گنتی کی ہیں اور پہننے کی چیزوں کی گنتی باوجود اپنی درازی کے پھر بھی احاطے میں لانا مشکل ہے۔ پس دونوں قسم بیان فرما دیں۔ ساتھ ہی جرابوں کا مسئلہ بھی تفصیل سے دونوں شقوں سمیت سمجھا دیا۔ ٹھیک اسی طرح جب نبی ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔

سائل کی ضرورت وحاجت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے

چوتھا فائدہ : مفتی کی سمجھداری اور خیر خواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ جب اُس سے کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھے اور یہ اس کے جواب میں اُسے اِس سے روکے اور وہ بھی ہو حاجت مند تو اُسے چاہیے کہ اس کے بدلے کی اور کوئی جائز چیز اُسے بتلا دے تاکہ وہ اپنی حاجت مندی جائز چیز سے پوری کر لے اور ناجائز چیز سے بچ جائے۔ یہ کام صرف ان ہی علماء کا ہے جن کے دِل امت کی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہوں۔ ساتھ ہی عِلم بھی کامل حاصل ہو' اللہ سے اجر کے امیدوار ہوں اور اپنے عِلم کے عامل ہوں۔ ان علماء کی مثال ان اطباء جیسی ہے جو مریض کے پورے خیر خواہ ہوتے ہیں' نقصانات سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور نفع دینے والی چیزیں اسے بتلاتے ہیں۔ اسی طرح کے یہ دینی طبیب ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا اُس کے ذمے حق تھا کہ اپنی اُمت کی بھلائی کی جو بات وہ جانتا ہے اسے اپنی امت کو بتلا دے اور جس چیز کو امت کے حق میں بُری جانتا ہے اس سے بھی مطلع کر دے۔ پس رسولوں کے جو صحیح معنی میں خلفاء ہیں اور ان کے بعد ان کے سچے وارث ہیں ان کی بھی یہی شان ہوتی ہے' میں نے اپنے استاد قدس اللہ سرہٗ کو بھی اسی حالت پر پایا' ان کے فتاوے موجود ہیں' آپ دیکھیے ہر جگہ یہ نشان نمایاں پائیں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ اس سے تو روکتے ہیں کہ وہ ایک صاع بہترین کھجوروں کو دو صاع ردی کھجوروں کے بدلے فروخت کریں لیکن ساتھ ہی جائز طریقہ بتلا دیتے ہیں کہ عمدہ کھجوروں کو درہموں کے بدلے بیچ ڈالو۔ پھر ان درہموں سے جیسی کھجوریں چاہو خرید لو۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ مالِ زکوٰۃ کی وصولی پر ہمیں عامل بنایئے تاکہ کچھ مال ہمیں حاصل ہو اور اس سے ہم اپنا نکاح کر سکیں تو آپؐ نے انہیں اس سے تو منع فرما دیا اور محمیہ بن جزعہ کو جو خمس پر مقرر تھا حکم دیا کہ انہیں کچھ رقم دے دو جس سے ان کے نکاح ہو جائیں۔ پس دیکھیے کہ ایک حرام طریق سے انہیں ہٹایا اور اس کے عوض حلال ذریعہ بتلایا۔ دراصل یہ اقتداء ہے رب العالمین واحد لا شریک کی کہ بندہ جب اُس سے اپنی کسی حاجت کے پورا ہونے کی دعا مانگتا ہے اور ہوتی ہے وہ حاجت اُس کے حق میں کسی لحاظ سے بُری تو اللہ تعالیٰ اُسے تو پوری نہیں فرماتا اور اس سے زیادہ نفع والی اور اُس سے بہتر اصلاح والی چیز اسے عطا فرماتا ہے۔ یہ ہے غایت کرم و حکمت۔

غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہیے

پانچواں فائدہ : جب مفتی کسی سائل کو اس کے کسی سوال کا جواب دے اور اس کے دِل میں یہ کھٹکا گزرے کہ شاید سائل کے دِل میں میرے اس جواب سے کوئی اور غلط فہمی نہ پیدا ہو گئی ہو تو اسے چاہیے کہ وجہ احتراز بھی بیان کر دے' یہ بھی علم و خیر خواہی اور ارشاد کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ دیکھیے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ مؤمن کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور نہ کسی ذمی کافر کو اس کی ذمہ داری کی حالت میں قتل کیا جائے۔ اس میں دوسرے فرمان کو پہلے فرمان کے ساتھ ہی بیان فرماتے ہیں' یہی مصلحت ہے کہ پہلے فرمان سے کہیں یہ وہم پیدا نہ ہو گیا ہو کہ کافروں کے خون مطلقاً قابل قصاص نہیں گو وہ ذمی ہوں کیونکہ حکم یہ ہے کہ کوئی مؤمن کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا پس اس خیال کا امکان ہٹا دینے کے لیے اسی کے بعد فرما دیا کہ کوئی ذمی کافر اپنے ذمے کی حالت میں قتل نہ کیا جائے۔ اس بہترین باریک نکتے کی طرف جن کی رسائی نہ ہوئی انہوں نے مسئلہ بنا لیا کہ معاہدہ والے کفار کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جا سکتا ہے اور انہوں نے حدیث میں لفظی مقدر مان کر یہ کہا کہ کوئی معاہدے والا اپنے عہد میں کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز ادا کرو۔ جب ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا تو ہو سکتا ہے کہ خیال پیدا ہو کہ یہ قبر کی تعظیم کے لیے ہے' پھر ہو سکتا ہے کہ اس تعظیم میں مبالغہ ہو اور قبر کو قبلہ مقرر کر لیا جائے اس لیے ساتھ ہی دوسرا جملہ فرما دیا کہ ان کی طرف نماز نہ پڑھو۔ ٹھیک اسی طرح قرآن کی یہ آیت ہے کہ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تم میں اللہ کا ڈر ہو۔ پس تمہیں نرم آواز سے نہ بولنا چاہیے کہ کوئی بیمار دِل کچھ لالچ کر بیٹھے تو معقول اور دستور کے مطابق بات کرو۔ جب نرم بات کرنے کی ممانعت کی تو ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سختی سے بولنا چاہیے اس وہم کو یہ فرما کر ٹال دیا کہ بات مطابق دستور' گھر گرہست عورتوں کی طرح معمولی طور پر کیا کرو۔ اسی طرح کی یہ آیت ہے کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے اور ان کی اولادوں نے بھی ایمان میں ان کی تابعداری کی ہے' ہم ان کی اولادوں کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ جب یہ فرمایا کہ اولادوں کو ان کے ساتھ ملا دیں گے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب ان کے اعمال نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ ماں باپ کو ان کے درجوں سے اُتار دیا جائے گا تاکہ سب کا ایک درجہ ہو جائے۔ اس وہم کو مٹانے کے لیے ساتھ ہی فرما دیا کہ ان کے ماں باپ کے اجر گھٹائے نہیں جائیں گے بلکہ بچّوں کے درجے بلند کر دیئے جائیں گے۔ پھر ہو سکتا تھا کہ کسی کو خیال ہو کہ یہی حال دوزخیوں کا ہو گا۔ اس لیے فرما دیا کہ : ﴿كُلُّ امْرِىءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (طور : ۲۱) ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل میں رہن ہے۔ اسی طرح فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے ربّ کی عبادت کروں جس نے اُسے باحرمت بنایا ہے۔ (النمل : ۹۱) اسی کے لیے ہر چیز ہے۔ پس پہلے جملے سے ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی باحرمت شہر کا مالک ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ ہی فرما دیا کہ تمام چیزوں کا مالک وہی ہے۔ اسی طرح فرما ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ کرے' اللہ اُسے کافی ہے۔ (الطلاق : ۳) اللہ اپنا امر پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے یعنی وقت مقرر کر رکھا ہے' اس سے وہ تجاوز نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے مقررہ وقت پر پہنچا ہی دیتا ہے۔ پس توکل کرنے والے کو جلدی نہ کرنی چاہیے کہ کہنے لگے میں نے توکل بھی کیا' دُعا بھی کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا' نہ کفایت ہوئی بلکہ اُسے سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

امر کو اس وقت تک اور اس انداز پر یقیناً پہنچا کر رہے گا جو اس نے خود اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ الغرض اس قسم کی مثالیں قرآن و حدیث میں بہت سی موجود ہیں اور مسائل کے سمجھنے کا یہ ایک نہایت ہی لطیف باب ہے۔

فتویٰ مدلل ہونا چاہیے

آج کل افتاء کا جو طریق ہمارے ہاں رائج ہے وہ صرف جائز' ناجائز اور مباح و مندوب کی صراحت کر دینے پر اکتفا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اسلوبِ افتاء اس سے مختلف تھا۔ آپؐ کا کہنا اگرچہ بجائے خود حجت و استفتاء کا ایک پیمانہ ہے تاہم آپؐ صرف کہنے اور بتا دینے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اس کی حکمت کی بھی وضاحت فرماتے۔ اس سے صرف آپؐ کی شفقت و محبت ہی کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ آپؐ کے اسلوبِ افتاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ بہترین جواب وہ ہے جو مدلل ہو' واضح ہو اور اس میں ان شکوک کا خیال رکھا گیا ہو جو سائل کے دِل میں اُبھر سکتے ہیں۔

چھٹا فائدہ : مفتی کو یہ بھی چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو حکم کی دلیل اور اس کی اصلیت بھی بتا دے' سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ' بے دلیل ہی نہ چھوڑ دے۔ ایسا کرنے والے تنگ دِل اور کم عِلم ہوتے ہیں۔ تم رسول کریم ﷺ کے فتووں کو دیکھو حالانکہ آپؐ کا محض فرمان ہی اپنی ذات سے مستقل دلیل ہے تاہم تم دیکھو گے کہ آپؐ عموماً حکم کی حکمت' اس کی نظیر اور اس کی مشروعیت کی وجہ پر ضرور تنبیہ فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپؐ سے سوال ہوا کہ تر کھجوروں کو سوکھی کھجوروں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ تو آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کو یہ قطعاً معلوم تھا کہ تر کھجور خشک ہو کر وزن میں ضرور کم ہو جاتی ہے۔ پھر بھی اسی بات کو جو دریافت فرمایا یہ اس لیے کہ اس کی ممانعت کی وجہ لوگوں کی سمجھ میں آ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپؐ سے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے پوچھا اگر تم کلی کر کے پانی مُنہ سے نکال دو تو اس سے روزے میں کچھ نقصان ہو گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مطلقاً نہیں۔ اس سے بھی گویا آپؐ نے بوسے کے جائز ہونے کی طرف اشارہ فرمایا کہ ممنوع چیز کے مقدمے کے لیے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ وہ بھی ممنوع ہی ہو۔ بوسہ گویا جماع کا مقدمہ ہے' جماع کی حرمت سے اس کی حرمت لازم نہیں آتی۔ جیسے کہ پانی کو مُنہ میں لینا پانی پینے کا مقدمہ ہے لیکن وہ حرام نہیں۔ اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی پر اور اس کی خالہ پر نکاح میں نہ لایا جائے اگر تم نے ایسا کیا تو صلہ رحمی قطع ہو جائے گی پس حکم بتلا کر حرمت کی علت کی تنبیہ کر دی۔ حضرت ابو النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے ایک خاص لڑکے کو ایک غلام دے دیا تو آپ نے اُن سے پوچھا کیا تمہیں یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ تمہاری سب اولاد تمہاری برابر خدمت کرے۔ انہوں نے کہا ہاں! ضرور۔ آپ نے فرمایا پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرتے رہو۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ اچھا نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ ایک روایت میں ہے کہ جاؤ کسی اور کو گواہ رکھ لو۔ اس میں اجازت نہیں بلکہ ڈانٹ ہے کیونکہ یہ کام ظلم ہے تو اس کی اجازت آپ کیسے دیں گے؟ الغرض حکمت حکم کا اشارہ نبی ﷺ نے کر دیا۔ اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ کل ہم دشمن سے ملیں گے' ہمارے ساتھ چھریاں نہیں' کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیں؟ آپؐ نے فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اس کے ذبح پر اللہ کا نام

لے لیا جائے' اُسے کھالو۔ ہاں! دانت اور ناخن سے ذبیحہ نہ ہو۔ اس کی وجہ بھی میں بیان کر دیتا ہوں' دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔ پس ان دونوں سے ذبیحہ نہ کرنے کی علت آپ نے واضح کر دی ہے کہ ایک تو ہڈی ہے' ہڈیوں سے ذبیحہ نادرست ہے یا تو اس لیے کہ بعض ہڈیاں نجس ہوتی ہیں یا اس لیے کہ پھر وہ مؤمن جنات کے مطلب کی نہیں رہیں گی' ناخن اسے ذبح کرنا شعار ہے حبشی کافروں کا اور ان سے تشبیہ ممنوع ہے۔ اسی طرح فرمان ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں کیونکہ وہ نجس ہیں' یہاں بھی وجہ حرمت ظاہر فرما دی۔ اسی طرح جو شخص کسی باغ کے پھل خریدے پھر آفت آسمانی سے وہ ضائع ہو جائیں تو آپ فرماتے ہیں کہ فرض کرو پھل ہوتا ہی نہیں تو کیا کر لیتے؟ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال ناحق کس برتے پر کھا جاتا ہے؟ یہاں بھی سبب بیان فرما دیا۔ بعینہٖ یہی سبب اس صورت میں بھی ہے کہ کوئی شخص زراعت کے لیے زمین اُجرت پر لے پھر کسی آسمانی آفت سے کھیتی برباد ہو جائے تو بے شک اجرت پر زمین دینے والے سے ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔ یہی ٹھیک ہے اور اسی کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ پسند فرماتے ہیں۔ الغرض خود وہ پیغمبر ﷺ جن کا قول دلیل شرع ہے' اُمت کو احکام کی علتیں' ان کے درجے' ان کے اسباب بتلا دیا کرتے ہیں اسی طرح آپ کے وارثوں کو بھی آپ کے بعد یہی چاہیے۔ دیکھیے کنکر اُچھالنے سے منع فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ کے پاس مقدمہ آتا ہے کہ اس نے میرے دانت توڑ دیئے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میری انگلیاں کاٹے کھا رہا تھا۔ میں نے جھٹکا دے کر اس کے منہ سے اپنا ہاتھ نکالا' اس میں اس کے دانت جھڑ گئے تو آپ نے اس کے دانتوں کا کوئی بدلہ اس سے نہ دلوایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ کیا یہ اپنا ہاتھ تیرے مُنہ میں ہی رہنے دے کہ تو اونٹ کی طرح اس کا ہاتھ چبا جائے؟ یہاں بھی آپ نے وجہ بتلا دی کہ اُس کے جس عضو کو یہ برباد کرنا چاہتا تھا اس نے بچانا چاہا۔ اس میں اسے نقصان پہنچا تو یہ اسی کا قصور ہے' اس کا بدلہ نہیں دلایا جائے گا۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ الغرض مفتی کو چاہیے کہ سائل کے سامنے حکم کی علت کا اظہار کر دے' اس کی اصل ظاہر کر دے......... اگر وہ خود بھی دلیل واصل نہیں جانتا تو پھر اُسے فتویٰ دینا بھی حرام ہے۔ خود قرآنِ کریم نے بھی بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن میں علت و مدار کو ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً فرمانِ الٰہی ہے : لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ گندگی ہے۔ پس حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ یہاں علت حکم کا بیان حکم سے پہلے موجود ہے۔ فرمان ہے کہ جو مال فئے اللہ تعالیٰ اِدھر اُدھر سے دلوائے وہ حصہ ہے اللہ' رسول کا اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ یہ اس لیے کہ تم میں سے مالداروں کے قبضے میں ہی یہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح فرمان ہے کہ چور مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے۔ اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ احرام والا شکار کھیل لے تو اس کے بدلے کا حکم دے کر وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے کہ وہ اپنے کام کا وبال چکھ لے۔

جواب سے پہلے تمہید کی ضرورت

اس سے پہلے آدابِ افتا کے ضمن میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ افتا مفصل ہونا چاہیے۔ اب اس تفصیل کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں ایسے تمہیدی کلمات بھی ہونے چاہئیں جن سے نفس مسئلہ کے ضروری متعلقات پر روشنی پڑ سکے اور انسان نفسیاتی طور پر اس فیصلے کو ماننے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ پائے

جس کا اظہار آپ فتووں کی صورت میں کرنا چاہتے ہیں۔ غرض یہ کہ افتا خدائی قانون اور فقہ کا شعبہ نہیں بلکہ فریضہ تبلیغ و دعوت کی ایک شاخ ہے۔ اس لیے جو بات بھی بیان کی جائے اس میں اس حقیقت کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کسی طرح یہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور سننے والے یا دریافت کرنے والے کی بہرحال ذہنی و قلبی تسلی کا موجب بنے۔

ساتواں فائدہ : جب کہ حکم کوئی ایسا ہی غیر مانوس ہو' سوال کرنے والے کی طبیعت کے اور اس کے سننے کے یکسر خلاف ہو بلکہ اس کے برعکس اس کے دِل میں بیٹھا ہوا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ اس سے پہلے بطورِ مقدمہ کے اور اس لیے کہ پچھلی بات اس کے دِل میں بیٹھ جائے کچھ ایسی باتیں کرے جو دلیل بن سکتی ہوں۔ دیکھو قرآنِ کریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قِصّہ بیان کرنا تھا اور یہ کہ بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے جو عادۃً محال تھا اس لیے اس سے پہلے زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ دونوں میاں بیوی کی آخری عمر میں اللہ نے ان کے ہاں اولاد دی۔ (مریم : ۴' ۷) جو عادت اور روز مرہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس واقعہ کو بیان فرما کر گویا سننے والے کے نفس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ اللہ کی قدرتوں کو کسی ظاہری سبب کے ماتحت اور قواعد کلیہ کی پابندی میں اللہ کو مجبور نہ سمجھے۔ جب اس کی تصدیق اس کے دل میں بیٹھ گئی اب حضرت مریمؑ کا ذکر فرما کر پھر ان کے ہاں قدرتِ الٰہی سے بن باپ کے بچہ ہونے کا واقعہ بیان فرمایا۔ اسی طرح اور مقام پر مسیح علیہ السلام کی ولادت کے قِصّے سے پہلے آپ کی والدہ حضرت مریمؑ کو بے موسمی میوے ملنے کا ذکر فرمایا۔ (آلِ عمران : ۳۷) جسے دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی جرأت ہوئی کہ جو اللہ اسے بے موسم میوے دیتا ہے وہ مجھے بے وقت اولاد دینے پر بھی قادر ہے۔ اسی طرح قبلے کی تبدیلی کا مسئلہ ہے چونکہ یہ چیز نفس پر گراں گزرنے والی تھی اس لیے اس کے حکم سے پہلے بہت سی ایسی چیزیں بیان فرمائیں کہ جن کے سننے سے دِل اس حکم کی قبولیت کے لیے آمادہ ہو جائے۔ بیان فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بعض احکام منسوخ بھی فرماتا ہے جو حکم منسوخ کیا جائے اُس سے بہتر یا اُسی جیسا اور حکم آ جاتا ہے۔ (بقرہ : ۱۰۶) وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز کو جانتا ہے پس اس کی عام قدرت اور عام عِلم دوسرے حکم کی قابلیت اُسی طرح رکھتا ہے جس طرح پہلے حکم کی۔ ساتھ ہی لوگوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے سے دھمکایا کہ اگلی اُمتوں نے جس طرح اپنے انبیا علیہم السلام کی بے ادبی کی تم نہ کرنا بلکہ جو حکم ملے مان لیا کرو اور اس پر عامل بن جایا کرو۔ ساتھ ہی تنبیہ کی کہ یہودی صفت نہ بنو۔ ان کی خصلتوں سے دور بھاگو۔ ان کا تو یہ عین منشاء ہے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنا لیں' ساتھ ہی فرمایا کہ یہودیت اور نصرانیت دخولِ جنّت کی چیز نہیں۔ دخولِ جنّت کا ذریعہ اسلام ہے۔ جس میں مقصود نیت' عمل' طریقہ سب اللہ کی مرضی کے ماتحت ہوتا ہے۔ پھر اپنی کشادگی کا بیان فرمایا کہ نمازی کا مُنہ جدھر ہو اللہ کا چہرہ وہیں ہیں' وہ وسعت والا ہے' وہ عِلم والا ہے۔ ذاتی طور پر اور علمی طور پر وہ سب کا محیط ہے' نہ یہ خیال کرو کہ پہلے قبلے کے وقت تم اس کی طرف متوجہ نہ تھے' نہ یہ خیال کرو کہ اب تم اس کی طرف منہ کیے ہوئے نہیں ہو بلکہ تم جس طرف مڑو اسی طرف اللہ کا مُنہ ہے۔ ساتھ ہی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب وغیرہ مشرکوں کی خواہش کو ماننے سے روکا۔ آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو صرف اپنی وحی کے ماننے کا حکم دیا اور یہ کہ ان کے دلوں کی توجہ صرف ذاتِ واحد کی طرف ہی ہونی چاہیے پھر بیت الحرام کی عظمت بیان فرمائی' اس کے بانی کی عظمت بیان فرمائی' اس کے دین کی بزرگی بیان فرمائی اور اس سے منہ موڑنے والوں کی بیوقوفی کا اظہار کیا۔ اس کی تابعداری کی رغبت دلائی۔ الغرض ان سب باتوں کو اس لیے بیان فرمایا کہ مسلمانوں کے دِل اس نئے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہو جائیں۔ جواب انہیں ملنے والا ہے

جس میں ان کے بڑے بڑے فوائد تھے اور جس میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ پھر اس امت کی فضیلت بیان فرمائی' اس کا عادل ہونا' اس کا بہتر ہونا ذکر فرمایا جس کا اقتضاء صاف ہے کہ ان کے نبی (ﷺ) سب نبیوں (علیہم السلام) میں افضل و بہتر ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب سب کتابوں میں اعلیٰ و عمدہ ہے۔ اسی طرح ان کا دین سب ادیان سے فوقیت اور کمال رکھتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ان کے قبلے کا حال ہے۔ ان شرعی اور قدری مناسبتوں کا ذکر فرما کر ان حکمتوں اور مصلحتوں کو کھول کر پاک صاف' روشن اور نورانی عقلوں کو بالکل مائل کر دیا کہ اب خواہ کیسا ہی خلافِ طبع حکم آ جائے یہ بے چون و چرا منظور کر لیں اور سرمو عذر و تامل کیے بغیر لبیک پکار اٹھیں۔ اتنا مادہ ان میں تیار کر کے انہیں حکم دیا کہ بیت المقدس کو چھوڑ دو اور اب کعبے کو قبلہ بنا لو۔ نمازوں کے وقت بیت اللہ الحرام کی طرف منہ رکھو۔ اسی طرح مفتی پر بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسا غیرمانوس حکم سنانے سے پہلے ان چیزوں کو بطورِ تمہید اور مقدمے کے ذکر کرے جن سے دِل اس حکم کے ماننے کی طرف مائل ہو جائے' طبیعت سے جھجک نکل جائے۔

تائید اور اظہارِ یقین کی غرض سے مفتی قسم کا استعمال کر سکتا ہے

آٹھواں فائدہ : مفتی اور مناظر کو اپنی تحقیق پر قسم کھانی بھی جائز ہے گو اس کی قسم سائل اور مناظر کے نزدیک موجب ثبوت نہ بھی ہو۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ مقابل کو معلوم ہو جائے کہ یہ پختگی کے ساتھ اسی ثبوت پر ہے خود اسے اس کی حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ دو شخص کسی مسئلے میں اُلجھ رہے تھے ایک نے اپنے عقیدے پر قسم کھائی تو دوسرے نے کہا کہ آپ کی قسم سے تو میرے نزدیک یہ مسئلہ ثابت ہونے سے رہا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس لیے قسم ہی نہیں کھائی' میری قسم اس لیے ہے کہ تم یہ جان لو کہ مجھے کامل یقین اور پختگی ہے' تمہارے شبہ سے میرے عقیدے میں کوئی کمی نہیں آئی' میں مضبوطی سے اپنی تحقیق پر قائم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تین موقعہ پر قرآنِ کریم میں اپنے نبی ﷺ کی حقانیت پر قسم کھانے کا خود حکم دیا ہے۔ ① فرمان ہے کہ یہ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے؟ تو جواب دے کہ مجھے میرے پروردگار کی قسم یہ سراسر حق ہے۔ (یونس : ۵۳) ② کافر کہتے ہیں قیامت آنے کی ہی نہیں تو کہہ دے کہ قسم اللہ کی جو عالم الغیب ہے' قیامت یقیناً آئے گی۔ (سبا : ۳) ③ کافروں کا گمان ہے کہ وہ روزِ قیامت دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے' تو کہہ دے کہ قسم ہے میرے پروردگار کی تم یقیناً دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ (تغابن : ۷) پس ان تین آیتوں میں تو جو آپ لے کر آئے تھے اس کی حقانیت پر قسمیں ہیں اور تقریباً اسّی حدیثوں میں آپ نے اپنی دی ہوئی خبروں کی حقانیت پر قسم کھائی ہے جو صحیح اور مسند حدیثوں میں موجود ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اپنے فتووں اور روایتوں میں قسم کھایا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ اے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما! تم عورتوں سے متعہ کرنے کے جواز کے فتوے میں دیوانگی کی حد تک پہنچ چکے ہو۔ ذرا خیال سے فتویٰ دیا کرو۔ واللہ اللہ شاہد ہے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کر کے فرماتے ہیں کہ لوگو! اللہ کے رسول ﷺ نے تین مرتبہ متعہ کو حلال کیا اور تین بار ہی حرام فرمایا۔ سنو اللہ کی قسم اگر مجھے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان نے متعہ کیا ہے تو میں اُسے سنگسار کر دوں گا۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی میرے پاس چار گواہ پیش کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیسری آخری مرتبہ کے حرام کے بعد بھی حلال کیا ہے تو اور بات ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنے بعض جوابوں میں قسم کھائی

ہے۔ آپ سے سوال ہوا کہ متعہ کے بعد طلاق ہوگی؟ میراث ہوگی؟ خرچ ملے گا؟ شہادت ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا واللہ میں نہیں جانتا۔ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کہے کہ قرآن یا قرآن کی کچھ آیتیں مخلوق ہیں اللہ کی قسم وہ زندیق ہے۔ ایک حدیث کی روایت کے بارے میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا اسے کون جھٹلاتا ہے؟ اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسے صرف زندیق لوگ غلط بتلاتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قسمیہ فتوے

امام احمد رحمہ اللہ نے بہت سے فتوے قسمیہ دیئے ہیں۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ بھی اعضائے وضو کو دھو سکتا ہے؟ تو آپ فرماتے ہیں واللہ! نہیں سوائے اُن کے جو وسوسوں میں مبتلا ہیں۔ پوچھا جاتا ہے کہ وضو میں ڈاڑھی کا خلال کرنا چاہیے؟ فرماتے ہیں اللہ کی قسم کرنا چاہیے۔ پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ دو صفوں کے درمیان کسی خاص شخص سے بغیر اجازت امام کے کوئی مقابلہ کرے؟ فرمایا واللہ جائز نہیں۔ پوچھا گیا کیا محراب میں نماز آپ کے نزدیک مکروہ ہے؟ واللہ مکروہ ہے۔ پوچھا گیا قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم کافر ہے۔ سوال ہوا کہ کیا نبیذ کے بارے میں آپ کے نزدیک کوئی حدیث ثابت ہے؟ فرمایا واللہ ایک بھی ثابت نہیں سوائے حرمت کے۔ سوال ہوا کیا سیاہ خضاب حرام ہے؟ فرمایا واللہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کیا بیٹا باپ کی امامت کر سکتا ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم کر سکتا ہے۔ سوال ہوا کیا نماز کی حالت میں پھونک مارنا مکروہ ہے؟ جواب دیا ہاں اللہ کی قسم مکروہ ہے۔ سوال ہوا عورت کو چت لیٹ کر سونا کیا مکروہ ہے؟ جواب دیا ہاں اللہ کی قسم! مکروہ ہے۔ سوال ہوا کیا مسلمان اہل کتاب لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے؟ فرمایا واللہ نہیں کر سکتا۔ پوچھا گیا ایک شخص اپنی لونڈی گروی رکھتا ہے، پھر اس سے وطی کرتا ہے درآنحالیکہ وہ رہن ہے۔ فرمایا اللہ کی قسم جائز نہیں۔ پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اور فیصلہ ہے کہ کسی شخص نے سخت پیاس کی حالت میں کسی قوم سے پانی طلب کیا۔ ان لوگوں نے اُسے پانی نہ پلایا اور وہ پیاس کے مارے مرگیا تو اُن لوگوں کو اُس کی دیت دینی پڑے گی۔ کیا آپ کا بھی یہی فتویٰ ہے؟ جواب دیا ہاں اللہ کی قسم! میرا بھی یہی فتویٰ ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص کو تہمت کی حد لگائی جا چکی ہے پھر وہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو کیا لعان ہوگا؟ آپ نے فرمایا واللہ ہوگا۔ سوال ہوا کہ کیا مالک اپنے غلام کو واجبی سزا دے سکتا ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم دے سکتا ہے۔ ان مسائل کا ذکر قاضی ابو علی شریف رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ آپ کے صاحبزادے صالح کی روایت میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں واللہ مجھے اپنے بارے میں سخت مصیبت جھیلنی پڑی۔ میری تمنا ہے کہ اللہ کرے میں اس بارے میں برابر سرابر چھوڑ دیا جاؤں نہ مجھے ثواب ملے نہ عذاب ہو۔ ارشاد ہے میں تو اس امر میں موت کا خواہش مند ہوں۔ یہ تو دنیا کا فتنہ ہے سوال ہوا کہ کیا سونے کی اور لوہے کی انگوٹھی مکروہ ہے؟ فرمایا ہاں واللہ مکروہ ہے۔ پوچھا گیا ایک شخص اپنی بیوی کے پاس جائے اور اُسے عورتوں کی خواہش نہ ہو تو کیا اُسے اجر ملے گا۔ فرمایا ہاں واللہ ملے گا اُسے اولاد کی تمنا ہونی چاہیے اور اگر نہ بھی ہو تو بھی مگر یہ کہ کہتا ہو کہ یہ جوان عورت ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ مراتب بیان کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ٹھہر جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا واللہ لوگوں نے مجھ پر یہ جھوٹ باندھ لیا ہے میں نے تو انہیں بروایت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہماری یہ بات پہنچی تھی لیکن آپ اس کا انکار نہیں کرتے تھے، نہ آپ

نے یہ فرمایا ہے کہ ان کے بعد کے اور اصحاب میں فضیلت قائم نہ کرو۔ پس جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذکر پر ٹھہر جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر نہ گنے وہ سُنّت پر نہیں ہے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کیا میدانِ جہاد کا قیام مکّہ شریف کی رہائش سے بھی افضل ہے؟ فرمایا: ہاں قسم ہے اللہ کی۔ آپ سے سوال ہوا کہ جب ابنِ اسحٰق ہی صرف کسی حدیث کا راوی ہو تو کیا ہم اُسے قبول کرلیں؟ فرمایا نہیں واللہ میں نے اُسے دیکھا ہے کہ کئی لوگوں سے حدیث روایت کرتا لیکن ایک کے کلام کو دوسرے سے الگ نہ کرتا۔ سوال ہوا کہ نماز میں سانپ بچھو کا مارنا درست ہے؟ فرمایا ہاں اللہ کی قسم درست ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت صالح رحمہ اللہ نے پوچھا کہ ابا جی! کیا آپ نماز میں اونچی آواز سے آمین کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ کی قسم امام ہوں یا امام نہ ہوں ہر صورت میں۔ پوچھا امام بھولے تو بتلا دیا جائے؟ فرمایا ہاں! واللہ۔ پوچھا گیا کہ کیا عقیقے کے بارے میں کچھ ثبوت ہے۔ فرمایا ہاں! واللہ کئی حدیثوں میں ہے کہ لڑکے کے عقیقے کی دو برابر کی عمدہ بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ پوچھا کہ کیا مردوں کے لیے تسبیح اور عورتوں کے لیے ہاتھ کی دستک ہے؟ فرمایا ہاں واللہ! پوچھا گیا نماز کو شروع کرنے کی نیت سے تکبیر کہہ لینا کافی ہے؟ فرمایا واللہ کافی ہے جبکہ نیت ہو۔ ابنِ عمرو' ابنِ زید رضی اللہ عنہم ۔ سوال ہوا کہ کیا مؤذن اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے؟ فرمایا واللہ ہاں! حضرت سفیان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک عورت مرگئی' اس کے پیٹ میں بچہ ہے اور وہ بچّہ حرکت کرتا ہے تو انہوں نے کہا اس کا پیٹ چاک کر کے بچّہ نکال لینے میں کوئی حرج نہیں یہ سن کر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا واللہ انہوں نے بہت برا جواب دیا بار بار اسی کو دہراتے رہے۔ دریافت کیا گیا کہ ایک مرد دو عورتوں کی شہادت طلاق کے بارے میں جائز ہے؟ فرمایا واللہ جائز نہیں۔ پوچھا گیا کہ جب مرجبہ سردار ہو؟ فرمایا واللہ وہ تو ظلم و ستم کرے گا۔ پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے' مخلوق نہیں ہے لیکن میرے یہ لفظ اس کے ساتھ مخلوق ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ جس نے یہ کہا وہ تو سارا ہی کام لایا۔ بہرحال وہ کلام اللہ ہی ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ((الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ)) والی حدیث ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ تو اسی میں ہے جو آپ کے ساتھی لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں قسم ہے اللہ کی بلکہ وہ کلام اللہ ہے۔ یہ بھی اور اس کے سوا اور بھی وہ سب کلامِ الٰہی ہے۔ سائل نے خود بسم اللہ پڑھ کر ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ﴾ سے ﴿ یَعْدِلُوْنَ ﴾ تک پڑھ کر دریافت کیا کہ یہ جو میں نے اب پڑھا کیا یہ کلام اللہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اللہ کی یہ کلام اللہ شریف ہے اور جو کہے کہ میرے لفظ قرآنِ کے ساتھ مخلوق ہیں وہ تو پورا ہی کام لایا۔ آپ سے سوال ہوا کہ شعبی رحمہ اللہ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نذر مانی تھی تو شعبی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ تو اپنی نذر پوری کر۔ کیا آپ کا خیال بھی یہی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں واللہ میرا خیال یہ نہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن سعید قطان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا واللہ ہم نے اُن جیسا کسی اور کو نہیں پایا۔ آپ نے جو رسالہ مدد کی طرف مکہ بھیجا اس میں مذکور ہے کہ کسی آنکھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر وجود کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر وجود کسی نگاہ سے گزرا اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص کسی کی نگاہ سے گزرا۔ واللہ یہ چاروں خلفاء راشدین تھے جو راہ یافتہ تھے۔ رضی اللہ عنہم ۔ جابر جعفی کی نسبت آپ سے سوال ہوا' آپ نے فرمایا وہ شیعہ کا خیال تھا۔ پوچھا گیا کہ کیا یہ روایت حدیث کے بارے میں اس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔ فرمایا ہاں واللہ ہے۔ اب اگر اعتراض کیا جائے کہ مختلف فیہا مسائل میں قسم کھا لینا امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک کیسے روا ہوگیا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اصولی مسائل میں تو سرے

سے اختلاف جائز ہی نہیں وہ تو اجماعی ہیں۔ رہے فروعی مسائل تو جب ان میں سے کسی کی صحت کا غالب گمان ہو گیا ہو تو بے شک اس پر قسم کھا سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھے کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے دفتر میں لکھا پاتا ہے کہ فلاں پر میرا اتنا روپیہ قرض' چاہے تو اپنے گمان کے غلبے کی بناء پر بلاشک وہ اس رقم کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اُس پر قسم بھی کھا سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ کیا پڑوسی کے شفعہ کے گرا دینے کے لیے قسم کھانا منع نہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہاں قسم حاکم کے سامنے ہے اور نیت مقابل کی معتبر ہے نہ کہ قسم کھانے والے کی۔ میں کہتا ہوں کسی نے اس قسم سے ممانعت نہیں کی بلکہ پڑوس کا شفعہ ان کے نزدیک ایسا ہے کہ اس کا قول اس میں چل سکتا ہے اس بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں ہیں جو رَد نہیں ہو سکتیں۔ اسی لیے ان کا قول اس میں مختلف ہے کبھی تو ثابت کیا ہے اور کبھی انکار کیا ہے اور کبھی تفصیل کی ہے کہ اگر ملکیت کے حقوق میں شرکت ہے مثلاً راستہ' پانی وغیرہ تو ثابت ہے اور اگر دونوں ان میں سے کسی چیز میں شریک نہیں تو ثابت بھی نہیں۔ ٹھیک بات بھی یہی ہے' جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اسی سے حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ شیخ الاسلام ؒ کا اختیار بھی یہی ہے۔ بصرے کے فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے وہ اس کے سوا کسی اور قول کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فتووں میں اور روایتوں کے بیان میں قسمیں کھائی ہیں۔ یہ صرف ان کی تحقیق' تاکید اور اپنے خیال کی پختگی کے بیان کے لیے ہوتی تھیں نہ یہ کہ مدارِ ثبوت ان قسموں پر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ ایسا ہی حق ہے جیسے کہ تم بولتے چالتے ہو۔ فرماتا ہے تیرے رب کی قسم لوگ مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے تمام آپس کے اختلاف میں اے نبی تجھے حاکم نہ بنا لیں۔ فرمان ہے قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم ان سب سے ان کے اعمال کی باز پرس یقیناً کریں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی قسم بھی کھائی ہے۔ مثلاً: ﴿ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ○ قٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ○ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○ ﴾ اسی طرح اپنی مخلوقات کی بھی جو اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے بہت سی آیتوں میں قسم کھائی ہے۔



فتویٰ میں قرآن و حدیث کے الفاظ سے استفادہ کرنا چاہیے

فتویٰ نویسی کے بارے میں یہ بہت نفیس ہے کہ اس میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ براہِ راست قرآن و حدیث کے الفاظ نقل کیے جائیں اور اس کے بعد استدلال کا نہج اختیار کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی طرزِ عمل رہا۔ اُن سے جب کسی سائل نے کچھ پوچھا تو انہوں نے جواب میں قرآن کی کوئی آیت پڑھ دی یا تائید میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عِلم و ادراک کے تقویٰ کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ قرآن و حدیث کے سرچشمۂ ہدایت کو فکر و نظر کے سامنے رکھا۔ ان کے بعد افتاء کا ڈھنگ بدلا اور یہ روایت قائم ہوئی کہ قرآن و سُنّت کی تصریحات و نصوص کی بجائے فقہ کی مخصوص اصطلاحوں کے ذکر پر اکتفا کیا جانے لگا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ بتدریج اس پاک روشنی سے محروم ہوتے چلے گئے۔

نواں فائدہ : مفتی کو چاہیے کہ قرآن و حدیث کے لفظوں سے فتویٰ دے اور جہاں تک ہو سکے اس کی پابندی کرے' اس میں حکم بھی آ جاتا ہے اور دلیل بھی اور پورا بیان بھی وہ حکم ہے جو اپنے اندر صحت لیے ہوئے ہے' دلیل کو شامل ہے اور بہترین بیان ہے۔ کسی مخصوص فقیہ کے قول کو بیان کر دینا ایسی چیز نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم' تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے مسلک پر چلنے والے کل دیندار اماموں کا یہی طریقہ تھا اور وہ اسی جستجو میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بعد وہ لوگ آئے جنہوں نے پاک صاف احکامِ قرآنی اور حدیث کے نصوص سے اعراض کر لیا' ان کے الفاظ کے علاوہ کچھ الفاظ تراش لیے جن سے نصوص کو چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان کے یہ الفاظ وہ وفا نہیں کر سکتے جو نصوص میں تھی' حکم بھی دلیل بھی اور بہترین بیان بھی۔ پس اس وجہ سے امت میں بہت سے بگاڑ اور فساد پیدا ہو گئے جنہیں اللہ ہی جانتا ہے۔

الفاظِ نصوص معصوم تھے' محفوظ تھے' دلائل تھے خطا سے' غلطی سے' تناقض سے' تنگی اور سختی سے' اضطراب اور کشاکشی سے پاک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی پابندی اور ان کے رواج سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم بعد والوں کے علوم پر فائق رہے اور بہت صحیح ثابت ہوئے۔ ان کی خطاء بہ نسبت بعد والوں کے بہت ہی کم رہی۔ پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو صحت میں اور خطا نہ ہونے میں ان سے وہی نسبت رہی جو جسمانی نسبت تھی اور اپنے بعد والوں سے انہیں بھی وہی فوقیت اور برتری حاصل رہی جو ان پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تھی۔ اسی طرح نیچے اُترئیے اور یہی مرتبے قائم کرتے جائیے۔ اس کے بعد تو بدعتیوں نے اور خواہش کے غلاموں نے بالکل ہی قرآن و حدیث کے الفاظ ترک کر دیئے۔ یہی وجہ ہے جو ان کے مسائل اور دلائل بالکل بادِ ہوائی ہو گئے' فساد اور اضطراب اور تناقض سے نہ بچ سکے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو صاف فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے یا یہ کیا ہے جب تک یہ چیز انہیں ملے ایک انچ اِدھر اُدھر وہ نہیں ہٹتے تھے' ان کے جوابوں کو دیکھو پوری طرح تشفی بخش اور میراب کن پاؤ گے۔ جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا توں توں نورِ نبوت سے لوگ پرے ہٹتے گئے' یہ پاک نشہ اُترتا چلا گیا اور یہ صاف کپڑا میلا ہو گیا یہاں تک کہ اب ان متاخرین کے نزدیک تو اس طرح جواب دینا کہ قرآن میں یوں ہے' حدیث میں یوں ہے عیب سمجھا جانے لگا۔ انہوں نے تو اصول گھڑ لیے اور صاف صاف تصریح کر دی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اصولِ دین کے مسائل میں مفید یقین

نہیں اس سے دلیل پکڑنے والوں کو انہوں نے حشویہ مشتبہ مجسمہ کہنا شروع کر دیا۔ یہ حال تو ہے ان کے اصول کا' فقہ کی کتابیں' فروع کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ فروع میں یہ بالکل مقلد ہیں۔ فقہ کی کتابیں ان کے ہاتھوں میں ہیں جن میں ان کے بڑوں کے اقوال بھرے پڑے ہیں۔ ان کے تمام تر فتوے' ان کے سارے کے سارے فیصلے خواہ حقوق کے متعلق ہوں' خواہ وہ عورتوں کے حلال و حرام ہونے کے متعلق ہوں' خواہ مالوں کے متعلق ہوں انہی کتابوں کے مصنفین کے قول ہوتے ہیں بلکہ ان میں سب سے بڑا عالم' ان میں سب سے بڑھ کر فاضل اور ان کی جماعت کا پیشوا وہ سمجھا جاتا ہے جسے اس کتاب کے الفاظ بھی یاد ہوں' جو پوچھے ہوئے مسئلے کا جواب اس کتاب سے دے کر جھٹ سے عبارت بھی پڑھ دے۔ الغرض ان تقلید پرستوں کے نزدیک یہ کتابیں جسے حلال کہیں وہ حلال ہے' جسے حرام بتلائیں وہ حرام ہے' جسے واجب کہہ دیں وہ واجب ہے' جسے باطل بتلا دیں وہ باطل ہے' جسے صحیح کہہ دیں وہ صحیح ہے۔ اب خیال فرمایئے کہ کہاں یہ راہ' کہاں وہ راستہ؟ کس سے کہیں کہ اس زمانے میں لوگوں کے حقوق جو ان فقہی کتابوں سے ضائع ہو رہے ہیں وہ اللہ کے ہاں چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ عورتوں کی جو عصمتیں حلال کے بدلے حرام اور حرام کے بدلے حلال کر لی گئی ہیں وہ اللہ کے ہاں فریاد کر رہی ہیں۔ جو مال اور خون بے جا طور پر مباح قرار دیئے گئے ہیں وہ رب کے سامنے ہائے وائے کر رہے ہیں۔ احکامِ دین کی تبدیلی ہو چکی ہے' حلال حرام میں اُلٹ پھیر ہو رہا ہے۔ معروف کو بدترین منکر کی صورت میں اور منکر کو بہترین معروف کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

اہل حق کی حالت اس وقت ایک انجان مسافر کی حالت میں ہے اور حق والے اس سے بھی زیادہ درگت میں ہیں اور حق کی طرف بلانے والے تو اُس کسمپرسی میں ہیں کہ ناقابل حکایت ہے لیکن اُن کے سامنے سے اندھیریاں چھٹ گئی ہیں اور پُر نور سورج نکل آیا ہے۔ غلط راہیں ان پر کھل چکی ہیں اور وہ انہیں چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر چل دیئے ہیں۔ وہ لوگوں کی ایجاد کردہ بدعتوں' فتنوں اور گمراہیوں سے یک سو ہو کر اپنے دِل کی کھلی آنکھوں سے اپنے نبی ﷺ کا راستہ دیکھ کر' صحابہ رضی اللہ عنہم کے قدم بہ قدم اس کے درپے ہوگئے ہیں۔ ہدایت کا جھنڈا ان کے سامنے ہے اور یہ مٹھیاں بند کیے اس کی طرف لپک رہے ہیں۔ صراطِ مستقیم ان پر کھل چکی ہے اور یہ مصمم ارادہ کر کے اُس پر قوت' زور اور طاقت کے ساتھ چل رہے ہیں۔ سبحان اللہ! اسے مبارک ہو یہ اپنے شہر میں ایک ہے حالانکہ آبادی انسانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ یہ اپنے محلے میں ایک ہے حالانکہ پاس پڑوس کے سب مکانات ہمسایوں سے آباد ہیں۔ یہ اُن میں مقیم ہے جن کی آنکھیں چکا چوند ہو چکی ہیں' جن کے گلوں میں خراش ہے۔ جن کے نفس بے چین ہیں' جن کی روحیں بخار میں مبتلا ہیں' جن کے سینے غمگین ہیں' جن کے دِل بیمار ہیں تم اگر اُن سے سمجھداری اور انصاف کی کوئی بات کہو تو وہ ہرگز اسے قبول نہیں کرتے اور اگر تم اُن سے انصاف چاہو تو بھلا زمین کو ہاتھوں سے ٹٹولنے والے کے ہاتھ آسمان کے ستارے کیسے آ سکتے ہیں۔ اُن کے تو دِل اوندھے ہو گئے ہیں۔ مقصود اندھا ہو گیا ہے' خواہشوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں' مزے میں پھنس گئے ہیں' بجز نا نصیبی کے ان کے ہاتھوں میں کچھ نہیں رہا۔ وہ اپنے تئیں علمی سمندروں میں غوطہ لگانے والے سمجھ رہے ہیں لیکن اصلیت اس کے برعکس ہے۔ یہ تو صرف ان کے زبانی دعوے ہیں اور ہذیان والوں کی سی بکواس ہے۔ واللہ! علمِ دین کے پانی میں تو اب تک ان کے تلوے بھی تر نہیں ہوئے۔ اس سے تو ان کی عقلیں بھی بھیگی نہیں۔ نہ ان کی راتیں روشن ہوئی ہیں نہ ان کے دِل اُجالے والے ہوئے ہیں۔ ہدایت ان پر بند ہے۔ یہ اپنے قلموں پر روشنائی چڑھاتے ہیں لیکن وہ چیزیں لکھتے ہیں جو بے سود ہیں۔ یہ اپنی جانوں پر

مشقت اُٹھاتے ہیں لیکن گوہر مقصود ان سے کوسوں دور رہ جاتا ہے۔ یہ تو اصول چھوڑ چکے پھر بہتری تک رسائی کہاں؟ یہ رسالت کے اصلی مقصد سے منہ موڑ چکے پھر ہدایت کا گل و گلشن کہاں؟ حیرت و ضلالت کے بے آب و دانہ' بد ترین بیابانوں میں پھنس کر راہ بھول گئے اب نجات کہاں اور یہ کہاں؟ مقصود یہ ہے کہ بچاؤ اور پناہ قرآن و حدیث کے لفظوں اور ان کے معنوں میں ہے۔ پورا بیان' بہترین تفسیر ان ہی میں آپ کو ملے گی۔ اس نورانی چراغ کو چھوڑ کر جو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں لگاتا رہے گا یوں ہی سر پھوڑے گا لیکن دینِ حق اور الٰہی ہدایت اسے ہاتھ نہ لگے گی۔

جواب سے پہلے اللہ سے دُعا کرنی چاہیے

دسواں فائدہ : نیک مفتی پر لازم ہے کہ جب کبھی کوئی مسئلہ کوئی بھی اس سے پوچھے وہ خلوصِ دِل سے' ملہم صواب' ربّ العباد سے توفیق خیر طلب کرے۔ وہی بندوں کا ہادی ہے اور وہی خیر کا سکھانے والا ہے۔ یہ اس کی طرف جھک جائے' اس سے ہدایت و رُشد' صحت و حق کی طلب کرے اور پھر صحیح عِلم سے جواب دے یہ جس قدر بھی اپنے پروردگار کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا اتنا ہی اس کا دِل روشن اور اس کا سینہ منور ہوگا اور پروردگار اُسے اپنے فضل سے محروم نہ فرمائے گا۔ جب یہ دیکھے کہ اب دِل کھل گیا' عِلم حاضر ہوگیا تو سمجھ لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے' اب پوری کوشش سے حق تک پہنچ کر' حق کے مطابق زبان ہلائے' کامل توجہ سے منبع ہدایت' معدنِ صواب' مطلع رشد کی یعنی قرآن و سُنّت اور آثارِ صحابہ کی طرف گہری نظریں ڈالے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اُس پر حق کھل جائے گا اور ٹھوکر سے بچ جائے گا۔ اب بھی اگر کوئی شک و شبہ باقی ہے تو پھر توبہ استغفار کرے' بکثرت ذکر اللہ کرے تاکہ وہ پردہ بھی بیچ میں سے اُٹھ جائے۔ یاد رکھو عِلمِ دین نورِ الٰہی ہے جو بندوں کے دلوں میں ڈالا جاتا ہے لیکن خواہش اور معصیت کی تیز و تند آندھیاں اس نورانی چراغ کو یا تو گل کر دیتی ہیں یا اس کی کامل روشنی کو ماند کر دیتی ہیں۔ لازم ہے کہ توبہ و استغفار سے ان خطرناک ہواؤں کا زور کم کر دے یا انہیں فنا کر دے تاکہ نورِ حق کا چراغ اپنی پوری روشنی سے ہر حق کو اس کے سامنے جگمگا دے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے سامنے جب ایسے مسائل آتے کہ آپ پر گراں گزریں اور آپ کو سخت معلوم ہوں' آپ اسی وقت فوراً اللہ کی طرف جھک جاتے تھے' توبہ و استغفار کرنے لگتے تھے' اللہ سے فریاد رسی چاہتے' اس کی طرف گڑگڑاتے' عاجزی کرتے' اسی سے دُعا کرتے کہ وہ یہ مسائل ان پر آسان کر دے اور راہِ حق دکھا دے اور ہدایت عطا فرمائے اور اپنی رحمت کے خزانے کھول دے۔ عموماً بے روک بلکہ ذرا سی دیر بھی نہ لگا کر مددِ الٰہی آ پہنچتی۔ ربّ کی طرف سے دِل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی۔ دلیل واضح ہو جاتی اور خوشی سے مسئلے کو حل کر دیتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جسے ہر حال میں اس کی ہدایت ہو جائے اور جسے ہر وقت خالق کی طرف جھکنا اور اس سے التجا کرنا نصیب ہو جائے اور جس کا دِل ایسے تمام مواقع پر اللہ کی طرف جھکنے اور اس کے دامن رحمت کا سہارا لینے کا عادی بن جائے اُسے اللہ نے اپنا کر لیا ہے اور جو اس خصلت خیر' اس عادتِ نیک سے محروم رہ جائے یہ اُس مسافر کی طرح ہے جسے نہ راستہ معلوم ہو' نہ کوئی ساتھی ہو۔ جو ایسے مشکل کے وقت اللہ کی طرف جھکے اور پھر حق کو حاصل کرنے میں پوری کوشش کرے وہ صراطِ مستقیم پر لگ گیا۔ دراصل یہ فضل الٰہی ہے جس پر اس کی مہربانی ہوتی ہے اُسے عطا فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

بغیر تحقیق فتویٰ دینا حرام ہے

گیارہواں فائدہ : جب کسی حاکم یا مفتی کے سامنے کوئی واقعہ آ جائے تو یا تو وہ اس کے صحیح فیصلے کا عالم ہو گا یا اس کے اپنے نزدیک حق کی جانب کی ترجیح غلبۂ ظن سے ہوگی اور اُس واقعہ کے فتوے کے متعلق وہ اپنی پوری جدوجہد اور کامل علم سے تحقیق کر چکا ہو گا اور کسی راجح جواب کی طرف مطمئن ہو گیا ہو گا اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو بے شک اسے فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا حرام ہے' بے علمی پر جواب کہاں؟ اور اگر باوجود یقینی علم یا غلبۂ ظن کے نہ ہونے کے جو پوری کوشش اور تلاش کے بعد ہو پھر بھی اس نے دلیری کی اور سائل کا جواب دیا' جھگڑے کا فیصلہ کر دیا تو وہ اللہ کے عذابوں کے لیے تیار ہو گیا' اُس نے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا اور ان چار حرمتوں میں سے ایک کا ارتکاب کیا جو فرمانِ الٰہی : ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ ﴾ الخ' (الاعراف : ۳۳) والی آیت میں سب سے بڑی حرمت ہے یعنی ہر ظاہری اور باطنی فحش کاری' گناہ' سرکشی جو ناحق ہو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا جس کی کوئی آسمانی دلیل نہیں اور اللہ کا نام لے کر اس کی طرف منسوب کر کے وہ کہنا جس کا علم نہ ہو' یہ سب اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اسی لیے حصر کا کلمہ کہہ کر ان چار چیزوں کو جنابِ باری نے حرام فرما دیا جو کسی حال میں حلال نہیں۔ نیز اس پر یہ وعید بھی صادق آ گئی جو قرآن نے فرمائی ہے کہ شیطانی قدموں کے پیچھے نہ لگو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں برائی کا' فحش کاری کا اور اللہ پر وہ کہنے کا جسے تم نہ جانتے ہو حکم کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایسے شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص لاعلمی پر فتوے دے اُس کا گناہ اس مفتی پر ہی ہے۔ نیز یہ شخص اُن تین قسم کے قاضیوں میں ہو گیا جن کی نسبت فرمان ہے کہ یہ جہنمی ہیں۔ یہ تو تھا اُس وقت جب کہ جواب کا یقینی علم یا غالب گمان سے علم اسے حاصل نہ ہو لیکن اگر حاصل ہو تو اب اسے اس کے خلاف فتویٰ دینے سے پرہیز کرنا بھی اشد ضروری ہے جو اجماعاً اور دینِ اسلام سے ضرورۃً معلوم ہے اگر اس نے ایسا کیا تو پھر بھی یہ اُن تین جہنمی قاضیوں اور مفتیوں اور گواہوں میں سے ہو جائے گا جو دوزخی ہیں' تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ بے علم شخص جو فتویٰ دے وہ سب سے بڑے گناہ کا مرتکب ہے۔ پھر باوجود علم کے جو خلاف اور غلط فتویٰ دے سوچ لو کہ اس کا گناہ کتنے بڑے درجے کا ہو گا؟ سنو حاکم' مفتی اور گواہ ان میں سے ہر ایک حکم ربانی کی خبر دینے والا ہے۔ حاکم اپنا حکم جاری کر دیتا ہے' مفتی حکم تو دیتا ہے لیکن اس کے جاری کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ گواہ گویا واقعہ کی ترتیب اس طرح دیتا ہے جس پر حکم شرعی چسپاں ہو جائے۔ پس ان تینوں میں سے جس نے بھی اپنے علم کے خلاف کہا اس نے عمداً اللہ پر جھوٹ باندھا۔ قرآن فرماتا ہے قیامت کے دن ان کے منہ کالے ہوں گے جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ (زمر : ۶۰) اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر اور اللہ کے دین میں جھوٹ بولے۔ اور اگر ان تین میں سے کسی نے باوجود علم نہ ہونے کے زبان کھولی تو اس نے جہالت کے ساتھ اللہ کے ذمے جھوٹ باندھا اب اگر فی الواقع ٹھیک ہی ہو جائے تاہم اس کا جھوٹ ہلکا نہیں ہونے کا۔ انہوں نے وہ خبر دی جس کی اجازت اللہ کی طرف سے نہ تھی۔ خیال تو فرمائیے کہ جو شخص کسی بدکاری پر کسی کو دیکھ لے پھر اوروں سے خبر کرے تو گو وہ فی الحقیقت سچا ہی ہو لیکن تاہم جب تک کہ چار گواہ نہ ہو جائیں اللہ کے نزدیک جھوٹا ہی رہتا ہے کیونکہ اس نے وہ خبر اُڑائی جس کا خبر دینا اس کے لیے اللہ کی طرف سے جائز نہ تھا تو جب یہ شخص فی الواقع سچا تھا' اللہ کے نزدیک جھوٹا ٹھہرا۔ محض اس وجہ سے کہ اسے اس سچی خبر کا بھی منہ سے نکالنا جائز نہ تھا۔ اس وقت تک کہ چار گواہ نہ ہو

جائیں پھر اس کا کیا حال ہو گا جو فی الواقع سچا بھی نہیں اور جسے اُس بات کو منہ سے نکالنے کی اجازت خداوندی بھی نہیں۔ یہ تو اللہ کا وہ حکم بیان کرتا ہے جس کی نسبت خود اُسے معلوم بھی نہیں کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے اپنی زبان سے غلط سلط نہ بک دیا کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام اللہ پر جھوٹ افتراء نہ باندھ لیا کرو۔ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے والے ناکام رہتے ہیں۔ یوں ہی سا فائدہ چاہے اٹھالیں لیکن آخر دردناک عذابوں کا شکار بنیں گے۔ (النحل : ۱۱۶) فرمان ہے کہ اللہ پر خلافِ واقعہ باندھ لینے والے سے اور اپنے پاس آئی ہوئی سچائی کا انکار کر جانے والے سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں۔ یاد رہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا حق و صداقت کے جھٹلانے کو مستلزم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے بہت بڑا ظلم کرنے والے وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ افتراء کر لیں۔ یہ اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ سنو! ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ آیتیں بہ اعتبارِ شانِ نزول کے مشرکین و کفار کے بارے میں ہیں لیکن بہ اعتبار اپنی عمومیت کے حکم کے لحاظ سے ہر اُس شخص کو شامل ہیں جو اللہ کی توحید میں' اللہ کے دین میں' اللہ کے ناموں میں' اللہ کی صفتوں میں' اللہ کے فعلوں میں' اللہ کے ذمے جھوٹ بات کہے۔ ہاں! وہ لوگ اس وعید شدید سے بچے ہوئے ہیں جو کسی شرعی مسئلے میں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کریں' خوب چھان بین کریں' حق کی تلاش میں طاقت بھر دوڑیں لیکن پھر بھی خطا کر جائیں۔ ایسے لوگ تو مستحق اجر ہیں کیوں کہ ان کا مقصود اطاعت الٰہی ہے گو غلطی کر گئے۔

حق کے چھپانے کی سزا

بارہواں فائدہ : اللہ' رسول کا حکم چار لوگوں کی زبان پر ظاہر ہوتا ہے۔ راوی' مفتی' حاکم' گواہ۔ راوی کی زبان سے اللہ رسول کے الفاظ ظاہر ہوتے ہیں' مفتی کی زبان سے اُس کے معنی اور مطلب اور استنباط ظاہر ہوتا ہے۔ حاکم کی زبان سے اُس کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ گواہ کی زبان سے وہ سبب ظاہر ہوتا ہے جس پر یہ حکم مرتب ہے۔ پس ان چاروں پر واجب ہے کہ اس سچائی کی خبر دیں جس کی دلیل علمی موجود ہو' جو خبر دیتے ہیں اُس کے عالم ہوں اس میں سچے ہوں۔ اس کے لیے جھوٹ بولنا اور چھپالینا بدترین آفت ہے جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ کے دین اور اس کی شرع کی مخالفت کرتا ہے۔ عادتِ ربّانی یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے علمی اور دینی اور دنیوی برکت اُٹھالی جاتی ہے۔ یہی حال خرید و فروخت کرنے والوں کا ہے کہ جب وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔ ان کے برخلاف جو سچائی کو اور اظہار اور بیان کو ضروری کر لے اللہ تعالیٰ ان کے عِلم میں' ان کے وقت میں' ان کے دین میں' ان کی دنیا میں برکت دیتا ہے' وہ نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ ہو جاتا ہے جو بہترین رفیق ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے جسے چاہے دے۔ اللہ تعالیٰ کا عالم کل ہونا کافی ہے۔ چھپانے سے حق کو غلبہ نہیں ملتا' جھوٹ سے حق پلٹ جاتا ہے اور یہ شریعت کا اصول ہے کہ عمل کی سزا جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ پس جو لوگ حق بات کو چھپا لیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہیبت' کرامت' حمیت' عظمت چھین لیتا ہے جو چیزیں مخصوص ہیں سچوں کے لیے اور اظہارِ حق کرنے والوں کے لیے ایسا نہ کرنے والوں کو تو اللہ تبارک و تعالیٰ ذلیل' بد اور رسوائی والا لباس پہنا دیتا ہے۔ دنیا میں بھی ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی اور قیامت کے دن بھی جھوٹوں اور چھپانے والوں میں سے جسے اللہ چاہے ان کے عمل جیسا ہی بدلہ دے گا کہ ان کے منہ بگڑ جائیں یا ان کے چہرے پلٹ جائیں جیسے کہ انہوں نے حق کو مٹایا تھا یا گھما دیا تھا یہ ہے بالکل مطابق عمل سزا جو ہر لحاظ سے درست ہے۔ اللہ

کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر ظلم کرے۔

حلال حرام کہنے میں احتیاط

تیرھواں فائدہ : مفتی کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے فتوے میں یہ کہے کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے یا حلال کیا ہے' اللہ اسے پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے۔ ہاں وہ اُمور جن کی بابت قرآن و حدیث کے الفاظ میں یہ چیزیں موجود ہوں تو بے شک وہ یہ کہہ سکتا ہے لیکن کسی ایسے شخص کی کتاب اور اس کے فرمان کو سامنے رکھ کر جس کی تقلید کا یہ خوگر ہو گیا ہے اُسے ایسے الفاظ بولنا کہ یہ اللہ کے نزدیک حلال ہے یا اللہ کے نزدیک حرام ہے وغیرہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ ایسا کرنا تو خلق خدا کو دھوکا دینا ہے کہ اللہ رسول کا حکم تو معلوم نہیں۔ اپنے امام کے قول کو لیتا ہے اور اللہ رسول کا نام لے کر بیان کرتا ہے۔ یہ تو صریح ظلم و بہتان ہے۔ بہت سے سلف صالحین سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایسے الفاظ کا بولنا مکروہ سمجھا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ فرما دے کہ تو نے جھوٹ کہا نہ میں نے فلاں کام حلال کیا تھا' نہ فلاں حرام کیا تھا۔ صحیح مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت بریدہ بن حصیب کو یہ فرمانا منقول ہے کہ جب تُو کسی قلعے کا محاصرہ کرلے اور وہ لوگ تجھ سے کہیں کہ ہم یہ قلعہ خالی کر دیتے ہیں اُس حکم پر جو اللہ کا رسول کا ہمارے بارے میں ہو تو تُو اس شرط پر ان سے قلعہ خالی نہ کرا کیا خبر کہ تُو ان کے بارے میں اللہ کے حکم تک پہنچ جائے یا نہ پہنچے۔ بلکہ انہیں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے فیصلے پر قلعے سے اُتار شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے میں نے سنا ہے' فرماتے تھے کہ ایک مجلس میں میں تھا وہاں بڑے بڑے قاضیوں وغیرہ کا مجمع تھا۔ ایک مقدمے کے بارے میں ایک نے زُفر کے قول پر فیصلہ دیا تو میں نے کہا یہ کیسا فیصلہ ہے؟ اس نے کہا یہی حکم ربانی ہے۔ میں نے کہا اچھا زفر کا حکم اللہ کا حکم ہو گیا؟ کہ سب مسلمانوں کو اس کی پابندی ضروری ہو گئی۔ خبردار! ایسا پھر کبھی نہ کہنا یہ کہہ دے کہ یہ زُفر کا فیصلہ ہے نہ کہ اللہ کا حکم۔

افتاء سائل کے مقصد کے مطابق ہونا چاہیے

چودھواں فائدہ : سوال کرنے والے تین قسم کے مقصد لے کر مفتیوں کے پاس آتے ہیں۔ بعض کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ صرف اللہ' رسول کا حکم معلوم کرلیں' اُن کی اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بعض کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس امام کا حکم معلوم کریں جس کی تقلید کا پٹہ اس مفتی نے اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے اور دوسرے کل اماموں کو چھوڑ کر اس نے صرف اسی کی تقلید کا ڈنکا بجا رکھا ہے۔ بعض کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس مفتی کے نزدیک جو بات ترجیح والی ہو اُسے معلوم کرلیں کیونکہ وہ اس کا معتقد ہے اس کے دین پر اس کی دیانت پر' اس کے عِلم پر اور اس کی امانت پر اُسے یقین ہے وہ تو اس کی اپنی بات کو بطورِ تقلید کے مان لینے کے لیے تیار ہے۔ اس کا مقصود کسی خاص امام کے قول سے نہیں۔ پس یہ تین قسم کے سائل ہیں جن کی یہ تین مختلف غرضیں ہوتی ہیں۔ مفتی کو چاہیے کہ پہلی قسم کے لوگوں کے سامنے تو صرف قرآن و حدیث کا حکم رکھ دے اس سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ سرکے۔ اسے جان کر یقین کر کے ہی بیان کر دے۔ دوسری قسم کے سائل کے سامنے گو امام کا قول بیان کر دینا جائز تو ہے لیکن اُس قول کو امام کی طرف منسوب کرنا اور اُسے امام ہی کا قول کہہ دینا ہرگز جائز نہیں جو اس نے فقہ کی ان بعض کتابوں میں دیکھ لیا ہو جن کتابوں کو اس نے یاد کر رکھا ہے اور رَٹ رکھا ہے یا ان لوگوں کے کلام سے اس نے معلوم کیا ہے جو اس امام کی طرف منسوب ہیں اس لیے کہ ان لوگوں نے

اماموں کے اقوال اور افعال کو بہت کچھ گڈمڈ کر دیا ہے اُن کے بعد والوں کے کلام سے جو ان سے نسبت کرتے تھے۔ خود ان کے اقوال کو ملا دیا ہے بلکہ اس نسبت والے لوگوں کے اختیارات کو بھی وہی درجہ اور وہی نام دے رکھا ہے۔ یہ اشد ضروری اور کام کی بات ہمیشہ یاد رہے کہ فقہ کی ان کتابوں میں جو کچھ ہے وہ سب ائمہ کی صراحت کی ہوئی' کہی ہوئی باتیں ہی نہیں بلکہ ان کتابوں میں اکثر تو وہ ہے جو امام کی صریح بات کے بالکل خلاف ہے اور اکثر وہ ہے جس بارے میں امام سے کچھ ثابت ہی نہیں اور اکثر وہ ہے جو اُن کے فتووں کو سامنے رکھ کر اس پر ان لوگوں نے گھڑ لیا ہے اور اکثر وہ ہے جو خود انہی بعد والوں کے اپنے فتوے ہیں خواہ لفظ بھی اُن کے ہوں' خواہ صرف معنی ہی ان کے ہوں پس کسی کو حلال نہیں کہ یوں کہہ دے کہ یہ قول فلاں کا ہے' یہ مذہب فلاں کا ہے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ اسے یقینی علم ہو جائے۔ یاد رکھو مفتی کا منصب زبردست خطرے کا منصب ہے اور پھر اس کا اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا وقت اور بھی خطرناک ہے۔ تیسری قسم کے سائل کے جواب میں مفتی اپنی تحقیق پیش کر دے اور اپنے نزدیک جو بات درست اور حق ہو اُسے بیان کر دے لیکن یہ یاد رہے کہ اس کا قبول کر لینا سائل کے لیے ضروری نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ مفتی کو لازم ہے کہ سائل کی حیثیت اپنے نزدیک مقرر کر لے اور پھر اسے ویسا جواب دے دے اور یہ یقین رکھے کہ دین وہ ہے جو اللہ نے دین بنایا ہے اور یہ بھی یقین رکھے اور اس سے ڈرتا ہی رہے کہ آج جو جواب میں دوں گا' کل اللہ کے ہاں اس کی بابت مجھ سے پرسش ہونے والی ہے' مجھ سے حساب لیا جائے گا اور اس پر ثواب یا عذاب ہوگا۔ ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔

فتویٰ دلیل راجح پر ہونا چاہیے

پندرھواں فائدہ : مفتی کو بالخصوص اس بات سے بہت ہی پرہیز چاہیے کہ جس مذہب کا وہ مقلد ہے اُسی مذہب کا مسئلہ بتلائے گو اسے معلوم ہو کہ حق دوسری جانب ہے اُسے ہرگز یہ لائق نہیں کہ مذہبی تعصب برت کر تقلید محض پر جم کر۔ اپنے ہی مذہب پر فتوے دے اور علم ہو کہ ٹھیک بات اور دلیل اس کے برخلاف ہے ایسا کرنے والا یقیناً اللہ کا' اس کے رسول کا خیانت کرنے والا ہے۔ وہ سائل کو دھوکہ دے رہا ہے اور ربانی عذابوں کو اپنے سر لے رہا ہے۔ ایسوں کو اللہ راہِ راست نہیں دکھاتا۔ اسلام اور اہل اسلام سے دھوکہ کرنے والوں پر جنت حرام ہے۔ دین نام ہے خیرخواہی کرنے کا' دھوکہ بازی اور خیانت اس کی ضد ہے۔ جس طرح سچ کی ضد جھوٹ ہے اور حق کی ضد باطل ہے ہم پر ضروری ہے کہ ایسے وقت ہم اپنے مذہب سے ہٹ کر تقلید کے بندھن توڑ کر صاف کہہ دیں کہ بھئی ہمارے مذہب میں تو یوں ہے لیکن حق اس کے خلاف ہے اور لائق اطاعت حق ہی ہے۔ اسی کو تم لو اور اُسی پر عمل کرلو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

مستفتی کو حیرت اور اُلجھن میں نہ ڈالنا چاہیے

سولھواں فائدہ : مفتی کو جائز نہیں کہ سائل کو مصیبت زدہ کر دے۔ اُسے پریشانی میں ڈال دے۔ اُس کے سامنے مختلف چیزیں رکھ دے کہ وہ بیچارہ کسی نیک نتیجے تک نہ پہنچ سکے' حیران رہ جائے بلکہ اُسے چاہیے کہ دو ٹوک فیصلہ کر دے' صاف چیز پیش کر دے' اس کے دل میں کوئی اُلجھن باقی نہ رہنے دے۔ کافی شافی جواب دے دے جس سے اس کا مقصود حاصل ہو جائے اور وہ مشکل میں نہ پڑے۔ یہ ٹھیک نہیں کہ میراث کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور اس نے کہہ

دیا کہ اللہ عزوجل نے جو حصے جس وارث کے مقرر کر دیئے ہیں وہ انہیں دے دیئے جائیں اور یہ فلاں فلاں کتابوں میں موجود ہے۔ ایسا مجمل فتویٰ سائل کی نہ تو تشفی کر سکتا ہے' نہ اُسے کوئی فائدہ دے سکتا ہے۔ کسی سے پوچھا گیا کہ سورج اور چاند گہن کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اس نے جواب دیا کہ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں ہے اب فرمایئے اس سے پوچھنے والے کے پلے کیا پڑا؟ گو پہلے جواب کی نسبت یہ قدرے عالمانہ جواب ہے۔ ایک صاحب سے زکوٰۃ کے مسئلے کا سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے جو فیاض دل ہیں وہ تو اپنا کل مال راہِ الٰہی میں دے دیں اور دیگر لوگ اتنا جتنا اُن پر واجب ہو۔ ایک صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں دو قول ہیں۔ ایک صاحب تھے جب دوسرے سے فتویٰ لکھوا کر اُن کے پاس لے جاؤ تب وہ تحریر فرماتے اور یہی لکھتے کہ میرا جواب بھی مثل شیخ کے جواب کے ہے اتفاقاً ایک مرتبہ ایک فتویٰ ان کے پاس پیش ہوا جس میں دو مفتیوں کی تحریر تھی اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھے تو حسب عادت آپ نے اس کے نیچے بھی لکھ مارا کہ میرا جواب وہی ہے جو ان دونوں مفتیوں کا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ حضرت ان دونوں کے جواب میں تو آپس میں تناقض اور اختلاف ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں بھی تناقض و اختلاف کرتا ہوں۔ ایک صاحب مشہور فتویٰ نویس تھے۔ اپنے مذہب میں بڑے عالم مشہور تھے۔ نائب سلطان ان کے پاس فتوے بھیج دیا کرتا تھا تو وہ اتنا ہی لکھ دیا کرتے تھے کہ اس طرح یہ جائز ہے یا اس طرح یہ صحیح ہے یا یہ منعقد ہو جاتا ہے اپنی شرط کے ساتھ۔ آخر تنگ آ کر اس نے کہلوایا کہ جناب مفتی صاحب یہ جو آپ لکھ دیتے ہیں کہ یہ اپنی شرط کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے اور یہ نہیں لکھتے کہ شرط کیا ہے تو ہمیں کیا فائدہ؟ یا تو آپ یہ لکھنا ہی چھوڑ دیں یا وہ شرط بھی بیان فرما دیا کریں۔ ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہی صورت فتوے کی ہو تو ہر جاہل سے جاہل شخص بھی فتویٰ دے سکتا ہے ہر مسئلے پر لکھ سکتا ہے کہ یہ اس کی شرط کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔ یہ اپنی شرط کے ساتھ صحیح ہے۔ یہ شرط کے ساتھ مقبول ہے وغیرہ نہ یہ علم ہے نہ اس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ سائل کی پریشانی بڑھے اور وہ اُلٹا چکر میں پڑے۔ اس طرح بعض کا یہ کہہ دینا کہ یہ سلطان کی رائے کی طرف لوٹتا ہے۔ بھلا کوئی پوچھے تو کہ اس لغو عبارت سے کیا نتیجہ؟ اگر شریح اور شریح جیسے حاکم بھی ہوں تاہم اللہ رسول کے احکام اُس کی رائے کی جانب رَد نہیں کیے جا سکتے پھر ہمارے زمانے کے حاکموں کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اللہ ہی بچائے۔ ایسے ہی بعضوں سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا اس میں اختلاف ہے۔ پوچھا گیا پھر سائل کیا عمل کرے؟ جواب دیا کہ اُس کے لیے قاضی دونوں مذہبوں میں سے جونسا چاہے پسند کرے۔ ابو السعادات بن اثیری جزری کے سامنے بیان ہوا کہ ایک صاحب سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اس میں دو قول ہیں یہ سن کر ابو السعادات بڑے ہی ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ یہ جواب سے لا جواب ہے۔ سائل کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ اُس نے کوئی مطلب کی بات کہی نہ جواب دیا۔ ہاں! اس میں ایک صورت ہے وہ یہ کہ کوئی ایسا ہی مسئلہ کسی وقت آ پڑتا ہے کہ مفتی باوجود ذی علم ہونے کے اس میں کسی جانب صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تو ایسے وقت بے شک اُسے یہی کرنا پڑتا ہے کہ اختلاف نقل کر دے اور خود کوئی فیصلہ نہ کرے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ سے بھی بعض ایسے مسائل میں منقول ہے کہ انہوں نے فرما دیا کہ اس میں دو قول ہیں یا فرما دیا کہ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے جواب ایسے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ آپ علم و تقویٰ میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسے اقوال مروی ہیں بلکہ ان کے شاگردوں میں ایسی عبارت کے ایک تو یہ معنی کیے گئے ہیں کہ یہ دونوں قول ہی ان کی طرف منسوب کیے جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ

ان کی طرف ان کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ آپ اسے مثال سے سمجھے۔ کسی مسئلے میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہو یا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہو یا حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہو اور ایسے ہی بڑے پایے کے صحابہ کا اختلاف ہو اور مفتی کے نزدیک کسی کے قول کی ترجیح ثابت نہ ہوئی ہو تو ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کہہ دے اس میں فلاں فلاں صحابہ کا اختلاف ہے اس کا اتنا کہہ دینا کافی ہے اُس نے اپنے علم کے مطابق اپنا دامن پاک کر لیا۔ امام ابوبکر بن داؤد ظاہری رحمہ اللہ کے پاس ایک عورت آئی اور پوچھا کہ جو شخص نہ تو اپنی بیوی کو اچھی طرح بساتا ہو نہ اسے مطابق شرع طلاق دیتا ہو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے' کچھ تو کہتے ہیں کہ عورت کو صبر کا اور اللہ سے طلب ثواب کا حکم دیا جائے اور کوئی دھندا کرنے کو کہا جائے جس سے اس کے پلے کچھ پڑ جایا کرے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاوند کو حکم دیا جائے کہ نان نفقہ اچھی طرح ادا کرے ورنہ اُسے طلاق دینے پر آمادہ کیا جائے۔ عورت اچھی طرح سمجھ نہ سکی اُس نے پھر سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا میں نے تو تجھے جواب دے دیا تیرے مطلب کی طرف راہنمائی کر دی اب نہ تو میں بادشاہ ہوں کہ اپنا حکم جاری کر سکوں' نہ قاضی ہوں کہ فیصلہ کر دوں' نہ خاوند ہوں کہ راضی ہو جاؤں۔ تم جاؤ میں نے تمہیں بتا دیا۔

وقف کی شرطوں کی تفصیل

سترھواں فائدہ : مفتی سے جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس میں وقف کرنے والے کی کسی شرط کا ذکر ہو تو اسے حلال نہیں کہ اُس پر عمل ضروری بتلا دے بلکہ علی الاطلاق جائز ہی نہیں یہاں تک کہ اُس شرط کو خود دیکھ لے۔ اگر وہ شرط اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو تو اس کی کوئی وقعت نہیں نہ اس کا جاری کرنا جائز اگر مخالف نہ ہو تو دیکھے کہ کیا اس میں کوئی ثواب کی اور قربت الٰہی کی وجہ یا شارع علیہ السلام کے نزدیک اس کے راجح ہونے کی وجہ ہے یا نہیں؟ اگر یہ دونوں باتیں بھی اس میں نہ ہوں تو بھی اُسے لازم و ضروری قرار نہ دے ہاں! اُسے حرام بھی نہ بتلائے لیکن اس کی مخالفت کوئی ضرر نہ دے گی۔ ہاں اگر اس میں قربت الٰہی یا ثواب ہو یا اُس کے خلاف پر راجح ہو تو دیکھے کہ اس کے لازم کر دینے سے اور اُسے ضروری قرار دینے سے کوئی ایسی چیز تو فوت نہیں ہوتی جو اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ رضا مندی کی اور محبوب ہو اور لوگوں کے لیے بھی نفع کی صورت ہو اور وقف کرنے والے کا اصلی مقصود یعنی ثواب بھی اس سے زیادہ حاصل ہوتا ہو اگر دیکھے کہ اس کے لازم کرنے سے ایسی چیز فوت ہو جاتی ہے تو بھی قطعاً اس کے ضروری قرار دینے سے بچے اور اس سے ہٹ جانا جائز جانے بلکہ وہی پسند کرے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند ہو اور جس میں لوگوں کا زیادہ نفع ہو اور جس میں وقف کرنے والے کو زیادہ ثواب ملنے کی امید ہو۔ ایسی صورت میں وقف کرنے والے کی ایسی شرط کے ضروری ہونے کے جواز میں تفصیل ہے جسے ہم بیان کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہاں اگر اس میں قربت اور اطاعت ہو اور اس کے ضروری قرار دینے سے اس سے زیادہ پسندیدۂ ربانی کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اس نیکی میں یہ اور وہ برابر ہوں اور دونوں صورتوں میں وقف کرنے والے کے اجر میں کمی نہ ہوتی ہو اور مقصودِ شارع بھی ہر طرح پورا ہو جاتا ہو تو بھی اس پر التزامِ شرط متعین نہیں پھر بھی اس سے ہٹ کر اُس سے بھی زیادہ آسان' سہل اور نرم چیز کی ترجیح ثابت ہو جائے اور قصد قربت و طاعت اس میں بالکل واضح ہو جائے تو بے شک اس کا ضروری ہونا لازم و واجب ہے۔ وقف کرنے والوں کی شرائط

کے بارے میں یہ کلی قول ہے۔ اس سے واجب جائز ناجائز صورت کا علم ہو جاتا ہے جو بھی اس طریقے کو چھوڑے گا بڑے ہی چکر میں پڑ جائے گا اور کہیں بھی اس کے قدم ٹکیں گے نہیں اور اعتماد جاتا رہے گا۔ اب اس کی مثالوں سے اس کا حل سنیے۔
ایک واقف نے شرط کی کہ جس پر وقف کر رہا ہے وہ فلاں معین جگہ پر ہی پانچوں نمازیں پڑھے اگرچہ یہ اکیلا ہی ہو اور اس کی طرف بڑی مسجد ہو اور مسلمانوں کی جماعت ہو تو اس پر اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ اسے ضروری کر لینا حلال ہی نہیں جبکہ اس سے جماعت کی نماز فوت ہوتی ہو کیونکہ باجماعت نماز پڑھنا یا تو شرط ہے کہ بغیر اس کے نماز صحیح ہی نہیں یا واجب ہے کہ اس کے چھوڑنے سے سزا کا مستوجب ہو جاتا ہے گو نماز صحیح ہو جائے یا سُنّتِ مؤکدہ ہے کہ اس کے تارک سے لڑائی کی جائے گی بہرصورت جس شرط میں اس کا چھوڑنا لازم آئے اُس شرط کا پورا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح مثلاً کسی نے شرط لگائی کہ وہ مجرد رہے' بیوی بچوں کے جھنجھٹ میں نہ پڑے تو اس شرط کو پورا کرنا بھی واجب نہ ہوگا' نہ اس کا ضروری قرار دے دینا جائز ہوگا بلکہ جو اُسے ضروری قرار دے لے سُنّت سے منہ موڑ کر اس کا اللہ رسول سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ حاجت کے وقت نکاح یا تو فرض ہے جس کا تارک اللہ کا نافرمان ہے یا سُنّت ہے جس کی مشغولی دنوں کے روزوں' رات کی تہجد گزاریوں اور تمام دیگر نفلوں کی بجا آوریوں سے افضل ہے یا سُنّت ہے جس کے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے جیسے کہ سنتوں اور نیکیوں کے بجالانے والے کو ثواب ملتا ہے۔ بہتر تقدیر اسے چھوڑنے اور بیکار کرنے کی شرط جائز نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس شرط کے باقی رکھنے کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ وقف لینے کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے فریضے کو بیکار کر دے سُنّتِ رسول ﷺ کا خلاف کرے اور جو فریضہ خداوندی بجالائے اور سنت کو ادا کرے اسے اس وقف میں سے کچھ بھی حلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس شرط کو ضروری مان لیا جائے تو صاف طور پر اللہ رسول ﷺ کا خلاف ہوتا ہے یہ تو اس سے بھی زیادہ بھونڈی اور بری بات ہے کہ کوئی شخص یہ شرط کرے کہ وتر کو چھوڑ دو یا مؤکدہ سنتوں کو چھوڑ دو یا جمعرات اور پیر کے روزے کو چھوڑ دو یا رات کی تہجد کو چھوڑ دو بلکہ اس سے بھی بدتر ہے کہ یہ شرط ہو کہ صبح شام ذکر اللہ کا کرنا وغیرہ چھوڑ دو۔

قبروں کے مسائل

اسی طرح یہ شرط کہ تربت میں جہاں مردہ دفن ہے' نماز پڑھے اور مسجد کو چھوڑ دے۔ یہ صریح دینِ الٰہی سے جنگ کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنائیں' قبرستان میں نماز پڑھنا اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ نماز باطل ہے' مقبول نہیں نہ اس کے ادا کرنے سے انسان بری الذمہ ہو سکتا ہے' پس کیسے جائز ہو جائے گا کہ وقف کرنے والے کی اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے اور اللہ رسول ﷺ کی شرط کو گرا دیا جائے۔ اسی طرح تو دین بدل جایا کرتے ہیں یہ تو کہیے کہ اس دین کی حفاظت کرنے والی جماعت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے باقی رکھی ہے جو اسے ان برائیوں سے بچاتی ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتی ہے۔ اسی طرح کی باطل شرط قبر پر چراغ جلانا اور قندیل لٹکانا ہے۔ وقف کرنے والے کو یہ شرط حلال نہیں' نہ حاکم کو اس شرط کا پورا کرنا حلال ہے' نہ مفتی کو اس کے جواز کا فتویٰ دینا حلال ہے' نہ جس شخص پر وقف کیا ہے اسے اس کا پورا کرنا حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں پر چراغ رکھیں۔ پس ایک مسلمان کو کیسے لائق ہوگا کہ وہ اس فعل کو

ضروری سمجھے جس کے کرنے والے پر لعنت کی گئی ہو۔ ایک روز میں ایک قاضی صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک وقف نامہ ان کے پاس آیا۔ وہ وقف ایک قبر کے متعلق تھا کہ اس سے اُس قبر کو ٹھیک ٹھاک رکھا جائے اور ہر رات اس پر قندیل روشن کی جائے میں نے کہا قاضی صاحب اس کا باقی رکھنا حرام ہے۔ آپ اس کی صحت کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ جب کہ حدیث میں اِن لوگوں پر لعنت وارد ہوئی ہے جو قبروں پر روشنی کریں چنانچہ وہ اس کے جاری کرنے سے رُک گئے اور کہا کہ بات وہی ٹھیک ہے جو آپ فرماتے ہیں اور جو حدیث میں ہے۔

مُردوں کے پیچھے قرآن خوانی

اسی طرح کی ایک باطل شرط اس کی قبر پر قراءتِ قرآن کی ہے۔ ان مساجد الٰہی کو چھوڑ کر جن کے بلند کیے جانے اور جن میں نام الٰہی کی یاد کیے جانے کا صبح شام کا حکم ہے۔ لوگوں کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ قراءتِ قرآن کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہی نہیں خواہ قبر پر پڑھا جائے خواہ کہیں اور۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چونکہ قاری کو قراءت کا ثواب حاصل ہوتا ہے اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جبکہ قاری کا قبر پر آنا اور قراءت کرنا محض دام وصول کرنے کی غرض سے ہو ثواب مقصود نہ ہو تو خود اُسے کوئی اجر نہیں ملتا اور جب اسے نہیں ملا تو میت کو کہاں سے پہنچے گا۔ تو پڑھنا بھی بے سود اور قبر کے چکر لگانا بھی بے کار بخلاف اس کے کہ وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے مسجد میں قرآن پڑھتا یا اور کسی جگہ تو اس پر خود بھی آسانی ہوتی' اس کا اخلاص بھی بڑھتا پھر یہ اپنا ثواب میت کے لیے کر دیتا تو اُسے پہنچتا۔ ایک مرتبہ میں نے بعض اہل علم سے بطورِ مذاکرہ یہی بات کہی تو انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ ہاں یہ شبہ ظاہر کیا کہ ممکن ہے وقف کرنے والے کی دراصل نیت یہ ہو کہ وہ خود قبر پر پڑھا ہوا قرآن سن کر نفع اٹھائے اور اس کی برکت بھی اسے پہنچے اس کے جواب میں میں نے کہا کہ قرآن سن کر نفع اٹھانا تو مشروط تھا اس کی حیات کے ساتھ' جب وہ مر گیا تو اس کے کل اعمال منقطع ہو گئے ظاہر ہے کہ قرآن کا سننا تو تمام نیک اعمال سے بہترین عمل ہے جب اس کی موت نے اس کے کل اعمال کاٹ دیئے تو یہ عمل کیسے باقی رہ گیا؟ بالفرض اگر یہ بات ممکن ہوتی تو سلف صالحین' صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے اس زبردست اور بہترین کام کے کرنے سے محروم نہ رہ جاتے وہ تو نیکیوں کی طرف لپکنے والے بھلائیوں کے حریص تھے۔ اگر یہ بھی کوئی نیکی ہوتی تو ہم سے پہلے وہ اسے کر گزرتے۔ پس گو کسی کی وصیت بھی ہو گو کسی نے اس کام کے لیے رقم وقف بھی کی ہو لیکن تاہم قبر پر جانا اور وہاں قرآن کا پڑھنا واجب نہ ہوگا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح کوئی وقف کرے کہ یہ خیرات اس کی قبر پر کی جائے جیسے کہ اکثر جاہل کرتے ہیں تو یہ بھی لغو شرط ہے اس میں فقیروں' محتاجوں پر بھی تنگی ہے کہ وہ بیچارے بستی کے باہر قبرستان جائیں' سردی' گرمی' کمزوری کسی بات کا لحاظ نہ کریں اور وہاں جا کر اس خیرات کو حاصل کریں یہ تو اجر کو بھی گرا دینے والی اور برباد کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح کی شرط کسی خانقاہ پر کسی چیز کا وقف کرنا ہے کہ وہاں کے وہ صوفی جو علم کے لکھنے میں' حدیث کے سننے میں' قرآن و حدیث کی سمجھ حاصل کرنے میں مشغول نہ ہوتے ہوں وہ اس سے نفع اٹھائیں۔ یہ شرط بھی دینِ اسلام کے ساتھ صراحتاً ٹکرانے والی ہے' نہ اسے جاری کرنا حلال' نہ اسے لازم کرنا حلال' نہ اس پر قائم رہنے والوں کا اس وقف میں کوئی حصہ کیونکہ اس شرط کا اصلی مقصود یہ ہوا کہ اس وقف سے فائدہ وہ اٹھا سکتے ہیں جو نفع دینے والے علم کے وجوب سے دستبردار ہو جائیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کے دینی امر سے جاہل رہیں۔ اللہ کے ناموں اور اس کی صفتوں سے بے خبر رہیں۔ اس کے

رسول ﷺ کی سنتوں سے غافل رہیں۔ ثواب و عذاب کے احکام معلوم نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔ سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک ناپسند ہیں۔ شیطان کے گروہ کے اور اس کے دوست ہیں جنہیں سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں۔ اسی طرح کی باطل شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرنے والا شرط کرے کہ یہاں پر اللہ کی صفتوں کی کوئی آیت یا حدیث نہ پڑھی جائے جیسے کہ بعض دشمنانِ الٰہی جہمیہ نے یہ شرط بعض بادشاہوں کے لیے کی تھی اور مسجد وقف کی تھی اس شرط کا حاصل بھی دینِ الٰہی کے بر خلاف ہے جسے دے کر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہے اس سے قرآن کی بہت سی آیتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ تلاوت سے' غور و فکر سے' سمجھ سے وہ سب کی سب چھوٹ جاتی ہیں۔ اسی طرح سے بہت سی بہ کثرت حدیثیں بھی معطل کر دی جاتی ہیں نہ ان کا ذکر ہو سکتا ہے' نہ ان کی روایت ہو سکتی ہے نہ وہ سنی جاتی ہیں' نہ ان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے بلکہ اس کے بدلے جہمیت کے بازار کی رونق ہو جاتی ہے۔ بدترین بدعتوں کے رواج کی وسعت ہو جاتی ہے اور شک و حیرت کے' گمراہی اور تباہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک شرط کسی مکان یا مدرسے یا مسجد یا رباط کو لوگوں کی کسی مخصوص جماعت کے لیے وقف کرنا ہے کہ ان کے سوا اوروں کے کام نہ آسکے مثلاً عجمیوں کے لیے یا رومیوں کے لیے یا ترکوں کے لیے یا اوروں کے لیے یہ بھی بدترین باطل شرط ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار اور مہاجرین و انصار کی اولاد کے لیے اس مسجد میں نماز حلال نہیں۔ اُس رباط میں اترنا درست نہیں' اس مدرسے یا خانقاہ میں آنا جائز نہیں بلکہ اگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بدری اور درخت تلے بیعت کرنے والے صحابی' اللہ ان سے خوش رہے' بھی زندہ ہوتے تو انہیں اس مسجد یا رباط یا اس مدرسے میں قدم رکھنے کا حق حاصل نہ تھا پھر اس شرط کو معتبر ماننا تو بڑا پاگل پن ہے اور سودائی پن ہے۔ کسی پاک دِل انسان سے تو اس کے جواز کا حکم صادر نہیں ہو سکتا۔ قرآن و حدیث کے عِلم کا دُور سے بھی جس پر پَرتو پڑ گیا ہے وہ ایسا ناپاک کلمہ زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ شرط کی ہے کہ ان جگہوں میں رہنے والے شیعہ ہوں یا خارجی ہوں یا معتزلی ہوں یا جہمیہ ہوں یا اور بدعتی فرقوں کے لوگ ہوں جیسے اشارات والے اور شیر و عنبر والے اور سانپوں' آگ والے اور وہ بنے ہوئے صوفی جو لٹیں لٹکائے' ناچتے کودتے اور گتیں بھرتے رہتے ہیں اور پیٹ پالنے کے سوا دراصل ان کے پاس کوئی شغل نہیں ہوتا۔ یہ شرط بھی اس طرح کرنی بالکل باطل ہے بلکہ ان کے سوا اور لوگ اس مکان کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ کی شرطیں سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ یہ تمام شرطیں اور انہی جیسی اور شرطیں سب توڑ دینے کے لائق ہیں' انہیں پورا کرنا گناہ اور ظلم و زیادتی پر دوسروں کی مدد کرنا ہے حالانکہ حکم ربّانی اس کے بر عکس ہے کہ نیکی اور پرہیز گاری پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ نیکی اور پرہیز گاری وہ ہے جو حدیث میں ہو' جو رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہو نہ وہ جو آپؐ نے نہ بتلائی ہو تو پھر اس کا تو کیا ہی ٹھکانا ہے جو آپؐ کے فرمان کے خلاف بلکہ بر عکس ہو وقف کی صحت موقوف ہے خدا کی نزدیکی اور اس کی اطاعت گزاری پر خواہ مصرف کے لحاظ سے ہو' خواہ جہت کے لحاظ سے' خواہ شرطوں کے لحاظ سے شرط صفت و حال ہے جہت کی اور مصرف کی۔ جب شرط قربِ الٰہی اور فرمانبرداریٔ شرع میں خرچ کی ہو تو خود شرط بھی قربِ الٰہی اور فرمانبرداریٔ شرع ہے۔ یہی بات سمجھداری کی ہے' ناممکن ہے کہ کوئی بھی بزرگ اس کے خلاف کہتا ہو کسی امام کی زبان سے اس کے خلاف نکلا ہو' ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ائمہ اس کے مخالف نہیں بلکہ یہی ان کا متفقہ قول ہے۔ اللہ نے انہیں صریح ہدایت کے خلاف سے بچا لیا ہے ہاں جو لوگ اپنے تئیں ان کا مقلد ظاہر کرتے ہیں وہ ان کے قول کو سمجھے بغیر الٹی پلٹی باتیں

کہہ کر ان بزرگوں کے نام پر دھر دیتے ہیں۔ سنیئے ہمارے زمانے کے موجودہ مفتیوں میں سے ایک کا ذکر ہے کہ اس سے سوال ہوا کہ کوئی شخص ذمی کافروں کے لیے کچھ وقف کر گیا' اس کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ کیا یہ وقف صحیح ہے اور کیا اس کا نفع صرف انہی لوگوں کو پہنچے گا؟ تو اُس نے ان دونوں باتوں کا جواب دیا کہ ہاں اور ساتھ ہی یہ بھی جڑ دی کہ ہمارے ہم مذہب اصحاب کا یہی فتویٰ ہے۔ ہمارے شیخ نے اس کی فوری تردید کی اور فرمایا کہ تم نے فقہا کے مقصود کو خاک بھی نہیں سمجھا' انہوں نے صرف یہ قصد کیا ہے کہ اہل ذمہ سے ہونا اس پر وقف کرنے کے منافی نہیں۔ جب کہ قرابت داری ہو یا اُس کی تعیین ہو اس سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ سے کفر کرنے والے صلیب کی پوجا کرنے والے مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے ہی اس وقف کے حقدار ہیں اور جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائیں' دینِ اسلام کے متبع ہوں' انہیں اس وقف میں کوئی حصہ ہی نہیں تو مطلب یہ ہوا کہ اس وقف سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلائے اور دینِ اسلام کے ساتھ کفر کرے۔ ذمے کے وصف کا وقف کی صحت سے مانع ہونا اور اس کا مقتضی ہونا ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ پس ایسے مفتیوں کا موٹی سمجھ والا اور گوڈر بھرے دماغ والا اور بیوقوف ہونا بالکل ظاہر ہے۔ آپ اس کی نظیر یہ لیجیے کہ کسی نے مالداروں کے لیے ہی وقف کیا ہے یہ اس وقت صحیح ہو گا جب کہ مالدار قرابت دار ہو تو بے شک اس کی مالداری مانع نہ ہو گی لیکن یہ غلط ہے کہ مالداری وجہ ہوئی اس کے مستحق ہونے کی تو جب تک اسے حاجت نہ تھی حلال تھا' جب حاجت ہوئی حرام ہو گیا۔ یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جسے اللہ کی طرف کی توفیق نہ ہو اور جسے قدرت رُسوا کرنا چاہتی ہو۔ اگر نبی ﷺ کسی امام کو ایسا کرتے دیکھ لیتے تو یقیناً آپ اس پر سخت انکار کرتے' بے حد ناراض ہوتے اور ہرگز اسے جائز نہ رکھتے۔ اسی طرح اگر آپ اپنی امت کے کسی آدمی کو دیکھتے کہ اس نے ان لوگوں پر وقف کیا ہے جو بال بچوں سے آزاد ہوں' شادی بیاہ سے الگ ہوں اور اگر وہ بیوی بچّے والے ہو جائیں تو ان کا حق ساقط ہو جائے تو یقیناً آپ ایسے لوگوں پر سخت غضبناک ہوتے اور ان کے اس فعل کو ناپسند فرماتے کیونکہ آپ کا دین اس کے برعکس ہے' آپ کی تو عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ کے پاس مال آتا تو آپ مجرد لوگوں کو اکہرا حصہ دیتے اور گھر بار والوں کو دوہرا حصہ عطا فرماتے ہیں۔ تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ پر ضروری ہے' ان میں ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جو حرام کاری سے بچنے کے لیے نکاح کریں' اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے والوں کی اعانت و مدد اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔

مذہب معین کی شرط کا باطل ہونا

اسی قسم کی شرط یہ ہے کہ اس وقف کا مستحق وہ ہے جو قرآن حدیث کو' ان کی معرفت اور ان کے عِلم کو اور ان سے مسائل سمجھنے کو چھوڑ دے اور کسی ایک امام کا مقلد ہو' اس کے سوا کسی کے قول کو نہ مانے بلکہ قرآن و حدیث کو بھی اس کے قول کے خلاف پا کر ترک کر دے۔ پس یہ شرط بھی صاف باطل ہے بلکہ اصحابِ شافعی اور اصحاب احمد نے تصریح کی ہے کہ جب امام کسی قاضی کو اس شرط پر مقرر کرے کہ وہ فلاں مذہب معین کے ساتھ ہی فیصلے کرے تو یہ شرط باطل ہے اور اس پر ضروری نہیں کہ وہ اس کی پابندی کرے۔ متولی ہونے کے بطلان میں دو قول ہیں جو مبنی ہیں فاسد شرطوں کے ساتھ کی بیع کے باطل نہ ہونے پر۔ اسی قاعدے پر یہ ہے کہ جب مفتی سے یہ شرط کی گئی کہ وہ فلاں ایک ہی مذہب پر فتویٰ دیتا رہے تو یہ شرط باطل ہے اور اسی پر اس مسئلے کی بنا ہے کہ جب کسی نے کسی عالم سے یہ شرط کر لی کہ وہ فلاں مذہب کی فقہ کی کتابوں

کے سوا اور کتابیں نہ دیکھے' نہ ان میں مشغول رہے ظاہر ہے کہ اس سے کتاب اللہ' سُنّتِ رسول اللہ' اقوالِ صحابہ' مذاہب علماء سب اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائیں گے اس لیے یہ شرط صحیح نہیں پھر اس کا ضروری ہونا تو کجا؟ اس پر عمل کرنا جائز ہی نہیں اور لائق بھی نہیں۔ الغرض قاعدۂ کلیہ اس بارے میں یہ ہے کہ مدد نیکی اور پرہیزگاری پر کرنی چاہیے جس میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہو اسے مقدم کرے جو قرآن و حدیث کی رُو سے مقدم ہو اور اسے مؤخر کرے جو قرآن و حدیث کی رو سے مؤخر ہو۔ اعتبار اس کا کرے جو دین میں معتبر ہو اور اُسے لغو قرار دے جسے شریعت نے لغو قرار دیا ہو۔ وقف کرنے والوں کی شرطیں نذر ماننے والوں کی نذر سے زیادہ نہیں جیسے نذر میں ضروری ہے کہ صرف وہی پوری کی جائے جو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ میں ہو اسی طرح وقف کی شرطوں میں بھی وہی پوری ہوگی جو اللہ اور رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ اس پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ وقف کرنے والے نے جب اسی صفت والوں کے لیے وقف کیا ہے اور اپنی رضامندی سے صرف ایسے ہی لوگوں کو اپنا مال دیا ہے اور ان کے سوا اوروں سے وہ راضی نہیں گو وہ ان سے افضل ہی کیوں نہ ہوں؟ تو یہ اسی کو ملے گا مثلاً ایک شخص ایک کام کے لیے ایک مزدور مقرر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی اجرت کا وہی مستحق ہوگا جو اس کام کو کرے نہ وہ جو اس کام کو نہ کرے گو درجوں میں زمین آسمان کا فرق ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہی وہم ہے جس نے دلوں میں جگہ پکڑ کے زبردستی کے نام کے فقیہوں کو الٹ دیا ہے اور انہیں اس پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ اللہ کی' اس کے رسول ﷺ کی رضامندی سے ہٹ کر اجماعِ امت کے خلاف اور دینی ہدایت کے برعکس اس قسم کی خلافِ شرع شرطوں کو جاری کرتے ہیں اور انہیں ضروری جانتے ہیں۔ یہ اتنا فرق کرنا نہیں جانتے کہ مزدور رکھنے والے کا مقصد اپنے پیش نظر کام کو پورا کرنا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کام فی نفسہٖ حلال بھی ہے یا نہیں؟ اور وقف کرنے والے کا مقصود اللہ کی خوشنودی اور ثواب و اجر کا حاصل کرنا ہے۔ اس نے جب معلوم کر لیا کہ وہ اپنے مال کو آپ اپنے اغراض میں خرچ نہیں کر سکتا تو اس نے چاہا کہ کسی نیکی کے کام میں اسے خرچ کرے۔ جس سے علاوہ اللہ کی خوشنودی کے اُسے دارِ آخرت کا نفع حاصل ہو فرمایئے کوئی ہے جسے اس بات میں شک ہو؟ بلکہ خود وقف کرنے والوں سے آپ دریافت کر لیجیے کہ کیا اس کے سوا ان کی کوئی اور نیت ہوتی ہے؟ اللہ جل شانہ نے بندے کو مال اسی لیے بخشا ہے کہ وہ اس سے دنیا میں زندگی بھر نفع اٹھائے اور اسے اختیار دے رکھا ہے کہ اپنے انتقال کے بعد اُسے وقف کر جائے کہ اس سے اسے ثواب ملتا رہے اور موت کے بعد بھی اسے نفع پہنچے۔ ہاں موت کے اور زندگی کے اختیار میں میں یہ فرق ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا اور وصیت بھی نیکی اور بھلائی کے کاموں کی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُس نے خلافِ شرع ظلم و جور کی وصیت کی تو وارثوں اور وصی کو جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اسے بدل کر مطابق شرع کر لیں۔ دینے والے کو صرف یہ اختیار ہے کہ اللہ کی نزدیکی اور اس کی رضامندی کی جستجو میں اپنا مال دے جائے نہ یہ کہ جہاں چاہے لگا جائے۔ کوئی آیت و حدیث اس کے جواز کی نہیں کہ وہ وقف میں جو چاہے جس طرح چاہے جس شرط سے چاہے وقف کر جائے اور بعد والوں پر بلکہ حاکم و قاضی پر بھی اس کی شرط لازمی اور ضروری ہو۔

ایک دلیل اور اُس کا جواب

ایسے لوگ ایک دلیل یہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ اپنا مال راہ للہ وقف کرنے والے کی شرطیں ہی معتبر ہیں جیسے شارع

علیہ السلام کے صاف الفاظ اس جملے کے ایک معنی تو صحیح ہیں اور دوسرے بالکل باطل اور غلط ہیں۔ اگر اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ جیسے الفاظِ شرع ہیں' فہم میں' دلالت میں' مطلق کو مقید کرنے میں' خاص کی عام پر تقدیم کرنے میں' عمومِ لفظ کے لینے میں نہ کہ سببِ خاص میں تو یہ فی الجملہ حق ہے اور اگر اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ رعایت میں لازم ہونے میں جاری کرنے میں واقف کے الفاظ ایسے ہی ضروری اور اَٹل ہیں جیسے قرآن و حدیث کے لفظی احکام تو یہ محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ ان میں سے جو بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے نہ ہوگا وہ باطل ہے اور ان شرائط وغیرہ کے سوا جو چیز قربِ الٰہی کا موجب ہوگی وہ مقدم بلکہ ضروری ہوگی قربت الٰہی اور فرمان برادریٔ شرع کے مطابق جو ہو وہ جاری ساری' ضروری اور ٹھیک ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ تو توڑ دینے' لغو کر دینے بلکہ خلاف کرنے کے قابل۔ کیا بھول گئے کہ ابو اسرائیل نامی ایک صحابی نے نذر مانی تھی کہ وہ روزے رکھے گا اور دن بھر دھوپ میں کھڑا رہے گا' بیٹھے گا نہیں' نہ کسی سے بات چیت کرے گا تو نبی ﷺ نے اس کی یہ نذر تڑوا دی اور اُسے حکم فرمایا کہ سائے میں بیٹھ جائے' بات چیت کرے اور روزہ پورا کرے۔ دیکھیے جو اطاعت الٰہی کی چیز تھی اسے پورا کرنے کو فرمایا اور جو اطاعت الٰہی کے خلاف چیز تھی اُس سے روک دیا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن رضی اللہ عنہا نے نذر مانگی کہ ننگے سر پیدل حج کرے گی تو آپ نے اس کی نذر تڑوا دی اور اُسے حکم فرمایا کہ سر ڈھانپ لے' سوار ہو جائے اور حج کرے اور ایک جانور فی اللہ قربان کر دے۔ پس جو بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں ان پر واجب ہے کہ وقف کرنے والوں کی شرطوں کی بھی اسی طرح تقسیم کر لیں یعنی جو مطابق شرع ہو باقی جو نہ ہو باقی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عنایت فرمائے۔

ضرورت کے موقعہ پر تفصیلی جواب ضروری ہے

اٹھارھواں فائدہ : جہاں کہیں کسی مسئلے کا جواب تفصیلی ہو وہاں مفتی کو بھی تفصیل کر دینی چاہیے ہاں! جہاں یہ معلوم ہو جائے کہ سائل کی غرض اس کی فلاں خاص قسم کے سوال سے ہی ہے تو اور بات ہے لیکن جب مسئلہ محتاجِ بیان و تشریح ہو تو اسے ضرور کھول کر بیان کرنا چاہیے۔ دیکھئے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے ان سے تفصیل دریافت کی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مقدماتِ زنا تک ہی محدود رہا یا نفس زنا کا ارتکاب ہوا؟ جب یہ بات صاف ہوگئی تو پھر دریافت کیا کہ مجنون تو نہیں کہ اس کا اقرار بے وقعت ہو یا عاقل ہے کہ اس کا کہنا معتبر مانا جائے۔ جب یہ بھی پتہ چل گیا تو اس بات کو معلوم کیا کہ کہیں یہ نشے کی حالت میں تو نہیں؟ جب یہ بھی کھل گیا تو پھر پوچھا کہ شادی شدہ ہے یا مجرد ہے؟ جب یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شادی شدہ ہے اب آپؐ نے ان پر حد قائم کی۔ ایک عورت کے اس سوال پر کہ جب عورت کو احتلام ہو اس پر غسل ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ ہاں ہے جب پانی دیکھے۔ معلوم ہوا کہ اس صورت میں اس پر غسل ہے ورنہ نہیں۔ مسئلے کی تفصیل ہوگئی اور اس کی دونوں شقیں ظاہر ہوگئیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے جب آپ سے درخواست کی کہ ان کے اپنے بیٹے کو بخشے ہوئے غلام پر آپ گواہ رہیں' آپ نے تفصیل دریافت کی کہ اپنے سب بچوں کو اسی طرح بخشا ہے؟ ان کے انکار پر آپؐ نے گواہ رہنے سے بھی انکار کر دیا اور گویا اس تشریح سے سمجھا دیا کہ جب سب بچے کسی ہبہ میں شریک ہوں تو وہ ہبہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے جب انہوں نے اپنے گھر میں فرض نماز پڑھ لینے کی رخصت آپؐ سے طلب کی تو آپؐ نے ان سے بھی تشریح طلب کی کہ کیا تم اذان

سنتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپؒ نے فرمایا پھر تو قبولیت ضروری ہے۔ پس اس میں بھی تفصیل کر دی کہ اگر اذان کی آواز کان میں نہیں پڑتی تو اور حکم ہے ورنہ مسجد میں آنا ضروری ہے۔ آپؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کی لونڈی سے مجامعت کر بیٹھا ہے تو آپؒ نے تفصیل کی کہ اگر جبراً اُس سے یہ کام کیا ہے تو وہ لونڈی آزاد ہے اور اُسے اُس جیسی لونڈی خرید کر دینی ہوگی اور اگر رضا مندی سے کیا ہے تو وہ لونڈی اسی کی ہو جائے گی اور اس کی مالکہ کو اسے اسی کے مثل اور لونڈی دینی پڑے گی۔ ایسے آپؒ کے فتوے بکثرت ہیں۔

دھوبی کا مسئلہ

پس جب مفتی سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے دھوبی کو کپڑے دھونے کے لیے دیئے' اُس نے کپڑوں کا انکار کر دیا پھر اقرار کیا تو وہ دھلائی کی اجرت کا بھی مستحق ہے یا نہیں؟ تو ہاں یا نا سے جواب دینا نا درست ہے ٹھیک یہی ہے کہ اس میں تفصیل ہے یعنی اگر دھونے کے بعد انکار کیا ہے تو اُسے دھلائی ملے گی کیونکہ دھوئے ہیں اس نے مالک کے لیے اور اگر انکار کے بعد دھوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ اپنے لیے دھوئے ہیں پس مستحق اجرت نہیں۔ اسی طرح مثلاً کسی سے مسئلہ پوچھا گیا کہ فلاں شخص نے قسم کھائی تھی کہ فلاں کام نہ کرے گا پھر اس نے اس کام کو کر لیا ہے تو اسے جائز نہیں کہ بغیر تفصیل کے فتویٰ دے دے بلکہ معلوم کر لے کہ اس کام کے کرنے کے وقت عقل و ہوش ٹھکانے تھے یا نہیں؟ قسم کے وقت مختار تھا یا نہیں؟ قسم کے بعد ان شاء اللہ کہا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں کہا تھا تو اس کام کو کرنے کے وقت جانتا بوجھتا' یاد رکھتا اور مختار تھا یا بھولا بسرا یا جاہل یا زبردستی کیا گیا تھا؟ پھر باوجود علم و اختیار کے اس کام کو بھی اس نے اپنے قصد اور نیت میں رکھا تھا؟ یا اُسے اپنے ارادے میں مخصوص کر دیا تھا یا اُسے اس کے ماتحت داخل کرنے کا قصد ہی نہیں کیا تھا' نہ اس کی تخصیص کا خیال کیا تھا۔ ان تمام سوالوں کے صحیح جواب پر فتوے کی صورت بھی بدل جائے گی۔ ہمارے زمانے کے ایک مفتی صاحب کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بارہا بغیر تفصیل کے فتویٰ دے دیا کہ قسم توڑ دی لیکن جب ہم نے اس کی تشریح دریافت کی تو ثابت ہوا کہ وہ فتویٰ خود اس کے مذہب کے بھی مطابق نہیں۔ یاد رہے کہ مفتی کا عہدہ بڑا خطرناک عہدہ ہے وہ تو گویا اللہ اور رسول ﷺ کا نائب ہے' وہ تو گویا اللہ اور رسول ﷺ کی کہی ہوئی سناتا ہے' وہ تو گویا یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ نے یہ حکم کیا' اللہ نے یہ حرام کیا' اللہ نے یہ واجب کیا۔ اسی طرح مثلاً سوال کیا گیا کہ ظہر' عصر کی نمازوں کو جمع کرنے میں تفریق جائز ہے یا نہیں؟ تو لامحالہ دونوں صورتوں کا الگ الگ فتویٰ دینا پڑے گا کہ اگر پہلے وقت میں ہے تو جدائی جائز نہیں اور اگر دوسرے وقت میں ہے تو تفریق جائز ہے۔ اسی طرح کسی شخص سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے دوسرے کو زبردستی مجبور کر دیا کہ اس اسباب میں آگ لگا دے یا اس گھر کو گرا دے یا اس مال کو تلف کر دے ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اُس نے اپنی جان بچانے کی خاطر ایسا کیا تو کیا اس کے ذمے اس تلف کردہ مال کی قیمت ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب بھی تفصیل طلب ہے یعنی اگر وہ مال زبردستی کرنے والے کا ہی تھا تو اس پر کوئی ضمانت نہیں اور اگر کسی اور کا تھا تو اس کے ذمے ہے۔ اسی طرح اگر یہ سوال ہو کہ جس شخص نے ظہار کیا تھا اس نے اثنائے کفارہ میں وطی کی تو کیا اُسے از سرنو کفارہ دینا ہوگا یا جو دے چکا ہے۔ اسی پر بنا کرنی ہوگی؟ اس کا جواب بھی تفصیل سے ہی دینا ہوگا یعنی اگر وہ روزوں سے کفارہ ادا کر رہا تھا اور اسی اثناء میں اس نے یہ حرکت کی ہے پھر تو اسے نئے سرے سے روزے دوبارہ رکھنے پڑیں گے اور اگر کھانا کھلانے سے کفارہ ادا کر رہا تھا تو نئے سرے سے نہ آئے گا بلکہ جتنا ادا

کر چکا ہے آگے سے اسے پورا کر دے اس لیے کہ روزوں میں یہ شرط ہے کہ پے درپے ہوں اور عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہوں بخلاف کھانا کھلانے کے۔

اسی طرح کوئی سوال کرے کہ آزادی گردن کا کفارہ ادا کرنے والا جب ایسا غلام آزاد کرے جس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو کیا حکم ہے؟ اس کا جواب بھی تفصیل طلب ہے یعنی یہ کہ اگر انگوٹھا کٹا ہوا ہے تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اگر چھنگلیا اور اس کے پاس کی انگلی کٹی ہوئی ہے تو بھی جواب میں تشریح ہونی ضروری ہے یعنی اگر ایک ہی ہاتھ کی یہ دونوں انگلیاں نہیں ہیں تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر سوال ہو کہ کسی فاسق نے کوئی گری پڑی چیز اٹھالی ہے یا راستے میں سے کوئی بچہ پایا ہے تو آیا اسی کے پاس رہنے دیا جائے یا نہیں؟ تو اس کا جواب بھی تفصیل ہے کہ کھوئی ہوئی چیز کے روک رکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بچہ نہیں رہنے دیا جائے گا اس لیے کہ چیز پائی ہوئی تو گویا ایک کمائی ہے اس سے نہ روکا جائے لیکن بچے کی ولایت کا حقدار فاسق شخص نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اگر سوال ہو کہ کسی نے مچھلی خریدی' اس کے پیٹ میں سے مال نکلا تو کیا کرنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لؤلؤ اور جوہر ہے تب تو وہ ماہی گیر کا حق ہے اس لیے کہ اس نے شکار کیا ہے اور اسے دے دینے میں اس کا جی ہرگز راضی نہ ہوگا اور اگر انگوٹھی یا دینار ہے تو وہ گری پڑی گم شدہ چیز کے حکم میں ہے' خریدار کے پاس رہے گی اور وہ اُسے پہنچوائے گا جیسی اور چیزیں۔ اسی طرح کسی نے سوال کیا کہ میں نے ایک جانور خریدا' اس کے پیٹ میں سے جوہر پایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ جانور بکری ہے تو یہ جوہر لقطہ میں داخل ہے سال بھر تک پہنچوائے' پھر اپنے کام میں لائے اور اگر وہ کوئی تری کا جانور ہے مثلاً مچھلی وغیرہ تو وہ اس کے پکڑنے والے کا حق ہے۔ ان دونوں صورتوں کا فرق واضح ہے۔ اسی طرح کا یہ سوال ہے کہ ایک غلام نے کوئی کھوئی ہوئی چیز پائی اور پھر وہ خرچ کر دی تو اس کے ذمے ہے یا اس کی گردن کے ذمے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر پہنچوانے سے پہلے ہی خرچ کر ڈالی ہے تو اس کی گردن پر ہے اور اگر ایک سال تک پہنچوانے کے بعد خرچ کر دی ہے تو وہ اس کے اپنے ذمے ہے۔ آزادی کے بعد اس سے وصول کی جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے۔ اس لیے کہ سال بھر سے پہلے اسے خرچ کرنے کا حق نہیں تھا پھر بھی اس نے خرچ کر دیا تو اس کا بوجھ اس پر ہوگا اور سال کے گزر جانے کے بعد یہ بنسبت اپنے مالک کے روکا نہیں گیا اس وقت کا خرچ گویا اپنے مالک کی اجازت سے خرچ ہوگا پس اس کے ذمے ہوگا جیسے کہ اس کا اپنا فرض۔ اسی طرح سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی کھوئی ہوئی چیز کو پا کر لا دینے والے کے لیے کوئی انعام مقرر کیا ہے تو کیا اس انعام کا مستحق اس چیز کا پیش کرنے والا ہے یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر اس خبر کے ملنے سے پہلے وہ چیز اُسے ملی ہے تو وہ مستحق نہیں اس لیے کہ اس نے اس انعام کی خاطر اُسے نہ تلاش کیا' نہ پایا اور جب اس کا مالک ظاہر ہوگیا تو اس کا لوٹانا شرعاً اس کے ذمے تھا۔ ہاں! اگر یہ خبر پا لینے کے بعد اسے وہ چیز ملی ہے تو بے شک وہ اس انعام کا مستحق ہے۔ اسی طرح کسی سے سوال ہوا کہ کیا ماں باپ کو اپنے لڑکے کے مال کا مالک ہونا یا اسے ہبہ کی ہوئی چیز کا واپس لے لینا جائز ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ باپ کو جائز ہے ماں کو نہیں۔ اسی طرح جب کہ اس کے وارثوں میں سے سوائے باپ اور بیٹے کے دو گواہ گزریں اور زخم کی گواہی دیں تو اگر زخم کے بھر جانے سے پہلے ہے تو قبول نہیں کیونکہ تہمت کا امکان ہے اور اگر بعد ہے تو اس احتمال کے نہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہے۔

مدعی نکاح

اسی طرح ایک شخص نے ایک عورت سے اپنے نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت بھی اقراری ہے تو اس کا اقرار معتبر مانا جائے گا یا نہیں؟ اس کا جواب بھی تفصیل سے ہے کہ اگر وہی شخص دعوے دار ہے تو عورت کا اقرار معتبر ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور بھی دعوے دار ہے تو پھر قبول نہیں۔ اسی طرح اگر سوال ہو کہ ایک شخص مرگیا ہے' اس کے وارثوں نے اس کے ترکے میں سے کسی چیز کا دعویٰ کیا ہے اور شاہد قائم کیے ہیں ان میں سے ہر ایک کو قسم دی گئی اگر بعضوں نے قسم کھالی تو وہ اپنے حصے کے حقدار سمجھے گئے تو سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے قسم نہیں کھائی وہ اس کے اس حصے میں جسے اس نے اپنی قسم سے حاصل کیا ہے شریک ہوں گے یا نہیں؟ تو اس کا جواب بھی تفصیل سے ہے یعنی اگر قرض پر دعویٰ ہے تو اوروں کا اس میں حصہ نہیں صرف قسم کھانے والے کو اس کے حصے کے مطابق مل جائے گا اور اگر عین پر قسم ہے تو قسم نہ کھانے والے بھی اس میں شریک ہوں گے اس لیے کہ قرض غیر متعین ہے جو قسم کھائے گا وہ اپنے حصے کے برابر کے قرض کا حقدار ہوگا نہ کہ اس کے سوا کا اور جس نے قسم نہیں کھائی اس کا حق ثابت ہی نہیں ہوا۔ ہاں! عین پر اگر دعویٰ ہے تو تمام وارث اس میں شامل رہیں گے کیونکہ اس میں ہر وارث شریک ہے ان میں وہ چیز مشترک ہے اور ان کے حقوق اس عین چیز میں شامل ہیں پس جو خالص ہو جائے وہ ان سب میں مشترک ہے اور باقی ان کی جماعت پر غصب ہے۔

تحریر دعویٰ سے پہلے حاکم کا فرض

اس طرح جب سوال کیا جائے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے مخالف پر سختی کی اور دعویٰ تحریر نہیں کیا تو کیا حاکم اسے حاضر کرے گا؟ اس کے جواب میں بھی تفصیل ہے کہ اگر اس نے کسی شہری حاضر پر کیا ہے تو اسے بلوایا جائے گا کیونکہ اس میں مشقت نہیں اور اگر غائب ہو تو نہ بلوایا جائے گا کیونکہ اس نے سمیٹنا نہیں۔ اسی طرح یہ سوال کہ شکار کا کوئی عضو کٹ کر الگ ہو گیا اور شکار بھاگ گیا تو آیا اس ٹکڑے کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اگر تری کا شکار ہے تو جائز ہے اور اگر خشکی کا ہے تو حلال نہیں۔

ذمی کافروں سے عُشر

اسی طرح اگر یہ سوال کیا جائے کہ ذمی تاجر سے عشر لیا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر وہ مرد ہے تو اس سے لیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اگر وہ حجاز کی سرزمین میں آئی تو اس سے لیا جائے گا اور اگر اور جگہ ہے تو اس سے نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ حجاز کے سوا اور جگہ وہ برقرار ہے اس لیے جزیہ نہیں۔

باپ کی میراث طلبی

اسی طرح اگر سوال ہو کہ ایک شخص مرگیا' اس کا باپ اپنا حصہ میراث مانگتا ہے اور یہ اب تک معلوم نہیں ہوا کہ اس کے سوا اور کون کون اس کے وارث ہیں؟ تو باپ کو کتنا دینا چاہیے؟ تو اس کا جواب بھی علیحدہ علیحدہ کر کے دینا ہوگا یعنی اگر مرنے والا مرد ہے تو باپ کو فی سترہ چار دیئے جائیں گے اس لیے کہ انتہائی یہ ہے کہ باپ کے ساتھ بیوی' ماں اور دو لڑکیاں

ہوں تو اس صورت میں اس کا یہی حصہ ہے اور اگر میت عورت ہے تو فی پندرہ دو کا حصہ ہے اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ یہاں یہ صورت مانی جا سکتی ہے کہ خاوند ہو' ماں ہو اور دو لڑکیاں ہوں اور اس حالت میں اس کا حصہ پندرہ حصوں میں سے دو کا ہے۔ اگر ایک سائل کہتا ہے کہ کسی میت نے تین لڑکیاں چھوڑیں' ان کے لڑکے ایک سے نیچے ایک ہیں' ساتھ ہی اس کی علیا دادی کے۔ تو مفتی جواب دے گا کہ اگر میت مرد ہے تو مسئلہ محال ہے اس لیے کہ اس صورت میں اعلیٰ دادا خود میت ہی ہوا۔ ہاں! اگر وہ عورت ہے تو اعلیٰ دادا میت کا خاوند ہو گا یا اس طرح نہیں ہو گا۔ اگر خاوند ہو تو اُسے چوتھائی حصہ ملے گا اور اونچے والے کو آدھا اور درمیان والے کو چھٹا حصہ تاکہ دو ثلث پورے ہو جائیں اور باقی مال عصبہ کو مل جائے گا۔ اگر سائل کہے کہ میت نے دو لڑکیاں اور ماں باپ چھوڑے ہیں' ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے ان دو میں سے ایک مرگئی اور اپنے وارثوں کو چھوڑ گئی تو مفتی کہے گا کہ اگر مرنے والا مرد ہے تو مسئلہ چھ سے ہو گا' دو حصے ماں باپ کے اور دو دو حصے دونوں لڑکیوں کے جب ان میں سے ایک مرگئی تو اس کے پیچھے اس کی دادی چھوٹی' دادا چھوٹا اور باپ سے ایک بہن چھوٹی یہ مسئلہ بھی چھ سے ہو گا اور پھر اس کی تصحیح اٹھارہ سے ہو گی اور اس کا ترکہ دو حصے ہے اس کے نئے مسئلے سے اس کی موافقت نصف سے ہے۔ پس دونوں پر لوٹا دیا جائے گا پھر اسے چھ میں ضرب دی جائے گی تو چون ہو جائیں گے اسی سے اس کی تصحیح ہو گی۔ اگر میت عورت ہے تو اس کا فریضہ بھی چھ سے ہو گا پھر دو لڑکیوں میں سے ایک کے دو حصے رہ جائیں گے اور اس کے وارث نانی نانا اور باپ کی طرف کی بہن ہو تو نانا کو کچھ نہیں ملے گا۔ نانی کو سدس دیا جائے گا' بہن کو نصف ملے گا' باقی عصبہ کو دے دیا جائے گا' مسئلہ چھ سے ہو گا اسی کے حصے دو ہوں گے۔ پس تین کو پہلے مسئلے میں ضرب دینے سے اٹھارہ ہو جائیں گے۔

اصل مقصود

اس ساری بحث سے مقصود صرف اسی قدر ہے کہ جب سوال میں کئی احتمال ہوں تو مطلق اور مجمل جواب نہ دینا چاہیے بلکہ تفصیل واجب ہے' اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ عموماً مفتی صاحبان اس غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مفتی کے سامنے مسائل عجیب و غریب' طرح طرح کے قالب میں ڈھلے ہوئے آتے ہیں تو اگر وہ اصل حقیقت تک نہ پہنچے گا تو ہلاک ہو گا اور ہلاک کرے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو مسئلے ایسے آ جاتے ہیں کہ صورت میں ایک ہیں اور حکم میں الگ الگ ایک صورت میں صحیح اور جائز' دوسری میں باطل اور حرام کیونکہ گو صورۃً یکساں ہیں لیکن حقیقتاً جداگانہ ہیں اگر مفتی نے ظاہر پر ہی نظر ڈالی تو بہت ممکن ہے کہ شریعت کی تفریق کو وہ جمع کر دے کبھی اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسئلے دو ہیں' صورتیں مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہے اس لیے حکم بھی ایک ہے تو ہو سکتا ہے کہ مفتی صاحب اختلافِ صورت سے اختلافِ حکم کر دیں حقیقت سامنے نہ رکھ کر ٹھوکر کھا جائیں اور اللہ کے جمع کردہ مختلف اور متفرق میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مسئلہ ایسا وارد ہوا جس میں کئی ایک ہوں جن میں سے ایک کی طرف مفتی کا ذہن منتقل ہو جائے اور اسی کا جواب میں دھیان رہے تو ظاہر ہے کہ جواب کبھی صحیح نہ ہو گا۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی کے خلاف جواب لینے کے لیے خود سائل مسئلہ کی صورت ایسی پیاری ظاہر کرتا ہے کہ واہ واہ الفاظ ایسے بجے تلے ہوتے ہیں کہ سبحان اللہ پس مفتی اُلجھ جاتا ہے اور اس کے قلم سے جو نکلتا ہے وہ بالکل ہی باطل اور غلط ہوتا ہے اور کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے کہ حق مسئلے کے خلاف سوال میں وہ بوچھاڑ ہوتی ہے کہ مفتی اس کے رُعب میں آ کر جواب میں ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

لوگوں کی ظاہر بینی

اللہ اللہ! کس قدر پھسلن میدان ہے اور کس قدر دھنسا دینے والی جھیل ہے۔ حق بات کو کبھی شیطان اس طرح اپنے دوستوں کی زبان سے جھٹلاتا ہے کہ وہ ناحق معلوم ہونے لگتی ہے اور کم دین اور کم عقل اور کم نظر انسان اس دھوکے میں بُری طرح پھنس جاتے ہیں‘ بہت سے باطل سے بچنے والے ایسے ہیں کہ شیطان لوگوں کی نظروں میں انہیں اپنے دوستوں کی زبانی حقیر کر دیتا ہے اور وہ بیچارے برائی کے ساتھ یاد کیے جانے لگتے ہیں۔ عموماً لوگوں کی نظریں اصل معاملے میں ٹھیک حق پر نہیں جمتیں‘ لفظوں کی بندھنیں وہ توڑ نہیں سکتے۔ عبارت کی قید سے وہ آزاد نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:
﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ ﴾ الخ‘ (الانعام: ۱۱۲) یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے بہت سے جنات اور انسان و شیاطین کو دشمن بنا دیا ہے جو بعض بعض کی طرف دھوکے بازی کی بنی سنوری باتوں کو وحی کرتے رہتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو اُن سے اور ان کی افتراء پردازی سے بے نیاز ہو جا۔ یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والوں کے دل اس طرف جھک جائیں‘ وہ اس سے خوش ہو جائیں اور پھر جو انہیں کرنا ہے کر گزریں۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

میں آپ کے سامنے ایک واقعہ بطورِ مثال کے ذکر کر دوں۔ ہمارے زمانے کے سلطان نے حکم جاری کیا کہ اہل ذمہ پر ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے عماموں کے رنگ کے عمامے نہ باندھیں بلکہ اس کے خلاف وہ اپنے عمامے متغیر کر لیں۔ بس اس حکم کا جاری ہونا ان کے لیے قیامت ہو گیا۔ بہت ہی گراں گزرا۔ حالانکہ اس میں بڑی بڑی مصلحتیں تھیں‘ اس میں اسلام کا اعزاز تھا اور کافروں کی ذلت تھی۔ اس سے مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں لیکن شیطان نے اپنے دوستوں اور بھائیوں کی زبان پر ڈالا اور انہوں نے فتوے کا ایک قالب ڈھالا جس سے اس غبار کو صاف کر لیں۔ صورت یہ بنائی کہ علمائے کرام کا فتویٰ اس بارے میں کیا ہے کہ اہل ذمہ کو ان کے ہمیشہ کے خلاف لباس پہننے کو ضروری قرار دیا جائے اور ان کے قدیم طریقے سے دوسرے طریق اور حالت پر ان کو لایا جائے جس سے انہیں راستوں میں‘ میدانوں میں سخت ضرر پہنچے‘ چھوٹے موٹے آدمی ان پر لے دے کریں اور انہیں طرح طرح کی مشکلیں اور ایذائیں دیں‘ ان کی اہانت کریں اور ان پر دست تعدی دراز کریں۔ اگر ایسا ہو تو کیا امام کو جائز ہے کہ انہیں پھر سے ان کی اوّل حالت پر لوٹا دے اور اسی پہلے کی سی عادت پر انہیں دھا دے اور ایسی کوئی علامت رکھ دے جس سے وہ پہچان لیے جائیں کہ ایسا کرنا خلافِ شرع ہے یا نہیں؟ تو اُس مفتی نے جسے اللہ کی طرف سے توفیق میسر نہ تھی اور راہِ حق سے جو روک دیا گیا تھا۔ اِس نے اُس سوال کا جواب لکھا کہ بے شک یہ جائز ہے اور امام کو چاہیے کہ جس پر وہ پہلے تھے اسی پر انہیں پھر سے کر دے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ فتویٰ دستخط کرنے کے لیے میرے پاس بھی آیا۔ میں نے جواب دیا کہ انہیں پھر اس حالت پر لے جانا ہرگز جائز نہیں بلکہ اب جس حالت پر انہیں مقرر کیا گیا ہے‘ جس سے ان کی تمیز مسلمانوں میں سے ہو جاتی ہے اس کا باقی رکھنا واجب ہے۔ سائلوں کا یہ گروہ مجھ سے مایوس ہو کر واپس چلا گیا لیکن پھر کچھ دنوں بعد وہ آئے اور اب کی مرتبہ انہوں نے سوال کا رنگ بدل دیا تھا اور چاہتے تھے کہ اس رنگ میں جواز کا فتویٰ حاصل کر لیں۔ میں نے پھر بھی یہی جواب دیا‘ وہ چلے گئے۔ پھر آئے اور اب کے بالکل ہی جداگانہ سوال تھا۔ میں نے کہا یہ سب تمہاری شرارتیں ہیں‘ مقصود سب سوالات کا چونکہ ایک ہی ہے اس لیے میرا

جواب تو وہی ہے جو تم سن چکے ہو۔ پھر وہ خود سلطان کے پاس گئے اور ایسی زبردست دلیلیں دیں جن سے حاضرین دنگ رہ گئے اور سب نے اتفاق کر لیا کہ بے شک انہیں اس تمیزی حالت میں رکھا جائے۔ اس کی نظیریں بے شمار ہیں۔ شیطان نے اس طرح اپنے دوستوں کی زبان سے رنگین عبارتوں کے سوال میں فتویٰ لے لیا کہ جامع میں جو لیلۃ النصف میں ہوتا ہے وہ جائز ہے۔ الغرض یہ وہ شیطانی طریقہ ہے جس سے کئی ایک حق باطل کر دیئے گئے اور کئی ایک باطل حق کر دیئے گئے۔

عموماً لوگ ظاہر کلام' ظاہر لباس' ظاہر افعال پر نگاہیں ڈال لیا کرتے ہیں۔ اصل معاملہ کی تہ کو پہنچنے والے جو حقیقت پر نظر رکھتے ہوں اور باطن کو ٹٹولتے ہوں بہت ہی کم ہیں۔ ان کی گنتی دسویں حصے کے دسویں حصے کو بھی بمشکل پہنچتی ہے۔ اللہ ہماری مدد کرے۔

فرائض کے مسائل اور جوابات

اُنیسواں فائدہ : جب فرائض کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو مفتی پر یہ ضروری نہیں کہ میراث کے منع ہونے کے اسباب و وجوہ کو بھی بیان کرے اور یوں کہے کہ اس شرط سے کہ کافر نہ ہو' غلام نہ ہو' قاتل نہ ہو۔

ہاں! جب بھائی وارث ہو تو یہ تفصیل کر دے گا کہ اگر سگا ہے تو اس کا یہ حق ہے اور اگر سوتیلا ہے تو اس کا یہ حق ہے۔ اسی طرح چچاؤں کے بارے میں' ان کے لڑکوں کے بارے میں' بھائیوں کی اولاد کے بارے میں' دادے اور دادی کے بارے میں جب سوال کیا جائے تو بھی دونوں جگہ تفصیل و تفریق کی ضرورت ہے۔ پہلی صورت میں مطلق سوال دلالت کرتا ہے اس وارث پر جس کی میراث کا کوئی مانع نہ ہو جیسے کہ اگر سوال کیا جائے کہ کسی شخص نے بیوپار کیا یا مزدور رکھا یا اقرار کیا تو مفتی پر یہ ضروری نہیں کہ جواب میں صحت کے مانع گنوا دے یعنی جنون' اکراہ' جبر وغیرہ مگر اس وقت کہ اجمال بالکل برابر کا ہو۔ نبی ﷺ کے جوابات کو دیکھنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ آپ تفصیل وہاں کرتے جہاں حاجت تفصیل ہوتی لیکن جہاں حاجت نہ ہو وہاں تفصیل میں نہ جاتے کبھی اس ظاہری چیز کا حوالہ دے دیتے جو دین و شریعت سے بالکل صاف ظاہر ہے مثلاً حرام عورتوں کے ذکر کے بعد فرمایا ان کے ماسوا اور سب تمہارے لیے حلال ہیں۔ (نساء : ۲۴)۔ تین طلاق کے ذکر کے بعد فرمایا پھر اس خاوند پر یہ عورت حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے اپنا نکاح نہ کر لے۔ (البقرۃ : ۲۳) فرماتا ہے پاک دامن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں (مائدہ : ۵) پس متکلم اور مفتی پر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری شرائط حکم اور سارے مواقع حکم کا ذکر مسئلے کے بیان کے وقت کر ہی دے خواہ سائل اور متعلم کو اس سے کوئی ایسا فائدہ نہ بھی پہنچتا ہو۔ یاد رکھو بیانِ الٰہی سے زیادہ پورا کوئی بیان نہیں اور صحابی اور تابعین کے طریق سے کوئی بہتر ہدایت نہیں۔

فتویٰ تقلید پر مبنی نہیں ہونا چاہیے

بیسواں فائدہ : مقلد کو جائز نہیں کہ وہ دینِ الٰہی میں وہ فتوے دے جس کا اس کے پاس سوائے اس امام کے قول کے جس کی وہ تقلید کرتا ہے اور کوئی دلیل قرآن و حدیث کی نہیں۔ اس بات پر تمام سلف صالحین کا اجماع ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ امام ابو عمرو بن صلاح فرماتے ہیں کہ امام ابو عبداللہ حلیمی نے جو ماوراء النہر کے تمام شافعیوں کے پیشوا ہیں اور قاضی ابو المحاسن رویانی نے جو مذہب کے ایک بہتے ہوئے سمندر ہیں اور ان کے سوا اور بزرگوں نے صاف طور پر اس بات کو فیصل کر دیا ہے کہ مقلد کو تقلیدی

مسائل کا فتویٰ دینا درست نہیں۔ شیخ ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے شافعی کے رسالے کی اپنی شرح میں اپنے استاد امام ابوبکر قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ جس مقلد نے اپنے امام کے فتوے یاد رکھے ہوں اسے ان فتووں پر بحیثیت مقلد ہونے کے فتویٰ دینا درست ہے' اگرچہ وہ اس کی باریکیوں اور حقائق کا عالم نہ ہو جیسے کہ کسی عامی نے اگر مفتیوں کے فتوے جمع کر رکھے ہوں تو اُسے ان فتووں سے کوئی مسئلہ بتلانا جائز نہیں لیکن جب وہ ان میں تبحر رکھتا ہو تو جائز ہے۔ امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ناجائز نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ خود اپنی طرف سے جواب دے بلکہ اُسے چاہیے اپنے غیر کی طرف اضافت کر کے حکایت کرے اور اپنے امام کا قول بیان کر دے۔ دراصل ایسے لوگ مفتی نہیں ہیں۔ یہ مفتیوں کی جگہ پر کھڑے ہو گئے ہیں اور اپنے دعوے کی وجہ سے مفتیوں میں شمار کر لیے گئے ہیں۔ پس ان کا زیادہ سے زیادہ حق یہ ہے کہ مثلاً یوں کہہ دیں کہ اس مسئلے میں شافعی مذہب کا فتویٰ یوں ہے یا ان کے مذہب کا مقتضاء یہ ہے اور چند ایسے ہی الفاظ ضرور کہہ دینے چاہئیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جس بات کا صریح علم لوگوں کو ہو وہاں وہ امام کی طرف نسبت چھوڑ دیں۔

میں کہتا ہوں امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے بات تو معقول کہی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ اس مرتبے کے شخص کو یہ کہنا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے' یہ بھی اس وقت روا ہے جب اس کی نگاہ سے امام صاحب کا کوئی صاف اور صریح قول گزرا ہو یا ان کے مذہب کے ماننے والوں میں اس قول کو کافی سے زیادہ شہرت ہو جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی قرأت والی نماز میں بآوازِ بلند پڑھنا' صبح کی نماز کی آخری رکعت میں قنوت پڑھنا اور فرض روزوں کی نیت رات سے ہونا وغیرہ۔ صرف شافعی مذہب کی فقہ کی کتابوں میں کسی مسئلے کو پا کر اس کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ ہے یہ کسی طرح لائق نہیں کیونکہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں امام صاحب سے کوئی روایت لفظوں سے مروی نہیں اور ان میں بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں خود امام صاحب سے ان کے خلاف مروی ہے اور ظاہر الفاظ بالکل خلاف موجود ہیں اور بہت سے ایسے مسائل بھی پائے جاتے ہیں کہ امام صاحب کے کسی قول کے مقتضیٰ سے وہ ماخوذ ہیں اور اس کے قائم کرنے میں ان فقہاء کی سمجھ میں اختلاف ہوا ہے۔ اس لیے وہ مسائل بھی مختلف ہیں یہاں تک کہ ایک تو اس کا اثبات امام صاحب کی طرف منسوب کرتا ہے اور ایک اس کی نفی۔ یہی حال باقی کے تینوں اماموں کے مذہب کی فقہ کی کتابوں کا ہے' پس اس صورت میں مفتی کو کیسے اس کی گنجائش رہے گی کہ وہ منہ کھول کر کہہ دے کہ یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ایسا مفتی یہ کہہ دے کہ اس کے امام کے مذہب کا مقتضاء یہ ہے یہ بھی اسی وقت کہہ سکتا ہے جب کہ اپنے امام کے مآخذ سے' اس کے مدار سے' اس کے قواعد سے' جمع اور تفریق کے لحاظ سے پوری طرح عالم ہو اور صحیح طور پر یقین کر چکا ہو کہ یہ حکم اس کے اصول کے مطابق ہے' اس کے قواعد کے خلاف نہیں۔ پوری طاقت اور کوشش اس کے سمجھنے میں کر چکا ہو تب کہہ سکتا ہے کہ یہ ہے مقتضیٰ اس کے مذہب کا' نہ یہ کہ اتنا علم نہ ہو اور کہہ دے کہ مقتضائے مذہب امام یہ ہے۔ اگر اتنی طاقت نہ ہو تو اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف اٹھا کر' تکلف کر کے جو زبان پر چڑھا نہ نکال دے۔ غرض مفتی شرعی حکم کی خبر دیتا ہے یا تو وہ خبر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں سمجھ حاصل کر کے دی ہے یا اپنے امام کی باتوں میں مہارت حاصل کر کے دی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے جس طرح پہلی صورت میں اُسے صحیح علم کے بغیر زبان کھولنا ممنوع ہے' اسی طرح دوسری صورت میں بھی۔

صرف فقہ کی رو سے فتویٰ دینا جائز نہیں

اکیسواں فائدہ : جب کسی شخص نے کچھ سمجھ بوجھ حاصل کر لی' فقہ کی ایک یا کئی ایک کتابیں پڑھ لیں لیکن کتاب و سُنّت کی معرفت سے' آثارِ سلف سے' استنباط و ترجیح کے مادے سے وہ کورا ہے تو کیا اس کا فتویٰ بھی چل سکتا ہے؟ اس میں لوگوں کے چار اقوال ہیں' مطلق جواز' مطلق منع' جواز' بہ وقت نہ پائے جانے کسی اور مجتہد کے' جواز جب اپنے امام کا قول دلیل کے مطابق ہو اور منع جب مطابق نہ ہو۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے یعنی اگر یہ ممکن ہو کہ سائل کسی اور عالم کے پاس پہنچ کر حق کی جانب جا سکتا ہو تو نہ اُسے اس سے فتویٰ طلب کرنا جائز' نہ اسے اس کو فتویٰ دینا اور مفتی بن بیٹھنا جائز۔ ہاں جب اس شہر میں اس کے آس پاس کوئی ایسا جید عالم نہ ہو جس سے سائل اپنی تشفی بھرا جواب پا سکے تو پھر لامحالہ اس سے پوچھنا پڑے گا۔ بے علمی میں خود ہی کچھ سوچ لے اس سے تو یہی بہتر ہے۔ اسی طرح حیرت و تردد میں رہ جائے اور جہالت اور اندھیرے میں پھنسا رہے۔ اس سے یہی بہتر ہے کیونکہ اپنی طاقت بھر تقوے کا حکم ہے جو یہ بجالا چکا۔

بدرجۂ مجبوری ایسے قاضی کا تقرر بھی جائز ہے جس میں شرائط قضا پائی جائیں

اس مسئلے کی ٹھیک نظیر سنیے۔ بادشاہ کو کوئی قاضی شرائط قضاء کا جامع نہیں ملتا تو ظاہر ہے کہ شہر کو بغیر قاضی کے تو چھوڑ نہیں سکتا لامحالہ ایسے وقت جو بہتر سے بہتر مل جائے اسی پر قناعت کی جائے گی جیسے کہ ایک شہر میں فاسق ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کی آپس میں شہادت مان لی جائے گی ورنہ پھر مقدمات کیسے طے ہوں گے۔ ہاں! ان میں جو بہتر ہوں اُنہیں چھانٹ لیا جائے گا اور جیسے کہ حرام اور شبہ والی چیز ملتی ہو محض حلال میسر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ حرام پر تو شبہ والی چیز کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح عورتوں کی شہادت بدنی حق میں' آبرو کے حق میں' مال کے حق میں' آپس میں ایک کی دوسرے پر معتبر مانی جائے گی جب کہ کسی واقعہ میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں۔ جیسے حمام میں یا نکاح کے مجمع میں تو جو بھی ان میں معتبر سمجھی جائے اس کی شہادت قبول کی جائے گی ورنہ مظلوم کا حق مارا جائے گا اور دین کی اقامت مشکل ہو جائے گی۔ دیکھیے سفر کی وصیت میں کافروں کی شہادت مسلمانوں کے بارے میں قبول کر لینے کا الٰہی فرمان قرآن کی آخری اُتری ہوئی صورت میں موجود ہے جسے کسی اور آیت نے منسوخ نہیں کیا' نہ سُنّت سے نہ اجماع سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہوا۔ شریعت میں لائق بھی یہی ہے ورنہ بندوں کی مصلحتیں فوت ہو جائیں' احکام مطابق امکان ہوتے ہیں' بندوں کے حقوق بے کار کر دینے میں کوئی مصلحت نہیں۔ ابھی جو صورتیں بیان ہوئیں آپ نے ان میں دیکھ لیا ہوگا کہ فاسقوں کی شہادتیں قبول کرنے کا موقعہ بھی آیا' جاہلوں کے فتوے ماننے کا موقعہ بھی آیا۔ پس جس واقعہ میں عورتیں ہی عورتیں ہوں' وہاں کوئی مرد ہو ہی نہیں اور ہم عورتوں کی شہادت معتبر نہ مانیں تو اس کے صاف معنی بھی یہی ہوئے کہ وہ قضیہ یوں ہی رہ جائے اور وہ حق تلف ہو جائے' اسی طرح مثلاً کسی قصبہ میں صرف کفار ہی کفار ہوں' کوئی مسلمان وہاں نہ ہو تو اب کیا کیا جائے گا؟ سوائے اس کے کہ ان کی شہادتیں ان پر معتبر مانی جائیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بچوں کے معاملات اور ان کے زخموں کے بارے میں بچوں کی شہادت قبول فرمائی اور کسی صحابی نے اس کے خلاف نہیں کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب ان کی سچائی کا زیادہ گمان ہو سکتا ہو تو ان کی شہادت

مان لی جائے گی' مثلاً وہ ابھی اپنے اپنے گھر نہیں گئے' کوئی ان سے نہیں ملا وغیرہ بات بھی یہی ٹھیک ہے۔

امام صاحب کے اصحاب کے کلام کی اس میں دو شقیں ہو گئیں ہیں بہت بڑی جماعت کا تو یہ حکم ہے کہ تقلیدی فتوے اور تقلیدی احکام کوئی چیز نہیں ہیں۔ لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مفتی بطورِ حکایت ذکر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ابو اسحٰق بن شاقلا جامع منصور میں بیٹھے ہوئے ایک دن کہنے لگے کہ مفتی کو چار لاکھ حدیثیں یاد ہوں تو وہ فتویٰ دینے کے قابل ہو سکتا ہے' تو کسی شخص نے کہا کیا آپ کو اتنی حدیثیں یاد ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں تو اُن کے فتوے ذکر کر دیتا ہوں جنہیں اتنی حدیثیں یاد تھیں۔ ابو الحسن بن بشار کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو امام احمد رحمہ اللہ کے تین چار فتوے ہی معلوم ہوں تو وہ اس ستون کے سہارے بیٹھ کر انہیں امام صاحب کے نام سے بیان کر سکتا ہے۔

بعض مسائل کا علم اور ان کے فتوے

بائیسواں فائدہ: کسی عامی آدمی کو کوئی مسئلہ مع دلیل معلوم ہو تو کیا وہ اس کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور دوسرے اسے مان سکتے ہیں؟ اس میں شافعیہ وغیرہ کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جائز ہے کیونکہ اُس خاص مسئلہ کی دلیل اس کے پاس ہے' اس لیے وہ اس کا عالم ہے۔ مانا کہ اس سے بڑے عالم کو جو ملکہ اور قوت ہے اسے نہیں۔ وہ ثبوت دے سکتا ہے' وہ معارضوں کو دفع کر سکتا ہے تو یہ ایک زائد چیز ہے' دلیل کی معرفت کے علاوہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جائز نہیں' کیونکہ اس میں استدلال کی اہلیت نہیں اس کی شروط کا علم نہیں اس کے خلاف دلائل کو جانتا نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسے وہ دلیل سمجھا ہے درحقیقت دلیل نہ ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر قرآن کی آیت یا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بطورِ دلیل کے اسے معلوم ہو تب تو اُسے فتویٰ دینا جائز ہے اور اگر کچھ اور معلوم ہے تو پھر جائز نہیں۔ اس لیے کہ قرآن و حدیث کا خطاب تمام مکلفین سے ہے۔ پس ہر ایک انسان کو جو کتاب و سنّت پہنچے اس پر عمل کر لینا اور دوسرے کی طرف راہبری کرنا اور اُسے بتلانا بے شک و شبہ جائز ہے۔

مفتی میں یہ پانچ وصف ہونے ضروری ہیں

تیئسواں فائدہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی میں یہ پانچ اوصاف نہ ہوں وہ مفتی ہونے کے قابل نہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی نیت اچھی ہو جب تک نیت اچھی نہ ہو نہ اُسے خود نورانیت حاصل ہوگی' نہ اس کے کلام میں نورانیت ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس میں حلم' وقار اور سکینہ ہو۔ تیسرے یہ کہ پورا علم اور کافی مہارت اور اچھی قوت ہو۔ چوتھے یہ کہ کفایت ہو ورنہ لوگ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ پانچواں یہ کہ لوگوں کی پہچان ہو۔ امام صاحب کے اس فرمان سے خود امام صاحب کی کس قدر جلالت اور بزرگی علم ظاہر ہوتی ہے فی الواقع فتوے کی عمارت کی یہ بنیاد اور دیواریں ہیں ان میں سے اگر ایک بات بھی نہ ہوئی یا کسی اور درجہ میں ہی کمی ہوئی تو جتنی کمی اس میں ہوگی اُتنی ہی کمی خود مفتی میں رہ جائے گی۔ نیت تو جڑ ہے' ستون ہے' روحِ عمل ہے' باقی باتوں کی پیشوا اور جڑ ہے تمام اعمال اسی کے تابع ہیں۔ یہ خراب تو سارا عمل باطل' یہ اچھی تو سارا عمل درست۔ یہی توفیق کو کھینچ لاتی ہے' اسی کے نہ ہونے سے توفیق چھن جاتی ہے' اسی کی کمی بیشی دنیا آخرت کی نیکی کی کمی بیشی ہے۔ بہت سے ایسے مفتی بھی ہیں کہ جن کی نیت خوشنودیٔ الٰہی' رضائے ربّ ہوتی ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو طمع دنیاوی میں بہہ جاتے ہیں۔ فتوے دونوں دیتے

ہیں لیکن ان کے مرتبوں میں مشرق و مغرب کی دُوری ہے۔ پہلا شخص تو اللہ کے دین کا بول بالا' اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور شریعت کا اظہار چاہتا ہے۔ دوسرا دنیا طلبی' وجاہت کی چاہت میں اپنے تئیں اچھالنے اور منوانے کی فکر میں ہے۔ اسے نہ کتاب و سُنّت کی موافقت سے غرض' نہ مخالفت سے ڈر' اپنے توے کی خیر منا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ عادتِ اللہ یوں جاری ہے کہ مخلصوں کو وہ ہیبت دیتا ہے' نور دیتا ہے۔ ان کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو جاتی ہے۔ ان کے دل اُن کی مٹھی میں آ جاتے ہیں۔ یہ بوجہ اپنے اخلاص کے' اپنی نیک نیتی کے اور اپنے اچھے معاملے کے' جنّت کے درجے اور دنیا کی بلندیاں پاتا ہے اور وہ بوجہ اپنی ریاکاری اور غلط کاری کے اللہ کی اور نیک مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ سب کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔ لوگ اُس سے کڑھنے لگتے ہیں اور اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی۔ مخلص کو رُعب اور محبت ملتی ہے اور ریاکار کو ذلت اور عداوت نصیب ہوتی ہے۔ حلم' وقار اور سکینہ یہ عِلم کا لباس اور عِلم کا جمال ہیں۔ اُن سے جو شخص خالی ہو وہ گویا ننگا آدمی ہے جس کے بدن پر کپڑا نہیں۔ سلف کا قول ہے کہ علم سے جب حلم مل گیا تو سونے پر سہاگہ ہو گیا۔

مفتیوں کی چار قسمیں

اس بارے میں لوگ چار قسم کے ہیں: بہترین لوگ وہ ہیں جنہیں عِلم اور حلم دونوں چیزیں عطا ہوئی ہوں' بدترین لوگ وہ ہیں جو ان دونوں کمالات سے محروم ہوں۔ تیسری قسم کے وہ ہیں جنہیں عِلم ہو اور حلم نہ ہو۔ چوتھی قسم کے وہ ہیں جنہیں حلم ہو لیکن عِلم نہ ہو۔ حلم' عِلم کی زینت' رونق اور جمال ہے۔ طیش' جلد بازی' تیزی' عجلت' غیر مستقل مزاجی یہ سب چیزیں حلم کے خلاف ہیں۔ بددی لوگوں کی سخت گیری' بے علموں کی لفاظی' غصے والوں کی غضبناکی' جہالت والوں کا شور و غوغا اُس حلم کے پہاڑ کو ہلا نہیں سکتا۔ یہ اپنے نفس کا مالک رہتا ہے۔ انجام پر نظریں ڈال کر آغاز کو سنبھال لیتا ہے۔ غضب اور شہوت کو اپنے اوپر غالب آنے نہیں دیتا۔ خیر و شر' فساد و صلح تو عِلم سے معلوم کر لیتا ہے اور حلم سے خیر و صلح پر جم جاتا ہے اور شر و فساد سے پرہیز کر لیتا ہے۔ عِلم سے نیکی معلوم کر لیتا ہے اور حلم سے اس پر جم جاتا ہے۔ تمہیں ایسے لوگ مل جائیں گے جو خیر و شر کو جانتے ہوں لیکن خیر پر جمنے اور شر سے رکنے کی انہیں توفیق نہ ہو۔ ایسے بھی مل جائیں گے جو مشقتوں پر صبر کر لیں اور عِلم سے کورے ہوں۔ ایسے بھی ملیں گے جن میں عِلم اور حلم دونوں ہوں مگر بہت ہی کم ملیں گے جب تجھے کوئی ایسا شخص مل جائے تو یقین کر لے کہ حقیقی مرشد وہی ہے' ہدایت اور حق کا پیشوا وہی ہے تو اُس کے پیچھے لگ جا۔ رہا وقار اور سکینت یہ دونوں چیزیں حلم کا پھل اور اس کا نتیجہ ہیں۔

تفسیر سکینہ

گو ہم جانتے ہیں کہ زمانے کی روش کچھ اور ہی ہے لیکن تاہم اپنے ناقص عِلم اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ہم سکینہ کی تھوڑی بہت تفصیل کر دینا چاہتے ہیں' کیونکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔ سکینہ بروزنِ فعیلہ سکون سے ماخوذ ہے' دلی اطمینان کا' دل کی ثابت قدمی کا نام سکینہ ہے۔ اس کی اصل دل میں ہوتی ہے' اس کا اثر تمام جسم پر ہوتا ہے۔ اس کے مرتبے ہیں عام بھی اور خاص بھی۔ انبیاء علیہم السلام کا سکینہ غایت درجے کا اور بہترین اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے۔ کیا وہ سکینہ بے نظیر نہیں کہ ایک انسان کے خلاف عالم تمام ہے' اس کے لیے گویا جہنم بھڑکائی گئی ہے' منجنیق میں بٹھا کر اسے اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جا رہا

ہے لیکن اللہ اللہ دِل ہے کہ مطمئن ہے' آنکھیں ہیں کہ اللہ پر لگی ہوئی ہیں' جسم ہے کہ بلاؤں پر صابر ہے۔ کیا مجال کہ زبان سے اُف بھی نکل جائے جبھی تو خلیل الٰہی خطاب پایا' صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ۔ خلیل اللہ کی اس نہ لرزنے والی سکینت کو سامنے رکھ کر اب کلیم اللہ کی سکینت کو دیکھئے کہ پشت کی طرف سے فرعونی لشکر کا دریا چڑھ آیا ہے' منہ کی جانب سچ مچ کے پانی کا دریا۔ وہ لہریں لے رہا ہے کہ دِل ڈوب جائے لیکن کیا مجال جو پیشانی پر شکن بھی پڑ جائے۔ اس وقت کی سکینت جب کہ اللہ کی ندا' اس کا کلام حقیقی طور پر اپنے کانوں سے سن رہے ہیں' بے شک ناقابل احاطہ ہے' معمولی لکڑی کو غیر معمولی اژدھے کی صورت میں دیکھتے ہیں لیکن دِل کی سکینت اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ ایک وقت وہ بھی ہے کہ میدان سانپوں سے پُر ہے' جادوگروں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کیا ہے لیکن اللہ کی طرف سے تسکین حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدمی کا پہاڑ بنائے ہوئے ہے۔ اسی طرح وہ سکینت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت جب کہ آپؐ مع اپنے یارِ غار (رضی اللہ عنہ) کے پہاڑ کی گھاٹی میں چھپے ہوئے تھے اور کفار کی دوڑ عین سر پر آ پہنچی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں پر بھی نظر ڈالے تو آپؐ کو دیکھ لے۔ اسی طرح وہ مواقع ہیں جہاں کفار نے اپنی اَن گنت زور دار فوجوں سے آپؐ کو گھیر لیا تھا جیسے جنگِ بدر' جنگِ حنین' جنگِ خندق وغیرہ۔ یہ ثابت قدمی بجائے خود زبردست معجزہ ہے جو انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ جھوٹے آدمی خصوصاً جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوں وہ تو بڑے ہی بودے دِل والے کمزور کلیجے کے' سخت ڈرپوک' بزدل اور بے ہمت ہوتے ہیں ایسی جگہ تو اُن کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں' وہ چکر کھا کر گر پڑتے ہیں' وہ گھگھیا جاتے ہیں اور حواس باختہ ہو کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ واللہ اگر اس تسکین اور دلجمعی پر ہی ایمان کی اور انصاف کی نظریں ڈالی جائیں تو نبیوں علیہم السلام کے معجزوں کی عقلمندوں اور آنکھوں والوں کو تو ضرورت ہی نہ رہے یہ تو ہوئی خاص الخاص سکینت اب اس سے کم درجے کی جسے خاص سکینت کہا جائے وہ انبیاء علیہم السلام کے تابعداروں کو حاصل ہوتی ہے جس قدر وہ تابعداری کے ذوق میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اس وصف میں بھی چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا سکینہ ہے جو دِل کو شک و شبہ سے پاک کر دیتا ہے۔ دیکھئے حدیبیہ کے دن کیا ہوا' وہ قلق و اضطراب کا موقعہ تھا کہ اچھے اچھوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے تھے' صبر کی لگامیں ایک سرے سے سب کے ہاتھوں سے چھوٹ چکی تھیں۔ عین اس وقت سکینۂ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اسی احسان کا بیان آیت : ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ ﴾ الخ' (الفتح : ۴) میں ہے کہ اللہ نے مؤمنوں کے دِل میں تسکین نازل فرمائی کہ وہ ایمان میں اور بڑھ جائیں۔ آسمان و زمین کے تمام لشکر اللہ کی ملکیت میں ہیں۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ پس بیان فرمایا کہ باطنی اور ظاہری لشکروں سے مدد یہ اللہ کا احسان ہے اور باطنی مدد دِل کی تسکین ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جن مؤمنوں نے تیرے ہاتھ پر درخت تلے بیعت کی ان سے اللہ راضی ہو گیا' ان کے دلوں کی حالت اُس نے معلوم کر لی اور ان پر سکینہ نازل فرمایا اور انہیں قربی فتح عنایت فرمائی۔ (الفتح : ۱۸) مطلب یہ ہے کہ کفارِ قریش نے جب بیت اللہ سے روکا' قربانیوں کو ان کے حلال ہونے کی جگہ نہ جانے دیا' ظلم و جبر کی شرطیں منوائیں تو اس پر مسلمانوں کے دلوں میں ہیجان و اضطراب کی' غصے اور رنج کی لہریں اٹھنے لگیں' قلق و اضطراب نے ان کے دِل گھیر لیے' صبر و سہار کی طاقت نہ رہی۔ عین اس وقت مالک الملک ارحم الراحمین نے ان کے دِلوں کو سکون بخشا۔ اپنے لطف و رحمت سے ان کے دِل برقرار کر دیئے اور انہیں مطمئن کر دیا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے دِل میں جو محبت الٰہی و رسول تھی اُسے دیکھ کر اللہ نے ان کے دلوں میں سکینہ بھر دیا اور بے قراری اور پریشانی دُور فرما دی۔ بظاہر یہ آیت دونوں اَمر کو شامل ہے یعنی اس وقت دِل میں اضطراب اور بے چینی بھی تھی

اور ساتھ ہی ایمان اور محبت دین بھی تھی۔ دونوں کے باعث تسکین ربانی نازل ہوئی اور دل کی حالت بہتر سے بہتر بنا دی گئی۔ اس کے بعد فرمان ہے کہ کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت جاہلیت جما رکھی تھی اس کے خلاف اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں کلمۂ تقویٰ پر ثابت قدم کر دیا اور فی الواقع یہ جماعت اسی قابل تھی بھی۔ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ حمیت جاہلیت کے مقابلے میں سکینۂ الٰہی کتنی موزوں چیز ہے۔ بد کلمات اُدھر ہیں تو نیک باتیں یہاں ہیں' دِل میں سکون' زبان پر پاک کلمہ' اُدھر دِل میں تعصب' زبان پر بد کلامی یہی وہ لشکر رحمانی تھا جو لشکر شیطانی کے مقابلے میں آیا تھا اسی سکون کا نتیجہ تھا کہ دِل فرمانِ رسول ﷺ کی طرف' جسم اطاعت نبی کی طرف جھک گئے شک و شبہ کافور ہو گیا' بُرائیاں دِل سے دُور ہو گئیں' وسوسے ایمانی باتوں سے بدل گئے' ان کے دور ہونے سے ایمان قربِ الٰہی میں اور بڑھ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ایمان پر اور نیکی پر' راستی پر اور ہدایت پر ہیں۔

ایک قسم سکینہ کی عبودیت کے وظائف کی بجا آوری کے وقت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ اس سے بندے میں خشوع و خضوع آ جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں رب پر پڑنے لگتی ہیں' اس کا دِل اللہ کی طرف جھک جاتا ہے۔ دِل اور زبان اور جسم تینوں کو ملا کر وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ دِل میں اس سکون کی وجہ سے خشوع اور اخلاص پیدا ہوتا ہے اور دِل کا یہ خشوع جسم کو بھی اللہ کی طرف جھکا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کا دِل اللہ سے لگا ہوا ہوتا تو اُس کے جسم کے اعضاء بھی اسی جانب مشغول ہو جاتے۔ اگر تُو دریافت کرے کہ قسمیں اور نتیجہ اور پھل اور علامت تو معلوم ہو گئے لیکن اسبابِ حالیہ اس کے کیا ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کا سبب بندے کا اپنے مراقبے میں خدا رسی کے اُس درجے کو پہنچ جانا ہے کہ گویا وہ اللہ کو بچشم خود دیکھ رہا ہے جتنا وہ اس مراقبے میں بڑھتا جائے گا اتنا ہی حیاء میں' سکون میں' حمیت میں' خضوع میں' خشوع میں' خوف و امید میں بڑھ جائے گا اور یہ بات بغیر اس کے اُسے حاصل نہیں ہو سکتی' دِل کی کل اصلاحوں کا مدار مراقبہ پر ہے اور اس کا قیام ہی اس کا ستون ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دِل کے اعمال کے اصول اور فروع سب اپنے ایک ہی کلمہ میں بیان فرما دیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اب آپ غور کریں تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کل مقاماتِ دین اور کل اعمالِ دِل کی جڑ اور اصل یہی ہے۔ الغرض بندہ ان وسوسوں کے وقت جو اس کے دِل میں ایمان کے خلاف شیطان کی طرف سے ڈالے جاتے ہیں اور اعمال کے وقت جو خطرے اس کے سامنے پیش آتے ہیں کہ اس میں سے قوت چھن جائے اور غم و رنج میں پڑ جائے اور ایمان میں کمی آ جائے بہت ہی محتاج ہوتا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ تسکین و اطمینان عطا فرمائے تاکہ دِل مضبوط ہو جائے' سانس ٹھہر جائے اور کامل سکون حاصل ہو جائے۔ اسی طرح خوشی اور راحت و آرام کے وقت بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں اس وقت حد سے نہ گزر جائے اور شریعت کو ٹھکرا نہ دے' اگر سکونِ ربانی مل جائے تو وہ اپنے قدم اپنی چادر میں ہی رکھ سکتا ہے اور خیر سے جدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ توفیق نصیب کرے۔ جب کہ رنج دہ اسباب کا ہجوم ہو جاتا ہے جب کہ ظاہری' باطنی اختلافات کے تودے لگ جاتے ہیں اس وقت انسان اطمینان و سکون کا کیسا کچھ محتاج ہوتا ہے' اگر اسے سکون مل جائے تو اس وقت خوب نفع میں رہتا ہے اور انجام بہتر ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر دِل کا سکون میسر آ جانا علامت ہے کامیابی کی' مقصد کے پورا ہونے کی اور نامرادی کے دفع ہونے کی اور ایسے وقت تسکین دِل کا میسر نہ آنا علامت ہے مقصد میں ناکام رہنے کی' برباد ہونے کی اور مکروہات کا سامنا ہونے کی اور انجام کے بگڑنے کی۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ وہ قوی

ہو اور ہو بھی معرفت و عِلم پر اس کے یہ معنی ہیں کہ عِلم میں کامل ہو' دلیر ہو' دل کا بڑا ہو' بودا نہ ہو اگر دِل کا کمزور ہے یا عِلم کا کمزور ہے تو بہت سی جگہوں میں وہ حق سے پیچھے رہ جائے گا اور حق کا ساتھ چھوڑ دے گا' عِلم کی کمی ہو گی تو آگے نہ بڑھنے کی جگہ بڑھ جائے گا اور پیچھے نہ ہٹنے کی جگہ پیچھے رہ جائے گا اور اگر دونوں کمزوریاں ساتھ ہوئیں تو نہ حق کو دیکھے گا نہ اُسے جاری کر سکے گا۔ پس مفتی کو علمی قوت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے جاری کرنے کے لیے مادی قوت کی بھی ضرورت ہے۔ حق بات زبان سے نکال دینا محض بے سود ہے جب تک کہ اس پر عمل کرنے کی قدرت نہ ہو۔ چوتھا وصف آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کفایت ہو ورنہ لوگ اُسے چبا جائیں گے یہ بھی بالکل درست ہے اگر وہ فقیر' مسکین' حاجت مند ہوا تو لوگوں کی طرف جھکے گا' اُن کے ہاتھوں کو تکے گا' ان کی جیبیں ٹٹولے گا' جب اُن سے یہ مال حاصل کرنا چاہے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بوٹی دے کر بکرا لیں گے' چند ٹکوں کے بدلے اس کی آبروریزی ہو گی۔ وہ اس کا گوشت کھائیں گے بلکہ اس کا دینی نقصان بھی کریں گے' جتنا وہ ان سے حاصل کرے گا اس سے کئی گنا زیادہ وہ اس سے حاصل کریں گے۔

احتیاج عِلم کی موت ہے

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کھاتے پیتے آدمی تھے' مال ضائع نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر یہ مال نہ ہوتا تو یہ امیر لوگ ہمیں اپنے ہاتھوں کے رومال بنا لیتے۔ یاد رکھو جس عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا ہے' اُس کی تو اللہ کی طرف سے اپنے عِلم کے جاری کرنے پر مدد کی گئی ہے جو دوسروں کا دست نگر اور محتاج ہے سمجھ لو کہ اس کا عِلم مر رہا ہے اور وہ اس کی موت کو دیکھ رہا ہے۔ آپ نے پانچویں خصلت یہ بیان فرمائی ہے کہ اُسے لوگوں کی معرفت حاصل ہو۔ حقیقت میں مفتی اور قاضی کو اس کی بھی اشد ضرورت ہے جب انسے جان لے گا اور اَمر و نہی سے واقف ہو جائے گا تو ہر چیز کو وہ قرینے سے رکھ سکے گا' ورنہ اندھیر کر دے گا' ظالم جو مظلوم نما بن کر آئے گا دھوکہ دے جائے گا اور جو مظلوم اس کی نگاہ میں ظالم جچے گا۔ وہ اپنے انصاف سے محروم رہ جائے گا۔ حق والے کی صورت بنا کر باطل والا مقدمہ جیت جائے گا اور حق والا منہ پیٹتا رہ جائے' گا مکر چالِ فریب حیلہ اس پر چل جائے گا۔ صادق و کاذب کو وہ نہ پہچان سکے گا' کپڑے اور صورت اس کے سامنے سفارشی بن جائے گی اور اسے پتہ کو نہ پہنچنے دے گی اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے پہچاننے میں غلطی ہے' وہ بھلے برے کی صحیح تمیز نہیں کر سکتا' لوگوں کی چالبازیوں' مکاریوں اور فریب کاریوں کو نہیں جان سکتا۔ سنو! تغیر زمانہ کے ساتھ ہی فتویٰ بھی متغیر ہو جاتا ہے۔ زمان و مکان' احوال و اشکال کا معاملے پر بھی اثر پڑتا ہے اور دینِ الٰہی میں یہ سب باتیں موجود ہیں جیسے کہ پہلے بیان گزر چکا۔

فتووں کے متعلق حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے زریں اقوال

چوبیسواں فائدہ : ان اقوال کے علاوہ جو اوپر بیان ہوئے آپ کے مندرجہ ذیل اقوال بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وجوہِ قرآن کا عالم ہو۔ حدیث کی سندوں کا جاننے والا ہو۔ سنتوں کا عِلم رکھتا ہو۔ فرماتے ہیں جو شخص کتاب اللہ' سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقف نہ ہو اسے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ فرماتے ہیں مفتی کو علماء سلف صالحین کے اقوال کا علم بھی ضروری ہے ورنہ اسے فتویٰ نویسی نہیں کرنی چاہیے۔ فرماتے ہیں انسان پر واجب ہے کہ جس جس اَمر میں لوگوں نے کلام کیا ہے اس کا عِلم حاصل کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کو

طلاق وغیرہ کا مسئلہ دریافت کرنا ہے' اس کے شہر میں اہل رائے بھی ہیں' اہلحدیث بھی ہیں لیکن اہلحدیث ایسے ہیں جو صحیح و ضعیف حدیث کی پوری تمیز نہیں کر سکتے' اس صورت میں وہ مسئلہ کس سے پوچھے؟ آپ فرماتے ہیں باوجود علم کی اس ظاہری کمی کے بھی اُسے ان اہلحدیث سے ہی مسئلہ پوچھنا چاہیے۔ اہل رائے سے پھر بھی نہ پوچھے۔ میرے نزدیک تو ضعیف حدیث بھی رائے سے بہت بہتر ہے۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک لاکھ حدیثیں جسے یاد ہوں کیا وہ فقیہ ہے؟ فرمایا نہیں! کہا دو لاکھ؟ فرمایا نہیں! کہا تین لاکھ؟ فرمایا نہیں! کہا چار لکھ؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ کو ہلا کر اشارہ کیا۔ خود حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ جس کے پاس کتابیں ہوں' ان میں احادیث بھی ہوں' اقوالِ صحابہ اور تابعین بھی ہوں لیکن اس شخص کا علم اس پایے کا نہ ہو کہ حدیث' ضعیف' متروک اور صحیح قوی السند کی تمیز کر سکے تو آیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے اور اختیار کرے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اُسے چاہیے کہ علماء سے تشفی کر کے حدیث پر عمل کرے اور فتویٰ دے۔ آپ سے ایک مرتبہ سوال ہوا تو ناراض ہو کر فرمایا ان نئے نئے سوالوں سے ہمیں تو الگ تھلگ ہی رہنے دو۔ اکثر اختلافی مسائل جب آپ سے پوچھے جاتے تو صاف فرما دیتے کہ مجھے ان کا علم نہیں۔ فرماتے ہیں ابن عیینہ جیسا اور کوئی شخص میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ انہیں یہ بالکل آسان تھا کہ فرما دیں میں نہیں جانتا اور علماء سے پوچھ لو۔ آپ سے ابو داؤد نے کہا کہ اوزاعی کے تابعدار بہ نسبت مالک کے تابعداروں کے زیادہ ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو ان میں سے کسی کی تقلید کا پھندا اپنے گلے میں نہ ڈالو جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو اُسے لے لو۔ پھر تابعین سے جو وارد ہوا ہو۔ اس کے بعد انسان کو اختیار ہے۔ آپ سے سوال ہوا کہ اس حدیث کے مصداق کون ہیں کہ تم میں سے سب سے زیادہ دلیر جہنم کی آگ پر وہ ہے جو فتوے دینے میں سب سے زیادہ دلیر ہو؟ تو آپ نے فرمایا وہ لوگ جو ایسے فتوے دیں جو سنے نہ ہوں۔ آپ سے سوال ہوا کہ ایک شخص حدیث حاصل کرتا ہے' صرف اتنی کہ سمجھ لیتا ہے کہ اُسے نفع پہنچ جائے گا۔ آپ نے فرمایا علم کے برابر اور کوئی چیز نہیں۔ آپ سے ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا فرمایا میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص ہر مسئلے کے جواب کے لیے تیار نظر آئے' سمجھ لو کہ وہ مجنون ہے۔ جب اس واقعہ کا ذکر حاکم سے ہوا تو انہوں نے فرمایا اگر مجھے پہلے سے یہ حدیث معلوم ہوتی تو میں اکثر فتوے نہ دیتا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کسی شہر میں ایک عالم ہے جس سے اختلافی مسائل پوچھے جاتے ہیں۔ فرمایا جو مطابق کتاب و سنّت ہوں ان کا فتویٰ دے جو نہ ہوں اُن کے فتوے سے باز رہے۔ پوچھا گیا کیا اس پر آپ کو کوئی خوف ہے؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا گیا کہ اسحٰق بن راہویہ اور ابو عبید اور مالک وغیرہ کے جو اقوال کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کا دیکھنا آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر نئی کتاب بدعت ہے۔ ہاں کسی بحث و تمحیص کے بعد کوئی اپنی تحقیق بیان کرتا ہو' سنے ہوئے فتوے بیان کرتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پوچھا گیا اچھا ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب غریب الحدیث کی نسبت کیا فرمان ہے؟ فرمایا یہ وہ چیز ہے جسے اس نے اعراب قوم سے نقل کیا ہے۔ سوال ہوا کہ یہ فوائد جن میں منکرات بھی شامل ہیں آپ کے نزدیک ان کا لکھنا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ منکر ہمیشہ کے لیے قابل انکار رہی ہے۔

ایک عالم کا مسئلے کے جواب کو دوسرے عالم پر ڈالنا

پچیسواں فائدہ : دراصل یہ مقام سخت خطرناک ہے۔ انسان کو سوچ سمجھ کر زبان کھولنی چاہیے۔ اگر اس نے جھوٹ کہا تو اور اگر بے علمی سے کہا تو دونوں صورتوں میں اللہ اور رسول ﷺ پر تہمت باندھنے والا ہو جائے گا اور گناہ اور زیادتی پر مددگار بنے گا۔ اس کے خلاف جب صحیح اور عِلم سے کہے گا تو بے شک نیکی کا مددگار بنے گا۔ اب جو چاہے بنے۔ اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ ہمارے استاد رحمہ اللہ اس سے بہت ہی پرہیز کرتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کسی مفتی یا کسی مذہب پر کچھ بتلا دیا تھا تو آپ سخت غضبناک ہوئے۔ مجھے بہت ڈانٹا کہ تجھے اس سے کیا واسطہ؟ اسے چھوڑ۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اس کا بوجھ اور اس کے مفتی کا بوجھ اپنے سر کیوں دھرتا ہے؟ پھر میں نے بعینہٖ وہی مسئلہ خود امام صاحب کے لفظوں میں دیکھا۔ آپ سے سوال ہوا کہ ایک انسان کسی سائل کو بتلائے کہ فلاں عالم سے یہ مسئلہ پوچھ لے؟ فرمایا اُس وقت تو بتلا دے جب جانتا ہو کہ وہ شخص حدیثِ رسول ﷺ سے فتویٰ دیتا ہے اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔ پوچھا گیا گو اس کا عقیدہ اور ہو؟ پوچھا گیا کہ اچھا امام مالک کی رائے کے ماننے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ ہرگز ہرگز کسی کی تقلید نہ کرو۔ میں کہتا ہوں حضرت امام احمد رحمہ اللہ عموماً فرما دیا کرتے تھے کہ اہل مدینہ سے پوچھ لو۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھ لو، امام اسحٰق سے پوچھ لو۔ الغرض ان حضرات سے فتویٰ پوچھ لینے میں آپ نے کبھی انکار نہیں کیا اور اسی طرح آپ نے کبھی بھی رائے و قیاس کے پابند، مخالف سُنّت لوگوں سے فتویٰ پوچھنے کو جائز نہیں کہا۔

ہمارے اس زمانے کے مفتیوں کے تو کچھ ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن کو روتے دیکھ کر کسی نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ان بے عِلم مفتیوں نے اسلام میں جو رخنے ڈالنے شروع کیے ہیں اس کا رونا رو رہا ہوں۔ واللہ یہاں کے بعض مفتی چوروں سے زیادہ جیل خانے کے مستحق ہیں۔ آہ! اگر آج امام ربیعہ زندہ ہوتے اور ان مفتیوں کو دیکھتے جو باوجود جہالت کے، باوجود قرآن و حدیث سے بے علمی کے، باوجود باطن خبیث ہونے کے، باوجود ظاہر بھی درست نہ ہونے کے، باوجود سلف کے آثار نہ پائے جانے کے مفتی بن بیٹھے ہیں اور جا و بے جا، ناحق ان کا قلم اور زبان چلتی رہتی ہے، جو پوچھو جھٹ سے جواب دیتے ہیں، فتویٰ نویسی کے حریص ہیں، بڑے بنے بیٹھے ہیں۔ اپنے تئیں بولتے رہتے ہیں اور غلط سلط جو چاہا بک دیا کرتے ہیں مانا کہ اتفاقیہ طور پر اُن کا کوئی فتویٰ صحیح بھی نکل آئے لیکن ہیں یہ ایسے ہی جیسے شاعر کہتا ہے کہ فتویٰ دینے کے لیے آستینیں چڑھا رکھی ہیں، حالانکہ اہلیت اور قابلیت سے کوسوں دور ہیں۔ ان میں سے ایک کا واقعہ بزبانِ امام ابو محمد بن حزم یہ ہے کہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں ایک ایسا ہی کم پونجی والا مفتی تھا۔ جب اس کے پاس کوئی سوال جاتا تو کہتا کسی سے جواب لکھوا لا اور میں بھی دستخط کر دوں گا، وہ بے چارا جاتا، کسی سے جواب لکھوا لاتا، اس کے نیچے یہ جاہل بھی لکھ دیتا کہ شیخ نے جو جواب دیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دو مفتیوں نے اس کے دو مختلف جواب لکھے، اس بھولے اور بھولے نے اپنی پرانی عادت کے مطابق دونوں فتووں پر لکھ دیا کہ میرا جواب بھی ان ہی دونوں استادوں کے مطابق ہے۔ تو اس سے کہا گیا کہ ان دونوں میں تو تناقض ہے۔ یہ تو باہمی اختلاف کرتے ہیں۔ تو اس عِلم کے تھیلے نے جواب دیا کہ جیسے وہ اس میں اختلاف و تناقض کرتے ہیں میں بھی کرتا ہوں۔ الغرض وہ کونسا عالم ہے جس کی شکل میں اور جس کے لباس

میں کئی ایک جاہل بھی نہ ہوں جو اس کے مقابلے کے لیے اور اس کی شان گرانے کے لیے ہانپتے نہ پھرتے ہوں اور ہر طرح اسے زک دینے کے در پے نہ ہوں۔ گو یہ سچ ہے جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے کہ گدھے پر اگر ریشمی جھول بھی ڈال دو تو بھی لوگ اُسے گدھا ہی کہیں گے۔ ان سے لوگ ان کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر سوالات کرتے ہیں۔ ان کے فضل علم کی وجہ سے کوئی اُن سے نہیں پوچھتا' چونکہ سرکاری طور پر کسی عہدے پر پہنچ جاتے ہیں' عوام کو اُن کی طرف جھکنا پڑتا ہے۔ حقیقی قابلیت ان میں بالکل ہی نہیں ہوتی۔ چند اوباشوں کو اپنے گرد دیکھ کر' چند جاہلوں سے بیٹھک سجا کر اُن میں یہ جچنے لگتے ہیں اور پھر ہر کہ و مہ کے سامنے ذرا بننے تننے لگتے ہیں۔ احکامِ ربانی کو ٹیڑھا ترچھا کر دیتے ہیں۔ لوگوں کو تنگ کر دیتے ہیں۔ نا قابلیت کے باوجود اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اللہ اور اس کے دوستوں کے منہ سے برے بنتے ہیں۔ ایسوں کے فتوے قبولیت کے قابل نہیں۔ ان کی قضا ماننے کے لائق نہیں۔ دینِ اسلام کا حکم یہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو برباد کرنا چاہتا ہو تو ہماری دُعا ہے کہ انہی کا ستیاناس کرے۔

مفتی کا یہ لکھنا کہ یہ حکم اسی طرح ہے

چھبیسواں فائدہ : اس کی دو صورتیں ہیں : اوّل تو یہ کہ اُسے عِلم ہو کہ اوپر جو جواب لکھا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا عِلم نہ ہو' اگر عِلم ہے تو یوں لکھ سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اولیٰ کیا ہے؟ آیا یہی لکھ دینا یا یہ کہ مستقل جواب دینا؟ اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ پہلا مفتی فتوے دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو یہ لکھ دینا کہ یہ فتویٰ اسی طرح ہے مطلقاً اولویت کے خلاف ہے۔ اس لیے اس میں اس فتوے کی تقریر اور اثبات اور اس میں پہلے مفتی کی اہلیت کی گواہی ہے۔ اہل عِلم تو ایسے فتووں کو ایسے نا اہل مفتیوں کے منہ پر مار دیا کرتے تھے اور اگر کسی فتنے کے خوف سے ایسا نہ کر سکتا ہو تو بھی اُسے اس میں نہ لکھنا چاہیے بلکہ سائل کو لوٹا دے گو اس میں بھی قدرے کمزوری ہے لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اُسی ورق میں اس جاہل مفتی کے خلاف لکھ دے۔ کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی بات جس کی خبر دینا اس کے ذمے واجب ہے اُسے چھوڑنا ٹھیک نہیں اور کسی نا اہل کا کچھ لکھ دینا یہ حق کے چھپانے کا عذر اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک نہیں بن سکتا بلکہ اس میں ایک طرح کا گھمنڈ اور بے پروائی ہے۔ حق اللہ کی چیز ہے جسے زائل کر دینا اور دین اللہ کے مسئلے کو چھپا لینا کسی طرح جائز نہیں۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جنازے میں شامل ہو اور لوگ وہاں کوئی خلافِ شرع کام کریں اور اُسے اس کے دفع کرنے کی قدرت و طاقت نہ ہو تو اسے واپس نہ آنا چاہیے۔ ہاں کسی شادی کے ولیمے کی دعوت میں بلوایا گیا ہو اور وہاں کوئی کام خلافِ شرع دیکھے تو اسے مٹانے پر قادر نہ ہو تو بے شک وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اس لیے کہ جنازہ میت کا حق ہے' اس کا حق زندوں کے کسی کام کی وجہ سے مارا نہیں جا سکتا اور ولیمے کی دعوت میں گھر والے کا حق ہے وہ جب وہاں کوئی کام برا کرے تو اس کا حق گر گیا۔ اب اس دعوت کی قبولیت واجب نہیں رہی۔ رہا یہ کہ پہلا مفتی فتوے دینے کی قابلیت اپنے میں رکھتا ہو تو جواب اسی طرح ہے' اس کے لکھنے والے کی دو حالتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ یہ جواب ہی ٹھیک ہے' اسے وہ جانتا ہے یا نہیں جانتا؟ اگر نہ جانتا ہو تو صرف اُس کی تقلید کی وجہ سے اُسے یہ لکھنا ہرگز جائز نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس نے غلطی کی ہو اور تنبیہ کے بعد رجوع کر لے اور وہ معذور سمجھا جائے لیکن یہ دوسرا شخص اس کے جواب کی موافقت کرنے والا اس طرح معذور نہیں بلکہ یہ تو بغیر عِلم کے فتویٰ دینے والا ہے جس کا بوجھ

اسی کے ذمے ہے۔ یہ ان مفتیوں میں سے ہے جو بزبانِ رسول ﷺ جہنمی ہیں اور اگر وہ جانتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے تو مسئلے کی دو حالتیں ہیں یا تو یہ کہ وہ بالکل ظاہر ہے جس کا ٹھیک ہونا مخفی نہیں اور تصحیح کرنے والے کی نسبت تقلید کا گمان نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ مسئلہ باریک ہے اگر ظاہر ہے تو مطلق انہی لفظوں سے صحت کر دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ میں اعانت ہے اور مفتی اوّل کی رسائی پر شہادت ہے اور تکبیر و حمیت سے برأت۔ اگر مسئلہ باریک ہے جس میں گمان ہو سکتا ہے کہ اس نے صرف تقلیدی طور پر اس کی موافقت کی ہے تو اسے اپنے جواب میں وضاحت کرنی اور اشکال کو واضح کر دینا ضروری ہے یا زیادتی بیان کر دینا یا قید کا ذکر کر دینا یا کسی بھولے ہوئے اَمر پر تنبیہ کر دینا اور مستقبل جواب دینا اولیٰ ہے اگر ممکن ہی نہ ہو تو اگر چاہے اسی طرح کر دے چاہے مستقل جواب دے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جب مفتی اوّل کو دوسرے کی تقلید میں فتویٰ لکھنا جائز ہوا تو اس دوسرے مفتی کو اس کی تقلید میں جائز کیوں نہ ہو؟ اس کا جواب کئی طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم تو پہلے مفتی پر بھی وہی کلام کرتے ہیں جو اس دوسرے پر ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دینا حلال نہیں۔ اس پر اجماع ہے' اس کا پورا بیان ہم تفصیل وار پہلے لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مان لو مفتی اوّل کو ضرورۃً تقلیدی طور پر فتویٰ دینا جائز بھی ہو جائے لیکن اس دوسرے کو اس تکلف کی اور اس تقلید کی کوئی ضرورت نہیں' یہ تو ضعیف پر ضعیف کی بناء کرتا ہے جو مطلقاً جائز نہیں جیسے کہ شہادت پر شہادت اور جیسے کہ تیمم پر جرابوں کا مسح وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ اگر اسے جائز مان لیا جائے تو پھر دنیا میں کون ہے جو مفتی نہ بن جائے۔ ہر ایک اسی طرح ہر فتوے پر بطورِ تقلید لکھ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

عزیزوں اور رشتے داروں کو فتویٰ دینا

ستائیسواں فائدہ: مفتی کو جائز ہے کہ اپنے باپ کو' بیٹے کو' شریک اور ساتھی کو اور انہیں بھی فتویٰ دے جن کے بارے میں اس کی شہادت قبول نہیں گو اُن کے بارے میں اس کا فیصلہ بھی نا معتبر ہو۔ ان دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ فتویٰ تو قائم مقام روایت کے ہے وہ ایک عام حکم ہے۔ بخلاف شہادت اور حکم کے کہ وہ مخصوص ہے اس کے لیے جس کے مطابق گواہی دی ہے یا جس کے بارے میں حکم سنایا ہے یہی وجہ ہے کہ راوی جس حدیث کو روایت کرتا ہے اس کے حکم میں داخل ہے اور جو فتویٰ دیتا ہے اس میں بھی داخل ہے ہاں اُسے طرف داری کسی طرح جائز نہیں کہ باپ کو' بیٹے کو تو اور فتویٰ دے اور غیروں کو اور فتویٰ دے۔ ایسا کرنے سے تو اس کی عدالت میں دھبہ آ جائے گا۔ ہاں! اگر یہاں کوئی شرعی وجہ ہو تو اور بات ہے۔ مثلاً کسی مسئلے میں دو اقوال ہیں۔ اباحت اور منع کے یہ ایک فتوے میں ایک قول لکھتا ہے دوسرے میں دوسرا۔

مفتی کا خود اپنے لیے فتویٰ تجویز کرنا

اگر پوچھا جائے کہ وہ اپنے تئیں بھی فتویٰ دے سکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں دے سکتا ہے۔ جب غیروں کو دے سکتا ہے تو اپنے معاملے میں کیوں نہ دے گا؟ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ تو اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لے گو تجھے فتویٰ دینے والے فتویٰ دیتے رہیں۔ ہاں اپنے لیے رخصت کا فتویٰ اور دوسرے کے لیے منع کا' یہ جائز نہیں۔ اسی طرح دو قول والے مسئلے میں دوسروں کے لیے ممانعت کا قول اور اپنے لیے جواز کا قول بھی مباح نہیں۔ یہ ٹھیک نہیں جیسا کہ بعض اہل زمانہ

مفتیوں کا شیوہ ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔

بلا وجہ اور بے تحقیق آسان قول پر عمل کرنا

اٹھائیسواں فائدہ : کسی مسئلے میں کئی اقوال اور کئی وجوہ ہوں' وہاں مفتی کو یہ جائز نہیں کہ بغیر ترجیح کے' بغیر تحقیق کے صرف اپنے فائدے کو سامنے رکھ کر جو قول' جو وجہ اپنے لیے آسان سمجھے اسے پسند کر لے اور اپنی غرض پوری کر لے اور اپنا فائدہ حاصل کر لے گو عقیدے میں بھی نہ ہو یہ تو صرف چالاکی اور عیاری ہے جو باتفاقِ اُمت حرام ہے۔ ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مفتی صاحب کی زبانی سنا کہ میرے دوست کو جو ضرورت ہو اور جو فتویٰ اس کے موافق ہو میں تو وہی فتویٰ دوں گا۔ ایسا واقعہ بھی ہوا ہے کہ اس کے بارے میں ایک فتویٰ دریافت کیا گیا' مفتیوں نے لکھا جو اسے ضرر دیتا تھا' وہ موجود نہ تھا' جب آیا تو وہ مفتی صاحبان کے پاس گیا اور کہا تم نے تو مجھے اوندھا گرا دیا۔ انہوں نے کہا ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ معاملہ آپ کا ہے۔ اب اور سوال لاؤ' چنانچہ وہ لے گیا۔ انہوں نے اس قول پر فتویٰ دے دیا جو اس کے لیے نفع دینے والا تھا۔ یہ صورت باتفاقِ علماء حرامِ محض ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسائل میں بعض حق پر ہوتے ہیں' بعض غلطی پر پس تم اجتہاد کر کے انہیں مانا کرو۔ الغرض ایسے خواہش نفسانی کو پورا کرنے والے فتوے محض نامعتبر ہیں۔ جو اغراض حاصل کرنے اور مطلب نکالنے کے لیے ہوتے ہیں کہ ڈھونڈ بھال کر وہ قول نکال لیا جو اپنی طبیعت کے مطابق ہو اور اس پر عمل کر لیا اور اسی کے مطابق فتویٰ دے دیا یا وہی حکم جاری کر دیا اور جب کوئی اور آیا خصوصاً وہ جس سے اَن بن ہے تو سخت سے سخت قول نکال لیا اور اُس مسکین کو آفت میں پھانس دیا اس سے بڑھ کر نافرمانیٔ رب اور بد ترین کبیرہ گناہ اور کوئی نہیں۔



مفتیوں کی چار قسمیں

منصب افتاء پر فائز حضرات کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں کتاب و سنّت پر عبور حاصل ہے۔ جو اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح جانتے بوجھتے ہیں اور اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ قرآن و سنّت کے مخاطبین اوّلین نے اسلام کو کس نگاہ سے دیکھا۔ یہ حقیقتاً مجتہد ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اُمت میں تجدید و اصلاح کے اہل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اگرچہ کسی فقہی حد نظر سے وابستہ ہیں تاہم ان کی فکر و نظر کے دائرے وسیع ہیں۔ یہ لوگ ادلہ سے براہِ راست آشنائی رکھتے ہیں اور افتاء میں اس چیز کا خیال رکھتے ہیں کہ صرف ان ہی مسائل میں ائمہ کا ساتھ دیں جن میں صحت و صواب کی مقدار زیادہ ہو۔ یہ لوگ حنابلہ میں ابو یعلیٰ اور قاضی ابن علی بن ابی موسیٰ کے مرتبے کے ہو سکتے ہیں۔ شوافع میں بہت سے لوگ اس مرتبہ پر فائز ہیں۔ مالکیوں میں اشعب بن عبدالحکیم اور ابنِ ربیب کو اس درجہ پر رکھئے۔ حنابلہ میں اس قبیل کے لوگوں میں ابنِ حامد اور قاضی سر فہرست ہیں۔ اسی طرح احناف میں ابو یوسف' امام محمد اور زفر اس اسلوب کے حامل ہیں۔ ان کے بارے میں اختلافِ رائے ہے کہ یہ مجتہد مطلق ہیں یا مقید۔ تیسرا گروہ ان فقہاء پر مشتمل ہے جنہوں نے ہر حال میں اپنے ائمہ کی پیروی کو مستحسن جانا ہے۔ یہ متاخرین فقہاء کا وہ گروہ ہے جنہوں نے فقہ کے اصول و فروع کو مرتب کیا۔ چوتھا گروہ مقلدین کا ہے جو نہ دلیل کو جانتا ہے اور نہ ترجیح دلیل کو۔ ان کی نظر صرف متعلقہ کتب فقہ کے مقدمات پر ہے۔

اُنتیسواں فائدہ: منصب فتویٰ پر جتنے بھی لوگ ہیں ان کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو کتاب و سنّت اور اقوالِ صحابہ کا عالم یہی مجتہد ہے۔ واقعات میں اس کا قصد موافقت شرع کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلے میں یہ کسی اور کی بھی مان لے۔ ائمہ کرام میں سے کون ہے جس نے کسی نہ کسی مسئلے میں اپنے سے بڑے کی مانی نہ ہو؟ خود امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے حج کے فلاں موقعہ پر حضرت عطاء کی مان کر فتویٰ دیا۔ پس اس قسم میں ان بزرگوں کو فتویٰ دینا اور ان سے فتویٰ لینا بے شک جائز ہے۔ اس میں فرضِ اجتہاد ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے لوگ بھیجے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو بالکل نیا کر دیں۔ یہی وہ پودے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دین میں اگاتا رہے گا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ زمین ایسے لوگوں سے خالی نہ رہے گی جو اللہ کی دلیل پر قائم ہوں۔ دوسرے یہ کہ مجتہد مقید ہو' اس کے مذہب میں جس کا وہ قصد رکھتا ہے وہ اس کے فتووں میں معرفت والا ہو' اس کے اقوال کا عالم ہو' اس کے مآخذ اور اس کے اصول کا عارف ہو۔ ان پر اور مسائل نکال سکتا ہو جس میں اُس کا لفظی فتویٰ نہ ہو' اس میں قیاس سے کام چلا سکتا ہو لیکن ان میں سے کسی میں محض تقلید کا خوگر نہ ہو' نہ حکم میں مقلد ہو' نہ دلیل میں مقلد ہو البتہ طریقۂ اجتہاد دونوں کا ایک ہو' مقصد و طریقہ ایک ہو۔ حنبلیوں میں سے اس مرتبے کے دعوے دار قاضی ابو یعلیٰ ہیں اور قاضی ابنِ علی بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ۔ شافعیوں میں سے بھی بہت بڑا گروہ اس منصب پر پہنچا ہوا ہے۔ حنفیہ نے ابو یوسف' محمد' زفر کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ شافعیہ

نے مزنی' ابنِ شریح' ابنِ منذر' محمد بن نصر مروزی کے بارے میں بھی یہی اختلاف کیا ہے اور مالکیہ نے اشہب اور ابن عبدالحکیم اور ابنِ قاسم اور ابنِ وہب کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حنبلیوں نے ابنِ حامد اور قاضی کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ یہ لوگ مستقل مجتہد تھے یا اپنے ائمہ کے مذہب کے مطابق مجتہد مقید تھے؟ لیکن جو صاحب بنظر غور ان لوگوں کے فتاوے' ان کے اختیارات اور ان کے احوال دیکھے گا وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچ جائے گا کہ یہ لوگ اپنے اماموں کے جملہ مسائل میں ہرگز مقلد نہ تھے۔ انہوں نے جو کچھ اپنے ائمہ کا خلاف کیا ہے وہ بہت کچھ ہے اور بالکل ظاہر ہے کوئی نہیں جو اُس کا انکار کر سکے۔ بعض نے زیادہ خلاف کیا بعض نے کم کیا۔ ہاں! اسے ہم مانتے ہیں کہ مرتبہ اجتہاد میں ان میں اور ان کے امام میں بہت کچھ فرق ہے۔ تیسری قسم کے وہ لوگ جو ان کے مذہب میں مجتہد ہوں' جن کی طرف اُن کی نسبت ہے' دلیلوں کے مقرر کرنے والے' فتووں کو ثابت کرنے والے ان کے عالم۔ لیکن اپنے امام کے قول سے اور اس کے فتووں سے تجاوز نہ کرتے ہوں' نہ ان کا خلاف کرتے ہوں' اپنے امام کا قول پا کر پھر اس سے اِدھر اُدھر نہ ہٹتے ہوں۔ یہی حالت کتب فقہ کے اکثر مصنفین کی ہے اور یہی حالت ان کے اکثر علماء کی ہے ان میں اکثر اس خیال کے بھی ہیں کہ اس کے بعد انہیں کتاب و سُنت اور عربیت کے معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اسے تو اپنے امام کے اقوال سے مطلب ہے' اس کے اقوال اس کے نزدیک شارع علیہ السلام کے الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب اُسے مشقت و تکالیف اٹھانے اور دلائل ٹٹولنے اور استنباط کرنے اور مسائل سمجھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے امام نے سب کچھ کر کے اسے بے نیاز کر دیا ہے۔ کبھی اس کی نگاہ سے اس کے امام کی بتلائی ہوئی دلیل گزر بھی جاتی ہے۔ اس پر یہ مگن ہو جاتا ہے لیکن یہ کوشش نہیں کرتا کہ یہ دیکھے کہ اس کے خلاف دلیل ہے؟ کیسی ہے؟ وغیرہ۔ یہی حال اکثر ان لوگوں کا ہے جو اصحابِ وجود و طرق ہیں اور جو چھوٹی بڑی فقہ کی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ اجتہاد کے دعوے دار نہیں' نہ تقلید کے اقراری ہیں۔ ہاں! ان میں کے اکثر یہ تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے مذہب میں اجتہاد کیا اور اپنے امام کے مذہب کو حق سے زیادہ قریب پایا۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے' ہر ایک اپنے امام کو بہ نسبت اور اماموں کے تابعداری کا زیادہ مستحق سمجھتا ہے پھر کوئی آگے بڑھ کر اس کی تابعداری کو واجب کہتا ہے' کوئی اس امام کے سوا دوسرے کی ماننے کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ واللہ تعجب سا تعجب ہے کہ یہ لوگ اقوالِ ائمہ کے جانچنے' پرکھنے' تولنے' سنبھالنے میں تو اس قدر بڑھ گئے لیکن قرآن و حدیث میں ان کا پایہ کچھ نہیں۔ انہوں نے اپنے امام کے کلام کو تو سب سے اونچا اور اچھا کر دکھایا لیکن اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کی کوئی وقعت نہ کی حالانکہ کلام اللہ اور حدیثِ رسول ﷺ جامع کلمات سے' آسانیوں سے' اختلاف کی دوری سے' نورانیت سے' صفائی سے پُر تھے۔ ان کا اجتہاد اماموں تک پہنچ کر تھک گیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے کلام تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ پس افسوس ہے اور حسرت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ چوتھی قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اماموں کی فقہ حاصل کی' اُن کے فتوے اور فروع محفوظ کیے اور کھلے لفظوں میں ہر طرح ان کی تقلید کا اقرار کیا۔ کبھی ان کی زبان پر قرآن و حدیث کا نام آ گیا تو وہ صرف تبرک اور فضیلت کے طور پر آ جاتا ہے نہ کہ حاجت اور عمل کے طور پر حدیثِ صحیح سامنے ہوتے ہوئے اور امام کے قول کو اس کے خلاف پاتے ہوئے بھی حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور قولِ امام کو مضبوط تھام لیتے ہیں۔ چاروں خلیفوں کا کوئی فتویٰ ہو اور ان کے امام کے خلاف ہو تو ناممکن ہے کہ یہ خلفاء کی مان لیں۔ یہ ہیں اور قولِ امام صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے امام اسے خوب جانتے تھے' ہم ان کے مقلد ہیں' نہ ان کے حکم سے آگے بڑھیں' نہ ان کے فرمان کو چھوڑیں۔ وہ سب کچھ سوچ

سمجھ گئے اور ہمارے لیے راستہ صاف کر گئے اب ان کا خلاف کرنا ٹھوکر کھانا ہے اور مصیبت اٹھانا ہے۔ الغرض ان کا درجہ بہت گرا ہوا ہے اور ان کا پایہ بہت نیچے کا ہے۔ یہ تو انہی میں سے ہیں جو کسی کے فتوے پر صرف یہ لکھنا جانتا ہو کہ یہ مسئلہ اسی طرح ہے جانے اس کی بلا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں یا ان میں سے ہے جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کی شرائط کے ساتھ ہو تو صحیح ہے' تو جائز ہے۔ جائز ہے جب تک کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ اس کا مرجع حاکم کی رائے کی طرف ہے۔ وغیرہ ان جوابوں کو جاہل تو اچھا جانتے ہیں لیکن اہل علم تو ایسے الفاظ سے حیاء کرتے ہیں۔ ان چاروں قسم کے لوگ کیسے ہیں یہ بھی سن لیجیے۔ پہلی قسم تو بادشاہ کی طرح ہے۔ دوسری قسم ان کے نوابوں اور خلیفوں کی طرح ہے۔ تیسری اور چوتھی قسم کے مفتی وہ ہیں جو ڈھول کا پول ہیں' جو علماء کے لباس میں جاہل ہیں' جو فاضلوں کا منہ چڑانے والے ہیں اور ان سے مشابہت کر کے خلق اللہ کو دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ اللہ بچائے۔

مجتہد فی المذہب کا فتویٰ

تیسواں فائدہ : جب کہ کوئی شخص اپنے امام کے مذہب کا مجتہد ہو لیکن مجتہد مستقل نہ ہو تو کیا وہ بھی اپنے امام کے قول پر فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ اصحابِ شافعی اور احمد کی بھی یہی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ جائز ہے اور یہ کہ اس کا تبع مقلد ہو گا مُردے کا نہ کہ اس کا۔ اس کا منصب تو صرف امام سے نقل کر دینا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُسے فتویٰ دینا جائز ہی نہیں' اس لیے کہ سائل اس کا مقلد ہے نہ کہ میت کا اور اس نے اس کے لیے اجتہاد نہیں کیا۔ سائل کا تو قول ہے کہ میں تیرے فتوے کی تقلید کروں گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی تفصیل ہے۔ اگر سائل نے یہ سوال کیا ہو کہ میں اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں یا میرا ارادہ حق معلوم کرنے کا ہے یا میری خلاصی اس میں کیا ہے؟ وغیرہ تو پھر اسے اجتہاد کرنے کے بعد ہی مسئلہ بتلانا چاہیے صرف تقلیدی طور پر بغیر حق و باطل معلوم کیے فتویٰ دے دینا اس صورت میں درست نہیں۔ ہاں! اگر سائل نے ہی قولِ امام کا سوال کیا ہو اور اسی کا مذہب معلوم کرنا چاہتا ہو تو بے شک اُسے اس کا بیان جائز ہے۔ یہ اس کا ناقل ہو گا۔ بوجھ بار سائل کے ذمے رہے گا۔ سوال کی ان دونوں صورتوں میں مفتی کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ پہلی صورت میں بوجھ مفتی پر ہے دوسری میں مستفتی پر۔

کیا زندہ 'مُردے کی تقلید کو جائز سمجھے؟

اکتیسواں فائدہ : کسی زندے کو کسی مُردے کی تقلید کرنا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا بغیر اس کے کہ دلیل کا اعتبار ہو جس میں صحت عمل کا موجب ہو اس کے جواز میں اصحابِ احمد و شافعی کے دو اقوال ہیں۔ ایک تو منع کا اور دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو اس کا اجتہاد بدل جاتا۔ بہت ممکن تھا کہ دوبارہ اس سے یہی مسئلہ پوچھا جاتا' وہ دوبارہ دلائل پر نظر ڈالتا اور اس پر حق کھل جاتا اور اپنے اگلے فتوے سے رجوع کرتا۔ یہ نظر ڈالنا اس پر بقول بعض واجب ہے اور بقولِ بعض مستحب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ مقلدین تو اسی قول پر جمے بیٹھے ہیں۔ ان کے پاس دلیل بھی وہی تقلیدی باتیں ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان میں سے جو جماعت اس کی قائل نہیں ان کا بھی یہ قول صرف زبانی ہے ورنہ فتووں میں' احکام میں ان کا بھی عمل اس کے برخلاف ہے۔ اقوال اپنے قائل کی موت سے نہیں مرتے جیسے اخبار اپنے راوی اور ناقل کی موت سے

نہیں مرتے۔

اجتہاد کے اجزا اور اقسام ہو سکتے ہیں

بتیسواں فائدہ : انسان ایک خاص قسم کے علم میں مجتہد اور دوسرے علم میں غیر مجتہد ہو سکتا ہے یا کسی خاص باب میں بھی اس کی حالت مختلف ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص نے علم فرائض' ان کی ادائیگی اور ان کا کتاب و سُنّت سے استنباط کرنا پوری کوشش سے سیکھ لیا ہے اور علوم میں اُسے یہ دسترس حاصل نہیں یا مثلاً جہاد کے بارے میں یا حج کے بارے میں اسے کامل مہارت ہے تو ان امور میں تو وہ فتویٰ دے سکتا ہے لیکن دوسرے امور میں جن میں اسے اجتہاد کی قوت میسر نہیں ان میں اُسے فتویٰ دینا لائق نہیں۔ گو اجتہادی ملکہ کی حصولیت کی صورت میں بھی فتوے دینے کے قابل ہونے میں تین وجوہات ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ جواز ہے بلکہ یہی درست ہے اور بالکل درست ہے۔ دوسرا قول منع کا ہے۔ تیسرا صرف فرائض میں جواز' دوسرے امور میں نہیں۔ جواز کی دلیل یہ ہے کہ اُس نے اس بارے میں حق کو دلیل حق سمیت معلوم کر لیا ہے۔ ٹھیک بات کے پہچاننے میں پوری کوشش خرچ کر لی ہے۔ پس اس کے حکم میں یہ مجتہد مطلق کی طرح ہے۔ منع کی دلیل یہ ہے کہ احکامِ شرع کا سب کا آپس میں تعلق ضروری ہوتا ہے۔ پس جن سے یہ واقف نہیں ممکن ہے کہ اُن کی وجہ سے اس مسئلے میں بھی کوئی تقصیر واقع ہو جائے۔ خیال فرمایئے نکاح' طلاق' عدت' فرائض میں ایک قسم کا لگاؤ ضرور ہے۔ اسی طرح جہاد اور اس کے متعلقات اور کتاب الحدود اور فیصلے اور احکام بھی آپس میں تعلق رکھتے ہیں اور اسی طرح اور مسائل بھی۔ جن لوگوں نے فرائض میں اسے تسلیم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تقسیم میراث' حصوں کا تقرر' مستحقین کی پہچان یہ بالکل علیحدہ اور جداگانہ چیز ہے۔ کتاب البیوع' کتاب الاجارات' رہن وغیرہ سے اسے کوئی تعلق نہیں اور اس لیے بھی کہ میراث کے عام احکام قطعی ہیں اور کتاب اللہ میں کھلے لفظوں میں موجود ہیں۔ اگر سوال ہو کہ جسے صرف ایک دو مسائل کا ہی علم ہو اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس میں جو دو قول ہیں ان میں زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ اُسے ان مسائل کا فتویٰ دینا جائز ہے۔ اصحابِ امام احمد کے نزدیک بھی یہی دو وجوہات ہیں۔ یہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے تبلیغ ہے۔ اعانت اسلام گو آدھے کلمے سے ہی ہو بہتر چیز ہے اور ایسا کرنے والا اللہ کے نزدیک مستحق اجر ہے۔ اس شخص کو ان مسائل کے بتلانے سے روکنا محض خطا ہے۔ والتوفیق بید اللہ۔



نااہل مفتی پر پابندی عائد ہونی چاہیے

منصب افتاء علم و عمل کی ایک خاص ذمہ داری چاہتا ہے۔ ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کا اختیار نہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ جب روٹیاں پکانے والے باورچی پر داروغہ مقرر ہے تو جاہل مفتیوں کو کیوں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ صحابہ رسول فتویٰ دینے کے معاملے میں کس درجہ محتاط تھے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان میں سے ہر ایک کی یہ آرزو ہوتی کہ کاش اس کی جگہ کوئی اور اس ذمہ داری کو قبول کر لے' حالانکہ بلاشبہ ہر ایک کوکب ہدایت اور سرچشمۂ معرفت تھا۔ حضرت عطاء کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ جب ان سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو احساسِ ذمہ داری کی شدت سے کانپنے لگے اور ذرا فقہ و حدیث کے جلیل القدر امام حضرت شعبی کی طرف دیکھیے۔ بایں دلالتِ قدر ان سے ایک مرتبہ ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "میں نہیں جانتا" اس پر کہا گیا کہ حضرت کیا آپ اس اعتراف سے شرم محسوس نہیں کرتے۔ ان کا جواب تھا۔ جب فرشتے ﴿ لَا عِلْمَ لَنَا ﴾ کہتے ہوئے نہیں شرماتے تو میں کیوں شرماؤں؟ سبحان اللہ! ایک یہ بزرگ تھے اور ایک وہ کم سواد ہیں جو ہر بیہودگی کے حق میں فتویٰ دینے میں دلیر ہیں۔

تینتیسواں فائدہ : اہل نہ ہونے پر جو مفتی بن بیٹھے وہ گناہ گار' نافرمان' نافرجام ہے۔ جو بادشاہ ایسے کو مقرر کرے وہ بھی گناہ میں اس سے کم نہیں۔ امام ابو الفرج بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بادشاہوں کو تو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو اس منصب سے دور کر دیں جیسے کہ بنو اُمیہ کے بادشاہوں نے کیا۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ راستوں پر بیٹھ گئے اور علم تو ہے نہیں اور جو سوار نکلا اُسے بتلا دیا کہ فلاں جگہ تمہیں جانا ہے تو اس راستے پر جاؤ حالانکہ خود ہی راستہ نہیں جانتے یا اُس کی طرح جسے خود قبلہ نہ معلوم ہو لیکن نمازیوں کو قبلہ بتلانے بیٹھ جائے اور ان کی طرح ہے جو طبّ کا ایک حرف نہ جانتا ہو لیکن مطب کھول لے بلکہ یہ ان سب سے بدتر ہے جب کہ بادشاہوں پر یہ بھی حق ہے کہ وہ کسی اَن پڑھ کو حکمت اور دوا کرنے کی اجازت نہ دیں۔ تو کیا یہ حق نہیں کہ وہ جاہلوں کو فتویٰ نویسی سے اور مفتی بن جانے سے روک دیں۔ جنہیں قرآن و حدیث کا مطلق علم نہیں ہوتا۔ ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ تو ایسے لوگوں پر بہت سختی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے اُن سے کہہ دیا کہ تم مفتیوں پر کوئی داروغہ مقرر کرو گے؟ آپ نے فرمایا اس میں بھی کیا تعجب ہے جب روٹیاں پکانے والوں پر' باورچیوں پر داروغہ ہے تو کیا وجہ کہ یہ مفتی یوں ہی آزاد چھوڑ دیئے جائیں؟ ابنِ ماجہ وغیرہ میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس کا بوجھ اُسی مفتی پر ہے۔ صحیحین میں ہے اللہ تعالیٰ اس اپنے علم کو علماء کے سینوں سے چھین نہیں لے گا بلکہ علم کی موت علماء کی موت سے ہوگی' جب علماء باقی نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ ان سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے' خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جو لوگوں کو بغیر علم کے فتوے دے اس پر زمین و آسمان کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ (ابو الفرج وغیرہ) امام مالک فرماتے ہیں جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے' وہ جواب دینے سے پہلے جنت و دوزخ کا تصور باندھ لے۔ سوچے کہ کل قیامت کے دن چھٹکارا کیسے حاصل ہوگا؟ پھر جواب دے۔ آپ سے ایک مرتبہ سوال ہوا جس کے جواب میں آپ نے

فرمایا مجھے معلوم نہیں تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔ آپ بہت بگڑ کر فرمانے لگے سنو! کوئی چیز معمولی نہیں۔ کیا قرآن کی یہ آیت تُو نے نہیں سنی : ﴿ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴾ (مزمل : ۵) ہم تجھ پر بوجھل بات ڈالیں گے۔ پس علم سب کا سب ثقیل ہے اور خصوصیت سے وہ حصّہ جس کی بابت کل قیامت کے دن ہم سے سوال ہونے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک مجھے میرے ستر استادوں نے یہ سند نہ دے دی کہ میں فتوے دینے کے قابل ہو گیا ہوں میں نے کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے تئیں خود ہی کسی کام کا اہل نہ سمجھ لے جب تک کہ اس کام کے ماہر اسے اس کام کا اہل نہ کہہ دیں۔ میں نے تو امام ربیعہ سے امام یحییٰ بن سعد سے جب تک دریافت نہ کر لیا اور جب تک انھوں نے مجھے فتویٰ دینے کا حکم نہ دیا میں نے فتویٰ دینے شروع نہیں کیے۔ اگر یہ بزرگ مجھے روک دیتے تو واللہ میں رک جاتا۔ تم دیکھتے نہیں ہو سخت مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جب تک دوسروں سے بحث نہ کر لیں فیصلہ کن جواب نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ جو ہدایت الٰہی انہیں میسر تھی وہ ظاہر ہے۔ پھر بھلا ہم کیا جن کے گناہوں نے اور خطاؤں نے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ آپ کی حالت بھی یہی تھی کہ جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو یہ معلوم ہوتا کہ گویا آپ دوزخ و جنّت کے درمیان کھڑے ہیں۔ حضرت عطاء کا بیان ہے کہ میں نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے کہ جب ان سے سوال ہوتا تو وہ جواب دیتے ہوئے کپکپانے لگتے۔ سب کو جانے دیجیے سرورِ رُسل ﷺ سے سوال ہوتا کہ شہروں کا بُرا مقام کونسا ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم جب تک کہ میں جبرئیل علیہ السلام سے نہ پوچھ لوں اور ان سے دریافت کر کے جواب دیتے ہیں کہ شہروں کی بد ترین جگہ بازار ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے نفس کو مفتی بننے کے لیے پیش کرنا ایک خطرناک بوجھ اپنے اوپر لینا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی ایسی ہی ضرورت نے مجبور کر دیا ہو۔ حضرت شعبی رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا' انھوں نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ آپ تو سارے عراق کے واحد فقیہ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کہتے ہوئے فرشتے تو شرماتے نہیں پھر میں کیوں شرماؤں؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ الٰہی! ہمیں کوئی علم نہیں بجز اس کے جو تُو نے ہمیں معلوم کرایا ہے۔ (البقرة : ۳۲) بعض اہل علم کا یہ لطیفہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں اس کہنے کا فائدہ تمہیں معلوم نہیں کہ میں نہیں جانتا۔ سنو! اس کہنے سے لوگ تمہیں وہ علم حاصل کرائیں گے جو تمہیں حاصل نہیں لیکن جب تم اس کے خلاف علم میں دعوے کرو گے تو پوچھتے پوچھتے تمہیں اس حد تک پہنچا دیں گے کہ تمہاری لاعلمی ظاہر ہو جائے۔ عقبہ بن مسلم کہتے ہیں میں نے چونتیس ماہ تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت اٹھائی۔ میں نے یہ دیکھا کہ عموماً جو سوال آپ سے ہوتا آپ فرما دیتے کہ میں نہیں جانتا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تو سوالات کا جواب دینے سے بہت ہی پرہیز کیا کرتے تھے۔ پھر بھی کچھ کہنا پڑتا تو پہلے سے یہ دعا مانگ لیتے۔ الٰہی! خود مجھے بچا اور مجھ سے اوروں کو بھی بچا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک سوال ہوا' آپ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموش ہو گئے تو کہا گیا کہ جناب جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا سوچ رہا ہوں کہ فضیلت چپ رہنے میں ہے یا جواب دینے میں۔ ابنِ ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسروں پر ٹالتا یہاں تک کہ سب کے پاس سے ہو ہو کر پھر پہلے کی طرف مسئلہ آ جاتا۔ کوئی حدیث بیان کرنی ہو' کوئی فتویٰ دینا ہو ہر ایک یہی چاہتا کہ کوئی اور بیان کر دے اور کوئی اور فتویٰ دے دے۔ ابو الحسین ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانے میں تو لوگوں کا یہ حال ہے کہ جو پوچھو' جتنا پوچھو بتائے چلے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک ایک مسئلہ ایسا ہوتا ہے

کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ تمام بدری صحابہ کو جمع کر لیتے اور ان سے دریافت فرماتے۔ حضرت امام قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ اچھی طرح یاد نہیں۔ سائل نے کہا جناب میں تو آپ ہی کو جانتا ہوں' آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میری بڑھی ہوئی ڈاڑھی اور میری مجلس کا لوگوں سے پُر ہونا اپنی نگاہ میں نہ رکھ۔ واللہ! میں اس مسئلے کو بخوبی نہیں جانتا۔ ایک صاحب قریشی جوان کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے دیکھو بھائی انھیں نہ چھوڑنا۔ اس سے بہتر علمی مجلس تمہیں اور نہیں مل سکتی۔ اس پر حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا واللہ میری زبان کا کٹ جانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء کو لکھا ان دونوں بزرگوں میں بھائی چارہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ طبیب بن کر بیٹھے ہیں تو کہیں انجان علاج نہ کرنے لگنا اور مسلمانوں کی جان کے درپے نہ ہو جانا۔ اب آپ کی یہ حالت تھی کہ دو شخصوں میں جھگڑا تو چکا دیا کرتے لیکن پھر انھیں بلاتے اور کہتے دوبارہ پیش کرو میں اور غور کر لوں۔

عامی کے سامنے کوئی واقعہ پیش آئے اور وہ کسی عالم کو نہ پائے

چونتیسواں فائدہ : اس وقت لوگوں نے اس کے لیے دو طریقے بیان کیے ہیں : ایک تو یہ کہ اس کا حکم اس زمانے کے لوگوں جیسا ہے جو شریعت کے قبل کا زمانہ ہو۔ حصر اباحت اور وقف کے خلاف اس لیے کہ مرشد کا نہ ہونا اس کے حق میں ایسا ہی ہے جیسے کسی امت میں مرشد کا نہ ہونا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ خلاف پر ہی نکل جائے۔ اس مسئلے میں جس میں مجتہد کے نزدیک دلیلیں ایک دوسرے کے خلاف ہوں کہ کیا وہ ہلکے کو جانتا ہے یا بھاری کو یا مختار ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرے اور اپنی طاقت بھر حق کو پہچاننے کی کوشش کرے۔ اب جو بات سمجھ میں آئے کر لے۔ ان شاء اللہ وہی حق بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی بہت سی نشانیاں قائم کر دی ہیں۔ اپنی پسند کی اور نہ پسند کی چیزوں کو اس طرح خلط ملط نہیں کر دیا کہ ایک ایماندار کو ان کی شناخت ہی نہ ہو سکے جس کی فطرت سلیم ہوتی ہے اس کا دل حق کو بآسانی تلاش کر لیتا ہے۔ ایسی وجوہات اس کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں جن سے حق اس پر کھل جائے۔ ممکن ہے خواب میں معلوم ہو جائے' ممکن ہے الہام ہو جائے اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہو اور اس کا دل بھی کسی طرح مطمئن نہ ہو تو پھر اس پر سے اس مسئلے کی تکلیف ساقط ہے۔ اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اس کا جسے دین کی دعوت پہنچی ہی نہ ہو۔ ہاں! اس کی اور اس کی حیثیت میں فرق واضح ہے لیکن اس خاص حالت میں یہ اور وہ برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ اور شہادت میں فرق

پینتیسواں فائدہ : غلام کا' آزاد کا' عورت کا' مرد کا' رشتے دار کا' غیر کا' بے پڑھے لکھے کا اور قاری کا' گونگے کا اور بولتے کا' دشمن کا اور دوست کا فتویٰ دینا درست ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ دشمن کا اور اس کا جس کی شہادت اس کے بارے میں مقبول نہیں فتویٰ بھی نامقبول ہے۔ پس فتووں میں بھی ان کے نزدیک دونوں وجہیں ہیں جو حکم میں ہیں گو زیادہ مشہور خلافِ حاکم کے بارے میں ہے۔ فاسقوں کے فتوے اس وقت جب کہ نیک کار مفتی ہوں قبول نہ کیے جائیں گے۔ فتویٰ لینے والے کو اُن سے سوال کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں! وہ اپنے فتوے پر آپ عمل کر لے لیکن دوسروں کو فتویٰ دینا جائز نہیں اور جس کا حال چھپا ہوا ہو اس سے مسئلہ پوچھنے میں دو وجوہات ہیں۔ ٹھیک یہ ہے کہ جائز ہے' فتویٰ پوچھنا

بھی اور فتویٰ دینا بھی۔ میں کہتا ہوں یہی حکم فاسق کا بھی ہے بشرطیکہ وہ بدکاری علی الاعلان نہ کرتا ہو اور اپنی بدعت کی طرف دوسروں کو نہ بلاتا ہو۔ اس سے مسائل پوچھ لینا ایسا ہی ہے جیسی اس کی امامت اور شہادت۔ یہ باختلاف مکان و زمان اور قدرت و عاجزی مختلف ہو جائے گا۔ پس واجب اور چیز ہے اور واقع اور چیز ہے۔ فقیہ وہ ہے جو واجب و واقع میں تطبیق دے دے اور واجب کو اپنی استطاعت کے مطابق جاری کر دے۔ وہ فقیہ نہیں جو واجب و واقع میں مخالفت قائم کر دے۔ ہر زمانے کا الگ حکم ہوتا ہے' لوگ اپنے زمانوں میں اپنے بڑوں کے ہی مشابہ ہوتے ہیں جب کہ فسق عام ہو جائے' لوگوں پر اس کا غلبہ ہو جائے۔ اب اگر فاسقوں کی امامت ناجائز قرار دی گئی' ان کی شہادتیں مردود کہہ دی گئیں' ان کے احکام اور فتوے اور ولایت باطل قرار دی گئی تو پھر تو احکام معطل ہو جائیں گے اور حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ ممکن صلاحیت کو ہر وقت پیش نظر رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے حصول میں کمی نہ کی جائے۔ یہ سب مسائل اُس وقت ہیں جب قدرت و طاقت میں ہوں لیکن ضرورت کے وقت' باطل کے غلبے کے وقت سوائے صبر کے اور چارۂ کار ہی کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس وقت انکار کا جو کم سے کم مرتبہ ہے اسی پر قائم رہنا پڑے گا۔

مفتی اور قاضی

چھتیسواں فائدہ : قاضی وغیرہ میں' اس میں کوئی فرق نہیں کہ فتویٰ دینا جائز ہو جس سے جائز ہو اور واجب ہو جب کہ مقرر ہو جائے۔ سلف و خلف میں یہی دستور رہا فتوے دینے کا منصب جمہور کے نزدیک قضا کے منصب میں داخل ہے جو لوگ جاہل کی قضا کو جائز نہیں جانتے پس قاضی فتویٰ دینے والا ہے اور اثبات کرنے والا ہے اور اپنے فتوے کو جاری بھی کرنے والا ہے۔ بعض فقہاء اصحابِ احمد و شافعی سے اس بات کی طرف بھی گئے ہیں کہ قاضی کو ان مسائل کے احکام میں فتویٰ دینا مکروہ ہے جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو۔ ہاں! طہارت' نماز' زکوٰۃ وغیرہ کی اور بات ہے۔ بعض کی دلیل اس بات پر یہ ہے کہ اس کے فتوے تو دعوے کے کسی رکن کے لیے حکم کی حیثیت رکھتے ہیں پھر محاکمہ کے وقت وہ اسے توڑ نہیں سکتا اور ہو سکتا ہے کہ فیصلے کے وقت اس کا اجتہاد متغیر ہو جائے یا اس کے سامنے وہ قرائن آ جائیں جو فتویٰ دیتے وقت نہ تھے۔ اب اگر وہ اپنے فتوے پر جما رہا' اسی کے بموجب حکم پر اڑ گیا تو ظاہر ہے کہ جس چیز کی صحت کا یہ معتقد تھا اس کے خلاف کیا اور اگر اپنے اس پہلے فتوے کے خلاف اب اس نے حکم دیا تو ظاہر ہے کہ لوگ اُسے بدگمانی کی نظروں سے دیکھیں گے اور انھیں موقعہ ملے گا کہ کہیں' کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اسی لیے قاضی شریح فرمایا کرتے تھے میں فیصلہ کرتا ہوں فتویٰ نہیں دیتا۔ اسے ابن المنذر نے نقل کیا ہے اور مسائل احکام میں قاضی کی فتویٰ نویسی کی کراہت کو مختار کہا ہے۔ شیخ ابو حامد اسفرائینی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے اس میں دو جواب ہیں : ایک یہ کہ اُسے یہ نہیں چاہیے اس لیے کہ اس صورت میں لوگوں کو اس پر کلام کرنے کی مجال ہو جائے گی اور دو میں سے ایک دعویدار اس پر انگلی اٹھا سکے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسے یہ حق ہے اس لیے کہ وہ اس کا صحیح طور پر اہل ہے۔

حکام کے فتووں کے خلاف اظہارِ رائے' فیصلہ سے انحراف کے مترادف نہیں

سینتیسواں فائدہ : یاد رہے کہ حاکم کا فتویٰ اور چیز ہے اور فیصلہ اور چیز ہے اگر کسی نے حاکم کے فتوے کے خلاف حکم دیا تو وہ اس کے حکم کو توڑتا نہیں۔ نہ وہ حکم کی طرح ہے۔ اسی لیے فتوے ہر اس شخص کے لیے

بھی جائز ہے جو موجود ہو اور جو موجود نہ ہو' جو اس کے زیر حکومت ہو اور جو نہ ہو۔ ہندہ والی حدیث غائب پر فیصلہ کرنے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اسے صرف فتویٰ دیا ہے نہ کہ غائب پر حکم کیا ہو۔ ان کے خاوند کوئی شہر سے باہر نہیں چلے گئے تھے۔ اُسی وقت آپؐ کسی کو بھیج کر انہیں بلوا سکتے تھے' یہی وجہ تھی کہ ہندہ کے دعوے کی سچائی پر آپؐ نے ان سے کوئی ثبوت بھی طلب نہ فرمایا' یہ بالکل ظاہر ہے۔ اُس نے گویا یہ پوچھا کہ اگر میاں اپنی بیوی کو تنگ رکھتا ہو' صرف اپنی خست کی وجہ سے کیا اس سے اس کی بے خبری میں اپنی کھانے پینے کی ضرورت اُس کے مال سے نیت خیر کے ساتھ پوری کرلینی جائز ہے؟ اس کا آپؐ نے جواب دیا۔

فرضی سوالوں کے جوابات

اڑتیسواں فائدہ : جب کسی سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جو واقع نہ ہوا ہو تو کیا اس کا جواب دینا مستحب ہے یا مکروہ ہے یا مفتی کے اختیار میں ہے؟ اس میں بھی تینوں قول ہیں۔ اکثر سلف صالحین کا یہی دستور تھا کہ ایسے مسائل کا جواب نہیں دیتے تھے۔ ان سے جب مسئلہ پوچھا جاتا وہ دریافت فرماتے کہ کیا ایسا ہوا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ ہاں! تو اس کے جواب کی تلاش میں تکلیف اٹھاتے ورنہ صاف کہہ دیتے کہ ہمیں ان باتوں کے جواب سے معاف فرمائیے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ خبردار ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالو جس میں تمہارا کوئی سلف نہ ہو۔ یہ تو تھے اقوال و مذہب لوگوں کے لیکن درست بات یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھا گیا ہے اگر اس کا جواب کسی آیت یا کسی حدیث میں ہو یا کسی صحابی کا فتویٰ ہو تو اُسے بیان کر دینا مکروہ نہیں اور اگر اس میں کوئی آیت و حدیث اور اثر صحابی نہ ہو تو دیکھنا چاہیے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے؟ اگر ظاہر ہو کہ ایسا ہونا بھی ناممکن ہے تو پھر اس کا جواب دینا مستحب نہیں اور اگر اس کا وقوع نادر اور مستبعد نہ ہو اور سائل کی غرض صرف علم کا حاصل کرنا ہو کہ اُسے ایک چیز معلوم رہے اور وہ اندھیرے میں نہ رہے تو مفتی اپنے علم کے مطابق جواب دے سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ سائل سمجھداری حاصل کرنے' علم بڑھانے' اعتبار پیدا کرنے اور نظیر کا حکم نظیر کو دینے کے لیے آمادہ ہو تو مصلحت اسی میں ہے کہ اسے بے علم نہ رکھے' واللہ اعلم۔

حرام اور مکروہ حیلوں کے پیچھے پڑنا ناجائز ہے

اُنتالیسواں فائدہ : جو حیلے شرعی طور پر منع ہیں انہیں ٹٹولنا اور رخصتوں کے پیچھے صرف اس لیے پڑنا کہ کسی طرح آسانی ہو جائے یہ مفتی کے لیے محض جائز ہے اگر وہ ایسا کرے تو وہ فاسق ہے' اس سے فتویٰ لینا حرام ہے۔ ہاں! جب مفتی کا قصد کسی شرعی جائز حیلے کا ہو جو بغیر شک و شبہ کے اور بغیر کسی شرعی حکم کے بدلنے کے اور بغیر کسی فساد کے شرعاً صاف طور پر جائز ہو تو بے شک وہ اس کے لیے جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ خود جنابِ باری نے اپنے پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام کو آپ کی قسم کے نہ ٹوٹنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ ایک جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ایک دفعہ مار دیں۔ (ص : ۴۴) رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو راہ دکھائی کہ وہ خشک کھجوروں کو درہم سے بیچیں اور پھر جیسی کھجوریں پسند ہوں اُن درہموں سے خرید لیں تاکہ سود سے بچیں۔ پس گناہ سے بچنے کے لیے نجات اور مخلصی طلب کرنا اور چیز ہے اور یہ جائز ہے۔ بدترین حیلے وہ ہیں جن سے انسان حرام چیزوں اور حرام کاموں میں واقع ہوتا ہے اور جن سے اللہ اور رسول ﷺ کے واجب کردہ لازم حق کو توڑتا ہے۔ بحمد اللہ ہم اس سے پہلے اپنی اسی کتاب میں دونوں قسم کے حیلوں کو اس تفصیل و

تشریح سے بیان کر چکے ہیں کہ ممکن ہے کسی اور کتاب میں یکجائی طور پر آپ کو ایسی جامع بحث نہ ملے۔

مفتی کا اپنے فتوے سے رجوع کرنا

چالیسواں فائدہ : جب مفتی کوئی فتویٰ دے پھر اس سے رجوع کر لے اور اس اگلے فتوے کے لینے والے کو اس کا علم بھی ہو جائے اور اس نے اس پہلے فتوے پر اب تک عمل بھی نہ کیا ہو تو کہا گیا ہے کہ اب اس پہلے فتوے پر عمل حرام ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس مسئلے میں تفصیل ہے صرف مفتی کے رجوع کر لینے سے اس کے رجوع کردہ فتوے پر عمل حرام نہیں ہوگا بلکہ اُسے توقف کرنا چاہیے اور کسی اور سے مسئلہ دریافت کرنا چاہیے اگر اُس نے بھی پہلے مفتی کے پہلے فتوے کی موافقت کی تو وہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ ہاں! اگر اس نے بھی اس کے دوسرے سے موافقت کی اور کسی اور نے پہلے فتوے سے موافقت نہیں کی تو بے شک اس فتوے پر عمل حرام ہوگیا۔ ہاں! اگر اس شہر میں صرف وہی ایک مفتی ہو تو اسی سے پھر پوچھے اگر وہ کہے کہ پہلے کا فتویٰ خلافِ اولیٰ ہے' پسندیدہ فتویٰ دوسرا ہے تو بھی اس پر عمل حرام نہ ہوگا۔ ہاں! اگر وہ کہے کہ میرا پہلا فتویٰ غلط ہے' اس کی غلطی اب مجھ پر واضح ہوگئی' وہ بالکل نادرست فتویٰ تھا تو اس مستفتی پر اس فتوے پر عمل حرام ہو جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا رجوع کسی شرعی دلیل کی مخالفت کی وجہ سے ہو۔ اگر صرف اس وجہ سے اس نے رجوع کیا ہے کہ پہلا فتویٰ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو سائل کا اس پر عمل کرنا حرام نہیں۔ ہاں! اگر وہ مسئلہ اجماع والا ہو تو پھر حکم بدل جائے گا۔ اگر اس نے اس کے پہلے فتوے سے نکاح کیا اور اس عورت سے مل بھی چکا تو جب تک کوئی صاف شرعی دلیل جو اس کے حرام ہونے کی مقتضی ہو اس کے سامنے نہ آ جائے تو گو مفتی نے رجوع کر لیا ہو اس پر اس عورت سے جدائی واجب نہیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ مفتی نے صرف اس بناء پر اپنے اگلے فتوے سے رجوع کیا ہو کہ وہ اس کے اپنے مذہب کے خلاف ہے گو دوسرے کے مذہب کے مطابق ہے ٹھیک بات یہی ہے جو ہم نے لکھی۔ ہمارے بعض ساتھیوں نے اور اصحابِ شافعی نے اُس پر حکم لگا دیا ہے کہ اسے اس عورت کا چھوڑ دینا واجب ہے اور اس کی دو وجوہات وہ نقل کرتے ہیں اور وجوبِ مفارقت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس سے اس نے رجوع کر لیا وہ اس کا مذہب نہ رہا۔ مثلاً کسی شخص نے دوسرے کو قبلے کی سمت بتلائی اور وہ اس طرف نماز پڑھ ہی رہا ہے جو اسے اپنی خطا کا علم ہو گیا پس اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کے گھومنے کے ساتھ ہی گھوم جائے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے ہم انہیں جواب دیتے ہیں کہ اس نے جو نکاح کیا اور دخول کیا یہ فتوے سے کیا ہے اور اس کے بعد اس عورت کو علیحدہ کرنے کی کوئی دلیل اس کے سامنے کتاب و سنت سے ظاہر نہیں ہوئی نہ اجماع سے اُسے اس کا علم ہوا ہے۔ صرف نفس کے اجتہاد کے بدل جانے سے اس پر مفارقت واجب نہ ہوگی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تشریک کے قول سے رجوع کر لیا' اس کے خلاف فتویٰ دیا لیکن مال ان لوگوں سے لے نہیں لیا جن میں آپس میں پہلے شرکت کرا چکے تھے۔ رہی تمہاری دلیل تحویل سمت قبلہ کی وہ تو یکسر تمہارے خلاف ہے تمہاری دلیل ہرگز نہیں اس لیے کہ مقتدی نے مجتہد کے اجتہاد پر جس سمت نماز جتنی پڑھ لی وہ باطل نہیں ہوئی۔ رہا اس پر گھوم جانے کا حکم یہ اس لیے کہ وہ امام کے ماتحت ہے اس پر اس کی متابعت ضروری اور لازمی ہے۔ یہ تو نہیں ہمارے اس مسئلے کی نظیر صحیح طور پر یہ ہے کہ اگر نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد مجتہد کا اجتہاد پلٹ جاتا تو اس پر اس سمت پڑھی ہوئی نماز کا دہرانا لازم نہ تھا۔ ہاں! دوسری نماز اس طرح پڑھنا جس طرف اب اس کے اجتہاد نے راہنمائی کی ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے ابو عمرو بن صلاح اور ابو عبداللہ بن حمدان کا یہ دلیل پیش کرنا کہ مفتی جو اپنے معین امام کے قول پر فتویٰ دیتا ہے جب وہ اس وجہ سے اپنے کسی فتوے سے ہٹ جائے کہ اس پر ظاہر ہوا کہ میں نے اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ دیا ہے تو اس پر اُس کا توڑ دینا واجب ہے گو وہ محل اجتہاد میں ہو اس لیے کہ اس کے امام کا قول اس کے حق میں ایسا ہی ہے جیسے شارع علیہ السلام کے الفاظ مجتہد مستقل کے حق میں۔

اماموں کا قول شرعی دلیل نہیں ہے

دراصل یہ قول محض غلط ہے۔ ائمہ میں سے کسی نے اسے نہیں کہا نہ یہ اصولِ شرعی کا اقتضاء ہے۔ اگر اس کے امام کا قول بمنزلہ قولِ شارع علیہ السلام مان لیا جائے تو اس پر اور تمام مسلمانوں پر اس کی مخالفت کرنی حرام ٹھہر جائے گی۔ اس کے خلاف کرنے والے فاسق کہے جائیں گے۔ ائمہ میں سے کسی نے اس بات کو واجب نہیں کہا کہ حاکم کا فیصلہ اور مفتی کا فتویٰ زید و عمرو کے قول کے خلاف ہونے سے ٹوٹ جائے گا۔ ائمہ میں سے اور ان کے تابعین میں سے جو پہلے گزر چکے ہیں ایک بھی ایسا نہیں جس نے اسے جائز رکھا ہو۔ ہاں ان سب بزرگوں نے باجماع و اتفاق یہ فرمایا ہے کہ جس حاکم کا جو حکم کتاب اللہ' سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ امت کے بر خلاف ہو وہ قطعاً توڑ دیا جائے گا۔ مگر یہ کسی نے نہیں فرمایا کہ فلاں امام کے خلاف ہو تو بھی یہی حکم ہے اور جو حکم فیصلے کا ہے وہی حکم فتوے کا ہے پس یہ محض نادرست ہے کہ کوئی فیصلہ یا فتویٰ اسی وقت معتبر ہے جب کہ فلاں امام کی فقہ کے مطابق ہو ورنہ نہیں۔ بالخصوص اس وقت جب کہ وہ فتویٰ اور فیصلہ کتاب و سُنّت کے موافق بھی ہو یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتووں کے برابر ہو کوئی ہے جو کہے کہ پھر بھی یہ نہ مانا جائے گا محض اس بنا پر کہ فلاں امام کا مذہب اس کے بر خلاف ہے۔ اللہ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ اماموں میں سے بھی کسی نے یہ تو نہیں فرمایا کہ کسی فقیہ کا قول قولِ الٰہی اور قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے کہ اس کا اتباع واجب ہی ہو اور اس کا خلاف حرام ہی ہو۔ پس جبکہ مفتی پر ظاہر ہو جائے کہ اُس کا قول اس کے اپنے امام کے مذہب کے خلاف ہے اور ہو وہ تین اور اماموں کے موافق تو ہرگز اس مرد کو نہ چاہیے کہ اپنا گھر اُجاڑ دے' اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور اپنی جان کو مصیبت میں ڈال دے اور اپنے مال اور اولاد کو پریشانی میں ڈال دے کہ ہائے مفتی صاحب نے اپنے امام کے خلاف پہلے کہہ دیا تھا اور اب وہ اپنے امام کی تقلید کی طرف جھک گئے بلکہ خود ایسے مفتی کو بھی حلال نہیں کہ اس سے کہے کہ تُو اپنی بیوی سے جدا ہو جا اور خصوصاً اس وقت جب کہ اس کے پہلے قول اور تینوں اور اماموں کی موافقت قرآن و حدیث میں بھی ہو۔ غرض اس قول کا باطل ہونا اتنا ظاہر ہے کہ کسی اور مزید بیان کی تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔

اپنے رجوع سے سائل کو آگاہ کرنے کا مسئلہ

اگر سوال ہو کہ جب مفتی کا اجتہاد بدل جائے تو کیا اس پر لازم ہے کہ وہ مستفتی کو بھی اس کی اطلاع دے دے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اس پر یہ لازم نہیں اس نے پہلے جو عمل کیا وہ اس کے لیے جائز تھا جب تک اس پر اس کا باطل ہونا نہیں کھلا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اسے حق ہے کہ اسی پہلی بات پر قائم رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر اُسے ظاہر کرنا ضروری ہے کیوں کہ جب وہ اس سے ہٹ گیا تو اس کے عقیدے میں اس کا باطل ہونا ثابت ہو گیا اور یہ بھی اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا پہلے کا فتویٰ دین میں داخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رجوع

جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک عورت کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا جسے اس نے دخول سے پہلے ہی الگ کر دیا تھا پھر جب آپ مدینے گئے' وہاں اس کے خلاف معلوم ہوا تو آپ واپس کوفے آئے اور اس شخص کو بلوا کر اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت حسن بن زیاد لؤلؤی کا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو ایک فتویٰ دیا اور اس میں غلطی کر گئے۔ سائل کو پہچانتے نہ تھے تو آپ نے اجرت پر ایک منادی مقرر کیا جو یہ ندا دے کہ حسن بن زیاد سے فلاں دن مسئلہ پوچھا گیا تھا اس کے جواب میں انھوں نے غلطی کی ہے پس جن جن لوگوں نے اس سے مسئلہ پوچھا ہے وہ ان کے پاس واپس آئیں پھر آپ کئی دن تک فتویٰ دینے سے رُکے رہے یہاں تک کہ اس شخص کو پا لیا۔ اُس سے کہا کہ میں نے تجھے غلط فتویٰ دیا ہے اور ٹھیک فتویٰ اس میرے فتوے کے خلاف ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اجتہاد سے کوئی فتویٰ دیا پھر اس کا اجتہاد بدل گیا تو اس پر یہ لازم نہیں کہ سائل کو معلوم کرائے۔ اگر اس نے اس پر عمل کر لیا ہو ورنہ اُسے معلوم کرا دے۔ لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر اس پر اپنی خطا اس طرح کھلی ہے کہ اس نے اپنے بتلائے ہوئے مسئلے کے خلاف آیت کتاب اللہ یا حدیثِ رسول ﷺ یا اجماعِ امت پا لیا ہے اور اس کے خلاف کوئی دلیل اسے نہیں ملی تو بے شک اُسے چاہیے کہ جسے اس نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے اُسے اپنی غلطی سے آگاہ کر دے اور اگر اس پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ اس نے اپنے امام کا یا اپنے مذہب کا خلاف کیا ہے تو اس پر ضروری نہیں کہ سائل کو معلوم کرائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والے واقعہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مل کر اس مسئلے کی چھان بین کی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ عورت اس شخص پر صریح کتاب اللہ کے حکم کے مطابق حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مبہم لفظ فرمائے ہیں کہ : ﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ (نساء : ۲۳) اس سے پہلے حضرت عبداللہ کا خیال یہ تھا کہ : ﴿ ٱلَّٰتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ (نساء : ۲۳) اوّل ثانی دونوں کی طرف راجع ہے۔ اب معلوم ہو گیا کہ وہ صرف سوتیلی لڑکیوں کی ماں کی طرف ہی راجع ہے تو ان پر حق کھل گیا' مسئلہ صاف ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ انہوں نے جس شخص کو یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس عورت سے تُو نے نکاح کر کے بغیر اس سے ملے اُسے طلاق دے دی ہے اس کی ماں سے تجھے نکاح کرنا حلال ہے' یہ غلط فتویٰ دیا ہے' کتاب اللہ کے صریح خلاف ہے تو آپ آئے اور ان دونوں میں جدائی کرا دی۔ وجہ تفریق یا وجہ رجوع کسی زید' بکر کے قول کا اپنے فتوے کے خلاف ظاہر ہونا نہ تھا' یہی ہمارا مقصود ہے۔

کسی کے فتوے پر عمل کر لینے کے بعد اُس کی غلطی کا ظاہر ہونا

اکتالیسواں فائدہ : کسی نے مفتی سے کوئی مسئلہ پوچھا اور اس کے جواب کے مطابق اس نے عمل کیا تھا وہ کسی جان کے یا کسی کے مال کے تلف کرنے کے متعلق پھر اُس کی خطا کھلی تو ابو اسحٰق اسفرائنی شافعی کا تو قول ہے کہ مفتی اگر فتوے کی اہلیت رکھتا تھا اور قاطع دلیل کے خلاف اس نے فتویٰ دے دیا ہے تو اس سے بدلہ لیا جائے گا اور وہ اس نقصانِ جان و مال کا ضامن ہے۔ اگر وہ مفتی ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تو اس پر ضمانت نہیں کیوں کہ فتویٰ طلب کرنے والے نے کوتاہی کی۔ اس نے ٹھیک جگہ اپنے تئیں نہ پہنچایا اور تقلید کے گڑھے میں گر گیا۔ اس پر ابو حمدان نے اپنی کتاب "ادب المفتی والمستفتی" میں موافقت کی ہے۔ ان سے پہلے میں نے تو کسی کو ان کی موافقت میں نہیں پہچانا' پھر

ایک اور وجہ نا اہل مفتی کے بھی ضامن ہونے کی ذکر کی ہے کہ باوجود عدمِ قابلیت اس نے اپنے تئیں اُس جگہ بتلایا اور سائل کو دھوکے میں رکھا اور خلاف کوشش کی۔ میں کہتا ہوں مفتی کی خطا کا اور حاکم کی خطا کا اور گواہ کی خطا کا ایک ہی حکم ہے۔ حاکم کی خطا کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ امام احمد سے بھی دو روایتیں آئی ہیں ایک تو یہ کہ اس کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہے۔ اگر اُس کے رشتے داروں پر رکھا گیا تو وہ سخت تنگی میں پڑ جائیں گے' کیونکہ حاکم تو سب کے فیصلے کرتے ہیں۔ دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ یہ بوجھ اس کے رشتے داروں پر ہے جیسے کہ دوسروں کی خطا کا بوجھ اُن پر ہوتا ہے لیکن جو خطا مالی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس نے حق سے فیصلہ کیا پھر گواہوں کا کفر یا فسق اس سے واضح ہو گیا اور اس نے اپنا پہلا حکم توڑ دیا تو اُسے چاہیے کہ جسے مال دلوایا ہے اس سے واپس کرا دے۔ اسی طرح کسی قصاص کے بدلے کا مال بھی اولیائے مقتول سے واپس کرا دے اور اگر حکم حق اللہ میں ہے' مباشرت یا سرایت کے باطل کر دینے سے تو اس میں تین وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ ضمانت صفائی کے گواہوں پر ہے کیونکہ ان کی صفائی کی شہادت کی وجہ سے حکم نافذ ہوا ہے' دوسرے یہ کہ حاکم ضامن ہے اس لیے کہ اس نے پورے اور کافی ثبوت کے بغیر جلدی کر کے بحث و سوال چھوڑ کر حکم جاری کر دیا۔ تیسرے یہ کہ مستحق کو اختیار ہے،ان میں سے جسے چاہے ضامن مقرر کر لے۔ قرار تو صفائی کے گواہوں پر ہے۔ اس لیے کہ دراصل حکم حاکم کا ذریعہ یہی ہیں۔ ہاں! اگر صفائی کی گواہی نہ ہو تو حاکم پر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت یہی ہے کہ حاکم گواہوں کی فاسقی کی وجہ سے اپنا فیصلہ توڑ نہیں سکتا۔ اس بناء پر کوئی ضمانت نہیں ہے اور اس بناء پر جب کہ امام یا والی نے کسی مفتی سے کوئی فتویٰ پوچھا اس نے بتلا دیا پھر اُس پر اپنی خطا ظاہر ہوئی تو مفتی کا حکم امام کے حکم کے ساتھ وہی ہے جو صفائی کے گواہوں کا حاکم کے ساتھ تھا۔ اگر فتویٰ پوچھنے والے نے حاکم اور امام کے حکم کے بغیر صرف مفتی کے فتوے سے ہی کوئی جان یا کوئی مال تلف کیا ہے پس اگر مفتی اہل ہے تو اس پر کوئی ضمانت نہیں' ضمانت مستفتی پر ہے اور اگر وہ اہل نہیں تو اس پر ضمانت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص طبیب نہ ہو پھر طبیب بن کر بیٹھ جائے تو وہ ضامن ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اگر فی الواقع وہ طبیب ہے اور پھر اس سے خطا ہو گئی ہے تو اس پر ذمہ داری نہیں۔ مفتی ضمانت کے نہ پڑنے کے لحاظ سے حاکم سے زیادہ اولیٰ ہے اور امام سے بھی اس لیے کہ اس سے فتویٰ لینے والے کو اس پر عمل کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس پر عمل لازم و ضروری نہیں ہوتا بخلاف حاکم اور امام کے حکم کے۔ شاہد کی خطاء کی نسبت یہ بات ہے کہ یا تو وہ مال کے گواہ ہیں یا طلاق کے یا آزادیٔ غلام کے یا حد کے یا قصاص کے پس اگر ان کی خطاء حکم سے پہلے ہی ظاہر ہو گئی ہے تو یہ حکم ہی نہیں دیا جائے گا اور اگر بدلے کا حکم دے دینے کے بعد اور بدلہ لینے سے پہلے ظاہر ہوئی ہے تو بدلہ نہ لیا جائے گا اور اگر بدلہ بھی لیا جا چکا ہے تو تلف شدہ کی ضمانت ان پر ہے۔ یہ جتنے ہوں تاوان ان پر برابر کا ڈال دیا جائے گا اور مالی حکم ہو اور پہلے سے ہی ان کی خطا کھل گئی ہو تو ان کی شہادت لغو ہو جائے گی اور مال کی ضمانت ان کے سر نہ ہو گی اور اگر حکم کے بعد ظاہر ہو تو حکم توڑ دیا جائے گا جیسے کہ اگر وہ باعتبار شہرت کے کسی کی موت کی گواہی دیتے اور حاکم اُس کی میراث کے تقسیم کرنے کا فیصلہ سنا دیتا پھر ظاہر ہوتا کہ وہ شخص زندہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا حکم ٹوٹ جاتا۔ اسی طرح اگر ان کی خطاء شہادتِ طلاق میں اور طریق سے ثابت ہو جائے جیسے کہ انہوں نے شہادت دی کہ فلاں کو اس نے فلاں دن طلاق دی ہے پھر حاکم کو معلوم ہوا کہ اس دن تو وہ جیل خانے میں تھا اور وہاں اس کے پاس اس دن کوئی نہیں پہنچ سکتا یا کہ اس دن وہ بے ہوش تھا پس اس شہادت کا حکم بھی وہی ہو گا جو اس وقت ہوتا جب کہ ان کا کافر' فاسق ہونا معلوم ہو جاتا۔

پس اس کا حکم ٹوٹ جائے گا اور عورت اپنے خاوند کی طرف لوٹا دی جائے گی اگرچہ اُس نے کسی اور سے نکاح بھی کرلیا ہو بخلاف اس کے کہ خود شاہد اپنی شہادت سے پلٹ گئے ہوں تو ان کا رجوع اگر قبل از دخول ہو تو اُن کے ذمے ہے کہ نصف مہر دیں اس لیے کہ انہوں نے ہی اسے مقرر کیا ہے۔ ہاں وہ عورت اس کے خاوند کی طرف لوٹائی نہ جائے گی جب کہ حاکم جدائی کا کلمہ اپنی زبان سے نکال چکا اور اگر دخول کے بعد گواہوں نے گواہی سے رجوع کرلیا ہے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان پر کوئی تاوان نہیں اس لیے کہ خاوند دخول کی وجہ سے اپنا پورا نفع حاصل کرچکا ہے پس اُس کا عوض اس کے ذمے ضروری ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ پورے مہر کے وہ دیندار ہیں اس لیے کہ ان کی شہادت سے اس کی چیز اس سے فوت ہوئی ہے۔ اصل اس کی یہ ہے کہ کسی عورت کا خاوند کے قبضے سے نکل جانا یہ کسی قیمت کا بھی مستحق ہے یا نہیں؟ آزادی کے گواہوں کی خطا اگر ظاہر ہو جائے اور ثابت ہو جائے کہ آزادیٔ غلام فی الواقع نہیں ہوئی تو گو وہ کہیں کہ ہم نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تاہم اُس غلام کے مالک کو غلام کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

سخت غصّے ' بے چینی ' بھوک اور قلق کے موقعہ پر فتویٰ دینا

بیالیسواں فائدہ : یاد رہے کہ سخت غُصّے کی حالت میں ' سخت بھوک کی حالت میں ' سخت بے چینی کی حالت میں ' سخت خوف کی حالت میں اور نیند اور اونگھ کی حالت میں اور دِلی مشغولی اور پریشانی کی حالت میں اور پائخانے ' پیشاب کے زور کی حالت میں الغرض کسی ایسے وقت کہ وہ اعتدال میں نہ ہو اور پوری دلجمعی نہ ہو اور خوب ہوشیاری سے کام نہ کرسکتا ہو مفتی کو فتوے سے رُک جانا چاہیے۔ گو اس حالت میں بھی اگر اُس نے فتویٰ دے دیا ہے اور ہے وہ صحیح تو صحیح سمجھا جائے گا ' اگر کسی حاکم نے ایسی حالت میں کوئی فیصلہ کیا ہے تو وہ جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک جاری ہو جانے کا ' دوسرا جاری نہ ہونے کا ' تیسرا یہ کہ اگر غصہ حکم کو سمجھ لینے کے بعد آیا ہے تو وہ حکم معتبر ہے اور اگر اس سے پہلے غصہ آیا ہے تو نا معتبر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ تینوں اقوال ہیں۔

قسم اور اقرار وغیرہ کے فتوے میں لوگوں کی عادات کا لحاظ رکھنا

تینتالیسواں فائدہ : اقرار میں ' قسم میں ' وصیت میں مفتی کو صرف اپنی ہی عادت کے مطابق فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیئے بلکہ ان لوگوں کے عرف و دستور کا خیال رکھے اور اسی کو معتبر سمجھے گو وہ دستور و عادت الفاظ سے قدرے خلاف ہی ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی بہکائے گا۔ خیال فرمائیے کہ لفظ دینار سے بعض کے نزدیک تو آٹھ درہم مراد ہوتے ہیں ' بعض کے نزدیک بارہ درہم اور درہم آج کل نام ہے کھوٹ والے سکے کا جو اکثر شہروں میں رائج ہے تو اب مثلاً کسی نے درہموں کا اقرار کیا یا درہموں پر قسم کھائی کہ اسے میں اتنے درہم دوں گا یا مہر میں درہم مقرر کیے تو مفتی یا حاکم کو یہ جائز نہیں کہ کھری چاندی کے ہی درہم دلوائے بشرطیکہ ان کے شہر میں ' ان کے عرف میں ان درہموں کا چلن ہو جن میں کھوٹ ملی ہوئی ہوتی ہے ہاں اگر ان کے ہاں خالص چاندی کے درہموں کا چلن ہو تو پھر یہ بھی جائز نہیں کہ کھوٹ ملے ہوئے درہم انہیں دلائے۔ اسی طرح طلاق اور آزادیٔ غلام کے الفاظ ہیں مثلاً کسی شہر میں یا کسی برادری میں لفظ حریت کا استعمال بجائے آزادی کے پاک دامنی کے معنی میں بولا جاتا ہو اور وہاں کوئی مالک اپنے غلام سے کہے کہ تو حُر ہے یا لونڈی سے کہے کہ تو حُرہ ہے تو وہ ان الفاظ سے آزاد نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ ان کے کہنے والے کے دل

میں ان الفاظ سے کبھی بھی آزاد کرنے کا خیال تک نہیں آ سکتا۔ حالانکہ اسی لفظ سے آزادی ہو جائے گی جہاں یہ لفظ آزادی کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مثلاً کسی قوم میں طلاق کے بدلے تسمیح کے لفظ کا استعمال ہے تو اس لفظ سے طلاق ہی سمجھی جائے گی۔ عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے تسمیح دیجئے اور اس نے جواب میں کہا کہ ہاں میں نے تجھے تسمیح دی تو یہ ان کے عرف کے مطابق طلاق ہوگی۔ ہم اس پر پوری بحث اس سے پہلے کر آئے ہیں اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ جب کوئی کہے کہ فلاں کا بہت سارا یا بہت بڑا مال مجھ پر چاہیے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ دانق یا درہم وغیرہ چاہیے۔ بالخصوص اس وقت جب کہ وہ لوگ غنی' مالدار' زیادہ مال والے یا بادشاہ ہوں۔ اسی طرح اگر کسی نے وصیت کی۔ قوس کی وہاں جہاں کے عرف میں ندف کے قوس اور عربی کمانیں وغیرہ نہیں ہوتیں یا کسی نے قسم کھائی کہ وہ ریحان نہ سونگھے گا اور وہاں ریحان سے فارسی ریحان ہی مراد لی جاتی ہے یا کسی نے قسم کھائی کہ وہ دابہ پر سوار نہ ہوگا اور وہاں کے عرف میں دابہ صرف گدھے کو ہی کہتے ہیں یا گھوڑے کو ہی کہتے ہیں یا کسی نے قسم کھائی کہ وہ پھل نہیں کھائے گا اور ان کے ہاں اس سے مراد ایک خاص قسم کا ہی پھل لیا جاتا ہے یا قسم کھائی کہ وہ کپڑا نہیں پہنے گا اور ان کے عرف میں کپڑا صرف کرتے کو ہی کہتے ہیں۔ چادروں کو' تہبندوں کو نہیں کہتے تو ان تمام صورتوں میں یہ قسمیں ان چیزوں پر محمول ہوں گی جو ان کی بول چال میں ہیں یہ نہیں کہ تم لفظوں کی بحث لے کر بیٹھ جاؤ یا دوسروں کے عرف ان کے سامنے پیش کرو اور زیادہ واضح مثال لیجئے۔ ایک عورت ہے جو عربی جانتی ہے اس کا خاوند عربی نہیں جانتا وہ اس سے کہتی ہے کہ تو مجھے یہ کہہ دے : اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی تجھے تین طلاقیں ہیں۔ اس انجان نے اس کلمے کے معنی سمجھے بغیر عورت کے کہنے سے یہ کلمہ کہہ دیا تو شرعاً وہ عورت اس سے جدا نہیں ہو سکتی نہ یہ طلاق طلاق میں شمار ہو سکتی ہے اسی طرح جیسے بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا زیادہ فروتنی اور خاکساری ظاہر کرنے کے لیے دوسروں سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں تو جناب کا غلام اور مملوک ہوں تو اب یہ تھوڑے ہی ہے کہ وہ اس کی گردن کا مالک بن گیا۔ الغرض مقصد نیت اور عرفِ کلام کا جو لحاظ نہیں کرتا اُسے چاہیے کہ اس صورت میں اسے غلام مان لے' اسے بیچنے کا اسے مختار جان لے' کیونکہ اس کے اپنے الفاظ صاف ہیں کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ غرض جاہل مفتی جو ٹھوکریں کھاتے ہیں ان میں ایک بڑی ٹھوکر یہ بھی ہے کہ یہ لوگ خود دھوکے میں پڑتے ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں' اس کے دین کو بدل ڈالتے ہیں' اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے ضروری قرار نہیں دیا یہ اُسے واجب بنا کر ہی چھوڑتے ہیں۔

مفتی کو چاہیے کہ سائل کو غلط اینچ پینچ نہ سکھائے

چوالیسواں فائدہ : کوئی شخص اگر کسی ایسے مسئلے کی تلاش میں آئے جس سے کوئی واجب ٹل جاتا ہو یا کوئی حرام حلال ہو جاتا ہو یا کسی مکر و فریب کا موقعہ ملتا ہو تو اُسے جائز نہیں کہ ایسی صورت میں اس کی مدد کرے' اس کے سوال میں ایسے اینچ پینچ پیدا کر دے یا اُسے اس کی خواہش تک پہنچنے کا ذریعہ بتلائے یا کچھ ایسے پُر شکن الفاظ میں فتویٰ دے کہ وہ اس سے اپنا مطلب نکال لے بلکہ اسے چاہیے کہ لوگوں کی چال بازیوں سے خبردار رہے' ان کے احوال سے واقف رہے' ہر ایک کے ساتھ نیک ظنی بلاوجہ نہ کرتا رہے بلکہ ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لے۔ لوگوں کے احوال و اُمور سے برابر مطلع رہے اور اپنی سمجھ کا شریعت سے تول کرتا رہے اگر ایسا نہ کرے گا تو خود بھی بہکے گا اور دوسروں کو بھی غارت

کرے گا۔ بہت سے سوالات ایسے ہیں کہ ظاہر میں بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں اور باطن میں بالکل دھوکا اور بیہودگی ہے' سراسر ظلم و جور ہے' مکرو فریب ہے۔ پس بھولا آدمی تو ظاہر کو دیکھ کر جھٹ سے جواز کا فتویٰ دے دیتا ہے لیکن ہوشیار آدمی مقصد و باطن تک پہنچ کر پکی بات کہتا ہے۔ پہلی قسم کے آدمی کو ہر شخص دھوکا دے جاتا ہے جیسے کسی نادان کو کوئی کھوٹا روپیہ بھڑا دے لیکن دوسری قسم کے آدمی کے سامنے یہ لفافہ کام نہیں دیتا وہ فوراً اصلیت کو پہنچ جاتا ہے اور جیسے صراف کھوٹے روپے پیسے کو الگ کر دیتا ہے یہ بھی مکاری اور ڈھونگ کو واقعیت سے بالکل الگ کر دیتا ہے' بہت سے باطل ہیں جو ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے حق کی طرح چل پھر رہے ہیں اور بہت سے حق ہیں کہ میلے کچیلے پردوں تلے ڈھکے پڑے ہیں جسے اللہ کی طرف سے بیداری حاصل ہوتی ہے وہ تو حق و باطل کی تمیز میں ٹھوکر نہیں کھاتا لیکن اکثر لوگ توفیق سے دور پڑ جاتے ہیں۔ ظاہری بناؤ سنگھار پر نظریں ڈال کر اصلی حسن سے بے نیاز ہو جاتے ہیں بلکہ اکثر باطل ان ہی خوبصورت پردوں کی وجہ سے دنیا میں رواج پا گئے ہیں اگر تم کہو کہ یہ چھتے کا اصلی شہد ہے تو یہ مدح ہو جائے گی اور اگر کہو کہ یہ مکھیوں کے قے ہے تو یہی مذمت ہو جائے گی چیز ایک ہے لیکن الفاظ کے ہیر پھیر نے اُسے بھلا برا بنا دیا۔ مشہور حکایت ہے کہ ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے سب دانت ٹوٹ گئے ہیں کسی سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا آپ کے اہل و اقارب سب مرجائیں گے۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا' اُسے ہنکا دیا' اپنے سامنے سے بے عزتی کے ساتھ نکلوا دیا۔ دوسرے سے تعبیر پوچھی اس نے کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کی عمر آپ کے تمام خاندان سے زیادہ ہوگی' بادشاہ بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ دونوں عبارتوں پر غور کیجیے مقصود اور مطلب ایک ہی ہے لیکن الفاظ وہاں اور تھے یہاں اور ہیں۔ اُن لفظوں نے بُرا اثر کیا' یہ لفظ گڑ جیسے میٹھے لگے۔ مقصود یہ ہے کہ حرام حیلوں کا فتویٰ مفتی ہرگز نہ دے۔ نہ ایسا کرنے پر کسی کی مدد کرے نہ ایسی باتیں کسی کو سکھائے ورنہ وہ حکم اللہ سے مخالفت کرنے والا بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انہوں نے مکر کیا' اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ تمام مکر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ فرمان ہے انہوں نے ایک مکر کیا تو ہم نے بھی کیا اور انہیں پتہ بھی نہ چلنے دیا۔ دیکھ لے کہ ان کے مکر کا آخری انجام یہ ہوا کہ ہم نے انہیں مع اُن کی قوم کے تباہ و برباد کر دیا۔ فرمان ہے یہ مکر کرتے ہیں اور اللہ بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر الماکرین ہے۔ فرمان ہے برا مکر کرنے والوں پر ہی اس کی برائی آتی ہے۔ ارشاد ہے کہ منافق اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اور وہ انہیں۔ ارشاد یہ ہے اللہ کو اور مؤمنوں کو دھوکہ دے رہے ہیں جو حقیقتاً خود ان کے اپنے تئیں دھوکہ ہے لیکن بے شعور ہیں اور آیت میں ہے یہ دراصل اپنے ساتھ ہی فریب بازی کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔ حرام حیلے کرنے والے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ تم میں سے جو ہفتے کے دن میں تجاوز کرنے والے ہیں ہم نے انہیں بخوبی جان لیا۔ پھر اُن سے ہم نے فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ اُسے ہم نے آگے پیچھے والوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا اور متقیوں کے لیے وعظ کا سبب۔ صحیح مسلم شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اُس کے ساتھ مکر و فریب کرے۔ فرماتے ہیں یہود نے جس چیز کا ارتکاب کیا تم ہرگز نہ کرو کہ اللہ کے حرام کو ذرا سے حیلے کے ساتھ حلال کر لو۔ ارشاد ہے مکر اور دھوکہ سب جہنم میں ہے۔ ابنِ ماجہ وغیرہ میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کی حدوں کے ساتھ کھیل کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کا مذاق بنا لیتے ہیں۔ کہتے ہیں میں نے تجھے طلاق دی' میں نے تجھ سے رجوع کیا' میں نے تجھے طلاق دی' میں نے تجھ سے رجوع کیا اور روایت میں ہے میں نے تجھ سے خلع کیا' میں نے تجھ سے رجوع کیا' میں نے تجھ سے خلع کیا' میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ صحیحین میں ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے کہ ان پر جب چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے جما کر اور بیچ کر قیمت کھائی۔ ابو ایوب سختیانی کہتے ہیں اس طرح اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں جیسے کوئی بچوں کو پھسلاتا ہو۔ ابنِ عباس ؓ فرماتے ہیں جو اللہ کے ساتھ دھوکا کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ تین چیزوں کا وبال اسی پر ہے جو انہیں کرے : مکر‘ سرکشی اور عہد شکنی۔ قرآن کا فرمان ہے بُرا مکر مکاروں پر ہی الٹ آتا ہے۔ (فاطر : ۴۳) فرماتا ہے تمہاری سرکشی تم پر وبال ہے۔ (الاحقاف : ۲۶) فرماتا ہے جو وعدہ خلافی‘ عہد شکنی کرے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ (رعد : ۲۵) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں نے یہ حیلے اس لیے گھڑے ہیں کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو توڑیں‘ اُن سے کہا جائے کہ فلاں کام حرام ہے تو یہ اس کے حلال کرنے کا کوئی نہ کوئی حیلہ گھڑ لیتے ہیں۔ یہ حیلوں والے لوگ بڑے ہی خبیث ہیں۔ اپنی چالاکیوں سے پیغمبر ﷺ کی حدیثوں کو توڑتے مروڑتے ہیں۔ فرماتے ہیں حیلہ کرنے والا‘ قسم توڑنے والا ہے۔ حیلے سے جو قسم کے خلاف کرے اُس پر قسم کا کفارہ ہے۔ چونکہ ہم اس مسئلہ کو خوب تفصیل و تشریح سے پہلے بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں دوبارہ بیان نہیں کرتے۔

مسئلہ بتلانے پر اُجرت و ہدیہ لینا

پینتالیسواں فائدہ : مفتی کو مسئلہ بتانے پر اجرت لینا یا ہدیہ تحفہ لینا یا اور کچھ بطورِ تنخواہ حاصل کرنا اس کی تین صورتیں ہیں جن کے اسباب بھی مختلف ہیں اور حکم بھی۔ اجرت کا لینا تو ناجائز ہے اس لیے کہ فتویٰ بتلانا اللہ اور رسول ﷺ کی طرف کی تبلیغ کا منصب ہے اس پر معاوضہ جائز نہیں جیسے یہ جائز نہیں کہ کوئی کسی سے کہے کہ میں تجھے اسلام یا وضو یا نماز اجرت کے بغیر نہیں بتلاؤں گا یا مثلاً کسی حلال حرام کے بارے میں سوال ہوا تو کہہ دے کہ جب تک کچھ نہ لوں نہ بتلاؤں گا۔ یہ تو قطعاً حرام ہے اس عوض کا رَد کر دینا لازم ہے۔ اس کا وہ مالک نہیں بن سکتا۔ بعض متاخرین کہتے ہیں کہ جب سائل تحریری جواب مانگے تو وہ اپنی تحریر کی اجرت لے سکتا ہے جیسے کہ ناسخ اپنی کتابت کی اجرت کا حقدار ہے۔ یہ اجرت جوابِ مسئلہ کی نہیں ہے بلکہ جوابِ مسئلہ سے جو چیز زائد ہے یعنی تحریر اس کی یہ اجرت ہے لیکن صحیح بات اس کے خلاف ہے اس پر جواب دینا واجب ہے تاکہ اللہ کے ہاں سبکدوش ہو سکے۔ اپنے لفظ سے بھی اور اپنے خط سے بھی۔ ہاں! کاغذ‘ قلم‘ روشنائی یہ اس پر لازم نہیں‘ ہدیہ جو ملے اس کے بارے میں تفصیل ہے اگر وہ ہدیہ فتوے کے باعث نہ ہو مثلاً وہ شخص ہدیہ بھیجے جس کی عادت میں یہ بات داخل ہے یا وہ ہدیہ بھیجے جسے اس کا مفتی ہونا معلوم ہی نہ ہو تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم اولیٰ یہ ہے کہ اس ہدیے کا بدلہ دے دے لیکن اگر ہدیے کی وجہ فتویٰ ہی ہو تو اگر ہدیے کی وجہ سے یہ اُسے وہ فتویٰ دے جو ہدیہ نہ ہونے کی وجہ سے اوروں کو نہیں دیتا تو یہ محض ناجائز ہے اور اگر یہ بات نہ ہو بلکہ ہر ایک کو یکساں فتویٰ دیتا ہو تو بھی ہدیے کے قبول کرنے میں کراہت تو ہے کیونکہ یہ اجرت اور معاوضے کے مشابہ ہے۔ بیت المال سے بطورِ تنخواہ کچھ لینا اگر یہ بوجہ حاجت کے ہے تو بلاشبہ جائز ہے اور اگر مفتی صاحب غنا ہے تو اس میں دو وجوہات ہیں اس کی اصل عامل زکوٰۃ اور عامل یتیم ہے جو لوگ عامل زکوٰۃ سے اُسے ملحق کرتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں عام کا نفع ہے اس لیے اُسے دینا جائز ہے اور جو اسے یتیم کے عامل سے ملاتے ہیں وہ ناجائز بتلاتے ہیں۔ قاضی کا بھی اس بارے میں یہی حکم ہے جو مفتی کا ہے بلکہ قاضی کا تو یہ حکم بطورِ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک فتوے کے بعد پھر وہی فتویٰ

چھیالیسواں فائدہ : ایک مفتی نے ایک واقعہ میں ایک فتویٰ دیا پھر وہی واقعہ سامنے آیا اگر اُسے پہلا واقعہ اور فتویٰ اور اس کی دلیل اسی طرح یاد رہے اور اس وقت تک اس کی تحقیق وہی ہے تو وہ بغیر نظر و اجتہاد کے وہی فتویٰ جاری کر سکتا ہے اگر فتویٰ تو یاد ہے لیکن دلیل ذہن سے نکل گئی ہے تو بھی وہ اسی طرح فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں احمد و شافعی کے اصحاب کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ دوبارہ نظر ڈالنی ضروری ہے ممکن ہے اب تحقیق بدل جائے یا پہلے جو چیز مخفی رہی تھی اب واضح ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ تجدید نظر ضروری نہیں اس لیے کہ اصل اسی حالت پر باقی ہے جس پر تھا۔ ہاں اگر پہلے کے خلاف کوئی نئی چیز سامنے ہے تو پہلی تحقیق پر باقی رہنا جائز نہیں اس پر اس کا خلاف کرنا واجب ہی نہیں اس کا اپنے نفس کے ساتھ خلاف کرنا اس کے عِلم میں کوئی نقصان نہ ڈالے گا بلکہ یہ تو کمالِ عِلم و پرہیزگاری ہے۔ یہی وجہ ہے جو اماموں سے ایک ایک مسئلے میں دو دو بلکہ کئی کئی اقوال مروی ہیں۔ ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نائب سلطان کے ہاں ایک مجلس منعقد ہوئی۔ ایک وقف کے فتوے کے بارے میں' جو شہر کے قاضی صاحب نے دیا تھا۔ اس مجلس میں وہ فتویٰ پڑھا گیا تھا وہ بالکل حق اور محض سچا تھا اسی وقت حاضرینِ دربار میں سے ایک صاحب نے ان ہی قاضی صاحب کا ایک پرانا فتویٰ اسی مسئلے میں اس کے بر خلاف نکالا اور اسے بھی حاضرین کو پڑھ کر سنایا پھر قاضی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ واقعہ ایک اور آپ کے فتوے الگ الگ؟ اُس میں جو لکھتے ہو اس کے خلاف اِس میں لکھتے ہو؟ اب تو نائب سلطان کے چہرے پر بھی غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے میں نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً کہا کہ یہ قاضی صاحب کی عین دین داری اور خدا ترسی ہے پہلے جو حق ان کی تحقیق میں تھا اس کے مطابق فتویٰ دیا اب مزید تحقیق میں جو حق کھلا اور وہ پہلے کے فتوے کے خلاف تھا تو وہی حق فتویٰ اب دے دیا' اب اپنے اگلے فتوے سے رجوع کر لیا۔ یہی ائمہ دین کی ہمیشہ شان رہی ہے کہ آج ایک فتویٰ دیا' کل اس کے خلاف ظاہر ہوا تو دلیل کی تابعداری کرتے ہوئے فوراً اس سے رجوع کر لیا۔ یہ بات ائمہ کرام کے علم و دین اور تقوے کے خلاف تھی' نہ قاضی صاحب کے لیے یہ بات نقصان کی ہے۔ الحمد اللہ حاکم کا غصہ جاتا رہا اور قاضی صاحب نے نجات پائی اور بہت خوش ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقلید کو ناجائز کر دیا

سینتالیسواں فائدہ : آپ فرماتے ہیں جب تم میری کتاب میں میرا کوئی مسئلہ حدیثِ رسول ﷺ کے خلاف پاؤ تو جو حدیث میں ہے وہی مانو اور جو میں نے کہا ہو اُسے چھوڑ دو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میں نے کوئی قول حدیثِ رسول ﷺ کے خلاف کہا ہو تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور وہی کہتا ہوں جو حدیثِ رسول ﷺ میں ہو۔ فرماتے ہیں جب صحیح حدیث رسول ﷺ کی مل جائے تو میرے قول کو دیوار سے دے مارو۔ فرماتے ہیں جب کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کی میں روایت کروں اور خود اس کے مطابق نہ کہوں تو باور کر لینا کہ میری عقل جاتی رہی۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے پاکیزہ اقوال آپ کے ہیں جو اس مطلب میں بہت صاف اور بالکل واضح ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب وہی ہے جو حدیث شریف میں ہو' حدیث کے سوا کوئی آپ کا قول ہی نہیں۔ خلافِ حدیث قول کو آپ کی طرف منسوب کرنا ناقابل معافی غلطی ہے۔ خلافِ حدیث کسی قول کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے فتویٰ دینا امام صاحب پر تہمت باندھنا ہے' ان کے

پیرو لوگوں کی ایک جماعت بھی صراحتاً یہ بات فرمائی ہے یہاں تک کہ ان بزرگوں میں ایسے بھی گزرے ہیں کہ کسی نے ان کے سامنے کسی کتاب سے امام صاحب کا نام لے کر کوئی قول پڑھا اور انہوں نے فرمایا اس قول کو کاٹ دو' اس کے خلاف حدیث ہے۔ اس لیے یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہی نہ رہا جیسے کہ خود آپ نے فرما دیا ہے۔ یہی بات ٹھیک ہے اور درست ہے۔ اس صورت میں بھی کہ حضرت الامام نے کچھ نہ فرمایا ہوتا پھر جب کہ آپ نے کھلے لفظوں میں ان تمام اقوال سے اپنی براۃ ظاہر کر دی جو خلافِ حدیث ہوں پھر بھی کسی ایسے قول کو مذہب امام شافعی رحمہ اللہ بتلانا کس قدر ڈھٹائی اور بے حیائی ہے۔ جب ہم نے اپنے کانوں سنا' اپنی آنکھوں دیکھا کہ امام صاحب کھلے لفظوں میں بار بار علی الاعلان یہ فرما گئے کہ میرا ہر وہ قول جس کے خلاف کسی وقت بھی کوئی حدیث مل جائے میرا نہ کہا جائے میں اس سے بری ہوں' میں اس سے رجوع کرتا ہوں تو پھر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ہم قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہمارے امام صاحب کا مذہب اور قول وہی ہے جو مطابق حدیث ہو نہ وہ جو مخالف حدیث ہو۔ آپ کی طرف جو بھی وہ قول منسوب کرے جو خلافِ حدیث ہو اس نے آپ پر تہمت باندھی اور آپ کے فرمان کا خلاف کیا خصوصاً وہ قول جو اس حدیث کے خلاف ہو جسے خود امام صاحب نے ذکر کیا ہو' لیکن اس کی سند کے ضعف کی وجہ سے یا ان تک کسی صحیح سند سے نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کا قول کوئی اور ہو پھر اس حدیث کی کوئی صحیح سند مل گئی ہو جس میں کوئی خامی نہ ہو۔ ائمہ حدیث نے اسے صحیح کہا ہو اور اس صحت کی خبر امام صاحب کو نہ ہوئی تو بے شک و شبہ یہی حدیث امام صاحب کا مذہب ہے نہ کہ اس کے سوا اور کچھ مثلاً حوائج کے مسئلے کہ آپ نے سفیان بن عیینہ کی حدیث میں یہ علت نکالی کہ وہ بسا اوقات ذکر حوائج ترک کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی یہی روایت اس صفائی کے ساتھ ثابت ہوئی ہے جس کی صحت میں کوئی کلام باقی نہیں رہا کسی وجہ سے کوئی شبہ اس کے صحیح ہونے میں نہیں رہا۔ پس ظاہر ہے کہ اچانک آفتوں سے معافی ہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ و باللہ التوفیق۔ بعض ائمہ شافعیہ کی یہ صراحت فی الواقع بہت ہی لطیف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان کے مطابق حدیث سے ثابت شدہ مسئلے کی موافقت کر کے ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ صلوٰۃ وسطی نمازِ عصر ہے۔ وقت مغرب اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے' جو مر جائے اور اس کے ذمے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو اس کے ولی کو وہ روزے پورے کرنے چاہئیں۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانا مقتدی کا اپنے امام کے پیچھے بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا جب کہ وہ بھی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہا ہو اس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ بے شک اس بارے میں صحیح حدیث تو ہے لیکن امام صاحب کا وہ مذہب نہیں اس لیے کہ امام صاحب نے اسے خود روایت کیا ہے' اس کی صحت معلوم کر لی ہے باوجود اس کے اس کا خلاف کیا ہے کیونکہ اسے آپ نے منسوخ سمجھا ہے پس یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز ہے۔ اس دوسری قسم میں نظر منسوخ ہونے پر ہے اور اس پہلی قسم میں صحت سند پر اور راویوں کی ثقاہت پر نظر ہے اسے یاد رکھ اور خوب پہچان لے۔

صرف صحیحین یا کسی اور صحیح حدیث کی کتاب بھی فتویٰ دینے کیلئے کافی ہے

اڑتالیسواں فائدہ : جب کسی کے پاس بخاری و مسلم ہو یا صرف بخاری ہو یا صرف مسلم ہو یا حدیث کی کوئی اور صحیح کتاب ہو تو اُس میں جو ہے اس پر وہ فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں؟ متاخرین کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ وہ فتویٰ نہیں دے سکتا اس لیے کہ کبھی وہ حدیث منسوخ ہوتی ہے' کبھی اس کے خلاف کوئی اور حدیث ہوتی ہے یا

اس کی دلالت سے وہ سمجھ لیا جاتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے جس پر اس کی دلالت ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس میں کوئی حکم بطورِ جواز کے ہے یہ اسے بطورِ وجوب کے سمجھ لے گا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی حکم عام ہو لیکن کسی اور حدیث میں اس کا مخصص بھی ہو۔ ممکن ہے یہاں وہ مطلق ہو اور جگہ مقید ہو پس نہ تو اس پر عمل جائز ہوگا نہ اس کے مطابق فتویٰ دینا جائز ہوگا جب تک کہ اہل فقہ اور اہل فتویٰ سے دریافت نہ کر لیا جائے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ وہ اس پر عمل بھی کر سکتا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دے سکتا ہے اور نہ صرف دے سکتا ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اس کے مطابق فتویٰ اس پر لازم ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ اِدھر صحابہ کو کوئی حدیث پہنچتی اُدھر وہ اس پر عمل شروع کر دیتے۔ ایک دوسرے کو پہنچاتے، روایت کرتے، بیان کرتے، سنتے سناتے نہ ایک سینکڈ کا اس میں وقفہ کرتے، نہ اس کے معارضے تلاش کرتے، نہ اور کرید میں پڑتے، نہ کسی صحابی نے کبھی یہ کہا کہ فلاں نے بھی اس پر عمل کیا؟ اگر ان کے سامنے کوئی ایسا سوال کر دیتا تو یقیناً وہ اس سے بڑی سختی سے پیش آتے۔ یہی حال تابعین کا رہا اور یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ کوئی لاکھ چھپانا چاہے نہیں چھپا سکتا۔ سنتوں اور حدیثوں کا پرانا ہو جانا زمانۂ رسالتِ پناہ کا دور ہو جانا یہ کوئی وہ چیز نہیں جو حدیثوں کو چھوڑ دینے اور دوسری چیز کو لے لینے کے جواز کی دلیل بن جائے۔ مسلمانو! خدارا سوچو تو کہ اگر تم نے صحیح حدیثوں پر عمل کرنے کے لیے بھی یہ شرط لگائی کہ فلاں یا فلاں نے عمل کیا ہو یا اُس کے مطابق فتویٰ دیا ہو تو اس پر عمل جائز ہے ورنہ نہیں تو دراصل شارع تو وہ فلاں اور فلاں ہی بنے، وہ جب تک صفائی کی شہادت میں پیش نہ ہوں، وہ جب تک عمل کی اجازت نہ دیں تب تک رسول اللہ ﷺ کی حدیث بے کار و معطل ہی رہی۔ اس سے بڑھ کر باطل اور اس سے زیادہ کھلی گمراہی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت اپنے بندوں پر اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ سے ختم کر دی ہے نہ کہ کسی امتی کے ذریعہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنتوں کی تبلیغ کا حکم دیا اور اپنی حدیثوں کے بیان کرنے والوں کے لیے دُعا کی ہے۔ پس اگر حدیثوں کی تبلیغ کے بعد بھی ان پر عمل ضروری نہ ہو تا جب تک کہ مثلاً امام ابو حنیفہ یا امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہ کا مذہب بھی ان کے مطابق نہ ہو تو فرمایئے کہ تبلیغ حدیث کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ پھر تو ان اماموں کا قول کافی وافی ہے۔ حدیث محض بیکار بلکہ دُور از کار چیز ٹھہری۔ اللہ تعالیٰ ایسے بد ترین عقیدے سے سب مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔

منسوخ حدیثوں کی تعداد

رہا یہ بہانا کہ ممکن ہے وہ حدیث منسوخ ہو۔ اس کی بابت ہم کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں جن کے منسوخ ہونے پر اُمت کا اتفاق ہے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں بلکہ پانچ بھی نہیں فرض کر لیا جائے کہ ان حدیثوں پر عمل کرنے میں اگر خطا ہو بھی گئی تو پھر بھی یہ خطا بہ نسبت اس خطا کے جو کسی امام کی تقلید میں ہو سکتی ہے بہت ہی کم بلکہ گویا نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ کیونکہ جس کی تقلید کر کے فتوے دے گا اور جس امتی کے قول پر عمل کرے گا وہ تو خود خطا سے پاک نہیں وہ تناقض سے، اختلاف سے بچا ہوا نہیں اس کی تو اپنی یہ حالت ہے کہ آج کچھ کہا، کل کچھ اور ہی کہہ دیا۔ ایک ہی مسئلے میں اس کے کئی کئی قول ہوتے ہیں پھر کہاں رسولِ معصوم ﷺ کی حدیث اور کہاں ایک امتی فقیہ کا قول؟ بالفرض حدیث کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے تو کیا قولِ امام کے سمجھنے میں غلطی کا ہونا ممکن ہی نہیں؟ اگر حدیث والا ایک دو غلطیاں کرے گا تو اس کے مقابلے میں فقہ والا سو دو سو غلطیاں کرے گا۔ متبع سُنّت ممکن ہے کہیں غلطی کر جائے لیکن مقلد امام تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا پھرتا

ہے۔ پس ٹھیک بات یہی ہے کہ اگر دلالتِ حدیث ظاہر اور صریح ہے' اس میں کوئی اور احتمال نہیں تو بلاشک و شبہ ہر انسان کو اس پر عمل کرنا بلکہ اس پر فتویٰ دینا بھی درست ہے وہ اس بناء پر اٹھا کر رکھی نہیں جا سکتی کہ فلاں فقیہ صاحب اس پر عمل کرنے کی اجازت دیں یا فلاں امام صاحب اس پر عمل کریں۔ قولِ رسول حجت شرعی ہے' چاہے دُنیا بھر کے امام اس کا خلاف کریں۔ ہاں! اگر کسی حدیث کی کسی مسئلے میں دلالت بالکل ہی پوشیدہ ہو' مراد ظاہر نہ ہوتی ہو تو صرف اپنے وہم سے کوئی مراد مقرر نہ کر لے بلکہ علماء اہلحدیث سے بیانِ حدیث اور وجہ دلالت دریافت کر لے۔ ہاں! اس صورت میں کہ دلالت واضح ہو مثلاً عام کی دلالت اپنے کل افراد پر' اَمر کی دلالت وجوبِ نہی پر' نہی کی دلالت حرمت پر۔ پس اس بناء پر کہ ظاہر پر عمل کیا جا سکتا ہے بحث معارض کی ضرورت نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں تین اقوال ہیں : جواز' منع اور فرق۔ درمیان عام خاص کے۔ پس عام خاص کی بحث سے پہلے ہی عمل شروع نہ کر دے۔ ہاں اَمر و نہی پر معارض کی بحث سے پہلے ہی عمل لائق ہے۔ یہ سب اس وقت ہے جب کہ قدرے اہلیت ہو گو فروع کے پہچاننے میں اصولیوں کے قواعد کی معرفت میں' عربیت کے عِلم میں کوتاہی ہو اور اگر بالکل قابلیت نہ ہو تو پھر وہ کرے جو اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم خود نہیں جانتے تو جاننے والے اہل عِلم سے دریافت کر لیا کرو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انہوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ نہ جاننے والے کی شفا سوال کر لینا ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ جب لوگ یہ جائز جانتے ہیں کہ سوال کے بعد کوئی مفتی اپنا قول یا اپنے استاد کا یا اپنے بزرگ کا یا اپنے امام کا یا کسی اور بڑے آدمی کا لکھ دے تو سائل اس پر عمل کرے پھر کس قدر اندھیر ہے کہ اگر وہ حدیث سے فتوے دے' حدیث بتائے یا حدیث نقل کر دے تو اس پر عمل جائز نہ ہو؟ جو چیز فتوے میں ہے وہی چیز حدیث میں ہے۔ حدیث کو دیکھ کر' پڑھ کر معنی اگر نہیں سمجھا تو سمجھنے والوں سے دریافت کر لے جیسے کہ فتوے کو دیکھ کر' پڑھ کر معنی نہیں سمجھا تو جاننے والوں سے دریافت کرتا ہے۔ اللہ توفیق خیر دے۔

مقلد کا اپنے امام کے سوا دوسرے کے قول پر فتویٰ دینا

انچاسواں فائدہ : اس کی دو صورتیں ہیں : ایک تو یہ کہ اس سے یہی پوچھا جائے کہ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کا اس مسئلے میں کیا فتویٰ ہے؟ یا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں دلائل سے کیا سمجھا ہے؟ تو وہ صرف امام صاحب کی تحقیق اور ان کا قول بتلا سکتا ہے اگر کسی اور کا نقل کرے تو ساتھ ہی بیان کر دینا چاہیے کہ یہ فلاں کا قول ہے ہاں! اگر سوال یہ ہو کہ حکم الٰہی اس مسئلے میں کیا ہے؟ تو اس پر واجب ہے کہ اس کے نزدیک جو راجح ہو وہ بتلا دے۔ کتاب و سُنّت سے جو اس کی تحقیق ہو اس کے سامنے بیان کر دے خواہ وہ اس کے امام کا مذہب ہو خواہ وہ اس کا امام' اس کے خلاف پر ہو اس صورت میں اس کے سوا اور کوئی جواب دینا ہرگز لائق نہیں۔ اگر اُسے خود قرآن و حدیث اس مسئلے میں معلوم نہ ہو اور جواب نہ دے سکتا ہو اور یہ بھی جائز نہیں کہ بے علمی کے ساتھ جواب دے دے پھر کیسے جائز ہو جائے گا کہ وہ اس چیز کا فتویٰ دے جس کی نسبت اُسے عِلم ہے کہ ٹھیک بات اس کے برخلاف ہے۔ کسی حاکم کو کسی مفتی کو ہرگز یہ حلال نہیں کہ اس کے سوا کوئی اور فتویٰ یا حکم دے۔ سنو! اللہ تبارک و تعالیٰ ہر ایک سے اپنے رسول ﷺ کی بابت اور ان پر بھیجی ہوئی وحی کی بابت سوال کرے گا نہ کہ کسی امام کے قول اور اس کی رائے اور اس کے مذہب کی بابت قبر میں سوال پیغمبر علیہ السلام کی بابت ہوگا۔ محشر میں سوال آپ ہی کے اتباع کی نسبت ہوگا' قبر کے سوال کے الفاظ حدیث میں یہ ہیں کہ تو اُس شخص کی بابت

کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ قیامت کے دن بآوازِ بلند ندا کر کے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ مسلمانو! غور کر لو کسی سے اس دن کسی امام یا شیخ یا مرشد یا فقیہ یا مجتہد کی تابعداری کا سوال نہ ہو گا پس تم سمجھ لو کہ تمہارا کیا جواب ہو گا؟ کیا یہ جواب دینا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی ہم نے تیرے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی تابعداری کی یا یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ کی تقلید کی؟ سمجھ لو جو جواب بھلا معلوم ہو جس میں چھٹکارا سمجھو اس کی تیاری کر لو۔

حنفی مذہب کے ایک فقیہ کا واقعہ

ہمارے استاد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کے پاس ایک بہت بڑا فقیہ عالم حنفی مذہب کا شخص پیش ہوا اور کہا کہ جناب عالی میں آپ سے ایک مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں حنفی مذہب کے مسائل کو خلافِ حدیث صحیح پاتا ہوں' اس لیے ارادہ کر رہا ہوں کہ اسے چھوڑ دوں۔ میں نے آپ سے پہلے اوروں سے بھی مشورہ کیا تو بعض حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ اگر آپ نے اپنے اس حنفی مذہب سے رجوع کر بھی لیا تو وہ مسائل تو حنفی مذہب سے نہیں نکل جانے کے ہیں مگر مذاہب تو سب بن چکے ہیں' بعض صوفیوں نے مجھے ہدایت کی کہ مجھے جنابِ باری میں عاجزی' زاری' دعا اور توفیق ہدایت کا سوال کرنا چاہیے اب آپ فرمائیے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ تو ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا سنو اپنے مذہب کے مسائل کے تین حصے کر لو۔ جو مسائل مطابق قرآن و حدیث ہوں' ظاہر دلیل سے ملتے ہوئے ہوں ان پر تو بلا شک و شبہ دِل کھول کر رضامندی سے بے دھڑک اور بے روک ٹوک عمل کرو۔ دوسری قسم کے مسائل وہ ہیں جو بے دلیل ہیں' جن کے خلاف دلیلیں ہیں' جو مرجوح ہیں' خبردار! اُن سے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤ' نہ ان پر عمل کرو' نہ انہیں سچا جانو' نہ انہیں حق مانو' نہ انہیں بتلاؤ' نہ انہیں پھیلاؤ' نہ ان کے مطابق فتویٰ دو۔ تیسری قسم کے مسائل اجتہادیہ ہیں جن میں دلیلیں برابر کی ہیں ان میں اختیار ہے مانو یا نہ مان کر دوسری شق اختیار کرو۔ ان پر فتویٰ دو یا انہیں بالکل چھوڑ دو۔ بس ان تین قسموں میں مسائل کی تقسیم کر لو یہ سن کو وہ اچھل پڑے بہت ہی خوش ہو کر کہنے لگے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ ابو عمرو اور ابو عبداللہ کا قول ہے کہ جو شخص اپنے مذہب کے خلاف کوئی حدیث پائے تو اگر اس کے پاس مجتہد مطلق کے آلات جمع ہیں یا اپنے امام کے مذہب میں اسے اجتہاد کا درجہ حاصل ہے یا اس خاص قسم میں یا اس خاص مسئلے میں تو حدیث پر عمل اولیٰ ہے اور اگر یہ پایہ حاصل نہیں اور حدیث کا عمل چھوڑنے میں اس کے دِل میں ڈر پیدا ہو رہا ہے اور اس کے خلاف اس کے ذہن میں کوئی معقول جواب نہیں تو اسے دیکھ لینا چاہیے کہ اس پر کسی امام نے عمل کیا ہے؟ اگر کیا ہو تو یہ بھی شوق سے اس پر عمل کرنے لگے اسے اپنے مذہب کے ترک کرنے کا یہ ایک معقول سبب ہے۔ (دراصل عمل بالحدیث کے لیے یہ قیدیں لگانا اس وقت بھلی معلوم ہوتی ہیں جب حدیث اور قولِ امام ایک پائے کے ہوتے حالانکہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو نبی اور امتی میں فرق ہے پھر اللہ جانے ان مصیبتوں میں اس مرحوم امت کو کیوں پھنسایا جاتا ہے؟ اور قیدیں لگا کر ہمیں چکر دار راستوں کی بھول بھلیوں میں کیوں اُلجھایا جا رہا ہے؟)

مفتی کا اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر اس کے خلاف فتویٰ دینا

پچاسواں فائدہ : جو مفتی، کسی خاص امام کی طرف اپنی نسبت کیے ہوئے ہو جب اس پر کھل جائے کہ اس کے امام کا مسئلہ مرجوح ہے' راجح از روئے دلیل اس کے خلاف ہے تو کیا وہ اپنے امام کے خلاف فتویٰ دے سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے امام کے طریقہ، اجتہاد میں اس کا ساتھی ہے' متابعت دلیل میں اس سے متفق ہے اور درحقیقت متبع امام کا صرف اتنا ہی کام ہے اور ایسے ہی لوگ سچے متبع بھی ہیں تو بے شک اس کے لیے جائز ہے کہ دوسرے قول پر فتویٰ دے۔ دلیل کو سامنے رکھ کر اسے ترجیح دے اور اگر وہ اپنے امام کے جملہ اقوال کا مقلد ہے تو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کے خلاف نہ جائے اگر کہیں جائے بھی تو صرف بطورِ نقل کے دوسرے کا نام لے کر اس کے مسئلے کو بیان کر دے لیکن اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ دلیل ارجح سے جو بات اس کے نزدیک درست ہے اُسے اپنے امام کے اصول کے مطابق نکال لے۔ اصولِ احکام میں ائمہ کا اتفاق ہے' قولِ مرجوح اصول سے ٹوٹ سکتا ہے اور قولِ راجح کا اقتضاء اصول کرتے ہی ہیں ہر صحیح قول قواعد ائمہ پر نکل سکتا ہے۔ پس اس صحیح قول کو راجح دلیل کے مطابق قواعد امام سے نکال لے اور حجت مآخذ کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق بلا شک و شبہ ضرور فتوے دے دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر دے' آمین!

امام قفال کہتے ہیں کہ اگر میرے نزدیک حنفی مذہب کا کوئی مسئلہ مطابق حدیث نظر آئے اور شافعی مذہب کا کوئی مسئلہ اس کے خلاف ہو تو میرے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں کھلے اور غیر مشتبہ الفاظ میں صاف کہہ دوں اور لکھ دوں کہ شافعی مذہب تو یہ ہے لیکن صحیح بات یہ ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں اور شافعی مذہب کے اس مسئلے کو بتلانا بھی صرف اس لیے ہوگا کہ سائل کا سوال اسی سے ہے اس لیے میں اسے بتلا دوں گا کہ شافعی مذہب تو یہ ہے لیکن دلیل سے ثابت شدہ مسئلہ اس کے خلاف یوں ہے۔ میں نے جب اپنے استاد رحمہ اللہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ عموماً سائل کے دل میں خاص کسی مذہب کا خیال ہی نہیں ہوتا وہ تو حق مسئلے کی تلاش میں ہوتا ہے پھر یہ تو نہ صرف مخلوق کی بلکہ خالق کی بھی حق تلفی ہے کہ کوئی اُسے وہ مسئلہ بتلائے جسے وہ خود دلائل کے خلاف جانتا ہو۔

وہ مسئلہ جس میں دو اقوال ہوں اور ترجیح ظاہر نہ ہو

اکیاونواں فائدہ : جب مفتی کے سامنے دو قول ہوں اور دونوں میں سے کسی ایک کی ترجیح ظاہر نہ ہو تو قاضی ابو یعلیٰ تو کہتے ہیں اسے اختیار ہے جس قول پر چاہے فتویٰ دے دے جیسے کہ یہ جائز ہے کہ جس کے قول پر چاہے عمل کر لے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں قول سائل کے سامنے رکھ دے کہ تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کر لے اس لیے کہ وہ فتویٰ اپنے پسندیدہ آمر پر دیتا ہے اور یہاں وہ آمر مقرر نہیں اس لیے دونوں قول میں سائل کو بھی پسندیدگی کا حق دے دے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس میں احتیاط دیکھے اس کا فتویٰ دے۔ میں کہتا ہوں ایسی حالت میں مفتی کو وقفہ کر جانا چاہیے اور جب تک کسی دلیل سے کوئی قولِ راجح نہ معلوم ہو جائے ہرگز فتویٰ نہ دے اس لیے کہ دونوں میں سے ایک خطا ہوگا' ایک درست ہوگا۔ جب تک درست بات کا علم نہ ہو جائے زبان نہ کھولے۔ خطا اور صحیح میں سے کسی ایک کے قبول کر لینے کا اختیار نہ اسے ہے نہ سائل کو۔ دیکھیے کسی حکیم کے سامنے کسی مریض کے بارے میں دو مختلف تشخیصیں ہوں تو ظاہر ہے کہ جب تک ایک پر اس کا دل جم نہ جائے وہ آگے نہیں بڑھتا' نہ یہ کرتا ہے کہ جو چاہے اختیار کر

لے۔ دوسری مثال یہ لیجیے کہ کوئی شخص آپ سے مشورہ طلب کرتا ہے جب تک کوئی صاف بات ذہن میں نہ آئے آپ بطورِ مشورہ اس کے سامنے پیش نہیں کرسکتے۔ اور مثال لیجیے ایک شخص ایک جگہ جانا چاہتا ہے' اس کے دو راستے ہیں ایک خطرناک ہے دوسرا خطروں سے خالی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک اُس کے سامنے یہ بات بالکل کھل نہ جائے کہ کونسا ٹھیک ہے اور کونسا ٹھیک نہیں اسے قدم بڑھانا درست نہیں۔ جب ان باتوں میں ٹھہر جانا ضروری ہے تو حلال حرام کے مسائل میں توقف کیوں نہیں کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقلدین کا اپنے اماموں کے اُن اقوال پر فتویٰ دینا جن سے وہ رجوع کرچکے ہیں

باونواں فائدہ : تمام مقلدین کے علماء میں یہ مرض سرایت کرچکا ہے کہ وہ اپنے اماموں کے اُن اقوال پر فتویٰ ٹھونک دیتے ہیں جن سے وہ خود دستبردار ہو چکے ہیں۔ حنفیوں کو دیکھو وہ ان نذروں کو ضروری قرار دیتے ہیں جن کا مخرج قسموں کا مخرج ہے جیسے حج' روزہ' صدقہ وغیرہ حالانکہ خود انہی فقہاء کی نقل کے مطابق امام صاحب نے اپنے انتقال سے تین دن پہلے اس سے رجوع کرلیا ہے اور کفارے کے قائل ہو گئے ہیں۔ حنبلیوں میں سے اکثر نشے کی حالت کی طلاق کو واقع بتلاتے ہیں حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کرکے اس طلاق کے نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے جیسے کہ پہلے بیان گزر چکا۔ اسی طرح شافعی مذہب والے قدیم قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ تثویب کے مسئلے میں اور وقت مغرب کی درازی کے مسئلے میں اور بہت سے پانی میں نجاست کے دور ہونے کے مسئلے میں اور آخر کی دو رکعتوں میں کسی اور سورۃ کے پڑھنے کے مستحب نہ ہونے میں اور ایسے ہی بیسیوں مسائل سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس مسئلے سے انھوں نے رجوع کرلیا اب وہ مسئلہ ان کا نہ رہا۔ اس اندھیر کو تو دیکھئے کہ خود امام نے جس مسئلے کو چھوڑا اسی پر یہ فتویٰ دیں اور اس فتوے ہی کو جائز مانیں اور اس سے تقلید نہ ٹوٹے' نہ مذہب چھوٹے لیکن دلیل کا رجحان دیکھ کر' قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر امام کے قول کے خلاف پاکر اس پر فتویٰ دے دے تو تقلید کی تمام رسی جل جائے اور مذہب کا سارا تار و پود بکھر جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر اس پر کہا جائے کہ جس قول سے امام نے رجوع کیا ہے وہ بھی تو کبھی نہ کبھی اس کا قول رہا ہے' بخلاف اس کے جسے اس نے کبھی بھی نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس فرق کی کوئی تاثیر نہیں اس لیے کہ جن سے رجوع کرلیا وہ ایسا ہی ہے جیسے کہا ہی نہ ہو۔ مقصود ان سب باتوں سے یہ ہے کہ اہل علم کی شان سے تو یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ کسی کی اندھی اور کوری تقلید کے پیچھے پڑ جائیں اور دُنیا جہاں کے اقوال سے' تحقیق سے' حق سے' قرآن و حدیث سے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ تقلید اور طریقہ تو نہایت ہی مذموم' بدترین اور بے حد بُرا ہے۔ اگلے مسلمان تو اس سے محض نا آشنا تھے۔ یہ بدعت تو بہت ہی بعد کی ہے اور ایک نہیں کئی برائیوں کا مجموعہ ہے۔ اسی سے حق چھوٹ گیا اور ناحق دینِ اسلام میں خلط ملط ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

ترپنواں فائدہ : اصل کتاب میں ترپنواں فائدہ ہے ہی نہیں۔ (مترجم)

قرآن و حدیث کے لفظوں کے خلاف فتویٰ دینا ہر آن حرام ہے

چونواں فائدہ : خواہ اس سے مذہب بنتا ہو یا بگڑتا ہو کبھی یہ نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً کسی سے پوچھا جائے کہ ایک شخص ایک رکعت نماز صبح پڑھ چکا ہے پھر سورج نکل آیا تو کیا وہ نماز پوری کر لے؟ تو یہ جواب میں کہے کہ پوری نہ کرے گو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ پوری کر لے۔ یا مثلاً پوچھا جائے ایک شخص مرگیا اس پر کچھ روزے رہ گئے تو کیا اُس کے ولی وہ روزے اس کی طرف سے رکھ لیں؟ تو یہ جواب دے کہ نہ رکھیں حالانکہ صاحب شرع ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مرجائے اور اس کے ذمے روزے رہ گئے ہوں تو اس کے ولی وارث وہ روزے رکھ لیں' یا مثلاً سوال ہوا کہ ایک شخص مفلس' دیوالیہ ہوگیا اس کے پاس کسی کی دی ہوئی چیز بعینہٖ جوں کی توں موجود ہے تو کیا اس کا سب سے زیادہ پورا کا پورا حق دار صرف وہی مالک ہے؟ تو یہ جواب دے کہ یہ شخص اپنی چیز کا پورا حقدار نہیں حالانکہ شارع علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہی پورا اور صحیح حقدار ہے یا مثلاً پوچھا جائے کہ کسی شخص نے روزے کی حالت میں بھولے چوکے کچھ کھا پی لیا تو کیا وہ اپنا روزہ تمام کرے؟ تو یہ جواب دے کہ نہ کرے حالانکہ نبی ﷺ کا حکم ہے کہ وہ اپنا روزہ پورا کر لے یا مثلاً دریافت کیا جائے کہ کچلیوں والے درندے حرام ہیں یا نہیں؟ تو یہ جواب دے کہ حرام نہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر ایک درندے کا کھانا جو کچلیوں والا ہو حرام ہے یا مثلاً سوال کیا گیا کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کی دیوار میں کوئی لکڑی رکھنا چاہتا ہے تو کیا وہ اسے منع کر سکتا ہے؟ یہ جواب دے کہ ہاں روک دے حالانکہ حدیث میں ہے کہ نہیں روک سکتا یا مثلاً سوال کیا جائے کہ جو شخص اپنی پیٹھ رکوع و سجدے سے سیدھی نہیں کرتا اس کی نماز ہو جائے گی؟ یہ کہے کہ ہاں ہو جائے گی اور حدیث شریف میں ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جو اپنی پیٹھ رکوع و سجدے کے درمیان بالکل سیدھی نہ کر لے یا مثلاً یہ مسئلہ پوچھا جائے کہ اولاد کو کوئی ہبہ دیا جائے اس میں کمی بیشی لائق ہے اور یہ ظلم ہے یا نہیں؟ تو وہ جواب دے کہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور یہ ظلم و جور نہیں بنتا یا مثلاً فتویٰ لیا جائے کہ ہبہ کرنے والا اپنی ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے؟ یہ فتویٰ دے کہ ہاں واپس لے سکتا ہے مگر یہ کہ والد ہو یا بیٹا ہو یا قرابت دار ہو تو واپس نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ صاحب شرع علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کسی ہبہ کرنے والے کو اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حق نہیں سوائے باپ کے جو وہ اپنی اولاد کو ہبہ کرے یا مثلاً استفتاء ہو کہ کسی شخص کے مکان میں یا زمین میں یا باغ میں کوئی اور بھی شریک ہے یہ اپنا حصہ بیچ سکتا ہے؟ پہلے اس کے کہ اپنے شریک کو خبر کرے یا اس کے سامنے پیش کرے؟ تو مفتی صاحب جواب دیں کہ ہاں! خبر کرنے سے پہلے اسے وہ فروخت کر سکتا ہے حالانکہ شارع علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کی زمین میں یا مکان میں یا باغ میں کوئی اور شریک ہوا اُسے اس کا بیچنا حلال نہیں جب تک کہ اپنے شریک کو اطلاع نہ کر دے یا مثلاً سوال کیا جائے کہ کیا مسلمان کسی کافر کے قتل کے بدلے قتل کیا جا سکتا ہے؟ یہ جواب دے کہ ہاں کیا جا سکتا ہے حالانکہ شارع علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے یا مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک شخص نے دوسرے کی زمین میں کھیتی کی تو کھیتی اسی کی ہوگی یا مالک زمین کی؟ یہ جواب دے کہ اسی کی ہوگی حالانکہ حدیث شریف میں صاف ہے کہ جو شخص دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی کرے تو اس کھیتی کا کوئی حصہ نہ ملے گا۔ ہاں! جو خرچ اس کا آیا ہے وہ اسے دے دیا جائے یا مثلاً پوچھا جائے کہ ولایت کو شرط کے ساتھ معلق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ جواب دے کہ نہیں اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں تمہارا امیر زید (رضی اللہ عنہ) ہے اگر یہ شہید

کر دیئے جائیں تو جعفر (رضی اللہ عنہ) اگر وہ بھی شہید کر دیئے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہ)۔ یا مثلاً سوال کیا جائے کہ کیا شاہد اور قسم پر فیصلہ ہو سکتا ہے؟ تو یہ جواب دے کہ نہیں ہو سکتا حالانکہ صاحب شرع علیہ السلام نے گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا ہے یا مثلاً پوچھا جائے کہ صلوٰۃِ وسطیٰ کیا عصر کی نماز ہے؟ یہ کہے کہ وہ عصر کی نماز نہیں۔ حالانکہ صاحب شریعت علیہ السلام فرماتے ہیں صلوٰۃِ وسطیٰ عصر کی نماز ہے یا مثلاً سوال ہوا کہ بقرہ عید کا دن حج اکبر کا دن ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں حالانکہ حدیث شریف میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حج اکبر کا دن بقرہ عید کا دن ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھ سکتا ہے؟ جواب دیتا ہے کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں حالانکہ حدیث شریف میں حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے کہ جب تجھے صبح صادق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک وتر پڑھ لے۔ سوال ہوا کہ سورۂ ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ میں اور سورۂ ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ ﴾ میں سجدہ ہے؟ جواب دیا کہ ان میں سجدہ نہ کرے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سورتوں کی قرأت میں سجدہ کیا ہے۔ سوال ہوا کہ ایک شخص دوسرے کا ہاتھ چبا لے گیا اس نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ گھسیٹا جس سے اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے تو کیا وہ دیت کا حقدار ہے؟ جواب دیا کہ ہاں! حقدار ہے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی دیت نہیں دلوائی۔ سوال ہوا کہ ایک شخص دوسرے کے گھر میں جھانکنے لگا، گھر والے نے کنکر پھینکا جس سے اُس کی آنکھ پھوٹ گئی تو کیا اس پر کوئی گناہ ہوگا؟ جواب دیتا ہے کہ گناہ ہوگا، حالانکہ حدیث میں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مثلاً سوال ہوا کہ ایک شخص نے کوئی گائے یا بکری یا اونٹنی خریدی، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے تھنوں سے دودھ روک رکھا تھا اور دراصل وہ ہمیشہ اتنا دودھ نہیں دیتی تو کیا خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ اس جانور کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ہی ایک صاع کھجوریں بھی دے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ یہ حق حاصل نہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ناخوش ہو تو جانور کو لوٹا دے، اسی کے ساتھ ایک صاع کھجور دے دے، یا پوچھا گیا کہ کیا زانی جو غیر شادی شدہ ہے اسے حد کے ساتھ جلاوطنی بھی ہے یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ اُسے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی دی جائے گی۔ اسی طرح سوال ہوا کہ سبز ترکاریوں پر بھی کیا زکوٰۃ ہے؟ اس نے کہا ہاں ہے حالانکہ حدیث میں ہے سبز ترکاریوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں یا پوچھا گیا کہ پانچ وسق سے کم پر بھی زکوٰۃ ہے؟ جواب دے دیا کہ ہاں ہے حالانکہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو پانچ وسق سے کم ہو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ یا دریافت کیا گیا کہ کسی عورت نے اپنا نکاح آپ ہی کر لیا بغیر ولی کی اجازت کے تو اس مفتی نے کہہ دیا کہ ہاں نکاح ہو گیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ اس کا نکاح باطل ہے۔ اسی طرح حلالہ کرنے اور کرانے والوں کی نسبت وہ کہہ دے کہ یہ مستحق لعنت نہیں حالانکہ شارع علیہ السلام نے انہیں لعنتی کہا ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ جب چاند رات کو مطلع صاف نہ ہو تو کیا شعبان کی گنتی پورے تیس دن کی کرے؟ جواب دیتا ہے کہ یہ جائز نہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مطلع ابر آلود ہو تو تم شعبان کے دنوں کی گنتی پوری تیس دن کی کامل کر لو۔ اسی طرح جسے طلاقِ بتہ ہو چکی ہو اس کی نسبت دریافت کیا جائے کہ کیا یہ نان و نفقے کی حقدار ہے؟ جواب جڑ دے کہ ہاں! حقدار ہے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ رہنے کا مکان۔ یا سوال کیا جائے کہ کیا نماز میں دونوں طرف سلام پھیرنا مستحب ہے؟ وہ جواب دے کہ یہ مکروہ ہے یا مستحب نہیں حالانکہ پندرہ صحابیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرا کرتے تھے۔ فرماتے تھے السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ یا سوال کیا جائے کہ جو شخص رکوع کے وقت یا رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین کرتا ہے اس کی نماز مکروہ ہے یا ناقص ہے یا نہیں؟ تو وہ کہہ دے ہاں مکروہ ہے یا ناقص ہے یا اور ہی بڑھ جائے اور کہہ دے کہ باطل

ہے حالانکہ کئی اوپر بیس صحابیوں رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو شروع کرنے کے وقت اور رکوع کرنے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ سند بھی سب کی صحیح ہے جن میں کوئی طعنہ تک نہیں۔ یا سوال کیا گیا کہ کیا چھوٹے دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب پر جو کھانا نہ کھاتا ہو صرف پانی کا چھینٹا دے لینا کافی ہے یا اسے دھونا ہی نہ پڑے گا؟ اس نے جواب دیا کہ چھینٹا دے لینا کافی نہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسے بچّے کے پیشاب پر صرف پانی کا چھینٹا دے لینا کافی ہے۔ خود نبی ﷺ نے ایسا کر کے دکھلایا اور دھویا نہیں یا مثلاً تیمّم کے بارے میں اگر سوال کیا جائے کہ صرف ایک ہی مرتبہ مٹی پر ہاتھ میں مار کر پہنچوں تک مل لینا کافی ہے یا نہیں؟ یہ جواب دے کہ کافی نہیں' جائز نہیں۔ حالانکہ صاحب شرع علیہ السلام کا فیصلہ ہے کہ یہ بالکل کافی ہے۔ یہ فرمان اتنا صریح' صحیح اور صاف ہے کہ کوئی کسی طرح بھی اسے دفع نہیں کر سکتا۔ یا سوال کیا جائے کہ کیا تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ وہ جواب دے کہ ہاں جائز ہے حالانکہ صاحب شرع علیہ السلام سے جب یہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یا یہ سوال ہو کہ کسی شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے سب کے سب چھ غلاموں کو آزاد کر دیا تو کیا ان میں سے دو پورے آزاد ہو جائیں گے؟ یہ اس کا انکار کرے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے قرعہ اندازی کر کے ایسے موقع پر دو کو بالکل ہی آزاد کر دیا اور چار کو بدستور غلام بنائے رکھا۔ یا سوال کیا جائے کہ قرعہ ڈالنے کا کام تو وہ اُسے ناجائز اور باطل بلکہ احکامِ جاہلیت میں سے کہے حالانکہ نبی ﷺ سے قرعہ ڈالنا ثابت اور کئی مواقع میں قرعہ اندازی کرنے کا حکم دینا مروی ہے۔ سوال کیا کہ کوئی شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو کر نماز ادا کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اُسے نماز دُہرانے کا حکم نہ کیا جائے گا؟ تو یہ جواب دے کہ اس کی نماز ادا ہو جائے گی اور اسے نماز دہرانے کا حکم نہ کیا جائے گا حالانکہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے صاف فرما دیا ہے کہ اس کی نماز نہیں اور اُسے نماز دُہرانے کا آپؐ نے حکم کیا۔ یا پوچھا جائے کہ کسی شخص کو بے عذر نماز کا جماعت سے ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے کہ ہاں جائز ہے حالانکہ رسول ﷺ کا جواب یہ ہے کہ میں تیرے لیے رخصت نہیں پاتا۔ سوال ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنا مال اُدھار دیتا ہے اور اس کے ہاتھ اپنا سودا فروخت کرتا ہے کیا یہ حلال ہے؟ وہ اس کی حلت کا فتویٰ دے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فتویٰ یہ ہے کہ ادھار اور بیع حلال نہیں۔ کہاں تک کوئی بیان کرے' اس کی بے شمار نظیریں اور بھی ہیں۔

سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید سے بیزاری

الغرض سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اس شخص پر بے حد بگڑتے تھے' سخت ناراض ہوتے تھے اور بہت ہی بُرے لفظوں سے یاد کرتے تھے جو حدیثِ رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی رائے یا کسی قیاس یا استحسان یا کسی بڑے سے بڑے کا قول پیش کرے۔ ایسے لوگوں سے بائیکاٹ کر دیتے تھے وہ حدیث کے سامنے مثالیں بیان کرنے والوں سے بھی ناراض رہتے اور سوائے اس کے کہ حدیثِ رسول ﷺ کو سر آنکھوں پر چڑھا کر قبول کر لیں' سُن لیں اور تسلیم کر لیں کبھی کوئی اور بات نہیں کرتے تھے۔ ان کے ذہن میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا ہو گا' نہ ان کے دِل میں کبھی یہ وسوسہ پیدا ہوا ہو گا کہ حدیث کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں توقف کرنا چاہیے جب تک کہ کسی امام یا مجتہد یا فلاں فلاں کا قول یا عمل اس کی موافقت میں نہ مل جائے وہ تو اللہ کے اس فرمان پر بہ دِل و جان عامل تھے کہ کسی مؤمن مرد اور عورت کو لائق نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان و

فیصلے کے بعد اسے کوئی اختیار بھی اپنے کسی کام کا باقی رہ جائے اور جگہ فرمان ہے تیرے پروردگار کی قسم لوگ مؤمن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں وہ تجھے حاکم نہ بنالیں پھر اپنے دِل میں کوئی تنگی باقی نہ رکھیں اور تیرے فیصلے اور فرمان کو کشادہ پیشانی سے منظور کرلیں۔ فرمانِ عالی شان ہے لوگو! تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے جو اترا ہے اس کی تابعداری کرو' اُس کے سوا اور ولیوں کی تابعداری میں نہ لگو' تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ الغرض کلام اللہ شریف کی اس قسم کی آیتوں کے احکام کو سامنے رکھ کر وہ لوگ فرمانِ رسول ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور اسے بہ خوشی اور بہ کشادہ دِلی فوراً ہی بغیر کسی روک ٹوک کے قبول کرلیا کرتے تھے اور اس کے عامل و پابند ہو جایا کرتے تھے۔ آہ! کہاں وہ پاک زمانہ' کہاں یہ زمانہ جس کے سامنے حدیث بیان کرو وہ یہ کہہ کر کہ کس امام کے مذہب میں یہ ہے؟ کس کا فتویٰ اس کی موافقت میں ہے؟ کون اسے کہتا ہے؟ غرض اس قسم کی کوئی نہ کوئی بات کہہ کر حدیث کے سینے میں گھونسا مارتا ہے اور اسے دھکے دے کر پرے پھینک دیتا ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کے بیسیوں حیلے تلاش کرتا ہے اگر اسے کوئی ایسا نظر آ جائے جس نے اس حدیث پر عمل کیا ہو تو وہ اسے ترکِ عمل حدیث کا خاصہ اچھا بہانہ بنالیتا ہے اگر وہ خود اپنی خیر خواہی بھی مد نظر رکھتا تو اپنے دِل سے ہی سمجھ لیتا کہ اس سے بڑھ کر گناہ دُنیا کے پردے پر نہیں' اس سے بڑھ کر کوئی شیطنت نہیں کہ اپنی جہالت کو سُنّتِ رسول ﷺ کے ترک کا ذریعہ بنالے۔ پھر ان میں سے بعض گنواروں کا جہالت کے لٹھ کا یہ بک دینا کہ حدیث کے خلاف اجماع ہے۔ یہ تو گویا اس کا تمام مسلمانوں کے خلاف بد ظنی کرنا ہے کہ گویا اس کے نزدیک سب مسلمانوں نے مل کر حدیث کا خلاف کرنے پر اتفاق کرلیا۔ پھر یہ سراسر جہالت اور بے علمی ہے اسے چونکہ معلوم نہیں ہوا کہ فلاں شخص نے اس حدیث کے مطابق کیا ہے اس لیے اس نے یہ جھوٹ اختیار کرلیا کہ اس حدیث کے عمل کے ترک پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پس یہ اس سے پہلے بھی اپنی جہالت سے تارکِ سُنّت تھا اب بھی تارکِ سُنّت ہی رہا اور وہی جہالت اس کی ہلاکت کا یہاں بھی باعث بنی۔ اللہ بچائے! مسلمانو! خدارا ایک تو ایسا امام بتلاؤ جس نے کہا ہو کہ حدیث پر عمل نہ کیا جائے جب تک یہ نہ معلوم کرلیں کہ فلاں امام نے اس پر عمل کیا ہے پھر اگر اپنی کم علمی اور جہالت کی خوبی سے کوئی ایسا شخص نہ نظر آئے تو حدیث کو ناقابل عمل ٹھہرا دینا چاہیے۔

تفسیر قرآن میں ظاہری الفاظِ قرآن و حدیث کی پیروی

پچپنواں فائدہ : کتاب اللہ کی اگر کسی آیت کی تفسیر یا کسی حدیث کی تشریح دریافت کی جائے تو بھی مفتی کو جائز نہیں کہ فاسد تاویلوں کے ذریعے ظاہری الفاظ سے ہٹ جائے اور اپنے سمجھے ہوئے مذہب اور اپنے نکالے ہوئے عقیدے کی موافقت کے لیے یہ تکلف کرے۔ ایسا کرنے والے کو فتویٰ دینے سے قطعاً روک دیا جائے گا' اس کا ہاتھ بند کر دیا جائے گا۔ تمام اگلے پچھلے اماموں نے کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں اصل قرآن ہے اور حدیث ہے۔ ان کے نہ ملنے پر ان پر قیاس ہے۔ متصل السند صحیح حدیث مسلمان کے لیے کافی ہے۔ خبر مفرد سے اجماع اکثر ہے۔ حدیث اپنے ظاہری لفظوں پر ہی رہے گی اور اسی طرح مانی جائے گی جب کئی ایک معانی کا احتمال ہو تو جو معنی ظاہر سے مشابہت رکھیں گے وہی مانے جائیں گے جس کی سند سب سے اعلیٰ ہو' وہی سب سے اولیٰ ہے۔ منقطع حدیث کوئی چیز نہیں بجز ابن المسیّب کی منقطع روایتوں کے کوئی اصل دوسری پر قیاس نہ کی جائے' کسی اصل کی نسبت کیوں اور کیسے نہ

کہا جائے۔ یہ تو فرع کے لیے کہا جا سکتا ہے جب اس کا قیاس اصل پر صحیح ہو تو وہ صحیح سمجھی جاتی ہے اور اس سے حجت قائم ہوتی ہے۔ امام ابو المعالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ سلف کا مذہب یہی ہے کہ تاویل سے رُک جانا چاہیے۔ تمام ظاہر قرآن و حدیث کو اس کے مورد پر ہی جاری کرنا چاہیے' ان کے معانی اللہ تبارک و تعالیٰ کو سونپنے چاہئیں ہم جس بات پر خوش ہیں اور جو ہمارا عقیدہ ہے وہ تو یہی ہے کہ سلف اُمت کا اتباع کرنا چاہیے۔ یہی اولیٰ ہے بنسبت اس کے کہ ہم کوئی نئی بات پیدا کریں۔ دلیل سمعی قاطع اس بارے میں یہ ہے کہ اجماعِ اُمت اس بارے میں حجت متبعہ ہے۔ شریعت معظمہ کا مستند ہے۔ صحابہ' رسول معانی کی گہرائیوں میں اترنے کو بالکل ترک کیے ہوئے تھے۔ یہی اسلام کے پسندیدہ ارکان تھے' یہی شرع کے مخصوص علمبردار تھے۔ دینی قواعد کے مقرر کرنے میں اور اصولِ شرع کے درست کرنے میں ان کی کوشش پوری تھی' جن چیزوں کی لوگوں کو احتیاج تھی یہ ان کے معلم تھے اگر ظاہری آیتوں' حدیثوں کے معانی کو اُلٹ پلٹ کرنے کی اجازت ہوتی یا یہ ضروری مد ہوتی تو یہ بزرگ اس میں ہم سے پیچھے نہ رہ جاتے' ہم سے زیادہ اس میں حصہ لیتے اور پورا اہتمام اس کا کرتے' ان کا سارا زمانہ یونہی گزر گیا لیکن انھوں نے قرآن و حدیث کی تاویل کی طرف' اس کے ظاہری لفظوں کو چھوڑنے کی طرف قدم نہیں اٹھایا پھر تابعین کا زمانہ آیا وہ بھی تاویل مذہبی سے خالی رہا یہ دلیل ہے کہ حق بات تاویل سے خالی ہے' سچے دیندار پر لازم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی صفتوں سے منزہ مانے' مشکلات کی تاویلوں میں نہ پڑے' ایمان لائے اور معنی سپردِ الٰہی کر دے۔ امام القراء اور سید القراء ﷺ ﴿ مَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ الخ' (آلِ عمران : ۷) پر وقف ضروری قرار دیتے تھے پھر ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ ﴾ سے آگے کا دوسرا جملہ شروع کرتے ہیں۔

استواء علی العرش کا مسئلہ

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے اس فرمان کو دیکھیے۔ آپ سے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ کی نسبت سوال ہوا کہ کس طرح مستوی ہوا؟ تو آپ نے فرمایا استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان واجب ہے اور اس کا سوال بدعت ہے۔ یہی قول بہت درست ہے اور آیاتِ صفات سب اسی اصل پر ہیں' استواء بھی' آنا بھی' اپنے ہاتھوں بنانا بھی' اسی کے چہرے کا باقی رہ جانا بھی اس کا یہ فرمان بھی کہ کشتی نوح (علیہ السلام) ہماری آنکھوں سے چلی۔قرآن کی ان آیتوں کے ساتھ ہی وہ حدیثیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اترنے وغیرہ کی خبریں ہیں جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مخلوق کے راہِ الٰہی طے کرنے کا زینہ ایمانِ مرسل اور تصدیق مجمل ہے اور جو فرمان اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا ہو اس میں کوئی بحث تفتیش نہ ہو۔ فرماتے ہیں اتباع حق ہے' ظاہر سے ہٹانے سے بچنا ہی ضروری ہے۔ تاویلوں کو نو پید کرنا نہایت بُرا ہے جن کی تصریح صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں آئی اس قسم کے سوالوں کا دروازہ کھولنا ہی نہ چاہیے کلام میں اور بحث میں گھسنا نہایت خوفناک چیز ہے بعض لوگ وہ بھی ہیں جو صرف گمان سے تاویل کی طرف جھک جاتے ہیں نہ کہ قطعی طور پر۔ اگر اس دروازے کے کھولنے اور اس کی تصریح کرنے سے عوام کے دلوں میں کوئی شورش پیدا ہوتی ہو تو ایسا شخص بدعتی ہے اور جب کہ سلف سے اس کا کوئی ذکر ہی نہ ہو اور ہو بھی ایسے اہم عقائد کے بارے میں کہ جو نہایت ضروری ہیں پھر جو انھیں بغیر ٹھوس دلیل کے ظاہر سے پھیر دے وہ تو بالکل ہی کافر کہا جائے گا۔ فرماتے ہیں

کہ اسی طرح جو فی نفسہٖ تاویل کا احتمال نہیں رکھتیں اور ان کے خلاف کسی دلیل کے قیام کا تصور بھی نہیں ہو سکتا' ان کی مخالفت صرف تکذیب ہے اور جس کی جانب احتمالِ تاویل پہنچ سکتا ہے گو مجازِ بعید سے ہی ہو تو اگر اس کی دلیل بالکل ہی صاف ہو تو اس کے ساتھ قول واجب ہے اور اگر وہ دلیل غالب گمان پیدا کرتی ہو اور اس کا ضرر دین میں نہ ہوتا ہو تو وہ بدعت ہے اور اگر ضرر ہو اور بڑا ضرر ہو تو وہ کفر ہے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ کی عادت اس قسم کے مجادلوں کی نہ تھی بلکہ علمِ کلام میں مشغول رکھنے والوں پر انھوں نے بہت سختی کی ہے اور بحث و تمحیص میں پھنس جانے والوں پر بھی بہت لے دے کی ہے۔

عوام کا ایمان

فرماتے ہیں جو ایمان علمِ کلام سے حاصل ہوتا ہے وہ بہت ہی بودا اور بیکار ہوتا ہے۔ راسخ اور مضبوط ایمان اُن کا ہوتا ہے جن عوام کے دلوں میں بچپن ہی سے ایمان جم جاتا ہے۔ خوب سن سنا کر پختگی سے رچ جاتا ہے اور بڑے ہونے کے بعد ان کے پاس وہ قرائن آ جاتے ہیں جن سے پھر کوئی تبدل تغیر ان کے ایمان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں ہمارے استاد ابو المعالی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مسلمانوں کے امام کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام لوگوں کو اس بارے میں سلف کے عقیدے پر چلائے۔ انتہی۔ چاروں اماموں نے بالاتفاق علمِ کلام کو اور اس میں مشغول رہنے والوں کو برائی سے یاد کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے مذہب نے جتنی مذمت ان کی کی ہے وہ سب جانتے ہیں یہاں تک کہ ان کا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کو خوب پیٹا جائے اور ان کے قبائل میں انہیں گھمایا جائے اور شہرت دی جائے کہ کتاب و سُنّت کے تارکوں کا جو علمِ کلام پر جھک جائیں یہ بدلہ ہے۔ مجھے تو ان اہل کلام کا اتنا سخت بُرا تجربہ ہے کہ میرے نزدیک تو انسان سوائے کفر و شرک کے کسی بُرائی میں پھنس جائے اس کا بوجھ اس کے بوجھ سے بہت ہی کم ہے۔ آپ نے حفص الفرد سے فرمایا کہ میں ہر چیز میں تیرا مخالف ہوں یہاں تک کہ لا اِلٰہ الاّ اللہ کہنے میں بھی۔ میں تو اس کلمے سے یہ مراد لیتا ہوں کہ اللہ وہ ہے جس کا دیدار آخرت میں ہوگا' جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اور تیرے نزدیک اللہ وہ ہے جس کا نہ تو دیدار ہوگا' نہ وہ بولتا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ مناقب شافعی میں ذکر کرتے ہیں کہ امام صاحب نے ابراہیم بن علیہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں ہر چیز میں اس کا مخالف ہوں یہاں تک کہ کلمہ شریف میں بھی میرے کلمے کا وہ مطلب نہیں جو اس کا مطلب ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ وہ ہے جس نے پردے کی اوٹ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور یہ کہتا ہے اللہ وہ ہے جس نے کلام پیدا کیا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پردے کے پیچھے سے سنا۔ آپ نے اپنے رسالے کے اوّل ہی خطبے میں لکھا ہے' اللہ کی تعریف ہے جو ویسا ہی ہے جیسے وصف اس نے اپنے بیان فرمائے ہیں۔ وہ اس سے بہت بالاتر ہے جو اوصاف اس کی مخلوق اس کے بیان کرتی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ اللہ کے اوصاف وہی بیان کیے جا سکتے ہیں جو اس نے خود اپنے بیان فرمائے ہیں۔ وہ ان اوصاف سے منزہ ہے جو اوصاف متکلمین وغیرہ اس میں ثابت کرنا چاہتے ہیں اور خود اس نے اپنے وہ اوصاف ثابت نہیں کیے۔ ابو العباس سریج سے سوال ہوتا ہے کہ توحید کیا چیز ہے؟ فرماتے ہیں اہل علم اور جماعت المسلمین کی توحید تو اشھد ان لا الٰہ الاّ اللہ وان محمداً رسول اللہ ہے اور اہل باطل کی توحید اعراض و اجسام میں خوض کرنا ہے جس کے انکار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے۔ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو واہیات تاویلوں اور برے مجازوں کی طرف لے جاتا

ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہو جائے' کیا وہ بے خوف ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہو: ﴿ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴾ (الانبیاء : ۱۸) تم جو اوصاف بیان کرتے ہو اس کی ویل تم پر ہی ہے یہ تاویلیں تو وہ ہیں جن کا پھینک دینا ذکر کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ حسن کہتے ہیں اللہ کی قسم یہ اللہ کے ذمے افتراء ہے جس کا بوجھ قیامت تک بڑھتا جائے گا۔ یہ لوگ اس وعید میں داخل ہیں : ﴿ وَ كَذَالِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴾ (الاعراف : ۱۵۲) ہم بہتان اٹھانے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت تک جو بھی مفتری آئیں سب کو یہ آیت شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس وصف سے اپنے پاک نفس کو بری قرار دیا ہے جو اس کی مخلوق بیان کرے سوائے ان اوصاف کے جو رسولوں کے بیان کردہ ہوں کیونکہ وہ اللہ کے اوصاف وہی بیان کرتے ہیں جو خود اللہ نے انھیں بتلائے ہوں۔ فرمان ہے : ﴿ سبحان ربک رب العزۃِ عما یصفون ﴾ (الصافات :۱۸۰) پاک ہے تیرا رب عزتوں والا ہر اس وصف سے جو مخلوق بیان کرے' سلامتی ہے رسولوں پر۔ اور آیت میں ہے ان کے بیان کردہ اوصاف سے ذاتِ الٰہی پاک ہے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ایسی خلافِ شرع بے دلیل تاویلیں کرنے والوں کو یہی ایک وبال کافی ہے کہ وہ اپنی رائے سے اللہ پر باتیں بناتے ہیں۔ اپنی رائے کو وحی الٰہی پر مقدم کرتے ہیں۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اپنی خواہش کے مطابق توڑتے مروڑتے رہتے ہیں۔ اگر انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ اپنی اس معاندانہ روش سے اُمت پر وہ کس برائی کا دروازہ کھول رہے ہیں اور اسلام کی بناء کو کس بری طرح ڈھا رہے ہیں اور اسلام کے مضبوط قلعوں کو کس طرح مسمار کر رہے ہیں تو ان پر آسمان سے گر پڑنا بنسبت ان واہی تاویلوں کے زیادہ آسان نظر آتا۔ یہ تمام اہل باطل انہی گھریلو تاویلوں کو سند بنا کر اللہ کے کلام کو اُلٹ پلٹ کر رہے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ جب تمہارے لیے تاویلیں جائز تو پھر ہم پر حرام کیوں؟ منکرینِ قیامت آیات و احادیث ثبوتِ قیامت کو تاویلوں سے رَد کر دیتے ہیں۔ ان کی تاویلوں کو دیکھو بالکل منکرینِ صفاتِ الٰہیہ کی تاویلوں سے مشابہ پاؤ گے بلکہ اُن سے بھی زیادہ قوی جسے تاویلوں کا جاننے والا بہ یک نگاہ پہچان سکتا ہے یہ کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ اپنی تاویلوں پر ثواب کے امیدوار ہیں تو ہم عذاب کا خطرہ کیوں کریں؟ نصوصِ صفات بنسبت نصوصِ قیامت کے زیادہ اور بہت واضح ہے جب ان کے ظاہر کا خلاف تاویلوں کے زور سے کرنا ایک جماعت کو جائز ٹھہرا تو ہمیں ان سے ہلکے درجے کی تاویل' ان سے ہلکے درجے کی چیز میں جائز کیوں نہ ہو؟ ایسی چال رافضی بھی چلے اور خلفائے راشدین وغیرہ صحابہ کے مناقب و فضائل میں جو حدیثیں آتی تھیں انہوں نے جھٹ سے ان کی تاویل کر کے سب کو ترک کر دیا۔ معتزلہ نے بھی یہی تاویلیں لے کر اللہ کے دیدار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انکار کر دیا۔ قدریہ نے بھی تقدیر کے انکار کے لیے تاویلوں کی ہی پناہ پکڑی۔ حروریہ وغیرہ خوارج نے بھی اپنے مذہب کے خلاف جو قرآن و حدیث پایا تاویلوں سے اسے بیکار بلکہ دور از کار کر دیا اور اپنا مذہب بنا لیا۔ قرامطہ اور باطنیہ نے بھی سارے دین کو انہی تاویلوں سے الٹ دیا اور ایک نیا دین بنا لیا۔ الغرض دین و دُنیا کی خرابی کی جڑ ہی تاویلیں ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد میں داخل نہیں نہ کوئی دلیل ان پر ہے جس اُمت نے اپنے نبی سے جدائی اختیار کی اسی تاویل کی وجہ سے۔ جس اُمت میں جو چھوٹا بڑا فتنہ پڑا اسی ناپاک چال کی وجہ سے۔ فتنوں کے زمانے میں مسلمانوں کے خون کو انہی تاویلوں نے نہایت سفاکی سے بہایا۔ ایک دینِ اسلام پر ہی موقوف نہیں تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کو بدل دینے والی پہلی اور بڑی چیز ہر زمانے میں یہی تاویلیں رہیں۔ جہاں ان کا دروازہ کھلا کہ وہیں دین میں فساد اور بگاڑ گھسا۔ آپ ایک موٹی سی بات دیکھ لیجیے کونسی آسمانی کتاب ہے جس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نہ تھی لیکن ان لوگوں نے اس کی تاویلیں کر کے اسے اپنی

جگہ نہ رہنے دیا۔ تحریف، تبدیل، کتمان یہی بدعادتیں قرآن نے اگلوں کی نقل کی ہیں۔ تحریف کہتے ہیں معانی کو مراد سے ہٹا دینا۔ تبدیل کہتے ہیں کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا۔ کتمان کہتے ہیں انکار کرنے اور چھپا لینے کو۔ یہی تینوں بیماریاں ہیں جنہوں نے دین و ملت کو خراب کر دیا۔ دینِ مسیحی کو بھی اسی بد بات نے بدلا۔ وہ تاویلیں کیں کہ سارا دین مسخ کر دیا۔ جملہ احکام کی صورت بدل کر خراب کر دی۔ اس طرح کسی اور ملت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تمام اُمتوں کے زندیقوں اور بے دینوں نے یہی راہ اختیار کی۔ اسی نیو پر بنیاد رکھی اور اسی نقطے پر خط کھینچا۔ ان تاویلوں کی بہت قسمیں ہیں ہر ایک میں جتنی سمجھ کی کمی تھی اور جو وجہ تھی اسی کے مطابق اس جیسی ان کی تاویلیں ہوئیں۔ جتنا مقصد بُرا تھا، جتنا فہم کم تھا اتنی ہی تاویل بد اور اتنی ہی تاویل بھاری ہوئی۔ بعض تو وہ ہیں جو حق کو جان بوجھ کر تاویل کرتے ہیں۔ بعض کسی شبے کی وجہ سے تاویل کرنے لگتے ہیں۔ بعض کسی قسم کی ہدایت کے لیے تاویل کرتے ہیں۔ انھیں بھی کوئی شبہ نہیں ہوتا بلکہ ان پر بھی حق کھلا ہوا ہوتا ہے۔ بعض کا مقصود بھی بُرا ہوتا ہے اور علمی شبہ بھی ہوتا ہے۔ پس اگلی اُمتوں میں پھوٹ ڈالنے والی، اس اُمت کو تہتر فرقوں میں بانٹ دینے والی چیز یہی تاویل ہے۔

تاویل باطل کے نتائج

جمل، صفین، حرہ، فتنۂ ابن زبیر وغیرہ بھی انہی تاویلوں کی بدولت ہوئے۔ فلسفی، قرامطہ، باطنیہ، اسماعیلیہ، نصریہ وغیرہ باطل فرقے اسی تاویل نے پیدا کیے، جس مصیبت میں جب کبھی مسلمان گرفتار ہوئے اگر تم غور سے دیکھو گے تو اس کی خاص وجہ اسی تاویل کو پاؤ گے۔ یا تو وہ خود ان تاویلوں سے ہی شروع ہوئی ہوگی یا ان کی وجہ سے اور ان کی تاویلوں کی وجہ سے ترکِ قرآن و حدیث کے باعث کفار کے تسلط سے وہ مصیبت نازل ہوئی ہوگی۔ بنو جذیمہ کے خون بہانے والی چیز سوا اس بدقسمت تاویل کے اور کیا تھی؟ اسلام تو یہ قبول کر چکے تھے آخر ش اللہ کے رسول، رسولوں کے سرتاج کو اپنے ہاتھ اونچے کرنے پڑے اور تاویل کرنے والوں کے اس فعل سے اللہ کی جانب جرأت کرنی پڑی کہ ان کا قتل اور ان کے مالوں کا لے لینا بے جا طور پر ہوا۔ حدیبیہ والے دن صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت سے تھوڑی دیر تک کس نے روکا تھا؟ کیا وہاں کوئی اور چیز سوائے اس تاویل کے تھی؟ یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بگڑ بیٹھے، تب صحابہ رضی اللہ عنہم سنبھلے اور اپنی اس تاویل سے دستبردار ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر اسی تاویل ہی نے تو آمادہ کیا تھا؟ جس کی وجہ سے ان میں فساد پڑا اور جس کا وبال آج تک ان پر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کی شہادت کا سبب بھی بجز اس خبیث تاویل کے اور کچھ نہ تھا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا خون بھی اسی تاویل نے کرایا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حضرت حجر بن عدی کے، حضرت سعید بن جبیر کے اور دوسرے بڑے بڑے سادات علماء کا خون چوسنے والی چیز بھی یہی تاویل تھی۔ ابو مسلم کے فتنے کو بھی اسی چیز نے کھڑا کیا تھا جس سے عرب کا خون پانی کی طرح بہہ گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ننگا کرنے والی اور انہیں سزا دینے والوں کے مجمع میں کھڑا کرنے والی اور انھیں اس بے دردی سے کوڑے پٹوانے والی کہ مخلوق کی آہ و بکا آسمان تک پہنچی سوائے اس نامراد تاویل کے اور کیا چیز تھی؟ امام احمد بن نصر خزائی کو قتل کرانے والی اور بہت سے بزرگ علماء کو عمر قید کرانے والی چیز کیا اس تاویل کے سوا اور بھی تھی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسی تاویل نے تاتاریوں کو اسلام کے خزانے سونپ دیئے اور مسلمانوں کے شہر مسمار کرا دیئے۔ دارِ اسلام کو یکسر دارِ کفر کر دیا۔ اہل حلول اور اہل اتحاد کا وجود اسی

ناپاک تاویل کا ممنون منت ہے۔ تاویل کا دروازہ تو اسی مقصد سے کھولا گیا ہے کہ حکم الٰہی اور تعلیم ربّانی کا معارضہ اور مقابلہ اس سے کیا جائے۔ یاد رہے کہ تاویلوں کا منہ سے نکالنا ہی برا ہے انھیں تو جہاں وہ ہوں بے گور و کفن دفن کر دینا ہی مناسب ہے۔ سنیئے تاویل کرنے والا ہی حق کو دور پھینکتا ہے اور نہ ماننے والا بھی اسے دھکے دیتا ہے اس لحاظ سے تو دونوں ایک ہیں۔ ہاں! ایک نے مکر اور دھوکے سے حق کو دھکے دیئے دوسرے نے کھلے طور پر اسے دُور کر دیا۔ ابو الولید بن رشد فرماتے ہیں کہ یہ جو قرآنِ کریم میں ہے کہ جن کے دِلوں میں کجی ہے وہ تو متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں اس سے مراد جدل و کلام والے ہیں۔ شریعت پر سب سے زیادہ آفت انہی کی ڈھائی ہوئی ہے۔ یہ ظاہر کو پلٹ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقصود یہی ہے۔ اللہ نے حکم بصورتِ متشابہ دیا ہے تاکہ بندوں کو جانچے اور آزمائے۔ نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ ان باطل پرستوں کے یہ گمان ہیں۔ ہمارا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ کتاب اللہ شریف وضاحت اور بیان کے لحاظ سے صاف معجزہ ہی ہے' اس نے بہت ہی بڑی حرکت کی جس نے غیر متشابہ کو متشابہ کہہ کر پھر اس کی تاویل کر کے مقصود کو بالکل تہ نشین کر دیا اور لوگوں میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ اصل چیز یہ ہے جو تاویل سے حاصل ہوئی ہے۔ مثلاً : ﴿ استواء علی العرش ﴾ وغیرہ کی آیتوں کے بارے میں ان کا یہ قول کہ اس کا ظاہر متشابہ ہے پھر اس کی تاویل اپنے زعم و گمان سے کی' لیکن اگر تم ایمان داری سے غور کرو تو جو مقصود یہ بتلاتے ہیں تم اسے اصلی اور صحیح مقصود سے کوسوں دور پاؤ گے۔

باطل تاویلوں کی مثال

آؤ میں تمہیں اس کی مثال سناؤں : ایک طبیب نے ایک مرکب دوا تیار کی کہ لوگوں کی صحت قائم رہ سکے۔ ایک صاحب جو تشریف لائے تو انھیں اس دوا نے کچھ زیادہ فائدہ نہ دیا۔ آپ نے جھٹ سے اس مرکب کی مفرد دواؤں کی دیکھ بھال شروع کی اور اپنی ٹانگ اڑا کر فرمایا کہ یہ جو دوا طبیب کے اس نسخے میں ڈالی گئی ہے یہ طبیب کی مراد کے خلاف ہے گو نام اس نے اسی دوا کا لکھا ہے لیکن مراد اس سے فلاں دوا ہے۔ بطورِ مجاز کے اس نے یہ کہہ دیا چنانچہ اس نے اُس کے بدلے اس دوا کو ڈال کر نسخے کا ستیا ناس کر دیا۔ اب یہ لوگوں کو نا موافق پڑنے لگا اور بیماروں کی تعداد بڑھ گئی۔ دوسرے صاحب تشریف لائے' انھوں نے اپنے عقلی گھوڑے دوڑا کر ایک اور ہی دوا کو بدلا' اب جو آتا گیا اس کے اجزاء بدلتا گیا یہاں تک کہ وہ مرکب دوا اپنے اصلی اجزا سے محروم ہو کر بیماریوں کا گھر بن گئی' منفعت تو ایک طرف مضرت بڑھ گئی اور لوگ طرح طرح کی نئی نئی بیماریوں میں پھنس گئے' بعینہٖ یہی حالت ان نت نئے فرقوں کی اصلی احکامِ دین کے ساتھ رہی کہ جو آیا اس نے ایک نئی تاویل گھڑی یہاں تک کہ شریعت الٰہی پارہ پارہ ہو گئی اور اپنے صحیح موضوع سے ہٹ گئی۔ چونکہ ہمارے نبی ﷺ کو پہلے سے ہی یہ معلوم تھا کہ آپؐ کی امت میں افتراق کی یہ بیماری پھیلنے والی ہے اور ان میں پھوٹ پڑنے والی ہے اس لیے آپؐ نے اصلی دین پر قائم رہنے کی بڑے زور دار الفاظ میں ہدایت کی۔ فرماتے ہیں میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے بجز ایک کے سب جہنمی ہیں۔ اس ایک سے مراد وہ جماعت ہے جو ظاہری شریعت پر قائم رہے گی' ہر قسم کی تاویل پر جھاڑو مارے گی۔ تم اگر پوری طور غور و فکر کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ مثال بالکل اصل کے مطابق ہے۔ سب سے پہلے اس دور کی ہیئت بدلنے والے خارجی ہیں' پھر معتزلی ہیں' پھر اشعریہ ہیں' پھر صوفی ہیں' پھر ابو حامد نے تو آ کر آوے کا آوا بگاڑ دیا۔ اگر اس تاویل کے نقصانات کی ہم تفصیل کرنے بیٹھیں تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ اللہ کے حوالے کر کے ہم اس بحث

کو ختم کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بغیر دلجمعی کے فتویٰ قبول نہ کرنا چاہیے

چھپنواں فائدہ : جب تک دِل مطمئن نہ ہو' جب تک سینے میں کھرچ اور کھٹک ہو' جب تک تردد باقی ہو ہرگز فتویٰ نہ قبول کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تو اپنے دل سے پوچھ لیا کر گو فتوے دینے والے فتوے دیتے رہیں۔

فتوے اور فیصلے سے اصلی حکم نہیں بدلتا

پس ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ جب وہ یہ جان لے کہ فتویٰ اور ہے' واقعہ اور ہے تو صرف فتوے کی وجہ سے جرأت کر کے کسی حرام کو حلال نہ کر لے۔ فتویٰ اس صورت میں کوئی نفع نہ دے گا جیسے کہ قاضی کا خلافِ واقعہ فیصلہ بے سود ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں اس سے بَری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ خود جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس کے لیے میں اس کے بھائی کے کسی حق کا فیصلہ کر دوں' تو اُسے ہرگز اسے نہ لینا چاہیے میں تو اس صورت میں گویا اس کے لیے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا الگ کر کے دے رہا ہوں۔ اس میں مفتی اور قاضی دونوں برابر ہیں۔ مستفتی کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بمجرد مفتی کے فتوے کے اس کے لیے وہ مباح ہو گیا جو اس نے پوچھا تھا جب کہ جانتا ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے' برابر ہے کہ اس کے دل میں تردد ہو اس لیے کہ وہ باطنی حال جانتا ہے یا اس میں اسے کوئی شک ہو یا جہالت ہو یا مفتی کی جہالت کا اُسے کوئی عِلم ہو یا اس کے فتوے میں اسے اپنی محبت کی رعایت کا یقین ہو یا مفتی کو کتاب و سُنّت کی کوئی قید نہ ہو یا وہ حیلوں اور خلافِ سُنّت رخصتوں کا پورا حامی ہو یا اور اسی جیسے اسباب موجود ہوں جو مفتی کی ثقاہت کے خلاف ہوں اور ایک مسلمان کی دلجمعی اس کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے نہ ہو سکتی ہو۔ پس اگر بے اطمینانی' غیر دلجمعی مفتی کی وجہ سے ہو تو دوبارہ' سہ بارہ اُسے فتویٰ پوچھ کر اپنا اطمینان کر لینا چاہیے۔ اگر نہ پائے تو خیر اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ انسان پر ضروری یہی ہے کہ اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرتا رہے۔ اگر اس جگہ دو مفتی ہوں ایک کا عِلم دوسرے کے عِلم سے زیادہ ہو تو کیا وہ باوجود بڑے عالم کے اُس سے چھوٹے عالم سے مسئلہ پوچھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اصحابِ شافعی و احمد کی دو رائے ہیں' جائز کہنے والے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اکیلا ہوتا تو اس کا فتویٰ قبول کیا جاتا پس اُس سے افضل شخص کا وجود اس کے قول کی قبولیت سے مانع نہیں۔ جیسے شاہد اور جو اس سے سوال کرے مسئلہ پوچھنے کو منع کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ مقصود یہ تھا کہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے کہ یہ فتویٰ درست ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس سے مسئلہ پوچھا جائے جو عِلم میں زیادہ قوی ہو لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر کم عِلم والا دیانت داری میں' پرہیزگاری میں' حق کی تلاش میں بڑھا ہوا ہے اور اس فاضل میں یہ بات نہیں تو پھر اس کم درجے والے سے مسئلہ پوچھنا بلا شک و شبہ جائز ہے۔ ہاں! اگر دونوں ان باتوں میں بھی برابر ہوں تو عِلم میں بڑھے ہوئے شخص سے ہی مسئلہ پوچھنا اولیٰ ہے۔

مفتی اور مستفتی کے درمیان ترجمان

ستاونواں فائدہ : جب کہ مفتی سائل کی زبان نہ جانتا ہو یا سائل مفتی صاحب کی زبان سے ناواقف ہو تو درمیان میں کسی ایک مترجم کو رکھ لیں۔ اس کی خبر دونوں طرف ایسی ہی معتبر مانی جائے گی جیسے دیانات کی خبروں میں، جرح و تعدیل میں، تحریر میں، دعوے میں، حاکم کے سامنے اقرار میں، انکار میں، تصرف میں، سب میں باعتبار ایک روایت کے یہی قاعدہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ابوبکر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ خبر اور روایت کے قائم مقام کر کے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان موقعوں پر دو سے کم جائز نہیں کیونکہ یہ قائم مقام گواہ کے ہیں اور اسی راہ چل رہے ہیں کیونکہ حاکم کے سامنے کا اقرار ثبوت ہے۔ اسی طرح گواہوں پر جرح و تعدیل بھی پس تعداد کی ضرورت ہے جیسے کہ اقرار پر ایک گواہ کافی نہیں اسی طرح یہاں بھی ایک کافی نہیں فتوے اور سوال کی دوسری صورت ہے وہ محض خبر ہی ہے دونوں میں فرق ظاہر ہے۔

سوال کی صفائی اور تعیین کے بغیر فتویٰ نہ دے

اٹھاونواں فائدہ : جب کہ سوال کئی صورتوں کا احتمال رکھتا ہو تو جب تک پوچھنے والے کا مطلب صاف ظاہر نہ ہو جائے جواب نہ دینا چاہیے کوئی صورت جب مقرر ہو جائے تب جواب دے، تاہم اسے مقید کر دے تاکہ اسی صورت کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔ مثلاً یوں کہہ دے کہ اگر امر یوں اور یوں ہے تو یہ فتویٰ ہے۔ سائل کا مطلب اگر یہ ہے تو جواب یہ ہے غرض ہر صورت کا جواب اس صورت کے بیان کے ساتھ ہونا چاہیے بعض اس سے منع کرتے ہیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ یہ ذریعہ ہے حیلے سکھانے کا اور دروازہ ہے مستفتی کی رخصتوں کا کہ جس دروازے سے چاہے آئے جس سے چاہے جائے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے عامی آدمی کا دماغ پریشان ہو جائے گا، مقصود فوت ہو جائے گا لیکن حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے جہاں تفصیل سود مند ہو وہاں مستحب ہے جتنی زیادہ وضاحت ہو، جتنا بیان پورا ہو، جوں جوں صفائی ہو اور کسی قسم کے التباس کا خوف باقی نہ رہتا ہو توں توں تفصیل اچھی چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر جوابوں میں تفصیل فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جو شخص اپنی بیوی کی لونڈی سے واقع ہوا تھا اس کی نسبت آپ نے فرمایا کہ اگر اس پر اس نے زبردستی کی ہے تو وہ آزاد کر دی جائے گی اور اس کی مالکہ کو اس جیسی لونڈی خرید کر اسے دینی پڑے گی اور اگر زبردستی نہیں کی تو یہ لونڈی اس شخص کو دے دی جائے گی اور یہ اور لونڈی اس کے مثل خرید کر اس کی مالکہ کو دے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فتاوے مفصل موجود ہیں۔

سوال کی تحریر میں خالی جگہ چھوٹی ہوئی ہو تو جواب تحریر نہ کرنا چاہیے

انسٹھواں فائدہ : اگر مفتی کسی سوال میں دیکھے کہ وہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ بعد میں اس میں کوئی زیادتی ہو سکتی ہے تو اسے جواب سے پرہیز کرنا چاہیے ممکن ہے بعد میں اس میں کوئی ایسی عبارت بڑھا لی جائے جو جواب کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں یا تو سائل سے کہہ دے کہ اور کاغذ پر لکھ کر لاؤ یا چھوٹی ہوئی جگہ پر لکیریں کھینچ دے کہ پھر اس میں اضافہ نہ ہو سکے یا اور کسی طرح اس جگہ کو پُر کر دے اسی طرح وثیقہ نویسی وغیرہ میں بھی یہی احتیاط کرے۔

ہوشیار' چوکنا اور بیدار مغز رہے۔ ہر ایک کے ساتھ حسن ظن ہی نہ رکھے اس لیے بعض مفتیوں نے یہ قاعدہ رکھا تھا کہ سوال کی نقل اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔ بعض سوال کی نقل دوسرے کاغذ پر خود اتار کر پھر جواب لکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی خاص بات گو واجب تو نہیں لیکن قرائن' احوال اور معرفتِ عادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مفتی کو جید علماء سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے

ساٹھواں فائدہ : اگر مفتی کے پاس ایسے علماء بھی ہوں جو ثقہ ہوں' جن کے علم و دین پر اعتماد ہو تو ان سے اُسے مشورہ کر لینا چاہیے۔ اپنے نفس کو اونچا رکھ کے مشورے کو اپنے لیے حقیر چیز نہ سمجھے۔ اہل علم سے فائدہ اٹھاتا رہے ورنہ جہالت کی ایک شاخ اس میں باقی رہ جائے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مؤمنوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ ان کا کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ (شوریٰ : ۳۸) اپنے نبی کو حکم فرمایا کہ ان سے امر میں مشورہ لے لیا کرو۔ (آلِ عمران : ۵۹) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کر لیا کرتے تھے بسا اوقات کثیر تعداد میں انہیں جمع کر کے سب کے آگے مسئلہ پیش کر دیتے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی مشورہ میں شریک کرتے باوجودیکہ وہ سب سے ہی کم عمر تھے۔ حضرت علی' حضرت عثمان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سب آپ کے مشیر تھے۔ اس سے ایک فائدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی مشغولی' علمی بحث اور علمی جوت بھی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ عالم کا کسی مسئلے کو اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اولیٰ مسئلہ وہی ہے جو پیش آگیا ہو ہاں اگر اس میں کوئی قباحت ہو تو اور بات ہے مثلاً سائل کے راز کا کھل جانا یا اس کی ایذاء دہی کے لیے کوئی تعریض کرنی یا بعض حاضرین کا کوئی بگاڑ۔ ایسی صورت میں اُسے پھیلانا اور دس بیس میں ڈالنا نا مناسب ہی نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ یہی حکم خواب کی تعبیر دینے والے کا ہے۔ مفتی' تعبیر خواب دینے والے' طبیب' پنچ وغیرہ ایسے ہیں کہ لوگ ان کے سامنے اپنی راز کی باتیں ظاہر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں' جن رازوں کو وہ اوروں سے مخفی رکھا کرتے تھے پس ان پر یہ بات بھی ضروری ہے کہ اپنے اندر گہرائی اور امانت داری اور راز داری پیدا کریں ظاہر کرنے کے قابل جو باتیں نہ ہوں انہیں اپنے ہی تک رکھیں۔

مفتی کی دُعا

اکسٹھواں فائدہ : فتویٰ دینے والے کو اکثر یہ دعا پڑھنی چاہیے : ((اللهم رب جبرئيل و ميكائيل فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون○ اهدني لما اختلف فيه من الحق باذنك انك تهدي من تشآءُ الى صراطٍ مستقيمٍ)) ہمارے استاد اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے اور جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو یہ دُعا بھی پڑھتے : ((يا معلم ابراهيم علمني)) اس دُعا سے بھی آپ بکثرت استعانت کرتے۔ دراصل یہ دُعا حضرت معاذ بن جبل صحابی رضی اللہ عنہ کو سکھائی ہوئی ہے۔ مالک بن یخامر سکسکی آپ کے انتقال کے وقت رونے لگے تو آپ نے وجہ دریافت کی' انہوں نے کہا میں اس لیے نہیں رو رہا کہ آپ سے مجھے کوئی دُنیوی فائدہ پہنچتا تھا جو اب بند ہو جائے گا بلکہ میرا رونا اس بات پر ہے کہ علم و ایمان کی جو باتیں میں آپ سے سیکھتا تھا افسوس کہ اب وہ علم حاصل نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا سنو! علم و ایمان اپنی جگہ پر ... ہے' ان کی تلاش کرنے والا ان کو پا ہی لیتا ہے۔ علم چار شخصوں

سے حاصل کر سکتے ہو عویمر' ابو الدرداء' عبداللہ بن مسعود' ابو موسیٰ اشعری چوتھے کا بھی ذکر کیا اگر ان چاروں سے کوئی مسئلہ چھوٹ جائے تو سمجھ لو کہ اور لوگ ان سے بھی زیادہ عاجز ہیں۔ اُس وقت تم ایک اللہ کی طرف جھکو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھانے والا ہے۔ بعض سلف فتویٰ دیتے وقت یہ کہتے : ﴿ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ (البقرۃ : ۳۲) مکحول رحمہ اللہ ﴿ لَا حول ولا قوۃ الا باللّٰہِ ﴾ پڑھ کر پھر فتویٰ دیتے۔ بعض حضرات اس دُعا کو پڑھا کرتے : ﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَ یَسِّرْلِیْۤ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴾ (طٰہٰ : ۲۷) بعض کی یہ دُعا تھی : ((اللھم وفقنی واھدنی و سددنی واجمع لی بین الصواب والثواب واعذنی من الخطاءِ والحرمانِ)) بعض سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ ہم نے بھی اس کی آزمائش کی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ درست بات تک پہنچنے کے لیے یہ ایک نہایت ہی قوی سبب ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان کی نیک نیتی' اُس کا خلوص' قصد' سچی توبہ اور اللہ کی طرف کی لپک یہ ذریعہ ہیں درست بات تک پہنچنے کا' رب سے مدد طلب کرنا بڑی چیز ہے' رسولوں اور نبیوں کا معلم وہی ہے۔ جو اس کی طرف سچی توجہ کرے اور اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرے' نیت درست رکھے' بے علمی کے اور غلط قول سے بچنے کی خواہش رکھے' اس کے دین کی تبلیغ کا ارادہ رکھے' اس کے بندوں کی خیر خواہی کرتا رہے' بھلائی کی رغبت رکھے' اللہ تعالیٰ نہ اسے خالی ہاتھ رکھتا ہے نہ صحیح راہ سے دور ڈالتا ہے' نہ اجر و ثواب سے محروم رکھتا ہے' اگرچہ وہ کہیں غلطی بھی کر جائے تو اس کا ایک اجر تو کہیں بھی نہیں گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد مانگنے کے قابل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ بسا اوقات آپ سے سوال کرنا ہم پر بہت گراں گزرتا ہے تو ہم اور کس سے پوچھیں؟ آپ نے فرمایا عبدالوہاب وراق سے وہ توفیق یافتہ شخص ہیں۔ حضرت الامام کا حضرت ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا متبع ہونا کیا ہی خوب ہے جو آپ کا فرمان ہے کہ اطاعت گزاروں کے منہ کے قریب رہو' اُن کی باتیں سنتے رہو' ان پر سچے امور اور صحیح راستے کھلے ہوئے ہوتے ہیں کیوں کہ اُن کے دِل خدا رسیدہ ہوتے ہیں' جس قدر دلی قرب اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اُسی قدر برائیوں سے دِل دور ہوتا ہے اور حق کے کھلنے کے' نورِ حق کے ظاہر ہونے کے لیے اتنا ہی قوی اور پورا ہوتا ہے' اللہ سے جس قدر کسی دِل کو دُوری ہوتی ہے۔ اتنے ہی معارضے اس پر وارد ہوتے ہیں۔ اتنا ہی اس کا نورِ کشف کم ہوتا ہے۔ عِلم ایک نورانیت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے جس سے بندہ درست نا درست میں فرق و تمیز کر لیتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے دِل میں نور پیدا کر دیا ہے۔ دیکھو خبردار! اُسے معصیت کی اندھیریوں سے بجھا نہ دینا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان بنا دے گا۔ فرقان میں نور بھی داخل ہے جس سے بندہ حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے' جس قدر اللہ سے دِل قریب ہوتا ہے اسی قدر فرقان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عنایت فرمائے۔ آمین۔

سائل کی غرض کے خلاف اگر فتویٰ ہو تو اس سے رُکنا نہ چاہیے

باسٹھواں فائدہ : اکثر مفتیوں میں یہ عادت دیکھی گئی ہے کہ جب وہ جان لیتے ہیں کہ مستفتی کی غرض کے خلاف فتویٰ ہے تو فتویٰ دینے سے باز آ جاتے ہیں' رُک جاتے ہیں' خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں کے اکثر تو پوچھ لیتے ہیں کہ تمہاری غرض کیا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ چاہتا ہے کسی طرح یہ چیز اس کے لیے جائز ہو جائے اور ہے

حقیقتاً ناجائز تو اب جو حق ہے اسے اس کی غرض کے خلاف پا کر منہ سے نہیں نکالتے بلکہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ اسے بتلا دیا کہ آپ فلاں مفتی کے پاس جائیں وہاں آپ کی غرض حاصل ہو گی یا فلاں مذہب میں آپ ک غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ دراصل یہ سب حیلے بازیاں ناجائز ہیں۔ اس میں تفصیل کر دینی چاہیے۔ اگر سوال مسائل علمیہ سے ' سنت سے ہے پس جن عملیات کے بارے میں فرمانِ رسول ﷺ ہو مفتی کو ہرگز لائق نہیں کہ سائل کی غرض کے مطابق نہ ہونے سے اُسے چھوڑ دے بلکہ اسے فتویٰ دینے میں اظہارِ حق میں توقف بھی نہ کرنا چاہیے ایسا کرنا جرمِ عظیم ہے۔ اللہ کی طرف سے ہرگز یہ رخصت نہیں کہ وہ سائل کی غرض کو اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان پر مقدم کر دے۔ اگر وہ سوال کسی اجتہادی مسئلہ کی نسبت ہوا اور وہ مسئلہ بھی ایسا ہو کہ اس میں کسی قول کی ترجیح ثابت نہ ہو سکتی ہو تو بھی اسے سائل کی غرض کو مد نظر رکھ کر ترجیح دے کر بیان کر دینا جائز نہیں۔ ہاں! اگر اسے ترجیح معلوم ہو اور اس کے نزدیک اس کا حق پر ہونا ظاہر ہو چکا ہو تو اور بات ہے۔ سائل کے سوال کی غرض اُس حکم کی تلاش ہوتی ہے جو اس پر لازم ہو اور اللہ کے ہاں اس پر پھر جواب وہی نہ ہو تو مفتی کو چاہیے کہ ایسا ہی جواب دے خواہ وہ سائل کی طبیعت کے مطابق ہو خواہ مخالف ہو۔ اسی طرح مفتی جب دیکھ لے کہ سائل کئی مفتیوں کے پاس جا رہا ہے' چاہتا ہے کہ کسی طرح کسی سے بھی اپنے مطلب کے موافق فتویٰ حاصل کر لے تو اسے نہ چاہیے کہ اس کے سوال کو اس صورت میں بنا دے کہ کوئی مفتی ایسا فتویٰ دے دے جو وہ چاہتا ہے' نہ اُسے یہ لائق ہے کہ اسے بتلائے کہ فلاں کے پاس جاؤ اس کا مذہب یہی ہے۔ ایسے لوگ کچھ دیانت داری کے ساتھ مسئلے کی تلاش میں نہیں نکلتے بلکہ وہ شریعت کی آڑ میں اپنے منشاء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں جس طرح اور جس طریقے سے ان کی مطلب براری ہو اُس سے وہ خوش رہتے ہیں۔ جہاں غرض پائیں' جس مذہب میں اپنا مطلب نکلتا دیکھیں اسی میں سر چھپا لیتے ہیں۔ پس مفتی کو ان کی مدد ہرگز نہ کرنی چاہیے' ان کا ارادہ حق کی پیروی کا نہیں بلکہ مطلب برآری کا ہے' ان کی مثال انہی جھگڑالو لوگوں کی ہے جو حاکموں کے پاس جا کر ناجائز طریق سے اپنی بات ثابت کرنا اور حاکم کو دھوکا دے کر ڈگری حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصود کسی خاص حاکم سے نہیں ہوتا بلکہ جہاں مطلب برآری دیکھتے ہیں وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ ہمارے استاد مرحوم اللہ انہیں بخشے فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو فتویٰ دینے نہ دینے میں مجھے تو اختیار ہے اس لیے کہ ان کی غرض دینی علم حاصل کرنے کی نہیں ہوتی بلکہ اصلی غرض ان کی اپنا مطلب پورا کرنے کی ہوتی ہے۔ اگر یہ دیکھتے کہ اور جگہ ان کا مطلب نکل سکتا ہے تو وہ ہرگز ہمارے پاس نہ آتے۔ ان کے بارے میں نبی ﷺ کو اللہ کی طرف سے اختیار دیا گیا کہ : ﴿ فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ الخ' (مائدہ : ۴۲) یہ لوگ اگر تیرے پاس آئیں تو تو اگر چاہے ان میں فیصلہ کر اور اگر چاہے ان سے منہ موڑ لے اگر تو اُن سے چشم پوشی بھی کر لے تو تجھ پر کوئی ضرر نہیں۔ الغرض چونکہ ان کی نیت نیک نہیں اس لیے انہیں فتویٰ بتلانا بھی ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتوے کی عمدگی اور روحانیت دلیل کے بیان کر دینے میں ہے

تریسٹھواں فائدہ : بعض لوگوں نے فتوے کے ساتھ دلیل اور استدلال کے بیان کر دینے کو معیوب سمجھا ہے حالانکہ دراصل ان کا یہ قول معیوب ہے' فتوے کی تو خوبصورتی' جمال اور جسم فتویٰ کی روحِ دلیل کا بیان کرنا ہی ہے۔ تعجب ہے بھلا اللہ کے کلام کا' حدیث کا' اجماع کا' اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا' قیاسِ صحیح کا ذکر عیب کیسے ہو گا؟ بلکہ یہ تو

فتوے کی اصل ہے۔ صرف مفتی کا قول تو حجت شرعی نہیں۔ ذکر دلیل کے بعد مستفتی پر اس کی مخالفت حرام ہو جاتی ہے۔ یہ بے علمی کے ساتھ فتویٰ دینے کے جرم سے نکل جاتا ہے۔ آپ خیال فرمایئے اللہ کے رسول ﷺ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپؐ اس اس کے بیان کے ساتھ ہی مثال بیان فرما دیتے' اُسے اس کی نظیر سے مشابہت دیتے حالانکہ آپؐ کا صرف فرمان حجت اور دلیل شرعی ہے پھر وہ شخص جس کا قول ادنیٰ سی حجت بھی نہیں' جسے ماننا کسی پر واجب نہیں' وہ فتویٰ دے اور بے دلیل دے تو کہاں سے اور کیسے قبول ہو جائے گا؟ اصحابِ رسول ﷺ بھی اپنے فتووں کو دلیل سے مزین کر کے پھر بیان فرماتے۔ صاف کہتے کہ فرمانِ الٰہی یوں ہے' حدیثِ رسول ﷺ یوں ہے۔ آپؐ کا فعل اس طرح ہے۔ یہی حالت ان کے تابعین کی رہی' یہی وصف ائمہ کرام میں رہا۔ حکم بیان فرما کر ساتھ ہی استدلال بھی ظاہر کر دیتے۔ علم خود اس بات کا انکاری ہے کہ بے دلیل فتویٰ جما دیا جائے۔ بے دلیل قول سائل کے لیے محض بے سود چیز ہے۔ پھر جوں جوں زمانہ دور ہوتا چلا گیا ہمتیں پست ہوتی گئیں' علم کم ہوتا گیا پھر تو جواب صرف ہاں یا نہ رہ گیا۔ جواب ہے لیکن کوئی دلیل' کوئی مآخذ نہیں۔ آہ! پھر وہ زمانہ بھی آ گیا کہ دلیل کے ساتھ فتویٰ دینے والوں کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ اب اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے بعد اس سے بد ترین طریقہ کیا نکلے؟ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

فوت شدہ مفتی کے فتوے پر عمل

چونسٹھواں فائدہ : جب سائل کے نزدیک کسی فوت شدہ بزرگ کی عدالت ثابت ہو تو اس کے فتوے پر بغیر زندہ مفتی سے دریافت کیے عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اصحابِ احمد و شافعی کے نزدیک دو وجوہات ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہاں وہ کر سکتا ہے اس لیے کہ مفتی کی موت سے اس کا فتویٰ نہیں مرا اگر یہ مان لیا جائے تو پھر فوت شدہ بزرگوں کے سارے فتوے بیکار ثابت ہو جائیں گے' نہ انہیں کوئی مان سکتا ہے' نہ ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ اُن کے اقوال بھی گویا اُن کی موت سے مر گئے پھر تو نہ کوئی اجماع ثابت ہو گا نہ کسی نزاع کا فیصلہ معلوم ہو گا۔ خیال فرمایئے کہ شاہدوں نے شہادت دے دی' حاکم نے فیصلہ نہیں سنایا اور یہ مر گئے تو ظاہر ہے کہ ان کی شہادت نہیں مری وہ فیصلے میں کام آ سکتی ہے۔ اسی طرح راوی کی روایت اس کی موت سے مرتی نہیں۔ اسی طرح مفتی کا فتویٰ اس کی موت سے مرتا نہیں۔ اس کے فتوے کو بھی مثال مردے کے سمجھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اس کی اہلیت اس کی موت سے زائل ہو گئی اگر وہ زندہ رہتا تو اس پر نئے سرے سے اجتہاد کرنا ضروری ہوتا اس لیے کہ اس کا اجتہاد متغیر ہو چکا ہے۔ ابو الخطاب نے مفتی کی دونوں وجوہات ذکر کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مستفتی کے عمل سے پہلے وہ مر گیا ہے تو اس فتوے پر وہ عمل کر سکتا ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

کیا ایک واقعہ کے متعلق ایک دفعہ کا سوال ہمیشہ کیلئے کافی ہے؟

پینسٹھواں فائدہ : کسی کو کسی مسئلے کی ضرورت پڑی' اس نے کسی مفتی سے پوچھا' اس نے جواب دیا' اس نے اس کے قول پر عمل کر لیا' دوبارہ بھی یہی مسئلہ درپیش آیا تو کیا وہ اُسی پہلے فتوے پر عمل کر لے؟ یا دوبارہ نیا سوال اس پر لازم ہے؟ اس میں اصحابِ احمد و شافعی کی دو وجوہات ہیں جو دوبارہ کے سوال کو ضروری قرار نہیں دیتے وہ لکھتے ہیں کہ اصل اپنی جگہ باقی ہے وہ اسی اگلے فتوے پر عمل کر سکتا ہے جیسے یہ جائز ہے کہ آج فتویٰ لے اور عمل مدت

بعد کرے گو یہ ممکن ہے کہ مفتی کے اجتہاد میں اب کوئی خاص تغیر بھی واقع ہوا ہو۔ منع کرنے والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ممکن ہے اس وقت تک مجتہد کا اجتہاد بدل گیا ہو' اسے کوئی نئی دلیل معلوم ہوئی ہو اور وہ اپنے اس فتوے سے رجوع کر چکا ہو تو ظاہر ہے کہ اُس کے اگلے فتوے پر عمل کرنا سراسر خطا اور غلطی ہے۔ اسی لیے بعض لوگوں نے فوت شدہ بزرگوں کے فتوے پر عمل کرنے کو زندوں کے فتوے پر عمل کرنے سے افضل سمجھا ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تم میں سے جو طریقہ پکڑنے والا ہو وہ اُن کا طریقہ پکڑے جو فوت ہو چکے ہیں' زندہ لوگ فتنوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

کیا مسئلہ پوچھنے والے پر مفتی کے عِلم و دیانت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے

چھیاسٹھواں فائدہ : اس میں بھی دو مذہب ہیں' جیسے کہ بیان گزرا اور ساتھ ہی دلیل بھی۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ اس پر لازم ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے تحقیق کرکے بڑے سے بڑے عالم اور پورے دیانت دار شخص سے مسئلہ پوچھے۔ اللہ نے طاقت پر تقوے کا حکم دیا ہے اور اتنا اس کی طاقت میں ہے۔ ہم پہلے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جب دو مفتی کسی اپنے فتوے میں اختلاف کریں' ایک پرہیزگاری میں بڑھا ہوا ہو' دوسرا عِلم میں بڑھا ہوا ہو تو ان میں سے کس کا فتویٰ مانا جائے گا؟ اس میں تین مسلک ہیں تینوں کی توجیہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تقلید شخصی

اس میں بھی دو قول ہیں کہ عام آدمی کو ان (چاروں) مشہور مذہبوں میں سے کسی مذہب کا ماننا لازم ہے یا نہیں؟ ٹھیک بات اور بالکل مطابق شرع قول یہ ہے اور یہی درست ہے کہ ہرگز کسی ایک مذہب کا مقلد نہ بنے۔ واجب وہی ہے جو اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب کردیا ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے انسانوں میں سے ایک پر بھی واجب نہیں کیا کہ وہ ان امتیوں میں سے یا ان کے سوا اوروں میں سے کسی ایک کے مذہب پر عمل ضروری قرار دے لے۔ اوروں کو چھوڑ کر اس کا مقلد بن کر اپنی زندگی گزار دے۔ پہلے زمانے گزر گئے لیکن ان مذہبوں کی نسبت سے مسلم دینا خالی تھی۔ کوئی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی طرف اپنی نسبت کرتا۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی کہلواتا ہو بلکہ عامی اگر کسی خاص مذہب کی پابندی کا اقرار بھی کرے تو بھی وہ صحیح نہیں۔ عامی آدمیوں کا کوئی مذہب نہیں۔ مذہب تو وہ مقرر کر سکتا ہے جس میں کچھ نہ کچھ دلیل و استدلال کی قوت بھی ہو۔ مذاہب سے واقفیت بھی رکھتا ہو۔ اس مذہب کی کتابوں سے بھی واقف ہو۔ اپنے امام کے فتاوے بھی پہچانتا ہو' اس کے اقوال کا عِلم بھی رکھتا ہو۔ جسے اتنی اہلیت بھی نہ ہو اور وہ کہنے لگے کہ میں شافعی ہوں یا حنبلی ہوں یا مالکی ہوں یا حنفی ہوں تو وہ مجرد اپنے اس قول کے ایسا ہو نہیں جانے کا جیسے وہ کہہ دے کہ میں فقیہ ہوں یا نحوی ہوں یا کاتب ہوں تو مجرد اپنے اس قول کے وہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ سنیے ان اماموں اور ان کے مذہب کی طرف اپنی نسبت کرنا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب عِلم میں' معرفت میں' استدلال میں ان کی راہ یہ بھی چلتا ہو لیکن جبکہ یہ دلیل کو' استدلال کو جانتا بھی نہیں' اپنے امام کی سیرت اور اس کی عادت سے یہ کوسوں دُور ہے' اس کے راستے سے محض ناواقف ہے پھر اس کی طرف نسبت کرنا اس کے لیے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ صرف دعویٰ کرنے سے تو کام چل نہیں سکتا۔ قول ہو اور وہ محض بے دلیل تو وہ محض بے سود بھی ہے۔ عامی کے لیے کوئی خاص مذہب متصور ہو ہی نہیں سکتا اگر ہم اس کا تصور مان بھی لیں تو اس پر یا اوروں پر وہ لازم و ضروری نہیں ہو سکتا۔ الغرض یہ بات بالکل ثابت شدہ ہے کہ کسی مسلمان کو ہرگز کبھی یہ لازم نہیں کہ وہ

امت میں سے کسی ایک کو چھانٹ لے اور اس کے تمام اقوال کو مانتا چلا جائے اور اس کے سوا دوسروں کے اقوال کی طرف نظر بھی نہ ڈالے۔ تقلید شخصی وہ بدعت ہے جو تمام برائیوں کا مجموعہ ہے۔ ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے بھی ان کی ہدایت نہیں کی۔ ان کی جلالت' ان کا علم' ان کی بزرگی' ان کی خدا رسی' ان کی خدا ترسی اس سے بہت پاک تھی کہ وہ کسی کو کسی امتی کی ایسی تابعداری لازم کر دیں۔ اس سے بھی زیادہ بڑی بات ان کی ہے جو کہتے پھرتے ہیں کہ کسی نہ کسی ایک عالم کی مانئی ضروری ہے اور اس سے بھی زیادہ برا اور بہت بُرا قول ان کا ہے جو مروّجہ چار مذہب کی دعوت دیتے پھرتے ہیں اور لوگوں پر انہیں لازم کرتے پھرتے ہیں۔ سخت تر تعجب کی بات ہے کہ لاکھوں صحابیوں' تابعیوں' تبع تابعین' ائمہ دین کے مذاہب مار ڈالے جائیں اور صرف چار شخصوں کے مذاہب کو زندہ رکھا جائے۔ دوسرے ائمہ اور فقہاء اور محدثین کو یہ حق ہی نہ دیا جائے۔ کیا کوئی مقلد ہے جو یہ بتلا سکے کہ ان ائمہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی یہ قول کہا ہو یا اس کی دعوت دی ہو یا اپنی پوری زندگی میں اُس نے ایک مرتبہ ہی ایسا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالا ہو جس سے اس نامراد تقلید شخصی پر کوئی دلالت ہو سکتی ہو۔ سنو مسلمانو! جو چیز صحابہ پر' تابعین پر' تبع تابعین پر اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے واجب کی تھی وہی چیز اُس وقت سے اُن سے لے کر قیامت تک سب پر واجب ہے' نہ واجب مختلف ہوتا ہے نہ واجب بدلتا ہے گو اس کی کیفیت اور قدر باختلافِ قدرت و عجز اور باختلافِ زمان و مکان و حال بدل جائے۔ پس اس مسئلے کا بھی وجوب اگر مانا جائے تو اسی طرح کا ہونا چاہیے۔ عامی کے لیے کسی ایک مذہب کی تقلید کو واجب کرنے والوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے اس مذہب کو سچا باور کر لیا اور اس کا ماننا اپنے ذمے لازم کر لیا اور اپنی نسبت بھی اس کی طرف کر لی تو اس پر اس کا پورا کرنا واجب ہو گیا۔ ہمارا جواب یہ ہے پھر تو اس پر کسی اور مذہب والے سے کسی شرعی امر کا پوچھنا حرام ہو گیا۔ اپنے امام جیسے بلکہ اس سے بھی بڑھے چڑھے ہوئے امام کی پیروی بھی اس پر حرام ہو گئی اور اسی طرح کی اور بھی بہت سی چیزیں اس پر حرام ہو جائیں گی جو حرام نہیں پس جس وجہ سے وہ حلال اس پر حرام ہوا وہ وجہ ہی حرام ٹھہرے گی تو یہ تقلید شخصی حرام ثابت ہو گئی۔ دوستو! آپ نے کبھی سوچا بھی کہ اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں تو لازم آتا ہے کہ اللہ کی کتاب کی آیت' رسول اللہ ﷺ کی کی صحیح اور صریح حدیث' آپؐ کے چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے زریں ارشادات اور فیصلے اور فتوے بھی اس مقلد کو چھوڑنے ضروری قرار دیئے جائیں کیونکہ بقول ان کے وہ تو صرف اپنے امام کی ہر ہر بات ماننے کے پابند ہیں۔ پھر اُسے ان سب چیزوں سے اور دنیا کے اور اماموں سے سروکار ہی کیا رہا؟ یہ ہے اور اس کا امام۔ یہ تو اسی کے قول کو اللہ کے سب بندوں کے قول پر بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول پر بلکہ قولِ ربّانی پر بھی مقدم رکھے گا۔ پس حق یہ ہے کہ عامی آدمی جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھ سکتا ہے۔ وہ کسی امام کا متبع ہو یا کوئی اور ہو چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید نہ اس پر واجب ہے' نہ کسی اور پر۔ اس پر اجماعِ امت ہے۔ جیسے کہ کسی عالم پر یہ واجب نہیں کہ ان ہی حدیثوں کا پابند رہے جو اس کے شہر کے علماء سے مروی ہوں یا کسی اور خاص شہر کے لوگوں سے مروی ہوں۔ بلکہ امت پر واجب یہی ہے کہ جو حدیثِ صحیح مل جائے اس پر عمل کرے۔ خواہ وہ حجازی ہو' خواہ عراقی ہو' خواہ شامی ہو' خواہ مصری ہو' خواہ یمنی ہو۔ اسی طرح انسان پر بھی یہ واجب نہیں کہ سات مشہور قاریوں کی قرأت کی ہی پابندی کرے بلکہ جب بھی قرأت مصحف امام کی موافقت کرے' عربیت کے اعتبار سے صحیح ہو' صحیح سند سے مروی ہو بے شک وہ قرأت جائز ہے اور اس سے نماز صحیح ہو جائے گی بلکہ اگر کسی نے ایسی قرأت کی جو مصحف عثمان میں نہیں اور وہ قرأت نبی ﷺ سے یا آپؐ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے تو بے شک

وہ قرأت جائز ہے اور اس سے بھی بالاتفاق صحیح ہو جائے گی۔ اکثر اقوال یہی ہیں۔ گو بطلان کا ثانی قول بھی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں رِوایتیں ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کسی رکن میں وہ قرأت ہے تو اس کی فرضیت ادا نہ ہوگی اور اگر اس کے سوا ہے تو وہ باطل کرنے والی نہ ہوگی۔ حضرت ابو البرکات امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا مختار قول یہی ہے اس لیے کہ اول میں تو رکن کا لانا ثابت نہیں ہوا اور دوسرے میں مبطل کا لانا موجود نہیں۔ اتنی بات اور بھی یہاں کہہ دینی ضروری ہے کہ یہ بھی درست نہیں کہ دِل کی خواہش کے پیچھے لگ کر جو آرام دہ بات جس مذہب میں پائی لے لی اور اپنی غرض پوری کرلی۔ جس مسئلے میں جہاں فائدہ دیکھا وہاں ویسے ہی بن گئے۔ حنفی مذہب سے کام نہ چلا تو شافعی مذہب میں گھس گئے وغیرہ۔ یہ نہیں بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ حق کی اور دلیل کی پیروی کرے خواہ وہ اپنی غرض کے موافق ہو' خواہ مخالف حق کے ساتھ گھومتا رہے جدھر حق کا مُنہ ہوا' اُدھر اپنا مُنہ بھی کرلے۔ والسلام۔

مفتیوں کے اختلاف کے وقت مستفتی کو کیا کرنا چاہیے؟

سڑسٹھواں فائدہ : اگر دو مفتی یا زیادہ کسی فتوے میں اختلاف کریں تو مستفتی کو وہ قول لینا چاہیے جس میں سختی ہو یا وہ قول لینا چاہیے جو بہت نرم ہو یا اُسے اختیار ہے جو قول چاہے لے لے یا اس کا قول لے جو زیادہ عِلم والا ہو یا اس کا قول لے جو زیادہ پرہیز گاری والا ہو یا کسی اور مفتی کے پاس جائے اور دیکھے کہ اس کا قول پہلے کے دو مفتیوں میں سے کس کے مطابق ہے۔ پھر جس سے وہ مطابقت کرے اس کے قول پر عمل کرلے یا اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کرکے اس میں سے راجح بات پر عمل کرلے۔ اس میں علماء کے سات قول ہیں اور سب سے زیادہ ترجیح والا ساتواں قول ہے جو سب سے آخر میں بیان ہوا یعنی وہ اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرکے راجح اور حق قول پر عمل کرلے جیسے انسان اُس وقت کرتا ہے جب راستے دو ہوں یا دو طبیب مختلف الرائے ہوں یا دو مشیر الگ الگ مشورہ دیتے ہوں جیسے کہ پہلے گزرا۔

سوال کے جواب پر عمل واجب ہے یا نہیں؟

اڑسٹھواں فائدہ : جب مسئلہ دریافت کرنے والے نے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا اور اس نے بتلا بھی دیا تو اُس فتوے کے مطابق اس پر عمل واجب ہے؟ کہ اُسے چھوڑنے سے گنہگار بن جائے؟ یا اس پر عمل واجب نہیں۔ اس میں ہمارے اصحاب وغیرہ نے چار وجوہات بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ اس پر عمل لازم نہیں۔ ہاں! وہ خود لازم کرے تو اور بات ہے۔ دوسرے یہ کہ جب اس نے اس پر عمل شروع کردیا تو اب اس پر واجب ہے اس وقت پھر ترک کرنا جائز نہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر اس کے دِل میں اس فتوے کی سچائی ہو اور جانتا ہو کہ یہ حق ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس پر عمل کرلے۔ چوتھے یہ کہ اگر اُسے اور کوئی مفتی نہ ملتا ہو تو اس پر ضروری ہے کہ اس فتوے پر عامل بن جائے اس لیے کہ اسے تو ماننا ہی ہے' اس پر فتویٰ اس کی طاقت کے برابر ہے' اس کی اتنی ہی طاقت تھی کہ کسی جاننے والے سے پوچھ لے' اس سے زیادہ اس کے بس کی بات نہیں۔ ہاں! اگر اور مفتی بھی مل جائے اور وہ بھی پہلے کی موافقت کرے تو اور زیادہ زور اس میں ہوگیا۔ اگر وہ اس کی مخالفت کرے تو اب اسے اگر ایک جانب سے حق کھل جائے تو اس پر عمل لازم ہے اور اگر درستی معلوم ہی نہ ہو تو کیا وہ توقف کرے یا احتیاط والی بات کو لے لے یا حق طلبی کی کوشش میں لگ جائے یا آسانی والے فتوے کو

لے لے اور بہت سی وجوہ ہیں جو پہلے بیان ہو چکیں۔

مفتی کے حروف کی شناخت پر بھروسا کرنا

انہترواں فائدہ : مفتی کے خط پر عمل جائز ہے گو اس کے الفاظ کان سے نہ سنے ہوں۔ یہ اُس وقت جب کہ اس کے حروف پہچانتا ہو یا جس پر اُسے بھروسہ ہو وہ کہہ دے کہ ہاں یہ فلاں کا خط ہے یا اس کا بھیجا ہوا قاصد بتائے کہ ہاں یہ اسی نے لکھا ہے گو وہ غلام ہو یا عورت ہو یا بچّہ یا فاسق ہو جیسے کہ اس کا قول قبول کیا جاتا ہے ہدیہ کے بارے میں اور گھر میں آنے کی اجازت کے بارے میں کیونکہ قرائن پر اور دستور پر اس کا اعتماد ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مکان پر یا کتاب پر یا رُباط پر وقف لکھا ہوا دیکھے تو بے شک وہ اس میں اتر سکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ وہ اپنے باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پاتا ہے کہ فلاں پر میری اتنی رقم قرض ہے بس وہ اس تحریر کی بنا پر اعتماد کر کے اپنے اُس قرض پر قسم کھا سکتا ہے۔ اسی طرح عورت اپنے خاوند کے حروف اور تحریر پر کہ میں نے تجھے طلاقِ بائن دی اعتماد کر سکتی ہے اور بعد از عدت اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ اسی طرح وصی اور وارث بھی وصیت کرنے والے کے لکھے ہوئے وصیت نامے پر عمل کر سکتا ہے گو دو گواہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح راوی کسی کو حدیث لکھ بھیجے تو اُسے اس پر اعتماد کرنا جائز ہے اور وہ اُسے روایت بھی کر سکتا ہے اور اس پر عمل بھی کر سکتا ہے یہ سب اس وقت ہے جب یقین کامل ہو۔ ان باتوں کو ساری اُمت مانتی ہے' آج بھی اور آج سے پہلے بھی سب کا تعامل اسی پر ہے گو بعض منکر انکار پر ہی ہیں۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ منکر لوگ جو فتوے دے دیتے ہیں' جو فیصلے کرتے ہیں وہ سب کتابوں سے ہی لیتے ہیں تو کوئی اُن سے پوچھے کہ جب اس تحریر پر عمل آپ کے نزدیک درست نہیں تو اس تحریر پر حلال حرام کے فتوے جاری کر دینے کیسے درست ہو گئے؟ خود نبی کریم ﷺ نے بادشاہوں کی طرف اور امتوں کی طرف اپنے تحریری دعوت نامے بھیجے۔ انہیں اسلام کی جانب دعوت دی۔ آپؐ کی اس تحریر سے ہی ان پر حجت ثابت ہوتی ہے' کوئی ہے جو اس کا انکار کرے؟ اللہ کے ہاتھ توفیق ہے۔

بوقت ضرورت اور بشرطِ اہلیت اجتہاد کر لینا

سترواں فائدہ : جب کوئی واقعہ پیش آ جائے اور اس میں علماء کے اقوال میں سے کوئی قول نہ ملے تو کیا فتوے اور حکم میں اجتہاد کر لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تین وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ جائز ہے ائمہ کے فتاوے اور جواب بھی ہیں جب ان کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آ جاتا تو وہ اجتہاد کی خدا داد قدرت کو ضرور کام میں لاتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے پھر اگر درست بات تک اس کی رسائی ہو جائے تو اسے دوہرا اجر ہے اور اگر خطا کر جائے تو اکہرا اجر ہے۔ یہ عام ہے کہ خواہ اس مسئلے میں اگلوں کے اقوال نہ ملے ہوں یا ملے ہوں اور ان میں اختلاف ہو اور یہ اپنے اجتہاد سے ان میں سے بہتر اور ٹھیک قول لینا چاہتا ہو۔ سلف خلف سب اسی بات پر رہے بغیر اس کے کوئی چارۂ کار نہیں۔ دنیا میں مختلف حادثے رونما ہوتے رہتے ہیں نئی نئی صورتیں سامنے آتی ہیں جسے بھی فتویٰ نویسی کا ذرا سا بھی موقعہ ملا ہو وہ جان سکتا ہے کہ گو منقول کی وسعت عالمگیر ہے تاہم دنیا کی تمام ضرورتوں کو اور نو پید ہونے والی تمام ضرورتوں کو وہ کافی نہیں۔ تم بہت تھوڑے سے تامل کے بعد اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ بہت سے مسائل ہیں جن کے بارے میں منقول کچھ بھی

نہیں بلکہ ائمہ اور ان کے تابع بھی اس بارے میں خاموش ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اسے فتویٰ دینا فیصلہ کرنا جائز نہیں بلکہ اسے توقف کرنا چاہیے جب تک کہ کسی کا قول مل نہ جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں خبردار کبھی کوئی ایسا قول زبان سے نہ نکالنا جس میں تمہارا کوئی سلف نہ ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مسائل فروعیہ میں تو یہ جائز ہے کیوں کہ ان کا تعلق عمل سے ہے اور ان کی حاجت سخت ہے' ان کا خطرہ کم ہے اور مسائل اصولیہ میں جائز نہیں۔ حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے' جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں کہ حاجت بھی ہو اور اہلیت بھی ہو اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں پھر جائز ہی نہیں اور اگر ایک ہو ایک نہ ہو تو احتمالِ منع و جواز اور تفصیل ہے۔ پس حاجت کے وقت جواز اور بے ضرورت جواز ہی نہیں' واللہ اعلم۔



آنحضرت ﷺ سے مروی فتوے اور ارشادات

اب ہم رسول اللہ ﷺ کے فتاوے یہاں نقل کر کے اپنی کتاب کو اس متبرک مضمون پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ گو یہ مضمون سطروں اور صفحوں کے اعتبار سے کم ہو لیکن اپنی اہمیت اور فوائد کے اعتبار سے لاثانی اور بے حد قیمتی ہے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ اس ساری کتاب کی رُوح رواں یہی مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ بخشے' آمین۔

دیدارِ باری تعالیٰ

(۱) آپ سے سوال ہوا کہ کیا مؤمن اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ ٹھیک دوپہر کو جب کہ مطلع صاف ہو سورج کے دیکھنے میں تمہیں کوئی زحمت ہوتی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا بالکل نہیں۔ فرمایا اچھا اسی طرح چودہویں رات کا چاند سر پر ہو اور آسمان میں ایک بالشت بھر اَبر نہ ہو تو چاند کے دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا مطلقاً نہیں۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح تم اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو دیکھو گے۔ (متفق علیہ)

(۲) سوال ہوتا ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کو کیسے دیکھ سکیں گے وہ ایک ہے اور ہم سے تمام رُوئے زمین بھری ہوئی ہو گی؟ جواب ملتا ہے کہ دیکھو اس کی مخلوق میں بھی اس دیکھنے کی مثال موجود ہے۔ سورج' چاند جو اللہ کی ایک مخلوق ہے اور وہ بھی چھوٹی سی مخلوق ہے' لیکن تم سب بیک وقت اسے دیکھتے ہو اور وہ تمہیں سب کو' نہ کوئی گھسان ہوتا ہے نہ بھیڑ بھاڑ پھر اللہ جو بہت ہی قدرتوں والا ہے وہ اس پر بہت زیادہ قادر ہے کہ وہ تمہیں دیکھے اور تم اسے دیکھو۔ (مسند احمد)

تقدیر پر ایمان

(۳) آپ سے سوال ہوتا ہے کہ مسئلہ تقدیر کیا ہے؟ لوگ کچھ کر رہے ہیں' یہ اس میں ہے جو پہلے ہی سے فیصل ہو چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے؟ یا اس میں ہے جو نو پیدا ہو گا اور اب وجود میں آئے گا؟ آپ نے فرمایا یہ اس میں ہے جو مقرر کر دیا گیا ہے اور جس سے فراغت پائی جا چکی ہے۔

(۴) پوچھا گیا کہ پھر عمل کس چیز میں داخل ہیں؟ فرمایا عمل کیے جاؤ' ہر ایک پر وہی اعمال آسان ہوں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اگر وہ اہل سعادت سے ہے تو اس پر نیکی والوں کے اعمال ہی آسان ہوں گے اور اگر وہ شقاوت والوں میں سے ہے تو اہل شقاوت کے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے۔ پھر آپ نے آیت ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ ﴾ (اللیل : ۵) سے دو آیتوں تک تلاوت فرمائی۔ (مسلم)

(۵) آپ سے سوال ہوتا ہے کہ لوگ جو اپنے دِلوں میں چھپاتے ہیں کیا اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! جانتا ہے۔ (مسلم)

خلق الٰہی

(۶) سوال ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کہاں تھا؟ آپ نے اسے برا نہ مانا اور جواب دیا بادل میں تھا' اوپر بھی خلا اور نیچے بھی ہوا۔ (مسند احمد)

(۷) اس عالم کی پیدائش کی ابتدا کے بارے میں جب نبی ﷺ سے سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے ذکر میں ہر چیز لکھ لی۔ (بخاری)

(۸) سوال ہوتا ہے کہ جس دن زمین بدل جائے گی' لوگ کہاں ہوں گے؟ فرماتے ہیں' پل صراط پر' اور روایت میں ہے پل صراط کے پاس اندھیرے میں۔

(۹) پھر سوال ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پل صراط سے پار کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا مہاجر' فقراء۔ (مسلم) ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ تبدیلی کے شروع کے وقت لوگ پل صراط کے اگلے حصے پر ظلمت میں ہوں گے' جب وہ سب پل صراط پر ہوں گے تب تبدیلی تمام ہو جائے گی۔

(۱۰) نبی ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ آیت : ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ ﴾ (انشقاق : ۸) کا کیا مطلب ہے؟ یعنی نیک لوگوں سے حساب بآسانی لیا جائے گا۔ فرمایا یہ تو صرف روبرو ہو جانا ہے۔ (مسلم)

(۱۱) آپؐ سے سوال ہوتا ہے کہ جنتی سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ فرمایا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی۔

(۱۲) پھر پوچھا گیا اس کے بعد ان کے صبح کا کھانا کیا ہوگا؟ فرمایا جنتی بیل جو جنت کے چو طرف چرتا چگتا رہا تھا۔

(۱۳) پھر سوال ہوا اس پر وہ کیا پئیں گے؟ فرمایا سلسبیل نامی چشمے کا پانی۔ (مسلم)

دُنیا میں دیدارِ الٰہی

(۱۴) آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کیا آپ نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ جواب عنایت فرمایا نور ہے' میں اُسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ (مسلم) یہاں جواب بھی بیان فرما دیا اور اس کے ساتھ ہی دیدار سے روک کی چیز بھی واضح فرما دی یعنی وہ نور جو اللہ تعالیٰ کا حجاب ہے کہ اگر وہ کھل جائے تو کوئی چیز قائم نہ رہ سکے۔

قیامت

(۱۵) آپؐ سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب کہ ہوائیں اور درندے اور سڑنا گلنا ہمارے بدن کا ریزہ ریزہ الگ الگ کر دے گا' پھر ہمارا رب ہمیں کیسے جمع کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا اس کی نشانی اور نظیر تو تم آپ دیکھتے ہو۔ زمین خشک' بنجر پڑی ہے جسے دیکھ کر تمہارے دل میں خیال گزرتا ہے کہ یہ کیسے آباد ہو سکتی ہے؟ لیکن جب مینہ برس جاتا ہے تو وہی لہلہانے لگتی ہے' سرسبز ہو جاتی ہے۔ پس جو اللہ زمین کے اُگانے اور جلانے پر قادر ہے وہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ (مسند احمد)

(۱۶) سوال ہوتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا تم سب کھلم کھلا بغیر چھپے اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے' وہ اپنے ہاتھ سے پانی کا ایک چلو تم پر

ڈالے گا جس کے قطرے تمام مخلوق کے منہ پر آ پڑیں گے۔ مسلمانوں کے منہ تو نورانی سفید ہو جائیں گے اور کافروں کے چہرے کوئلے جیسے سیاہ پڑ جائیں گے۔ (مسند احمد)

(۱۷) آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس دن سورج چاند تو روک لیے جائیں گے پھر ہم کیسے دیکھ سکیں گے؟ آپؐ نے جواب فرمایا کہ جیسے تم اس وقت دیکھ رہے ہو یہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت تھا' زمین پر روشنی پھیل چکی تھی لیکن سورج پہاڑوں کی اوٹ میں تھا۔

(۱۸) پھر آپ سے پوچھا گیا کہ نیکیوں اور بدیوں کی جزا کیسے ہوگی؟ فرمایا نیکیاں دس گنی کر کے اور برائیاں برابر برابر یا معاف فرما دی جائیں گی۔

(۱۹) پھر دریافت کیا گیا کہ جنت میں ہم کس چیز کو دیکھیں گے؟ فرمایا صاف شہد کی نہروں کو پاک شراب کی نہروں کو جن پر جام تیر رہے ہوں گے جس سے نہ سر چکرائے نہ ندامت ہو' دودھ کے جاری چشموں کو جن کا مزہ نہ بگڑے' پانی کے دریاؤں کو جو کبھی متغیر نہ ہوں اور ان میووں کو جنہیں تم جانتے ہو اور ان کے ساتھ ان ہی جیسے اور جو ان سے بہت ہی بہتر ہیں اور پاک صاف بیویوں کو۔

(۲۰) پھر سوال ہوا کہ کیا وہاں ہمارے لیے بیویاں بھی ہوں گی؟ فرمایا ہاں! نہایت نیک بخت جو تم نیک بختوں کے لیے ہوں گی جن سے تم لذت و سرور حاصل کرو گے جیسے کہ دنیا میں لذت حاصل کرتے تھے۔ ہاں وہاں بال بچوں کی جھنجھٹ نہیں ہوگی۔ (مسند احمد)

کیفیت وحی

(۲۱) نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ آپؐ کی طرف وحی کیسے آتی ہے؟ فرمایا کبھی تو جیسے گھنٹی کی پیہم آواز' یہ مجھ پر سب سے زیادہ شاق گزرتی ہے وہ جب ختم ہوتی ہے تو مجھ سے جو فرمایا گیا ہے وہ مجھے بالکل یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ بصورتِ انسان میرے پاس آتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لڑکا' لڑکی

(۲۲) آپؐ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ کبھی تو بچے باپ پر جاتے ہیں اور کبھی ماں پر؟ آپؐ نے فرمایا جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو تشبیہ باپ کی ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو اولاد کی مشابہت ماں سے ہوتی ہے۔ (متفق علیہ) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر چڑھ جائے اور غالب آ جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو بحکم الٰہی لڑکی ہوتی ہے۔ اس حدیث کی بابت ہمارے شیخ رحمہ اللہ توقف فرماتے تھے کہ یہ لفظ محفوظ ہوں۔ فرماتے تھے کہ محفوظ پہلے ہی الفاظ ہیں۔ لڑکا لڑکی ہونے کا کوئی طبعی سبب نہیں۔ یہ تو صرف اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور فرشتہ آپ کرتا ہے۔ اسی لیے یہ روزی' اجل اور سعادت و شقاوت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ لفظ محفوظ ہوں تو بھی دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ پانی کی سبقت مشابہت کا سبب ہے اور پانی کا غلبہ لڑکا لڑکی ہونے

کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

اولادِ مشرکین

(۲۳) نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ مشرکین کی کس بستی پر چھاپہ یا شب خون مارا جائے اور ان کے ساتھ ہی ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا وہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ نبی ﷺ کے اس فرمان کا کہ وہ بھی ان ہی میں سے ہیں مطلب یہ ہے کہ دنیوی احکام میں اور ضمانت کے نہ ہونے میں یہ نہیں کہ عذابِ آخرت میں۔ اس لیے کہ جب تک کسی پر حجت ربانی پوری نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اُسے عذاب نہیں کرتا۔

تفسیر قرآن

(۲۴) آیت: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ (النجم: ۱۳) کی تفسیر جب نبی ﷺ سے پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد میرا جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنا ہے جس پر میں نے انہیں سوائے ان دو مرتبہ کے اور کبھی نہیں دیکھا۔ (مسلم)

(۲۵) جب آیت: ﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ ﴾ سے ﴿ تَخْتَصِمُوْنَ ﴾ (زمر: ۳۱) تک نازل ہوئی تو سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا دنیا کی ہماری آپس کی یہ باتیں وہاں پر دوہرائی جائیں گی حالانکہ گناہ الگ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں یقیناً یہ تو ہونا ہی ہے، جب تک کہ تم ہر حق دار کو اس کا حق نہ پہنچا دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو قسم اللہ کی یہ امر بڑا ہی سخت ہے۔

اَمرِ آخرت

(۲۶) آپ سے پوچھا گیا کہ کافر کا حشر اس کے منہ کے بل کیسے ہوگا؟ جواب دیا کہ کیا جو اللہ پیروں کے بل دنیا میں چلاتا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ سر کے بل آخرت میں چلائے۔

(۲۷) آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ اپنی اہل کو بروزِ قیامت یاد بھی فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا لیکن تین جگہوں میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ ① جب کہ ترازو رکھی جائے جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ نیکیاں بڑھیں یا برائیاں بڑھیں؟ ② جب کہ اعمال نامے دیئے جائیں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ دائیں ہاتھ میں آیا یا بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے؟ ③ جس وقت جہنم پر پل صراط رکھا جائے اور اس سے پار گزرنے کا حکم ہو جائے اس کے دونوں جانب آنکس ہوں گے اور لوہے کے آنکڑے جس سے لوگ پکڑ لیے جاتے ہوں گے اور ان کے جسم چھل جاتے ہوں گے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ نجات پاتا ہے یا نہیں؟

(۲۸) سوال ہوا کہ ایک شخص ایک قوم سے محبت تو رکھتا ہے لیکن عمل میں ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا انسان ان کے ساتھ ہے جن سے محبت رکھے۔

(۲۹) سوال ہوا کوثر کیا چیز ہے؟ جواب دیا وہ ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے دی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، شہد سے زیادہ میٹھا ہے، وہاں وہ پرند ہیں جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ہیں۔ لوگوں نے کہا پھر تو وہ

بہترین چیز ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ان کے کھانے والے سب سے زیادہ انعام والے ہیں۔

(۳۰) سوال : انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں لے جانے والی چیز کیا ہے؟ جواب : دیا دو کھوکھلی چیزیں۔ منہ اور شرمگاہ۔

(۳۱) سوال : سب سے زیادہ جنت میں لے جانے والی چیز کیا ہے؟ فرمایا : اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی۔

خوش اخلاقی

(۳۲) جس عورت کے دو تین خاوند دنیا میں ہو گئے ہوں' وہ جنت میں کسے ملے گی؟ فرمایا اُسے اختیار دیا جائے گا کہ جسے چاہے پسند کر لے؟ وہ ان میں سے اسے پسند کرے گی جو دنیا میں اس سے خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا ہو۔

گناہِ کبیرہ

(۳۳) سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا باوجودیکہ پیدا کرنے والا وہی ہے۔

(۳۴) پوچھا گیا پھر کونسا گناہ؟ فرمایا یہ کہ تُو اپنی اولاد کو قتل کر دے اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔

(۳۵) پوچھا گیا پھر کونسا؟ فرمایا اپنی پڑوسن سے بدکاری کرنا۔

(۳۶) سوال : یا رسول اللہ ﷺ تمام اعمال سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ فرمایا نماز کو بروقت ادا کرنا اور روایت میں ہے اوّل وقت ادا کرنا۔

(۳۷) پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ کی راہ کا جہاد۔

(۳۸) پوچھا گیا پھر کونسا؟ فرمایا ماں باپ سے سلوک و احسان۔

تفسیر قرآن

(۳۹) یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں ہے : ﴿ یَآ اُخْتَ ھَارُوْنَ ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت ہارون علیہ السلام برادر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھیں حالانکہ ان دونوں کے زمانے میں بہت فاصلہ ہے؟ جواب دیا ہارون علیہ السلام سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی نہیں۔ بنی اسرائیل اپنے نبیوں کے نام پر اپنے نام برابر رکھا کرتے تھے اور نیک لوگوں کے ناموں پر بھی۔

سوالاتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

(۴۰) پوچھا جاتا ہے کہ قیامت کی شرطوں میں سے پہلی شرط کیا ہے؟ فرماتے ہیں آگ جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے جو تین سوالات کیے تھے اُن میں سے ایک یہی تھا۔ دوسرا جنتیوں کے پہلے کھانے کا۔ تیسرا اولاد کی مشابہت کے سبب کا' لیکن اس میں غلط سلط' واہی اور جھوٹ ملا ملو کر لوگوں نے ایک کتاب کی کتاب لکھ ماری' جس کا نام مسائل عبداللہ بن سلام رکھ دیا حالانکہ آپؐ کے یہ تینوں سوال صحیح بخاری میں مع نبی ﷺ کے جواب کے موجود ہیں۔

اسلام و ایمان

(۴۱) آپ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں اللہ کے سوا کسی کے معبود نہ ہونے کی گواہی دینا' اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دینا' نماز کا قائم کرنا' زکوۃ کا ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

(۴۲) آپ سے ایمان کی بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' مرنے کے بعد جینے پر یقین رکھنا اور ایمان لانا۔

(۴۳) احسان کی نسبت سوال ہوا تو فرمایا تیرا اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

تفسیر قرآن

(۴۴) آپ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں ہے کہ وہ دیتے ہیں جو دیتے ہیں لیکن دل ان کے ڈرتے رہتے ہیں۔ (المؤمنون : ۶۰) اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' صدقے خیرات کرتے ہیں تاہم دِل میں خوف زندہ رہتے ہیں کہ کہیں ہماری یہ نیکیاں غارت نہ ہو جائیں' قبولیت سے رُک نہ جائیں۔

(۴۵) نبی ﷺ سے آیت : ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ﴾ الخ' (الاعراف : ۱۷۲) کی تفسیر دریافت کی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اپنا داہنا ہاتھ ان کی پیٹھ پر پھیرا اس سے ان کی اولاد نکل آئی۔ فرمایا میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتی اعمال کریں گے پھر ہاتھ پھیر کر اور اولاد نکالی اور فرمایا یہ سب جہنمی ہیں اور جہنم ہی کے عمل کریں گے۔

(۴۶) ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر عمل کا کیا شمار رہا؟ آپ نے فرمایا سنو جس کسی کو جنت کے لیے بنایا گیا ہے اُسے جنتی اعمال کی توفیق دی جاتی ہے وہ مرتے دم تک یہی عمل کرتا رہتا ہے اور جنت واصل ہو جاتا ہے اور جو بندہ جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ مرتے دم تک جہنمی اعمال میں ہی لگا رہتا ہے' انہی پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۴۷) نبی ﷺ سے آیت : ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المائدۃ : ۱۰۵) کی بابت سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں بلکہ تم اچھائیوں کا حکم کیے چلے جاؤ اور برائیوں سے روکتے رہا کرو۔ یہاں تک کہ بخیلی کی پیروی کی جائے' خواہشوں کے پیچھے لگ جانا' دنیا کو ترجیح دے لی جائے' ہر ذی رائے اپنی رائے کو پسند کرنے لگے' ایسے وقت تم صرف اپنی اصلاح میں لگ جاؤ اور عوام الناس کو بالکل ہی چھوڑ دو۔

(۴۸) آپ سے دریافت کیا گیا کہ دوائیں اور دَم کیا تقدیر کی کسی بات کو لوٹا دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ خود تقدیر میں داخل ہیں۔

مشرکوں کی اولاد

(۴۹) مشرکوں کے جو چھوٹے بچے مرجاتے ہیں ان کی نسبت سوال کرنے پر آپ فرماتے ہیں وہ کیا کچھ عمل کرنے والے تھے' اس کا اللہ کو بخوبی علم تھا۔ اس جواب سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں توقف فرمایا' نہ یہ سمجھا جائے کہ یہ بڑے ہو کر جو عمل کرنے والے تھے وہ چوں کہ اللہ کو ابھی سے معلوم تھا اس لیے ان اعمال کے مطابق جو اس کے علم میں تھا' انہیں جزا یا سزا دی جائے گی۔ نہیں! بلکہ اللہ کا علم ان کے روزِ قیامت کے امتحان میں ظاہر ہو جائے گا اور اس پر سزا و جزا مرتب ہوگی جیسے اور بہت سی احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ان سے قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا' اطاعت گزار جنت میں داخل کیے جائیں گے اور نافرمان جہنم میں جائیں گے۔

سبا کا بیان

(۵۰) یا رسول اللہ ﷺ سبا کسی زمین کا نام ہے یا کسی عورت کا؟ جواب دیا کہ نہ زمین کا نام ہے' نہ عورت کا' بلکہ یہ ایک شخص تھا جس کے دس عرب بچے ہوئے' ان میں سے چھ تو یمن میں رہے اور چار شام میں' لخم' جذام' غسان اور عاملہ یہ قبیلے شامی ہیں۔ ازد' اشعری' حمیر کندہ' لدج' انماریہ' قبیلے یمنی ہیں۔

(۵۱) اس پر کسی نے پوچھا انماریہ' یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا خثعم اور بجیلہ انماریہ میں سے ہیں۔

نیک خواب

(۵۲) آیت : ﴿ لهم البشرىٰ ﴾ الخ' (یونس : ۹۴) کی تفسیر پوچھنے والے کو آپ نے فرمایا اس آیت میں جس بشارت کا ذکر ہے' اس سے مراد سچے اور نیک خواب ہیں' جو مؤمن آپ دیکھے یا اس کے بارے میں کسی اور دکھائے جائیں۔

افضل عمل

(۵۳) پوچھا گیا کہ سب سے افضل آزادی کونسی ہے؟ فرمایا وہ غلام جو اپنے مالک کو بہت پیارا ہو اور جس کی قیمت بہت زیادہ ہو۔

(۵۴) یا رسول اللہ ﷺ سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟ فرمایا جس کی سواری کاٹ دی جائے اور جس کا خون بہا دیا جائے۔

(۵۵) سوال : کون سا صدقہ سب سے زیادہ فضیلت والا ہے؟ جواب تندرستی اور مال کی محبت اور چاہت کے وقت فقیری کے خوف اور امیری کی تمنا کے وقت کا۔

(۵۶) سوال کون سا کلام افضل ہے؟ فرمایا وہ جسے اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرما لیا یعنی : ﴿ سبحان الله و بحمده ﴾

(۵۷) پوچھا گیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ یا یوں سوال ہوا کہ آپ کب نبی بنے؟ فرمایا جب آدم علیہ السلام روح

اور جسم کے درمیان تھے۔ صحیح لفظ حدیث یہی ہیں' عوام کی روایت میں ہے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ لفظ باطل ہیں' محفوظ لفظ پہلے ہی ہیں۔

ہجرت کا فتویٰ

(۵۸) مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں آپ کی طرف ہجرت کی خبر دیجیے کہ کیا یہ وہ چیز ہے جس میں خود آپ ہی تھے؟ یا مخصوص ہے کسی قوم کے ساتھ؟ یا خاص ہے کسی خاص زمین کی طرف؟ یا آپ کے فوت ہونے کے بعد یہ ہجرت بھی منقطع ہو جائے گی؟ تین بار اس نے اپنے سوال کو دوہرایا' پھر بیٹھ رہا۔ آپ خاموش ہی رہے۔ پھر کچھ دیر کے فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا نبی ﷺ یہ ہے حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا ہجرت اس کا نام ہے کہ تو ظاہری اور باطنی برائیوں کو چھوڑ دے۔ نماز کی پابندی کرے' زکوٰۃ ادا کرتا رہے پھر تو مہاجر ہے' گو اپنے دیس میں ہی مرے۔

جنّت کی نعمتیں

(۵۹) ایک اور شخص کھڑا ہوتا ہے اور پوچھتا ہے کہ نبی ﷺ یہ تو بتلائے کہ جنتیوں کے کپڑے پیدا کیے جائیں گے یا بنے جائیں گے؟ اس کے اس سوال پر صحابہ رضی اللہ عنہم ہنس پڑے تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر ہنس رہے ہو کہ ایک جاہل ایک عالم سے سوال کرتا ہے؟ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آپ نے فرمایا جنتیوں کے کپڑے کے بارے میں سوال کرانے والے کہاں ہیں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ ان سے اہل جنت کے پھل شق ہوں گے۔ تین بار یہی فرمایا۔

(۶۰) آنحضرت ﷺ سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں سے ملیں گے؟ آپ جواب دیتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جنتی صبح ہی صبح ایک سو کنواریوں سے مل لے گا۔ حافظ ابو عبداللہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند کے راوی میرے نزدیک تو صحیح کی شرط کے ہیں۔

(۶۱) یہی سوال اور دفعہ ہوا تو فرمایا بار بار تم اپنی جنتی بیویوں کے پاس جاؤ گے اور جب فارغ ہو گے' اسی وقت وہ پھر سے پاک و صاف باکرہ ہو جائیں گی۔ اس کی سند کے راوی بھی صحیح ابنِ حبان کی شرط پر ہیں۔

(۶۲) معجم طبرانی میں اسی سوال کے جواب میں آپ کا فرمان ہے کہ شوق سے اور خوشی سے اور کامل شہوت سے بار بار جنتی مجامعت کریں گے' لیکن پھر بھی نہ عضو میں سستی آئے گی نہ منقطع ہوگی۔ اس روایت میں لفظ وصم ہے اور وصم کے لفظی معنی سختی سے دھکا دینے کے ہیں۔

(۶۳) اور روایت میں اسی معجم میں اسی سوال کے جواب میں یہ بھی ہے کہ دونوں جانب سے گھناؤنا خاص پانی نہ ہو گا۔

(۶۴) سوال ہوا کہ کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ فرمایا نیند موت کی بہن ہے' اہل جنت سوئیں گے نہیں۔

(۶۵) پوچھا جاتا ہے کہ کیا جنت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ جواب دیتے ہیں کہ اگر تو چاہے گا تو گھوڑا ملے گا' جس کے دو پَر ہوں گے جو بالکل یاقوت کا ہوگا تو اس پر سوار ہوگا اور جہاں چاہے گا وہ تجھے اُڑا کر لے جائے گا۔

(۶۶) نبی ﷺ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں پہنچا دیا تو وہاں جس چیز کو تیرا جی چاہے گا اور جس چیز سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی سب کچھ ملے گا۔ اسے آپ نے وہ نہیں فرمایا جو گھوڑے کے سائل سے فرمایا تھا۔

(۶۷) معجم طبرانی میں ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ﷺ ﴿ حُوْرٌ عِيْنٌ ﴾ (دخان : ۵۴) کی تفسیر کیا ہے؟ فرمایا وہ حوریں ہوں گی بڑی بڑی آنکھوں والی' سیاہ پلکوں والی اور سیاہ بالوں والی۔

(۶۸) پوچھا ﴿ کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُون ﴾ کی تفسیر کیا ہے؟ جواب دیا کہ صفائی میں موتیوں جیسے ہیں' جو لڑی میں پروئے ہوئے ہوں' لیکن کسی انسانی ہاتھوں سے نہیں۔

(۶۹) دریافت کیا : ﴿ فِيْهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴾ (الرحمٰن: ۷۰) کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا بہترین عادات و اخلاق والی' خوبصورت نورانی چہروں والی۔

(۷۰) دریافت کیا کہ : ﴿ کانهن بیض مکنونٌ ﴾ (الصافات : ۴۹) کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا ان کی نزاکت ایسی ہوگی جیسے انڈے کے چھلکے کے اندر کی جھلی۔

(۷۱) پوچھا ﴿ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴾ (الواقعہ : ۳۷) کی کیا تفسیر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان دیندار عورتیں بڑھاپے کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئی تھیں' انہیں اللہ تعالیٰ نئے سرے سے پیدا کرے گا اور انہیں باکرہ بنا دے گا۔ یہ اپنے خاوندوں سے بے حد عشق و محبت رکھنے والی ہوں گی اور نو عمر کم سن ہی رہیں گی۔

(۷۲) پھر اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی افضل ہوں گی یا حوریں؟ فرمایا بلکہ دنیا کی جنتی عورتیں حوروں سے بہت ہی افضل و بہتر ہوں گی جیسے کہ اوپر کا کپڑا نیچے کے کپڑے سے افضل و بہتر ہوتا ہے۔

(۷۳) نبی ﷺ اس کی وجہ؟ فرمایا ان کا نماز' روزہ اور عبادتِ الٰہی۔ اُن کے چہرے نور میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ ان کے لباس خالص ریشمی ہوں گے' ان کے رنگ سفید نورانی ہوں گے' ان کے کپڑے سبز ہوں گے۔ ان کے زیور زرد ہوں گے' ان کی انگیٹھیاں بھی موتیوں کی ہوں گی' ان کی کنگھیاں بھی سونے کی ہوں گی' یہ مل جل کر یہ ترانہ گائیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں' کبھی مرنے والی نہیں۔ ہم آسودہ حال ہیں' کبھی تنگ حال ہونے کی نہیں۔ ہم یہیں رہنے والیاں ہیں' نہ کبھی ناراض ہوں نہ ناراض کریں۔ خوش نصیب ہیں وہ جو ہمیں پالیں اور ہم بھی خوش نصیب ہیں کہ ایسے خاوند ہمیں مل گئے۔

(۷۴) پھر پوچھتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ بعض عورتوں کے دو دو تین تین چار چار خاوند ہو جاتے ہیں' اگر وہ بھی جنت میں گئی اور اس کے یہ تمام خاوند بھی جنت میں گئے تو وہاں یہ کسے ملے گی؟ آپ نے فرمایا اُمِّ سلمہ اسے اختیار ہوگا' ان میں سے جسے چاہے پسند کر لے۔ پھر یہ اُسے پسند کرے گی جو دنیا میں سب سے زیادہ خوش خلقی کے ساتھ اسے پیش آیا ہو' کہہ دے گی کہ الٰہی! میں تو اس کے پاکیزہ اخلاق سے آرام میں رہی تھی۔ اسی کو سب پر ترجیح دیتی ہوں' اسی کے نکاح میں مجھے دے دیا جائے۔ سنو اُمِّ سلمہ خوش اخلاقی سے ہی دنیا و آخرت کی بھلائی ملتی ہے۔

حل طلب مسئلہ

(۷۵) سوال : قرآن میں ہے تمام زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور کل آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے؟ تو اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ جواب پل صراط پر۔

نیکی بدی

(۷۶) سوال : ایمان کیا چیز ہے؟ جواب : جب تجھے نیکی سے خوشی اور مسرت حاصل ہو گناہ سے رنج اور تکلیف ہو تو تو مؤمن ہے۔

(۷۷) سوال : گناہ کیا ہے؟ جواب کوئی کام تیرے دل میں دھکڑ پکڑ کرے' اسے چھوڑ دے۔

(۷۸) سوال : نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ جواب نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو' نفس اس سے سکون حاصل کرے' گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں تردد کرے۔

جنتی دوزخی

(۷۹) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ ہم جو عمل کرتے ہیں وہ کسی بالکل نئی چیز میں ہے یا اس میں جس سے فراغت حاصل کرلی گئی ہے؟ فرمایا بلکہ اس میں جس سے فراغت حاصل کرلی گئی ہے۔

(۸۰) پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمل کس حیثیت میں ہے؟ فرمایا اے عمر! وہ حاصل نہیں ہو سکتی مگر عمل سے ہی۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ پھر تو ہم پوری کوشش کرتے رہیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

(۸۱) یہی اگلا سوال : عمر رضی اللہ عنہ کا یہی سوال ایک بار آپ سے سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ نے کیا۔ آپ نے یہی جواب دیا؟

(۸۲) انہوں نے پوچھا پھر ایسی صورت میں عمل کی کیا ضرورت؟ آپ نے فرمایا عمل کیے چلے جاؤ' ہر ایک کو آسانی دی گئی ہے۔ سراقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تو اُس وقت سے برابر عمل میں بڑھ ہی رہا ہوں۔

فصل : پانی کے مسائل

(۸۳) سوال : کیا سمندر کے پانی سے ہم وضو کرلیں؟

جواب : اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردہ حلال ہے۔

(۸۴) بئر بضاعہ جس میں حیض کے کپڑے اور گندگی اور کتوں کے گوشت ڈالے جاتے ہیں کیا اُس سے وضو ہو سکتا ہے؟

فرمایا : پانی پاک ہے اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

(۸۵) جو پانی جنگل بیابان میں ہو جہاں چوپائے اور درندے بھی آتے جاتے رہتے ہوں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : جب پانی دو قلے ہو جائے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

اہل کتاب کے برتن

(۸۶) حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اہل کتاب کی بستی میں رہتے ہیں' یہ لوگ خنزیر کھاتے ہیں' شرابیں پیتے ہیں آیا ہم ان کے برتنوں کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں؟
رسول اللہ ﷺ جواب دیتے ہیں کہ اگر اور برتن نہ ملیں تو انہیں دھو کر ان میں کھا پکا سکتے ہو۔

(۸۷) صحیحین میں ہے ہم اہل کتاب کی زمین میں ہیں' کیا ہم ان کے برتنوں میں کھانا کھا لیں؟
فرمایا نہ کھاؤ مگر اور برتن نہ ملیں تو' پھر انہیں دھو لو اور ان میں کھاؤ۔

(۸۸) مسند اور سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا سوال ہے کہ کیا ہم مجوسیوں کے برتن میں کھا سکتے ہیں؟ جب کہ ہم ان کی طرف بے بس کر دیئے جائیں۔
فرمایا ایسی مجبوری کی صورت میں انہیں دھو لو اور ان میں کھا لو۔

(۸۹) ترمذی میں ہے کہ مجوسیوں کی ہنڈیا کی بابت آپ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا انہیں دھو کر خوب صاف کر لو' پھر ان میں پکا سکتے ہو۔

وسوسے

(۹۰) یا رسول اللہ ﷺ اُس شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جس کے دِل میں وسوسہ گزرتا ہے کہ شاید ہوا نکل گئی؟
آپ نے فرمایا وہ نماز سے نہ پھرے جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بُو نہ آئے۔

پانی کے مسائل

(۹۱) آپ سے مذی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ اس میں وضو کافی ہے۔

(۹۲) سائل کہتا ہے میرے کپڑے پر جو لگ جائے اس کا کیا کروں؟ فرمایا ایک چلو پانی کا لے کر جہاں کپڑا سنا ہو وہاں بہا دو۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ صحیح بتلاتے ہیں۔

(۹۳) آنحضرت ﷺ سے سوال کیا جاتا ہے کہ غسل کو کون سی چیز واجب کرتی ہے؟ اور پانی کے بعد کے پانی کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اُسے مذی کہتے ہیں' ہر نر مذی ڈالتا ہے تو اُس سے اپنی فرج کو اور انثیین کو دھو ڈال اور نماز کی طرح وضو کر لے۔

(۹۴) حضرت فاطمہ بن ابی جیش رضی اللہ عنہا آپ سے عرض کرتی ہیں کہ مجھے استحاضہ کی بیماری ہے' میرا خون آتا ہی رہتا ہے تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں یہ تو ایک رگ ہے یہ خونِ حیض نہیں ہے جب تیرے حیض کا زمانہ آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب چلا جائے تو اپنے جسم سے خون دھو ڈال اور نماز شروع کر دے۔

(۹۵) ایسی عورت کے بارے میں سوال پر آپ نے فرمایا کہ جن مقررہ دونوں میں وہ حیض سے ہو جایا کرتی ہے' اُن دنوں میں نماز چھوڑ دے' پھر غسل کر لے اور نماز روزے کو بجالایا کرے۔ ہاں! ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرے۔

وضو اور نماز کے مسائل

(۹۶) سوال : یا رسول اللہ ﷺ! بکری کا گوشت کھانے سے وضو ہے؟
جواب : اگر چاہو کر لو چاہو نہ کرو۔

(۹۷) اونٹ کے گوشت سے وضو ہے؟ فرمایا ہاں اونٹ کے گوشت سے وضو کر لیا کرو۔

(۹۸) کیا بکریوں کے بندھنے کی جگہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں وہاں نماز پڑھ لیا کرو۔

(۹۹) پوچھا گیا اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں؟ فرمایا نہیں۔

(۱۰۰) ایک شخص آپؐ سے دریافت کرتا ہے کہ ایک شخص نے غیر عورت سے وہ سب کچھ کیا جو میاں بیوی سے کرتا ہے' صرف مجامعت نہیں کی۔ اس پر آیت : ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ﴾ الخ' (ہود : ۱۱۴) نازل ہوئی یعنی دن کے دونوں حصّوں میں اور رات کی گھڑیوں میں نماز کو قائم کرتے رہو یقیناً نیکیاں برائیوں کو دفع کر دیتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو وضو کر' پھر نماز پڑھ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا یہ حکم خاص اسی کے لیے ہے یا عام مسلمانوں کے لیے؟ آپؐ نے فرمایا بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے یہ حکم عام ہے۔

عورتوں کے مسائل

(۱۰۱) حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا دریافت کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت کو احتلام ہو تو اس پر بھی غسل واجب ہے؟
فرمایا ہاں جب وہ خاص پانی کو دیکھ لے۔

(۱۰۲) تو اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ پھر بچّے کی مشابہت اس سے کیسے ہو جاتی ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اگر عورت اپنے خواب میں وہی دیکھے جو مرد دیکھتا ہے' تو آپؐ نے فرمایا جب وہ یہ دیکھے تو غسل کر لے۔

(۱۰۳) مسند میں ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم نے نبی ﷺ سے سوال کیا اس عورت کے بارے میں جو خواب میں وہ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے' تو آپؐ نے فرمایا جب تک انزال نہ ہو اس پر غسل نہیں' جیسے کہ انزال کے بغیر مرد پر غسل نہیں۔

(۱۰۴) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نبی ﷺ سے مذی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل ہے۔
اور روایت میں ہے کہ جب تو مذی دیکھے تو وضو کر' اپنا عضو دھو ڈال اور جب منی دیکھے تو غسل کر لیا کر۔ (مسند احمد)

(۱۰۵) نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص تری تو دیکھتا ہے لیکن احتلام یاد نہیں۔
فرمایا وہ غسل کر لے۔

(۱۰۶) پوچھا اور جو شخص سمجھتا ہو کہ اُسے احتلام ہو گیا لیکن تری نہیں پاتا وہ کیا کرے؟

فرمایا اس کے ذمے نہانا نہیں ہے۔ (مسند احمد)

(۱۰۷) رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرتا ہے اور تھک کر الگ ہو جاتا ہے؟ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بیٹھی ہوئی تھیں ان کی طرف اشارہ کر کے آپؐ فرماتے ہیں' میں اور یہ ایسی حالت میں غسل کرتے ہیں۔ (مسلم)

(۱۰۸) اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا دریافت کرتی ہیں کہ میں اپنے بالوں کی مینڈیاں بہت مضبوطی سے گوندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھولنا ضروری ہے؟

آپ نے فرمایا نہیں تمہیں صرف یہ کافی ہے کہ تین لپیں بھر کر پانی بہالو' پھر سارا پنڈورا دھو ڈالو۔ (مسلم) ابوداؤد میں یہ ہے کہ ہر لپ کے ساتھ بالوں کو اچھی طرح مل دِل لیا کرو۔

(۱۰۹) ایک عورت آپؐ سے کہتی ہے کہ جس راہ چل کر ہم مسجد میں آتے ہیں وہ راستہ بڑا گندہ ہے۔ بارش جب برستی ہو تو ہم کیا کریں؟

آپؐ نے فرمایا کیا اس کے بعد کوئی اس سے زیادہ صاف راستہ نہیں؟ اس نے کہا ہاں ہے۔ فرمایا بس تو اس کا بدلہ ہو گیا اور روایت میں ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس کے بعد اس سے طیب راستہ نہیں؟ سائلہ کہتی ہیں' میں نے جواب دیا کہ ہاں ہے' فرمایا پھر وہ اسے لے جائے گا۔ (مسند احمد)

(۱۱۰) آپؐ سے سوال کیا گیا کہ ہم مسجد کے ارادے سے چلتے ہیں۔ نجس راستوں سے پر سے چلنا پڑتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا زمین کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو پاک کر دیتا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

(۱۱۱) ایک عورت آپؐ سے سوال کرتی ہے کہ ہمارے کپڑے پر خونِ حیض لگ جائے تو ہم کیا کریں؟
آپؐ جواب دیتے ہیں کہ اسے کھرچ ڈالو' پھر پانی ڈال کر خوب دھو لو پھر اس میں نماز پڑھ سکتی ہو۔ (متفق علیہ)

پاکیزگی

(۱۱۲) آپؐ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر چوہا گھی میں گر پڑے تو؟ فرماتے ہیں اسے اور اس کے آس پاس کے گھی کو پھینک دو اور باقی اپنا گھی اپنے کھانے کے لیے استعمال میں لاؤ۔ (بخاری) اس میں گھی کے پگھلا ہوا ہونے اور جما ہوا ہونے کی کوئی تفصیل ثابت نہیں ہوتی۔

(۱۱۳) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بکری مر جاتی ہے' وہ اسے اس کی کھال سمیت پھنکوا دیتی ہیں۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں تم نے اس کا چمڑا اتار کیوں نہ لیا؟ تو آپ دریافت فرماتی ہیں کہ کیا مردہ بکری کی کھال ہم اُتار لیتے؟ آپؐ فرماتے ہیں سنو جنابِ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قل لا اجدُ﴾ الخ' یعنی جو وحی مجھ پر اتاری جاری ہے اس میں کسی کھانے والے پر جس کا کھانا حرام پاتا ہوں' وہ صرف یہ ہے کہ از خود مرا ہوا جانور ہو یا بوقت ذبح بہا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو۔ تم اسے کھاتے تو نہیں ہو' اسے دباغت دے کر اس سے نفع اٹھا سکتے ہو۔ یہ سن کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آدمی بھیج کر اس کی کھال اُتروالی اور اسے رنگ کر اس کی ایک مشک بنوالی جو پرانی ہونے تک ان کے کام آتی رہی۔ (مسند احمد)

(۱۱۴) آپؐ سے مردار کی کھال کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کی پاکی دباغت دے لینا ہے۔ (نسائی)

(۱۱۵) ڈھیلوں کی نسبت سوال ہوا تو آپؐ نے جواب دیا کہ کیا تم تین پتھر نہیں پاتے؟ وہ دونوں طرف کے لیے اور ایک جگہ کے لیے۔ یہ حدیثِ حسن ہے اور مالک کے نزدیک مرسلاً مروی ہے کہ کیا تم میں سے ایک تین پتھر نہیں پاتا؟ اس میں اور زیادتی نہیں۔

(۱۱۶) حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پائخانے کے مسئلے کو دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ قبلے کی جانب سے ہٹ جائیں' نہ قبلے کی طرف منہ کریں نہ پیٹھ اور ہوا کے رُخ بھی نہ بیٹھیں (شاید اس لیے کہ ایسا نہ ہو ہوا سے پیشاب کی چھینٹیں کپڑوں پر یا بدن پر اڑیں) اور تین پتھروں سے استنجاء کریں۔ ان میں لید' گوبر نہ ہو' یا تین لکڑی کے ٹکڑوں سے' یا تین مٹی کے چلو سے۔ (دار قطنی)

(۱۱۷) وضو کے بارے میں آپؐ سے سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا وضو پورا کامل کرو۔ انگلیوں کے درمیان خلال کرو' ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرو۔ ہاں روزے سے ہو تو نہیں۔ (ابوداؤد)

(۱۱۸) حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ آپؐ سے وضو کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپؐ فرماتے ہیں تو جب وضو کرنے کو بیٹھے گا' اپنے دونوں ہاتھ خوب صاف کرے گا تو ہاتھوں کے گناہ پوریوں اور ناخنوں تک سے نکل جائیں گے اور جب تو پھر کلی کرے گا' ناک جھاڑے گا' منہ دھوئے گا' ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے گا اور اپنے سر کا مسح کرے گا اور اپنے پاؤں دھوئے گا تو تیری تمام خطائیں جھڑ جائیں گی جیسے کہ تو اب پیدا ہوا۔ (نسائی)

(۱۱۹) ایک اعرابی نے آپؐ سے وضو کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے اسے تین بار اعضائے وضو کو دھو کر دکھایا۔ پھر فرمایا وضو اس طرح ہے' جس نے اس پر زیادتی کی' اس نے بُرا کیا' حد سے گزر گیا اور ظلم کیا۔ (مسند احمد)

(۱۲۰) ایک اعرابی نے آپؐ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے اور دوسرے رستے سے کچھ ہوا نکل جاتی ہے' پانی کی کمی ہوتی ہے' تو وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی ہوا نماز کی حالت میں نکل جائے تو وہ وضو کرے۔ عورتوں کے پاخانے کی جگہ وطی نہ کرو' اللہ تعالیٰ حق سے شرماتا نہیں۔ (ترمذی)

جرابوں پر مسح

(۱۲۱) جرابوں پر مسح کرنے کی بابت آپؐ سے سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا مسافر کے لیے تین دن اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔

(۱۲۲) حضرت ابنِ ابی عمارہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں جراب پر مسح کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں!

(۱۲۳) پوچھا گیا ایک دن؟ فرمایا دو دن بھی۔

(۱۲۴) پوچھا اور تین دن بھی؟ فرمایا ہاں! اور بھی جس قدر تو چاہے۔ (ابوداؤد) اہل علم کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ بغیر کسی مدت کے تقرر کے جرابوں پر مسح جائز ہے۔ وہ اس حدیث کے ظاہر پر عامل ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ مطلق ہے اور حدیث مقید ہے اور مقید مطلق پر قاضی ہوتی ہے۔ پس مسافر زیادہ سے زیادہ تین دن تک جرابوں پر مسح کر سکتا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔

تیمّم

(۱۲۵) ایک اعرابی نے آپؐ سے دریافت کیا کہ ہم ریلتے میدانوں میں چار چار پانچ پانچ ماہ گزارتے ہیں' ہم میں نفاس والی اور حیض والی عورتیں بھی ہوتی ہیں' جنبی مرد بھی ہوتے ہیں' فرمایئے ہم کیا کریں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ مٹی کو لازم پکڑے رہو۔ (مسند احمد)

(۱۲۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے ذکر کیا کہ میں پانی سے دور ہوتا ہوں' میرے ساتھ میری اہلیہ بھی ہوتی ہے اور مجھے نہانا ضروری ہو جاتا ہے تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا پاک مٹی' پاک کرنے والی ہے' گو دس سال تک تجھے پانی نہ ملے' جب مل جائے تو غسل کر لیا کرو ورنہ تیمّم کافی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(۱۲۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ میں نے اپنے پہنچے کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پٹی باندھ رکھی ہے' فرمایا اسی پر مسح کر لیا کرو۔ (ابن ماجہ)

(۱۲۸) صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کا سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا مرد اپنا سر کھول کر اسے دھوئے یہاں تک کہ بالوں کی جڑیں تر کر لے۔ عورت پر اپنے سر کا کھولنا ضروری نہیں۔ اسے یہی کافی ہے کہ تین لپیں پانی کی اپنے سر پر بہا لے۔ (ابوداؤد)

(۱۲۹) کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں نے جنابت کا غسل کیا' پھر صبح کی نماز بھی ادا کر لی' پھر دن نکلے معلوم ہوا کہ بہ قدر ایک ناخن کے جسم میں ایسی جگہ رہ گئی ہے جہاں پانی نہیں پہنچا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اس پر تر ہاتھ پھیر لیتا تو کافی تھا۔ (ابن ماجہ)

عورتوں کے مسائل

(۱۳۰) ایک عورت کے حیض کے بارے میں سوال پر آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ایسی عورت پانی اور بیری کے پتے لے کر بیٹھے' خوب صفائی کرے' اپنے سر کے بالوں کو خوب مل دل کر دھوئے یہاں تک کہ جڑیں بھی دھل جائیں' پھر اپنے اوپر پانی بہا لے' پھر ایک مشک آلود پھایا لے کر صفائی کرے۔

(۱۳۱) آپؐ سے ایک عورت نے جنابت کے غسل کی نسبت سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا پانی لے کر خوب پاکیزگی حاصل کرو پھر اپنے سر پر بہا کر خوب ملو یہاں تک کہ جڑیں بھی بھیگ جائیں پھر اپنے جسم پر پانی بہا لو۔

(۱۳۲) ایک صاحب آپؐ سے سوال کرتے ہیں کہ عورت کی حیض کی حالت میں میرے لیے کیا حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ تہبند باندھ لے۔ پھر اوپر کے جسم سے تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (مالک)

(۱۳۳) ترمذی میں ہے کہ اس سوال پر کہ کیا حائضہ عورت کے ساتھ کھا سکتے ہیں؟ آپؐ نے کھانے کی اجازت دی۔

(۱۳۴) دارقطنی میں ہے کہ اس سوال پر کہ نفاس والی عورت کب تک بیٹھی رہے؟ آپؐ نے فرمایا چالیس دن تک مگر یہ کہ اس سے پہلے پاکیزگی دیکھ لے۔

مسائل نماز

(۱۳۵) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمام عملوں میں سب سے زیادہ پیارا عمل اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے لیے بکثرت سجدے کرتا رہ' ہر سجدے پر اللہ تعالیٰ تیرے درجے بڑھائے گا اور تیرے گناہ معاف فرمائے گا۔

(۱۳۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نماز گھر میں بہتر ہے یا مسجد میں افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر سب سے زیادہ مسجد کے قریب ہے۔ مجھے گھر میں نماز پڑھنا مسجد کی نماز سے زیادہ محبوب ہے' سوائے فرض نماز کے۔ (ابنِ ماجہ)

(۱۳۷) آپ سے گھروں میں نماز پڑھنے کا سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں اپنے گھروں کو نورانی بنالیا کرو۔ (ابنِ ماجہ)

(۱۳۸) سوال : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم کب کریں؟
جواب : جب وہ دائیں بائیں میں تمیز کرنے لگیں۔

(۱۳۹) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس مخنث کو قتل کر دیں جو مرد ہو کر عورتوں سے مشابہت کرتا ہے؟
فرمایا نمازیوں کے قتل سے مجھے ممانعت ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۴۰) نماز کے وقتوں کا سوال ہوتا ہے تو آپ سائل سے فرماتے ہیں' دو دن ہمارے ساتھ نمازیں پڑھو۔ سورج ڈھلتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم ہوتا ہے پھر تکبیر کہنے کا۔ پھر جب کہ سورج بہت اونچا ہے' بالکل چمکدار ہے' پوری تیزی پر ہے' عصر کی اقامت کا حکم ہوتا ہے۔ سورج کے غروب ہوتے ہی مغرب کی اقامت کا حکم ہوتا ہے' شفق کے غائب ہوتے ہی عشاء کی اقامت ہوتی ہے۔ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی نمازِ فجر کا حکم ہوتا ہے۔ دوسرے دن ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے ہیں عصر کی نماز کچھ دیر کر کے پڑھتے ہیں لیکن سورج اس وقت بھی اونچا ہی ہے' مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھ لیتے ہیں' عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے کے بعد ادا کرتے ہیں' صبح کی نماز سویرا کر کے پڑھتے ہیں پھر فرماتے ہیں نماز کے وقتوں کا پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ فرمایا نماز کا وقت وہ ہے جو تم نے دیکھ لیا۔ (مسلم)

تہجّد

(۱۴۱) پوچھا گیا کہ کیا کسی وقت اللہ کی نزدیکی بنسبت دوسرے وقت کے زیادہ بھی ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ آدھی رات کے وقت اپنے بندوں سے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ پس اگر تم اس وقت ذکر اللہ کر سکتے ہو تو ضرور کرلو۔

(۱۴۲) سوال : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسطیٰ کونسی نماز ہے؟ جواب : عصر کی نماز ہے۔

(۱۴۳) کیا رات دن میں ایسا وقت بھی ہے کہ اس وقت نماز کا پڑھنا مکروہ ہو۔ فرمایا ہاں! صبح کی نماز کے بعد نماز سے رُک جاؤ جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو' نماز حاضر ہے اور قبولیت کے قابل ہے جب تک کہ آفتاب بیچ میں نہ آ جائے۔ جب وہ تیرے سر پر آ کر ایسا

کھڑا ہو جائے جیسے کوئی نیزہ ہو تو اس وقت بھی نماز چھوڑ دے اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے' اس کے دروازے کھل جاتے ہیں' جب سورج تیرے دائیں کنارے اونچا چڑھ جائے اور ڈھل جائے تو پھر نماز حاضر اور قبول شدہ ہے' عصر کی نماز تک جب عصر کی نماز پڑھ لے تو پھر سورج چھپ جانے تک نماز نہ پڑھو۔ (ابنِ ماجہ) اس میں نماز کی ممانعت کا تعلق صبح کی نماز کے پڑھنے سے ہے نہ کہ اس کا وقت ہو جانے سے۔

(۱۴۴) ایک شخص آپؐ سے کہتا ہے کہ میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپؐ مجھے وہ سکھا دیجئے جو مجھے کافی ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہہ لو: ((سبحان الله والحمد لله ولا اله الا اللهُ والله اكبر ولا حول ولا قوةَ الا باللهِ)) اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو سب اللہ کے لیے ہوئے میرے لیے کیا بتلاتے ہیں؟ فرمایا کہ: ((اللهم ارحمني و عافني واهدني وارزقني)) اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کوئی چیز کو لے رہا ہو۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا اس نے تو اپنے دونوں ہاتھ خیر سے پُر کر لیے۔ (ابوداؤد)

(۱۴۵) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کی بیماری تھی۔ نبی ﷺ سے نماز کا سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا کھڑے ہو کر پڑھو' نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو' اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹے لیٹے کروٹ کے بل پر۔ (بخاری)

(۱۴۶) ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ یا چپ رہوں؟ فرمایا چپ رہو یہی تجھے کافی ہے۔ (دار قطنی) مراد الحمد کے سوا قرأت کے وقت چپ رہنا ہے کیوں کہ الحمد کا تو خاص آپؐ کا حکم ہے اور اس کے بغیر نماز کے نہ ہونے کو آپؐ نے صاف صاف لفظوں میں فرما دیا ہے۔

(۱۴۷) لکڑہاروں نے آپؐ سے عرض کیا کہ نبی ﷺ ہم تو برابر سفر میں ہی رہا کرتے ہیں۔ ہم نماز کے بارے میں کیا کریں؟ فرمایا رکوع میں تین تسبیحیں پڑھ لو اور سجدے میں بھی صرف تین تسبیحیں پڑھ لیا کرو۔ (شافعی)

(۱۴۸) حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو شیطان نے بڑا تنگ کیا۔ نماز بھی مجھ پر مشکل ہو پڑی ہے' خلط ملط کر دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس شیطان کا نام خزب ہے جب تجھے اس کا احساس ہو تو اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے۔ کہتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطانی حرکت مجھ سے دور کر دی۔ (مسلم)

(۱۴۹) ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ جن کپڑوں کو پہنے ہوئے میں اپنی بیوی سے مجامعت کروں' انہی میں نماز ادا کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! بشرطیکہ اس میں کوئی ناپاکی نہ ہو۔ ہو تو دھو ڈال۔

(۱۵۰) حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی شرمگاہوں کے بارے میں کہاں تک مقید ہیں اور کہاں تک آزاد ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر بجز اپنی بیوی کے اور اپنی ملکیت کی لونڈی کے۔

(۱۵۱) پوچھا گیا کہ اگر مرد مرد کے ساتھ ہی ہو؟ فرمایا جہاں تک ہو سکے خیال رکھ کہ کوئی بھی شرمگاہ دیکھنے نہ پائے۔

(۱۵۲) دریافت کیا کہ اگر تنہائی ہو؟ فرمایا پھر بھی اللہ تعالیٰ سے شرم و لحاظ رکھنا چاہیے۔ (مسند احمد)

(۱۵۳) سوال ہوا کہ کیا ایک کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے؟ جواب دیا کہ کیا تم میں سے ہر شخص دو کپڑے پاتا ہے؟ (متفق علیہ)

(۱۵۴) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں شکار میں ہوتا ہوں اور صرف ایک کرتا ہی پہنے ہوئے ہوتا ہوں تو کیا میں اسی میں نماز ادا کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا گھنڈی لگا لیا کرو اور کچھ نہ ملے تو کانٹے سے ہی

سہی۔ (مسند احمد) نسائی میں یہ بھی ہے کہ گرمی کا زمانہ ہوتا ہے اور میں صرف کرتا ہی پہنے ہوئے ہوتا ہوں۔ ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ کیا پوستین پہنے ہوئے میں نماز پڑھ لوں؟ آپؐ نے فرمایا پھر دباغت کہاں ہے؟

(۱۵۵) کمان اور ترکش کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ ترکش کو تو علیحدہ کر دو۔ ہاں! کمان رہتے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہو۔ (دار قطنی)

(۱۵۶) حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا دریافت کرتی ہیں کہ کیا عورت چادر اور دوپٹے سے نماز ادا کر سکتی ہے جبکہ تہبند باندھے ہوئے نہ ہو؟ فرمایا ہاں اس وقت پڑھ سکتی ہے جب چادر اتنی لمبی چوڑی ہو کہ قدم ڈھانپ لے۔ (ابوداؤد)

(۱۵۷) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ دریافت کرتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپؐ فرماتے ہیں مسجد حرام۔

(۱۵۸) پوچھا پھر کونسی؟ فرمایا مسجد اقصیٰ۔

(۱۵۹) دریافت کیا ان دونوں کے بننے کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ فرمایا چالیس سال کا پھر تیرے لیے ساری زمین مسجد ہے جہاں وقت نماز آ جائے وہیں نماز ادا کرے۔ (متفق علیہ)

(۱۶۰) مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے کشتی میں نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ ہاں! اگر غرق ہونے کا خوف ہو تو اور بات ہے۔

(۱۶۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ نماز میں سجدے کی جگہ سے کنکریوں کو ٹھیک کرنا درست ہے یا نہیں؟ فرمایا خیر ایک مرتبہ کر لے یا بالکل ہی نہ کرے۔

(۱۶۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ایک بار' لیکن ایک بار بھی نہ کرنا ہی تیرے لیے بہتر ہے' بلکہ یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ تجھے سو اونٹنیاں ملیں جن میں سے ہر ایک بہت اچھی اور سیاہ رنگ کی ہو۔ یہ یاد رہے کہ مسجد نبوی کے فرش پر کنکریاں بچھی ہوئی تھیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سجدے کے وقت انہیں درست کر لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تو ایسا کرنے کی رخصت دی تاہم اس کے بھی چھوڑنے کی فضیلت بیان فرما دی۔ یہ حدیث مسند میں ہے۔

(۱۶۳) آپؐ سے نماز کے اندر التفات کرنے کے مسئلے کو دریافت کیا جاتا ہے تو آپؐ جواب دیتے ہیں کہ یہ تو اُچک لینا ہے۔ اس سے شیطان بندے کی نماز کا حصہ چھین لیتا ہے۔

(۱۶۴) آپؐ سے ایک صاحب دریافت کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اپنی منزل میں نماز پڑھ لے' پھر مسجد میں آئے اور یہاں نماز کھڑی ہو تو کیا ان کے ساتھ بھی نماز پڑھے؟ فرمایا پھر تو تیرے لیے اکٹھا ملا ہوا حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۶۵) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ آپؐ سے سیاہ رنگ کے کتے کے گزر جانے سے نماز کے ٹوٹ جانے کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ نہ سرخ رنگ کا کتا ہو نہ زرد رنگ کا تو آپؐ فرماتے ہیں سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہے۔

(۱۶۶) ایک شخص نے آپؐ سے ذکر کرتا ہے کہ میں نماز میں کھڑا ہوا لیکن ایسا خیال چوکا کہ نہیں معلوم طاق رکعتیں ہوئیں یا جفت؟ فرمایا اس سے بہت بچنا چاہیے کہ شیطان تم سے تمہاری نماز میں کھیل کرے' جو نماز پڑھے اور اسے یہ بھی پختگی نہ ہو کہ اس نے طاق رکعتیں ادا کیں یا جفت تو اسے دو سجدے سہو کے کر لینے چاہئیں۔ یہ دونوں اس کی نماز کو پوری کر دیں گے۔ (مسند احمد)

جمعہ کی فضیلت

(۱۶۷) آپؐ سے پوچھا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن کو فضیلت کیوں دی گئی ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ اسی دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی طینت مطبوع ہوئی' اسی میں قیامت کی بے ہوشی ہوگی' اسی میں موت کے بعد کی زندگی ہوگی' اسی میں پکڑ دھکڑ ہے۔ اسی کی آخری تین ساعتوں میں ایک ساعت ہے کہ اس میں جو شخص اللہ تعالیٰ سے جو مانگے اللہ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے۔

(۱۶۸) آپؐ سے جمعہ کی اس ساعت کی بابت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا نمازِ جمعہ کے کھڑی ہونے سے ختم ہونے تک کے عرصے میں یہ ساعت ہے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ پہلی اور اس دوسری حدیث میں اختلاف ہے۔ نہیں بات یہ ہے کہ آخری ساعت ساعت اجابت ہے لیکن جب کہ وہ ساعت اجابت ہے تو نماز کھڑی ہونے کی ساعت میں بھی اجابت کے لیے بہترین ساعت ہے جیسے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقوے پر ہے' ہے تو مسجد قبا لیکن مسجد نبوی اس بارے میں اس سے اولیٰ ہے۔ بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ یہ ساعت بدلتی رہتی ہے کبھی دن کی آخری ساعت کبھی نماز کے وقت کی ساعت لیکن اس تطبیق سے بھی اچھی تطبیق وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔

(۱۶۹) یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں جمعہ کے دن کی بھلائیاں بتلائیے۔ آپؐ نے فرمایا اس میں پانچ فضیلتیں ہیں۔ (۱) اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ (۲) اسی دن وہ زمین کی طرف اتارے گئے۔ (۳) اسی دن وفات پائی۔ (۴) اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو دُعا کی جائے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جب تک کہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دُعا نہ ہو۔ (۵) اسی دن قیامت قائم ہوگی' کوئی مقرب فرشتہ' کوئی آسمان' کوئی زمین' کوئی پہاڑ' کوئی پتھر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے ڈرتا نہ ہو۔ (احمد و شافعی)

ایک وتر

(۱۷۰) رات کی تہجد کی نماز کی بابت آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ دو رکعت ہے۔ جب صبح ہو جانے کا ڈر ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔ (بخاری و مسلم)

(۱۷۱) حضرت ابو امامہ پوچھتے ہیں کہ میں وتر کی نماز کتنے رکعت پڑھوں؟ آپؐ جواب دیتے ہیں ایک رکعت۔

(۱۷۲) کہتے ہیں مجھے اس سے زیادہ کی بھی طاقت ہے۔ فرماتے ہیں پھر تین رکعت' پھر فرماتے ہیں پانچ رکعت' پھر فرماتے ہیں سات رکعت۔

(۱۷۳) ترمذی میں ہے کہ: ﴿ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ ﴾ (الفجر: ۳) کی بابت آپؐ سے سوال ہوا تو آپؐ نے جواب دیا کہ اس سے مراد جفت اور طاق رکعت کی نماز ہے۔

(۱۷۴) سنن دار قطنی میں ہے کہ ایک صاحب نے آپؐ سے وتر کی بابت پوچھا تو آپؐ نے تین وتروں کی نسبت فرمایا کہ دو پڑھ کر سلام پھیر کر پھر ایک پڑھو۔

(۱۷۵) یا رسول اللہ ﷺ افضل نماز کونسی ہے؟ فرمایا جس کا قیام لمبا ہو۔ (مسند احمد)

(۱۷۶) پوچھا گیا کہ رات کے کس وقت تہجد پڑھنا افضل ہے؟ فرمایا آدھی رات کو اور اس کے عامل بہت کم ہیں۔

(۱۷۷) نسائی شریف میں ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی ساعت بہ نسبت دوسری ساعت کے اللہ سے زیادہ قریب کرنے والی ہے؟ فرمایا ہاں درمیان آدھی رات کا وقت۔

اچانک موت

(۱۷۸) آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ اچانک موت کی بابت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ مؤمن کے لیے راحت ہے اور فاسق شخص کے لیے افسوسناک پکڑ ہے۔ (مسند احمد) اسی لیے دو روایتوں میں سے ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے کہ آپ نے اچانک موت کو مکروہ نہیں سمجھا۔ ہاں! دوسری روایت میں آپ سے کراہت بھی مروی ہے۔

(۱۷۹) مسند کی اور حدیث میں ہے کہ آپ ایک مرتبہ جا رہے تھے کہ ایک دیوار جھک رہی تھی تو آپ تیزی سے اس کے نیچے سے گزر گئے۔ اس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں تو ایسی ناگہانی موت کو پسند نہیں کرتا۔ یاد رہے کہ ان دونوں حدیث میں کوئی مناقاۃ نہیں (اچانک موت کا راحت ہونا اور بات ہے اور ایسے مواقع سے بچنے کی امکانی کوشش اور بات ہے)۔

فرشتوں کا ادب

(۱۸۰) آپ سے سوال کیا گیا کہ کسی کافر کا جنازہ گزرے تو بھی ہم کھڑے ہو جائیں؟ فرمایا: ہاں! تم جنازے کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تو تمہارا کھڑا ہونا تو ان کی بزرگی کے لیے جو جو جان قبض کرتے ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۸۱) ایک یہودی کے جنازے کے لیے جب آپ کھڑے ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ موت گھبراہٹ کی چیز ہے، جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

ایمان کی باتیں

(۱۸۲) ایک عورت نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے ایک ایماندار لونڈی آزاد کی جائے۔ آپ نے اس لونڈی کو بلوایا۔ اس سے پوچھا کہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ مؤمنہ ہے، اسے آزاد کر دو۔

(۱۸۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا سوال و جواب قبر کے وقت ہماری عقلیں ہماری جانب لوٹائی جائیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک اسی طرح جس طرح آج ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۸۴) یا رسول اللہ ﷺ کیا عذابِ قبر ہوگا؟ فرمایا ہاں عذابِ قبر برحق ہے۔

زکوٰۃ و خیرات کے مسائل

(۱۸۵) اونٹ کی زکوٰۃ کی بابت سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ جو اونٹ والا اونٹ کے حقوق ادا نہ کرے گا اور

ان کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ جس دن وہ پانی کے گھاٹ پر جائیں مسکینوں کی خبر گیری ان کے دودھ سے بھی کی جائے۔ غرض ان کے حقوق ادا نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن ایک چٹیل میدان میں لٹایا جائے گا اور اس کے وہ تمام اونٹ جن میں چھوٹے بچے بھی ہوں گے اسے اپنے قدموں سے روندیں گے اور اپنے مُنہ سے کاٹیں گے لیکن ڈوری جہاں ختم ہوئی کہ پھر سے روندنا اور کاٹنا شروع ہوا پچاس ہزار سال کے برابر والے قیامت کے دن اُسے یہی عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ بندوں کے فیصلوں سے فراغت ہو جائے۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا تو جنّت کی طرف یا جہنم کی طرف۔

(۱۸۶) گایوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی نسبت بھی یہی فرمایا۔

(۱۸۷) گھوڑوں کی نسبت سوال ہوا تو فرمایا گھوڑے پالنے والے تین طرح کے ہیں' ایک کے اوپر تو بوجھ ہیں' دوسرے کے لیے پردہ ہیں' تیسرے کیلئے اجر۔ اجر ان کے لیے ہے جو راہِ الٰہی کے لیے پالے یہ جس چراگاہ میں چرے چگے اس کے پالنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ یہ اگر رسّی تڑوا کر کسی ایک یا دو انچائیوں پر چڑھ جائے یہ اس کے ثواب کا سبب ہے۔ اس کے نشانِ قدم اس کی لید بھی اس کے پالنے والے کی نیکیوں میں داخل ہے۔ اگر یہ کسی نہر پر سے گزرے اور اپنے پالنے والے کے ارادے کے بغیر ہی اس میں سے پانی پی لے یہ بھی اس کی نیکیوں میں شامل ہے۔ الغرض یہ گھوڑا تو اپنے مالک کے لیے سراسر نیکی ہی نیکی ہے اور جو شخص اس لیے پالے کہ اس سے اپنی حاجت روائی کرے' دوسروں کا محتاج نہ ہونا پڑے پھر اس کی گردن میں اس کی سواری میں جو اللہ کا حق ہے اسے بھی نہ بھولے۔ یہ گھوڑا اپنے مالک کے لیے پردہ ہے اور جو شخص فخر و غرور کے لیے اہل اسلام کے خلاف کے لیے پالے اس پر یہ گھوڑا بوجھ اور گناہ ہے۔

(۱۸۸) گدھوں کی بابت سوال ہوتا ہے تو ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں مجھ پر سوائے اس جامع اور شامل آیت کے اور کوئی فرمان نازل نہیں ہوا : ﴿ فمن یعمل مثقال ذرۃٍ ﴾ الخ' (زلزال : ۷) (صحیح مسلم)

(۱۸۹) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں کہ میرے پاس سونے کے کنگن ہیں تو کیا یہ اس خزانے میں داخل ہیں جس پر جہنم کی وعید ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں کہ جو چیز زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے پھر اس کی زکوٰۃ نکال دی جائے وہ اس خزانے میں داخل نہیں۔ (مالک)

(۱۹۰) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی اور حق ہے؟ جواب دیا ہاں ہے' سنو قرآن فرماتا ہے : ﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ﴾ الخ' (البقرہ : ۱۷۷) (دار قطنی)

(۱۹۱) ایک عورت آپؐ سے دریافت کرتی ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کچھ زیور ہے' میرا خاوند بھی مسکین آدمی ہے اور میرا بھتیجا بھی تو کیا میں اپنے ان زیوروں کی زکوٰۃ انہیں دے دوں تو کافی ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ ہاں۔

(۱۹۲) ابنِ ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو سیارہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ شہد کی مکھیوں کے چھتے میرے پاس ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس میں سے دسواں حصّہ ادا کرتے رہو۔ انہوں نے کہا پھر انہیں میرے حق میں محفوظ کر دیا جائے۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔

(۱۹۳) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا سال گزرنے سے پہلے میں زکوٰۃ دے دوں؟ آپؐ نے انہیں اس

کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (مسند احمد)

(۱۹۴) یا رسول اللہ ﷺ زکوٰۃِ فطر کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر' چھوٹے پر' بڑے پر' آزاد پر' غلام پر ایک صاع ہے' کھجور کا یا جو کا یا پنیر کا۔

(۱۹۵) مالدار لوگ پوچھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے تحصیل دار ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو اُن کی زیادتی کے انداز سے ہم اپنا مال اُن سے چھپالیں؟ فرمایا نہیں۔ (ابوداؤد)

(۱۹۶) ایک شخص رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتا ہے کہ میں مالدار ہوں' ساتھ ہی عیالدار بال بچّوں والا ہوں۔ مجھے بتلایئے کہ کیسے خرچ کروں اور کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ نکال وہ پاکیزگی ہے جو تجھے پاک و صاف کر دے گی۔ صلہ رحمی کر اور اپنے رشتے داروں کی خبر گیری کر' سائل کا' پڑوسی کا' مسکین کا حق پہچان۔ اس نے کہا نبی ﷺ میرے لیے تو ان لفظوں میں کچھ کمی کیجیے۔ آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرما دی: ﴿ وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ ﴾ الخ' (الاسراء: ۲۶) قرابت داروں کو ان کا حق پہنچا اور مسکین کو اور مسافر کو اور اسراف و فضول خرچی نہ کر۔ اس نے کہا بس یہ کافی ہے۔

(۱۹۷) پھر پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ جب میں اپنی زکوٰۃ آپؐ کے قاصدوں کو دے دوں تو میں اللہ اور رسول کے نزدیک بَری ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں جب تو میرے قاصد کو دے دے تو تُو اس سے بَری ہو گیا۔ تیرا اجر ثابت ہو گیا' پھر اسے جو بدل ڈالے اس پر گناہ رہے گا۔ (مسند احمد)

(۱۹۸) آپؐ سے سوال ہوتا ہے کہ آپؐ کے مولیٰ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو ہم صدقہ دے سکتے ہیں؟ آپؐ فرماتے ہیں ہم آلِ محمد ہیں (ﷺ) ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں' قوم کا مولیٰ بھی انہی میں سے ہے۔

(۱۹۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنی خیبر والی زمین سے قربِ الٰہی حاصل کریں۔ نبی ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ میں کس طرح کروں؟ آپؐ فرماتے ہیں اگر چاہو تو اصل روک کر صدقہ کر دو یعنی وقف کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی کیا۔

(۲۰۰) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ راہِ الٰہی میں دے دیا' ان کے والدین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نبی ﷺ ہماری روزی کا ظاہر ذریعہ تو صرف یہی تھا۔ اس کے سوا ہمارے پاس تو کوئی مال نہیں۔ آپؐ نے اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا اللہ کے ہاں تیرا صدقہ تو قبول ہو گیا اور وہ تیرے ماں باپ پر واپس ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ان کے ماں باپ کے پاس ہی رہا۔ (نسائی)

(۲۰۱) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کون سی خیرات افضل ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ تحفہ دینا' اس طرح کہ تم میں سے کوئی درہم یا سواری کے جانور یا دودھ کے لیے بکری یا گائے تحفہ دے دے۔ (مسند احمد)

(۲۰۲) اسی سوال کے جواب میں ارشاد ہے کہ باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا سب سے پہلے اپنے عیال سے شروع کرو۔ (ابوداؤد)

(۲۰۳) یہی بات ایک اور مرتبہ پوچھی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں کہ صحت اور مال کی چاہت مسکینی کے خوف اور امیری کی تمنا کے وقت کی خیرات سب سے افضل ہے۔

(۲۰۴) اسی سوال کے جواب میں ایک بار فرمایا پانی پلانے کا صدقہ سب سے افضل ہے۔

(۲۰۵) حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ میرے حوض پر کسی کے اونٹ آ کر پانی پی جائیں تو مجھے ثواب ملے گا؟ فرماتے ہیں ہاں ہر ایک گرم کلیجے میں اجر ہے۔

(۲۰۶) دو عورتوں نے پوچھا کہ کیا وہ اپنا صدقہ اپنے خاوندوں کو دے سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں انہیں دوہرا اجر ملے گا قرابتداری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (متفق علیہ)

(۲۰۷) ابنِ ماجہ میں ہے کہ کیا میں اپنے خاوند کو اور اپنے ہاں پلنے والے یتیموں کو صدقہ دے دوں تو کافی ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے لیے دو اجر ہیں' صدقے کا اور قرابت کا۔

(۲۰۸) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں کہ میرے پاس سوائے اس کے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مجھے دیں اور مال تو ہے نہیں تو کیا میں صدقہ کروں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں! صدقہ کر روک نہ رکھ' ورنہ اللہ بھی تم سے روک لے گا۔ (متفق علیہ)

(۲۰۹) ایک غلام آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا میں اپنے مالک کے مال سے خیرات کر سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں ثواب تم دونوں میں آدھوں آدھ ہے۔ (مسلم)

(۲۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا راہِ الٰہی میں دیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ فروخت کرتا ہے میں خرید لوں؟ آپ نے فرمایا نہ خریدو' اپنے صدقے کو واپس نہ لو' گو وہ تمہیں ایک درہم کا ہی دے۔ اپنے صدقے کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کوئی قے کر کے چاٹ لے۔ (متفق علیہ)

(۲۱۱) آپ سے معروف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کسی نیکی کو ہلکی نہ گنو' چاہے ایک رسی کا ٹکڑا دے دو یا جوتی کا تسمہ' چاہے تم اپنے ڈول میں سے کسی پیاسے کو پانی ہی پلا دو یا راستے سے کسی ایذا دینے والی چیز کو دور ہٹا دو یا کسی مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملاقات کر دیا کسی مسلمان سے سلام کر دیا کسی انجان کی وحشت کو دور کر دو۔ (احمد)

ناظرینِ کرام! تمہیں رب کی قسم سچ کہو یہ پاک فتوے کیسے پیارے' کتنے میٹھے' کس قدر نفع دینے والے اور کیسے جامع ہیں!! واللہ اگر لوگ اپنی توجہ اسی طرف کر لیں تو پھر نہ انہیں دوسروں کے فتوؤں میں یہ نورانیت نظر آئے نہ یہ لذت پائیں' نہ یہ حلاوت ملے نہ اس کی ضرورت رہے کہ فلاں نے یہ فتوٰی دیا اور فلاں نے یہ۔ اللہ ہماری مدد فرمائے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی جستجو کی توفیق دے اور اس پر عمل کرنے کی بھی' آمین!

(۲۱۲) ایک صحابی آپ سے کہتے ہیں کہ میں نے خیرات کا ایک غلام اپنی والدہ کو دیا تھا' اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے صدقے کا ثواب تجھے مل گیا اور اب بطور ورثے کے وہ تیری چیز ہے۔ (شافعی)

(۲۱۳) ایک عورت آپ سے کہتی ہے کہ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی دی تھی' اب وہ فوت ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا تیرا اجر واجب ہو گیا اور میراث نے اس لونڈی کو اب پھر تیری لونڈی بنا دیا۔

(۲۱۴) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ فوت ہو گئیں' میرا خیال ہے کہ اگر وہ بولتیں تو ضرور صدقہ کرنے کو کہتیں تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کا ثواب انہیں ملے گا؟ آپ نے فرمایا' ہاں! (بخاری و مسلم)

(۲۱۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد انتقال کر گئے کوئی وصیت انہوں نے نہیں کی' میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو انہیں ثواب پہنچے گا؟ فرمایا ہاں! پہنچے گا۔ (مسلم)

(۲۱۶) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! زمانۂ جاہلیت میں میں جو نیکی کیا کرتا تھا' نماز' غلاموں کی آزادگی' صدقہ وغیرہ تو کیا مجھے اب جبکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں' ان کا بدلہ بھی ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو نیکیاں تو نے کی ہیں وہ سب اسلام لانے کے بعد تجھے ملیں گی۔ (متفق علیہ)

(۲۱۷) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ ابنِ جدعان جاہلیت کے زمانے میں صلہ رحمی کرتا تھا' مسکینوں کو کھانا دیتا تھا تو کیا اسے کچھ نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا اسے کچھ نفع نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے پوری عمر میں کسی دن نہیں کہا کہ الٰہی قیامت کے دن میرے گناہ معاف فرما دینا۔ (مسلم)

(۲۱۸) یا رسول اللہ ﷺ وہ تونگری کیا ہے جس کے بعد سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔ (مسند احمد)

(۲۱۹) اور روایت میں ایسے ہی سوال کا جواب ہے کہ صبح و شام کا کھانا۔ ان دونوں جوابوں میں کوئی منافاۃ نہیں' کیونکہ یہ ایک دن کی تونگری ہے اور وہ عام حالات پر نظر ڈال کر سال بھر کی تونگری ہے۔ یہ جواب باختلافِ حالِ سائل جداگانہ ہوتے تھے' واللہ اعلم۔

(۲۲۰) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عطیہ بھیجا۔ عمر رضی اللہ عنہ دوڑے بھاگے نبی ﷺ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ آپ نے تو فرمایا تھا اس میں کوئی بھلائی نہیں کہ تم میں سے کوئی کسی سے کچھ لے۔ آپ نے فرمایا یہ اس وقت جب سوال کیا ہو اور بے سوال کیے جو مل جائے وہ تو اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ تب آپ نے فرمایا واللہ نہ میں کسی سے کچھ مانگوں گا اور نہ بے مانگے آئی ہوئی چیز کو واپس لوٹاؤں گا۔ (مالک)

روزوں کی بابت رسول اللہ ﷺ کے فتوے

(۲۲۱) سوال: یا رسول اللہ ﷺ کون سے نفلی روزے افضل ہیں؟ جواب: تعظیم رمضان کے لیے شعبان کے روزے۔

(۲۲۲) سوال: کونسا صدقہ افضل ہے؟ جواب: "رمضان المبارک کے مہینے میں جو دیا جائے۔" (ترمذی)

(۲۲۳) صحیح حدیث میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ رمضان کے بعد کس مہینے کے روزے افضل ہیں؟ فرمایا محرم کے مہینے کے۔

(۲۲۴) فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا آدھی رات کی نماز۔

(۲۲۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے کہتی ہیں کہ نبی ﷺ آپ میرے پاس آئے' تب روزے سے تھے' پھر مالیدہ کیسے کھا لیا؟ فرمایا ہاں! رمضان کے سوا اور دنوں میں یا قضائے رمضان کے روزے رکھنے والے قائم مقام اس شخص کے ہیں جو اپنے مال میں سے کوئی رقم خیرات کی نیت سے نکالے' پھر اس میں سے جتنا دل بڑھے دے دے اور جتنا دل بخیلی کرے' روک لے۔ (نسائی)

(۲۲۶) حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ جاتے ہیں' وہاں کچھ پی کر پھر حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت کرتے ہیں' آپ پی لیتی ہیں' پھر کہتی ہیں نبی ﷺ میں روزے سے تھی۔ آپ نے فرمایا نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا امیر ہے' اگر چاہے پورا کرے' اگر چاہے توڑ دے۔ (نسائی)

(۲۲۷) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا اور نبی ﷺ کو اور آپ کے چند ساتھیوں کو بلوایا۔ ان میں سے ایک بزرگ فرمانے لگے کہ میں تو روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا اُس تمہارے بھائی نے تو کھانا تیار کرایا ہے' اُس نے تکلیف اٹھائی ہے' اب تم روزہ توڑ دو' پھر کسی دن قضاء کر لینا۔ (دار قطنی)

(۲۲۸) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے ہدیے میں گوشت آتا ہے' دونوں روزے سے ہوتی ہیں' روزہ توڑ کر اسے کھا لیتی ہیں' نبی ﷺ کے آنے پر آپ سے مسئلہ دریافت کرتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اور دن اس کی قضاء کر لینا۔ (احمد)

(۲۲۹) یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھیں درد ہو رہی ہیں' ہوں میں روزے سے تو کیا میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں لگا سکتے ہو۔ (ترمذی)

(۲۳۰) یا رسول اللہ ﷺ کیا قے آنے سے وضو کرنا فرض ہے؟

فرمایا اگر فرض ہوتا تو قرآن میں پاتا۔ (دار قطنی) ان دونوں حدیثوں کی سند میں کلام ہے۔

(۲۳۱) حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا روزے دار اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اِن اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ لو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں نبی ﷺ ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں۔ (مسلم)

(۲۳۲) مسند احمد میں ہے کہ کسی نے رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا' پھر بہت گھبرایا' آخر اپنی بیوی کو اس مسئلے کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ ان سے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ ایسا کر لیا کرتے ہیں۔ اس نے جا کر اپنے خاوند سے کہا' اس کی بے چینی بڑھ گئی اور وہ کہنے لگا کہ ہم نبی ﷺ کے مثل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے جو چاہا حلال کر دیا ہے۔ تم پھر جا کر مسئلہ دریافت کرو۔ یہ دوبارہ آئیں تو رسول اللہ ﷺ بھی گھر میں موجود تھے۔ آپ نے پوچھا کون ہیں' کیسے آئی ہیں؟ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں خبر نہ کر دی کہ میں خود ایسا کرتا ہوں۔ عرض کیا کہ یہ تو کہہ دیا لیکن ان کے خاوند تو اس سے برائی میں اور بڑھ گئے اور یوں یوں کہا۔ اب تو نبی ﷺ کو بڑا ہی غصہ آ گیا اور فرمانے لگے' واللہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کی حدوں کو جاننے والا ہوں۔ (مالک و شافعی)

(۲۳۳) ایک نوجوان آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(۲۳۴) ایک بوڑھی عمر کے شخص بھی آپ سے یہی پوچھتے ہیں' آپ انہیں اجازت دیتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں بوڑھے لوگ اپنے نفس کے روکنے پر زیادہ قادر ہوتے ہیں۔

(۲۳۵) ایک شخص آپ سے ذکر کرتا ہے کہ میں تھا تو روزے سے' لیکن میں نے بھولے سے کھا پی لیا۔ آپ نے فرمایا اللہ نے تجھے کھلایا پلایا۔ (ابوداؤد) دار قطنی میں ہے کہ اپنا روزہ پورا کر' اللہ نے تجھے کھلا پلا دیا' تجھ پر قضاء نہیں اور یہ واقعہ رمضان المبارک کے پہلے ہی روزے کا ہے۔

(۲۳۶) ایک عورت آپ کے پاس کھانے کو بیٹھ گئی' پھر یکایک ہاتھ روک لیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میں روزے

سے تھی' لیکن بھولے سے کھانے کو بیٹھ گئی۔ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کہنے لگے واہ واہ پیٹ بھر لیا پھر روزہ یاد آیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم اپنا روزہ پورا کرو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمہیں روزی پہنچا دی۔ (مسند احمد)

(۲۳۷) یا رسول اللہ ﷺ یہ سفید دھاگے اور سیاہ دھاگے کا قرآن میں ذکر ہے' اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی۔ (نسائی)

(۲۳۸) نبی ﷺ آپ ہمیں تو روزے پر روزہ رکھنے کی ممانعت فرماتے ہیں' پھر خود کیوں رکھتے ہیں؟ فرمایا میں تو تمہاری طرح نہیں ہوں' مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۲۳۹) یا رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کا وقت آ جاتا ہے اور غسل جنابت مجھ پر چڑھا ہوا ہوتا ہے تو کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی میری حالت ہوتی ہے اور روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا ہم میں آپ میں برابری ہی کیا؟ آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔ آپ نے فرمایا واللہ مجھے تو جنابِ باری سبحانہ سے امید ہے کہ تم سب سے زیادہ خوفِ الٰہی میرے دل میں ہے۔ تم سب سے زیادہ علم مجھے ہے کہ کس چیز سے بچنا چاہیے۔ (مسلم)

(۲۴۰) یا رسول اللہ ﷺ! سفر میں روزہ رکھیں؟ فرمایا اختیار ہے خواہ رکھو خواہ نہ رکھو۔ (مسلم)

(۲۴۱) حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ میں سفر میں روزہ رکھنے پر قادر ہوں تو کیا مجھے اجازت ہے؟ فرمایا یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے جو لے اچھا ہے اور جو روزہ رکھنا چاہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (مسلم)

(۲۴۲) دار قطنی میں حسن سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رمضان شریف کی قضاء کے روزوں کو پے در پے نہ رکھنے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا تمہیں اختیار ہے۔ دیکھو اگر تم پر فرض ہوتا اور تم اس میں سے ایک دو درہم ادا کرتے تو کیا اتنا ادا نہ ہوتا؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ معافی دینے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

(۲۴۳) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے آپ سے کہا کہ میری والدہ فوت ہو چکی ہیں' ان پر نذر کے روزے تھے تو کیا میں ان کی طرف سے وہ روزے پورے کر سکتی ہوں؟ فرمایا اگر تیری ماں کے ذمے کسی کا قرض ہوتا اور تو ادا کرتی تو کیا ادا ہو جاتا؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا اسی طرح یہ بھی ہے۔ جا اپنی ماں کی طرف سے تو روزے رکھ لے۔

(۲۴۴) ابوداؤد میں ہے ایک عورت سمندر میں کسی کشتی پر تھی' وہاں اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ سلامتی سے پہنچا دے گا تو ایک مہینے کے روزے رکھوں گی۔ سلامتی سے پہنچ تو گئی لیکن روزے رکھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی۔ اس کی لڑکی یا بہن نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے انہیں اس کی طرف سے روزہ رکھنے کا حکم عطا فرمایا۔

(۲۴۵) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مؤمنوں کی ماؤں نے نبی ﷺ سے کہا کہ ہم آج روزے سے تھیں کچھ کھانا ہدیتاً آیا' ہم نے وہ کھا پی لیا۔ فرمایا اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھ لینا۔ (احمد) یاد رہے کہ دوسری روایت میں جو ہے کہ نفلی روزے دار اپنے نفس کا امیر ہے یہ اس کے خلاف نہیں کہ اس کے قضاء کرنا افضل ہے۔

(۲۴۶) بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک صحابی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو ہلاک ہو گیا' میں تو ہلاک ہو گیا' میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی پر واقع ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تجھ میں قدرت ہے کہ

ایک غلام آزاد کرے؟ کہا نہیں! فرمایا تجھ میں طاقت ہے کہ پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے؟ کہا نہیں! فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ کہا نہیں! فرمایا اچھا بیٹھا رہ۔ اتفاقاً اسی وقت آپؐ کے پاس کھجوروں کا ٹوکرا آیا۔ دریافت فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا میں موجود ہوں۔ فرمایا جاؤ لے جاؤ اور اسے صدقہ کر دو۔ وہ کہنے لگا کیا مجھ سے بھی زیادہ مسکین پر؟ واللہ یا رسول اللہ ﷺ مدینے کے اس سرے سے اُس سرے تک کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں۔ آنحضرت ﷺ ہنس دیئے' یہاں تک کہ کچلیاں کھل گئیں' پھر فرمایا کہ اچھا بھائی جاؤ تم بھی کھالینا اور اپنے بال بچوں کو بھی کھلا دینا۔

(۲۴۷) مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ رمضان کے بعد اور کس مہینے کے روزوں کا آپؐ مجھے حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر تُو رمضان کے بعد روزے رکھنا چاہتا ہے تو محرم کے روزے رکھ۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی ہے اور دوسری قوموں کی توبہ قبول فرمائے گا۔

(۲۴۸) مسند احمد میں ہے یا رسول اللہ ﷺ کسی مہینے میں ہم آپؐ کو شعبان جتنے بکثرت روزے رکھتے نہیں دیکھتے۔ فرمایا ہاں عموماً لوگ اس مہینے سے غافل ہیں۔ یہ مہینہ رجب و رمضان کے درمیان ہے' اسی میں اعمال ربّ العالمین کی طرف چڑھتے ہیں' میری چاہت ہے کہ میرے عمل میرے روزے کی حالت میں چڑھیں۔

(۲۴۹) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ سوموار کے دن کے روزے کی وجہ کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا اسی دن میں پیدا کیا گیا ہوں اور اسی دن مجھ پر قرآن اُتارا گیا ہے۔

(۲۵۰) مسند احمد میں ہے کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نفلی روزے رکھتے ہی چلے جاتے ہیں اس طرح کہ گویا اب چھوڑیں گے ہی نہیں اور اسی طرح چھوڑتے ہیں اور چھوڑتے ہی چلے جاتے ہیں گویا اب رکھیں گے ہی نہیں' بجز دو دن کے اگر وہ روزوں میں آ گئے تو آ ہی گئے ورنہ ان کا روزہ پھر بھی رکھتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سے دو دن ہیں؟ کہا سوموار اور جمعرات کا۔ فرمایا ہاں! ان دنوں میں ربّ العالمین کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں حالتِ روزہ سے ہوں۔

(۲۵۱) ابنِ ماجہ میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ سوموار اور جمعرات کو آپؐ کے روزے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ان دنوں میں اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی مغفرت کر دیتا ہے بجز ان کے جو ایک دوسرے کو چھوڑے ہوئے ہوں۔ فرماتا ہے انہیں نہیں جب تک کہ یہ آپس میں صلح کر کے مل نہ جائیں۔

(۲۵۲) صحیح مسلم شریف میں ہے یا رسول اللہ ﷺ! جو ہمیشہ ہر دن روزے سے رہے وہ کیسا ہے؟ فرمایا نہ اسے روزہ رکھنے کا ثواب' نہ افطار کرنے کا یا فرمایا نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔

(۲۵۳) اچھا جو دو دن روزے سے اور ایک دن بے روزے سے رہنا لازم کر لے؟ فرمایا اس کی طاقت کس میں ہے؟

(۲۵۴) اچھا جو ایک دن روزے سے رہے اور ایک دن بے روزہ رہے؟ فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ یہی تھا۔

(۲۵۵) یہ بھی بتا دیجیے کہ جو دو دن افطار کرتا ہے اور ایک دن روزہ رکھتا ہے؟ فرمایا کاش کہ مجھ میں اتنی قوت ہوتی۔ پھر آپؐ نے فرمایا ہر مہینے میں تین روزے اور ہر سال کے رمضان کا روزہ' ان کا ثواب اتنا ہے کہ گویا ساری عمر روزوں

میں گزاری۔ عرفے کے دن کا روزہ ایک سال گزشتہ کے ایک سال آئندہ کے گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ عاشورے کے دن کا روزہ اگلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

(۲۵۶) مسند احمد میں ہے کسی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میں جمعہ کے دن روزہ رکھوں؟ اور اس دن بولنا چالنا بند رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا خاص جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھ۔ ہاں جن روزوں کی عادت ہے اگر ان میں جمعہ آ جائے تو اور بات ہے' بات نہ کرنے کے روزے کی نسبت سنو تم قرآن و حدیث کی بھلی بات کا کسی کو حکم دو یا خلافِ شرع بات سے کسی کو روکو تو یہ چپ رہنے سے کہیں زیادہ افضل ہے۔

(۲۵۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے جاہلیت کے زمانے میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک دن کا اعتکاف کروں گا۔ اب فرمایئے جناب کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور اپنا ایک دن کا اعتکاف پورا کرو۔

(۲۵۸) مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے یا اور مہینوں میں؟ فرمایا رمضان شریف میں ہے۔

(۲۵۹) تو کیا نبیوں کی زندگی تک ہی وہ رات باقی رہتی ہے اور ان کی وفات پر اٹھ جاتی ہے یا قیامت تک باقی ہے؟ فرمایا وہ قیامت تک باقی ہے۔

(۲۶۰) اچھا تو رمضان کے کس حصے میں ہے؟ فرمایا پہلے دس دنوں میں اس رات کی تلاش کرو یا آخری دس دنوں میں۔

(۲۶۱) یا رسول اللہ ﷺ ان دونوں عشروں میں سے کس عشرے میں ڈھونڈیں؟ فرمایا آخری عشرے میں تلاش کرو' اب اس کے بعد مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہ کرنا۔

(۲۶۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ جو حق میرے آپؐ پر ہیں انہیں پیش کر کے میں دریافت کرتا ہوں کہ آخری عشرے کی کونسی رات لیلۃ القدر ہے؟ آپؐ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا آخری ہفتے میں اُسے تلاش کرو۔ اب خبردار اس کی نسبت کوئی سوال نہ کرنا۔

(۲۶۳) ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے سوال کے جواب میں فرمایا اسے پورے رمضان میں تلاش کرو۔

(۲۶۴) اسی ابوداؤد میں ہے کہ اسی سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا آج کونسی رات ہے؟ سائل نے کہا بائیسویں۔ فرمایا لیلۃ القدر یہی ہے۔ پھر لوٹے اور فرمایا آئندہ رات یعنی تیئیسویں۔

(۲۶۵) حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ ہم اس مبارک رات کو کب تلاش کریں؟ فرمایا اسی رات۔ یہ تیئیسویں رات کی شام تھی۔

(۲۶۶) ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے دریافت کیا کہ اگر میں اس رات کو پالوں تو کیا دُعا مانگوں؟ آپؐ نے فرمایا یہ دُعا مانگو: ((اللهم انك عفوٌّ تحبُّ العفوَ فاعفُ عَنّی)) یعنی اے اللہ! تو معافی دینے والا ہے' معافی کو ہی پسند فرماتا ہے' پس مجھے بھی معافی عطا فرما۔

مسائل حج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فتوے

(۲۶۷) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو جہاد کو سب سے افضل عمل جانتے ہیں تو کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا تمہارے لیے افضل و بہتر جہاد حج ہے۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ حج تمہارے لیے جہاد ہے۔

(۲۶۸) حضرت اُمِ معقل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حج فرض ہو چکا ہے اور ابو معقل رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! بے شک ہے لیکن میں تو اُسے راہ للہ کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا انہیں دو کہ یہ اس پر حج کر آئیں' حج بھی فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ ابو معقل رضی اللہ عنہ نے انہیں اونٹ دے دیا۔

(۲۶۹) اب وہ کہنے لگیں کہ نبی ﷺ میں بڑھیا ہو گئی ہوں اور بہت بیمار رہا کرتی ہوں' کیا کوئی عمل حج کے برابر بھی ہے؟ آپ نے فرمایا رمضان شریف میں عمرہ کرنا حج سے کفایت کرتا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔

(۲۷۰) ایک صاحب نے کہا نبی ﷺ میں کرایے پر سواریاں دیتا ہوں جن پر لوگ حج کو جاتے ہیں' میں انہیں لے جاتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں تیرا اپنا حج اس صورت میں ادا نہیں ہوتا۔ آپ خاموش ہو رہے' کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت اُتری: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرۃ: ۱۹۸) یعنی تم پر فضل الٰہی کی تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ آپ نے اُسی وقت اُسے بلوایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا بے شک اس صورت میں تیرا حج ادا ہو جاتا ہے۔

(۲۷۱) یا رسول اللہ ﷺ سب سے افضل حج کونسا ہے؟ فرمایا جس میں ذکر اللہ کی آواز بکثرت ہو اور جس میں قربانیاں خوب ہوں۔

(۲۷۲) نبی ﷺ یہ تو فرمایئے کہ حاجی کون ہے؟ جواب دیا کہ پراگندہ بالوں والا' میلے کچیلے کپڑوں والا۔

(۲۷۳) اچھا یا رسول اللہ ﷺ! قرآن میں ہے کہ جو راستے کی طاقت رکھتا ہو اُس پر حج ہے' اس راستے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا توشہ اور سواری۔ (شافعی)

(۲۷۴) کیا عمرہ واجب ہے؟ جواب نہیں' لیکن تم عمرہ کرو' یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ (مسند احمد)

(۲۷۵) نبی ﷺ میرے والد مسلمان ہو گئے ہیں۔ ہیں بڑی عمر کے' بہت بوڑھے جو سواری پر سوار ہونے کے بھی قابل نہیں اور حج ہم پر فرض ہو چکا ہے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تم ان کے بڑے صاحبزادے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں! نبی ﷺ! آپ نے فرمایا دیکھو اگر تمہارے والد کے ذمے کوئی قرض ہوتا اور تم ادا کر دیتے تو ان کی طرف سے ادائیگی ہو جاتی؟ انہوں نے کہا یقیناً۔ فرمایا پس تم اپنے والد کی طرف سے حج کر لو۔ (مسند احمد)

(۲۷۶) دار قطنی میں صحیح سند سے ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے گزارش کی کہ میرے ابا بہت ہی ضعیف العمر شخص ہیں' ان میں نہ حج کی طاقت ہے' نہ عمرے کی۔ وہ تو سواری پر سوار ہی نہیں ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا تم آپ اپنے ابا کی طرف سے حج و عمرہ کر لو۔

(۲۷۷) ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ میرے والد حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے‘ کیا ان کی طرف سے حج ادا کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو تم ادا کرتے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا پھر اللہ کا قرض ادائیگی کا بہت زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ لائے ہیں۔

(۲۷۸) ایک عورت آپؐ سے کہتی ہے کہ میری والدہ حج کے بغیر ہی دنیا سے چل دی ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں؟ فرمایا ہاں تم ان کی طرف سے حج کر لو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲۷۹) ایک مرد کے اسی سوال کے جواب میں کہ میرے والد بے حج انتقال کر گئے‘ ہیں آپؐ نے فرمایا ان پر کوئی قرض ہوتا اور تم ان کی طرف سے ادا کرتے تو کیا وہ قبول ہو جاتا؟ اس نے جواب دیا بے شک۔ فرمایا پھر جاؤ تم ان کی طرف سے حج کر لو۔ (دار قطنی) اس کی دلالت اس بات پر ہے کہ سوال و جواب کا تعلق قبولیت اور صحت کے متعلق تھا نہ کہ وجوب و فرض کے متعلق۔ واللہ اعلم۔

(۲۸۰) ایک شخص کو لبیك عن شبرمة کہتا ہوا سن کر آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا تُو اپنا حج کر چکا ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا اپنا حج ادا کر پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ (شافعی و احمد) یہ شبرمہ ان کے کوئی قریبی تھے۔

(۲۸۱) ایک عورت اپنا بچہ اٹھا کر نبی ﷺ کو دکھا کر پوچھتی ہے کہ کیا اس کا حج ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اور تجھے اَجر ملے گا۔ (مسلم)

(۲۸۲) بخاری و مسلم میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے کہا میری ہمشیرہ نے حج کی نذر مانی تھی‘ لیکن حج کرنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تُو ادا کرتا۔ اس نے کہا ہاں! فرمایا پس اللہ کو بھی ادا کر‘ وہ ادائیگی کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

(۲۸۳) متفق علیہ حدیث میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ احرام والا کیا پہنے؟ فرمایا کہ کرتہ‘ عمامہ‘ برنس‘ پاجامہ‘ ورس یا زعفران وغیرہ سے رنگا ہوا کپڑا اور جرابیں نہ پہنے۔ ہاں! جوتیاں نہ ہونے کی حالت میں جرابیں پہن سکتا ہے‘ لیکن انہیں کاٹ کر ٹخنوں سے نیچی کر لے۔

(۲۸۴) ایک صاحب جو جبہ پہنے ہوئے تھے اور خوشبو میں معطر ہو رہے تھے‘ آنحضرت ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ میں جس حالت میں ہوں وہ آپؐ ملاحظہ کر رہے ہیں اور میں نے عمرے کا احرام باندھ لیا ہے‘ اب میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا جبہ اتار ڈالو اور زردی والی خوشبو چھڑا لو۔ (متفق علیہ) بعض طرق میں ہے کہ اپنے عمرے میں بھی وہی کر جو اپنے حج میں کرتا ہے۔

(۲۸۵) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے شکار کھیلا وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے نہ تھے۔ اس شکار کا گوشت ان کے ہمراہیوں نے بھی کھایا اور وہ سب اس وقت احرام سے تھے۔ جب نبی ﷺ سے ملاقات ہوئی تو یہ مسئلہ آپؐ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا اس شکار کا کچھ گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو اس کے شانے کا گوشت دیا جسے آپؐ نے تناول فرمایا۔ اس وقت آپؐ خود احرام کی حالت میں تھے۔

(۲۸۶) یا رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں کن کن جانوروں کو قتل کر سکتے ہیں؟ فرمایا سانپ‘ بچھو‘ چوہا‘ کاٹ کھانے والا کتا اور حملہ کرنے والے درندے کو۔ مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ کوّے کو کنکر مار دے‘ اُسے قتل

نہ کرے۔

(۲۸۷) حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا آپ سے پوچھتی ہیں کہ میرا ارادہ حج کا ہے اور ہوں میں بیمار؟ آپ نے جواب دیا کہ حج کو جاؤ اور یہ شرط کر لو کہ جہاں مجھے بیماری روک دے وہیں احرام کھول دوں گی۔ (مسلم)

(۲۸۸) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بحالتِ حج آپ سے سوال کرتی ہیں کہ میں بیمار ہوں؟ آپ نے فرمایا سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو۔

(۲۸۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ کیا میں بیت اللہ شریف کی داخلی نہ کروں؟ آپ نے فرمایا حطیم میں چلی جاؤ' یہ بھی بیت اللہ میں سے ہے۔

(۲۹۰) حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ میں طے کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ اپنی سواری کو تھکا دیا۔ اپنی جان کو تکلیف میں ڈال دیا۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا ہوا آیا ہوں' کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے جواب دیا کہ جس نے اِس نمازِ فجر کو ہمارے ساتھ پالیا اور اس سے پہلے رات کو یا دن کو وہ عرفات میں بھی پہنچا اس نے اپنا حج پورا کر لیا اور اپنے میل کچیل سے پاک صاف ہو گیا۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲۹۱) چند نجدیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کی کیفیت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ حج عرفات کا نام ہے' پس جو شخص نمازِ فجر سے پہلے آ گیا اس کا حج پورا ہو گیا اور جس نے تاخیر کی اس پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر آپ نے اپنے پیچھے ایک صحابی کو سوار کر لیا جو ان کلمات کی منادی کرتا رہا۔ (مسند احمد)

(۲۹۲) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بے خبری میں قربانی کرنے سے پہلے سر منڈایا۔ آپ نے فرمایا قربانی کر لو' کوئی حرج نہیں۔

(۲۹۳) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بے خبری میں شیطان کو کنکر مارنے سے پہلے ہی قربانی کر لی۔ آپ نے جواب دیا کہ کنکر اب پھینک لو کوئی حرج نہیں۔ پس جس چیز کی تقدیم تاخیر کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا آپ یہی فرماتے رہے کہ کر لو کوئی حرج نہیں۔ (متفق علیہ) مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں کہ اس دن جس امر کے بارے میں بھی آپ سے سوال کیا گیا جو بھولے سے ہو گیا ہو یا نادانستہ ہو گیا ہو' کوئی کام آگے پیچھے ہو گیا ہو اسی طرح کی کوئی اور بات ہو سب کے جواب میں یہی ارشادِ مبارک ہوتا رہا کر لو کوئی حرج نہیں۔

(۲۹۴) ایک سند سے یہ بھی مروی ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈوا لیا؟ آپ نے فرمایا اب قربانی کر لو کوئی حرج نہیں۔

(۲۹۵) ایک صحابی پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے قربانی کر لی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب کنکریاں پھینک لو کوئی حرج نہیں۔

(۲۹۶) ایک روایت میں ہے کہ آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کر لی تھی یا قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ الغرض لوگ آتے تھے بعض تو کہتے تھے کہ:

(۲۹۷) میں نے طواف سے پہلے صفا و مروہ کی سعی کر لی اور فلاں چیز بعد میں کی اور فلاں کام پہلے کر لیا۔ آپ جواب میں یہی فرماتے تھے کہ کوئی حرج نہیں۔ حرج اور ہلاکت تو اس شخص پر ہے جس نے ظلم کر کے کسی مسلمانوں کے بے عزتی کی۔ (ابوداؤد)

(۲۹۸) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جوؤں نے بہت ستا رکھا تھا تو آپؐ نے حکم دیا کہ وہ احرام کی حالت میں ہی اپنا سر منڈوا دیں اور ایک بکری ذبح کر دیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں یا تین روزے رکھ لیں۔

(۲۹۹) جس نے قربانی کا اونٹ ساتھ لیا تھا اُسے آپؐ نے فتویٰ دیا کہ اس پر سوار ہو جائے۔ (متفق علیہ)

(۳۰۰) حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کے ان جانوروں کی نسبت سوال کرتے ہیں جو راستے میں گر جائیں، چلنے کے قابل نہ رہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں وہیں انہیں ذبح کر ڈالو اور ان کی جوتیاں ان کے خون میں ڈبو کر ان کی گردن پر نشان کر دو۔ اس جانور کو نہ خود کھاؤ نہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کھلاؤ بلکہ اور عام لوگوں کو اذن دے دو کہ وہ اس کا گوشت لے جائیں اور کھالیں۔

قربانی اور عید الاضحیٰ کے فتوے

(۳۰۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپؐ سے عرض کرتے ہیں کہ میں نے قربانی حج کے لیے ایک نہایت ہی اعلیٰ اونٹنی تین سو اشرفیوں کی خریدی ہے، اگر آپؐ اجازت دیں تو میں اسے فروخت کر کے اس قیمت سے بہت سے جانور خرید لوں اور ان سب کی قربانی دے دوں؟ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں اسی کی قربانی دو۔

(۳۰۲) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنت ہیں۔

(۳۰۳) پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ فرمایا ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔

(۳۰۴) اچھا تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے روؤں کی نسبت کیا ہے؟ فرمایا! ہر ہر روئیں کے بدلے میں ایک نیکی۔ (مسند احمد)

(۳۰۵) امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پوچھتے ہیں کہ حج اکبر کا کون سا دن ہے؟ آپؐ فرماتے ہیں بقر عید کا۔ (ترمذی) ابو داؤد میں صحیح سند سے ہے کہ بقرہ عید والے دن جمروں کے درمیان کھڑے ہو کر حجۃ الوداع میں آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ سب نے کہا قربانی کا۔ فرمایا یہی حج اکبر کا دن ہے۔ قرآن فرماتا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں میں حج اکبر کے دن اعلانِ عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے بری ہیں۔ اس آیت کا اعلان اسی قربانی کی عید کے دن ہی ہوا تھا۔ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

(۳۰۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج فسخ کر کے عمرہ کر لینے کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا۔ پھر اس کے مستحب ہونے کا، پھر اسے ضروری طور پر کر لینے کا۔ اس کے بعد اسے منسوخ کرنے والا کوئی حکم صادر نہیں ہوا۔ ہم شریعت کا مسئلہ یہی جانتے ہیں، اس کے وجوب کا قول ہی اس کے منع کے قول سے زیادہ قوی اور زیادہ صحیح ہے۔ بے شک و شبہ صحیح سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ثابت ہے کہ جو شخص قربانی اپنے ہمراہ نہ لایا ہو وہ عمرے کا احرام باندھ لے اور جو قربانی لایا ہو وہ عمرے کے ساتھ ہی حج کا بھی احرام باندھ لے۔ ہاں! خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا اور عمرے کا ملا ہوا احرام باندھا تھا۔ یہ روایت بیس سے زیادہ سندوں سے ثابت ہے۔ آپؐ کے سولہ صحابی اسے آپؐ سے نقل کرتے ہیں یہی حکم آپؐ نے انہیں بھی دیا تھا جو اپنے ساتھ قربانی لائے تھے اور جن کے ساتھ ان کی قربانیاں نہ تھیں

انہیں اسے توڑ کر تمتع کا حکم دیا۔ آپؐ کا یہ فرمان اور آپؐ کا یہ فعل ہمارے نزدیک تو اس وضاحت سے ثابت ہے کہ گویا آنکھوں دیکھی بات ہے' وباللہ التوفیق۔

(۳۰۷) کسی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں سوائے اس مادہ کے جو تحفے میں ملی ہو اور جانور نہ پاؤں تو کیا اسی کی قربانی کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اپنے بال' ناخن اور مونچھیں ترشوا۔ زیر ناف کے بال لے لو۔ تمہاری پوری قربانی اللہ کے نزدیک یہی ہو جائے گی۔ (ابوداؤد) اس حدیث میں لفظ ((منیحہ)) ہے۔ اس سے مراد وہ بکری ہے جو اسے دوسرے نے بطورِ تحفے کے اس لیے دی ہو کہ اس کے دودھ سے نفع اٹھائے' اس کی قربانی سے اس لیے اس کو روک دیا گیا کہ یہ اس کی ملکیت نہیں۔ دوسرے نے اسے ایک مقررہ وقت تک کے لیے دیا ہے جس کے بعد اُسے پہنچانا لازمی امر ہے۔ اس لیے بھی اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔

(۳۰۸) آپؐ نے اپنے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو آپؐ کے ساتھ تھے حکم دیا' ہر ایک نے ایک ایک درہم نکالا۔ ان سے ایک قربانی کا جانور خریدا اور کہنے لگے نبی ﷺ بہت گراں پڑا۔ آپؐ نے فرمایا افضل قربانی وہ ہے جو بہت قیمتی ہو اور بہت عمدہ اور چکنی فربہ ہو۔ پھر نبی ﷺ کے حکم سے ایک نے ایک پاؤں پکڑا' دوسرے نے دوسرا' تیسرے نے ہاتھ' چوتھے نے دوسرا ہاتھ' پانچویں نے ایک سینگ' چھٹے نے دوسرا سینگ اور ساتویں نے اسے ذبح کر دیا۔ اس پر تکبیر سب نے مل کر پڑھی۔ (مسند احمد) یہ یاد رہے کہ ان لوگوں کو ایک گھر والوں کے قائم مقام کر دیا۔ ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ یہ ایک ہی قافلے کے ایک ساتھ ہم سفر تھے۔

(۳۰۹) ایک صحابی آپؐ سے سوال کرتے ہیں کہ میرے ذمے ایک اونٹ کا قربان کرنا ہے مجھے اس کی طاقت بھی ہے لیکن ملتا نہیں کہ میں اُسے خرید لوں۔ آپؐ نے انہیں فتویٰ دیا کہ سات بکریاں خرید کر انہیں ذبح کر ڈالو۔ (مسند احمد)

(۳۱۰) حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ آپؐ سے چھ مہینے کے بکری کے بچے کی قربانی کا سوال کرتے ہیں تو آپؐ جواب دیتے ہیں کہ تُو اسے قربان کر لے۔ (مسند احمد)

(۳۱۱) حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ آپؐ سے اس بکری کی نسبت سوال کرتے ہیں جسے عید والے دن ذبح کیا تھا۔ آپؐ پوچھتے ہیں کہ کیا نمازِ عید سے پہلے ذبح کر لیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں! فرمایا پھر تو وہ گوشت کھانے کی بکری ہوئی۔ انہوں نے کہا اچھا میرے پاس چھ ماہ کا بچّہ ہے جو مجھے تو دو دانت والے سے بھی زیادہ پسند ہے۔ فرمایا خیر تمہیں تو وہی کافی ہے لیکن تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں۔ (مسند احمد) یہ صحیح اور صریح ہے اس بات میں کہ نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں خواہ وقت ہو گیا ہو' خواہ نہ ہو۔ یہی ہمارا مذہب و مسلک ہے۔ اس کے سوا کا قول قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے عید سے پہلے قربانی کر لی ہو اسے چاہیے کہ اس کے بدلے اور قربانی کرے اور جس نے ہماری نماز پڑھ لینے تک قربانی نہ کی ہو وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کرے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص نماز سے پہلے قربانی کر چکا ہو وہ دوبارہ کرے۔ اب اس فرمان کے خلاف جس کا فتویٰ ہو وہ شمار میں لانے کے لائق بھی نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے فرمان کے ساتھ اور کسی کا قول کوئی چیز نہیں۔

(۳۱۲) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ میں نے دُنبہ قربانی کے لیے خریدا' اس پر بھیڑیئے نے حملہ کیا

اور اس کی دُم کے پاس سے گوشت کا لوتھڑا لے گیا۔ آپؐ نے فرمایا تُو اس کی قربانی کر لے۔ (مسند احمد)

تین مؤقر مساجد

(۳۱۳) ایک صاحب نے بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کے لیے جانے کی آپؐ سے اجازت طلب کی تو آپؐ نے انہیں مکّہ شریف میں ہی نماز پڑھ لینے کا فتویٰ دیا۔

(۳۱۴) ایک اور شخص نے فتح مکّہ والے دن آپؐ سے پوچھا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کے ہاتھ پر مکّہ فتح کر دے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپؐ نے فرمایا یہیں پڑھ لو۔ اس نے پھر سوال دوہرایا۔ آپؐ نے فرمایا اب تمہیں اختیار ہے۔ (ابوداؤد)

(۳۱۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ زمین میں سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا مسجد حرام۔

(۳۱۶) پوچھا اس کے بعد کون سی؟ ''فرمایا مسجد اقصیٰ۔''

(۳۱۷) پوچھا ان دونوں کے بننے کے درمیان کا فاصلہ کتنے سال کا ہے؟ فرمایا چالیس برس کا۔ (متفق علیہ)

(۳۱۸) سوال: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں مسجدوں میں کس مسجد کی بنیاد تقوے پر رکھے جانے کا ذکر قرآن میں ہے؟
جواب: تمہاری اس مسجد کا یعنی مسجد مدینہ کا۔ (مسلم) مسند امام احمد میں اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ اس میں بھی بہت بھلائی ہے یعنی مسجد قبا میں۔

فصل: فضائل قرآن اور سورتوں کے خواص

(۳۱۹) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵) (یعنی آیت الکرسی) (ابوداؤد)

(۳۲۰) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک قبر پر بے خبری میں خیمہ گاڑ دیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہاں کسی آدمی کی قبر ہے' کوئی آدمی سورۂ مُلک پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ اُسے ختم کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ عذابوں کو روکنے والی سورت ہے' یہ نجات دلوانے والی ہے' اسے عذابِ قبر سے نجات دے گی۔ (ترمذی) امام ابن عبدالبر کہتے ہیں یہ صحیح ہے۔

(۳۲۱) ایک صحابی درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی جامع سورۃ پڑھایئے۔ آپؐ نے اسے سورہ ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ ﴾ الخ' پڑھائی۔ جب ختم کر چکے تو وہ کہنے لگا اس اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ میں تو ہرگز اس پر زیادتی نہ کروں گا۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا اس شخص نے فلاح پالی' دوبارہ یہی فرمایا۔ (ابوداؤد)

(۳۲۲) ایک صاحب کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں سورہ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ ﴾ کی بڑی ہی محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنتی بنا دیا۔

(۳۲۳) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں تو سورۂ ھود اور سورۂ یوسف پڑھا کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کسی سورۃ

کو نہ پڑھے گا جو اللہ کے نزدیک زیادہ مبالغہ والی ہو بنسبت سورہ: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کے۔ (نسائی)

(۳۲۴) یا رسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ فرمایا ٹھہرتے ہی کوچ کر دینے والا۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ قرآنِ کریم کو ختم کرتے ہی پھر شروع کر دے یعنی سورۂ فاتحہ اور پھر تین آیتیں سورۂ بقرہ کے شروع کی تلاوت کرے تو ختم کرنا گویا ٹھہرنا ہوا اور شروع کرنا گویا کوچ کرنا ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ ائمہ میں سے کسی نے اسے مستحب نہیں کہا۔ اصل مراد حدیث سے یہ ہے کہ ایک غزوے سے فارغ ہوا اور دوسرے جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ ایک نیکی ختم کی' دوسری شروع کی کہ اسے بھی جلدی سے پوری کریں۔ لیکن یہ جو قاریوں میں دستور پڑا ہوا ہے یہ مراد اس حدیث کی قطعاً نہیں وباللہ التوفیق۔ تفسیر حدیث حدیث کے ساتھ ہی متصلاً بھی آئی ہے کہ اوّل سے آخر قرآن تک اس طرح پڑھے کہ اِدھر ختم ہوا اُدھر نیا دور شروع بھی ہو گیا۔ اِدھر اُترا اُدھر چڑھا۔ اس جملے کے بھی دو معنی ہیں ایک یہ کہ کوئی سورۃ یا کوئی جز ختم کیا اور دوسرا شروع کیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اِدھر قرآن ختم کیا اُدھر شروع کر دیا۔

(۳۲۵) یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو فرمایئے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ جو قرآن والے ہیں' وہ اللہ والے ہیں اور اس کے خاص لوگ ہیں۔ (مسند احمد)

(۳۲۶) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں قرآن کتنے دنوں میں ختم کروں؟ آپ نے فرمایا ایک ماہ میں۔

(۳۲۷) کہا مجھے تو اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا بیس دن میں۔

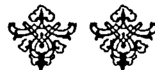
(۳۲۸) کہا میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں' فرمایا پھر پندرہ دن میں۔

(۳۲۹) کہا میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں' فرمایا دس دن میں۔

(۳۳۰) کہا مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے' فرمایا اچھا پانچ دن میں۔

(۳۳۱) کہا میں تو اس سے بھی کم دنوں میں ختم کر سکتا ہوں فرمایا تین دن سے کم میں جس نے قرآن ختم کیا اس نے قرآن سمجھا ہی نہیں۔ (مسند احمد)

(۳۳۲) دو شخص کسی آیت کے بارے میں اختلاف کرنے لگے جن میں سے ہر ایک نے نبی ﷺ سے ہی پڑھا تھا۔ دونوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ نے دونوں سے فرمایا: کہ اسی طرح اتاری گئی ہے۔ پھر فرمایا: قرآن سات قرأتوں پر اُترا ہے۔ (متفق علیہ)



ذکر الٰہی کے فضائل سے متعلق سوال و جواب

جب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مسلمانوں کے نزدیک محبوب ترین حقیقت ہے اور اس کے احکام اور صفات کی روشنی میں' دین کا پورا نقشہ ترتیب پاتا ہے تو ضروری ہے کہ اس ذات والاصفات کے بیان سے زبان آراستہ اور دل اس کی محبت اور ذکر سے معمور رہے۔ اسی مناسبت کے پیش نظر ذکر کی تلقین قرآن میں متعدد مقامات پر مذکور ہے اور احادیث میں بھی اس کے فضائل اور خوبیوں کا جا بجا بیان ہے۔ ذکر سے دل مجلی ہوتا ہے' محبت و تودد کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور انسان رذائل اخلاق سے بڑی حد تک مخلصی حاصل کر لیتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ شعور و آگہی کے عوامل بھی شامل ہوں۔ مطلق ذکر بھی اگرچہ فوائد و برکات سے تہی نہیں کیونکہ یہ ذکر حبیب ہی کی ایک شکل ہے تاہم جو کیف' جو لذت اور جو نور اسماء و صفات کے تدبر و تفکر میں ہے وہ صرف ذکر میں نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسماء و صفات میں فکر و تامل کا ایک لمحہ بسا اوقات مہینوں اور برسوں کے ذکر پر بھاری ثابت ہوتا ہے۔ ذکر کے لیے مساجد بہترین جگہ ہے۔

(۴۳۳) سوال : یا رسول اللہ ﷺ مجاہدین میں سے سب سے افضل اجر و ثواب والا کون ہے؟ جواب : سب سے زیادہ ذکر اللہ کرنے والا۔

(۴۳۴) یا رسول اللہ ﷺ روزے داروں میں سے سب سے بڑے ثواب والا کون ہے؟ جواب : سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا۔

(۴۳۵) پھر اسی طرح نماز کا سوال و جواب ہے۔

(۴۳۶) یہی جواب و سوال زکوٰۃ کا ہے۔

(۴۳۷) اور حج کے سوال پر بھی یہی جواب عنایت فرمایا ہے۔

(۴۳۸) صدقے کے سوال پر بھی یہی فرمایا کہ سب سے زیادہ ذکر اللہ کرنے والا افضل اجر والا ہے۔ تب حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ پھر تو ذکر اللہ کرنے والے ہی ساری بھلائیاں سمیٹ لے گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں! یہ بالکل درست ہے۔ (مسند احمد)

(۴۳۹) مقربین کے بارے میں آپؐ سے سوال ہوا جو سبقت والے ہیں تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے' اور روایت میں ہے کہ جو ذکر اللہ کے ساتھ مشہور ہیں ان کے سارے بوجھ ذکر اللہ ہلکے کر دیتا ہے۔ قیامت کے روز یہ گناہوں سے خالی ہوں گے۔ (ترمذی)

(۴۴۰) یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ فرمایا ذکر اللہ کی مجلسیں۔

(۴۴۱) یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یہ تو بتلائیے کہ وہ اہل کرم کون ہیں جنہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ آج میدانِ محشر کے سب لوگ جان لیں گے کہ اہل کرم کون ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مسجدوں میں اللہ تعالیٰ جل و علا کا ذکر زیادہ کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد)

(۴۴۲) استفتاء۔ یا رسول اللہ ﷺ ذکر الٰہی کی مجلسوں کا انعام کیا ہے؟ فتوے : مجالس ذکر کا انعام جنت ہے۔ (مسند احمد)

(۴۴۳) ایک جماعت نے غزوہ کیا اور بہت جلد غنیمت حاصل کر کے واپس آئے تو لوگ آپس میں کہنے سننے لگے کہ ان سے

زیادہ جلد لوٹنے والے اور ان سے زیادہ غنیمت کا مال حاصل کرنے والے اور تو ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں ان سے بھی جلد لوٹنے والے اور ان سے بھی زیادہ انعامی رقم پانے والے بتلاؤں؟ وہ لوگ جو صبح کی نماز پڑھیں پھر بیٹھے بیٹھے ذکر اللہ کرتے رہیں یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔ یہ سب سے زیادہ جلد لوٹنے والے اور سب سے زیادہ غنیمت حاصل کرنے والے ہیں۔ (ترمذی)

(۳۴۴) اے رسول اللہ ﷺ یہ تو فرمایئے کہ سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ فرمایا وہ کہ ان کے چہروں پر نظر پڑتے ہی یادِ الٰہی آ جائے۔ (مسند احمد)

(۳۴۵) یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بہتر' سب سے پاک' سب سے بڑے درجے کا عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر۔ (مسند احمد)

دُعاؤں کی نسبت نبی ﷺ سے سوالات اور آپؐ کے جوابات

(۳۴۶) اے اللہ کے سچے رسول! سب سے زیادہ کون سی دُعا سنی جاتی ہے؟ فرمایا پچھلی آدھی رات کی اور فرض نمازوں کے بعد کی۔ (مسند احمد) فرماتے ہیں اذان اور اقامت کے درمیان کی دُعا رد نہیں کی جاتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ :

(۳۴۷) پھر ہم کیا دُعا کریں؟ فرمایا : دنیا و آخرت کی عافیت اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ یعنی یوں کہو : ((اللھم انا نسئلك العافیه۔ فی الدنیا والاخرة)) (ترمذی)

(۳۴۸) یا رسول اللہ ﷺ! ہم دعا کے خاتمے پر کیا کہیں؟ فرمایا آمین پر دعا کو ختم کرو۔ (ابوداؤد)

(۳۴۹) اے اللہ کے سچے رسول ﷺ! پوری نعمت کیا ہے؟ فرمایا جنّت کا مل جانا اور جہنم سے چھوٹ جانا۔ (ترمذی) الٰہی ہم تجھ سے تیری پوری نعمت طلب کرتے ہیں کہ ہمیں جنّت الفردوس مل جائے اور عذابِ دوزخ سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ الٰہی تُو قبول فرما' آمین!

(۳۵۰) نبی ﷺ وہ جلدی کیا ہے جس سے دعا قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا یہ کہ تو کہے میں نے تو دعا کی پھر کی لیکن قبول ہی نہیں یہ کہہ کر گویا تھک کر بیٹھ جائے اور دعا مانگنا چھوڑ دے۔ (مسلم) ایک روایت میں ہے میں نے اللہ سے مانگا پھر مانگا لیکن مجھے تو کچھ نہ ملا۔

(۳۵۱) اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! باقیاتِ صالحات کیا ہیں؟ فرمایا : ((اللہ اکبر لا الہ الا اللہ سبحان اللہ الحمد للہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ)) کا پڑھنا۔ (مسند احمد)

(۳۵۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جو میں نماز میں پڑھتا رہوں۔ فرمایا یہ دعا پڑھو : ((اللھم انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرا وانه لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرةً من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیمO)) (متفق علیہ)

(۳۵۳) ایک اعرابی کو آپؐ نے یہ کلمات سکھائے : ((لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا و سبحان اللہ رب العلمین۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم)) تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو سب میرے پروردگار کے لیے ہے مجھے میرے اپنے لیے بھی کچھ سکھایئے۔ فرمایا یہ دعا مانگو : ((اللھم اغفرلی

وارحمنی واھدنی وارزقنی وعافنی)) یعنی الٰہی مجھے بخش' مجھ پر رحم فرما' مجھے ہدایت دے' مجھے روزی دے' مجھے عافیت عطا فرما۔ سُن یہ دُعا تیرے لیے آخرت کی بھلائیاں جمع کر دے گی۔ (مسلم)

(۳۵۴) جنّت کی کیاریوں کی بابت آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ مسجدیں ہیں۔

(۳۵۵) پھر نبی ﷺ ان کیاریوں کا پھل کیا ہے؟ فرمایا : ((سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر)) کہنا۔ (ترمذی)

(۳۵۶) نبی ﷺ مجھے قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں ہو سکتا تو مجھے وہ سکھایئے جو مجھے کفایت کرے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کہو : ((سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حولَ ولا قوۃَ الا باللہ))

(۳۵۷) اس نے کہا : نبی ﷺ یہ تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوا پس میرے لیے کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ دعا مانگو : ((اللھم ارحمنی و عافنی واھدنی وارزقنی)) اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا گویا کوئی شخص کوئی چیز لے رہا ہو۔ آپؐ نے فرمایا اس نے اپنے ہاتھ بھلائی سے پُر کر لیے۔ (ابوداؤد)

(۳۵۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو درخت بوتے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی بہتر درخت بونا بتلاؤں؟ سنو : ((سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر)) ایک مرتبہ کہنے سے تیرے لیے جنّت میں ایک درخت بویا جائے گا۔ (ابنِ ماجہ)

(۳۵۹) رسول اللہ ﷺ کوئی ایسی صورت بھی ہے جس سے ہم میں سے کوئی شخص ہر دن میں ایک ہزار نیکی حاصل کر سکے؟ فرمایا ہاں! سو مرتبہ سبحان اللہ کہنے والے کے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا اس کی ایک ہزار خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ (مسلم)

(۳۶۰) ایک شخص کو بچھو نے کاٹ کھایا۔ اُس نے نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر شام کو یہ کلمات کہتا تو اُسے یہ ضرر نہ پہنچتا : ((اعوذ بکلماتِ اللہ التآمات من شر ما خلق)) (صحیح مسلم)

(۳۶۱) اے رسولِ مقبول ﷺ مجھے تو کوئی تعوذ سکھا دیجئے۔ فرمایا یہ کہو : ((اللھم انی اعوذبك من شر سمعی و شر بصری و شر لسانی و شر قلبی و شر ھنبی)) (نسائی) یعنی یا اللہ میں تجھ سے اپنے کانوں کی' اپنی آنکھوں کی' اپنی زبان کی' اپنے دِل کی' اپنی شرمگاہ کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔

(۳۶۲) یا رسول اللہ ﷺ آپؐ پر درود کن الفاظ میں پڑھیں؟ فرمایا یوں کہو : ((اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انك حمید مجید و بارك علی محمد و علی ال ممد کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم نك حمیدٌ مجیدٌ)) (متفق علیہ)



ایمان و اسلام کی حقیقت

ایمان و اسلام کی حقیقت کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام پوری زندگی میں' نیکی کو جاری و ساری دیکھنے کا خواہاں ہے اور اس کے نزدیک نیکی کا دائرہ' فرائض اور رسوم و شعائر کی پابندی تک ہی محدود نہیں' اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تم مہمانوں سے ملو جلو' انہیں نیکی کی تلقین کرو' ان کی تکلیفوں کو دور کرو' اپنے مال و دولت میں سے حسب توفیق کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہو۔ یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرو' مریض کی عیادت کرو۔ کسی کو راہ دکھاؤ۔ نیک بات بتاؤ۔ صلہ رحمی کرو اور جہاد کے لیے تیار رہو۔

(۳۶۳) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ مجھے کسی ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا تمہارا سوال بہت بڑے امر کا ہے۔ ہاں! وہ اس پر آسان ہے جس پر اللہ آسان کر دے۔ اللہ کی عبادت کر' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' نماز قائم رکھ' زکوۃ دیتا رہ' رمضان کے روزے رکھ' بیت اللہ کا حج کر۔ آ میں تجھے بھلائی کے دروازے بھی بتلا دوں۔ روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور انسان کی آدھی رات کی تہجد گزاری۔ اب میں تجھے اس تمام امر کا سر اور اس کا ستون اور اس کے کوہان کی بلندی بھی بتلا دوں۔ تمام امر کا سر تو اسلام ہے' اس کا ستون نماز ہے' اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ اب میں تجھے اس تمام کام کا خلاصہ بتلاؤں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتلایئے۔ فرمایا اسے روک لے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جو باتیں ہم کرتے ہیں ان پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا معاذ تیری عقلمندی پر افسوس ہے' انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز اس کے زبان کا کنارہ ہی تو ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳۶۴) ایک اعرابی نے آپ سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس کے کرنے سے جنتی بن جاؤں؟ آپ نے فرمایا فرض نماز برابر پڑھتے رہو' فرض زکوۃ برابر دیتے رہو' رمضان کے روزے پابندی سے رکھو۔ وہ کہنے لگا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نہ اس پر زیادتی کروں گا نہ اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ جانے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اسے دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

(۳۶۵) ایک اور شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کسی ایسے عمل کی خبر دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے اور آگ سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا گو تُو نے بات تو مختصر کہی ہے لیکن اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے' نسمہ آزاد کر اور گردن چھڑا۔

(۳۶۶) اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک ہی بات نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادی تو یہ ہے کہ اکیلا تو ہی ایک غلام آزاد کرے اور گردن کی خلاصی یہ ہے کہ تُو کسی غلام کی آزادی میں کوئی حصہ لے اور بہتر چیز کا تحفہ میں دینا اور ظلم کرنے والے رشتہ داروں سے سلوک کرنا۔ اگر تجھے اس کی طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا' پیاسے کو پلا' لوگوں کو نیک باتیں بتلا' بری باتوں سے روک۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو تُو سوائے خیر اور بھلائی کے اپنی زبان نہ کھول۔ (مسند احمد)

(۳۶۷) ایک صاحب نبی ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تیرا دِل اللہ کا فرمانبردار بن جائے اور مسلمان تیری زبان اور تیرے ہاتھوں سے بے خوف رہیں۔

(۳۶۸) اچھا نبی ﷺ! کونسا اسلام افضل ہے؟ فرمایا : ایمان۔

(۳۶۹) ایمان کیا ہے؟ فرمایا اللہ کو' اس کے فرشتوں کو' اس کی کتابوں کو' اس کے رسولوں کو ماننا۔ موت کے بعد کی زندگی کو ماننا۔

(۳۷۰) کونسا ایمان افضل ہے؟ فرمایا ہجرت۔

(۳۷۱) ہجرت کیا ہے؟ فرمایا برائیوں کو چھوڑ دینا۔

(۳۷۲) کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا جہاد۔

(۳۷۳) جہاد کیا ہے؟ فرمایا کفار سے بموقعہ' جنگ لڑنا۔

(۳۷۴) کون سا جہاد زیادہ فضیلت والا ہے؟ فرمایا جس کی سواری بھی کاٹ دی جائے اور جس کا خون بھی بہا دیا جائے۔ پھر دو عمل اور ہیں جو سب اعمال سے افضل ہیں سوائے ان کے جو ان جیسے عمل کرے۔ پاک حج یا عمرہ۔ (مسند احمد)

(۳۷۵) کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا ایک اللہ پر ایمان لانا' پھر پاک حج۔ اس کی فضیلت دوسرے اعمال پر ایسی ہی ہے جیسے سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کی جگہ میں فاصلہ ہے۔ (مسند احمد)

(۳۷۶) یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا : اللہ کے لیے محبت رکھنا' اللہ کے لیے دُشمنی رکھنا' اپنی زبان کو ذکر اللہ میں جاری رکھنا۔

(۳۷۷) سائل نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اور کیا ہے؟ فرمایا لوگوں کے لیے وہ چاہنا جو خود اپنے لیے چاہتا ہے اور بھلی بات زبان سے نکالنا یا چپ رہنا۔

(۳۷۸) چند صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں مذاکرہ کرنے لگے' کسی نے کہا کہ سب سے بہتر عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ کسی نے کہا کہ مسجد حرام کی خدمت و آبادی کرنا ہے۔ کسی نے کہا حج ہے۔ کسی نے کہا راہِ الٰہی کا جہاد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری : ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ﴾ الخ' (توبہ : ۱۹) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور راہِ الٰہی میں جہاد کرتا ہے' اللہ ربِّ ذوالجلال والاکرام کے نزدیک یہ برابر کے لوگ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کی رہبری نہیں فرماتا ﴿ فَآئِزُوْنَ ﴾ تک۔ قرآن اس بارے میں اُترا۔

(۳۷۹) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے سوا اور معبود نہ ہونے کی اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی میں گواہی دیتا ہوں' پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں' اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں' ماہِ رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جو اس پر مرے گا وہ انبیاء' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ قیامت کے دن ہوگا۔ بالکل اس طرح۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیاں کھڑی کر کے دکھائیں اور فرمایا جب تک کہ وہ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔

(۳۸۰) ایک اور صحابی پوچھتے ہیں کہ یہ تو بتلایئے اگر میں فرض نماز پڑھوں' رمضان کے روزے رکھوں' حلال کو حلال اور

حرام کو حرام سمجھوں اور اس پر کوئی زیادتی نہ کروں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اس نے کہا واللہ میں ان کاموں پر اور کسی زائد کام کو نہ کروں گا۔ (مسلم)

(۳۸۱) آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو کھانا کھلا اور سلام کرتا رہے خواہ کسی کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔ (متفق علیہ)

(۳۸۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے پوچھتے ہیں' کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ جب میں آپؐ کے نورانی چہرے کو دیکھتا ہوں تو میرا جی خوش ہو جاتا ہے' میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں' پس آپؐ مجھے سب چیزیں بتلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا تمام چیزیں پانی سے پیدا کی گئی ہیں۔

(۳۸۳) میں نے کہا مجھے کوئی ایسا کام بھی بتلا دیجیے کہ جب میں اسے لے لوں تو جنتی بن جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا سلام پھیلا' کھانا کھلا' رشتے جوڑ' رات کو جب لوگ نیند میں ہوں تو تہجد پڑھ' پھر تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ (مسند احمد)

(۳۸۴) ایک صحابی نے آپؐ سے اپنی سنگدلی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا اگر تو اپنا دل نرم کرنا چاہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔

(۳۸۵) نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا لمبے قیام کی نماز۔

(۳۸۶) کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا کم مال والے کی خیرات۔

(۳۸۷) کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دینا۔

(۳۸۸) کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جو شخص مشرکوں سے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرے۔

(۳۸۹) کونسی شہادت افضل ہے؟ فرمایا جس کا خون بہے اور جس کی سواری بھی کٹ جائے۔ (ابوداؤد)

(۳۹۰) یا رسول اللہ ﷺ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا وہ ایمان جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو' وہ جہاد جس میں کوئی خیانت نہ ہو' وہ حج جو نیکی والا پاک و صاف ہو۔

(۳۹۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ میرے پاس تو مال ہی نہیں میں صدقہ کہاں سے کروں؟ آپؐ نے فرمایا ((اللہ اکبر)) کہنا بھی صدقہ ہے اور : ((سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ)) بھی صدقہ ہے' استغفار کرنا بھی صدقہ ہے' اچھی بات بتلانا بھی صدقہ ہے' بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے' لوگوں کے راستے سے کانٹے کا پتھر کا' ہڈی کا ہٹانا بھی صدقہ ہے' اندھے کو راہ سمجھا دینا' بہرے کو بات سنا دینا' گونگے کو سمجھا دینا بھی صدقہ ہے۔ کوئی شخص اپنی حاجت کی تلاش میں ہو اور تجھے اس کا علم ہو اسے بتلا دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی حاجت مند فریادی کی فریاد رسی کرنا اور دوڑ بھاگ کر اس کا دکھ ٹال دینا بھی صدقہ ہے۔ کمزور' ضعیف لوگوں کی اپنی قوتِ بازو سے مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ سُن تو جو اپنی بیوی سے جماع کرنے اس پر بھی تجھے اجر ہے۔

(۳۹۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اپنی شہوت رانی میں اجر کیسے ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا بتلا اگر تیری اولاد ہوتی اور تو اس کا اجر چاہتا پھر وہ مرجاتی اور تو صبر کرتا تو کیا تجھے اس کا اجر ملتا؟ میں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اُسے پیدا کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے۔ فرمایا کیا تُو نے اسے ہدایت کی تھی؟ میں نے کہا نہیں' بلکہ

اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ فرمایا کیا اسے تُو روزی دیتا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں اس کا رازق اللہ تعالیٰ تھا۔ فرمایا بس اسی طرح اس کا حلال میں رکھنا اور حرام کاری سے بچنا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ چاہے اسے زندہ رکھے چاہے مار ڈالے تجھے اجر ہے۔ (مسند احمد)

(۳۹۳) اللہ کے رسول' رسولوں کے سردار آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک دن اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے سوال کرتے ہیں کہ تم میں سے آج روزے سے کون ہے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں کہ میں۔ آپ پھر پوچھتے ہیں کہ تم میں سے آج کسی مسلمان کے جنازے میں شرکت کس نے کی ہے؟ اب بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب ہوتا ہے کہ میں نے۔ آپ پھر سوال کرتے ہیں کہ آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں کہ میں نے۔ فرماتے ہیں تم میں سے آج بیمار کی عیادت کس نے کی ہے؟ آپ فرماتے ہیں میں نے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ نیک خصلتیں جس شخص میں بھی جمع ہوں جائیں وہ جنتی ہو گیا۔ (مسلم)

(۳۹۴) یا رسول اللہ ﷺ ایک انسان کوئی نیکی نہایت پوشیدگی سے کرتا ہے پھر اوروں کو اس کی اطلاع ہو جاتی ہے تو یہ خوش ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسے دوہرا اجر ہے پوشیدگی کا ایک اجر اور ظاہر ہونے کا دوسرا اجر۔ (ترمذی)

(۳۹۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص نیک کام کرتا ہے' لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں؟ فرمایا یہ تو مؤمن کے لیے جلدی کی خوشخبری ہے۔ (مسلم)

(۳۹۶) ایک سائل سوال کرتا ہے کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ جواب دیتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لانا' اس کی تصدیق کرنا' اس کی راہ میں جہاد کرنا۔

(۳۹۷) سائل کہتا ہے میں تو اس سے آسان چیز چاہتا ہوں۔ فرمایا نرمی اور صبر۔

(۳۹۸) اس نے کہا میں اس سے بھی آسان چیز کا طالب ہوں۔ فرمایا جو فیصلہ تقدیر الٰہی کی طرف سے ہو اس میں تو ناراض نہ رہ۔ (مسند احمد)

(۳۹۹) حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بہترین اعمال کے بارے میں آپؐ سے سوال کرتے ہیں تو آپؐ فرماتے ہیں جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ' جو تجھے محروم کرے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تُو اس سے درگزر کر۔ (مسند احمد)

(۴۰۰) یا رسول اللہ ﷺ مجھے کیسے علم ہو کہ میں بُرا ہوں یا بھلا ہوں؟ فرمایا جب تیرے پڑوسی تجھے بھلا کہنے لگیں تو تُو بھلا ہے اور وہ تجھے بُرا کہنے لگیں تو تُو برا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۴۰۱) مسند احمد میں ہے جب تو ان کے منہ سے سنے کہ وہ کہہ رہے ہیں تو نے اچھا کیا تو سمجھ لے کہ تو نے واقعی اچھا کیا اور جب اُن کی زبانی سنے کہ تو نے بُرا کیا تو یقین کر لے کہ تو نے بُرا کیا۔

فصل : تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ کا بیان

(۴۰۲) آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی کمائی افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا انسان کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر ایک مطابق شرع تجارت۔ (مسند احمد)

(۴۰۳) ابوداؤد میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے' میرا باپ میرا مال فنا

کر دینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تُو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے' تُو جو کچھ کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ پاک چیز تیری کمائی ہے' تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہی ہے' بس تم اسے شوق سے سہتا پچتا کھا پی۔ (مسند احمد)

(۴۰۴) ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے کہتی ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادوں پر' اپنے لڑکوں پر' اپنے خاوندوں پر بوجھ ہیں۔ یہ تو فرمائیے کہ ہمارے لیے ان کے مالوں میں سے کیا کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تر چیز جو تم کھالو یا ہدیے میں دے لو۔ (ابوداؤد) حدیث میں لفظ رطب ہے اس کے معنی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیے ہیں کہ مراد اس سے وہ چیز ہے جو دیر تک اچھی حالت میں نہ رہ سکے۔

(۴۰۵) نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم کتاب اللہ پر اجرت لے سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا سب سے زیادہ مستحق اجرت چیز تو کتاب اللہ ہی ہے۔ اس روایت کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے دَم کرنے کے قصے میں ذکر کیا ہے۔

(۴۰۶) سلطانی مال کی بابت آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ بغیر سوال کے اور بغیر لالچ کے جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھے دے وہ لے لے' کھالے اور اُسے اپنی دولت بنا لے۔ (مسند احمد)

(۴۰۷) نبی ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ پچھنے لگانے والے کی اجرت کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اسے اپنے اونٹ کے چارے میں اور اپنے غلاموں کی خوراک میں خرچ کر دو۔ (مؤطا امام مالک) ایک صاحب آپ سے پوچھتے ہیں کہ نر کے کدانے کی اجرت کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ اس نے کہا ہمیں اس میں بطورِ اکرام لوگ کچھ دے دیا کرتے ہیں۔ آپ نے اس کی رخصت دی۔ یہ حدیث حسن ہے' امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

(۴۰۸) آپ نے قسامہ سے منع فرمایا تو دریافت کیا گیا کہ قسامہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کوئی شخص جو لوگوں کے قبیلوں پر ہو' پھر اس کے حصے میں سے اپنا حصہ لے اور اُس کے حصے میں سے اپنا حصہ لے۔

بہتر اعمال کون سے ہیں؟

(۴۰۹) یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی کا پلانا۔

(۴۱۰) ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آپ سے کہتی ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرتی رہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہو گیا کہ تمہاری چاہت میرے ساتھ نماز ادا کرنے کی ہے۔ سنو تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان میں نماز پڑھنا محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے چنانچہ اس نیک بیوی نے اپنے گھر کے اندرونی انتہائی کونے میں جو سب سے کم روشنی والی جگہ تھی وہاں اپنی مسجد بنانے کا حکم دیا اور وہیں انتقال کے وقت تک نماز پڑھتی رہی۔ رضی اللہ عنہا

(۴۱۱) آپ سے دریافت کیا گیا کہ تمام جگہوں میں بہتر جگہ کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اس کا علم نہیں جب تک کہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ نہ لوں۔ پھر آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا' انہوں نے کہا مجھے بھی معلوم نہیں میں حضرت میکائیل علیہ السلام سے دریافت نہ کر لوں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔

(۴۱۲) فرماتے ہیں کہ انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں' اس پر ضروری ہے کہ ہر جوڑ پر صدقہ دے۔ تب لوگوں نے کہا اس قدر صدقہ کرنے کی طاقت کسے ہے؟ فرمایا رینٹ یا تھوک مسجد میں دیکھ کر اسے دفن کر دینا' راستے میں سے کسی ایذا دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے' اگر تو یہ بھی نہ کر پائے تو ضحیٰ کے وقت کی دو رکعت تجھے کافی ہے۔

(۴۱۳) یا رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا جو کھڑا ہو کر پڑھے وہ افضل ہے' جو بیٹھ کر پڑھے اسے آدھا اجر ہے اور جو لیٹ کر پڑھے اُسے اُس سے بھی آدھا اجر ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں' ایک تو یہ کہ یہ حکم نفل نماز کا ہے۔ یہ مطلب تو ان کے نزدیک ہے جو لیٹ کر نوافل کا پڑھنا جائز جانتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ معذور لوگوں کے لیے ہے۔ اُسے اپنے فعل پر آدھا اجر ملتا ہے اور نیت پر پورا اجر ملتا ہے۔

(۴۱۴) یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو قرآن کے سیکھنے سے اس ڈر نے روک دیا ہے کہ شاید میں اس کے ساتھ قیام نہ کر سکوں۔ آپؐ نے فرمایا قرآن کو سیکھ' اسے پڑھ اور سو جایا کر' قرآن کو سیکھ کر' اسے پڑھ کر' اس کے ساتھ قیام کرنے والے کی مثال مشک کی اس بھری ہوئی تھیلی جیسی ہے جس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو اور جو اسے سیکھ کر سو جائے اور وہ اس کے پیٹ میں ہو اس کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک بھر کر اسے بند کر کے مُہر لگا دی جائے۔

(۴۱۵) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی وفات پر آپؐ فرماتے ہیں کاش کہ یہ غیر وطن میں فوت ہوتا تو آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کس لیے؟ فرمایا اس لیے کہ وہ جب پردیس میں مرتا' اس کی جائے پیدائش سے لے کر اس کے پیروں کے نشانات ختم ہونے کی جگہ تک ناپ کر اسے جنت میں جگہ ملتی۔ یہ سب حدیثیں امام ابو حاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

کچھ اور ضروری سوالات اور جوابات

(۴۱۶) یا رسول اللہ ﷺ کیا دوا بھی کچھ فائدہ دیتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ رُوئے زمین پر وہ کونسی بیماری ہے جس کی دوا اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہ اُتاری ہو۔

(۴۱۷) دَم کرنے اور دوا کرنے کی بابت آپؐ سے سوال ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کو کچھ لوٹا دیتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ خود تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔

(۴۱۸) یا رسول اللہ ﷺ! ایک مسلمان نے ایک مشرک کو میدانِ جنگ میں نیزہ مارتے ہوئے کہا کہ لیتا جا میں فارس کا نوجوان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں' تعریف بھی کی جائے گی اور اَجر بھی دیا جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں مسند احمد میں ہیں۔

(۴۱۹) یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات سکھائیے جو مجھے نفع دے۔ فرمایا سنو' کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو حقیر نہ سمجھو گو تم اپنے ڈول میں سے کسی پیاسے کو پانی ہی ڈال دو' گو تم اپنے کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے گفتگو ہی کر لو' سنو تہبند ٹخنے سے نیچے لٹکانے سے پرہیز کرتے رہو' یہ تکبر ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے۔ دیکھو کسی کو تمہاری کوئی بات معلوم ہو اور وہ تمہیں بطور طعنے اور گالی جتائے تو تم جو عیب اس کا جانتے ہو اسے منہ پر نہ لاؤ' اس کا اجر

تمہیں ملے گا اور اس کا وبال اُس پر ہو گا۔

(۴۲۰) اے اللہ کے نبی ﷺ! پالتو گدھوں کی نسبت کیا فرمان ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو میری رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کے لیے حلال نہیں۔ (مسند احمد)

(۴۲۱) نبی ﷺ سے ان اُمرا کی بابت سوال ہوا جو نمازوں کو وقت سے تاخیر کر کے پڑھیں گے کہ ان کے ساتھ کیسے کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کر لو' پھر ان کے ساتھ بھی ادا کر لیا کرو وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴۲۲) حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسولِ کریم ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کرتی ہیں کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو وہ مجھے مارتے ہیں اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو وہ مجھے روزہ تڑوا دیتے ہیں اور صبح کی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ آپؐ نے یہ سب باتیں صفوان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دو دو سورتیں ملا کر پڑھتی ہیں جس سے میں نے انہیں منع کر رکھا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا اگر ایک ہی سورت ہوتی تو تمام دُنیا کے لوگوں کو کافی تھی۔ کہا روزوں کی نسبت یہ گزارش ہے کہ یہ نفلی روزے رکھتی چلی جاتی ہیں' میں نوجوان آدمی ہوں کب تک صبر کرتا رہوں؟ اسی وقت نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت نفلی روزہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ رکھے۔ کہا اور میری صبح کی نماز کی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ کام کاج والے آدمی ہیں' سورج طلوع ہو جانے تک آنکھ نہیں کھلتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا تو جب جاگے نماز ادا کر لے۔ (ابنِ حبان) میں کہتا ہوں چونکہ یہ کام کاج والا گھرانہ تھا اسی وجہ سے تہمت صدیقہ میں ان کا نام آیا' اس لیے کہ یہ قافلے میں سب سے پیچھے تھے۔ تہمت کے قصّے میں ان کے جو الفاظ ہیں کہ واللہ میں نے کسی عورت کا بازو کبھی نہیں کھولا' یہ اس حدیث کے خلاف نہیں اس لیے کہ اُس وقت تک ان کا نکاح نہیں ہوا تھا' نہ یہ کسی عورت سے ملے تھے' اس کے بعد ان کا نکاح ہو گیا۔

(۴۲۳) آپؐ سے گرگٹ کے مار ڈالنے کا سوال ہوا تو آپؐ نے جواب میں اُس کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ (ابنِ حبان)

(۴۲۴) ایک صاحب نے کعبے تک پیدل جانے کی نذر مانی تھی' پھر اُسے دو شخص اٹھائے ہوئے لیے چلے جا رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا جو شخص اپنے تئیں مصیبت میں ڈالے اس سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ آپؐ نے اُسے سوار ہو جانے کا حکم فرمایا۔

(۴۲۵) ایک صاحب نے اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کی شکایت سرکارِ نبوت میں کی۔ آپؐ نے صبر کرنے کی تلقین کی۔ اس نے تین مرتبہ یہی کہا۔ آپؐ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔ اس نے پھر چوتھی مرتبہ شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا اپنا اسباب مکان سے نکال کر راستے میں ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب جو نکلتا ہے وہ پوچھتا ہے کیا بات ہے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ پڑوسی کی ایذاؤں سے تنگ آ گیا ہوں تو ہر ایک اس پڑوسی کو لعن طعن کرتا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اُسی وقت دوڑا ہوا اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ اب نہ ستاؤں گا' معاف کرو اور اپنا اسباب مکان میں واپس لے آؤ۔ (مسند احمد اور ابنِ حبان)

(۴۲۶) ایک صاحب آپؐ سے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ میں بڑا گنہگار ہوں کیا میری توبہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تیرے ماں

باپ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا خالہ ہے؟ کہا ہاں! فرمایا ان سے نیکی کر۔ (ابنِ حبان)

(۴۲۷) ایک صاحب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے مستحق عذاب ہو چکے تھے۔ ان کی بابت جب آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو' اس غلام کے ہر ہر عضو کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کا ہر ہر عضو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا۔ (ابنِ حبان)

(۴۲۸) ایک صاحب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں' کیا اب بھی میں اُن کے ساتھ کوئی نیکی کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! ان کے لیے دُعا مانگا کر' ان کے لیے استغفار کیا کر' ان کے وعدوں کو ان کے بعد پورا کر' ان کے دوستوں کی عزت کر' ان کی وجہ سے جو صلہ رحمی ہو اسے بجالا۔ وہ یہ سن کر خوش ہو کر کہنے لگا واہ واہ کیسی لذیذ اور کیسی پاک ہدایتیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اب ان پر عمل کر۔

(۴۲۹) ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کسی مشرک پر میدانِ جنگ میں قتل کرنے کے لیے حملہ کیا لیکن اس نے اسی وقت کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں' پھر بھی اس نے قتل کر ڈالا' اس پر آپؐ نے سخت ناراضگی کے الفاظ فرمائے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کلمہ تو اس نے صرف جان بچانے کے لیے ہی کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مؤمن کا قتل مجھ پر حرام کر دیا ہے۔

(۴۳۰) ابنِ حبان میں ہے : یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے کہ ہم میں بہتر لوگ کون ہیں اور بدتر لوگ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا بہتر وہ ہیں جن سے بھلائی کی امید کی جائے اور ان کی برائی کا کھٹکا نہ ہو اور تم میں بدتر وہ لوگ ہیں جن کی بھلائی سے لوگ ناامید ہو جائیں اور جن سے برائی پہنچنے کا خطرہ لوگوں کو لگا رہے۔

(۴۳۱) صحیح ابنِ حبان میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے پوچھا کہ نبی ﷺ آپؐ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کس چیز کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اسلام کے ساتھ۔

(۴۳۲) اس نے کہا اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا تُو اپنا دل اللہ کا مطیع کر دے' اپنا چہرہ اللہ کی طرف کر دے' فرض نمازیں پڑھتا رہ' فرض زکوٰۃ دیتا رہ' دونوں بھائی ہیں مددگار' اللہ تعالیٰ اس بندے کی توبہ قبول نہیں فرماتا جو اپنے اسلام کے بعد شرک کرے۔

(۴۳۳) حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو فرمایئے کہ اگر میں مشرکوں میں سے کسی سے مقابلہ کروں' وہ مجھ پر حملہ کر کے تلوار کا وار کرے' وہ ٹھیک اور کاری پڑے اور میرا ایک ہاتھ جڑ سے کاٹ دے' پھر وہ کسی درخت کی اوٹ میں پناہ میں چلا جائے اور کہہ دے کہ میں اللہ کے لیے اسلام لایا۔ کیا اس کے کہنے کے بعد اس کا قتل کرنا میرے لیے روا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اسے قتل نہ کر کہ اگر تُو اسے قتل کرے گا تو وہ تیری اس جگہ ہو گا جہاں تو اس کے قتل کرنے سے پہلے تھا اور تُو اس کی جگہ ہو گا جہاں وہ اس کلمہ کے کہنے سے پہلے تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۴۳۴) یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک شخص کے ہاں گیا۔ اس نے نہ میری ضیافت کی' نہ میری مہمانداری کی تو کیا جب وہ میرے ہاں آئے میں بھی اُس کے ساتھ ایسا ہی کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے جواب دیا بلکہ تو اس کی مہمانداری کر۔ یہ دونوں روایتیں صحیح ابنِ حبان میں ہیں۔

(۴۳۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص ہے' جو ایک قوم سے محبت تو رکھتا ہے لیکن ان جیسے اعمالِ صالحہ اس کے پاس نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوذر تو ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو ان ہی کے ساتھ ہے جن کی محبت تیرے دل میں ہے۔

(۴۳٦) چند دیہاتی رسول اللہ ﷺ سے بہت فتوے پوچھتے ہیں۔ آپؐ ان کا جواب دے کر فرماتے ہیں کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر سے حرج ہٹا دیا ہے۔ ہاں! حرج اور ہلاکت والا وہ ہے جو کسی مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے۔

(۴۳۷) انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم دوا علاج کرا سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! ہاں اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں' ان کی دوائیں بھی نازل فرمائی ہیں سوائے ایک کے۔

(۴۳۸) پوچھا وہ کیا؟ فرمایا بڑھاپا۔

(۴۳۹) نبی ﷺ! سب سے زیادہ اللہ کا پیارا کون ہے؟ جواب دیا سب سے اچھے اخلاق والا۔ (احمد و ابن حبان)

(۴۴۰) ابنِ حبان میں ہے کہ حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرا باپ صلہ رحمی' صدقہ و خیرات' سخاوت بہت کیا کرتا تھا اس کے لیے کیا ہے؟ فرمایا وہ طالبِ شہرت تھا وہ اسے حاصل ہو چکی۔

(۴۴۱) یا رسول اللہ ﷺ! میں کسی کسی کھانے کو چھوڑ دیتا ہوں' گھن اور نفرت کر کے؟ فرمایا کسی ایسی چیز کو نہ چھوڑ جس کے چھوڑنے میں نصرانیت کی مشابہت ہو۔

(۴۴۲) یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے شکاری کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں' وہ شکار کو پکڑ لیتا ہے لیکن ذبح کرنے کے لیے میں بجز دھار دار پتھر اور لکڑی کے اور کوئی چیز نہیں پاتا؟ آپؐ نے فرمایا جس چیز سے چاہے خون بہا دے اور اللہ کا نام لے لے۔ (ابنِ حبان)

(۴۴۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے ابنِ جدعان کی خیرات و سخاوت' مہمان نوازی' حسن سلوک وغیرہ کا ذکر کر کے پوچھا کہ کیا یہ نیکیاں اسے کچھ نفع دیں گی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی نہیں کہا :
((رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین))

(۴۴۴) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی کے اس سوال پر کہ مجھے ایسی جامع بات بتلا دی جائے کہ پھر کسی سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا زبان سے اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کر کے' اس پر جم جا۔

(۴۴۵) یا رسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ بزرگ شخص کون ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ خوفِ الٰہی کرنے والا۔

(۴۴٦) کہا یہ ہمارا مطلب نہیں۔ فرمایا پھر کیا تم عرب کے قبیلوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو؟ سنو جاہلیت کے زمانے میں جو بہتر تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں' جب دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔

(۴۴۷) ایک عورت آپؐ سے اجازت طلب کرتی ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کو صحیح و سالم واپس لائے تو آپؐ کے سر پر دف بجاؤں۔ آپؐ نے فرمایا اگر نذر مانی ہے تو پوری کر لے ورنہ نہیں۔ اس نے کہا واقعی میں نے نذر مانی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ بیٹھ گئے اور اس نے اپنی نذر پوری کی۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اس روایت کی دو توجیہات ہیں ایک تو یہ کہ آپؐ نے اسے اس مباح نذر کے پورا کرنے کی اجازت اس لیے مرحمت فرمائی کہ اس کا دل خوش

ہو جائے' اُس کے صدمے کا بدلہ ہو جائے' اس کا دل ایمان پر لگ جائے' قوتِ ایمانیہ اس میں آ جائے اور اس کی جو خوشی نبی ﷺ کی سلامتی میں تھی وہ پوری ہو جائے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اُس کی یہ نذر نیکی کی تھی کیونکہ اس میں خوشی کا اظہار تھا جو رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری اور آپؐ کی سلامتی اور آپؐ کی اپنے دشمنوں پر فتح مندی کے بارے میں تھی جو اللہ کی طرف سے آپؐ کو حاصل ہوئی تھی اور اسی طرح دینِ الٰہی کی بلندی اور غلبہ ہوا تھا۔ پس آپؐ نے اس نذر کو پورا کرنے کی اجازت دے دی۔

(۴۴۸) یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص راہِ الٰہی میں جہاد کرتا ہے اور دُنیا کے اسباب کو تلاش کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے بالکل اجر نہیں ملے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی۔ سائل سے کہا تُو پھر پوچھ' شاید تو نبی ﷺ کو اپنا صحیح مطلب سمجھا نہیں سکا۔ اس نے پھر یہی سوال کیا' آپؐ نے پھر یہی جواب دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر یہی کہا اس نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا' آپؐ نے پھر یہی فرمایا کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔

(۴۴۹) ایک صاحب آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! پہلے میں اسلام لاؤں یا دشمنانِ دین سے جہاد میں لگ جاؤں؟ فرمایا پہلے اسلام لاؤ پھر جہاد کرو۔ چنانچہ وہ اسلام لایا' پھر لڑا' یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس نے عمل بہت کم کیا اور اجر بہت زیادہ دیا گیا۔

(۴۵۰) یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ خوف کس چیز کا ہے؟ آپؐ نے اس کی زبان پکڑ کر فرمایا : اِس کا۔

(۴۵۱) یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تھوڑی سی بات بتلایئے جو نفع بھی دے اور سمجھ میں بھی آ جائے۔ فرمایا غُصّے نہ ہوا کر۔ اس نے بار بار اپنا سوال دوہرایا اور نبی ﷺ یہی جواب دیتے رہے کہ غُصّے نہ ہوا کر۔

(۴۵۲) ایک عورت سوال کرتی ہے کہ میری سوکن ہے تو کیا مجھے جائز ہے کہ میرے خاوند مجھے جو نہ دیتے ہوں میں اس کا دینا بھی ظاہر کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا ایسا کرنے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے جیسا ہے۔ یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔

(۴۵۳) یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کی باتیں تو بہت سی ہو گئی ہیں مجھے تو کوئی ایک ایسی بات بتلایئے کہ میں اسے مضبوط تھام لوں۔ آپؐ نے فرمایا ہمیشہ ذکر اللہ میں زبان تر رکھا کر۔ (مسند احمد)

(۴۵۴) یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر بھروسہ رکھوں؟ فرمایا نہیں بلکہ اُسے مضبوط باندھ پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ (ترمذی و ابنِ حبان)

عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس کچھ نہیں جو میں نکاح کروں۔ آپؐ نے فرمایا کیا ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ ﴾ نہیں؟ کہا وہ تو ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن ہوگیا۔ فرمایا کیا : ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ نہیں؟ کہا ہاں ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن ہوگیا۔ فرمایا کیا : ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ ﴾ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے۔ فرمایا : پاؤ قرآن یہ ہو گیا۔ فرمایا کیا : ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ﴾ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے۔ فرمایا پاؤ قرآن یہ ہوا۔ فرمایا : ﴿ آیۃ الکرسی ﴾ نہیں؟ کہا وہ بھی ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ نکاح کر لے' نکاح کر لے' تین بار فرمایا۔ (مسند احمد)

(۴۵۵) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم پر ایسے امیر ہوں جو آپؐ کی سنتوں کو سُنّت نہ بنائیں۔ آپؐ کے احکام کو نہ لیں تو ان کے بارے میں آپؐ ہمیں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری نہ

کرے اس کی کوئی حکم برداری نہیں۔

(۴۵۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ سے اپنی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں میں کروں گا۔

(۴۵۷) پھر یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا اوّل تو پل صراط پر۔

(۴۵۸) اچھا اگر وہاں آپ نہ ملیں؟ فرمایا ترازو کے پاس۔

(۴۵۹) اور اگر وہاں بھی آپ سے ملاقات نہ ہو؟ فرمایا حوضِ کوثر کے پاس۔ بس ان تین جگہوں میں سے کسی نہ کسی جگہ میں ضرور مل جاؤں گا۔ یہ دونوں حدیثیں مسند احمد میں ہیں۔

(۴۶۰) مسند احمد میں ہے کہ حضرت حجاج بن علاط نے آپ سے اجازت چاہی کہ مکہ میں میرا مال ہے' وہاں میرے بال بچے ہیں' میں چاہتا ہوں وہاں سے انہیں لے آؤں تو کیا مجھے اجازت ہے کہ کچھ آپ کی شان میں بھی ضرورت کے موقعہ پر گستاخی کرلوں؟ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا جو چاہو کہہ لو۔ اس سے ثابت ہوا کہ قائل کلام جب اس کے معنی مراد نہ لے یا تو اپنے قصد کے نہ ہونے کے باعث یا اس کا علم نہ ہونے کے باعث یا اور کوئی معنی مراد لینے کے باعث تو اس کلام کے معنی جو اس نے مراد نہیں لیے اس پر لازم نہیں آئیں گے۔ یہی اللہ کا وہ دین ہے جو اُس نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبردستی اکراہ کرکے کسی کی زبان سے کلمۂ کفر نکلوایا جائے تو اس پر کفر لازم نہیں آتا۔ جنون' نیند اور نشے کی وجہ سے جس کی عقل زائل ہو گئی ہے وہ جو کچھ بک جائے اس پر لازم نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت حجاج بن علاط کے کلام پر حکم شرعی جاری نہ ہوگا اس لیے کہ ان کی مراد اس کلام سے اور ہی ہے' دِل سے وہ بات نکلی ہی نہیں۔ خود قرآنِ کریم کا فرمان ہے : ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾ الخ' (البقرہ : ۲۲۵) یعنی لغو قسمیں جو تم کھا لیتے ہو اُن پر اللہ تعالیٰ تمہیں پکڑے گا نہیں' وہ تو صرف ان ہی قسموں پر گرفت کرے گا جو تم دِل سے کھاؤ اور آیت میں ہے : ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۵) بلکہ اللہ کے ہاں کا مواخذہ اس پر ہے جو دِل کریں۔ پس دُنیا اور آخرت کے احکام اس پر مرتب ہوتے ہیں جو دِلی ارادے سے ہو' جو پورے قصد سے ہو' جس کلام سے اس کے حقیقی معنی ہی مراد لیے گئے ہوں۔

(۴۶۱) ایک عورت رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض عورتوں نے میرے مردوں پر میرے ساتھ مل کر نوحہ کیا تھا تو کیا مجھے اجازت ہے کہ اسلام میں ان کے نوحے کا ساتھ دوں اور بدلہ اتار دوں؟ آپ نے فرمایا سنو اسلام میں اسعاد نہیں ہے۔ اسلام میں شغار نہیں ہے۔ اسلام میں عقر نہیں ہے۔ اسلام میں جلب نہیں ہے اور جو لوٹ مار کرے' ڈاکہ ڈالے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ((اسعاد)) کہتے ہیں مصیبت کے نوحے میں دوسری عورتوں کی مدد کرنا۔ ((شغار)) کہتے ہیں اسے کہ ایک شخص اپنی بیٹی دوسرے کے لڑکے کے نکاح میں دینی کرے۔ اس شرط پر کہ دوسرا اپنی بیٹی اس کے بیٹے کے نکاح میں دے (اور یہی تبادلہ ایک دوسرے کے کا مہر ہو) ((عقر)) کہتے ہیں قبروں پر جانور ذبح کرنے کو۔ ((جلب)) کہتے ہیں گھڑدوڑ میں گھوڑے کے بھگانے کے لیے شور مچانے کو۔ ((جنب)) کہتے ہیں گھڑدوڑ کے میدان میں اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا رکھ لینے کو کہ جب یہ پہلا تھک جائے تو اس پر سواری کرلی جائے۔

(۴۶۲) بعض انصار حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہمارا ایک ہی اونٹ تھا جس سے کھیتی باڑی وغیرہ کی خدمت لیا

کرتے تھے' اب وہ باؤلا ہو گیا ہے' ہمارے ہاتھ ہی نہیں لگتا' کوئی کام نہیں کرتا ہم بہت تنگ آ گئے ہیں' کھیتی باڑی' باغ باغیچے سب سوکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو اس باغ کی طرف جہاں وہ مست اونٹ تھا۔ آپؐ ان کے ساتھ تشریف لے چلے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ اونٹ کی طرف بڑھے تو انصار نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس نہ جایئے یہ تو مثل کٹ کھنے کتے کے ہو گیا ہے' انسان پر حملہ کرتا ہے' منہ پھاڑ کر دوڑتا ہے' ایسا نہ ہو کہ آپؐ کو کوئی ایذا پہنچائے۔ آپؐ نے فرمایا اس سے تم اطمینان رکھو۔ اتنے میں اونٹ کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑی اور آپؐ کی طرف بڑھا' قریب آ کر سجدے میں گر پڑا۔ آپؐ نے اس کی پیشانی کے بال تھام لیے اور وہ پوری تابعداری کے ساتھ اطاعت گزار بن گیا۔ آپؐ نے اسے کام میں لگا دیا اور وہ بدستور پہلے سے بھی زیادہ کام کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے نبی ﷺ یہ تو جانور ہے جو بالکل ناسمجھ ہے' آپؐ کو سجدہ کر رہا ہے۔ ہم تو عاقل ہیں ہمیں اور بھی چاہیے کہ آپؐ کے سامنے سجدہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا کسی انسان کے لائق نہیں کہ کسی انسان کو سجدہ کرے' اگر کوئی انسان سجدہ کیے جانے کے قابل ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ سب سے بڑا حق اُن کا ان پر ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر خاوند کے سر سے لے کر پیر کے انگوٹھے تک خون اور پیپ بہہ رہا ہو اور اس کی بیوی اسے اپنی زبان سے چاٹے تب بھی اس کے حق کو پورا ادا نہیں کر سکتی۔ (مسند احمد) مشرکوں پر افسوس ہے کہ انہوں نے اونٹ کے سجدے کو لے کر اپنے پیروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے اور یہ نہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت صاف فرما دیا کہ کسی انسان کو دوسرے انسان کے سامنے سجدہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ لوگ تو دراصل ان سے بھی بدتر ہیں جو محکم آیتوں کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

(۴۶۳) آپؐ سے سوال ہوا کہ اہل کتاب ننگے پاؤں کر لیتے ہیں اور جوتیوں سمیت نماز نہیں پڑھتے۔ آپؐ نے فرمایا تم ننگے پیروں بھی رہو اور جوتیاں بھی پہنو اور اہل کتاب کا خلاف کرو۔

(۴۶۴) انہوں نے کہا اہل کتاب اپنی داڑھیاں منڈواتے ہیں اور اپنی مونچھوں کو بڑھاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنی مونچھیں کٹوا دیا کرو اور اپنی داڑھیاں بڑھایا کرو۔ اہل کتاب کا خلاف کرو۔ (مسند احمد)

(۴۶۵) یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک غار دیکھا جس میں پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا ہے میرے جی میں آیا کہ یہیں ٹھہر جاؤں' دُنیا سے یکسوئی اختیار کر کے یہاں کے پانی اور اس کے آس پاس کے پتوں پر اپنی زندگی بسر کروں؟ آپؐ نے فرمایا سنو میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ دُنیا میں نہیں بھیجا گیا' میں یکسوئی والے آسان دین کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اللہ کی راہ میں صبح کو یا شام کو جانا ساری دُنیا سے اور اس میں جو ہے سب سے بہتر ہے۔ تم میں سے کسی کا صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے۔

فصل : خرید و فروخت کے مسائل

(۴۶۶) جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان پر شراب کی اور مُردار کی اور خنزیر کی اور بتوں کی بیع حرام کر دی ہے تو انہوں نے سوال کیا کہ مردار کی چربی کی نسبت کیا حکم ہے؟ اس سے کشتیاں رنگی

جاتی ہیں' کھالوں پر ملا جاتا ہے' راتوں کو چراغ میں جلایا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ حرام ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے جب ان پر چربیاں حرام ہوئیں تو انہوں نے انہیں پگھلا کر بیچ ڈالا اور ان کی قیمت کھائی۔ آپؐ کے اس فرمان کے کہ وہ حرام ہے' دو مطلب کیے گئے ہیں' ایک تو یہ کہ یہ افعالِ حرام ہیں' دوسرے یہ کہ یہ بیع حرام ہے اگرچہ خریدار اُسے اسی لیے خریدتا ہو۔ یہ دونوں قول مبنی ہیں اس پر کہ اُن کا سوال اس فائدے کے لیے بیع کرنے کے متعلق تھا یا اس نفع سے متعلق۔ پہلی بات ہمارے استاد رحمہ اللہ کی پسندیدہ ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ آپؐ نے انہیں اولاً اس نفع اٹھانے کی حرمت کی خبر نہیں دی تھی کہ وہ اپنی حاجت کا ذکر آپؐ سے کرتے بلکہ آپؐ نے تو صرف اس کی بیع کی حرمت بیان فرمائی تھی تو انہوں نے بتلایا کہ اس کی خرید و فروخت ان اغراض سے تھی پھر بھی آپؐ نے انہیں بیع کی رُخصت نہیں دی۔ ہاں! ان کے بیان کردہ نفع سے انہیں ممانعت بھی نہیں کی۔ یہ یاد رہے کہ بیع کے جواز میں اور نفع اٹھانے کے حلال ہونے میں تلازم نہیں' واللہ اعلم۔

(۴۶۷) حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اُن یتیموں کی بابت آپؐ سے ذکر کیا جنہیں ورثے میں شراب ملی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اسے بہادو' پھینک دو۔

(۴۶۸) انہوں نے پھر کہا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو اس کا سرکہ بنالیں؟ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

(۴۶۹) ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری پرورش میں جو یتیم ہیں میں نے ان کے لیے شراب خرید کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس شراب کو بہادو اور ان برتنوں کو توڑ دو۔

(۴۷۰) مسند احمد میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ گاہک میرے پاس آتا ہے' مجھ سے کسی چیز کا سودا کرتا ہے جو میرے ہاں نہیں تو کیا میں اس سے دام وغیرہ چکا کر بازار سے خرید کر اسے دے دوں؟ آپؐ نے فرمایا جو تیرے پاس نہیں اس کی بیع نہ کر۔

(۴۷۱) مسند میں ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بیوپاری آدمی ہوں تو مجھے حلال حرام بیع کی خبر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا بھتیجے کسی چیز کو قبضے میں لانے سے پہلے نہ بیچا کرو۔

(۴۷۲) نسائی کی اسی روایت میں ہے کہ میں نے طعامِ صدقہ میں سے کچھ خریدا' ابھی اسے اپنے قبضے میں نہ لیا تھا کہ اس سے پہلے ہی اسے بہت سے نفع پر مجھ سے لینے والے گاہک آگئے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بیچنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا جب تک اُسے قبضے میں نہ لاؤ نہ بیچو۔

(۴۷۳) پھلوں کو درختوں پر بیچنا کس حال میں جائز ہے؟ فرمایا جب ان میں سرخی یا زردی آجائے اور ان میں سے کچھ کھانے کے قابل ہو جائیں۔ (بخاری و مسلم)

(۴۷۴) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز کا منع کرنا جائز نہیں؟ فرمایا پانی کا۔

(۴۷۵) اس نے پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا نمک کا۔

(۴۷۶) اس نے کہا پھر اور کیا چیز؟ آپؐ نے فرمایا آگ کا۔

(۴۷۷) اس نے پھر یہی سوال دوہرایا تو آپؐ نے فرمایا تو جو بھلائی کرے وہی تیرے حق میں بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

(۴۷۸) ایک صاحب بیوپار میں عموماً دھوکا کھا جایا کرتے تھے کچھ زیادہ اُونچ نیچ کی سمجھ نہ ہونے کے باعث۔ تو لوگوں نے

رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اس کی بیع روک دی جائے۔ آپؐ نے اسے منع فرمادیا لیکن اس نے کہا نبی ﷺ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا جب تو سودا کرے تو کہہ دیا کر کہ کوئی دھوکا نہ ہو اب تُو جو سودا کرے گا اس کی بابت تجھے تین دن تک اختیار ہے خواہ کر یا چھوڑ۔

(۴۷۹) ایک صاحب نے ایک غلام خریدا وہ اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا رہا۔ پھر اُسے اُس کی عیب داری معلوم ہوئی تو جس سے خریدا تھا اُسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے جو نفع میرے غلام سے اٹھایا ہے وہ مجھے ملنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا مستحق وہ ہے جس پر اس کی ذمہ داری ہو۔ (ابوداؤد)

(۴۸۰) ابنِ ماجہ میں ہے کہ ایک عورت نے آپؐ سے ذکر کیا کہ میں خرید و فروخت کرتی ہوں تو جو چیز مجھے لینی ہوتی ہے اس کی جو قیمت میں جانچتی ہوں اس سے کم لگاتی ہوں پھر اگر وہ انکار کرے تو بڑھاتے بڑھاتے وہاں تک پہنچا دیتی ہوں۔ اسی طرح جو چیز بیچتی ہوں اس کی جو قیمت مجھے لینی ہوتی ہے اس سے زیادہ بتلاتی ہوں' گاہک نہ مانے تو گھٹا کر وہی لے لیتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ جب خریدنا چاہو آخری دام کہہ دو ملے یا نہ ملے۔ اسی طرح بیچتے ہوئے بھی ایک بات کہہ دو' کوئی لے یا نہ لے۔

(۴۸۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ردی کھجوریں دو صاع دے کر عمدہ کھجوروں کا ایک صاع میں لے لیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اوہ! یہ تو بالکل ہی سود ہے' ایسا نہ کر۔ اپنی کھجوریں سب بیچ دے اور ان کی قیمت سے اور خرید لے۔ (متفق علیہ)

(۴۸۲) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ میں نے اور میرے شریک نے صرافہ کیا ہے' کچھ تو نقد ہے اور کچھ اُدھار ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو نقد ہے اُسے تو لے لو اور جو اُدھار ہے اسے چھوڑ دو۔ (بخاری)

یہ حدیث صاف ہے کہ صرافے میں اُدھار اور نقد کے حکم میں تفریق ہے۔

(۴۸۳) نسائی میں ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تجارت پیشہ تھے۔ ہم نے سونے چاندی کے تبادلے کی نسبت آپؐ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا نقد ہو تو کوئی حرج نہیں اور اُدھار ہو تو درست نہیں۔

(۴۸۲) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید نے خیبر والے دن ایک ہار بارہ دینار میں لیا۔ اس میں سونا بھی تھا اور خرمہرے بھی تھے۔ جب سونا الگ کیا تو وہ بارہ دینار سے زیادہ کا نکلا۔ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا جب تک خرمہرے اور سونا الگ الگ نہ کر دیا جائے خرید و فروخت نہ کی جائے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مدعوہ کا مسئلہ جائز نہیں۔ جب کہ ایک طرف وہی عوض ہو جو دوسری جانب ہے اور کچھ زیادتی ہو یہ صریح سود ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ منع اسی صورت کے ساتھ مخصوص ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے اور جو صورتیں اس جیسی اور ہوں۔

(۴۸۵) یا رسول اللہ ﷺ ایک گھوڑے کو کئی گھوڑوں کے بدلے اور ایک اونٹنی کو کئی اونٹنیوں کے بدلے بیچنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ ارشاد ہوا مطلقاً نہیں' لیکن معاملہ نقداً نقد ہونا چاہیے۔ (مسند احمد)

(۴۸۶) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ میں سونے کو چاندی کے بدلے خریدتا ہوں تو کوئی حرج تو نہیں؟ آپؐ

فرماتے ہیں کوئی حرج نہیں لیکن لین دین والے معاملہ چکا کر' صاف کر کے ختم کر کے الگ ہوں کچھ بھی درمیان میں اٹکاؤ یا اُلجھاؤ نہ ہو۔

(۴۸۷) ایک روایت میں ہے میں اونٹ فروخت کرتا تھا اور سونا چاندی کے بدلے اور چاندی سونے کے بدلے لیا کرتا تھا۔ دینار درہموں سے اور درہم دیناروں سے بدلا کرتا تھا۔ میں نے نبی ﷺ سے ایک بار مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا نقدا نقدی لین دین ہو۔ دونوں میں سے ایک بھی دوسرے سے اس حال میں جدا نہ ہو کہ ابھی معاملہ کچھ باقی ہو۔

(ابنِ ماجہ)

(۴۸۸) اسی کی تفسیر گویا ابوداؤد کی اس حدیث کے الفاظ میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں بقیع میں اونٹ فروخت کرتا ہوں۔ دیناروں کے بدل بیچتا ہوں اور درہم لیتا ہوں اور درہموں کے بدل بیچتا ہوں اور دینار لیتا ہوں۔ یہ اِس کے بدل اور وہ اُس کے بدل دیتا رہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اسی دن کے بھاؤ سے لینے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب تک تم دونوں اس حالت میں جدا ہوتے ہو کہ تم میں کچھ بھی باقی نہ رہتا ہو۔ (مسند احمد)

(۴۸۹) خشک کھجوروں کو تر کھجوروں کے بدلے لینے کی بابت آپؐ سے سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ کیا تر کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں؟ لوگوں نے کہا یقیناً۔ تو آپؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ (مسند احمد' شافعی' مالک)

(۴۹۰) ایک شخص نے کھجوروں کا باغ دوسرے کو اَجارے پر دیا۔ اس سال کھجوریں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ اس کا مال اسے واپس لوٹا دے پھر عام حکم دے دیا کہ جب تک کھجوریں قابل پختگی نہ ہو جایا کریں باغ اجارے پر نہ دیئے جائیں۔

(۴۹۱) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے اپنا کھجوروں کا باغ کھجوریں لگنے سے پہلے ہی دوسرے کو اجارے پر دے دیا۔ اتفاق سے اس سال درخت پھلے ہی نہیں۔ اب اجارہ دار تو کہنے لگا کہ جب تک یہ نہ پھلے تب تک میرا ہی ہے اور باغ والا کہنے لگا کہ میں نے تو تجھے صرف اسی سال کے لیے دیا ہے۔ آخر جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے باغ والے سے پوچھا کہ اس نے تیرے باغ سے کچھ لیا بھی ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ فرمایا پھر تو کس چیز کے بدلے اس کا مال ہضم کر رہا ہے؟ حکم دیا کہ اس کی اجارے کی کل رقم اسے واپس دے دو۔ پھر قانون جاری فرما دیا کہ جب تک کھجوروں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے ہرگز کوئی اجارے پر نہ چڑھائے۔ یہ حدیث اُن حضرات کی دلیل ہے جو بیوپار کو جنس کی موجودگی کے بغیر جائز نہیں جانتے جیسے حضرت امام اوزاعیؒ' ثوری اور اصحابِ رائے۔

(۴۹۲) ایک صحابی نے نبی ﷺ سے کہا کہ فلاں قبیلے کے لوگوں نے یہود سے کچھ قرض لیا ہے' اب وہ بالکل مفلس ہو گئے ہیں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کوئی ہے جس کے پاس ہو؟ ایک یہودی نے کہا ہاں! میرے پاس اتنی رقم ہے غالباً تین سو دینار کی بتلائی۔ میں اس بھاؤ سے فلاں باغ کا پھل خرید تا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا بھاؤ یہ اور یہ اور فلاں ہی کے باغ کی قید نہیں۔ (ابنِ ماجہ)

فصل : سچائی کی فضیلت اور قرض کی مذمت

(۴۹۳) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپؐ سے درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کسی ایسی چیز پر مقرر کر دیجیے جس سے

میرے کھانے پینے کا کام چلتا رہے۔ آپ نے فرمایا کسی نفس کا زندہ رکھنا تجھے پسند ہے یا اس کا مار ڈالنا؟ عرض کیا زندہ رکھنا۔ فرمایا بس تو پھر اپنے نفس کو لازم پکڑ لے۔ (مسند احمد)

(۴۹۴) یا رسول اللہ ﷺ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ۔ جب بندہ سچا ہو جاتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور جب نیک بن جاتا ہے تو مؤمن ہو جاتا ہے اور جب مؤمن ہو جاتا ہے تو جنتی بن جاتا ہے۔

(۴۹۵) یا رسول اللہ ﷺ! جہنمیوں کا عمل کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فاجر بن جاتا ہے اور جب فاجر' فاسق ہو گیا تو کافر ہو جاتا ہے اور جب کافر ہوا تو جہنمی بن گیا۔

(۴۹٦) یا رسول اللہ ﷺ! افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا نماز۔

(۴۹۷) یا رسول اللہ ﷺ! پھر کیا؟ فرمایا نماز۔ تین مرتبہ یہی جواب دیا۔

(۴۹۸) جب اور بھی پوچھا گیا تو فرمایا راہِ الٰہی کا جہاد۔

(۴۹۹) سائل نے کہا میرے ماں باپ زندہ ہیں؟ فرمایا پھر تو تیرے حق میں بہتری ان کی خدمت میں ہے۔

(۵۰۰) اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں تو انہیں چھوڑ کر جہاد کروں گا۔ فرمایا تُو جان۔ (مسند احمد)

(۵۰۱) یا رسول اللہ ﷺ! جنت کے خوشنما بالا خانے جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے نظر پڑتا ہے کس کے لیے ہیں؟ فرمایا کلام کرنے والوں اور کھانا کھلانے والوں اور لوگوں کے سوتے ہوئے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے تہجد ادا کرنے والوں کے لیے۔

(۵۰۲) یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں صبر اور سہار کے ساتھ نیکی کا طالب بن کر آگے بڑھ بڑھ کر پیچھے نہ ہٹ کر اپنے مال سے اور اپنی جان سے راہِ الٰہی میں جہاد کروں تو میں جنتی بن جاؤں گا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں! یقیناً۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔

(۵۰۳) پھر فرمایا ہاں یہ شرط ہے کہ تجھ پر قرض نہ ہو اور ہو تو اس کی ادائیگی کا سامان بھی ہو' جو سختی اتری ہے اس کی آپ نے انہیں خبر دی۔

(۵۰۴) تو انہوں نے آپ سے سے اس کا سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ قرض۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص راہِ الٰہی میں شہید کیا جائے' پھر جی جائے' پھر قتل کیا جائے' پھر جی جائے' پھر راہِ الٰہی میں مارا جائے' جب بھی جنت میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔ یہ دونوں حدیثیں مسند احمد میں ہیں۔

(۵۰۵) یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی مر گئے ہیں۔ ان پر قرض رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے قرض میں قید ہے۔ جا اس کی طرف سے ادائیگی کر۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اور قرض تو ادا کر دیا لیکن ایک عورت اپنے دو دینار کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ فرمایا دے دے وہ سچ کہتی ہے۔ (مسند احمد) اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ وصی کو جب کسی صورت سے میت کے ذمے کے کسی قرض کا پتا چل جائے اور وہ ثابت ہو جائے تو اس کے ذمے اس کی ادائیگی ضروری ہے گو کوئی پختہ ظاہری ثبوت نہ بھی ہو۔

(۵۰۶) یا رسول اللہ ﷺ! سب چیزوں کا بھاؤ مقرر کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا سنو خالص قابض' باسط رزاق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ میری تو چاہت یہ ہے کہ اللہ سے اس حال میں ملوں کہ کسی کے خون یا مال کا کوئی مطالبہ میرے ذمے نہ ہو۔ (مسند احمد)

فصل: ناحق اور ظلم کی مذمت

(۵۰۷) یا رسول اللہ ﷺ! میری زمین میں کسی کی شرکت نہیں' نہ تقسیم ہے۔ ہاں! پڑوسی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا پڑوسی اپنی نزدیکی کے باعث زیادہ حقدار ہے۔ (مسند احمد) ٹھیک بات یہی ہے کہ اس فتوے پر عمل کیا جائے جب کہ راستے میں یا ملکیت کے کسی حق میں شرکت ہو۔

(۵۰۸) یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا ظلم کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کسی کی زمین دبالینا گو وہ ایک گز ہی ہو۔ سنو ایک کنکر کے برابر بھی دوسرے کی زمین ناحق دبا لینے والے کے گلے میں وہاں سے لے کر زمین کی تہ تک کا ایک طوق بنا کر ڈالا جائے گا اور زمین کی تہ کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (مسند احمد)

(۵۰۹) ایک بکری ذبح کر کے آپؐ کے سامنے اس کا گوشت رکھا گیا۔ اس بکری والے سے اس کے ذبح کرنے کی اجازت حاصل نہیں کی گئی تھی' اس لیے آپؐ نے فتویٰ دیا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔ (ابوداؤد)

رہن کے مسائل

(۵۱۰) آنحضرت ﷺ کا فتویٰ ہے کہ جو جانور گروی رکھا جائے اس پر جو خرچ ہو اس کے بدلے جس کے پاس گروی ہے وہ سواری لے سکتا ہے۔ اسی طرح جب کہ چارہ دے رہا ہے تو اس کا دودھ بھی وہ پی سکتا ہے۔ خرچ اس کے ذمے ہے جو سواری لے اور دودھ پیے۔ (بخاری) امام احمد وغیرہ ائمہ حدیث نے اسی فتوے کو لیا ہے اور یہی ٹھیک اور درست بھی ہے۔

(۵۱۱) آنحضرت ﷺ کا فتویٰ ہے کہ جس نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اس سے وہ چیز بند نہ کر لی جائے' اس کا نفع نقصان اسی کے ذمے ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(۵۱۲) کسی نے باغ کے پھل خریدے' اس میں قدرتی نقصان آگیا اور یہ بہت ہی قرضدار ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فتویٰ دیا کہ خیرات کے مال سے اس کی مدد کی جائے۔ لوگوں نے اُسے مال دیا لیکن پھر بھی پورا قرض ادا ہو جائے اتنا مال جمع نہ ہوا' تو آپؐ نے قرض خواہوں سے فرمایا جو مل رہا ہے لے لو' بس اس کے سوا اور نہ ملے گا۔ (مسلم)

(۵۱۳) آنحضرت محمد ﷺ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص مفلس ہو جائے اور اس کے پاس کسی کا مال بجنسہٖ موجود نکلے تو صرف اس کا مالک ہی اس کا حقدار ہے۔ (متفق علیہ)

عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنا مال بھی خیرات نہ کرے

(۵۱۴) یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنا زیور راہِ للہ دے دیا ہے فرمایا کسی عورت کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنا مال خیرات کرنا بھی جائز نہیں۔

(۵۱۵) اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فتویٰ دیا کہ جب اس کا میاں اس کی عصمت تک کا مالک ہے پھر اسے اپنے مال میں کوئی امر جائز نہیں۔ (سنن)

(۵۱۶) ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ حضرت خیرہ رضی اللہ عنہا اپنے زیورات لے کر رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں انہیں بطورِ خیرات کے دے رہی ہوں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اپنے خاوند کی اجازت حاصل کرلی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپؐ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیج کر پچھوایا کہ کیا تم نے اپنی بیوی کو ان کے زیورات راہِ للہ دینے کی اجازت دے دی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! تب آپؐ نے وہ زیورات قبول فرمائے۔

مالِ یتیم

(۵۱۷) یا رسول اللہ ﷺ! میں مالدار آدمی نہیں ہوں' میری پرورش میں یتیم بچے ہیں۔ فرمایا تم اپنے یتیموں کے مال سے اپنا پیٹ پال سکتے ہو' اسراف اور زیادتی نہ ہو' مال جمع نہ کرو' اپنا مال بچاؤ نہیں کہ اس کا کھاؤ اور اپنا سنبھال رکھو۔

(۵۱۸) جب آیت : ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (اسراء : ۳۴) اترتی ہے یعنی یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اسی طریقے سے جو بہتر سے بہتر ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا مال اپنے مال سے بالکل علیحدہ کردیا یہاں تک کہ ان کے لیے پکا ہوا کھانا چاہے بگڑ جائے' گوشت چاہے سڑ جائے لیکن یہ اس سے الگ رہتے تھے۔ آخر رسول اللہ ﷺ سے یہ بیان کر کے فتویٰ طلب کیا تو یہ آیت اتری : ﴿ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۰) یعنی تم اپنے مال سے ان کے مال ملا لو تو کوئی حرج نہیں۔ آخر وہ بھی تو تمہارے بھائی ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (مسند و سنن)

گری پڑی چیز اٹھالینے کے مسائل

(۵۱۹) یا رسول اللہ ﷺ! کسی کی گری پڑی کھوئی ہوئی چاندی یا سونا ہم پالیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جس چیز میں وہ ہے اسے خوب پہچان لو پھر سال بھر تک اسے پہنچواؤ' اگر کوئی مالک نہ ملے تو خود اپنے کام میں لاؤ' لیکن رہے گا یہ تمہارے ذمے۔ عمر بھر میں کسی دن بھی اس کا مالک مل جائے اور اپنی چیز کا صحیح نشان دے تو تمہیں واپس دینا ہوگا۔

(۵۲۰) یا رسول اللہ ﷺ گم شدہ اونٹ کی بابت کیا فرمان ہے؟ ارشاد ہوا کہ تمہیں اُس سے کیا مطلب؟ اسے نہ پکڑو' اس کے ساتھ ہی اس کے موزے ہیں اور اس کی مشک ہے۔ پانی پی لیا کرے گا اور درختوں کے پتے کھالیا کرے گا' آخر اُس کا مالک اُسے پکڑ لے گا۔

(۵۲۱) یا رسول اللہ ﷺ! گمشدہ بکری کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اسے پکڑ لو' وہ یا تو تیرے لیے ہے یا تیرے اور کسی بھائی کے لیے ہے یا بھیڑیئے کے لیے۔ (متفق علیہ)

(۵۲۲) صحیح مسلم میں ہے کہ تھیلی کو' گنتی کو' برتن اور سربند کو جو پہچان لے اور ان کا صحیح نشان اس کا مالک جب بتلا دے تو اسے دے دو ورنہ وہ تمہاری چیز ہے۔

(۵۲۳) مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ پھر اسے کھالو' پھر بھی اس کا مالک آ جائے تو ادا کرنے پڑے گی۔

(۵۲۴) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سو دینار کی ایک تھیلی پائی۔ میں اسے لے کر سرکارِ نبوت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ سال بھر تک شناخت کرواؤ۔ میں ایک سال تک شناخت کراتا رہا' پھر حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کا مالک کوئی نہیں ملا۔ فرمایا ایک سال تک اور بھی شناخت کراؤ۔ میں نے یہ بھی کیا۔ پھر آپؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا اور سال تک شناخت کراؤ۔ میں نے یہ بھی کیا' لیکن اب بھی اس کا مالک نہ نکلا جب چوتھی دفعہ میں نے آپؐ کی خدمت میں گزارش کی تو آپؐ نے فرمایا اس کی گنتی' اس کا سربند' اس کا برتن نگاہ میں رکھ لو' اس کا مالک مل جائے تو اسے دے دینا ورنہ اس سے خود فائدہ حاصل کرنا۔ چنانچہ میں اس رقم کو اپنے کام میں لایا۔ (متفق علیہ) یہ لفظ بخاری شریف کے ہیں۔

(۵۲۵) قبیلہ مزنیہ کا ایک شخص حبیب کبریا' شافع روزِ جزا صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کی بابت سوال کرتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں اس کے ساتھ اس کی جرابیں ہیں' اس کے ساتھ اس کی مشک ہے' وہ پتے چرتا ہے اور پانی پی لیتا ہے تُو اُسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا مالک اسے ڈھونڈ لے۔

(۵۲۶) اس نے کہا گمشدہ بکری جو مل جائے اس کی بابت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ یا تو تیری ہے یا تیرے کسی اور بھائی کی یا بھیڑیئے کی' اسے پکڑ لے اور باندھ لے یہاں تک کہ اس کا مالک آ جائے۔

(۵۲۷) اس نے کہا رات کو چرائی ہوئی بکری جو چراگاہ میں پائی جائے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کی دگنی قیمت اور کوڑوں کی سزا۔

(۵۲۸) اور جو اس کی حفاظت کی جگہ سے لے لیا جائے اس میں ہاتھ کا کٹنا جب کہ اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے۔

(۵۲۹) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھلوں کی بابت کیا فرمان ہے؟

(۵۳۰) اور جو خوشوں میں سے توڑے جائیں' ان کی بابت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا جو کھالیا جائے اور جھولی بھر کر نہ جائے اس پر تو کچھ نہیں اور جو لے جائے اس کے ذمے دگنی قیمت اور سزا اور ڈانٹ ڈپٹ اور جو کھلیان میں سے چرایا جائے اس میں ہاتھ کٹنا جب کہ اتنی قیمت کا مال چرایا گیا ہو جتنی قیمت ڈھال کی ہے۔

(۵۳۱) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! راستوں میں سے گری پڑی چیز کسی کو مل جائے اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا سال بھر تک اسے شناخت کرواؤ اگر اس کا مالک مل جائے تو اسے دے دے ورنہ وہ تیری ہے۔

(۵۳۲) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو غیر آباد جنگل میں سے ملے؟ فرمایا اس میں اور دفینے میں پانچواں حصہ زکوۃ ہے۔ (سنن) سچا فتویٰ یہی ہے اور یہی قابل عمل ہے گو بعض لوگوں نے اس کے بر خلاف بھی فتویٰ دیا ہے لیکن اس کے خلاف حدیث سے اور بات ثابت نہیں جس سے یہ قابل ترک ہو جائے۔

(۵۳۳) حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے کہ جسے کسی کی گری پڑی' بھولی بھالی چیز مل جائے وہ دو عادل گواہ رکھ لے اور جس چیز میں وہ ہے اور جس طرح بندھی ہوئی ہے اسے خوب خیال میں رکھ لے' پھر نہ چھپائے' نہ غائب کرے۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو وہی اس کا حقدار ہے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دے۔

(۵۳۴) ایک صحابی (اللہ ان سے خوش رہے) آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! میں جنگل میں پائخانہ کر رہا تھا تو ایک چوہے نے سوراخ میں سے ایک دینار نکالا' پھر گیا اور ایک لے آیا اسی طرح سترہ اشرفیاں نکالیں' آخر میں ایک سرخ رنگ کپڑے کی دھجی اپنے منہ میں نکال لایا۔ میں نے ان سب کو سمیٹ لیا اور انہیں لے کر حاضر ہوا ہوں' اس میں جو زکوٰۃ ہو وہ لے لیجیے۔ آپؐ نے فرمایا اس میں زکوٰۃ کچھ بھی نہیں تم خود انہیں لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے۔ دیکھو تم نے خود تو سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالا؟ انہوں نے کہا بالکل نہیں' اُس اللہ کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپؐ کو نوازا ہے۔ چنانچہ وہ رقم انہی کے پاس رہی اور نبی ﷺ کی دُعا سے ان کے آخری وقت تک اس میں برکت ہی رہی' وہ رقم ختم ہی نہ ہوئی۔ نبی ﷺ کا یہ دریافت فرمانا کہ شاید تو نے اپنا ہاتھ سوراخ کی طرف بڑھایا ہو؟ اس سے غالباً آپؐ کی مراد یہ ہوگی کہ اگر ایسا کیا تو پھر یہ دفینے کے ملنے کے حکم میں ہو جائے گا لیکن جب یہ نہیں تو اس مال کو صرف اللہ نے اپنے فضل سے بغیر تمہاری کوشش کے تمہیں دیا ہے جیسے کہ زمین سے اور برکتیں نکلتی ہیں یہ بھی انہی میں داخل ہے۔ صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسے گری پڑی چیز کے حکم میں نہیں رکھا۔ اس لیے کہ شاید آپؐ کو اس کا کفار کا دفینہ نہ ہونا معلوم ہو گیا ہوگا۔

ہدیے اور عطیے کا بیان

(۵۳۵) عیاض بن حمار اپنے اسلام لانے سے پہلے نبی ﷺ کو بطورِ ہدیے کے ایک اونٹ دیتا ہے۔ آپؐ اس کے قبول کرنے سے انکار فرما دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ہم مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ حدیث میں لفظ ((زبد)) ہے۔ اس کے معنی جب نبی ﷺ سے دریافت کیے گئے تو آپؐ نے تحفہ اور ہدیہ بتلایا۔ (مسند احمد) اُکیدر وغیرہ اہل کتاب کا ہدیہ آپؐ نے قبول فرمایا ہے۔ مشرکوں کے ہدیے کا انکار کیا ہے تو توفیق یہی ہے کہ مشرک کا نامقبول' اہل کتاب کا مقبول۔

(۵۳۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص نے مجھے بطور تحفے کے ایک کمان دی ہے۔ میں نے اسے لکھنا اور قرآن سکھایا ہے۔ وہ کمان کوئی قیمتی چیز نہیں۔ میں اسے جہاد میں کام لاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو آگ کا طوق پہننا پسند کرتا ہے تو اسے قبول کر لے۔ دوسری حدیث میں جو نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو ان میں سب سے بہتر چیز کتاب اللہ ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لیے کہ وہ دَم کر کے اس پر اجرت لینے کے بارے میں ہے۔ تو علاج کی اجرت اور چیز ہے گو وہ قرآن سے ہی ہو اور قرآن سکھانے کی اجرت اور چیز ہے۔ پس پہلی جائز' دوسری منع۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرٍ ﴾ (الفرقان: ۵۷) میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا اور آیت میں ہے: ﴿ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ﴾ (سبا: ۴۷) میں تم سے جو اجرت چاہوں وہ تمہارے لیے ہی ہے۔ فرمان ہے: ﴿ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا ﴾ (یٰسٓ: ۲۱) اس کی پیروی کرو جو تم سے اجرت نہیں مانگتا۔ پس تبلیغ اسلام اور قرآن پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

(۵۳۷) ابو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام دیتے ہیں اور اس پر آپؐ کو گواہ رکھنا چاہتے ہیں تو آپؐ گواہ نہیں رہتے اور فرما دیتے ہیں کہ مجھے ظلم کا گواہ نہ بنا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ ٹھیک نہیں اور روایت میں ہے کہ کیا تو

نے اپنی اور اولاد کو بھی اسی جیسا عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو' اپنی تمام اولاد میں عدل کرو اور روایت میں ہے اُسے لوٹا لو۔ ایک میں ہے میرے سوا کسی اور کو اس پر گواہ کر لے۔ (متفق علیہ) یہ فرمان بطورِ ڈانٹ کے ہے نہ کہ جواز کے طور پر۔ اس لیے کہ آپ نے اسے ظلم فرمایا ہے اور عدل کے خلاف قرار دیا ہے۔ خبر دی ہے کہ یہ درست نہیں' حکم دیا ہے کہ اس عطیے کو واپس لے لو۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ باوجود ان تمام باتوں کے آپ حکم دیں کہ کسی اور کو گواہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

میراث کے فتوے

(۵۳۸) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری جس حد تک پہنچ چکی ہے وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں' مالدار آدمی ہوں اور سوائے ایک لڑکی کے میرا اور کوئی وارث نہیں' تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کے نام پر دے دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں!

(۵۳۹) اچھا تو آدھا مال صدقہ کر دوں؟ فرمایا آدھا بھی نہیں۔

(۵۴۰) پوچھا پھر ایک تہائی؟ فرمایا خیر ایک تہائی للہ دے دو۔ یہ بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ' یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تم انہیں مسکین چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ سنو تم اللہ کی رضامندی کی جستجو میں جو بھی خرچ کرتے ہو سب پر بدلہ پاؤ گے یہاں تک کہ جو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو اس پر بھی۔ (متفق علیہ)

(۵۴۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی۔ ان کے لڑکے میرے بھائی ہشام نے تو اپنے حصّے کے پچاس غلام آزاد کر دیئے' اب جو پچاس میرے ذمے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا حکم فرماتے ہیں کہ میں انہیں آزاد کر دوں؟ آپ نے فتویٰ دیا کہ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا خیرات کرتے یا حج کرتے تو اُسے اس کا ثواب ملتا۔ (ابوداؤد)

(۵۴۲) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا لڑکا مر گیا' مجھے اس کے مال میں سے ورثہ کیا ملے گا؟ فرمایا چھٹا حصّہ۔ جب وہ جانے لگا تو اسے بلا کر فرمایا چھٹا حصّہ اور بھی' پھر جب وہ جانے لگا تو بلا کر فرمایا یہ دوسرا سدس ۱/۶ بطورِ خوراک ہے۔ (مسند احمد)

(۵۴۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے کلالہ کی نسبت دریافت کرتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تجھے اس کے لیے گرمی کے موسم میں اتری ہوئی سورۂ نساء کی آخر کی آیت کافی ہے۔ (مالک)

(۵۴۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ میں اپنے مال کا فیصلہ کس طرح کروں میں تو کلالہ ہوں؟ اس پر یہ آیت: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾ (نساء: ۱۷۶) اُتری۔ (بخاری)

(۵۴۵) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سرورِ رُسل صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ مشرکوں میں سے جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لے اس کے بارے میں سُنّت طریقہ کیا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اس کی موت' زندگی میں سب سے زیادہ اولیٰ وہی ہے۔ (ابوداؤد)

(۵۴۶) ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھتی ہیں کہ میں نے اپنی ماں کو اپنی لونڈی بطورِ خیرات کے دی تھی۔ ماں کا انتقال ہوگیا اور لونڈی ان کے مال کے طور پر موجود ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا ثواب تجھے مل گیا اور وہ لونڈی بطور میراث کے اب تیری طرف واپس ہوگئی۔ (ابوداؤد) یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ صحیح فتویٰ یہی ہے کہ اس صورت میں چیز لوٹ آئے گی۔

(۵۴۷) یا رسول اللہ ﷺ! کلالہ کون ہے؟ فرمایا جس کا والد اور ولد نہ ہو۔ اسے ابو عبداللہ مقدسی نے احکام میں ذکر کیا ہے۔

(۵۴۸) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم ﷺ سے کہتی ہیں کہ یہ ہیں دونوں لڑکیاں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی' ان کے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کے لشکر میں اُحد والے دن تھے اور میدانِ جنگ میں راہِ الٰہی میں شہید ہوئے۔ ان کے چچا نے ان کے باپ کا تمام ترکہ لے لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ لڑکیوں کے نکاح مال پر ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے یہاں تک کہ یہ آیت میراث نازل ہوئی تو آپ نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلایا اور فرمایا سعد کی دونوں لڑکیوں کو دو تہائیاں میراث دو۔ ان کی بیوی کو آٹھواں حصّہ دو اور جو بچے تم لو۔ (مسند احمد)

(۵۴۹) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک میّت کے وارث یہ ہیں : لڑکی' پوتی اور بہن' تو آپ نے فرمایا لڑکی کے لیے آدھا ہے اور آدھا بہن کا ہے۔ تم جا کر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی فتویٰ لے لو' وہ بھی میری موافقت کریں گے۔ جب حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا اور یہ فتویٰ بھی انہیں سنایا گیا تو فرماتے ہیں اگر میں اس کی موافقت کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ نہ ہو سکوں۔ میں تو اس بارے میں وہی فتویٰ دوں گا جو خود رسولِ کریم ﷺ کا ہے کہ لڑکی کے لیے آدھا' پوتی کے لیے چھٹا حصّہ تاکہ دو تہائیاں پوری ہو جائیں اور جو بچا وہ بہن کا حق ہے۔

(۵۵۰) مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسولِ کریم ﷺ سے کہا کہ میرے پاس ایک ازدی شخص کی میراث ہے۔ میں نے قبیلہ ازد کا کوئی شخص اب تک نہ پایا کہ اسے میں وہ مال دے دوں۔ آپ نے فرمایا سال بھر تک اس قبیلے کے کسی شخص کی تلاش کرو۔ سال تمام ہونے کے بعد وہ پھر آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! اب تک کوئی ازدی مجھے نہیں ملا کہ میں اسے دے دیتا۔ آپ نے فرمایا پہلا شخص جو قبیلہ خزاعہ کا ملے اسے دے دو۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے پھر بلوایا اور فرمایا خزاعہ قبیلے کے کسی بڑے آدمی کو تلاش کر کے اسے دے آؤ۔

(۵۵۱) مسند احمد اور سنن میں ایک حسن حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص مر گیا ہے۔ اس کا کوئی وارث نہیں بجز ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی نہیں؟ کہا کوئی نہیں بجز اس آزاد غلام کے۔ حکم دیا کہ اس کی کل میراث اسی کو دے دی جائے۔ یہی فتویٰ ہم بھی لیتے ہیں۔

(۵۵۲) اللہ کے رسول' رسولوں کے سردار ﷺ کا فتویٰ ہے کہ عورت تین شخصوں کی میراث سمیٹ لے گی۔ اپنے آزاد کردہ غلام کی جسے بچپن میں اس نے راستے میں پا کر لے لیا ہے اور اس کی پرورش کی ہے اور اپنے اس بچّے کی جو اس کی گود میں تھا اور اس نے اپنے خاوند سے لعان کیا ہے۔

(۵۵۳) اللہ کے رسول ﷺ ہمارے شفیع ﷺ کا فتویٰ ہے کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی بھی وارث ہوگی اور اس کے مال کی بھی جب تک ان میں سے کوئی دوسرے کو عمداً قتل نہ کرے۔ ہاں! اگر ایسا ہو گیا ہے تو دیت کا ورثہ قاتل کو ملے

گا نہ مال کا اور اگر خطا سے ایسا ہو گیا ہے تو مال کا ورثہ ملے گا لیکن دیت کا پھر بھی نہ ملے گا۔ اسے ابنِ ماجہ نے ذکر کیا ہے اور یہی فتویٰ ہم لیتے ہیں۔

(۵۵۴) اللہ کے پیغمبر' پیغمبروں کے خاتم ﷺ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص کسی آزاد عورت سے یا لونڈی سے بدکاری کرے تو اولاد زنا کی اولاد ہے' نہ یہ اس کا وارث ہو سکتا ہے نہ وہ اس کا۔ (ترمذی)

(۵۵۵) لعان کرنے والے میاں بیوی کے بارے میں آپ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ بچّہ اپنی ماں کا وارث ہو گا اور ماں اس کا ورثہ لے گی۔

(۵۵۶) جو ایسی عورت کو بدکاری کی تہمت لگائے اس پر اسّی کوڑے پڑیں گے۔

(۵۵۷) جو ایسے بچّے کو حرامی کہے اُسے بھی اسّی کوڑے مارے جائیں گے۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد لائے ہیں۔

(۵۵۸) ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ آپ نے لعان کرنے والی کے بچّے کی میراث اس کی ماں کے لیے ہی کر دی اور اس کے بعد اس کی ماں کے وارثوں کے لیے۔

لونڈی غلام کی آزادی اور ان کے مسائل

(۵۵۹) حضرت سعید بن سوید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری ماں نے ایک مؤمن لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی ہے۔ میرے پاس ایک حبشن نوبیہ ہے' کیا میں اسے آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا اسے میرے سامنے پیش کرو' جب وہ آئیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تیرا ربّ کون ہے؟ اس نے جواب دیا اللہ! پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا اللہ کے رسول (ﷺ)۔ آپ نے اسی وقت اس کے آزاد کرنے کو یہ کہہ کر فرمایا کہ یہ مؤمنہ ہے۔

(۵۶۰) ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں کہ میرے ذمے ایک مؤمن عورت کی آزادی ہے پھر آپ کے سامنے ایک حبشن عجمیہ (گونگی) کو لائے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے اپنی کلّے کی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے اس سے پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے اپنی انگلی سے آپ کی طرف پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا یعنی آپ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔ آپ نے ان کی آزادی کا حکم دے دیا۔ (مسند احمد)

(۵۶۱) حضرت معاویہ بن حکیم سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میری لونڈی نجد اور جوانیہ کی طرف میری بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن جو میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بکری کو بھیڑیا لے گیا ہے۔ آخر میں بھی تو انسان ہی ہوں' انسانوں کی طرح مجھے بھی غُصّہ اور افسوس ہوتا ہے۔ میں نے اسے ایک تھپڑ مارا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بہت بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا پھر اگر آپ فرمائیں تو میں اسے آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ اس سے دریافت فرمایا کہ بتلا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ فرمایا میں کون ہوں؟ جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ فرمایا اسے آزاد کر دو یہ باایمان عورت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ۔ فرماتے ہیں کہ وصف ایمان کے وقت اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بیان کیا اور اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ اس جواب سے آپ خوش ہوئے۔ اسی سے آپ نے حقیقت ایمان معلوم کر لی۔ خود آپ نے بھی جس نے اللہ تعالیٰ کی نسبت پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس کے سوال کا انکار نہیں کیا۔ جہمیہ کے نزدیک یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے

کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی نسبت اس کے رنگ یا مزہ یا جنس یا اصل وغیرہ کا سوال کرے جو سوالات محال اور باطل ہیں۔

(۵۶۲) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ایک لونڈی آزاد کی؟ آپ نے فرمایا اگر تم اس لونڈی کو اپنی ننھیال والوں کو دے دیتیں تو اس میں تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا۔ (متفق علیہ)

(۵۶۳) بنو سلیم کے کچھ افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے میں سے ایک شخص کی نسبت سوال کرتے ہیں جو بوجہ قتل کے مستوجب دوزخ ہو گیا تھا۔ آپؐ جواب دیتے ہیں کہ اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اس غلام کے ہر ہر جوڑ کے بدلے اس کا ہر ہر جوڑ جہنم سے آزاد ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۵۶۴) سوال : اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپؐ پر ہمیشہ درود و سلام نازل فرمائے۔ میں اپنے خادم کی کتنی تقصیروں سے درگزر کر لیا کروں؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے پھر سے سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ ہر دن میں ستر مرتبہ۔ (ابوداؤد)

(۵۶۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ولد الزنا کی بابت کیا ارشاد ہے؟ فرمایا وہ خیر سے خالی ہوتا ہے۔ دو جوتیاں جنھیں پہن کر میں راہِ اللہ میں جہاد کروں میرے نزدیک تو وہ بھی اس سے محبوب ہیں کہ میں ولد الزناء کو آزاد کر دوں۔ (مسند احمد)

(۵۶۶) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپؐ سے کہتے ہیں کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ ان کے ذمے ایک نذر باقی رہ گئی ہے تو کیا میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کفایت ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کر دو۔ (مسند احمد)

(۵۶۷) مؤطا امام مالک میں ہے کہ میری ماں مر گئی ہیں' کیا میں ان کی طرف سے کسی غلام کو آزاد کر دوں تو اسے کچھ نفع پہنچ سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

(۵۶۸) ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو خرید کر آزاد کرنا چاہا لیکن لونڈی کے مالک نے کہا اس شرط پر اُسے میں بیچتا ہوں کہ نسبت آزادی میری طرف رہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بات سے نہ رکو۔ ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ شرط اور لین دین صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے لیکن اس جماعت کا یہ قول غلط ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ لین دین اور شرط دونوں باطل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ لین دین صحیح اس لیے رکھا گیا کہ شرط عین لین دین میں نہ تھی بلکہ لین دین اس پر مقدم تھا۔ یہ تو گویا قائم مقام وعدے کے تھا جسے پورا کرنا ضروری نہیں۔ گو یہ قول پہلے سے زیادہ قریب ہے لیکن یہ بھی ہے غلط۔ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے علت کے طور پر بیان فرمایا نہ کسی اور وجہ سے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا اور یہ بھی کہ شرطِ متقدم بھی مثل شرطِ مقارن کے ہے۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ حدیث میں حذف بھی ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے کہ تو ان کے لیے وِلا کی شرط کر یا نہ کر شرط کرنا بھی بے سود ہے۔ اس لیے کہ ولا کا مستحق تو آزاد کرنے والا ہی ہے۔ گو یہ قول دوسرے قول سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ہے یہ بھی غلط کیونکہ ظاہر لفظوں کے خلاف ہے۔ چوتھی جماعت کہتی ہے کہ اس میں لام بمعنی علیٰ کے ہے یعنی ان کے لیے ولاء کی شرط اپنے لیے کر لو کیونکہ آزاد تم ہی کرا رہی ہو اور مستحق نسبت آزادی آزاد کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ قول گو اس کے پہلے کے قول سے بھی کم تکلف

والا ہے لیکن ہے یہ بھی غلط کیونکہ اس میں تو شرط ہی کو لغو کر دینا ہے پس اگر شرط ہوتی ہی نہیں تو بھی حکم یہی تھا۔ پانچویں جماعت کا خیال ہے کہ یہ زیادتی آنحضرت ﷺ کے فرمان میں نہیں بلکہ یہ ہشام بن عروۃ کا اپنا قول ہے۔ یہی جواب خود امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ حقیقت میں یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت اُمّ المؤمنین سے شرط کر لینے کو جو فرمایا وہ اس شرط کو صحیح قرار دینے کے لیے یا مباح کرنے کے لیے نہ تھا بلکہ دراصل شرط کرنے والے کے لیے بطورِ سزا یہ فرمان سرزد ہوا تھا کیونکہ وہ اس لونڈی کو مائی صاحبہ کے ہاتھ آزادی کے لیے فروخت کرنے پر بغیر اس شرط کے رضامند ہی نہیں ہوتا تھا اور خلافِ حکمِ الٰہی اور خلافِ شرع اس شرط کے کرنے پر ضد اور اصرار کر رہا تھا تو آپؐ نے بھی رخصت دے دی کہ اِس باطل شرط کو اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ظاہر کر کے توڑ دیں اور دنیا کو معلوم کرا دیں کہ دینِ الٰہی کے خلاف جو شرائط ہوں ان کا پورا کرنا لازم نہیں بلکہ پورا کرنا ہی نہ چاہیے اور ایسی شرطیں خرید و فروخت کو باطل ہی نہیں کرتیں اور یہ بھی کہ جسے فسادِ شرط معلوم ہو پھر شرط کرے تو وہ شرط لغو ہے' اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب ہمارے شیخ کے اس فرمان پر اور اس کے قبل کے اقوال پر غور کی نظر دوبارہ ڈال جاؤ' واللہ اعلم۔



نکاح وغیرہ کے متعلق سوالات وجوابات

اس باب میں دو چیزیں خصوصیت سے قابل غور ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ کو اجازت دی کہ وہ اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لیں اور ارشاد فرمایا کہ اس طرح محبت باہمی کے رشتے زیادہ استوار ہو جاتے ہیں۔ وہ کرے یہ کہ مہر کے لیے یہ شرط نہیں۔ وہ نقدی کی صورت میں ہو' قرآنِ حکیم کی تعلیم و تدریس پر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ دین جسے بجا طور پر دینِ فطرت کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں کوئی اشکال رونما نہیں۔ اس کی بنیاد تسہیل اور تیسیر پر رکھی گئی ہے اور اس میں ان بنیادی انسانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جن کے معقول ہونے میں کوئی شبہ نہیں یعنی نکاح چونکہ ایک دائمی تعلق ہے اس لیے شریعت نے اجازت دے دی کہ جس خاتون سے عمر بھر کا نباہ ہے اس کو ایک نظر دیکھ تو لیا جائے تاکہ پہلے ہی قدم پر طے ہو جائے کہ یہ رشتہ پسند ہے۔ شریعت کی اس اجازت سے بہت سی ان تکلیفوں کا سدباب ہو جاتا ہے جو پسند اور ناپسندیدگی سے اُبھرتی ہیں۔

(۵۶۹) یا رسول اللہ ﷺ! کون سی بیوی سب سے بہتر ہے؟ جواب دیا کہ وہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے وہ اُسے خوش کر دے۔ جب اس کا شوہر اسے کچھ حکم دے تو فوراً بجا لائے' خاوند کے مال میں اور اپنی ذات کے بارے میں کوئی ایسا کام نہ کرے جو خاوند کی مرضی کے خلاف ہو۔ (مسند احمد)

(۵۷۰) سوال : یا رسول اللہ ﷺ کون سا مال جمع کیا جائے؟ جواب : شکر گزار دل' ذکر اللہ کرنے والی زبان' ایماندار بیوی جو امرِ آخرت پر اپنے خاوند کی مدد کرے۔ (رواہ احمد والترمذی و حسنہ)

(۵۷۱) یا رسول اللہ ﷺ! ایک عورت حسب نسب والی' خوبصورتی اور جمال والی ہے مجھ سے نکاح کرنے پر بھی رضامند ہے لیکن ہے بانجھ۔ کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ جواب : نہ کرو۔ پھر سوال کیا تو آپؐ نے پھر منع کیا۔

(۵۷۲) وہ پھر آیا اور یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا ان عورتوں سے نکاح کرو جن سے بکثرت اولاد ہو اور ہوں بھی بچوں سے محبت کرنے والیاں۔ اس لیے کہ میں اپنی امت کی کثرت پر بروزِ قیامت فخر کرنے والا ہوں۔

(۵۷۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں جوان آدمی ہوں۔ مجرد ہوں۔ ہر وقت خوف لگا رہتا ہے۔ اتنا پاس نہیں کہ نکاح کر لوں تو کیا میں خصی ہو جاؤں؟ آپؐ خاموش ہو رہے پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے پھر خاموشی اختیار کی۔ آخر میں فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تجھے جو ملنے والا ہے وہ اللہ کے قلم سے پہلے ہی نکل چکا ہے۔ اب خواہ خصی ہو خواہ نہ ہو۔ (بخاری)

(۵۷۴) ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خصی ہو جانے کی اجازت دیجیے۔ فرمایا میری امت کے لیے روزہ رکھنا خصی ہونا ہے۔ (مسند احمد)

(۵۷۵) یا رسول اللہ ﷺ مالدار اجر و ثواب میں ہم سے بہت ہی سبقت کر گئے ہیں' وہ بھی ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں' ہماری طرح روزے رکھتے ہیں' ساتھ ہی ان کے پاس مال کی زیادتی ہے' جسے خیرات کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر کیا تم خیرات نہیں کر سکتے؟ سنو ہر تسبیح' ہر تکبیر' ہر حمد' اللہ کا ہر کلمۂ توحید' ہر بھلی ہدایت' ہر خلافِ شرع امر سے روکنا

بھی صدقہ ہے بلکہ تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا بھی صدقہ ہے۔

(۵۷۶) آنحضرت ﷺ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے وہ اُسے دیکھ لے۔

(۵۷۷) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا اور نبی ﷺ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے دیکھ لو' اس سے تم میں محبت ہمیشگی کی ہو جائے گی۔ انہوں نے آ کر نبی ﷺ کی یہ حدیث لڑکی کے ماں باپ کو سنائی تو گویا انہیں اپنی لڑکی کا دکھانا اچھا نہ لگا' لیکن لڑکی نے پس پردہ یہ کل بات سن لی۔ وہیں سے اس نے کہا کہ اگر فی الواقع رسول کریم ﷺ نے تمہیں یہ فرمایا ہے تو دیکھ لو ورنہ تمہیں اللہ کی قسم ہے ہرگز نظر نہ اٹھانا' گویا کہ خود اُسے بھی یہ بات بہت بری معلوم ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسے دیکھا پھر نکاح ہو گیا اور دونوں میاں بیوی میں اس قدر موافقت تھی کہ گھر گھران کی محبت مشہور ہو گئی۔ (مسند و سنن)

(۵۷۸) حضرت جریرہ رضی اللہ عنہ اچانک نظر پڑ جانے کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں اپنی نگاہ پھیر لو۔ (مسلم) یا رسول اللہ ﷺ ہماری شرمگاہوں کی نسبت نبی ﷺ کا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا ان کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی سے اور اپنی ملکیت کی لونڈی سے۔

(۵۷۹) یا رسول اللہ ﷺ! جب کہ قوم ہی کے لوگ آپس میں ہوں تو؟ فرمایا جہاں تک ہو سکے اس امر کی کوشش کرو کہ کسی کی نگاہ نہ پڑے۔

(۵۸۰) جب کہ ہم میں سے کوئی شخص تنہا ہو؟ فرمایا اللہ بہت زیادہ مستحق ہے کہ اس کا لحاظ اور اس کی شرم کی جائے۔ (اہل سنن)

(۵۸۱) یا رسول اللہ ﷺ! میرا فلاں عورت سے نکاح کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کچھ مہر دو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ اسے وہ بھی نہ ملی۔

(۵۸۲) تو آپ نے فرمایا کچھ قرآن بھی پڑھا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں! فلاں فلاں سورت۔ دریافت فرمایا کہ وہ زبانی یاد ہے؟ جواب دیا کہ جی ہاں! فرمایا جاؤ میں نے تمہیں اُس عورت کا مالک بنا دیا۔ اس مہر پر جو تمہیں قرآن یاد ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۳) حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پچھنا لگوانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ابو طیبہ کو پچھنا لگانے کا حکم دیا۔ غالباً وہ مائی صاحبہ کے رضاعی بھائی تھے یا نابالغ بچے تھے۔ (مسلم) ارشاد فرمایا کہ اے اُمِ سلمہ (رضی اللہ عنہا)! اور اے میمونہ تم اُمِ مکتوم سے پردہ کرو۔ دونوں نے کہا نبی ﷺ وہ تو نابینا ہیں' نہ ہمیں دیکھیں نہ ہمیں پہچانیں۔ آپ نے فرمایا لیکن تم تو نابینا نہیں ہو' کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں؟ (ذکرہ اہل السنن و صحہ الترمذی۔)

ایک جماعت نے تو اسی فتوے کو لیا ہے اور عورت کو مردوں کا دیکھنا حرام کہا ہے۔ دوسری جماعت نے اس کے خلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ مسجد میں جو حبشی بالک بنوٹ کھیل رہے تھے' وہ آپ دیکھ رہی تھیں' لیکن اس معارضے میں نظر ہے' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ حبشیوں کے ان کرتبوں کے دیکھنے کا قصہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہو۔ ایک اور جماعت نے اسے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہی مخصوص کر دیا ہے۔

(۵۸۴) حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا آپؐ سے دریافت کرتی ہیں کہ جس لڑکی کا نکاح اس کے ماں باپ کرنا چاہیں وہ کیا اس لڑکی سے دریافت کریں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اس سے اجازت لیں۔

(۵۸۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو بہت شرمیلی ہوتی ہے۔ فرمایا یہی اس کی اجازت ہے جب کہ وہ خاموش ہو جائے۔ (بخاری و مسلم) ہم اسی فتوے کو لیتے ہیں 'کنواری لڑکی سے بھی اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رانڈ عورت بنسبت اپنے ولی کے اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور باکرہ سے اس کے بارے میں اجازت چاہی جائے' اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا باپ اس سے اس کی رضامندی طلب کرے۔ اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

(۵۸۶) بخاری و مسلم میں ہے کہ باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ لوگوں نے پوچھا اس کی اجازت کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا اس کا چپ رہنا۔

(۵۸۷) ایک کنواری لڑکی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کرا دیا ہے اور وہ اسے ناپسند رکھتی ہے پس آپؐ نے اسے اختیار دیا۔ اب غور کرلو کہ باکرہ سے اجازت طلب کرنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دینا منع کیا۔ جس کا نکاح اس طرح بے اجازت کر دیا گیا تھا اسے اختیار دیا گیا کہ اگر چاہے اس نکاح کو برقرار رکھے چاہے توڑ دے۔ پھر ان تمام حدیثوں سے روگردانی کر کے اس کے خلاف کہنا اور دلیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے کہ رانڈ اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے بنسبت اس کے ولی کے مفہوم ہی کو لے کر ان صاف صریح احادیث کا خلاف کرنا کیسے صحیح ہو گا؟ باوجودیکہ اس کے صاف الفاظ کا مطلب بھی اس بات میں بہت واضح ہے کہ جس نے اس کا یہ مفہوم سمجھا کہ اُسے اپنے نکاح میں کوئی اختیار نہیں۔ یہ مراد نہیں کیونکہ اس کے بعد ہی اللہ نے فرما دیا ہے کہ باکرہ سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ گویا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے کلام کو رد کر دیا ہے جنہوں نے آپؐ کے کلام کا یہ مفہوم لیا ہے۔ یہی عادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کلام میں بھی کہ جس غلط مفہوم کے لینے کا احتمال ہوتا آپؐ اسے باطل کرنے کے لیے اس جملے کے ساتھ ہی اور جملہ فرما دیتے مثلاً فرمایا کہ قبروں پر نہ بیٹھو تو ساتھ ہی فرما دیا کہ ان کی طرف نماز بھی نہ پڑھو۔ کیونکہ ان پر بیٹھنے کی ممانعت سے کہیں لوگ ان کی تعظیم میں مبالغہ نہ کرنے لگیں۔ اس لیے بتلا دیا کہ انہیں قبلہ بھی نہ بنالو پس اسی طرح یہاں بھی آپؐ کا مقصود بالکل ظاہر ہے کہ باکرہ سے اجازت ضرور لینی چاہیے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہ کرنا چاہیے اور اگر اُسے پوچھے بغیر اس کا نکاح کر دیا گیا تو وہ بالکل باطل ہے۔ دراصل ان صاف احادیث کے خلاف کوئی دلیل کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مطلقاً نہیں۔ پس ہر ایک پر واجب ہے کہ یہی فتوے دے جو اس حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

(۵۸۸) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا مہر کیا ہونا چاہیے؟ فرمایا جو بھی آپس میں مقرر ہو جائے۔ (دار قطنی)

(۵۸۹) دار قطنی ہی کی روایت میں ہے کہ : لوگو! اپنی یتیم بچیوں کا نکاح کر دیا کرو تو سوال ہوا کہ ان کے مہر کیا ہونے چاہئیں۔ فرمایا جو فریقین میں رضامندی سے طے ہو جائیں گو پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی ہو۔

(۵۹۰) ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھتی ہیں کہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے کہ اس کی

خست میری وجہ سے دور کر دے' پس آپؐ نے کام اسی کو سونپا۔ اس نے کہا کہ میرے والد نے میرے لیے جو کیا ہے میں اسے جائز رکھتی ہوں۔ میرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ عورتیں یہ معلوم کرلیں کہ ان کے والد کے ہاتھ میں ان کا کوئی امر نہیں۔ (مسند احمد و نسائی) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی کا نکاح ان کے چچا قدامہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کر دیا لیکن اس لڑکی نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور یہ چاہا کہ اس کا نکاح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہو۔ چنانچہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں ہٹا کر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا اور فرمایا یہ یتیم لڑکی ہے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (مسند احمد)

(۵۹۱) مرثد غنوی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں کہ کیا میں عناق نامی عورت سے اپنا نکاح کر لوں؟ یہ عورت مکہ شریف میں بدکار عورت تھی۔ آپؐ نے جواب نہ دیا اور یہ آیت : ﴿ الزانی لا ینکح الا زانیۃ ﴾ الخ' نازل ہوئی۔ (زانی اسی زانیہ سے نکاح کرے اور زانیہ نہ نکاح کرے مگر زانی سے یا مشرک سے۔) آپؐ نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا ان سے نکاح نہ کرو۔

(۵۹۲) ایک اور شخص آپؐ سے اجازت چاہتا ہے کہ میں اُمّ مہزول سے نکاح کرلوں یہ بھی باعصمت نہ تھی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں وہی اوپر والی آیت پڑھ دی۔ (مسند احمد)

(۵۹۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے کہ حد لگایا ہوا زانی اپنے جیسی ہی عورت سے نکاح کرے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اور ان کے موافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فتویٰ لیا ہے جس کے خلاف اور کوئی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی۔ آپؐ کے مذہب کی خوبی ایک یہ بھی ہے کہ وہ کسی شخص کو کسی قحبہ سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس مسئلے کی تائید کچھ اوپر بیس دلیلوں سے ہوتی ہے جنہیں ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے۔

(۵۹۴) حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں ہوتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں تو آپؐ جواب دیتے ہیں کہ ان میں سے پسند کر کے چار رکھ لو۔

(۵۹۵) حضرت غیلان رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے نکاح میں دس عورتیں ہوتی ہیں۔ آپؐ انہیں فتویٰ دیتے ہیں کہ ان میں سے چار رکھ لو۔ یہ دونوں روایتیں امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں صاف دلیل ہیں اس پر کہ اسے اختیار ہے ان میں سے جنہیں چاہے رکھے' خواہ پہلے کے نکاح کی ہوں خواہ بعد کے نکاح کی ہوں۔

(۵۹۶) حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں' میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں جو آپس میں سگی بہنیں ہیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان میں سے جسے تُو چاہے طلاق دے دے۔ (مسند احمد)

(۵۹۷) حضرت نضرہ بن اکثم رضی اللہ عنہ آپؐ سے عرض کرتے ہیں کہ میں نے ایک پردہ نشین باکرہ سے نکاح کیا ہے لیکن جب دخول کیا تو دیکھا کہ وہ حمل سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا چونکہ تم نے اسے اپنے لیے حلال کیا' اسے مہر دینا پڑے گا اور وہ لڑکا تمہارا غلام ہے' جب وہ حمل سے فارغ ہو جائے تو اسے زناکاری کی حد لگاؤ اور ان میاں بیوی میں آپؐ نے جدائی کرا دی۔ (ابوداؤد) اس فتوے میں صرف بچے کو غلام بنا لینے کا اشکال ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۹۸) ایک عورت آپؐ کے زمانے میں مسلمان ہوتی ہے اور اپنا نکاح کرلیتی ہے۔ اُس کا خاوند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں ہو چکا تھا اسے میرے اسلام کا علم تھا' پھر بھی اُس نے ایسا کیا ہے۔ آپؐ نے

اسی وقت اس عورت کو اس کے نئے خاوند سے جدا کر دیا اور اس کے پہلے خاوند کو اُسے دلا دیا۔ (احمد و ابنِ حبان)

(۵۹۹) کیا فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس شخص کے بارے میں جس نے ایک عورت سے نکاح کیا' مہر نامزد نہیں کیا اور مر گیا۔ آپؐ نے فتویٰ دیا کہ اس کے قبیلے کی اور عورتوں کے مہر کے اندازہ سے اسے مہر ملے گا اور اس پر اپنے فوت شدہ خاوند کی عدت بھی ہے اور وہ اس کے مال کی میراث بھی پائے گی۔ (مسند احمد و سنن) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح بتلاتے ہیں۔ اس فتوے کے خلاف کچھ بھی ثبوت نہیں پس اس سے ہٹنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۶۰۰) کیا فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ اس عورت کے بارے میں جس کا نکاح ہوا اور اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہیں' کیا اس میں اور بال ملا لیے جائیں؟ جواب : اللہ کی لعنت ہے اس عورت پر جو بالوں میں بال ملائے اور جو ملوائے۔ (متفق علیہ)

(۶۰۱) کیا فتویٰ ہے رسول اللہ ﷺ کا اس بارے میں کہ جماع میں اپنے خاص پانی کو باہر گرا دیا جائے؟ جواب دیا کیا تم لوگ ایسا کرتے ہو؟ کیا تم نے یہ فعل کیا ہے؟ کیا تم اسے کرتے ہو؟ سنو جو جان قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔ (متفق علیہ)

(۶۰۲) صحیح مسلم میں اس سوال کا جواب یوں ہے تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ایسا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جس جان کا قیامت تک پیدا ہونا لکھ دیا ہے وہ تو پیدا ہو کر ہی رہے گی۔

(۶۰۳) اسی سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک پانی سے اولاد نہیں ہوا کرتی اور جب اللہ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔

(۶۰۴) یا رسول اللہ ﷺ میری لونڈی ہے' میں اُس سے مباشرت کرتا ہوں لیکن عین موقعہ پر اپنا پانی باہر ڈال دیتا ہوں کیونکہ مجھے اس کا حمل سے ہو جانا ناپسند ہے اور جو خواہش مردوں کی ہے وہ بھی مجھے ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہودی کہتے ہیں ایسا کرنا زندہ درگور کرنے کا چھوٹا فرد ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہودی بکتے ہیں' اگر اللہ کسی کو پیدا کرنا چاہے گا تو اسے دفع نہیں کر سکتا۔ یہ دونوں جوابات مسند احمد و ابوداوٗد میں ہیں۔

(۶۰۵) ایک شخص نے آ کر اپنی لونڈی سے اسی کام کے کرنے کا ذکر آپؐ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ حمل کو روک نہیں سکتا جب کہ اللہ کا ارادہ ہو۔ کچھ مدت کے بعد وہی صاحب پھر آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری وہ لونڈی حمل سے ہو گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہوں۔ (مسلم)

(۶۰۶) یا رسول اللہ ﷺ! میرے ایک ہی لونڈی ہے۔ وہی ہماری خدمت گزار ہے' وہی ہمارے جانوروں کی رکھوالی کرنے والی ہے' میں اس سے مباشرت بھی کرتا ہوں اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ آپؐ نے اُسے اگر وہ چاہے عزل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا اگر مقدر میں ہے تو آ ہی جائے گا۔ اس نے کچھ عرصے کے بعد حاضر خدمت ہو کر اس کے حاملہ ہونے کی خبر پہنچائی تو آپؐ نے فرمایا میں نے تو پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ آ کر ہی رہے گا۔

(۶۰۷) ایک اور صاحب بھی آپؐ سے عزل کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپؐ جواب میں فرماتے ہیں جس پانی سے بچّہ ہونا ہے اسے اگر تو کسی پتھر پر بھی ڈال دے تو اللہ اسی سے نکالے گا' جس جان کو وہ پیدا کرنے والا ہے وہ تو کر کے ہی رہے

گا۔ (مسند احمد)

(۶۰۸) مسلم میں ہے کہ کسی صحابی نے آپؐ سے کہا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو؟ اُس نے جواب دیا مجھے اس کے بچے کا خوف ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ کام ضرر ناک ہوتا تو فارسیوں اور رومیوں کو ضرر دیتا اور روایت میں ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو فارسیوں اور رومیوں کو ضرر دیتا۔ (مسلم)

میاں بیوی کے تعلقات کا بیان

(۶۰۹) انصاریہ عورت آپؐ سے دریافت کرتی ہیں کہ پیچھے کی طرف سے اگلی جانب وطی کرنا جائز ہے؟ آپؐ آیت قرآنی :
﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۳) پڑھ کر سناتے ہیں، یعنی تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔ ہاں جگہ ایک ہی ہو۔ (مسند احمد)

(۶۱۰) حضرت عمرؓ آپؐ سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہوئی؟ جواب دیا کہ رات میں میں نے اُلٹی جانب سے اصلی جگہ مباشرت کی۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ : ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ الخ، تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں ان میں جس طرح چاہو آؤ۔ آگے سے یا آگے کی جگہ میں پیچھے سے۔ ہاں حیض کی حالت میں نہ آؤ اور دُبر میں نہ آؤ۔ (احمد و ترمذی) یہی ہے جسے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے مباح کیا ہے یعنی پیچھے کی طرف سے بچّہ ہونے کی جگہ وطی کرنا نہ کہ دُبر میں وطی کرنا۔ اس کی بابت تو نبی ﷺ فرماتے ہیں وہ ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دُبر میں کرے اور حدیث میں ہے جو حائضہ عورت سے وطی کرے اور جو دُبر میں وطی کرے اور جو کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات سچّی مانے اس نے اُس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ پر اُتری ہے اور ارشاد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حق امر سے شرم نہیں کرتا۔ عورتوں کی دُبر میں وطی نہ کرو۔ فرمانِ رسولِ مقبول ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے نہ دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دُبر میں وطی کرے اور فرمان ہے کہ چھوٹی لواطت یہ ہے کہ کوئی اپنی بیوی کی دُبر میں کرے۔ یہ سب حدیثیں مسند احمد میں ہیں۔

(۶۱۱) کیا فرماتے ہیں اللہ کے پیارے، اُمت کے دُلارے حضرت محمد ﷺ کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر کیا ہیں؟ جواب : جب خود کھاتا ہو تو عورت کو بھی کھلائے، جب آپ پہنتا ہو تو عورت کو بھی پہننے کو دے۔ اس کے منہ پر نہ مارے، اُسے گالی گلوچ نہ دے، اس سے ترکِ تعلق نہ کرے مگر اپنے ہی مکان میں۔ (احمد و اہل سنن)

رضاعت کے احکام کا بیان

(۶۱۲) اُمّ المؤمنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا آپؐ سے دریافت فرماتی ہیں کہ ابو قیس کا بھائی افلح میرے پاس آنے کی اجازت طلب کرتا ہے تو کیا میں اسے آنے دوں؟ اس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بے شک اسے اجازت دے دو۔ وہ تو تمہارے رضاعی چچا ہوگئے۔ (متفق علیہ)

(۶۱۳) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے ذکر کیا کہ میری ایک پہلی بیوی تھی اب میں نے دوسرا

نکاح کیا تو پہلی بیوی کہتی ہے کہ اس نئی عورت کو اس نے ایک دو مرتبہ دودھ پلایا ہے۔ اب فرمائیے کیا کیا جائے؟ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ کے دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(۶۱۴) حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سالم اب بلوغت کو پہنچ گئے ہیں اور خاصے جاننے بوجھنے والے ہو گئے ہیں۔ وہ ہمارے ہاں آیا کرتے ہیں۔ میں گمان کرتی ہوں کہ اب میرے خاوند حذیفہ ان کے آنے جانے سے کچھ ناراض سے ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انہیں تم اپنا دودھ پلا دو' ان پر تم حرام ہو جاؤ گی اور حذیفہ کے دل میں جو ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ وہ پھر آئیں اور کہا میں نے انہیں اپنا دودھ پلا دیا اور الحمد للہ اب میرے شوہر کے دل میں بھی کوئی بات نہ رہی۔ (مسلم) سلف کی ایک جماعت کا یہی فتویٰ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہی فرماتی ہیں۔ اکثر اہل علم نے یہ نہیں لیا۔ ان کا عمل ان حدیثوں پر ہے جن میں حرمت کرنے والی رضاعت کو دودھ چھوٹنے سے پہلے کی عمر کے ساتھ مقید کیا ہے اور صغر سنی کے ساتھ اور دو سال سے پہلے کے ساتھ ہے۔ اس میں کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ حدیثیں بکثرت ہیں اور سالم کی حدیث ایک ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور سب اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن منع کی طرف ہیں۔ تیسرے یہ کہ احتیاط منع ہی میں ہے۔ چوتھے یہ کہ بڑے آدمی کی رضاعت نہ تو خون پیدا کرتی ہے' نہ اس سے ہڈی ہی بنتی ہے۔ پس بعضیت جو باعث ہے حرمت کی اس سے حاصل نہیں ہوتی۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حکم حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مخصوص ہو کیونکہ ان کے واقعہ کے سوا کسی اور میں نہیں ہے اور ایک وجہ سنیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں' وہاں ایک شخص کو بیٹھا پاتے ہیں۔ آپؐ پر یہ گراں گزرتا ہے اور آپؐ ناراض ہو جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرے دودھ بھائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا رضاعی بھائیوں کو اچھی طرح جان پہچان لو' رضاعت وہی معتبر ہے جو دودھ پینے کے زمانے میں ہو۔ یہ لفظ مسلم شریف کے ہیں۔ ان چھ وجوہات کے سوا حضرت سالم رضی اللہ عنہ والے قصے میں ایک اور مسلک بھی ہے وہ یہ کہ یہ بیان ضرورت کے لیے تھا۔ سالم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لے پالک لڑکے تھے۔ انہوں نے ہی ان کی پرورش کی تھی۔ ان کا آنا جانا ضروری تھا تو جہاں کوئی ایسی ہی صورت ضرورت کی آ پڑے وہاں تو ایسا اجتہادی مسئلہ چل جائے گا۔ کیا عجب کہ یہی مسلک سب سے زیادہ قوی ہو۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ بھی اسی جانب مائل تھے۔ واللہ اعلم۔

(۶۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپؐ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے نکاح کر لیں۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ وہ مجھے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہیں۔ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں' جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں۔ (مسلم)

(۶۱۶) حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سرکارِ نبوت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ ایک حبشن اب آئی ہے' کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ جھوٹی ہے۔ آپؐ نے اُن سے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے پھر کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ غلط بیان کر رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اب کیسے اُس (بیوی) سے ملو گے جب کہ وہ کہہ رہی ہے کہ اُس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ اب تم اس عورت کو چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے اسے الگ کر دیا اور اس نے دوسری جگہ اپنا نکاح کر لیا۔ (مسلم) دار قطنی میں ہے کہ اسے الگ کر دو' تیرے لیے اب اس میں

کوئی بھلائی نہیں۔

(۶۱۷) یا رسول اللہ ﷺ میں دودھ پلائی کا حق کیسے اُتاروں؟ فرمایا ایک جان آزاد کر کے' غلام ہو یا لونڈی (یعنی غلام یا لونڈی خرید کر اپنی دایہ کو دے دے۔) (ترمذی)

(۶۱۸) یا رسول اللہ ﷺ یہ مسئلہ تو بتلایئے کہ رضاعت کے بارے میں کن کی گواہی جائز ہے؟ فرمایا ایک مرد کی یا ایک عورت کی۔ (مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ کے طلاق کے بارے میں فتوے

(۶۱۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ میرے بیٹے عبداللہ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی ہے۔ آپ نے اُسے لوٹا لینے کا حکم فرمایا اور فرمایا پھر اسے رکھ لے یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔ پھر جب اُسے حیض آئے اور اس سے پاک ہو جائے پھر اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دے دے۔

(۶۲۰) ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی بیوی کی بد زبانی بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے طلاق دے دو۔

(۶۲۱) وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! مدت سے میرے پاس ہے' اس سے مجھے اولاد بھی ہے۔ فرمایا پھر اسے نصیحت کرو' سمجھاؤ' اگر اس میں خیر ہے تو مان لے گی۔ اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارو جیسے کوئی اپنی لونڈی کو مارتا ہے۔ (مسند احمد)

(۶۲۲) یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کسی چھونے والے ہاتھ کو لوٹاتی نہیں۔ فرمایا پھر اگر تو چاہے تو اس کے بدلے کسی اور سے نکاح کر لے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے طلاق دے دے۔

(۶۲۳) وہ کہنے لگا نبی ﷺ مجھے خوف ہے کہ پھر اس کی محبت میں میں پریشان نہ پھروں؟ فرمایا پھر اس سے نفع اٹھاتا رہ۔ اس متشابہ حدیث کے برخلاف بہت سی محکم اور صریح حدیثیں ہیں جن میں بدکار عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اب اس حدیث کے مطلب میں بھی بہت سے مسلک ہیں۔ ایک تو یہ کہ ٹٹولنے والے ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات کے لیے پھیلانے والا ہے' نہ کہ فاحشہ کے لیے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ دوام کے بارے میں اس بات کا اثر نہیں یہ تو زانیہ سے عقد نکاح باندھنے کے بارے میں ہے جو حرام ہے۔ تیسرا یہ کہ اس موقع پر دو فساد تھے ان میں جو ہلکا تھا اُسے منظور کر لیا گیا۔ دیکھیے پہلے تو آپ نے طلاق کا حکم دے دیا' لیکن جب دیکھا کہ یہ اس پر فدا ہے تو ڈر لگا کہ کہیں اس کے بعد ان میں بدکاری نہ ہونے لگے جو اس سے بھی بُری چیز ہے اس لیے نکاح کے باقی ہی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ کیونکہ زنا سے تو بہرحال یہ آسان اور ہلکی چیز ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' ثابت ہی نہیں۔ پانچویں جماعت کہتی ہے کہ حدیث یہ تو ہے ہی نہیں جس سے اس عورت کا حرام کا ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اس میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ چھونے والے کے اور اس پر ہاتھ رکھنے والے کے ہاتھ کو نہیں جھٹکتی وغیرہ۔ پس اس میں ایک قسم کی نرمی ہے نہ یہ کہ وہ بدکار ہو۔ لیکن چونکہ خطرہ ہے کہ کہیں اس سے آگے نہ بڑھ جائے اس لیے اسے الگ کر دینے کا سرکارِ نبوت ﷺ سے حکم ہوا کہ کیوں شک و شبہ میں پڑے؟ جب معلوم ہوا کہ میاں اپنی اس بیوی پر فریفتہ ہیں اور اس کی جدائی پر صبر نہ کر سکیں گے تو آپ نے اس کے روک رکھنے میں ہی مصلحت سمجھی اور اس کو چھوڑ دینے پر ترجیح دی کیونکہ وہ اس کے ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ سے اپنے تئیں نہ بچانے کو مکروہ سمجھتا

تھا‘ پس آپؐ نے اسے نکاح باقی رکھنے کو فرمایا۔ ان شاء اللہ سب مسلکوں میں راجح مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۶۲۴) ایک عورت آپؐ سے کہتی ہے کہ میرے خاوند نے مجھے تیسری طلاق دے دی‘ اس کے بعد میں نے اور شخص سے نکاح کر لیا‘ وہ میرے پاس آیا لیکن اس کے پاس مثل کپڑے کے پھندنے کے ہی ہے۔ پس وہ مجھ سے بجز ایک مرتبہ کے قریب ہی نہیں ہوا‘ نہ وہ کامیابی کے ساتھ کچھ کر سکا ہے تو کیا میں اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی؟ آپؐ نے فرمایا تو اپنے اگلے خاوند کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک دوسرا خاوند تجھ سے لطف اندوز نہ ہو اور تُو اس سے۔ (متفق علیہ)

(۶۲۵) نسائی شریف میں ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت کو تین طلاقیں ہو گئیں‘ اس نے اور شخص سے نکاح کر لیا‘ وہ وداع کر کے اپنے گھر لے گیا‘ دروازہ بند کیا‘ پردے ڈال دیئے‘ پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ تو کیا وہ عورت اپنے اگلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی؟ جواب دیا کہ جب تک دوسرا اس سے صحبت نہ کر لے پہلے کے لیے حلال نہ ہو گی۔

(۶۲۶) یا رسول اللہ ﷺ اُدھار لیا ہوا سانڈ کون ہے؟ فرمایا حلالہ کرنے والا۔ اللہ کی لعنت ہے حلالہ کرنے والے پر اور حلالہ کرانے والے پر۔ (ابنِ ماجہ)

(۶۲۷) ایک عورت نبی ﷺ سے نعمتوں کے باوجود ناشکری کرنے والے کی نسبت دریافت کرتی ہے تو آپؐ جواب دیتے ہیں کہ کیا ایسا ناممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے رنڈاپے کے دن اپنے ماں باپ کے گھر جس تس طرح کاٹ رہی ہو پھر اللہ کریم اس کا جوڑ کہیں لگا دے۔ وہاں اسے مال بھی ملے‘ اولاد بھی ہو پھر کسی بات پر غُصّے ہو جائے اور اپنے خاوند سے کہہ دے کہ میں نے تو اس مردود سے کبھی سکھ کی گھڑی نہیں دیکھی۔ (مسند احمد)

(۶۲۸) یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں۔ آپؐ غُصّہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے میری موجودگی ہی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ایک صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے حکم دیجیے کہ میں اسے قتل کر دوں۔ (نسائی)

(۶۲۹) حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ بنی المطلب میں سے تھے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں۔ پھر بڑے ہی نادم ہوئے۔ ان سے رسولِ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تُو نے طلاقیں کیسے دیں؟ انہوں نے کہا تین دے دی ہیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں! فرمایا پھر تو یہ تینوں ایک ہیں ہیں۔ اگر تُو چاہے تو رجوع کر لے۔ چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ پس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک یہی تھا کہ ہر طہر میں ایک طلاق ہو۔ (مسند احمد) یہ حدیث بروایت مولیٰ ابنِ عباس مسند میں مروی ہے کہ یہی وہ سند ہے جسے امام احمد صحیح مانتے ہیں اور اس سے دلیل لیتے ہیں اور اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی۔

(۶۳۰) عبدالرزاق میں ہے کہ عبد یزید نے اُمِّ رکانہ کو طلاق دے دی اور قبیلہ مزنیہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ یہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ یہ تو مجھے وہی فائدہ دیتا ہے جو فائدہ میرے سر کا یہ بال دے سکتا ہے‘ تو آپؐ مجھ میں اور اس میں تفریق کرا دیجئے۔ آپؐ کو حمیت آ گئی اور رکانہ‘ اس کے بہن بھائیوں کو یعنی عبد یزید کے بچوں کو بلا کر اپنے ہم مجلس سے دریافت فرمایا کہ بتلاؤ ان سب میں تم عبد یزید کی شبیہ پاتے ہو یا

نہیں؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں بے شک یہ اسی کی اولاد ہے۔ آپؐ نے اسی وقت حضرت عبد یزید رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے دے دی۔ حکم دیا کہ اپنی بیوی اُمِّ رکانہ سے رجوع کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو اُسے تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے علم ہے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس سے رجوع کر لو۔ پھر آپؐ نے قرآن کی آیت : ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق : ۱) کی تلاوت فرمائی۔ یعنی اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دے دو تو اُن کی میعادِ عدت میں دو۔ ابوداؤد میں ایک اور سند سے ابنِ اسحٰق کی متابعت بھی آئی ہے۔ ابنِ اسحٰق سے صرف خوفِ تدلیس ہے وہ جب ((حَدَّثَنَا)) کے لفظ سے روایت کرتے ہیں تو وہ تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ یہی ان کا اپنا فتویٰ ہے اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی دو روایتوں میں سے ایک میں یہی ہے۔ آپ سے یہ صحیح سند سے مروی ہے اور یہ بھی صحت کو پہنچا ہے کہ آپ تینوں کو مانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے تھے۔ یہ بھی اپنی جگہ صحت کو پہنچ چکا ہے کہ اس قسم کی تین طلاقیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے شروع کے زمانے میں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ ہم اگر مخالفین کی سب کچھ دور از کار باتیں بھی تسلیم کر لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں دستور یہی تھا کہ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں وہ ایک ہی شمار ہوتی تھیں یہ اور بات ہے کہ آپؐ تک یہ خبر نہ پہنچی ہو۔ گو یہ سخت تر مشکل ہی نہیں بلکہ قطعاً محال ہے اس لیے کہ آپؐ کی ساری عمر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی فتویٰ رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک خلافت میں پورے وقت تاحیاتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی فتویٰ رہا بلکہ خود رسولِ محترم ﷺ نے بھی یہی فتویٰ دیا جیسے کہ آپ ابھی اوپر پڑھ آئے ہیں۔ پس یہ ہے آپ کا فتویٰ آپ کے اصحاب کا فتویٰ اور ان کا اجماعی طور پر عمل۔ پس معاملہ تو ہاتھ کی طرح صاف اور بالکل واضح ہو گیا جس کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔ رہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت کے اول زمانے کے بعد تینوں کو تین کر دینا یہ صرف ایسا کرنے والوں کو سزا دینے اور انہیں ایسا کرنے سے روکنے کے لیے تھا اور پھر تھا بھی آپؓ کا اپنا اجتہاد زیادہ سے زیادہ یہاں بھی ہم مخالفین کی مان کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مصلحت کی وجہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تینوں کو جاری کر دینے کو فرمایا تھا لیکن اس سے رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ' آپؐ کے زمانے کا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپؐ کے بعد پوری خلافتِ صدیقی تک کا صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل اور خود فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع زمانے کا عمل ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے حقیقت جو میں نے کھول دی۔ اب جس کا جو چاہے کرے اور کہے۔ اللہ توفیق خیر دے۔

(۶۳۱) کیا فرماتے ہیں اللہ کے سچے رسول ﷺ کہ میں نے زُبان سے نکال دیا ہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین طلاقیں؟ جواب : اس سے نکاح کر لو' طلاق نکاح کے بعد دی جا سکتی ہے نہ کہ نکاح سے پہلے۔

(۶۳۲) کیا فرماتے ہیں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اس شخص کے بارے میں جس نے کہا ہے کہ جس دن میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس نے اسے طلاق دی جس کا وہ مالک نہیں ہوا۔ یہ دونوں حدیثیں دار قطنی میں ہیں۔

(۶۳۳) یا رسول اللہ ﷺ! میری مالکہ نے میرا نکاح اپنی لونڈی سے کرا دیا۔ اب وہ ہم دونوں میں جدائی کرنا چاہتی ہے تو شرعی

حکم کیا ہے؟ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرما کر فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو نکاح اپنی لونڈیوں سے کر دیتے ہیں، پھر انہیں الگ کر دینا چاہتے ہیں؟ سنو طلاق اسی کے ہاتھ میں ہے جو ران تھامتا ہے۔
(دار قطنی)

(۶۳۴) ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی عورت سے اپنا دیا ہوا کچھ مال واپس لے کر اسے الگ کر دوں تو کوئی حرج تو نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ کہامیں نے اس کے مہر میں دو باغ دیئے جو اب تک اس کے قبضے میں ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا لے لو اور اُسے الگ کر دو۔ (ابوداؤد) بخاری شریف میں ہے کہ آپ کی بیوی نے نبی ﷺ سے شکایت کی تھی اور اُن سے علیحدگی چاہی تھی۔ کہا کہ میں اپنے خاوند قیس کا کوئی عیب تو نہیں بن بیان کرتی، نہ وہ اخلاق میں برے، نہ دینداری کے لحاظ سے بد ہیں، ہاں میں مسلمان ہو کر ناشکری کو پسند نہیں کرتی۔ آپؐ نے اُن سے پوچھا پھر کیا تم تیار ہو کہ ان کا باغ انہیں واپس کر دو؟ کہا ہاں! میں بالکل تیار ہوں۔ آپؐ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باغ قبول کر لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔ ابنِ ماجہ میں ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ میرے دل میں ان کی طرف سے بے حد نفرت ہے۔ چنانچہ آپؐ نے حکم دیا کہ اپنا باغ واپس لے لیں اور زیادہ نہ لیں۔
نسائی میں ہے کہ انہیں ایک حیض عدت گزارنے کا نبی ﷺ نے حکم دیا۔ ابوداؤد میں بھی ایک ہی حیض کی عدت کا بیان ہے۔

(۶۳۵) ابنِ ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فتویٰ منقول ہے کہ عورت جب دعویٰ کرے کہ اس کے خاوند نے اسے طلاق دی ہے اور ایک گواہ بھی پیش کر دے اور گواہ بھی عادل ہو تو اس کے خاوند کو قسم دی جائے اگر وہ طلاق نہ دینے کی قسم کھائے تو شاہد کی شہادت باطل ہو گئی اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو یہ انکار قائم مقام دوسرے گواہ کے ہے اور طلاق ثابت ہے۔ اس کے راوی عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں جن سے امام مسلم رحمہ اللہ بھی اپنی صحیح مسلم میں حدیث لائے ہیں۔

(۶۳۶) یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کے بارے میں آپؐ کا فتویٰ کیا ہے جس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا تھا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے پھر اس کا کفارہ دینے سے پہلے ہی اُس نے اِس سے صحبت بھی کر لی۔ آپؐ نے اس شخص سے پوچھا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے تُو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ چاندنی رات تھی، اس کی پنڈلی چمک رہی تھی میں نہ رہ سکا۔ فرمایا خبردار! اب قربت نہ کرنا جب تک جو اللہ نے فرمایا ہے بجا نہ لاؤ۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۶۳۷) یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو اگر زبان سے نکالے تو لوگ اُسے کوڑے لگائیں گے، اگر وہ اُسی وقت اس کا کام تمام کر دے تو آپؐ اسے قتل کر دیں گے، اگر وہ بالکل ہی خاموش رہے تو ظاہر ہے کہ یہ غصّہ پی جانے کے قابل نہیں، پھر خود ہی دعا کرنی شروع کر دی کہ الٰہی تو فیصلہ فرما۔ اس پر لعان کی آیت اتری اور وہی شخص اس بارے میں مبتلا کیا گیا اور میاں بیوی نے آن کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے لعان کیا۔ (مسلم)

(۶۳۸) یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کے سیاہ رنگ کا بچّہ ہوا ہے اور ہمارے تو خاندان بھر میں کوئی سیاہ رنگ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تیرے ہاں اونٹ بھی ہیں؟ اس نے کہا بہت، آپؐ نے فرمایا کس رنگ کے؟ کہا سرخ۔ آپؐ نے پوچھا ان میں

کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں! پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ کہا ممکن ہے کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو' فرمایا پھر ممکن ہے تیرے لڑکے کو بھی کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو۔ (متفق علیہ)

(۶۳۹) لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان آپؐ نے جدائی کا حکم جاری کر دیا۔
اور یہ کہ اب یہ کبھی نہیں مل سکتے۔ عورت مہر لے لے گی۔
اس بچے کی جو اُس کے حمل میں ہے باپ سے نسبت کٹ جائے گی۔

(۶۴۰) وہ اپنی ماں سے ملا دیا جائے گا۔

(۶۴۱) جو اس بچے کو یا اس کی ماں کو بدکار کہے اس پر شرعی حد لگے گی۔

(۶۴۲) اس کے خاوند پر جس نے لعان کیا ہے کوئی حد نہیں۔

(۶۴۳) نہ اس پر نان و نفقہ اور مکان کا خرچ ہے جب کہ فرقت ہو چکی۔

حضرت سلمہ بن صخر بیاضیؓ رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا ہے جب تک کہ رمضان شریف نہ گزر جائے۔ ایک رات وہ میری خدمت میں مشغول تھی کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا۔ میں بے تاب ہو کر اس سے واقع ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا ابو سلمہ تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایسا ہو گیا۔ اب جو اللہ کا حکم ہو میں اسے صبر سے برداشت کروں گا؟ آپؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر دو۔ میں نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے کہ سوا اپنی اس گردن کے میں کسی اور گردن کا مالک نہیں۔

(۶۴۴) فرمایا اچھا دو مہینے کے پے در پے روزے رکھو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جو ہوا ہے وہ روزے سے ہی ہوا ہے۔

(۶۴۵) فرمایا اچھا ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ میں نے کہا اس کی قسم جس نے آپؐ کو سچا نبی بنایا ہے کہ رات بھر میں نے اور میرے سب گھر والوں نے بالکل بھوکوں گزاری ہے۔ ہمارے پاس ایک دانہ اناج کا نہیں۔

(۶۴۶) فرمایا اچھا قبلہ بنی زُریق کے فلاں صاحب کے پاس جاؤ جو سخی مرد ہیں' وہ تجھے دے دیں گے۔ تو ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو کھلا اور جو بچے وہ تُو اور تیرے گھر والے کھا لیں۔ میں لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے تمہارے پاس تو تنگی اور بری رائے پائی لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس کشادگی اور نیک نظر پائی۔ مجھے آپؐ نے بھیجا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنا صدقہ مجھے دے دو۔ (مسند احمد)

(۶۴۷) حضرت خولہ بنت مالک رضی اللہ عنہا آپؐ سے عرض کرتی ہیں کہ ان کے خاوند حضرت ادریس بن صامتؓ نے ان سے ظہار کیا ہے۔ اب وہ شکایت کر رہی ہیں اور نبی ﷺ ہیں کہ انہیں ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ فرماتے جا رہے ہیں کہ اللہ سے ڈرو وہ علاوہ خاوند کے تیرے چچا کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ برابر آپؐ سے گفتگو جاری رکھتی ہیں یہاں تک کہ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ (مجادلہ : ۱) سے کئی آیتوں تک نازل ہوتی ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں وہ ایک غلام آزاد کریں' یہ کہتی ہیں ان کے پاس غلام کہاں؟

(۶۴۸) فرماتے ہیں دو مہینے کے متصل روزے رکھیں۔ کہا وہ بہت بوڑھے معمر آدمی ہیں' انہیں روزے رکھنے کی طاقت کہاں؟

(۶۴۹) فرماتے ہیں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔ کہتی ہیں ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں جو کسی کو خیرات دیں۔ اسی وقت آپؐ کے پاس ایک بورا کھجور کا آیا اور آپؐ نے انہیں دیا۔ انہوں نے کہا اچھا ایک بورا کھجوروں کا انہیں میں اپنے پاس سے اور دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا بہت بہتر جاؤ۔ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے چچا کے لڑکے کی طرف لوٹ جاؤ۔ (احمد و ابوداؤد) مسند میں ہے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں واللہ! میرے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں سورۂ مجادلہ کے شروع کی آیتیں ہیں۔ میں ان کے گھر میں تھی۔ یہ بہت بوڑھے ہوگئے تھے۔ مزاج میں سختی اور چڑچڑا پن آگیا تھا۔ ایک روز کہیں سے آئے، مجھے کچھ کہا، میں نے بھی پلٹ کر جواب دیا۔ بس غصے ہو گئے اور کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ پھر گھر سے چلے گئے۔ دو گھڑی لوگوں میں بیٹھ کر واپس آئے اور مجھ سے خاص بات کرنی چاہی۔ میں نے کہا نہیں نہیں! واللہ اب یہ نہیں ہونے کا جب کہ تم اپنی زبان سے اتنی بڑی بات نکال چکے ہو تو اب جب تک رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ معلوم ہو کچھ نہیں ہو سکتا، لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ مجھ پر زبردستی کرنے لگے اور دبوچ لیا۔ آخر آپ جانیے وہ تھے تو کمزور بڑی عمر کے۔ میں نے بھی پوری طاقت سے دھکا دے کر گرا دیا اور جھٹ گھر سے نکل کر پڑوس سے کپڑا مانگ رسول اللہ ﷺ کے گھر پہنچی۔ آپؐ کے سامنے بیٹھ کر سارا واقعہ بیان کیا اور ان کی بد خلقی کی شکایت کرنے لگی۔ آپؐ مجھے سمجھانے لگے کہ خولہ تیرے چچا کے لڑکے ہیں، بوڑھے ہیں۔ اللہ سے ڈر جا ان کا خیال کر۔ میں بھی آپؐ سے کہتی سنتی ہی رہی یہاں تک کہ قرآن اترنا شروع ہوا جو حالت بوقت وحی آپؐ کی ہو جاتی تھی وہی ہو گئی۔ وحی ختم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا خولہ تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے۔ پھر آپؐ نے ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ سے ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ تک پڑھ کر سنایا اور فرمایا اسے کہو کہ ایک غلام آزاد کریں وغیرہ جو تقریباً اوپر بیان ہو چکا۔ ابنِ ماجہ میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں یہ بھی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ میرا شباب کھا گئے، میرا پیٹ نچوڑ لیا، جب میں بڑھیا ہو گئی، اولاد ہونا بند ہو گئی تو جھٹ سے مجھے ماں کے برابر کہہ کر مجھ سے ظہار کر لیا۔ میرا شکوہ تیری طرف ہے الٰہی! میں تیری عدالت میں فریادی ہوں، یہی چیخ پکار کرتی رہیں یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر اترے۔

رسول اللہ ﷺ کے عدت کے بارے میں فتوے

(۶۵۰) حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے انتقال پر جب کہ انہیں بچّہ تولد ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ بچّہ ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں۔ اب اگر تم چاہو تو اپنا نکاح بھی کر سکتی ہو۔ بخاری شریف میں ہے کہ ان سے نبی ﷺ کا یہ فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے آپؐ نے بچّہ ہو جانے کے بعد نکاح کر لینے کا فتویٰ دیا ہے۔

(۶۵۱) حضرت اُمِّ کلثوم بنت عقبہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ حالتِ حمل میں ایک روز اپنے خاوند سے کہنے لگیں کہ صرف میرا دل بہلانے کے لیے مجھے ایک طلاق دے دیجیے۔ انہوں نے دے دی۔ پھر نماز کے لیے گئے۔ آئے تو یہاں بچّہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہنے لگے تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا، اللہ تجھ سے دھوکہ کرے۔ پھر آ کر رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے؟ کتاب اپنے وقت کو پہنچ چکی ہے۔ اب تو مانگا

ڈالو اور قبول کرے تو نکاح کر سکتے ہو۔ (ابنِ ماجہ)

(۶۵۲) حضرت فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا آپ سے پوچھتی ہیں کہ ہمارے غلام بھاگ گئے تھے' ان کے ڈھونڈنے کے لیے میرے خاوند گئے۔ قدوم کے پاس وہ انہیں مل گئے' لیکن سب نے مل کر انہیں قتل کر ڈالا' مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے میکے چلی جاؤں' میرے خاوند نے میرے رہنے سہنے کا کوئی مکان بھی نہیں چھوڑا' نہ کھانے پینے کی کوئی چیز چھوڑی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تم جا سکتی ہو۔ جب وہ لوٹ کر حجرے میں یا مسجد میں پہنچیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا یا بلوایا اور فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا؟ انہوں نے دوبارہ اپنا سوال دُہرایا تو آپ نے فرمایا اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہیں چار ماہ دس دن گزار دیئے۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں آپ نے قاصد بھیج کر ان سے اس فتوے کو دریافت کیا تو انہوں نے کہہ سنایا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے اسی کا اتباع کیا اور اسی پر فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے' سنن میں موجود ہے۔

(۶۵۳) نسائی میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی اور جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی نے جب اپنے خاوند سے خلع لیا تو انہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیض تک عدت گزارنے کو فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں میں چلی جائیں۔ (ابوداؤد) اور ترمذی میں ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے خاوند سے خلع کیا تو آپ نے انہیں ایک حیض کی عدت بتلائی۔ ترمذی میں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خلع کیا تو آپ نے انہیں ایک حیض عدت میں رہنے کو فرمایا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے صحیح بتلاتے ہیں۔

(۶۵۴) نسائی اور ابنِ ماجہ میں ربیع سے مروی ہے کہ میں نے اپنے خاوند سے خلع کیا۔ پھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ مجھ پر کتنی عدت ہے؟ آپ نے فتویٰ دیا کہ کوئی عدت نہیں' لیکن صرف اس صورت میں کہ تو اس سے قریب کے زمانے میں ملی ہو۔ پس تو اس کے پاس ٹھہری رہ۔ یہاں تک کہ ایک حیض آ جائے۔ کہتی ہیں کہ آپ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی تابعداری کی جو آپ نے حضرت مریم معالیہ رضی اللہ عنہا میں کیا تھا جو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور ان سے خلع لیا تھا۔

(۶۵۵) حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ ایک لڑکے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تو یہ دعویٰ تھا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے کہا انہوں نے مجھے وصیت کی ہے کہ یہ ان کا لڑکا ہے۔ عبد بن زمعہ کا قول تھا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کے بستر پر تولد ہوا ہے۔ ان کی لونڈی کے پیٹ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شبیہ بعینہٖ عتبہ سے ملتی جلتی پائی۔ پھر فرمایا کہ اے عبد یہ تیرا ہے۔ سنو! بچّہ اُس کا ہے جس کا فرش ہو اور زانی کے لیے تو پتھر ہی ہیں۔ اے سودہ تم اس سے پردہ کرنا۔ پس حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے تو آخری دَم تک اس کی شکل ہی نہ دیکھی۔ (متفق علیہ) بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عبد یہ تیرا بھائی ہے۔ نسائی میں ہے کہ آپ نے فرمایا میراث تو اس کی ہے لیکن تو اس سے پردہ کر یہ تیرا بھائی نہیں۔ پس آپ کا حکم اور فتویٰ یہی ہے کہ بچّہ صاحب فراش کو ملے گا کیونکہ فراش کے عمل کا موجب یہی ہے اور اس کی مشابہت عتبہ سے بالکل ظاہر تھی۔ اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کرنے کا حکم دیا اور اسی وجہ سے ان سے فرما دیا کہ یہ تیرا بھائی نہیں۔ ہاں! میراث کے بارے میں بھائی قرار دیا۔ آپ کے فتوے میں ضمناً یہ بات بھی ہے کہ لونڈی فراش ہے

اور احکام ایک ہی واقعہ میں شبہ کی وجہ سے جداگانہ ہو سکتے ہیں' جیسے کہ رضاعت میں ان کے حصے ہوتے ہیں اور اس کے ثبوت میں بھی اس سے حرمت اور محرمیت ثابت ہو جائے گی' لیکن میراث اور نفقہ ثابت نہیں۔ ان دونوں میں وہ لڑکے کے حکم میں نہیں اور جیسے کہ ولد الزنا کہ وہ حرمت میں لڑکے کا حکم رکھتا ہے لیکن ورثے کے بارے میں اس کا یہ حکم نہیں اور یہ بھی کہ اس کی نظیریں بے شمار ہیں۔ پس لازمی ہے کہ اس حکم اور فتوے کو یوں ہی تسلیم کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عنایت فرمائے' آمین۔

(۶۵۶) ایک عورت آپؐ سے سوال کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کا خاوند مر گیا ہے۔ وہ عدت گزار رہی ہے' اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں' کیا ہم سرمہ لگا دیں؟ آپؐ نے دو تین بار منع فرمایا۔ (متفق علیہ)

(۶۵۷) نبی ﷺ کا گرامی فتویٰ ہے کہ عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے۔ ہاں! اپنے خاوند پر چار مہینے دس دن تک سوگ رکھ سکتی ہے' نہ سرمہ لگائے' نہ خوشبو ملے' نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے۔ ہاں! جب غسل حیض سے فارغ ہو تو قسط یا اظغار کا ٹکڑا رکھ سکتی ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۵۸) ابوداؤد اور نسائی میں ہے' مہندی بھی نہ لگائے۔

(۶۵۹) نسائی میں ہے چوٹی وغیرہ نہ کرے۔

(۶۶۰) مسند احمد میں ہے زرد رنگ کا کپڑا نہ پہنے اور دمشقہ پہنے' نہ زیورات پہنے' نہ مہندی لگائے' نہ سرمہ لگائے۔

(۶۶۱) حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی آنکھوں پر سرمہ لگا کر آئیں۔ اُس وقت وہ اپنے خاوند حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی عدت میں تھیں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا یہ کیا ہے؟ کہا یہ ایلوا ہے' اس میں خوشبو نہیں۔ فرمایا یہ چہرے کو بارونق بنا دیتا ہے۔ صرف رات کو لگا لیا کرو۔ سر خوشبو دار تیل سے نہ گوندھو' مہندی نہ لگاؤ وہ خضاب ہے۔

(۶۶۲) تو پوچھا کہ سر کس چیز سے صاف کروں؟ فرمایا بیری کے پتوں سے۔ نسائی اور ابوداؤد میں ہے رات کو لگا لو' دن کو دھو لو۔

(۶۶۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طلاق کی عدت میں رسولِ کریم ﷺ سے اپنے باغ کے درختوں سے کھجوریں اُتارنے کے لیے جانے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا ہاں کھجوریں اتار لاؤ۔ ممکن ہے صدقہ دو یا اور کوئی نیک کام کرو۔ (مسلم)



رسول اللہ ﷺ کے وہ فتوے جو عدت والی عورت کی خوراک اور پوشاک کی بابت ہیں

عورتوں کے حقوق کے بارے میں احادیث سے اتنی بات تو ثابت ہے کہ مرد کو اپنی استطاعت کے مطابق ہر طرح کی سہولت اور آسائش بہم پہنچانی چاہیے' جو خود کھائے وہ اس کو کھلائے' جو خود پہنے وہ اس کو پہنائے' لیکن اس کا متعین نفقہ کیا ہے اس کی تصریح حدیث کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا تعلق کئی چیزوں سے ہے۔ مثلاً یہ کہ مرد کی استطاعت کیا ہے۔ عرف و رواج کیا کہتا ہے یا یہ کہ عورت کا معاشرتی درجہ کس معیارِ نفقہ کا متقاضی ہے۔ قرآنِ حکیم نے ﴿ وعاشروھن بالمعروف ﴾ کہہ کر بات ختم کر دی ہے۔ معروف کا اطلاق ان تینوں پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ نفقہ چاہے کچھ ہو۔ زندگی کا اسلوب بہرحال اس انداز کا ہونا چاہیے کہ دونوں مطمئن ہوں۔ دونوں خوش ہوں اور دونوں مل جل کر زندگی کی ذمہ داریوں کو سنبھال رہے ہوں۔

(۶۶۴) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند نے طلاقِ بتہ دی۔ انہوں نے عدالتِ محمدی میں مکان اور خرچ کا دعویٰ کر دیا لیکن وہاں سے خارج کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ مکان اور خوراک کی مستحق وہ مطلقہ عورت ہے جس سے رجوع کا حق باقی ہو۔ جب حق رجعت نہیں تو مکان اور خوراک بھی نہیں۔ انہیں تیسری طلاق ملی تھی۔ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن گئے تھے' وہیں سے ایک طلاقِ آخری جو باقی تھی بھجوا دی تھی اور عیاش بن ربیعہ اور حارث بن ہشام کو حکم دیا تھا کہ اسے خرچ دے دیں' لیکن ان دونوں نے کہا کہ یہ خرچ کی مستحق اُس وقت تھیں جب حمل سے ہوتیں۔ انہوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا' آپ نے یہی فیصلہ دیا کہ وہ خرچ کی مستحق نہیں۔

(۶۶۵) پھر انہوں نے آپ سے مکان کی تبدیلی کی درخواست کی؟ آپ نے اجازت دے دی۔ اُس نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کہاں جاؤں؟ فرمایا ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا کے ہاں۔ وہاں کبھی کپڑے اتارے ہوئے ہوں تو بھی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اُن کی آنکھیں نہیں۔ ان کی عدت پوری ہو جانے کے بعد آپ نے انہیں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔ مروان نے اپنے زمانے میں ان کے پاس اس واقعہ کی تحقیق کے لیے قبیصہ بن ذویب کو بھیجا۔ انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا ہم یہ واقعہ صرف ایک عورت کی زبانی ہی سُن رہے ہیں۔ پھر ہم اس بچاؤ کے طریقے کو کیسے چھوڑ دیں جس پر ہم نے سب کو پایا ہے؟ جب مروان کی یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا آؤ میرے اور تمہارے درمیان قرآن ہے۔ جنابِ باری کا فرمان ہے : ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ ﴾ الخ' ﴿ الطلاق ﴾ فرمانے لگیں یہ اس کے لیے ہے جسے مراجعت کا موقعہ ہو لیکن تین طلاقوں کے بعد تو کوئی نیا کام ہونے کی امید ہی نہیں۔

(۶۶۶) نبی ﷺ کا فتویٰ ہے کہ مردوں پر عورتوں کا حق ہے کہ دستور کے مطابق اچھی طرح کھلائیں پلائیں' پہنائیں اور اڑھائیں۔

(۶۶۷) یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں ہماری عورتوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا جو کھاؤ اُس میں سے کھلاؤ' جو پہنو اُس میں سے پہناؤ' انہیں مارو مت' اُن سے گالی گلوچ نہ کرو۔ (مسلم)

(۶۶۸) ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ آپ سے پوچھتی ہیں کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہے' جو مجھے اور میرے بچوں کو کفایت کرے اتنا دیتا نہیں۔ ہاں! اس کی بے خبری میں میں لے لوں تو اور بات ہے۔ فرمایا مطابق دستور جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو اتنا لے لیا کر۔ (متفق علیہ) اس فتوے میں بہت سے اُمور ضمناً آ گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عورت کے لیے کوئی نفقہ مقرر نہیں۔ یہ مطابق دستور کے ہوگا۔ اس کا اندازہ کوئی مقرر نہیں نہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس کا کوئی تقرر ہوا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں' نہ تابعین کے نہ تبع تابعین رحمہم اللہ کے۔ دوسرے یہ کہ خرچ بیوی کا بھی بچے کے خرچ کی قسم میں سے ہے۔ دونوں اچھائی سے مطابق چلن اور دستور کے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ اولاد کا خرچ صرف باپ پر ہے۔ چوتھے یہ کہ خاوند بیوی کو' باپ اولاد کو جب حسب دستورِ زمانہ و وسعت خرچ نہ دے تو یہ اپنی حاجت کے مطابق لے سکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ جب تک عورت اپنی حاجت کے مطابق نان و نفقہ خاوند کے کسی مال سے کسی طرح لے سکتی ہے اسے اختیارِ فسخ نہیں۔ چھٹے یہ کہ جو حقوق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر نہیں فرمائے اُن کا فیصلہ عرف اور دستور اور حالت پر ہے۔ ساتویں یہ کہ شکایت کرنے والا جب کسی کی بات بیان کرے تو وہ غیبت میں داخل نہیں۔ نہ وہ اس سے گنہگار ہوتا ہے' نہ سننے والے پر کوئی گناہ ہے۔ آٹھویں یہ کہ جس شخص پر دوسرے کا کوئی واجبی حق ہو اور اس کا سبب ثبوت بھی بالکل ظاہر ہو تو اُس مستحق کو حق ہے کہ جب قدرت پائے جس پر اس کا حق ہے اس کا ہاتھ تھام لے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہند کو حکم دیا۔

(۶۶۹) یہی بات رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے بھی ثابت ہوتی ہے جو ابوداؤد میں ہے۔

(۶۷۰) کہ مہمانی کی رات ہر مسلمان پر فرض ہے جس کے ہاں کوئی مسافر آئے اور صبح تک کھانے سے محروم رہے تو یہ اس کا فرض اس پر ہے اگر چاہے وصول کرے چاہے چھوڑ دے۔ اور روایت میں ہے جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے' ان پر اس کی ضیافت ضروری ہے۔ اگر وہ اسے نہ کھلائیں تو یہ بقدر اپنی مہمانی کے انھیں سزا دے سکتا ہے۔ الغرض مہمان بھی اپنا حق مہمانی جبراً وصول کر سکتا ہے۔ ہاں! اگر سبب ثبوت ظاہر نہ ہو تو پھر اسے یہ حق حاصل نہیں جیسے کہ :

(۶۷۱) رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو تجھ سے امانت داری کرے تو بھی اس سے امانت داری کر اور جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔

(۶۷۲) سوال : کیا فرماتے ہیں اللہ کے پیغمبر ﷺ کہ میرے سب سے بہتر سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ جواب : تیری ماں۔

(۶۷۳) سوال : اس کے بعد پھر کون ہے؟ جواب : پھر بھی تیری ماں۔

(۶۷۴) سوال : پھر کون؟ جواب : پھر تیرا باپ۔ (متفق علیہ)

(۶۷۵) صحیح مسلم میں ہے پھر ان کے بعد جو سب سے زیادہ قریبی ہو' پھر جو اس کے بعد نزدیکی رشتہ دار ہو۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ تین چوتھائیاں سلوک اور نیکی ماں کے لیے ہے اور بھی فرمان ہے کہ اطاعت گزاری باپ کی

چاہیے اور سلوک کی تین چوتھائیوں کی مستحق ماں ہے۔

(٦٧٦) مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ ماں باپ کے بعد پھر قریبی رشتے دار اور وہ بھی اپنے رشتے کے اعتبار سے۔

(٦٧٧) سوال : کیا فرماتے ہیں سچے مفتی اللہ کی تعلیم پھیلانے والے اللہ کے پیغمبر ﷺ کہ میں کس سے نیکی اور سلوک کروں؟ جواب : اپنی ماں سے' اپنے باپ سے' اپنی بہن سے' اپنے بھائی سے اور اپنے غلام سے جو تیرا اپنا ہے۔ یہ حق واجب ہے اور رشتے داریاں ملا اور صلہ رحمی کرتا رہ۔ پرورش کے بارے میں آپ کے پانچ فیصلے ہیں۔

(٦٧٨) ایک تو یہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو آپ نے ان کی خالہ کی پرورش میں دیا جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور فرمایا بھی کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خالہ گویا ماں ہے۔ گو اس نے نکاح بھی کر لیا ہو تاہم پرورش اسی کی رہے گی جب کہ اس کی بھانجی بچپن کی عمر میں ہو۔

(٦٧٩) دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ ایک صاحب اپنے نابالغ چھوٹے بچے کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ اس کی ماں بھی ساتھ تھی' دونوں میں اس کی بابت جھگڑا تھا۔ آپ نے باپ کو ایک طرف بٹھایا اور ماں کو دوسری جانب بٹھایا اور بچے کو ان دونوں میں سے ایک کے پاس چلے جانے کو فرمایا اور دعا کی کہ الٰہی اسے بھلی راہ دکھا۔ چنانچہ بچہ ماں کے پاس چلا گیا۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

(٦٨٠) تیسرا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے' ان کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی ایک لڑکی تھی جس کا دودھ ہی چھٹا تھا یا اس کے قریب عمر تھی۔ ماں اسے اپنی پرورش میں لینا چاہتی تھی اور باپ اپنی پرورش میں رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو ایک ایک کونے میں الگ الگ بٹھا کر فرمایا کہ تم دونوں اسے بلاؤ جس کے پاس یہ آ جائے اسی کی پرورش میں رہے۔ چنانچہ دونوں نے بلایا۔ بچی اپنی ماں کی طرف جھکی۔ آپ نے اس کی ہدایت کی دُعا کی تو اپنے باپ کی طرف مائل ہوگئی اور انہوں نے لے لیا' یہ حدیث بھی مسند میں ہے۔

(٦٨١) چوتھا فیصلہ یہ ہے کہ سرکارِ نبوت میں ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ میرا خاوند میرے لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے۔ وہی ابو عتبہ کے کنوئیں سے مجھے پانی لا دیتا ہے اور بھی مجھے نفع پہنچاتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اس پر قرعہ ڈال لو۔ اس پر باپ بگڑ کر بکنے لگا کہ کون ہے جو مجھ سے میرے بچے کو دور کرے؟ آپ نے اس بچے کو فرمایا یہ ہے تیرا باپ اور یہ ہے تیری ماں ان میں سے جس کا چاہے ہاتھ تھام لے۔ اس نے اپنی ماں کی انگلی تھام لی اور وہ اسے لے گئی۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف۔

(٦٨٢) پانچواں فیصلہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آ کر کہتی ہے کہ یہ میرا بچہ ہے' میرا پیٹ اس کا برتن ہے' میری چھاتی اس کی مشک ہے۔ میری گود اس کا گہوارہ ہے۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب تک تو نکاح نہ کر لے اس کی زیادہ حقدار تو ہی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں مذکور ہے۔ پس یہ کل پانچ فیصلے اور فتوے حضانت اور بچوں کی پرورش کے بارے میں ایسی صورتوں میں ہیں۔ انہی پر پرورشِ اولاد کے تمام احکام کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم نیک توفیق اور اصابت رائے کے طالب ہیں۔

قصاص وغیرہ کی نسبت رسول ﷺ کے فتوے

(۶۸۳) رسول اللہ ﷺ کا اس شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو کسی کو قتل کرنے کا حکم دے؟

(۶۸۴) سوال : اور اُس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو کسی کو قتل کر دے؟ جواب : عذاب دوزخ کے ستر حصے ہیں جن میں سے ایک کم ستر کو حکم دینے والے کے لیے اور ایک قتل کرنے والے کے لیے۔ (مسند احمد)

(۶۸۵) یا رسول اللہ ﷺ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ فرمایا اسے لے جا اور جیسے اس نے تیرے بھائی کو قتل کیا ہے تو بھی اسے قتل کر ڈال۔ باہر جا کر وہ کہنے لگا اے شخص اللہ سے ڈر مجھے معاف کر۔ اس میں تجھے بڑا اجر ملے گا اور قیامت کے دن بھی تیرے حق میں بہتر ہی ہوگا' اس نے اسے معاف کر دیا اور آ کر آنحضرت ﷺ کو بھی خبر دی کہ اس طرح اس نے کہا اور میں نے اس سے درگزر کر لیا۔ آپ نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہوا کہ قیامت کے روز وہ اپنے خون کا دعویٰ کرتا اور کہتا کہ الٰہی اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟

(۶۸۶) یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے تلوار مار کر میرے دونوں بازو کاٹ دیئے لیکن جوڑ سے نہیں کٹے۔ آپ نے اُسے دیت دینے کا حکم دیا۔ اس نے کہا میں تو قصاص چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دیت لے لے۔ اللہ تجھے برکت دے اور آپ نے قصاص کا فرمان نہیں دیا۔ (ابن ماجہ)

(۶۸۷) دار قطنی میں رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ ہے کہ جب ایک شخص پکڑے رہے اور دوسرا قتل کر دے تو قاتل کو تو قتل کیا جائے گا اور پکڑ رکھنے والے کو قید کیا جائے گا۔

(۶۸۸) ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے اسے کچل دیا۔ وہ مرگئی۔ آپ نے اس کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ اسی طرح دو پتھروں کے درمیان اس کا سر بھی کچل کر اسے مار ڈالا جائے۔ (بخاری شریف)

(۶۸۹) جو قتل مشابہ ہو قصداً قتل کرنے کے اس کی دیت بھی آپ نے سخت رکھی۔ مثل قتل عمد کے' ہاں یہ قاتل قتل نہ کیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۶۹۰) جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہو اور بوجہ کسی ضرب کے وہ گر پڑے اس کی بابت نبی ﷺ کا فیصلہ ہے کہ ایک گردن دی جائے غلام ہو یا لونڈی ہو۔ (ابوداؤد)

(۶۹۱) جو قتل خطا مشابہ قتل عمد ہو اس کی دیت آپ نے سو اونٹ مقرر فرمائی ان میں چالیس گابھن اونٹنیاں ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۹۲) نبی ﷺ کا فتویٰ ہے کہ مسلمان کافر کے قتل کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

(۶۹۳) آپ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ باپ کو بیٹے کے قتل کے عوض قتل نہ کیا جائے۔ (ترمذی)

(۶۹۴) نبی ﷺ کا فیصلہ ہے کہ عورت کی دیت اُس کے عصبہ لیں گے جو بھی ہوں ہاں ورثہ وہ نہ پائیں گے. بجز اس کے جو وارثوں سے بچ رہے۔

(۶۹۵) اور اگر عورت قتل کر دے تو اس کی دیت اس کے وارثوں کے ذمے ہے' وہی اس کے قاتل کو قتل کرنے کے حقدار ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۹۶) نبی ﷺ کا فیصلہ ہے کہ حاملہ عورت اگر کسی کو عمداً قتل کر دے تو اسے قتل نہ کیا جائے گا جب تک کہ اسے بچہ نہ ہو

جائے اور بچے کی کفالت نہ ہو جائے۔

(۶۹۷) اور اگر اس سے بدکاری ہو جائے تو بھی اسے سنگسار نہ کیا جائے جب تک کہ بچہ نہ ہو جائے اور وہ ماں کی پرورش سے بے نیاز نہ ہو جائے۔ (ابن ماجہ)۔

(۶۹۸) اعلانِ نبوت ہے کہ جن کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے انہیں دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو فدیہ لے لیں یا بدلہ لے لیں۔ (بخاری و مسلم)

(۶۹۹) فیصلہ رسول ﷺ ہے کہ جسے قتل کیا جائے یا جو زخمی کر دیا جائے اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے اگر چوتھی بات کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو یا تو بدلے میں قتل کر دے یا معاف کر دے اور درگزر کر لے یا دیت یعنی فدیے کی رقم لے لے۔ جو شخص ان میں سے ایک ایک کو کر کے پھر اور کچھ کرنا چاہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ مثلاً درگزر کر دینے کے بعد قتل کر دے یا دیت لے لینے کے بعد ایسی حرکت کرے یا قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کر دے۔

(۷۰۰) فیصلہ مصطفیٰ ﷺ ہے کہ زخموں کا بدلہ ان کے اچھا ہو جانے کے بعد لیا جائے۔ (مسند احمد)

(۷۰۱) جب ناک جڑ سے کاٹ دی جائے تو پوری دیت واجب ہے۔

(۷۰۲) آنکھ کی بابت آپ نے آدھی دیت مقرر فرمائی ہے۔ پچاس اونٹ یا ان کی قیمت سونے سے ہو یا چاندی سے یا ایک سو گائیں یا ایک ہزار بکریاں۔

(۷۰۳) پیر کی دیت بھی آپ نے آدھی مقرر فرمائی۔

(۷۰۴) ہاتھ کی دیت بھی اتنی ہی مقرر فرمائی۔

(۷۰۵) دماغ تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت کا فیصلہ کیا۔

(۷۰۶) ہڈی توڑنے والی چوٹ میں پندرہ اونٹ کا۔

(۷۰۷) گوشت سے ہڈی ظاہر کرنے والی چوٹ میں پانچ اونٹ کا۔

(۷۰۸) ہر ایک دانت کے بارے میں بھی پانچ پانچ اونٹ کا۔ (مسند احمد)

(۷۰۹) فیصلہ نبوی ﷺ ہے کہ دیت کے اعتبار سے سب دانت برابر ہیں۔ دانت ہو' کچلی ہو' ڈاڑھ ہو سب کی ایک دیت ہے۔ (مسند احمد)

(۷۱۰) رسولِ اکرم' پیغمبر محترم ﷺ کا فیصلہ ہے کہ انگلیاں سب برابر ہیں۔ ہاتھ کی ہوں یا پاؤں کی' ہر ایک کی دیت دس دس اونٹ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ صحیح بتلاتے ہیں۔

(۷۱۱) آپ فیصلہ کرتے ہیں کہ بھینگی آنکھ جو اپنی جگہ ہو جب کہ مٹا دی جائے تو تہائی دیت ہے۔

(۷۱۲) جو ہاتھ شل ہو وہ جب کاٹ دیا جائے تو اس کی بھی تہائی دیت ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۱۳) آپ کا فیصلہ ہے کہ زبان کی پوری دیت ہے۔

(۷۱۴) دونوں ہونٹوں کی پوری دیت ہے۔

(۷۱۵) دونوں بیضوں کی پوری دیت ہے۔

(۷۱۶) ذکر کی پوری دیت ہے۔
(۷۱۷) پیٹھ کی پوری دیت ہے۔
(۷۱۸) دونوں آنکھوں کی پوری دیت ہے۔
(۷۱۹) ایک پاؤں کی پوری دیت ہے۔
(۷۲۰) مرد عورت کو قتل کر دینے کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ (نسائی)
(۷۲۱) آنحضرت ﷺ کا فیصلہ ہے کہ قتل خطا کی دیت سو اونٹ ہے۔ تیس دو سالہ اونٹنیاں' تیس تین سالہ' تیس چار سالہ' دس تین سالہ اونٹ۔ (نسائی)
(۷۲۲) ابو داؤد میں بیس دو سال کی اونٹنیاں اور بیس دو سال کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچ سال کے اونٹ اور بیس چار سال کے اونٹ۔
(۷۲۳) آپؐ کا فیصلہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر بارادۂ قتل کسی کو مار ڈالے تو وہ مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں اسے قتل کر دیں' اگر چاہیں دیت لے لیں۔ دیت تیس چار سالہ اونٹ ہیں اور تیس پانچ سالہ اونٹ ہیں اور چالیس نو سالہ سے اونچے اونٹ ہیں اور جس پر وہ آپس میں اتفاق و صلح کر لیں وہ ان کے لیے ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔
(۷۲۴) رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا ہے کہ اونٹ والوں پر دیت کے ایک سو اونٹ ہیں۔ گائے والوں پر دو سو گائیں' بکریوں والوں پر ایک ہزار بکریاں' کپڑے والوں پر دو سو حلے۔ (ابوداؤد)
(۷۲۵) سرکارِ نبوت ﷺ کا قانون ہے کہ عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کی طرح ہے۔ یہاں تک کہ اس کی دیت کی تہائی کو پہنچ جائے۔ (نسائی)
(۷۲۶) سرکارِ مدینہ ﷺ کا مقرر کردہ قانون ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت سے آدھی ہے۔ (نسائی)
(۷۲۷) ترمذی میں ہے کہ کافر کی دیت مؤمن کی دیت سے آدھی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہلحدیث ایسی حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔
(۷۲۸) ابو داؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار تھی۔
(۷۲۹) درہم کے حساب سے آٹھ ہزار درہم۔
(۷۳۰) اہل کتاب کی دیت آپؐ کے زمانے میں مسلمانوں سے آدھی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی دیت کی قیمت بڑھا دی گئی۔ کفار کی دیت کی قیمت وہی رہی۔
(۷۳۱) ایک عورت کو دوسری نے مارا۔ وہ حاملہ تھی' اس کا بچہ کچا ہی گر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ایک غلام یا ایک لونڈی مارنے والی اُس عورت کو خرید کر دے۔
(۷۳۲) پھر وہ عورت جس کے اوپر فیصلہ کیا گیا تھا وہ مر گئی تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بچوں کو اور خاوند کو ملے گی اور دیت کے ذمے دار اس کے عصبہ ہیں۔ (متفق علیہ)
(۷۳۳) دو عورتیں آپس میں لڑیں۔ دونوں خاوند والیاں تھیں۔ ایک نے دوسری کو مار ڈالا تو آپؐ نے دیت اس کے عصبہ پر

رکھی اور اس کے خاوند اور اولاد کو اس سے بَری کیا۔ ہاں! میراث انہیں دلوائی تو انہوں نے کہا اس کی میراث ہمیں ملنی چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کی میراث اس کے خاوند اور اس کی اولاد کو ملے گی۔ (ابوداؤد)

(۷۳۴) رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام چیخ و پکار کرتا ہوا حاضر ہوا۔ آپؐ نے وجہ دریافت کی تو اُس نے کہا کہ میرے مالک نے مجھے دیکھ لیا کہ میں اس کی لونڈی کا بوسہ لے رہا ہوں تو اس نے میرے بیضے اور عضو کو کاٹ دیا۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اس کے مالک کو حاضر کرو۔ لوگوں نے ہر چند اُسے تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا تو آپؐ نے اس غلام سے فرمایا جا تو آزاد ہے۔

(۷۳۵) اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری مدد کون کرے گا؟ فرمایا ہر مؤمن مسلمان۔ (ابنِ ماجہ)

(۷۳۶) ایک شخص دوسرے کے ہاتھ کو کاٹ رہا تھا۔ اس نے جھٹکا دے کر اس کے منہ سے اپنا ہاتھ نکالا۔ اس میں اس کے دو دانت سامنے کے ٹوٹ گئے تو آپؐ نے کوئی بدلہ یا دیت نہ دلوائی۔ (متفق علیہ)

(۷۳۷) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے' گھر والے اسے کنکریاں ماریں' اس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ (متفق علیہ)

(۷۳۸) مسلم شریف میں ہے کہ اس گھر والوں کو حلال ہے کہ جھانکنے والوں کی آنکھ پھوڑ دیں۔

(۷۳۹) مسند احمد کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی دیت ہے نہ قصاص۔

(۷۴۰) فیصلہ ہے کہ دماغ کی چوٹ' بھونکنے کا زخم' ہڈی توڑ چوٹ میں کوئی دیت نہیں۔ (ابنِ ماجہ)

(۷۴۱) آپؐ کے پاس ایک شخص دوسرے کو چمڑے کے ٹکڑے سے باندھے ہوئے گھسیٹتا ہوا لایا اور استغاثہ کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ کیسے قتل کیا؟ اس نے کہا میں اور وہ لکڑیاں لانے کے لیے گئے تھے۔ ایک درخت کاٹ رہا تھے' اس نے مجھے گالی دی' مجھے غصّہ آگیا کلہاڑا اس کے سر پر دے مارا اور اسے قتل کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا تیرے پاس کچھ ہے کہ دیت دے سکے؟ اس نے کہا میرے پاس بجز اس چادر کے اور بجز اس کلہاڑی کے اور کچھ نہیں۔ پوچھا کیا تیری قوم تیرے لیے چندہ اکٹھا کر کے تجھے موت سے نہ بچا لے گی؟ اس نے کہا میں قوم میں اتنا عزیز نہیں ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ بھر لے جاؤ' وہ اسے لے چلا کہ آپؐ نے فرمایا اگر یہ اسے قتل کر دے گا تو یہ بھی اسی جیسا ہے۔ وہ جلدی سے واپس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ نے میرے لیے یہ فرمایا حالانکہ آپؐ کے حکم ہی سے تو میں اسے لے چلا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نہیں چاہتا کہ وہ تیرے اور تیرے ساتھی کے گناہوں کا بوجھ اُٹھا لے؟ اُس نے کہا اے نبی اللہ ﷺ! سچ مچ؟ فرمایا ہاں ہاں! اُس نے چمڑے کا ٹکڑا چھوڑ دیا اور اسے معاف کر کے اس کی راہ کشادی کر دی۔ (مسلم) اس حدیث میں جو ہے کہ اگر یہ اسے قتل کرے گا تو یہ بھی اسی جیسا ہے اس جملے کے معنی نہ سمجھنے سے بعض پر یہ جملہ بہت مشکل پڑا ہے حالانکہ حقیقتاً کچھ بھی اشکال نہیں۔ اس سے یہ مراد ہی نہیں کہ وہ اسی جیسا ہے' گناہ میں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اس پر گناہِ قتل باقی نہ رہے گا کیونکہ دنیا میں ہی اس نے بدلہ لے لیا۔ پس قاتل اور مقتول دونوں گناہ کے بوجھ میں نہ ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے اس لیے کہ ولی نے تو حق پر قتل کیا اور اس لیے کہ قاتل کو سزا مل گئی۔ یہ جو فرمایا کہ وہ تیرے اور تیرے ساتھی کا بوجھ بردار ہو جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کے ولی کا بوجھ اس کے بھائی کے قتل کی

وجہ سے اس پر ظلم ہے اور مقتول کا بوجھ خود اس کا خون بہانا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ تیری اور تیرے بھائی کی خطاؤں کا متحمل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(۷۴۲) یہ قصہ اس قصے کے سوا ہے جس میں ہے کہ ایک شخص آپؐ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کسی کو قتل کر دیا تھا۔ کہنے لگا واللہ میں نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا۔ آپؐ نے مقتول کے ولی کی نسبت فرمایا اگر فی الواقع یہ سچا ہے اور پھر بھی یہ اُسے قتل کرے گا تو جہنم میں جائے گا۔ اُس نے یہ سن کر اُسے چھوڑ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ صحیح کہتے ہیں اور اگر یہ دونوں قصے ایک ہی کے ہیں' اوپر والے کا ہی یہ بھی قصہ ہے تو مطلب اور واضح ہے کہ جب یہ حال ہے پھر بھی یہ اُسے قتل کرے گا تو یہ بھی اسی جیسا ہے یعنی گناہ میں دونوں برابر ہیں' واللہ اعلم۔

قسامہ کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے

(۷۴۳) قسامہ کا جو طریقہ جاہلیت میں تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی باقی رکھا اور انصار نے جس مقتول کے بارے میں یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا آپؐ نے یہی فیصلہ فرمایا۔ (مسلم)

(۷۴۴) محیصہ کے بارے میں آپؐ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ مقتول کے اولیا میں سے پچاس آدمی اس شخص کے قاتل ہونے پر قسمیں کھائیں جسے قتل کا الزام دے رہے ہیں تو قاتل انہیں سونپ دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے اس سے انکار کر دیا تو آپؐ نے فرمایا اب یہودی اپنے میں سے پچاس آدمیوں کی قسم کے بعد بری الذمہ ہو جائیں گے انہوں نے بھی ان قسموں سے انکار کر دیا اسی کا نام قسامہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جھگڑا مٹانے کے لیے) اپنے پاس سے مقتول کے اولیاء کو دیت کے سو اونٹ ادا کر دیئے۔ (متفق علیہ) مسلم میں ہے یہ اونٹ صدقے کے تھے۔ نسائی میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ان سب پر تقسیم کر دی اور آدھی دیت کی مدد خود آپؐ نے کی۔

(۷۴۵) آپؐ کا فیصلہ ہے کہ کسی کے گناہ کا بدلہ کسی اور سے نہ لیا جائے۔ باپ کی خطا پر بیٹا نہ پکڑا جائے۔ نہ باپ بیٹے کے جرم میں ماخوذ ہو۔ مراد یہ ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ کسی کا بوجھ کسی پر نہیں۔

(۷۴۶) فیصلہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص اندھا دھند لڑائی میں یا آپس کی سنگ باری یا کوڑا بازی میں قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت قتل خطا کی دیت ہے۔ ہاں جو شخص جان بوجھ کر بارادۂ قتل' قتل کر دیا جائے اس کا قصاص ہے جو اس میں حائل ہو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۴۷) قانونِ محمدی ہے کہ کان میں دب کر مر جانے والا دیت یا قصاص کا مستحق نہیں۔ (متفق علیہ) اس روایت میں پہلا جملہ ہے کہ کان معافی کے قابل ہے۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جب کسی کو کان کھودنے پر مقرر کیا' وہ کھود رہے ہیں اور کان گر گئی' وہ دب کر مر گئے تو ان کا بدلہ نہیں' اس مطلب کی تائید اس حدیث کے دو بعد کے جملے بھی کرتے ہیں یعنی کنوئیں کا اور جانوروں کا بھی یہی حکم بیان فرمایا۔ دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ کان میں زکوٰۃ نہیں' اس معنی کی تائید میں اسی کے ساتھ آپؐ کا یہ بیان فرمانا ہے کہ دفینہ جاہلیت میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے' پس کان میں اور دفینے میں آپؐ نے فرق کیا۔ اس میں پانچواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی اس لیے کہ یہ تو ایک ساتھ ایک دم بغیر کسی تکلیف اور دُشواری اور خرچ کے مل جاتا ہے۔ کان سے زکوٰۃ دور کر دی اس لیے کہ اس کا نفع بغیر تکلیف کے اور کوشش

اور خرچ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حدودِ شرعی کی بابت پیغمبر محترم ﷺ کے فتوے

(۷۴۸) یا رسول اللہ ﷺ میرا لڑکا ان کے ہاں کام کاج پر ملازم تھا۔ وہاں ان کی بیوی سے بدکاری کر بیٹھا۔ میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک خادم فدیے میں دیئے اور میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ میرے لڑکے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلا وطنی اور اس کی بیوی کے ذمے رجم اور سنگساری ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں میں ٹھیک کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تیری سو بکریاں اور تیرا خادم تو تجھے واپس کر دیا جائے گا' تیرے لڑکے کو سو کوڑے لگیں گے اور سال بھر تک دیس نکالا اور اے انیس تم اُس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اسے رجم کر دو۔ (متفق علیہ)

(۷۴۹) نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جو زنا کرے اور شادی شدہ نہ ہو اسے سال بھر کی جلا وطنی ہے اور اس پر حد ہے۔ (بخاری)

(۷۵۰) آپؐ کی رضا ہے کہ جب شادی شدہ مرد و عورت بدکاری کریں تو سو کوڑے اور سنگساری اور دونوں بے شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی۔ (مسلم)

(۷۵۱) یہود لوگ حاضر خدمت نبوی ﷺ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کاری کی ہے۔ آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ تم ان کے بارے میں تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ رجم کی بابت اس میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو ایسے لوگوں کو رُسوا اور فضیحت کرتے ہیں اور کوڑے لگاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا تم سب جھوٹے ہو۔ تورات میں ان کی سزا سنگساری ہے۔ وہ تورات لے آئے۔ تلاوت شروع کی' ایک نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے کا اور اس کے بعد کا پڑھ سنایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس چالاکی کو دیکھ رہے تھے۔ اُس سے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھا' اُس نے جو ہاتھ اُٹھایا تو رجم کی آیت موجود تھی۔ اب یہودی بھی مان گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ سچے ہیں' واقعی اس آیت میں آیت رجم ہے۔ پس رسولِ مقبول ﷺ کے حکم سے دونوں کو رجم کیا گیا۔ (متفق علیہ)

(۷۵۲) ابوداؤد میں ہے کہ جب ان یہودیوں میں بدکاری ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس نبی کے پاس چلو یہ نرم اور آسان دین دے کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر وہ ہمیں رجم کے سوا اور کوئی آسان فتویٰ دیں تو ہم مان لیں گے اور اللہ کے پاس بھی ہمارے لیے وہ سند بن جائے گی کہ تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کا فتویٰ ہے۔ پس سب مل کر حاضر خدمت نبوی ﷺ ہو کر مسجد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ واقعہ عرض کرتے ہیں۔ آپؐ خاموش رہتے ہیں اور سیدھے ان کے مدرسے میں آتے ہیں' دروازے پر کھڑے ہو کر ان سے فرماتے ہیں میں تمہیں اُس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے' سچ بتلاؤ تم تورات میں شادی شدہ شخص کی زنا کاری کی کیا سزا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم انہیں گدھے پر سوار کرتے ہیں اور الٹا بٹھاتے ہیں اور انہیں شہر میں گھماتے ہیں۔ سب نے تو یہ کہا لیکن ان میں ایک نوجوان تھا جو خاموش کھڑا رہا۔ آپؐ نے اُسے مخاطب کر کے سخت قسم دی۔ اُس نے کہا جب نبی ﷺ اتنی بڑی قسم دے کر دریافت فرماتے ہیں تو سنیے ہم تورات میں ان کے لیے رجم پاتے ہیں۔ آپؐ

نے ان سے پوچھا پھر کیابات ہے سب سے پہلے تم نے اس حکم کو کیوں چھوڑا؟ اُس نے کہا ہمارے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے عزیزی رشتے دار نے بدکاری کی۔ بادشاہ نے اس سے چشم پوشی کی اور اسے رجم نہ کیا۔ اس کے بعد کسی اور سے بھی یہی حرکت صادر ہوئی' بادشاہ نے اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کا قبیلہ اُس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ ہمارے آدمی کو آپ رجم نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنے آدمی کو رجم نہ کریں اس کے بعد آپس میں اس بات پر صلح ہوگئی کہ ہر زانی کے ساتھ یہی کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب میں تمہارے اس اجماع کو توڑتا ہوں اور وہ حکم دیتا ہوں جو تورات میں ہے۔ پس آپ کے حکم سے اس زانی مرد و عورت کو سنگسار کر دیا گیا۔ ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے چار گواہ آپ نے طلب فرمائے جو پیش ہوئے اور کہا کہ ہم نے اس کا وہ اس کی اُس میں دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔

(۷۵۳) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ حاضر خدمت نبوی ﷺ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مجھے پاک کیجیے' میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اُن کی قوم کے آدمیوں کے پاس اپنا قاصد بھیج کر ان سے دریافت فرمایا کہ کیا اس کی عقل میں کچھ فتور ہے؟ سب نے کہا جہاں تک ہمارا علم ہے یہ صحیح العقل آدمی ہے۔ چنانچہ اس نے چار مرتبہ اپنی زناکاری کا اقرار کیا پانچویں مرتبہ آپ نے خود اس سے پوچھا کہ کیا تُو نے اس سے مجامعت کی ہے بہت صاف عام لفظوں میں یہ سوال کیا۔ اُس نے کہا جی ہاں! آپ نے پھر پوچھا ٹھیک اسی طرح جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور رسی پانی میں؟ جواب دیا جی ہاں۔ آپ نے پھر پوچھا جانتے بھی ہو' زنا کیا ہے؟ کہاں ہاں! خوب جانتا ہوں یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ خاوند اپنی حلال بیوی سے کرتا ہے وہی میں نے حرام کاری سے کیا۔ آپ نے پھر پوچھا اب تم چاہتے کیا ہو؟ جواب دیا یہی کہ آپ مجھے پاک کر دیں۔ آپ نے کسی کو حکم دیا کہ اس کا منہ تو سونگھو کوئی نشہ تو نہیں کیا؟ جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا کہ نشے میں نہیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ ان کے لیے گڑھا نہیں کھودا گیا۔ جب چو طرف سے پتھر برسنے لگے تو یہ بھاگے اور دوڑ کر جانے لگے۔ راستے میں ایک صاحب آ رہے تھے جن کے ہاتھ میں اونٹ کے جبڑے کی مضبوطی ہڈی تھی۔ اس نے انہیں مارا اور دوسری جانب سے اور لوگوں کی مار پڑی یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ) آپ کو جب اس کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا تم نے اسے کیوں نہ چھوڑا' اسے میرے پاس لے آتے۔ اس قصے کے بعض طرق میں ہے کہ آپ نے فرمایا تو نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دے دی ہے جاؤ اُسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔

(۷۵۴) ایک سند میں یہ بھی ہے کہ آپ نے سنا ایک صحابی دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اسے دیکھا؟ اللہ نے ان کی پردہ پوشی کی لیکن انہوں نے اپنی جان کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کر دیئے گئے۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو رہے کچھ دور جا کر ایک مردہ گدھا دیکھا جو سڑ کر پھول گیا تھا اور اس کی ٹانگیں اونچی ہو گئی تھیں۔ آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہے؟ اُن دونوں نے کہا یہ ہیں۔ ہم دونوں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا اترو اور اس مردار گدھے کا کچا گوشت کھاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم سے کیا تقصیر ہوئی؟ آپ نے فرمایا تم نے جو ابھی اپنے بھائی کی آبروریزی کی وہ اس کے کھانے سے بہت زیادہ بری چیز تھی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اس وقت جنت کی نہروں میں غسل کر رہے ہیں۔ اسی کی بعض سندوں میں ہے کہ آپ نے ان

سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید یہ خواب کا قصہ ہوگا انہوں نے کہا نہیں فرمایا شاید تجھ پر زبردستی کی گئی ہوگی۔ انہوں نے جواب دیا بالکل نہیں۔ یہ سب الفاظ صحیح ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ان کے لیے نبی ﷺ کے حکم سے گڑھا کھودا گیا تھا' اسے مسلم نے ذکر کیا ہے لیکن یہ بشیر بن مہاجر راوی کی غلطی ہے۔ یہ مانا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے اپنی صحیح میں حدیثیں وارد کی ہیں لیکن یہ تو ناممکن نہیں کہ ثقہ سے بھی غلطی ہو جائے۔ پھر یہاں تو یہ بھی ہے کہ امام احمد اور امام ابو حاتم رازی نے ان پر کلام بھی کیا ہے۔ غلطی کی وجہ حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کا قِصّہ ہے۔ اُن کے لیے گڑھا کھودا گیا تھا۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قِصّے میں غلطی سے بیان ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

(۷۵۵) غامدیہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے پاس آتی ہیں اور اپنی زنا کاری کی پاکیزگی کی آپؐ سے درخواست کرتی ہیں۔ آپؐ اُسے واپس کرتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ کیا آپؐ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی طرح مجھے واپس کرنا چاہتے ہیں؟ میں تو حمل سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ جب حمل سے فارغ ہو جاؤ آنا۔ جب وہ فارغ ہوئیں تو بچے کو لے کر آئیں' اُس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور کہنے لگیں کہ اس کا دودھ چھٹ گیا اور کھانا کھانے لگا ہے۔ آپؐ نے اس بچے کو کسی اور مسلمان کے سپرد کر دیا اور پھر حکم دیا کہ گڑھا کھودا جائے' انہیں سینے تک اُس میں داخل کر دیا گیا پھر لوگوں کو حکم دیا کہ پتھر برسائیں۔ چنانچہ پتھر برسا کر ان کا کام ختم کر دیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر اُن کے سر پر دے مارا' اس سے خون اُڑ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑا تو اُن کے منہ سے اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو گالی نکل گئی۔ آپؐ نے فرمایا خالد چپکے رہو۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اُسے بھی بخش دیا جاتا پھر آپؐ نے ان کے جنازے کی نماز کا حکم دیا' نماز ادا کی گئی پھر دفن کی گئیں۔ (رضی اللہ عنہا) (مسلم)

(۷۵۶) آپؐ کے پاس ایک صحابی آتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ میں نے وہ کام کیا ہے جس سے مجھ پر حد واجب ہو گئی ہے تو آپؐ وہ حد جاری کیجیے۔ آپؐ نے اُس وقت تو اس سے کوئی سوال نہ کیا' نماز کا وقت ہو گیا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد پھر اس شخص نے اپنی درخواست دُہرائی کہ میں نے حد لگنے کا کام کیا ہے۔ کتاب اللہ میں جو حد ہو وہ مجھ پر جاری کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی؟ اُس نے کہا جی ہاں آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ فرمایا پھر تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ معاف فرما دیئے یا فرمایا تیری حد معاف فرما دی۔ (متفق علیہ) اس حدیث کی توجیہ ایک تو یہ ہے کہ اس نے خود کسی گناہ کو کھولا نہیں۔ ایسی صورت میں امام پر واجب نہیں کہ اس سے کرید کرید بات پوچھے۔ ہاں! اگر وہ خود اس گناہ کو بیان کر دیتا اور ہوتا بھی وہ حد لگنے کے لائق تو آپؐ اسے ضرور حد لگاتے جیسے کہ آپؐ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو حد لگائی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کی توبہ کی وجہ سے اس کا گناہ معاف ہو گیا۔ گناہ سے توبہ کرنے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے اس کے بناء پر ظاہر یہ ہے کہ جو شخص اس سے پہلے توبہ کرے کہ اسے پکڑ لیا جائے تو اس کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے جیسے جنگ کرنے والے سے۔ ٹھیک بات یہی ہے۔

(۷۵۷) ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک عورت کا بوسہ لیا ہے۔ اس پر آیت: ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ (ہود: ۱۱۴) نازل ہوئی یعنی دن کے دونوں حصے میں اور رات کی گھڑیوں میں نماز قائم کرو'

نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ہے نصیحت ان کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ سُن کر وہ شخص کہنے لگا کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے؟ آپؐ نے فرمایا بلکہ میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے اس کے لیے ہے۔ (بخاری و مسلم) اس حدیث سے بعض لوگوں نے دلیل لی ہے کہ تعزیر واجب نہیں۔ امام اُسے معاف کر سکتا ہے لیکن دراصل یہ حدیث ان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ آپ خود خوب غور کر لیں۔

(۷۵۸) ایک عورت نماز کے لیے گھر سے چلی' راہ میں ایک شخص نے اُسے پکڑ لیا اور اُس سے حاجت روائی کر کے بھاگا۔ اُس کے چیخنے پر لوگ دوڑے' اُس وقت ایک شخص جو راستے سے جا رہا تھا اُس کو انھوں نے مجرم سمجھ کر پکڑ لیا۔ اُنھوں نے یہی خیال کیا کہ یہ وہی شخص ہے اور کہا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے سنگساری کا حکم دیا۔ اُس وقت وہ شخص کھڑا ہو گیا جس نے دراصل جرم کیا تھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ یہ بری ہے اور بُرائی میں نے کی ہے۔ آپؐ نے اس عورت سے فرمایا جاؤ اللہ نے تمھیں تو بخش دیا اور اس شخص سے آپؐ نے بھلائی کی بات کہی اور اس کی تعریف کی۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپؐ اسے رجم نہ کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر سارے اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تو سب کے گناہ معاف ہو جائیں۔ (احمد و سنن) دراصل کوئی فتویٰ اور کوئی حکم اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ اگر پوچھا جائے کہ ایک ناکردہ گناہ شخص کو نبی ﷺ نے رجم کرنے کو کیسے فرما دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ آپؐ نے صرف فرمان دیا تھا' جب وہ انکار کرتا تو آپؐ اُسے ہرگز رجم نہ کرتے۔ یہاں تو قرائن جمع ہو گئے تھے جس سے یہ فرمان بالکل بجا تھا۔ لوگ اسے مجرم کی صورت میں جائے وقوع سے پکڑ کر لائے ہیں' عورت اسی کو مجرم بتلا رہی ہے' وہ اپنی برأت نہیں کرتا نہ انکار کرتا ہے بلکہ خاموش ہے۔ پس ان قرائن سے آپؐ نے فرمان صادر فرما دیا۔ لعان میں بھی کوئی گواہ نہیں ہوتے لیکن خاوند کی قسموں کے بعد اگر عورت نے خاموشی اختیار کی تو صرف اسی قرینے سے اسے حد لگائی جاتی ہے' اس سے تو یہ قرائن بہت زیادہ قوی ہیں۔ تم خود غور کر لو۔ صرف الزام کی ہی خون کے اور حد کے اور مال کے مقدمے میں بہت کچھ وقعت ہے۔ قسامہ کے مسائل خونی مقدمات میں موجود ہیں' حد کے مسائل لعان میں آپ پا رہے ہیں' مال کے مسائل کے بارے میں قرآنی آیت شاہد ہے کہ سفر کی وصیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ دونوں شاہد یا دونوں وصی کسی ظلم و خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں تو وارثوں میں سے دو شخص اپنے استحقاق پر قسم کھائیں گے اور ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اس کے سوا دراصل اور کوئی حکم ہی نہیں اور جب کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ خون اور حد میں الزام کا اثر ہے تو مال میں بطریق اولیٰ ہونا چاہیے۔ اللہ کے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے باوجود اس کے کہ ایک عورت کہہ رہی ہے کہ یہ لڑکا میرا نہیں بلکہ اس دوسری کا ہے اس کو دے دیجیے لڑکا اسی انکاری عورت کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نہیں یہ تیرا ہے' اس سے نسبت ملا دیتے ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے کہ حاکم کے لیے گنجائش ہے کہ جو کام اسے نہ کرنا ہو اس کے کرنے کا اظہار کرے تاکہ حق اور سچائی ظاہر ہو جائے۔ پھر اسی روایت پر دوسری جگہ باب باندھا ہے کہ حاکم کو یہ بھی جائز ہے کہ کسی کے اقرار کے بعد بھی اس اقرار کے خلاف فیصلہ کرے جب کہ اس پر کھل جائے کہ واقعہ اس اقرار کے خلاف ہے۔ دراصل استنباط اور دلیل کے لحاظ سے فی الحقیقت عِلم بھی یہی ہے۔ پھر اسی پر اور باب باندھا ہے کہ حاکم کو یہ بھی جائز ہے کہ

اپنے حکم کو توڑ کر اس سے بہتر حکم یا اسی جیسا اور حکم کرے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں لڑکا دونوں کا ہو گا تاکہ نسب اپنے پہلے جاری ہونے کی جگہ ہی جاری رہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم کا فیصلہ کسی شے کو اس کی حقیقت سے اور اصلیت سے نہیں بدلتا اور اس میں ایک عجیب و غریب' نہایت نافع اور سود مند بات یہ بھی ہے کہ قدری امر سے شرعی امر پر استدلال کرنا۔ چھوٹی عورت کے دل میں بچے کی جو محبت اور اس پر جو شفقت اور رحمت تھی اسے دیکھتے ہوئے آپ نے سمجھ لیا کہ دراصل یہ بچہ اسی کا ہے کہ یہ تو یہ سن کر کہ اس بچے کو کاٹ کر آدھا آدھا دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اپنے تئیں نہ سنبھال سکی اور فوراً ہی چیخ اٹھی کہ بچہ میرا نہیں اسی عورت کو دے دیا جائے' میں اپنے بڑے دعوے سے دستبردار ہوں۔ پھر اس بات کی مزید تقویت اس سے بھی ہوئی کہ بڑی عورت اس بچے کے ٹکڑے ہونے پر راضی ہے۔ یہ چیز ہی صاف بتلا رہی ہے کہ یہ اس بچے کی ماں نہیں۔ ماں اپنے جگر گوشہ کے کٹنے پر کیسے رضامند ہو گی؟ یہ کام تو حاسدوں کا ہے جو دوسروں کی محبت کا بھی زوال چاہتے ہوں کہ جیسے میں گود خالی ہوں یہ بھی ہو جائے۔ دراصل اس فیصلۂ سلیمانی سے بہتر اور برحق اور مطابق واقعہ اور کوئی فیصلہ ہو نہیں سکتا۔ اگر کسی حاکم میں ایسی دانائی نہیں تو یقیناً اس کے ہاتھوں بندگانِ الٰہی کے حقوق پامال ہوں گے اور وہ معاملات کی تہ تک نہ پہنچ سکے گا۔



شریعت اور سیاست

اسلام جب ایک کامل مذہب ہے اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں ہر ایک طرح کی نیکی اور برائی کے بارے میں تفصیلات بتلا دی ہیں تو اس صورت میں سیاسی فرائض کا دائرہ سمٹ کر صرف اس نکتے پر مرکوز ہوتا ہے کہ خلیفہ یا حاکم خیر کے اس نظام پر خود بھی عمل پیدا ہو اور معاشرے کے ہیں بھی۔ اُمور خیر کو پھیلانے کی کوشش کرے اور اگر وہ اس نکتے کو ملحوظ رکھتا ہے تو پھر اس کے عام فیصلوں پر اس کے سوا اور کوئی قدغن عائد نہیں ہوتی کہ وہ جو فیصلہ بھی کرے وہ شریعت کی رُوحِ عدل کے مطابق ہو۔ عدل و خیر کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جو بلاشبہ کتاب و سُنّت کی رو سے متعین ہیں اور بے شمار ایسی ہیں جن کا صراحت سے کتاب و سُنّت میں ذکر نہیں۔ اس صورت میں سلاطین و خلفاء کو اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اجتہاد سے کام لیں اور ہر اُفتاد اور اشکال کو اپنی صوابدید کے مطابق حل کریں۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اس معاشرے کا بھلا ہو اور عدل و انصاف پورے ہوتے ہوں۔ حکام و سلاطین کے دائرۂ اختیار کے بارے میں نہ تو یہ تنگ نظرانہ تفریط صحیح ہے کہ ان کو حد سے زیادہ فقہی حقوق کا پابند کر دیا جائے اور نہ یہ افراط درست ہے کہ وہ مطلق العنان ہو جائیں اور جو چاہیں کریں۔

ہماری یہ شریعت تمام اگلی شریعتوں کی پاک باتوں کی جامع ہے۔ اس بارے میں ابو الوفا ابن عقیل اور بعض اور فقہاء میں ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہو چکا ہے۔ ابنِ عقیل تو فرماتے تھے کہ امام کے لیے سیاست پر عمل ضروری ہے اس سے جو خالی ہو وہ منصب امامت کے لائق نہیں اور یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ سیاست وہی ہے جو شرع میں ہو۔ ابنِ عقیل نے فرمایا سیاست افعال میں ہوتی ہے' اسی سے لوگ صلاحیت حاصل کرتے ہیں اور فساد سے رُکتے ہیں' تجربے اور دانائی کا مالک جو حاکم نہ ہو وہ تو لوگوں کو نہ اصلاحیت پر لا سکتا ہے' نہ بندگانِ الٰہی میں سے فساد دور کر سکتا ہے اس سے واقعات کی تہ تک پہنچ ہو سکتی ہے گو وہ شریعت میں وارد نہ ہوئی ہو اور گو اس کی بابت خاصتًا کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ اب اگر تمہارے قول کا یہ مطلب ہے کہ جو سیاست خلافِ شرع نہ ہو کسی آیت و حدیث کے خلاف نہ ہو تو ہمیں مسلّم ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ خود قرآن و حدیث میں موجود ہو تو یہ محض غلط ہے بلکہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو غلطی پر ماننا لازم آتا ہے۔ خلفائے راشدین کے ہاتھوں میں جو قتل وغیرہ کے مقدمات فیصل ہوئے ہیں' ان کا انکار کسی اُس شخص سے ناممکن ہے جو سیرت اور تاریخ کا عالم ہو بالفرض اگر اس قسم کا ایک واقعہ بھی نہ ہوتا تاہم صرف یہی ایک واقعہ کافی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان مصاحف کو جلا دیا جو مصحف عثمانی کے خلاف تھے' اس میں ایک مصلحت ان بزرگوں نے دیکھی اور اسے کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زندیقوں کو کھائیوں میں ڈال کر' آگ لگوا کر جلوا دینا اور نصر بن حجاج کو جلا وطن کر دینا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی بڑی پھسلن کی جگہ ہے' دماغ یہاں چکرا جاتا ہے' قدم ٹھوکر کھا جاتا ہے' نہایت تنگ و تار اور کٹھن راستہ ہے۔ اس میں ایک جماعت نے تو کمی کی ہے جس سے حدودِ الٰہی معطل ہو گئیں اور حقوق ضائع ہو گئے اور فساق و فجار اپنی بدکاریوں پر دلیر بن گئے۔ ان کی اس بے طرح کی کمی نے لوگوں کی نظروں میں یہ جچا دیا کہ بندوں کی کل مصلحتوں کے لیے شریعت کافی نہیں۔ انھوں نے خود اپنے نفس پر تنگی ڈالی اور ان صحیح طریقوں کو باطل کر دیا جن سے حق ناحق کی پہچان ہو سکتی تھی۔ یہ خود بھی جانتے تھے اور دنیا کے اور لوگ بھی جانتے تھے

کہ فی الواقع یہ دلیلیں ہیں لیکن پھر بھی صرف اس ظن سے کہ یہ قواعد شرع کے خلاف ہیں انہوں نے اُن سب کو محض بیکار کر دیا۔ دراصل انہوں نے حقیقت شرع کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی کر لی ہے اور کوئی تطبیق نہ دے سکنے کی وجہ سے یہ دلیلیں انہوں نے رَد کر دی ہیں۔ رُؤسا اور والیانِ ملک نے جب ان کی باتیں سنیں تو ایک طرف تو انہیں یہ باتیں سچی معلوم ہوئیں اور دوسری طرف انہیں ملکی ضرورتوں اور لوگوں کے معاملات نے مجبور کیا تو انہوں نے سیاسی قانون اپنی طرف سے مرتب کیے اور لوگوں کے فیصلے ان کی رو سے کرنے شروع کیے۔ پس ان علماء کی تقصیر نے اور ان رؤسا کی ایجاد نے دین میں رخنہ ڈال دیا اور سخت فساد اور بے حد شر دنیا میں پھیلا دیا جس کا تدارک مشکل بلکہ محال ہو گیا۔ اس جماعت کے مقابل دوسری جماعت ہے جس نے پوری افراط سے کام لیا اور وہ سیاسی چیزیں داخل کر لیں جو شریعت محمدیہ ﷺ کے صریح مخالف ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کی غلطی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے شریعت کی اصل غرض و غایت کی طرف نظر نہ کی۔ شریعت اس لیے آئی ہے' رسول اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم رہے' اسی عدلِ شرعی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں جس طریق سے نشاناتِ حق واضح ہو جائیں' عقلی دلالتیں کھل جائیں' واقعہ کی کامل تحقیق ہو جائے' شریعت اسے معتبر مانتی ہے۔ اللہ کی رضا' دین کی اجازت' شریعت کا حکم یہی ہے' یہ نہیں ہے کہ شریعت نے کسی خاص وجہ سے ہی واقعہ کی تحقیق کرنی بتلائی ہو اور اس سے زیادہ وضاحت اور روشنی والے طریقوں کو بے کار کر دیا ہو۔ ظاہر ہے کہ جب اصولِ شرع یہ ٹھہرا کہ واقعہ کی اصلیت کسی طرح ظاہر ہو جائے تو حق و عدل کے پہچاننے کے بہترین طریقوں کو وہ بے کار کیسے کر دے گی؟ جس طریقے سے بھی حق ظاہر ہو جائے' جس طرح بھی انسان عدل کر سکے بے شک وہ اس پر عامل ہو سکتا ہے۔ خیال تو کیجیے کہ وسائل اور طریقے مقصود بالذات نہیں ہوتے ان سے تو صرف ایک غایت تک پہنچنا مقصود ہوتا ہے۔ شریعت نے ان کو اور ان کی مثال کو بیان فرما دیا ہے جو بھی ایسا طریق ہونا ممکن ہے کہ شریعت کی کوئی نہ کوئی دلالت اس پر نہ ہو۔ ایک کامل شریعت کے ساتھ اس کے خلاف گمان کرنا لائق ہی نہیں۔ پس عدل و انصاف والی کوئی بھی سیاست شریعت کے خلاف نہیں بلکہ وہ خود شریعت کا ہی ایک حصہ ہے گو اس کا نام سیاست رکھ دیا جائے۔ دیکھیے خود رسولِ کریم ﷺ نے الزام کی بنا پر قید رکھا ہے' سزا بھی دی ہے' جب کہ ایسے قرائن ہو گئے جو جرم کو اس کی طرف نسبت کرنے والے تھے۔ دوسرا امر دیکھیے ایک ملزم پیش کیا جاتا ہے جو اپنے فساد میں مشہور ہے' جو نقب زنی میں طاق ہے' جو بار بار چوریاں کر چکا ہے یا جس کے پاس چوری کا مال موجود ہے پھر حاکم کو کیسے جائز ہو گا کہ صرف اس بنا پر اسے چھوڑ دے کہ دو عادل گواہ واقعہ کے موجود نہیں ہیں یا اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کی راہ خالی کر دے یا اس کے اقرار نہ ہونے کی وجہ سے اُس بَری کر دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو یقیناً اس کا یہ فعل سیاست شرعی کے بھی خلاف ہے۔ دیکھیے مالِ غنیمت میں سے خیانت کرنے والے کا غنیمت کا حصہ رسول اللہ ﷺ نے روک لیا۔ خلفائے راشدین نے اس کا اسباب جلا دیا' امیر جہاد پر برائی کرنے والے کو اپنے مقتول کے اسباب سے روک دیا۔ زکوٰۃ کے مانعین سے ان کا آدھا مال چھین لیا۔ جن چیزوں کی چوری میں ہاتھ نہیں کٹتا ان پر بہت بڑھا چڑھا کر جرمانہ وصول کیا' کوڑے لگوائے۔ گم شدہ جانور کے چھپا لینے والے پر جرمانہ ڈالا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مے خانے جلوا دیئے' اس گاؤں کو آگ لگوا دی جہاں شراب فروشی ہو رہی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے محل کو جس میں فروکش ہو کر رعیت سے آپ الگ ہو جاتے تھے جلا دینے کا حکم فرما دیا۔ نصر بن حجاج کا سر منڈوا دیا اور اسے جلا وطن کر دیا۔ صبیغ کو جب کہ اس نے متشابہات کی پیروی اختیار کی دُروں سے پٹوایا۔ اسی طرح کے اور بھی بیسیوں سیاسی امور و

احکام ہیں جنہیں یہ امت اپنے کام میں لائی اور وہ مسنون طریقے ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ مخالف مخالفت کرتے رہیں اس سے کیا ہوتا ہے؟ اصحابِ رسول ﷺ نے زنا کے بارے میں حد لگائی صرف حمل کی وجہ سے۔ شراب کے بارے میں حد لگائی صرف مُنہ سے بو آنے اور قے کی وجہ سے۔ بات بھی یہ بالکل درست ہے قے اور بو دلیل ہے شراب نوشی کی۔ حمل دلیل ہے بدکاری کی۔ بلکہ اور دلیل سے نہایت پختہ ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ اس سے ہلکی دلیل کو شریعت معتبر مانے اور اتنی اعلیٰ دلیل کو وہ مہمل چھوڑ دے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لوطی کو جلوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے صرف حج کرنا اور حج کے مہینوں کے سوا اور مہینوں میں عمرہ کرنا پسند فرمایا تاکہ بیت اللہ شریف ہروقت آباد رہے۔ لوگوں کو ان لونڈیوں کی خرید و فروخت سے روک دیا جن سے اولاد ہو چکی ہو حالانکہ نبی ﷺ کے زمانے میں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کی فروخت برابر جاری تھی۔ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں انہیں لازم کر دیا تاکہ ایسے لوگوں کو سزا ہو جیسے کہ خود آپؓ نے بھی صراحت کے ساتھ اس وجہ کو بیان فرما دیا ہے ورنہ زمانۂ نبوی میں' عہدِ صدیقی میں اور ابتدائے خلافتِ فاروقی میں یہ تینوں شمار میں ایک کے تھیں اور بھی ایسے بہت سے امور ہیں جو سیاست کی وجہ سے جاری ہوئے اور اس امت کے اکابر نے ان کو جاری کیا اور سیاستاً انہیں کام میں لائے۔ یہ اصولِ شرع اور قواعد دین سے ماخوذ ہیں۔ باوجود اس کے احکام کی تقسیم شریعت اور سیاست کی طرف کرنا ایسا ہی ہے جیسے شریعت اور حقیقت کی طرف دین کی تقسیم کرنا یا عقل و نقل کی طرف دین کی تقسیم کرنا۔ دراصل یہ سب تقسیمیں باطل ہیں۔

شریعت کامل و مکمل ہے

دراصل سیاست' حقیقت' طریقت' عقل ان سب کی دو قسمیں ہیں صحیح اور فاسد۔ صحیح شریعت میں داخل ہے۔ فاسد نہ شریعت میں داخل نہ شریعت کی تقسیم' بلکہ شریعت کے خلاف' شریعت کے منافی۔ اس اصل کو اگر آپ نے خیال میں رکھا تو زمانے والوں کی بہت سی زبردست غلطیوں سے اپنا ایمان بچا سکتے ہیں۔ اس کی زبردست دلیل یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ اس عام رسالت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ جو بندوں کی تمام ضروریات کو کافی ہو کر کوئی معرفت' کوئی طریقت' کوئی عقل' کوئی علم' کوئی عمل' کوئی عقیدہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپؐ کی امت کو دوسرے کی ضرورت و حاجت پڑے اور تبلیغ رسول کے سوا اوروں کی طرف جھکے۔ آپؐ کی رسالت کا دنیا کے اس سرے سے لے کر اُس سرے تک کوئی ایسا نہیں جس کی طرف آپؐ رسول نہ ہوں۔ دوسرا عموم اصول و فروعِ دین میں ہر احتیاج والی چیز کا بیان سب آپؐ کی کافی شافی عام رسالت میں موجود ہے کسی کو کسی امر میں کسی وقت آپؐ کی رسالت کے دو عموم ہیں جن کی کوئی خصوصیت کسی طرح کی ہے ہے نہیں۔ ایک عموم کی طرف رسالت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت و حاجت نہیں۔ یاد رکھو آپؐ پر ایمان لانا اسی وقت کامل ہو سکتا ہے جب کہ آپؐ کی رسالت کو ان دونوں حیثیتوں میں مطلقاً عام مان لیا جائے' نہ کوئی مکلف انسان ایسا جس کی طرف آپؐ رسول نہ ہوں' نہ امت کی کوئی ضرورت ایسی جس کا حکم آپؐ کی شریعت میں موجود نہ ہو۔ نبی ﷺ نے اپنی وفات ہونے سے پہلے ہی ہر چیز کا علم اپنی امت کو سونپ دیا۔ نبی ﷺ نے پائخانے' پیشاب کے' جماع اور مباشرت کے' سونے اور جاگنے کے' اٹھنے بیٹھنے کے' کھانے پینے کے' سوار ہونے اور اترنے کے' سفر کے اور حضر کے' چپ رہنے اور بولنے کے' تنہائی کے اور مجمع کے' امیری کے اور فقیری کے' تندرستی کے اور بیماری کے' موت کے اور حیات کے' عرش و کرسی کے' فرشتوں اور جنوں کے'

جنت و دوزخ کے، قیامت کے بعد دنیا کے تمام جزوی اور کلی احکام وغیرہ بیان فرما دیئے۔ غائب چیزوں کا اس طرح بیان کر دیا کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیا بلکہ پہچان لیا۔ اللہ کے اوصاف اس طرح پورے پورے بیان فرمائے اس کی تعریف اس طرح کی کہ گویا لوگوں نے دیکھ لیا۔ اپنی آنکھوں سے اس کا جمال مشاہدہ فرمالیا اور اس کے کمال بھرے اوصاف، اس کی جلال بھری صفتیں ان کی نگاہوں کے سامنے پھرنے لگیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات اس طرح تفصیل اور توضیح سے بیان کیے کہ گویا یہ امت ان کے وقتوں میں موجود تھی اور سب واقعات اپنی آنکھوں دیکھ رہی تھی۔ خیر و شر کے چھوٹے بڑے تمام طریقے ان پر واضح کر دیئے۔ غرض تمام نبیوں نے مل کر اپنی امتوں کے سامنے جو بیان فرمایا تھا وہ سب اور ان سے بہت زائد بیان ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے سامنے فرما دیا۔ موت اور اس کے بعد کے کل احوال و اہوالِ عالم برزخ کے واقعات، ثواب و عذاب کے، نعمت و زحمت کے، روح و بدن کے وہ کل آنے والے واقعات بھی ہمارے سامنے رکھ دیئے جن سے اگلی امتیں محروم تھیں۔ اسی طرح آپؐ نے توحید کی، نبوت کی، قیامت کی، سب دلیلیں ہمیں بتلائیں، کافروں اور گمراہوں کی دلیلوں کی تردید ہمیں سکھائی۔ آپؐ کے بعد اور کسی کی تعلیم کی ہمیں مطلقاً ضرورت ہی نہیں رہی۔ اب تو صرف آپؐ کے فرامین کی تبلیغ، ان کی توضیح اور ان کا بیان ہی باقی رہا جو اگلے پچھلوں کو اور اپنے بعد والوں کو کرتے رہیں گے۔ اللہ کی مہربانی کے قربان جائیں کہ اس کے نبی ﷺ نے اس سے تعلیم پا کر ہمیں میدانِ جنگ کے نقشے، دشمنوں سے لڑنے کی ترکیبیں، لڑائی کے داؤ اور گھات بھی سکھائے۔ واللہ اگر ہم ان کو جان لیں اور ان پر عمل کر لیں تو ناممکن ہے کہ بڑے سے بڑے طاقتور دشمن کے قدم بھی ہمارے مقابلے میں تھوڑی سی دیر کے لیے بھی جم سکیں۔ آپؐ نے ہمیں شیطانی مکر سے آگاہ کیا، اس کے فریب سمجھائے اور ان سے بچنے کی ترکیبیں بھی ہمیں بتلا دیں۔ اسی طرح آپؐ نے ہمیں نفس کی شرارت، اس کے وسوے اور اس کے احوال و اوصاف بھی بتلا دیئے اور اس طرح کہ ہمیں اب اس بارے میں کسی اور معلم کی ضرورت نہ رہی۔ ٹھیک اسی طرح دنیا سنبھالنے، اسے حاصل کرنے کے طریقے بھی اللہ کے کامل رسول ﷺ نے ہمیں کمال کے ساتھ سکھا دیئے۔ واللہ اگر مسلمان نبی ﷺ کی تعلیم کے ماتحت دنیا کمائیں تو اس میں بھی وہ کمال کو پہنچ سکتے ہیں اور ان سے زیادہ بھلا اور بڑا دنیا حاصل کرنے والا بھی کوئی نہیں بن سکتا۔ الغرض دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں آپؐ نے اپنی امت کو اس طرح تمام و کمال سکھائیں کہ رہتی دنیا تک انہیں کسی اور معلم و مبلغ کی ضرورت ہی نہ رہے۔ پس جب کہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کی تعلیم بھی کامل ہماری شریعت میں موجود ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ سیاست کے اور حکمرانی کے اور دنیا کے، دین کے مسائل و وسائل اس میں نہ ہوں یا ہوں تو ناقص ہوں اور ہمیں کسی اور سیاست کی ضرورت پڑے اور ہم شریعت کے خارج کسی قیاس یا کسی سیاست یا کسی حقیقت یا کسی طریقت یا کسی معقول کے محتاج ہوں۔ ایسا خیال کرنے والا تو اس سے کم نہیں جو یہ خیال کرتا ہو کہ ہمیں آپؐ کے بعد کسی اور رسول کی ضرورت باقی ہے اس وسوسے کی وجہ صرف یہی ہے کہ شریعت کے گر کو وہ نہیں جانتا۔ اسے وہ فہم و فراست ہی قدرت نے نہیں دی جس سے دین کے کمال کو وہ پہچان لیتا۔ یہ توفیق اصحابِ نبی ﷺ کو تھی جنہوں نے رسول کی شریعت کو ہر امر میں کار فرما جانا اور اسے لے کر دنیا کی اور تمام تعلیموں سے وہ بے نیاز اور بے پروا ہوگئے۔ اسی نبوی تعلیم کو لے کر وہ اٹھے شہروں کو بھی اس سے فتح کیا اور دلوں کو بھی اس سے فتح کیا۔ وہ یہی کہتے رہے کہ یہ تعلیم ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے دی اور ہم تمہیں دے رہے ہیں۔

مسلمانو! خیال تو کرو کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث کی اس طرح کی مشغولی سے روکتے تھے جس میں قرآن

سے دھیان ہٹ جائے' وہ اگر آج لوگوں کو رائے و قیاس میں' طریقت اور معقول میں ایسا مشغول پاتے کہ نہ انہیں قرآن سے شوق رہا' نہ حدیث سے ذوق رہا تو نہ جانیں آپ کیا گزرتے؟ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے ہیں' وہی اسی قابل بھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ ﴾ الخ' (العنكبوت : ۵۴) کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری ہے جو ان کے سامنے تلاوت کی جا رہی ہے۔ یقیناً وہ ایمان والوں کے لیے رحمت و عبرت ہے۔ اور آیت میں ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ﴾ الخ' (النحل : ۸۹) یعنی ہم نے تجھ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں ہر چیز کا بیان ہے وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور خوشخبری ہے اور آیت: ﴿ یَآ اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ الخ' لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وعظ آ چکا ہے۔ جو سینوں کی تمام بیماریوں کے لیے شفاء ہے' جو مؤمنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ دوستو! اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن و حدیث میں بہت سی چیزیں نہیں ہیں تو بتلاؤ تو سہی کہ وہ سینوں کی بیماریوں اور تنگیوں کے لیے کیا کافی ہو گا؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ کی معرفت طریقت میں ہے تو فرمائیے کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات اور اس کے ناموں اور اس کے کاموں کا بھی پوری طرح بیان نہیں کرتی وہ دِلوں کے کھٹکوں کو' سینوں کے دَرد کو کیا دور کرے گی؟ جس نے اس کے عام کو ظاہر لفظ کہہ کر اس کی دلالت موقوف مانی۔ دس امور کے نہ ہونے پر جنہیں وہ خود نہیں جانتا کیا اس نے کتاب اللہ اور شریعت محمدیہ کو کامل مانا ہے تو یہ زبردست بہتان ہے۔ اللہ کا دین اس سے بہت دور ہے۔ میں آپ سے ایک موٹی سی بات پوچھتا ہوں جس کے جواب پر بالکل فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ بتلاؤ کہ ان قوانین اور ان رائے و قیاس کے اصول و فروع کے مرتب ہونے سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے زیادہ ہدایت پر تھے یا نہ تھے؟ انہیں یہ دین جو ایسے قیاسی مسائل سے اور ان عقلی ڈھکوسلوں سے اور ان سیاسی اُمور سے خالی تھا کافی تھا یا نہیں؟ یا تم یہ سمجھتے ہو کہ پچھلے لوگ ان اگلے لوگوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے زیادہ ہدایت والے ہیں' ان سے زیادہ شریعت کے سمجھنے والے ہیں' اُن سے زیادہ ذات و صفاتِ الٰہی کے عالم ہیں؟ واللہ اگر تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے زیادہ متاخرین کا علم ہے اور متاخرین ہدایت میں صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ سے آگے ہیں تو اس سے بڑھ کر گناہ سوائے شرک کے اور کوئی نہیں۔ جو یہ فاسد خیال اور یہ غلط عقیدہ لے کر جنابِ باری میں جائے اس سے بدتر کوئی انسان نہیں' نہ اس سے زیادہ بوجھل کوئی ہے۔

فصل : سیاست شرعیہ میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال

(۱) فرماتے ہیں ہیجڑے کو جلا وطن کر دیا جائے اس لیے کہ وہ سوائے فساد کے اور کرتا ہی کیا ہے؟ امام اسے کسی ایسے شہر میں بھیج دے جہاں کے لوگوں پر اس کا فساد نہ چل سکے۔ ایسا موقعہ نہ ہو تو اسے قید کر لے۔ (۲) فرماتے ہیں رمضان کے دن میں جو شراب پی لے یا کوئی ایسا ہی کام کرے تو اس پر حد بھی قائم کی جائے اور کوئی اور سختی بھی کی جائے گی۔ (۳) جیسے وہ شخص جو حرم میں کسی کو قتل کر دے اس پر پوری دیت ہے اور تہائی دیت اور بھی ہے۔ فرماتے ہیں عورت' عورت سے بدکاری کرے تو دونوں کو سزا دینی چاہیے جو عبرتناک ہو۔ (۴) ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ اگر امام مصلحت دیکھتا ہو تو لوطی کو جلا سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عرب کے بعض گوشوں میں ایک ایسا شخص پایا گیا ہے جو عورتوں کی طرح اپنا نکاح کرتا ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سخت قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس گناہ کو صرف ایک ہی اُمت نے کیا ہے۔ ان پر جو الٰہی عذاب آیا آپ کو معلوم ہے۔ میرے خیال سے تو اس شخص کو جلا دینا چاہیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس خیال پر متفق ہو گئے اور دربارِ خلافت سے بھی یہی فرمان جاری ہو گیا اور اس کی تعمیل بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو جلا دیا' پھر ہشام بن عبدالملک نے بھی ان مجرموں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ (۶) امام صاحبؒ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ کرنے والوں پر امامِ وقت کو سزا جاری کرنی چاہیے۔ ایسے لوگوں کر ہرگز نہ چھوڑے' ان سے توبہ کرائے۔ اگر کر لیں تو خیر ورنہ پھر سزا دے' پھر دے۔ (۷) ہمارے اصحاب کا فتویٰ ہے کہ جب عورتیں آپس میں مشغول ہو جایا کرتی ہوں تو انہیں تنہائی کا موقعہ نہ دینا چاہیے۔ (۸) جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو سگی بہنیں ہوں تو اسے مجبور کرنا چاہیے کہ ایک کو پسند کر کے رکھ لے' دوسری کو طلاق دے دے' اگر وہ انکار کرے تو اسے سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ ایسا کرے۔ (۹) اسی طرح جو شخص کسی حق کے ادا کرنے سے انکاری ہو اسے سزا دی جائے تاآنکہ وہ حق کو ادا کر دے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا کلام بھی اس بارے میں مشہور ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قرائن پر فیصلہ

ہاں! اس کے لینے میں سب سے زیادہ دوری برتنے والے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ہیں باوجودیکہ انھوں نے سو سے زائد جگہ قرائن احوال کو معتبر مانا ہے جن میں سے بہت سے مواقع کا ذکر ہم نے کسی اور کتاب میں کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض ملاحظہ ہوں۔ (۱) شب زفاف میں عورت سے اس کا خاوند وطی کر سکتا ہے گو اُسے اُس نے نہ دیکھا ہو اور گو دو عادل گواہ بھی پیش نہ ہوئے ہوں۔ (۲) کسی کے پاس کوئی بچّہ یا غلام یا کافر کوئی ہدیہ لائے تو وہ قبول کر سکتا ہے' اُسے کھا سکتا ہے گو دو گواہ عادل اس بات پر نہ گزرے ہوں کہ ہاں یہ ہدیہ فلاں شخص نے آپ کو بھیجا ہے' اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ لفظ ہبہ کا یا ہدیے کا کہا بھی گیا ہو۔ (۳) کسی کا دروازہ پیٹنا' کواڑ کھڑکھڑانا گو اس کی اجازت نہ ہو' جائز ہے۔

(۴) کسی کرایہ کے مکان اور باغ میں کرایہ دار کا اپنے دوستوں' ملاقاتیوں' مہمانوں کا اتارنا' ٹھہرانا' بلانا جائز ہے گو مالک سے لفظوں میں اجازت نہ لی ہو۔ (۵) جب کہ سامنے کسی کے کھانا لا کر رکھا جائے تو اسے کھانا شروع کر دینا جائز ہے' گو اجازت نہ لی ہو۔ (۶) برتن میں سے پانی پی لینا جائز ہے گو اس کے سامنے پیش نہ بھی کیا گیا ہو' نہ اس نے اجازت دی ہو۔ (۷) کسی کے پاخانے میں ضرورت کے وقت حاجت روائی کر لینا جائز ہے گو اس کی اجازت نہ ہو۔ (۸) کسی کے تکیے سے ٹیک لگا لینا جائز ہے گو اجازت نہ لی ہو۔ (۹) کسی نے کوئی چیز بے پروائی سے ڈال دی' اسے کھا لینا جائز ہے گو اس نے اسے دے نہ دی ہو۔ (۱۰) اپنی بیوی کے لحاف' توشک' تکیہ اور برتنوں کو برت سکتا ہے گو اس سے اجازت نہ لی ہو۔ اس کے سوا بھی اور بھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جنہیں صرف قرینۂ حالیہ کی موجودگی کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے جائز کہا ہے۔ جب قرینے کی موجودگی یہاں معتبر ہے تو سیاست شرعیہ میں اس کا اعتبار کیسے نہ ہو گا؟ ان قرائن سے کبھی تو معاملے کا بالکل یقین ہو جاتا ہے' کبھی غالب گمان ہو جاتا ہے جو دو گواہوں کی گواہی سے زیادہ مضبوطی ہوتا ہے۔ اس باب میں ابھی اور بھی بہت کچھ لکھ سکتے ہیں لیکن ہم نے اسی پر بس کیا ہے اور کئی جگہ اس کی تنبیہ کر دی ہے جو ان شاء اللہ کافی ہے۔ اس بحث کو یوں ہم نے طول دیا کہ مفتی اور حاکم کے لیے بہت کچھ

سود مند ہے۔ اب ہم پھر سے نبی ﷺ کے فتووں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ آمین!

کھانے پینے کی چیزوں کی بابت رسول اللہ ﷺ کے فتوے

(۷۵۹) یا رسول اللہ ﷺ لہسن حرام ہے؟ فرمایا نہیں! حرام تو نہیں لیکن اس کی بدبو کی وجہ سے وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ (مسلم)

(۷۶۰) یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارے لیے پیاز حلال ہے؟ فرمایا ہاں حلال ہے لیکن میرے پاس وہ فرشتے آتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آتے۔ (احمد)

(۷۶۱) یا رسول اللہ ﷺ کیا گوہ (جانور) حرام ہے؟ فرمایا نہیں حرام تو نہیں لیکن چونکہ میری قوم کی زمین میں نہیں ہوتا اس لیے مجھے گھن آتی ہے۔ (متفق علیہ)

(۷۶۲) یا رسول اللہ ﷺ گھی' پنیر اور مکھن کی بابت آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا ہے۔ جن سے حق تعالیٰ خاموش رہا ہے وہ اس کا معاف کردہ ہے۔ (ابنِ ماجہ)

(۷۶۳) یا رسول اللہ ﷺ ضبع کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کیا ضبع کو بھی کوئی کھاتا ہے؟

(۷۶۴) یا رسول اللہ ﷺ بھیڑیئے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کیا کوئی بھلائی والا شخص بھیڑیئے کو بھی کھائے گا۔ (ترمذی)

(۷۶۵) یا رسول اللہ ﷺ ضبع کے بارے میں آپ کا ارشادِ عالی کیا ہے؟ فرمایا اسے کون کھاتا ہے؟ یہ یاد رہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ضبع کی حلت ہے اگر وہ حدیث ثابت ہو جائے' اس کی سند سے ذرا دل میں کھٹکا ہے تو دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ ازروئے گھن کے دل کے نہ چاہنے کی وجہ سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے' یہ نہیں کہ حرام کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۷۶۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں' کیا خبر ذبیحہ کے وقت انہوں نے بسم اللہ بھی کہی ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ تم آپ بسم اللہ کہو اور کھالو۔ (بخاری)

(۷۶۷) یہود بطورِ اعتراض پوچھتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے کسی جانور کی جان لیں تو اس کا کھانا حلال اور جسے خود اللہ موت دے دے تو حرام ہو جائے؟ اس پر یہ آیت اتری: ﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ الخ (الانعام: ۱۱۹) یعنی نامِ الٰہی جس کے ذبح کے وقت لیا گیا اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟ (ابوداؤد) اس حدیث میں تو یہود کا ہی ذکر ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ سائل مشرک تھے اور یہی صحیح بھی ہے' اس لیے کہ یہ سورت مکیہ ہے اور اس لیے بھی کہ یہودیوں کے ہاں بھی مردہ جانور حرام ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں۔ پھر وہ یہ سوال کیوں کرتے؟ اور اس لیے بھی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قول ہے: ﴿ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ پس یہ سوال بطورِ مجادلے کے تھے اور یہود کو اس مسئلے میں مجادلے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان نے یہ سوال کیا تھا۔ ممکن ہے اصل سوالِ مشرکین کی طرف سے ہو' کسی مسلمان نے بھی سمجھنے کے لیے اور جواب معلوم کرنے کے لیے آپ سے سوال کر لیا ہو' باقی یہود کا ذکر تو کسی راوی کا وہم ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۷۶۸) یا رسول اللہ ﷺ گوشت کھانے سے میری شہوت بھڑک اٹھتی ہے' اس لیے میں نے گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا ﴾ الخ' (المائدۃ : ۸۷) والو! اللہ کی حلال کردہ پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیا کرو۔ حد سے آگے قدم نہ رکھو ورنہ اللہ کے دشمن ٹھہر جاؤ گے۔ حلال طیب روزی اللہ کا عطیہ ہے کھاؤ پیو۔ (ترمذی)

(۷۶۹) مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کی بستی میں رہتے ہیں۔ وہ لوگ سؤر کا گوشت کھاتے ہیں' شرابیں پیتے ہیں تو ان کے برتنوں کو اور ہنڈیا کو ہم کس طرح استعمال میں لائیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اور برتن تمہیں نہ ملیں تو انہیں دھو کر صاف کر کے ان میں پکا لو۔

(۷۷۰) اچھا نبی ﷺ ہم پر کیا حرام ہے اور کیا حلال ہے؟ فرمایا پالتو گدھوں کا گوشت نہ کھاؤ' کچلیوں والے درندے سب حرام ہیں۔ (مسند احمد)

(۷۷۱) صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہر کچلی والے درندے کا کھانا حرام ہے۔ ان دونوں روایتوں سے ان کی تاویل بالکل کٹ جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ منع فرمانا بطورِ کراہت کے ہے نہ کہ بطورِ حرمت کے یہ تاویل بالکل فاسد اور محض غلط ہے' وباللہ التوفیق۔

(۷۷۲) یا رسول اللہ ﷺ کیا ذبیحہ گلے میں اور نرخرے پر ہی ہوتا ہے؟ فرمایا اگر تو ران میں بھی چرکہ لگا دے تو کافی ہے۔ (ابوداؤد) یہ یاد رہے کہ یہ صورت ذبیحے کی اس جانور کے بارے میں ہے جو کنوئیں میں یا گڑھے میں گر گیا ہو۔ جہاں ضرورت ہو۔ جہاں قدرتِ نہ ہو۔

(۷۷۳) یا رسول اللہ ﷺ اونٹ' بکری یا گائے ہم ذبح کریں اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا ہم اسے پھینک دیں یا کھا لیں؟ فرمایا اگر چاہو تو کھا سکتے ہو' اس کی ماں کا ذبیحہ اسی کا ذبیحہ ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تاویل باطل ہو گئی جو کہتے ہیں کھا تو لیں لیکن ذبح کر کے۔ یہ غلط ہے اس لیے کہ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی ماں کا ذبیحہ اسی کا ذبیحہ ہے اور اس لیے کہ یہ اس کا ایک جزو ہے تو جس طرح اس کے اور اعضاء کو الگ الگ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کی بھی ضرورت نہیں۔

(۷۷۴) یا رسول اللہ ﷺ ہم کل دشمن سے بھڑ جائیں گے' ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم بانس کے ٹکڑوں سے ذبح کر سکتے ہیں؟ فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اس پر نامِ الٰہی بھی لیا جائے اسے کھا لو' ہاں دانت اور ناخن سے ذبیحہ نہ ہو دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشی کی چھری ہے۔ (متفق علیہ)

(۷۷۵) حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سائل ہیں کہ شکار ملا' چھری پاس نہیں تو کیا دھار دار پتھر سے ذبح کر لیں اور نوک دار لکڑی سے ذبیحہ کر لیں؟ فرمایا خون بہا دے اور نامِ الٰہی لے لے۔ (مسند احمد)

(۷۷۶) یا رسول اللہ ﷺ ایک بکری مرنے لگی' لونڈی نے دھار دار پتھر لے کر اسے ذبح کر دیا؟ کیا اس کا کھا لینا جائز ہے؟ آپؐ نے اسے کھا لینے کا حکم دے دیا۔ (بخاری)

(۷۷۷) یا رسول اللہ ﷺ بھیڑیئے نے بکری پر پنجہ مار دیا' اسے دھار دار پتھر سے ہم نے ذبح کر لیا؟ فرمایا جاؤ کھا لو۔ (نسائی)

(۷۷۸) یا رسول اللہ ﷺ پانی ہٹ گیا اور ایک مردہ مچھلی وہاں پڑی پائی؟ فرمایا شوق سے کھاؤ' اللہ نے تمہارے لیے روزی

نکال دی ہے، اگر تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ (متفق علیہ)

شکار کے مسائل

(۷۷۹) حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں شکار بہت ہے، ہم تیر کمان سے ہی شکار کھیلتے ہیں اور اپنے سدھائے ہوئے کتوں سے اور بے سدھائے کتوں سے بھی تو فرمایئے اس میں کیا کیا درست ہے؟ فرمایا جو شکار تیر کمان سے کھیلا ہے اور نامِ الٰہی بھی اس پر ذکر کیا ہے وہ تو کھالے۔

(۷۸۰) جو شکار سدھائے ہوئے کتوں سے کیا ہے اور نامِ الٰہی اس پر لیا ہے وہ بھی کھالے۔

(۷۸۱) اور جو شکار بے سدھائے کتے سے کیا ہے اگر اس کے ذبح کرنے کا موقعہ مل جائے تو کھالو۔ (متفق علیہ) اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ نامِ الٰہی حلت میں شرط ہے۔ یہ دلالت اس کی اس سے بھی زیادہ واضح ہے جتنی دلالت بے سدھائے کتے کے شکار کردہ جانور نہ کھانے کی ہے۔

(۷۸۲) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ میں اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتا ہوں، وہ میرے لیے شکار کو روک رکھتا ہے میں اسے نامِ الٰہی پڑھ کر چھوڑتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا جب تو اپنے سدھائے ہوئے شکاری کتے کو شکار پر چھوڑے اور نامِ الٰہی بھی تو نے لیا ہو تو جس جانور کو وہ پکڑ لے تو اُسے کھا سکتا ہے۔

(۷۸۳) میں نے پھر پوچھا کہ گو کتوں نے اسے مار بھی ڈالا ہو؟ آپؐ نے فرمایا گو مار بھی ڈالا ہو بشرطیکہ اُن میں اُن کا غیر شامل نہ ہوا ہو۔

(۷۸۴) میں نے کہا جو شکار میں اپنے نیزے سے کروں؟ فرمایا جب نوک سے شکار ہوا ہو تو کھا سکتا ہے اور جب وہ اپنی چوڑائی سے لگا ہو تو نہ کھا۔ (متفق علیہ)

(۷۸۵) اس کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ اگر کتے نے شکار پکڑ کر اسے کھالیا ہو تو تُو نہ کھا۔ مجھے ڈر ہے کہ اس صورت میں اس نے تیرے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے ہی شکار کو پکڑا ہے۔

(۷۸۶) اگر شکار پر تیرے چھوڑے ہوئے کتوں کے علاوہ اور کتے بھی لپٹ گئے ہوں تو بھی نہ کھا کیونکہ تُو نے نامِ الٰہی اپنے کتے پر لیا ہے اوروں پر نہیں لیا۔

(۷۸۷) بعض طرق میں ہے کہ جب تو تیر چلائے اللہ کا نام ذکر کر لے اگر شکار تیر کھا کر دو تین روز بعد تجھے ملے تو اس میں اپنے تیر کے نشان کے سوا اور کوئی اثر نہ پائے تو اس کے کھانے کا تجھے اختیار ہے۔

(۷۸۸) اگر تو اُسے پانی میں ڈوبا ہوا پائے تو نہ کھانا کیا پتا غرقابی سے مرا یا تیرے تیر سے؟

(۷۸۹) حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ میرے پاس سدھائے ہوئے شکاری کتے ہیں، میں ان سے شکار کھیلتا ہوں۔ آپؐ نے فتویٰ دیا کہ جس جانور کو وہ تیرے لیے پکڑ لیں تُو اسے کھا سکتا ہے۔

(۷۹۰) پوچھا کہ جب اُسے ذبح کر سکوں تب؟ یا ذبح نہ کر سکوں تب؟ فرمایا دونوں حالتوں میں۔

(۷۹۱) پوچھا اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھالیا ہو تب بھی؟ فرمایا ہاں کھالیا ہو جب بھی۔

(٧٩٢) اچھا یا رسول اللہ ﷺ! تیر کمان کے شکار کا بھی فتویٰ عنایت فرمائیے۔ فرمایا تیر سے کھیلا ہوا شکار بھی کھا سکتے ہو۔

(٧٩٣) پوچھا ذبح کیا ہوا اور بے ذبح کیا ہوا دونوں؟ فرمایا ہاں دونوں۔

(٧٩٤) دریافت کیا کہ گو تیر کھا کر غائب ہو گیا ہو پھر ملے جب بھی؟ فرمایا ہاں پھر بھی لیکن یہ شرط ہے کہ سڑ نہ گیا ہو۔

(٧٩٥) اور اس میں تیرے تیر کے سوا اور کوئی نشان نہ ہو۔ (ابوداؤد) حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے سوال میں جو گزرا ہے کہ اگر کتے نے اس میں سے کھا لیا ہو تو نہ کھا اور اس میں ہے کہ پھر بھی کھا لے۔ ان دونوں فرمان میں تطبیق یہ ہے کہ جب کتا سدھا ہوا نہ ہو اور کھا لے تو نہ کھانا چاہیے اور سدھا ہوا کتا کھا لے تو اس کا وہی حکم ہے جو حکم ذبح کے بعد کھا لینے کا ہے۔

(٧٩٦) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا اُس شکار کے بارے میں جو تین دن کے بعد ملے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا جب تک سڑ نہ جائے کھا سکتے ہو۔

(٧٩٧) ایک گھر کے لوگ جو حرہ میں رہتے تھے اور بہت محتاج و مفلس تھے' ان کے پاس ان کا یا کسی اور کا اونٹ مر گیا تھا۔ انہیں نبی ﷺ نے اس کے کھا لینے کی رخصت دی۔ پس اُس نے ان کی باقی بکریاں بچا لیں۔ (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص مع اپنے اہل و عیال کے حرہ میں اترا۔ اسے کسی اور نے کہا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے اگر مل جائے تو پکڑ لینا' اُسے مل گئی' پکڑ لی لیکن مالک نہیں ملا۔ وہ بیمار پڑ گئی۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اسے نحر کر ڈالو لیکن یہ نہ مانا آخر مر کر پھول گئی۔ اس نے کہا اس کی کھال اتار لو تاکہ ہم چربی کے ٹکڑے کر لیں اور گوشت کھائیں۔ اُس نے کہا نہیں جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کر لوں پھر وہ حاضر خدمت نبوی ﷺ ہوا۔ آپؐ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس اتنا غنا ہے کہ تمہیں بے پروا کر دے؟ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا جاؤ کھاؤ اس کے بعد اس کے مالک سے ملاقات ہوئی' اُس نے سارا قِصّہ سنایا' اس نے کہا تم نے اُسے نحر کیوں نہ کر ڈالا۔ اُس نے جواب دیا آپ کے لحاظ سے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ مضطر مردار کو اپنے لیے روک سکتا ہے۔

(٧٩٨) ایک صحابی نے آپؐ سے دریافت کیا کہ بعض کھانے کی چیزوں سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تیرے دل میں کوئی چیز ایسی نہ کھٹکنی چاہیے جس میں تجھے نصرانیت سے مشابہت ہو جائے۔ (مسند احمد) حقیقی عِلم تو اللہ ہی کو ہے' بظاہر اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ نہی اس سے ہے جو نصرانیوں کے کھانے سے مشابہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں شک نہ کر بلکہ اسے چھوڑ دے۔ پس یہ جواب خاص ہے۔ یہودیوں کو بیان نہ کرنا صرف اس لیے ہے کہ نصاریٰ کسی طعام کو حرام ہی نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں تو ہاتھی سے لے کر مچھر تک سب جانور حلال ہیں۔

مہمان داری کے مسائل

(٧٩٩) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپؐ ہمیں کام کاج کو بھیجتے ہیں۔ ہم کہیں جا کر قیام کرتے ہیں' وہ لوگ ہماری مہمانداری ہی نہیں کرتے تو فرمائیے اُس وقت ہمیں کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تم کسی قوم میں اُترو اور وہ تمہارے لیے وہ انتظام کر دیں جو مہمان کے لیے ہونا چاہیے تو تم قبول کرو اگر نہ کریں تو پھر تم ان کی حیثیت کے مطابق حق مہمانداری وصول کر لو۔ (بخاری)

(۸۰۰) ترمذی شریف میں ہے ہم لوگوں کے پاس اُترتے ہیں وہ نہ ہماری مہمانداری کرتے ہیں' نہ ہمارے وہ حق ادا کرتے ہیں جو اُن پر ہیں اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ انکار کریں مگر یہ کہ تم ان سے مہمانی لو تو لے لو۔

(۸۰۱) ابوداؤد میں ہے ضیافت کی رات ہر مسلمان پر حق ہے اگر اس کے آنگن پر کوئی محروم رہا تو اس پر قرض ہے اگر چاہے تقاضا کرے اگر چاہے چھوڑ دے۔

(۸۰۲) ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی قوم کا مہمان ٹھہرے تو ان پر اس کی مہمانداری ضروری ہے اگر وہ مہمانداری نہ کریں تو اسے حق ہے کہ اپنی مہمانداری جتنا ان سے وصول کر لے بطورِ سزا کے۔ وجوبِ ضیافت کی یہ دلیل ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جس کا کوئی حق کسی پر ہو اور وہ دینے سے انکاری ہو تو اس کے برابر وہ وصول کر سکتا ہے۔ مسئلہ ظفر کی دلیل بھی اسی سے لی گئی ہے لیکن دراصل اس کی کوئی دلیل اس میں نہیں کیونکہ یہاں پر تو سبب حق ظاہر ہے لینے والے پر کسی قسم کا الزام نہیں آ سکتا جیسے کہ ہند اور ابوسفیان کے قصے میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

(۸۰۳) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ آپؐ سے سوال کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ہاں میں گیا اور اس نے میری مہمانی نہیں کی۔ اب وہ میرے ہاں آئے تو میں بھی اس کی مہمانی نہ کروں' اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ نہیں ایسا نہ کر بلکہ اس کی مہمانی کر۔

(۸۰۴) کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میلی کچیلی حالت میں دیکھ کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا ہاں ہر قسم کا مال ہے۔ اللہ نے مجھے اپنی مہربانی سے اونٹ' بکریاں وغیرہ دے رکھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کا اثر بھی تجھ پر ظاہر ہونا چاہیے۔ (ترمذی)

(۸۰۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کے لیے تکلف کب تک کرنا چاہیے؟ فرمایا ایک دن رات۔

(۸۰۶) اور ضیافت تین دن رات اس کے بعد صدقہ ہے۔

(۸۰۷) اور کسی کو حلال نہیں کہ دوسرے کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اُسے مشکل پڑ جائے اور وہ اُکتا جائے۔ (متفق علیہ)

عقیقہ

(۸۰۸) عقیقے کی بابت آپؐ سے سوال ہوا تو گویا آپؐ نے یہ نام مکروہ رکھا۔

(۸۰۹) اور فرمایا : جس کے ہاں بچہّ تولد ہوا اور وہ ذبیحہ کرنا پسند کرے تو کر لے۔ (مسند احمد)

(۸۱۰) اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا عقوق کو اللہ پسند نہیں فرماتا گویا کہ اس نام کو آپؐ نے مکروہ سمجھا۔

(۸۱۱) تو لوگوں نے کہا کہ ہم' ہمارے ہاں جو بچے ہوتے ہیں ان کی بابت سوال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جس کے بچہّ ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی دینا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

پانی اور شراب کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے

(۸۱۲) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سانس سے مجھے تو آسودگی حاصل نہیں ہوتی؟ فرمایا پیالہ منہ سے دور کر کے سانس لے لیا کر۔

(۸۱۳) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پانی میں کوئی کوڑھا دیکھوں تو؟ فرمایا گرا دے۔ (مالک)

(۸۱۴) ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے پانی میں سانس چھوڑنے سے منع فرمایا تو ایک صاحب نے کہا اگر پانی کے برتن میں کوئی کوڑھا نظر آئے تو؟ فرمایا اُسے بہا دو' اُس نے کہا ایک سانس میں میں سیر نہیں ہوتا تو فرمایا پھر برتن مُنہ سے جدا کر دیا کر۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۸۱۵) یا رسول اللہ ﷺ تبع کی بابت کیا فرمان ہے؟ فرمایا جو پینے کی چیز نشہ لائے وہ حرام ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۸۱۶) حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ آپؐ سے شراب بنانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپؐ نے انہیں منع فرما دیا۔

(۸۱۷) انہوں نے کہا میں دوا کے لیے بناتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

(۸۱۸) ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا کہ ہمارے ہاں یمن میں ایک شراب بنتی ہے جسے مزر کہا جاتا ہے' اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے پوچھا کیا اس میں نشہ ہوتا ہے؟ جواب دیا جی ہاں نشہ ہوتا ہے۔ فرمایا نشے والی ہر چیز حرام ہے اور حضرت حق تبارک و تعالیٰ نے عہد کیا ہے کہ جو نشے کی چیز پیے گا اللہ تعالیٰ اُسے طینۃ الخبال پلائے گا۔

(۸۱۹) یا رسول اللہ ﷺ! طینۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا پسینہ' ان کا نچوڑ۔

(۸۲۰) قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آپؐ سے پوچھتا ہے کہ ہم اپنے ہاں کے پھلوں کی ایک شراب بناتے ہیں' اُس کے پینے میں جناب ﷺ کا فتویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے اُس سے مُنہ پھیر لیا۔ اُس نے تین بار یہی سوال کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ بعد از فراغت آپؐ نے فرمایا اسے نہ خود پی نہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو پلا۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یا فرمایا اُس کی قسم جس کی ذات قسم کھائے جانے کے لائق ہے کہ جو شخص نشے کی لذت حاصل کرنے کی غرض سے اسے پیے گا وہ جنت کی شرابِ طہور سے محروم رہے گا۔ (مسند احمد)

(۸۲۱) یا رسول اللہ ﷺ شراب کا سرکہ بنالیا جائے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ (مسلم)

(۸۲۲) حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دریافت کرتے ہیں کہ چند یتیموں کو ورثے میں شراب ملی ہے؟ فرمایا اسے بہا دو۔

(۸۲۳) پوچھا سرکہ نہ بنالیں؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ (مسند احمد) ایک روایت میں ہے کہ ایک یتیم آپ کی پرورش میں تھا' اُس کی طرف سے اس کے پیسوں سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے شراب خرید کی تھی۔ جب حرمت شراب کے احکام نازل ہوئے تو نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم اس کا سرکہ نہ بنالیں؟ آپؐ نے منع فرما دیا۔

(۸۲۴) یا رسول اللہ ﷺ ہم نبیذ بناتے ہیں' صبح و شام کھانا کھانے کے بعد اُسے پیا کرتے ہیں' فرمایا پیو لیکن نشے سے بچو۔

(۸۲۵) انہوں نے پھر سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا نشے والی چیز سے اللہ کی ممانعت ہے خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت ہو۔ (دار قطنی)

(۸۲۶) حضرت عبداللہ بن فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے ہاں انگور کے باغات بکثرت ہیں' شراب منع ہو چکی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟ فرمایا کشمش بنالیا کرو۔

(۸۲۷) پھر کشمش کا کیا کریں؟ فرمایا صبح بھگو لو اور شام کو پی لو' شام کو بھگو لو اور صبح کو پی لو۔

(۸۲۸) یا رسول اللہ ﷺ ہم جن میں سے ہیں آپ کو معلوم ہے' جن میں ہیں وہ بھی آپؐ جانتے ہیں۔ فرمایئے ہمارا والی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ اور اُس کا رسول (ﷺ) پھر تو راضی ہو کر کہنے لگے بس یا رسول اللہ ﷺ اللہ کافی ہے۔

قسموں اور نذروں کی بابت رسول اکرم ﷺ کے فتوے

(۸۲۹) یا رسول اللہ ﷺ جاہلیت کا زمانہ ابھی ابھی ہم نے چھوڑا ہے۔ اسی پرانی عادت کے مطابق میری زبان سے لات و عزیٰ کی قسم نکل گئی ہے تو اب کیا کرنا چاہیے؟ جواب لا إلہ الاّ اللہ وحدہ لا شریک لہ تین مرتبہ پڑھ لو۔ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دو' پھر اعوذ پڑھ لو' خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا۔ سائل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ (مسند احمد)

(۸۳۰) نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی قسم سے کسی مسلمان کا حق مارے اس پر جنت حرام ہے اور اس کے لیے دوزخ واجب ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ گو کوئی حقیری چیز ہو؟ فرمایا گو پیلو کی مسواک ہی ہو۔ (مسلم)

(۸۳۱) ایک صحابی رضی اللہ عنہ رات کو دیر تک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ٹھہرے رہے۔ جب اپنے گھر گئے تو دیکھا کہ بچے بھوکے سو گئے ہیں' گھر والوں نے کھانا لا کر سامنے رکھا تو انہوں نے کھانا نہ کھانے پر قسم کھالی کہ تم نے بچوں کو بھوکا سلایا' پھر کچھ دیر بعد انہوں نے کھا لیا۔ نبی ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا جو شخص کوئی قسم کھا چکے پھر اس کے الٹ میں کوئی بہتری دیکھے تو وہ بہتری والا کام کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ (مسلم)

(۸۳۲) مالک بن فضیلہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ میرے چچا زاد بھائی میری حاجت کے وقت مجھے کچھ دینا تو درکنار مجھ سے مُنہ پھیر لیتے ہیں پھر اپنی حاجت کے وقت بے کھٹکے میرے پاس چلے آتے ہیں' اب تو میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ نہ انہیں دوں گا' نہ اُن سے سلوک کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ کر جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔

(۸۳۳) حضرت سید بن حنظلہ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہما اپنی قوم کے ساتھ خدمت نبوی کے ارادے سے چلے۔ راستے میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو اُن کے دشمنوں نے گرفتار کر لیا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ انہوں نے انھیں چھوڑ دیا۔ جب نبی ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا ان سب سے زیادہ نیک سلوک اور زیادہ سچا تو ہے مسلمان مسلما کا بھائی ہے۔ (مسند احمد)

(۸۳۴) نبی ﷺ سے اُس شخص کی بابت سوال کیا گیا جس نے نذر مانی تھی کہ دھوپ میں ہی کھڑا رہے گا' بیٹھے گا نہیں' روزہ رکھے چلا جائے گا' بے روزہ رہے گا ہی نہیں' سایہ میں نہ بیٹھے گا' نہ کسی سے بات چیت کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ اُسے حکم کرو سایہ حاصل کرے' بول چال شروع کر دے' بیٹھ جائے۔ ہاں! روزہ پورا کرے۔ (بخاری) یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ جس نے ایسی نذر مانی ہو جس میں کچھ حصہ مطابق شرع ہو کچھ خلافِ شرع ہو تو جتنا حصہ مطابق ہے اسے پورا کرے جتنا حصہ خلاف ہے اسے پورا نہ کرے۔ یہی حکم وقف کی شرطوں کا ہے۔

(۸۳۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا کہ مسجد حرام میں ایک رات کے اعتکاف کی میں نے جاہلیت کے زمانے میں نذر مانی تھی۔ آپؐ نے انھیں نذر پوری کرنے کا حکم فرمایا۔ (متفق علیہ) اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں لیکن ان کے لیے یہ روایت دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس کے بعض الفاظ میں ذکر ہے کہ دن رات کے اعتکاف کی میں نے نذر مانی ہے۔ انہیں روزے کا حکم نہ دینا اس لیے تھا کہ یہ بات معلوم و

معروف ہے کہ مشروع اعتکاف روزے کی حالت میں ہی ہے۔ پس مطلق محمول ہو گا مشروع پر۔

(۸۳۶) ایک عورت نے پیدل ننگے پاؤں' ننگے سر حج بیت اللہ کرنے کی نذر مانی تھی تو آپؐ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو لے اور سر ڈھک لے اور تین روزے رکھ لے۔ (مسند)

(۸۳۷) صحیحین میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری ہمشیرہ نے پیادہ پا حج کرنے کی منت مانی تھی پھر اس نے مجھے کہا کہ میں رسولِ اکرم ﷺ سے فتویٰ پوچھ لوں۔ آپؐ نے فرمایا وہ چلیں بھی اور سوار بھی ہوں۔

(۸۳۸) مسند میں ہے کہ وہ کمزور تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے۔ وہ سواری پر جائے اور ایک قربانی دے۔

(۸۳۹) خطبہ پڑھتے ہوئے رسولِ مقبول ﷺ کی نظر ایک اعرابی پر پڑی جو دھوپ میں کھڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا میں نے نذر مانی ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خطبے سے فارغ نہ ہو لیں میں دھوپ میں ہی کھڑا رہوں گا۔ آپؐ نے فرمایا یہ نذر نہیں' نذر صرف اُن اُمور میں ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جستجو ہو۔ (مسند احمد)

(۸۴۰) نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک بوڑھے کو دو شخص تھامے ہوئے لیے جا رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ اپنے نفس کو عذاب کرے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے۔ آپؐ نے اُسے سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ (متفق علیہ)

(۸۴۱) دو شخصوں کو ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے سبب دریافت فرمایا' معلوم ہوا کہ ان کی نذر اس طرح کی ہے۔ فرمایا یہ کوئی نذر نہ ہوئی۔ نذر تو صرف اسی میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی مطلوب ہو۔ (مسند احمد)

(۸۴۲) یا رسول اللہ ﷺ میری ماں فوت ہو گئی اور ان کے ذمے نذر کے روزے رہ گئے ہیں۔ فرمایا اس کے ولی ادا کر لیں۔ (ابنِ ماجہ)

(۸۴۳) یہ فرمان بھی صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ جو مر جائے اور اس کے ذمے روزے رہ گئے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھ لے۔ پس ایک گروہ کا خیال ہے کہ نذر کے روزے ہوں یا فرض روزے ہوں سب عام طور پر اسی حکم میں داخل ہیں۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ دونوں قسم کے روزے ولی ادا نہیں کر سکتے۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ نذر کے روزے رکھ سکتے ہیں' اصلی فرض کے نہیں رکھ سکتے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی فتویٰ ہے اور ہے بھی یہی صحیح ہے اس لیے کہ فرض روزے فرض نماز کی طرح ہیں پس جس طرح نماز کوئی کسی کے بدلے پڑھ نہیں سکتا' جس طرح اسلام کوئی کسی کے بدلے لا نہیں سکتا' اسی طرح روزے بھی کوئی کسی کے بدلے رکھ نہیں سکتا۔ نذر تو مثل قرض کے اپنے ذمے ایک چیز کا لازم کر لینا ہے۔ پس اس میں ولی کی قضا بھی مقبول ہے جیسے قرض کی ادائیگی میں اس کی ولایت مقبول ہے۔ یہ بالکل فقہ ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق اس کی طرف سے حج بھی نہ کیا جائے اور زکوٰۃ بھی ادا نہ کی جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ تاخیر میں معذور ہو جیسے کہ ولی اُن روزوں کے بدلے کھانا کھلا سکتا ہے جو بوجہ عذر کے چھوٹ گئے ہوں لیکن جس نے قصور کیا ہو اور بلا عذر ترک کر دیئے ہوں اسے دوسرے کی ادائیگی فرائض الٰہی کے

بارے میں مطلقاً نفع نہ دے گی' اللہ کا حکم اسی پر تھا اور وہ صرف امتحاناً اور بطورِ آزمائش تھا اس کے ولی کو یہ حکم نہ تھا' پس ایک کی توبہ' دوسرے کو ایک کا اسلام' دوسرے کو ایک کی نماز' دوسرے کو اسی طرح اور فرائض ایک کے دوسرے کو فائدہ نہ دیں گے جب کہ مرنے والے نے قصور کی وجہ سے' بے پروائی اور لا اُبالی کی وجہ سے مرتے دم تک انہیں ادا ہی نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

(٨٤٤) ایک عورت کہتی ہے کہ میں نے تو نذر مانی ہے کہ آپؐ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ آپؐ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لے۔

(٨٤٥) میں نے نذر مانی ہے کہ فلاں جگہ جانور ذبح کروں' وہاں اہل جاہلیت ذبیحہ کیا کرتے ہیں۔ پوچھا کسی بُت کے لیے؟ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا کسی اور پوجے جانے کی چیز کے لیے؟ کہا نہیں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کر لے۔ (ابوداؤد)

(٨٤٦) یا رسول اللہ ﷺ میں نے بوانہ نامی جگہ ایک اونٹ کے نحر کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہاں جاہلیت کے زمانے میں بت پرستی تو نہیں ہوتی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا وہاں ان کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟ لوگوں نے اس کا بھی انکار کیا تب آپؐ نے فرمایا جاؤ اپنی نذر پوری کرو۔ یاد رکھو اللہ کی نافرمانی میں اور جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس میں نذر کوئی چیز نہیں۔ (ابوداؤد)

فصل: رسول اللہ ﷺ کے جہاد کے فتوے

(٨٤٧) یا رسول اللہ ﷺ ظالم سرداروں سے ہم لڑیں؟ فرمایا جب تک وہ نماز کو قائم رکھیں ان سے لڑائی نہ کرو۔

(٨٤٨) تمہارے بہتر سردار وہ ہیں جن سے تم محبت رکھو اور جو تم سے محبت رکھیں تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے۔ تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تم سے بغض رکھیں تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

(٨٤٩) پھر یا رسول اللہ ﷺ! ہم انہیں الگ ہی نہ کر دیں؟ فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں نماز کو قائم رکھیں' تم انہیں الگ نہ کرو۔

(٨٥٠) پھر فرمایا سنو جس پر جو والی بنا دیا گیا ہو' پھر وہ اُسے اللہ کی کسی معصیت کو کرتے دیکھے تو اس کی اس نافرمانی کو برا جانے لیکن اطاعت سے دستبردار نہ ہو۔ (مسلم)

(٨٥١) فرماتے ہیں تم پر سردار مقرر کیے جائیں گے کہ تم ان میں اچھائیاں' بُرائیاں دونوں پاؤ گے۔ پس جو شخص مکروہ سمجھے وہ بری ہوگیا' جو انکار کرے وہ سلامتی میں آگیا لیکن جو راضی رہے اور تابعداری کرے تو لوگوں نے پوچھا پھر ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ (مسلم) مسند میں ہے جب تک وہ پانچوں نمازیں پڑھتے رہیں۔

(٨٥٢) یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم پر امیرو سردار ایسے ہوں کہ ہمیں ہمارے حق نہ دیں اور ہم سے اپنے حق طلب کریں؟ فرمایا تم سنو اور مانو' اُن پر وہ ہے جو انہوں نے اٹھایا اور تم پر وہ ہے جو تم پر لادا گیا ہے۔ (ترمذی)

(٨٥٣) فرماتے ہیں میرے بعد حقداروں پر غیر مستحقین کو ترجیح ہو جائے گی اور ایسے کام ہوں گے جنہیں تم برا مانو گے پھر یا

رسول اللہ ﷺ ہم میں سے جو اسے پائے اس کے لیے آپؐ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جو حق تم پر ہے اسے ادا کرو اور جو حق تمہارا ہے اسے اللہ سے طلب کرو۔ (متفق علیہ)

(۸۵۴) یا رسول اللہ ﷺ مجھے وہ عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو؟ فرمایا میں تو ایسا کوئی عمل نہیں پاتا۔ پھر فرمانے لگے کیا تجھ سے یہ ہو سکے گا کہ مجاہد کے گھر سے نکلتے ہی تو مسجد میں چلا جائے اور بے تھکے قیام میں برابر مشغول ہی رہے' روزے رکھتا چلا جائے' کسی دن نہ چھوڑے۔ اُس نے کہا یہ طاقت کسے ہے؟ فرمایا راہِ الٰہی کے مجاہد کی مثال اُس شخص جیسی ہے جو صیام و قیام میں اور اللہ کے احکام کی بجا آوری میں ہی مشغول رہے۔ بالکل نہ تھکے' نہ غفلت کرے یہاں تک کہ مجاہد لوٹ کر واپس اپنے گھر پہنچ جائے۔ (مسلم)

(۸۵۵) یا رسول اللہ ﷺ سب سے افضل کون شخص ہے؟ فرمایا مؤمن مجاہد جو جان و مال راہِ الٰہی میں لٹا دے۔

(۸۵۶) پوچھا اُس کے بعد؟ فرمایا وہ جو کسی گھاٹی میں ہو' اللہ سے ڈرتا ہو اور لوگوں کی ایذاء رسانی سے الگ ہو۔ (متفق علیہ)

(۸۵۷) یا رسول اللہ ﷺ اگر میں راہِ الٰہی میں قتل کیا جاؤں صبر کے ساتھ طلب ثواب کی نیت سے آگے بڑھتا ہوا نہ کہ پیچھے ہٹتا ہوا تو کیا اللہ ربّ العالمین میری تمام خطائیں معاف فرما دے گا؟ فرمایا ہاں! پھر دریافت کیا کہ تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس نے پھر سے دوہرایا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! مگر قرض۔ ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے پوشیدہ یہ فرما دیا۔ (مسند احمد)

(۸۵۸) یا رسول اللہ ﷺ آخر کیا وجہ ہے کہ تمام مؤمنوں کی قبر میں آزمائش ہوتی ہے' مگر شہیدوں کی نہیں ہوتی؟ فرمایا تلوار کی چمک نے اس کی آزمائش پوری کر لی ہے۔ (نسائی)

(۸۵۹) اے محترم رسولِ کریم ﷺ! تمام شہیدوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا جو صف میں آنے کے بعد اپنا منہ پھیرے بغیر راہِ الٰہی میں کھپ جائے۔ یہ جنت کے اعلیٰ بالا خانوں میں براجمان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہنس کر اس کی طرف دیکھتا ہے اور جب اس کی نظر ہنسی کے ساتھ کسی بندے پر پڑ گئی تو وہ حساب کتاب سے پاک و صاف ہو گیا۔ (مسند احمد)

(۸۶۰) اللہ کے رسول ﷺ کا کیا فتویٰ ہے کہ ایک شخص بہادری دکھانے کے لیے' دوسرا حمایت قومی میں' تیسرا ریا کاری سے میدانِ جنگ میں لڑ رہا ہے تو راہِ اللہ میں لڑنے والا کون ہے؟ فرمایا جو کوئی اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرے وہ ہے راہِ اللہ میں۔ (متفق علیہ)

(۸۶۱) ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص شہرت کے لیے' ایک شخص اپنی بڑائی کے لیے' ایک شخص مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے' ایک شخص اپنی بہادری کے جھنڈے بلند کرنے کے لیے لڑ رہا ہے تو راہِ الٰہی کا مجاہد کون ہے؟ فرمایا وہ جو کلمۂ الٰہی کو بلند کرنے کے لیے لڑے وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

(۸۶۲) اللہ کے رسول ﷺ اس سوال کے جواب میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص راہِ الٰہی کا جہاد کرتا ہے لیکن وہ دنیا کا فائدہ ٹٹول رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ ثواب سے محروم ہے۔ لوگوں کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور اس سائل سے کہا کہ دوبارہ پوچھو شاید تم اپنا مطلب واضح نہیں کر سکے۔ اس نے پھر پوچھا آپؐ نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ لوگوں نے اس سے پھر یہی کہا۔ اس نے سہ بارہ پوچھا۔ تیسری بار بھی نبی ﷺ نے یہی فرمایا کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ (ابوداؤد)

(۸۶۳) یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص غزوہ کرتا ہے' اجر و ذکر دونوں چاہتا ہے' اُسے کیا ملے گا؟ فرمایا اُسے کچھ نہ ملے گا۔ تین

مرتبہ اُس نے اپنا سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ یہی جواب پایا۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کے لیے خالص ہو اور اس سے اسی کی رضا جوئی مطلوب ہو۔ (نسائی)

(۸۶۴) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ نبوت میں سوال لاتی ہیں کہ مرد تو جہاد کرتے ہیں' عورتوں کے لیے جہاد نہیں' عورتیں میراث میں بھی مردوں سے نصف پر ہیں تو یہ آیت اتری : ﴿ وَلاَ تَتَمَنَّوْا بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ الخ' (نساء : ۳۲) یعنی جو فضیلت و بزرگی اللہ نے ایک کو ایک پر دے رکھی ہے اس کی تمنائیں نہ کیا کرو' الخ (مسند احمد)

(۸۶۵) نبی ﷺ سے شہیدوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ جو راہِ الٰہی میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے' جو راہِ الٰہی میں مارا جائے وہ شہید ہے' جو طاعون میں مر جائے وہ شہید ہے جو پیٹ کی بیماری میں مر جائے وہ شہید ہے۔



دوا اور علاج کی بابت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے

(۸۶۶) ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم دوا کریں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ سنو! اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں اُن کے علاج بھی پیدا کیے ہیں جو انہیں جانتے ہیں جانتے ہیں جو انجان ہیں انجان ہیں۔ (مسند احمد)

(۸۶۷) سنن میں ہے کہ اعراب کے اس سوال پر آپؐ نے فرمایا اے اللہ کے بندو علاج کرایا کرو، اللہ نے جو بیماری رکھی ہے اس کی شفا بھی رکھی ہے سوائے ایک بیماری کے۔

(۸۶۸) یا رسول اللہ ﷺ! وہ بیماری کیا ہے؟ فرمایا بڑھاپا۔

(۸۶۹) نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جو دَم جھاڑ ہم کراتے ہیں، جو دوا علاج کراتے ہیں اور جو بچاؤ کی تدبیریں کرتے ہیں کیا ان سے تقدیر میں کچھ ردوبدل ہو جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا خود وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ (ترمذی)

(۸۷۰) یا رسول اللہ ﷺ کیا دوا اور علاج کوئی فائدہ کرتا ہے؟ فرمایا سبحان اللہ! وہ کون سی بیماری ہے جس کی شفا اللہ تعالیٰ نے مقرر نہ فرمائی ہو۔ (مسند احمد)

(۸۷۱) یا رسول اللہ ﷺ آپؐ کی امت کے جو ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں جائیں گے وہ کون ہیں؟ فرمایا جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، جو شگون نہیں لیتے، جو داغ نہیں لگواتے، جو اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۸۷۲) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آلِ عمرو بن حزم نے خدمت نبوی ﷺ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں دَم کرنا یاد تھا جس سے ہم بچھو اتارا کرتے تھے۔ اب آپؐ نے دم کرنے سے روک دیا ہے۔؟ آپؐ نے فرمایا جو پڑھ کر دم کرتے تھے مجھے سناؤ۔ انھوں نے سنایا تو آپؐ نے فرمایا اس میں کوئی کلمہ خلاف نہیں جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے وہ کرے۔

(۸۷۳) حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے استفسار کیا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میرے بدن میں اس جگہ درد ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہیں اپنا ہاتھ رکھ لو اور یہ پڑھو۔ تین دفعہ بسم اللہ اور سات دفعہ ((اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَّا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ)) (مسلم)

(۸۷۴) یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آزمائش والا کون ہے؟ فرمایا انبیاء علیہم السلام، پھر ان سے کم درجے کے لوگ، پھر ان سے کم درجے والے انسان کی آزمائش اس کے دین کے اندازے پر ہوتی ہے۔ اگر وہ کمزور دین والا ہے تو ویسی ہی اُس کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ انسان پر مصیبتیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلنے پھرنے لگتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی خطا نہیں ہوتی۔ (احمد و ترمذی)

(۸۷۵) ابنِ ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ بلاؤں والے کون ہیں؟ فرمایا انبیاء علیہم السلام۔

(۸۷۶) یا رسول اللہ ﷺ اس کے بعد کون؟ فرمایا نیک صالح لوگ۔ ان میں سے ایک ایک کی فقیری کے ساتھ یہاں آزمائش ہوتی تھی کہ اُسے سوائے عبادت کے کوئی اور چیز میسر نہیں آتی تھی۔ سنو! وہ تو بلاؤں میں ایسے خوش رہتے تھے جیسے تم عافیت میں خوش رہتے ہو۔ (ابنِ ماجہ)

(۸۷۷) یا رسول اللہ ﷺ یہ جو بیماریاں ہمیں آتی رہتی ہیں ان میں ہمیں کوئی اجر بھی ملتا ہے؟ فرمایا ہاں! یہ تمہارے گناہوں

کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

(۸۷۸) اس پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ گو تھوڑی سی ہی ہو؟ آپؐ نے فرمایا گویا کانٹا ہی لگا ہو یا اس سے بھی کم ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس پر دعا کی کہ مجھے ہمیشہ بخار رہے لیکن ایسا کہ حج سے' عمرے سے' راہِ الٰہی کے جہاد سے' جماعت کی فرض نماز سے میں محرومنہ رہ جاؤں۔ پس آپ کو آخری وقت تک جو انسان ہاتھ لگاتا تو بدن میں بخار موجود پاتا۔ (مسند احمد)

(۸۷۹) بدویوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات شروع کیے کہ کیا اس میں کوئی حرج ہے' کیا فلاں بات میں کوئی حرج ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے بندو اللہ تعالیٰ نے سب حرج ہٹا دیئے ہیں' حرج صرف اس پر ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی کسی طرح کی آبروریزی کرے' یہ حرج کی بات ہے۔

(۸۸۰) یا رسول اللہ ﷺ کیا دوا علاج میں کوئی گناہ ہے؟ فرمایا اے اللہ کے بندو دوا علاج کرو' اللہ نے جو بیماری رکھی ہے اس کی شفا بھی رکھی ہے سوائے بڑھاپے کے۔

(۸۸۱) پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بہترین چیز جو اللہ کی طرف سے بندے کو عطا ہوئی ہو کیا ہے؟ فرمایا اچھے اخلاق۔ (ابن ماجہ)

(۸۸۲) رسول اللہ ﷺ سے جھاڑ پھونک کی نسبت سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اپنے جھاڑنے پھونکنے کو میرے سامنے پیش کرو۔ پھر فرمایا جس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

(۸۸۳) ایک طبیب نے نبی ﷺ سے مینڈک کو دوا میں ڈالنے کی بابت سوال کیا تو آپؐ نے انہیں اس کے قتل سے منع فرما دیا۔ (سنن)

(۸۸۴) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آپؐ سے جوئیں پڑ جانے کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ریشمی کرتہ پہننے کی اجازت دی۔ (صحیح بخاری)

(۸۸۵) نبی ﷺ نے فتوی دیا ہے کہ جو طب نہ جانتا ہو اور پھر علاج کرے وہ ذمہ دار ہے۔ اس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ماہر طبیب ہو پھر اس سے کسی کے علاج میں خطا ہو جائے تو اس کی پکڑ نہیں۔

(۸۸۶) حج کے راستے میں پیدل چلنے والوں نے آپؐ سے اپنے تھک جانے اور کمزور ہو جانے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا چھوٹے چھوٹے قدموں سے کچھ دیر تیز چل لیا کرو' اس سے تمہیں کچھ مدد مل جائے گی' چنانچہ لوگوں نے ایسا کیا اور ہلکا پن بھی انہیں محسوس ہوا۔ ابن مسعود دمشقی نے تو اس روایت میں حوالہ صحیح مسلم کا دیا ہے' لیکن یہ حدیث مسلم شریف میں نہیں ہے' بلکہ یہ مسلم والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مطول حدیث میں زیادتی ہے جو صفت حج نبی میں مروی ہے۔ ہاں! اسناد اس کی بھی حسن ہے۔

(۸۸۷) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے کہا کہ جعفرؓ کی اولاد کو تو نظر بہت جلد لگ جایا کرتی ہے' کیا دَم کرنے کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو نظر سبقت کر جاتی۔ (مسند احمد)

(۸۸۸) مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں بچوں کو لے کر ان کے کھلانے والی نبی ﷺ کے پاس آئی تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ بچے اتنے کمزور کیوں ہیں؟ انھوں نے کہا نبی ﷺ انھیں تو لپک کر نظر لگتی ہے اور ہم اس لیے دَم نہیں کراتے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپؐ کی مرضی کے مطابق ہو یا نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا دَم کر لیا کرو'

اگر کوئی چیز مقدر سے آگے بڑھ جانے والی ہوتی تو نظر ہوتی۔

(۸۸۹) جس پر جادو کیا گیا ہو اُس پر سے جادو ہٹانے کی بابت رسولِ اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا یہ شیطانی کام ہے۔ (مسند احمد و ابوداؤد) جادو کا اتروانا دو قسم پر ہے ایک تو جادو کو اسی جیسے جادو سے اتروانا' یہ شیطانی فعل ہے۔ جادو شیطان کا کام ہے جب اتارنے والا اور اتروانے والا اس سے نزدیکی کرتا ہے تو وہ اپنا عمل اس پر باطل کر دیتا ہے جس پر جادو کیا گیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جادو کو جائز دَم سے اور اعوذ پڑھنے سے اور دعاؤں سے اور دواؤں سے اتارا جائے یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جادوگر ہی جادو کھولتا ہے' اس سے مراد بھی پہلی قسم ہے جو بری قسم ہے۔

(۸۹۰) رسول اللہ ﷺ سے طاعون کی نسبت پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا یہ وہ عذاب ہے جو تم سے پہلے کے لوگوں پر بھیجا گیا تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے جو شخص کسی شہر میں ہو اور وہاں طاعون آ جائے پھر بھی وہیں ٹھہرا رہے۔ صبر کے ساتھ طلب ثواب کی نیت سے یہ یقین کر کے کہ اللہ نے اس کی قسمت میں جو لکھا ہے وہی اسے پہنچے گا تو اسے شہید کا ثواب ملتا ہے۔ (بخاری)

(۸۹۱) حضرت قردہ بن مسیک رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کہا کہ اے نبی ﷺ جہاں ہم رہتے ہیں اور جہاں ہمارا کام کاج وغیرہ ہے وہ جگہ بڑی وبائی جگہ ہے' وہاں سخت وباء ہے۔ آپؐ نے فرمایا پھر اسے چھوڑ دو' قرف میں تو برباد ہونا ہے۔ سبحان اللہ اس حدیثِ شریف میں تندرستی کا زبردست گر بتلا دیا گیا ہے۔ زمین اور ہوا کی صلاحیت حاصل کرنا سمجھایا گیا ہے جیسے کہ پانی اور غذا کی صلاحیت ضروری چیز ہے۔ ان چاروں کی صلاحیت سے بدن بھی صلاحیت والا ہو جاتا ہے اور تندرستی بفضلہٖ قائم رہتی ہے۔

(۸۹۲) نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ شگون کوئی چیز نہیں۔ بہترین شگون نیک فالی ہے' لوگوں نے دریافت کیا کہ فال کیا ہے؟ فرمایا نیک کلمہ جسے تم میں سے کوئی سُن لے۔ (متفق علیہ)

(۸۹۳) اور روایت میں ہے کہ ایک بیماری دوسرے کو نہیں لگتی' نہ شگون کوئی چیز ہے ہاں مجھے فال اچھی لگتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا فال کیا ہے؟ فرمایا نیک کلمہ۔

(۸۹۴) جب آپؐ نے یہ فرمایا کہ بیماری میں تعدی نہیں ہوتی اور شگون بھی کوئی چیز نہیں۔ نہ ھامہ کوئی چیز ہے تو ایک شخص نے آپؐ سے دریافت کیا کہ اونٹوں میں کھجلی والا اونٹ آ کر مل جائے تو سب کو کھجلی ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ بیماری کا متعدی ہونا نہیں بلکہ تقدیر میں یوں ہی تھا ورنہ بتلاؤ پہلے والے کو کس نے کھجلی کی؟ (مسند احمد) جو لوگ اسباب کے منکر ہیں ان کے لیے یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی اس میں تو تقدیر کا اثبات ہے اور کل اسباب کا فاعل اوّل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے اس لیے کہ اگر سبب اپنے سے اگلے سبب کی طرف پھر وہ اس سے اگلے کی طرف اس طرح چلا ہی جائے تو اسباب کا تسلسل لازم آئے گا جو ممتنع ہے۔ پس نبی ﷺ نے اس تسلسل کو یہ فرما کر توڑ دیا کہ پہلے کھجلی والے اونٹ پر کس کی بیماری نے تعدی کی؟ اس لیے کہ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ اسے کسی اور کی خارش لگی تو پھر سوال ہو گا کہ اسے کس کی لگی' اسی طرح تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے۔

(۸۹۵) ایک عورت نے آپؐ سے کہا' نبی ﷺ! ہم نے ایک نئے گھر میں رہنا شروع کیا ہے۔ ہماری تعداد یہاں آنے کے

وقت بہت تھی لیکن یہاں آ کر تعداد بھی کم ہو گئی اور مال میں بھی کمی آ گئی۔ آپؐ نے فرمایا پھر اُسے برائی والا کر کے چھوڑ دو۔ (مالک مرسلاً)

(۸۹۶) یہ حدیث اس حدیث کے موافق ہے جس میں ہے کہ اگر کسی چیز میں بدشگونی ہے تو تین چیزوں میں ہے گھوڑا، گھر اور عورت۔ اس میں باریک اسباب کے اثبات کی دلیل ہے جو عموماً لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتا۔ ہاں! جب اس کا عمل ہو جائے تب نگاہ وہاں تک پہنچتی ہے۔ بہت سے ایسے اسباب بھی ہیں جن کا اسباب ہونا اس وقت معلوم ہوتا ہے جب ان کا اثر ظاہر ہو جائے۔ یہ باریک اور پوشیدہ اسباب ہیں۔ ان کے برخلاف ایسے اسباب بھی ہیں جن کی سببیت بالکل ظاہر ہے۔ لوگوں کا یہ قول اسباب خفی میں ہے کہ فلاں منحوس طالع کا آدمی ہے فلاں کے قدم بے برکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اسی پوشیدہ سبب کی طرف اشارہ کیا ہے اس شق کو باطل نہیں کیا۔ آپؐ کے اس فرمان کا کہ اگر کسی چیز میں بدشگونی ہے تو ان تین میں ہے یہ مطلب ہے کہ ان میں ہے یہ مراد نہیں کہ اور کسی میں نہیں۔ جیسے آپؐ کا یہ فرمان ہے کہ اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں شفاء ہے تو سینگی لگوانے میں شہد کے شربت میں اور آگ کے داغ میں ہے لیکن میں آگ سے دغوانا ناپسند رکھتا ہوں۔ (بخاری)

(۸۹۷) فرماتے ہیں جو شخص اپنے کسی کام سے کسی بدشگونی کی بناء پر لوٹ آئے وہ مشرک ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہہ دینا ((اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ)) (احمد)

آنحضرت ﷺ کے اور متفرق قسم کے فتاوے

(۸۹۸) یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے تو کیا میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا تمہاری خالہ ہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا ان سے سلوک و احسان کرو۔ (ترمذی)

(۸۹۹) ایک انصاری مسلمان مرتد ہو گیا، مشرکوں میں جا ملا، پھر نادم ہو کر اپنی قوم والوں میں مل گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے سوال پر آیت: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ سے لے کر ﴿ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (آلِ عمران: ۸۶) تک نازل ہوئی۔ آپؐ نے اُسے اس کی خبر کی، وہ پھر سے مسلمان ہو گیا۔ (نسائی)

(۹۰۰) ایک صاحب نے کوئی ایسا کام کر لیا جس سے جہنمی بن جائے۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ (احمد)

(۹۰۱) یا رسول اللہ ﷺ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مؤمن بزدل ہو؟ فرمایا ہاں۔

(۹۰۲) تو کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ مؤمن بخیل ہو؟ فرمایا ہاں۔

(۹۰۳) تو کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ مؤمن جھوٹا ہو؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ (مالک)

(۹۰۴) ایک عورت نے سرکارِ مدنی ﷺ سے سوال کیا کہ میری سوکن ہے تو کیا مجھے اجازت ہے کہ میرے خاوند نے جو مجھے نہ دیا ہو وہ بھی میں اس کے دینے میں ظاہر کروں؟ آپؐ نے فرمایا جو نہ دیا گیا ہو اس کا ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے دو

جھوٹ کے کپڑے پہننے والا۔ (متفق علیہ)

(۹۰۵) ایک روایت میں ہے کہ اس کا سوال یہ تھا کہ کیا مجھے جائز ہے کہ جو کچھ میرے خاوند نے مجھے نہ دیا ہو میں مشہور کر دوں کہ اس نے مجھے یہ دیا اور وہ دیا۔

(۹۰۶) ایک صاحب نے اللہ کے رسول' رسولوں کے سردار ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی عورت پر کوئی جھوٹ بات کہہ سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں کوئی بھلائی نہیں۔

(۹۰۷) اچھا تو کیا میں اسے دھمکا سکتا ہوں اور باتیں بنا سکتا ہوں؟ فرمایا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ (مالک)

(۹۰۸) فرمانِ رسالت مآب ﷺ نے لوگوں سے سنا کہ شرک سے ہوشیار رہو' اس کی چال چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ رہتی ہے' تو آپ سے سوال کیا کہ پھر ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ فرمایا یہ دعا پڑھا کرو : ((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ)) یعنی اے اللہ ہم تیرے ساتھ شرک کرنے سے تیری ہی پناہ چاہتے ہیں جسے ہم جانتے ہوں اور تجھ سے استغفار کرتے ہیں اس سے جسے ہم نہ جانتے ہوں۔ (مسند احمد)

(۹۰۹) ایک مرتبہ زبانِ رسالت مآب ﷺ سے صحابہ ؓ نے سنا کہ مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ چھوٹے شرک کا ہے تو پوچھا کہ چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے بتلایا کہ وہ ریا کاری ہے۔ ان سے قیامت والے دن جب ہر شخص کو بدلہ دیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم نے نیکیاں کی تھیں' انہی کے پاس جاؤ دیکھو تو وہاں کوئی بدلہ پاتے ہو؟ (مسند احمد)

(۹۱۰) یا رسول اللہ ﷺ اعمال میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں؟ فرمایا زیادہ مال والے لوگ سوائے ان کے جو ہر وقت اس طرح کیا کریں یعنی دائیں بائیں' آگے پیچھے یعنی ہر نیک کام میں خرچ کرتے رہیں' ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

(۹۱۱) آیت اترتی ہے : ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ الخ' (الانعام : ۸۲) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور پھر اپنے ایمان کو ظلم سے بچائے رکھا ان کے لیے امن ہے اور وہی راہ یافتہ ہیں' تو صحابہ ؓ نے سوال کیا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جو گناہ سے بالکل ہی بچا ہوا ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد مطلق گناہ نہیں بلکہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔ کیا تم نے حضرت لقمان علیہ السلام کا اپنے بیٹے سے یہ فرمانا نہیں سنا : ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمان : ۱۳) پیارے بچے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا' دیکھو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

(۹۱۲) صحابہ کرام ؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ تشریف لائے' اس وقت ان میں مسیح دجال کی بابت بات چیت ہو رہی تھی' تو آپ نے فرمایا سنو میرے نزدیک مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک چیز پوشیدہ شرک ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ پوشیدہ شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا انسان نماز کے لیے کھڑا ہو اور دیکھے کہ فلاں کی نگاہ مجھ پر ہے' تو بہت اچھی طرح سنوار کر نماز ادا کرے کیونکہ وہ دوسرا اسے دیکھ رہا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

(۹۱۳) یا رسول اللہ ﷺ! کیا اُس سردار کی بھی اطاعت کی جائے جس نے لکڑیاں جمع کرا کر' ان میں آگ لگوا کر' لوگوں کو اس میں کود پڑنے کا حکم دیا ہو؟ فرمایا اگر وہ اس میں کود پڑیں گے تو آگ میں سے نکلیں گے بھی نہیں۔ طاعت تو

شرعی اُمور میں ہے۔

(۹۱۴) اور روایت میں ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کوئی چیز نہیں۔

(۹۱۵) اور روایت میں ہے کہ ان سرداروں میں سے تمہیں جو بھی اللہ کی کسی نافرمانی کو کہے اس کی بات نہ مانو۔ نبی ﷺ کے اس فتوے سے صاف ثابت ہوگیا کہ کوئی بھی امیر و سردار ہو، کسی کی بھی معصیت میں حکم برداری حلال نہیں، اس میں کسی کی کوئی بھی تخصیص نہیں۔

(۹۱۶) اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ حدیث سنی کہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے، تو انہوں نے آپؐ سے سوال کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے؟ آپؐ نے فرمایا اس طرح کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالی دے تو وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ (صحیحین)

(۹۱۷) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے تو آپؐ سے سوال ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کسی کے ماں باپ کو یہ گالی دے تو وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذرائع کا اعتبار شریعت میں ہے، شریعت چاہتی ہے کہ برائی کے ذرائع بھی بند کر دے۔ اس قاعدے کے بہت سے شاہد گزر چکے ہیں اس لیے ہم یہاں انہیں نہیں دوہراتے۔

(۹۱۸) نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے ہیں کہ تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا وہ حرام ہے۔ آپؐ نے فرمایا سنو دس عورتوں سے زنا کرنا اس سے ہلکا ہے کہ انسان اپنی پڑوسن سے زنا کرے۔

(۹۱۹) اچھا بتلاؤ چوری کی بابت کیا کہتے ہو جواب دیا کہ حرام ہے۔ فرمایا دس گھروں سے چوری کرنا اس سے ہلکا ہے کہ آدمی اپنے پڑوسی کے ہاں سے چوری کرے۔ (مسند احمد)

(۹۲۰) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ عالم ہیں۔ فرمایا اپنے بھائی مسلمان کا اس طرح ذکر کرنا جو اسے مکروہ معلوم ہو۔

(۹۲۱) یا رسول اللہ ﷺ اگر ہمارے بھائی میں وہ بات واقعی موجود ہو تب بھی؟ فرمایا اگر ہو جب بھی غیبت ہے اور اگر نہ ہو تو بہتان ہے۔ (مسلم)

(۹۲۲) یا رسول اللہ ﷺ غیبت کیا ہے؟ فرمایا تیرا کسی شخص کا وہ ذکر کرنا جو اگر وہ سنے تو اسے بُرا معلوم ہو۔

(۹۲۳) یا رسول اللہ ﷺ گو وہ بات سچی ہو؟ فرمایا جب غلط ہو تو بہتان ہے۔ (مسند و مؤطا)

کبیرہ گناہوں کا بیان

(۹۲۴) یا رسول اللہ ﷺ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔

(۹۲۵) اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(۹۲۶) اور جھوٹ بولنا

(۹۲۷) اور بے وجہ ناحق قتل کرنا۔

(۹۲۸) اور میدانِ جنگ سے منہ موڑنا۔

(۹۲۹) اور جھوٹی قسم کھانا۔

(۹۳۰) اور اولاد کو اس لیے قتل کر دینا کہ اسے کھلانا پڑے گا۔

(۹۳۱) پڑوس کی عورت سے بدکاری کرنا۔

(۹۳۲) اور جادو۔

(۹۳۳) اور یتیم کا مال کھا جانا۔

(۹۳۴) اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔

۹۳۵ تا ۱۱۳۱ تک احادیثِ مبارکہ

نماز کو چھوڑ دینا۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ باوجود طاقت کے حج نہ کرنا۔ بغیر عذر کے رمضان شریف کا روزہ چھوڑ دینا۔ شراب پینا۔ چوری کرنا۔ زنا کرنا۔ لواطت کرنا۔ حق کے خلاف حکم کرنا۔ فیصلوں اور حکموں میں رشوت لینا۔ اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ بولنا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں، صفتوں، فعلوں اور حکموں میں جھوٹ بولنا۔ اس نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، ان کا انکار کر دینا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام سے یقین کا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا ظاہر باطل اور خطا ہے بلکہ کفر و ضلالت اور تشبیہ ہے۔ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی کا قول لینا۔
عقلیات کو، ظالمانہ سیاسیات کو، باطل خیالات کو، فاسد رائے و قیاس کو، ذوق و شوق کو، وجد و کشف کو حدیث پر مقدم کرنا۔ چنگی وصول کرنا۔ رعایا پر ظلم کرنا۔ فے کا مال کو غیر مستحقین کو دینا۔ تکبر کرنا۔ فخر کرنا۔ غرور کرنا۔ اکڑنا۔ ریاکاری کرنا۔ شہرت طلب کرنا۔ مخلوق کے خوف کو خالق کے خوف پر مقدم رکھنا۔ مخلوق کی محبت کو خالق کی محبت پر مقدم کرنا۔ مخلوق کی امید کو خالق کی امید پر مقدم رکھنا۔ ملک میں سربلندی اور فساد کا ارادہ رکھنا گو نہ بھی کر سکے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنا۔ ڈاکے ڈالنا۔ اپنے گھر میں برائی دیکھ کر پھر چپ رہنا۔ چغلی کرنا۔ پیشاب سے نہ بچنا۔ مرد کا عورت کی چال چلنا۔ عورت کا مرد سے مشابہت کرنا۔ عورت کا اپنے بال بڑھانے کے لیے ان میں اور بال ملانا۔ اور اسے طلب کرنا۔ خوبصورتی کے لیے دانتوں کو الگ الگ کرنا۔ یا کرانا۔ گودنا۔ گدوانا۔ تل لگوانا۔ تل لگانا۔ نسب میں طعنہ زنی کرنا۔ اپنے باپ سے بیزاری اور علیحدگی کرنا۔ باپ کا اولاد سے برأت کرنا۔

عورت کا اپنے خاوند کے بچے کے علاوہ اس کی اولاد میں اور کے بچے کو ملانا۔ نوحہ خوانی کرنا۔ طمانچے لگانا۔ کپڑے پھاڑنا۔ موت وغیرہ کی مصیبت کے وقت عورتوں کا سر منڈوا دینا۔ زمین کے نشانات کا الٹ پلٹ کر دینا۔ قطع رحمی کرنا۔ وصیت میں ظلم کرنا۔ وارث کا حق مارنا۔ مردار کھانا۔ خون کھانا۔ سؤر کا گوشت کھانا۔ حلالہ کرانا۔ حلالہ کرنا۔ حلالہ سے مطلقہ عورت کو حلال جاننا۔ اللہ کے واجبات کو گرانے کے لیے حیلے سازیاں کرنا۔ اللہ کے حرام کو حیلوں سے حلال کرنا۔ اس کے فرائض کو حیلہ جوئی کر کے ہٹا دینا۔ آزاد کو غلام کر کے بیچ دینا۔ غلام کو اس کے آقا سے مفرور کرا دینا۔ عورت کو اس کے خاوند کے خلاف بھڑکانا۔ جب علم کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہو اُسے چھپا لینا۔
دینی علم دنیا کمانے کے لیے سیکھنا۔ وجاہت طلب کرنا۔ لوگوں میں بلندی چاہنا۔ وعدہ شکنی کرنا۔ جھگڑوں میں گالیاں بکنا۔ عورتوں کی دُبر میں وطی کرنا۔ حیض کی حالت میں ہم بستری کرنا۔ صدقہ دے کر احسان جتانا۔ کوئی اور نیکی کر کے پھولنا۔ اللہ کے

ساتھ بد گمانی رکھنا۔ تقدیری یا دینی احکام میں کوئی اعتراض کرنا۔ قضاء و قدر کو جھٹلانا۔ استوا علی العرش کو نہ ماننا۔ اللہ کو بندوں کے اوپر نہ جاننا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی معراج کا نہ ماننا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کی طرف چڑھا ہوا نہ ماننا۔ پاک کلموں کا اس کی طرف چڑھنا نہ ماننا۔ اسے نہ ماننا کہ اس نے ایک کتاب لکھی ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے' وہ کتاب اس کے پاس اس کے عرش پر ہے۔ یہ نہ ماننا کہ وہ ہر رات آدھی رات کے گزرنے کے وقت آسمانِ اوّل کی طرف نزول فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اُسے بخش دوں۔

اسے نہ ماننا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں۔ اسے نہ ماننا کہ اس نے پہاڑ پر تجلی ڈالی جس سے اس کے ٹکڑے اُڑ گئے۔

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا' اس سے انکار کرنا۔

یہ بھی نہ ماننا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام و حوا کو آواز دی۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا۔

وہ اپنے بندوں کو قیامت کے دن پکارے گا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔

وہ قیامت کے دن تمام آسمانوں کو ایک ہاتھ میں لے لے گا اور زمینوں کو دوسرے ہاتھ میں۔

ان لوگوں کی باتیں کان دھر کر سننا جو اپنی باتیں نہ سنانا چاہتے ہوں۔

عورت کو خاوند کے خلاف بھڑکانا۔ غلام کو اس کے آقا کے خلاف ورغلانا۔ جاندار کی تصویریں بنانا خواہ ان کا سایہ ہو یا نہ ہو۔ جھوٹا خواب بیان کرنا۔ سود لینا۔ سود دینا۔ سودی قرض پر گواہ رہنا۔ سودی لین دین پر گواہ رہنا۔ شراب نوشی کرنا۔ شراب بنانا۔ شراب بنوانا۔ شراب کو اٹھانا۔ شراب بیچنا۔ شراب کی قیمت لینا۔ اس پر لعنت کرنا جو مستحق لعنت نہ ہو۔ کاہنوں کے پاس جانا۔ نجومیوں کے پاس جانا۔ پیش گوئیاں کرنے والوں اور غیب کی خبریں دینے والوں کے پاس جانا۔ جادوگروں کے پاس جانا۔ انہیں سچا جاننا۔ اُن کی باتوں پر عمل کرنا۔ اللہ کے سوا دوسروں کو سجدہ کرنا۔

اللہ کے سوا دوسروں کی قسم کھانا جیسے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا۔

بعض لوگ اسے مکروہ کہتے ہیں یہ ان کی کمزوری ہے بھلا جب اسے رسول اللہ ﷺ شرک بتلاتے ہیں تو اس کا مرتبہ کبیرہ گناہ سے بھی کم کیسے رہے گا بلکہ اس کا بوجھ کبیرہ گناہ سے بہت بڑا ہے۔

قبروں کو مسجدیں بنا لینا۔ قبروں کی بتوں کی طرح پوجنا۔ قبروں پر میلے اور عرس منعقد کرنا۔ ان کی طرف سجدہ کرنا۔ ان کی طرف نماز ادا کرنا۔ ان کا طواف کرنا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ ان قبروں کے پاس دعا کرنا اللہ کے ان گھروں میں بھی دعا کرنے سے افضل ہے جن میں اللہ کا پکارا جانا' اس کی عبادت کرنا' اس کی نماز پڑھنا' اس کے لیے سجدہ کرنا مشروع ہے۔

اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنا' تہبند ٹخنے سے نیچے لٹکانا۔ پاجامہ ٹخنے سے نیچا کرنا۔ عمامہ وغیرہ حد شرع سے زیادہ لٹکانا۔ اکڑ کر چلنا۔ خواہش کا اتباع کرنا۔ دلی چاہت کا ماننا۔ اپنے نفس کو پسند کر کے اپنی عقل پر بھروسہ کرنا۔

جن اقارب وغیرہ کا نان و نفقہ ادا کرنا ضروری ہے انہیں برباد کر دینا مثلاً بیوی' غلام' نوکر چاکر وغیرہ۔

غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کرنا۔ مسلم بھائی سے سال بھر تک میل جول ترک رکھنا جیسے کہ صحیح حاکم میں ابو خراش ہذلی سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اپنے مسلمان بھائی سے سال بھر تک میل ملاپ ترک کیے رہنا اس کے

قتل کے برابر ہے۔

ہاں! تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھنا ممکن ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔ اللہ کی کسی حد کے نہ جاری ہونے دینے کی شفاعت کرنا۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اپنے مسلمان بھائی سے سال بھر تک میل ملاپ ترک کیے رہنا اس کے قتل کے برابر ہے۔

ہاں تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھنا ممکن ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔ اللہ کی کسی حد کے نہ جاری ہونے دینے کی شفاعت کرنا۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث ہے کہ جس کی سفارش اللہ کی کسی حد کے آگے آئی اُس نے اللہ کے امر میں اس کی مخالفت لی۔ (مسند احمد وغیرہ)

نہایت بے پروائی سے اللہ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ منہ سے نکال دینا۔ کسی بدعت کی طرف کسی کو بلانا۔ کسی گمراہی کی دعوت کسی کو دینا۔ کسی سُنّت کے چھوڑنے پر کسی کو مائل کرنا۔ یہ تینوں باتیں اکبرا لکبائر ہیں کیونکہ ان میں اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت ہے۔

ان کبیرہ گناہوں میں یہ تین بھی ہیں جو حاکم نے اپنی صحیح میں بروایت حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ وارد کیے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو کسی مسلمان کی برائی میں کوئی لقمہ کھائے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جہنم کی آگ کھلائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی بدی کر کے کسی جگہ پہنچے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھانے سنانے کی جگہ کھڑا کر کے عذاب کرے گا اور جو کسی مسلمان کی برائی میں کسی مسلمان پر جھوٹ باندھ کر اس کا مذاق اڑا کر اس پر عیب گیری کر کے اسے ملامت کر کے اس پر طعنہ کر کے اس کی آبروریزی کر کے اس پر جھوٹی گواہی دے کر اس کے کسی دشمن کے سامنے اس کی برائی اور حقارت کر کے غرض کسی نہ کسی طرح کسی مسلمان کے خلاف کر کے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو پائے وہ ان عذابوں کا مستحق ہے۔ افسوس! آج بہت سے لوگ ان باتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

اپنے جیسے بدکاروں میں بیٹھ کر اپنے گناہ پر فخر و غرور اور اظہارِ خوشی کرنا۔ گو اللہ تعالیٰ اسی گنہگار کو جس نے پردے میں اپنا گناہ رکھا ہو معاف بھی فرمادے لیکن اس اظہار کرنے والے سے درگزر نہ فرمائے گا۔

منافق طبع شخص جو اس جماعت کے پاس اس جیسی زبان اور منہ رکھتا ہے اور دوسری جماعت کے سامنے ان کا سا منہ اور ان جیسی زبان کرلیتا ہے۔ اس درجہ کی بدگوئی اور بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے تنگ آ جائیں۔

ناحق پر ہوتے ہوئے اکڑنا اور جھگڑنا باوجودیکہ اپنا باطل پر ہونا معلوم ہے۔

جھوٹا دعویٰ کرنا باوجود اس کے کہ جھوٹ کا علم ہو۔ اہل بیت رسول ﷺ میں داخل نہ ہونے کے باوجود اپنے تئیں اس میں داخل کرنا۔

یہ دعویٰ کرنا کہ میں فلاں کا لڑکا ہوں حالانکہ اس کا باپ اور کوئی ہو۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو اپنے باپ کے سوا اور کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرے اس پر جنّت حرام ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے اپنے باپوں سے مت پھر جو اپنے باپ سے پھر جائے وہ کافر ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص باوجود علم کے اپنے باپ کے سوا اور پر باپ ہونے کا دعوی کرے وہ کافر ہوگیا۔ جس نے اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے۔

جو شخص دوسرے کو کافر کہے یا دشمن الٰہی کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ لفظ اسی پر لوٹ آئے گا۔
پس کبیرہ گناہوں میں سے اسے کافر کہنا ہے جسے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے کافر نہ کہا ہو اور جب کہ آنحضرت ﷺ نے خارجیوں سے لڑنے کا حکم دیا اور بتلایا کہ جتنے مقتول آسمان تلے ہیں ان سب سے بدترین یہ ہیں اور فرمایا کہ یہ دینِ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے' ان کا مذہب مسلمانوں کو گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ وہ سُنّت کے منکر تمام مسلمانوں کے خلاف حدیث کی نسبت وہ رائے رکھتے ہیں' نہ اس سے فیصلہ کرنا جائز جانتے ہیں نہ اس کی طرف کوئی فیصلہ لے جاتے ہیں۔ اسلام میں کسی بدعت کا ایجاد کرنا۔ کسی بدعتی کی مدد و اعانت کرنا۔
صحیحین میں ہے جو شخص کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو جگہ اور پناہ دے اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو اس کی توبہ قبول فرمائے گا نہ فدیہ۔
بدترین عبادت کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ ﷺ کو معطل کر دینا اور ان کے خلاف مسائل ایجاد کر دینا اور ایسے مسائل نکالنے والوں کی امداد کرنا' ان کے دشمنوں کو ٹالنا اور کتاب و سُنّت کی دعوت دینے والوں سے دشمنی رکھنا ہے۔
شعائرِ الٰہی کی حرم میں اور حالتِ احرام میں بے حرمتی کرنا' جیسے شکار کھیلنا اور حرامِ الٰہی میں جنگ کو جائز سمجھ لینا۔ مردوں کا ریشم پہننا۔ مردوں کا سونا پہننا۔
سونے چاندی کے برتنوں کو مردوں کا استعمال کرنا۔
فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ شگون لینا شرک ہے۔ پس ممکن ہے کہ یہ بھی کبیرہ گناہ ہو اور ممکن ہے کہ اس سے ہلکے درجے کا ہو۔ مالِ غنیمت میں سے خیانت کرنا۔
امام اور سردار کا رعیت سے دھوکا کرنا۔ محرماتِ ابدیہ سے نکاح کرنا۔
جانوروں سے وطی کرنا۔ مسلمان سے مکر کرنا۔ مسلمانوں سے فریب بازی کرنا۔ مسلمان کو ضرر پہنچانا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ ملعون ہے جو مسلمان سے مکر کرے یا اُسے نقصان پہنچائے۔
قرآنِ کریم کی بے حرمتی کرنا' اس کی اہانت کرنا جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو اسے کلام اللہ نہیں جانتے جیسے پیر اوپر رکھ دینا وغیرہ۔
کسی اندھے کو راستے سے بھٹکا دینا۔
ایسا کرنے والا بزبانِ معصوم ﷺ ملعون ہے۔
پس کتنا بڑا لعنتی اور کیسے کبیرہ گناہ کا مرتکب وہ ہے جو راہِ الٰہی سے صراطِ مستقیم سے بندگانِ الٰہی کو بہکائے۔
کسی انسان کے منہ پر داغ لگوانا۔ کسی جانور کے منہ کو داغنا۔
رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخصوں پر لعنت فرمائی ہے۔
اپنے مسلمان بھائی پر ہتھیار اٹھانا۔ ایسا کرنے والے پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔
وہ کہنا جو خود نہ کرنا۔ جنابِ باری عزوجل کا ارشاد ہے : ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہیں کرتے۔
کتاب اللہ میں بے علم جھگڑنا۔ دینِ الٰہی میں بے علمی سے جھگڑنا۔

اپنے ماتحتوں سے سختی سے پیش آنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ بد خصلت شخص جنت میں نہ جائے گا۔

اپنی حاجت کی چیز نہ ہو پھر بھی حاجت مند سے روک رکھنا حالانکہ وہ چیز بھی اس کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی نہ ہو۔

جوا کھیلنا۔

شطرنج کھیلنا کیونکہ اس کے کھیلنے والے کو حدیث میں خون و گوشت' خنزیر میں ہاتھ رنگنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے خصوصاً جب کہ شطرنج میں بازی بھی لگی ہو اس وقت تو تشبیہ بالکل پوری ہو جاتی ہے۔ کھیلنا خون میں ہاتھ بھگونا ہے اور مال حاصل کرنا' اس کا گوشت کھانا ہے۔

نماز با جماعت کو چھوڑنا کیونکہ نبی ﷺ نے ایسے لوگوں کے جلا دینے کا عزم کیا تھا۔ ایسے تو آپ نہ تھے کہ صغیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کو جلا دیں۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کا ثابت فرمان ہے کہ ہم نے تو اپنے تئیں دیکھا ہے جماعت سے پیچھے وہی لوگ رہا کرتے تھے جو منافق تھے اور جن کا نفاق بھی بالکل کھلا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ نفاق کبیرہ گناہ سے بھی اونچے درجے کی چیز ہے۔

جمعہ کی نماز کا چھوڑ دینا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے یا تو لوگ جمعہ کے چھوڑنے سے باز آئیں گے یا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا پھر وہ بالکل غافلوں میں جا ملیں گے۔

سنن کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص سستی اور کاہلی سے تین جمعہ چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مُہر کر دیتا ہے۔

اپنے ورثے سے اپنے کسی وارث کو محروم کر دینا۔

یا کسی کو اس پر ترجیح دینا یا ایسے حیلے سکھانا۔

مخلوق کے بارے میں حد سے تجاوز کر جانا یہ کبیرہ گناہ وہ ہے جو کبھی شرک تک ترقی کر جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں غلو کرنے سے بچو تم سے اگلے لوگوں کو اسی نے تباہ کیا۔

حسد کرنا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔

نمازی کے سامنے سے گزر جانا۔ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔ اگر یہ صغیرہ گناہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کے کرنے والے سے لڑائی کرنے کو نہ فرماتے' نہ یہ فرماتے کہ چالیس سال تک اس کا ٹھہرا رہنا بھی اس کے حق میں نمازی کے سامنے سے گزر جانے سے بہتر ہے جیسا کہ مسند بزار میں ہے۔

ختم الرسلین امام النبیین ﷺ کے متفرق فتووں کی تفصیل

(۱۱۳۲) رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ جب تو نماز قائم رکھے' زکوٰۃ دے تو مہاجر ہے گو حضرمہ میں ہی تیرا انتقال ہو۔ یہ شہر یمن میں ہے مراد وطن میں مرنا ہے۔ (مسند احمد)

(۱۱۳۳) حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اپنی کوئی پسندیدہ جگہ میرے رہنے کے لیے تجویز فرما دیجیے تو آپ نے شام کے ملک کی نسبت فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں ہے' اسے پسندیدہ ہے' اس کے بہترین بندے اسی کی طرف جائیں گے۔

(۱۱۳۴) اگر یہ نہیں تو یمن میں سکونت رکھو اور اسی اپنے حوض کا پانی پیو۔ اللہ تعالیٰ شام اور شامیوں پر میرا وکیل ہے۔

(ابوداؤد)

(۱۱۳۵) حضرت بہز بن حکیم کے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ کہاں کا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہاں کا اور اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی)

(۱۱۳۶) یہودیوں نے آپ سے پوچھا کہ کڑاکا کیا ہے؟ فرمایا ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر داروغہ ہے۔ وہ اپنے آتشیں کوڑوں سے انہیں جہاں اللہ کا حکم ہو' ہانک لے جاتا ہے۔

(۱۱۳۷) یہ جو آواز سنی جاتی ہے' یہ کیا ہے؟ فرمایا اس کا بادلوں کو ڈانٹنا ہے' یہاں تک کہ جہاں کا حکم ہو وہاں پہنچ جائیں' انہوں نے کہا آپ سچے ہیں۔

(۱۱۳۸) یہ بھی بتلایئے کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کیا چیز حرام کرلی تھی؟ فرمایا انہیں عرق النسا کا درد تھا پس کوئی چیز اُسے ٹھیک پڑنے والی بجز اونٹ کے گوشت اور دودھ کے نہ پائی۔ اس لیے اُسے اپنے اوپر حرام کرلی۔ انہوں نے کہا یہ بھی آپ نے سچ فرمایا۔ (ترمذی)

(۱۱۳۹) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا موجودہ بندر اور سؤر اُن یہودیوں کی نسل میں سے ہیں؟ فرمایا جس قوم کی شکلیں اللہ کی لعنت سے بدل جاتی ہیں' وہ یوں ہی بلا نسل غارت ہو جاتی ہیں یہ تو اللہ کی الگ جداگانہ مخلوق ہے۔ یہودیوں پر غضب الٰہی نازل ہوا اور انہیں ان کی شکل میں کر دیا گیا۔ (مسند احمد)

(۱۱۴۰) ارشاد ہوتا ہے کہ تم میں مغرب لوگ ہیں۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دریافت کرتی ہیں کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ جن میں جنّات کی شرکت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد) اس سے مراد شیطانوں کی مشارکت ہے۔ انسانوں کی اولاد میں مغرب انہیں اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کے نسب میں اور ان کے اصول میں بہت دوری ہو جاتی ہے۔ عربوں کا قول عنقائے مغرب بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

(۱۱۴۱) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند کہاں باندھوں؟ آپ نے اپنی پنڈلیوں کی اونچی ہڈی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہاں۔ پھر فرمایا اگر اسے نہ مانے تو یہاں' اس سے ذرا نیچے۔ اگر اس سے بھی انکار کرے تو یہاں ٹخنے سے اوپر اگر اس سے بھی انکار کرے تو سُن لے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اکڑنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (مسند احمد)

(۱۱۴۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ میں اگر اپنا تہبند ہر وقت سنبھالے نہ رہوں تو وہ نیچے سرک جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان میں سے نہیں ہو جو گھمنڈ اور غرور کے طور پر تہبند لٹکایا کرتے ہیں۔

(۱۱۴۳) ارشادِ مبارک ہے جو شخص اپنا کپڑا غرور کے طور پر لٹکائے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ تو اُمّ المؤمنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ عورتیں اپنے دامنوں کا کیا کریں؟ آپ نے فرمایا ایک بالشت لٹکالیں۔ عرض کیا کہ اس صورت میں ان کے قدم کھل جائیں گے۔ فرمایا پھر ایک ہاتھ لٹکا لیا کریں لیکن اس سے زیادہ نہیں۔

(۱۱۴۴) ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ میری لڑکی کے بال بیماری سے بالکل جھڑ گئے ہیں۔ اس کے بالوں میں اور بال ملالوں؟ فرمایا ملانے والی اور ملوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔ (متفق علیہ)

(۱۱۴۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاہنوں کے پاس جانے کی نسبت آپ کا کیا فرمان ہے؟ فرمایا ان کے پاس نہ جاؤ۔

(۱۱۴۶) یا رسول اللہ ﷺ نیک شگون کی بابت نبی ﷺ کا کیا فتویٰ ہے؟ جواب دیا کہ لوگ اسے اپنے دِلوں میں پاتے ہیں' لیکن یہ چیز انہیں کسی کام سے روک نہ دے۔

(۱۱۴۷) یا رسول اللہ ﷺ خط کھینچنے کی بابت نبی ﷺ کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی خط کھینچا کرتے تھے تو جس کا خط ان کے خط سے موافقت کر جائے تو کر جائے۔

(۱۱۴۸) یا رسول اللہ ﷺ یہ کاہن کیا ہیں؟ فرمایا کوئی چیز نہیں ہیں۔

(۱۱۴۹) لیکن یا رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی تو ان میں سے کسی کی بات سچ نکل آتی ہے؟ فرمایا یہ دراصل سچّی خبر ہوتی ہے جو جنّات اڑا لاتے ہیں اور کسی کے کان میں پھونک دیتے ہیں پھر وہ اسے اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر پھیلاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۱۱۵۰) یا رسول اللہ ﷺ قرآن شریف کی آیت: ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى ﴾ الخ' (البقرۃ: ۲۲۰) میں بشارت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا خواب جنہیں کوئی آدمی دیکھے یا اس کے لیے دکھائے جائیں۔ (مسند احمد)

(۱۱۵۱) اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کی بابت رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ وہ آپؐ کی صداقت مانتا تھا اور آپؐ کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں نے اُسے خواب میں سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے اگر وہ جہنمی ہوتا تو اس پر اس کے سوا اور کوئی لباس ہوتا۔

(۱۱۵۲) ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کاٹ دیا گیا' وہ لڑھکنے لگا' میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑا جا رہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ایسے کھیل جو تیرے ساتھ نیند میں شیطان کھیلے ان کا بیان نہ کیا کر۔ (مسلم)

(۱۱۵۳) حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر آپؐ فرمائیں تو ہم گھوڑی پر گدھا ڈال کر خچر کی نسل لیں اور آپؐ کی سواری کے لیے اسے تیار کریں؟ آپؐ نے فرمایا یہ کام اُن کا ہے جو بے عِلم ہوں۔ (مسند احمد)

(۱۱۵۴) مالِ یتیم کے بارے میں جب سختی کی گئی تو یتیموں کے والیوں نے ان کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا۔ جب اس میں تنگی اور نقصان ہونے لگا تو رسولِ اکرم ﷺ سے یہ ذکر کیا۔ اسی وقت آیت: ﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى ﴾ الخ' (البقرۃ: ۲۲) نازل ہوئی یعنی لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب دے کہ ان کے لیے اصلاح ہر حال میں بہتر ہے۔ اگر تم ان کے مال اپنے مال سے ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا اور اپنا کھانا پینا ایک کر دیا۔

(۱۱۵۵) جب آیت: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ ﴾ الخ' (آلِ عمران: ۷) اتری تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم انہیں دیکھو تو متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تو سمجھ لینا کہ ان ہی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان سے بچتے رہنا۔ (متفق علیہ)

(۱۱۵۶) یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں حضرت مریمؑ کا ﴿ يَآ اُخْتَ هَارُوْنَ ﴾ (مریم: ۲۸) کے لفظ سے ذکر ہے تو کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن تھیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ لوگ اپنے نبیوں اور اپنی قوم کے نیک لوگوں کے نام پر اپنے اور اپنی اولاد کا نام رکھ لیا کرتے تھے۔

(۱۱۵۷) یا رسول اللہ ﷺ قومِ یونس کی گنتی کی بابت قرآن میں ہے کہ ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ زیادہ کی طرف بھیجا تھا۔ تو فرمائیے کہ وہ زیادتی کتنی تھی؟ جواب دیا کہ بیس ہزار کی۔

(۱۱۵۸) حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآنِ کریم میں ہے : ﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ﴾ الخ' (مائدہ : ۱۰۵) ایمان والو! تم اپنے تئیں سنبھالے رہو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی باتیں لوگوں کو بتاتے رہو' بری باتوں سے روکتے رہو۔ یہاں تک کہ جب دیکھو کہ بخیلی کی اطاعت' خواہش کی پیروی' دنیا کی ترجیح' ہر ایک شخص کا اپنے خیال میں مگن رہنا شروع ہو گیا ہے تو صرف اپنے آپ کو ہی بچانے کی فکر میں لگ جاؤ۔ لوگوں کو چھوڑ دو۔ یاد رکھو تمہارے پیچھے صبر کا زمانہ آ رہا ہے اس وقت دین پر صبر کر کے جم جانا ایسا کٹھن ہو گا جیسے آگ کے انگارے کو تھام لینا۔ اس وقت دین کے عامل کو تم میں پچاس کے برابر اجر ملے گا۔ (ابوداؤد)

(۱۱۵۹) یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (ترمذی)

(۱۱۶۰) یا رسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کا شروع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری والدہ کا خواب کہ ان کے جسم سے نور نکلتا ہے جس سے ان کے سامنے شام کے محلات روشن ہو جاتے ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۱۶۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ نبوت کا سب سے پہلے امر آپ نے کیا دیکھا؟ آپ جواب مرحمت فرماتے ہیں کہ جب میں بیس سال کچھ ماہ کا تھا' جنگل میں جا رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف اپنے سر کے پاس ہی باتوں کی آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ کیا یہ وہی ہیں؟ اب دونوں میرے سامنے آئے' ان جیسے نورانی' پاک اور خوبصورت چہرے میں نے تو دیکھے نہیں' نہ ان جیسی دماغ کو مہکا دینے والی روح پرور خوشبو میں نے کبھی سونگھی اور نہ اُن جیسے کپڑے کبھی کسی کے اوپر دیکھے۔ انہوں نے میرے سامنے آتے ہی میرے بازو تھام لیے لیکن پکڑنے کی کوئی حس میں نے نہیں پائی۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا انہیں لٹا دو۔ چنانچہ دونوں نے مل کر مجھے لٹایا لیکن لیٹنے میں بھی مجھے کوئی حرکت یا تکلیف نہ ہوئی۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ چاک کر دو۔ چنانچہ ایک صاحب نے میرا سینہ چاک کیا لیکن نہ مجھے اس میں کوئی تکلیف ہوئی' نہ خون نکلا اور نہ کچھ محسوس ہوا۔ اب اس دوسرے نے کہا اس میں سے حسد و بغض' برائی اور بدی نکال ڈالو۔ پس اس نے کوئی چیز نکالی جیسے کوئی بوٹی ہو' اُسے الگ پھینک دیا پھر کہا اسے شفقت اور مہربانی سے پُر کر دو۔ پھر چاندی جیسی شفاف کوئی چیز اس نکالی ہوئی چیز کے بدلے رکھ دی گئی۔ پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جاؤ چنانچہ میں چلا آیا لیکن میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے شخص پر میرے دل میں محبت و رحمت ہے اور بڑے کے لیے میرے دل میں اُلفت و محبت ہے۔ (مسند احمد)

(۱۱۶۲) یا رسول اللہ ﷺ کون سا زمانہ سب سے بہتر ہے؟ فرمایا وہ زمانہ جس میں میں ہوں' پھر اس کے بعد کا دوسرا زمانہ' پھر اس کے بعد والا تیسرا زمانہ۔ (مسلم)

(۱۱۶۳) یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے؟ فرمایا عائشہ (اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا)

(۱۱۶۴) اچھا نبی ﷺ مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ)

(۱۱۶۵) ان کے بعد فرمایا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

(۱۱۶۶) حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما رسولِ اکرم ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کی اہل میں سے سب سے زیادہ محبت آپ کو کس سے ہے؟ فرماتے ہیں حضرت فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ عنہا) سے۔

(۱۱۶۷) حضور ﷺ! سوال کا یہ مطلب نہیں۔ تو فرمایا پھر سب سے زیادہ میرا محبوب میری اہل میں سے وہ ہے جس پر انعامِ الٰہی ہے اور انعامِ رسول (ﷺ) ہے یعنی حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔

(۱۱۶۸) یا رسول اللہ ﷺ پھر ان کے بعد کون؟ فرمایا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ۔

(۱۱۶۹) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ پھر تو آپ نے اپنے چچا کو سب سے آخر میں ہی رکھا؟ آپ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت میں تم پر سبقت کی ہے۔ (ترمذی)

(۱۱۷۰) یا رسول اللہ ﷺ آپ کے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ فرمایا حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) (ترمذی)

(۱۱۷۱) یا رسول اللہ ﷺ تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل کونسا ہے؟ فرمایا اللہ کے لیے محبت اور عداوت رکھنا۔ (مسند احمد)

(۱۱۷۲) یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت تھی جو نماز روزے میں خوب مستعد تھی مگر اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی تھی، فرمایا وہ جہنم میں گئی۔

(۱۱۷۳) اچھا نبی ﷺ! ایک اور تھی جو روزے، نماز اور صدقے میں اتنی زیادہ مشہور تو نہ تھی لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی تھی۔ آپ نے فرمایا وہ جنتی ہے۔ (مسند احمد)

(۱۱۷۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے دریافت کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے دو پڑوسی ہیں تو میں ہدیہ کسے دوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)۔

(۱۱۷۵) صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا مگر یہ کہ وہ اس کا حق ادا کریں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ راستے کے حقوق کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ نگاہ روکے رکھنا، کسی کو ایذاء نہ دینا، سلام کا جواب دینا، بھلی باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا۔

(۱۱۷۶) یا رسول اللہ ﷺ! میں مال اور اولاد والا شخص ہوں۔ میرے والد بھی ہیں اور وہ میرے مال کے محتاج ہیں؟ آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ ہی کا ہے۔ سنو! تمہاری اولاد تمہاری بہترین پاک کمائی ہے پس تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھا سکتے ہو۔ (ابوداؤد)

(۱۱۷۷) یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی طرف ہجرت کرنے اور اپنے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی اجازت دیجیے؟ آپ نے فرمایا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ صحابی نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں۔ فرمایا ان کے پاس چلے جاؤ اور ان کی خاطر خواہ خدمت کرو۔ (مسلم)

(۱۱۷۸) ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کے اسی سوال پر رسولِ مقبول ﷺ نے جواب دیا تھا کہ تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں وہ زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے قدم تھام لو، وہیں جنّت ہے۔ (ابنِ ماجہ)

(۱۱۷۹) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا میں اپنے ماں باپ کی کوئی خدمت اور اُن سے کوئی سلوک ان کے انتقال کے بعد بھی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں چار کام کرو۔ اوّلاً تو ان کے لیے دعائے استغفار کرتے رہو۔ دوسرے انہوں نے جس کسی سے جو وعدہ کیا ہو اسے پورا کرو۔ تیسرے ان کے دوستوں کی عزت اور توقیر کرتے رہو۔ چوتھے ان کی وجہ سے جو رشتے ناطے قائم ہوتے ہیں انہیں نبھاؤ اور ان سب سے اچھا سلوک اور نیکی کر۔ یہی راستے ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۱۸۰) یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماں باپ کے اپنی اولاد پر کیا کیا حق ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ وہی دونوں تیرے لیے جنت و دوزخ ہیں (یعنی ان کی خوشی میں جنت اور ان کی ناراضگی میں جہنم ہے۔) (ابنِ ماجہ)

(۱۱۸۱) یا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اپنے قرابت داروں سے سلوک کرتا رہتا ہوں' رشتے داری نبھاتا جاتا ہوں لیکن وہ نہ تو مجھ سے اچھا سلوک کرتے ہیں' نہ قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہیں۔ میں ان سے احسان کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں ان سے درگزر کرتا ہوں لیکن وہ مجھ پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تو کیا اب مجھے اجازت ہے کہ میں ان سے اپنا بدلہ لوں اور جو وہ میرے ساتھ کرتے ہیں میں بھی ان کے ساتھ کروں؟ آپ نے جواب دیا نہیں نہیں' ایسا کرنے سے تو تم سب برابر کے ہو جاؤ گے' تو فضیلت کے لیے ان سے سلوک کرتا رہ' رشتے داری کو نہ توڑ جب تک تو اس نیکی پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ کی مدد تیرے ساتھ رہے گی۔ (مسند احمد)

(۱۱۸۲) صحیح مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ تب تک اللہ کی طرف کا مددگار تیرے ساتھ برابر رہے گا اور تو انہیں زک دیتا اور شرمندہ کرتا رہے گا۔

(۱۱۸۳) اے اللہ کے سچے رسول' رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے کہ خاوند کے ذمے عورت کے حق کیا کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ جب خود کھائے اسے بھی کھلائے اور جب خود پہنتا ہے تو اسے بھی پہنائے اس کے منہ پر نہ مارے' اسے گالی گلوچ نہ دیتا رہے' اگر کسی وجہ سے بول چال چھوڑنی پڑے تو اپنے گھر میں ہی رکھ کر چھوڑ دے۔ (ابوداؤد)

(۱۱۸۴) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے کے لیے بھی ان سے اجازت چاہوں۔ فرمایا ہاں۔

(۱۱۸۵) میں اور وہ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں پھر بھی؟ فرمایا ہاں۔

(۱۱۸۶) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ان کا تمام کام کاج مثل خادموں کے کرتا ہوں پھر بھی؟ فرمایا ہاں اجازت طلب کر لیا کرو' کیا تم چاہتے ہو کہ کسی وقت انہیں ننگا دیکھ لو؟ جواب دیا کہ یہ تو میں ہرگز نہیں چاہتا۔ فرمایا بس تو پھر اجازت طلب کر لیا کرو۔ (مؤطا مالک)

(۱۱۸۷) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم میں جو حکم ہے کہ: ﴿ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ﴾ الخ (النور : ۲۷) یہاں تک کہ تم اُنس حاصل کر لو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا انسان کا کسی مکان میں جانے کے لیے اس کی دہلیز پر پہنچ کر اپنے پہنچنے کی اطلاع کے طور پر ((سُبْحَانَ اللّٰهِ)) یا ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ)) یا ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہہ دینا یا کھنکار دینا اور گھر والوں کا اجازت دینا۔ (ابنِ ماجہ)

(۱۱۸۸) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو چھینک آئی تو انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس موقعہ پر کیا کہنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہو۔

(۱۱۸۹) اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر یہ سن کر ہمیں اس کے لیے کیا کہنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم کہو ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ))

(۱۱۹۰) تو پہلے صحابی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا پھر میں انہیں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا تم کہو: ((یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ))
(مسند احمد)

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَکْمَلُ وَاَتَمُّ۔

الراقم: محمد بن ابراہیم عفی عنہ (میمن جونا گڑھی) مدرس مدرسہ دارالحدیث محمدیہ ایڈیٹر اخبار محمدی بارہ ہندو راؤ دہلی بتاریخ ۲۲/ ربیع الاخر ۱۳۵۶ھ ۲/ جولائی ۱۹۳۷ء یوم جمعۃ المبارک۔

الحمد للہ۔ آج کتاب اعلام کے پورے ترجمے سے میں فارغ ہوا' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جو صاحب اسے پڑھیں ان سے میری درخواست ہے کہ میرے لیے دعاءِ مغفرت و رحمت کریں۔ ہاتھ اٹھا کر کہہ دیجیے کہ الٰہی اس کے مترجم کو بخش دے۔ الٰہی اسے اپنی غلامی میں قبول فرما' اس کی برائیوں سے درگزر فرما اور اسے اپنے پاس اجر عظیم عطا فرما' آمین اللھم اغفر للمومنین والمومنات' والمسلمین والمسلمات الاحیاء والاموات۔

تمت بالخیر

